سلف صالحینؒ کی عمدہ تفاسیر کا لُبِ لباب مستند معرکۃ الآرا عام فہم تفسیر جس میں ادیانِ باطلہ
کے اعتراضات کا شافی جواب اور اُن کا رد بھی تقابل ادیان کے لیے بھی بے نظیر تفسیر

# تفسیر فتح المنّان

المشہور بہ

# تفسیرِ حقّانی

مُفصل عنوانات کے اضافہ اور الفاظ کی تسہیل کے ساتھ پہلی بار


تالیف: فخرالمفسرین علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی رحمہ اللہ

عنوانات تسہیل: مولانا محمد عابد قریشی صاحب متخصص فی الفقہ و فاضل جامعہ دار العلوم کراچی



دار الاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 32631861

سلف صالحین کی عمدہ تفاسیر کا لُب لباب مُستند معرکۃ الآرا عام فہم تفسیر جس میں ادیان باطلہ کے
اعتراضات کا شافی جواب اور اُن کا رد بھی حوالے کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تقابل ادیان کے لیے بھی بے نظیر تفسیر

## تفسیر فتح المنّان

المشہور بہ

# تفسیرِ حقّانی

مُفصّل عنوانات کے اضافہ اور الفاظ کی تسہیل کے ساتھ پہلی بار

جلد اوّل

مقدمہ، سورۃ الفاتحۃ تا سورۂ آل عمران


تألیف

فخر المفسرین علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

تسہیل و عنوانات

مولانا محمد عابد قریشی صاحب

متخصص فی الفقہ و فاضل جامعہ دار العلوم کراچی



دار الاشاعت

اُردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 021-32213768

عنوانات وتسہیل کے جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : جولائی ۲۰۱۳ء علمی گرافکس
ضخامت : ۷۲۰ صفحات

www.darulishaat.com.pk

**قارئین سے گزارش**

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

……ملنے کے پتے……

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم اردو بازار کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

# فہرست مضامین

# تفسیر حقانی جلداوّل



| عنوانات | صفحہ | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|---|
| **مقدمہ** | ۲۵ | تیسری بات کی تحقیق | ۳۴ |
| **فصل اول:**......وجود خدااور انبیاء علیہم السلام کی نبوت | ۲۵ | فوائد:......معجزات | ۳۵ |
| وجودِ خدا کا اقرار انسانی جبلت ہے | ۲۵ | معجزات کے بارے میں معتزلہ کا نقطۂ نظر | ۳۵ |
| انتظامِ معاش | ۲۶ | عصر حاضر کے معتزلہ | ۳۶ |
| انتظامِ معاد | ۲۶ | پہلی بات کا جواب | ۴۰ |
| ضرورت الہام | ۲۷ | دوسری بات کا جواب | ۴۱ |
| انتظام ہدایت | ۲۸ | تیسری بات کا جواب | ۴۱ |
| کامل، حکیم اور خلیفہ وغیرہ میں فرق | ۲۸ | **فصل سوم:**......الملائکہ | ۴۲ |
| موئید روح القدس | ۲۸ | اقسام ملائکہ | ۴۶ |
| ہادی | ۲۸ | ملائکہ کی حقیقت | ۴۷ |
| امام | ۲۸ | جن کی حقیقت | ۴۸ |
| منذر | ۲۸ | جنوں کی اقسام | ۴۸ |
| معیارِ نبوت | ۲۸ | عربی میں جنوں پر بولے جانے والے الفاظ | ۴۸ |
| نبی، رسول اور اولیاء میں فرق | ۲۹ | خلاصۂ بحث | ۴۹ |
| خلاصۂ کلام | ۲۹ | امراول | ۴۹ |
| انبیاء علیہم السلام کے درجات باہم متفاوت ہیں | ۲۹ | امردوم۔جنوں کے اوصاف | ۴ |
| پوری فصل کا خلاصہ | ۳۰ | امرِ سوم۔تحقیقِ شیطان | ۵۰ |
| **فصل دوم**......معجزات کے بیان میں تحقیق امراول | ۳۰ | امرِ چہارم | ۵۲ |
| پہلی بات کی تحقیق | ۳۱ | امرِ پنجم | ۵۳ |
| معجزہ | ۳۱ | سید احمد خان صاحب کے دلائل کا جواب: | ۵۴ |
| کرامت، معاونت، ارہاص، استدراج | ۳۱ | مسلمانوں کو ملائکہ کے موجود اور مخلوق ہونے پر یقین | |
| دوسری بات کی تحقیق | ۳۱ | ضروری ہے: | ۵۶ |
| معجزہ، کرامت اور استدراج میں فرق | ۳۳ | جبرئیل علیہ السلام ملکہ نبوت ہے جو باعث وحی ہے | ۶۲ |

| عنوانات | صفحہ | عنوانات | صفحہ |
| --- | --- | --- | --- |
| جبرئیل علیہ السلام وحی کا نام ہے | ۶۲ | روح کے چند احوال | ۸۹ |
| جبرئیل علیہ السلام درحقیقت کسی فرشتے کا نام نہیں | ۶۳ | روح اور جسم کی کشمکش | ۹۰ |
| جو الفاظ خدا تعالیٰ کی صفات پر بولے جاتے تھے انہیں کو | | الہام کی قسم اول۔ الہام انبیاء علیہم السلام | ۹۱ |
| فرشتوں کے نام سمجھنے لگے: | ۶۳ | آخر کچھ تو بات ہے کہ | ۹۳ |
| عمدہ تحقیقات | ۶۹ | صورت نزول قرآن | ۹۴ |
| سید صاحب کے افکار لادینوں کی کتابوں کا سرقہ ہیں | ۶۹ | جبرئیل علیہ السلام قرآن کہاں سے لاتے تھے؟ | ۹۴ |
| مسیلمہ کذاب اور سید صاحب | ۷۰ | ایک شبہ کا جواب | ۹۵ |
| قرآن کے ظاہر اور باطن کے متعلق بحث | ۷۱ | الہام کی قسم دوم | ۹۵ |
| انکار آدم علیہ السلام اور اس کا مدلل ردّ | ۷۲ | عام لوگوں کے الہام سے ارتباط خاص مراد ہے | ۹۵ |
| آدم شخص خاص تھے نہ کہ نوع انسانی | ۷۳ | سید احمد خان صاحب کو غلطی پیش آئی | ۹۵ |
| تمام قیودات سے مبرا ہونا بہشت ہے | ۷۷ | ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ | ۹۶ |
| دروغ گورا حافظہ نباشد | ۷۸ | دوسرا شبہ اور اس کا جواب | ۹۸ |
| **فصلِ چہارم** | ۷۹ | **فصل دوم** | ۹۸ |
| جنت اور دوزخ کے بیان میں | ۷۹ | دورِ نبوت میں قرآن کریم کی حفاظت کے اسباب | ۹۸ |
| حاصل کلام یہ ہے کہ عالم دو ہیں | ۷۹ | دو اعتراض اور ان کے جواب | ۹۹ |
| مرنے کے بعد اچھے اعمال اچھے شگون میں نظر آتے ہیں | ۸۰ | تحریف قرآن کے عقیدہ کا محققانہ ردّ | ۱۰۰ |
| مرنے کے بعد برے اعمال بری شکلوں میں نظر آتے ہیں | ۸۰ | پوادر کا شبہ، درباره آیات منسوخ التلاوۃ | ۱۰۱ |
| اہلِ سعادت | ۸۱ | جواب پوادر درباره آیات منسوخ التلاوۃ | ۱۰۱ |
| اہلِ شقاوت | ۸۱ | **فصل سوم**:...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات | ۱۰۲ |
| انسان کا ہر عمل عالمِ مثال میں متشکل ہے | ۸۲ | پادری عماد الدین کی کذب بیانیاں | ۱۰۵ |
| قیامت | ۸۲ | فیضِ نبوت | ۱۰۹ |
| سید صاحب کا بہشت کے متعلق غلط نظریہ: | ۸۳ | اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حواریین عیسیٰ علیہ السلام | ۱۰۹ |
| خدا تعالیٰ کو بہشت کی کیفیت بیان کرنا محال ہے | ۸۳ | گبن صاحب کی شہادت | ۱۱۳ |
| باب ۲...... **فصل اول** | ۸۷ | ڈاکٹر سپرنگر صاحب کی شہادت | ۱۱۴ |
| لفظ وحی اور الہام میں فرق | ۸۷ | راڈویل صاحب کی شہادت | ۱۱۴ |
| وحی اور الہام خالق اور اس کی مخلوق کے درمیان ربط ہے | ۸۷ | لاڈ ولیم میور کی شہادت | ۱۱۴ |
| وحی کی دوسری قسم | ۸۹ | **فصل چہارم**: | ۱۱۶ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| قرآن کے مضامین کے بیان میں | ۱۱۶ |
| عرب میں بُت پرستی کب اور کیسے شروع ہوئی | ۱۱۷ |
| قبل از نبوت عربوں کے مختلف فرقے | ۱۱۷ |
| بعض عرب تناسخ کے قائل تھے | ۱۱۹ |
| عرب میں جنوں کی عبادت | ۱۱۹ |
| عرب میں کواکب پرستی | ۱۱۹ |
| رب محصلہ کا بیان | ۱۲۰ |
| قرآن مجید کو بوقت نزول چار فرقوں کا رد کرنا پڑا | ۱۲۱ |
| بوقت نزول قرآن مجید کو یہود کی جن نظری خرابیوں کا رد کرنا پڑا | ۱۲۱ |
| بوقت نزول قرآن مجید کو نصاریٰ کی جن نظری خرابیوں کا رد کرنا پڑا | ۱۲۵ |
| شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں | ۱۲۷ |
| بوقت نزول قرآن مجید کو منافقین سے بھی سابقہ پڑا | ۱۲۹ |
| **فصل پنجم:** | ۱۳۰ |
| تاریخی واقعہ بیان کرنے کا قرآنی اسلوب | ۱۳۱ |
| تاریخی واقعات سے قرآن کا مقصود و مطلوب | ۱۳۲ |
| قرآن کا اسلوب انسانی محاورے کے مطابق ہے | ۱۳۳ |
| قرآن کا اسلوب انسانی جبلت کے مطابق ہے | ۱۳۳ |
| پادری فنڈر کا اختلافی نقشہ اور اس کا جواب | ۱۳۴ |
| پادریوں کا اعتراض کہ قرآن میں بے اصل قصے ہیں، کا جواب | ۱۳۶ |
| قرآن پر کئے گئے اعتراضات کا محققانہ ردّ | ۱۳۷ |
| الزامی جواب | ۱۳۸ |
| چہارم: علم التذکیر بالموت و ما بعدہ | ۱۳۸ |
| پادری صاحبان اور ان کے مقلدین کا عجیب غوغا | ۱۳۹ |
| احکام کی دو قسمیں | ۱۴۰ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| احکام عملیہ کی بھی دو قسمیں ہیں | ۱۴۰ |
| نماز | ۱۴۰ |
| روزہ | ۱۴۰ |
| زکوٰۃ | ۱۴۰ |
| حج | ۱۴۰ |
| زبان سے کلمہ کہنا | ۱۴۱ |
| جہاد | ۱۴۱ |
| سرّ جہاد | ۱۴۱ |
| جو احکام بندوں کے ساتھ متعلق ہیں اس کی تین قسمیں ہیں | ۱۴۲ |
| قرآن جامع ترین کتاب ہے | ۱۴۲ |
| پادری صاحبان کی خانہ ساز منطق | ۱۴۳ |
| خدا تعالیٰ نے دین میں فطرت کا لحاظ رکھا ہے | ۱۴۳ |
| فصاحتِ قرآن | ۱۴۴ |
| ترجیح اعجاز قرآن | ۱۴۶ |
| وجہ اعجاز | ۱۴۶ |
| قرآن سمندر بے کنارہ ہے | ۱۴۶ |
| ادبی خوبی | ۱۴۷ |
| اعجاز قرآنی کی ایک حسی مثال | ۱۴۸ |
| قرآن مجید میں عالم گیریت ملحوظ ہے | ۱۵۰ |
| قرآن مجید نے شاعرانہ اسلوب اپنانے کے باوجود اپنی عظمت اور جلال کبریائی کو ملحوظ رکھا | ۱۵۱ |
| **فصل ششم** | ۱۵۴ |
| علم تفسیر دو دو اجزا سے مرکب ہے۔ پہلا جز | ۱۵۴ |
| دوسرا جز | ۱۵۵ |
| تعریف علم تفسیر | ۱۵۶ |
| **فصل ہفتم:** | ۱۵۶ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| امر اوّل۔ ناسخ ومنسوخ کی بحث | ١٥٦ |
| محققین کے نزدیک منسوخ آیتوں کی تعداد | ١٥٦ |
| نسخ کی حقیقت اور بائبل سے اس کا ثبوت | ١٥٧ |
| امر دوم۔ شان نزول کی بحث | ١٥٩ |
| بعض مفسرین کا تکلف محض | ١٥٩ |
| مفسر کو دو باتوں کا اہتمام ضروری ہے | ١٦٠ |
| امر سوم۔ توجیہ مشکل کی بحث | ١٦١ |
| امر چہارم۔ شرح غریب کی بحث | ١٦١ |
| امر پنجم۔ بحث حذف | ١٦٢ |
| امر ششم۔ بحث ابدال | ١٦٢ |
| امر ہفتم۔ محاورات کی بحث | ١٦٤ |
| امر ہشتم۔ محکم ومتشابہ کی بحث | ١٦٥ |
| امر نہم۔ اختلافِ قراءت کے بیان میں | ١٦٦ |
| قراء سبعہ صحابہ رضی اللہ عنہم | ١٦٧ |
| قراء سبعہ | ١٦٧ |
| امر دہم۔ یعنی تقدیم وتاخیر آیات کی بحث | ١٦٩ |
| سورتوں کی ترتیب | ١٦٩ |
| **فصل ہشتم** | ١٧٠ |
| باب ③..... **فصل اوّل** | ١٧٤ |
| حصہ اوّل۔ عہدِ عتیق | ١٧٤ |
| حصہ دوم۔ عہد جدید | ١٧٥ |
| **فصل دوم** | ١٧٧ |
| توراۃ کی گمشدگی اور دستیابی | ١٧٨ |
| توراۃ کے بیس نسخے گم ہیں جن کا اقرار اہلِ کتاب کو بھی ہے | ١٧٩ |
| کتب توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے بعد کی تصانیف ہیں | ١٨٠ |
| توراۃ کی بعض عبارات سے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی بے ادبی ثابت ہوتی ہے | ١٨١ |
| ملائکہ کی بابت | ١٨٢ |
| انبیاء علیہم السلام کی بابت | ١٨٣ |
| اثبات تحریف کا ثبوت | ١٨٣ |
| مقدمین کتب میں شہوت آمیز مضامین | ١٨٤ |
| کتب کے زمانۂ تالیف میں محققین اہل کتاب کا سخت اختلاف ہے | ١٨٤ |
| کتاب یوشع۔ قاضیوں کی کتاب۔ کتاب راعوث۔ کتاب نحمیا۔ کتاب ایوب | ١٨٥ |
| امثالِ سلیمان | ١٨٥ |
| عہد جدید | ١٨٦ |
| وجوہ فقدان انجیل شریف | ١٨٦ |
| انجیل کے مفقود ہونے کے اسباب | ١٨٦ |
| انجیلوں کا الہامی ہونا دو باتوں پر موقوف ہے | ١٨٧ |
| اناجیل کے غیر الہامی ہونے پر مزید دلائل | ١٨٩ |
| اناجیل میں غلط پیشین گوئیاں | ١٩٠ |
| **فصل سوم** | ١٩٢ |
| قرآنِ مجید میں توراۃ زبور اور انجیل کی مدح | ١٩٢ |
| اناجیل کے غیر معروف ہونے پر علماء اہل کتاب کے چند ادلہ اور ان کے جوابات | ١٩٤ |
| **فصل چہارم** | ١٩٦ |
| ہندو مذہب | ١٩٦ |
| ویدوں کا برہما کی زبان سے نکلنا قابل اعتماد نہیں | ١٩٧ |
| برہما کون شخص ہے؟ | ١٩٧ |
| مشہور اوتاروں کے نام: | ١٩٨ |
| فصل پنجم | ٢٠٠ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| مجوسی مذہب | ۲۰۰ |
| مجوسی کی کتابوں کے غیر الہامی ہونے پر بحث | ۲۰۰ |
| معتبر تفاسیر اور ان کے متعلق ایک اور قاعدہ کلیہ | ۲۰۳ |
| سورۂ فاتحہ | ۲۱۳ |
| شانِ نزول | ۲۱۳ |
| نکات متعلقہ بمعنی | ۲۱۵ |
| ہر کارِ خیر میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم | ۲۱۵ |
| ہر ممکن کے تین حال ہیں | ۲۱۶ |
| اسم رحمٰن کی تفسیر | ۲۱۶ |
| اسم رحیم کی تفسیر | ۲۱۷ |
| قرآنِ مجید کی ابتداء بسم اللہ سے تقلیداً کی گئی ہے | ۲۱۸ |
| عقائد باطلہ وفاسدہ کا رد | ۲۲۰ |
| نزولِ قرآن کی ضرورت واہمیت | ۲۲۰ |
| فضائل بسم اللہ | ۲۲۱ |
| اہلِ یورپ کی بسم اللہ کے متعلق رائے اور اس کا جواب | ۲۲۱ |
| شئی کے مؤثر ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں: | ۲۲۲ |
| تفسیر سورۂ فاتحہ | ۲۲۲ |
| رجوعِ الی اللہ کا سہل طریقہ | ۲۲۲ |
| روح میں تاریکی پیدا کرنے والے اسباب | ۲۲۳ |
| اہلِ اسلام کا عقیدۂ شفاعت: | ۲۲۴ |
| تمام خوبیاں اللہ تبارک وتعالیٰ لے لیے ہیں | ۲۲۵ |
| عالم کے انواع واقسام | ۲۲۶ |
| ایک عمدہ مثال | ۲۲۶ |
| دلیل کے تمام مجموعہ عالم حادث ہے | ۲۲۶ |
| لفظ رب العلمین سے ثابت شدہ چند امور | ۲۲۷ |
| رب تعالیٰ کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئی ہے | ۲۲۸ |
| روزِ جزاء کا مالک | ۲۲۸ |
| سورۂ فاتحہ کی ابتدائی آیات کے درمیان ربط | ۲۲۸ |
| نبی بندوں اور رب تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے اور اس ربط کا مدار چند چیزوں پر ہے | ۲۲۹ |
| محبت کی دو قسمیں ذاتی وصفاتی | ۲۳۱ |
| محبت اطاعت کا تقاضا کرتی ہے | ۲۳۱ |
| تفسیر وتحقیق الف، لام | ۲۳۳ |
| ''رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' کی وجہ تخصیص | ۲۳۳ |
| طریقۂ حمد کی تعلیم اور اس کے اوصاف | ۲۳۵ |
| اقرارِ عبدیت | ۲۳۵ |
| عبادت کی انواع واقسام | ۲۳۶ |
| معبودانِ باطلہ کی انواع واقسام کا بیان | ۲۳۷ |
| دوسری قسم ارواح | ۲۳۷ |
| مدد طلب کرنے کے چار اُصول | ۲۳۸ |
| قبروں کو سجدہ وغیرہ کرنے کی ممانعت: | ۲۳۹ |
| مراتبِ عبادت | ۲۴۰ |
| لفظ ''نَعْبُدُ'' متکلم کا صیغہ لانے کی حکمتیں | ۲۴۰ |
| عبادت کو مقدم اور استعانت کو موخر کرنے کے چند اسرار | ۲۴۱ |
| دنیا میں تین قسم کے آدمی ہیں۔ | ۲۴۲ |
| مسائل فقہیہ: | ۲۴۲ |
| غیر اللہ کو سجدہ کرنا ومدد مانگنا درست نہیں | ۲۴۲ |
| استعداد کی قسمیں یعنی مدد طلب کرنے | ۲۴۲ |
| ہدایت کے مراتب عالیہ | ۲۴۴ |
| اول مرتبہ: ہدایت الہامی ہے | ۲۴۵ |
| دوسرا مرتبہ: ہدایت احساسی کا ہے | ۲۴۵ |
| تیسرا مرتبہ: ہدایت، ہدایت عقلی ہے | ۲۴۵ |
| چوتھا مرتبہ: ہدایت استدلال عقلی ہے | ۲۴۵ |
| پانچواں مرتبہ: ہدایت کا الہام | ۲۴۵ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| چھٹا مرتبہ: ہدایت انکشافی ہے | ۲۴۵ |
| افراط وتفریط پسندیدہ نہیں | ۲۴۶ |
| انسان کو عطا کردہ تین قوتیں | ۲۴۶ |
| دوسری قوت شہویہ | ۲۴۸ |
| اور تیسری قوت غضبیہ | ۲۴۹ |
| صراطِ مستقیم عدالت کا نام ہے | ۲۴۹ |
| لفظ اِھْدِنَا لانے میں چند مصلحتیں | ۲۵۰ |
| دنیاوی نعمتوں کی انواع واقسام | ۲۵۱ |
| اُخروی نعمتوں کی انواع واقسام | ۲۵۲ |
| قوت نظریہ کی تکمیل کی صورتیں | ۲۵۳ |
| قوتِ علمیہ | ۲۵۴ |
| ضلالت اختیاری | ۲۵۶ |
| تفسیر صراطِ مستقیم | ۲۵۷ |
| قوت نظریہ وقوت عملیہ کی تکمیل انسان کی سعادت کا ذریعہ ہے | ۲۵۷ |
| بندوں کی تین قسمیں | ۲۸ |
| اسرار مجموعہ سورۃ الفاتحہ | ۲۵۸ |
| علومِ ثلاثہ کا بیان | ۲۵۹ |
| علم شریعت | ۲۵۹ |
| اقسام علمِ فقہ | ۲۶۰ |
| علم طریقت | ۲۶۰ |
| تین اسماء الٰہی سے ان تینوں بدصفات کو محو کرنا | ۲۶۱ |
| علم حقیقت | ۲۶۱ |
| سورۂ فاتحہ کی خصوصیت | ۲۶۲ |
| صراطِ مستقیم کی ہدایت کے دو طریقے | ۲۶۳ |
| دعا رحمتِ الٰہی کو تحریک کرتی ہے | ۲۶۳ |
| دعا اور اس کے آداب کی تعلیم | ۲۶۳ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| الحمدللہ کہنے کی وجہ تخصیص | ۲۶۵ |
| مقابلہ | ۲۶۷ |
| فضائل سورۂ فاتحہ | ۲۷۶ |
| سورۃ الحمدللہ ہر مرض کے لئے شفاء ہے | ۲۷۶ |
| نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم | ۲۷۷ |
| دلیل اول قرآن کو خاموشی کے ساتھ سنا جائے | ۲۷۸ |
| مبحث دوم سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا | ۲۷۹ |
| مبحث سوم (تعوذ پڑھنے کا حکم) | ۲۸۰ |
| سورۂ بقرہ | ۲۸۲ |
| سورۂ بقرہ کا اجمالی خاکہ | ۲۸۳ |
| یہ بھی ربط ہے | ۲۸۵ |
| فضائل سورۃ البقرۃ | ۲۸۵ |
| شان نزول سورۃ البقرۃ | ۲۸۶ |
| قرآنِ مجید کے کتاب الٰہی ہونے پر دلائل | ۲۸۸ |
| قرآن متقین کے لئے ہدایت ہے | ۲۹۰ |
| سابقہ دلائل میں باہم مناسبت طبعی | ۲۹۱ |
| نکات رموزِ حروف مقطعات | ۲۹۱ |
| قرآن کے ھُدًی للمتقین ذکر کرنے کی تخصیص | ۲۹۴ |
| مراتب تقویٰ | ۲۹۵ |
| اسلام | ۲۹۵ |
| تقویٰ کے اجزاء واقسام | ۲۹۶ |
| ایمان اجمالی | ۲۹۷ |
| ایمان تفصیلی | ۲۹۷ |
| غیب کی تفسیر | ۲۹۸ |
| قیامِ نماز کا حکم اور اس کا طریقہ | ۲۹۹ |
| عبادات ونیکیوں کی جڑ ایمان ہے | ۳۰۰ |
| اسراف وفضول خرچی کی ممانعت | ۳۰۰ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| انفاق فی سبیل اللہ کا حکم | ۳۰۰ |
| قرآنِ مجید اور کتب سابقہ پر ایمان | ۳۰۲ |
| کامیابی پرہیزگاروں کے لئے ہے | ۳۰۴ |
| قرآن کفار کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے | ۳۰۶ |
| ہدایت اور صلاحیت ازلی کے لحاظ سے لوگوں کی قسمیں | ۳۰۶ |
| اہلِ شقاوت کی قسمیں: | ۳۰۷ |
| اہلِ سعادت کی قسمیں | ۳۰۷ |
| اصحابِ یمین کی قسمیں: | ۳۰۷ |
| دلوں پر پردہ پڑجانا | ۳۰۸ |
| قلب اور روحِ حقیقی | ۳۰۹ |
| منافقینِ مدینہ | ۳۱۱ |
| نفاق کی چند قسمیں ہیں | ۳۱۱ |
| منافقین اپنے دعویٰ میں سچے نہیں | ۳۱۲ |
| منافقین خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں | ۳۱۲ |
| منافقین کے دل کا روگ اور مرض | ۳۱۳ |
| متعلقات مرض، الیم اور کذب | ۳۱۴ |
| اہلِ فتنہ وفساد کی بے شعوری | ۳۱۵ |
| منافقین ہی بے وقوف ہیں | ۳۱۶ |
| منافقین کا مؤمنین سے استہزاء | ۳۱۹ |
| متعلقات استہزاء مکر اور خداع وغیرہ اوصاف کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب مجازاً ہے | ۳۱۹ |
| گھاٹے کی تجارت | ۳۲۰ |
| منافقین کی مثال | ۳۲۱ |
| منافقین کی دوسری مثال | ۳۲۳ |
| منافقین کی آنکھیں نورِ ایمان وقرآن سے خیرہ ہوجاتی ہیں | ۳۲۵ |
| عبادت خالقِ حقیقی کی کی جائے | ۳۲۷ |
| معبود کی شناخت | ۳۲۷ |
| وجود وصفات باری تعالیٰ کے ثبوت پر دلائل | ۳۲۹ |
| مذکورہ دلائل میں ایک عجیب لطف | ۳۳۰ |
| اقسام عالم صغیر | ۳۳۰ |
| دلائل آفاق | ۳۳۱ |
| نمونۂ قدرت | ۳۳۲ |
| نبوت وقرآن کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت | ۳۳۳ |
| کلام اللہ ایک معجزہ ہے | ۳۳۸ |
| متعلقات: حقیقتِ معجزہ | ۳۳۸ |
| وجہ تسمیہ سورۃ: | ۳۳۹ |
| معنی شہداء | ۳۴۰ |
| تفسیر لفظِ دُوْنَ | ۳۴۰ |
| تدریجاً قرآن کا نزول | ۳۴۱ |
| جہنم کا ایندھن | ۳۴۲ |
| چند مقاصدِ ضروریہ | ۳۴۲ |
| تحقیق مسئلہ دارِ آخرت | ۳۴۳ |
| ایک شبہ اور اس کا جواب | ۳۴۳ |
| اصلی انسان اور پیکر انسانی میں باہم کیا تعلق ہے اور کیوں منقطع ہوجاتا ہے | ۳۴۳ |
| تحقیقِ پیکر جسمانی | ۳۴۴ |
| انجیل میں درج ایک واقعہ | ۳۴۶ |
| قرآن مجید کی بلاغت واعجاز | ۳۴۶ |
| اہلِ ایمان کے لئے بشارت وانعامات | ۳۴۸ |
| علم مبدء، علم معاش، علم معاد | ۳۴۸ |
| خان صاحب کی پھکڑبازی کے اقوال یہ ہیں | ۳۵۳ |
| چھوٹی چیز کے ساتھ مثال بیان کرنے میں شرم وقباحت نہیں | ۳۵۴ |
| کُفر کرنا خلاف عقل ہے | ۳۵۷ |

| عنوانات | صفحہ | عنوانات | صفحہ |
| --- | --- | --- | --- |
| اقسام منکرین نزول قرآن | ۳۵۷ | بنی آدم کا زمین پر پھیلنا اور انبیائے کرام کا مبعوث ہونا | ۳۸۱ |
| منکرین سے خطاب | ۳۵۸ | اہلِ جنت کے لئے خوف وحزن نہ ہوگا | ۳۸۲ |
| نعمت خداوندی | ۳۶۰ | توراۃ میں حضرت آدم علیہ السلام کی داستان حیات | ۳۸۳ |
| قرآن مجید میں آسمان کی تخلیق کا ذکر | ۳۶۰ | بنی اسرائیل پر خصوصی انعامات ربانی اور ان کا تذکرہ | ۳۸۴ |
| کیا آسمان کا وجود ہے | ۳۶۱ | اَوْفُوْا بِعَهْدِیْ عہد | ۳۸۵ |
| آسمان کا رنگ کون سا ہے | ۳۶۳ | علمائے یہود کا احکامات خداوندی میں تغیر وتبدل کرنا | ۳۸۶ |
| آسمان مجسم ہے یا غیر مجسم | ۳۶۳ | متعلقات: نماز وزکوٰۃ کا حکم | ۳۸۷ |
| تخلیق عالم سے متعلق مذاہب واقوال | ۳۶۴ | تبلیغ کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے | ۳۸۸ |
| حکماء متقدین ومتاخرین کے اقوال | ۳۶۶ | صبر اور نماز سے مدد لینا | ۳۸۸ |
| حکیم انکیماس | ۳۶۶ | واعظ کا باعمل ہونا | ۳۸۹ |
| حکیم انبیذقلس | ۳۶۶ | بنی اسرائیل پر دنیا میں عزت دے کر احسان کرنا | ۳۸۹ |
| متاخرین حکماء کے مذہب کی بنیاد پر چار مقدمات | ۳۶۷ | بنی اسرائیل کی فضیلت کا مطلب | ۳۹۰ |
| زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی | ۳۶۸ | بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم ومصائب سے نجات دینا | ۳۹۲ |
| آسمان وزمین کی تخلیق وآرائش | ۳۶۹ | بنی اسرائیل کو سمندر میں راستہ دیا جانا | ۳۹۲ |
| ارض وسماء کی تخلیق چھ دن میں کیوں کی گئی؟ | ۳۶۹ | بنی اسرائیل کا بحر قلزم کو عبور کرنا | ۳۹۳ |
| آدم کی ملائکہ پر بزرگی کے اسباب | ۳۷۰ | تاریخ بنی اسرائیل | ۳۹۳ |
| کیفیت پیدائش آدم علیہ السلام | ۳۷۲ | حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی کا قتل | ۳۹۴ |
| تعلیمات اسماء وفضیلت آدم علیہ السلام | ۳۷۲ | حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین کی جانب ہجرت | ۳۹۵ |
| نیابت آدم | ۳۷۲ | حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف | ۳۹۵ |
| علم کی فوقیت | ۳۷۴ | حضرت ہارون علیہ السلام کی تشکیل اور فرعون سے مکالمہ | ۳۹۶ |
| حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم | ۳۷۵ | حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے درمیان مقابلہ | ۳۹۷ |
| وجود شیطان کا انکار | ۳۷۶ | جادوگروں کا اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لانا | ۳۹۷ |
| سرگزشت حضرت آدم علیہ السلام | ۳۷۷ | بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم ومصائب میں اضافہ اور | |
| حضرت آدم علیہ السلام کون سی جنت میں رہے | ۳۷۷ | اہل مصر پر آزمائشوں کا نزول | ۳۹۷ |
| عصمت انبیاء علیہم السلام | ۳۷۹ | اہلِ مصر پر جوؤں کے ذریعے عذاب | ۳۹۸ |
| حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری اور توبہ ومعافی | ۳۷۹ | اہل مصر پر ٹڈیوں کے ذریعہ عذاب | ۳۹۹ |
| توبہ تین چیزوں سے مرکب ہے | ۳۸۰ | حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے بددعا | ۳۹۹ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| فصل ۲:......بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی | ۴۰۰ |
| بنی اسرائیل کے فرعون سے نجات پانے کے بعد کے مختصر حالات | ۴۰۱ |
| بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کھانے کا مطالبہ | ۴۰۱ |
| بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا مطالبہ | ۴۰۲ |
| بنی اسرائیل کے لئے دس احکامات | ۴۰۲ |
| حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار خداوندی کا مطالبہ | ۴۰۴ |
| بنی اسرائیل کا گوسالہ کی پرستش کرنا | ۴۰۵ |
| بنی اسرائیل کا ترکاری وغیرہ کا مطالبہ | ۴۰۵ |
| بنی اسرائیل کا جہاد سے انکار | ۴۰۵ |
| بنی اسرائیل پر قہر الٰہی | ۴۰۶ |
| تذکرۂ قارون | ۴۰۶ |
| واقعہ ذبح بقرہ | ۴۰۶ |
| بنی اسرائی کی نافرمانیاں وزیادتیاں | ۴۰۶ |
| بنی اسرائیل کی بدکاریاں اوران وبا کا نزول | ۴۰۷ |
| حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال | ۴۰۷ |
| وصال موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل ک مختصر احوال | ۴۰۸ |
| حضرت سموئیل علیہ السلام، طالوت اور بنی اسرائیل | ۴۰۹ |
| حضرت داؤد علیہ السلام اور جالوت | ۴۰۹ |
| حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی | ۴۱۰ |
| انبیاء بنی اسرائیل: حضرت عزریاہ، حضرت الیاس، حضرت میکیاہ، حضرت الیسع، حضرت زکریا، اور حضرت یونس علیہ السلام | ۴۱۰ |
| بنی اسرائیل کی سلطنت کا خاتمہ | ۴۱۱ |
| حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ | ۴۱۱ |
| بیت المقدس کی تعمیر نو | ۴۱۲ |
| حضرت زکریا علیہ السلام و حضرت مریم کا قصہ | ۴۱۲ |
| حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش | ۴۱۲ |
| حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شاگردی میں آنا اوران کی شہادت کے بعد وعظ ونصیحت کرنا | ۴۱۳ |
| واقعہ سولی چڑھانے کی حقیقت | ۴۱۳ |
| حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے دعویٰ اُلوہیت | ۴۱۴ |
| اناجیل اربعہ | ۴۱۴ |
| بیت المقدس کا حال | ۴۱۵ |
| معجزہ بنی اسرائیل کے عبور بحر قلزم کا انکار اور اس کا جواب | ۴۱۶ |
| دوسری دلیل نقلی | ۴۱۶ |
| بنی اسرائیل پر چوتھا انعام | ۴۱۸ |
| بنی اسرائیل پر پانچواں انعام | ۴۱۹ |
| بنی اسرائیل پر چھٹا انعام | ۴۲۰ |
| بنی اسرائیل پر ساتواں اور آٹھواں انعام | ۴۲۲ |
| بنی اسرائیل پر نواں انعام: پانی کے بارہ چشمے | ۴۲۳ |
| بنی اسرائیل پر دسواں انعام، زمین کی پیداوار کا حصول | ۴۲۵ |
| بنی اسرائیل پر دائمی ذلت | ۴۲۵ |
| کامیابی ونجات کا دارومدار ایمان واعمال پر ہے | ۴۲۶ |
| ہدایت کا دروازہ سب کے لئے کشادہ ہے | ۴۲۷ |
| بنی اسرائیل پر گیارہواں انعام: کوہِ طور پر عہد الٰہی | ۴۲۸ |
| بنی اسرائیل پر طاعون اور مسخِ صورت وغیرہ کے ذریعہ عذاب | ۴۲۹ |
| بنی اسرائیل کا نقضِ عہد اور سرکشی کا دوسرا نتیجہ | ۴۳۰ |
| مقدمہ قتل اور ذبح بقرہ کا حکم | ۴۳۱ |
| توکل، فرمانبرداری واطاعت کا ثمرہ | ۴۳۱ |
| مردوں کا زندہ کیا جانا | ۴۳۲ |
| خوارق عادت امور کے منکرین کا اعتراض اور جواب | ۴۳۲ |
| یہود کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں | ۴۳۳ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| مسلمانوں کو رب تعالیٰ کی طرف سے تسلی | ۴۳۴ |
| یہودیوں کا توراۃ کو سن کر اس کے برخلاف عمل کرنا | ۴۳۵ |
| رب تعالیٰ کی جانب سے نبی ﷺ کو تسلی | ۴۳۵ |
| یہود کی بے دینی اور جہالت | ۴۳۶ |
| احکاماتِ خداوندی میں علمائے یہود کی تحریف | ۴۳۷ |
| یہود کے خیالی منصوبوں کا رد | ۴۳۷ |
| یہود کو تاکید شدہ احکامات اور ان کی قسمیں | ۴۳۷ |
| بدنی اور مالی عبادت | ۴۳۸ |
| یہود کو ظلم و زیادتی اور خون ریزی سے رکنے کا حکم | ۴۳۹ |
| بنی اسرائیل کا رسولوں کے ساتھ برتاؤ | ۴۴۱ |
| موجودہ توراۃ کی حقیقت | ۴۴۱ |
| روح القدس سے مراد کون ہیں | ۴۴۱ |
| یہود کا نبی کریم ﷺ اور قرآن مجید کے ساتھ برتاؤ | ۴۴۲ |
| یہود کا بوجہ ضد و عناد قرآن مجید کا انکار | ۴۴۴ |
| یہود کے دعویٰ کا بطلان | ۴۴۶ |
| اعمال و افعال اور ان کا بدلہ | ۴۴۶ |
| یہود کی حضرت جبریل علیہ السلام سے عداوت و دشمنی | ۴۴۷ |
| جو حضرت جبریل علیہ السلام کا دشمن وہ خدا کا دشمن | ۴۴۸ |
| یہود کا بوجہ عناد توریت سے انحراف | ۴۴۹ |
| یہود کا ہاروت و ماروت سے علمِ سحر سیکھنا | ۴۴۶ |
| سحر اس کی حقیقت اور اثرات | ۴۵۰ |
| سحر کرنا حرام و کفر ہے | ۴۵۱ |
| حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سلطنت میں جادو کی تقسیم | ۴۵۲ |
| ہاروت و ماروت اور ان پر سحر کا نزول | ۴۵۲ |
| حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لفظ راعنا کہہ کر مخاطب کرنے کی ممانعت | ۴۵۳ |
| احکام خداوندی میں نسخ | ۴۵۴ |
| احکام توراۃ میں نسخ | ۴۵۵ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| نسخ فی القرآن: منسوخ التلاوۃ و منسوخ الحکم | ۴۵۵ |
| اہلِ ایمان کو یہودیوں کی طرح سوال کرنے کی ممانعت | ۴۵۷ |
| قیام نماز اور ادائیگی، زکوٰۃ کا حکم | ۴۵۷ |
| مشرکین مکہ کے آپ علیہ السلام سے بے جا سوالات | ۴۵۷ |
| حسد اور غبطہ کی حقیقت اور حکم | ۴۵۸ |
| پادریوں کی تعلیم گاہوں میں جانا اور ان گفتگو سننے کا حکم | ۴۵۸ |
| یہود و نصاریٰ کا باہم طعن و تشنیع اور تفاخر کرنا | ۴۵۹ |
| یہود نصاریٰ کے قول و دعویٰ ابطلان | ۴۶۰ |
| مدار نجات خدا کی فرمانبردار ہے | ۴۶۱ |
| کفار و مشرکین و تنبیہ | ۴۶۲ |
| کفار و مشرکین کا لوگوں کو مساجد میں جانے سے روکنا اور نماز و عبادات میں خلل ڈالنا | ۴۶۲ |
| مذہب اسلام میں کعبہ پرستی کا نہیں خدا پرستی کا حکم | ۴۶۳ |
| آیت کا شانِ نزول | ۴۶۳ |
| نصاریٰ کے خیالات و فاسدہ کا رد و بطلان | ۴۶۴ |
| اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات توالد و تناسل سے پاک ہے | ۴۶۴ |
| باپ اور بیٹے میں مجانست و مماثلت کا پایا جانا | ۴۶۴ |
| مشرکین عرب کے بے جا اعتراضات کا جواب | ۴۶۶ |
| اسلام دین برحق ہے | ۴۶۸ |
| کتاب سے کون سی کتاب مراد ہے | ۴۶۹ |
| بنی اسرائیل پر رب تعالیٰ کے احسانات کی یاد دہانی | ۴۶۹ |
| حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش | ۴۷۰ |
| امام کے معنی اور شرح | ۴۷۱ |
| انبیاء کرام علیہم السلام کا فسق و فجور سے بری ہونا | ۴۷۱ |
| مقام ابراہیم کو مصلی بنانے اور بیت اللہ کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم | ۴۷۲ |
| مقام ابراہیم | ۴۷۳ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| خدا تعالیٰ نے انسان میں دو قوتیں ودیعت رکھی ہیں | ۴۷۴ |
| کعبۃ اللہ کو حج اور جہت نماز کے لئے کیوں مخصوص کیا ہے | ۴۷۴ |
| تحقیق پانچویں کعبہ کی تاریخ میں | ۴۷۵ |
| حضرت ہاجرہؓ کی صفا مروہ کے درمیان سعی | ۴۷۷ |
| گریہ وزاری نزول رحمت کا باعث ہے | ۴۷۷ |
| کعبۃ اللہ کی تعمیر | ۴۷۸ |
| کفار سے بھی رزق کا وعدہ | ۴۸۵ |
| حضرت ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام کے خلوص ودعا کا تذکرہ اور آنحضرت علیہ السلام کے نبی ہونے کی طرف اشارہ | ۴۸۶ |
| فوائد، مناسک حج کی وضاحت | ۴۸۸ |
| رسول کے تین اوصاف | ۴۸۹ |
| ملتِ ابراہیمیہ کا انکار | ۴۹۰ |
| لفظ رغب اور سفہ کی تحقیق | ۴۹۰ |
| اسمائے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی اولاد | ۴۹۱ |
| ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار اور جواب دہ ہے | ۴۹۲ |
| حضرت یعقوب علیہ السلام کے حوالے سے اعتراض اور اس کا جواب | ۴۹۲ |
| ثبوتِ تقلید | ۴۹۳ |
| متعلقات۔حنیف اور اسباط کی تحقیق | ۴۹۴ |
| ہر دین میں تین باتیں ہوا کرتی ہیں | ۴۹۴ |
| کامیابی وہدایت اسلام میں ہے لہٰذا اللہ کے رنگ میں رنگ جاؤ | ۴۹۵ |
| یہود ونصاریٰ کا دعویٰ کہ ہدایت کا مدار یہودیت ونصرانیت پر ہے، اس کا رد | ۴۹۷ |
| پارہ (۲) سَيَقُولُ | ۴۹۸ |
| تحویلِ قبلہ پر اعتراض کے جوابات: | ۴۹۸ |
| وجہ تعیین قبلہ | ۴۹۸ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| نماز کے لیے قبلہ کو معین کرنے میں کیا راز ہے؟ | ۴۹۹ |
| اسرار تحویل قبلہ | ۵۰۰ |
| چند اعتراضات | ۵۰۱ |
| اُمتِ وسط کا اعزاز | ۵۰۲ |
| گواہ کی دو صفت | ۵۰۳ |
| کعبہ سے متعلق آنحضرت ﷺ کی دلی آرزو | ۵۰۴ |
| استقبال کعبہ کا حکم | ۵۰۵ |
| ہر اُمت کا ایک قبلہ/جہت ہے | ۵۰۷ |
| تحویلِ قبلہ کے حکم میں تکرار کی وجہ | ۵۰۸ |
| دینِ محمدیؐ کے منجانب اللہ تعالیٰ ہونے کے چند وجوہ | ۵۰۸ |
| آنحضرت ﷺ کی بعثت کے مقاصد | ۵۰۹ |
| اقسام ذکر | ۵۰۹ |
| صبر اور نماز سے مدد لینے کا حکم | ۵۱۰ |
| اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے | ۵۱۱ |
| فوائد: اقسام صبر | ۵۱۱ |
| فوائد: فضائل نماز | ۵۱۱ |
| روح وجسم کا تعلق | ۵۱۲ |
| شہداء وانبیاء کرام علیہم السلام کا زندہ ہونا | ۵۱۲ |
| صفا ومروہ پر دُعا کی قبولیت | ۵۱۴ |
| صفا ومروہ کا محلِ وقوع | ۵۱۴ |
| شعائرِ اسلام | ۵۱۴ |
| صفا ومرُوہ کی سعی کا حکم | ۵۱۴ |
| اہلِ کتاب حق کی باتیں چھپانے پر لعنت کے مستحق ٹھہرے | ۵۱۵ |
| واحدنیت کا درس | ۵۱۷ |
| توحید اور اس کے دلائل | ۵۱۷ |
| آسمان وزمین کی پیدائش | ۵۱۷ |

| عنوانات | صفحہ | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|---|
| دنوں اور راتوں کا اختلاف | ۵۱۷ | اصولِ حسنات | ۵۲۹ |
| کشتی، جہاز اور آگھنبوٹ کی روانگی ہے | ۵۱۷ | قوتِ نظریہ | ۵۲۹ |
| آسمانوں میں سے مینہ کا اترنا | ۵۱۸ | قوتِ عملیہ | ۵۳۰ |
| اس (بارش کے) پانی سے زمین مُردہ کو زندہ کرنا | ۵۱۸ | مال خرچ کرنے اور دینے کے عمدہ مواقع | ۵۳۰ |
| زمین پر حیوانات کا پھیلانا | ۵۱۸ | عہد کی پاسداری | ۵۳۱ |
| ہوا کا بدلنا | ۵۱۸ | صبر کے مواقع | ۵۳۱ |
| ہزار من پانی کے بادلوں کو زمین و آسمان میں معلق کر کے رکھنا | ۵۱۸ | احکام قتل اور قصاص میں برابری کا حکم | ۵۳۲ |
| | | جہت قتل وقصاص اور پھانسی دینے کا حکم | ۵۳۳ |
| معبودانِ باطلہ سے محبت | ۵۲۰ | قصاص میں مساوات کی وضاحت | ۵۳۳ |
| محبت کیا ہے؟ | ۵۲۰ | قصاص لینے کا اختیار کس کو ہوگا؟ | ۵۳۳ |
| بیان محبت | ۵۲۰ | نیچری مفسّر کی آیتِ مذکورہ میں باطل توجیہ | ۵۳۴ |
| حلال اور پاکیزہ اشیاء کھانے کا حکم | ۵۲۲ | وصیت کی فرضیت اور اس کا حکم | ۵۳۵ |
| مشرکینِ عرب چوپایوں کی مانند ہیں | ۵۲۲ | آیت وصیت کا نسخ اور اس کی وضاحت | ۵۳۵ |
| چند مسائل فقہیہ | ۵۲۳ | روزہ کی فرضیت اور اس کا حکم | ۵۳۶ |
| بحث اول | ۵۲۳ | كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ سے کیا مراد ہے؟ | ۵۳۶ |
| بحث دوم: (حلال و پاکیزہ) | ۵۲۳ | شیخ فانی، حاملہ اور مرضعہ کے لئے روزوں کا حکم | ۵۳۷ |
| بحث سوم: (مردار کا حکم) | ۵۲۴ | حکم روزہ میں تشبیہ نہ عدد میں ہے اور نہ وقت میں | ۵۳۷ |
| میتہ کی لغوی وشرعی تعریف | ۵۲۴ | نیچری مفسّر کا روزے کے متعلق باطل نظریہ | ۵۳۸ |
| مردار کو حرام قرار دینے کی حکمت | ۵۲۵ | مرض وسفر کی وجہ سے روزوں میں رخصت | ۵۳۸ |
| فوائد۔احکام مُردار | ۵۲۵ | سفر شرعی اور اس کی مسافت | ۵۳۸ |
| فائدہ۔احکام دَم | ۵۲۵ | صیامِ رمضان اور نزولِ قرآن | ۵۳۹ |
| خنزیر کے گوشت وغیرہ کا حکم | ۵۲۵ | اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کے قریب ہیں | ۵۴۰ |
| فائدہ: بحث وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ: غیر اللہ کے نام پر | | قربِ خداوندی کی وضاحت | ۵۴۰ |
| ذبح کرنا | ۵۲۶ | رمضان کی راتوں میں افطار وغیرہ کی اجازت | ۵۴۱ |
| فائدہ: آیت حلت وحرمت پر اعتراض کا جواب | ۵۲۶ | چند تفسیری نکات | ۵۴۲ |
| یہود کا مال کے عوض احکامِ الٰہی میں ردّوبدل کرنا | ۵۲۷ | مرد وعورت کو ایک دوسرے کا لباس قرار دینا | ۵۴۲ |
| یہود ونصاریٰ کا بعض مباحات کو ممنوع سمجھ کر ترک کرنا | ۵۲۹ | خیانت کی تفسیر | ۵۴۲ |

| عنوانات | صفحہ | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|---|
| آسمان پر سفید و سیاہ دھاریاں | ۵۴۲ | اعمالِ حج کا قرآن سے ثبوت | ۵۶۰ |
| اعتکاف کی چند شرطیں | ۵۴۲ | حج کے بارے میں مخالفین کا اعتراض | ۵۶۱ |
| رمضان کی راتوں میں افطار وغیرہ کی رخصت دینے کی | | جواب الزامی | ۵۶۱ |
| وجہ | ۵۴۳ | اسرارِ حج | ۵۶۲ |
| حکم روزۂ معنوی یعنی مالِ ناحق و رشوت کی ممانعت | ۵۴۴ | اسرارِ ارکان حج | ۵۶۳ |
| رویتِ ہلال اور اس کے فوائد | ۵۴۴ | بعض لوگوں کا ظاہر اچھا اور باطن بُرا ہوتا ہے | ۵۶۵ |
| گھروں میں دروازے سے داخل ہونے کا حکم | ۵۴۵ | وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ کی تفسیر میں چند اقوال | ۵۶۵ |
| قتال فی سبیل اللہ کا حکم | ۵۴۶ | اسلام پر پورا پورا عمل کرو | ۵۶۵ |
| طریقۂ قتال | ۵۴۶ | احکامِ شریعت سے انحراف موجب عذاب ہے | ۵۶۶ |
| فتنہ انگیزی قتل سے بڑا گناہ ہے | ۵۴۶ | بنی اسرائیل کے حالات سے استدلال | ۵۶۶ |
| حرم میں قتال کی اجازت | ۵۴۶ | دنیا اور اس کی خدا تعالیٰ کے نزدیک بے وقعتی | ۵۶۷ |
| زمین کو ہر قسم کی بُرائی اور جور و ظلم سے پاک کرنا | ۵۴۷ | اہلِ اسلام کو صبر توکل اور ثابت قدمی کی ترغیب | ۵۶۸ |
| مخالفین اسلام کے جہاد پر اعتراضات اور ان کے | | چند احکام | ۵۶۹ |
| جوابات | ۵۴۷ | مال خرچ کرنے کے مصارف اور حسنِ سلوک کا حکم | ۵۶۹ |
| جہاد کے مواضع | ۵۴۹ | جہاد کی فرضیت اور اس کی مصلحتیں | ۵۷۰ |
| حرمت والے مہینے | ۵۵۱ | اشہرِ حج میں قتال کا حکم | ۵۷۱ |
| حج و عمرہ کے احکام | ۵۵۲ | شراب او جوئے کی ممانعت | ۵۷۲ |
| حج و عمرہ کے بارے میں یہ سب سے اوّل آیت ہے | ۵۵۲ | قمار اور اس کی صورتیں | ۵۷۲ |
| تکمیل حج و عمرہ کا حکم | ۵۵۳ | یتیموں کے حقوق کا بیان اور کافروں سے نکاح کی | |
| حج کی تین قسمیں | ۵۵۵ | ممانعت | ۵۷۳ |
| حج کے مہینے اور ایام | ۵۵۷ | مشقت | ۵۷۳ |
| ایامِ حج میں تجارت کا حکم | ۵۵۸ | حیض کے احکام | ۵۷۴ |
| تلبیہ کا حکم | ۵۵۸ | مدتِ حیض اور اس کے احکام | ۵۷۵ |
| ادائیگی حج کے ایام | ۵۵۹ | لغو قسم اُٹھانا | ۵۷۶ |
| حج کے ارکان، واجبات اور سنن وغیرہ | ۵۵۹ | مسئلہ یمین | ۵۷۶ |
| میقات کا بیان | ۵۶۰ | فوائد: قسم کے مسائل | ۵۷۷ |
| احرام کا بیان | ۵۶۰ | ایلاء کا مسئلہ | ۵۷۷ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| احکامِ طلاق وعدت | ۵۷۸ |
| دستور کے مطابق رجوع کا حق | ۵۷۹ |
| اسلام میں سب سے پہلا خلع | ۵۸۰ |
| خلع کب درست | ۵۸۰ |
| تسریح باحسان کی وضاحت | ۵۸۱ |
| یکبارگی دو یا تین طلاقیں دینا | ۵۸۱ |
| (۵) خلع کا حکم: خلع یعنی مال لے کر طلاق دینا کیا ہے؟ | ۵۸۱ |
| تیسری طلاق کے بعد رجعت کے آداب (حلالہ کا حکم) | ۵۸۲ |
| طلاق مباح ہے پسندیدہ نہیں | ۵۸۳ |
| احکامِ رضاعت | ۵۸۴ |
| رضاعت کا حکم عام ہے | ۵۸۴ |
| مدتِ رضاعت | ۵۸۵ |
| ماں پر بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے | ۵۸۵ |
| اجرتِ رضاعت کی سپردگی کا حکم | ۵۸۵ |
| احکامِ عدتِ وفات | ۵۸۶ |
| مہر وغیرہ کا بیان | ۵۸۷ |
| نمازوں کی محافظت اور ادائیگی کا حکم | ۵۸۹ |
| صلوٰۃ الخوف | ۵۸۹ |
| وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی کی تعیین میں مختلف اقوال | ۵۹۰ |
| احکامِ عدت میراث اور وصیت | ۵۹۰ |
| بنی اسرائیل کا ایک عبرت خیز واقعہ | ۵۹۱ |
| مخالفین کے اعتراض اور ان کا جواب | ۵۹۱ |
| دوسرا یہ کہ مردہ کا زندہ کر دینا ناممکن بات ہے؟ | ۵۹۲ |
| انفاقِ مال کی ترغیب اور فضائل | ۵۹۳ |
| واقعۂ طالوت اور ثابت قدمی وصبر کی ترغیب | ۵۹۴ |
| لشکر طالوت فتح پانا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت کا قتل ہونا اور بادشاہت پانا | ۵۹۶ |
| تابوتِ سکینہ | ۵۹۷ |
| عیسائی مؤرخین کے اعتراضات | ۵۹۹ |
| پارہ (۳) تِلْكَ الرُّسُلُ | ۶۰۰ |
| انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت | ۶۰۰ |
| آیۃ الکرسی میں خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کا ذکر | ۶۰۲ |
| اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کے معنی | ۶۰۲ |
| رب تعالیٰ کے لیے کرسی کے ثبوت کی وضاحت | ۶۰۳ |
| شفاعت کا ثبوت | ۶۰۳ |
| دینِ اسلام میں جبر نہیں ہے | ۶۰۴ |
| جہاد کی غرض زبردستی اسلام پھیلانا نہیں | ۶۰۴ |
| حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مکالمہ | ۶۰۵ |
| حضرت یرمیا علیہ السلام کا عجیب قصہ | ۶۰۷ |
| حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مُردہ پرندوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنا | ۶۰۸ |
| چار مختلف قسم کے پرندوں کی تخصیص کیا ہے | ۶۰۸ |
| مال خرچ کرنے کے فضائل | ۶۰۹ |
| ریاکاری صدقہ کو باطل کر دیتی ہے | ۶۱۱ |
| خلوصِ نیت سے مال خرچ کرنے کی مثال | ۶۱۲ |
| صدقات وخیرات میں عمدہ وپاکیزہ چیزیں دی جائیں | ۶۱۲ |
| شیطان تنگدستی سے ڈراتا ہے | ۶۱۳ |
| صدقہ دینے میں اسلام کی تخصیص نہیں | ۶۱۴ |
| مستحق صدقات کون ہیں؟ | ۶۱۵ |
| سُود کی مذمت وممانعت | ۶۱۶ |
| مسئلہ ربوٰا کی وضاحت | ۶۱۶ |
| احکام ربوا | ۶۱۷ |
| اقسام ربوٰا اور ان کا حکم | ۶۱۷ |
| سود کی حرمت کی وجہ | ۶۱۸ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| معاملۂ سود پر چار وعیدیں | ٦١٨ |
| سود کے لینے، دینے، لکھنے والے اور گواہ لعنت کے موجب ہیں | ٦١٨ |
| پچھلا سود معاف، نزول حکم کے بعد سود لینے کی گنجائش نہیں | ٦١٩ |
| مال کی حفاظت وترقی کی تدابیر | ٦٢١ |
| بیع سلم کے وقت لکھنے کا حکم | ٦٢٢ |
| خرید وفروخت کی چار قسمیں | ٦٢٢ |
| معاملات کو لکھنے کا حکم اباحت کے لئے ہے | ٦٢٢ |
| کتابت کی اُجرت | ٦٢٣ |
| فائدہ: احکام شہادت | ٦٢٣ |
| اہلیت شہادت کے لئے دس شرطیں | ٦٢٣ |
| گروی رکھنے کا حکم | ٦٢٤ |
| ادائیگی امانت کا حکم | ٦٢٤ |
| تنبیہہ وتہدید | ٦٢٥ |
| حقوق اللہ کا بیان | ٦٢٦ |
| اہلِ ایمان کی سیرت اور رویہ کا بیان | ٦٢٧ |
| انسان کی تین حالتیں اور تین علم | ٦٢٧ |
| ایک جامع اور مؤثر دُعا | ٦٢٨ |
| سورۂ ال عمران | ٦٢٩ |
| شانِ نزول | ٦٢٩ |
| تثلیث اور الوہیت مسیح کا ردّ | ٦٣٠ |
| رب تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں وہی سب کا خالق ہے | ٦٣٢ |
| محکم اور متشابہ کے معنی | ٦٣٤ |
| کلام کی تقسیم | ٦٣٤ |
| راسخین فی العلم کا مقولہ | ٦٣٥ |
| رحمت کی چند قسمیں ہیں | ٦٣٦ |
| اہلِ اسلام کے غلبہ کی پیشینگوئی | ٦٣٦ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| تائید غیبیہ اور نصرت الٰہی کا ظہور | ٦٣٧ |
| لذات دنیا اور مرغوبات کی محبت آزمائش ہے | ٦٣٨ |
| دنیا کی وہ لذتیں جن پر انسان فخر کرتا ہے | ٦٣٩ |
| صفاتِ اہلِ تقویٰ | ٦٤٠ |
| توحید پر ایمان لانا مدارِ نجات ہے | ٦٤٠ |
| مذہب اسلام اور اس کا معنٰی | ٦٤١ |
| حقیقتِ مذہب اسلام | ٦٤٢ |
| اہلِ کتاب کی خصلتِ بد: تحریف کرنا | ٦٤٣ |
| عزت وذلت، ملک وسلطنت سب رب تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے | ٦٤٤ |
| قدرتِ الٰہی کی نشانیاں | ٦٤٥ |
| کفار سے دوستی کی مذمت | ٦٤٥ |
| رب تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے | ٦٤٦ |
| اللہ تعالیٰ کی محبت کا معیار، رسول اللہ ﷺ کی محبت | ٦٤٧ |
| حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کی خصوصیت | ٦٤٧ |
| خدا کے محبوب اور فرمانبرداروں کے واقعات کا اجمالی بیان | ٦٤٨ |
| حضرت مریمؑ کی والدہ کی منت اور دُعا | ٦٤٩ |
| حضرت مریمؑ کی پرورش | ٦٥٠ |
| حضرت زکریا علیہ السلام کو اولاد کی بشارت | ٦٥٠ |
| قصہ حضرت مریمؑ کی پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ السلام | ٦٥١ |
| حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شیر خوارگی میں کلام | ٦٥١ |
| حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وعظ ونصیحت فرمانا | ٦٥٣ |
| حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفاہت | ٦٥٤ |
| بحث اوّل:...... مفردات الفاظ کی تشریح | ٦٥٤ |
| دوسری بحث:...... نصاریٰ کے قرآن مجید پر اعتراضات | |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| اوراُن کے جوابات | ۶۵۵ |
| تیسری بحث:......دہریوں وغیرہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے | |
| حوالہ سے نظریہ اوراس کا بطلان | ۶۵۵ |
| آنحضرت ﷺ کا اُمی ہونے کے باوجود سابقہ انبیاء | |
| کرام علیہم السلام کے واقعات وحالات کی خبر دینا | ۶۵۶ |
| چوتھی بحث | ۶۵۶ |
| تمہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام | ۶۵۷ |
| واقعہ رَفَعَ وَاِلَى السَّمَآءِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام | ۶۵۸ |
| حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے اورواقعہ رَفَعَ وَاِلَى | |
| السَّمَآءِ کی تحقیق | ۶۵۸ |
| کیا رَفَعَ وَاِلَى السَّمَآءِ صرف روح کے ساتھ تھا | ۶۶۰ |
| حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کے ہاتھوں نافرمانوں کی رسوائی | ۶۶۰ |
| نجرانی عیسائیوں کودعوتِ مباہلہ | ۶۶۱ |
| اہلِ کتاب کومشترک کلمہ توحید کی دعوت | ۶۶۲ |
| حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی ونصرانی نہیں تھے | ۶۶۳ |
| اُمتِ محمدیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب ہے | ۶۶۴ |
| اہلِ کتاب کی چندفریب کاریاں | ۶۶۴ |
| اہلِ کتاب کی خیانت وامانت کا تذکرہ | ۶۶۶ |
| اہلِ کتاب کی بدمعاشیاں اورافتراء پردازیاں | ۶۶۶ |
| انبیاء پرستی کا بطلان، خداپرستی کی ترغیب | ۶۶۷ |
| اہلِ کتاب کی عہدشکنی پر سرزنش | ۶۶۸ |
| اسلام ہی دینِ الٰہی ہے | ۶۶۸ |
| اسلام کے علاوہ کوئی دین قابلِ قبول نہیں | ۶۶۹ |
| منکرینِ اسلام دنیا میں لعنت اورآخرت میں عذابِ الیم | |
| کے مستحق ہیں | ۶۷۰ |
| اہلِ کفر کی تین قسمیں | ۶۷۰ |
| پارہ(۴) لَنْ تَنَالُوا | ۶۷۱ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| مرغوب ومحبوب چیزیں صدقہ کرنے کی ترغیب | ۶۷۱ |
| اونٹ وغیرہ ملتِ ابراہیمیہ میں حلال تھے | ۶۷۲ |
| ملّتِ ابراہیم ودینِ حنیف | ۶۷۳ |
| عدم ضرورتِ قرآن کا جواب | ۶۷۳ |
| معترضین کے اعتراض کا جواب | ۶۷۴ |
| سب سے پہلا گھر کعبہ | ۶۷۴ |
| اہلِ کتاب کی فتنہ انگیزی راہِ خدا سے اہلِ ایمان کوروکنا | ۶۷۵ |
| قوی ایمان | ۶۷۶ |
| اسلامی اُخوت واتحاد کا درس | ۶۷۷ |
| امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے | ۶۷۷ |
| تقویٰ اوراس پرثابت قدمی اوراتحاد کا حکم | ۶۷۷ |
| اتفاق واتحاد کے برکات وثمرات | ۶۷۸ |
| اختلاف وانتشار کے بُرے نتائج | ۶۷۸ |
| ایک پیشین گوئی | ۶۷۹ |
| اجماع امت دلیل شرعی ہے | ۶۸۰ |
| مؤمنین اہلِ کتاب کا تذکرہ | ۶۸۱ |
| اہلِ کتاب سے دوستی کی ممانعت اوراس کی وجوہات | ۶۸۲ |
| بطانۃ کفار حرام ہے | ۶۸۲ |
| اہلِ کتاب کا مسلمانوں کوخوش دیکھ کرناخوش ہونا | ۶۸۳ |
| قصۂ جنگِ اُحد | ۶۸۳ |
| غزوۂ بدر میں غیبی امداد | ۶۸۵ |
| مسلمانوں کی امداد کے لئے فرشتوں کے نزول کاوعدہ | ۶۸۵ |
| غزوۂ بدر میں نزولِ ملائکہ سے متعلق بحث | ۶۸۶ |
| دلائل نقلیہ کا جواب | ۶۸۶ |
| سُود کی ممانعت | ۶۸۸ |
| اللہ تعالیٰ اوررسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی مغفرت کا | |
| سبب ہے | ۶۸۸ |

| عنوانات | صفحہ | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|---|
| مذکورہ آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال | ٦٨٨ | کامل ایمان والوں کی مدح | ۷۰۷ |
| جنت کی صفت میں دو باتیں | ٦٨٨ | شان نزول | ۷۰۸ |
| متقین کے چند اوصاف | ٦٨٩ | صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اللہ تعالیٰ پر بے مثال بھروسہ | ۷۰۸ |
| ماضی کے حالات وواقعات سے سبق حاصل کیا جائے | ٦٩١ | صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بدر صغریٰ میں مالی منافع | ۷۰۸ |
| غزوۂ اُحد میں شکست کی حکمتیں | ٦٩١ | شیطان کا دلوں میں وسوسہ ڈالنا | ۷۰۹ |
| فوائد: غزوۂ اُحد میں شکست پر تسلی | ٦٩١ | دولتِ دنیا کفار کے لئے ڈھیل | ۷۱۰ |
| نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت پر اہلِ سے خطاب | ٦٩٣ | ہزیمت غزوۂ اُحد میں حکمت وآزمائشیں | ۷۱۱ |
| کفار ومنافقین کی باتوں پر عمل کی ممانعت | ٦٩٣ | جہاد میں مال خرچ کرنے کی تاکید | ۷۱۱ |
| غزوۂ اُحد میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا نافرمانی کے سبب | | بخل کی مذمت | ۷۱۱ |
| ہزیمت اٹھانا بعد ازاں ان پر اُونگھ کا طاری ہونا | ٦٩٦ | یہودیوں کے گستاخانہ اعتراض کے جوابات | ۷۱۲ |
| منافقین کی حسرت کا بطلان | ٦٩٨ | اہل یہود کا آگ والی قربانی کا مطالبہ اور اس کا بطلان | ۷۱۲ |
| شہادت ذریعۂ نجات ہے | ٦٩٨ | ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے | ۷۱۳ |
| آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نرم خو نبی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ | | قرآن کریم میں مخالفوں کے ایذا پر صبر کرنا بجا ہے | ۷۱۴ |
| تعالیٰ کی رحمت سے ملا | ٦٩٩ | اہلِ کتاب کا عہد اللہ کو توڑنا | ۷۱۵ |
| مشاورت کی ترغیب وفضیلت | ۷۰۰ | علمائے اہلِ کتاب پر ہوا پرستی اور دنیا طلبی | ۷۱۵ |
| خیانت شانِ نزول کے خلاف ہے | ۷۰۰ | اہل عاقل کے لئے تخلیق آسمان وزمین میں خدا تعالیٰ کے | |
| ہر قسم کی خیانت کی ممانعت | ۷۰۱ | نشانات قدرت ہیں | ۷۱۶ |
| خیانت شانِ نبوت کے خلاف ہے عصمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | ۷۰۱ | اہلِ خرد وعقل اور ان کی صفات | ۷۱۶ |
| بعثتِ رسول کے بنیادی اُصول | ۷۰۱ | نار جہنم سے پناہ | ۷۱۶ |
| الہام اور نبوت کی ضرورت | ۷۰۲ | منادی خدا کون ہے؟ | ۷۱۶ |
| دلائل نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: | ۷۰۲ | اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتے | ۷۱۸ |
| غزوۂ اُحد میں ہزیمت کے حوالہ سے شہادت کا جواب | ۷۰۳ | اہل کفر کی موجودہ حالت سے دھوکہ نہ کھایا جائے | ۷۱۹ |
| موت ہر ایک کو آنی ہے | ۷۰۵ | اہل کتاب متقین کا تذکرہ وصفات | ۷۱۹ |
| شہداء کے درجات | ۷۰۵ | اہل اسلام کو ایک جامع نصیحت | ۷۲۰ |
| فائدہ: شہداء مُردہ نہیں زندہ ہیں | ۷۰۵ | صبر کے اقسام | ۷۲۰ |
| اللہ تعالیٰ مؤمنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا بلکہ شہداء کو | | | |
| تو حیاتِ ابدی نصیب ہوتی ہے | ۷۰٦ | | |

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# ابتدائیہ

**قرآن ونزول قرآن:**...... خالق ارض وسماء نے انسان کوعقل سلیم عطا فرما کر تمام مخلوقات پر فضیلت کا شرف عطا فرمایا اور اپنا خلیفہ ونائب مقرر فرمایا اور اس کو وہ بار امانت سونپا گیا جس کے لینے سے تمام مخلوق نے انکار کر دیا۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کا مقدس کلام جو فرقان حمید اور قرآن مجید کے نام نامی سے ملقب ومشہور ہے۔ جس کی ہر آیت مؤمنین کے لیے باعث رحمت اور نسخۂ شفا ہے۔

جس زمانہ میں نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی۔ وہ زمانہ نہایت تاریک اور ہر قسم کے معاصی صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے پُر تھا۔

ہر چار سو کفر اور شرک وبت پرستی کی گھنگور گھٹائیں چھا رہی تھیں اور آفتاب ہدایت کو جہالت کی بدلیوں میں چھپانے کی پوری کوشش کی جا رہی تھی اور خدائے واحد کی یکتائی اور اس کی قدرتِ کاملہ اور اس کی کارسازی کو کوئی جانتا سمجھتا نہ تھا، اوہام پرستی کا زور تھا۔

کوئی جنات کو پوجتا، کوئی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتلاتا۔ اس وقت داعیٔ اسلام نے تمام اقوام کو باوازِ بلند للکارا کہ لوگو!

''تمہارا معبود حقیقی تو صرف خدائے واحد ہی ہے اور اسی ایک اللہ کی عبادت و پرستش کیا کرو اور اسی کو سجدہ کرو''

جناب رسالت مآب ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے کلامِ الٰہی کی آیات سن کر لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے اور خشیۂ خداوندی سے ایسی رقت طاری ہوتی کہ بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص قرآن شریف کی ترجمانی نہیں کر سکتا تھا۔ آنحضور ﷺ کی زبان مبارک قرآن شریف کی بہترین تفسیر تھی:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم ع ا پ ۲۷)

''وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ قرآن وحی منزل من اللہ ہے''

**دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ضرورتِ تفسیر:**...... جناب رسالت مآب ﷺ کے بعد خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ آیا۔ ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور ہوا۔ الغرض یہ تمام کے تمام خیر القرون (اچھے زمانے) تھے کہ جن میں کلامِ ربانی کے مطالب ومعانی جاننے اور آیاتِ الٰہی کی تفاسیر سمجھنے والے آنحضور ﷺ کے احباب واصحاب اور اتباع بکثرت موجود تھے۔ اس دور میں جب اسلام اطراف واکنافِ عالم میں ترقی کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور مختلف زبانوں مختلف مذاق اور مختلف طبقات کے لوگوں سے اس کو واسطہ پڑا تو کسی کی زبان عربی تھی تو کسی کی محض عجمی اور عربی زبان بھی تھی تو وہ عربی نہ تھی کہ جس صاف زبان میں کلام الٰہی نازل ہوا ہے۔ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ۔

اور عربی زبان میں اتنے ماہر لوگ بھی نہ تھے جو آیات کے ان مفہوم اور مصداق کو سمجھ سکیں کہ جن اغراض کے لیے کلام الٰہی نازل ہوا ہے۔ اس لیے تفسیر کی ضرورت پڑی اور علماء ربانیین نے وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تمام کوششوں کو کلام الٰہی کی تفسیر لکھنے میں صرف کر دیا اور تفسیرِ خازن، جلالین، بیضاوی، اتقان، تفسیر کشاف، تفسیر کبیر، روح البیان، روح المعانی وغیرہ مستند مختصر ومطول اور مبسوط تفسیریں عربی میں لکھیں۔ (لجزاہم اللہ خیر الجزا) جن کا علامہ مفسر حقانی رحمہ اللہ نے مقدمۃ القرآن میں بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

پھر جبکہ یہ سرچشمہ ہدایت (یعنی اسلام) بادیہ عرب اور اس کے مضافات کو سیراب کرتا ہوا بلاد عجم کی سرزمین جہالت و بت پرستی اور خطۂ کفرستان یعنی ہندوستان تک پہنچا اور اس کی سیرابی اور شادابی کا باعث ہوا تو اہلِ ہند۔ فارس۔ ایران۔ ترکستان وغیرہ کے مسلمانوں کی خاطر علماءِ کرام نے فارسی میں تفسیریں لکھیں۔

شاہانِ اسلام کے عروج اور ہندوستان میں دار الخلافہ ہونے کے باعث فارسی کا دور دورہ تھا۔ سرکاری شاہی دفاتر کی زبان فارسی تھی۔ روزمرہ بول چال میں فارسی ہی بولی جاتی۔ الغرض تحریر و تقریر میں فارسی ہی زبان استعمال ہوتی تھی۔ شدہ شدہ تغیراتِ عالم کی نیرنگیوں سے وہ زمانہ آگیا کہ یک لخت حالت بدل گئی۔ اور بلادِ ہند میں فارسی کی جگہ اردو زبان رائج ہوگئی اور ماہرینِ علوم عربیہ اور فارسی دان اساتذہ اور ان کے قدردان ایک ایک کر کے اس دارفانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یہ وہ زمانہ تھا کہ بلادِ ہند میں مسلم افراد کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی تھی اور ان کے لیے اور سخت ضرورت تھی۔ تو علماءِ ربانیین نے تبلیغ اسلام کی خاطر کلام الٰہی کے معانی و مطالب عام مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے اردو میں قرآن شریف کے ترجمے کیے اور بہت سی تفسیریں لکھیں جیسا کہ علامہ مفسر حقانی نے ذکر فرمایا ہے لیکن اردو بھی آئے دن اپنا رنگ اور لب و لہجہ بدلتی رہی اور زمانہ حال کے لوگوں کے لیے پہلے زمانہ کی اردو فارسی تفسیروں سے اخذِ مطالب کرنا اور معانی کا سمجھنا دشوار ہوگیا تو ان دقتوں کو دیکھ کر علامہ مفسر حقانی نے اردو زبان میں میں تفسیر حقانی لکھی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان میں بھی توہم پرستی کا رواج تھا۔ الحاد بے دینی کا چاروں سو چرچا، کہیں آریوں کی مادہ پرستی زوروں پر، تو کہیں سناتن دھرمیوں کی مہادیو اور پیپل پوجا اور طرح طرح کی بت پرستی اپنا رنگ لا رہی تھی، کہیں رام لیلا اور دسہرہ ہو رہا ہے تو مسلمانوں میں تعزیہ پرستی اور گور پرستی کا مزاج ہے۔ بدعات کا اتنا زور کہ قبروں سے منتیں مانی جاتی ہیں کہیں اسلام کی بھی تعلیم اور اس کی توحید کے مقابلہ میں ثالث ثلثہ تین خداؤں کی خدائی جنگ کے چرچے اور کہیں تعلیم جدید کے اثرات سے نیچریت اور دہریت کے باعث خود مسلمانوں میں خانہ جنگی ہو رہی تھی۔ ادھر عقائد اور ارکانِ اسلام کا انکار تو ادھر نیچریت اور دہریت معجزات اور بزرگوں کی کرامات۔ جنوں اور ملائکوں کے وجود سے منکر اور دوزخ جنت کی خیالی واہمہ بتلاتی تھی مخالفین اسلام قرآن و حدیث، رسول اللہ ﷺ اور ذاتِ باری تعالیٰ پر اعتراضات کر کے اور افتراء پردازیاں کرتے اہلِ اسلام کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرتے۔ معاذ اللہ منہا۔

عوام میں اتنی استعداد نہ تھی کہ ان شکوک و شبہات کا جواب دے سکیں اور خود تشفی حاصل کر سکیں یا عربی فارسی اردو قدیم تفاسیر سے اخذ مطالب کر لیں۔ کیونکہ قدماء کی تفاسیر کی عالمانہ عبارتیں اور دقیق مضامین ان کے فہم سے بالاتر تھے۔ اس لیے فخر المفسرین زبدۃ المحدثین عمدۃ المتکلمین فاضل اجل مولانا مولوی ابو عبد الحق صاحب مرحوم و مغفور حنفی قادری چشتی و دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مفسرِ تفسیرِ حقانی نے فتح المنان کے نام سے آٹھ جلدوں میں ایک مبسوط تفسیر اردو میں لکھی جس میں اسلام کی سچی تعلیم اور اس کی صداقت اور ارکان اسلام و عقائد و عبادات و معاملات کو کلامِ الٰہی کے تحت الحمد سے لے کر والناس تک نمایاں طور سے بیان کرتے ہوئے ہر ہر مسئلہ پر ہر پہلو سے تفصیلی بحث کی ہے۔ مخالفِ اسلام کا کوئی شک و شبہ یا سوال باقی نہیں چھوڑا کہ جس کا عقلی نقلی طور پر مسکت جواب نہ دیا ہو۔ پھر خوبی یہ کہ تفسیر سلف صالحین اور عقائدِ اہلِ سنت والجماعۃ کے طریقہ پر لکھی گئی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کا ہر طبقہ اس تفسیر سے مستفید ہو سکتا ہے۔

# تفسیر حقانی کی نمایاں خصوصیات

۱) آیات میں ربط پر خاص توجہ ہے۔
۲) شانِ نزول میں روایتِ صحیحہ نقل کی گئی ہیں۔
۳) کوئی حدیث بغیر سند کتب صحاح ستہ وغیرہ کے نہیں لائی گئی ہے۔
۴) اس تفسیر میں روایت کو کتاب حدیث سے اور درایت کو اس فن کے علماء محققین سے جمع کیا گیا ہے۔
۵) آیات احکام میں اول مسئلہ منصوصہ کو ذکر کر کے پھر اختلاف مجتہدین اور ان کے دلائل کی وضاحت کی ہے۔
۶) اعراب کی مختلف وجوہ میں سے جو مصنف کی نگاہ میں قوی تھی اس کا ذکر کیا گیا ہے۔
۷) علم معانی و بلاغت وغیرہ کی اصطلاحات اور رموزِ نکات، اور معانی و بلاغت کے متعلق نکات قرآنیہ پر بھی گفتگو ہے۔
۸) قصص میں جو کچھ روایت صحیحہ یا کتب سابقہ سے ثابت ہے یا خود قرآن میں جو کچھ وارد ہے اس کو بیان کر دیا ہے۔
۹) عوام اردو دانوں کے لیے سلیس اردو میں زیرِ متن بامحاورہ ترجمہ اور نفس ترجمہ میں تفسیر کو قوسین کے درمیان لایا گیا ہے۔
۱۰ ہر ایک آیت کے مشکل الفاظ کے معنی اور اردو میں پوری تشریح لکھنے کے بعد عام فہم تفسیر۔ یعنی اُردو میں اصل مطلب قرآن کو واضح کیا گیا ہے۔
۱۱) مخالفین کے شکوک وشبہات جس قدر تاریخی واقعات یا مبداء و معاد کی بابت کئے جاتے ہیں، سب کا جواب الزامی اور تحقیقی دیا گیا ہے۔
۱۲) تکرار، رطب و یابس اور کسی خاص مذہب کی تائید میں غلو سے اجتناب ہے اور مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد قرآن مجید کی حقانیت کو واضح کیا گیا ہے۔
۱۳) بائبل اور دوسری مذہبی کتابوں سے تقابلی مطالعہ اور سر سید احمد خان کی فکری لغزشوں پر تنبیہ اس تفسیر کا خاص موضوع ہے۔
۱۴) منطق و فلسفہ سے استدلال فنِ مناظرہ کے مباحث۔
۱۵) علماءِ کرام اور عربی دان حضرات کے لیے آیات کی تفسیر سے پہلے ترکیب نیز صرفی نحوی لغوی تشریح و تحقیق۔
۱۶) صوفیائے کرام کے فیوضات و ملفوظات اور تصوف کے اسرار و نکات کی باریکیاں آیات کی تفسیر کے ضمن میں اپنا خاص رنگ اور روحانی اثر دکھلا رہے ہیں۔

بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تفسیر سلف کی عمدہ تفاسیر کا لب لباب اور عطر ہے۔ جس میں مخالفینِ اسلام کے اختلافات کی حقیقت، معترضین کے اعتراضات کا شافی و کافی جواب، منکرین قرآن و حدیث اور منکرین حشر کے شکوک وشبہات کا ازالہ۔ ادیان باطلہ کا ابطال اور رد، عقائد فاسدہ کے مفاسد و نقصانات، عقیدۂ تثلیث کا ابطال و عقیدہ توحید کا اثبات اور دیگر مذاہب و اہلِ مذہب کے احوال و واقعات کو ان ہی کی کتب مقدسہ و معتبرہ سے باحوالہ نقل کیا گیا ہے۔ اور اس عنوان سے یہ تفسیر اپنی ایک منفرد حیثیت و خصوصیت رکھتی ہے۔

اس تفسیر کے ساتھ ہی مقدمۃ القرآن میں علامہ مفسر حقانی نے تفسیر کی وہ تمام خوبیاں اور فوائد لکھ دیئے ہیں جن کا جاننا ہر مفسرِ قرآن کے لیے ضروری اور ہر تفسیر پڑھنے والے کے لیے لابدی ہے اور آخر میں جغرافیۃ العرب ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں تاریخی مقامات کے نقشے اور قرآن شریف میں ذکر کیے ہوئے شہروں کے حالات درج ہیں۔ جن کے پڑھنے سے مطالب قرآن کے سمجھنے میں

کافی مدد ملتی ہے الغرض یہ تفسیر ہر طرح سے قابلِ قدر تفسیر ہے۔ جس طرح آج سے پچاس سال پیشتر اس کی ضرورت تھی۔ اسی طرح اب بھی بلکہ اس سے زیادہ اس کی طرف لوگوں کی حاجت ہے۔

البتہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اس تفسیر میں عنوانات کا اضافہ ہو جائے تو قارئین کے لیے مقصد تک پہنچنے میں آسانی ہو، اسی بات اور ضرورت کے پیشِ نظر جناب محترم خلیل اشرف عثمانی صاحب نے خصوصی اہتمام کے ساتھ اس خدمت کو سرانجام دینے کا فیصلہ فرمایا اور احقر (محمد عابد قریشی، فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی، اور جا بجا ضرورت کے پیشِ نظر قدرے لفظی تسہیل بھی کروادی گئی۔ جس سے قارئین کی سہولت کے ساتھ ساتھ کتاب کی خوبصورتی میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس سعی کو قبول و منظور فرما کر ذخیرۂ آخرت و نجات کا سبب بنائے۔ آمین

طالب دعا

احقر العباد محمد عابد قریشی

غفر اللہ لہ ولوالدیہ ولاساتذتہ

# مقدمہ

الحمد للذی انزل الکتاب. والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء محمدن الذی اوتی الحکمۃ وفصل الخطاب وآلہ واصحابہ الذین قطعوا عرق الشک والارتیاب. اما بعد

مقصد سے پہلے چند ضروری باتیں کہ جو تفسیر میں نہایت کار آمد ہیں بطور مقدمہ کے بیان کرتا ہوں۔ اس میں تین باب اور ایک خاتمہ ہے۔

## باب: ①

## فصل اول :......وجود خدا اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت

ہر ذی عقل یہ خوب جانتا ہے کہ یہ عالم ( کہ جس میں رنگ برنگ کی صنعتیں اور طرح بطرح کے استحکام و انتظام ہیں ) از خود نہیں بلکہ ضرور اس کا بنانے والا اور عدم سے ہستی میں لانے والا کوئی بڑا حکیم قوی قادر ہے کہ جس کا نہ کوئی شریک نہ کوئی سہیم ہے۔ سب عیوب سے پاک اور ہر کام میں بے نیاز، اپنی ذات وصفات میں ممکنات سے ممتاز ہے۔ ان امور کے ثبوت میں دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی صاحب عقل سلیم کو انکار کی کوئی صورت نہیں۔ ذرا غور فرمائے کہ جب ہمارے روبرو کوئی صندوق یا تخت آتا ہے، یا کوئی مکان، یا کمرہ، حویلی وغیرہ دکھائی دیتا ہے تو ہم کو ( بغیر اس بات کے کہ ہم نے اس کے بنانے والے کاری گر کی صورت نہیں دیکھی ہوتی، بنتے دیکھنا تو درکنار ) کس قدر یقین آتا ہے کہ ضرور اس کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہے اور ہمارا یہ یقین کسی طرح غلط نہیں ہوسکتا۔ اب اس عالم حیرت افزا کو دیکھ کر کہ صندوقچہ وغیرہ سے بدرجہا عجیب وغریب ہے، اس کے کاریگر کے یقین نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور یوں سوفسطائیہ لاادریہ اور ❶ سوفسطائیہ عندیہ کے فضول شکوک وبیہودہ وسواس کا تو کچھ علاج ہی نہیں۔

**وجودِ خدا کا اقرار انسانی جبلت ہے:**......اب میں کلام کو اس بات پر تمام کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ جو صانع عالم اور صفات کمالیہ سے متصف ہے، اس کے موجود ہونے کا یقین کرنا ہر شخص کی فطرت اور جبلت میں شامل ہے۔ والیہ یشیر قولہ تعالیٰ: فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا پس جس طرح کہ اس کا یقین فطری ہے، ویسے ہی اس کا رحیم ہونا فطری ہے اس لیے اس نے ہر نوع کی مخلوقات کا نظام لائق اور بندوبست فائق رکھا ہے۔ چونکہ اشرف المخلوقات حضرت انسان کے سوا جس قدر محسوسات ہیں ( جیسا کہ حجر وشجر، حیوانات یعنی گھوڑا، گدھا، گائے، بھینس، درند، پرند ) بوجہ نہ ہونے عقل کلی کے مبدء ومعاد کی فکر سے آزاد ہیں۔ یہ بار گراں حضرت انسان ہی نے اٹھایا اور یہ حفظ امانت اسی کے حصہ میں آیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ❷ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ......پس ان کے لیے یہ ہی رحمت ہے کہ ان کو ان کے مناسب دنیاوی امور کے انتظام عطا فرمائے۔ مکڑی کے منہ میں لعاب عطا کیا جس سے وہ اپنا گھر بناتی ہے اور اس میں شکار پھساتی ہے پرند اونچے اونچے درختوں کی شاخوں

❶......سوفسطائیہ: حکماء کے ایک فریق کا نام ہے۔ ان کی تین قسم ہے: ایک عنادیہ کہ بسبب عناد کے یوں کہتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز وہم وخیال ہے، اصل میں کچھ نہیں۔ دوسرے عندیہ، وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز انسان کے عندیہ پر موقوف ہے۔ جو کچھ ہیں، اس کے خیالات ہیں اور اصل کچھ نہیں۔ تیسرا لاادریہ، وہ کہتے ہیں کہ ہم کو کوئی چیز اچھی طرح معلوم نہیں ، ہر بات میں ہم کو شک ہے۔ ۱۲ منہ۔

❷......ہم نے آسمان اور زمین اور پہاڑ کے آگے امانت پیش کی پس وہ نہ اٹھا سکے اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا ۱۲ منہ

اور بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر اپنے مناسب کیسے کیسے گھونسلے بناتے ہیں۔ حشرت الارض کو یہی تعلیم کیا کہ وہ زمین میں سوراخ بنائیں اور گرمی وسردی سے امن پائیں۔ درندوں کو جنگل اور دانت ملے۔ پرندوں کو پر دیے۔ درختوں کی صورت نوعیہ کو یہ الہام ہوا کہ پانی کے وسیلے سے نرم خاک کو جڑوں کے ذریعہ چوس کر اس کے رنگ برنگ کے پتے اور پھول اور پھل بنائے اور ہر درخت اپنے ایک وتیرہ خاص پر رہے۔ تخالف نہ ہونے پائے۔ جو زمین پر بیل ہو کر پھیلتے ہیں، وہ بلند نہ ہونے پائیں۔ بلند ہونے والے زمین پر بیل بن کر نہ پھیل جائیں۔ جس کا گول پتہ ہے، وہ ہمیشہ گول رہے اور جس کا لمبا پتہ ہے، وہ ہر جگہ ویسا ہی رہے۔ علی ھذا القیاس۔

اور صدہا انتظامات ہیں کہ جن کا ذکر یہاں ناممکن ہے مگر حضرت انسان کو سب سے افضل بنایا اور علوم اور ادراکات کا جامہ پہنایا۔ جس طرح موالید ثلاثہ میں جمادات سے نباتات اشرف ہیں اور نباتات سے حیوانات افضل ہیں، اسی طرح سب حیوانات میں انسان اعلیٰ ہے۔ اس کے علو کے سبب اس کو سوا انتظامات معاش کے فکر مبدء ومعاد بھی دی گئی۔ اس کو افعال میں سب سے اختیار زیادہ ملا کہ جس کی وجہ سے ثواب وعذاب آخرت کا مستحق ہوا۔ اس رحیم وکریم کو اپنے پیارے انسان کی دنیا ودین، معاش ومعاد دونوں کے انتظام کرنے پڑے اور دونوں کے بخوبی انتظام کیے۔

**انتظامِ معاش:**...... انتظامِ معاش اس طرح پر کیا کہ قوی نباتیہ ❶ وقوی حیوانیہ وانسانیہ اس کو عطا کیں کہ جن کے ذریعے سے ہر انسان خواہ عالم خواہ جاہل، خواہ لڑکا خواہ جوان اپنے کاروبارِ طبعی کھانا پینا، ہضم کرنا، پائخانہ پھرنا، جماع کرنا، سونا جاگنا، مضر چیزوں سے دور رہنا، منافع کی طرف ملتفت ہونا وغیرہ وغیرہ کو پورا کرتا اور بجالاتا ہے اور اس کے بعد دیگر اسباب معاش پیدا کرنے کے لیے ہر ایک کو علی حسب مراتب قوت بخشی اور اس نوع کے بعض بعض اشخاص کو ممتاز وخاص کر لیا اور عمدہ عمدہ چیزوں کے اختراع کی توفیق دی۔ کسی کو بڑھئی کے کام میں ایسا الہام ہوا کہ اس نے لکڑی کی ہزاروں عمدہ چیزیں بنائیں۔ کسی کو لوہار کے کام میں الہام ہوا کہ اس نے عجیب عجیب ایجاد کیے، کسی نے تار برقی ریل گاڑی، دخانی جہاز، کپڑا بنانے کے عجائب وغرائب کلیں فوٹو گراف ❷ ٹیلیفون ❸ عمدہ عمدہ توپیں، تارپیڈو ❹ وغیرہ صدہا چیزیں ایجاد کیں۔ پھر ان کی وجہ سے تمام نوع انسان اس کے فائدہ کی مستحق ہوگئی۔ اس طرح تجارت وزراعت وحرفہ وسپاہ گری کے فنون کے استاد بنائے اور ان کے دل میں ان ان چیزوں کے الہام ❺ ہوئے۔ پھر ان کی وجہ سے عالم میں سب نے نفع حاصل کیا۔ اس طرح انسان کے جسمانی معالجہ کے طریقے ایجاد ہوئے۔ طبیبوں اور ڈاکٹروں نے طرح طرح کی فائدہ بخش چیزیں تیار کیں۔

**انتظامِ معاد:**...... انتظامِ معاد کا یہ طور رکھا کہ انسان کو ایک قوت ملکیہ عطا کی جس کی وجہ سے ہر شخص اپنے مالک کی طرف رجوع کرتا اور نیک وبد باتوں میں حتی المقدور تمیز رکھتا ہے اور اس قوت کو عقل کہتے ہیں۔ ہر چند عقل سلیم نے امور آخرت کو حتی الامکان دریافت کیا۔ چنانچہ فن الٰہیات سے یہ بات ظاہر ہے۔ لیکن ان وجوہ سے عقل تنگ آ گئی اور الہام کی محتاج ہوئی۔

---

❶ (انسان چونکہ جمادات، نباتات، حیوانات سب میں فائق ہے، (دیکھو! اول کمال جسم کے لیے نفس جمادی ہے، پھر اس سے بڑھا تو اس کو نفس نباتی عطا ہوا۔ اس سے بھی کمال کو پہنچا تو نفس حیوانی ملا، اس سے بھی زیادہ کامل ہوا تو نفس انسانی ملا۔ جیسا کہ کسی عرق کو ایک آتشہ، پھر دو آتشہ، پھر سہ آتشہ کر کے کامل بناتے جائیں، اسی طرح ایک مشت خاک کو کمال دیتے دیتے انسان بنا دیا۔ اس لیے اس کے نفسِ انسانی کو جس طرح قوی جمادیہ وقوی نباتیہ بڑھنا، غذا حاصل کرنا وغیرہ ذلک وقوی حیوانیہ حس وحرکت کرنا، چلنا پھرنا دیا گیا، اسی طرح قوی انسانیہ بھی عطا ہوئیں جیسا کہ امور کلی کا دریافت کرنا وغیرہ ذلک ۱۲ منہ۔

❷ عکسی تصویر بنانے کا آلہ ۱۲ منہ۔ ❸ ...... دور سے آواز سنائی دینے کا آلہ ۱۲ منہ۔ ❹ ...... سمندروں میں جہازوں کو اڑا دینے اور ڈبو دینے کا آلہ ۱۲ منہ۔ ❺ ...... بعض جاہلوں نے اس الہام کو الہام انبیاء سمجھ کر لوہار، بڑھیوں کو نبی فرض کر کے اسلام پر اعتراض کر دیا ۱۲ حقانی۔ اس سے مراد نہیں کہ پتھر کو انسان کر دیا بلکہ انسان میں جو جمادیت وحیوانیت ہے، اس کے مراتب میں ترقی کرنا۔ ابوالحسن حقانی۔

## ضرورت الہام

اوّل:...... یہ کہ قوت وہمیہ اکثر جگہ عقل سے بمقابلہ پیش آتی ہے۔ پس کبھی مغلوب، کبھی غالب ہو جاتی ہے، دیکھو! جب کسی تنہا مکان میں رات کو مردہ دکھائی دے تو بعض کو خوف معلوم ہوتا ہے حالانکہ عقل کا یہی فتویٰ ہے کہ جسم بے حس سے کچھ ضرر متصور نہیں اسی طرح جب دو بلند دیواروں کے درمیان ایک تختہ کو جو ایک بالشت برابر چوڑا ہو، رکھ دیا جائے تو اس پر چلتے وقت وہم اس طرح غالب آجاتا ہے کہ اکثر اوقات لڑکھڑا کر آدمی گر پڑتا ہے حالانکہ بحکم عقل اسی تختہ پر بشرطیکہ کہ زمین پر دھرا ہو، بخوبی چل سکتا ہے۔

دوم:...... عقل بذریعہ حواس کام کرتی ہے اور جو چیز حواس خمسہ سے باہر ہو، وہاں اس کے دریافت کرنے میں مقدمات ترتیب دے کر نتیجہ نکالنا پڑتا ہے۔ پس وہاں طرح طرح کی غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں کہ جن کے اہل منطق شاہد ہیں، الغرض جو چیزیں کہ محسوس نہیں ہوتیں، ان کو دریافت کرنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ عالم آخرت کے حالات اور خدا کی ذات وصفات وغیرہا بھی محسوس نہیں، ان کے دریافت کرنے میں بھی عقل کا قافیہ تنگ ہے۔

سوم:...... بدن کے حالات صحت ومرض وبھوک اور پیاس، خوشی اور غم وغیرہ کے متغیر ہونے سے انسان کی عقل ہر وقت یکساں نہیں رہتی۔ لڑکپن کی عقل اور جوانی کی اور بڑھاپے کی اور تندرستی کے وقت کی عقل کی اور حالت ہوتی ہے بیماری کے وقت کی اور۔ خدا تعالیٰ کا یہ قول اس بات پر شاہد عادل ہے:

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ❶

انہیں وجوہ سے عقلاء کا باہم اتفاق ہے۔ کوئی کسی بات کو اچھا، کوئی برا جانتا ہے۔

الہیات میں ایک مسئلہ علم باری ہی دیکھیے! اس میں کس قدر مخالف اقوال ہیں۔ ایک حکیم کچھ کہتا ہے اور دوسرا کچھ اس کے بعد عالم کے حدوث وقدوم میں کس قدر اختلاف ہے۔ خیر الہیات میں تو اختلاف ہونا کچھ بعید نہیں۔ آپ طبیعات اور عنصریات کے مسائل کو ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر مختلف اقوال ہیں۔ مدت تک قدماء کا یہی قول مانا جاتا تھا کہ ہر ایک مرکب کے یہ چار اصل الاصول عنصر بسیط ہیں: آگ، پانی، ہوا، خاک۔ اس کے بعد حکماء حال نے اور بہت سے بسائط اپنے دلائل سے ثابت کر دیے۔ حکماء کا ایک فریق ہفت افلاک عرش و کرسی کا قائل ہے اور فلک الافلاک کی گردش سے رات اور دن کا پیدا ہونا مانتا ہے۔ ایک گروہ اس کا منکر اور زمین کی حرکت کا قائل ہے خود حال کی تحقیق میں روز بروز کس قدر غلطیاں ثابت ہوتی رہتی ہیں بلکہ بسا اوقات خود ایک عاقل کی رائے میں اختلافات پڑ جاتا ہے، کبھی کسی بات کو صحیح کہتا ہے، پھر آپ ہی دوسرے وقت اس کو غلط بتاتا ہے۔ آپ کو اس بیان سے یہ تو بخوبی معلوم ہو گیا کہ انسان کی عقل (کہ جس کو آفتاب جہاں تاب کہیں تو بجا ہے اور جس کو غیب دانی کی دوربین کہیں تو روا ہے) غلطی سے محفوظ نہیں۔ ❷ بالخصوص ان چیزوں میں کہ جہاں حواس کی رسائی نہیں جیسا کہ عالم آخرت کے حالات یا باری تعالیٰ کی ذات صفات یا خود نفس ناطقہ کے حالات واسباب کمالات۔ یہاں سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس طرح ہنود کے بعض علماء کا یہ قول غلط ہے کہ مخلوقات کو اپنے خالق کی طرف کچھ حاجت

---

❶...... جب آدمی چالیس برس کو پہنچتا ہے تو یہ دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! مجھ کو یہ توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا کہ جو مجھ کو اور میرے ماں باپ کو دیں، شکریہ ادا کروں اور ایسے اچھے کام کروں کہ جو تجھ کو پسند ہوں۔ اے رب! میری اولاد میں صلاحیت دے۔ میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں تیرے حکم برداروں میں سے ہوں۔ (ترجمہ)

❷...... اور اس لیے سائنس بدلتا رہتا ہے۔ کبھی ایسا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا کہ یقین کر لیا جائے کہ یہ سائنس نہیں بدلے گا یا آج کی تحقیق میں دس بیس برس بعد کوئی غلطی ثابت نہیں ہوگی۔ حاشا وکلا ۱۲ منہ۔

باقی نہیں رہی، ان کی یہ رائے بھی محض غلط ہے کہ تنہا عقل کافی ہے، اس کو مدد الہام کی کچھ ضرورت نہیں۔ ❶ اگر عقل کافی ہوتی تو ضرور تھا کہ وہ غلطی سے محفوظ ہوتی اور جب اس کا غلطی میں پڑنا ان مواضع میں یقیناً ثابت ہو گیا تو پھر کافی ہونا کہاں؟ اور ان مواضع میں غلطی کرنا تو اظہر من الشمس ہے۔ کیونکہ اگر غلطی نہ ہوتی تو مسائل مذکورہ میں اختلاف نہ ہوتا۔

**انتظام ہدایت:**...... جب آپ کو خوب یقین ہو گیا کہ عقل تنہا کافی نہیں ہوتی تو رحمت الٰہی (کہ جس نے اس عالم میں ہر چیز کے ضروری اسباب مہیا کر دیئے چنانچہ اس کا ذکر آ چکا ہے) انسان کو حالت تباہ میں کیونکر دیکھ سکتی تھی۔ پس جس طرح اس نے معاش کی اصلاح کے واسطے سامان مہیا فرمائے اور ان کی تکمیل کے لیے چند لوگ مستثنیٰ کیے کہ جو بذریعہ الہام الٰہی طرح طرح کی ایجادوں پر قادر ہو کر استاد زمانہ کہلائے اور ان کا امر معاش میں فیض عام جاری ہوا۔ اسی طرح انسان کی تہذیب و اصلاح نفس و نفع آخرت کے لئے جماعت برگزیدہ لوگوں کی قائم کی کہ جن کو فہیم ❷ کہتے ہیں۔

**کامل، حکیم اور خلیفہ وغیرہ میں فرق:**...... یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی قوت ملکیہ نہایت علو پر ہوتی ہے۔ ان کے دلوں سے حجاب جسمانی اٹھائے جاتے ہیں اور ان کو عالم ملکوت کے عجائب و اسرار دکھائے جاتے ہیں ان کو اس عالم کے علوم اور احوالِ عمدہ، شوق و تجرید سے آراستہ، اخلاقِ حسنہ پیراستہ بنایا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے انسان کے نفس کی اصلاح اور دارین کی فلاح ہوتی ہے۔ پھر ان کے بھی بلحاظ ایک صفتِ خاص مختلف اقسام ہیں۔ جو / تزکیہ نفس کے علوم ہیں، ان کو کامل کہتے ہیں اور جن میں حقائق الاشیاء کے ادراک اور معاملات کے اصول کلیہ کے انکشاف کا زیادہ رجحان ہوتا ہے، ان کو حکیم کہتے ہیں اور جن کو علوم سیاست اور نظام ملت و قوم کی طرف میلان ہوتا ہے، ان کو خلیفہ کہتے ہیں ❸۔

**مویدروح القدس:**...... اور جن کو فتوحاتِ اور غیر محسوس عالم کا انکشاف کامل ہوتا ہے، ان کو موید بروح القدس کہتے ہیں۔

**ہادی:**...... اور جس میں انجذاب ہمم اور قلوب بنی آدم کی کشش کا زیادہ مادہ ہوتا ہے، ان کو ہادی کہتے ہیں۔

**امام:**...... اور جن کو ملت و مذہب کی اصلاح کے علوم اور ان کے زندہ کرنے کے طریقے سکھائے جاتے ہیں، وہ امام کہلاتے ہیں۔

**منذر:**...... اور جن کا یہ حال ہے کہ وہ علائق جسمانی سے مجرد ہو کر عالمِ غیب پر مطلع ہو جاتے یا اور کسی قوم کی آفات بلتیات پر واقف ہو کر لوگوں کو اس سے متنبہ کرتے ہیں، ان کو منذر یا نذیر کہتے ہیں۔

**معیارِ نبوت:**...... اور جب حکمت الٰہی اور رحمت نامتناہی خلق کی اصلاح چاہتی ہے تو ان سب میں اعلیٰ شخص کو (کہ جس کی نافرمانی پر خدا تعالیٰ کی ناراضی اور اطاعت پر خوشنودی مرتب ہو اور جس کے موافق کو ملا اعلیٰ میں محبوب اور مخالف کو ملعون سمجھتے ہوں) پیدا کرتا ہے کہ وہ خلق

---

❶ ...... ف۔ ان اقسام میں منافات کلی نہیں فرق اعتباری بھی کافی ہے بعض جہلاء اس کو نہیں سمجھتے۔ ❷ ...... فہیم ایک اصطلاح خاص ہے جس سے حضرت انبیا علیہم السلام و الیاء اکرام مراد ہیں ۱۲ منہ۔ ❶ ...... حضرات انبیا علیہم السلام میں خدا نے گوناگوں ملکات فاضلہ ودیعت رکھے ہیں جو مخلوق کی ہدایت میں کارآمد ہیں۔ اسی اعتبار سے کامل، خلیفہ، موئید، ہادی، منذر کے القاب سے ملقب کئے جاتے ہیں۔ ہر ایک پھل میں ایک قسم کی خوشبو ہوتی ہے۔ مگر نبی آخر الزماں فداہ ابی و امی میں یہ جملہ ملکات موجود ہیں، اس لیے آپ جملہ القاب سے ملقب ہیں اور کبھی ان انبیا علیہم السلام کے اتباع اور جانشینوں میں بھی وہ وصف خاص منتقل ہوتا ہے جیسا کہ شاگرد رشید میں استاد کے کمالات کا مادہ ہوتا ہے اس لیے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بالخصوص خلفائے اربعہ و اہل بیت میں ان اوصاف کے مختلف جلوے نمایاں تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں تہذیب نفس کے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں سیاست و نظام ملت کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں مروت اور حیا کے، حضرت علی رضی اللہ عنہ میں انکشاف عالم غیب اور حقائق الاشیاء کے ادراک کے علوم کی تجلی تھی۔ حضرت حسین اور آپ کی بعض ذریات طیبات میں قلوب بنی آدم کے لیے جذب مقناطیسی ودیعت تھا۔ دراصل یہ ملکات خداداد ہے جس طرح قوی جسمانی اور حسن صورت ذٰلک فضل اللہ یعطی من یشاء۔ ابوالحسن حقانی۔

کو تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے اور اس کا نفس قدسی اس درجہ صاف ہوتا ہے کہ جو اوروں کو بڑی ریاضت سے مکاشفہ یا تجلی عالم جبروت و ملکوت ہوتی ہے تو اس کو ادنیٰ توجہ سے یہ بات حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا نفس قدسی آفتاب جہاں تاب کی مانند روشن ہوتا ہے کہ اس کی روشنی سے لوگ منور ہوتے ہیں اور یہ شخص عقل کو غلطیوں کی سخت دلدل سے نجات دیتا ہے اور یہ شخص جب خطیرہ قدس کی طرف متوجہ ہو کر ہمت کرتا ہے تو عالم اجسام بلکہ عالم ملکوت میں اس کا تصرف ہو جاتا ہے، جو باتیں عادت کے خلاف ہیں، وہ اس سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ ہزاروں وہ چیزیں کہ جو حس و بصری سے خارج ہیں، اس کو دکھائی دیتی اور اس سے کلام کرتی ہیں۔ روحانی لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں (ان امور کو معجزات کہتے ہیں)

**نبی، رسول اور اولیاء میں فرق:**...... ایسے شخص کو نبی کہتے ہیں۔ اگر اس کو شریعت جدید اور کتاب آسمانی بھی ملتی ہے تو اس کو رسول کہتے ہیں اور اس کے پیرووں میں جس کو نفس قدسی عطا ہوتا ہے کہ اس میں انوار اس طرح منعکس ہوتے ہوں کہ جس طرح آفتاب کے انوار آئینہ میں اور پھر کبھی اس میں اس سے بھی خوارق عادات سرزد ہونے لگتے ہیں (کہ جن کو کرامت کہتے ہیں) تو اس شخص کو ولی کہتے ہیں پھر اولیاء کی بہت سی اقسام ہیں غوث، قطب وغیرہ کہ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ یہاں سے آپ کو یہ بھی خوب معلوم ہو گیا کہ نبی ایسے برگزیدہ کو کہتے ہیں کہ جس کو یہ کمالات حاصل ہوں نہ کہ یہ نبوت کسی جسمانی قوت کا نام ہے کہ جو انسان کے اعضاء دل و دماغ کے مانند اور قویٰ سے تعلق رکھتی ہے اور نہ یہ کہ جس میں اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضی اس کی فطرت خدا تعالیٰ کی عنایت ہوتا ہے، وہ پیغمبر کہلاتا ہے جیسا کہ مصنف تفسیر القرآن کے صفحہ ۲۸ میں لکھتے ہیں اور اس کو ایسا ملکہ بتاتے ہیں کہ جیسا لوہار، بڑھئی کو اپنے فن میں ملکہ ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اپنے فن کا پیغمبر کہلاتا ہے۔ اب ہم اصل مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

**خلاصۂ کلام:**...... الغرض جو شخص اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اس عالم حادث کا کوئی موجد (کہ جس میں سب صفات کمال پائے جاتے ہیں) ضرور ہے تو اس بات پر بھی ضرور یقین رکھتا ہے کہ جس رحیم نے اپنی رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ سے ہر چیز کا انتظام لائق اور اصلاح فائق فرمائی ہے کما قال: اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى [1] اس نے انسان کی اصلاح نفس کی بھی کوئی نہ کوئی تدبیر کی ہے اور وہ مدبر انسان کا تنہا عقل ہو ہی نہیں سکتی جیسا کہ اس کا بیان گزرا۔ پھر اس کی تدبیر یہی ہے کہ وہ ایسے اشخاص پیدا کرے کہ جو اوہام و اغلاط سے خود پاک ہوں اور ان کی روح نفسانی خواہشوں کے ظلمات سے بالکل صاف ہو اور ان پر حقائق الاشیاء منکشف ہوں کہ عالم غیب کے اسرار اور ایک آنے والی نئی زندگی کی کیفیت اور اس کے مفید و مضر اسباب بھی اس پر منکشف ہوں اور اس کی روح میں انجذاب قلوب بنی آدم کی کشش مقناطیسی بھی ہو اور اس پر روحانی ترقی کی راہیں بھی منکشف ہوں تاکہ بنی آدم کو سیدھی راہ پر چلائے۔ ایسے شخص کو نبی یا رسول کہتے ہیں۔

ایسے اشخاص کو رحیم بھیجتا رہتا ہے

**انبیاء علیہم السلام کے درجات باہم متفاوت ہیں:**...... (پھر انبیاء علیہم السلام بھی درجہ میں کم زیادہ ہیں) سب سے درجہ میں زیادہ وہ نبی ہے کہ جس کے نور نبوت نے زیادہ عالم کو منور کیا ہو اور جس کے فیض و برکت سے زیادہ لوگوں نے نفع اٹھایا ہو جیسا کہ [illegible]۔ نبی کی یہ شان ہے کہ وہ لوگوں کو اس بات کی تعلیم فرمائے کہ جو اصل فطرت میں داخل ہیں اور اپنے کلام میں وہ رعایت رکھے کہ جس کو خاص و عام سمجھیں اور لوگوں سے ان کی عقل کے موافق کلام کرے۔ دلائل فلسفیہ و براہین منطقیہ سے جو مخاطبوں کی فہم میں نہ آسکیں، پرہیز کرے۔ جو خرابیاں اس وقت لوگوں میں شیوع پا گئی ہوں، ان کو مٹا دے۔ جو اصل فطرت کی باتیں ہوں ان پر قائم رکھے کیونکہ جس قوم میں نبی

[1] ہر چیز کو اس کے لائق طور پر پیدا کیا، پھر اس کو اصلاح کے اسباب کی طرف رہنمائی کی۔ منہ یعنی سرسید احمد خان (مص)

معبوث ہوتے ہیں گو ان کی بداعمالی اور خلاف فطرتی ہی ان کی بعثت کا سبب ہوتی ہے لیکن ان کی کل باتیں بری نہیں ہوتیں۔ پس جو باتیں اچھی ہیں، نبی ان کو قائم رکھتا ہے شرک و بدعت، جور وظلم وغیرہ قبائح مٹاتا ہے۔ عدل وانصاف، صلہ رحمی، تواضع، حلم، راستبازی کو قائم کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے اوصاف حمیدہ خلق پر ظاہر کرتا اور اس کی نسبت شرک وغیرہ جو جو عیوب لوگوں نے اپنی نافہمی سے لگا رکھے ہیں، ان کو دور کرتا ہے۔ انسان کے اعمال کی جزاء و سزا، حسن وقبیح کو وہی ترازوئے بیان میں تولتا ہے۔ علم آخرت میں جو کچھ انسان ف پر بعد مفارقت جسم کے پیش آتا ہے، وہی اس کا عقدہ کھولتا ہے۔ اس عالم کی ابتداء وانتہاء کو وہی پورے طور پر بتلاتا ہے نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ ریاضیات وطبیعات کے مسائل تعلیم فرمادے اور نہ یہ کہ ہوا، بادل، بجلی، آسمانوں زمین، بارش، زلزلہ وغیرہ امور کی ماہیت اور ان کے اسباب ❶ بیان کرے اور نہ یہ کہ وہ اگلے لوگوں کی بے نتیجہ تاریخ بیان کیا کرے اور ان کے قصہ وکہانی سنایا کرے۔ ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ کچھ وعظ و پند کے طور پر اگلے لوگوں کے حالات مجمل طرح سے بیان کرے کہ جس کو سن کر عبرت ہو۔ نہ یہ کہ اول سے آخر تک بالترتیب ❷ کسی کی سرگزشت یا وقائع عمر یہ بیان کرے اور اسی وجہ سے ایک شخص کے قصے کو حسب وقت بلاترتیب تقدیم وتاخیر کئی بار ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس لیے موسیٰؑ وفرعون وغیرہما کے قصوں کا بلالحاظ ترتیب وقوع چند جگہ ذکر کیا ہے۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ قوموں کے آئندہ حالات یا ان پر آنے والے مصائب یا نعماء بطور پیشینگوئی کے ذکر کردے تاکہ اس وقت کے لوگوں کو کارآمد ہوں۔ چنانچہ حضرت محمد ﷺ نے اسی غرض سے بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے۔

**پوری فصل کا خلاصہ:**...... اس فصل میں یہ چند چیزیں خوب طرح ثابت ہوگئیں: (۱) خدا تعالیٰ کا وجود (۲) اس میں صفات کمالیہ کا پایا جانا (۳) عیوب سے پاک ہونا (۴) نبی کا معبوث ہونا (۵) نبی وہ شخص ہے کہ جس میں وہ کمالات ہوں کہ جن کا ہم نے ذکر کیا (۶) نبی کا معصوم ہونا اور رذائل کو خصائل سے پاک وصاف ہونا (۷) اس کو تہذیب نفس کے متعلق کلام کرنا (۸) اور غیر ذالک باتوں سے سکوت فرمانا الا بقدر ضرورت۔

## فصل دوم...... معجزات کے بیان میں تحقیق امر اول

شاید آپ کو ہمارے بیان سابق سے کچھ تردد پیدا ہوگا کہ نبی کا کام تو ہدایت ورہنمائی ہے، یہ عالم میں تصرفات اور معجزات کہ جو بظاہر

---

ف:...... انسان اصلی روح ہے جو ایک معین وقت پر اس جسم عنصری سے جدا ہو جاتی ہے جس کو موت کہتے ہیں۔ جدا ہو کر وہ اپنی ایک خاص شکل یعنی نورانی پیکر میں قائم رہتی ہے۔ سب طرح کی لذتیں اور تکلیفیں جو اس عالم عنصری کے اعمال وعقائد کا نیک و بدنتیجہ ہے، محسوس کرتی ہے۔ اس کو زندگی کی باتیں یاد رہتی ہیں۔ جب تک وہ اس جسم عنصری کے ساتھ وابستہ ہے، اس وقت اس پر جسمانی خواہشوں اور جسمانی آثار کی تاریکیں محیط رہتی ہیں، اس لیے اس روح کی حقیقی خواہشوں اور اس کے حقیقی علوم میں قوت متخیلہ وقوت متوہمہ جو جسمانی آثار ہیں، حارج رہتی ہیں، اس پر قومی رسوم وعادات کی اور بھی تاریکیاں گھیرے رہتی ہیں۔ مگر وہ رحیم اپنے کرم سے ایک گروہ ایسا پیدا کرتا ہے جو فطرتاً ان کے ارواح ان ظلمات سے محفوظ ہوتے ہیں یہ گروہ انبیاء ہے اس لیے یہ ہی روحانی ڈاکٹر ہیں ان اندھیروں میں اس باریک رستہ کے لیے انہیں کے ... میں برقی روشنی ہوتی ہے۔ یہی انسان کو اس راہ پر چلاتے ہیں جو اس کی دونوں زندگیوں کی فلاح تک پہنچاتے ہیں۔ ابوالحسن حقانی)۔ ❶...... کس لیے کہ عالم عنصری کے حقائق کا انکشاف کوئی بڑا کمال نہیں، اس کے لیے عوام عقلاء اور ان کے تجارب وتحقیقات کافی ہیں اس کے سوا ان علوم پر انسان کی روحانی ترقی بھی موقوف نہیں۔ ابوالحسن حقانی۔ ❷ بلکہ قرآن مجید میں جہاں حسب ضرورت کوئی قصہ آیا یا تو وہاں بندوں کو عبرت دینی مقصود ہے یا قصہ بیان کرنے کے بعد حکم دیا کہ یہ فعل برا ہے تو ویسے اس فعل کی ممانعت ہوگی۔ یا قصہ کے بعد یوں فرمایا کہ یہی حکم تمہارے لیے ہے تو اس کی فرضیت ہوگی۔ قرآن مجید میں قصوں سے احکام ثابت ہیں، بخلاف انجیل کے وہاں محض فسانہ اور ... مقصود ہے اس لیے عیسائیوں کا اعتراض سرے ہی سے غلط ہے۔ ابوالحسن حقانی۔

قانون قدرت کے برخلاف ہیں، کیا چیز ہیں؟ غالباً یہ پرانے خیالات ہیں کہ جو ابتداء عمر سے سنتے سنتے دلوں میں ایسے راسخ ہو گئے ہیں کہ ان کا منکر کافر شمار کیا جاتا ہے اور آج کل اہل یورپ (کہ جن کی تحقیقات کے آگے افلاطون وارسطو طفل مکتب ہیں، ان پر قہقہہ مار کر ہنستے ہیں) اس لیے اب مجھ کو اس مقام پر چند باتوں کی تحقیق ضروری ہوئی (۱) یہ کہ معجزہ کیا چیز ہے؟ (۲) وہ ممکن بھی ہے کہ نہیں (۳) وہ نبی سے کس حکمت کے لیے صادر ہوتا ہے، آیا نبی کی نبوت کی تصدیق کر سکتا ہے یا نہیں؟

**پہلی بات کی تحقیق:**...... جو چیز خلافِ عادت اور برخلاف قانون قدرت یعنی بغیر اس بات کے کہ وہ اسباب عادیہ پر مبنی ہو، کسی شخص سے سرزد ہو تو اس کو خارق عادت کہتے ہیں۔ مثلاً عادت یوں جاری ہے کہ بھوک پیاس، کھانے پینے سے دور ہوتی ہے یا درخت اور پتھر اور حیوانات گائے، بھینس وغیرہ انسان سے کلام نہیں کرتے، کوئی درخت یا پتھر کسی کے بلانے سے بحرکت ارادیہ نہیں آ سکتا وغیر ذالک، یا کوئی شخص دریا پر زمین خشک کی طرح نہیں چل سکتا، یا ایک آدمی کا کھانا صدہا آدمیوں کا شکم سیر نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی شخص ایک مشت خاک سے صدہا آدمیوں کو اندھا کر سکتا ہے وغیر ذالک۔ پس جو کوئی ایسا کر دے تو یہ کام اس کا خارقِ عادت ہے۔ اب یہاں سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ جو کام بذریعہ آلات واسباب ہوں، خواہ وہ اسباب مخفی ہوں یا ظاہر جیسا دوا سے بیمار کا درست کرنا، کشتی کے ذریعہ دریا عبور کرنا خارق عادت نہیں۔ پس جو باتیں سحر اور طلسم کے ذریعہ سے ہوں یا نیرنجات کے شعبدے ہوں، وہ بعض محققین کے نزدیک خارق عادت نہیں کیونکہ ان کے اسباب مخفی ہیں کہ ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔

**معجزہ:**...... لیکن میں نے جو تحقیق کیا تو یوں معلوم ہوا کہ سحر کا ایک طور یوں بھی ہے کہ بذریعہ ارواح خبیثہ وشیاطین کام کیے جاتے ہیں، ان کے لیے اسبابِ عادیہ میں سے کوئی سبب نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے اس کو خارق عادت کہہ سکتا ہوں۔ ہاں اگر ان شیاطین وارواحِ خبیثہ کو سبب مخفی قرار دیا جائے تو خارقِ عادت نہیں۔ پھر یہ خارق عادت اگر مدعی نبوت سے ظاہر ہو تو اس کو معجزہ کہتے ہیں کہ مخالف کو اس کے مثل کام کرنے سے عاجز کر دیتا ہے۔ اب خواہ مدعی نبوت سے یہ معجزہ ایک معمولی طور سے صادر ہو یا اس وقت نبوت کا دعویٰ بھی ہو۔

**کرامت، معاونت، ارہاص، استدراج:**...... اگر یہ خارق عادت نبی کے پیرو سے صادر ہو، اگر وہ ولی ہے تو اس کو کرامت کہتے ہیں اور اگر غیر ولی مومن صالح سے صادر ہو تو اس کو معاونت کہتے ہیں اور جو نبی سے قبل نبوت سرزد ہو تو اس کو ارہاص کہتے ہیں اگر بد شخص سے صادر ہو تو اس کو استدراج کہتے ہیں۔

**دوسری بات کی تحقیق:**...... کہ کسی کام کا کرنا اس کے فاعل کی قوت پر موقوف ہے۔ پس جس قدر فاعل کی قوت ہوگی، اسی قدر اس سے قوی فعل سرزد ہوں گا۔ یہ مقدمہ بدیہی ہے، اس پر دلیل کی حاجت نہیں اور اصل مبدءِ قوت کا اجسام اور جواہر مجردہ میں لطافت اور کثافت کے لحاظ سے قوی اور ضعیف ہوتا رہتا ہے۔ یہی نکتہ ہے کہ خاک کی قوت سے پانی کی قوت اور پانی سے ہوا کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ اگرچہ ہوا بھی اس قدر لطیف ہے کہ حس بصری سے محسوس نہیں ہوتی نہ بغیر آمیزش غبار کے دکھلائی دیتی ہے، لیکن آگ سے بھی لطیف ہے۔ ہم کو اس دعویٰ پر دلیل لانے کی کچھ ضرورت نہیں۔ جس نے علم العناصر کی دو ایک کتابیں بھی پڑھیں ہوں گی، وہ اس بات کی خوب تحقیق کرے گا۔ لیکن ناظرین کو سمجھانے کے لئے دو چار مثالیں پیش کرتا ہوں۔

دیکھیے! ریل گاڑی جو ہزارہا من بوجھ ایک دن میں کہاں سے کہاں لے جاتی ہے، یا دخانی جہاز کس قدر بوجھ کس قدر مسافت پر پہنچاتا ہے، یا کلیں کہ کیسا جلد جلد کام کرتی ہیں۔ یہ سب انجن کی بدولت ہے کہ جو بھاپ کے زور سے چلتا ہے اور بھاپ اجزاء مائیہ ہیں کہ جو آگ

کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔اس سے بڑھ کر ان ابخرات کی قوت ہے کہ جو آگ اور ہوا سے پیدا ہوتے اور پھر زمین میں کسی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں کہ جس سے وہ زلزلہ پیدا ہوتا ہے کہ جو تختۂ زمین کو ہلا دیتا ہے اور بڑے بڑے پہاڑوں اور مکانوں کو گرا دیتا ہے۔اس کی وجہ سے سمندر ایسا الٹ پلٹ ہوتا ہے کہ صدہا کوس کی خشک زمین پانی میں ڈوب جاتی ہے اور بہت ٹاپو سمندر میں سے اوپر نکل آتے ہیں ❶ بعد اس کے قوتِ برقیہ کو ملاحظہ فرمائیے کہ وہ اور بھی غضب ہے بادلوں میں سے جو نیچے گر کر جو کچھ آفت برپا کرتی ہے، اس کو تو ہر ایک جانتا ہے مگر اس کی کسی قدر قوت کو جب آلہ برقی میں جمع کر کے کسی تار کو حرکت دی جاتی ہے تو اس کی حرکت صدہا کوس آن کی آن میں پہنچتی ہے کہ وہاں تک اتنی دیر میں بھاپ ❷ کی کل کبھی نہیں جاسکتی۔ پھر اس حرکت کے اشاروں یا اس کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سے (کہ جس سے حروف و اصوات مصطلح پیدا ہوتے ہیں) کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں۔اس لیے جن کے قوام بدن میں جزو ہوائی غالب ہوتا ہے (جیسا کے غول بیابانی وغیرہ مخلوقات کہ جو ہر وقت دکھلائی نہیں دیتے) کہ جن کو اہل ہند پَوَن کہتے ہیں، ان کے افعالِ خاکی چیزوں سے بہت قوی ہوتے ہیں۔ یا جن کے قوام میں جزءِ ناری غالب ہوتا ہے تو ان کے افعال اور قوی ہوتے ہیں جیسا کہ جن ❸ وغیرہ مخلوقات۔اسی طرح ملائکہ یعنی فرشتے کہ ان کا مادہ اور بھی زیادہ لطیف ہوتا ہے، ان کے افعال ان سے زیادہ قوی ہوتے ہیں۔اسی طرح نفس ناطقہ کہ جس کو روح بھی کہتے ہیں، لطافت کی وجہ سے بشرطیکہ کثافتِ جسمانی اس پر غالب نہ ہو بڑے قوی اور نہایت عجیب وغریب کام کرتی ہے۔

روحانی قوت کے آگے عالمِ عناصر و عالمِ اجسام علویات آفتاب، ماہتاب ستارے وغیرہ سب مسخر ہیں۔اس روحانی قوت کی وجہ سے چاند پھٹ ❹ گیا، درخت بلانے سے چلے آئے ❺ اور دو چار قطرے یا آدھ سیر پانی نے ان کے ہاتھ لگانے سے لشکر کو سیراب کر دیا۔ ❻ حجر و شجر اس سے کلام کرتے اور اس کے شوق میں روتے ہیں۔ ❼ ایک عالم کے قلوب اس کی طرف کھنچ آتے ہیں۔عصا مارنے سے پتھر پانی بہاتا ہے۔ ❽ اس کی دعا سے مردہ زندہ ہوجاتا ہے ❾۔اندھے اور جذامی شفا پاتے ہیں ❿۔اس کی ذرا سی نظیر مسمریزم ہی کو دیکھئے کہ قوت روحانی سے کیا کیا عجائب ظاہر ہوتے ہیں اور جو فقراء کے حلقۂ توجہ میں بیٹھ کر فیضیاب ہوا ہے، وہ تو اس قوت روحانی کا مزہ اٹھائے اور اس پر ایمان لائے بیٹھا ہے۔ للہ در من قال۔

زوق این مے نشناسی بخدا تا نہ چشی

**طور اول:**......مگر اس قوت روحانی کے دو طور ہیں۔ایک تو یہ عام طور عادت کے موافق اور قانون قدرت کے مطابق جیسا کہ یہ چلنا پھرنا، عمدہ عمدہ کلیں بنانا، طرح طرح کی صنعتیں ایجاد کرنا۔الغرض یہ سب کاروبار جو عالم اسباب میں انسان سے واقع ہوتے ہیں، قوت روحانی کے کام ہیں۔ یہ کسی شرط تجرد وغیرہ پر موقوف نہیں بلکہ اس کو جسمی کثافت کے ساتھ ہی خوب کرسکتا ہے بلکہ بعض کام تو عام جسمی کثافت ہی کی وجہ سے ظہور کرتے ہیں کیونکہ جسم ان کے لیے شرط ہوتا ہے اور اسی لیے اکثر طبیعات وغیرہا کے متعلق عجائب عجائب اختراع و ایجاد انہیں لوگوں سے ظہور میں آتے ہیں جو سوائے نفسانی خواہشوں، کھانے پینے جماع کرنے کے اور کچھ کمال انسانی نہیں رکھتے۔ یہ سب کام گو بظاہر جسم اور اس کے قوی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں مگر در حقیقت یہ سب روح کے طفیل سے ہوتے ہیں جب روح، جسم سے تعلق اٹھا لیتی ہے جس کو عرف عام میں موت کہتے ہیں، تب کوئی کام نہیں ہوتا، کام تو درکنار، وہ جسم ہی اس کی محافظت بغیر گل سڑ جاتا ہے اور

---

❶......فن جیالوجی میں اس کی تصریح ہے ۱۲۔ ❷......یعنی انجن۔ ❸......اشارہ معجزہ شق القمر کی طرف ۱۲۔ ❹......آنحضرت ﷺ کے اس معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو درخت آپ ﷺ کے بلانے سے چلے آئے تھے۔) ❺......اس سے معجزہ آنجناب ﷺ کی طرف اشارہ ہے کہ جو دو دفعہ آپ ﷺ سے ظاہر ہوا۔ ❻......جیسا کہ آپ ﷺ سے واقع ہوا اور ستون حنانہ آپ ﷺ کے شوق میں رویا۔ ❼......حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کی طرف اشارہ ہے۔ ❽......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی طرف اشارہ ہے۔ ❾......یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے معجزات کی طرف اشارہ ہے۔منہ۔

یہاں سے بھی خوب ثابت ہو گیا کہ ان کے اعمال کا مبدء روح ہے اور جسم ایک آلہ ہے کیونکہ جسم کو ایک قدرت کہاں۔ اس مقام پر اعتقاد مذکور کے بطلان پر فقط دو ہی دلیلوں پر اکتفاء کرتا ہوں۔

دلیلِ اوّل:...... اگر یہ اعمال جسم ہی کے ہوں تو چاہیے کہ کسی معاملہ نیک و بد میں کوئی شخص دنیا میں بھی ماخوذ نہ کیا جائے، نہ چور کو سزا دی جائے، نہ قاتل سے قصاص لیا جائے کیونکہ جب اس نے وہ کام کیا تھا، وہ اور تھا، اب یہ جسم اور ہے۔ اس لیے کہ ہر آن میں حرارت بدن سے انسان کے اجزاءِ بدن تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور ان کے بدل غذاء سے دوسرے اجزاء قائم ہوتے رہتے ہیں، اسی لیے کسی کا لڑکپن اور جوانی، پھر بڑھاپے کی تصویروں کو روبرو رکھ کر دیکھا جائے تو ایک دوسرے سے غیر معلوم ہوگی۔ علاوہ اس کے ناخن اور بالوں ہی کو دیکھ لیجئے کہ ہر روز نئے نکلتے ہیں اور پہلے کسی قدر قوت منعقدہ کی وجہ سے لگے رہتے ہیں، پھر بھر جاتے ہیں۔ بلکہ نباتات مین بھی یہی حال ہے اور اگر اس بات پر باور نہ آئے تو غذاء کو روک کر اس کے قوام اور بلیدگی کو ملاحظہ فرما لیجئے۔

دلیلِ دوم:...... کسی فعل ارادی کا کرنا (بالخصوص ایسے افعال کہ جن سے انسان قابل مدح و ذم اور مستحق ثواب و عقاب ہو) بغیر علم اور ارادے کے ناممکن ہے کما لا یخفی علی صاحب البصیرۃ اور جسمِ انسان میں نہ علم ہے نہ ارادہ بلکہ یہ بحرکت قسر یہ روح کے ہلانے چلانے سے پتلی کی طرح ہلتا ہے، جب وہ الگ ہو جاتی ہے تو بے حس و حرکت ہو جاتا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ آنکھ دیکھتی ہے یا آنکھ کے ذریعہ سے کوئی اور شخص؟ آیا کان سنتے ہیں یا اس کھڑکی کے ذریعہ سے کوئی اور؟ اگر خود آنکھ دیکھتی ہوتی تو جو چیز کہ آنکھ کے پاس رکھی جائے اس کو تو اور بھی زیادہ دیکھتی حالانکہ نہیں دیکھتی یا جس وقت کوئی مخدر کلورافارم سنگھایا جائے تو چاہیے کہ آنکھ، کان اس وقت میں بھی برابر دیکھیں اور سنیں کیونکہ وہ اسی طرح صحیح و سالم ہیں حالانکہ اس وقت روح کی عدم توجہی کی وجہ سے کچھ نہیں دیکھتے سنتے، اور اسی طرح بعد موت کہ آنکھ کان بدستور بلکہ جمیع مواضع حس ویسے کے ویسے رہتے ہیں مگر مفارقت روح کی وجہ سے معطل ہو جاتے ہیں اور اسی سر کے واسطے حکماء فلاسفہ کا یہ فتویٰ ہے: میزان العاقلیت کون الشیء مجردا ❶۔

طورِ دوم:...... دوسرا طور خاص ہے اور وہ یہ کہ روح کو جب کثافتِ جسمانیہ ظلمات ہیولانیہ سے نجات ہوتی ہے اور آثار تجرد اس پر غالب آتے ہیں تو اس کی قوت نہایت قوی ہو جاتی ہے پھر اس سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں کہ جو ظاہر اسباب اور قانون قدرت کے برخلاف معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اسباب کی احتیاج ضعف کے وقت ہوتی ہے۔ لنگڑے آدمی کو سواری کی ضرورت ہے یا جس کی بینائی کمزور ہو اس کو چشمہ کی حاجت ہے۔

معجزہ، کرامت اور استدراج میں فرق:...... اس روح کی قوت اور تجرد کی دو صورتیں ہیں: ایک کم دوسری زیادہ۔ کم یہ ہے کہ بسبب ریاضات و مجاہدات شدیدہ کے بدن کو پژمردہ اور روح کو تازہ کیا جاتا ہے۔ اس میں مؤمن و کافر سب شریک ہیں۔ اس لیے بعض ان شخصوں سے جو نہ نبی ہیں نہ نبی کے مطیع جوگی وغیرہ اور آج کل بھی ایسے لوگ بعض جگہ سنے جاتے ہیں۔ ان سے بھی یہ خوارقِ عادات سرزد ہو جاتے ہیں کما نشاھدہ فی المرتاضین۔

لیکن یہ خوارقِ عادات نبی کیا بلکہ اس کے متبع کے خوارق کے بھی برابر نہیں اور ان کے مساوی یا مشابہ ہونے کا تو کیا ذکر؟ البتہ ایسی مماثلت اور مشابہت ہوتی ہے کہ جیسی پیتل اور سونے میں یا چاندی اور قلعی میں یا بلور اور ہیرے میں۔ پس باوجود اس مشابہت کے کبھی کسی عاقل کو پیتل اور سونے میں یا قلعی اور چاندی میں اور ہیرے اور بلور میں اشتباہ نہ ہوگا۔ زیادہ قوت روح کی یہ صورت ہے کہ روح

❶ ...... یعنی عاقل ہونے کا اس بات پر مدار ہے کہ وہ شی مادہ سے مجرد ہو جیسا کہ روح و ملائکہ والحق منہ

ہمہ تن عالم قدس اور ذات باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور پھر اس پر وہاں کے انوار ایسے فائض ہوں کہ جس طرح آئینہ میں آفتاب کے انوار چمکتے ہیں تب اس کو مبدء فیاض سے ایک ایسی خاص مناسبت پیدا ہوتی ہے کہ جس طرح آگ کی صحبت سے لوہا سرخ ہو کر جلانے کے قابل ہو جاتا اور پھل کی صحبت سے مٹی دماغ کو معطر کرنے کے لائق ہو جاتی ہے۔

جمال ہمنشین درمن اثر کرد ☆ وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

تب تو عارف کے ہاتھ خدا کے ہاتھ اور اس کی زبان خدا کی زبان اور اس کی آنکھ خدا کی آنکھ ہو جاتی ہے (اور خدا تعالیٰ درحقیقت ان اعضاء سے پاک ہے) چنانچہ اس حدیث میں فکنت سمعه الذی یَسْمَعُ...... بی اسی طرف اشارہ ہے اور اسی مرتبہ میں وحدت ❶ وجود کا راز کھلتا ہے اگرچہ خدائے پاک اپنی ذات وصفات میں جمیع کائنات سے الگ اور ممتاز ہے، کوئی ممکن واجب نہیں ہو سکتا لیکن عارف پر وجوب کا ایک ایسا پرتو اپڑتا ہے کہ اس کے آثار اس میں ظہور ہونے لگتے ہیں۔ تب اس کا تصرف عالم میں ہونے لگتا ہے اور وہ شخص فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جاتا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ☆ ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

پس یہ انسان کا کمال انتہائی ہے اور یہ مرتبہ خاص انبیاء علیہم السلام کو اور ان سے کچھ اتر کر ان کے متبعین اولیاء کرام کو نصیب ہوتا ہے۔ ہماری اس تحقیق سے آپ کو خوارق کا امکان تو بخوبی معلوم ہو گیا ہو گا اور اگر اب بھی دل نہ مانے تو یوں سمجھئے کہ ممکن اس کو کہتے ہیں کہ جس کے فرض وقوع سے کچھ محال لازم نہ آئے اور ان امور خوارق عادات کے واقع ہونے سے کوئی محال لازم نہیں آتا۔ ہاں ایک عادت کے مخالف اور عالم اسباب کے برخلاف ہونے کی وجہ سے بالخصوص اس شخص کو کہ جس کی عقل پر انوار قدس فائز نہیں اور سوائے محسوسات کے اس کے تنگ فکر میں کچھ اور ہی نہیں، تعجب ہوتا ہے کہ کبھی اس کی تنگ عقل اس نور گیتی افروز سے خیرہ ہو کر انکار کر بیٹھتی ہے اور کبھی اس کو سحر مبین کہتی ہے اور کبھی ڈھڈ بندی اور شعبدہ بازی بتلاتی ہے۔ اگر اس بیان کے بعد بھی کوئی شخص نہ مانے اور اس کو بڑھیوں کی کہانی بتلائے اور یہ دلیل مقابلے میں لائے کہ ہمارے رو برو کوئی کر کے دکھائے تو ہم جانیں ❷ تو بلا شک اس کی روح کثافت جسمانی اور تاریکی ہیولانی میں غرق ہے۔ عیسائیوں کو تو اس میں کچھ چون و چرا ہی نہیں کیونکہ وہ حضرت عیسیٰؑ سے اور ان کے حواریوں سے ایسے ایسے خوارقِ عادات سرزد ہونے کے قائل ہیں اور اسی طرح یہود بھی انبیاء علیہم السلام سے معجزات کا ظاہر ہونا تسلیم کرتے ہیں بلکہ ہنود بھی اپنے اوتاروں اور رشیوں کے ایسے خوارق بیان کرتے ہیں اور حکماء فارس و یونان بلکہ کل فلاسفہ اپنے الہیات میں اس مسئلہ کو بدلائل ثابت کر چکے ہیں۔ اب اگر اس کا کوئی بھی منکر نکلے گا تو غالباً وہی صاحب کثافت جسمانی کہ جس کی بڑی تحقیق انجن میں کوئلہ جھونکنا اور دو چار مسائل فن طبعیات، ریاضیات میں مہارت رکھنا یا بعض کلوں کے کیل پرزے درست کرنا ہے۔ ایسا شخص خدا تعالیٰ کا پورا قائل نہ ہو تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ وہ باعتبار کمال انسانیت کے وحوش میں داخل ہے۔

**تیسری بات کی تحقیق:**...... تیسری بات کی تحقیق اس طرح پر ہے کہ خدا کی رحمتِ عامہ کا یہ مقتضی ہے کہ وہ اس نبی سے اپنی مخلوق کو بہرہ مند کرے اور اس کا نفع عام لوگوں میں پہنچائے۔ جو لوگ طبیعت سلیمہ اور قویٰ فطریہ رکھتے ہیں، وہ تو اس نبی کو ہر طرح پہچان جاتے ہیں کہ جس طرح بچہ بغیر کسی کے کہنے سے اپنے ماں باپ کو جان جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔ پس جو شخص

---

❶ بعض ناواقف اس سے خالق و مخلوق کا اتحاد ذاتی سمجھ گئے۔ منہ۔ ❷ آج کل یورپ تجربہ کر رہا ہے کہ برقی طاقت کی رو عالم ارواح تک جا سکتی ہے، چنانچہ تجربے شروع بھی ہو گئے اور بعض ارواح سے گفتگو ہوئی جو سمجھ سے باہر ہے۔ ابوالحسن حقانی۔

مبدء ولادت میں بچہ کو ماں کی چھاتیاں ❶ بتلاتا ہے، وہی لوگوں کو مربی روحانی نبی کی خبر دیتا ہے۔ لیکن بعض وہ لوگ ہیں کہ جن کی طبیعت میں کج بحثی ہوتی ہے، بغیر کسی علامت دیکھنے کے تصدیق نہیں کرتے جیسا کہ بعض بیمار دوا کو بغیر شیرینی ملائے نہیں پی سکتے۔ پس جس طرح طبیب شفیق اس میں شیرینی ملا دیتا ہے، اسی طرح وہ حکیم رحیم بھی نبی کے ہاتھ کوئی امر خارق عادت کہ جس کو معجزہ کہتے ہیں، ان کے لیے صادر کراتا ہے اور اس معجزہ سے بہت فوائد ظاہر ہیں۔

## فوائد: ..... معجزات

۱) ان منکروں کو نبی کی تصدیق نصیب ہو جاتی ہے۔

۲) غالباً وہ معجزہ فی نفسہا کوئی خیر اور عام فائدہ کی چیز ہوتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا اپنی انگلیوں سے پانی جاری کر کے ایک جم غفیر کو اس پانی مبارک سے سیراب کرنا، پھر لوگوں کے دلوں میں اس سے نور پیدا ہونا اور حضرت موسیٰ کا بغیر پل کے بنی اسرائیل کو پار اتار کر موذی سے نجات دینا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مائدہ سے لوگوں کو تقویت دینا۔

۳) اس معجزہ سے مومنوں کا یقین اور زیادہ مستحکم ہو جاتا ہے۔

۴) خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی عظمت لوگوں پر ظاہر ہوتی ہے اور یہی حکمت ہے کہ معجزہ کو آیت کہتے ہیں جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں۔

۵) کبھی منکروں کی تہدید و تہذیب اس سے مقصود ہوتی ہے کہ جس سے لوگ عبرت پکڑیں گو ان کے حق میں یہ معجزہ قہر الٰہی ہے مگر اوروں کے لیے رحمت الٰہی ہوتا ہے، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی دعاء سے صورتوں کا مسخ ہو جانا یا مٹھی بھر کنکریوں سے صدہا لوگوں کی آنکھیں بند ہو جانا علاوہ اس کے بہت سی مصلحتیں ہیں کہ جن کو وہ حکیم خوب جانتا ہے۔

دوسری اور تیسری اور چوتھی بات میں تو کوئی کلام نہیں کرتا۔

**معجزات کے بارے میں معتزلہ کا نقطۂ نظر:** ..... ہاں اول بات میں بعض نے بزور فلسفہ کام کیا ہے۔ پھر تاویلات رکیکہ کے ذریعہ سے قرآن اور مسلمانوں کی کتابوں سے استدلال کیا ہے جو سراسر ملمع کاری ہے۔ مسلمانوں میں پابند فلسفہ قدیمہ ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جس کو معتزلہ کہا جاتا تھا۔ ان کے نزدیک قرآن اور اسلام کی یہی خیر خواہی اور بڑی خدمت تھی کہ وہ قرآن اور پیغمبر علیہ السلام کی حدیثوں اور تاویلات کے ذریعہ سے فلسفہ یونانی کے موافق کیا کرتے تھے اور جہاں موافقت نہ ہو سکتی تھی، وہاں اس حدیث کا انکار کر دیتے تھے۔ یہ اس لیے کہ ان کے نزدیک اس وقت کا فلسفہ سراسر حق ثابت ہو گیا تھا پھر ایسا کرنے میں اسلام فلسفہ کی ٹکر سے محفوظ رہتا تھا ورنہ ان کے نزدیک چورا ہو جاتا۔

---

❶ ..... كما قال تعالىٰ: وهدينٰه النجدين... الاية منه۔ ف: ..... قانون قدرت کا بھی ایک وسیع المعنی مسئلہ ہے۔ اول تو قدرت الٰہی کا کوئی مرتب قانون کسی کے پاس نہیں، اپنے عمر بھر کے تجربے یا تاریخی دنیا کے تجربے کہ جس کو خلاف پاتے ہیں، اس کو قانون قدرت کے خلاف کہہ بیٹھتے ہیں۔ گویا قدرت غیر محدود ان کے تجربے میں محدود اور اس کا یہی قانون ہے۔ کیا ممکن نہیں کہ بعض اشیاء خصوصاً ستاروں کا طلوع و غروب ہزاروں برسوں کے بعد ہو، پھر نہ ہزاروں برس کسی کی عمر ہے نہ ہزاروں برس کی کوئی تاریخ ہے کہ وہ جملہ واقعات دہر کا دفتر ہو۔ اب اس کو جو نئی بات معلوم ہوگی یا اسباب عادیہ پر مبنی نہ ہوگی اس کو خلاف قانون قدرت کہنے میں ذرا دریغ نہ ہوگا اسباب عادیہ ہی پر اسباب کے سلسلہ کو تمام کر دینا، یہ بھی کم فہمی ہے۔ (دوم) اگر بغور دیکھا جائے تو جن کو کہ اسباب کہا جاتا ہے، ان کا اسباب حقیقی ہونا بھی محض اس لیے مانا گیا ہے کہ اکثر مسبب ان پر مرتب ہوتا ہے انسان کا تنگ دماغ قدرت غیر متناہی کو اگر کسی قانون پر منحصر کرے تو ایسا محدود القدرت خدا کیا خدا ہے۔ ابوالحسن حقانی)

عصر حاضر کے معتزلہ:...... آج کل بعض ہندوستان کے مسلمان فلسفہ حال کے مطابق کرنے میں وہی طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے ہیں مگر مسلمانوں نے معتزلہ کی تمام کوششوں کو بیکار جانا اور بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا اور خوب ہی کیا۔ کس لیے کہ پرانے فلسفہ کا آج نئے فلسفہ کی ٹکر سے چور ہو گیا اور اس کے مطابق اسلام کا بھی چورا ہو جاتا اسی طرح موجودہ فلسفہ کا آگے چل کر غلط ہونا ثابت ہو گیا اور ہو گا اور ہوتا جاتا ہے تو پھر اس کے مطابق اسلام کا کیا حشر ہو گا۔ دوا نبیا علیہم السلام کے انکشاف روحانی کے مقابلے میں فلسفی انکشاف جو محدود ہے، کیا اصل رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں خود بہت سی جگہ ایسی ہیں کہ جہاں معجزہ کو آیت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اس مقام پر آیت قرآنی مراد نہیں ہو سکتی۔ از انجملہ یہ ہے هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً: ترجمہ: یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی (معجزہ) ہے۔

دیکھیے! یہاں صاف طور پر فرمادیا کہ یہ اونٹنی آیت ہے۔ اس مقام پر جب سید صاحب سے کچھ بن نہ آیا تو غلط توجیہ کی کہ قوم ثمود کو جو احکام حضرت صالح علیہ السلام نے نسبت ناقہ کے بتائے، اس سبب اس پر بھی آیت کا لفظ اطلاق ہوا۔ انتہی، کسی سبب سے ہو مگر یہ خود آپ نے بھی لاچار ہو کر تسلیم کر ہی لیا کہ یہاں آیت کا لفظ ناقہ پر بولا گیا کہ جو نہ آیت قرآنی تھی نہ کوئی حکم رحمانی اور آپ کا یہ قول (کیونکہ وہ اونٹنی فی نفسہ کوئی معجزہ نہ تھی) بالکل غلط ہے کیونکہ وہ اونٹنی بڑا معجزہ حضرت صالح کا تھا کہ جو ان کی دعاء سے خود بخود پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ اس کا بھی ذکر آئے گا۔ از انجملہ یہ ہے وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ❶ ترجمہ: ہم اس لیے نشانیاں نہیں بھیجتے کہ ان کو پہلی امتوں نے جھٹلایا تھا۔ دیکھیے! اس مقام پر آیات سے قرآن کی یا کسی اور کتاب کی آیتیں مراد نہیں ہو سکتیں چند وجہ سے۔

اول:...... یہ کہ اگر آیات سے مراد معجزات نہ ہوں بلکہ آیات قرآنیہ اور احکام جیسا کہ سید صاحب فرماتے ہیں تو لازم آئے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ کوئی آیت قرآنیہ نازل فرمائی اور نہ کوئی حکم بھیجا و فسادہ مما لا یخفی۔

دوم:...... اس سے پیشتر کی آیات میں یہ ذکر ہے کہ کفار مکہ آنحضرت علیہ السلام سے یوں کہتے تھے:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ

ترجمہ: ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب تک ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے زمین (۱) پھاڑ کر چشمے نہ نکالیں یا کھجور (۲) یا انگور کا ایسا باغ نہ بنادیں کہ اس میں نہریں بہتی ہوں یا آسمان (۳) سے ہم پر ٹکڑے گرادیں یا خدا تعالیٰ (۴) اور فرشتوں کو ہمارے پاس نہ لائیں یا ایک (۵) گھر مزین نہ بنادیں اور آسمان (۶) پر چڑھ نہ جائیں یا کوئی (۷) ایسی کتاب نازل ہم پر نہ کریں کہ اس کو ہم پڑھ لیا کریں۔ ان باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ میں فقط رسول ہوں (خدائی اختیار مجھ کو حاصل نہیں) اور اللہ تعالیٰ خواہش کے موافق معجزات ظاہر نہ کرے کا یوں سبب بیان فرماتا ہے کہ اگلے لوگوں نے انبیا علیہم السلام کے معجزوں کو جھٹلا دیا تھا کہ جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے، پس اس لیے ہم تمہارے کہنے کے موافق یہ معجزے جو تم مانگتے ہو، نہیں ظاہر کرتے، کیونکہ یہ آیت کفار

---

❶ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر آیات سے اس مقام میں قرآن کی آیتیں مراد لی جائیں تو پھر اس آیت کا مامنعنا سے معجزات کی نفی کرنا نادرست ہے اور اگر معجزات ہی مراد ہوں، اول تو سید صاحب کا قول آیات کا اطلاق معجزات پر نہیں ہوتا، غلط ہوگا۔ دوم اگلے انبیا علیہم السلام سے تو ضرور معجزات کا صادر ہونا پایا گیا کہ جن کی تکذیب سے ان کو عذاب ہوا۔ اب رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت معجزات کو یہ آیت معارض ہے، سو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس میں یہ کہیں نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا یا آئندہ نہ ہو گا بلکہ وہ چند معجزات کہ جن کی کفار محض عناد سے استدعا کرتے تھے، وہ آپ سے صادر نہیں ہوئے جیسا کہ لام عہدی اور قرینہ جواب اس کا شاہد ہے۔ ابوالحسن حقانی۔

کے جواب میں واقع ہے اور وہ ان سات چیزوں کا سوال کرتے تھے تو اس کے جواب میں الآیات سے بسبب لام عہدی کے یہی سات چیزیں مراد ہونی ضروری ہیں نہ کہ مطلق معجزات۔

سید صاحب اس مقام پر قاضی ابن رشد کا قول دربارۂ نفی معجزات نقل کر کے یوں کہتے ہیں اور اس کا ثبوت خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے انتہیٰ ، اور اس دعویٰ کی دلیل میں یہی آیات ذکر فرماتے ہیں۔ میں سید صاحب کی پریشان بیانی سے سخت حیران ہوں کیونکہ جب آیات سے (اس مقام پر جن کے آنحضرت ﷺ پر حسب استدعاء کفار نازل نہ ہونے کی وجہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے) قرآن کی آیتیں مراد ہوئیں جیسا کہ سید صاحب کہتے ہیں تو غایۃ الامر یہ لازم آیا کہ آنحضرت ﷺ پر وہ آیات جن کو کفار چاہتے تھے، نازل نہ ہوئیں۔ معجزات کے نازل ہونے یا نہ ہونے کا تو کچھ ذکر ہی نہ رہا۔ پھر یہ کہنا کہ یہاں سے نفی معجزات ثابت ہوتی ہے۔ محض لغو ہے۔ دوم آپ کو جب بغرض اس بات کے آنحضرت ﷺ کیا بلکہ کسی نبی سے کوئی معجزہ ثابت نہیں ہوا، لفظ آیات سے معجزات مراد لینا پڑا (حالانکہ یہ آپ کے قول کے صریح مخالف ہے) تو پہلے انبیا علیہم السلام سے تو ضرور معجزات کا سرزد ہونا تسلیم کرنا پڑے گا کہ جن کو پہلے لوگوں نے جھٹلایا تھا اور آنحضرت ﷺ سے مطلقاً معجزات کی نفی نہ ہوگی بلکہ بقرینۂ جواب و بقرینۂ لام عہدی ان معجزات کی نفی کہ جن کا وہ عناداً وہ سوال کرتے تھے۔ اس مقام پر جیسا کہ سید صاحب کو مغالطہ ہوا اسی طرح پادری فنڈر وغیرہ معاندین نے بھی منہ کی کھائی۔ اگر یوں کہئے کہ سید صاحب کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے بوقت دعوت اسلام کوئی معجزہ ثابت نہیں ہوا تو میں اس کے جواب میں یوں کہتا ہوں کہ اگر یہ آپ کی مراد تسلیم بھی کی جائے تو اس کا ثبوت اس آیت سے جب ہی ہو سکتا ہے کہ آیات سے معجزات مراد لئے جائیں اور پھر بعد اس کے یہ بھی کسی دلیل قوی سے ثابت کر دیا جائے کہ الآیات سے بقرینۂ جواب لام عہدی وہ معجزات مخصوصہ مراد نہیں بلکہ کل اور یہ بھی کہ اس آیت میں آئندہ آنحضرت ﷺ سے معجزات صادر نہ ہونے کا ذکر بھی ہے اور یہ بھی کہ آپ ﷺ نے دعوت اسلام کے وقت سوا ان معجزات مسئولہ کے اور کوئی معجزہ نہیں دکھایا اور ان باتوں کا ثبوت محال ہے۔

علاوہ اس کے یہ بھی ماننا ضرور ہوگا کہ اور انبیاء علیہم السلام سے وہ معجزات کہ جن کا کفار نے انکار کیا تھا، ضرور صادر ہوئے ہیں، اب کسی اہل اسلام کی تو کیا جرات ہے کہ وہ یوں کہے کہ اور انبیا علیہم السلام سے تو معجزات صادر ہوئے مگر آنحضرت ﷺ سے نہ ہو سکے۔ ❶ اور یہ بھی کسی اہل عقل کی شان نہیں کہ یوں کہے کہ آنحضرت ﷺ سے دعوت اسلام کے وقت کوئی معجزہ صادر نہ ہوا اور دیگر اوقات میں صادر ہوئے از انجملہ یہ آیت ہے:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ (سورہ بنی اسرائیل)

یہاں صاف تصریح ہے کہ آیات کا اطلاق ان معجزات پر ہوا ہے کہ جن کو لوگوں نے جھٹلا دیا تھا منجملہ ان کے ناقہ ثمود تھی کہ جس کی انہوں نے بے حرمتی کی تھی۔ اس مقام پر سید صاحب فرماتے ہیں۔

**قولہ:** اس آیت سے قاضی ابن رشد نے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ادعاء نبوت کے ساتھ کوئی معجزہ کسی کو نہیں دکھلایا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

**اقول:** قاضی ابن رشد اگر کوئی ذی علم شخص ہیں تو اس آیت سے کاہے کو استدلال کریں گے اور اگر کوئی ایسی ہی موٹی سمجھ کے ہیں تو وہی

---

❶ ..... سوائے اس کے قرآن مجید میں اور پہلی کتابوں میں انبیا علیہم السلام کے معجزات کی تصریح ہے، آنحضرت ﷺ کے معجزات بھی مذکور ہیں۔ پھر ان کے انکار کے سوا اس بات کے کہ قرآن اور کتب سابقہ کا انکار کیا جائے اور کیا صورت ہے؟ منہ۔

جواب پائیں گے جو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ اس کے بعد سید صاحب فرماتے ہیں۔

**قولہ:** اور اس سے پایا جاتا ہے کہ قاضی ابن رشد نے اس آیت میں جو لفظ آیات ہے، اس سے معجزات مراد لئے ہیں۔ صاحب تفسیر بیضاوی نے بھی یہی سمجھا ہے الخ لو سید صاحب! اب تو اب قاضی ابن رشد بھی آپ کے مخالف ہو گئے اور بیضاوی کیا بلکہ کوئی اہل علم بھی کہ جس کو کچھ بھی عربیت کی استعداد ہو گی، یہ نہ فرمائے گا جو آپ تمام اہل عقل و نقل کے مخالف ہو کر فرماتے ہیں۔

**تیسری طرح:**...... یہاں سے ہماری تیسری بات (کہ تمام اہل عقل و نقل اس بات پر متفق ہیں کہ لفظ آیات کا اطلاق معجزہ پر بھی ہوتا ہے) ثابت ہو گئی۔ سید صاحب، قاضی ابن رشد اور بیضاوی وغیرہ جمہور کی تفسیروں کو یوں رد فرماتے ہیں اور تھک کر اس آیت کا یہ جواب دیتے ہیں۔

**قولہ صفحہ ۱۳۹۔** مگر اس تفسیر میں چند نقصان ہیں۔ اول تو سمجھ نہیں آتا کہ خدا تعالیٰ نے لوگوں کے نہ ماننے یا جھٹلانے سے کیوں معجزوں کا بھیجنا بند کر دیا الخ۔ تحقیقی جواب تو یہ ہے کہ کل معجزات کا بھیجنا بند نہیں کیا بلکہ خاص ان کا جن کی ضد کر کے طلب کرتے تھے تاکہ پھر تکذیب اور مقابلہ سے بلا نازل نہ ہو اور الزامی جواب یہ ہے کہ اگر اس سے احکام مخصوصہ ہی مراد ہیں جیسا کہ آپ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

**قولہ** تو یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ خدا تعالیٰ نے لوگوں کے نہ ماننے یا جھٹلانے سے کیوں احکام مخصوصہ کا بھیجنا بند کر دیا۔ دوسرے آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک برابر کیوں بھیجتا رہا اور کیوں ایسی بے رحمی سے اگلوں کو غارت کرتا رہا۔ از انجملہ یہ آیت ہے) وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَاۤ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً یہاں سے صاف صاف لفظ آیت کا اطلاق رات اور دن پر ہوتا ہے از انجملہ یہ ہے لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا کہ پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے محمد ﷺ کو رات کو مکہ سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی تاکہ ہم اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ یہاں بھی آیات سے مراد عجائبات قدرت ہیں کیونکہ اگر آیات قرآنی مراد ہوتیں تو ان کو مسجد اقصیٰ میں لے جا کر سنانا تھا، نہ کہ دکھانا تھا۔ از انجملہ یہ ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ... الآیۃ کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں عصیٰ، ید بیضا وغیرہ دیں۔ یہاں بھی احکام مراد نہیں ہو سکتے بلکہ یہاں تو صفت بینات بھی معجزات کی ظاہر کر دی۔ از انجملہ یہ ہے ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ سورہ کہف۔ دیکھئے! یہاں اصحاب کہف کو آیت اللہ کہا ہے۔ از انجملہ یہ ہے قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ...... الآیۃ یہاں بھی لفظ آیت زکریا علیہ السلام کے کلام نہ کرنے پر بولا گیا علاوہ اس کے اور بہت سے ایسے [1] مواقع ہیں کہ جہاں لفظ آیت بصفت بینات معجزات پر بولا گیا ہے۔ سید صاحب اگر آپ کو قرآن پر آگاہی نہ تھی تو کیوں اتنا بڑا دعویٰ کر بیٹھے کہ قرآن میں لفظ آیت کا سواء احکام یا آیات قرآنیہ کے اور کسی پر اطلاق نہیں ہوا ہے۔ افسوس! آپ کو یہ خیال نہ آیا کہ اہل علم میری بے اصل باتوں پر ہنسیں گے؟ اب یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ آیات کا اطلاق معجزہ پر بھی ہوتا ہے اور جو اس کا انکار کرتا ہے، وہ محض جاہل ہے۔

**امر دوم کی تحقیق:**...... اس طرح پر ہے (اول) لفظ ایت کے اطلاق کرنے کے واسطے نشانی کے معنی پائے جانا ضروری ہے، سو وہ معجزہ میں پائے جاتے ہیں۔ دوم اس کا نبی کی نبوت پر دلالت کرنا بھی اہل عقل سلیم کے نزدیک ظاہر ہے کیونکہ معجزہ کے بعد وہ خدا تعالیٰ کہ جس نے نبی ﷺ کو خلق پر رحم فرما کر بھیجا ہے، خلق کے دل میں اس نبی ﷺ کے برحق ہونے کا القاء کرتا ہے اور علماء کلام نے محض تفہیم عام کے لیے اس کی مثال بھی دی ہے۔ چنانچہ شرح مواقف کے چھٹے موقف اول مرصد میں یوں لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی بادشاہ کے روبرو لوگوں

---

[1] سب سے زیادہ خود سید صاحب کا قول جو تفسیر آل عمران کے صفحہ ۳۴ میں واقع ہے، ہمارے واسطے بڑی دلیل ہے قولہ آیت کا لفظ قرآن مجید میں فرعون، اصحاب کہف والرقیم، لوح واصحاب سفینہ پر بھی اطلاق ہوا ہے۔ انتھی ابو الحسن حقانی

سے یوں اظہار کرے کہ میں اس بادشاہ کا سفیر ہوں اور بادشاہ سے یوں کہے کہ اگر میں سچا ہوں تو حضور اپنی عادت کے خلاف میرا کہا کریں کہ اس جگہ سے اٹھیں اور دوسری جگہ اس تخت کے کنارے بیٹھ جائیں اور پھر وہ بادشاہ ایسا ہی کرے تو بلاشک ان قرائن سے ہر ذی عقل کو اس مجمع میں ایسا یقین آجائے گا کہ جیسا وہ بادشاہ اپنی زبان سے یوں کہے کہ یہ میرا سفیر ہے اور کوئی یوں نہ کہے کہ بادشاہ کا قیاس خدا تعالیٰ پر کرنا نادرست ہے کیونکہ یہ قیاس بادشاہ کا خدا تعالیٰ پر نہیں بلکہ ایک حال تمثیل محض سہولت فہم کے لئے دی ہے۔ اب غور کرو کہ جو شخص نبوت کا دعوی کر کے کسی پہاڑ کو اپنے اشارہ سے اٹھا کر لوگوں کے سروں پر کھڑا کر دے اور یہ کہے کہ تم میری تصدیق کرو گے تو یہ تم سے ٹل جائے گا ورنہ تم پر گر پڑے گا۔ پس جب وہ اس کی تصدیق کریں تو وہ ان سے دور ہو جائے اور جب تکذیب کریں تو ان کے سر کے قریب ہونے لگے۔ پس اس وقت ہر شخص کو یقین کامل ہو جائے گا۔ اگر یہ وجہ یقین نہ ہو تو پھر کون سی وجہ ہے کہ جس سے نبی کی تصدیق ہو؟ اس کہنے سے کہ میں نبی ہوں، کیا اس کی کتاب سے، کیا اس کے احکام شریعت سے؟ اگر ان چیزوں سے نبوت کا یقین ہو سکتا تو معجزہ سے جس کی تمثیل اور دلیل ابھی بیان ہوئی، بدرجہ اولیٰ یقین ہو سکتا ہے۔

سید صاحب ایک لغوی دلیل متکلمین کی طرف سے اس مضمون پر بیان کر کے آپ ہی پھر اس پر چند اعتراض ایسے کئے کہ جس کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کو اس عمر میں وہ جو کچھ ابتداء میں پڑھا تھا، یاد نہیں رہا اور درحقیقت وہ اعتراضات منکرین نبوت کے ہیں مگر سید صاحب نے نہایت برے طور پر بیان کیے ہیں۔ شرح موقف کے اسی مؤقف میں یوں لکھا ہے:

وعرضنا ھنا رد شبھة المنكرين للبعثة وھم طوائف الاولى من احالھا الثانية من جوزھا ولكن قال لا تخلوا لبعثة التكليف الثالثة من جوز المعجزات وقال فى العقل الكفاية والرابعة من قال بامتناع المعجزة لان خرق العادة محال والخامسة من جوز وجود المعجزة لكن منع الدلالة على الصدق الخ ملخصا۔

یعنی ہم یہاں منکرین نبوت کا رد کریں گے، اور ان کے چند فرقے ہیں۔ پہلا فرقہ نبوت کو محال جانتا ہے لیکن کہتا ہے کہ نبوت سے امر و نواہی کا پابند ہونا پڑتا ہے اور یہ تکلیف ہے۔

تیسرا فریق معجزات کا صادر ہونا ممکن کہتا ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ عقل کافی ہے، پس نبوت کی کیا ضرورت؟ چوتھا فریق معجزات کا صادر ہونا محال کہتا ہے، اس لیے کہ خرق عادت محال ہے، پانچواں فریق معجزات کا وجود مانتا ہے لیکن ان کا نبوت پر دلیل ہونا نہیں مانتا۔ اگرچہ سید صاحب چوتھے فریق میں داخل ہیں کہ وہ معجزہ کے منکر معلوم ہوتے ہیں لیکن پانچوں فریق میں ہونے کا خود اقرار کرتے ہیں اور یہ دلیل بیان فرماتے ہیں **قولہ**: صفحہ ۱۲۹ معجزہ نبوت کے ثبوت کی کیونکر دلیل ہو سکتا ہے الخ۔ بعد اس کے سید صاحب یوں فرماتے ہیں کہ رسولوں کے آنے میں دو چیزیں غور طلب ہیں۔ اوّل رسول ہونے کا ثبوت۔ دوسرے وہ چیز جس سے معلوم ہو کہ یہ رسول ہونے کا دعوی کرتا ہے، رسولوں میں کا ایک رسول ہے۔ ہم نے پہلی بات کا ثبوت بخوبی کر دیا ہے اور دوسری بات کا ثبوت کرنے والی چیز معجزہ ہے جس کا بیان ابھی ہو چکا۔ اگر منکر رسالت ضد کرے تو یہ اور بات ہے۔ **قولہ**: انسانوں میں سے ایسے انسان کے ہونے پر متکلمین نے دنیا کے حالات پر قیاس کر کے استدلال کیا ہے۔ جناب! دنیا کے حالات پر ہرگز قیاس نہیں بلکہ تفہیم عام کے لیے ایک مثال دیتے ہیں جس کا بیان گزرا اور یہ استدلال متکلمین کی طرف سے نہیں، یہ محض آپ کا اور یا آپ کے قاضی ابن رشد کا اختراع ہے۔ گو ہم اس استدلال کو پسند نہیں کرتے مگر انصاف یہ ہے کہ اس پر جو کچھ رد کیا ہے وہ محض سینہ زوری ہے۔

**قولہ**: وہ کہتے ہیں یعنی متکلمین بوقت استدلال کہ یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے اور صاحب ارادہ اور بندوں کا مالک اور دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ ایسا شخص مجاز ہے کہ بندوں کے پاس اپنا ایلچی بھیجے تو خدا تعالیٰ کی نسبت بھی ممکن ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں

اللہ تعالیٰ کا ایلچی ہوں اور بادشاہی نشانیاں اس کے پاس ہوں تو واجب ہوتا ہے کہ اس کا ایلچی ہونا قبول کیا جائے؛ یہ دلیل اس بات کی ہے کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہے۔ اس کے بعد سید صاحب، قاضی ابن رشد کو مددگار بنا کر ان دونوں دلیلوں کو رد کرتے ہیں۔

قولہ: ابن رشد فرماتے ہیں کہ یہ دلیل عام لوگوں کے لیے کسی قدر مناسب ہو مگر جب غور سے دیکھا جائے تو ٹھیک نہیں ہے الخ۔ اس کے بعد سید صاحب نے جو اعتراض کیا ہے، وہ غیر مربوط تقریر دو ورق میں ہے لیکن اس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ یہ دلیل جب صحیح ہو سکتی ہے کہ اول یہ مان لیا جائے کہ جو نشانیاں ایلچی لاتا ہے وہ بادشاہ کے ایلچی ہونے کی ہیں، یا اس طرح سے کہ بادشاہ خود کہہ دے کہ یہ نشانیاں جس کے پاس ہوں وہ میرا ایلچی ہے، یا یوں کہ بادشاہ کی عادت سے معلوم ہو گیا ہو کہ وہ نشانیاں بجز اپنے ایلچی کے اور کو نہیں دیتا (دوم) یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ معجزہ کا صادر ہونا کسی انسان سے ممکن نہیں (سوم) رسول کا وجود بھی تسلیم کر لیا جائے اول بات تو ثابت ہو نہیں سکتی کیونکہ شرع سے تو ثبوت کرنا فضول ہے کہ ہنوز شرع کا وجود ہی نہیں اور عقل سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ دوسری بات یہ بھی ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی شئی کا امکان جب ثابت ہوتا ہے کہ جب اس کا وقوع بار بار مان لیا جائے کہ کبھی وہ شئی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی اور اگر یہ امکان تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے وقوع لازم نہ آئے گا اور نظر بندی اور ڈھڈ بندی کا احتمال قائم رہے گا اور تجربہ اور عادت سے بھی اس کے رسول ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکے گا بجز اس کے کہ معجزے رسول ہی دکھایا کریں اور کوئی نہ دکھا سکے حالانکہ خرق عادت جس کا ایک نام معجزہ ہے، رسول اور غیر رسول دیکھا سکتے ہیں اور متکلمین اس بات کے قائل ہیں کہ شئی معجز کبھی جادوگر سے اور ولی سے بھی ظاہر ہوتی ہے تیسری بات بھی ثابت نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ جو امکان موجودات کی طبیعت میں پایا جاتا ہے، وہ اس لیے پایا جاتا ہے کہ وہ شئی کبھی موجود ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی، جیسا کہ مینہ کا حال ہے، کبھی برستا ہے، کبھی نہیں برستا۔ پس جو شخص کسی ایک رسول ہونے کا قائل ہو گیا ہو تو اس کے مقابلے میں کہا جا سکتا ہے کہ رسولوں کا ہونا ممکن ہے، مگر جو شخص رسول ہونے کا قائل ہی نہ ہو تو اس کے مقابلہ میں اس کا امکان رکھنا جہالت ہے کیونکہ لوگوں کی طرف سے ایلچی کا ہونا ممکن مانا گیا ہے تو اس سبب سے مانا گیا ہے کہ ان کے ایلچیوں کو وجود ہم نے پایا ہے۔ پس زید پر قیاس کر کے عمرو کے لیے ایلچی ثابت کرنا درست نہیں، اس لیے کہ ایسی صورت میں دونوں کی طبیعتوں کا مساوی ہونا ضروری ہے اور یہ مساوات خدا تعالیٰ اور بندوں میں نہیں ہے۔ یہ حضرت کی تمام گفتگو کا خلاصہ ہے بلکہ جو فقرے کہ ان پر خط کھینچا ہوا ہے، لفظ بلفظ انہیں کے ہیں۔ اب ہر بات کا جواب بھی سنئے اور ذرا انصاف بھی فرمائیے اور اس بات کی طرف کچھ خیال نہ کیجئے کہ سید صاحب سرکار انگریزی میں بڑے آدمی شمار کئے گئے ہیں، ان کی ہر بات حق اور بجا ہے۔

**پہلی بات کا جواب:**...... پہلی بات کا جواب یوں ہے کہ یہ بات نبی کی حقیقت اور معجزہ کی حقیقت سے خوب معلوم ہو گئی ہے کہ نبی کی روحانی قوت کے مقابلہ میں کسی کی نہیں، پھر ایسے ایسے خوارق عادت سوائے نبی کے اور کسی کی طاقت ہے کہ ظاہر کر سکے اور آپ کا یہ کہنا کہ متکلمین کے نزدیک معجزہ جادوگر سے اور ولی سے بھی ظاہر ہو سکتا ہے، بالکل غلط ہے۔ کسی کا بھی متکلمین میں سے یہ عقیدہ نہیں اور جو کوئی ہو بھی تو اس کا اعتبار کیا ہے۔ دیکھئے! شرح مواقف کے موقف ششم، بحث سوم میں یوں لکھا ہے:

قالت المعتزلہ خلق المعجزۃ علی ید الکاذب مقدور للہ تعالیٰ لکنہ ممتنع وقوعہ فی حکمتہ لان فیہ ایھام صدقہ وھو اضلال قبیح من اللہ تعالیٰ فیمتنع صدورہ کسائر القبائح قال الشیخ وبعض اصحابنا انہ ای خلق المعجزۃ علی ید الکاذب غیر مقدور فی نفسہ لان لھا دلالۃ علی الصدق قطعًا فان دل المعجز المخلوق علی ید الکاذب علی الصدق کان الکاذب صادقًا وھو محال

یعنی معتزلہ کے نزدیک کاذب سے معجزہ ظاہر کرانا خدا تعالیٰ کی قدرت میں تو ہے لیکن اس کی حکمت کی رو سے اس کا واقع ہونا محال ہے

کیونکہ اس کے ظاہر ہونے میں جھوٹے کے سچا ہونے کا خیال ہوتا ہے اور یہ قبیح ہے۔ خدا تعالیٰ سے قبیح کا سرزد ہونا ممکن ہی نہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری اور ان کے پیرو یہ کہتے ہیں کہ کاذب کے ہاتھ سے معجزہ کا صادر ہونا ممکن ہی نہیں اس لیے معجزہ قطعی دلیل ہے، پس وہ معجزہ جو کاذب کے ہاتھ سے ظاہر ہوا، اس کی سچائی پر دلالت کرے تو جھوٹا، سچا ہو جائے اور یہ محال ہے۔ لو سید صاحب! ہم نے دوسری شق اختیار کی یعنی اس کی عادت سے معلوم ہو کہ وہ غیر نبی کے کسی اور کو معجزہ پر قادر نہیں کرتا اور عقل اس کی گواہ ہے اور جادوگر کو سرے سے بعض لوگوں نے کسی خرق عادت پر قادر ہی نہیں سمجھا ہے۔ معجزہ تو درکنار، اب اس معجزہ کو دیکھ کر شبہ پیدا کرنا کہ یہ کوئی طلسم نہ ہو، یہ کوئی نظر بندی نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ اہل عقل اور صاحب طبیعت سلیمہ سے تو نہایت بعید ہے بلکہ عادت یوں ہی جاری ہے کہ سب کو یقین ہو جاتا ہے، پھر جو کوئی نہیں مانتا تو عمداً ضد کرتا ہے۔ حجت الٰہی اس پر تمام ہو چکتی ہے۔ ہم جب کسی کمشنر یا کسی اور حاکم جلیل القدر کو دیکھتے ہیں تو بغیر اس کے ہم اس کی اس سند اور فرمان کو دیکھیں جو اس کو گورنمنٹ کی طرف سے ملا ہے یا پھر اس کی بھی تحقیق کریں کہ آیا یہ فرمان صحیح ہے یا جعلی، محض قرائن سے ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ کمشنر یا فلاں حاکم ہے، حالانکہ یہاں بہت سے احتمالات عقلی ہو سکتے ہیں اور نبی میں تو بعد معجزہ کے کوئی احتمال ہی نہیں رہتا۔ پھر کیا وجہ ہے صاحب کمشنر کا کچہری میں بیٹھنا اور دو چار چپراسیوں کا اس کے اردلی میں ہونا وغیرہ ذلک اس کے کمشنر ہونے کی دلیل ہو جائے اور معجزہ جو ایسی بڑی چیز ہے اور ایسے شخص سے ظاہر ہو کہ جس کے منہ دیکھے سے خدا تعالیٰ کی یاد آئے، اس کی نبوت کی دلیل نہ ہو؟ اور اس کے دل میں یقین نہ آئے؟ حالانکہ یہاں رحمتِ خدائی نے اس بات کا ذمہ بھی لیا ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اس کے رسول ہونے کا یقین پیدا کرے گی ورنہ اس کا رسول بھیجنا ہی فضول ہو جائے گا۔

**دوسری بات کا جواب:**......دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ رسول کا ہونا ممکن کیا بلکہ بنظر اصلاح عالم ضروری ہونا ہم ثابت کر چکے ہیں اور آپ کا یہ فرمانا کہ امکان شئی کے کبھی ہونے اور کبھی نہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے، محض غلط ہے کیوں کہ تمام اہل عقل اس بات پر متفق ہیں کہ جس کے فرض وقوع سے محال نہ لازم آئے اور یہ صفت امکان وجود پر ہمیشہ مقدم ہوئی ہے جیسا کہ صدرا اور میبذی وغیرہ کتب حکمت میں مذکور ہے۔ ''لان امکان وجودہ سابق علی وجودہ والالما کان قبلہ ممکنا بل ممتنعا للذاتہ (ھدایۃ الحکمت)'' کیونکہ اگر شئی کے موجود ہونے کے اول اس کا امکان نہ ہوگا تو ممتنع ہو جائے گی۔ پس اگر امکان اس بات پر موقوف ہو کہ شئی کبھی پائی جائے اور کبھی نہیں تو وہ شئی کبھی پائی ہی نہ جائے گی۔ اب جو شخص ایک رسول ہونے کا بھی قائل نہ ہو (جیسا کہ اس وقت کے بعض ہنود ❶) تو ان کے مقابلے میں اس دلیل مذکور کے ذریعہ سے رسول کا امکان (بلکہ فعلیت) کا مقر ہونا عین علم اور کمال فطانت ہے۔ جو اس کو جہالت کہے، خود اس کی نادانی ہے۔

**تیسری بات کا جواب:**......تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ مطلق رسالت کا ثبوت ظہور معجزہ پر موقوف نہیں جیسا کہ آپ اور آپ کے قاضی ابن رشد غلط فہمی سے سمجھ کر اس کے رد میں قیل وقال کرتے ہیں کیونکہ یہ تو وجہ ضرورت رسالت سے ثابت ہے اور دلائل سے تسلیم کرا دیا گیا ہے اس عالم کی اصلاح رسول کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ ہاں تعین و تشخیص اس بات کی کہ اس مطلق رسالت کا کون سا مصداق ہے، آیا زید رسول ہے یا نہیں؟ البتہ یہ بات معجزہ کے ظاہر ہونے سے معلوم ہوئی۔ پس جس شخص نیک عادت، ہادی سیرت نے نبوت کا دعویٰ کر کے معجزہ دکھا دیا خواہ اس وقت، یا اس کے بعد، یا تعلیم امت کے، یا اور وقت میں بلاشک وشبہ یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ یہ شخص نبی ہے۔ الغرض عہدہ نبوت کی تصدیق کے واسطے معجزہ فرمان خداوندی ہے کے جس کے دیکھتے ہی قلوب اس کی طرف اس طرح کھنچ کر آتے ہیں کہ جس

❶......یعنی آریہ سماج۔

طرح لوہا مقناطیس کی طرف۔ اب جو شخص برخلاف مشاہدہ اس جذب مقناطیس کا انکار کرے تو وہ نہ نہا کج فہم بلکہ بڑا ضدی ہے۔

**امرِ سوم کی تحقیق:**..... امرِ سوم کی تحقیق اس طرح پر ہے کہ جب یہ بات بخوبی ثابت کردی کہ معجزہ نبوت کی بڑی واضح اور روشن دلیل ہے اس میں وضاحت اور مبین ہونے کا وصف آیت سے بھی زیادہ پایا جاتا ہے بلکہ یہ لفظ آیت یا بلفظ آیت. بیّنہ یا محض بلفظ بینہ بلحاظ مراتب معجزات وعجائبات قدرت ہی کو تعبیر کیا جاتا ہے اور بالتبع آیات قرآنیہ کو۔

**امر چہارم کی تحقیق:**..... امر چہارم کی یہ تحقیق ہے کہ جب یہ وصف وضاحت معجزات میں بھی پایا جاتا ہے کما عرفت تو یہ تخصیص دعویٰ بلا دلیل ہے۔

## فصل سوم:..... الملائکہ

کل حکماء وعقلاء کہ جن کو قوت اشراق وانکشاف مبدءِ فیاض سے عطا ہوئی ہے، اس بات پر متفق ہیں کہ اس عالم حس کے علاوہ (کہ جس میں ہماری آنکھوں سے ہم کو یہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں) ایک اور عالم بھی ہے جس کو عالم ملکوت کہتے ہیں اور بھی اس کو عالم غیب بھی کہتے ہیں اور جب یہ لحاظ کیا جاتا ہے کہ عالم مجردات محضہ اور عالم حس کی درمیانی وہ حالت ہے تو اس کو عالم برزخ اور کبھی عالم مثال کہتے ہیں۔ اس عالم میں صدہا مخلوق ہے جن میں فرشتہ بھی ہے۔ ہر ایک قوم کے نزدیک ❶ اس کا ایک نام ہے۔ کل اہل ادیان بلکہ حکماء روم وہندو ایران ویونان اور کل بائبل کے ماننے والے فرشتوں کے قائل ہیں بائبل میں صدہا جگہ ان کا بصراحت ذکر ہے، اہل ہند کے بید اور پوران بھی ذکر ملائکہ سے پر ہیں۔ اہل اسلام میں سلف سے خلف تک ملائکہ کا وجود مانتے آئے ہیں۔ قرآن مجید میں بے شمار جگہ فرشتوں کا ذکر ہے حکماء قدیم کی کتابیں ان کے حالات سے بھری پڑی ہیں۔ چونکہ یہ مسئلہ سب کا متفق علیہ ہے، لہٰذا مجھ کو اس پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ علاوہ اس کے میرا کلام اہل ادیان سے ہے، سو اس کی تسکین کے لیے ان کی کتب الہامیہ سے ثبوت کافی ہے۔ لیکن ان بعض لوگوں کے لیے جو نئے فلسفہ کے اعتبار پر منکر بیٹھے، چند ادلہ بیان کرنی پڑی۔

**دلیلِ اول:**..... غالباً یہ چار عنصر خاک، پانی، ہوا، آگ اس عالمِ حس کی بنیاد ہیں اور ان چاروں کے سوا اور بھی ہوں تو کچھ تعجب نہیں۔ چنانچہ اس وقت کے حکماء نے اس کی تعداد پچاس سے زیادہ بیان کی ہے۔ اب یہ جس قدر ذی روح ہیں جیسا انسان، گدھا، مچھر، مکھی وغیرہ ان سب کے اندر عنصر خاک زیادہ ہے، اس لیے یہ چیزیں زمین پر رہتی ہیں اور ان کے پیدا ہونے کے مختلف طور ہیں۔ بعض چیزیں توالدو تناسل سے انثی کے رحم میں اس طرح پیدا ہوتی ہیں کہ خاک اور پانی کی ترکیب سے نباتات پیدا ہوتے ہیں، پھر ان کو کھا کر بدن میں خون پیدا ہوتا ہے، پھر وہ خون منی بن جاتا ہے۔ پھر وہ منی انثی کے رحم میں جا کر گوشت کا ٹکڑا بن کر ہڈی اور چمڑا وغیرہ اعضاء اس میں نمودار ہوجاتے ہیں۔ الغرض وہ غذا بعد استحلات کے اس قابل ہوجاتی ہے کہ پھر مبدءِ فیاض سے اس پر نفس فائض ہوتا ہے تب وہ قوت پا کر رحم سے باہر آتی ہے اور بعض کے توالد کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بعض عناصر باہم ترکیب پا کر اس قابل ہوجاتے ہیں کہ ان پر نفس فائض ہوجاتا ہے۔ دیکھیے! جب غذا یا گوبر یا کوئی اور چیز حرارت غریبہ کی وجہ سے نیا مزاج حاصل کرتی ہے تو اس کے کیڑے بن جاتے ہیں یعنی خاص اسی مادہ پر نفس اس کے قابل فائض ہوجاتا ہے۔

حیوان میں اور غیر چیزوں میں صرف اس قدر فرق ہے کہ وہاں فیضان رحم سے تعلق رکھتا ہے یہاں نہیں اور کبھی نفس فائض ہونے کے

---

❶ ہنود موت کے فرشتے کو نبراج اور عام فرشتوں کو دوت یا دیوتا کہتے ہیں۔ یونانی محافظ فرشتے کو ڈمن اور رومی جنیس کہتے ہیں اور ایرانی عام کو فرشتہ کہتے ہیں۔ منہ

بعد ایک نوع کی چیز دوسری نوع میں آ جاتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بونٹ (چنے) میں کیڑا سبز رنگ کا ہوتا ہے۔ اس کو ڈبیا میں کس قدر سبز پتے ڈال کر بند کر دیجئے۔ وہ چند روز کے بعد پر دار جانور ہو کر پھر اڑ جاتا ہے (میں نے بارہا مشاہدہ کیا ہے) اس طرح پانی کے گھڑے میں جو کیڑے ہوتے ہیں، چند روز کے بعد مچھر بن جاتے ہیں اور گو کا کیڑا ایک جانور سرخ پر کا ہو جاتا ہے (جس کو لال بیگ کہتے ہیں) ایک دوست نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ جوار کا ایک خوشہ تھا، چند روز کے بعد وہ دانے مکھیاں بن کر میرے روبرو اڑ گئیں (یہ صحیح ہے کیونکہ وہ مرطوب ہوں گی جس طرح گوبر اور گو کے کیڑے بن جاتے ہیں، اسی طرح بعد مزاج جدید کے اس پر نفس مگسی فائض ہو گیا) قصہ مختصر اس عالم حس میں حیوانات بلکہ نباتات عناصر کی ترکیب اور مزاج سے پیدا ہوتے ہیں اور جو عناصر غالب ہوتا ہے، اسی کے خواص اس میں آتے ہیں۔ جس میں خاک غالب ہے، وہ شئے مکدر اور بوجھل ہوتی ہے اور دکھائی دیتی ہے اسی طرح جز وہوائی یا ناری غالب ہے تو اس میں وہی آثار پائے جاتے ہیں۔ پس جس طرح کہ ہوا لطیف نظر نہیں آتی، ہاں بدن پر محسوس ہوتی ہے اور اس لطیف عنصر میں جو دکھائی نہیں دیتا، بڑا زور ہے، ہوا درختوں کو اکھیڑ دیتی ہے، جہازوں کو زیروزبر کر ڈالتی ہے، وہ چیز کہ جس میں ہوا غالب ہوگی نظر نہ آئے گی یوں سب کچھ کرے گی یا جس میں آگ غالب ہوگی، وہ بھی دکھائی نہ دے گی اور علاوہ ان چاروں عنصروں کے جو چیز اور عناصر سے مرکب ہیں وہ بھی دکھائی نہ دیں گی کیونکہ کل دو عناصر (ایک خاک، دوسرا پانی) نظر آتے ہیں باقی کوئی اور عنصر دکھائی نہیں دیتا۔

پس باقی دو اور عنصر ہوا اور آگ جو کل کے نزدیک مسلم الوجود ہیں اور اسی طرح زائد عناصر جو محققین حال نے دریافت کیے ہیں، دکھائی نہیں دیتے اور ممکن ہے کہ اس بے نہایت دریائے ہستی میں اور بہت سے عناصر ایسے ہوں کہ جن کی خبر اب تک نہ ہوئی ہو اور آئندہ ہو۔ پس میں کہتا ہوں کہ عقل سلیم کے نزدیک یہ بات نہایت بعید ہے کہ وہ یوں کہے کہ انہیں دونوں عناصر خاک اور پانی سے اشیاء مرکب ہوتے ہیں، یا ان کی ترکیب میں بھی دونوں جز غالب ہوتے ہیں اور دیگر عناصر کا غالب ہونا محال ہے، یا ان دو کثیف (خاک اور پانی) عنصر کے اور دیگر عناصر سے ترکیب پانا اور ان کا مخلوط ہو کر ایسا مزاج حاصل کرنا کہ جن پر ان کے موافق کوئی نفس (یعنی روح) فائض ہو، غیر ممکن ہے۔ پس جب عقل سلیم کے نزدیک یہ باتیں محال نہیں بلکہ واقع ہیں تو نور فطرت اور عقل سلیم کے نزدیک یہ بات (کہ سلسلۂ موجودات انہیں دونوں کثیف عنصر کی چیزوں میں ختم ہو گیا، یا جو چیز تم کو نظر نہیں آتی، وہ موجود نہیں) محال نہیں تو محال سے کم بھی نہیں۔ پس یہ بات ثابت ہو گئی کہ جس طرح یہ دونوں عنصر خاک اور پانی سے اور عناصر بہت زیادہ ہیں بلکہ تمام عالم انہیں سے مالا مال ہے اور یہ دونوں ان کی نسبت ایسے ہیں کہ جیسا بحر ذخار کی نسبت قطرہ تو اسی طرح ان عناصر کی مخلوقات اس عالم حس کی مخلوقات سے کہیں زیادہ قوی ہے اور جس طرح وہ عناصر نظر نہیں آتے (بسبب لطافت کے) اسی طرح وہ مخلوقات بھی نظر نہیں آتیں اور اس مخلوقات کی صدہا اقسام ہیں جیسا کی یہاں کی مخلوقات کی صدہا اقسام ہیں اور وہاں کی مخلوقات جہاں تک اہل صفاء اور ارباب کشف کو معلوم ہوئی یا دکھائی دی ہے، اس کے نام باعتبار ہر نوع کے جدا جدا ہیں۔ کسی کو جن اور کسی کو شیطان اور کسی کو ملک یعنی فرشتہ کہتے ہیں۔

**دلیلِ دوم:** ..... بہت سے آدمیوں ❶ کو جن اور ملائکہ اور شیطاں عیاناً دکھائی دیتے ہیں اور ان سے بات چیت کی ہے اور اسی طرح سے ان کے آثار خارجیہ (حرکات و سکنات، یا کوئی بڑا بھاری کام کرنا جیسا کہ چھت کو توڑ ڈالنا، یا کسی چیز کو صدہا کوس کے فاصلے سے ذرا سی دیر میں حاضر کر دینا، یا جنگل میں بھولے ہوئے کو راہ دکھا کر پھر آنکھوں کے سامنے وہیں غائب ہو جانا یا کسی شخص سے دور دراز کے حالات کہہ دینا وغیرہ وغیرہ باتیں ظہور میں آئی ہیں اور آتی ہیں اور جن جن لوگوں سے یہ ماجرے پیش آئے ہیں، بہت سے میں نے دیکھے ہیں۔

❶ ..... جیسے انبیاء علیہم السلام، اولیا اور نفوس قدسی۔

اگر ان کی تفصیل لکھوں تو یہ کتاب دراز ہو جائے۔ میری کتاب کے دیکھنے والوں میں بھی صدہا آدمی ایسے ہوں گے کہ جن کے روبرو ایسے واقعات پیش آئے ہوں گے اب اگر کوئی وہم دوڑائے اور ان سب باتوں کو وہمی اور خیالی بتائے اور ان لوگوں کی خبر متواتر جھوٹے قصے سمجھے اور اپنی وہی مرغے کی ایک ٹانگ کہے جائے تو یہ اور بات ہے اور اس مرض سوداوی کا علاج ہی اور ہے، خیر اس کو بھی جانے دیجئے ،اب میں چند ایسے ثقات سے یہ واقعات نقل کرتا ہوں کہ جو تمام جہان کے مسلم ہیں اور جن کی بات کو جھوٹ سمجھنا ( تو درکنار بلکہ اس کا گمان بھی کرنا ) کفر اور بے ایمانی بلکہ حماقت اور نادانی ہے۔

ازانجملہ وہ قصہ، جن کہ جس کو سورہ جن میں تمام جہان کے سردار اور سب صادقوں کے صادق نے نقل فرمایا ہے۔ ازانجملہ وہ قصہ ہے کہ جس کو امام بخاریؒ نے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس رات جن پیغمبر علیہ السلام سے تعلیم پانے کے واسطے حاضر ہوئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر جنگل میں مجھ کو بھی لے گئے تھے اور مجھے ایک خاص جگہ پر بیٹھنے کا حکم دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آیات قرآنی اور نماز، روزے کے مسائل تعلیم فرمائے اور مجھ کو بجز آوازوں کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا ( کیا تعجب ہے کہ شیخ نیچر اس کو جھوٹ کہہ دیں یا جن سے مراد کوئی پہاڑی قوم بتادیں ) ازانجملہ وہ قصہ ہے جس کو امام بخاریؒ وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام ایک بار نماز پڑھنے میں دفعتہً کئی قدم پیچھے ہٹے اور پھر آگے بڑھے اور کسی چیز کے پکڑنے کے لیے ہاتھ دراز کیا۔ بعد فراغت نماز کے لوگوں سے بیان کیا کہ شیطان میری نماز میں خلل انداز ہوا تھا ایک لکڑی جلا کر میرے بدن کو لگانا چاہتا تھا۔ میں پیچھے ہٹا، پھر میں نے اس کو پکڑنا چاہا کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب دیکھو، تب سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آئی۔ نہ پکڑا اور نہ اس کو پکڑ کر باندھ دیتا۔ ازانجملہ سورہ نجم میں جبرئیل علیہ السلام کا وہ قصہ کہ جبرئیل علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے کناروں پر دیکھا اور پھر اتنا فاصلہ باقی رہ گیا کہ جیسے دو کمانوں میں یا اس سے بھی کم۔

کما قال تعالیٰ: عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰی ۝۶ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ۝۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝۹ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ۝۱۰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝۱۱ ❶

اس کے بعد چونکہ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ منکر اس کی تکذیب و تاویل کریں گے تو ان کا منہ بند کرنے کے لیے آخر یہ بھی فرما ہی دیا مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یعنی یہ دیکھنا کچھ وہم و خیال کے طور پر نہ تھا کہ جس کو قصور نظر سمجھا جائے۔ جیسا کہ ماؤف البصر کو کچھ کا کچھ دکھائی دیتا ہے۔ اس آیت سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا یہاں ذکر ہے ( کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھلایا اور وہ بڑا قوت مند ہے۔ اور وہ اپنی اصلی صورت میں قائم ہوا اور وہ آسمان کے بلند کنارے پر تھا، پھر وہ قریب ہوتے ہوتے دو کمانوں کے فاصلہ پر آرہا تھا پھر اس نے قریب ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی پہنچائی ) یہ کوئی قوت انسانی نہیں کیونکہ قوت انسانی خواہ وہ کیسی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ کیسی قوی اور زائد ہو، ایک صفت ہے جو اپنے موصوف سے ایک قدم کے فاصلے تک بھی جدا نہیں ہو سکتی۔ کبھی کوئی عرض اپنے معروض سے جدا اور منفصل نہیں ہو سکتا۔ کما لا یخفی اور نہ کوئی صفت اپنی صورت دکھا سکتی ہے اور نہ کوئی صفت اپنے موصوف کے لئے معلم ہو سکتی ہے۔ بائبل میں متعدد جگہ فرشتوں کا ذکر ہے۔ توریت کتاب پیدائش کے سولہویں باب میں فرشتہ کا ہاجرہ ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو دکھائی دینا اور ان سے کلام کرنا مذکور ہے۔ پیدائش کتاب میں لوط علیہ السلام کو فرشتوں کا نظر آنا اور ان کے گھر مہمان رہنا اور بستیوں کو الٹ دینا مذکور ہے۔ اسی کتاب میں فرشتوں کا اسرائیل کشتی کرنا مذکور ہے اسی طرح کتاب زکریا کے اول باب میں ایک فرشتہ سب سے اعلیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا رہتا

---

❶ ...سکھایا یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے قوت والے ( جبرئیل علیہ السلام ) نے وہ کنارہ بلند میں اپنی صورت پر قائم ہوا پھر نزدیک ہوتا گیا، پس نیچے اترآیا پھر ان دو کمان کے برابر یا اس سے کم فاصلہ رہ گیا، پس ہمارے بندے ( محمد صلی اللہ علیہ وسلم ) کو جو پہنچانا تھا سو پہنچادیا۔ نہ جھوٹا سمجھا دل نے جس کو دیکھا۔

ہے۔انجیلوں میں اکثر مقامات پر فرشتوں کا ذکر ہے اور مکاشفاتِ یوحنا میں تو بے شمار جگہ فرشتوں کا ذکر ہے اور ان کے کاروبار مذکور ہیں۔

**تیسری دلیل:**...... خدا ذوالجلال والاکرام اور اس کائنات عالمِ حس یا عالمِ ناسوت میں (کہ جو محض کثیف اور تاریک اور بے ثبات ہے) کچھ بھی مناسبت نہیں۔وہ نور محض یہ تاریک وتار، وہ لطیف یہ کثیف، وہ غایت علو میں یہ نہایت سفل ہیں، وہ باقی یہ فانی، وہ قدیم محض یہ حادث وغیر ذلک من التفاوت والتباین ممالا یخفی علی ارباب البصیرۃ۔پس جس طرح اس نے عالم میں طرح طرح کے انتظامات وتدبیرات کر رکھے ہیں، اسی طرح اس نے تکمیل انتظام کے لیے وسائط پیدا کیے کہ وہ من وجہ اس عالم کے مناسب من وجہ اس ذات قدس کے مناسب ہیں یا یوں کہو کہ یہ بات مسلم ہے کہ اس تمام کائنات کے جس قدر آثار وحالات ہیں، وہ سب اپنے نہیں بلکہ کسی غیر کی طرف سے آئے ہیں، نہ یہ وجود اپنا ہے، نہ یہ بقا اپنی ہے، نہ اس کے اوپر جس قدر باتیں پیش آتی ہیں وہ اپنی ہیں کیونکہ اگر یہ ہوتو پھر بتدریج ہونے کی کیا وجہ؟ اور زوال وتغیر کا کیا سبب اور حدوث کا کیا باعث اور پھر ان کے ممکن ہونے کا کیا طریق؟ خدا کی ذات پاک کا ثبوت تو اسی لئے ضرور مانا گیا کہ یہ چیزیں جمیع کمالات بلکہ حالات بلکہ وجود وذات میں محتاج ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ان کا کوئی واجب الوجود محتاج الیہ ہے کہ جس کی طرف سے یہ فیضان ہوتا ہے ورنہ یہ لازم آئے کہ مابالعرض بغیر مابالذات کے پایا جائے اور یہ محال عقلی ہے۔پس یہ ضرور تسلیم کرنا پڑا کہ یہ تمام فیضان اسی مبدءِ فیاض کی طرف سے ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ موثر اور موثر میں مناسبت ہونی ضرور ہے اور ابھی آپ جان چکے ہیں کہ خدائے پاک اور اس عالم حس میں کچھ بھی مناسبت نہیں۔پس یہ ضرور تسلیم کرنا پڑا کہ اس کے درمیان وسائط ہیں کہ جو من وجہ اس عالم سے اور من وجہ اس قدوس سے مناسبت رکھتے ہیں اور ہم ان کو ❶ ملائکہ کہتے ہیں اور یہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ اس سلسلۂ موجودات کے ذاتِ قدس تک منتہی ہونے میں زیادہ بعد کی وجہ سے بیشمار وسائط ہیں کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جس قدر زیادہ بعد ہوگا زیادہ واسطے ہوں گے (فرض کرو ایک شخص ہزار قدم کے فاصلہ پر ہم سے دور ہے اور وہ بوسائط کوئی چیز ہم کو دیا چاہتا ہے۔پس وہ اول اپنے پاس والے کو یہاں تک کہ جو ان سب میں اخیر ہے اور جس پر وہ سلسلہ ختم ہوا ہے، وہ ہم کو دے گا) اب اسی پر خیال کر لیجئے۔پس اول مورد تجلیات وفیوضات وہ قدوسی اشخاص ہیں کہ جو ہم سے نہایت بعید المناسبت اور حق تعالیٰ جل وجلالہ سے نہایت قریب اور بہت ہی مناسبت رکھتے ہیں جن کو حاملان عرش اور ملا اعلیٰ کہتے ہیں پھر ان سے نیچے اور پھر ان سے نیچے ھلم جرًا اور ہمارے اس بیان کی تائید قرآن ❷ اور کلام پیغمبر ﷺ سے ہوتی ہے۔الغرض اسی ترتیب سے صدہا بلکہ کروڑہا ملائکہ ہیں کہ جن کی تفصیل سوائے اس کے کوئی نہیں جان سکتا۔کما قال تعالیٰ: **وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ**۔ان کی کسی قدر تفصیل جو ہم قرآن یا احادیث صحیحہ سے ثابت ہوئی، یہ ہے۔

---

❶ ......صوفیاء کرام ان کو قوی عالم کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں کہ عالم میں جملہ تصرفات ان کے ذریعہ سے ہوتے ہیں جیسا کہ انسان کے کاروبار انسان کے قوی کے بغیر نہیں ہوتے، سید صاحبؒ غلط فہمی سے یہ سمجھ گئے کہ ملائکہ قوی ہیں۔منہ۔ ❷ ......قال اللہ تعالیٰ اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ۔اس کی تفسیر میں پیغمبر ﷺ یوں فرماتے ہیں اِذَا قَضَى اللّٰهُ تَعَالٰى اَمْرًا فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهٖ كَاَنَّهٗ سِلْسِلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (رواہ البخاری وغیرہ من کبار المحدثین۔ وَفِي رِوَايَةٍ اِذَا قَضٰى اَمْرًا سَبَّحَ لَهٗ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ يُسَبِّحُ اَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ التَّسْبِيْحُ اَهْلَ هٰذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا ثُمَّ قَالَ الَّذِيْنَ يَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ فَيُخْبِرُوْنَهُمْ مَاذَا قَالَ رَبُّهُمْ فَيَسْتَخْبِرُ بعض اهل السموات بعضا حتی یبلغ الخبر اهل هذه السماء۔ انتھی۔یعنی جب آسمان میں خدا تعالیٰ کوئی حکم صادر فرماتا ہے تو ڈر کے مارے حاملان عرش سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے ہیں، پھر ان کے نیچے کے آسمان والے یہاں تک کہ اس آسمان والے تسبیح کرتے ہیں پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ کم ہوتی ہے تو جو فرشتے کہ حاملان عرش کے قریب ہیں، ان سے نیچے والے پوچھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے کیا حکم صادر فرمایا ہے؟ پس وہ ان کو بتلا دیتے ہیں یہاں تک کہ ان سے نیچے کے فرشتے ان سے، پھر ان کے نیچے کے فرشتے ان سے پوچھتے ہیں حتی کہ اس آسمان کے فرشتوں تک وہ خبر پہنچتی ہے۔منہ۔

## اقسام ملائکہ

اوّل:...... حاملان عرش جن کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے: اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ ❶ وقوله تعالى وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ❷

دوم:...... عرش کے اردگرد طواف کرنے والے۔ قال تعالیٰ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ❸۔

سوم:...... اکابر ملائکہ ہیں منجملہ ان کے جبرئیل و میکائیل ہیں کہ جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے: قال تعالیٰ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ❹ حضرت جبرئیل کے قرآن مجید میں چند اوصاف مذکور ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے کہ وہ انبیاء ﷺ اور خدا تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے، اس کے ذریعہ سے وحی آتی ہے۔ کما قال تعالیٰ: عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى۔ وقال تعالیٰ: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ❺ ازانجملہ یہ ہے کہ ان کو خدا تعالیٰ نے روح القدس فرمایا ہے۔ کما قال: اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ❻ منجملہ ان کے اسرافیل ہیں جن کا نام احادیث صحیحہ میں بکثرت وارد ہے اور جن کا فعل صور پھونکنا ہے۔ وقال تعالیٰ: يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ❼ منجملہ ان کے عزرائیل ہیں جن کا نام احادیث صحیحہ میں بکثرت ہے اور قرآن میں ان کو ملک الموت کہا ہے۔ قال تعالیٰ: قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ❽

چہارم:...... وہ ملائکہ ہیں جو ارواح قبض کرتے ہیں۔ قال تعالیٰ: حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ❾ وقال تعالیٰ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ ❿ اس جماعت کے سردار عزرائیل (علیہ السلام) ہیں۔

پنجم:...... ملائکہ جنت ہیں۔ قال تعالیٰ: يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ [11]

ششم:...... ملائکہ جہنم ہیں، اہل دوزخ کو عذاب انہیں کے ہاتھ سے ہوتا ہے۔ قال تعالیٰ: عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ [12] وَمَا جَعَلْنَاۤ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً [13] اور اس فریق کے سردار مالک ہیں۔ قال تعالیٰ: وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ [14] اور اس کل فریق کا نام زبانیہ ہے قال تعالیٰ: فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ [15]۔

ہفتم:...... وہ ملائکہ ہیں کہ جو بنی آدم پر موکل و محافظ ہیں۔ قال تعالیٰ: عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ [16] وقولہ تعالیٰ: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ [17] وقولہ: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ [18] وقولہ: وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً [19]

ہشتم:...... وہ ملائکہ ہیں جو آدمی کے اعمال لکھتے ہیں۔ قال تعالیٰ: وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كٰتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ [20]۔

---

❶ ...... وہ جو عرش اٹھاتے ہیں۔ ❷ ...... اس روز تیرے رب تعالیٰ کا عرش آٹھ (فرشتے) اٹھائیں گے۔ منہ۔ ❸ ...... اور تو فرشتوں کو عرش کے اردگرد خدا تعالیٰ کی تسبیح کرتے دیکھے گا۔ منہ۔ ❹ ...... جو شخص اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور رسولوں اور جبرئیل (علیہ السلام) اور میکائیل (علیہ السلام) کا دشمن ہے، خدا تعالیٰ اس کا دشمن ہے۔ منہ۔ ❺ ...... اس قرآن کو روح الامین لائے ہیں۔ منہ۔ ❻ ...... جبکہ ہم نے تیری (اے عیسیٰ!) بسبب روح القدس کے۔ منہ۔ ❼ ...... جس دن صور پھونکا جائے گا۔ منہ۔ ❽ ...... تو کہہ کہ تمہاری روح وہ ملک الموت قبض کرے گا جو تم پر متوکل ہے۔ منہ۔ ❾ ...... جب تم میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو اس کو ہمارے رسول (فرشتے) قبض کرتے ہیں۔ منہ۔ ❿ ...... اور جو تو دیکھے کہ جب کافروں کی روح کو فرشتے قبض کریں گے۔ منہ۔ [11] ...... اور فرشتے آئیں گے ان کے پاس ہر دروازے سے (کہیں گے) تم پر سلام ہو تمہارے صبر کے بدلے۔ پس کیا اچھا ہے آخرت کا گھر۔ [12] ...... اس دوزخ پر انیس (۱۹) شخص مقرر ہیں۔ منہ۔ [13] ...... اور دوزخ کے محافظ اپنے فرشتے ہی بنائے ہیں۔ منہ۔ [14] ...... پکاریں گے: اے ملک! دے چکے ہم کو تیرے خدا۔ منہ۔ [15] ...... وہ بلائے اپنی محفل کو ہم بلاتے ہیں زبانیہ کو۔ منہ۔ [16] ...... اس کے دائیں اور بائیں ایک محافظ بیٹھا ہے۔ منہ۔ [17] ...... آدمی کی ہر بات پر ایک سخت نگہبان ہے۔ منہ۔ [18] ...... اس کے لئے آگے اور پیچھے سے تماشتے ہیں کہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ منہ۔ [19] ...... اور بھیجتا ہے تم پر محافظ فرشتے۔ منہ۔ [20] ...... تم پر زیرک (فرشتے) محافظ ہیں، لکھنے والے ہیں، تمہارے ہر کام کو جانتے ہیں۔ منہ۔

نہم :...... وہ ملائکہ ہیں جو اس عالم کے احوال پر موکل ہیں، خدائے پاک کے اس قول میں یہی لوگ مراد ہیں وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا الٰی قولہ: فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۔ ➊ وقولہ: وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ➋ اسی طرح قرآن مجید و احادیث صحیحہ میں ملائکہ کے اوصاف مختلف مذکور ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام اور خدا تعالیٰ کے درمیان واسطہ اور رسول ہیں۔ قال تعالیٰ: جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ➌ قول تعالیٰ: اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ➍ منجملہ ان کے یہ کہ وہ عابدین و ساجدین ہیں۔ قال تعالیٰ: بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ➎ وقال تعالیٰ: يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ➏ منجملہ ان کے یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔ قال اللہ تعالیٰ: لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ➐ منجملہ ان کے یہ کہ وہ نہایت خائف اور ترساں خدا تعالیٰ سے رہتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وقال: مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ➑۔ منجملہ ان کے یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور مسلح ہو کر لڑتے ہیں جیسا کہ جنگ بدر میں واقع ہوا۔ قال اللہ تعالیٰ: يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ➒۔ منجملہ ان کے یہ کہ ان کے لئے بازو اور پر ہیں قال اللہ تعالیٰ: اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ➓۔

علاوہ ان آیات کے اور بہت سی آیات فرشتوں کے ایسے حالات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ کوئی ایسی مخلوق الٰہی اور قسم کی ہے کہ جو جسم اور افعال میں ہم لوگوں سے بالکل مغائر ہے۔ اب سید احمد خان صاحب ان آیات کی کہاں تک توجیہ کریں گے اور کہاں تک تاویل کر کے اصلی کے معنی بدل کر ان کو قویٰ بتلائیں گے۔ قرآن (بلکہ تورات و انجیل و وید و دساتیر) کے ماننے والے سے یہ امر ناممکن ہے کہ وہ فرشتوں کا انکار کرے اور ان کو قویٰ بتلادے۔ ہاں جو شخص ان کتابوں میں سے کسی کا بھی قائل نہ ہو اور حکماء قدیم و حال کے بھی برخلاف ہو تو وہ جو چاہے سو کرے۔ سید صاحب! یا قرآن کا انکار کیجئے یا فرشتوں کے قائل ہو جایئے۔

سرمد گلہ اختصار مے باید کرد ☆ یک کار ازیں دو کار مے باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد ☆ یا قطع نظر زیار می باید کرد

ملائکہ کی حقیقت:...... ملائکہ کی حقیقت [11] میں مختلف اقوال ہیں لیکن اس بات میں سب متفق ہیں کہ ملائکہ ذوات موجودہ قائم بذات خود ہیں، کسی کی صفت یا عرض نہیں۔ اکثر اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ وہ اجسام لطیفہ ہیں کہ جو اشکال مختلفہ میں ظاہر ہو سکتے ہیں اور بڑے قوی کام کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں نے ان کو مختلف اشکال میں دیکھا ہے۔ جمہور اہلِ کتاب یہود اور سامری [12] اور عیسائی بھی یہی کہتے ہیں اور بعض نصاریٰ کا یہ قول ہے کہ اچھے لوگوں کی ارواح بعد موت کے ملائکہ بن جاتی ہے۔ یہ قول صحیح نہیں کیونکہ بنی آدم سے پہلے بھی ملائکہ تھے ہاں اگر یہ کہیں کہ ابرار لوگوں کی ارواح بعد مفارقت بدن ان میں جاملتی ہے تو کچھ مضائقہ نہیں، حکماء کہتے ہیں کہ وہ جواہر مجردہ ہیں اور نفوس ناطقہ سے مخالف الحقیقت ہیں۔ عالم میں جس قدر تصرفات ہیں، انہیں کے ذریعہ سے ہوتے ہیں اور یہ لفظ ملک [13] کہ جس کی جمع ملائکہ آتی

---

➊ ...... (ہم کو قسم ہے ان فرشتوں کی جو آندھی چلاتے، پھر بادل اٹھاتے، پھر نرم نرم ہوائیں چلاتے، پھر حصے تقسیم کرتے ہیں۔ منہ۔ ➋ ...... قسم ہے ان فرشتوں کی جو اندر گھس کر روح کھینچتے ہیں۔ منہ۔ ➌ ...... خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو رسول (یعنی پیغامبر اور واسطہ) بنایا۔ منہ۔ ➍ ...... خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی رسالت کے لئے برگزیدہ کرتا ہے۔ منہ۔ ➎ ...... فرشتے خدا کے معزز بندے ہیں۔ منہ۔ ➏ ...... فرشتے اس کی رات دن تسبیح پڑھتے نہیں تھکتے۔ منہ۔ ➐ ...... فرشتے خدا سے بات کرنے میں پیش قدمی نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ منہ۔ ➑ ...... خدا برتر سے ڈرتے ہیں اور فرشتے ہمیشہ اس سے ہی ڈرتے ہیں۔ منہ۔ ➒ ...... تمہارے رب نے تمہاری مدد کی پانچ ہزار آراستہ فرشتوں سے۔ منہ۔ ➓ ...... خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو بازو دار بنایا، پھر کسی کے دو دو اور کسی کے تین تین اور کسی کے چار چار بازو ہیں۔ منہ۔

[11] ...... یہ مسلم ہے کہ ملائکہ، جن سے لطیف تر ہے اس لئے یہ محال ہے کہ بشر اس کی ماہیت دریافت کرے کہ وہ اپنی ذات میں کیا ہے۔ منہ۔ [12] ...... ایک فرقہ اہل کتاب کا ہے کہ وہ تورات کو مانتا ہے اور یہود سے مخالف اور عیسائیوں سے بھی مخالف ہے۔ منہ۔ [13] ...... اصل اس لفظ کی ملائک ہے اور اسی کے لحاظ سے ملائکہ جمع ہمزہ کے ساتھ آتی ہے جیسا کہ شمئل کی جمع شمائل آتی ہے اور تاء جمع کے لحاظ سے زائد کردی ہے (بیضاوی)۔ منہ۔

ہے۔ مالک سے مقلوب ہوا ہے کہ جو الوکۃ بمعنی رسالت سے مشتق ہے کیونکہ فرشتوں پر اس لفظ کا اطلاق اسی لحاظ سے ہے کہ وہ عالم میں وسائط ہیں۔

**جن کی حقیقت:**......لغت میں جن کے معنی پوشیدہ کے ہیں اور جس لفظ میں یہ مادہ جیم ونون جمع ہوگا، اس میں پوشیدگی اور استتار ملحوظ ہوگا۔ اس لئے جنت کو جنت کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں اور جنوں کو جنون اس لئے کہتے ہیں کہ وہ عقل کو پوشیدہ کر لیتا ہے اور جنین ماں کے پیٹ میں پوشیدہ ہوتا ہے اس لئے یہ لفظ رحم کے بچے پر بولا گیا اور جنان کا اطلاق اس لئے دل پر ہوتا ہے کہ وہ پوشیدہ اور اس کے خیالات مستتر ہوتے ہیں اور ڈھال کو اس لئے جنہ بولا گیا ہے کہ وہ اپنی آڑ میں پوشیدہ کرتی ہے، اسی لئے لفظ جن اس مخلوق الٰہی پر بولا جاتا ہے کہ جو (بسبب لطافت مادہ کے) حسِ بصر سے پوشیدہ رہتی ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کی مخلوق پر کئی جگہ یہ لفظ بولا گیا ہے۔ قال تعالیٰ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ کہ ہم نے جن کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا اور اسی طرح اور کئی جگہ یہ لفظ آیا ہے۔ پس جن وہ مخلوق الٰہی ہے کہ جس کا مادہ غالب آگ ❶ یا ہوا ہو اور چونکہ آگ، ہوا سے بھی زیادہ لطیف ہے اس لئے وہ نظر نہیں آتی اور جو چیزیں اس سے مرکب ہوتی ہیں، وہ بھی محسوس نہیں ہوتیں۔ پھر نار کی لطافت اور کثافت کے لحاظ سے (جو بسبب کسی دوسرے جزء کی آمیزش کے ہوتی ہے)۔

**جنوں کی اقسام:**......جنوں کی چند اقسام ہیں جو خالص نار اور اس کے اوصاف شعلہ سے مرکب ہیں، ان میں اور ملائکہ ارضیہ میں نہایت مناسبت ہے بلکہ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک قسم کے ملائکہ ہیں اور قرآن میں جو شیطان کو ملائکہ میں شامل کر کے سجدہ کا حکم دیا اور پھر اس کو کَانَ مِنَ الْجِنِّ کہہ دیا، اس لئے وہ جن بھی تھا اور فرشتہ بھی تھا کیونکہ ملائکہ ارضیہ اور جن کی قسم اعلیٰ ایک ہی چیز ہیں، پس اس لحاظ سے کبھی اس کو جن اور کبھی فرشتہ کہا اور جن میں کہ مادہ بخاریہ یا دخانیہ غالب ہے، وہ شر کی طرف اکثر مائل ہیں اور ان کے مادۂ صورت نوعیہ کے موجب ان سے آثار اور افعال سرزد ہوتے ہیں، اسی نظر سے بعض محققین نے جن اور ملائکہ میں عموم اور خصوص من وجہ قرار دیا ہے۔

پس جن وہ چیز ہے کہ جو اپنے مادہ متوسطہ (بین اللطافۃ والکثافۃ المحصنۃ) کی وجہ سے خیر وشر دونوں چیزوں کے سرزد ہونے کی لیاقت رکھے اور ملک ❷ یعنی فرشتہ وہ ہے جو خیر کی صلاحیت رکھے (بسبب لطافتِ مادہ کے) اور بدی اس سے سرزد نہ ہو اور شیطان وہ ہے جو بسبب ظلمانیت مادہ کے شر ہی کی استعداد رکھے۔ مگر ناریت سب میں غالب ہے، اس لئے ابلیس نے آدم کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ سے کہا تھا، کما حکی اللہ تعالیٰ عنہ: خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ کہ آپ نے مجھ کو آگ سے اور آدم کو خاک سے بنایا۔

**عربی میں جنوں پر بولے جانے والے الفاظ:**......عرب کے محاورہ میں جنوں پر باعتبار اوصاف کے چند الفاظ بولے جاتے ہیں۔ جن کہ آدمیوں کے ساتھ رہتے تھے، ان کو عامر کہتے تھے جن کو ہماری زبان میں ہمزاد کہتے ہیں اور جو کہ لڑکوں بالوں کو ستاتے ہیں ان کو ارواح کہتے ہیں اور جو خبیث اور سخت تکلیف دینے والے ہوتے ہیں، ان کو شیطان کہتے ہیں اور جو ان سے بھی زیادہ سرکش ہوتے ہیں، ان کو مارد کہتے تھے اور جو اس بھی بڑے قوی ہوتے ہیں ان کو عفریت کہتے تھے اور جو جنگل میں آواز دیتے اور چیختے ہیں، ان کو ہاتف کہتے ہیں اور بعض جو مسافروں کو بھولی راہ بتلا دیتے ہیں، ان کو رجال الغیب کہتے ہیں اور جو بیابانوں میں کبھی ایک لشکر اور مشعل وغیرہ سی چیز دکھائی دیتی ہیں تو ان کو شہابہ کہتے ہیں اور جو رات میں یا بعض اوقات دن میں اجاڑ جنگلوں میں کبھی چھوٹے چھوٹے لڑکوں کی صورت

---

❶ اگر کوئی شبہ کرے کہ آگ دکھائی دیتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آگ خالص نہیں اس میں آمیزش ہے۔ جس طرح کے ہوا غبار آلود جس کو آندھی کہتے ہیں نظر آتی ہے، خالص نظر نہیں آتی۔ منہ۔ ❷ یہاں ملک سے مراد ملائکہ سفلیہ ہیں اور اس لحاظ سے کہ اس قسم کے ملائک جن ہیں۔ ان سے بھی کوئی شر سرزد ہو تو تعجب نہیں جیسا کہ شیطان سے یا ہاروت وماروت کا قصہ مشہور ہے۔ لیکن ملائکہ علویہ اس سے بالکل بری ہیں، وہ محض تقدیس وتسبیح میں غرق ہیں۔ حقانی۔

میں دکھائی دیتے اور پھر دفعۃً کسی اور شکل میں ظاہر ہو جاتے ہیں، الغرض طرح طرح کی صورتیں بدلتے ہیں، ان کو چھلاوا کہتے ہیں۔

**خلاصۂ بحث:**......الغرض ایسی مخلوقات الٰہی کی (کہ جن میں جزء ہوائی یا جزء ناری غالب ہے اور اس وجہ سے وہ دکھائی نہیں دے سکتیں) ہزارہا اقسام ہیں جن پر مطلع ہونا اسی علیم و خبیر کا کام ہے، لیکن اہلِ عقل جو حقیقت میں اس بات پر اکثر متفق ہیں کہ جسم ناری، متشکل باشکال مختلفۃ، اسی وجہ سے جنوں کا آدمیوں کے ساتھ باتیں کرنا اور کبھی عجائب غرائب حرکات سے پیش آنا مشاہدہ میں آچکا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے لوگ کہ جن کی زبان میں قرآن اترا ہے، ایسی چیزوں کے قائل تھے اور کبھی ان کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اور کبھی ان کی پرستش کرتے تھے۔ قال تعالیٰ: وَجَعَلُوْا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْجِنَّۃِ نَسَبًا کہ کفار نے خدا تعالیٰ اور جنوں میں رشتہ قائم کیا اور قرآن مجید میں بھی بہت جگہ انسانوں کے مقابلہ میں جنوں کا ذکر ہے۔ سورۃ جن میں ان کا ذکر ہے اور علاوہ اس کے بہت جگہ ذکر ہے قال تعالیٰ: یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ قال اللہ تعالیٰ: مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ۔ وقال تعالیٰ: یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ......

(اب) قبل اس کے کہ منکر کے دلائل کی طرف رجوع کروں، پیشتر چند امور ضروری بیان کرتا ہوں:

**امر اول:** قرآن مجید کی بیشمار آیات سے یہ بات صاف صاف معلوم ہوتی ہے کہ ملائکہ کسی کے قویٰ بدن نہیں نہ کسی کے اعراض وصفات ہیں متحیز بالذات اور کلام کرتے اور چلتے پھرتے اور ڈرتے اور عبادت کرتے ہیں بلکہ ان کے لئے بازو اور پر بھی ہیں اور آدمیوں سے کلام بھی کرتے ہیں اور خدا کا عرش ❶ بھی اٹھاتے ہیں اور لوگوں کی ارواح بھی قبض کرتے ہیں اور بعض کفار عرب ان کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں بھی کہتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیْنَ ھُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا بلکہ اسی آیت میں اور اس کے علاوہ اور آیات میں صاف تصریح ہے کہ وہ عباد الرحمن یعنی خدا تعالیٰ کی مخلوق بندے ہیں کہ جو ہمیشہ تسبیح و تہلیل کرتے ہیں اور عالم کے ہر جزء پر تدبیر و تصرف کرتے رہتے ہیں۔ یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ وہ قویٰ یا کسی شئے کے اوصاف نہیں کیونکہ قویٰ اور اوصاف کا موصوف سے متصل ہو کر چلنا پھرنا، مجسم ہو کر ظاہر ہونا، کفار سے مسلح ہو کر جنگ کرنا، صاحب بازو ہونا، شب و روز عبادت کرنا، خدا تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہنا، قرآن کو لے کر حاضر ہونا جنت و دوزخ کے لوگوں سے کلام کرنا، عرش کے اردگرد حلقہ باندھ کر کھڑے ہونا، قال تعالیٰ: حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ۔ حضرت مریم ؑ کے پاس بشر کی صورت میں آکر کلام کرنا۔ قال تعالیٰ: فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا (مریم ؑ کے پاس ہم نے اپنی روح یعنی جبرئیل کو بھیجا تو اس کو خوبصورت بشر کی صورت میں دکھائی دیا) اور حضرت ابراہیم ؑ کے پاس آنا اور پھر لوط ؑ کی قوم پر پتھر برسانا اور ان کو غارت کر دینا جیسا کہ سورہ ہود وغیرہ میں اور تورات، سفر خلیقہ میں مذکور ہے وغیر ذالک عقلاً محال ہے اور نقل بھی اس کی شاہد عادل ہے۔

**امر دوم۔ جنوں کے اوصاف:**......قومِ جن کا ثبوت بھی قرآن مجید کی آیات سے اس صفت کے ساتھ ہے کہ وہ آگ سے پیدا ہوئے ہیں......اور جو آسمانوں پر اڑ کر پہنچتے ہیں۔ کما فی القرآن: وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰھَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا یعنی جن کہتے تھے کہ ہم نے آسمانوں کو جا چھوا تو اس کو بڑے بڑے سخت پاسبانوں سے بھرے ہوئے پایا یعنی ملائکہ سے اور کفار ان کی عجائب حرکات سے ان کی عبادت کرتے تھے۔ کما قال تعالیٰ: یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اور مشرکین جنات کے نام کی دہائی دیا کرتے تھے۔ قال تعالیٰ: وَاَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ اور جن آسمانوں کے قریب جا کر فرشتوں کی باتیں سن آیا کرتے تھے۔ قال تعالیٰ: وَاَنَّا کُنَّا نَقْعُدُ مِنْھَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَہٗ شِھَابًا رَّصَدًا یعنی جن کہتے ہیں کہ ہم پہلے آسمان

---

❶ اس کی تحقیق کیا ہے، اس کے سمجھنے سے بشر قاصر ہے، نہ ظاہر کا انکار کیا جائے نہ اس اقرار پر احکامات لگانے چاہیے۔ حقانی۔

کے پاس خبر سننے کے مواضع میں جا بیٹھا کرتے تھے اور اب جو کوئی وہاں جاتا ہے تو اس کے لئے شعلہ آگ کا (جس کو ستارا ٹوٹا کہتے ہیں) گھات لگائے ہوتے ہیں (یعنی اب آسمانی خبریں نہیں لا سکتے اور جو کوئی وہاں جاتا ہے تو فرشتے اس پر انگارے برساتے ہیں) پس اب جو کوئی محض لغوی معنی جن پر (کہ جو پوشیدہ ہوتا ہے) خیال کر کے جن کی نوع کا انکار کرے اور کسی پہاڑی قوم جنگل باش کو جو لوگوں سے پوشیدہ رہتی ہوگی (بقول منشی چراغ علی صاحب) نوع جن کا مصداق بنا دے تو وہ ان آیات کا صریح منکر ہے کیونکہ اگر ہم کوئی ایسی قوم بھی فرض کر لیں جو بقول منشی صاحب وسید صاحب لوگوں سے پوشیدہ رہتی تھی تو عرب کا اس کی عبادت کرنا اور اس سے عقلاء کا دہائی دے کر مدد مانگنا اور پھر اس قوم کا اڑ کر آسمانوں تک جانا اور ان کا برخلاف انسان کے مادہ آتش سے پیدا ہونا، کما قال تعالیٰ: وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ اور قرآن میں اس قوم سے ہر جگہ انسانوں کے مقابلہ میں خطاب کرنا، کما قال تعالیٰ: مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ وقال تعالیٰ: يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ اور ان کے لئے کوئلہ اور ہڈی ❶ کا غذا ہونا (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت نبی علیہ السلام کے پاس ایک قوم جن کی اسلام لانے اور مسائل سیکھنے آئی اور آنحضرت ﷺ رات کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر جنگل میں گئے اور کہہ دیا یہیں بیٹھے رہنا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو سوائے آوازوں کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا تھا اور جنوں نے کہا کہ اپنی امت کو ارشاد فرما دیجئے کہ ہڈی اور کوئلہ سے استنجاء نہ کریں کیونکہ یہ ہماری غذا ہے) انسان کی کسی قوم پر صادق نہیں آتا کما یشھد به العقل والنقل اور اسی طرح انجیل متی ولوقا وغیرہما بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کئی آدمیوں میں سے جن نکالا اور اس جن نے نکلتے وقت کلام کیا اور اب بھی ایسے واقعات اکثر مشاہدہ میں آتے ہیں بلکہ ایک شخص جنوں کے بڑے عامل تھے، بہت سے لوگوں کے روبرو انہوں نے عجائب غرائب باتیں دکھائیں کہ جو شعبدہ اور نیرنجات سے غیر تھیں اور میرے ایک دوست کے ساتھ جن کا ایک عجیب ماجرا گزرا ہے کہ جس کے سننے سے حیرت ہوتی ہے۔

امر سوم۔ تحقیقِ شیطان:......شیطان کے لغت میں معنی باطل کے ہیں۔ بعض علماء لغت کہتے ہیں کہ نون اس کا اصلی ہے، پس شیطان بوزن فیعال شطن سے مشتق ہے کہ جس کے معنی دور از صلاح وخیر ہیں۔ پس جو شخص خیر وصلاح سے دور ہو، اس کو بھی شیطان کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نون زائد ہے، شط بمعنی بطل سے مشتق ہے جس کے معنی باطل کے ہیں۔ بہرحال بد شخص کو شیطان کہتے ہیں، اس لحاظ سے اس کا اطلاق انسانوں میں بدکاروں پر ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ اور اسی طرح ابلیس بھی بلس سے مشتق ہے (کہ جس کے معنی ناامید یا مکار کے ہیں) ہر مکار پر بولا جاتا ہے۔ خواہ وہ انسان ہو خواہ کوئی اور۔ لیکن اب کلام اس میں ہے کہ جس پر یہ لفظ ابلیس اور شیطان قرآن میں جابجا بولا گیا ہے، آیا وہ کوئی آدمی ہے یا آدمی کی قوت بہیمیہ اور نفس امارہ ہے یا کوئی اور شخص مخالف الحقیقت ہے؟

جمہور اہلِ اسلام اس کے قائل ہیں کہ وہ ایک شخص خاص از قسم جن ہے کہ جس نے حضرت آدمؑ کے بارے نافرمانی کی اور راندہ گیا۔

اہلِ کتاب یہود وعیسائی بلکہ مجوسی اس کا ایک وجود جداگانہ مانتے ہیں۔ چنانچہ انجیلِ متی کے چوتھے باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شیطان سے آزمایا جانا لکھا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نہ تو عیسائی لوگ اس شیطان سے کوئی آدمی مراد رکھتے ہیں نہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوت بہیمیہ یا نفس امارہ اور اسی طرح تورات سفر خلیقہ میں بھی ہے کہ سانپ نے حوا کو بہکا کر وہ درخت کھلوا دیا اور یہ ظاہر ہے کہ وہ شیطان ہی تھا کہ جو سانپ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا ورنہ سانپ کیا بہکاتا؟ اور اسی طرح دساتیر میں ہر جملہ کے اول اعوذ باللہ کا ترجمہ (یعنی پناہ

---

❶ یہاں ایک مشکل ہے کہ کوئلہ یا ہڈی اجنہ کی غذا ہونے پر ایک اعتراض واقع آتا ہے کہ جسم غیر مرئی کی غذا مرئی کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اگر مان بھی لیا جائے تو چاہئے کہ دنیا پر ہڈی کا وجود نہ رہے نہ کبھی کوئلہ ملیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امکان ہے کہ ان میں سے کوئی ایسا لطیف گیس ان کی غذا ہو جو غیر مرئی ہو۔ اب درست ہو جائے گا کہ غیر مرئی کی غذا غیر مرئی ہوئی۔ حقانی

مانگتے ہیں ہم دیو گمراہ کرنے والے سے ) لکھ رکھا ہے کہ جس سے یہی مدعا سمجھا جاتا ہے اور قرآن مجید کی تو بہت سی آیات سے یہ ثابت ہے کہ وہ نہ آدمی ہے نہ آدمی کی قوت بہیمیہ یا نفس امارہ بلکہ وہ ایک چیز جداگانہ مخلوق مادہ ناری سے ہے کہ جس کا نام مشہور عزازیل ہے۔

از انجملہ یہ آیت وہ ’’ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ⑪ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ⑫‘‘ ترجمہ: جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ تعظیم کرو تو سب نے کیا مگر ایک ابلیس نے نہ کیا۔ خدا تعالیٰ نے اس سے کہا کہ جب ہم نے تجھ کو حکم کیا تو تو نے کیوں سجدہ نہ کیا؟ وہ بولا میں آدم علیہ السلام سے کہیں زیادہ بہتر ہوں، تو نے اس کو خاک سے اور مجھ کو آگ سے بنایا ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہوا کہ اس کا مادہ ناری ہے اور نار چونکہ لطیف ہے، اس لئے وہ محسوس بحس بصر نہیں ہوسکتا۔ کما قال تعالیٰ: اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ...... کہ وہ شیطان اور اس کی ذریت تم کو دیکھتی ہے اور تم کو وہ نظر نہیں آتے اور اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم بیت الخلاء میں جایا کرو یہ کہہ لیا کرو اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ کیونکہ شیاطین بنی آدم کو ننگا دیکھتے ہیں۔ رواہ الترمذی

از انجملہ یہ آیت ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ ...... الآیۃ۔ کہ شیطان قوم جن سے تھا اور جن کی پیدائش آگ سے ہے۔ کما قال تعالیٰ: وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (سید صاحب کہتے ہیں کے شیطان قوت بہیمیہ یا نفس امارہ کے سوائے اور کوئی چیز نہیں۔ ان کے اس خیال کے غلط کرنے کے لئے تو یہی آیات کافی ہیں کیونکہ قوت بہیمیہ آدمی کی ایک صفت ہے۔ اس کا سجدہ سے انکار کرنا اور مادہ آتشی سے پیدا ہونا اور اس کا جن کی قوم سے ہونا اور اس کا اور اس کی ذریت کا بنی آدم کو دیکھنا، پھر اس کا سوال و جواب کرنا اور اپنے آپ کو آدم سے بہتر بتلانا اور وجہ امتیاز کی یہ بیان کرنا کہ میرا مادہ آتش اور آدم علیہ السلام کا مادہ خاک ہے اور پھر اس کا جنت سے نکالا جانا اور اپنے لئے دعا کرنا کہ مجھ کو حشر تک زندہ رکھ کہ آدم علیہ السلام کی اولاد کو بہکا کر اپنا دل ٹھنڈا کروں اور پھر خدا تعالیٰ کا اس کو اور اس کے متبعین کو جہنم میں ڈالنا قوت بہیمیہ پر ہرگز صادق نہیں آتا اور کوئی تاویل نہیں ہوسکتی، ہاں اگر ہنود کے طرز کو اختیار کر لے اور جس طرح وہ برہما، بشن، مہادیو کو خدا تعالیٰ کی تین صفات کہتے ہیں اور پھر ان کو مجسم ہو کر جداگانہ متحیز بالذات اور کھاتا پیتا، جماع کرتا بھی مانتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ گنگا جمنا کو عورت بھی کہتے ہیں اور دیبی بتلاتے ہیں، پھر دریا بھی سمجھتے ہیں، یا عیسائی طور کو پسند کر لے کہ باپ خدا، بیٹا خدا، روح القدس خدا، پھر ایک خدا۔ الغرض جو ایسے ایسے محالات عقلیہ کا قائل ہوجائے تو پھر اس سے ہمارا کلام نہیں، وہ جو دل چاہے سو کہے)۔

از انجملہ یہ آیت ہے قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ۔ یعنی اتر جنت سے، تجھ کو یہاں رہ کر تکبر کرنا شایان نہیں، نکل یہاں سے او ذلیل و خوار۔ از انجملہ یہ ہے قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ شیطان نے عرض کیا کہ الٰہی! مجھ کو قیامت تک زندہ رکھ۔ جواب آیا جا تجھ کو ایک وقت معین تک مہلت ہے قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ یعنی شیطان نے کہا کہ تو نے مجھ کو گمراہ تو کیا ہی ہے، میں بھی آدم کی اولاد کو تیری سیدھی راہ سے بہکاؤں گا۔ از انجملہ یہ ہے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ کہ میں بھی تجھ سے اور تیرے سب پیروؤں سے جہنم ہی بھر دوں گا۔ سید صاحب! فرمائیے اگر شیطان، آدم علیہ السلام کی قوت بہیمیہ تھی تو وہ آدم علیہ السلام کا وصف تھا، پھر اس نے کیا سمجھ کر کہہ دیا کہ میرا مادہ آتش ہے؟ اچھا، اس نے کہا تھا خدائے پاک نے کیوں اس کو جن کہا اور مادہ آتشی اس کی اصل قرار دیا؟ پھر آپ فرماتے ہیں کہ: فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اور شیطان کا نہ کرنا ایک معمہ ہے کہ جس کے یہ معنی کہ قویٰ ملکیہ نے آدم علیہ السلام کی اطاعت کی اور بہیمیہ نے نہ کی الخ! اے جناب! یہ اجتماع الضدین نہیں تو اور کیا ہے کیونکہ جب آپ نے ملائکہ سے مراد قویٰ ملکیہ لی اور ان کو آدم کے لئے مسخر بنایا تو اب آدم علیہ السلام کی قوت بہیمیہ کیا سرکشی کر سکتی ہے؟ اور

اگر قوت بہیمیہ نے سرکشی کی کہ جس کو آپ شیطان کہتے ہیں ( حالانکہ یہ خلاف ہے اس آیت کے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ کیونکہ اس آیت کے حسب قرارداد آپ کے یہ معنی ہوئے کہ خدا تعالیٰ کے بندوں پر قوت بہیمیہ غالب نہیں آتی ) تو پھر قوت ملکیہ کی اطاعت چہ معنی دارد

خرابی میں پڑا ہے سینے والا جیب وداماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ اُدھڑا ؛ جو وہ اُدھڑا تو یہ ٹانکا

پھر وہ قوت بہیمیہ جہنم میں کیونکر جائے گی اور وہ جنت سے کیونکر نکالی گئی؟ الغرض قافیہ تنگ ہے۔

امر چہارم:...... جس کلام کے جب تک حقیقی معنی مراد ہو سکیں، ان کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا عقل ونقل کے خلاف ہے کیونکہ اس تقدیر پر نہ شارع کے کلام سے کوئی مدعا ثابت ہو سکے گا اور نہ کسی کی بات چیت کسی کو فائدہ بخش سکے گی، ایک اندھیر امچ جائے گا مثلاً: کسی نے کہہ دیا کہ ان کی مراد آگ ہے لعلاقہ ضدیت، یا کسی نے حکم دیا کہ اس کو قصاص میں قتل کرو۔ اس نے کہہ دیا کہ یہ مراد ہے کہ مجھ کو ملامت کر کے چھوڑ دو کیونکہ ملامت کرنا بھی ایک قسم کا قتل کرنا ہے، یا کسی نے کہا کہ زید یہ لباس فاخرہ کل ہمارے پاس آیا تھا، ہم اس کے گواہ ہیں، کسی نے کہہ دیا کہ یہ کلام مقصودی نہیں تھا بلکہ مخالف کے خیال کے موافق یوں ہی کہہ دیا، بہر طور دنیا میں انتظام نہ رہے، پس ان خرابیوں کے دفع کرنے کے لیے اہل عقل نے یہ مقرر کر دی کہ ہر کلام کو اس کے ظاہری معنی سے بدل کر مجاز مرسل یا استعارہ یا کلام غیر مقصودی جب کہیں گے کہ اس کے اصل معنی درست نہ ہو سکیں اور کوئی مجازی معنی کے لئے قرینہ بھی ہو کہ جو اصل معنی کو قائم ہونے سے منع کرے۔ مثلاً شیر کے اصلی معنی وہ جنگلی درندہ ہے، ہم اس کے معنی بہادر جب قرار دیں گے جب کوئی قرینہ ہوگا مثلاً یوں کہیں کہ شیر لکھ رہا ہے، اب لکھنا قرینہ ہے کہ یہاں شیر سے مراد بہادر آدمی ہے کیونکہ جنگلی درندہ سے لکھنا متصور نہیں۔ ان باتوں کی زیادہ تشریح علم معانی و بیان میں ہے اس سے زیادہ کی یہاں گنجائش نہیں فمن شاء فلیز جع الیھا۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ جہاں کہیں سید صاحب قرآن کے معنی متعارف چھوڑ کر برخلاف سلف وخلف الگ راہ چلے ہیں اور دل کھول کر کلام الٰہی میں اپنے آزادنہ خیالات کو دخل دیتے ہیں وہاں کیا قرینہ ہے، اور کونسا امر ہے جو معنی متعارف کو ( کہ جس چیز کو پیغمبر ﷺ کے ہم زمان وہم زبان سمجھتے آئے ہیں ) صحیح نہیں ہونے دیتا؟ اور کون سی مشکل سید صاحب کو پیش آئی جس سے نہ تنہا جمہور اہل اسلام بلکہ کل اہل ادیان یہود وعیسائیوں کے مخالف ہو کر ملائکہ اور جن اور شیطان کے معنی میں یہاں تک تغیر کیا کہ سرے سے کلام ہی کو الٹ پلٹ کر دیا۔ جس طرح کسی صوفی نے کافیہ کی ایسی شرح لکھی کہ اس کو کچھ اور ہی کر دیا یا کسی نے مولانا روم کے اس شعر کے معنی بیان کئے۔

بشنو از نے چوں حکایت میکند
وز جدائی ہا شکایت میکند

کہ سری مہاراج بشنو کہ جس کو بشن بھی کہتے ہیں لیعنی بنسری سے کتھا کہتے ہیں اور لوگوں کو اپنے سے جدا جدا رہنے کی شکایت کرتے تھے۔ اسی طرح ایک مداری فقیر میرے روبرو ایک روز ''اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ'' کے یہ معنی بیان کیے کہ بی بی آمنت کا ایک بلا تھا، وہ اس کی ملائی کھا گیا۔ اس نے اس کو کتوں سے پھڑ وا دیا اور رسیوں سے باندھا۔ العیاذ باللہ۔ حضرت سلامت! یوں تو قرآن کو آج تک کچھ کا کچھ بدل دیا ہوتا اگر علماء اس کی مخالفت نہ کرتے۔ سورۂ یوسف کی ایک تفسیر میں ایک صوفی اس قصے کو نفس اور روح پر ایسا چسپاں کیا ہے کہ شاید و باید پھر اس سے کوئی یوں کہہ سکتا ہے کہ دراصل یوسف علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کوئی شخص نہ تھے بلکہ یہی دو نفس اور

روح مراد ہیں؟

امر پنجم:.....کبھی بطور استعارہ کے ایک چیز بول کر دوسری چیز مراد لیا کرتے ہیں اور یہ بات کچھ اہل اسلام اور عرب ہی کی زبان پر منحصر نہیں بلکہ ہر زبان میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ کبھی چاند بولتے ہیں اور اس سے کوئی حسین صورت مراد رکھتے ہیں اور مصری اور شہد سے کلام شیریں مراد لیتے ہیں۔ البتہ مشبہ بہ ذکر کرتے ہیں اور مشبہ اس قرائن کی وجہ سے مراد لیتے ہیں، مگر اس سے کوئی ذی عقل یہ مراد نہیں لے سکتا کہ یہاں وہ دونوں متحد ہیں یا مشبہ کا وجود ہی نہیں۔ اسی طرح عرفاء وعقلاء انسان کی عمدہ چیزوں یعنی ملکوتیہ کو یا خود اس انسان عمدہ کو ملائکہ سے تشبیہ دیا کرتے اور مشبہ کو ذکر نہیں کرتے بلکہ مبالغہ کے لئے صرف مشبہ بہ کو ذکر کرتے ہیں مگر مراد مشبہ ہی رکھتے ہیں مثلاً کسی کو کہیں کہ فرشتہ بیٹھا ہے تو دراصل مراد وہ شخص خاص ہے نہ یہ کہ فرشتہ کا کوئی وجود نہیں، یہی فرشتہ ہے اور اسی طرح قوی بہیمیہ کو یا نفس امارہ کو اور کبھی کسی خراب آدمی کو شیطان سے تشبیہ دیتے ہیں اور قرائن صارفہ کے ذریعے سے مراد وہ مشبہ لیتے ہیں۔ اب جو کسی نے شیطان بول کر قوت بہیمیہ یا نفس امارہ مراد لیا ہے کہ شیطان کا مصداق یہی قوت بہیمیہ یا نفس امارہ ہے اور دراصل شیطان کوئی وجود جداگانہ نہیں رکھتا؟ لیکن سید صاحب اس نکتہ سے واقف نہیں، انھوں نے یہی سمجھ لیا ہے کہ اس نے قوئ ملکوتیہ و بہیمیہ کو ملائکہ اور شیطان کے نام سے تعبیر کیا ہے نہ وہ اس نکتہ کو سمجھے، نہ قرائن پر نظر کی، نہ اور آیات کو دیکھا جہاں مشبہ بہ کا جداگانہ وجود مذکور ہے۔ سچ ہے انسان اپنے خیال میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ پھر اور کچھ دیکھتا ہی نہیں۔ حبک الشی یعمی ویصم۔

تنبیہ:.....افراط وتفریط سے کمتر انسان محفوظ رہتے ہیں۔ پس کبھی قوت وہمیہ اس قدر پست ہوتی ہے کہ احکام عقل صرف کو قابل العمل نہیں رہنے دیتی، اس لئے کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہمی لوگ جن وملائکہ اپنی وہمی باتوں کو سمجھنے لگتے ہیں۔ صدہا عورات بلکہ بہت سے سادہ آدمی اپنی قوت وہمیہ کے زور سے کسی شئی کو جن وبھوت فرض کر لیتے ہیں، پھر اس کے موجب اس کا اثر متوہم ہوتا ہے اور دراصل سوائے ان کے وہم کے اور کچھ نہیں ہوتا اور کبھی اتنی بلندی ہوتی ہے کہ وہمی لوگ ان امور کو بے اصل سمجھ کر یہاں تک وہم کے گھوڑے دوڑاتے ہیں کہ درحقیقت ان چیزوں کا صفحہ عالم پر وجود ہی نہیں سمجھتے اور جو چیز محسوس نہ ہو، اس کو لاشی محض کہتے ہیں۔ پھر اس خیال کو جو اور زیادہ ترقی ہوتی ہے تو جو چیزیں ان کے نزدیک اسباب ظاہرہ پر مبنی نہ ہوں، سب غلط ہو جاتی ہیں۔ نہ پھر وہ اثر دعاء کے قائل رہتے ہیں اور نہ کبھی کسی نبی یا ولی کے اعجاز یا کرامت کو حق مانتے ہیں، نہ جن وملائکہ وشیطان کے جداگانہ وجود کو تسلیم کرتے ہیں نہ وہ خدائے قدیر کی بے انتہا قدرتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس سے بھی نمبر بڑھ جاتا ہے تو کوچہ الحاد کی سیر کرتے ہیں۔ پھر نہ خدا تعالیٰ کے قائل نہ رسول کے معتقد۔ چنانچہ آج کل یورپ میں ان خیالات کے لوگ پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ چند روز کا ذکر ہے کہ لندن میں ایک شخص سے پارلیمنٹ میں داخل کرتے وقت حلف حسب دستور لینا چاہا تو اس نے کہا: خدا تعالیٰ کوئی چیز نہیں۔

الغرض یہ مقدمہ پارلیمنٹ میں پیش ہوا۔ بہت سے لوگ اس کی رائے سے موافق نکلے۔ بہت سے دہریئے لوگ یہی کہتے ہیں کہ نہ کوئی خدا، نہ کوئی رسول، نہ کوئی چیز حلال، نہ حرام، نہ قیامت، نہ آخرت کی کچھ جزا وسزا۔ پس ہر زمانہ کے اہل عقل نے کہ جس کو پیغمبر کہتے ہیں، ایک فرضی جزا وسزا قرار دی ہے اور اس وقت کی مناسب چیزوں کو فرض کیا اور فرضی جنت کا وعدہ دیا اور اس وقت کی نامناسب چیزوں کو حرام کیا اور اس فرضی دوزخ اور سزا سے ڈرایا۔ کم عقل ان باتوں کو خدا تعالیٰ کی باتیں سمجھتے ہیں اور بعض لوگ رسالت کو کوئی بڑا بھاری رتبہ فرض کرتے ہیں کہ پھر اس کا مثل کسی کو نہیں مانتے اور بعض اس رسالت کو ایک شخص پر ختم کر دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ خیالات فاسدہ ہیں، کیونکہ نبی وہ فارمر ہے کہ جو اپنی قوم کی ترقی اور خیر خواہی اور بھلائی کی فکر کرے نہ اس کے لئے کوئی معجزہ شرط ہے اور نہ معجزہ ممکن

ہے بلکہ جس میں یہ ملکہ ہو، وہی نبی ہے اور اسی کے خیالات کا زور وشور اس کا الہام ہے۔ اور وہ خیالی سورتیں جیسا کہ مجنونوں کو نظر آتی ہیں، اس کا جبرئیل اور ملائکہ اور رجال الغیب ہیں، پھر یہ نبوت کسی پر ختم نہیں، ہر زمانہ میں ہر ملک، ہر شہر، ہر قوم میں ایک نبی ہے۔ وہ جن باتوں کو حسب زمانہ بہتر بتلا دے، وہ فرض ہیں اور جن کو نامناسب سمجھ کر منع کر دے، وہ حرام ہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانہ کے واجبات اور محرمات کے احکام الگ ہیں، جو احکام نیچر کے موافق ہیں، وہ فرض ہیں ورنہ حرام ہیں انتہٰی۔ العیاذ باللہ من ہذہ الکفریات۔ الغرض یہ سب باتیں اسی قوت وہمیہ کی بدولت ہیں اور میں اس وقت بلاتعصب کہتا ہوں کہ سید صاحب اور ان کی ذریات کے خیالات ایسے ہی ہیں۔ چنانچہ ان کی تصانیف بالخصوص اس تفسیر میں صراحۃً مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس مرض سے شفاء عطا فرمائے اور ان خیالات کے نتیجہ (ابدی جہنم) سے بچا دے۔ اب میں سید صاحب کے دلائل کو دیکھتا ہوں کہ جن کے اعتماد پر حضرت نے ضروریاتِ دین کا انکار کیا ہے کہ وہ کیسے ہیں؟ سردست تو ملائکہ وشیطان کی بابت جو کچھ آپ نے فرمایا ہے، ہم اس کو دیکھتے ہیں اور آئندہ جہاں جہاں آپ نے اپنے وطیرہ کے موافق یہ انکار کیا یا تاویل (جو بمنزلہ انکار ہے) کی ہے، اس کو بھی دیکھیں گے۔ قولہ: صفحہ ۱۴۰ جبرئیل علیہ السلام ومیکائیل علیہ السلام یہودیوں نے فرشتوں کے لئے نام مقرر کئے تھے اور ان کے ہاں سات فرشتے نہایت مشہور فرشتوں میں ہیں مگر اس کا ثبوت نہیں ہے کہ کسی نبی نے ان کو بتایا تھا کہ یہ فرشتوں کے نام ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحف انبیاء علیہم السلام میں کوئی صفت صفات باری تعالیٰ میں سے کسی خاص لفظ کے ساتھ تعبیر کی گئی تھی، پھر رفتہ رفتہ وہ لفظ فرشتہ کا نام متصور ہونے لگا الخ۔

## سید احمد خان صاحب کے دلائل کا جواب:

اقول: دیکھئے کتاب دانیال، ۸ باب میں یوں ہے: کہ ایک آواز آئی اے جبرئیل علیہ السلام! اس شخص کو اس رویاء کا مطلب سمجھا دے۔ انتہی۔ اگر دانیال علیہ السلام آپ کے نزدیک نبی نہیں ہیں تو یہ اور بات ہے ورنہ دانیال پیغمبر علیہ السلام کی زبان سے جبرئیل کا نام صاف معلوم ہوتا ہے، اسی طرح انجیلِ لوقا، باب ا میں یوں ہے: فرشتے نے جواب میں اس سے کہا: میں جبرئیل ہوں جو خدا تعالیٰ کے حضور حاضر رہتا ہوں انتہٰی۔ دوم: آپ کا یہ فرمانا کہ صحفِ انبیاء علیہم السلام الخ دعوی بلا دلیل ہے۔ وہ کونسا صحیفہ ہے کہ جس میں جبرئیل اور میکائیل کو صفت باری لکھا ہے، ذرا اس کا تو حوالہ دیجئے۔ سوم: یہ قول آپ کا رفتہ رفتہ وہ لفظ فرشتہ کا نام متصور ہونے لگا، آپ کے لیے مضر ہے کیونکہ جب بقول آپ کے فرشتہ کوئی جداگانہ وجود ہی نہیں رکھتا تو پھر ان اہل کتاب یہود نے کس شئی کا نام فرشتہ رکھا تھا؟ چہارم: اگر بالفرض اس صفت کو فرشتے کا نام مقرر کر لیا تھا تو اس سے فرشتے کے وجود جداگانہ کی نفی کیونکر سمجھی گئی؟ غایۃ الامر یہ بات کہ وہ نام منقول ہوگا کسائر الاسماء المنقولۃ مثلاً ریل کسی شخص کا نام رکھا جائے تو یہ لازم نہ آئے گا کہ سوائے اس کے ریل گاڑی کا وجود نہ ہو۔ قولہ: قرآن مجید میں اس کا استعمال اس طرح پر ہوا ہے کہ جس طرح یہودی خیال کرتے ہیں۔ اقول: پس جب قرآن مجید میں لفظ ملائکہ کا انہیں معنی میں استعمال ہوا کہ جن معنی میں یہودی استعمال کرتے تھے، الحمد للہ آپ ہی کے اقرار سے فرشتوں کا جداگانہ وجود قرآن سے ثابت ہو گیا کیونکہ بقول آپ کے یہودی فرشتوں کا جداگانہ وجود اہل اسلام کے عقیدہ کے موافق سمجھتے تھے۔ اب آپ کا اس معنی سے انکار کرنا، قرآن کا انکار کرنا ہے، ہمارے لئے تو اسی قدر کافی ہے کہ قرآن میں لفظ ملائکہ انہیں معنی میں وارد ہے کہ جس کو اہل اسلام اور یہود مسلم رکھتے ہیں۔ اب یہ آپ کو اختیار ہے کہ آپ قرآن کو صحیح مانیں یا یہود کی تقلید کریں، جیسا کہ آپ اس قول میں فرماتے ہیں۔ قولہ: مگر ہمارے ہاں کے علماء بھی یہود کی تقلید سے فرشتوں کے نام قرار دیتے ہیں الخ۔ قول: سید صاحب! یہ پردے کی بات اچھی نہیں علماء بیچاروں کو یہود کے مقلد لوگ کیوں کہتے ہو، منزل قرآن ہی کو صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ جس نے اپنے قرآن میں ان الفاظ کو یہود کے استعمال اور خیال کے

موافق استعمال کیا۔ قولہ: (جبرئیل) عبری میں اس کے معنی قوت اللہ یا قدرت اللہ کے ہیں۔ یہ لفظ دانیال پیغمبر علیہ السلام کی کتاب میں آیا ہے الخ۔ لوقا نے جو انجیل لکھی ہے اس کے پہلے باب میں جبرئیل علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اقول: اس سہو ونسیان کا کیا ٹھکانا ہے، ابھی ابھی آپ فرما چکے ہیں کہ اس کا ثبوت نہیں کہ کسی نبی نے ان کو بتایا تھا کہ یہ فرشتوں کے نام ہیں۔ آپ کو لازم تھا کہ اس پیرانہ سالی میں کہ انسان کے حواس بجا نہیں رہتے، اس بڑی بھاری بات کا بیڑا نہ اٹھاتے کہ تیرہ سو برس کے بعد میں ہی تو ایک ہوں کہ جو قرآن کے اصلی معنی سمجھا ہوں اور سب اگلے پچھلے غیر محقق تھے۔ قولہ: صفحہ ۱۴۱ علماء یہود بھی یہی سمجھتے تھے کہ جبرئیل بڑے زبان داں ہیں الخ، غالباً اسی سبب سے مسلمانوں نے تصور کیا ہے کہ یہی خدا تعالیٰ کی وحی یعنی قرآن کی آیتیں خدا تعالیٰ سے سن کر یاد کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کو آ کر سناتے تھے۔ اقول: مسلمان بیچاروں نے کیا خود خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جبرئیل وحی لاتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ: عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى وقال نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ پھر یہ تقلید یہود کی بدگمانی آپ خدائے پاک پر کریں، آپ کو اختیار ہے مگر اس قدر عرض باقی ہے کہ جب قرآن مجید بلکہ اس کا منزل آپ کے نزدیک ایسا لچر ٹھہرا ہے کہ جس نے ایک غلط امر میں یہودیوں کی تقلید کی، پھر اس کی تفسیر اور اس کو کلام الٰہی لکھنا اور بے دیکھے خدا تعالیٰ کا قائل ہونا محض بے فائدہ ہے۔ قولہ: میکائیل علیہ السلام کے معنی عبری میں من کاللہ کے ہیں دانیال علیہ السلام کی کتاب میں اور ان کی خوابوں میں یہ لفظ آیا ہے۔ مشاہدات یوحنا میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ الخ۔

اقول: باوجود اس قرار کے کہ انبیاء سابقین ان الفاظ کو انہیں معنی میں استعمال کرتے ہیں، پھر انکار کی کیا وجہ؟ قولہ: بہر حال ہم کو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ الفاظ باری تعالیٰ پر مستعمل تھے، آخر انہی الفاظ کو فرشتہ سمجھنے لگے الخ۔ اقول: کاش آپ ایک آدھ جگہ بھی قرآن پاک یا توراۃ وانجیل سے ان الفاظ کا جو فرشتوں پر بولے جاتے ہیں صفات باری تعالیٰ پر استعمال ہونا ثابت کر دیتے تب تو کسی قدر آپ کا یہ بہرحال کہنا اور شک نہ کرنا کچھ اعتبار رکھتا، مگر جب کہ آپ نے خود اس کے برعکس ثابت کیا، پھر اس پر یہ تفریع کرنا بعینہٖ ایسا ہے کہ کوئی شخص زید کے بالفعل موجود ہونے کا دعویٰ کرے اور یہ دلیل بیان کرے کہ زید بیمار تھا اور اس کی بیماری تمام شہر میں مشہور تھی، آخر وہ مر گیا۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس کو دفنایا، انہوں نے ہم سے بیان کیا، پھر اس پر یہ نتیجہ قائم کرے بہر حال ہم کو اس پر کوئی شک نہیں کہ زید بالفعل زندہ موجود ہمارے سامنے بیٹھا ہے اور اس کا کوئی ہمسایہ مر گیا ہوگا۔ سید صاحب! آپ نے تو نفی وجود ملائکہ میں بڑی عقل صرف کر دی۔ ذرا فرمائیے تو سہی کہ یہ کون سی برہان ہے جو آپ نے قائم کی، آیا اِنّی یا لُمّی؟ اور آپ جو صفات باری تعالیٰ پر ان الفاظ کا استعمال ہونا فرمائے چلے جاتے ہیں، وہ آپ کو حضرت شیخ محی الدین ابن العربیؒ کے کلام سے مغالطہ پڑ گیا۔ ذرا آگے چلئے، ہم آپ کو وہ مقام بھی سمجھائے دیتے ہیں۔ اس لئے شیخ نے فرمایا تھا کہ ہر شخص میری کتاب کو نہ دیکھے، اس کا مطالب پر مطلع ہونا ہر کسی کا کام نہیں، اس مقام پر جبرئیل علیہ السلام ومیکائیل علیہ السلام بلکہ جملہ ملائکہ کے وجود جداگانہ کی نفی پر آپ نے جو دلیل قائم کی، وہ قطع نظر اس کے مقدمات کے یہ ہے کہ ہم کو کچھ شک نہیں کہ جو الفاظ صفاتِ باری تعالیٰ پر مستعمل تھے آخر انہیں الفاظ کو فرشتوں کا نام سمجھنے لگے الخ۔ اقول: یہ تو آپ کا دعویٰ ہے۔ اگر یہی دلیل ہے تو مصادرہ علی المطلوب لازم آئے گا جو عقلاء کے نزدیک بالاتفاق مردود ہے۔ قولہ: مگر جبرئیل علیہ السلام ومیکائیل علیہ السلام آیت: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ میں حکایتاً نام ہونے سے ان کو ایسے واقعے پر جیسا کہ یہود نے اور ان کی پیروی سے مسلمانوں نے تصور کیا ہے، استدلال نہیں ہو سکتا، جیسا کہ ہم فرشتوں کی بحث کے بعد اس کو بیان کریں گے۔ اقول: اس بے اصل گفتگو کا ابھی غلط ہونا ثابت ہو چکا ہے مگر بڑی خیر گزری ہے کہ آپ نے جس طرح فرشتوں کے وجود کا انکار (ان کا حکایتاً نام آنے کی وجہ سے) کر دیا، خدا تعالیٰ کا نہ کر دیا۔

اگر پدر نتواند پسر تمام کند

کچھ عجب نہیں کہ آپ کی ذریت میں سے کوئی کوٹ پتلون پوش جنٹلمین خدا کا نام بھی یہاں حکایتاً بیان کر کے اس کے وجود حقیقی کی نفی کر دے اور شاید اس وقت تک اس کے وجود کی نفی یوں نہ کی گئی کہ اگر خدا تعالیٰ نہیں تو اس کا رسول کہا؟ اور جب رسالت کوئی چیز نہیں تب اس تدبیر سے کہ رسول سے معجزات تو ممکن ہی نہیں، پھر ہر شخص دنیادار، شراب نوش، چرب زبان کہ جس میں لوہار، بڑھئی کے کام کے مانند بلکہ **(یعنی رفارمری)** ہو، پیغمبر ہو جائے، اور اپنی امت جدا بنا دے کہ جس پیغمبر کا مصداق بقول سید احمد خان صاحب کے، بابو کیشب چندر اور دیانند سرتی اور خود سید صاحب ہیں (اور من بعد ان کے اور بھی ان کے جانشین ہوں گے) ممکن نہ ہوگا۔ اب دیکھتے ہیں سید صاحب بحث ملائکہ میں اپنے وعدہ کو کیسا پورا کرتے ہیں۔ قولہ: صفحہ ۱۴۲ فرشتوں کی نسبت جو بحث ہے، جو نہایت ہی غور طلب ہے۔

## مسلمانوں کو ملائکہ کے موجود اور مخلوق ہونے پر یقین ضروری ہے:

**اقول:** اس میں کیا شک ہے بہت سے لوگ پہلے بھی انکار کر چکے ہیں کما سیاتی، ذرا آپ بھی سنبھل کر قدم رکھئے گا۔ **قولہ:** قرآن مجید میں فرشتوں کا ذکر آیا ہے اور اس لئے ہر مسلمان کو جو قرآن پر یقین رکھتا ہے، فرشتوں کے موجود اور مخلوق ہوئے پر یقین ضروری ہے۔ **اقول:** پھر کیا وجہ ہے کہ باوجود دعاء ایمان کے فرشتوں کو موجود اور مخلوق نہیں مانتے؟ یہاں سے ثابت ہوا کہ آپ نہ مسلمان ہیں نہ قرآن پر یقین رکھتے ہیں کہ جو فرشتوں کو موجود اور مخلوق نہیں کہتے۔ اگر آپ یہ فرمائیں کہ میں بھی موجود اور مخلوق کہتا ہوں مگر ان کی حقیقت میں بحث کرتا ہوں، **کما قلت قولہ** جہاں تک بحث ہے اس پر بحث ہے کہ وہ کیسی مخلوق ہے الخ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ فرما چکے کہ ملائکہ خدا تعالیٰ کی صفات ہیں تو اب ان کا موجود اور مخلوق ہونا کہاں؟ کیونکہ خدا تعالیٰ کی صفات بقول اکثر عین ذات ہیں اور اگر لا عین ولا غیر بھی ہوں تو ان کو مخلوق اور حادث کوئی نہیں کہہ سکتا اور آپ بھی صفاتِ باری تعالیٰ کو مخلوق اور حادث نہیں کہتے بلکہ آپ تو عین ذات کہتے ہیں۔ پھر جب آپ نے ان کو صفات باری تعالیٰ کہا تو بلا شک ان کے مخلوق ہونے کا انکار کیا۔ اب آپ کو اختیار ہے خواہ مسلمان قرآن پر یقین رکھنے والے ہو جائے یا فرشتوں کے موجود اور مخلوق ہونے سے انکار کیجئے۔ **قولہ:** عام خیال مسلمانوں اور علماء کا یہ ہے کہ جس طرح انسان و حیوان جسم و صورت و شکل رکھتے ہیں، اسی طرح وہ بھی الخ، اور ان کے پر بھی ہیں جن سے اڑ کر وہ آسمان پر جاتے ہیں اور زمین پر اترتے اور خدا تعالیٰ کا پیغام پیغمبروں تک پہنچاتے ہیں۔ **اقول:** یہ خیال اہل اسلام کا صحیح اور قرآن کے مطابق ہے بلکہ جو قرآن پر یقین رکھتا ہے، اس کے لئے اس خیال کا پابند ہونا ضروری ہے جیسا کہ آپ ابھی فرما چکے ہیں مگر آپ کو کیا دشواری پیش آئی جو آپ زمرہ اہل اسلام سے خارج ہو گئے اور قرآن کا انکار کر بیٹھے۔ **قولہ:** ہمارے پاس کسی ایسی مخلوق کے ہونے سے جو کسی قسم کا جسم و صورت بھی رکھتی ہو جو ہم کو دکھائی نہ دیتی ہو (جیسا کہ ملائکہ) انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ ایسی مخلوق ہو مگر ہم ایسی مخلوق کے ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتے۔ **اقول:** ثابت ہوا کہ آپ جو انکار کرتے ہیں تو محض بلا دلیل کرتے ہیں۔ **قولہ:** کیونکہ ان باتوں کے اثبات کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ قرآن مجید سے فرشتوں کے اس قسم کے وجود کا اور ان کے اس قسم کے جسم کا اور ان کے ان افعال کا جن کا ذکر اوپر ہوا، کچھ ثبوت نہیں۔

**اقول:** وہ دلائل عقلیہ جو ہم نے بیان کئے اور الٰہیات میں حکماء نے بیان کئے، آپ کو کیوں نہ معلوم ہوں گے اور قرآن مجید کی آیات سے یہ باتیں ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں۔ پس آپ کا یہ دعویٰ کرنا اہل قرآن کے روبرو قہقہہ اڑانا ہے۔ ذرا ان آیات کو تو دیکھئے کہ جن میں پر اور مجسم ہو کر نظر آنا وغیرہ وغیرہ اوصاف مذکور ہیں۔ پھر آپ کس دلیری سے انکار کرتے ہیں؟ ذرا شرم بھی چاہئے۔ **قولہ:** فرشتوں کے اس قسم کے وجود اور افعال کا ثبوت ضرور ہے کہ دلیل نقلی سے ہوگا۔ **اقول:** بلکہ ادلہ عقلیہ سے بھی ہے جیسا کہ ہم نے ان کو صدر فصل ہذا میں بیان کیا۔

دیکھو۔ قولہ: اور اس لئے قبل شروع کرنے اس بحث کے، ہم کو مناسب معلوم ہوا کہ علماء کلام نے جو بحث نسبت دلیل نقلی کے کی ہے، اس مقام پر اس کو نقل کریں۔ اقول: وہ بحث جو ادلہ نقلیہ پر کی ہے، علماء کلام نے نہیں کی بلکہ معتزلہ کے احتمالاتِ عقلیہ ہیں جن کا جواب دندان شکن بھی علماء کلام نے دیا جیسا کہ آپ نے بھی نقل کیا ہے۔ قولہ: شرح مواقف میں اس بات پر ایک بحث لکھی ہے کہ دلائل نقلیہ جن سے مطالب پر استدلال کیا جاتا ہے، مفید یقین ہیں یا نہیں۔ معتزلہ اور جمہور اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ مفید نہیں اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے الخ۔ اقول: جواب یہ ہے۔ قولہ: صاحبِ شرح مواقف نے ان دلیلوں کے لکھنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ یہ دلیلیں ٹھیک نہیں ہیں بلکہ حق یہ ہے کہ دلائل نقلی شرعیات میں ان قرائن سے جو منقول ہیں، مشاہدہ ہوئیں ہیں اور بطور تواتر کے ہم تک پہنچی ہیں اور جن سے تمام احتمالات جاتے رہتے ہیں، مفید یقین ہوتی ہے الخ۔ اقول: کیوں جناب! آپ نے جو کچھ اپنے ادلہ نقلیہ پر شبہات قائم کئے تھے، ان کا جواب بھی آپ نے تسلیم کرلیا۔ پھر آپ کس اعتماد پر ادلہ نقلیہ کا وجود ملائکہ پر اور ان کے افعال پر بالصراحۃ دال ہیں، انکار کرتے ہیں؟ غایۃ الامر آپ معتزلہ کے مذہب کے موافق ظن کا مرتبہ تسلیم کرتے نہ کہ انکار ہی کر بیٹھتے۔ قولہ: صفحہ ۱۴۰ ان سب سے زیادہ ایک اور امر ہے جس پر شرح مواقف اور صاحب مواقف بلکہ اور کسی نے بھی غور نہیں کیا (کیوں نہ ہو، آپ کا ہی حصہ ہے) اور وہ کلام غیر مقصود ہے الخ۔

قولہ: قرآن مجید میں اس قسم کا کلام غیر مقصود نہایت کثرت سے ہے۔ مشرکین اور اہل کتاب کے عندیہ میں بہت سی ایسی باتیں سمائی ہوئی تھیں جن کا دراصل وجود نہ تھا یا وجود تھا مگر اس کی جو حقیقت کہ وہ سمجھتے تھے، دراصل وہ نہ تھی یا وہ بات ظاہر میں دکھائی دیتی تھی اور بطور غلط العام یا باعتماد مشاہدہ اسی کو واقعی سمجھتے تھے اور اصلیت کے برخلاف اس کے تھی اور قرآن مجید کو اس سے بحث مقصود نہ تھی، اس لئے اس کو اسی طرح بیان کیا، جس طرح مشرکین اور اہلِ کتاب خیال کرتے تھے الخ۔ اقول: اس تمہید کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید میں تبعاً ایسی بہت سی باتیں (کہ جن کا دراصل کچھ وجود واقعی نہیں لیکن ان کو مخاطب تسلیم کرتے تھے) مذکور ہیں۔ لیکن اس سے سید صاحب! یہ تو کہیں لازم نہیں آتا کہ ملائکہ اور اعجاز انبیاء علیہم السلام بھی اسی قبیل سے ہیں تا کہ آپ کا مدعا ثابت ہو کیونکہ اس قسم کی باتیں کلام غیر مقصود میں واقع ہوتی ہیں مگر جو کلام کہ اس کو خاص مقصود کے لئے چلایا جائے، اس میں ان احتمالات کا کہیں گزر بھی نہیں ہوتا۔ اس تمہید کے بعد آپ پر ضرور تھا کہ ان آیات کو (کہ جن میں ملائکہ کے وجود کا جداگانہ اور ان کے افعال کا ذکر ہے) کلام غیر مقصود ہونا ثابت کر دیتے مگر اس بات سے تو آپ کانوں پر ہاتھ دہر کر اور ہی طرف چل دیئے، کبھی یہود کے عقائد کو، کبھی نصاریٰ کے عقائد کو، کبھی مشرکین کے عقائد کو ملائکہ کی نسبت بیان کرنا شروع کر دیا اور ورق کے ورق اس میں سیاہ کر دیئے اور کبھی دو چار جملے تمسخر کے ملائکہ کی نسبت بول گئے تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اللہ جل جلالہ، نے اپنی کتاب مجید میں انہیں یہودیوں یا عیسائیوں یا مشرکین کی تقلید سے ان غلط اور بے اصل مضامین کو بھر دیا، تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا، مگر ان آیات کا کلام غیر مقصود ہونا آپ سے قیامت تک بھی ثابت نہ ہو سکے گا۔ یوں تکرلیں رجمًا بالغیب ضعیف الایمان لوگوں کے دل میں شبہ ڈالنے کے لئے آپ جو چاہے کہے جائیے، بلکہ وہ آیات کلام مقصودی ہیں چند وجہ سے۔

اول:...... یہ کہ کلام کے مقصودی یا غیر مقصودی سمجھنے کے لئے متکلم کے ہم زمان و ہم زبان ہی لائق ہوتے ہیں۔ پس پیغمبر ﷺ کے صحبت یافتوں اور ہر وقت کے پاس بیٹھنے والوں اور عرب العربا کو (کہ جن کے محاورہ میں قرآن اترا) کبھی غیر مقصود ہونا معلوم نہ ہوا اور ان کے بعد سے اب تک کسی ملک میں، کسی زبان دان کو یہ بات معلوم نہ ہوئی، نہ کسی مفسر کو، سوجھی تو تیرہ سو برس بعد ایک ہندی کو سوجھی کہ نہ جس کو صرف نحو سے آشنائی نہ لغت سے تعارف، نہ زبانِ عربِ قدیم و جدید سے کچھ مس اور جس کی عقل سلیم کا یہ حال کہ نہ اس کی دلیل و دعویٰ میں کچھ ربط، نہ اس کو یہ تمیز کہ یہ دلیل میرے دعویٰ کے لیے مفید ہے یا مضر۔

دوم:...... ہر کلام کا مقصودی یا غیر مقصودی اس کے سباق وسیاق سے معلوم ہو جاتا ہے تو اس میں غیر مقصودی ہونے کی بو بھی نہیں آتی بلکہ متعدد جگہ میں نئے نئے اسلوب سے وجود ملائکہ کا بلکہ اعجاز انبیاء علیہم السلام کو بیان کیا ہے اور قرینہ غیر مقصود ہونے کا ہے نہیں۔

سوم:...... یہ چیزیں کچھ قرآن ہی میں مذکور نہیں بلکہ کتب سماویہ میں اور ہر نبی کی زبان سے ان کا بیان منقول ہے۔ پھر اس سے اتنی بڑی غلطی کو خدائے پاک نے اپنی ہر کتاب میں کیوں دخل دیا؟ اور اس کے انبیاء علیہم السلام نے کیوں غلط وجود کو ثابت کیا؟ کیا لوگوں کو دھوکہ دینا منظور تھا؟ کیا ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ تیرہویں صدی میں سید احمد خان صاحب بہادر دنیا سے نرالے محقق اور فلاسفر ہماری اس دھوکہ بازی کو طشت از بام کر دیں گے؟

چہارم:...... اگر یوں ہی بغیر قرائن ہر کلام کو غیر مقصودی اور مجازی کہہ دیا کریں تو پھر اب سید صاحب کے انکار کا بھی کیا اعتبار ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ ملحدوں کے لئے انہوں نے بطور کلام غیر مقصودی انکار کر دیا ہو۔

پنجم:...... ایمان بالغیب میں اول درجہ میں خدا تعالیٰ بجمیع صفاتہ دوم درجہ میں ملائکہ ہیں۔ کما قال تعالیٰ: کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ پس جب ملائکہ کا وجود کلام غیر مقصودی سے آپ نے اڑا دیا تو اب اگر کوئی آپ کا شاگرد رشید خدائے پاک کی نسبت بھی یہی احتمالات قائم کر کے دہریا یا پراکرتی کا قائل ہو جائے تو اس کو آپ کیا جواب دیں گے، ذرا اشارہ تو ہو۔ پس جو آپ اس کو جواب عنایت کریں گے، وہی جواب بجنسہٖ سر بمہر ہم آپ کے آگے پیش کر دیں گے۔ قولہ: صفحہ ۱۴۷ زمانہ کی تمام قوموں کا یہ حال تھا کہ جو امور عجیب وغریب ان کے سامنے پیش آتے تھے جس کی علت ان کی سمجھ سے باہر تھی، اس کو کسی ایسی قوت یا کسی ایسے شخص سے منسوب کرتے تھے جو انسان سے برتر اور خدا سے کمتر تھی الخ۔ اقول: اس بے معنی کلام کا مطلب کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ عجیب وغریب امور سے مراد خوارقِ عادات ہیں یا کچھ اور؟ شق اول میں ان کا یہ انتساب بے جا نہیں بلکہ عین عقل ہے اور قوت اعجاز اور وجود مخلوقات غائب عن الحس کے لئے اچھا قرینہ ہے۔ شق دوم میں یہ آپ کا حصر باطل ہے کہ تمام دنیا کی قوموں کا یہ حال تھا کہ وہ عجائب پرستی کرتے تھے؟ خدا جانے آپ نے تمام گزشتہ قوموں کا عقیدہ کہاں سے دریافت کر لیا؟ یہ آپ کا بیان صحیح ہو تو یہ آپ کی کرامت ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کا حال آپ پر منکشف ہو گیا۔ پھر آپ خرق عادات و کرامات واعجاز کا انکار کیوں کرتے ہیں اور آپ کی رفارمری بلکہ پیغامبری کے لئے آپ کی امت کے روبرو بڑی شہادت ہے کہ آپ غیب دان ہیں، استغفر اللہ من ھذا الھزل۔ قولہ: تورات اور صحف انبیاء علیہم السلام اور انجیل میں فرشتہ کا لفظ کا استعمال نہایت وسیع معنوں میں آیا ہے۔ کتاب ۲ سموئیل باب ۲۴ درس ۱۶ اور ۱۷ میں کتاب ۲ ملوک، باب ۱۹، الخ اور زبور داود میں وباء پر فرشتہ کا اطلاق ہوا ہے اور زبور داود، باب ۱۰۴ میں ہواؤں پر فرشتہ کا اطلاق کیا ہے الخ۔

## دوسری دلیل:

اقول: یہ دوسری دلیل کی نفی وجود ملائکہ پر آپ نے قائم کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ لفظ فرشتہ مشترک ہے اس لئے ایک معنی معین نہیں ہو سکتے جناب عالی کو ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم کہ اشتراک لفظ کی ایک صفت ہے کہ معنی کی؟ اب ہم پوچھتے ہیں کہ کون سا لفظ مشترک ہے، آیا ملک یا فرشتہ یا کوئی اور؟ یہ ظاہر ہے کہ تورات وانجیل کی اصلی زبان عبرانی ہے جو فارسی اور عربی سے غیر ہے اور ملک لفظ عربی اور فرشتہ فارسی ہے۔ میں حیران ہوں کہ عبرانی میں ان دونوں میں سے کونسا لفظ مشترک قرار دیا گیا ہے؟ اگر لفظ فرشتہ تو کچھ پروا نہیں، ہم کو اس لفظ سے بحث نہیں، اگر کہو لفظ ملک تو مسلم نہیں کہ عبرانی میں یہ لفظ انہیں معنی میں مستعمل ہے۔ معلوم ہوا کہ مسمّیٰ ملک کے ساتھ عبرانی یا کسی اور زبان میں ہوا یا وباء کو تشبیہ دی ہوگی اور استعارہ بالکنایہ مراد رکھا ہوگا، جس طرح کہ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ان ھذا الا ملک کریم کہا ہے۔ لیکن اس سے نفی ملائکہ نہ سمجھی گئی بلکہ اس سے تو ان کا وجود جداگانہ پایا گیا ورنہ تشبیہ ٹھیک نہ رہتی اور آپ کا یہ کہنا کہ

(کتاب ایوب، باب ا، کتاب اول سموئیل باب اا اور انجیل لوقا، باب ۷ میں) فرشتہ کا لفظ عام ایلچیوں پر بولا گیا ہے الخ۔ آپ کے تبحر کی دلیل واضح ہے۔ جن مقامات پر آپ نے حوالہ دیا ہے، وہاں لفظ فرشتہ بولا ہی نہیں گیا۔ قولہ: تورات میں بہت سی جگہ اس طرح بیان کیا ہے جیسے کہ انسان دوسرے انسان کے پاس آئے اور ملاقات کرے الخ۔ اقول: یہاں سے لے کر صفحہ ۱۵۰ تک سید صاحب نے تورات وانجیل کی وہ آیات نقل کیں ہیں جن سے ہمارے مدعا کی تائید ہوتی ہے۔ چونکہ خصم ہماری بات کو تسلیم کرتا جاتا ہے تو ہم کو خواہ مخواہ ان سے تعرض کرنا ضروری نہیں، گو بعض بعض باتیں خلاف تحقیق ہیں۔ قولہ: صفحہ ۱۵۰ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ یہودیوں کا یہ دستور ہے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کے ہر ظہور کو فرشتوں کی وساطت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اقول: یہ تسلیم ہے مگر اس سے تو فرشتوں کے وجود کا ثبوت ہوتا ہے نہ کہ نفی۔ قولہ: اسی لئے وہ فرشتوں کے وجود اصلی کو نہیں مانتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرت کی غیر معلوم قوتوں کا نام فرشتہ رکھا ہے۔

اقول: یہ کس بیوقوف یہودی کا قول ہے کیونکہ فرشتوں کا وسیلہ اور مظہر قدرت وعظمت تسلیم کرنا، پھر ان کا وجود اصلی نہ ماننا اجتماع النقیضین نہیں تو اور کیا ہے؟ خدا تعالیٰ کی قدرت کی غیر معلوم قوتوں کے کیا معنی ہیں؟ قدرت کی قوت ہم نے آج ہی سنی ہے، واہ رے معقولیت۔ قولہ: صفحہ ۱۵۱ اب ہم کو اس بات کی تلاش کرنی ہے کہ قدیم مشرکین عرب کا یعنی اس زمانہ کے عربوں کا جب کہ یہودیوں کا میل جول عرب میں نہ تھا، فرشتوں کی نسبت کیا خیال تھا اور آیا وہ لفظ ملک اور ملائکہ کو انہیں معنوں میں خیال کرتے کہ جن میں یہودی کرتے تھے یا نہیں۔ جہاں تک ہم نے تفتیش کی ہے، قدیم عربوں کا لفظ ملک اور ملائکہ کی نسبت ایسا خیال نہیں کہ جیسا کہ یہودیوں ❶ کا ہے، ثابت نہیں ہوا۔ اقول: آپ کا کلام یہاں تک تو مفید مدعاء جناب ہے، سو اس کا جواب دیتا ہوں مگر یہ جو آگے آپ نے ایک طویل گفتگو کی ہے۔ قولہ: مشرکین عرب بلاشبہ ارواح فلکی کو یا ارواح فرضی کو (ارواح فلکی کیا چیز ہیں، اور ارواح فرضی سے کیا مراد ہے، وہ کیا فرض کر رکھا تھا؟) یا ارواح اشخاصِ متوفی کو بطورِ خدا تعالیٰ پوجتے تھے الخ۔ مگر ان پر بھی لفظ ملک اور ملائکہ کا اطلاق نہیں کرتے تھے، جہاں تک ہم سے ہو سکا، ہم نے اشعارِ جاہلیت پر بھی جس قدر کہ ہم کو دستیاب ہوئے غور کی۔ ہم کو کوئی شعر بھی ایسا نہیں ملا جس میں لفظ ملک اور ملائکہ کا ان ارواحوں پر اطلاق ہو کہ جن کو وہ پوجتے تھے الخ۔ محض لاطائل ہے، نہ آپ کو مفید نہ ہم کو مضر کیونکہ ہم کب اس بات کے قائل ہیں کہ عرب کے لوگ ارواحِ متوفی پر یا اپنے معبودوں پر لفظ ملک بولتے تھے۔ پھر آپ نے ابو عبیدہ کے اشعار بلا فائدہ نقل کر کے کیوں کتاب دراز فرمائی؟

## تیسری دلیل:

اب اپنے کلام مفید کا جواب سنئے! یہ آپ کی تیسری دلیل نفی ملائکہ پر ہے، یہ غلط ہے چند وجہ سے اول تو آپ کا یہ کہنا (کہ قدیم عرب لفظ ملائکہ کو ان معنی پر کہ جس کے اہل ادیان قائل ہیں، استعمال نہیں کرتے) صریح غلط ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اس سے صاف ظاہر ہے کہ مشرکین ان ملائکہ کو جن کی مدح خدا تعالیٰ عباد الرحمن کے ساتھ کرتا ہے، خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اب وہ عباد الرحمن وہی اشخاص تو ہیں کہ جن کو اہل ادیان ملائکہ کہتے ہیں اور اگر یہ نہیں تو وہ اور کیا چیز ہیں کہ جس کو وہ بنات الرحمن یا اناث الرحمن کہتے تھے؟

وجہ اول:......ارواح فلکی ومتوفی پر تو بقول آپ کے وہ یہ لفظ اطلاق ہی نہیں کرتے تھے اور جن کے آپ قائل نہیں اور صفحہ ۱۵۲ میں جو

❶......اس سے مراد اہل سلام کا عقیدہ ہے کیونکہ یہود اور اہل سلام میں ملائکہ کی نسبت چنداں اختلاف نہیں، لیکن سید صاحب یہود کے نام سے حقارت دلانے کے لئے تعبیر کرتے ہیں۔ منہ

آپ نے بلا فائدہ ابوعثمان جاحظ کا قول نقل فرما کر ایک روایت بے اسناد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ قریش کے جن سرداروں کو بنات الرحمن (یعنی خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے) اس آیت کے معارض نہیں ہوسکتی کیونکہ ممکن ہے کہ عرب کے لوگ جن کے سرداروں کو بھی خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہوں اور ملائکہ کو بھی۔

وجہ دوم:...... آپ کا یہ قول: اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عرب ان غیر مرئی چیزوں کو جن کو نیک و پاکیزہ سمجھتے تھے اور جن سے خلقت کو بھلائی اور نیکی پہنچنے کا خیال کرتے تھے، ان کو ملک کہتے تھے انتہی۔ اس قول کی صریح نقیض ہے کیونکہ یہود یا اہل اسلام بھی تو ملائکہ کو غیر مرئی پاکیزہ سمجھتے ہیں۔ پھر وہ کون سی مباینت ہے کہ جس کی وجہ سے آپ فرماتے ہیں۔ قولہ: مگر وہ معنی اور مراد جو ملک کے لفظ سے یہودیوں نے مقرر کئے تھے یا جو زمانہ اسلام کی کئی صدی بعد کی مصنفہ کتب لغت میں لکھ دی گئی ہیں، اس معنی و مراد میں عرب لفظ ملک کا استعمال نہیں کرتے تھے انتہی۔

وجہ سوم:...... آپ کے اختراعی معنی پر تو لفظ ملک کا اطلاق ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہوا، نہ زمانہ جاہلیت کے عرب سے، نہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ سے، نہ کسی اور قوم سے۔ پھر وہ کون سے معنی ہیں کہ جن پر لفظ ملک قرآن میں بولا گیا؟

وجہ چہارم:...... بالفرض اگر یہ بھی صحیح مانا جائے کہ زمانہ جاہلیت کے وہ عرب کہ جن سے یہود و نصاریٰ کا میل جول نہ ہوا تھا۔ لفظ ملک کو معنی مروجہ اسلام پر نہ بولتے تھے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ زیادہ رعایت اس زمانہ کی ہے کہ جس میں قرآن نازل ہوا۔ اس زمانہ کے لوگ خواہ یہود کے میل جول سے یا کسی اور طور سے بلاشک ملک کے یہی معنی مراد رکھتے تھے کہ جو اہلِ اسلام کے نزدیک معتبر ہیں۔

وجہ پنجم:...... اگر یہ بھی نہ ہوتا اور فرض کیا جاتا کہ عرب کے لوگ ملک کے معنی مروجہ سے بالکل ناآشنا تھے مگر اس قدر جانتے تھے کہ غیر مرئی پاکیزہ چیزوں کو ملک کہتے ہیں، تب بھی مدعاء ثابت ہے کیونکہ عرف شرع میں معنی لغوی کی پوری رعایت کچھ ضروری بات نہیں۔ گو قرآن محاورہ عرب میں نازل ہوا ہے مگر بہت سے الفاظ کے معنی شرع نے منقول کر کے ایک نئے طور پر رکھے ہیں۔ دیکھئے! زکوٰۃ اور صلوٰۃ اور صیام کے لغوی معنی اور شرعی معنی میں کس قدر فرق ہے۔ لغت میں زکوٰۃ پاکی اور صلوٰۃ دعا کو اور صیام مطلق بند رہنے کو کہتے ہیں۔ شرع میں زکوٰۃ مال معین کا چالیسواں حصہ ادا کرنا اور صلوٰۃ ارکان مخصوصہ بجالانا اور صیام اکل و شرب و جماع سے طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک باز رہنے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح شرع نے ملک کے معنی میں تصرف کیا ہو تو کیا محال ہے؟ کیا کوئی زکوٰۃ و صلوٰۃ و صیام کے لغوی معنی پر عمل کر کے شرعی فرض سے بری الذمہ ہوسکتا ہے؟ جناب عالی! یہی نکتہ تو آپ کی سمجھ میں نہ آیا:

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

وجہ ششم:...... صفحہ ۴۸ میں آپ خود فرماتے ہیں کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے جو عرب کے بت پرستوں کا تھا الخ۔ اب معلوم نہیں کہ آپ کی دونوں باتوں میں سے کون سی غلط ہے؟ قولہ صفحہ ۱۵۳ قرآن مجید میں کلام مقصود میں کسی جگہ لفظ ملک یا ملائکہ کا اس مراد سے استعمال نہیں ہوا جو مراد کہ یہودیوں نے قرار دی تھی جس کی تفسیر ہم ہر ایک مقام پر لکھیں گے الخ۔ اقول: اگر یہودیوں نے وہی معنی قرار دیئے ہیں کہ جو اہل اسلام نے بلکہ قرآن اور پیغمبر ﷺ نے تو اس معنی پر ملک یا ملائکہ کا اطلاق کلام مقصودی میں مع ان کے صفات و حالات کے اس تفصیل سے مذکور ہے کہ جس کے انکار کی مسلمان کو گنجائش نہیں۔ چنانچہ اس فصل کے اول میں ہم نے وہ آیات نقل کر دی ہیں، ملاحظہ فرمالیجئے! پھر آپ کا یہ کہنا کہ قرآن میں کہیں نہیں، البتہ بڑی دلیری اور بہادری کا کام ہے اگر آپ کو قرآن یاد نہ تھا اور ایک مدت سے آپ نے اس کی تلاوت فضول جان کر چھوڑ دی ہے (اور آپ کیا آپ کے مقلدین بھی اس دولت سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں) تو

کوئی پانچ چھ روپیہ ماہوار کا حافظ ہی رکھ لینا تھا اور اگر یہود نے کوئی اور معنی قرار دیئے ہیں تو آپ جانیں اور آپ کے یہود۔ مارا چہ ازین قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت۔ آپ دل کھول کر یہود غریبوں کا رد کیجئے۔ قولہ: ملائکہ کا اطلاق ان قدرتی قوی پر جن سے انتظام عالم مربوط ہے اور ان شئون ❶ قدرت کاملہ پروردگار جو اس کی ہر ایک مخلوق میں بہ تفاوت درجہ ظاہر ہوتی ہیں، ملائکہ کا اطلاق ہوا ہے۔ سورۃ النازعات سے اس کا بخوبی ثبوت ہوتا ہے۔ اس کے پہلے چار جملوں میں مفسرین میں اختلاف ہے مگر پانچواں جملہ فالمدبرات امرا کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں اور جملہ مفسرین متفق ہیں کہ مدبرات سے ملائکہ مراد ہیں۔ پس اب غور کرنا چاہیے کہ مدبرات سے کیا مراد ہے۔ یہی قوی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے تمام امور عالم کا مدبر مخلوق کیا ہے۔

## چوتھی دلیل:

اقول: یہ آپ کی چوتھی دلیل ہے مگر یہاں سب سے زیادہ غلطیاں ہیں۔

اول: یہ کہ آپ نے اپنے پہلے دعویٰ کو ترک کر دیا۔ پیشتر آپ قائل ہوئے تھے کہ ملائکہ سے مراد خدا تعالیٰ کی صفات ہیں۔ یہاں آپ اس سے اعراض کر گئے اور ملائکہ کو قوی مدبرہ عالم کہنے لگے اور ایک جگہ بلکہ اس سے اگلے صفحہ میں جبرئیل علیہ السلام کو ملکہ نبوت کہہ دیا جس سے یہ لازم آیا کہ جبرئیل علیہ السلام نبی کی ایک صفت قائم بالغیر کا نام ہے۔ اب آپ ہم سے بیان فرمائیے کہ ان تینوں باتوں میں سے کون سی صحیح ہے؟ اگر کوئی کہے کچھ بات نہیں، تینوں سے ایک ہی مراد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تینوں معنی (۱) ملکۂ نبوت (۲) صفاتِ خدا تعالیٰ (۳) قوی مدبر عالم، آپس میں غیر اور مخالف ہیں۔ ملکۂ نبوت جس کو آپ جبرئیل علیہ السلام کہتے ہیں نبی کی صفت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات جو قدیم اور عین ذات ہیں، بندہ کے سب صفات سے جو حادث اور غیر ذات ہیں بالکل غیر ہیں اور اسی طرح قوی مدبراتِ عالم جو نباتات، جمادات، حیوانات، وغیرہا میں پائے جاتے ہیں، ان دونوں سے غیر ہیں۔ اس پریشان بیانی کا کیا ٹھکانہ ہے؟

دوم: آپ کا کبریٰ دلیل مسلم نہیں اعنی، یہ مسلم کہ مدبرات سے مراد ملائکہ ہیں لیکن یہ بات کہ مدبرات قویٰ ہیں غیر مسلم اس کا کچھ ثبوت آپ نے نہیں دیا بلکہ اصل بات یہی ہے کہ مدبراتِ عالم وہی ملائکہ ہیں جو عالم کے لئے ایسے ہیں جس طرح جسم کے لئے روح مدبر ہے۔

سوم: اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ اس جگہ ملائکہ کا اطلاق قویٰ مدبرات عالم پر ہوا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ لفظ حقیقی طور پر بولا گیا ہے بلکہ جائز ہے کہ استعارۃً اطلاق ہوا ہو اور اگر یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ حقیقۃً اطلاق ہوا ہے تو غایۃ الامر یہ لفظ ملائکہ مشترک سمجھا جائے گا۔ جیسا کے لفظ عین کے جس کے معنی آفتاب اور آنکھ اور ذات الشئی اور گھٹنا ہیں؛ ایک معنی میں ایک جگہ استعمال ہونے سے یہ نہیں لازم آتا کہ پھر اس سے دوسرے مسمی کا وجود ہی نہ مانا جائے۔ کیا کوئی شخص عین جاریہ میں چشمہ کے معنی لے کر یہ کہہ سکتا ہے کہ آنکھ اور آفتاب اور گھٹنے کا وجود ہی نہیں؟ حاشا وکلا۔ قولہ: ان آیتوں میں جن کی ہم تفسیر لکھتے ہیں، کلام مقصود صرف اس قدر ہے کہ جو شخص اس وحی کا عدو ہو جو خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے دل میں ڈالی ہے الخ۔ اقول: یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے، علاوہ اس کے اس آیت (مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ) میں جبرئیل سے وحی ❷ مراد لینا آپ کے اس قول کے مخالف ہے۔ قولہ: اس سے پایا جاتا ہے کہ جس شئی کو یہود جبرئیل علیہ السلام سے تعبیر کرتے تھے، وہ کوئی جداگانہ مخلوق مع تشخصہ نہ تھی

---

❶ شئون قدرت تو آپ نے صوفیہ کے ہاں سے خوب اڑایا، انہیں لفظوں سے تو بہت سادہ لوح آپ کو اس صدی کا پیغمبر سمجھنے لگے۔ ابوالحسن حقانی۔

❷ ...الی صل جبرئیل علیہ السلام کو وحی ڈالنے اور پہنچانے والا قرار دے کر پھر اس کو وحی کہنا (یعنی کلام منزل) عاقل کی شان سے بعید ہے اور پھر جبرئیل کو ملکہ نبوت کہہ دینا ان دونوں معنی کے خلاف ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کے آپ نے تین معنی بیان کئے (۱) وحی (۲) وحی کا پہنچانے والا (۳) ملکہ نبوت۔ حضرت سلامت! کسی بات پر قرار بھی ہے؟ منہ۔

کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بے شبہ اس نے (یعنی جبرئیل علیہ السلام نے) ڈالا ہے تیرے دل ❶ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے (وہ کلام جو) سچ بتاتا ہے اس چیز کو جو اس سے پیشتر ہے الخ۔ کیونکہ وحی اور باعث وحی ایک چیز نہیں ہوسکتی۔ اب معلوم نہیں کہ آپ کے دونوں قولوں میں سے کون سا غلط ہے؟ **قولہ:** فرشتوں کی دشمنی بیان کرنے کے بعد جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام کا بالتخصیص نام لینا گویا یہود کے خیالات کا اعادہ ہے اور وہ نام مقصود بالذات نہیں ہیں کیونکہ اگر یہودیوں کا یہ خیال نہ ہوتا تو غالباً وہ نام نہ لئے جاتے۔ **اقول:** یہ آپ کی پانچویں دلیل ہے۔ قیاس استثنائی سے آپ نے یہاں کام لیا۔ واہ کیا کہنے ہیں، استدلال اسی کا نام ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ تعیم کے بعد تخصیص کرنا ملزوم اور اعادہ خیال یہود لازم مقدم پایا گیا، تالی بھی پائی گئی مگر یہ تو فرمائے کہ یہاں کونسا ملازمہ ہے، عقلیہ یا عادیہ؟ یا کوئی جدید ملازمہ ہے۔ اے جناب! ہزار ہا بار آپ نے بھی اپنے کلام میں عام لوگوں کا ذکر کر کے پھر تخصیص کی ہوگی، پھر کیا آپ نے بھی یہود کے خیال کا اعادہ کیا تھا؟ اب ذرا گوش ہوش سے سنئے! عام کے بعد خاص لوگوں کا ذکر کرنا، ان کے شرف اور فضیلت کے لئے فصحاء کے کلام میں اکثر وارد ہوتا ہے۔ وہاں یہود کا خیال بھی نہیں ہوتا، اعادہ خیال چہ معنی دارد؟ مگر آپ کے دل میں یہود ایسے بسے ہیں کہ جدھر دیکھئے یہود ہی دکھائی دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں جس قدر انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور غیر مرئی چیزوں کا ذکر جبرئیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام، ملائکہ، اور شیطان اور جن اور جنت و دوزخ کی کیفیت ثواب و عذاب بلکہ آسمان اور وجود آدم علیہ السلام جو کچھ مذکور ہے، آپ کے زعم میں یہود کے خیالات کا اعادہ ہے اور اسی طرح جو کچھ قرآن کی تفاسیر میں مذکور ہے، وہ بقول منشی چراغ علی ❷ صاحب یہود کے بے اصل قصے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ گویا قرآن اور اس کی تفاسیر لغو اور بے اصل قصوں کی پوٹ ہیں۔ سچے، ایماندار کی شان سے ایسے خیالات فاسدہ نہایت بعید ہیں۔ **قولہ:** پس ان دونوں کے نام قرآن مجید میں آنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ درحقیقت اس نام کے دو فرشتے مع تشخصہما علیحدہ علیحدہ ایسے ہی مخلوق ہیں جیسے کہ زید و عمرو۔ **اقول:** یہ پس آپ کا جب صحیح ہوتا کہ پیشتر کچھ ثابت کر چکتے ورنہ اس پس سے جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام جملہ ملائکہ کے وجود کی نفی نہیں ثابت ہوتی۔ ہاں آپ کا منکرِ ملائکہ و منکرِ جبرئیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام ہونا ثابت ہوگیا۔

**جبرئیل علیہ السلام ملکۂ نبوت ہے جو باعث وحی ہے:**..... **قولہ:** صفحہ ۱۵۲ پس درحقیقت یہودی جس کو جبرئیل کہتے ہیں اور جس کا نام حکایتاً خدا تعالیٰ نے بیان کیا ہے، وہ ملکہ نبوت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا جو وحی کا باعث تھا۔

**جبرئیل علیہ السلام وحی کا نام ہے:**..... اگر آپ کا یہ قول سچ ہے تو اس سے پہلا یہ قول: **قولہ:** ان آیتوں میں جن کی تفسیر ہم لکھتے ہیں۔ کلام مقصود صرف اس قدر ہے کہ جو شخص اس وحی کا عدو ہوا لخ۔ بالکل غلط ہے کیونکہ جب اس کلام میں من کان الخ میں آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے وحی مراد لی تو ملکہ نبوت جو بقول آپ کے باعث وحی ہے، مراد لینا صاف غلط ہوا۔ کجا وحی، کجا ملکہ نبوت، باعث وحی ایک سبب، دوسرا مسبب یا ایک علت، دوسرا معلول دونوں میں تغایر ذاتی، یہ پس بھی آپ کا پہلے پس کا بھائی ہے۔

---

❶ ... اس آیت میں آپ کو قلب پر ڈالنے کے لفظ سے مغالطہ ہوگیا اور آپ یہ سمجھ بیٹھے کہ فرشتے یا جن کو قلب تک رسائی نہیں حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے لطیف چیزوں کی ہر جگہ رسائی ہے۔ تسلط جن کی صورت میں جاہل لوگوں کو عالمانہ باتیں کرتے دیکھا ہے۔ منہ۔

❷ ... منشی چراغ علی صاحب لکھنوی خلیفہ سید صاحب تہذیب الاخلاق مطبوعہ یکم ربیع الاول ۱۲۹۳ ہجری، جلد ہفتم نمبر ۳، صفحہ ۲۶ و ۲۷ وغیرہا میں فرماتے ہیں: وہ مفسرین کبھی تاریخانہ تحقیقات پر متوجہ نہیں ہوتے۔ وہ جو شام کیکسی لڑائی میں ایک بار شتر یہود کے قصے کہانیوں کا مل گیا تھا، وہی ان کا مایہ بساط ہے، انتہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ اوراق تعرات کے لائق تھے، ان کا پڑھنا تو اسلامیوں کو گوارا نہ ہوا چہ جائیکہ اس بار شتر کو مایہ دین بنا دیں ولوسلم پھر آپ کو یہ کیونکر معلوم ہوگیا کہ اس میں سراسر بے اصل قصے تھے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ اصل صحیفے تورات و انجیل و نامہ حواریوں کے وہی ہوں کہ جن کی وجہ سے آج تک اہل کتاب کو تورات و انجیل کا ہزار برس کا لکھا ہوا نسخہ بھی نہیں دستیاب ہوا۔ پس اس بناء پر تو مفسرین صحابہ رضی اللہ عنہم بڑے محققین تھے، نہ کہ آپ جن کے عہد میں کوئی صحیح نسخہ بھی بائبل کا نہیں۔ حقانی

**جبرئیل علیہ السلام درحقیقت کسی فرشتے کا نام نہیں:**......ان وجوہات سے یہ بات کہ جبرئیل علیہ السلام درحقیقت کسی فرشتے کا نام ہے ،ثابت نہیں ہوتی۔ **اقول:** وہ کون سی وجوہات ہیں۔ ذرا بیان تو کیجئے ورنہ آپ ہی پس پس کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ **قولہ:** کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ باوجودیکہ خدا تعالیٰ کے پاس ان دو فرشتوں کے سوا اور بھی بہت سے فرشتے ہیں مگر بجز دو فرشتوں کے اور سب بے نام ہیں کیونکہ اور کسی کا نام قرآن میں نہیں الخ۔ ان سب باتوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ فرشتوں کے نام یہودیوں کے مقرر کئے ہوئے ہیں جو مختلف قویٰ کی تعبیر کرنے کو انہوں نے رکھ لئے تھے۔

**دلیلِ ششم:**......**اقول:** یہ آپ کی چھٹی دلیل ہے، یہ سب سے زیادہ غلط ہے۔

**اول:** یہ کہ قرآن میں علاوہ ان کے اور فرشتوں کے بھی نام ہیں جیسا کہ زبانیہ اور ملک۔

**دوم:** قرآن میں اگر ملائکہ کے نام کی فہرست ہوتی تو آپ کا یہ اعتراض کہ اس فہرست میں دو کے سوا اور کا کیوں نام نہیں، کچھ وقعت نہیں رکھتا بلکہ یہ چند اسماء بھی اس وجہ سے مذکور ہوئے کہ ان کے ذکر کا موقع آ گیا تھا یا یہ کہ لوگوں میں متعارف اور مشہور تھے اور اگر کل ملائکہ کا نام ذکر کرتے تو (علاوہ) اس بات کے کہ قرآن کی صدہا جلدیں ہو جاتیں اور قرآن سے جو ہدایت خلق مقصود اصلی ہے فوت ہو جاتا، لوگوں کو نئے نئے نام سن کر عجیب وحشت ہوتی۔

**سوم:** کسی چیز کے نام مذکور نہ ہونے سے اس کے وجود کی نفی لازم نہیں آتی۔ فوجی دفتر میں آپ کا نام مرقوم نہیں، کیا اس سے آپ کے وجود میں کچھ خلل آ گیا؟۔

**چہارم:** اگر آپ کا نتیجہ اور تعجب بھی تسلیم کیا جائے تو یہ لازم آئے کہ جبرئیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام یہودی لوگوں کی زبان کے نام ہیں (یعنی عبرانی کے) لیکن یہ نہیں لازم آتا کہ ان اسماء کی مسمیات کا وجود اصلی یہود کے نام رکھنے سے پیشتر نہ تھا بلکہ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ قدیم ❶ چیزوں کے نام ہر زمانے اور ہر قوم میں بدلتے رہتے ہیں۔ دیکھئے! پرانے شہروں اور پہاڑوں کے نام کس طرح بدلتے جاتے ہیں (دہلی کا نام قدیم اندرپت تھا، پھر دہلی ہوا، پھر شاہجہاں آباد مشہور ہوا۔ اسی طرح الہ آباد کو پہلے زمانہ میں پراگ اور بنارس کو کاشی کہتے تھے اور اسی طرح آگ اور پانی وغیرہ عناصر کے ہر زبان میں جدا جدا نام ہیں) پس اسی طرح ممکن ہے کہ جملہ ملائکہ اور جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام کا ملاءاعلیٰ میں اور نام ہو اور یہود سے پہلے آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے زمانے میں کچھ اور ہو لیکن عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہی جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام شہرت پا گیا ہو۔ پھر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہود سے پیشتر ان کا وجود ہی نہ تھا۔

## جو الفاظ خدا تعالیٰ کی صفات پر بولے جاتے تھے انہیں کو فرشتوں کے نام سمجھنے لگے:

**پنجم:**...... یہ بیان آپ کا کہ فرشتوں کے نام یہودیوں نے مختلف قویٰ کی تعبیر کرنے کو رکھ لئے، مخالف ہے آپ کے اس قول کے:

**قولہ:** صفحہ ۱۴۱ بہر حال ہم کو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو الفاظ صفات باری تعالیٰ پر مستعمل ہوئے تھے، آخر کو انہیں الفاظ کو فرشتوں کا نام سمجھنے لگے، انتہی۔ اب دونوں میں سے ایک قول کو ضرور غلط ماننا پڑا۔ معلوم نہیں کہ کونسی تحقیق آپ کی درست ہے؟

**ششم:**...... اگر یہ دونوں مخالف قول آپ کے تسلیم علی سبیل فرض محال کر لئے جائیں تو آپ کی یہی دلیل آپ کے مدعا کی نفی کے واسطے کافی ہے یعنی ہم آپ کے کلام سے آپ پر یوں معارضہ کرتے ہیں اگر ان الفاظ سے خدا تعالیٰ کی صفات کو یا قویٰ مدبرۂ عالم کو تعبیر کیا

---

❶......قدیم سے مراد یہاں قدیم عرفی ہے نہ قدیم ذاتی نہ قدیم زمانی۔ منہ

ہے تو کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ باوجودیکہ خدا تعالیٰ کی بے نہایت صفات اور عالم کے بے نہایت قوی ہیں۔ مگر بجز دو صفات یا دو قوی کے اور سب بے نام ہیں کیونکہ کسی اور کا نام قرآن میں نہیں آیا۔ ان باتوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ یہ نام ملائکہ کے ہیں، کتب مقدسہ میں ان کو حسب موقع ذکر کیا ہے۔ اب دہریے ناحق انکار کرتے ہیں۔ اب ہم صفحہ ۴۶ وغیرہا میں جو کچھ آپ نے قصہ آدم کی نسبت ارشاد فرمایا ہے۔ اس کو میزان صحت میں تولتے ہیں۔ **قولہ:** صفحہ ۴۶ واذ قال ربک اس آیت سے وہ ذکر شروع ہوا ہے جو آدم کا قصہ کہلاتا ہے۔ تمام مفسرین اس کو ایک واقعی جھگڑا یا مباحثہ سمجھتے ہیں جو خدا تعالیٰ اور فرشتوں میں ہوا ہے الخ۔ **اقول:** یہ آپ کا بہتان صریح ہے اہل سلام میں سے کوئی مفسر ذی علم تو کیا ادنیٰ مسلمان بھی نہیں سمجھتا کہ فرشتوں نے خدا تعالیٰ سے مباحثہ یا جھگڑا کیا تھا کیونکہ خدا تعالیٰ فرشتوں کی نسبت فرماتا ہے: لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ کیا فرشتوں کا استفہام کرنا جھگڑا ہے؟ آپ ایسی بے بنیاد باتوں سے جملہ علماء اہل سلام کو بے اعتبار بنانا چاہتے ہیں۔ **قولہ:** صفحہ ۴۷ یہی حال فرشتوں کی نسبت کا ہوا ہے۔ ان کو نوری سمجھ کر گورا گورا سفید برف کا رنگ، نوری شمع کی مانند باہیں، بلور کی سی پنڈلیاں، ہیرے کے سے پاؤں، ایک خوبصورت انسان کی شکل، نہ مرد، نہ عورت تصور کیا ہے الخ۔ حاصل کلام کا یہ کہ فرشتوں کو نادیدہ جسمانی چیزوں پر خیال کرلیا ہے اور وہ خیال نسل درنسل چلا آیا ہے۔ دراصل فرشتے کوئی وجود نہیں رکھتے۔ **اقول:** یہ تمام گفتگو آپ کی شاعرانہ تک بندی ہے۔ نہ کوئی مسلمان ان کو بلور کی مانند نہ ہیرے کی مانند سمجھتا ہے، ہاں آپ نے ابتدائے عمر میں سمجھا ہو تو سمجھا ہو۔ **قولہ:** آسمان ان کے رہنے کی جگہ قرار دی ہے، آسمان سے زمین پر آنے اور زمین سے آسمان پر جانے کے لئے ان کے پر لگائے الخ۔ کسی کو صور پھونکتا خیال کیا ہے۔ اب یہ اعتراض آپ کو خدائے پاک پر ہے کہ جس نے ان کو اولی اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ بتایا ہے۔ **قولہ:** بعض اقوام نے جو زیادہ غور و فکر کی ہے تو ان کے لئے نہ جسم مانا اور نہ ان کا متحیز ہونا تسلیم کیا ہے الخ۔ **اقول:** البتہ بعض فلاسفہ بے دین اس بات کے قائل ہوئے ہیں جیسا کہ اس کا ذکر آتا ہے لیکن اہلِ اسلام بلکہ اہلِ کتاب میں سے یہ کسی کا عقیدہ نہیں۔ اسلامیوں میں سے ان کی تقلید اول آپ ہی نے کی ہے

قتل عشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا ☆ پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا

**قولہ:** صفحہ ۴۸ عام مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو عرب کے بت پرستوں کا تھا۔ **اقول:** اگرچہ یہ تشبیہ آپ کی اس مقام پر بغرض اہانت عقیدہ اہل اسلام ہے مگر یہ قول آپ کے اس قول کے رد کے لئے کافی ہے جو آپ نے (صفحہ ۱۵۱ میں) فرمایا ہے۔ اب ہم کو اس بات کی تلاش کرنی ہے کہ قدیم مشرکین عرب کا الخ فرشتوں کی نسبت کیا خیال تھا الخ یہاں تک ہم نے تفتیش کی ہے، قدیم عربوں کا لفظ ملک اور ملائکہ کی نسبت ایسا خیال جیسا کہ یہودیوں کا ہے، ثابت نہیں ہوا الخ اور صفحہ ۱۴۰ میں آپ اہلِ اسلام اور یہود کا عقیدہ فرشتوں کی بابت یکساں فرماتے ہیں۔

**قولہ:** قرآن مجید میں بھی ان کا استعمال اسی طرح پر ہوا ہے جس طرح کہ یہودی خیال کرتے تھے الخ جب اہل اسلام اور یہود کا ملائکہ کی نسبت یکساں اعتقاد ہوا اور مسلمانوں کا اعتقاد عرب کے بت پرستوں کی مانند ہوا تو تینوں گروہوں کے اعتقاد یکساں ہوئے۔ پھر آپ کس دلیل سے فرماتے ہیں کہ جہاں تک ہم نے تفتیش کیا عرب کے مشرکین کے اعتقاد کو یہود کی مانند پایا؟ اور وہ کون سا لفظ مشرکین عرب کی زبان میں بجز لفظ ملک کے مروج تھا کہ جس سے وہ اپنے عقیدہ کو ملائکہ کے بارے میں اہل اسلام کے عقیدہ کے مانند تعبیر کرتے تھے؟ الغرض ہم کو آپ کی اب کسی تحقیق کا اعتبار نہ رہا، کبھی آپ کچھ کہتے ہیں، کبھی اس کے برخلاف فرماتے ہیں۔ آپ کی تیرہویں صدی کے بڑے محقق ہونے کے لئے یہی دلیل کامل ہے۔ دوم: یہ قول آپ کا (مشرکین کے اعتقاد کی مانند اہل اسلام کا اعتقاد فرشتوں کی نسبت ہے) قرآن مجید کے برخلاف ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا۔ دیکھئے۔ مشرکین ملائکہ کو اناث

کہتے تھے، اہل اسلام نہیں کہتے۔ یہ کس قدر مخالفت ہے۔ قولہ: صفحہ ۴۹ قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے، ثابت نہیں ہوا، الخ۔ اقول: یہ قول آپ کا دو گواہوں سے رد ہے:

اوّل: تو قرآن مجید کی وہ بے شمار آیات کہ جن کو ہم نے صدر فصل میں نقل کیا ہے، مسلمانوں کے عقائد پر بعبارۃ النص دال ہیں۔

دوم: آپ خود فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ملائکہ کا استعمال اسی طرح ہوا ہے کہ جس طرح یہودی خیال کرتے تھے اور ہمارے ہاں کے علماء نے یہودیوں کی تقلید کی۔ اب معلوم نہیں آپ کے دونوں قولوں میں سے کونسا غلط ہے؟ قولہ: صفحہ ایضاً بلکہ برخلاف اس کے پایا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ یعنی کافروں نے کہا: کیوں نہیں بھیجا پیغمبروں کے ساتھ فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ بھیجتے تو بات پوری ہو جاتی اور ڈھیل میں نہ ڈالی جاتی اور اگر ہم فرشتہ ہی پیغمبر کرتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور بلاشبہ ان کو ایسے ہی شبہ میں ڈالتے جیسا کہ اب شبہ میں پڑے ہیں۔ اس آیت میں پایا جاتا ہے کہ فرشتے نہ کوئی جسم رکھتے ہیں اور نہ دکھائی دے سکتے ہیں۔ ان کا ظہور بلاشمول مخلوق موجود کے نہیں ہو سکتا الخ۔ اقول:

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی!
کیں راہ کہ تو می روی بہ ترکستانست

جناب عالی! اس آیت سے تو بہ چند وجوہ ملائکہ کا مجسم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اول: یہ کہ کفار کا یہ درخواست کرنا کہ پیغمبر کے پاس فرشتے وحی لاتے ہوئے دکھائی کیوں نہیں دیتے، پھر خدائے پاک کا یہ سبب بیان کرنا (کہ فرشتے کا دکھائی دینے جانا تمہارے حق میں بہتر نہیں) صاف دلالت کرتا ہے کہ فرشتے مجسم ہو کر دکھائی دے سکتے ہیں اور اگر ممکن نہ ہوتا تو آسان جواب یہی تھا کہ ارے احمقو! فرشتہ بھی کوئی دکھائی دینے والی چیز ہے؟ دوم: یہ قضیہ شرطیہ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا بہت اچھی طرح پر دلالت کرتا ہے کہ فرشتہ آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ خود آپ فرماتے ہیں کہ ظہور بلاشمول مخلوق نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بشمول مخلوق تو ظہور ہو سکتا ہے۔ آپ نے کہاں سے یہ بات اس آیت سے ثابت کر لی کہ فرشتہ کوئی جسم نہیں رکھتا یا دکھائی نہیں دے سکتا۔ ذرا اس ثبوت کی تشریح تو فرما دیجئے۔ قولہ: جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے، ان کا کوئی اصل وجود ہو نہیں سکتا بلکہ خدا تعالیٰ کے بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا تعالیٰ نے مخلوق میں رکھی ہے، ملک یا ملائکہ کہتے ہیں۔ اقول: یہاں اور معنی آپ نے بیان فرمائے۔ ظہور قدرت اور قدرت میں بڑا فرق ہے، ظہور قدرت کو صفت باری تعالیٰ نہیں کہتے۔ آپ کے نزدیک ملائکہ صفات باری نہیں، پھر صفات کہنا اجتماع النقیضین ہے۔ آپ نے زور لگا کر قرآن سے یہ آیت نفی وجود ملائکہ کے لئے نکالی تھی، الٹی وہی دلیل آپ کے برخلاف نکلی۔

دل و دیدہ اپنے جو یار تھے ہمیں بحر غم میں ڈبا گئے
ہمیں جن سے چشم امید تھی وہی آنکھ ہم سے چرا گئے

آپ صوفیہ علیہ الرحمہ کے کلام سے مدعا ثابت کیجئے کیونکہ ان کے کلام میں تاویل کو بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ قولہ: بعض اکابر اہل اسلام کا بھی یہی مذہب ہے جو میں کہتا ہوں اور امام محی الدین ابن العربی نے فصوص الحکم میں یہی مسلک اختیار کیا ہے الخ۔

اقول: حاشا وکلا کسی اکابر اہل اسلام کا ایسا عقیدہ نہیں، نہ حضرت شیخ محی الدین نے یہ مسلک اختیار کیا ہے، نہ کسی اور نے۔ حضرت شیخ نے فصوص الحکم اور دیگر تصانیف میں ملائکہ کا وہی وجود تسلیم کیا ہے جس طرح کہ جمہور اہل اسلام نے تسلیم کیا۔ بالفعل میرے سامنے فتوحات

مکیہ حضرت شیخ" کی تصنیف رکھی ہے، اس میں بیشمار مواقع میں شیخ نے ہمارے موافق بیان کیا ہے۔ چنانچہ جلد سوم، باب ۳۶۹، صفحہ ۴۸۲ و ۴۸۳ میں یوں فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالیٰ لما خلق الارواح الناریۃ اعنی الملائکۃ والجان شرك بینھما فی امر وھوا الاستتار عن اعین الناس مع حضور ھم معھم فی مجالسھم وحیث کانوا وقد جعل اللہ بینھما وبین اعین الناس حجابا مستورًا فلا نراھم الا اذا شاء وا ان یظھروا النا الخ والملائکۃ رسل من اللہ الی الانسان موکلون بہ حافظون کاتبون افعالنا والشیاطین مسلطون علی الانسان بامر اللہ الخ ولا یطلق علی ارواح اسم جن الا لاستتارھم الخ الجنۃ من الملائکۃ ھم الذین یلازمون الانسان ویعاقبون فینا باللیل والنھار ولا نراھم عادۃ فاذا اراد اللہ عزوجل ان یراھم من یراھم من الانس من غیر ارادۃ منھم لذلك رفع اللہ الحجاب عن عین الذین یرید اللہ ان یدرکھم فیدرکھم وقد یامر اللہ الملك والجن بالظھور لنا فیتجسدون لنا فنراھم او یرفع اللہ الغطاء منا فنراھم رای العین وقد نراھم اجسادًا علی صور وقد نراھم لا علی صور بشریۃ بل نراھم علی صورھم فی انفسھم کما یدرك کل واحد منھم نفسہ وھو صورتہ التی ھو علیھا فان الملائکۃ اصل اجسامھا نور والجان نار مارج والانس ماء وتراب ولکن کما استحال الانس عن اصل ما خلق منہ کذلك الملك والجان عن اصل ما خلقا منہ الی ما ھما علیہ من الصور وفی صفحۃ اعلم ان اللہ تعالیٰ ما جعل للارواح اجنحۃ الا للملائکۃ منھم لانھم السفراء من حضرۃ الامر الی خلقہ فلا بد لھم من اسباب یکون لھم بھا النزول والعروج فان موضع الحکمۃ تقتضی ھذا فجعل لھم اجنحۃ علی قدر مراتبھم فی الذی یسیرون بہ من حضرۃ الامر او یعرجون الیہ من حضرۃ الخلق فھم بین الخلق والامر ینزلون ولذلك قالوا وما نتنزل الا بامر ربك انتھی۔

ترجمہ: خدا تعالیٰ نے جب کہ ارواح ناریہ اور نوریہ یعنی جن اور ملائکہ کو پیدا کیا تو دونوں کو پوشیدہ ہونے میں شریک کر دیا کہ وہ باوجودیکہ لوگوں کی مجلس میں آتے اور ان کے ساتھ ہر وقت حاضر رہتے ہیں مگر دکھائی نہیں دیتے اور خدا تعالیٰ نے ان میں اور لوگوں کی نظروں میں پردہ ڈال دیا ہے پس ان کو ہم دیکھ نہیں سکتے مگر جب کہ وہ خود دکھانا چاہیں الخ۔ اور ملائکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے پیغامبر اور محافظ ہیں کہ ہمارے اعمال لکھتے ہیں اور شیاطین بھی انسان پر بحکم الٰہی مسلط ہیں الخ ارواح پر لفظ جن اطلاق نہیں ہوتا مگر پوشیدہ رہنے کی وجہ سے پس ملائکہ میں سے وہ جن ہیں کہ جو آدمی کے ساتھ ہر وقت رہتے اور رات دن میں یکے بعد دیگرے اس پاس آتے جاتے ہیں اور ہم ان کو عادۃً دیکھتے نہیں پس جب خدا تعالیٰ کسی آدمی کو دکھانا چاہتا ہے تو حجاب اٹھا دیتا ہے پس وہ شخص ان کو دیکھ لیتا ہے اور کبھی ملائکہ اور جن کو حکم دیتا ہے تو ہم کو مجسم ہو کر عیاناً دکھائی دیتے ہیں اور کبھی ہم ان کو انسان کی صورت میں دیکھتے ہیں اور کبھی ان کی اصلی صورت میں جس طرح کہ وہ اپنے آپ کو اپنی اصلی صورت میں دیکھتے ہیں کیونکہ ملائکہ کا اصل جسم نورانی اور جن کا آتشی ہے اور آدمی کا خاک اور پانی ہے لیکن جس طرح آدمی اپنی اصل سے مستحیل ہو کر اس صورت میں آ گیا، اسی طرح جن اور فرشتہ اپنی اصل مادہ سے مستحیل ہو کر اس صورت پر آ گیا۔ واضح ہو کہ بعض ملائکہ کے لئے خدا تعالیٰ نے بازو بنائے ہیں کیونکہ حضرتِ امر سے حضرتِ خلق کی طرف سفیر ہیں تو ان کے لئے وہ اسباب ضرور ہو نے چاہئیں کہ جن سے چڑھ اور اتر سکیں کیونکہ حکمت کا یہی مقتضیٰ ہے پس ان کے لئے بازو ان کے مراتب کے موافق بنا دیئے کہ جن کی وجہ سے چڑھتے اور اترتے اور آتے جاتے ہیں اور اسی لئے کہتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں اترتے۔ اب آپ نے جس قول سے سند پکڑی ہے، چلئے اسی میں ہمارا آپ کا فیصلہ ہے، دیکھئے وہ کیا فرماتے ہیں۔ ان کا قول آپ نقل کیجئے۔

**قولہ: صفحہ ۵۰ قال الشیخ رضی اللہ عنہ فی فصوص الحکم وکانت الملائکۃ من بعض قوی تلک الصورۃ التی ھی**

صورة العالم المعبر عنه فی اصطلاح القوم بالانسان الکبیر انتھی۔ اقول: حضرت شیخ کا یہ قول آپ کی سند ہے۔ آپ غور فرمایئے کہ یہ سند آپ کے مدعاء کو ثابت کرتی ہے یا مٹاتی ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ صورت عالم کہ جس کو صوفیہ کرام کی اصطلاح میں انسان کبیر کہتے ہیں، اس کے ملائکہ مجموعہ قویٰ میں داخل ہیں۔ یعنی عالم کے تمام کاروبار ملائکہ کے نہیں ہو سکتے جس طرح کے انسان کے کاروبار اس کے قویٰ کے بغیر نہیں انجام پاتے۔ پس ملائکہ عالم کے لئے بمنزلہ قویٰ کے ہیں، چنانچہ اس قول میں اس کی تصریح ہے:

قولہ قال الشیخ رضی اللہ فکانت الملائکة لہ کا لقوی الروحانیة والحسیة التی فی نشأة الانسان... الخ یعنی شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ عالم کبیر کے لئے ایسے ہیں کہ جس طرح قویٰ روحانیہ وحسیہ ہیں انسان کے لئے۔ جس طرح انسان کے لئے قویٰ روحانیہ وحسیہ مدبرہ متصرف ہیں، اسی طرح ملائکہ عالم کے لئے۔ جس قدر قول حضرت شیخ کا اس بارہ میں آپ نے مفید مدعا جان کر نقل کیا وہ یہی دو جملے ہیں، باقی تو انسان کے قویٰ کی تشریح ہے۔ ان دونوں جملوں کا مطلب آپ نے جو لکھا ہے، اس میں آپ نے تصرف ❶ بھی کیا مگر پھر بھی آپ کا مدعا ثابت نہ ہوا کیونکہ کاف تشبیہ (جس کا ترجمہ آپ نے یوں بھی لکھا ہے ۹ قولہ صفحہ ۵۱ شیخ رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں کہ وہ قویٰ جن کو ملائکہ کہتے ہیں، انسان کبیر یعنی عالم کے لئے ایسے ہیں جیسے انسان کے لئے قویٰ ہیں انتہیٰ، صاف کہہ رہا ہے کہ ملائکہ عالم کے لئے بمنزلہ قویٰ کے ہیں، نہ یہ کہ دراصل ملائکہ کا کوئی وجود جداگانہ نہیں۔ خود عالم کے قویٰ جاذبہ ونامیہ وغیرہا ہی ملائکہ ہیں۔ سید بہادر! یہ قول شیخ کا اس دلیل سے ثبوت ملائکہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس کا ہم نے شروع فصل میں ذکر کیا تھا یعنی، اس عالم کو مبدء فیاض سے بتوسط ملائکہ فیضان ہوتا ہے۔

ہر جزء عالم پر ایک فرشتہ موکل ہے کہ جس کو رب النوع کہتے ہیں۔ جو کچھ عالم میں تصرفات ہو رہے ہیں، وہ سب ملائکہ کی معرفت ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت شیخ ملائکہ کو انسان کبیر یعنی عالم کے لئے بمنزلہ ارواح کے کہتے ہیں۔ اب اس سے ملائکہ کا ثبوت پایا گیا نہ کہ نفی۔ آپ نے شیخ کے کونسے جملے سے یہ سمجھ لیا کہ ملائکہ کے لئے وجود جداگانہ نہیں؟ اب کان کھول کر سنئے! یہ کلام ہمارے مدعا کو مفید ہے چند وجہ سے:

اول: یہ کہ حضرت شیخ انسان کبیر یعنی عالم کو انسان کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور جس طرح اس میں قویٰ ہیں، اس طرح عالم کے لئے بمنزلہ قویٰ کے کہتے ہیں۔

دوم: اگر ملائکہ سے مراد قویٰ ہیں تو مشبہ اور مشبہ بہ کا اتحاد لازم آئے جو بدیہی البطلان ہے اور یہ قول حضرت شیخ کا فالملائکة کا لقوی درست نہ ہوگا۔

سوم: اگر یہ تشبیہ بھی نہ لحاظ کی جائے تب بھی کوئی قرینہ صارفہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس سے ان آیات کو (کہ جن میں ملائکہ کا وجود جداگانہ اور ان کے افعال مذکور ہیں) مجاز پر محمول کیا جائے اور تمام کتب سماویہ اور احادیث نبویہ کو تحریف کیا جائے۔

چہارم: صوفیہ کرام بعد تسلیم کرنے معانی ظاہرہ قرآنِ مجید کے اس میں سے اشارۃً حقائق ومعارف پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن کے معنی ظاہرہ مراد نہیں۔ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام و یوسف علیہ السلام کے قصہ کو روح ونفس پر محمول کرنے سے حضرت یعقوب و یوسف علیہ السلام کے وجود کی نفی ہو سکتی ہے؟ حاشا وکلا اور اگر یہی ہو تو پھر قرآن واحادیث کا کچھ بھی اعتبار نہ رہے، شریعت کا کوئی مسئلہ ثابت نہ ہو سکے۔

---

❶ ...... وہ تصرف بے جا یہ ہے کہ شیخ نے یوں فرمایا کہ فکانت الملائکة لہ کالقوی الروحانیة والحسیة۔ آپ نے یہ جملہ اپنی طرف سے شیخ کے کلام کو اپنے موافق کرنے کے لئے بڑھا دیا دمی حذا: قولہ وہ قویٰ جن کو ملائکہ کہتے ہیں انتہیٰ۔ حالانکہ شیخ کے کسی جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قویٰ جن کو ملائکہ کہتے ہیں، علاوہ اس کے شیخ ملائکہ کو قویٰ سے تشبیہ دیتے ہیں، پھر اگر وہ ملائکہ کو قویٰ کہہ دیں تو مشبہ مشبہ کا ایک ہونا لازم آجائے جو بدیہی البطلان ہیں۔ حقانی۔

پنجم: اگر ہم سید صاحب کے فہم رسا کے موافق حضرت شیخ کے کلام کا یہی مطلب تسلیم کر لیں تو پھر سید صاحب کے حق میں اچھا نہ ہوگا کیونکہ بڑے زور وشور سے سید صاحب ملائکہ کو صفات باری ❶ کہہ چکے ہیں اور حضرت جبرئیل ؑ کو کبھی وحی اور کبھی ملائکہ نبوت باعث وحی بنا چکے ہیں، پھر اب ان کو قویٰ عالم کہنا (جو صفات باری سے مغائر ہیں) اجتماع الضدین کا قائل ہونا ہے۔ قولہ صفحہ ۵۱ پس شیخ اور ان کے متبع بھی ملائکہ کا اطلاق صرف قویٰ عالم پر کرتے ہیں الخ۔ اقول: سید صاحب! اب بھی منہ سے ایسی بات نکالی بڑی شرم کی بات ہے۔ ضد کرنا اہل انصاف کی شان سے بعید ہے۔ قولہ صفحہ ۵۱ شیطان کی نسبت تو قیصری شرح فصوص میں نہایت صاف صاف وہی بات لکھی ہے جو ہم نے کہی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ بعض نے ایسی بات کہی ہے کہ انسان کبیر یعنی عالم میں جو قوتِ وہمیہ کلیہ ہے، وہی ابلیس ہے اور ہر ایک انسان میں جو قوت وہمیہ ہے، وہی ابلیس کی ذریات ہیں۔ اقول: اس کا وہی جواب ہے جو اب بیان ہوا۔ اس کو غور سے پڑھ لیجئے۔ قولہ خدا تعالیٰ ❷ نے فرمایا کہ جو وسوسے دل میں آتے ہیں، ہم ان کو جانتے ہیں۔ اقول: اس سے شیطان معہود کی نفی کیونکر سمجھی گئی؟ قولہ اور فرمایا ہے: نفس ہی برائی کرنے کو کہتا ہے۔ اقول: یہ لفظ۔ ہی۔ جو نفس کے بعد آپ نے زیادہ کیا، وہ بے اصل ہے۔ اس سے بھی نفی شیطان کی نہیں ہوتی۔

قولہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب دشمنوں سے زیادہ دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے۔ اقول: ان احادیث سے بھی کسی طرح نفی نہیں پائی جاتی۔ علاوہ پہلے جواب کے یہاں ایک اور بات زائد ملاحظہ فرمائیے۔ کیا ان احادیث و آیات وکلام قیصری کا دوسرا محمل صحیح نکل ہوسکتا؟ کیا ان سے مراد قوتِ وہمیہ نہیں ہوسکتی؟ یا قوتِ بہیمیہ کو شیطان اور ابلیس اور ہر شخص کی قوتِ بہیمیہ کو ذریات ابلیس استعارہ کے طور پر نہیں کہہ سکتے؟ کیا اس استعارہ کے لئے وصف جامع اضلال واغواء نہیں پایا جاتا یا قرینہ صارفہ آیات مذکورہ بالا نہیں ہوسکتیں؟ اگر اس علاقہ تشبیہ سے قوتِ بہیمیہ کو شیطان کہنے سے آپ حقیقی شیطان یعنی شخص معہود سمجھ بیٹھے تو آپ کو لازم ہے کہ ہم جب زید کو شیر کہیں تو آپ حقیقی شیر کے وجود کی نفی کریں اور زید ہی کو حقیقی شیر قرار دیں۔ قولہ ص ۵۲ غرض کہ تمام محققین اس بات کے قائل ہیں کہ ان ہی قویٰ کو جو انسان میں ہیں اور جن کو نفس امارہ یا قویٰ بہیمیہ سے تعبیر کرتے ہیں، یہی شیطان ہے۔ اقول: تمام محققین نے آپ کی مراد حقہ پینے والے ہوں گے ورنہ اہلِ تحقیق تو کیا، ذرا سی عقل والے بھی ایسی بے اصل بات نہ کہیں گے۔ پھر ایسی ہی بے بنیاد بات پر یہ غل تھا کہ تہذیب الاخلاق کے پرچے کے پرچے اس بارے میں سیاہ کر دیئے اور تفسیر القرآن کو انہیں مضامین سے بھر دیا۔ جناب عالی! یہ تو آپ کا پرانا خیال راسخ ہے، آپ اس غلطی سے کاہے کو باز آئیں گے۔ قولہ صفحہ ۱۵۲ اصل یہ ہے کہ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ انسان کی فطرت کو اور اس کے جذبات کو بتلاتا ہے اور جو قویٰ بہیمیہ اس میں ہیں، ان کی برائی یا ان کی دشمنی سے اس کو آگاہ کرتا ہے۔ مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کے اور اونٹ چرانے والوں کی فہم سے بہت دور تھا الخ۔ آپ ان چیزوں کے منکر اور مؤول ہو کر دل میں خوش ہو گئے کہ یہ خیالات پیدا کرنا میرا ہی حصہ ہے، کسی

---

❶ کس لئے کہ صفات باری تعالیٰ اور قویٰ عالم کبھی ایک چیز نہیں ہوسکتی۔ مثلاً منجملہ قویٰ عالم کے نباتات میں ایک قوت غاذیہ یا مولدہ پائی جاتی ہے کہ جس سے ہر درخت اپنی غذا حاصل کرسکتا ہے اور اپنی بچہ دوسرا درخت اپنے تخم سے پیدا کرتا ہے۔ اب کوئی ذی شعور اس قوت غاذیہ اور مولدہ کو صفات باری نہ کہے گا، ورنہ لازم آئے گا کہ خدا تعالیٰ غذا کھاتا اور بچے جنتا ہے، تعالی اللہ عن ذلک علوًا کبیرًا۔ منہ۔ ❷ ... شاید آپ کو اس بات سے مغالطہ پڑ گیا کہ شیطان اور جبرئیل ؑ کی نسبت دل میں القاء کرنا اور خون کی مانند بدن میں سرایت کرنا اور ملائکہ کی نسبت تدبیر عالم کرنا مذکور ہے اور یہ باتیں آپ کے ذہن سلیم میں قویٰ کے خاص مختصہ میں سے شمار کی گئی ہیں اس لئے آپ کو شبہ ہوا کہ شیطان اور جبرئیل ؑ اور ملائکہ قویٰ ہی کا نام ہے۔ پھر اس خیال کو آپ نے یہاں تک پکایا کہ جن آیات میں ان چیزوں کا بصراحت ذکر ہے، ان کو آپ نے یہود کی تقلید سمجھا حالانکہ آپ کا خواص مختصہ سمجھنا غلط ہے کیونکہ مجردات یا لطیف الجسم چیزوں سے یہ سب باتیں ممکن ہیں۔ حضرت عیسیٰ ؑ کے حواریوں پر کس طرح روح القدس کا ظہور ہوتا تھا کہ وہ غیر زبانوں میں باتیں کرنے لگتے تھے۔ ۱۲ منہ

اہل اسلام کو یہ باتیں کبھی نصیب نہ ہوئی ہوں گی اور آپ کے معتقد بھی یہی خیال کر کے آپ کے خیالات کو واجب الایمان سمجھتے ہیں۔

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے

خواجہ را حاصل بجز پندار نیست

**عمدہ تحقیقات:**...... جناب کا حال یہ ہے کہ وہ ملحدوں اور دہریوں اور بعض حکماء بے دین کے پرانے خیالات ہیں جو ان کی کتابوں میں اب تک موجود ہیں اور کچھ اس وقت کے پادریوں اور لامذہبوں کے اعتراضات ہیں مگر آپ نے ان کو ذرا بدل کر لکھا ہے اور ان کے ثبوت میں یہ کمال ضرور کیا ہے کہ قرآن و احادیث و کلام قدماء کو محرف کر کے کم علم لوگوں کو شک میں ڈال دیا ہے حالانکہ یہ الحاد اور بے دینی کی باتیں آپ سے صدہا سال پیشتر مشہور ہو چکی ہیں۔ علماء اسلام نے ان کے جواب شافی دیئے ہیں اور اس زمانہ میں جو کچھ دہریوں کے خیالات انگریزی اور فرانسیسی اور جرمنی اور عربی زبان میں بذریعہ کتب و اخبارات جو کچھ یورپ میں مشتہر ہوئے اور ہو رہے ہیں، ان سے بھی اہل اسلام غافل نہیں۔ ان کے دندان شکن جواب جو اسلامیوں نے دیئے ہیں، ان کا عشر عشیر بھی حضور کے کان تک نہیں پہنچا۔ کچھ تنہا آپ ہی نے یورپ کی سیر نہیں کی ہے اور نہ آپ اچھی طرح عربی قدیم جانتے ہیں، نہ جدید، نہ یونانی، نہ عبرانی، نہ یورپ کی اور زبانوں میں دستگاہ رکھتے ہیں پھر جو کچھ آپ کا مائیہ تحقیقات ہے، وہ خود پسندی اور عجب ہے۔ اس وقت آپ جن جن چیزوں کا انکار کر رہے ہیں، ان کا بے دینوں کے اقوال میں نشان بتائے دیتا ہوں۔ آپ کو یہاں چند چیزوں کا انکار ہے:

**سید صاحب کے افکار لادینوں کی کتابوں کا سرقہ ہیں:**...... (۱) وجودِ ملائکہ کا عموماً جبرئیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام کا خصوصاً اور ان کے افعال اور متحیز ہونے وغیرہ باتوں کا۔ (۲) شیطان کا انکار۔ (۳) حضرت آدم علیہ السلام کا انکار (آپ آدم علیہ السلام سے مراد نوع انسانی رکھتے ہیں)۔ (۴) حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ کے سجدہ کرنے اور شیطان کے تکبر کرنے کا انکار بلکہ اس قصہ کو آپ انسان کے قویٰ کے جذبات اور قوت بہیمیہ کے تمرد پر محمول کرتے ہیں۔ (۵) حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں رہنے، پھر بسبب گناہ کے وہاں سے نکالے جانے کا انکار۔ (۶) جنت اور اس کے نعماء کا انکار، علاوہ ان کے اور خاص خاص چیزوں کا بھی آپ نے انکار کیا ہے جیسا کہ کل انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور ان کے خرق عادات۔ چنانچہ ان باتوں کو ہم اپنی تفسیر میں ہر موقع پر ذکر کر کے جواب باصواب دیں گے۔

اول تو یہ یاد رکھئے کہ صدہا برس سے اہل اسلام میں یہودی اور مجوسی اور دیگر مذاہب کے لوگ بہ لباس اسلام ملے جلے رہتے ہیں اور پیرایہ اسلام میں ہزاروں بدعتیں ایجاد کرتے اور قرآن و حدیث کے عمدہ مطالب کا انکار یا تاویلات کے پیرایہ میں کرتے ہیں اور اسی طرح بہت سے ملحد لوگ فلسفی تقریروں میں مسلمان کہلا کر اصول اسلام کے قلع وقمع میں دریغ نہیں کرتے اور ہمارے اس دعویٰ کے دو شاہد عدل ہیں۔

اول: یہ کہ جب ایسے لوگ اسلام میں آئے تب ہی مسلمانوں میں اختلاف واقع ہوا اور مذاہب مختلفہ پیدا ہو گئے۔ اب ہر ایک فریق غالی کے اعتقادات کو دیکھ لیجئے کہ ان میں اب تک الحاد اور مجوسیت اور یہودیت اور تنصر اور فلسفے کی بو آتی ہے کہ جس سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ ان کے موجد برائے نام مسلمان تھے۔

دوم: بعض کتب سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ دبستان المذاہب کے صفحہ ۸۳ میں آخشون کی نسبت یوں لکھا ہے کہ؛ صاحبان این مذہب ہمہ باہل اسلام آمیختہ اند و بہ کسوت ایشان جلوہ گر اند و نام مسلمانان ہم دارند و نام دیگر بر کیش خویش؛ اور اسی طرح مزدکیوں کی نسبت صفحہ ۱۳۴ میں لکھا ہے کہ؛ اکنون مزدکیوں در لباس گبری عیستند در میان اہل اسلام پنہاں شدہ رہ سپر کیش خویش اند؛ اور کتاب دساتیر کے چودھویں نامہ میں اس بات کی پیشن گوئی ہے کہ مسلمانوں میں جب باہم خصومت پیدا ہو گی تو ایرانی لوگ مذہب اسلام میں داخل ہو کر

اپنے قدیم مذہب کی باتوں کو یہاں تک رواج دیں گے کہ اصل اسلام برائے نام باقی رہ جائے گا۔ یہ بات تو ہم نے بھی آنکھ سے دیکھ لی۔ جب آپ کو یہ بات معلوم ہوگئی تو میں اب خان صاحب کے عقائد مذکورہ کا حوالہ دیتا ہوں۔ دبستان المذاہب کی تعلیم اول، قواعد زردشتیوں کے بیان میں لکھا ہے کہ ملائکہ سے مراد صفات حمیدہ ہیں صفحہ ۱۲۶ اور اسی طرح اعمال متشرعہ ہنود کے بیان میں لکھا ہے کہ جہنم کے طبقات اور جنت کے درجات اور اعمال کی جزا و سزا محض خیالی باتیں ہیں۔ صفحہ ۱۶۷۔ دبستان المذاہب کے صفحہ ۳۴۳ نظر اول میں عقائد حکما کے بیان میں یوں لکھا ہے کہ: پیوستن روح بدن راندن آدم است از بہشت ومیل بہ بدن فرمان بردن حوا دکردار نکوہیدہ خوردن بر شجرہ منہیہ۔ مار خشم وطاؤس شہوت است وگفتہ اند ابلیس عبارت از قوت وہمی کہ پیرو محسوسات است وعالم معقولات رامنکر است وبا قوت عقلی در ستیزد۔ وآنچہ در شرع آمدہ کہ ہمہ فرشتگان آدم علیہ السلام راسجدہ کردند مگر ابلیس اشارت است باین معنی کہ ہمہ قوی جسمانی کہ فرشتگان ارضی اند مطیع روح آدم اند مگر قوت وہمی کہ سرکش است انتہی۔ یعنی آدم علیہ السلام کا جنت سے نکالا جانا رمز ہے اس بات کی طرف کہ ان کی روح بدن میں ڈالی گئی یعنی آدم علیہ السلام کی روح کا ان کے بدن میں پھونکنا، جنت سے نکالا جانا ہے اور مراد حوا کی فرمانبرداری سے بدن کی طرف میلان کرنا ہے۔ شجرہ منہیہ کھانے سے مراد بد خصلتیں ہیں اور سانپ سے مراد غصہ اور امور سے مراد شہوت ہے اور شیطان سے مراد قوت بہیمیہ ہے کہ جو عالم معقولات کی منکر اور محسوسات کی پیرو اور عقل سے معارضہ کرنے والی ہے اور یہ شرح میں آیا ہے کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور ابلیس نے نہ کیا تو اس سے یہ مراد ہے کہ قوی جسمانی جوزمین کے فرشتے ہیں، آدم علیہ السلام کی روح کے مسخر ہوگئیں اور قوت وہمیہ نے سرکشی کی۔

**مسیلمہ کذاب اور سید صاحب:**......اسی طرح فرقہ صادقیہ جو مسیلمہ کذاب کا پیرو ہے، ان کے حالات دبستان المذاہب کے صفحہ ۲۹۹ میں یوں لکھتے ہیں: مسیلمہ کذاب جس کو کتاب آسمانی کہتا تھا، اس کی دو جلدیں ہیں: پہلی کا نام فاروق اول، دوسری کا نام فاروق دوم ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ کوئی شیطان نہیں ہے اور نہ خدا تعالیٰ کسی کو غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا ہے انتہی۔ کتاب الملل والنحل محمد ❶ بن عبدالکریم شہرستانی، مطبوعہ مصر کی جلد دوم، صفحہ ۸۶ میں عقائد حکماء مشائین کے بیان میں یوں لکھا ہے:

''جن لوگوں کو قوتِ قدسیہ نصیب ہوتی ہے (یعنی انبیاء علیہم السلام) ان کی قوتِ خیالیہ اس درجہ کی قوی ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے ادراکات کو بصورتِ جمیلہ دیکھتے اور ان کا عمدہ کلام سنتے ہیں۔ یعنی در اصل نہ کوئی فرشتہ ہوتا ہے، نہ کوئی آواز یا کلام ان کو سنائی دیتا ہے بلکہ محض ان کے وہ معلومات (جو ان کو مبدء فیاض سے عطا ہوئے ہیں) کسی عمدہ شکل میں نظر آتے اور نہایت عمدہ و دلچسپ کلام کرتے ہیں۔ پس وہ فرشتہ جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) دکھلائی دیتا تھا، وہ یہی تھا اور وہ وحی اور الہام یہی آواز تھی۔ سید صاحب نے اس بات کو کسی بڑے عنوان سے بیان کیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو مجنون سے تشبیہ دے کر کس گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں! اسی طرح کتاب الملل والنحل کی جلد دوم، صفحہ ۶۷ میں بعض حکماء کا جنت کی نسبت یوں عقیدہ لکھا ہے کہ نبی لوگوں کو آخرت کی ترغیب دیا کرتے ہیں اور وہاں کے ثواب وعقاب مثالوں میں لوگوں کے اطمینان قلب کے لئے بتلاتے ہیں اور در حقیقت وہ ایک امر مہمل ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا''۔

اور جلد اول کے صفحہ ۱۰۴ میں بعض اہل ہوا کا یہ عقیدہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک سوائے عالم محسوس کے اور کوئی عالم نہیں، ان کا ہر بات میں اپنے ذہن صافی اور فطرت سلیمہ پر (جس کو سید صاحب نیچر کہتے ہیں) اعتماد کلی ہے (نہ وہ جن کے قائل ہیں، نہ فرشتوں کے، نہ کسی امر خارق کے) اور اس گروہ کا نام طبعیہ دہریہ ہے اور ان میں جو بعض لوگ کسی قدر ترقی یافتہ ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت اور اس کے احکام حرام

❶ یہ شخص بڑا فاضل بلکہ حکماء اسلام میں شمار ہے۔ اس کی وفات ۵۴۸ھ میں ہوئی ہے۔ منہ

وحلال مصلحت عباد اور رفاہ بلاد کے لئے رفارمر ❶ لوگوں نے اپنی طبیعت صافیہ سے مقرر کر دیئے ہیں اور وہ جن روحانی چیزوں کی خبر دیتے ہیں جیسا کہ لوح و قلم و عرش و کرسی ملائکہ وغیرہا، سو وہ ان کے خیالات ہیں کہ جن کو وہ جسمانی صورتوں کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور اس طرح آخرت کے احوال، جنت اور حور و قصور اور نہر و میوہ جات جو وہ بیان کرتے ہیں، محض عوام کی طبیعتوں کو رجوع کرنے کی باتیں ہیں اور اسی طرح دوزخ اور اس کے عذاب طوق وغیرہ بھی لوگوں کو ڈرانے کے لئے بیان کرتے ہیں کہ ان سے ڈر کر امور مصلحت پر کہ جن کو انہوں نے واجب و فرض بتایا ہے، چلیں اور جن نامناسب چیزوں سے کہ مصلحت کے وقت جن کو منع کیا اور حرام و مکروہ کہا، ان سے بچیں ورنہ عالم آخرت میں جو کہ علوی عالم ہے، صور جسمانی اور اشکال جرمانی کہاں؟ اور یہ تو عام حکماء مشائین کا عقیدہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور اس میں جس قدر انواع ہیں وہ بھی سب قدیم ہیں، چنانچہ نوع انسانی بھی قدیم ہے۔ ان کے نزدیک یہ بات (کہ ابتداء نوع انسان کی حضرت آدم علیہ السلام سے ہے) محض غلط ہے۔ چنانچہ اسی کتاب الملل والنحل کی آخری جلد میں اور اس کے سوائے اور کتب الٰہیات میں اس کی تصریح ہے۔ اب رہے انبیاء علیہم السلام کے معجزات تو ان کے صدہا آدمی منکر ہیں۔ ایسے لوگوں کے حالات سے یہی کتاب اور دبستان المذاہب وغیرہ بھری پڑی ہیں اور جلال الدین اکبر بادشاہ دہلی کے روبرو تو بڑے زور کے ساتھ ایک بڑے دہریہ نے بمقابل اہل اسلام و اہل کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ عبور قلزم کا انکار کیا تھا، چنانچہ دبستان المذاہب میں اس کی خوب تصریح ہے۔ اب فرمائیے سید صاحب! آپ نے وہ کون سی نئی بات ایجاد کی ہے؟ ایسے ایسے خیالات کے لوگ ہر زمانہ میں کتب سماویہ کی نسبت اعتراضات کرتے آئے ہیں اور ان میں سے مہذب لوگوں نے ان اعتراضات کو تاویلات کے پیرایہ میں بیان کیا ہے، بہر طور مدعا واحد ہے۔

**قرآن کے ظاہر اور باطن کے متعلق بحث:**..... اب ہم اس قول کی شرح کرتے ہیں۔ قولہ اصل یہ کہ ان آیات میں الخ؟ جناب عالی! اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی عبارت کے دو پہلو ہیں ایک ظاہر، دوسرا باطن جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور آپ باطنی پہلو سے اس رمز کی طرف اشارہ کرتے ہیں جیسا کہ صوفیہ کرام قصہ یوسف علیہ السلام و زلیخا سے اور اور نکات مراد لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن العربیؒ نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں ایسے ایسے حقائق و دقائق نکالے ہیں تو آپ کا یہ فرمانا کہ یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کے اور اونٹ چرانے والے لوگوں کے فہم سے بہت دور تھا الخ بجا ہے، ہمارا بھی اس پر صاد ہے اور اگر یہ مقصود ہے کہ اس کلام کے محض یہی معنی ہیں اور ظاہر عبارت قرآن سے جو کچھ مفہوم ہوتا ہے (کہ آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے پیدا کر کے طرح طرح کے علوم سے آراستہ کیا اور پھر فرشتوں کو سجدہ تعظیم کا حکم دیا۔ شیطان کے سوا سب نے سر تعظیم جھکایا اور آدم علیہ السلام کو مع اس کی زوجہ کے جنت میں رہنے کا حکم دیا۔ پھر وہ بسبب اغواء شیطان کے جنت سے نکالے گئے الخ) وہ بے اصل باتیں اور یہود کے خیالات کا اعادہ ہے تو یہ کلام آپ کا سراسر غلط ہے بہ چند وجہ۔

۱)..... یوں کہ آپ خود تفسیر آل عمران کے صفحہ ۳ میں فرماتے ہیں۔ قولہ قرآن مجید تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ جس طرح ذی علم دانشمند اس سے ہدایت پائیں، اسی طرح جاہل و نادان عوام بھیڑوں اور بکریوں اور اونٹوں کے چرانے والے بھی ویسی ہی ہدایت پائیں الخ۔ قولہ: جن پر آیات متشابہات کا اطلاق ہوتا ہے، اگر اس کے ایک پہلو پر غور کرو تو اس سے وہ مطلب پایا جاتا ہے جو عوام کے خیالات کے مناسب ہوتا ہے الخ۔ اب ذرا آپ ہی انصاف فرماویں کہ جب آپ کے نزدیک آیات متشابہات میں بھی ظاہری معانی ہر ایک کی سمجھ سے موافق ہونے ضروری ہیں تو آیات محکمات کو بالخصوص ان مضامین کو کہ جن کو بیشمار مواضع میں نئی نئی

---

❶ یعنی ناصحین و واعظین۔ منہ۔

عبارتوں سے بیان کیا گیا ہے، یہ امراز حد ضروری ہے کہ اس کو عوام لوگ بھیڑ اور بکری اور اونٹ چرانے والے بھی سمجھیں، پھر جب وہ معما جو آپ نے قرار دیا ہے، اس کو سوائے آپ کے کوئی بھی نہیں سمجھتا، نہ عالم، نہ جاہل تو اس کے غلط ہونے میں کیا شبہ باقی ہے؟

۲)...... یہ معمہ جو آپ نے قرار دیا ہے، اس کو قرآن مجید میں تخمیناً دس بارہ سورتوں میں مختلف طور پر مختلف الفاظ سے بیان کیا ہے اور ایک آیت نہیں، رکوع کے رکوع اسی بیان میں ہیں حالانکہ ان میں کسی جگہ سے کوئی ایسا قرینہ لفظیہ یا معنویہ آپ نے نہیں بیان کیا جو ان عبارات کے حقیقی معنی پر محمول کرنے سے مانع آئے۔ پس جب ایسا کوئی قرینہ نہیں تو حقیقی معنی کا انکار کرنا محض سینہ زوری بلکہ خدائے پاک کے کلام کی تکذیب ہے۔

۳)...... اس قدر آیات میں خدا تعالیٰ نے اس قصہ کو طول دیا اور پہلی کتابوں میں بھی پہلے انبیاء ﷺ کی معرفت اس طرح بیان کرتا گیا، پھر کیا خدا تعالیٰ کو وہ صاف مطلب (جو آپ کے سے انسان بے بنیان نے تھوڑی سی عبارت میں اس طرح بیان کر دیا کہ جس کو عالم و جاہل سب سمجھنے لگے) بیان کرنا نہ آیا؟ پھر آپ کس بنیاد پر قرآن کو فصیح و بلیغ کہتے ہیں؟ اس کے مصنف سے تو معاذ اللہ آپ ہی زیادہ فصیح و بلیغ ہیں کہ جس نے ہزار ہا سال کے ایک ایسے معما کو جو خدا تعالیٰ سے کبھی بیان نہ کیا گیا، تیرھویں صدی میں بیان کر دیا تَعَالَى اللهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔

۴)...... اس بات کو ہر ذی عقل تسلیم کرتا ہے کہ کلام کو کما ینبغی اس کا متکلم سمجھتا ہے کیونکہ اپنے کلام میں صراحۃً یا اشارۃً جو کچھ اس نے مراد رکھی ہے، وہی خوب جانتا ہے اور یہ بات اور ہے کہ اس کے مقصود اصلی کے علاوہ کوئی طباع آدمی اور نئے نئے احتمالات اپنی طرف سے پیدا کر دے۔ بعد اس کے وہ خوب سمجھتا ہے کہ جو اس کے کلام کا مخاطب ہے بشرطیکہ اس کو فہم سلیم ہو اور زبان دان بھی ہو، پھر اس کے ہم زبان خصوصاً وہ لوگ کہ جو کلام کے خارجی احوال پر بھی واقف ہوں اور متکلم کے عادات وخُو بُو و طرز سخن کے ماہر ہوں اس کے بعد عام اہل زبان سمجھتے ہیں۔ اب ہم ہیں کہ قرآن مجید کلام خدائے پاک ہے اور مخاطب بالذات حضرت پیغمبر ﷺ اور ہم زبان و ہم زمان صحابہ رضی اللہ عنہم کبار اور اہلِ زبان عرب العرباء، آپ انصاف کی نظر سے فرمائیے کہ یہ باتیں جو میں کہہ رہا ہوں، صحیح ہیں یا نہیں؟ پس جب صحیح ہیں تو آپ کا بعد دعویٰ کرنے اس معما کے یہ ضرور تھا کہ ان مطالب کا ثبوت کہ جن کے آپ قائل ہیں، یا تو خود خدائے پاک کے کلام سے بصراحت ثابت کرتے یا اس کے مخاطب بالذات پیغمبر ﷺ سے بروایت صحیحہ ثابت کر دیتے کہ آنحضرت ﷺ نے ان آیات کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں۔ ادنیٰ درجہ ہے کہ ساری عمر میں کبھی بھی آنحضرت ﷺ نے کسی شخص کو اس معما کی خبر دی ہو یا آپ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی تفسیر سے معنی ثابت کر دیتے ورنہ خیر کسی محقق زبان دان عرب العرباء مفسر ہی کے قول سے ثبوت پہنچا دیتے۔ جب یہ نہیں تو زید و عمر کی تاویلات کی نصوص قرآنیہ کے مقابلہ میں کیا وقعت ہے؟

قولہ صفحہ ۸۲: تا کہ ہر کوئی خواہ اس کو فطرت کا راز سمجھے، خواہ فرشتوں اور خدا تعالیٰ کا مباحثہ، خواہ شیطان و خدا تعالیٰ کا جھگڑا، اصلی مقصد حاصل کرنے سے محروم نہ رہے: یہاں تو آپ صاف اقرار کرتے ہیں کہ جو اس آیت کے ظاہری معنی سمجھے گا، اس کا بھی مقصد حاصل ہو جائے گا۔ پس جب آپ نے ظاہری اور حقیقی معنی کو مقصد قرآن کہا تو پھر یہ کہنا: قولہ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ کو بھی انہوں نے ویسا ہی سمجھا اور آدم علیہ السلام و شیطان کا قصہ بنالیا، الخ اقرار کر کے انکار کرنا ہے، مگر اس خود پسندی کا کیا ٹھکانا ہے، تمام عالم کا خلاف بلا دلیل کرنا اور پھر اس کو حق الیقین سمجھنا آپ ہی کا کام ہے۔

**انکار آدم علیہ السلام اور اس کا مدلل ردّ:**...... **قولہ صفحہ ۵۵** آدم کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں ہے کہ جس کو عوام الناس اور مسجد کے ملا بابا آدم کہتے ہیں بلکہ اس سے نوع انسانی مراد ہے جیسا کہ تفسیر کشف الاسرار و ہتک الاستار میں لکھا ہے و ما المقصود

بادم آدم وحدہ... الخ۔ اقول: یہاں سے تو یہ معلوم ہوا کہ آپ کی عادت میں یہ بات داخل ہے کہ جہاں آپ کے خیالات کی تائید میں کوئی قول بھی کسی شخص کا آپ کو ملتا ہے خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور خواہ آپ کے مدعاء کے لئے بنظر غور مخالف ہی کیوں نہ ہو مگر ذرا سا لگاؤ ہو نا چاہئے، آپ بے سمجھے بوجھے اس کو نقل کر دیتے ہیں اور جہاں آپ کو کوئی قول بھی نہیں ملتا تو وہاں آپ تنہا رہ جاتے ہیں اور اگر آپ کے بر خلاف اسی قائل کا قول بلکہ صریح آیت واحادیث بھی ہوں تو یہ نہیں مانتے۔ یہ بات انصاف سے نہایت بعید ہے۔ جناب عالی! آپ نے جو یہاں وجود آدم علیہ السلام کا انکار کیا، کس دلیل سے؟ مگر دلیل کہاں، محض اپنا خیال اور اس قول کا یہ جواب ہے کہ اول تو یہ بات خوب معلوم نہیں کہ صاحب کشف الاسرار کس مرتبہ کے شخص ہیں، آیا ایسے بھی ہیں کہ ان کے قول سے قرآن کی آیت متروک ہو سکتی ہے؟ دوم یہ کہ صاحب کشف الاسرار حاشا وکلا یہ نہیں کہتے جو تم سمجھتے ہو۔ یہ انکار آدم اہل اسلام میں سے بتقلید فلاسفہ آپ ہی کا ایجاد ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ما المقصود بادم آدم وحدہ، کہ اس جگہ لفظ آدم سے صرف آدم مراد نہ لینا چاہئے بلکہ اس کی ذریت بھی۔ اب یہاں سے آدم کی نفی کیونکر سمجھی گئی؟ آپ کو کوئی یوں کہے کہ آپ اکیلے مراد نہیں، بلاشک آپ اس کلام سے یہ سمجھیں گے کہ آپ بھی اور آپ کے ساتھ اور بھی مراد ہیں، نہ یہ کہ آپ مراد ہی نہیں۔ آپ وجود آدم کا کہاں تک انکار کریں گے؟ قرآن مجید میں بہت آیات سے حضرت آدم علیہ السلام کا وجود جداگانہ پایا جاتا ہے۔ منجملہ ان کے یہ آیت ہے:

۱)...... وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ۝ اس میں صاف تصریح ہے کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا اگر حضرت آدم علیہ السلام کوئی شخص خاص نہیں تو پھر یہ نوع انسانی پر کیونکر صادق آ سکتا ہے کہ نوع انسانی کو مٹی سے اور اس کی نسل کو نطفہ سے پیدا کیا، کس لئے کہ تمام نوع اس بات میں برابر ہے اور پھر نوع کی نسل کیا معنی رکھتی ہے؟

**آدم شخص خاص تھے نہ کہ نوع انسانی:**...... ۲)...... ❶ یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ... الایۃ اگر آدم سے مراد نوع انسانی ہے تو اس میں مرد وعورت دونوں شریک ہیں، لفظ آدم اس تقدیر پر دونوں کو شامل ہے۔ پھر اس نوع انسانی کی کیا وجہ ہے کہ جس کو انسان کے برابر خطاب میں ملحوظ رکھ کر ہر جگہ تثنیہ کا صیغہ بولا ہے۔

۳)...... اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ۔ اس آیت میں بھی تصریح ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ پیدا ہوئے، حضرت آدم علیہ السلام بھی۔ اب سب سے زیادہ اس بارہ میں آپ کے مقابلہ میں خود آپ کا قول (جو تفسیر آل عمران کے صفحہ ۴ میں ہے) کافی ہے: قولہ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے یا پانی سے پیدا ہوئے تھے اور نہ وہ نو مہینے کسی عورت کے پیٹ میں رہے مثل ایسے انسانوں کے جو نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں الخ۔

**سوال:** اگر آپ یہ فرمادیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کا ہم کو انکار نہیں، البتہ اس قصہ میں تنہا آدم مراد نہیں۔

**جواب:** یہ کہ پھر وہ کون سی وجہ ہے کہ جس سے آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کا مقصود ہونا اس قصہ میں رد کر دیا؟ پس اب آپ اس قصہ میں کسی طرح آدم علیہ السلام کا انکار نہیں کر سکتے۔ اب آگے اس قصے کی نسبت فرمائیے کیا فرماتے ہیں؟ قولہ صفحہ ۵۷ مگر میرے نزدیک ھم کی ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے الخ گویا خدا تعالیٰ نے تمام چیزوں کے جاننے کی قوت انسان میں اور اس کی ذریت میں ودیعت رکھ کر تنزلاً ❷ فرشتوں سے کہا کہ تم سب باتیں تو کیا بتاؤ گے انسانوں میں جو کچھ ودیعت کیا گیا ہے، اسی کو بتلا دو۔ جب وہ عاجز آئے تو خدا تعالیٰ نے انسان سے کہا کہ تو ان حقائق ومعارف کو جو فرشتوں میں ہیں، بتادے الخ۔ یہاں چند غلطیاں آپ سے سرزد ہوئیں:

---

❶...... جب آپ کے نزدیک فرشتے سے قوی ملکوتیہ مراد ہیں تو پھر ان سے سوال کرنا فضول ہے ۱۲ منہ۔ ❷...... اس آیت سے پہلے شک کو بالکل دور کر دیا اور آدم علیہ السلام سے مراد نوع انسانی نہیں ہے چونکہ آیت میں لفظ کلا کا جو تثنیہ کے واسطے آتا ہے، آیا ہے۔ اگر آدم سے مراد نوع ہوتی تو تثنیہ کا صیغہ مستعمل نہ ہوتا۔ ابوالحسن حقانی۔

۱)......یہ کہ اگر ھم کا مرجع آدم ❶ ہیں باعتبار نوعیت کے تو کیا ضمیر مفرد مناسب نہ تھی؟ پس عَرَضَهُمْ کہنا تطویل بلا فائدہ تھی، بجائے اس کے لفظ عرضہ نہایت مناسب تھا۔ اگر آپ یوں کہیں کہ معنی کی رعایت بلحاظ افراد نوع ضروری تھی تو آپ یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ میں کیا جواب دیں گے، پھر وہاں کیوں ان انواع کی رعایت کر کے اسکنوا نہ فرمایا؟ اور بالفرض اگر افراد کا لحاظ تھا تو تو کیا آدم کے ساتھ ایک فرد اس کی زوجہ ہی تھی جو لفظ تثنیہ بولا گیا جس سے صاف معلوم ہو کہ جنس یا نوع قطعاً مراد نہیں ہو سکتی۔

۲)......اسماء سے مراد آپ کے نزدیک قویٰ ہیں: قولہ ان قویٰ کو جو اسماء کے لفظ سے تعبیر کیا الخ اور قویٰ کی آپ کے نزدیک دو قسم ہیں: ایک قویٰ ملکوتیہ جن کو آپ فرشتے کہتے ہیں، دوسری قویٰ بہیمیہ جن کو آپ شیطان کہتے ہیں اور انسان سے مراد ان قویٰ کا مجموعہ لیتے ہیں تو اس تقدیر پر ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ کے یہ معنی ہوئے کہ مجموعہ قویٰ ملکوتیہ اور بہیمیہ کو قویٰ ملکوتیہ کے سامنے کیا جس سے یہ لازم آیا کہ قویٰ ملکوتیہ سے سامنے کر کے مباحثہ کرایا، وفسادہ ممالا یخفی۔

۳)......يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ کے یہ معنی ہوئے کہ اے مجموعہ قویٰ ملکوتیہ وبہیمیہ! تو ان کو یعنی قویٰ ملکوتیہ کو بتلا دے، کیونکہ آپ فرما چکے ہیں کہ اَنْۢبِئْهُمْ اور بِاَسْمَآئِهِمْ میں جو ھم ضمیر ہے، وہ فرشتوں کی طرف راجع ہے الخ۔ اب اس کلام کے مہمل ہونے میں کیا شک باقی رہ گیا؟

۴)......اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ کے یہ معنی ہوئے کہ اے قویٰ ملکوتیہ! تم مجھ کو قویٰ ملکوتیہ ان چیزوں کی بتلا دو۔ اب هٰٓؤُلَآءِ جو اسماء کا مضاف علیہ ہے، وہ کیا چیز ہے؟

۵)......جب آدم مجموعہ قویٰ ہے تو اس کو اس کے قویٰ سکھلانے کے کیا معنی ہیں؟ پھر یہ قول وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا محض بے معنی ہے۔

۶)......جب فرشتے جزء آدم ٹھہرے اور اس کے قویٰ میں شمار کیے گئے تو پھر آپ کا یہ فرمانا کہ فرشتوں سے کہا گیا الخ محض بے معنی کلام ہے کیونکہ قویٰ کا امتحان کرنا اور پھر ان قویٰ کا حال انہیں سے دریافت کرنا اور اپنی ذات کے علم سے عاجز آ جانا جو علم حضوری ہے کہ جس سے کوئی ذی عقل محروم نہیں اور پھر آدم علیہ السلام سے اس کے قویٰ کا حال دریافت کر کے پھر اسی قویٰ کو ملامت کرنا اور اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ کہنا اور قویٰ کا نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ کہنا ایک مجذوبوں کی بڑ ہے کہ جس کو کوئی ذی عقل پسند نہیں کرتا۔

۷)......یہ آیت: وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ باواز بلند کہہ رہی ہے کہ ملائکہ آدم علیہ السلام کے وجود سے پیشتر تھے کیونکہ جب خدائے پاک نے یہ فرمایا کہ ہم زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ملائکہ نے بوجہ اس بات کہ وہ سرشت آدم علیہ السلام سے واقف تھے یہ کہا کہ حضور! ایسے شخص کو کہ جس کی سرشت میں فساد ہے، اس کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں اور ہم جو حضور کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں ہم کو نہیں بناتے، اس میں کیا مصلحت ہے؟ پھر خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ہر طرح کے علوم سے مشرف کر کے ملائکہ کے مقابلہ میں پیش کیا۔ ملائکہ عاجز آ کر اپنے قصور فہم کے معترف ہوئے۔ اس عنوان کلام سے جس کو ادنیٰ سلیقہ محاورت فہمی کا ہوگا، جان جائے گا کہ ملائکہ آدم علیہ السلام کی قویٰ نہیں کیونکہ قویٰ کسی شخص کے اس کے وجود سے پیشتر نہیں ہو سکتے۔ دوم یہ کہ قویٰ خواہ زبان حال یا کلام فطرت سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم میں خیر ہے، ہم کو خلیفہ بنایئے اور جس کے اہم جزء میں وہ مفسد ہے، اس کو نہ بنایئے کیونکہ آدم علیہ السلام کا مفسد ہونا اس کے قویٰ کا مفسد ہونا ہے اور آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانا اس کے قویٰ ملکوتیہ کا بنانا ہے۔ سوم: یہ کہ وہ قویٰ ملکوتیہ کہ جس کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو شرف

---

❶ ...... معلوم ہوتا ہے کہ حضرات معترض علمیت سے عاری ہیں، قیاسی گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ حقانی۔

ہے اور جو اس کی خلافت کا باعث اعظم ہے، جب وہ آدم علیہ السلام سے بحیثیت غیریت علوم میں زائد نہ ہوسکیں اور کچھ بھی نہ بتا سکیں تو پھر زبان حال سے کیا خاک قوی ملکوتیہ نے استحقاق خلافت جتلایا؟

آدم علیہ السلام کے جب مقابل ہرگز نہ ہوسکے تو
اے عقل بے حقیقت! دیکھا کمال تیرا

اسی طرح اگلی آیات ہمارے بیان کے لئے شاہد عادل ہیں۔

**قولہ:** صفحہ ۶۳ اس قصے میں چار فریق بیان ہوئے ہیں۔ ایک خدا تعالیٰ، دوسرے فرشتے (یعنی قوی ملکوتی) تیسرے ابلیس (یعنی قوت بہیمی) چوتھے آدم علیہ السلام (یعنی انسان جو مجموعہ ان قوی کا ہے اور جس میں عورت و مرد دونوں شامل ہیں) الخ۔ ذرا ان چار باتوں کا خیال رہے۔

**قولہ:** صفحہ ۶۳ مقصود قصہ کا انسانی فطرت کی زبان حال سے انسان کی فطرت کا بیان کرنا ہے الخ یعنی فطرت انسانی زبان حال سے اپنا دکھڑا رو رہی ہے۔ یہاں ایک بات اور آپ سے رہ گئی، شاید جب وہ دوبارہ جب آپ کی تفسیر چھپے (خدانخواستہ) آپ اس کی اصلاح کردیں یا آپ کے بعد کوئی آپ کا سجادہ نشین اس کو پورا کردے۔ وہ بات یہ ہے کہ آپ نے یہاں چار فریق بتائے: خدا تعالیٰ، آدم علیہ السلام ملائکہ، شیطان۔ آدم علیہ السلام، ملائکہ، اور شیطان کی تو آپ نے تاویل کردی اور کچھ کا کچھ مراد لے لیا مگر چوتھے فریق خدا تعالیٰ میں آپ نے کیوں تاویل نہ کی؟ یہاں بھی دہریا پراکرتی کہہ دیتے، سارا جھگڑا ہی مٹ جاتا۔

رموز مملکت خویش خسرواں دانند

کوئی مصلحت ضرور ہے کہ جس سے تاویل نہ کی، اچھا آگے چلئے۔ **قولہ:** خدا جو سب کا پیدا کرنے والا ہے، گویا (یہ گویا اب کیا ہے) قوی ملکوتی مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ میں ایک مخلوق یعنی انسانی کثیف مادہ پیدا کرتا ہوں مگر وہی میرا نائب ہونے کے قابل ہے۔ جب میں اس کو پیدا کر چکوں تو تم سب اس کو سجدہ کرنا الخ۔ یہاں آپ کی توجیہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آدم علیہ السلام سے پیشتر وہ قوی ملکوتی موجود تھیں کہ جن سے خدا تعالیٰ نے کلام کیا اور آدم علیہ السلام کے پیشتر ان سے فرمایا کہ جب میں اس کو پیدا کر چکوں تو اس کو سجدہ کرنا۔ آپ انصاف سے فرمائیے کہ وہ قوی ملکوتی آدم علیہ السلام کا جزء کیونکر ہوسکتی ہیں؟ آدم علیہ السلام کی جملہ قوی خواہ ملکوتی یا بہیمی اس کے پیدا ہونے کے بعد یا ساتھ اس میں ودیعت رکھی گئی تھیں، نہ کہ قبل پیدائش۔ پس آپ کا چوتھا فریق کہ ملائکہ سے مراد قوی ملکوتی ہیں۔ شیخ چلی کے گھر کی مانند بن بنا کر بگڑ گیا یا نہیں؟ **قولہ:** اس مقام پر مخاطبین کو اس بات کا کہ اس مخلوق میں قوی بہیمی ہوں گے، عام قرار دیا گیا ہے (کیا ان مخاطبین کو یہ علم نہ تھا کہ اس مخلوق میں قوی ملکوتیہ بھی ہوں گے) اب وہ مخاطبین کون لوگ ہیں؟ آدم علیہ السلام تو بجمیع اجزاء و قواء ہنوز پیدا ہی نہ ہوا تھا۔ **قولہ:** اور مقتضی فطرت کے انہوں نے کہا کہ کیا تو ایسے کو خلیفہ کرے گا جو زمین میں فساد مچادے اور خون بہادے اور قوی ملکوتی نے اپنی فطرت اس طرح بیان کی کہ ہم تو تیری ہی تعریف کرتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں الخ مگر جس تقدیر پر کہ یہ قوی ملکوتی آدم علیہ السلام کے جزء ہیں تو کیا یہ جملہ اوصاف جو قوی ملکوتی کے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کے اوصاف نہیں ہوسکتے؟ پھر یہ کہنا کہ ہم ایسے اور آدم علیہ السلام ایسا اور ناحق کا تفوق ظاہر کرنا ان قوی ملکوتی کی حماقت کی صریح دلیل ہے۔ آپ قوی ملکوتی کی تسبیح و تہلیل کے یہ معنی کرتے ہیں **قولہ:** جو قوی جس کام کے لئے ہیں، وہی کام کرتے رہتے ہیں کہ وہی ان کی تسبیح اور تقدیس ہے۔ قوت نامیہ، انما اور قوت ناطقہ نطق الخ کے سوا اور کچھ نہیں کرسکتی الخ۔ جب تسبیح و تقدیس کے یہی معنی ہیں تو قوت بہیمی کہ جس کو آپ شیطان کہتے ہیں، وہ کیا تسبیح و تقدیس نہیں کرتی؟ کیا قوی بہیمی غضبیہ و شہویہ، غضب و

شہوت کے سوااور کچھ کرسکتی ہیں؟ اس صورت میں ان فرضی ملائکہ کی تسبیح وتقدیس میں خصوصیت دعوی بلا دلیل ہے اوران کا یہ قول نحن الخ کہ ہم ہی تیری تسبیح وتقدیس کرتے ہیں، جھوٹا دعوی ہے۔

قولہ: انسان کی فطرت کا مخاطبین پر فطری تفوق ظاہر کرنے کو، تمام کمالات نفسانی اورروحانی وحقائق ومعارف کوانسان کی فطرت میں ودیعت کر کے (ان تمام کمالات نفسانی وروحانی میں قوی ملکوتی بھی ضرور شامل ہیں کیونکہ بقول آپ کے یہ مجموعہ میں داخل اور ایک جزء ہیں) جس کوتعلیم اسماء سے تعبیر کیا ہے، انسان کومخاطبین کے سامنے کیا۔ قوی ملکوتی تو اس وقت تک انسان میں جملہ کمالات کی ودیعت رکھنے کی وجہ سے داخل ہیں، پھر وہ مخاطبین کون لوگ ہیں؟ اب تو کہئے فرشتے ہیں ورنہ فرمایئے اور کیا چیز ہیں؟ قولہ: کہ جوحقائق ومعارف ان میں ہیں، ان کو بتلاؤ قوئ بسیطہ کی فطرت ہیں الخ۔ قوی بسیطہ سے مراد اگر قوی ملکوتی ہے تو آپ نے وہ لفظ کیوں بدلا؟ دوم یہ کہنا اس کا علم نہ تھا، غلط ہے کیونکہ اگر قوی ملکوتیہ کی فطرت میں انسان کی اندرونی چیزوں کا علم نہیں تو پھر وہ کون سے قوی ہیں کہ جن سے علم ودانش حاصل ہوتا ہے؟ اوراگر کوئی اور چیز مراد ہے تو یہاں کلام چوتھے فریق ملائکہ میں نہ رہا، یہ پانچواں فریق کہاں سے آگیا؟ قصہ میں اس کا نشان کسی آیت سے کیوں نہ دیا گیا؟ قولہ: پس گویا وہ بولے کہ ہم توان تمام کمالات کونہیں جانتے۔ وہ کمالات تو یہی قوی ملکوتی ہیں کہ جن کوآپ ملائکہ کہتے ہیں، پھر کیا وہ اپنے آپ کوبھی نہیں جانتے تھے؟ جب ان کوعلم حضوری اپنی ذات وصفات کا نہ تھا تو ایسے جہلاء کومخاطب بنانا اوران سے اسماء کلھا کا سوال کرنا اور حقائق الاشیاء دریافت کرنا خدا تعالیٰ کی شان سے نہایت بعید ہے۔ قولہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تونے بتایا ہے یعنی جس محدود فطرت پر پیدا کیا ہے، اس کے سوائے کچھ نہیں کرسکتے۔ آخر آپ کوتنگ آکر جاننے کے معنی کرنا بیان کرنا پڑا، مگر یہ معنی آج تک کسی نے نہ سنے تھے۔ قولہ مگر انسان کی زبان حال نے جس فطرت میں ادراک کلیات وجزئیات تھا، مخاطبین کی حقیقت کو بتلا دیا۔ بڑا کمال کیا جو آپ نے حالات کو بتلا دیا۔ وہ مخاطبین تو بقول آپ کے قوی ملکوتی ہیں، سو وہ آدم علیہ السلام میں حاصل تھیں ۔کیا اس بات سے آدم علیہ السلام خلافت کا مستحق ہوگیا؟ آپ تو صفحہ ۵۶ میں یہ فرما چکے ہیں: ان قوی کو اسماء کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اس میں بڑا دقیقہ یہ ہے کہ انسان کسی چیز کی حقیقت وماہیت کونہیں جانتا ہے، وہ صرف اسماء ہی اسماء ہیں الخ۔ مگر آپ نے کیا سمجھ کر لکھ دیا کہ انسان نے مخاطبین کی حقیقت کو بتلا دیا۔ اب معلوم نہیں کہ آپ کی دونوں باتوں میں سے کونسی غلط ہے؟

قولہ: صفحہ ۱۶۶ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے اس قوی متضادہ کی جن سے انسان مرکب ہے، اس طرح پر فطرت بتائی ہے (یہ لفظ فطرت آپ کوخوب رواں ہے) کہ قوی ملکوتی اطاعت پذیر وفرمانبردار ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں الاّ قوئ بہیمیہ نہایت سرکش اور نافرمانبردار ہیں الخ ان کے سرکش ہونے کو تو ان لفظوں سے بیان کیا ہے کہ ابلیس نے سجدہ نہیں کیا، کہیں یوں فرمایا ہے کہ اس کافر نے غرور کیا الخ۔ آپ نے ابھی تو یہ فرمایا تھا کہ خدا نے قوی ملکوتی کومخاطب کر کے فرمایا جب میں اس کو پیدا کر چکوں توتم سب اس کوسجدہ کرنا۔ اب یہ قابلیت رکھنا چہ معنی دارد؟ بلکہ صاف یوں فرمایئے کہ قوی ملکوتی نے اطاعت کی اور بہیمیہ نے نہ کی۔ علاوہ اس کے قرآن مجید خود کہہ رہا ہے: فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ میدان سخن چھوڑ کر گریز کیوں کرتے جاتے ہو۔ قرآن کے الفاظ کے بموجب تاویل کیجئے۔ شیطان کا آگ سے پیدا ہونا چونکہ قرآن مجید میں مذکور تھا اور وہ معنی قوی بہیمیہ پر صادق نہیں آسکتے تھے لہٰذا آپ کو اس کی تاویل کی بھی ضرورت پڑی۔ پس فرماتے ہیں قولہ: ۶۷ صفحہ قوی بہیمیہ کو جن کا مبدء حرارت غریزی وحرارت خارجی ہے، آگ سے مخلوق ہونا بیان کرنا ٹھیک ٹھیک ان کی فطرت کا بتلانا ہے۔ اچھی فطرت بتلائی، کیا قوی ملکوتی کا مبدء حرارت غریزی نہیں اور یہ بات ہماری سمجھ میں نہ آئی کہ حرارت خارجی جیسا کہ دھوپ اور آگ اور حرکت کو لازم ہے، وہ انسان کی قوئ بہیمیہ کا کیونکر مبدء ہے؟ اب فرق بتلایئے کہ جس صورت میں قوی

ملکوتیہ اور قوی بہیمیہ دونوں کا مبدء انسان کی حرارت غریزی ہے، پھر قوت بہیمیہ کا یہ کہنا کہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ کن معنی پر محمول ہوسکتا ہے؟ اور جب قوت بہیمیہ یہ تفاخر آدم کی نسبت کرتی ہے تب تو اس کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کیونکہ وہ جزء آدم ہے۔ اگر وہ آگ سے پیدا ہوئی ہے خواہ وہ کیسی ہی آگ ہو تو وہ کل جس کا نام انسان ہے، وہ بھی فی الجملہ آگ سے پیدا ہوا ہے کیونکہ جزء کل کی حقیقت میں داخل ہے۔ البتہ یہ تفاخر اگر ملائکہ پر کرتی (حالانکہ یہ بھی صحیح نہیں کما مر) تو کرتی۔ قولہ: پھر جو فطرتی تضاد ان دونوں قسم کی قوی میں ہے، اس کے اظہار کے لئے قوی بہیمیہ کو بطور ایک سخت دشمن کے قرار دیا ہے اور اس کی زبان حال سے اس کی فطرت بیان کی ہے کہ میں ہمیشہ جب تک انسان زندہ ہے یا قیامت تک یعنی جب تک کہ اس کی اولاد رہے گی (اس یعنی سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت بھی آپ کے نزدیک مسلم نہیں) اس کو بہکاتا رہوں گا الخ پھر اللہ تعالیٰ نیک آدمیوں کی فطرت کو اور اس کے دشمن کے فریب میں نہ آنے والوں کے فطری نتیجہ کو بتلاتا ہے...... مگر نیک آدمیوں پر تیرا قابو نہ ہوگا۔ پھر وہ کون سے نیک ہیں کہ جن پر شیطان کا قابو نہ چلا اور وہ جنت سے نہ نکالے گئے حالانکہ آپ کی تاویل کے موجب جنس انسان پر اس کا قابو چلا کیونکہ آدم علیہ السلام سے مراد آپ کے نزدیک جنس ہے، سو اس کو تو شیطان نے بہکایا اور پھر وہ اس گناہ سے جنت سے (خواہ جنت کے کوئی معنی آپ لیجئے) نکالا گیا اور آپ کے اس بیان کے موجب نیک لوگ اس سے آزاد رہنے چاہئیں۔

قولہ: صفحہ ۶۷ اور دونوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ پہلے بہشت میں چین کریں گے اور دوسرے دوزخ میں بھرے جائیں گے۔ دونوں سے مراد قوی بہیمیہ وملکیہ کے تابع لینا اور جہنم میں خاص قوی بہیمیہ کے تابع لوگوں کا داخل کرنا اور شیطان کو چھوڑ دینا قرآن کی نص کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن مجید میں تصریح ہے: لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ . . . الاٰیہ کہ شیطان اور اس کے متبعین جہنم میں داخل ہوں گے۔ پس جب شیطان سے آپ نے قوت بہیمیہ مراد لیا اور ہر انسان کا جزء اس کو قرار دیا تو لازم آیا کہ ہر انسان جہنم میں جائے گا کیونکہ تنہا اس کا ایک جزء قوت بہیمیہ جو عرض قائم بالغیر ہے، بے محل کے جہنم میں جا ہی نہیں سکتا حالانکہ نہ اس کے آپ قائل ہیں نہ کوئی اور کہ ہر انسان جہنم میں رہے گا۔ یہاں جب آپ سے کوئی تاویل ہی نہ ہوسکی تو اس کو چھوڑ کر چل دئے تھے، مگر ہم کب جانے دیتے ہیں۔ علاوہ اس کے شیطان کے لئے فَاخْرُجْ مِنْهَا فرمایا ہے کہ جنت سے نکل جا، اس کی کیا تاویل کیجئے گا؟ اب فرمائیے قوی بہیمیہ کہاں سے نکالی گئی ہیں؟ جب آپ اس قصہ سے فارغ ہوئے تو حضرت آدم علیہ السلام کا اور شیطان کا جو جنت سے نکالا جانا مذکور ہے، اس کے درپے ہوئے مگر ذرا سوچ کر تاویل کرنا۔

سمجھ کے رکھیو قدم دشت خار پر مجنوں ☆ کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

**تمام قیودات سے مبرا ہونا بہشت ہے:**...... قولہ: صفحہ ۶۸ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے انسان کی زندگی کے دونوں حصوں کو بتایا ہے۔ پہلے حصے کو یعنی جب کہ انسان غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرا ہوتا ہے، بہشت میں رہنے اور چین کرنے اور میووں کے کھاتے رہنے سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک جنت اسی کا نام ہے اور جنت الٰہی آپ کے نزدیک اہل اسلام کے خیالات ہیں۔ مگر ہم کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ تمام قیود سے مبرا رہنے کا کیا معنی ہیں؟ اگر یہ مراد ہے کہ زمانہ بے عقلی اور نابالغی تو اہل عقل وادراک کے نزدیک یہ نہایت پستی کا زمانہ ہے کہ اس وقت میں نفس کمالات علمیہ وعملیہ سے خالی بلکہ عقل ہیولانی کے مرتبہ میں ہوتا ہے۔ اس زمانہ کو جنت کہنا سید جیسے لوگوں کا کام ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ بالغ ہونے کے بعد بے قید ہوکر چین کرنا اور دل کھول کر شہوت زانی کرنا جنت ہے کہ جس کو شعراء جنت باندھتے ہیں تو یہ ناپاک لوگوں کی جنت ہے، انہیں مبارک رہے اور تیسرے معنی غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرا رہنے کی بحکم

المعنی فی بطن الشاعر آپ کے ہی ذہن میں ہوں تو ہوں۔ قولہ: اور جب دوسرا حصہ اس کی زندگی کا شروع ہونے والا ہے تو اس کے قدیم دشمن کو پھر بلایا ہے جس نے اس کو بہکا کر درخت ممنوعہ (بلکہ ممنوع) کو کھلایا ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ وہ درخت ممنوعہ کیا چیز ہے؟ اور نہ دشمن قدیم کے پھر آنے کے معنی معلوم ہوئے۔ دشمن قدیم تو شیطان ہے اور وہ آپ کے نزدیک قوی بہیمیہ ہیں، اب اس کے پھر آنے کے کیا معنی؟ کیا وقت ولادت قوت بہیمیہ تھی اور درمیانی عرصہ میں کہیں چلی گئی تھی، رشد اور عقل کے زمانہ میں پھر آ گئی؟ وفسادہ ممالا یخفی۔ علاوہ اس کے دوسرا حصہ زندگی کا (کہ جس کو اپنے ذہن میں آپ نے دوزخ ٹھہرایا ہے) آپ کے نزدیک یہ ہے قولہ: یہ وہ حصہ انسان کی زندگی کا ہے جب کہ اس کو رشد ہوتا ہے اور عقل وتمیز کے درخت کا پھل کھا کر مکلف اور اپنے تمام اقوال وافعال وحرکات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ پس اس حصہ میں کہ عقل وتمیز کا حصہ ہے، دشمن قدیم کے آنے کی کیا طاقت ہے۔ حکماء کا قول ہے کہ عقل اور شہوت وغضب باہم ایک دوسرے کی ضد ہے اور اگر آپ کی یہ بھی مراد تسلیم کی جائے کہ وقت بلوغ مراد ہے کہ جس میں شہوت زور کرتی ہے اور قوائے بہیمیہ غالب ہو جایا کرتی ہیں تو پھر آنے کے کیا معنی؟ یہ زمانہ پہلے کہاں تھا جو دوبارہ آنا کہا جائے؟ معلوم ہوا کہ درخت ممنوع آپ کے نزدیک عقل وتمیز ورشد کا درخت ہے، اس تقدیر پر یہ مشکل پیش آئے گی کہ یہ ممنوع نہیں ہو سکتا بلکہ عقل وتمیز ورشد انسان کے لئے مقصود اصلی ہے اور اسی کو آپ فطرت اور نیچر کہتے ہیں۔ یہ ممنوع کیا بلکہ مامور بہ ہے، پھر یہ بھی سہی مگر اس درخت کو شیطان (قوی بہیمیہ) نے کیونکر بہکا کر کھلوایا بلکہ یہ تو خدا تعالی نے اپنی عنایت خاص سے مرحمت فرمایا۔ علاوہ اس کے اس درخت کے کھانے سے پیشتر تو شیطانی قوی بہیمیہ کو وجود بھی نہ تھا بلکہ اس کے بعد، پھر شیطان کیونکر کھلوا سکتا ہے؟

بات وہ منہ سے کہی ہے کہ بنائے نہ بنے ☆ بوجھ وہ سر پہ لیا ہے کہ اٹھائے نہ بنے

**دروغ گورا حافظہ نباشد:**......قولہ: اخیر کو نہایت عمدگی سے اس کا خاتمہ بیان کیا ہے کہ تم سب نکل جاؤ (یہ تو کہو کہاں سے) اور جا کر زمین پر رہو۔ یہاں تو آپ نے صاف اقرار کر لیا کہ آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے ورنہ آپ زمین اور جنت کی بھی کچھ تاویل کرتے۔ قولہ: ۶۹ تمہاری بدیوں کا علاج بھی وہیں ہے۔ وہ بدی انسان نے بجز درخت عقل کے پھل کھانے کے کیا تھی؟ جس سے وہ توبہ کریں، خدا تعالی سے پکا اقرار کرنا کہ پھر نہ کریں گے اور پھر مت کرنا الخ۔ حضرت سلامت! وہ گناہ تو آپ کے نزدیک عقل کے درخت کا پھل کھانا ہے، پھر اس سے تشبہ کے یہ معنی کہ آئندہ عقل کی بات نہ کریں گے، ہمیشہ بے قید ہو کر چین کریں گے۔ کیا عمدہ تاویل اس قصہ کی فرمائی ہے کہ جس کو اصل قصہ سے ذرا بھی لگاؤ نہیں۔ تھوری دیر انصاف سے غور کر کے دیکھئے ان شاء اللہ آپ اپنی تاویل پر نادم ہو جائیں گے۔ اب آپ کا یہ قولہ: صفحہ ۵۷ تین لفظ اس قصہ میں اور ہیں: جنت، شجر، ہبوط (آپ نے تو ان کی کچھ تاویل نہ کی، مقطع کلام کو دھم سے زمین پر دے مارا)۔ علماء اسلام نے اس کے بیان میں عجیب باتیں کی ہیں جو لوگ کہ صرف لفظوں ہی پر چلتے ہیں، انہوں نے تو جنت کو ایک خیالی بہشت عالم بالا پر مان لیا (آپ کے نزدیک تو جنت بے قید ہو کر چین کرنا ہے) اور درخت سے بھی سچ مچ کا کوئی درخت گیہوں کا، یا انگور کا، یا انجیر کا مان لیا اور ہبوط سے عالم بالا سے زمین پر گرنا (آپ نے بھی تو آخر الامر یہی مانا) توریت میں بھی یہی ہے الخ آپ کی ہٹ دھرمی پر دلالت کرتا ہے یا نہیں؟ قولہ: صفحہ ۵۸ بہت سے علماء اسلام نے جن کو اس قسم کے قصص میں یہودیوں کی پیروی کرنے کی عادت پڑ گئی، ان کی پیروی کر کے انہوں نے کہا کہ یہ جنت زمین پر تھی الخ۔ جناب! وہ بہت سے علماء اسلام کیا خاک تھے، دس بیس معتزلہ تھے۔ ان کے بقول آپ کے یہود کی پیروی کرنے کی عادت تھی جس طرح کہ آپ کو یورپ کے لامذہبوں اور دہریوں کی پیروی کرنے کی عادت ہے۔ پس جس طرح کہ انہوں نے خلاف اہل سنت، یہود کی تقلید سے جنت کو دنیا میں، پھر کبھی رجما بالغیب کرمان، کبھی فلسطین میں قرار دیا، آپ نے

دہریوں کی تقلید میں آ کر سرے سے جنت ہی کا انکار کر دیا۔جس طرح یورپ میں بعض دہریوں نے تورات و انجیل کی تفسیر لکھ کر اپنے الحاد کو زور دیا ہے اور قرآن کی تفسیر لکھ کر اپنے آزادانہ خیالات کو ظاہر کیا ہے۔طابق النعل بالنعل۔

# فصلِ چہارم

## جنت اور دوزخ کے بیان میں

یہ بات بھی فطری الیقین ہے کہ ہر چیز پر بالخصوص انسان کے ہر ایک فعل ارادی پر ایک خاص اثر مرتب ہوتا ہے کہ جس کو جزاء کہتے ہیں۔آگ کی صورت نوعیہ کا مقتضی گرمی اور پانی کی صورت کا اثر خنکی ہے۔جو شخص کہ سنکھیا کھائے گا،ضرور ہے کہ اس کو حرارت و یبوست بافراط عارض ہوگی نمک کھانے کے بعد زبان پر نمکینی اور مٹھاس کے بعد شرینی ضرور پیدا ہوگی۔اسی طرح انسان کے عمل کا ایک اثر خاص ہے۔ہر نیک یا بد کام کرنے کے بعد اس کا رنگ ❶ انسان کی روح پر جمتا ہے اور عالم مثالی ❷ میں وہ اپنی مناسب کسی صورت میں متشکل ہوتا ہے اور قیامت تک اور بعد اس کے جو کچھ صورتیں بنا کے وہ ظاہر ہوگا،وہ سب باتیں اس عمل میں بالقوہ اس وقت موجود ہوتی ہیں جس طرح کہ درخت کے تخم میں پھول و پھل و پتے و شاخیں تمام باتیں بالقوہ موجود ہوتی ہیں اور آناً فاناً وہ سب ظاہر ہوتی ہیں۔جس طرح کہ درخت کے وہ حالات جو کہ اس تخم سے برآمد ہونے میں خیالی نہیں،اسی طرح اعمال کا اپنی مناسب صورتوں میں ظاہر ہونا بھی خیالی باتیں نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اول ہر چیز کی اصل عالم مثال میں پیدا ہو جاتی ہے پھر اس عالم حس میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے،اسی کا ظل اور اسی کے مطابق ظاہر ہوتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ مؤثر اور متاثر میں مناسبت ہونی چاہیے۔پس باری تعالیٰ کا اثر اولی سلسلہء موجودات ہے اور اسی جگہ سے اہل تحقیق نے تنزلات ستہ قرار دیئے ہیں کہ اول مرتبہ ذات بحت،پھر مرتبہ صفات ان یتنھی الی المحسوسات۔الغرض یہ محسوس چیزیں وہیں کے اظلال و آثار ہیں اور اسی لئے جو بات کہ عالم ظہور میں آنے والی ہوتی ہے کبھی ظاہر ہونے سے پہلے خواب میں یا کبھی اصحاب نفوس قدسیہ کو حالت بیداری میں اصلی صورت ❸ پر دکھائی دے جاتی ہے اور کبھی عالم بے ہوشی یا غشی یا نزع روح کے وقت جب کہ روح کی توجہ جسم سے کم ہو جاتی ہے اور عالم بالا کی طرف رجوع کرتی ہے تو وہاں کی چیزیں اس کے آئینہ دل پر منعکس ہو جاتی ہیں۔عمل مسمریزم اور مراقبہ اہل تصوف میں بھی اسی لئے انکشاف مغیبات ہو جاتا ہے۔

**حاصل کلام یہ ہے کہ عالم دو ہیں:**......بعض آیات اور بہت سی احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس عالم عنصری کے سوائے ایک اور عالم ہے کہ جس میں اعمال و اقوال وغیرہا اشیاء اپنی مناسب ایک صورت خاص میں متشکل ہوتے ہیں اور اس عالم میں بیشتر اشیاء موجود ہو چکتی ہیں تب اس عالم عنصری میں اسی کے مطابق ظاہر ہوتی ہیں اور بہت سی چیزیں اس عالم میں یہاں سے نقل کر جاتی

---

❶......چنانچہ اس حدیث میں (جب انسان بدی کرتا ہے تو ایک نقطہ اس کے دل پر ہو جاتا ہے،پھر وہ تمام دل کو گھیر لیتا ہے،الحدیث) اسی طرف اشارہ ہے۔منہ۔

❷......چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ جب کوئی صدقہ دیتا ہے تو اس کو خدا تعالیٰ اس طرح پالتا ہے کہ جس طرح کوئی اونٹ یا گھوڑے کے بچہ کو پالتا ہے،پھر قیامت کو احد پہاڑ کی مانند بنا کر لائے گا،رواہ البخاری۔منہ اور مال غیر مزکی کا قیامت میں سانپ بن کر انا کنزک انا مالک کہنا کما فی صحیح البخاری اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

❸......وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے لوح و قلم کو پیدا کر کے حکم دیا کہ لکھ،اس نے عرض کیا کہ کیا لکھوں؟ ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہونے والا ہے،وہ سب کچھ لکھ۔اس سے اسی طرف اشارہ ہے کہ اس عالم کی کل چیزیں یہاں ظاہر ہونے سے پیشتر جو کچھ کائن ہیں،الی یوم القیامہ سب کو تحقق میں لایا،پھر اسی کے مطابق یہاں ہو رہا ہے اور جو کچھ ہو چکتا ہے،پھر اسی عالم میں جا کر قرار پاتا ہے اور وہ عالم کہیں آسمان و زمین پر کسی خاص جگہ نہیں بلکہ اس عالم حسی کا دوسرا پہلو ہے اور آپ کو کوئی تختی اور قلم کو بھی داسطی قلم نہ سمجھے گا اور اسی جگہ تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہوا کہ جو کچھ ظاہر ہونے والا ہے وہ ہو چکا،اسی کے مطابق ظاہر ہو کر رہے گا۔بندہ محض کاسب یا سبب ہے کہ جس کی وجہ سے ثواب و عقاب،مدح و ذم کا مستحق ہوتا ہے۔منہ۔

ہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز سورۂ بقرہ اور آل عمران بادل کی صورت میں ظاہر ہو کر اپنے قاری کے حق میں شفاعت کریں گی اور فرمایا کہ قیامت کے روز اعمال حاضر کئے جائیں گے۔ نماز، پھر زکوٰۃ پھر روزے آئیں گے، اور فرمایا کہ قیامت کے دن دنیا کو بڑھیا کی شکل میں لائیں گے اور فرمایا کہ شب معراج میں مجھ کو چار نہریں نظر آئیں، دو ظاہر میں اور دو باطن میں جاری تھیں۔ پس میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا تو بتلایا کہ یہ باطن کی دو نہریں جنت میں بہتی ہیں اور یہ ظاہری دو نہریں نیل اور فرات ہیں۔ اور حدیث صلوٰۃ کسوف میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوزخ اور جنت مجھ کو دکھائی گئیں اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ مصلی اور محراب کے درمیان جنت دکھائی دی اور آپ نے ہاتھ بڑھایا کہ اس کا ایک خوشہ لے لیں اور فرمایا کہ قیامت کے روز موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر لوگوں کے رُوبرو ذبح کر دیا جائے گا۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ کہ جبرئیل حضرت مریم علیہا السلام کو آدمی کی صورت میں نظر آئے۔ اور حدیث میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام حضرت نبی ﷺ کو دکھائی دیتے تھے اور آپ سے کلام کرتے تھے مگر اور کسی کو دکھائی نہ دیتے تھے اور فرمایا کہ موت کے وقت ہر شخص کو ملائکہ نظر آتے ہیں، ان کے ہاتھ میں حریر یا ٹاٹ ہوتا ہے اور قبر میں میت کو ملائکہ دکھائی دیتے ہیں اور سوال کرتے ہیں اور انسان کا اعمال متشکل ہو کر سامنے آتے ہیں۔ علاوہ ان کے اور بے شمار صحیح احادیث اس بارے میں وارد ہیں۔ چنانچہ کتب صحاح ستہ وغیرہا ان امور کے ذکر سے مالامال ہیں۔

**مرنے کے بعد اچھے اعمال اچھے شگون میں نظر آتے ہیں:**...... پس جب یہ ثابت ہو چکا تو انسان کی جزاوسزا اخروی کی یہ صورت ہے کہ جب انسان لباس جسمانی اتارتا ہے تو اس کے اعمال اچھی یا بری صورتوں میں آ کر دکھائی دیتے ہیں۔ پھر جب جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو حظیرۂ قدس میں روح اعظم کی طرف اس طرح کھینچ کر جاتا ہے جیسا لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے اور اس حظیرہ قدس کو علیین بھی کہتے ہیں۔ پس وہاں اس کی ملائکہ مقربین اور ارواح طیبین سے ملاقات ہوتی ہے اور اس کی جسمانی باتیں مٹ جاتی ہیں اور اس کے اعمال وادراکات واخلاص نہایت عمدہ صورتوں ❶ میں اس کو دکھائے جاتے ہیں، جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں اور اس کی خواہش کے موافق نعمائے الٰہی اس کے لئے متشکل ہو جاتی ہیں۔

**مرنے کے بعد برے اعمال بری شکلوں میں نظر آتے ہیں:**...... اور جو بد شخص ہے تو اس کے عمال منکر نکیر کی نہایت بری شکل میں اس کو عذاب کرتے ہیں۔ اس کو بخل اور شہوت اور دیگر اخلاق رذیلہ سانپ، بچھو کی صورت میں ظاہر ہو کر ڈستے ہیں، اس پر گرز پڑتے ہیں اور طبقہ ظلماتی میں کہ جس کو سجین کہتے ہیں، اس کو محبوس کیا جاتا ہے اور یہ وہاں اپنی ناز یبا باتوں سے نہایت رنج اٹھاتا رہتا ہے اور اس سجین اور علیین کو عالم قبر کہتے ہیں۔ اگر آپ کو قبر کے ثواب وعذاب کا سر اچھی طرح معلوم ہوا تو آپ کے لئے اس وعالم میں خواب کی نظیر پیش کرتا ہوں۔ صفراوی المزاج خواب میں گرمی اور آگ دیکھتا ہے اور گویا آگ اس کو جلاتی ہے اور وہ اس عالم میں بڑی تکلیف پاتا ہے بلکہ بعض کی چیخ نکل جاتی ہے اور رونے کا اثر آنکھوں میں آنسو پاتا ہے اور بیداری میں بھی بدن کانپتا رہتا ہے اور اسی طرح بلغمی المزاج دریا اور ہوائے سرد دیکھتا اور اس سے تکلیف پاتا ہے اور درندہ سیرت خواب میں درندے کو دیکھتا ہے۔ المختصر اس کی کیفیات متشکل ہو کر خواب میں دکھائی دیتی ہیں اور اس عالم خواب میں وہ چیزیں اصلی طور پر اثر پہنچاتی ہیں۔ ہاں ان کو خیالی باتیں جو ہم کہتے ہیں تو اس حالت بیداری میں کہتے ہیں۔ اگر عالم بیداری نہ ہوتا تو یہ راز نہ کھلتا، نہ کبھی ان کو خیالی باتیں کہا جاتا۔ پس اسی طرح عالم مثال ہے کہ یہ کیفیات وہاں متمثل ہوتی ہیں وہ بھی گویا ایک عالم خواب ہے صرف یہ فرق ہے کہ اس سے حشر تک بیداری نہیں ہوتی۔

---

❶ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس عالم کی چیزوں کو بالکل اسی عالم کی چیزوں پر قیاس نہ کرنا چاہئے۔ حقانی۔

دوم: وہاں اس قدر جسمانی تعلق باقی نہیں رہتا گو کسی قدر جسم کا اثر کچھ مدت باقی رہتا ہے۔ اس عالم برزخ میں لوگوں کے مختلف حال ہیں۔ اکثر ان لوگوں کو (کہ جن کا جسم سے نہایت تعلق ہے اور وہ جسم اور روح کو ایک ہی سمجھتے ہیں، جسم کا کوئی عضو کٹنا اپنا عضو کٹنا سمجھتے ہیں) تو یہی صورت پیش آتی ہے اور بعض لوگ کہ جن کی قوت بہیمیہ اور ملکیہ دونوں ضعیف ہیں لیکن ملکیہ میں بہیمیہ کا اثر نہیں پہنچا اور ان میں ملائکہ سافلہ سے مل جانے کی بڑی قابلیت ہوتی ہے تو وہ بعد مردن ملائکہ سافلہ میں جا ملتے ہیں اور انہیں کے سے کام کرتے ہیں اور ایک نوع سے دوسرے نوع میں منتقل ہو جانا اس عالم حس میں بھی مشاہد ہے۔ پانی کے کیڑوں کا چھلکا اتار کر مچھر بن جانا بہت بار تجربہ سے معلوم ہوا ہے۔ اور بعض لوگ کہ جن کے قویٰ بہیمیہ مغلوب اور قوت ملکیہ نہایت علو پر ہوتی ہے، وہ ملائکہ عالیہ میں جا ملتے ہیں اور یہ حدیث کہ جس میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے جعفر رضی اللہ عنہ کو جنت میں ملائکہ کے ساتھ اڑتے دیکھا، اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ لوگ کبھی خدا تعالیٰ کی جماعت کو مدد اور اس کے اعداء کو ہزیمت بھی دے جاتے ہیں۔ بعض اہلِ بصیرت کا پیغمبر ﷺ و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بعض مواقع میں تشریف لاتے دیکھنا بھی اسی سے مطلع کرتا ہے۔ اور جن کی روح ہوائی (جو روح حقیقی کا مرکب ہے) نہایت قوی ہوتی ہے تو وہ لوگ مرنے کے بعد مقتضی صورت نوعیہ کے موجب طعام لذیذہ اور بعض لذات و شہوات کی خواہش ❶ بھی کرتے ہیں تو ان کی خواہش پوری نہیں کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔

**اہلِ سعادت:** ......اور بعض لوگ کہ جن کی نورانیت نہایت غالب ہوتی ہے۔ ان کا اس عالم سے نہایت تعلق رہتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام بلکہ وہ نورانیت ان کے جسم اطہر پر سرایت کر جاتی ہے، اس لئے وہ گلتا سڑتا نہیں اور اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے اور یونس علیہ السلام کو لبیک کہتے دیکھا۔ اسی لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے لئے بعد موت کے حیات ثابت کی جاتی ہے اور حیات النبی مشہور بین الجمہور ہے

**اہلِ شقاوت:** ......اور بعض لوگ کہ جن کی قوتِ بہیمیہ نہایت غالب ہے اور ان کی ملکیہ قوت بالکل مستور و مقہور ہے تو وہ بعد موت کے اپنی قابلیتِ اصلیہ یا کسبیہ سے شیاطین سے جا ملتے ہیں۔ الغرض ایک مدت تک عالم برزخ میں یہ چیزیں متشکل ہو کر نظر آتی ہیں اور ہر شخص کا ایک خاص حال ہوتا ہے لیکن جب یہ تمام عالمِ حسی فنا ہو جائے گا یعنی کثافت کی چادر اتار کر لطیف و نورانی بن جائے گا کہ جس کو کو عالمِ حشر یا روز قیامت کہتے ہیں تب ان متشکل چیزوں کے دیکھنے میں سب مساوی ہوں گے اور یہ بھی خیال رہے کہ حشرِ اجسادنئی زندگانی نہیں ورنہ پھر کوئی شخص اپنے اعمال سابقہ کی جزا و سزا نہ پائے بلکہ یہ پہلی زندگانی کا تتمہ اور تکملہ ہے۔ پس جب نفوس مبعوث ہوں گے تو ان کا بخل اور تکبر کسی بری شکل میں ظاہر ہو کے ان کی پشت پر سوار ہوگا اور نامۂ اعمال دیا جائے گا اور حساب یسیر یا عسیر لیا جائے گا اور شریعت پل صراط کی شکل میں ظاہر ہوگی اور جو لوگ اس پر دنیا میں جس طرح چلتے تھے، اسی طرح وہاں اس پر چلیں گے۔ پورا پورا عمل کرنے والے خلوص

❶ بعض نبفتہ کوڑ مغز کرستانوں نے اس پر طعن کیا ہے اور اس کو اسلام کے حق میں دھبہ سمجھا ہے مگر ان کو نہ اس اسرار کو سمجھنے کی لیاقت ہے جو یہاں اور دیگر مواقع میں بیان ہوئے ہیں۔ نہ قرآن مجید کی ان آیات کا علم ہے کہ جہاں انار اور انگور اور حور و قصور سینکڑوں جسمانی نعماء ملنے کا وعدہ ہے، نہ انجیل متی کے اس فقرہ پر دھیان ہے کہ جہاں اس عالم میں انگور کا شیرہ پینا آیا ہے۔ آنکھ بند کر کے اعتراض کر دینا اپنی مشیخت سمجھتے ہیں، اپنے جہل موروثی سے ناچار ہیں۔ ابوالحسن حقانی۔ یہ بار بار بیان کر دیا کہ وہ علم جس میں نعمات ہیں اس عالم سے جس میں ہم ہیں، قدیم ہے لہٰذا وہ نعمات اصل میں کیا ہیں، اس کو اس عالم میں کما ہو ہوا دراک نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر اس عالم میں رفع حجاب ہوا اور وہ نعمات مشاہدہ ہوں تو وہاں کے انگوروں کی صورت ہمارے انگوروں کی صورت جسمیہ کے موافق ہوگی لیکن اس کی حالت اس عالم میں معلوم نہیں ہو سکتی، اس لئے اس پر اعتراض ہی غلط ہے۔ حقانی۔

والے برق کی طرح پار ہو جائیں گے، اور پھر درجہ بدرجہ، اور شرع میں قصور کرنے والے اور فطرت کے برخلاف چلنے والے اس پر نہ چل سکیں گے، کٹ کٹ کر گر پڑیں گے اور خلوص قلب وہاں نور بن کر ظاہر ہوگا اور اعمال صالحہ سواری بن جائیں گے۔ چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے: قال النبی ﷺ سمنوا ضحایاکم فانها علی الصراط مطایاکم کہ اپنی قربانیوں کو فربہ کرو، اس لئے کہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی اور اسی طرح آنحضرت ﷺ کی نبوتِ عامہ حوضِ کوثر کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ جس نے یہاں سے کچھ فیض اٹھایا، وہ وہاں بھی اس سے سیرابی حاصل کرے گا اور فطرت و شریعت پر استقامت تراز وعمل ہو جائے گی۔

**انسان کا ہر عمل عالمِ مثال میں متشکل ہے:**..... اور اسی طرح قرآن اور رمضان وغیرہ اشیاء اپنی اپنی صورتوں میں ظاہر ہوں گی اور ملائکہ بھی عالم حشر اور برزخ میں عذاب و ثواب پر موکل کئے جائیں گے اور وہاں ہر شخص کو دکھائی دیں گے اور اسی طرح رحمتِ الٰہی اور نعمتِ غیر متناہی جنت کی شکل میں ظہور کرے گی، بلکہ اب بھی متشکل ہے۔ حورعین اور عمدہ عمدہ مکانات اور انار، انگور اور غلمان اور نہایت عمدہ ظروف کہ جن کو چاندی سونے کا اور کبھی یاقوت وموتی کا شرع نے بتایا ہے اور قرآن واحادیث میں ان کو بندوں کے محاورے کے موافق اس عالم کی عمدہ چیزوں کے ساتھ تشبیہ دے کر متعدد جگہ طرح طرح کے عنوانوں سے بیان فرمایا ہے۔ وہ سب نعماء الٰہی اور بندوں کی خواہش متمثل ہوں گے، بلکہ ہر شخص کی خواہش کبھی حور اور کبھی انار اور کبھی یاقوت وزمرد کے مکانات کی صورت میں ظہور کرے گی۔ بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک حور گندم گوں، سرخ لب دیکھی۔ جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ کہا: جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ایسی عورت سے نہایت رغبت خدا تعالیٰ نے دیکھی تو اس کو..... اس شکل میں ظاہر کر دیا۔ اسی طرح ہر روز ہر ایک نعمت الٰہی نئی صورت میں ظہور کرے گی اور وہاں کے آفتاب و ماہتاب بھی یہ آفتاب و ماہتاب نہ ہوں گے، نہ یہ زمین وہاں کی زمین ہوگی، نہ آسمان وہاں کا آسمان ہوگا۔ کما قال تعالیٰ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا کہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں گے نہ سخت سردی۔ وقال يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ کہ آسمان وزمین اس روز بدل جائیں گے، اس لئے کہ یہ عالمِ جسمانی کہ جس کے قویٰ محدود ہیں، ہمیشہ کے لئے باقی نہیں رہ سکتا۔ پس ایک روز یہ تمام عالم جسمانی، زمین و آسمان، پہاڑ و دریا، چاند وسورج فنا ہو جائیں گے اور یہ سب کے سب اس عالم میں جا کر اپنی موافق صورتوں میں ظہور کریں گے کیونکہ اس عالم سے یہاں یہ چیزیں آتی ہیں اور پھر وہیں چلی جاتی ہیں جس طرح کوئی مچھلی دریا میں ظاہر غوطہ لگا جائے۔ شاید جو لوگ بروز اور کمون کے قائل ہیں، اسی لئے قائل ہوئے ہیں۔ قال تعالیٰ كُلٌّ اِلَيْنَا رَاجِعُوْنَ یعنی ہر چیز ہمارے پاس لوٹ آتی ہے۔ رجوع میں یہ بات ضرور ہے کہ جہاں سے ابتداء ہوا سی کی طرف انتہاء ہو۔ پس جس طرح یہ عالم حرکت تدریجیہ کے ساتھ اس سے ظہور کرتا ہے کہ اول مرتبہ ذات بحت، پھر ذرا تفصیل بحالت تجرد، پھر ظہور عالم حسی سے لوٹ کر ہر چیز پھر عالمِ ملکوت کی طرف رجوع کرتے کرتے اس کے پاس جا پہنچتی ہے۔ اس نکتہ کے بیان کی یہاں زیادہ گنجائش نہیں۔

**قیامت:**..... الختصر یہ تمام عالم اس عالم کی طرف رجوع کرے گا کہ جس کو قیامت کہتے ہیں، چنانچہ اس فناء عالم کی تفصیل قرآن واحادیث میں کثرت سے موجود ہے۔ جنت میں اعلیٰ اور سب سے زیادہ نعمت تجلی دیدار الٰہی ہوگی کہ جس کی کیفیت سے عقل آگاہ نہیں ہو سکتی بلکہ ہر روز غیر متناہی چیزیں جو جنت میں پیش آئیں گی، سوائے خدا تعالیٰ کے ان کی کوئی نہ کنہ حقیقت جانتا ہے نہ پورا ان کا کسی کو علم ہے۔ قال تعالیٰ: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ بعض لوگ جو اس نکتہ سے ناآشنا ہیں اور جنت و دوزخ اور عالم برزخ کے اسرار سے بے خبر ہیں، جنت کی ان نعماء کا اس آیت کو سند بنا کر انکار کرتے ہیں اور ان نعماء کو عالم حسی کی چیزوں پر قیاس کر کے جنت کو دنیا کی خرابات سے تشبیہ دیتے ہیں اور طرح طرح سے زبان طعن و طنز کشادہ کرتے ہیں اور بعض پادریوں نے تو بے سمجھے قرآن

واحادیث کے ان پاکیزہ مضامین پر جو اسرار الٰہیات ہیں، بڑا طعن کیا ہے اور جس طرح ان لوگوں نے اسرار کی ناواقفیت سے انکار واعتراض کیا ہے، اسی طرح ہنود کے اکابر اس نافہمی سے ارواح کی نسبت تناسخ کے قائل ہو گئے ہیں کہ دوبارہ پھر اس جسم عنصری میں روح لوٹ آتی ہے اور یہی طریق جزا وسزا کا ہے۔ اس عقیدے کے ابطال پر ادلہ قائم کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ جو اس سر سے واقف ہے، وہ کبھی تناسخ کا قائل نہ ہوگا۔ جس طرح رضائے الٰہی ونعماء نامتناہی جنت کی صورت میں ظہور کرتی ہے، اسی طرح وہ اعمال جو خلاف فطرت عمل میں آئے ہیں، عقوبات جہنم کی صورت میں پیش آتے ہیں۔ یہی چیزیں۔ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ❶ بن جاتی ہیں اور یہی اعمال اپنی صورت طوق وزنجیر وزقوم اور گرم پانی بنا کے ایذاء پہنچاتے ہیں۔ انسان کی شقاوتِ قلبی، جہنم کی اندھیری بن جاتی ہے اور قہر الٰہی جہنم کی صورت میں متشکل ہو چکا ہے۔ جہنم سے نجات پانے کی مختلف صورتیں ہیں کبھی شفاعت انبیاء علیہم السلام، کبھی محض رحمت کبریاء، کبھی صور اعمالیہ کے وجود کی انتہاء۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں یہ باتیں اس کثرت سے مذکور ہیں کہ جس کا عشر عشیر بھی نہ کسی کتاب الہامی میں پایا جاتا ہے، نہ اس کا سواں (۱۰۰) حصہ آج تک کسی اشراقی یا مشائی حکیم پر منکشف ہوا ہے۔ یہ راز سربستہ خدا تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہایت وضاحت سے بیان کروایا۔ اس علم کے جو دقیق مسائل افلاطون الٰہی کو نصیب نہ ہوئے تھے، آج وہ اس فیض نبوت کے طفیل عام مسلمانوں کو معلوم ہیں۔ اب میں نہیں کہتا ہوں کہ سید احمد خان صاحب بہادر اس سر کو کیا سمجھے۔

**سید صاحب کا بہشت کے متعلق غلط نظریہ:**..... قولہ: صفحہ ۲۰۲ جنت یا بہشت کی ماہیت جو خدا تعالیٰ نے بتلائی ہے، وہ تو یہ کہ: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ یعنی کوئی نہیں جانتا کہ کیا ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) چھپا رکھی ہے، اس کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حقیقت بہشت کی فرمائی جیسے کہ بخاری ومسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند پر بیان کیا ہے وہ یہ کہ قال اللہ تعالیٰ اعدت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر الخ۔ **اقول:** آپ کا حاصل کلام یہ ہے بہشت قرۃ اعین یعنی راحت کا نام ہے اور اس کا بیان کرنا محال ہے۔

**خدا تعالیٰ کو بہشت کی کیفیت بیان کرنا محال ہے:**..... قولہ: پس بہشت کی کیفیت بالذات کا جس کو قرۃ اعین کے ساتھ تعبیر کیا ہے،، بیان کرنا گو کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا بیان کرنا چاہئے، محال سے بھی بڑھ کر محال ہے اور اس محال ہونے کی دلیل آپ نے یہ بیان فرمائی:

**قولہ:** انسان مطابق اپنی فطرت کے انہیں چیزوں کو سمجھ سکتا ہے اور نہیں کا خیال اس کے دل میں آ سکتا ہے جو اس نے دیکھی، یا چھوئی، یا چکھی، یا سونگھی، یا قوت سامعہ سے محسوس کی ہوں اور بہشت کی جو قرۃ اعین یعنی راحت یالذت ہے اس کو نہ انسان نے دیکھا ہے، نہ چھوا ہے، نہ سونگھا ہے، نہ قوت سامعہ نے اس کا حس کیا ہے۔ پس فطرت انسانی کو مطابق انسان کی اس کا بتلانا ناممکن ہے۔

اول تو یہ دلیل آپ کی محض بے بنیاد ہے کیونکہ کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ انسان کو انہیں چیزوں کا علم ہے جو حواس خمسہ سے محسوس ہیں، کس لئے کہ ہزار ہا ایسی چیزیں ہیں کہ جن کو ہم قطعی طور پر جانتے ہیں لیکن وہ چیزیں حواس خمسہ میں سے کسی کے ساتھ بھی محسوس نہیں ہو سکتیں۔ مجردات اور معانی جزئیہ اور کلیات فرمایئے کونسے حس سے محسوس ہیں؟ عداوت، محبت، کسی شے کا قدم یا حدوث۔ اسی طرح انسان، حیوان وغیرہ ہما کلیات اور ملائکہ اور خدا تعالیٰ کی ذات۔ اسی طرح اپنی روح کا موجود ہونا بلکہ اپنا وجود اور رنج اور خوشی، نہ آنکھ سے، نہ کان سے، نہ قوت ذائقہ سے، نہ سامعہ سے، نہ لامسہ سے محسوس ہوتی ہے۔ باوجود اس کے ہم کو ان چیزوں کا علم ہے۔ شاید اسی بناء پر آپ ملائکہ اور شیاطین اور جن وغیرہ غیر محسوس چیزوں کا انکار کرتے ہیں۔ سید صاحب! ان وسواس کے ماننے والوں کا زمانہ گیا، اب تو ایسے

❶..... اس عربی فقرہ کو اسی اندھے معترض نے آیت سمجھ لیا۔ پھر اس میں لفظ (اموقدۃ التی) نہ ہونے سے منسہ علامہ کو آیات پڑھوں۔ کے طعن کر دیا۔ ابوالحسن حقانی۔

لا اور یہ اور سوفطائیہ کو عقلاء حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ آپ کی اس دلیل کو تسلیم بھی کیا جائے تو آپ کا اس سے صرف یہ مقصود ہوگا کہ کیفیات (جیسا کہ قند کی شیرینی یا حنظل کی تلخی) یا اور وجدانیات حیز بیان سے باہر ہیں، انسان ان کی تعبیر نہیں کرسکتا۔ سو یہ مسلم مگر اس سے جنت کی ان نعماء کی کہ جن کا ذکر قرآن میں ہے (حور قصور، میوہ جات) نفی یا انکار کسی طرح نہیں لازم آتا کہ جنت کی جس قدر کیفیات ہوں گی، ان کی حقیقت کوئی نہیں جانتا۔

سوم: غایۃ مافی الباب اس کے بیان سے انسان کا عجز ثابت ہوگا، نہ کہ خدا تعالیٰ کا۔ طرفہ یہ کہ آپ خود اقرار کرتے ہیں کہ اس قرۃ اعین کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اولاد پیدا ہونے، مینہ برسانے، رزق کے فراخ ہونے، دشمنوں پر غلبہ پانے اور اس (1) کلفت کو اولاد کے مرنے، قحط پڑنے، وباء پھیلنے، شکست کھانے کی کیفیت کی تشبیہ میں بیان کیا انتہی صفحہ ۱۳۸ اور آپ اسی صفحہ پر یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ محمد مصطفی ﷺ نے اس کو ایسی تشبیہوں میں بیان کیا ہے کہ تمام انسانوں کی طبیعتوں پر حاوی ہیں اور کل انسانوں کی خلقت اور جبلت کے نہایت ہی مناسب ہیں الخ پھر تعجب کی بات ہے کہ اس قرۃ اعین یعنی راحت یا لذت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفی ﷺ تو تشبیہات مرغوبہ میں نہایت عمدہ طور پر بیان کر جائیں اور آپ کے خدا صاحب اس سے ایسے عاجز ہو جائیں کہ اس کو اس کا بیان کرنا محال کیا، بلکہ محال سے بھی بڑھ کر ہو جائے۔ تعالی اللہ عن ذلک علوًا کبیرًا۔

اگر آپ یہ فرمائیں کہ قرۃ اعین کی کنہ حقیقت کے علم کو ہم محال کہتے ہیں اور باقی ان تشبیہات سے اس کا علم بالوجہ حاصل ہو سکتا ہے، سو اس میں ہمارا کلام نہیں تو میں اس کے جواب میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو غایۃ مافی الباب ان چیزوں کا علم بالکنہ مشکل اور متعذر ہوگا، نہ کہ محال اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ تشبیہات جو قرآن میں مذکور ہیں (کہ وہاں حوریں اور نہریں اور باغ اور عمدہ عمدہ محل اور سایہ دار درخت اور طرح طرح کے میوے ہیں) غلط نہیں ہو سکتیں، پھر آپ کا ان چیزوں سے انکار کرنا اور یہ آیت فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پیش کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ اس تقریر پر آیت اور حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ ان چیزوں کی کوئی حقیقت کما ہی نہیں جانتا، نہ یہ کہ جس چیز کو باغ سے تشبیہ دی ہے، جس کو حور عین کہا ہے اور جس کو سایہ دار درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے، علی ھذا القیاس ان کا دراصل اس تشبیہ کے موافق وجود نہیں۔ حاشا و کلا اگر یہ ہو تو پھر یہ تشبیہ لغو ہو جائے۔ جب ہم زید کو شیر کہیں اور اس کے ساتھ تشبیہ دیں تو گو زید ہو بہو شیر نہیں مگر یہ تو ضرور ہوگا کہ کسی وصف خاص میں شیر کا ہم پلہ نہیں تو مماثل اور مشابہ تو ضرور ہوگا، ورنہ یہ تشبیہ لغو اور کذب ہوگی۔ اس تقریر پر یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جنت میں عنصری درخت نہیں، نہ وہاں یہ عنصری سونا، نہ اس کے مکانات، نہ یہاں کی شراب، نہ یہاں کے اجسام عنصریہ سے مرکب خوبصورت عورتیں، نہ یہاں کی نہریں، نہ یہاں کے میوے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے بلکہ ان کی حقیقت اور یہاں کی کی چیزوں کی حقیقت غیر ہے۔ محض ہمارے سمجھانے کے لئے یہ الفاظ کسی مناسبت سے بولے گئے ہیں۔ اس آیت اور حدیث سے ان چیزوں کے وجود کی نفی نہیں سمجھی جاتی بلکہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ جو چیزیں ہم نے اپنے بندوں کے لئے مخفی رکھی ہیں، ان کو کوئی نہیں جانتا۔ جو کہ اس سے مخفی نہیں رکھیں بلکہ بذریعہ وحی کے بتلا دیں، ان کو ہم جان سکتے ہیں اور حدیث تو اسی آیت کی تفسیر میں واقع ہے۔ پس اب ان نعماء کے جاننے اور اس آیت میں منافات باقی نہ رہی۔ اب اس آیت سے یہ سمجھنا کہ جو چیزیں نصوص قرآنیہ میں مذکور ہیں، وہ محض بے اصل ہیں۔ محض وسوسہ شیطان ہے۔

---

(1) آپ کی اس تقریر سے یہ بات پائی گئی کہ جنت محض راحت دنیاوی کا نام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو مینہ برسانے، رزق کے فراخ ہونے پر محمول کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بلکہ آنحضرت ﷺ نے تمام دنیا کے ترغیب دینے کو باغ اور حور وغیرہ چیزوں کو بتایا ہے۔ اس سے اخروی جنت کا بالکل انکار ہو گیا۔ نہ صرف یہ بات کہ آپ وہاں کی نعماء کا ایسا وجود نہیں مانتے جیسا کہ دنیا کی نعماء کا وجود ہے کیونکہ یہ بات تمام اہل اسلام بھی مانتے ہیں، پھر آپ کا نزاع ہی کیا ہے؟ بالکل انکار کرتے ہیں۔ حقانی

قولہ: صفحہ ۳۸ یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے، اس میں سنگ مرمر اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں، باغ میں شاداب وسرسبز درخت ہیں، دودھ شراب کی نہریں بہہ رہی ہیں، ہر قسم کے میوہ کھانے کو موجود ہے، ساقی وساقنین نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں، شراب پلارہی ہیں۔ ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے، ایک نے ران پر سر دھرا ہے، ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے، ایک نے لب جان بخش کا بوسہ لیا ہے۔ کوئی کسی کونے میں کچھ کررہا ہے، کوئی کسی کونے میں کچھ۔ ایسا بے ہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر بہشت یہی ہو تو بے مبالغہ ہماری خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں انتہی۔ آپ کو اس سفید ریش پر یہ بے تہذیب باتیں زیبا نہیں۔ جنت کی نعماء کو کوئی شخص دنیا کی چیزیں بعینہ نہیں سمجھتا۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

آپ ایسی باتیں کر کے اپنے بیچارے معتقدوں کا ایمان کیوں خراب کرتے ہیں؟ آپ سے پہلے ہزاروں بیہودہ گو کلام الٰہی پر پھکڑ بازی کر چکے ہیں۔ ان باتوں کا جواب پھکڑ بازی کے ساتھ ہم کو بھی آتا ہے مگر ہم اپنی اوقات عزیز کو ضائع نہیں کرتے۔

گفتگو آئین۔ درویشی نبود ☆ ورنہ باتو ماجرا ہا داشتیم

قولہ: صفحہ ۳۹ علماءِ اسلام نے بسبب اپنی رقتِ قلبی الخ کے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو امر الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے، اسی کو تسلیم کرلیں (بخلاف آپ کے کہ آپ تسلیم نہیں کرتے) اور اس حقیقت اور اس کے مقصد کو خدا تعالیٰ کے علم پر چھوڑ دیں۔ اس واسطے وہ بزرگ تمام ان باتوں کو تسلیم کرتے ہیں جن کو کوئی بھی نہیں مان سکتا اور وہ باتیں جیسے کہ عقل اور اصلی مقصد بانی مذہب کے برخلاف ہیں، ویسی ہی مذہب کی سچائی اور بزرگی اور تقدس کے مخالف ہیں۔ اقول: آپ وہ عقل کے برخلاف باتیں تو پیش کیجئے۔ شاید ملائکہ اور شیطان اور جن اور جبرئیل علیہ السلام اور نعماء جنت اور معجزات اور خرق عادات کو آپ ایسی باتیں قرار دیتے ہیں کہ جن کو اس وقت کے دہریے خلاف عقل کہتے ہیں۔ ان بیچاروں کے حصہ میں عقل سلیم ہی نہیں، ان کو عقل سے کام ہی کیا پڑتا ہے۔ یہ محسوسات ہی پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو چیز ان کو حواسِ خمسہ سے معلوم نہ ہو، ان کے نزدیک تو وہی خلاف عقل ہے۔ ایسی اندھی عقل کا کیا ٹھکانا ہے؟ جب علماءِ اسلام رحمہم اللہ ہی آپ کے نزدیک خلاف عقل کے پیرو اور غیر محقق ہیں تو کیا عیسائی اور یہودی علماء کہ جن کا اصولِ مذہب تثلیث والوہیت مسیح وکفارہ وتشبیہ وغیرہ لغو باتیں ہیں، محقق ہیں یا ہندوؤں کے پنڈت کہ جن کا اصول دین مخلوق پرستی ہے۔

قولہ: صفحہ ۳۹ اس امر کے ثبوت کے لئے بانی مذہب کا ان چیزوں کے بیان کرنے سے صرف اعلیٰ درجہ کی راحت کا بقدر فہم انسانی خیال پیدا کرنا مقصود تھا نہ واقعی ان چیزوں کا دوزخ وبہشت میں موجود ہونا۔ ایک حدیث ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو ترمذی نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بہشت میں گھوڑا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہاں جو کچھ چاہو گے، سب کچھ ہوگا۔ پس اس جواب سے مقصود یہ نہیں ہے کہ درحقیقت بہشت میں گھوڑے اور اونٹ موجود ہوں گے بلکہ صرف ان لوگوں کے خیال میں اس اعلیٰ درجہ کی راحت کا خیال پیدا کرنا ہے۔ اقول: اس حدیث فہمی کے قربان جائیے کہ جس سے الٹا مطلب سمجھ میں آئے۔ اے حضرت! جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے شخص کے جواب میں گھوڑا یاقوت سرخ کا بیان فرمایا، اور دوسرے کو یوں کہا کہ جو چاہو گے، سب ہوگا تو صاف اس بات کا بتلا دینا ہے کہ وہاں تمہاری خواہشیں ان ان صورتوں میں ظاہر ہو کر تمہارے رُوبرو آئیں گی جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ وہاں یہ چیزیں نہ ہوں گی۔ چنانچہ یہ آیت بھی اس مدعا پر دلیل ہے: وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ کہ تم وہاں جو چیزیں چاہو گے اور جس سے تمہاری آنکھیں خوش ہوں گی، ملے گی۔ مگر آپ چونکہ اس سر سے واقف نہ تھے، اس کو الٹا سمجھ گئے۔ قولہ صفحہ ۴۰ حکماء الٰہی اور انبیاء علیہم السلام دونوں ایک سا کام کرتے ہیں الخ۔ اقول: حکماء بیچارے انبیاء علیہم السلام کی برابری کیا کریں گے۔

نو روزہ کجا روئے آفتاب کجا
ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا

آپ چونکہ ہنوز حقیقت نبوت سے واقف نہیں، اس لئے دونوں کو برابر سمجھتے ہیں۔ آپ کا اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو چونکہ جہلاء کا سمجھانا مقصود تھا، اس لئے انہوں نے یہ نعماء جنت ذکر کر دیں اور حکماء کو جہلاء سے کام نہ تھا۔ وہ فقط روحانی جنت کے قائل رہے۔

قولہ: تربیت یافتہ دماغ ان چیزوں سے محض راحت سمجھتا ہے، نہ یہ کہ وہاں ایسی چیزیں بھی موجود ہیں اور کوڑھ مغز ملّا یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت میں حوریں ملیں گی اور میوے کھائیں گے اور شرابیں پئیں گے الخ۔ ان سب باتوں کا جواب یہ کہ آپ محض نافہمی سے وہ اعتراضات جو پادری فنڈر نے کئے تھے، پھکڑ بازی کے ساتھ اعادہ کرتے ہیں۔[1] پورا تربیت یافتہ دماغ تو آپ کا جب ہوگا کہ جب غیر محسوس خدا کا بھی انکار کریں گے۔ آپ کی یہ بے دلیل باتیں عقلاء کے نزدیک فضول ہیں مگر اور بہت سے کم علم لوگوں کے دلوں میں شک ڈالنے کے لئے اور ان کو ایمان سے ڈگمگانے کے واسطے کسی قدر کافی ہیں۔ لیکن جن کے دل فیض نبوت سے منور ہیں وہ ایسی باتوں کی طرف کان بھی نہیں لگاتے اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جس طرح اکبر کے عہد میں صدہا ملحد پیدا ہو کر زیر زمین ہو گئے اور میر محمد حسن موجد مذہب بیکوک وغیرہ صفحہ عالم سے مٹ گئے اور دین الٰہی اس طرح قائم رہا اور تا قیامت رہے گا، یہ تیرہویں صدی کا الحاد بھی خواب و خیال ہو جائے گا۔

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے ناميوں کے نشاں کیسے کیسے

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

[1] ..... اس لئے کہ حقیقت جنت کو اور اس کے نعماء کو نہ سمجھے اور اس کا دنیا کی چیزوں پر قیاس کر کے اس کو خرافات کہنے لگے۔ منہ۔

# باب ②

## فصل اول

### لفظ وحی اور الہام میں فرق

لفظ الہام اور وحی باعتبار معنی لغوی کے قریب المعنی ہیں۔ گو یا بعض مواقع استعمال میں کسی قدر ایک دوسرے سے الگ ہوں مگر اکثر جگہ دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی مراد ہوتے ہیں یعنی دل میں القاء کرنا۔ وحی کا اطلاق کتابت اور اشارت اور رسالت اور کلام خفی پر بھی ہوتا ہے اور عرف شرع میں وحی کے ساتھ انبیاء علیہم السلام مخصوص ہیں، الہام میں سب شریک۔ پس علاوہ لفظی فرق کے باعتبار عرف شرع کے دونوں کے معنی میں بھی کسی قدر تفاوت ہو گیا کیونکہ وحی میں ایک خاص بات ہوتی ہے جو الہام میں نہیں ہوتی، اس لئے شرعی معنی کے لحاظ سے غیر انبیاء کو صاحب وحی نہیں کہتے۔ ہاں لغوی معنی کے لحاظ سے غیر انبیاء پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے جیسا کہ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ. وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰى وَاَوْحٰى فِىْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ط وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اور لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيَآئِهِمْ یہ تحقیق لفظی تھی، اب ہم اس کی حقیقت اور اس کے معنی سے بحث کرتے ہیں۔

**وحی اور الہام خالق اور اس کی مخلوق کے درمیان ربط ہے:**...... وحی یا الہام خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کے درمیان ایک پیغام یا ایسی تار برقی ہے کہ جس کے ذریعے سے وہ اپنے خالق سے ہم راز اور ہم کلام ہوتی ہے۔ گو اس مخلوقات کو اس خالق سے کچھ بھی مماثلت اور مشاکلت نہیں مگر تاہم ایک ایسا رابطہ ہے کہ گو یا وہ اس کے پاس ہر دم موجود ہے

اتصال بے تکیف بے قیاس ☆ ہست رب الناس راباجان ناس

سب سے ربط آشنائی ہے تجھے ☆ دل میں ہر ایک کے رسائی ہے تجھے

اس امر میں انسان، حیوان، حجر و شجر، زمین و آسمان سب شریک ہیں۔ ہر دم وہاں سے ہر ایک چیز کی طرف تار برقی جاری ہے اور ہر نوع کی طرف اس کی وحی ہوتی ہے اور اس لئے ہر نوع کی ایک شریعت جدا ہے کہ اس پر اس کی مخالفت حرام کر دی گئی ہے۔ معدنیات کی طرف یہ الہام ہو رہا ہے کہ اپنی صلابت اور رخوت اور حرارت یا برودت کو محفوظ رکھے۔ ان کی صورت نوعیہ ہمیشہ اس اوامر الٰہی کے بجالانے میں کمر بستہ اور دست بستہ کھڑی رہتی۔ ہے کہ کبھی آگ سے حرارت دور نہ ہونے پائے اور پانی سے رطوبت اور برودت نہ جائے اور نباتات کی طرف ہر دم یہی پیغام پہنچتے ہیں کہ وہ خاک کو پانی کے ذریعہ سے چوس کر شاخ و برگ و گلبنا دے اور اتنی مدت میں پھل آئیں اور اتنی میں پھول آئیں اور پتوں کی رنگت اور یہ صورت رہے اور اس میں اس طرح کی لکیریں اور ایسے ریشے ہوں اور پھول، پنکھڑیاں اور اتنی رنگت اور ایسی خوشبو رہے۔ ہر دم ان کی صورت نوعیہ اس فرائض کو ادا کئے چلی جاتی ہیں۔ بیری ❶ کے پتے پر حرام ہے کہ پیپل کے پتے کی صورت میں آئے اور آنب کو حرام ہے کہ وہ بیر بن جائے۔ حیوانات پر یہ وحی آتی ہے اور یہ باتیں فرض ہیں۔ کہ ہر نوع ہمیشہ اپنی صورت نوعیہ پر قائم رہے۔ پرندوں کو یہ الہام ہوا کہ نر و مادہ باہم اس طرح سے میل جول کریں۔ گرمی کے موسم میں

---

❶ ......اس پر بھی اس معترض نے اعتراض کیا ہے کہ بہت سی بیریاں سال بھر کے بعد پیپل بن جاتی ہے الخ شاید ایسی بیری معترض کے گھر میں ہوگی۔ دوم یہاں ایک جداگانہ نوع قرار پائے گی، نہ کہ جس میں کلام ہے۔

اپنا گھونسلا بنائیں۔ انڈوں کو اس طرح سیکیں۔ بچے اس طرح نکالیں ❶۔ دانہ پانی وہاں سے لائیں، بچوں کو اس طرح سے کھلائیں، بڑے بڑے ہو کر اس طرح سے اڑیں، دشمن سے بھاگیں، اپنے مقابل سے کہ جب ان کی ضروریات میں مخل ہو اس طرح جنگ کریں، اپنے بنی نوع کے ساتھ رہا کریں۔ اسی طرح گائے، بھینس، انسان، گھوڑے، گدھے ہر ایک نوع کو بذریعہ الہام اور وحی وہ علوم سکھائے جاتے ہیں کہ جو اس کے نوع کو کارآمد اور ضروری ہیں اور ان چیزوں سے ان کی صورت نوعیہ کو منع کیا جاتا ہے جو ان کے حق میں ضار اور خلل انداز ہیں۔ گائے، بھینس پر حرام ہے کہ وہ گوشت کھائیں۔ اگر اس حرام کا ارتکاب کریں تو اس کی سزا ان کو وہیں ملے۔ شیر پر گھاس کھانی حرام اور گوشت کھانا فرض ہے۔ اس حکم کو عدول کرے تو سخت مضرت اٹھائے، نقصان کے جہنم میں جائے۔ شہد کی مکھیوں ❷ پر یہ فرض کر دیا کہ درختوں کے پتے اور پھول اور پھل دیکھ کر کھائیں، پھر اپنے بنی نوع کے لئے ایک گھر بنائیں اور وہاں شہد اس طرح سے بھریں اور اپنے سردار یعسوب کی اطاعت کریں۔

الغرض اور بہت سے حالات ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ الغرض اس وحی میں ہر ایک چیز شریک ہے اور ہر نوع کی شریعت جداگانہ ہے اور ہر نوع اس شریعت کی مجبوراً پابند ہے۔ چنانچہ ان آیات میں اسی طرف اشارہ ہے:۔ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ❸ وقال وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ ❹۔

علاوہ ان کے اور بہت سی آیات ہیں۔ قرآن مجید کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں ہر ایک قسم کی حکمت اور ہر چیز کے سرّ کی طرف اشارہ ہے۔ کلام الٰہی میں یہ خوبی ضرور ہونی چاہئے اور انہیں وجوہ سے اس کا مثل بنانا محالات سے ہے۔ مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ حاصل کلام، اس وحی اور الہام میں ہر چیز شریک ہے اور ہر ایک اس کی اطاعت پر سربسجود ہے اور یہی اطاعت ان کا ذکر اور یہی ان کی تسبیح و تقدیس کہ جس سے کوئی جزء عالم خالی نہیں۔

بذکرش ہرچہ بینی درخروش است ☆ ولے داند درین معنی کہ گوش است
نہ بلبل برگلش تسبیح خوانیست ☆ کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانیست

لیکن اس وحی اور اس الہام کی جدا زبان ہے۔ جس زبان سے ہر چیز اس سے بات کرتی اور اپنے درد دل کو ظاہر کرتی ہے، وہ اور زبان ہے۔ باغ میں سرو دست بستہ کھڑا ہو کے جس زبان سے عرض حال کر رہا ہے، وہ اور ہے۔ دریا اور پہاڑ اور ہیبت ناک جنگل بلکہ انسان کا ہر ہر عضو بلکہ عالم کا ہر جزء جس زبان سے کلام کر رہا ہے۔ وہ زبان اور ہے۔ یہ زبان کہ جس سے ہم باہم بولتے چالتے ہیں، اور زبان

---

❶ ان مضامین کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭمَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ "کہ زمین پہ ہر جاندار حرکت کرنے والے اور ہر پرندہ بازوؤں سے اڑنے والے تمہاری مانند گروہ ہیں۔ ہم نے قرآن میں کوئی بات باقی نہیں چھوڑی۔ منہ۔ ❷ ...... چنانچہ اس آیت میں اس کا بیان ہے "وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ " تیرے خدا تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کو حکم کیا کہ پہاڑوں اور درختوں اور چھتوں میں گھر بنائے اور ہر طرح کے پھل کھائے اور سوراخوں سے سمٹ کر نکلے۔ نکلتا ہے ان کے پیٹ سے شہد مختلف رنگوں کا کہ جس میں لوگوں کی شفاء اور نشانی ہے ان کے لئے جو فکر کرتے ہیں۔ حقانی۔ ❸ اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔ (یعنی فرمانبرداری) آسمان والے اور زمین والے۔ منہ۔ ❹ اور آفتاب اپنے ٹھکانے پر چلتا ہے، یہی اندازہ ہے زبردست خبردار کا۔ یعنی خدا تعالیٰ نے جو اندازہ کر دیا، اس کے موافق چلتا ہے اور چاند کیلئے ہمیشہ منزلیں مقرر کر دیں (ہر ایک منزل کو ایک دن رات میں طے کرتا ہے۔) یہاں تک کہ پھر اسی طرح پرانی شاخ کی مانند ہلال ہو کر نظر آتا ہے۔ آفتاب کو درست نہیں کہ وہ چاند کو جا کر پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور ہر ایک ستارہ آسمان میں تیرتا پھرتا ہے۔ منہ۔

ہے اس زبان میں بے آواز اور بے حروف اور بغیر الفاظ کے وحی آتی ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے: وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ ❶ وَقَالَ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ❷ وقال فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔

**وحی کی دوسری قسم:** ......اس قسم وحی کے علاوہ ایک دوسری قسم وحی اور الہام کی اور بھی ہے کہ جس کے ساتھ حضرت انسان (یا کوئی اور نوع ذی عقل) مخصوص ہے۔ چونکہ جمادات ترقی کر کے نباتات ہوئے اور نامی کہلائے اور جسم نامی ترقی کر کے حیوانیت کے درجہ میں پہنچے، پھر اعلیٰ کمال حاصل کرنے والے انسان ہو گئے۔ انسان ان جمادات، نباتات، حیوانات میں چونکہ اعلیٰ اور مخصوص ہے تو اس کے لئے وحی اور الہام بھی بہ نسبت اور چیزوں کے مخصوص ہے۔ اس کا دل گزرگاہ خداوند تعالیٰ ہے، اس کا رابطہ خدا تعالیٰ کے ساتھ سب سے نرالا ہے۔

ارض وسماء کہاں تیری وسعت کو پا سکے ☆ میرا ہی دل ہے وہ کہ تو جس میں سما سکے

انسان کے دل پر جو کچھ واردات غیبی ظہور کرتی ہیں، سب وہیں سے آتی ہیں اور ہر قوت ملہم غیبی اس کو وہاں کی باتیں تلقین کرتا رہتا ہے۔ مگر اس کا خمیر ایسے متضاد الطبائع سے ہوا ہے کہ جس کی صورت نوعیہ کا مقتضی طبعی تاریکی اور اضلال ہے۔

**روح کے چند احوال:** ......تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان کی روح کہ جس کو حکماء نفس ناطقہ کہتے ہیں اور جوہر سماوی اور نور الٰہی سے ملقب کرتے ہیں (اگرچہ حادث ذاتی بلکہ حادث زمانی ہے لیکن اس جسم کے مرکب ہونے سے ہزارہا سال پہلے پیدا ہو چکی ❶ ہے اور حظیرہ قدس میں کہ جس کو اس کا اصلی وطن کہتے ہیں، رہی ہے۔

توئی آن دست پرورمرغ گستاخ ☆ کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ
چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی ☆ چو دوناں چغد ایں ویرانہ گشتی
بیفشاں بال وپرز آمیزش خاک ☆ پرتا کنگرہ ایوان افلاک

پھر اس جسم کے پتلے ❷ سے اس کو پابستہ کر دیا اور بات کا بار گراں (کہ اس جسمانی آلے کے ذریعہ سے اپنے لئے اور کمالات زائد حاصل کرے، نہ کہ اپنی اصلی استعداد اور ذاتی نورانیت کو اس کی صحبت میں زائل کرے) اس ناعاقبت اندیش کے سر پر دھر دیا۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔

آسمان بار امانت نتوانست کشید ☆ قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

---

❶......اور تیرے رب نے جہاں کو یہ وحی بھیجی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا اور ہر طرح کے میوے کھا کے شہد بنا۔ ❷......اور خدا تعالیٰ نے ہر آسمان میں وحی بھیجی۔ منہ۔

❶...... چنانچہ یہ آیت اس دعویٰ پر دلیل میں ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ الآیۃ یعنی خدا تعالیٰ نے بنی آدم کی ذریات کو انکی پشت سے روز میثاق نکالا۔ امام احمدؒ نے روایت کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت کو مسح کیا۔ اس کی تمام ذریت جو کہ قیامت تک ہونہار تھی، چیونٹیوں کی طرح نکل پڑی۔ سب سے خدا تعالیٰ نے خطاب کر کے پوچھا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ قَالُوْا بَلٰی سب نے کہا ہاں۔ میں نے تم سے اقرار لے لیا اور تم کو تمہارے لئے گواہ بنا لیا، اب میں تم کو دنیا میں بھیجتا ہوں اور تمہارے پاس تمہارے لئے ہادی یعنی رسول آئیں گے۔ اس وقت ہر ایک کو اس کی تعلیم قبول کرنی پڑے گی۔ وہ لوگ اس روز کے عہد کو یاد دلائیں گے۔ پس جو کوئی ان کا کہنا نہ مانے گا اور نور فطرت کو چھوڑ کر اندھیرے میں پڑے گا تو قیامت کو اس کا عذر قبول نہ ہوگا کہ یہ برائیاں شرک و کفر تو ہمارے بڑوں نے کی تھی اور ہم تو ان کے مقلد تھے، ہم سے خدا کیوں مواخذہ کرتا ہے کیونکہ یہ عذر بعد اس کے کہ وہ خود عہد کر چکے ہیں، مسموع نہ ہوگا۔ انتہیٰ ملخصاً۔ ❷......جس طرح آئینہ کو مٹی ملتے اور اس پر راکھ چھیڑتے ہیں تا کہ اس خاک کو دور ہونے کے بعد یہ خوب چمک جائے، اسی طرح انسان کی روح کو جو آئینہ سماوی ہے کہ جس میں تمام غیب کی صورتیں بشرط صاف ہونے کے نظر آتی ہیں۔ جسم خاکی سے متعلق کر دیا کہ اس کی مفارقت کے بعد کہ جس کو موت کہتے ہیں، اس کے خوب کمالات اور اس کا جوہر چمک آئے اور جمال جہاں آرا کے نور منقش ہو جانے کے قابل ہو جائے۔ پس جس نے اس کو سنوار لیا، اس نے فلاح پائی اور جس نے اصلی جوہر بگاڑ دیا اس نے خرابی اٹھائی۔ منہ۔

**روح اور جسم کی کشمکش:**......پس اس جوہر نورانی کا مقتضا قوت ملکیہ ہے اور اس جسم ظلمانی اور صورت ہیولانی کا اثر قوتِ بہیمیہ۔

آدمی زادہ طرفہ معجونیست ☆ از فرشتہ سرشتہ دار حیواں
گر کند میل ایں بود بہ ازیں ☆ گر کند میل آں بود بدراں

اور کبھی یہ دونوں قوتیں باہم مصالحت کر کے رہتی ہیں اور کہیں ہمیشہ کشاکشی اور تخالف کے صدمے سہتی ہیں۔ پھر کبھی یہ غالب اور یہ مغلوب اور کبھی برعکس و مقلوب ان قویٰ ملکیہ و بہیمیہ کے اجتماع سے باعتبار کم زیادہ ہونے کے بیشمار مراتب پیدا ہوتے ہیں مگر زیادہ قابل لحاظ یہ آٹھ اقسام ہیں۔ چار قسمیں اس صورت میں پیدا ہوتی ہیں کہ جب ملکیہ اور بہیمیہ دونوں مصالحت پیدا کر کے ایک مزاج خاص حاصل کر لیں۔

**اوّل:** یہ کہ ملکیہ نہایت علو میں ہو اور بہیمیہ بھی شدید ہو مگر ملکیہ کے تابع ہو۔ وہ لوگ ہیں کہ امور ریاست دنیا و دین دونوں کے کمالات ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ پس جس طرح کہ عالم ملکوت کے اسرار ان کے دلوں میں منکشف ہوتے ہیں اور وہاں کی چیزیں ان کو عیاناً دکھائی دیتی ہیں، ملائکہ اپنی اصلی حالت پر بھی ان سے نظر آ کر کلام کرتے ہیں۔ اسی طرح دنیاوی اصلاحات اور انتظامات اور تدابیر جزئیہ میں بھی یہ لوگ کامل ہوتے ہیں ❶۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو انبیاء علیہم السلام اولوالعزم کہتے ہیں۔

**دوم:**۔ وہ کہ قویٰ ملکوتیہ ان کے علو پر اور قویٰ بہیمیہ ضعف پر ہوں، یہ لوگ انتظام و مصالح دنیاویہ میں ان سے کم ہیں لیکن وہ بھی انبیاء علیہم السلام ہیں۔

**سوم:**۔ وہ لوگ ہیں کہ ان کے قویٰ بہیمیہ اور ملکیہ دونوں ضعیف ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو بھاری کاموں سے خواہ دینی ہوں یا دنیاوی، بوجہ سستی کنارہ کش رہتے ہیں۔ یہ لوگ کمالات سے حصہ نہیں پاتے۔

**چہارم:** وہ ہیں کہ جن کے قویٰ بہیمیہ نہایت غالب اور ملکیہ نہایت پست۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اکثر شہوات نفسانی میں سرشار اور تاریکی ہیولانی میں گرفتار رہتے ہیں اور یہی چار قسمیں اس دوسری صورت میں پیدا ہوتی ہیں کہ جہاں قوت ملکیہ اور بہیمیہ میں باہم مصالحت نہیں بلکہ تجاذب اور تخالف ہے اور ان اقسام میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کی قوت بہیمیہ نہایت تیز ہوگی، وہ مجاہدات اور ریاضیات کا زیادہ محتاج ہوگا، بالخصوص صاحب تجاذب۔ پس جب اس کی قوت ملکیہ زور کرے گی تو معارف میں زیادہ مصروف ہوگا اور بسبب غلبہ بہیمیہ کے اعمال کی چنداں پرواہ نہ کرے گا۔ اس اصول سے تمام اہل اللہ، صدیقین و شہداء کے مراتب اچھی طرح معلوم ہو

---

❶ اسی لئے جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی اور روحانی تعلیم میں کوئی بات نہیں چھوڑی، اسی طرح جسمانی اور دنیاوی نظم اور اصلاح کی باتیں بیع و شراء غسل و طہارت کے بھی اعلیٰ سے لیکر ادنیٰ تک اجمالاً یا تفصیلاً سب بیان فرمادیں حتی کہ استنجا کرنا اور پاخانے میں ڈھیلا بھی تعلیم کر دیا۔ رات کو چراغ گل کر کے، دروازہ بند کر کے، برتنوں کا منہ بند کر کے سونا بھی بتا دیا قس علیہ اور اسی لئے جیسا کہ آپ اس لطافت کو پہنچے تھے کہ جسم اطہر روح کی طرح شب معراج آسمانوں پر پہنچا، اسی طرح قویٰ بہیمیہ کی باتوں میں عورتوں سے رغبت رکھتے اور نو بیویوں کے پاس ایک شب میں دورہ کرنے اور شجاعت اور طاقت میں کمال رکھتے تھے۔

ادھر اللہ تعالیٰ سے واصل، ادھر مخلوق کے شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدد کا

ادھر آپ باعتبار قوت جسمانی کے دنیاوی کاموں میں، بات چیت میں مصروف رہتے مگر اسی حال میں بسبب قوت ملکیہ کے ذات پاک میں مستغرق رہتے تھے۔ جو بعض نادان اس نکتہ سے واقف نہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بکثرت نکاح کرنے وغیرہ باتوں اور جزوی تعلیم پر طعن کرتے ہیں اور اس زمانے کے متعصب پادریوں اور بعض ہنود نے کہ جیسا کہ پادری فنڈر اور عماد الدین اور لالہ اندرمن وغیرہم ہیں۔ دفتر کے دفتر اسی بارے میں سیاہ کر دیئے اور بندگان خدا تعالیٰ کو گمراہی میں ڈالا۔ حقانی۔

سکتے ہیں۔ اور اشرار کے درجات بھی بخوبی سمجھ میں آسکتے ہیں۔

**الغرض:**..... المختصر اس الہام اور وحی سے ہر فرد بشر فیضیاب ہے لیکن باعتبار شدت وضعف قویٰ ملکوتیہ وبہیمیہ کے علی حسب المراتب حصہ ملتا ہے۔ پس جب کسی قدر قوت ملکیہ اس طرف متوجہ ہوتی اور بہیمیہ کے پنجہ سے نجات پاتی ہے تو اس پر وہاں کی باتیں القاء ہوتی ہیں اور اچھے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور جب قوت بہیمیہ کی ہوا چلتی ہے تو اس کے مقتضی کے موافق شہوانی باتیں سوجھتی ہیں، چنانچہ اس حدیث میں کہ ہر بشر کے دل پر ایک نیکی کا فرشتہ الہام کرتا ہے اور بدی کی طرف شیطان بلاتا ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے۔ پس انسان کی سعادت اور شقاوت کی باتیں (کہ جن کو شریعت کہتے ہیں اور جن کا الہام ہونا رحمت الٰہی کے نزدیک نہایت ضروری تھا) اس قابل نہ تھیں کہ ہر کس وناکس کے الہام اور وحی پر چھوڑ دی جاتیں بلکہ ان کے لئے ایسے شخصوں کا الہام ضروری ہے کہ جو قوت بہیمیہ کی تشویشات اور شوائب بشریہ سے معصوم ہوں اور ان کا الہام بھی نہایت اعلیٰ طور پر ہو کہ جس کو وحی بواسطہ جبرئیل کہتے ہیں۔ پس یہ لوگ انبیاء علیہم السلام ہیں۔

اور یہاں سے آپ کو ضرورت نبوت بھی خوب معلوم ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تمام افراد نوع میں نفوس انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ کامل ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ انہیں کے وسیلہ سے عالم قدس کے فیوضات انسان کو نصیب ہوتے ہیں۔ جس نے ان کے حکم سے سرتابی کی، وہ اپنے کمالات سے اس طرح محروم رہا کہ جس طرح نفس نباتیہ کی نافرمانی سے شاخ اور پھول وپھل محروم ہو کر سوکھ جاتے اور بگڑ جاتے ہیں۔ اس آیت میں اس طرح اشارہ ہے: اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ❶

مگر یہ تو آپ کو خوب معلوم ہو گیا کہ الہام میں سب شریک ہیں۔ ہر مصنف کو اور ہر شاعر کو اور ہر واعظ کو بلکہ ہر ایک کام کے کاریگر کو بھی الہام ہوتا ہے۔ لوہار، بڑھئی کو اپنے کام میں الہام ہوتا ہے کہ جس سے وہ طرح طرح کی صنعتیں اختراع کرتا ہے۔ پھر اس میں بھی متفاوت درجے ہیں۔ جو لوگ کہ ہمہ تن اس میں مستغرق رہتے ہیں، ان کی قوت متخیلہ یہاں تک غلبہ کرتی ہے کہ وہ خیالات ان کو مجسم دکھائی دیتے اور کبھی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ لیکن یہ آوازیں ہاتف غیب کی طرف سے نہیں ہوتیں بلکہ درحقیقت وہاں سوائے ان کے خیالات کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ مجنوں آدمی خیالی صورتوں سے باتیں کرتا اور ان کو دیکھتا ہے، یا بیمار آدمی غلبہ مرض میں کچھ کچھ دیکھتا سنتا ہے، بعض کو بخار آتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب حالات ان لوگوں کے ہیں کہ جن کے قویٰ بہیمیہ اور صفات بشریہ غالب ہیں کہ جن کا عوام الناس لقب ہے اور جن کے قویٰ ملکیہ غالب ہوتی ہے، وہ ان خیالات سے بالکل پاک ہیں۔

**الہام کی قسم اول۔ الہام انبیاء علیہم السلام:**..... پھر ان کی دو قسمیں ہیں کیونکہ یا تو ان کی قوت ملکیہ نہایت علو پر ہے۔ یا ذرا کم۔ قسم اول انبیاء علیہم السلام ہیں کہ کن کو باعتبار اختلاف حالات کے مختلف طور پر الہام ہوتا ہے۔ کبھی تو خواب میں (جب کہ اس جسم سے توجہ کم ہوتی ہے اور اس عالم کا پردہ ان سے اٹھ جاتا ہے) ملائکہ کے ذریعے سے اور کبھی دوبدو خدائے پاک سے ہم کلام ہو کر مستفید ہوتے ہیں اور کبھی مغیبات عالم مثالی متشکل ہو کر دکھائی دے جاتے ہیں اور کبھی حالت بیداری میں کہ جب ملکیہ کا نہایت غلبہ ہوتا ہے تو یہ تینوں صورتیں پیش آتی ہیں۔

**صورت اول:**..... صورت اول یہ کہ وہ فرشتہ کہ جس کو ناموس اکبر یا جبرئیل علیہ السلام کہتے ہیں، پیغام الٰہی پہنچاتا ہے۔ پھر اس کے بھی کئی طور ہیں۔ اول یہ کہ جبرئیل علیہ السلام کسی شکل میں ظاہر ہو کے مطلع کر جائے۔ چنانچہ جنگ احزاب کے بعد جبرئیل علیہ السلام آدمی کی شکل میں غبار آلود ظاہر ہوئے اور یہ کہہ گئے کہ آپ اے نبی اللہ! جنگ سے فارغ ہو گئے لیکن ہم نہیں ہوئے، چلئے بنی قریظہ کا محاصرہ کیجئے۔ چنانچہ

❶..... حکم مانو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جب کہ تم کو وہ ان باتوں کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشتی ہیں۔

اس حدیث کو صحاح ستہ میں روایت کیا ہے اور اکثر تو دحیہ کلبی ﷛ کی صورت میں دکھائی دیتے تھے اور کبھی اجنبی شکل میں اس طرح ظاہر ہوتے تھے جس کو حضار مجلس بھی دیکھ لیتے تھے۔ چنانچہ بخاری و مسلم وغیرہما محدثین نے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مسافرانہ صورت میں نہایت سفید لباس میں ظاہر ہو کر آنحضرت ﷺ کے زانو سے زانو ملا کر ایمان اور اسلام کے معنی پوچھنے لگے اور آپ ﷺ کے جواب کے بعد خود ہی تصدیق کرتے جاتے تھے۔ پھر حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ہم کو اس کے سوال و تصدیق سے نہایت تعجب ہوا۔ پس جب وہ چلے گئے تو آنحضرت ﷺ نے بتلایا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام تھے، تم کو ایمان واسلام کے معنی سکھانے آئے تھے۔ اور اسی طرح دو روز جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کہ ایک روز اول وقت اور دوسرے روز آخر وقت امام مالکؒ وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے۔ اس امامت کو بھی غالباً حضار جماعت نے مشاہدہ کیا ہوگا اور صحیح بخاری میں بھی ہے کہ: احیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی مایقول کہ کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں آ کر مجھ سے کلام کرتا ہے تو میں اس کی بات یاد کر لیتا ہوں۔ دوم یہ کہ جبرئیل علیہ السلام ملکوتی صورت میں خاص آپ ﷺ کو ہی دکھائی دیں اور کلام الٰہی یا احکام الٰہی کبھی مع الفاظ اور کبھی محض مطلب دل میں القاء کر جائے اور کلام کر جائے اور کسی کو نہ ان کی صورت دکھائی دے نہ ان کی آواز سنائی دے۔ چنانچہ اکثر وحی قرآن میں یہی بات پیش آئی تھی اور کبھی جبرئیل علیہ السلام کے وحی لاتے وقت آنحضرت ﷺ کو ایک آواز جرس کی مانند سنائی دیتی تھی جیسا کہ صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل میں ہے اور یہ حالت آپ ﷺ پر نہایت شاق گزرتی تھی۔ اس آواز جرس کی اصل حقیقت نبی ﷺ سے منقول نہیں لیکن علماء نے اپنی رائے سے اس کی چند وجوہات بیان کیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ملائکہ کے پروں کی آواز تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ تنبیہ کرنے کے لئے پیشتر آواز آتی تھی۔ والعلم عند اللہ ❶۔

**صورتِ دوم:**..... دوسری بیداری کی یہ حالت ہے کہ تجلی ذاتی ہو کر خود بخود خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہو جائیں جیسا کہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو یہ معاملہ پیش آیا: وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا: اور شب معراج میں یہ بات آنحضرت ﷺ کو پیش آئی۔

**صورت سوم:**..... تیسری یہ صورت کہ حالت بیداری میں عالم ملکوت کا مشاہدہ و تجلی ہو کر اسرار غیب پر مطلع ہو جائیں، چنانچہ نماز کسوف میں یہ بات آپ کو پیش آئی۔

**صورت چہارم:**..... ایک اور صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ فرشتہ غائبانہ آواز سنا کر بتا دے کہ جس کو ہاتف غیب کہتے ہیں۔ اس مقام پر ایک بات قابل بحث ہے، وہ یہ کہ اور جس قدر وحی یا الہام انبیاء علیہم السلام کی قسمیں بیان ہوئیں، سب ٹھیک ہیں مگر جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے الہام ہونا یا وحی آنا اور جبرئیل علیہ السلام کو کبھی بالالفاظ اور کبھی محض معانی دل میں القاء کرنا کیوں ہے؟ کیا اپنی قوت ملکیہ سے خود بخود پیغمبر اسلام خدا تعالیٰ سے ہم کلام نہیں ہو سکتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نقل سے تو جبرئیل علیہ السلام کا الہام اور وحی میں واسطہ ہونا بخوبی ثابت ہے۔ چنانچہ وہ احادیث صحیحہ جو اس بارے میں وارد ہیں، ان کا تو کوئی شمار نہیں مگر آیات قرآنیہ بھی اس امر میں بے شمار وارد ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی کہہ جو کوئی جبرئیل کا دشمن ہو، سو ہوا کرے مگر

❶ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وحی کے وقت ملکیہ کا زور اور بہیمیہ کا تنزل ہوتا ہے جس میں باہم ایک منازعت سی پیدا ہونے سے جسم میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوتا ہے جس سے یہ جھنجھناہٹ کی سی آواز بھی کان میں آتی ہے اور پسینہ بھی آ جاتا ہے یا بظاہر بیہوشی کی سی حالت بھی ہو جاتی ہے اور کبھی خراٹا بھی لگ جاتا ہے۔ بلا تشبیہ جب آمد بخار کا وقت اور دورہ شروع ہوتا ہے تو حالت صحت و مرض میں اختلاف عظیم پیدا ہونے سے اصوات تنبیہیہ وغیرہا باتیں محسوس ہونے لگتی ہیں حالانکہ ان دونوں حالتوں میں جو مرض اور وحی کے وقت پیدا ہوتی ہیں۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس وہ جو روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بوقت وحی پسینہ آتا تھا اور بیہوشی سی ہو جاتی تھی یا کبھی خرانے کی آواز بھی آنحضرت ﷺ سے محسوس ہوتی تھی، غالباً ان کا یہی سبب تھا جس کو سیل وغیرہ لال بجھکڑوں نے کہیں صرع کا دورہ، کہیں کچھ تجویز کر کے آنحضرت ﷺ کو نادانی سے مورد طعن بنایا شر سوء فہمی سے الامان۔ حقانی۔

اس نے تو یہ قرآن تیرے دل پر اللہ تعالیٰ کے اذن سے اتارا ہے۔ از انجملہ یہ ہے: یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ کہ اللہ تعالیٰ جبرئیل کو جس کے پاس بھیجتا ہے از انجملہ یہ ہے اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ۝ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۝ وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَلَقَدْ رَاٰہُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ۝ وَمَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ۝ وَمَا ھُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ۝ فَاَیْنَ تَذْھَبُوْنَ ۝ یہ قرآن اس رسول کریم کا سخن ہے کہ جو قوت والا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز اور امین ہے یعنی جبرئیل اور تمہارا نبی (ﷺ) کچھ دیوانہ نہیں (کہ اپنے خیالات کو مجنون کی طرح جبرئیل اور وحی سمجھا جائے) اور اس نے جبرئیل کو (اس کی صورت اصلیہ پر) کنارہ آسمان پر دیکھا ہے اور وہ غیب کی باتوں میں بخیل نہیں اور یہ قرآن شیطان کا قول نہیں (کہ کوئی یہ گمان کرے کہ شاید شیطان، جبرئیل کی صورت میں آتا ہو) پس تمہارا خیال کدھر جاتا ہے (کہ جو ایسی بدگمانیاں کرتے ہو) قُلْ نَزَّلَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ تم کہو کہ اس قرآن کو تمہارے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ روح القدس نے اتارا ہے یعنی جبرئیل علیہ السلام نے اور سرّ اس کا یہ ہے کہ جن کو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے نفوس مزکاہ ہر طرح کی لوث بشری سے پاک وصاف ہوتے ہیں اور جن کو ملاء اعلیٰ میں لوگوں کی رہنمائی اور اصلاح دارین کے لئے ممتاز بنایا جاتا ہے۔ قال تعالیٰ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ان کی اطاعت کا قرنوں تک لوگوں کے دلوں میں میلان اور شوق ڈالا جاتا ہے۔ ان کے موافق پر رحمت اور مخالف پر لعنت اترتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج تک ہزارہا برس سے تخمیناً تمام عالم کہ جس میں ہر طرح کے لوگ ہیں، انبیاء علیہم السلام کے تابع چلا آتا ہے۔

آخر کچھ تو بات ہے کہ: ...... یورپ کے بڑے بڑے فلاسفر اور حکماء وعقلاء حضرت مسیح علیہ السلام کو مانتے چلے آئے ہیں اور تخمیناً تہائی دنیا نے تیرہ سو برس سے ایک شخص یتیم، خشک پہاڑوں کے رہنے والے یعنی حضرت خاتم الانبیاء ﷺ پر جان فدا کر رکھی ہے، ان کا نام دلوں کو مقناطیس ❶ کی طرح کھینچتا ہے۔ اگر یہ ملأ اعلیٰ کی طرف کی قبولیت نہیں تو پھر کیا ہے؟ تمام یورپ اور امریکہ اور ایشیا اور افریقہ میں ان چند شخصوں کی مانند کوئی رفارمر یا واعظ یا اپنی قوم کا ترقی خواہ یا کوئی حکیم وفلاسفر یا کوئی ریاضیات کا امام یا کلوں کا ایجاد کرنے والا ایسا مقبول اور پیشوا خاص وعام کیوں نہ ہوگیا؟ کیا کسی کو اس بات کی آرزو نہ ہوئی ہوگی؟ کیوں نہیں، بلکہ ہزاروں اس حرص میں ایڑیاں رگڑ کر مر گئے۔

المختصر: ...... اس کی معرفت نوع کی اصلاح کے وہ علوم ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کے حاصل کرنے سے عقول عاجز ہیں اور اس کا اتباع ہر فرد پر ایسا لازم اور ضروری ہوتا ہے جیسے کہ درخت یا حیوانات کی صورت نوعیہ کا اس کے افراد یا یعسوب کا نحل پر۔ پس جس طرح درخت کے ہر پتے اور پھول اور شاخ کہ بہبودگی اور اصلاح نفس نباتیہ کے ذریعہ سے ہوتی ہے، اگر وہ اس کی مخالفت کریں تو اپنے کمالات نوعیہ سے محروم رہ جائیں۔ نہ پتا بڑھ سکے، نہ پھول کھل سکے، نہ پھل پک سکے اور جس طرح کہ نفس حیوانیہ شیر کو گھاس کھانی حرام اور گائے اور بھینس پر فرض واجب کرتا ہے، اسی طرح نبی ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔ وہ بھی ہر شخص کے لئے اس کی مضر چیزوں کو حرام اور ضروری باتوں کو فرض تام کہتا ہے۔ چنانچہ اس آیات میں اسی طرف اشارہ ہے ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ

---

❶ ...... اصل اس کی یہ ہے کہ تمام اشیاء کا مرکز اصلی اور مرجع ذات باری تعالیٰ ہے اور اس کا یہ اثر عالم کے ہر جزو میں پایا جاتا ہے۔ مقناطیس کے اندر جو جذب ہے وہ اسی کا پرتو ہے۔ پھول جو بلبل کا دل کھینچتا ہے اس میں اسی کا پرتو ہے۔ پس کامل پرتو اس کا انبیاء علیہم السلام پھر اولیاء کرام ہیں، اسی لئے ان کی طرف تمام عالم کے دل از خود کھینچے چلے جاتے ہیں اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو حکم کرتا ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، تم بھی کرو۔ پھر ملأ اعلیٰ کے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر منادی کر دی جاتی ہے، پس وہ محبت زمین پر بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ اہل زمین بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور جس سے خدا تعالیٰ کو نفرت ہوتی ہے، اس کی نفرت اسی طرح پھیلتی ہے۔ ۱۲ منہ۔

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ (اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ جس نے ان جان لوگوں میں انہیں میں سے یہ رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک کرتا اور کتاب و حکمت سکھاتا اور بلاشک اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (کہ اے مومنو! کہا مانو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا جب کہ وہ تم کو ایسی بات کی طرف بلائے جو تم کو حیات (ابدی) بخشے۔ وقال يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لئے پاک چیزیں حلال اور گندی چیزیں حرام کرتا ہے۔

پس تمام نوع انسان میں سے ان علوم کے لئے انبیاء علیہم السلام مخصوص ہونے ضروری تھے اور ان ضروری چیزوں کے لئے الہام بھی وہ ہونا چاہئے تھا جو سب صورتوں میں اعلیٰ اور بعید عن الخطاء ہو۔ لیکن الہام کی چھ صورتوں میں سے تین جو خواب میں پیش آتی ہیں، اس قابل نہیں کیونکہ اکثر خواب میں قوت وہمیہ اور ادراکات عقل صرف کو معارض ہو کر خلط ملط کر دیتی ہے، اس لئے مدرکات اپنی مناسب صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں، لہٰذا تعبیر دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ باقی رہیں بیداری کی تین صورتیں ❶ تو ان میں سے یہ صورت کہ عالم ملکوت منکشف ہو جائے، سو اس کا مآل کار اسی بات پر آ رہتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے خود ہم کلام ہو جائے۔

**صورت نزول قرآن:** ..... پس یہ ایک دوسری صورت کہ فرشتہ پیغام لائے، قابل اطمینان ہے اور قرآن مجید انہیں دو صورتوں میں نازل ہوا ہے۔ لیکن انسان کے حالات گو وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، ہر دم یکساں نہیں رہتے اس لئے یہ حالت ہم کلامی قلیل الوقوع ہے اس لئے اس صورت میں بہت ہی کم قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ فقط سورۂ بقرہ کا اخیر شب معراج میں اس طرح سے نازل ہوا۔ کما فی الاتقان

پس زیادہ کاربرآری کی یہی صورت رہی کہ ناموس اکبر یعنی جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کو اپنی صورت ملکیہ میں نظر آئیں اور باالفاظ کلام پہنچا دیں کہ جس کو وحی متلو اور قرآن بھی کہتے ہیں اور اس کی علاوہ جس قدر صورتیں ہیں، سب کو وحی غیر متلو اور سنت اور کبھی حدیث قدسی بھی کہتے ہیں۔

**جبرئیل علیہ السلام قرآن کہاں سے لاتے تھے؟:** ..... رہی یہ بات کہ جبرئیل علیہ السلام وہ کلام کہاں سے لاتے تھے؟ کسی تختے پر لکھا ہوا دیکھ کر یاد کرا آتے تھے یا پس پردہ خدا تعالیٰ سے سن لیتے تھے جیسا کی عوام میں مشہور ہے اور جس بنا پر سید احمد خان صاحب نے اعتراض کیا ہے تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ پیشتر فصل ملائکہ میں آپ فرشتے کی حقیقت سے واقف ہو چکے ہیں کہ یہ نورانی لوگ ہیں کہ جن کو علی حسب مراتب جناب باری تعالیٰ سے تقرب ہوتا ہے اور جب کہ جبرئیل علیہ السلام نہایت درجہ کے ملائکہ مقربین میں سے ہیں، ان کو خدا پاک سے ہم کلام ہونا ہر وقت آسان ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ فرشتوں کا باہم کلام اس آواز اور ان حروف سے نہیں کیونکہ یہ چیزیں تو اس عالم میں ہمارے مضامین دلی کے ادا کرنے کے واسطے آلات ہیں اور کبھی ہم بھی بغیر ان حروف اور صوت اور تلفظ کے باہم کلام کر لیتے ہیں۔ خیر اعلیٰ لوگ تو قوت روحانیہ سے بات چیت صدہا کوس کے فاصلہ سے کر سکتے ہیں مگر تار برقی وغیرہ آلات سے ہم بھی چپ ہو کر، لب بند کر کے کلام ❷ کر سکتے ہیں۔

پس جبرئیل علیہ السلام علم الٰہی سے کہ جس کو قلم ❸ اور لوح محفوظ کہتے ہیں، مطلع ہو کر اور الفاظ بھی وہیں سے تلقین پا کر آنحضرت ﷺ کو حسب حاجت پہنچا جاتے تھے اور اس قرآن کی عالم مثال میں ایک صورت خاص ہے کہ جس کو بیت المعمور میں یکبارگی نازل کرنے کے

---

❶ یعنی حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ و حضرت محمد علیہم السلام۔ منہ۔ ❷ خواب میں بے زبان کے بولتے اور بے آنکھ ظاہری کے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ خواب میں یہ بند ہوتی ہیں الغرض بغیر حواس نفس کے کاروبار کرتے ہیں، اس وقت اور ہی حواس ہوتے ہیں۔ ❸ یہ خیال کرنا کہ لوح محفوظ کوئی تختی ہے کہ جس پر قرآن خط نسخ میں لکھا ہوا تھا یا پردے کے پیچھے سے آواز آتی تھی کہ پھر اس کے مطابق آنحضرت ﷺ کو پہنچاتے تھے، غلط خیال ہے۔ منہ۔

ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ تمام نازل شدہ قرآن کو مطابق کر کے آنحضرت ﷺ کو خوب یاد کرا دیتے اور آیات کی ترتیب باعتبار تقدیم تاخیر کے بھی اسی کے مطابق مقرر کر دیتے تھے۔ گو نازل ہونے میں اس ترتیب کا لحاظ نہ ہوتا تھا پہلے کا پیچھے اور پیچھے کا پہلے حسب حاجت نازل ہو جاتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ پیغمبر ﷺ ان الفاظ اور معانی کو جبرئیل علیہ السلام سے حاصل کرتے تھے، پھر حفاظ کو یاد کرا دیتے اور کاتبین وحی سے لکھوا دیتے تھے۔ اور خود بھی بخوبی حفظ رکھتے تھے۔

**ایک شبہ کا جواب:** ...... اب اس مقام پر یہ شبہ کرنا کہ خدا تعالیٰ کے کلام میں تو حروف اور آواز نہیں ہے، پھر جبرئیل علیہ السلام نے وہ کیونکر سنا ہوگا صفحہ ۲۶ جیسا کہ سید احمد خان صاحب امام رازی علیہ الرحمہ سے نقل کرتے ہیں، محض لغو ہے پھر اس کا یہ جواب دینا کہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام میں ایسی ساعت پیدا کی ہو کہ خدا تعالیٰ کا کلام سن لیتا ہو الخ بے فائدہ ہے۔ مگر یہ جواب دینا یا یہ ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز جسم دار میں سے خاص طرح کی آوازیں ٹھہر ٹھہر کر نکالی ہوں اور جبرئیل علیہ السلام نے بھی اسی کے ساتھ آواز ملائی ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بتلا دیا ہو کہ یہی وہ عبارت ہے جو ہمارے کلام قدیم کو پورا ادا کر دیتی ہے محض لغو ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ کی شان سے یہ بالکل بعید ہے۔ چونکہ سید صاحب نے کسی مقام کا حوالہ نہیں دیا، لہٰذا ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ تقریر کسی امامؒ نے علی سبیل قیل نقل کی ہوگی۔ پھر اس پر سید صاحب کا اعتراض دل کھول کر کرنا، یہ تقریریں ہمارے علماء قدیم کی اس قسم کی تقریریں ہیں جن پر آج لوگ ہنستے ہیں۔ اور قرآن مجید اور مذہب اسلام کو مثل اس تقریر کے لغو سمجھتے ہیں الخ صفحہ ۲۷ بناء الفاسد کا مضمون ہے۔ ایسی بے بنیاد تقریروں پر نظر کر کے سید صاحب جبرئیل علیہ السلام اور وحی کے منکر ہو گئے۔ افسوس! آپ کو اس بارہ میں تحقیق کا کلام دستیاب نہ ہوا۔

**الہام کی قسم دوم:** ...... قسم دوم انبیاء علیہم السلام سے کمتر درجہ کے لوگوں کا الہام ❶ ہے۔ ان لوگوں کا الہام غالباً پہلی تین صورتوں پر مبنی ہوتا ہے اور حالت بیداری میں خدا تعالیٰ سے کلام کرنا اور بواسطہ ناموس اکبر الہام کا ہونا، یہ خاصہ انبیاء علیہم السلام ہے۔ اسی جگہ سے یہ بات ٹھہر گئی کہ غیر انبیاء کا الہام ظنی ہے گو ان کو اس پر پورا اعتماد ہو جائے۔ مگر بغیر قرائن خارجیہ کے وہ نفس الہام ظنیت کے مرتبہ سے نہیں نکلتا۔ اس لئے اس کا نام الہام اور اس کا وحی اس فرق کے لئے اصطلاح میں مقرر رہا۔

**عام لوگوں کے الہام سے ارتباط خاص مراد ہے:** ...... اس جگہ سے اگر کوئی شبہ کرے کہ تم نے اول میں خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونا ہر چیز کا ثابت کر دیا تھا اور یہاں خاص حصہ انبیاء علیہم السلام ٹھہرایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں کلام سے مراد ہماری ایک ارتباط خاص ہے اور یہاں ایک مواجہہ اور کیفیت مخصوصہ۔

اس تحقیق سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صورت متخیلہ کا متشکل ہو کر نظر آنا اور اس کے ساتھ ہم کلام ہونا ان عامی لوگوں کی شان ہے کہ جن کا نمبر پوست دماغ سے مجنون کے قریب قریب ہے، چہ جائے کہ صحیح الحواس۔ پھر اولیاء اور خالص لوگوں کا تو کیا ذکر ہے؟ بالخصوص انبیاء علیہم السلام تو اس مرض سوداوی سے بالکل بری اور محفوظ بلکہ معصوم ہیں۔

**سید احمد خان صاحب کو غلطی پیش آئی:** ...... پھر سید احمد خان صاحب کو ان لوگوں کے حال پر انبیاء علیہم السلام کے حال کو قیاس کرنا بڑی

---

❶ ...... بعض لوگ چلہ کشی یا کسی اور ریاضت کی وجہ سے یا تو در حقیقت ایسے ہو جاتے ہیں کہ ان پر بذریعہ خواب یا بیداری میں کچھ القاء ہوتا ہے: بعض بوست دماغ سے اپنے خیالات میں مستغرق ہو کر ان کی صورتیں دیکھتے اور آوازیں سنتے ہیں، پھر ان کو وحی یا الہام قطعی کہتے ہیں اس پر بڑی بڑی لن ترانیاں کرتے ہیں اور قرآن کی ان آیات کی جو خاص انبیاء علیہم السلام کی شان میں وارد ہیں، کچھ الفاظ کم زیادہ کر کے اپنے اوپر منطبق کرتے ہیں۔ یہ سب لغو اور بے اصل باتیں ہیں۔ اور یوں اپنے الہام یا مکاشفہ کو قطعی کہنے کے لئے کیا جائے۔ ہر مخص مغز چلا نبوت اور جبرئیل علیہ السلام کے آنے کا دعویٰ کر کے احکام الٰہی اور قرآن میں تغییر و تبدل کرنے کا مدعی ہو سکتا ہے اور صدہا جہلاء بھی اس کے تابع ہو سکتے ہیں۔ منہ۔

غلطی ہے۔ اس شبہ سے سید صاحب کو اور چند مشکلیں پیش آئیں:

۱) یہ کہ جب آپ نے الہام اور وحی اور اس سوداوی مرض کو فرض کر لیا تو بہت سے لوگوں کو نبی ● کہنا پڑا اور نبوت کے معنی محض رفارمری اور وعظ گوئی رہ گئے۔

۲) یہ کہ جب ایسے سوداوی اشکال جبرئیل علیہ السلام ٹھہرے تو اصل جبرئیل علیہ السلام اور ان کے ساتھ کل ملائکہ اور ان کے ذیل میں شیطان اور جن بلکہ کل غیر محسوس چیزوں کا منکر محض بننا پڑا اور جن آیات میں کہ ان چیزوں کے ذکر ہیں، ان کی توجیہات بعیدہ کرنی پڑیں اور کہیں توجیہ نہ بن آئے تو انکار محض۔

۳) جب یوں نبوت کا دروازہ کھلا اور ہر واعظ اور رفارمر بالخصوص یورپین جنٹلمین واعظ بھی نبی مانا گیا اور ہر ملک اور ہر قوم، اور ہر زمانہ میں قوم کی ترقی کو نبی کہنا پڑا اور معجزات سے اس کو بالکل خالی دیکھ کر اس کی نبوت باطل ہوتی دیکھی تو دوسرے سے معجزات بلکہ کل خرقِ عادات ہی کا انکار کر دیا اور جن آیات میں کہ معجزات انبیاء علیہم السلام اور خرق عادات مذکور ہیں، ان کی بے بنیاد تاویلات اور کہیں انکار کیا۔

۴) یہ کہ جب نبوت ایسی ہلکی چیز ٹھہری تو جملہ عبادات ساقط۔ عبادت کیا؟ مسلمانوں کے لئے دنیا حاصل کرنے کے وسائل کی تعلیم اور یہی ترقی اسلام۔

۵) جب عبادت و ریاضت ندارد تو پھر جنت کی نعماء اور دوزخ کی تکالیف کا بھی انکار محض اور ان آیات کی تاویلات رکیکہ اور ان چیزوں کے انکار سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ جب عقبی کا ڈر اور امید جیسا کہ چاہئے، کچھ بھی نہ رہا تو پھر جائز و ناجائز، حلال و حرام طور سے دنیا حاصل کرنے کا پورا موقع ہاتھ آئے گا۔ شاید اسی اعتماد پر خان صاحب بہادر اپنے مدرسہ کی تعلیم اور اپنے اقتدار کو دنیا کی بہبودی کے لئے بڑے زور سے وسیلہ بتلاتے اور کافہ انام کو اس طرف رغبت دلاتے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ یہ خیالات سید صاحب کی بیباکانہ طبیعت کا نتیجہ ہیں یا یورپ کے ملحدوں کی صحبت کا اثر، ہرچہ باشد مگر انجام برا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو اور ان کے متبعین کو اس تاریکی سے نجات دے، آمین۔

**فوائد:** جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کیفیت استغراقیہ پیدا ہو جاتی تھی اور ایک عجیب حالت پیش آتی تھی۔ ظاہراً اس کا یہ سبب ہے کہ روح القدس کے نازل ہوتے وقت کیفیت فزع یا فرح کی پیدا ہوتی تھی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر روح القدس نازل ہونے کے وقت ایسی کیفیت پیدا ہوئی تھی جیسا کہ جس کو بعض لوگ نشے کی حالت گمان کرتے تھے۔ چنانچہ کتاب اعمال، باب ۲ میں آتشیں زبانیں پیدا ہونا اور ہیبت ناک آواز آنا وغیرہ عجائب باتیں مذکور ہیں۔

**فوائد:** جب جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جلد جلد جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ اس لئے پڑھتے کہ کچھ بھول نہ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو دور کر دیا اور فرمایا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی نہ کیجئے، ہم نے ذمہ لیا ہے کہ قرآن کو تمام و کمال جمع کرا کے پڑھوا دیں گے۔

**ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ:** شبہ: "وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ" کہ ہر نبی کی آرزو میں شیطان کچھ ملا دیتا ہے، پھر خدا تعالیٰ آمیزش شیطان

---

● ...... چنانچہ تہذیب الاخلاق میں بابو کیشب چندر اور دیانند سرسوتی وغیرہم کو بھی نبی کہا ہے۔

کو دور کر کے اپنی آیات کو ثابت رکھتا ہے اور اسی آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جس سے شیطان کی آمیزش وحی اور کلام انبیاء علیہم السلام میں اچھی طرح سے ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ ایک بار سورہ نجم کی یہ آیات مجمع عام میں کہ جہاں بت پرست بھی موجود تھے، پڑھ رہے تھے ''ومنوة الثالثة الاخرى'' تو آپ کی زبان سے بے ساختہ شیطان نے بت پرستوں کے خوش کرنے کو یہ کلمہ نکلوا دیا ''تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی ❶'' یعنی یہ بڑے بڑے قد آور بت ہیں، ان کی شفاعت مقبول ہے اور بقول بعض مفسرین یہ کلمہ شیطان نے آواز میں آواز ملا کر پڑھ دیا۔ بہر طور وحی میں شیطان کی آمیزش ضرور معلوم ہوئی اور اس قصہ کو بیضاوی اور صاحب معالم وغیرہما نے نقل کیا ہے اور یہاں سے ایک اور بات بھی پیدا ہوئی کہ ممکن ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کی شکل میں شیطان آ کر کچھ آیات بنا کر سنا جاتا ہو۔

**جواب:** اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قصہ بالکل جھوٹ اور ملحدوں کی بناوٹ ہے۔ گو بعض سادہ لوح مفسروں نے بے تحقیق اس کو لکھ کر اپنی کتاب کا اعتبار کھویا ہے۔ مگر محققین نے بیضاوی اور صاحب مدارک اور امام رازیؒ بلکہ جمہور نے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اس کو رد کیا ہے۔ دلائل نقلیہ میں سے یہ آیات ہیں ''وَلَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ'' یہ کہ قرآن مجید میں کسی طرف سے غلطی نہیں مل سکتی، نہ باطل کا اس میں گزر ہو سکتا ہے، منجملہ ان کے یہ آیت ہے ''وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ'' کہ قرآن کو حق کے ساتھ ہم نے نازل کیا اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا۔ منجملہ ان کے یہ آیت ہے ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' یعنی قرآن کو ہم ہی نے نازل کیا اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ پھر ان آیات کے مقابلہ میں اس بے اصل قصہ کا کہ جس کو کسی محقق محدث نے کسی سند سے بھی روایت نہیں کیا، کیا اعتبار ہے؟ اور اس آیت ''وَمَا مِنْ نَّبِیٍّ'' میں اس بات کا کچھ بھی ذکر نہیں، پھر اس سے استدلال کرنا فضول ہے۔ آیت مذکورہ سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ ہر نبی گو کیسا ہی اولوالعزم نبی کیوں نہ ہو، مقتضائے بشریت سے خالی نہیں۔ اس کے بعض خیالات میں قوت بہیمیہ کی وجہ سے خطرات نفسانیہ کی ذرا بو آ جاتی ہے لیکن خدا تعالیٰ اس نبی کو نور نبوت پر ثابت اور قائم رکھتا ہے اور ان خطرات شیطانی کو دفع کر دیتا ہے اور اسی لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا ضروری مانا گیا ہے۔ لیکن مفسرین کو لفظ تمنی کے معنی قرء لے کر اور آیات سے آیات قرآنیہ سمجھ کر اور نسخ سے معنی مصطلح خیال کر کے یہ مغالطہ ہو گیا ہے، اس لئے اس کا شان نزول وہی جھوٹا قصہ قرار دینا پڑا اور بہت واقعی باتیں جو اس کا محمل ہو سکتی ہیں، خیال سے دور کر دیں۔

منجملہ ان کے یہ بات بھی ہے کہ مشرکین مکہ نے (جو اپنی دنیا داری کی وجہ سے نہایت متکبر تھے، ان کو غریب اور مفلس مسلمانوں کے ساتھ مل کر آنحضرت ﷺ کی مجلس وعظ میں بیٹھنا نہایت شاق گزرتا تھا) آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر ہمارے لئے کوئی خاص وقت معین فرما دیں تو ہم حاضر ہو سکتے ہیں۔ آپ ﷺ کو چونکہ ہدایت خلق خدا مقصود تھی اس لئے یہ خیال آیا کہ اگر ان کے لئے جدا وقت مقرر ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے لیکن یہ بات خدا تعالیٰ کو ناپسند معلوم ہوئی، اس لئے کہ خدا تعالیٰ کے روبرو اس کے مخلصین کو دنیا مردار کے لئے ذلیل سمجھ کر متکبرانہ حاضر ہونا ان کے لئے مفید نہ ہوگا اور عام مسلمانوں کے دلوں میں دنیا کی وقعت ہو جائے گی۔ سو یہ شیطانی القاء اور یہ آپ ﷺ کی تمنا اور یہ خدا تعالیٰ کا اس کو منسوخ فرمانا تھا نہ کہ وہ بات، اور اگر بطور الزام کلام کیا جائے تو اس آیت سے اگر کچھ بات آمیزش شیطانی کے ثابت ہو سکے گی تو پہلے انبیاء علیہم السلام میں ثابت ہوگی نہ کہ آپ ﷺ میں کیونکہ اس میں یہ صریح ہے کہ تجھ سے جس قدر پہلے انبیاء علیہم السلام ہیں، ان کا یہ حال ہے نہ کہ آپ ختم المرسلین ﷺ کا۔ یہ بات مشہور ہے کہ معترض کا لاعمی حق ناحق کچھ نہیں دیکھتا، اس کو اعتراض کرنے کے واسطے ذرا

❶ ...کہیں یہ ثابت نہیں ہوا کہ یہ الفاظ حضور ﷺ کی زبان سے نکلے، یہ روایت سراسر غلط ہے۔ حقانی۔

سہارا ملنا چاہئے ۔ اسلام کے مخالف لوگ ( کہ جن کی آنکھوں میں تعصب کی پٹی بندھی ہے اور انہوں نے حق و ناحق اسلام کی توہین کا بیڑا اٹھا رکھا ہے بلکہ اسی بات کی تنخواہ بھی پاتے اور خدا ترسی کو عمل میں نہیں لاتے ہیں ) ایسی ایسی بے سند باتوں سے اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ چنانچہ پادری فنڈر صاحب اور پادری عماد الدین صاحب پانی پتی اور پادری صفدر صاحب اکبر آبادی اور ماسٹر رام چندر صاحب دہلوی نے تو کوئی دقیقہ ہی باقی نہیں رکھا۔ اپنے ہم مذہبوں کے خوش کرنے کو بڑے بڑے ضخیم رسالے بنا کر مشہور کر دیئے کہ جن کا جواب ناچار اہل اسلام کو دینا پڑا۔ ماسٹر رام چندر صاحب نے تحریف القران نام پندرہ سولہ جزء کا رسالہ اسی بیان میں لکھا ہے۔ فقیر نے اس کے جواب میں تعریف القرآن لکھ کر پادری صاحبوں کی ناحق زبان درازی بتلائی ہے، وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی دَارُ السَّلَامِ ۔

**دوسرا شبہ اور اس کا جواب:**...... رہا اس بات کا جواب کہ شیطان حضرت جبرئیل علیہ السلام کی صورت میں ممکن ہے کہ آیا ہو، یہ ہے کہ اس وسوسہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ نبوت کے اصلی مرتبے کو تسلیم نہ کیا جائے اور جو کوئی نبوت کی ضرورت اور اس کی حقیقت پر مطلع ہو جائے تب اس وسوسہ کا اس کے دل میں کبھی گزر بھی نہ ہو، اس لئے کہ جب اس عالم حسی کے انتظامات ایسے ہیں کہ یہاں یہ بات ناممکن ہے ( کبھی کوئی عیار کسی گورنر کی صورت میں آ کے امور سلطنت میں خلل انداز نہیں ہو سکتا ) تو اس عالم ملکوت میں یہ بد انتظامی کیونکر ہو سکتی ہے؟ جب ہماری حس بصری جو صدہا جگہ غلطی کرتی ہے، کھرے کھوٹے کو پرکھتی ہے، پیتل اور سونے، بلور اور ہیرے میں فرق صحیح کرتی ہے تو پھر نبی کی چشم حقیقت بین کے آگے ( کہ جس پر عالم ملکوت کے اسرار اور اشیاء کے حقائق منکشف ہیں ) حقیقت جبرئیلیہ ( جو آفتاب جہاں تاب ہے ) اور حقیقت شیطانیہ جو ظلمت آمیز ہے، کیونکر مشتبہ ہو سکتی ہے؟ اور اس حکمت کے لئے جبرئیل علیہ السلام قوی امین کو اس امانت کے لئے واسطہ بنایا گیا۔ پس جو یہ کہے ( کہ خدا تعالیٰ کو جبرئیل علیہ السلام کو واسطہ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیوں جس طرح جبرئیل علیہ السلام کو تلقین کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ کر دیا؟ ) وہ اس سرّ سے ناواقف یہ بھی کہے کہ خدا تعالیٰ کو نبوت کی کیا ضرورت تھی؟ جو احکام و علوم اصلاح خلق کے نبی کو تلقین کئے، وہ خود خلق کو کیوں نہ تعلیم کر دیئے؟

## فصل دوم

**دورِ نبوت میں قرآن کریم کی حفاظت کے اسباب:**...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں تمام قرآن کو لکھوا کر ایک جلد میں جمع نہ کیا تھا بلکہ متفرق اجزاء میں اس طور سے تھا کہ کوئی سورت کاغذ پر، کوئی رکوع اونٹ کی ہڈیوں پر، کوئی کھجور کے پتوں پر لکھا ہوا تھا، اس لئے کہ زیادہ دار و مدار حفظ پر تھا اور لکھنے کا رواج بھی کم تھا۔ گو لکھے پڑھے لوگ بالخصوص قرآن کے لکھنے والے صحابہ زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہما بھی موجود تھے اور آپ ہر آیت کو بترتیب اصلی بھی لکھوا دیتے اور حفظ کرا دیتے تھے لیکن نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں قرآن کے کم ہونے کا خوف تھا نہ مشاغل دینیہ سے فرصت تھی کہ سب کو ایک جگہ جمع کر کے لکھواتے ۔

الغرض ان وجوہ سے من اولہ الی آخرہ قرآن مجید کو ایک جگہ لکھ کر جمع کرنے کا اتفاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہ ہوا تھا، البتہ متفرق اجزاء میں لکھا ہوا اور صدہا حفاظ کو زبانی اس ترتیب سے جو آج تک چلی آتی ہے، خوب یاد تھا اور چونکہ نماز میں پڑھنا اس کا فرض و واجب ہو چکا تھا اور اس کی تلاوت کے فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم میں حد سے زیادہ مشہور و ذہن نشین تھے تو قرآن مجید کے لفظ لفظ پر صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے حاوی تھے کہ جس طرح اس زمانہ کے حفاظ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ دو وجوہات میں سے ایک تو یہ کہ ان کے قوت حافظہ حد سے زیادہ تھی، دوم یہ کہ علاوہ تبرک سمجھنے کے وہ لوگ اہل زبان قرآن کے نہایت فصیح و بلیغ عبارت سے خوب آشنا تھے اور اپنی بول چال کی باتوں

پر از بس قادر تھے اوان نمکین فقرات سے خوب مزہ لیتے تھے۔ پس جس طرح آپ ﷺ کی حیات میں قرآن مجید مرتب و معین ہو چکا تھا، اسی طرح بے کم وکاست آپ ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کی نوکِ زبان تھا۔ آپ ﷺ کے بعد تخمیناً اسی سال میں ملک یمامہ میں مسیلمہ کذاب مدعی نبوت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی لڑائی ہوئی۔ اس میں بہت سے لوگ شہید ہوئے، ستر کے قریب حافظ قرآن بھی شہید ہوئے۔ حضرت عمر کی رائے سے سب صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات پر متفق ہوئے کہ تنہا حفظ پر مدار قرآن نہ رہنا چاہئے بلکہ اس کو ایک جگہ لکھوا کر جمع بھی کر دینا چاہئے کیونکہ اگر اسی طرح دو ایک لڑائیوں میں اور حفاظ بھی شہید ہو گئے تو پھر قرآن کے کم ہو جانے کا خوف ہے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو کاتب وحی تھے، اس کام کے مہتمم قرار پائے۔ انہوں نے حفاظ کو جمع کیا اور جن جن کے پاس جس قدر لکھا ہوا تھا، وہ منگایا اور سب سے بعد تحقیق و تنقیح ایک جلد میں نقل کر کے جمع کیا۔ پھر وہ نسخہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے بعد حضرت حفصہ ام المؤمنین کے پاس۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بوجہ اس بات کے (کہ تنہا وہ ایک نسخہ کافی نہ تھا اور ہر شخص حافظ نہ تھا) لوگوں کو بھولے بھٹکے میں دقت پیش آنے لگی اور اختلاف کی نوبت پہنچنے لگی تو حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سے نقل کر کے شہرت دینے کی ترغیب دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فرمایا اور ان کی مدد کے لئے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور سعید بن عاص اور عبداللہ بن حارث بن ہشام کو (کہ جو قریش کے محاورات سے بڑے ماہر اور قرآن پر بڑے حاوی تھے) متعین فرمایا اور انہوں نے اس نسخے سے جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، اسی تحقیق و مقابلہ حفاظ سے کہ جس طرح پہلے کی گئی تھی، سات یا چھ نسخے نقل کرا کے عراق اور شام اور مصر وغیرہ دیار اسلام میں بھجوا دیئے اور اصل نسخہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا اور جن لوگوں نے اپنے نسخوں میں بطور تفسیر کے وہ جملے جو آنحضرت ﷺ سے سنے تھے، درج کر رکھے تھے اور جن کو بعض لوگ آیت منسوخ التلاوۃ سمجھتے تھے، ان کے مصاحف منگا کر رفع اختلاف کی نیت سے جلوا دیئے کہ مبادا ان جملوں کو پچھلے قرنوں میں کوئی قرآن کی آیات نہ سمجھنے لگے۔ منجملہ ان کے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا صحف بھی جلا دیا گیا۔ اب تک بلا کم وکاست انہیں نسخوں کے مطابق اہل اسلام میں قرآن ہے، والحمد للہ علی ذلک۔ اس مقام پر بعض متعصب دو اعتراض کرتے ہیں۔

**دو اعتراض اور ان کے جواب:**......(۱) یہ کہ حضرت عثمان نے لوگوں کے مصاحف کو کیوں جلایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رفع اختلاف کے لئے نیک نیتی سے جلانا کچھ بے ادبی نہیں۔

(۲) یہ کہ تفسیر اتقان وغیرہ کتب میں مذکور ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الاٰیۃ" میں نے تمام جگہ تلاش کی، کہیں نہ ملی مگر ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس لکھی ہوئی ملی اور اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے ایک آیت لکھی ہوئی ہمارے پاس پلنگ کے تلے پڑی تھی، بکری کھا گئی۔ پس اسی طرح اور روایات بھی ہیں کہ جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ممکن ہے کہ اسی طرح قرآن کی بہت سی آیات رہ گئی ہوں یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ آیات کہ جن میں اہل بیت کی مدح تھی، درج نہ کی ہوں۔ چنانچہ شیعہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے دس پارے قرآن مجید کے کم کر دیئے اور بعض شیعہ سورہ حسنین رضی اللہ عنہما اور سورہ علی رضی اللہ عنہ اور سورہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پڑھا کرتے ہیں مگر قرآن میں ان کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ سورتیں نکال ڈالیں۔ اس شبہ بے اصل کو بعض پادریوں نے اتنا پھیلایا کہ اس میں رسالے لکھ ڈالے۔ چنانچہ عبدالمسیح اور رام چندر اور عماد الدین نے اس میں بڑا ہی زور مار کر قرآن مجید میں تحریف ثابت کی ہے۔

لیکن جواب اس کا بہت سہل ہے اور وہ یہ کہ اگر ایسی ایسی دو چار کیا سو، دو سو روایات بھی ہماری کتب معتبرہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہا سے نقل کی جائیں اور سب کو علی سبیل فرض محال تسلیم بھی کیا جائے بلکہ اس سے بڑھ کر ہماری طرف سے اتنی بات اور ملا دی جائے کہ ایک

آیت کیا بلکہ دس، بیس آیتیں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کسی کے مصحف میں بھی نہ ملی تھیں اور سو، دوسو آیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بکری بلکہ پورا یا نصف قرآن بھی کھا گئی تھی، تب بھی قرآن میں باعتبار اصل منزل کے ایک حرف کی کمی بھی نہ تھی۔ ہاں اگر عیسائیوں کی انجیل اور یہود کی تورات کی طرح قرآن کا دارومدار ایک آدھ نسخے پر ہوتا تو احتمال تھا کہ ایک دوورق جانے سے کچھ قرآن جاتا رہا ہو مگر یہاں تو حفظ پر دارومدار تھا اور اول ہی قرن میں بے شمار ایسے پکے حافظ موجود تھے کہ جن میں سے ایک ایک قرآن کے لفظ لفظ پر حاوی تھا۔ خیر آپ اس اہل زبان کے زمانہ کو تو جانے دیجئے، ذرا اس ضعف اسلام کے زمانے کو ہی دیکھ لیجئے۔ اگر اس وقت روئے زمین پر ایک نسخہ بھی قرآن کا نہ رہے (خدا نکند) تو ایک ادنیٰ گاؤں کے لوگ اپنی یاد سے اس کو حرف بحرف ❶ لکھوا سکتے ہیں۔ پس انجیل و تورات پر قیاس کر کے یہ گمان کرنا محض بیہودہ خیال ہے۔ رہا شیعہ کا وہ خیال، سووہ جہلاء کی گپ ہے۔ آج تک سلف سے لے کر خلف تک کوئی محقق شیعہ بلکہ کوئی اہل اسلام بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا، چنانچہ علماء شیعہ اس خیال کی براءت اپنی کتابوں میں بڑی شدومد سے کرتے ہیں۔ شیخ صدوق ابوجعفر محمد بن علی بابویہ اپنے رسالہ عقائدیہ میں کہتے ہیں ”کہ جو قرآن کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا، وہی ہے کہ جو اب لوگوں کے پاس موجود ہے۔ نہ اس میں کچھ کم ہوا نہ زیادہ“۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جو شیعہ کے نزدیک معتبر تفسیر ہے، سید مرتضی کہتے ہیں ”جو قرآن کہ عہد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا وہی اب بھی ہے۔ بلا تفاوت“۔ قاضی نور اللہ شوستری اپنی کتاب مصائب النواصب میں لکھتے ہیں کہ یہ بات جو شیعہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ وہ قرآن میں تغیر و تبدل کے قائل ہیں محض غلط ہے۔ محققین شیعہ میں سے کوئی اسکا قائل نہیں اور جو کوئی کہے تو اس کا کیا اعتبار ہے“ ملا صادق شرح کلینی میں لکھتے ہیں: ”یہ قرآن اسی طرح امام مہدی تک سالم رہے گا“۔ محمد بن عاملی کہتے ہیں کہ جو روایات پر ذرا بھی نظر کرے گا یقینی طور پر جان جائے گا کہ قرآن میں بچند وجوہ کمی زیادتی ناممکن ہے“ اور بالفرض کوئی صاحب یہ عقیدہ بھی رکھیں تو ہم اس کو دووجہ سے قائل کرتے ہیں۔

**تحریف قرآن کے عقیدہ کا محققانہ ردّ:** ......۱) یہ کہ ائمہ اہل بیت اور بنی ہاشم بالخصوص آل علی رضی اللہ عنہ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کیوں اپنے مصاحف کو محفوظ نہ رکھا؟ بلا سے شیعہ ہی میں وہ قرآن مروج اور مستعمل ہوتا، اور خیر اگر ظاہراً اس کو نہ رکھتے، چھپا ہی کے رکھتے ورنہ حفظ ہی کے طور سے متوارث رکھتے بلکہ اصل حمیت اسلام تو یہ تھی کہ اس خیانت قرآن کے بارے میں مخالفین کو علی رؤس الاشہاد فضیحت کرتے۔ اول تو جس طرح کچھ نہ کچھ لوگ ہر زمانے میں ان کے ساتھ ہوتے رہے ہیں، اس وقت بھی ہوتے ورنہ بنی ہاشم تو ضرور ساتھ دیتے اور اگر کوئی نہ دیتا تو خدا تعالیٰ تو ساتھ ضرور دیتا کہ جس نے قریش کے مقابلہ میں ایک یتیم، بے کس، بے زر یعنی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور روئے زمین پر اس کا مذہب پھیلا دیا ورنہ خیر جس طرح امامت اور ریاست کے بارے میں نوبت بشہادت پہنچی، اس خاص دینی کام میں پہنچتی تو کیا تھا، زہے نصیب۔ اب پادری صاحب فرمائیے وہ کون سا بے حمیت شیعہ ہے جو اپنے بزرگوں کو برا کہہ کے قرآن کی تحریف کا قائل ہو جائے گا۔

---

❶ اس مقام پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ابتداء عملداری انگریزی میں یہاں پادری لوگ آئے تو انہوں نے بہ خیال خام اس بات کے کہ یہاں مطابع تو ہیں نہیں، قلمی نسخوں پر مدار ہے، مسلمانوں سے قرآن مجید کو گراں گراں قیمت کو خریدنے شروع کئے اور سالہا یہ معاملہ رہا۔ چنانچہ میرٹھ اور دہلی کے نواح کے بہت لوگ معمر شہادت دیتے ہیں۔ وہ بزرگ کہتے ہیں کہ ایک پادری میرے دوست تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ سچ کہو یہ اس قدر نسخے تم کیوں خریدتے ہو؟ بالآخر بڑے اصرار سے اس نے یہ راز بتلایا کہ یہاں کے مشن کی رائے ہے کہ ان لوگوں سے نسخے خرید لئے جائیں، پھر جب نہایت نایاب ہوں تو لندن سے مختلف نسخے قرآن مجید کے طبع کر کے یہاں کے مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کئے جائیں۔ پس مسلمانوں میں بڑا اختلاف قرآن میں پڑ جائے گا اور دین مسیحی کا خوب ظہور ہوگا۔ وہ کہتے ہیں میں نے کہا کہ یہ خبط ہے، اس سے کچھ بھی نہ ہوگا، ناحق روپیہ صرف کرتے ہو۔ چنانچہ اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور خریدنا موقوف کیا، والعلم عند اللہ۔ منہ۔

۲) ان آیات کا کیا جواب ہے کہ جن میں خدائے پاک نہایت تاکید کے ساتھ اس کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہے۔ قال تعالیٰ ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ''۔

**پادر کا شبہ، در بارہ آیات منسوخ التلاوۃ:**...... ماسٹر رام چندر نے اپنی کتاب تحریف القرآن اور پادری عمادالدین نے کتاب ہدایت المسلمین میں اور دیگر پادر نے اپنی اپنی تصانیف میں اس الزام کے دفاع میں (کہ تورات وانجیل میں متقدمین اہل کتاب کی بددیانتی یا غفلت سے بے شمار تحریف لفظی اور معنوی ہوئیں جس کے محققین اہل کتاب بھی مقر ہیں، چنانچہ ہارن اور ہنری اور اسکاٹ اپنی تفاسیر میں اور پادری فنڈر اختتام مباحثہ دینی مطبوعہ اکبرآباد میں صدہا بلکہ ہزارہا ویریوس رایٹنگ یعنی غلطی کاتب کے قائل ہیں اور بہت سی آیات اناجیل اور بعض ابواب کتب بائبل کو الحاقی مانتے ہیں) چندوہ روایات ہماری کتب تفاسیر اتقان وغیرہ سے نقل کی ہیں کہ جن سے بعض آیات قرآنیہ کا منسوخ التلاوۃ ہونا معلوم ہوتا ہے اور ان کو بڑے بسط کے ساتھ لکھ کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید میں بھی تحریف ہے۔

**جواب پادر در بارہ آیات منسوخ التلاوۃ:**...... ان بے اصل باتوں کا جواب بضمن جواب تحریف القرآن رسالہ تعریف القرآن میں فقیر دے چکا ہے مگر کسی قدر مختصر یہاں بھی بیان کرنا ضروری ہے، وھوھذا۔ تحریف لفظی یا معنوی خواہ بزیادت خواہ بہ نقصان کسی کتاب میں جب ثابت ہوتی ہے کہ جب صاحب کتاب کے بعد یا اس کی غیبت میں اس کی مرضی بغیر کی جائے اور جب وہ خود کمی زیادتی اپنی کتاب میں کرے تو اس کو کوئی دانشمند تحریف نہ کہے گا۔ پس جب یہ قرار پاچکا تو اس اعتراض کا جواب دو طور پر ہے

۱) یہ کہ یہ روایات اگر صحیح تسلیم کی جائیں تو ان سے غایۃ مافی الباب یہ ثابت ہوگا کہ یہ آیات آنحضرت ﷺ کے روبرو کسی سرّ خدائی کی وجہ سے منسوخ التلاوۃ ہوگئیں اور اس کے اکثر اہل اسلام قائل ہیں۔ البتہ تحریف جب لازم آئے کہ کسی روایت صحیحہ سے یہ ثابت کردیا جائے کہ جو قرآن آنحضرت ﷺ بوقت اخیر دنیا میں چھوڑ گئے تھے۔ اس میں بعد آنحضرت ﷺ کے کچھ کم زیادہ ہوگیا ہے۔

۲) یہ کہ قرآن وہ ہے کہ جو آنحضرت ﷺ سے بہ نقل متواتر بلاشبہ منقول ہے اور ان روایات میں بعض تو محض بے اصل ہیں اور بعض جو صحیح ہیں تو خبر آحاد ہیں۔ ان کے ذریعے سے جو جملے منقول ہیں، ان کو ہم قرآن کی آیات نہیں کہہ سکتے۔ پس جب وہ قرآن کے جملے ہی نہیں تو اب ان کے قرآن میں نہ ہونے سے یہ نہیں لازم آتا کہ قرآن میں کمی ہوگئی یا تحریف واقع ہوئی کیونکہ تحریف جب کہتے ہیں کہ اگر یہ روایات تواتر کو بھی پہنچ جائیں تب بھی ان جملوں کو ہم جزء آیت قرآن نہیں کہیں گے کیونکہ نسخ التلاوۃ بے اصل بات ہے۔ پس وہ جو نص صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ ہم اس آیت کو حضرت محمد ﷺ کے عہد میں قرآن میں پڑھتے تھے:۔ **لو کان لابن آدم وادیان من الذھب لابتغی ثالثا ولا یملا جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب**۔ یا اس کو جزء قرآن سمجھتے تھے۔ **الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم** یا یہ جملہ آیت میں شامل تھا: **حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی العصر**۔ وغیرہ ذلک تو اس کی یہ وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بطور تفسیر کے کوئی جملہ جمل مذکورہ میں سے آیت کے ساتھ پڑھ دیا، لوگوں نے غلطی سے اس کو قرآن کی آیت سمجھا اور جب یہ جملے اصل قرآن میں نہ ملے، نہ آنحضرت ﷺ نے ان کو لکھنے کا کاتبوں کو حکم دیا تو ان کو منسوخ التلاوۃ سمجھ گئے۔ پس امر حق یہی ہے کہ یہ قرآن بعینہ وہی ہے کہ جس کو جبرئیل علیہ السلام آسمان سے لائے تھے۔ اس میں ایک حرف بھی کم زیادہ نہیں ہوا، نہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں نہ بعد میں کما قال اللہ تعالیٰ ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ''۔

# فصل سوم:

## آنحضرت ﷺ کے حالات

آنحضرت ﷺ کے ظاہر ہونے کی تمام انبیاء ﷩ بشارت دیتے چلے آئے ہیں۔ اگرچہ یہود و نصاری نے ضد کے مارے بہت سی بشارتیں نکال ڈالیں۔ اور بہت کو تاویلات اور ترجموں کے ذریعے بدل دیا مگر پھر بھی جس طرح ڈھئے پھوٹے مکانات کے نشان باقی رہ جاتے ہیں، اس قدر باقی ہیں کہ اتنی بشارات اور کسی کے لئے ثابت نہیں۔ تورات و دیگر صحف انبیاء ﷩ مثل کتاب دانیال وغیرہ، زبور وانجیل و مکاشفات یوحنا میں کہیں بطور اجمال اور کہیں نام پاک محمد یا احمد ﷺ کے تصریح ہے (کہ جس کا ترجمہ فارقلیط، پھر اس کو بدل کر وکیل و معین، پھر اسکو چھوڑ کر روح بنایا) بلکہ ہنود کی وید اور پارسیوں کے دساتیر میں بھی حضرت محمد ﷺ کے دین پاک کے ظہور کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس بارے میں بعض علماء نے نہایت تفصیل سے کتابیں لکھی ہیں اور کیوں نہ ہوتا، آپ ﷺ تمام انبیاء ﷩ کے سرتاج ہیں ہم عیسائیوں ❶ کی طرح اور یہود کی مانند اس قدر مبالغہ نہیں کرتے کہ خدا پاک، محمد ﷺ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا کیونکہ کفر ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ باعث ایجاد عالم ہیں، پس آپ ﷺ کے انوار و برکات پشت در پشت ظاہر ہوتے چلے آتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ۞ حتی کہ جس روز آپ پیدا ہوئے آتشکدہ فارس کی آگ بجھ گئی، کسریٰ کے محل کے کنگورے گر پڑے۔ عرب میں بڑا قحط تھا، دفعۃً دور ہوگیا۔ حضرت آمنہ والدہ ماجدہ کی خدمت میں روحانی لوگ آئے اور پھر بچپن سے لے کر چالیس برس کی عمر تک جس قدر خوارق عادات و معجزات لوگوں نے دیکھے، ان کا کچھ شمار نہیں کفار قریش آپ کی عزت اور عظمت حد سے زیادہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی نیک چلنی اور بزرگی اور مکارم اخلاق کا جس قدر عرب میں شہرہ تھا اس کے لئے وہ قصائد جو اس وقت کے لوگوں نے لکھے تھے، نمونہ ہیں ان میں سے اس وقت مجھ کو ابو طالب کا ایک شعر یاد آیا، وہ یہ ہے۔

وابيض يستسقى الغمام بوجهه ☆ ثمال اليتامى عصمة للارامل

یعنی آپ ﷺ ایسے متبرک اور گوری شکل کے ہیں کہ خدا تعالیٰ آپ ﷺ کے چہرہ پر انوار کی برکت سے بارش نازل کرتا ہے جب کہ اس کے ذریعہ سے بارش کی لوگ دعاء کرتے ہیں اور آپ ﷺ یتیم، بے کسوں کی پناہ اور بیوہ اور مصیبت زدہ عورتوں کے چارہ ساز ہیں۔ اس عمر میں گو آپ ﷺ پر وحی نازل نہ ہوئی تھی مگر خلق خدا کی بہبودی اور خدا تعالیٰ کی عبادت میں شب و روز مصروف رہتے تھے۔ اصول فطرت میں سب انبیاء ﷩ ایک ہیں۔ ہاں بعض احکام شریعت جو ہر زمانے اور ہر قوم کی مصلحت کے موافق دیئے جاتے ہیں ان میں اختلاف ہوتا ہے۔ پس جو طریقہ حضرت آدم ؈ کا تھا، وہی حضرت نوح ؈ کا، وہی حضرت ابراہیم و حضرت عیسیٰ و حضرت موسیٰ ﷩ کا تھا۔ پس جس طریقے پر یہ لوگ قبل نبوت عمل کرتے تھے، اسی فطرت الٰہی پر آپ ﷺ کا بھی عملدرآمد تھا۔ حضرت ابراہیم ؈ چونکہ آپ ﷺ کے اور حضرت موسیٰ ؈ حضرت عیسیٰ ؈ سب کے جد امجد بھی ہیں، اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ ملت ابراہیمیہ کے پابند بلکہ متمم اور مکمل تھے۔ حضرت محمد ﷺ حمل میں تھے کہ آپ ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا اور تخمیناً چھ برس کے تھے کہ والدہ ماجدہ انتقال کر گئیں۔ آپ ﷺ کے جد امجد عبدالمطلب جو سردار قریش تھے، آپ ﷺ کی کفالت اور تربیت میں مصروف

---

❶ ...... عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؈ کی صورت میں خدا ظاہر ہوا تھا۔ اسی طرح مگر مچھ، سور وغیرہ اوتاروں میں ہنود کے اعتقاد میں خدا نے ظہور کیا تھا۔ تعالی اللہ عن ذلک علوًا کبیرًا۔

تھے۔ جب سات برس کے ہوئے تو عبدالمطلب بھی مر گئے اور آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کو آپ ﷺ کی کفالت سپرد کر گئے۔ بحکم الٰہی حضرت اسرافیل علیہ السلام آپ ﷺ کی ملازمت میں رہتے تھے، پس گیارہ برس تک یہ ملازمت عالی میں رہا کئے بعد اس کے ۲۹ برس تک جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے ساتھ رفاقت میں رہے لیکن دکھائی نہ دیتے تھے اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ کئی بار ایک دو باتیں بھی آپ ﷺ سے کی تھیں اور وحی سے پندرہ برس پیشتر آپ ﷺ کو آواز غیب سنائی دیتی تھی مگر کوئی شخص دکھائی نہ دیتا تھا اور سات برس پہلے سے ایک عجیب نور دکھائی دیتا تھا کہ جس سے ہر وقت مسرور رہتے تھے۔

پس جب ایامِ وحی نہایت قریب پہنچے تو حضور ﷺ کو خلوت ❶ کی طرف نہایت رغبت ہوئی تو جبل حراء میں (جو کعبہ سے تخمیناً ڈھائی میل) ایک غار ہے کہ جس کا طول چار گز اور عرض سوا گز اور کہیں سے کم، وہاں تنہا ذکر الٰہی میں ہمہ وقت مستغرق رہتے تھے۔ حضور ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دو چار روز کا کھانا پانی آپ ﷺ کو دے آیا کرتی تھیں اور کبھی کبھی آپ ﷺ بھی تشریف لاتے تھے۔ پس جب ہمہ تن نور اور ظلمات جسمانیہ ❷ دور ہو گئے تو عالم قدس کا انکشاف آپ ﷺ کے دل پر ہو گیا اور حجاب جسمانی اٹھ گئے۔ پس جس حجر وشجر کے پاس سے گزرتے تھے۔ بزبان فصیح السلام علیک یارسول اللہ کہتا تھا اور جب آپ ﷺ دائیں بائیں دیکھتے تھے تو کوئی نظر نہیں آتا تھا حالانکہ آپ ﷺ کو اس بات کا سان وگمان بھی نہ تھا کہ آواز خیالی کہی جائے۔ پس ایک روز حراء پہاڑ پر کھڑے تھے کہ ایک شخص ظاہر ہو کر یہ کہنے لگا ابشر ❸ یامحمد انا جبرنیل وانت رسول اللہ لھذہ الامة اور ایک حریری کپڑا سا جو نہایت خوبصورت تھا، آپ ﷺ کے دست مبارک پر رکھ کر فرمایا کہ اس کو پڑھو۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نہیں پڑھ سکتا۔ پھر آپ کو اپنے سے چمٹایا اور کہا: لواب پڑھو۔ پھر آپ ﷺ نے یہی عذر کیا، پھر چمٹایا۔

الغرض تین بار یہ معاملہ ہوا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ تیسری بار نہایت زور سے بھینچا اور یہ کہا ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵'' پھر آپ ﷺ اور جبرئیل علیہ السلام دونوں پہاڑ سے اتر آئے اور ایک پتھر کے پاس آپ ﷺ بیٹھ گئے اور وہاں جبرئیل علیہ السلام نے پاؤں مارا تو ایک پانی کا چشمہ بہنے لگا۔ جبرئیل علیہ السلام نے وضو کر کے تھوڑا سا پانی آپ ﷺ کے منہ پر چھڑکا اور کہا اسی طرح آپ ﷺ بھی وضو کیجئے اور دو رکعت نماز نفل پڑھیے۔ پس آپ ﷺ نے اقتداء کی الغرض وضو اور نماز اس روز سکھائے گئے اور سورۂ اقراء نازل ہوئی۔ چونکہ یہ خاص طرز

---

❶......خلوت کے چند اقسام ہیں (۱) یہ کہ محض استغراق فی ذات الالٰہ کے لئے، نہ کہ واسطے حاصل کرنے علوم کے بطریق نظر وفکر کے (۲) خلوت واسطے صفائی فکر اور خیالات کے تاکہ مجہولات کو اچھی طرح حاصل کریں جیسا کہ حکماء اشراقیین کی خلوت (۳) غیر جنس اور بے فائدہ چیزوں سے وحشت دفع کرنے کے لئے ہوتی ہے (۴) طلب لذت کے لئے کہ جو خلوت میں حاصل ہوتی ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی خلوت اول قسم کی تھی۔ کیونکہ یہ اخیر خلوتیں درحقیقت خلوتیں نہیں ہیں۔ ان کے خیالات، ان کے ہم جلسہ رہتے ہیں۔ البتہ پہلی خلوت، خلوت ہے کہ جس میں سوائے ذات بحت حق سبحانہ کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا، نہ آپ اپنے خیالات

مکانے مختصر خواہم کہ دروے ہموں جائے من وجائے تو باشد

بعض ناواقفوں کا یہ کہنا (کہ اس خلوت میں بسبب یبوست کے حضرت محمد ﷺ کو خیالات متشکل ہو کر نظر آنے لگے تھے کہ جس کو وہ جبرئیل علیہ السلام سمجھتے تھے اور دراصل کچھ نہ تھا) بڑی نادانی ہے کیونکہ وہاں تو خیالات کا تو گزر ہی نہ تھا۔ خیالات دفع کرنے کے لئے اہل حق خلوت اختیار کرتے ہیں، البتہ اہل دنیا خیالات بڑھانے کے لئے کرتے ہیں۔ منہ

❷......جس طرح کہ پھول کی صحبت میں مٹی معطر اور آگ کی ملازمت سے لوہا اخگر ہو جاتا ہے، اسی طرح نفوس قدسیہ کہ جن کے اندر نہایت قابلیت ہوتی ہے ''یَكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ'' جب خلائق کو چھوڑ کر حق سبحانہ کی طرف منہ موڑتے ہیں ان کے آئینہ دل پر اس قدر انوار حق فائض ہوتے ہیں کہ ہمہ تن نور اور آفتاب عالم تاب ہو جاتے ہیں۔ ان کو تو کیا بلکہ ان کے انوار میں آنے والوں کو بھی اس عالم ملکوت کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور اسی لئے انبیاء علیہم السلام کو آفتاب یا چراغ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ سِرَاجًا مُّنِیْرًا کہ ہم نے تمہارے پاس رسول بھیجا جو چمکتا چراغ ہے۔ منہ۔ ❸......مژدہ ہو تم کو اے محمد! میں جبرئیل ہوں اور آپ اس امت کے رسول خدا ہیں۔ منہ۔

طہارت اور عبادت اور جمیع اسرارِ شریعت وطریقت بلکہ انکشاف عالم لاہوت وملکوت آپ ﷺ کو اس وقت نصیب ہوا، پہلے آپ ﷺ نہ جانتے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى'' کہ آپ کو ان چیزوں کا رستہ معلوم نہ تھا تو ہم نے راہ بتلائی ''وقال مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ'' یعنی آپ ﷺ کتاب اور شرائع اسلام پہلے نہ جانتے تھے۔ بعض متعصبین نے (ان آیات کو اور ان کو کہ جن میں آپ ﷺ کو مغفرت اور استغفار سے مخاطب کیا ہے، اپنے حال پر خیال کر کے گمراہی عرفی اور گناہ متعارف سمجھ کر) آپ ﷺ کی جناب میں گستاخی کے کلمات کہہ کر جہنم میں ٹھکانا بنایا ہے، چنانچہ اس بارے میں پادری عماد الدین اور پادری فنڈر وغیرہما نے اپنی ایمانداری کو خوب ظاہر کیا ہے۔ الغرض آنحضرت ﷺ اس عجیب کیفیت سے مطلع ہو کر گھر میں حضرت خدیجہ ؓ کے پاس آئے اور ان کو مطلع کیا۔ وہ آنحضرت ﷺ کو ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں جو کتب سماویہ سے واقف تھے انہوں نے کہا: یہ ناموس اکبر ہے۔ آپ ﷺ نبی ہیں، آپ ﷺ کے پاس آئے ہیں اور انبیاء ؑ ہی کے پاس آتے ہیں۔ پس اس کے بعد چھ مہینے تک وحی بندرہی کہ جس سے آپ ﷺ کو رنج رہتا تھا۔

ذوق الطاف تو کاش نمی یافت دلم ☆ یاد ہر لحظہ تواکنوں سبب صد الم است

پھر ایک روز جبرئیل ؑ اپنی صورت پر نظر آئے اور سورۂ مدثر نازل ہوئی، پھر سورۂ مزمل اور پھر سورۂ نون اور پھر سورۂ فاتحہ اور پھر تبت اور پھر حسب حاجت قرآن نازل ہوتا رہا۔ بعد نبوت کے تیرہ برس حضرت محمد ﷺ مکہ میں رہے اور لوگ ایمان لاتے رہے۔ جوانوں میں سب سے اول حضرت ابوبکر ؓ، لڑکوں میں حضرت علی ؓ، عورتوں میں حضرت خدیجہ ؓ ایمان لائیں۔ پس بہت لوگ اسلام میں داخل ہوتے چلے تو مشرکین مکہ کو اور زیادہ کینہ پیدا ہوا۔ طرح طرح کی تکلیفات دینا شروع کیا، تب مسلمانوں کی ایک جماعت حضرت جعفر طیار ؓ کے ساتھ ہجرت کر کے ملک حبشہ میں چلی گئی۔ وہاں کا بادشاہ نجاشی نام نصرانی تھا۔ تورات وانا جیل سے خوب ماہر، اول کتابوں میں حضور ﷺ کی بشارر دیکھ کر ظاہر ہونے کا منتظر تھا۔ جب ان لوگوں سے حال دریافت ہوا اور قرآن سنا تو خود مع اپنے ارکان دولت کے ایمان لایا اور ان لوگوں کی بڑی خاطر تواضع کی۔ چندروز کے بعد آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر ؓ بھی مدینہ کو روانہ ہوئے۔ وہاں کے لوگ پہلے سے حضور ﷺ پر ایمان رکھتے تھے، یہ خبر سن کر تشریف آوری کے منتظر رہا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو خوشی کے نعرے مارتے ہوئے آپ ﷺ کو استقبال کر کے مدینہ لے گئے۔ پچیس روز آپ ﷺ قباء میں ٹھہرے جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، پھر مدینہ میں آئے۔ مدینہ طیبہ میں بھی حسب حاجت قرآن مجید نازل ہوتا رہا۔ اول بار بدر کی لڑائی کفار مکہ سے پیش آئی، پھر احد کی اور پھر مکہ فتح ہو گیا۔

الغرض یمن ونجد وعراق وبحرین سب مطیع اسلام ہو گئے۔ دسویں سال آپ ﷺ ربیع الاول کی بارھویں تاریخ، پیر کے روز دنیا سے تشریف لے گئے ❶۔

❶..... آپ ﷺ کے بعد صحابہ ؓ نے روم (یعنی اطراف ایشائے کوچک) شام، مصر وایران وغیرہ ملک فتح کر لئے۔ روئے زمین پر اسلام چمکا دیا۔ پھر تابعین کے عہد میں ہندوستان میں سندھ کے ملک میں عملداری قائم ہوگئی آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر ؓ پھر حضرت عمر ؓ پھر حضرت عثمان ؓ، پھر حضرت علی ؓ پھر حسن ؓ تیس برس کے اندر یکے بعد دیگرے حضور ﷺ کے جانشین ہوئے، پھر سلطنت کا طول ہو گیا۔ یہ بادشاہت معاویہ ؓ کے قبضہ میں آئی پھر ان کے بیٹے یزید کے، پھر اس کے بیٹے معاویہ نے، پھر مروان بن الحکم کے، پھر اس کی اولاد میں مدت تک رہی۔ بعد ان کے حضرت عباس ؓ کی اولاد میں آئی۔ تخمیناً چار سو برس انہیں کے قبضہ میں رہی۔ ہارون رشید، مامون رشید وغیرہ سلاطین انہیں کے لوگ ہیں۔ پھر قوم مغل کہ جو اس وقت کفار تھے، بغداد پر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت جاتی رہی۔ پھر مصر کے سلاطین نے ان کو نکالا۔ چندروز کے بعد وہ مغل مسلمان ہو گئے۔ منہ۔

مدینہ میں سورۂ بقرہ و آل عمران و مائدہ وغیرہا سورتیں نازل ہوئیں ۔ سب سے آخری سورۃ بعض کے نزدیک سورۂ براءت ہے بعض کہتے ہیں سورۂ نصر ۔ کل قرآن تئیس برس میں تدریجاً لوگوں کی سہولت ۞ کے لئے نازل ہوا ۔ اپنی حیات میں آپ ﷺ کل ایک بار قافلہ کے ساتھ نبوت سے پہلے بقصد تجارت شام کو تشریف لے گئے، سو بعض راہبوں نے آپ ﷺ کو بسبب علامات اور کرامات کے پہچان لیا ۔ پس مصلحت ہوئی کہ آپ ﷺ واپس جائیں تب آپ ﷺ واپس تشریف لائے ۔ اب میں پادریوں کی ایمانداری اور انصاف کو دیکھتا ہوں کہ وہ اس امر میں کیا کہتے ہیں ۔

**پادری عماد الدین کی کذب بیانیاں:**...... پادری عماد الدین نے اپنی کتاب ہدایت المسلمین کے باب ہفتم فصل اول، صفحہ ۲۵۱ سے لے کر صفحہ ۲۶۱ تک جو آنحضرت ﷺ کا حال خلاف واقع بیان کیا ہے، اس کے رد کرنے کے لئے چند عیسائی محققین کے قول کافی ہیں ۔ اب میں پیشتر عماد الدین کی عبارت کو ملخص کر کے لکھتا ہوں تا کہ ان کی ایمانداری اور انصاف کا حال معلوم ہو جائے ۔

**کذب نمبر ا:**......**قولہ:** عرب میں ایک شہر مکہ ہے کہ جس میں ایک مندر یعنی بت خانہ تھا جس کا نام کعبہ ہے ۔ وہاں ہر سال میلہ لگا کرتا تھا ۔ محمد ﷺ صاحب کے باپ دادا وہاں کے پجاری تھے ۔ جب محمد (ﷺ) صاحب پیدا ہوئے اور جوان ہو گئے، جب روزگار اور کمائی کی فکر میں کئی جگہ کا سفر اختیار کیا (بالکل جھوٹ) ۔ آخر کار خدیجہ ؓ کے نوکر ہو کر شام میں گماشتے کے طور پر تجارت کے لئے گئے ۔ چونکہ محمد (ﷺ) صاحب نے کئی جگہ کے عیسائیوں لی گفتگو سنی تھی اور بت پرستی کے عیوب ان پر ظاہر ہو گئے تھے کیونکہ ذرا غور سے بت پرستی کے عیوب ظاہر ہو سکتے ہیں (افسوس اس وقت کے عیسائی تو بقول آپ کے بت پرست ہی تھے مگر اب کے عیسائیوں پر بھی بت پرستی کے عیوب بڑے غور سے ظاہر نہ ہوئے ۔ بندے کو خدا بنا کر پوجنا، اس سے زیادہ کیا بت پرستی ہوگی ؟) پس محمد (ﷺ) صاحب نے کار تجارت اختیار کیا اور یہودیوں اور رومن کیتھولک عیسائیوں سے اور پارسیوں سے اور شہریوں اور بریوں اور بحریوں سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ معاملہ کیا، اس لئے طبیعت کی وہ تاریکی جو بت پرستی کا سبب ہے، دور ہو گئی اس لئے محمد (ﷺ) صاحب دین حق کے متلاشی ۞ ہوئے ۔ چنانچہ سورۃ الضحیٰ میں لکھا ہے ''وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى'' اے محمد! تو گمراہ تھا، پس تجھے ہدایت دی (یہ بالکل جھوٹ ہے) ۔

---

۞......علاوہ سہولت کے تدریجاً نازل ہونے میں یہ چند حکمتیں اور ہیں (۱) یہ کہ یکبارگی نازل ہونے میں مخالفوں کے لئے قرآن کے مثل بنانے میں کچھ عذر ہوتا کہ ہم اتنی بڑی کتاب کے برابر کیونکر بنا دیں ۔ جب تئیس برس میں جملے جملے ہو کر نازل ہوا تو اس عرصہ میں بڑی مہلت ان کو دی گئی ۔ پس جب بھی ان سے کچھ نہ ہوا تو دعویٰ تحدی پورا ہوا ۔ (۲) قرآن نازل ہوتے وقت خدا تعالیٰ سے نہایت قرب اور ہم کلامی حاصل ہوتی تھی ۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو ابتداء نبوت سے لے کر اخیر عمر تک اس خوبی سے سرفراز رکھا، بخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کو ساری عمر میں یہ دولت ایک بار ملی ۔ ''مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝'' کو خوب سچا کیا ۔ (۳) آپ ﷺ کو بار بار جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات نصیب ہوتی تھی کہ جس سے قوت ملکیہ کی جلا ہوتی رہتی تھی اور صدہا کمالات آناً فاناً حاصل ہوتے تھے ۔ (۴) چونکہ آپ ﷺ کا دین الی یوم القیمہ باقی رکھنا منظور تھا، اسلئے ضروری ہوا کہ تئیس برس کے عرصہ میں جس قدر مختلف حالات جو بندوں کو احکام الٰہی کی نسبت پیش آتے تھے، ان کی رعایت کر کے شریعت ابدی قائم کی جائے ۔ چونکہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو ایک دن یہ بات نصیب ہوئی تھی اور آپ ﷺ کو تئیس برس، پس اس پر آپ کے دین کے قیام کو ان کی شریعت کے قیام پر قیاس کر لینا چاہئے ۔ (۵) یکبارگی نازل ہونے میں عرب کے ان پڑھ لوگوں سے نہ تو قرآن اچھی طرح سے یاد ہوتا نہ لکھا جاتا اور اس زمانہ میں چونکہ لکھنے کے سامان کم تھے نہایت ایک نسخہ بمشکل لکھا جاتا تھا، پس توراۃ و انجیل کی طرح حوادث میں اس نسخے کے تلف ہو جانے یا اوراق کم زیادہ ہو جانے سے کتاب الٰہی میں لتور آ جاتا ۔ (۶) تھوڑا تھوڑا یاد کرنا اور سمجھنا آسان ہے ۔ قال تعالیٰ ''وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ'' اور اسی بات کی طرف خود اشارہ فرماتا ہے ''وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا'' ۔ ۱۲ منہ ۔

۞......لفظ متلاشی کو تلاش سے اسم فاعل بنایا گیا ہے، پادری کی لیاقت علمیہ کی کامل دلیل ہے ۔ سچ تو یوں ہے کہ ایسے ایسے جاہل کرستان ہو کر بیباک ہو جاتے ہیں ۔ پھر کوئی امامت کا دعویٰ کرنے لگتا ہے، کوئی اس لیاقت کا مدعی ہوتا ہے کہ قرآن کی عربیت پر اعتراض کرنا اپنا منصب سمجھتا ہے ۔ کیا زمانہ آ گیا ہے ۔ حقانی ۔

اول:......اول تو آپ ﷺ نے یہودیوں اور مصریوں اور پارسیوں سے ملاقات نہیں کی، البتہ بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مصر میں شعبدہ بازی سیکھنے گئے تھے، العیاذ باللہ۔

دوم:......بقول آپ ﷺ کے یہ لوگ تو خود شرک میں گرفتار تھے چنانچہ تواریخ میں بھی اس کی شاہد عدل ہیں۔ پھر ان کی صحبت سے کیونکر بت پرستی سے نفرت ہوئی؟

سوم:......بمقتضائے نور فطرت آپ ﷺ کو ابتداء سے نفرت تھی۔ اگر ان لوگوں سے صحبت ہوتی تو ان کی صحبت سے پیشتر ضرور بت پرستی کرتے حالانکہ اس کا کوئی مخالف بھی قائل نہیں، پھر اس پر اس آیت کو اس معنی پر محمول کرنا گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟ پس دین حق کی تلاش میں آپ ﷺ نے سب سے ملاقاتیں کیں مگر کسی کو پسند نہ کیا کیونکہ یہودی تو لائق قبولیت کے کسی طرح بھی نہیں ہیں۔ عیسائی بھی وہاں کے رومن کیتھولک تھے، وہ طرح طرح کی بت پرستیاں کرتے ہیں (سچ ہے دروغ گو را حافظہ نہ باشد) علاوہ اس کے عیسائیوں اور یہودیوں میں سخت اختلاف تھا جس کی وجہ سے ان کو اور بھی نفرت ہوئی۔ ان سبھوں سے بیزار ہو کر ایک قسم کی فقیری صوفیہ کے طور پر انہوں نے کی چنانچہ غار حراء میں بیٹھنے لگے۔ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ محمد صاحب نے ایسا کیا (درحقیقت تعجب کی بات نہیں کیونکہ اہل اللہ اور انبیاء علیہم السلام کو ہمیشہ جاذبہ الٰہی خلوت کی طرف کھینچتا ہے، مگر جب تمہارے نزدیک نبی اور مؤید من اللہ نہ تھے تو جس طرح اور صدہا لوگ بت پرستی کرتے کرتے مر گئے، اسی طرح آپ بھی ہوتے۔ پس ایسے تاریک زمانے میں کہ تمام عالم اس وقت بت پرستی یا گناہ میں گرفتار تھا، اس طرح انوار الٰہی سے منور ہونا اگر داعیہ نبوت سے نہ تھا تو بڑے تعجب کی بات ہے) اب محمد (ﷺ) صاحب جو غار حراء میں سادھو اور عابد بن کر بیٹھے، وہاں بیٹھے بیٹھے خیالات متنوعہ بھی ضرور ہے کہ ان کے دل پر گزرتے ہوں جیسے اکثر گوشہ نشین خصوصاً جاہل بے کار عابدوں کو گزرا کرتے ہیں چنانچہ بعض مغز چلے غوثیت اور قطبیت اور ولایت کے دعوے کر اٹھتے ہیں، اسی طرح انہوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا (یہ ایسی بیہودہ گوئی اور جہالت ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جناب میں یہود جہالت اور تعصب اور بدگمانی کرتے ہیں کہ وہ چونکہ ویسے پیدا ہوئے تھے، طبیعت میں شوخی تھی، مصر جا کر کچھ شعبدے سیکھ آئے، مغز چلی باتیں کرنے لگے، خدا کا بیٹا بن بیٹھے، شریعت انبیاء علیہم السلام کی اور خود انبیاء علیہم السلام کی اہانت کرنے لگے۔ آخر کو اپنے کیے کی سزا کو پہنچے، العیاذ باللہ)۔

اور اس خیال سے کہ یہودی کہ جو کسی مسیح کے منتظر تھے، میرے مرید ہو جائیں گے اس لئے یروشلم کی طرف عرب کے برخلاف نماز کرنا شروع کیا (اے متعصب! مکہ میں یہود کہاں تھے؟ اگر آپ ﷺ کو مرید کرنے کا شوق ہوتا تو مقتضیٔ وقت تو یہی تھا کہ عرب کو اول مرید کرتے اور ان کے برخلاف نہ کرتے۔ پس جب عرب کی پرواہ نہ کی اور طرح طرح کی اذیتیں ان کے ہاتھ سے اٹھائیں تو یہ قطعی دلیل آپ کے برحق ہونے کی ہے مگر آپ کی آنکھوں پر کولھو کے بیل کی طرح تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے) چونکہ کوئی بھی نبوت کی نشانی ان میں نہ تھی نہ معجزہ کر سکتے تھے اور نہ پیشین گوئی کر سکتے تھے اور نہ اچھی تعلیم کر سکتے تھے (یہود بھی بعینہٖ یہی تقریر حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت کرتے ہیں بلکہ مسیح ہونے کا دعویٰ کرنا بالخصوص انہیں پر زیادہ صادق آتا ہے کیونکہ جاہل آدمی تھے اور چال چلن ان کا خراب تھا اور عورتوں کا بہت شوق تھا مال کی طمع پر لوٹ مار کر کے لوگوں کو دکھ دیتے تھے اور بہت سے کام بے رحمی کے ان سے سرزد ہوتے تھے اس لئے یہود نے ہرگز قبول نہ کیا۔ لاچار پھر عرب کے مندر یعنی کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے (یہ بالکل جھوٹ اور صریح کفر ہے، اگر خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا ہی چال و چلن خراب کرنا ہے۔ پھر آپ کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے بدچلن ہیں جنہوں نے متعدد مقامات میں جہاد کیا)۔

(۱) رفیدیم میں قوم عمالقہ سے سفر خروج باب ۱۷۔ (۲) اموریوں کے بادشاہ سیحون شہر حسبون کے رہنے والے کو تہ تیغ کر کے اس کا مال و ملک لیا۔ (۳) بسن کے بادشاہ عوج سے بمقام ادرعی جنگ کر کے اس کو مع اہل و عیال قتل کیا۔ سفر عدد، باب ۲۱ و سفر استثناء باب ۳ بلکہ

یہاں ایسی بے رحمی کی گئی کہ ان کے مرد اور عورت اور لڑکے بالے سب کو بلا دعوت دین الٰہی قتل کیا اور ان کا مال واسباب اپنے لئے لوٹ لیا، ورس ۱۵۔۱۶۔ (۴) سفر استثناء باب ۱۳ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صاف حکم ہے کہ بت پرستوں کو اپنی تلوار کی دھار سے ضرور قتل کرے گا بلکہ وہاں کے خورد و کلاں باشندوں اور بے گناہ مواشی کو بھی قتل کرے بلکہ بقول آپ کے حضرت یشوع بن نون کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے اور بنی اسرائیل کے پیغمبر، نہایت خراب چال چلن کے تھے کہ جنہوں نے شہر کے شہر غارت کر دیئے اور مال لوٹا اور زن و مرد کسی کو زندہ نہ چھوڑا۔ دیکھو! شہر یریحو کی بابت کتاب یشوع، باب ۶ میں یہ ہے اور ایسا ہوا کہ جب لوگوں نے نرسنگے کی آواز سنی اور جماعت نے زور سے للکارا تو دیوار سراسر گر پڑی یہاں تک کہ سب آدمی شہر میں گھس آئے اور شہر کو لے لیا (۲۱) اور انہوں نے ان سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد، کیا عورت، کیا جوان، کیا بوڑھا کیا بیل اور گدھا، کیا بھیڑ سب کو تہ تیغ کر کے حرم کیا انتہیٰ۔ اور کیا اس سے بھی کوئی اور زیادہ بے رحمی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی جو یشوع علیہ السلام نے عکن سے کی کہ جس نے کسی قدر غنیمت کا مال چھپا لیا تھا جس پر (ورس ۲۴۔ باب ۷) یشوع نے زارح کے بیٹے عکن کو اور روپے اور لبادے اور سونے کی اینٹ اور اس کے بیٹوں اور اس کی بیٹیوں اور اس کے بیلوں اور اس کے گدھوں اور اس کی بھیڑوں اور اس کے خیمے اور اس کے سارے اسباب کو لیا اور وادی عکور میں لائے تب سارے اسرائیل نے اس پر پتھراؤ کیا اور انہیں سنگسار کر کے آگ میں جلا دیا، پھر انہوں نے اس پر پتھروں کا بڑا تودہ کیا'' کتاب یشوع'' اور اسی کتاب کے باب ۸ میں عی کی نسبت یہ لکھا ہے کہ: سو انہیں یہاں تک مارا کہ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور نہ کسی کو بھاگنے دیا اور وہ جو اس روز مارے گئے، مرد عورت بارہ ہزار تھے کیونکہ یشوع نے اپنا ہاتھ جس سے بھالا اٹھایا، جب تک کہ عی کے سارے رہنے والوں کو حرام نہ کر دیا۔ نہ اٹھایا (۲۸) اسرائیل نے اس شہر کے فقط مواشی اور اسباب کو اپنے لئے لوٹا خداوند کے حکم ❶ کے مطابق جو اس نے یشوع کو فرمایا، انتہیٰ۔

اگر اس پر بھی دل شرمندہ نہ ہو تو کہو اور جہادات انبیائے بنی اسرائیل جو بائبل مقدس میں مذکور ہیں، نقل کر دوں۔ بلکہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد کو اس قتل سے کچھ نسبت ہی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد محض مفسدوں اور شریروں کا فساد دفع کرنے کے لئے ہوتا تھا کہ جس کو ہر گورنمنٹ عادل بھی پسند کرتی ہے، اسی لئے اول ان کو فہمائش کی جاتی تھی، اگر وہ لوگ باز آتے تھے تب ان کو معاف کیا جاتا تھا ورنہ مقابلہ ہوتا تھا مگر یہ بھی جب کہ وہ لوگ امن کے خواہاں نہ ہوتے تھے اور کسی شرط پر اطاعت قبول نہ کرتے تھے۔ اور اس جنگ میں یہ تاکید ہوتی کہ عورتوں اور بچوں کو نہ مارو، درخت نہ جلاؤ۔ مواشی کو قتل نہ کرو بلکہ بعد غلبہ کے بھی وہ لوگ راہ پر آ جانے سے آزاد کئے جاتے اور مال واپس کر دیا جاتا تھا اور عورتوں کی رغبت پر جس کو اعتراض ہو تو وہ پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام پر اعتراض کرلے کہ جو خدائے ❷ بنی اسرائیل کے پہلوٹھے بیٹے تھے جن کے پاس چار بیویاں تھیں جن میں آپس میں دو حقیقی بہنیں تھیں اور پھر حضرت لوط علیہ السلام پر اعتراض کرے کہ جس نے بقول ان کے شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا جیسا کہ تورات میں موجود ہے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی طعن کرے کہ جن کی دو بیویاں تھیں اور ایک کے کہنے سے ایک کو مع اس کے معصوم بچے کے مکہ کے بیابان میں چھوڑا اور پھر حضرت داؤد علیہ السلام پر اعتراض کرے کہ جو عیسائیوں کے خدا (عیسیٰ ؑ) کے جد امجد ہیں کہ جس نے باوجود متعدد بیویوں اور لونڈیوں کے بیچارے اوریا کی بیوی سے زنا کیا اور اس کے خاوند کو فریب سے مروا ڈالا اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی برا کہے کہ جس کے پاس

---

❶ ..... دیکھو یہاں تصریح ہے کہ یہ معاملہ خداوند کے حکم سے کیا تھا، اس پر پادری جو کہا کرتے ہیں کہ '' جنگ انبیاء بنی اسرائیل جہاد اور دینی بات نہ تھی بلکہ دنیاوی'' محض غلط توجیہ ہے کیونکہ جہاد اور عام جنگ میں یہی فرق ہے کہ اول خداوند کے حکم سے ہوتا ہے، ثانی از خود۔ پھر جب انبیاء بنی اسرائیل نے بھی خدا کے حکم سے جنگ کی تو اب جہاد نہیں تو اور کیا ہے؟۔ منہ۔ ❷ ..... اس میں تعریض ہے یہود و نصاریٰ پر کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا پہلوٹھا بیٹا کہتے ہیں یعنی وہ خدا تعالیٰ جو حقیقی خدا ہے جس پر مسلمانوں کا ایمان ہے۔ بیٹے جورو سے پاک ہیں، اس سے یہ مراد نہیں کہ مسلمانوں کا اور خدا ہے اور اہل کتاب کا اور خدا ہے جیسا کہ بعض نادانوں نے خیال کیا ہے۔ حقانی۔

بہت سی عورتیں تھیں۔ معاذالدین اور فنڈر! یہ باتیں صرف آپ کی بائبل مقدس میں لکھی ہیں، ہمارا اعتقاد نہیں۔ پھر آپ ان کو نبی جانتے ہیں اور ہمارے حضرت ﷺ پر چند نکاح کرنے سے کیا کیا منہ آتے ہیں اور جھوٹی باتیں نکاح زینب اور ماریہ کی بابت بناتے ہیں۔

علاوہ اس کے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیح ❶ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے ساتھ جوان جوان عورتیں رہا کرتی تھیں جس پر یہود کو بدگمانی ہوئی۔ تعجب ہے کہ یہود سے تو آپ کا دم بند ہوتا ہے اور مسیح علیہ السلام کے دوستوں کو برا کہتے ہو اور آپ کا یہ کہنا کہ یہود نے حضور ﷺ کو قبول نہ کیا، بالکل لغو ہے۔ عبداللہ بن سلام اور کعب احبار جیسے جلیل القدر علماء یہود سے مشرف باسلام ہوئے۔ علاوہ ان شہادات علمائے مسیحین کے جو حضور ﷺ کے مقدس ہونے کی بابت ہم نقل کریں گے، یہ بات اہل انصاف کو کیا کم ہے۔ اگر معاذ اللہ بقول پادری صاحب آپ ﷺ ایسے بدچلن اور طامع اور شہوت پرست اور بے رحم تھے تو پھر باوجود اس غریبی کہ نہ آپ ﷺ کے پاس ملک تھا، نہ فوج تھی، نہ خزانہ بلکہ رہنے کے لئے پورا مکان بھی نہ تھا، کس طرح ہزار ہا مقدس لوگوں کے سردار ہو گئے اور عرب نے اپنی جہالت اور سفا کی اور بت پرستی اور شہوت رانی کس معلم کی تعلیم سے چھوڑی اور اگر آپ ﷺ کی تعلیم اچھی نہ تھی، نہ کوئی معجزہ آپ ﷺ کے پاس تھا تو وہ وحشی لوگ کہ جن سے درندے بھی شرماتے تھے، کس طرح آپ ﷺ کے مطیع ہوئے کہ زن و فرزند، گھر بار، دین آباء چھوڑ کر فدوی خاص بن گئے اور پھر ان عرب میں کہ اس وقت تمام عالم کی آنکھوں میں حقیر تھے، کس کی برکت سے وہ جوش اور صلاحیت پیدا ہوئی کہ جس کی وجہ سے تیس برس کے عرصہ میں ایشیائے کوچک، روم و مصر و ایران وغیرہ بلاد پر شرقاً غرباً قادر و مسلط ہو گئے کہ جس کا نظیر عہد آدم سے اب تک کہیں نہیں پایا جاتا۔

اور پھر آج تک ہند اور یورپ اور دیگر بلاد میں باوجود اس ضعف کے جو اس زمانہ میں ہے، ہزار ہا جلیل القدر لوگ مشرف باسلام ہوتے چلے جاتے ہیں کہ جن کی فہرست لکھنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ آپ تو چال چلن کے بھی اچھے ہیں اور سچے عیسائی بھی ہیں اور سچے عیسائیوں میں بقول حضرت مسیح علیہ السلام یہ علامتیں ہیں (کہ وہ میرے نام سے دیووں کو نکالیں گے اور نئی زبانیں بولیں گے، سانپوں کو اٹھائیں گے، زہران پر اثر نہ کرے گا، بیمار ان کے ہاتھ لگاتے ہی تندرست ہو جائے گا) انجیل لوقا۔

اور اس پر آپ کی قوم کی حکومت بھی ترقی پر ہے اور اولوالعزمی بھی ہے کہ جس کی وجہ سے کروڑ ہا روپیہ بطور چندہ جمع کر کے پادری لوگوں کے مشنوں میں تقسیم ہوتا ہے کہ جس پر پادری صاحب گھوڑوں اور بگھیوں پر چڑھے پھرتے ہیں اور جس کا روح القدس سن کر عماد الدین کو ایسی ایسی ناپاک اور گندی باتیں انبیاء علیہم السلام کی نسبت کہلاتا ہے۔ اس پر ❷ بھی سچا عیسائی کوئی نہیں دکھائی دیتا اور جھوٹے نئے عیسائی بھی باوجود اس کوشش کے دس، بیس چمار یا خلال خور یا بعض مسلمان و ہنود ہیں جو دنیا کی تنگی سے عاجز آ کر منافقانہ عیسائیوں میں جا ملتے ہیں۔

---

❶ ایک مخلی کرستان نے جو محمد صالح و محمد صادق فرضی ناموں سے تضحیک اسلام کے لئے غلط پیشین گوئیاں کرتا ہے، مفسر کو بے اعتبار بنانے کے لئے اس عبارت سے یہ الزام قائم کیا کہ مفسر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زناکار ٹھہراتا ہے۔ جس کو ذرا بھی اردو عبارت سمجھنے کا سلیقہ ہے، وہ فوراً اس مخلی کرستان کی تکذیب کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ جھوٹا الزام ہے۔ حقانی۔ ❷...... پادری صاحب اعرب کی جہالت کی تو بقول آپ کے ایک بدچلن آدمی نے اصلاح کر دی کہ جن کا جزء ناری کابلیوں سے اور ترکوں سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ سچے مسیحی، نیک چلن، کراماتی سے تو عرب یا کابل میں ایک بدو یا کابلی بھی درست نہ ہوا، ذرا جا کر وہاں منادی تو کیجئے۔ بلکہ عیسائی ملک پادریوں کے ہاتھ سے یو مافیو ما آزاد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کئی سو برس ہوئے کہ پوپ کو القط کر دیا اور اب لنڈن اور فرانس اور جرمن کے عالی دماغ لوگ تثلیث و کفارہ والوہیت مسیح سے جو اصول مذہب عیسوی ہیں، صد ہا نہیں بلکہ کروڑ ہا نفرت کر گئے اور کرتے چلے جاتے ہیں اور علاوہ اس کے الحاد اور فلسفہ کو وہ ترقی ہے کہ تخمیناً دو ثلث لوگ سرے سے ان باتوں ہی کے معتقد نہیں اور اس پر طرہ یہ کہ زنا اور شراب خواری کی وہ کثرت کہ جس کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں، آپ لوگوں کی سچی تعلیم نے اس بارے میں کچھ بھی اثر نہ کیا اور حضور ﷺ کی تعلیم کا اب تک وہ اثر باقی ہے کہ اسلامی سلطنتوں میں یہ باتیں سواں (۱۰۰) حصہ بھی نہیں۔ یہ تو اس ضعف اسلام کا حال ہے اور اس سے پہلے تو وہ پاکدامنی سطح عالم پر جلوہ گر تھی کہ جس کا اثر ہمارے ہمسایہ غیر قوموں پر بھی تھا۔ منہ۔

عمادالدین کو دو مہینے تنخواہ نہ ملے تو دیکھئے پھر کیا کرتے ہیں؟ اس مالداری پر دین مسیحی کی یہ ترقی ہے کہ اتوار کے دن گرجا خالی پڑے رہتے ہیں اور اس عبادت کے روز بھی بیچارے عمادالدین کے سے دیسی کرسٹین جب تک کہ انگریز لوگ گرجا میں رہتے ہیں، جانے نہیں پاتے۔

**فیضِ نبوت:** ...... یہ آنحضرت ﷺ کی نبوت ہی کا فیض ❶ تو ہے کہ صفحۂ دنیا پر توحید و پرہیزگاری، خداپرستی کی روشنی پھیل گئی۔ اب بھی ممالک اسلامیہ وعیسویہ میں کوئی سیر کرکے دیکھ لے تورات اور دن کا فرق نمودار ہوگا۔ اس زمانہ میں بھی ممالک اسلامیہ میں پرہیزگاری، عبادت، مہمان نوازی، خداپرستی، کی چمک ہے۔ برخلاف اس کے عیسویہ ممالک بالخصوص یورپ میں باوجود ترقی علوم کے الحاد، بدکاری و عیاری کے دریا موجزن ہیں۔ پھر آپ ﷺ کی برکات سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جو کایا پلٹ گئی اسکو بھی مؤرخین جانتے ہیں۔ ان میں سچا جوش روحانی زندگی کے آثار نمایاں تھے۔ اگر یہ نبوت کا اثر نہیں تھا تو پھر کونسی شراب کا نشہ تھا؟

**اصحاب محمد ﷺ اور حواریین عیسیٰ علیہ السلام:** ...... حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ حواریوں کو جو آپ کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ انبیاء علیہم السلام سے ہزار درجہ بڑھ کر ہیں حضور ﷺ کی صحابہ رضی اللہ عنہم کیا بلکہ تابعین بلکہ بعد کے جانثاروں سے ہی مقابلہ کرکے دیکھئے۔ یہودا نے تو خود حضرت مسیح علیہ السلام کو تیس روپے لے کر یہود کے ہاتھ گرفتار کرایا اور اعظم الحواریین شمون پطرس نے (کہ جن کو حسب مفاد، ورس ۱۹، باب ۱۶ متی، آسمانی کنجیاں اور اختیارات دیئے گئے تھے) ایک عورت کے پوچھتے ہی اپنی رفاقت تو کیا بلکہ شناسائی کا بلفظ لعنت بڑے زور سے انکار کر دیا اور وہ صدہا آدمی جو حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے، سب تر بتر ہو گئے۔ کسی نے چوں بھی نہ کی، کسی کی نکسیر بھی نہیں پھوٹی حالانکہ حضرت مسیح ف علیہ السلام نے اس بارے میں تاکید بھی فرمائی تھی کہ دنیاوی تکالیف پر جو برداشت کرے گا، وہی نجات پائے گا اور جو میرا انکار کرے گا باپ کے روبرو، میں بھی اس کا انکار کروں گا اور اسی لئے حضرت مسیح علیہ السلام نے آسمان پر چڑھتے وقت سب کو بے ایمانی ❷ کا لقب عطا کیا۔ چنانچہ انجیل مرقس کے باب ۱۶ میں موجود ہے۔

ولیم میور، تاریخ کلیسا کے اول باب میں لکھتے ہیں: مسیح کے حواریوں اور شاگردوں نے اب تک یعنی تاوقت عروج اس کی تعلیم کی حقیقت اور مطلب بالکل نہیں سمجھا تھا اور ان کا سست ایمان دنیوی نعمتوں اور فائدوں کی امید میں لگا ہوا تھا۔ اس کے گرفتار ہوتے ہی وہ سب بھاگ گئے اور پطرس نے جو عدالت میں گیا، وہاں اپنے خداوند کا انکار کیا۔ پھر مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے بعد سب بالکل مایوس اور ناامید ہو گئے۔ انتہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم نے تو بنی اسرائیل پر باوجود صدہا معجزات دکھانے کے سوا ان حصہ بھی آپ ﷺ کی تعلیم سے اثر نہ کیا بت پرستی اور گوسالہ پرستی سے باز نہ آئے۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان کی نحوست کی وجہ سے ارض مقدسہ میں داخل ہونے سے محروم رہے اور راستے ہی میں کام آئے۔ اب فرمایئے دنیا میں جس قدر انبیاء علیہم السلام آئے ہیں، اس میں سب سے زیادہ کس کی تعلیم کا اثر ہوا؟

---

❶ ...... بایں ہمہ اس زمانہ میں بھی اسلام کی قدرتی سچائی اور فطرتی نورانیت سے جو کچھ ترقی ہے، اس کا کہیں نظیر نہیں پایا جاتا ہے۔ مسٹر ایزک ٹیلر نے جو انگلستان میں ۱۸۸۷ء میں اس بارہ میں سینکڑوں ممبروں کے روبرو سپیچ کہی ہے اور جو منشور محمدی ﷺ وغیرہ اخباروں میں لندن کے اخبارات سے نقل کی گئی ہے، شاہد عدل ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہندوستان میں کہ جہاں پادری لوگ خاص کرستان بنانے کے لئے کروڑ ہا روپیہ صرف کرتے ہیں، ہر سال تخمیناً چھ لاکھ مسلمان بڑھتے جاتے ہیں۔ جو اور مذہب چھوڑ کر اسلام میں آتے ہیں اور افریقہ کے ملکوں میں باوجودیکہ پادری مناد بھی وہاں بڑی کوشش کر رہے ہیں، لاکھوں غیر مذہب کے لوگ اسلام قبول کرتے جاتے ہیں اور یورپ میں بھی عموماً بمقابلہ مذہب عیسوی یوماً فیوماً اسلام کی طرف رجحان ہوتا جاتا ہے کہ جہاں کوئی مسلمان واعظ بھی نہیں "يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ" حقانی)۔ ف: ...... یہ گفتگو الزامی ہے ورنہ ہم اہل اسلام حضرات حواریوں سے یہ سوء عقیدت نہیں رکھتے۔ ❷ ...... دہلی میں ایک مخفی کرستان اس لقب بے ایمانی کی یہ تاویل کرتا ہے کہ یہ لفظ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کے لئے یوں کہا تھا کہ وہ لوگ آپ کے دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان نہ لائے تھے۔ الخ سبحان اللہ! یہ کیا ہوا؟ بہر طور ایمان نہ لانا اور اسکے معاوضہ میں یہ لقب پانا تو ثابت ہے خواہ کسی وجہ سے ہو۔ پھر جانے پادریوں کو خوش کرنے کو محمد صادق اور محمد صالح فرضی ناموں سے المسمیٰ رد تفسیر حقانی اپنے چہرہ پر کیوں خاک افشانی کر رہا ہے۔

ع ستمگروں میں شرمایا تو ہوتا

**کذب نمبر ۲:**.....**قولہ:** پس محمد (ﷺ) صاحب نے عرب کو ترغیب دینی شروع کی اور مدینہ والوں کی مدد سے فوج کشی کر کے مکہ پر حملہ کیا اور بڑی خونریزی کر کے قبضہ کیا اور عرب کو طرح طرح کی ترغیبیں دینی شروع کیں اور لوٹ کے مال کا لالچ جس میں پانچواں حصہ آپ لیتے اور باقی ان کو بانٹ دیتے۔ الخ۔

**جواب:** اگر خدا تعالیٰ کے حکم سے زمین کو فساد سے پاک کرنا اور شریروں کا دفع کرنا ہی ظلم اور بری بات ہے تو حضرت یوشع بن نون وغیرہ انبیاء ﷺ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آپ کے نزدیک برے ٹھہرے اور اگر کہو وہ بھی برے تھے تو آپ عقل سلیم کے بھی مخالف ہیں کیونکہ فساد کو دفع کرنا اور گندہ گوشت کاٹ کر زخم کو اچھا کرنا اور بے فائدہ شاخوں کو چھانٹنا ہر ذی عقل کے نزدیک محمود ہے اسی لئے تمام سلاطین عادل، باغیوں اور مفسدوں کے قتل اور تخریب میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے اور اگر ان کا مال ضبط کرنا برا ہے تو یہ بھی بیجا ہے۔ کیا یوشع بن نون نے نہ کیا اور کیا سلاطین عادل نہیں کرتے؟

**کذب نمبر ۳:**.....**قولہ** دوسرا عورتوں کا لالچ۔ محمد صاحب نے خاص و عام سب لوگوں کو یہ لالچ دیا کہ اگر میرے ساتھ جاؤ گے تو عورتیں مفت لوٹ میں ہاتھ آئیں گی، تم ان سے صحبت کرنا۔ خدا تعالیٰ کا بھی اس میں گناہ نہیں الخ۔

**جواب:** اول تو آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی لڑائی میں کسی کو یہ لالچ نہیں دیا، اگر سچے ہو تو ثابت کر دو۔ دوم یہ کہ یوں کون کسی کے لالچ دینے سے کسی کے ساتھ جان دینے کو آمادہ ہو جاتا ہے۔ اب لٹیروں کو کسی کی جورو اور مال لینے سے کون مانع ہے؟ اگر یہی لالچ مؤثر ہے تو گورنمنٹ کا ہے کو کروڑ ہا روپیہ دے کے فوج مقابلہ میں لے جاتی ہے۔ ایسا لالچ کیوں نہیں دیتی؟ اور آپ کیسے لالچی کہ جس نے ساٹھ روپیہ کی تنخواہ پر اسلام ترک کیا، کیوں ایک ٹکڑا ہندوستان کا نہیں دبا بیٹھے؟ سوم یہ کہ ہر لڑائی میں یہ کس کو یقین ہوتا ہے کہ ہم ہی فتحیاب ہوں گے، ہاں اگر ان کو مدد آسمانی کا سہارا ہو تو ان پر حکم سماوی میں عیب کیا ہے؟ چہارم یہ کہ اسلام میں لڑائی سے مقصود اس قوم کا ایمان لانا ہوتا ہے۔ اگر وہ قوم ایمان لائے یا مطیع اسلام ہو جائے تو پھر ان کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا ہے۔ معاذ اللہ اگر آپ ﷺ لالچی ہوتے تو خواہ کوئی چین کرے یا پین، کبھی کسی کو نہ چھوڑتے جیسا کہ بائبل مقدس کے انبیاء ﷺ نے کیا، حالانکہ یہ کبھی نہیں ہوا۔

**کذب نمبر ۴:**.....**قولہ:** تیسرا لالچ جسمانی بہشت کا جس میں شراب کباب اور اچھی عورتیں اور فرش لونڈی خوب صورت وغیرہ اور بہت سی غلط اور گندی باتیں جن سے نادان بہلائے جاتے ہیں، محمد (ﷺ) صاحب نے عرب کو سنائیں جسے بے علم، ناواقف، بت پرست، شہوت کے بندے خوش ہو کر قبول کر بیٹھے۔ اس بہشت کو علماء محمدیہ (ﷺ) کلام الٰہی سے ثابت کریں ورنہ توبہ کریں۔

**جواب:** یہی اعتراض ہمارے سید صاحب نے بھی قرآن اور اسلام پر کیا ہے اور مدت سے پادری فنڈر وغیرہ اسی کو پیش کئے چلے جاتے ہیں۔ مگر یہ آپ لوگوں کی کم فہمی ہے کیونکہ ان اشیاء سے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں، بعینہٖ یہی دنیا کی عنصری چیزیں مراد نہیں بلکہ ان کی طرح اور لطیف چیزیں اور اس بات کو قرآن نے بھی بتلا دیا ہے ❶۔

دوم یہ کہ جنت کی کسی قدر نعماء مکاشفات ❷ یوحنا میں بھی موجود ہیں کہ جس کو تم کلام الٰہی سمجھتے ہو، پھر انکار محض جہالت ہے۔ سوم یہ کہ اگر تمہاری کتابیں جنت اور دوزخ کے بیان سے خالی ہیں تو یہی وجہ حضور ﷺ کے نبی ہونے کی کافی ہو سکتی ہیں کیونکہ جزا و سزا دار آخرت

---

❶ قولہ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۱۲ منہ۔ ❷..... چنانچہ مکاشفات یوحنا، باب ۷، آیت ۹، وایضاً باب ۲۱ و باب ۲۲ میں خوب بیان ہے۔ انجیل متی باب ۲۵ میں بالخصوص انجیل متی باب ۲۶، آیت ۲۹ میں تصریح ہے کہ جنت میں انگور کا شیرہ پیا جائے گا۔ جب کھانا پینا ثابت ہوا تو یہ پادریوں کی اختیار ہے کہ وہ فقط انگور کا شیرہ ہی پی کر بس کیا کریں اور اہل اسلام ہر چیز کھاتے ہیں۔ اب اپنی قسمت پر اعتراض کریں نہ کہ جنت کے نعماء پر۔ منہ۔

میں انسان کے لئے عقلاً و نقلاً ثابت ہے اور اس کے بیان کی ضرورت ہے۔ پس جس چیز ضروری کے بیان سے تمام کتب سابقہ خالی ہیں جس نے اس کو بیان کیا، وہ شخص قطعی نبی ہے۔

**کذب نمبر ۵:**......**قولہ:** چوتھا لالچ مسلمانوں کی طرفداری الخ۔

**جواب:** غلط ہے کیونکہ سب اہل تاریخ آپ کی عدالت اور انصاف کے مقر ہیں۔ ان باتوں میں اہل اسلام ضرب المثل ہیں۔ یہ عیسائی دین نہیں کہ جس میں کالے گورے کا فرق کیا جائے اور آپ نے یہ آیت ''اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ'' جو لکھی، اس کو طرفداری سے کیا علاقہ؟ کفار پر ان کے دفع فساد کے لئے شدت کرنا اور چیز ہے اور اہل معاملہ سے بانصاف پیش آنا اور بات ہے۔

**کذب نمبر ۶:**......**قولہ:** پانچواں باعث جھوٹی دہشت دینا یعنی محمد صاحب نے دوزخ اور بہشت اور عذاب قبر کی بابت ایسے ایسے مضمون صریح البطلان جو ہرگز عقل و نقل قبول نہیں کرتی، اس جاہل ملک کو سنا کر ڈرایا۔

**جواب:** ہمارے مشفق سید صاحب بھی آپ لوگوں کی بولی بولتے ہیں مگر افسوس کہ نہ آپ عذاب قبر کو سمجھے، نہ دوزخ کو، نہ بہشت کو، ہماری اس کتاب کو دیکھتے تو کبھی یہ بات منہ پر نہ لاتے۔ بھلا پادری صاحب! یہ فرمایئے کہ جب انسان کے لئے بعد مردن نہ عذاب قبر ہے، نہ دوزخ، نہ جنت تو پھر نیک و بد کام کا نتیجہ کیا ہے؟ شاید یہی دنیائے فانی، اسی لئے پولوس مقدس نے شریعت پر عمل کرنے والے کو بے ایمان فرمایا اور عیسائیوں کو ہر چیز کا فتویٰ دے کر سانڈ بنایا ہے۔ معاذ اللہ اگر یہی الہام ہے اور یہی نبوت ہے تو سخن فہمی عالم بالا معلوم شد۔ پس شیطان صاحب کو تکلیف اٹھانے کی اب کچھ ضرورت نہ رہی، عیسائیوں کی کتابیں اور ان کے پادری کافی ہیں۔ علاوہ اس کے مکاشفات یوحنا میں بھی ایسی جھوٹی دہشت مذکور ہے اور اکثر انبیاء علیہم السلام کے کلام میں مسطور۔ لیکن آپ کو بائبل پر نظر نہیں جس لئے یہ جھوٹا غرور ہے۔

**کذب نمبر ۷:**......**قولہ:** غرض کہ ایسی ایسی ترغیبات سے عرب کے عوام ان کے معتقد ہو گئے۔ الخ۔ پس جب کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ چند رئیس یعنی بستی کے چودھری ایمان لائے تو پھر کیا کہنا تھا، تھوڑے ہی عرصہ میں اقتدار حاصل ہو گیا۔ افسوس! محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ خیال نہیں کرتے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کس طمع پر دی تھی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے الخ۔

**جواب:** جس طمع پر کہ آپ کے جد فاسد نے آپ کے باوا تا جو صاحب کو آپ کی والدہ دی تھی۔ ہمارا کلام بیہودہ گوئی نہیں مگر چونکہ آپ نے سوال کیا، ہم کو جواب دینا پڑا۔

**کذب نمبر ۸:**......**قولہ:** جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب مر گئے تو یہ سب لوگ ان کا گاڑنا دابنا بھی بھول گئے اور وراثت کی تقسیم میں ایسے مبتلا ہوئے کہ مار پٹائی ہونے لگی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صاحب کا باغ فدک جو انہوں نے اپنی بیٹی کو بخش دیا تھا، چھین لیا بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بطمع دنیاوی لاتیں ماریں اور کیا کیا واہیات کیا۔ صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صاحب کے داماد علی رضی اللہ عنہ نے ان کو گور گڑھا دیا۔

**جواب:** یہ ہذیان سرتاپا بے اصل امام باڑوں کی گپیں ہیں، اگر آپ سچے ہیں تو بسند صحیح ثابت کر دیجئے۔ بلکہ اس کو عقل سلیم ہرگز تسلیم نہیں کرتی دو وجوہات سے۔

**وجہ اول:**......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت (کہ جس کو مخالف بھی رد نہیں کر سکتے اور وہ تعلیم حمیدہ اور وہ جوش دینی کہ جس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم گھر بار چھوڑ چھاڑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مبارک پر آپڑے تھے) کیا اس زمانہ کی پیری مریدی کا سا بھی اثر نہیں رکھتی تھی؟ حاشا و کلا۔ بلکہ وہ اثر رکھتی تھی کہ جس کا اثر آج تک دلوں میں چلا آتا ہے اور بے دیکھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک جان و مال صرف کرنے

کو جی آمادہ رہتا ہے اور نام پاک سنتے ہی محبت جوش مارتی ہے۔ پس کسی پیر جی کے مرید یا کسی عالم کے شاگرد یا کسی ریفارمر ● کے معتقد اس کی لاش اور اسکی اولاد کے ساتھ ایسا نہیں کرتے بلکہ ہم نے بعض بزرگوں کی لاشوں کے ساتھ وہ ماتم اور ان کے مریدوں میں وہ جوش دیکھا کہ جس کا بیان نہیں۔ پھر کیا ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے یاروں اور مریدوں نے ایسا کیا ہو؟ توبہ توبہ۔

وجہ دوم:۔۔۔۔۔ بالفرض یہ بھی صحیح لیکن وہ مال اور ملک آنحضرت ﷺ کے بعد کیا برآمد ہوا تھا کہ جس پر یہ نوبت پہنچی بلکہ ایک پیسہ بھی نہ چھوڑا تھا اور اگر وہ لوگ مال کے بھوکے تھے تو مدینہ منورہ میں مال و اسباب چھوڑ کر کیوں آئے تھے اور کیوں عمر بھر فاقہ کشیاں کیں اور دردولت سے نہ ہٹے؟ اور خیر یہ بھی سہی مگر آنحضرت ﷺ کے بھائی بند بنی ہاشم اور خود علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ وہ انصار جانباز کیا کم تھے کہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لات مارتے دیکھ کر چپ کرتے؟ وے غیرت آئے اُدی ز کرنے والے نہ تھے نہ پانی پت کے تیلی جولاہے جو اس بے حمیتی کو روا رکھتے۔ کسی کی کیا مجال تھی جو خاتون جنت کی طرف ٹیڑھی آنکھوں سے بھی دیکھتا۔ مگر ہمارے بھائی بند شیعہ غیر محقق لوگوں نے ایک ذرا سی بات کو پہاڑ بنا دیا۔

**اصل نزاع:**۔۔۔۔۔ مسئلہ امامت میں تھا۔ شیعہ کے نزدیک استحقاق اس خدمت کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھا۔ دوم حضرت علی رضی اللہ عنہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم میں افضل ہیں۔ نہ یہ بات کہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کافر یا مرتد ہو گئے اور باغ فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ملک کر دینا چاہئے تھا۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کے مستحق تھے کہ وہی سب صحابہ رضی اللہ عنہم میں افضل تھے اور باغ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات میں نذر اللہ کر دیا تھا بلکہ اپنے جان اور مال سب کو وقف راہ مولی کر دیا اور ''نحن معشر الانبیاء لانرث ولا نورث ماترکناہ صدقة'' فرما دیا تھا۔ پس جس طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی حیات میں جو اس کی آمدنی پاتی تھیں، بدستور جاری رکھی اور باغ مال خدائی ٹھہرایا گیا۔ کیونکہ جب مال ہی نہیں تو تقسیم کا ہے میں جاری کرتے؟۔ لیکن بنی امیہ کے ظلم اور زیادتی سے یہ قصہ نہایت طول پکڑ گیا۔ خود شیعہ کے اس مسئلہ امامت میں بہت سے فریق ہو گئے اور غالی اور متعصب لوگوں نے اپنی رونق مجالس اور لوگوں کو مصائب اہل بیت پر رلانے کے لئے۔ ایسی ایسی باتیں بھی گھڑیں اور کتابوں میں درج کر دیں اور نوبت تبرا اور گالی گلوچ صحابہ رضی اللہ عنہم کی پہنچا دی اور پرائے شگن کے لئے اپنی ناک اڑا دی۔ اہانت پیغمبر ﷺ اور اہل بیت کرام کی طرف خیال نہ کیا، اس لئے محققین شیعہ ایسی باتوں کو ہیچ و پوچ جانتے ہیں۔ پادری صاحب اصل بات یہ ہے، نہ وہ جو تم کہتے ہو۔

**کذب نمبر ۹:**۔۔۔۔ **قولہ:** بعد اس کے ہمیشہ روپیہ اور ملک گیری کی خاطر لڑتے رہے یہاں تک کہ محمد صاحب کے نواسے امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی بادشاہت کی فکر میں مارے گئے۔

جواب: بالکل جھوٹ۔ یہ عیسائیوں کی لڑائیاں نہیں کہ محض دنیا کے لئے جھوٹ اور فریب اور بے ایمانی اور دغابازی کو عمل میں لاتے ہیں اپنے سے غالب کو دب کر سلام کرتے ہیں، مغلوبوں کو نہایت بے رحمی سے مارتے ہیں۔ کیا اسپین کا قصہ اور بیت المقدس میں پچاس ہزار مسلمانوں کے زن و فرزند کا باوجود امان کے قتل کرنا وغیرہ صفحہ عالم سے محو ہو گیا ہے؟ اور حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت محض دین کے لئے تھی کہ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اگر دین کے لئے شہید ہونا عیب ہے تو خود حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے بعض حواری بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔

**کذب نمبر ۱۰:**۔۔۔۔ **قولہ:** غرض یہ سب دنیاوی طمع سے محمد ﷺ صاحب پر ایمان لائے تھے اور ان کے بعد بادشاہوں نے طمع

● ۔۔۔ ریفارمر: بمعنی اصلاح کا حامی۔ اصلاح کرنے والا۔ مصلح۔ سیاسی اصلاحات کا حامی۔

اور جان کے خوف سے لوگوں کو مسلمان کیا (جیسا کہ قسطنطین بادشاہ روم نے ہزار ہا بے کس لوگوں کو ظلم سے ہلاک کر کے مذہب عیسائی کو رواج دیا تھا) یہاں تک محمد (ﷺ) صاحب کا مختصر احوال سنایا، ان شاء اللہ اگر زمانے نے فرصت دی تو خاص محمدی تاریخ جدا لکھ کر مفصل کیفیت سناؤں گا جو پردہ میں ہے۔

جواب: تم نے تاریخ محمدی میں حسب وعدہ اور پادری فنڈر نے اور مصنف نیاز نامہ نے اور ماسٹر رام چندر نے رسالہ مسیح الرجال تحریف القرآن میں اور تمہارے مقلد لالہ اندرمن مرادآبادی نے وغیرہ ذلک بہت سے متعصب اور ناانصاف لوگوں نے بہت کچھ کاغذ سیاہ کئے ہیں اور جھوٹے عیب ضعیف اور موضوع روایات واقوال اہل سیر سے اور کچھ اپنی طرف سے اس آفتاب جہاں تاب پر لگائے ہیں اور آسمان کی طرف تھوکا ہے مگر وہ سب اڑ کر انہیں کے منہ پر پڑا۔ دیکھئے!

**گبن صاحب کی شہادت:**...... اب ہم آنحضرت ﷺ کے فضائل پر اہل انصاف عیسائیوں سے شہادت طلب کرتے ہیں، وہ کیا کہتے ہیں؟ گاڈفری ہیگنس اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ گبن صاحب کہتے ہیں کہ چاروں خلفاء کے اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے کہ ان کی سرگرمی، دلدہی اخلاص کے ساتھ تھی اور ثروت اور اختیار پا کر بھی اپنی زندگیاں ادائے فرائض اخلاقی اور مذہبی میں صرف کیں۔ یہی آدمی محمد ﷺ کے اول جلسہ میں شامل تھے جو پیشتر اس سے کہ آپ نے اقتدار حاصل کیا، آپ ﷺ کے جانبدار ہو گئے یعنی ایسے وقت میں کہ آپ ﷺ ہدف آزار ہوئے اور جان بچا کے اپنے ملک سے چلے گئے۔ ان کے اول ہی اول تبدیل مذہب کرنے سے ان کی راستی ثابت ہوتی ہے اور دنیا کی سلطنتوں کو فتح کرنے سے ان کی لیاقت کی فوقیت معلوم ہوتی ہے (۲۱۹) اس صورت میں کوئی یقین کر سکتا ہے کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں سہیں اور اپنے ملک سے جلاوطنی گوارا کی اور اس سرگرمی سے اس کے پابند ہوئے۔ یہ سب امور ایک شخص کی خاطر ہوں جس میں ہر طرح کی برائیاں ہوں اور اس سلسلہ فریب اور سخت عیاری کے لئے ہوں جو ان کی تربیت کے بھی خلاف ہو اور ان کی ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی مخالف ہو؟ اس پر یقین نہیں ہو سکتا اور خارج از حیطہ امکان ہے (۱۲۳) عیسائی اسکو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد ﷺ کے مسائل نے اس درجہ کا نشہ دینی آپ کے مریدوں میں پیدا کیا جس کو عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے اور آپ کا مذہب اس تیزی کے ساتھ جس کی نظیر دین عیسوی میں نہیں، چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سی عالیشان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آ گیا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے، ان کا نشہ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتداء کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے۔ اگر بالفرض آپ کی حفاظت کرنے کی ان کو ممانعت تھی تو آپ کی تشفی کے لئے موجود رہتے اور صبر سے آپ کے اور اپنے ایذا رسانوں کو دھمکاتے۔ برعکس اس کے محمد ﷺ کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر ﷺ کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ ﷺ کو غالب کیا انتہیٰ۔

پھر خود گبن اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں محمد ﷺ کا مذہب شکوک اور شبہات سے پاک ہے۔ مکہ کے پیغمبر ﷺ نے بتوں اور انسانوں اور ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا الخ۔ اس نے اپنی سرگرمی سے کائنات کے بانی کا ایک ایسا وجود تسلیم کیا ہے کہ جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا، نہ کسی شکل میں محدود نہ کسی مکان میں، نہ کوئی اس کا ثانی موجود ہے جس سے اس کو تشبیہ دے سکیں الخ۔ ان بڑے بڑے حقائق کو پیغمبر ﷺ نے مشہور کیا اور اس کے پیروؤں نے ان کو نہایت مستحکم طور سے قبول کیا اور قرآن کے مفسروں نے معقولات کے ذریعہ سے بہت درستی کے ساتھ ان کی تصریح اور تشریح کی۔ ایک حکیم جو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر اعتقاد رکھتا ہو، مسلمانوں کے عقائد مذکورہ کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ ایسا عقیدہ ہے جو ہمارے ادراک موجودہ اور قویٰ عقلی سے بہت بڑھ کر ہے

الخ وہ اصل الاصول جن کی بناء عقل اور وحی پر ہے، محمد ﷺ کی شہادت سے استحکام کو پہنچے۔ چنانچہ ان کے معتقد ہندوستان سے لے کر مراکو تک موحد کے لقب سے ممتاز ہیں اور بتوں کو ممنوع سمجھنے سے بت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا ہے انتہیٰ۔

**ڈاکٹر سپر نگر صاحب کی شہادت:**......اور ڈاکٹر سپر نگر صاحب کہتے ہیں محمد ﷺ کو نکلتے ہوئے آفتاب، برستے پانی اور اگتی گھاس میں خدا ہی کا ید قدرت نظر آتا تھا اور عرش رعد اور آواز آب وطیور کے نغمہ میں حمد الٰہی کی آواز سنائی دیتی تھی اور سنسان جنگلوں اور پرانے شہروں کی خرابات میں خدا تعالیٰ ہی کے قہر کے آثار دکھائی دیتے تھے انتہیٰ۔

**راڈ ویل صاحب کی شہادت:**......اور راڈ ویل صاحب دیباچہ قرآن میں لکھتے ہیں: محمد ﷺ کے سب کام اس نیک نیتی کی تحریک سے ہوتے تھے کہ اپنے ملک کے لوگوں کو جہالت اور ذلت پرستی سے چھڑا دیں اور نہایت مرتبہ کی خواہش آپ ﷺ کی یہ تھی کہ سب سے بڑے امر حق یعنی توحید الٰہی کا جو ان کی روح پر بدرجہ غایت مستولی رہتی تھی، اشتہار کریں الخ۔ اور مقتضائے حوادث اور بتدریج فوز مرام اس امر کا باعث ہوا کہ انہوں نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا رسول امین یقین کامل کر لیا۔ تاہم محمد ﷺ کی سیرت ایک عجیب نمونہ اس قوت اور حیات کا جو ایسے شخص میں ہوتی ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ اور قیامت پر اعتقاد کامل ہوتا ہے اس میں سے کچھ نتیجے نکالے جائیں۔ ان کی ذات کریم اور سیرت صداقت مشحون سے ہمیشہ ان کو ان لوگوں میں تصور کیا جائے جن کو ایمان اور اخلاق اور اپنے ابنائے جنس کی تمام حیات دنیوی پر ایسا اختیار حاصل ہے جو حقیقت میں بجز کسی اولوالعزم کے اور کسی کو نہیں ہوتا انتہیٰ۔

**لارڈ ولیم میور کی شہادت:**......اور لارڈ ولیم میور اپنی کتاب سیرت محمد یہ میں لکھتے ہیں: ایک زمانہ نامعلوم سے مکہ اور جزیرہ عرب کی روحانی کیفیت بالکل بے حس ہو گئی تھی۔ گو ایک ضعیف اور ناپائیدار اثر یہودیت و نصرانیت یا فلسفہ کا عرب پر ہوا تھا جیسے کہ ایک دریا چہ غیر رواں کی سطح کا ادھر ادھر لہر کھانا مگر تہہ میں بے حس وحرکت رہنا۔ تمام عرب توہمات وظلم اور بدکاریوں میں غرق ہو رہے تھے۔ یہ عام رسوم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیواؤں کو بیاہ لیتا تھا۔ ان کے غرور اور افلاس سے رسم دختر کشی بھی جاری ہو گئی تھی جیسے ہندوؤں میں ہے۔ ان کا مذہب حد کے درجہ کی بت پرستی تھا اور انکا ایمان ایک مسبب الاسباب مالک علی الاطلاق پر نہ تھا بلکہ غیر مرئی ارواح کے توہم باطل کی سی ہیئت کا ان کا ایمان تھا۔ قیامت اور جزا وسزا جو فعل یا ترک کا باعث ہو، اس کی انہیں خبر نہ تھی (جیسا کہ پادریان حال بالخصوص عماد الدین کو نہیں ہے) ہجرت سے تیرہ برس پیشتر (یعنی قبل نبوت) تو مکہ اس طرح سے ایسی ذلیل حالت میں بے جان پڑا ہوا تھا۔ مگر ان تیرہ برسوں نے کیا ہی اثر عظیم پیدا کیا۔ سینکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی (بخلاف پادریوں کے کہ وہ اب بھی تین خدا کی پرستش کرتے ہیں) اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع ومنقاد ہو گئے۔ اسی قادر مطلق سے بکثرت وشدت دعاء مانگتے، اسی کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے اور حسنات وخیرات و پرہیزگاری اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے اب انہیں شب وروز اسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال ہے اور یہ کہ وہی رازق ہمارے ادنیٰ ادنیٰ حوائج کا خبر گیراں ہے۔ ہر ایک قدرتی یا طبعی کیفیت میں ہر ایک امور متعلقات زندگانی میں اور اپنی خلوت وجلوت کے، ہر ایک حادثہ اور تغیرات میں وہ اسی کے ید قدرت کو دیکھتے تھے اور اس کے علاوہ وہ لوگ اس روحانی حالت کو جس میں وہ خوشحال اور حمد کناں رہتے تھے، خدا تعالیٰ کے فضل خاص ورحمت باختصاص کی علامت سمجھتے تھے اور اپنے کافر اہل شہر کے کفر کو خدا تعالیٰ کی تقدیر کئے ہوئے خذلان کا نشان جانتے تھے۔ محمد ﷺ کو وہ اپنی حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے الخ۔ اس تھوڑے عرصہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل اور شکیبائی سے برداشت کیا الخ۔ ایک سو مرد وعورت نے اپنے ایمان عزیز سے انکار نہ کر کے، اپنا گھر بار چھوڑ کر حبش کو ہجرت کر لی تھی۔ پھر اس سے

زیادہ آدمی اور ان میں نبی بھی (دیکھو نبوت کا اقرار ہے) اپنے عزیز شہر کو اور مقدس کعبہ کو چھوڑ کر مدینے کو ہجرت کر آئے اور یہاں بھی عجیب تاثیر نے دو یا تین برس کے عرصہ میں ان لوگوں کے واسطے ایک برادری جو نبی ﷺ اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے، تیار کر دی۔ اہل مدینہ کے کانوں میں یہودی حقانی باتیں عرصہ سے گوش گزار ہو چکی تھیں مگر وہ بھی اس وقت خواب خرگوش سے نہ چونکے جب تک کہ روح کو کپکپا دینے والی باتیں نبی ﷺ عربی کی نہیں سنیں۔ تب البتہ ایک نئی اور سرگرم زندگانی میں دم بھرنے لگے انتہی۔ ایک جگہ اسی کتاب میں لارڈ صاحب لکھتے ہیں: ''ہم بلا تامل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے ہمیشہ کے واسطے اکثر توہمات باطلہ کو کالعدم کر دیا اسلام کی صدائے جنگ کے روبرو بت پرستی موقوف ہوگئی اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور غیر محدود کمالات اور قدرت کاملہ کا مسئلہ حضرت محمد ﷺ کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہو گیا ہے جیسے کہ خاص حضرت محمد ﷺ کے دل میں تھا۔ مذہب اسلام کی پہلی بات جو خاص اسلام کے معنی میں ہے۔ یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر توکل مطلق کرنا چاہیے۔ بہ لحاظ معاشرت کے بھی اسلام میں کچھ کم خوبیاں نہیں ہیں۔ چنانچہ مذہب اسلام میں یہ ہدایت ہے کہ سب مسلمان آپس میں برادرانہ محبت رکھیں، یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کریں، غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آئیں۔ نشہ کی چیزوں کی ممانعت ہے۔ مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا''۔ انتہی۔

ہم بنظر اختصار انہیں دو چار عیسائی محققوں کے قول پر انحصار کرتے ہیں اور ان محققین بالخصوص لارڈ ولیم میور صاحب بہادر کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنہوں نے بنظر انصاف مذہب اسلام اور نبی ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کی واقعی خوبیاں بیان کرنے میں کچھ کمی نہ فرمائی اور منصب تاریخ گوئی کو امانت سے ادا کر دیا۔ اب ہمارے بھائی پادری صاحبان بھی انصاف پر آئیں اور سچے عیسائی ہو جائیں حضرت مسیح علیہ السلام صداقت اور رسالت کی شہادت دینے والے یہودیوں کے جھوٹے الزامات سے بری کرنے والے فارقلیط، شیلا حضرت خاتم النبیین ﷺ کی عداوت سے باز آئیں اور جس طرح یہود اور حضرت مسیح علیہ السلام کی گستاخی کر کے حیات ابدی سے محروم رہے، نجات سے محروم نہ رہیں اور جن کتابوں میں آنحضرت ﷺ بے گناہ اور معصوم کو گالیاں دی ہیں، برا بھلا کہا ہے، ان کی نسبت عیب لگائے ہیں، ان کو جلا دیں تو کیا خوب ہو؟ دیکھو بھائیو! ضد، بالخصوص اللہ کے پاک اور مقدس اور راہبر لوگوں سے بد ہے۔ اگر تم سچے عیسائی ہو تو برائے خدا ذرا تو تخلیہ میں بیٹھ کر سوچو کہ آنحضرت ﷺ نے دین عیسوی کے حق میں کیا برائی کی ہے، بلکہ انہوں نے تو ان کی اور حضرت مریم علیہا السلام کی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی نہایت عظمت کی ہے۔ قرآن میں تمہارے اکابر کی محامد اور تصدیق بکثرت ہے غایۃ مافی الباب تمہارے برخلاف مسئلہ تثلیث و کفارہ والوہیت مسیح کو (کہ جس کو نہ عقل سلیم تسلیم کرتی ہے۔ نہ کسی نبی نے، نہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے) نہیں مانتے جیسا کہ خود عیسائیوں کے محقق فرقے (جیسا کہ مارسیونی آریوس، ابیونی یونی ٹیرین، ارتمن، نکلاتی، نصاریٰ نجران وغیرہم) اس افراط اور خیال باطل کو نہیں مانتے۔

اسلام کا فریق عجیب فرمانبردار فریق ہے کہ جس کو کسی نبی اور کتاب الٰہی سے انکار نہیں خواہ وہ کسی ملک اور کسی قوم کا ہو بشرطیکہ اس کی نبوت ثابت ہو جائے اور کتاب کا کلام الٰہی ہونا دریافت ہو جائے۔ تم کو البتہ یہود سے مخالفت اور تعصب ہو تو بجا ہے کیونکہ وہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کو بری بات پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی کسی کتاب آسمانی میں نہ کوئی بشارت ہے نہ کوئی خبر۔ ان کے مرید محض بے تک عہد عتیق کی آیات کو کھینچ کھانچ کر لاتے ہیں، تاہم تک نہیں ملتی نہ ان کے پاس کوئی معجزہ تھا نہ کوئی کرامت، گھر سے آوارگی میں بھاگ کر مصر چلے گئے۔ وہاں بعض حکماء سے چند ادویہ مجربہ اور چند نقوش و عمل دیو جن کے مجرب سیکھ آئے تھے اور یورشلم میں آ کر اپنے کرشمے دکھا کر نبی کیا بلکہ خدا تعالیٰ کا بیٹا بن بیٹھے۔ بہت سے احمق ان کے شعبدوں میں آ گئے، بہت کو سلطنت کا لالچ دیا اور چال چلن کے بھی اچھے نہ تھے، چند عورتیں ساتھ رہا کرتی تھیں۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کو چور اور بٹ مار کہتے تھے (یوحنا، باب ۱۰) پس

گرفتار کئے گئے۔ اس وقت کوئی معجزہ بھی نہ دکھا سکے اور سب شعبدے بھول گئے۔ آخرالامر چیخ چیخ کر بڑی ذلت سے جان دی۔ چنانچہ اناجیل میں یہ مرقوم ہے کہ ان کے ساتھ جو لالچی لوگ تھے، سب تر بتر ہو گئے۔ کچھ شعبدے حواریوں نے سیکھ لئے تھے، ان کو دکھا کر لوگوں کو بہکاتے پھرتے۔ آخر قسطنطین بادشاہ روم جو بڑا ظالم تھا، عیسائی ہوا۔ اس نے بزور شمشیر لوگوں کو عیسائی کیا۔ چونکہ اس مذہب میں شریعت پر عمل کرنے والے پر لعنت ہے، ان کے ہاں سور و شراب، کتا، گدھا وغیرہ چیز مباح ہے۔ نہ عبادت ہے، نہ قربانی، نہ ختنہ۔ سوا اس آزادی کی وجہ سے اکثر لوگ عیش پسند اس شہوت پرست مذہب میں داخل ہوتے گئے۔ دنیا کی ترقی اور تجارت اور صنعت سے یہ لوگ اور چل نکلے الخ۔ **اقول:** پادری صاحب! کیا یہ کفریات ان کفر کی باتوں سے کم ہیں جو آپ نے سید المرسلین ﷺ کی جناب میں بکے ہیں؟ ہمارے نزدیک جو جواب ان کا ہے، وہی ان کا۔ مگر آپ کا یہاں دم بند ہے۔

# فصل چہارم:

## قرآن کے مضامین کے بیان میں

واضح ہو کہ اصل غرض دنیا میں نبی کے بھیجنے اور اس پر کتاب نازل کرنے سے یہ ہوتی ہے کہ عالم میں جس قدر فساد واقع ہوئے ہوں اور جو کچھ امور خلافِ فطرتِ سلیمہ لوگوں میں رواج پا گئے ہوں، ان کو مٹایا اور ہر امر میں اصلاح و فلاح کا لحاظ فرمایا جائے۔ اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی ہر امر میں خدا تعالیٰ کی طرف کا فطرت الٰہیہ کے لئے سچا نمونہ ہے، یا آسمانی کسوٹی ہے۔ جو بات اس کے موافق ہے، کھری ورنہ کھوٹی ہے۔ اسی لئے ہر زمانہ میں یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام آتے اور اصلاح ❶ فرماتے رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس عہد کے موجب طریقے سکھائے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے مناسب احکام جاری کئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وقت کے مناسب نماز روزہ کے احکام سکھائے، توحید کو رواج دیا، بت پرستی کی مذمت کی۔ پھر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام بھی اسی طرح دنیا میں خدائی قانون کو رواج دیتے رہے سب سے اخیر، سب کے پیشوا جناب حضرت محمد ﷺ ملک عرب میں تشریف لائے۔ اس وقت تمام عالم میں تاریکی جہالت محیط تھی۔ عرب کے لوگ اس بات کے مدعی تھے کہ ہم ملت ابراہیمیہ کے (کہ جس کو ملت حنیفیہ کہتے ہیں) پابند اور حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد اور فرزند ارجمند ہیں۔ مگر اس وجہ سے صدہا سال تک ان میں پھر کوئی نبی نہ ہوا تھا، نہایت گمراہی آ گئی تھی۔ جس طرح کوئی قدیم عمارت بالخصوص شاہی دیوان خاص صدہا سال کی مرمت نہ کرنے سے جابجا ٹوٹ جائے اور کسی قدر در و دیوار کے نشان باقی رہیں اور اس کے دیوان خاص کی کچھ اور ہی شکل ہو جائے اور اس میں اور مکانات بن جائیں، یہی حال شریعت ابراہیمیہ کا عرب میں تھا۔

اول مرض ان میں یہ پھیلا کہ خدا تعالیٰ و تقدس کو دنیا کے شہنشاہوں پر قیاس کیا کہ جس طرح دنیاوی بادشاہوں سے عرض و معروض

---

❶ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے ''كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ الاٰية'' اور اسی مضمون کی بہت سی آیات قرآن میں ہیں کہ سب لوگ توابین ملت اور اصول فطرت میں ایک تھے۔ اسکے بعد لوگوں نے اختلاف کیا، خلاف امور کو اختیار کیا۔ ان کی اصلاح کو انبیاء علیہم السلام بھیجے۔ اسی لئے نبی ﷺ فرماتے ہیں ''مامن مولود الا یولد علی الفطرة'' الحدیث، اور اسی لئے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصول دین میں تمام انبیاء علیہم السلام یکساں ہیں، محض امور جزئیہ میں اختلاف ہے کہ کسی نبی کے لئے قوم اور ملک اور زمانہ کی رعایت سے کچھ احکام ملے، دوسرے کو نہیں۔ انہیں وجوہ سے اور احکام دیئے گئے۔ جس طرح کہ طبیب ہر مرض اور ہر شہر اور ہر ملک اور ہر موسم اور ہر مریض کے لحاظ سے نسخہ میں کمی زیادتی مصلحت دیکھ کر کرتا ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں: کل انبیاء علیہم السلام علاتی بھائی ہیں، ایک باپ اور مائیں مختلف۔ پس اس سے یہی مراد ہے کہ اصول شریعت متحد ہیں، فروع میں اختلاف ہے۔ منہ۔

وحاجت براری وکارگزاری بغیر وزیروں اور مشیروں اور عملہ کے نہیں ہوسکتی، اسی طرح خدا تعالیٰ کسی کی عبادت قبول کرتا ہے نہ حاجت روا فرماتا ہے۔ بلکہ بعض اقوام نے تو بعض اکابر کی نسبت یہ اعتقاد کیا کہ خدا تعالیٰ دنیا میں اس کی شکل میں ہو کر ظاہر ہوا ہے اور اس میں حلول کیا ہے، جیسا کہ ہنود اپنے اوتاروں کی نسبت اور عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت یہی عقیدہ اب تک رکھتے ہیں "تعالی اللّٰہ عن ذلک علوا کبیرا" پس کسی کو رزق رسانی کا، کسی کو پانی کا، کسی کو تندرستی و بیماری کا، کسی کو قحط و ارزانی کا، الغرض کسی کو کسی کا اور کسی کو کسی اور چیز کا اپنے دل میں حاجت روا سمجھ لیا اور ان کی عبادت اور قربانی ونذر ونیاز ونام لینے کو اپنے لئے تقرب الٰہی کا وسیلہ جانا اور ان سے روگردانی کو باعث نقصان جان ومال مانا، اس لئے ان کی پرستش ضروری سمجھی گئی اور وہ لوگ کہ جن کی نسبت ان کا یہ گمان تھا کہ انبیاء واولیاء وملائکہ ہیں اور بعض لوگ اپنے آباء واجداد اور جنوں اور ارواحِ خبیثہ کو اور بعض عناصر آگ، پانی، ہوا، خاک کو بھی اور بعض آفتاب وماہتاب، ستاروں اور دیگر عجائب مخلوقات کو بھی اس مرتبہ میں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان چیزوں کی پرستش کرنے والے ہنود اور مجوس اب تک موجود ہیں ان چیزوں میں سے کوئی بھی ہنود نے نہ چھوڑی۔ عناصر کی پرستش وید ❶ اور دساتیر میں اب تک مذکور ہے اور ان کی طرف دھیان دھرنے اور خیال جمانے کے لئے ان کے نام کی تصویریں پیتل اور پتھر وغیرہ چیزوں کی بنا کے آگے رکھ کر عبادت کرنے لگے۔ لیکن ان تصویروں کو معبود نہ سمجھتے تھے بلکہ جہت ❷ قبلہ خیال کرتے تھے۔ البتہ متاخرین نے خود ان تصاویر ہی کو معبود سمجھ لیا۔ یہ پہلوں سے بھی بڑھ کر خرابی میں پڑے۔

**عرب میں بُت پرستی کب اور کیسے شروع ہوئی:**...... عرب میں یہ بت پرستی عمرو ابن لحی کی وجہ سے رواج پائی جو نبی ﷺ سے تخمیناً تین سو برس پیشتر تھا۔ پس جس طرح اہل ہند کے ہاں کرشن وغیرہ اکابر کی تصاویر مندروں میں دھری گئیں اور ان کی پوجا شروع ہوئی ،اسی طرح عرب میں بنی کلب نے وُدّ کا بت بنایا اور ہذیل نے سواع کا اور مذحج نے یغوث کا اور ہمدان نے یعوق اور قوم حمیر نے سبا میں نسر کے نام کا بت بنا کے پوجا اور یہی پانچوں بت قوم نوح میں بھی تھے جیسا کہ سورہ نوح میں مذکور ہے اور قریش نے خاص مسجد ابراہیمی یعنی خانہ کعبہ میں حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے نام کے اور لوگوں کے نام کے چھوٹے چھوٹے بہت سے بت رکھ چھوڑے تھے اور گرد کعبہ کے سب سے بڑا بت ہبل کے نام سے رکھا تھا اور عرب جن بتوں کی پرستش کرتے تھے، منجملہ ان کے لات اور ذوالخلصہ اور ذوالکفین اور ذوالشریٰ اور نُہم اور سُعیر اور فلس وغیرہا تھے کہ جن ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔

**قبل از نبوت عربوں کے مختلف فرقے:**...... عرب کے لوگ عموماً معطلہ اور کچھ محصلہ تھے۔ معطلہ میں سے ایک صنف تو یہی بت پرست تھے جن کے خیالات کا ردقرآن مجید میں جا بجا ہے۔ کہیں یوں فرمایا "اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ الآية" کہیں یوں کہا "لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ الآية۔ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ الآية۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ الآية۔ وقال وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ الآية اور ایک فریق عرب میں ایسا تھا کہ جو خالق کا اور مر کر دوبارہ حساب وکتاب، جزا وسزا کے لئے زندہ ہونے کا انکار کرتا تھا اور طبع کو زندہ کرنے والا اور دہر کو فنا کرنے والا جانتا تھا یعنی ترکیب اجسام کی طبیعت سے آدمی اور دیگر حیوانات

---

❶ وید: ہنود کے نزدیک کتاب آسمانی ہے اور دساتیر مجوس کے نزدیک کتاب آسمانی ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ منہ۔ ❷ ...... بعض بت پرست جیسا کہ اندرمن وغیرہ اپنی بت پرستی کی یہی توجیہ کیا کرتے ہیں مگر اس سے الزام شرک سے بری نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہم نے مانا کہ لالہ صاحب وغیرہ دانشمندوں نے مہادیو اور بشن اور کرشن اور کالی بھوانی وغیرہ کی مورتوں کی سجدہ نہ کیا بلکہ ان کو جہت قبلہ اور اصل مسجود مہادیو وغیرہ کو جانا۔ ان چیزوں کو کہ جن کی یہ تصویریں ہیں، معبود و مسجود سمجھنا بھی تو بڑی غلطی اور صریح شرک ہے۔ منہ۔

ونباتات خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں اور تحلیل ہوتے ہوتے گردش دہر سے فنا ہو جاتے ہیں۔ نہ اس پر بعد مرگ کوئی حساب ہے، نہ کتاب، نہ دوزخ، نہ بہشت، نہ کوئی رسول، نہ فرشتہ اور ان لوگوں کو دہریہ کہتے ہیں۔ چنانچہ آج کل بھی انگلستان اور جرمن وغیرہ بلاد میں ان کی ذریت موجود ہے۔ اس فریق کا بھی قرآن میں بہت جگہ رد ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ۝ ۔ پس خدا تعالیٰ نے ضروریاتِ فکریہ وآیاتِ فطریہ کے ساتھ چند آیات اور سورتوں میں ان کے اس بے ہودہ اور غلط خیال کو رد کیا۔ فقال ''اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ وقال: اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ ... الخ۔ وقال ''قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ . . . الخ۔ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝ الاٰية۔ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ الایات اس فریق کا بھی رد قرآن مجید کی اکثر آیات واکثر سور میں نئے نئے طور سے واقع ہوا ہے اور ایک ایسا فریق تھا کہ جو خالق اور ابداءِ خلق کا تو قائل تھا مگر بعث اور اعادہ کا منکر تھا۔ اس فریق کے عقائد کو بھی قرآن نے اکثر جگہ بڑی شد ومد سے رد کیا ہے، چنانچہ یہ آیت قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ الاٰية اور یہ آیت اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ انہیں کے رد میں وارد ہے اور ایک فریق ایسا تھا کہ جو خالق اور ابداءِ خلق اور کسی قدر اعادہ کا قائل تھا مگر رسولوں کا منکر تھا اور اصنام کی عبادت کرتا تھا کہ یہ ہمارے لئے آخرت میں خدا تعالیٰ کے پاس شفاعت کریں گے۔ ''مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ ان کی رد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے ''مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ'' وغیرہ من الایات اور یہ لوگ بتوں کے نام کی قربانی کرتے تھے اور جس طرح کہ ہنود ہر سال اپنے بتوں کی زیارت کے لئے میلے کے طریق جاتے ہیں، اسی طرح یہ مشرکین ان کے لئے حج کرتے اور منتیں مانتے اور بعض چیزیں حلال اور بعض حرام کرتے تھے اور اپنی کھیتی وغیرہ آمدنی میں سے ان کے حصے مقرر کرتے تھے اور اس میں کسی قدر خدا تعالیٰ کے نام بھی معین کرتے تھے اور کبھی خدا کے نام بتوں کے نام پر چڑھا دیتے تھے۔ ان جانوروں میں سے کسی نر کو مردوں کے لئے حلال اور عورتوں پر حرام کر دیتے تھے چنانچہ سورۂ انعام میں اس کا رد موجود ہے۔ ''وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ الاٰية'''' وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ '' الاٰية ان کے رد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے ''قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ '' الاٰية قال: ''اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا الاٰية'' اور عموماً ان لوگوں کے دو شبہ تھے۔

اول ❶ حشرِ اجساد کا کہ جس کی نسبت کہتے تھے ''ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۔ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ وغیرہا من الآیات۔ دوم رسولوں کا آدمیوں شکلوں میں آنا اور حوائج بشریہ میں شریک ہونا جس کی نسبت خدا تعالیٰ خبر دیتا ہے۔ ''وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ الی قوله اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا '' قال ''وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا '' پس جو لوگ کہ فرشتوں کے قائل نہ تھے، وہ کہتے تھے کہ فرشتے کیوں رسول نہ

❶ ...... اس امر میں ایک شاعر جاہلیت نے یہ اشعار کہے ہیں

حياة ثم موت ثم نشر ☆ حديث خرافة يا ام عمرو

اور بعض نے مرثیہ میں یہ کہا ہے

وما ذا بالقليب قليب بدر ☆ من الشيزى تكلل بالسنام

يخبرنا الرسول بان سنحيا ☆ وكيف حياة اصداء وهام

ہوئے: ''وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وغیرہا من الآیات'' صرف اپنے بتوں کو کافی اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ اول شبہ کا جواب قرآن میں بکثرت سے دیا گیا اور ثانی کا جواب بھی اکثر جگہ ذکر فرمایا کہ بشر تمہارا ہم جنس ہے فرشتہ نہیں اور اگر فرشتے کو بھی رسول کر کے تمہارے پاس بھیجتے تو انسان ہی کی شکل میں بھیجتے، پھر شبہ کرنے والے اسی طرح اس پر شبہ کرتے ''وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا الآیۃ اور جب اس ضرورت کے لئے بشر کو رسول کرنا پڑا تو بشر سے مقتضیات بشریہ ترک ہونی اسی طرح ناممکن ہیں کہ جس طرح آگ سے حرارت کا جدا ہونا ناممکن ہے۔ پس اسی لئے جس قدر دنیا میں پیشتر انبیاء علیہم السلام آئے، کھاتے پیتے تھے، بیوی بچے بھی رکھتے تھے۔ قال تعالیٰ ''وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ''۔

**بعض عرب تناسخ کے قائل تھے:**...... اور بعض عرب تناسخ کے قائل تھے کہ انسان جب مرجاتا یا مارا جاتا ہے تو اس کے دماغ کا خون اور اجزاء اصلیہ مجتمع ہو کر ایک جانور ہو جاتا اور سو برس تک اس کی قبر پر بولتا اور دشمن سے انتقام چاہتا ہے جیسا کہ آج کل صدہا عوام بالخصوص ہنود کے خیالات خام ہیں کہ فلاں شخص کی روح آتی ہے اور فلاں شخص جن بھوت بن کر لوگوں کو ستاتا پھرتا ہے یا فلاں جنگل یا فلاں جگہ میں رات کو فلاں مقتول بولتا اور پانی مانگتا ہے۔ یا بڑے بزرگ گھر پر دان پن کے لئے آتے ہیں یا فلاں عورت کی سوکن جو مرگئی ہے، اسکو ستاتی ہے۔ چنانچہ شیخ سدو اور زین خان او ماموں اللہ بخش اور ہنومان کی چوکی وغیرہ بیہودہ خیالات انہیں لوگوں کی نشانی اور یادگاری ہے اس غلط خیال کو نبی ﷺ نے بھی بڑی شد و مد سے رد کیا ہے۔ فقال: ''لا ھامۃ ولا عدوی ولا صفر'' الحدیث بلکہ شگن اور مہورت اور فال وغیرہ خیال کی پرستش کو بھی منع کر دیا اور سنا دیا کی خدا تعالیٰ کی قضاء کو کوئی چیز روک نہیں سکتی ''قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔ الآیۃ۔ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭوَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' اور اسی مضمون کی بہت سی آیات ہیں۔

اور بعض کا یہ اعتقاد تھا کہ فرشتے خدا تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، ان کی عبادت اور ان کے وسیلے سے حاجت براری ہوتی ہے۔ اس کے رد میں خدا تعالیٰ نے اکثر آیات نازل فرمائی ہیں۔ از انجملہ یہ آیت ہے۔ ''اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ؀ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ؀ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَي الْبَنِيْنَ ؀ مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ؀''

**عرب میں جنوں کی عبادت:**...... اور بعض عرب جنوں کی پرستش کرتے اور ان کے نام کی دہائی دیتے تھے۔ ان کے رد میں خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ''وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ'' اور اکثر لوگ ایسے بھی تھے کہ جو کچھ باتیں جنوں سے دریافت کر کے اور اس میں دس جھوٹ ملا کے لوگوں کے آگے بیان کرتے تھے اور ان لوگوں کو کاہن کہتے تھے جیسا کہ آج کل جہال جمعرات کو جگہ لیپ کر، گانا سن کر، سر بکھیر کر گردن ہلانے لگتے ہیں کہ ہم پر سید آتا ہے اور عوام ان سے مغیبات کا سوال کرتے اور اس پر ایمان لاتے اور اس کے قول پر عمل کرتے اور بعض چیزیں کھانی پینی چھوڑ دیتے ہیں، وغیرہ ذلک من الخرافات اس کا رد بھی قرآن میں مذکور ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوائے کسی کو غیب کا حال معلوم نہیں البتہ جس قدر وہ خود اپنے ملائکہ یا خاص بندوں کو بتلا دیتا ہے، بس اسی قدر جانتے ہیں اور جنوں کو تو ملا اعلیٰ تک رسائی بھی نہیں اور جو کوئی وہاں کا قصد کرتا ہے تو اس پر کرہ نار سے انگارے برستے ہیں۔ سورۂ جن میں اس کا ذکر ہے اور پیغمبر ﷺ نے بھی بدلائل موثقہ اس خیال کو غلط ثابت کر دیا ہے۔

**عرب میں کواکب پرستی:**...... اور بعض عرب ستاروں کی تاثیر کے قائل تھے کہ جس قدر حوادث اس عالم سفلی میں واقع ہوتے ہیں جیسا کہ مینہ برسنا اور قحط ہونا اور بیمار و تندرست ہونا اور غنی و فقیر ہونا جو کچھ ہوتا ہے، سب ستاروں کی گردش سے ہوتا ہے یہاں تک کہ خرید

وفروخت وبیاہ وشادی، سفر وغیرہ ستاروں کے طلوع وغروب کے حساب سے کرتے تھے جس طرح اب تک اس ملک میں ہنود اس کے پابند ہیں، برہمنوں کے خیالات خام اور وساوس وغیرہ کو دل وجان سے پسند کرتے ہیں۔ اس خیالِ فاسد کی غلطی بھی قرآن اور نبی آخر الزماں ﷺ نے ظاہر کردی چنانچہ بمقام حدیبیہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ آج شب کو جو بارش ہوئی ہے، اس کی نسبت خدا تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ بعض بندوں نے کفر اختیار کیا اور بعض مجھ پر ایمان لائے۔ پس جس نے یوں کہا کہ مطرنا بنوء ❶ کذا اس نے کفر اختیار کیا اور جس نے اس بارش کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھا وہ مؤمن رہا، الحدیث۔ اور قرآن نے بھی یہ کہہ دیا کہ آفتاب وماہتاب اور جمیع ستارے خدا تعالیٰ کی مخلوق اور ممکن اور اس کے حکم کے اپنی چال خاص میں مسخر ہیں۔ ہوا، پانی وغیرہ مخلوقات سے ان کو اور کوئی زیادہ بات حاصل نہیں۔ قال تعالیٰ: ''وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قَانِتُوْنَ''۔ وغیر ہا من الایات۔

سوال: یہ خیال غلط نہیں کیونکہ حکماء بھی علویات کی تاثیر کے قائل ہیں۔

جواب: اول: تو حکماء بھی بہت سی غلط باتوں کے قائل ہیں۔ از انجملہ یہ کہ خدا تعالیٰ سے سوائے ایک چیز کے اور کوئی دوسری چیز صادر نہیں ہوئی۔ از انجملہ یہ کہ اس کو جزئیات مادیہ کا علی وجہ التفصیل علم نہیں۔ از انجملہ یہ کہ اس کو اپنی ذات کا علم نہیں، وغیرہ ذلک ممالا یخفی۔ دوم: اگر تاثیر ثابت ہے تو اس قدر ثابت ہے کہ جس طرح آگ کی تاثیر حرارت اور پانی کی برودت، پس اسی طرح آفتاب وماہتاب اور اگر ستاروں کی تاثیر حرارت وبرودت ہے کہ جس سے پھل وپھول پکتے ہیں، نہ یہ کہ انسان کی سعادت ونحوست میں کچھ ان کو دخل ہے اور یہ بات اور ہے کہ اتفاق سے اس ستارے کے طلوع وغروب کے وقت کوئی کام ہو گیا مثلاً: کسی کو ایسا اتفاق ہو کہ جب کسی کام کے لئے وہ کتے کے بھونکتے وقت چلا تو وہ کام نہ ہوا تو اس سے کوئی ملازمہ عقلیہ یا عادیہ کتے کے بھونکنے اور کام کے نہ ہونے میں نہیں ہو سکتا، البتہ توہمات کو بڑی گنجائش ہے اور بعض عرب مذہب یہود کی طرف میلان رکھتے تھے اور بعض عیسائی تھے۔ یہود اور عیسائیوں میں جو کچھ خرابیاں اور گمراہیاں اس وقت میں تھیں بلکہ اب تک باقی ہیں، بیان سے باہر ہیں۔ کسی قدر ہم ابھی بیان کریں گے اور بعض مجوسیوں کی طرف میلان رکھتے تھے کیونکہ ایک عرصہ سے یمن اور عراق میں ایرانیوں کی سلطنت تھی کہ جو مجوس اور آتش پرست تھے اور تبوک وغیرہا اطراف عرب میں بالخصوص مدینہ طیبہ سے شمالی اور مغربی حصہ میں اکثر عیسائی لوگ حاکم تھے۔ ہرقل ❷ شاہِ روم کے صوبہ جات شمار ہوتے تھے اور خاص مدینہ منورہ میں اور اس کے اطراف خیبر وغیرہا مواضع میں یہود رہتے تھے، باقی حجاز ونجد وغیرہ ملک خود مختار تھے۔

**ربِ محصلہ کا بیان:**.......دوسرا فریق عرب کا کہ (جو حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کے طریق پر چلتا تھا) ان کو محصلہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ موحد تھے، نبی ﷺ کے منتظر تھے۔ لیکن یہ فریق بہت کم تھا۔ مجملہ اس فریق کے زید بن عمرو بن نفیل تھے جو کعبہ سے تکیہ لگا کر توحید بیان کیا کرتے تھے اور شرک سے نفرت دلایا کرتے تھے اور حشر ونشر، حساب وکتاب کے قائل تھے۔

مجملہ ان کے قس بن ساعدہ ایادی ہیں۔ مجملہ ان کے مواعظ کے یہ اشعار ہیں جو ثبوت حشر میں کہے ہیں۔

الاعی الموت والاموات فی حدث ☆ علیهم من بقایا بزهم خرق

دعهم فان لهم یوما یصاح بهم ☆ کما ینبه من لوماته الصعق

مجملہ ان کے عامر عدوانی ہیں۔ یہ شخص عرب کے حکماء اور خطباء میں سے ہے۔ اس کی ایک بڑی وصیت ہے جس کے آخر میں یہ کلمات ہیں کہ میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ جس نے اپنے تئیں پیدا کیا ہو اور جو آنے والی ہے وہ جانے والی ہے۔ اگر لوگوں کو مرض

❶ نوء کہتے ہیں ستاروں کے اجتماع اور طلوع وغروب کو یعنی ہم کو ستاروں کی وجہ سے بارش حاصل ہوئی۔ منہ۔ ❷ ...... ہرقلیس۔ منہ۔

سے موت ہوئی تو دواء سے زندگی بھی ہوجاتی۔ اس شخص نے زنا اور شراب کو اپنے اوپر حرام کیا تھا اور شراب کی مذمت میں چند اشعار بھی کہے ہیں منجملہ ان کے قیس بن عاصم تیمی اور صفوان بن امیہ بن محرب (محرث) کنانی اور عفیف بن معدیکرب کندی ہیں۔

**قرآن مجید کو بوقت نزول چار فرقوں کا رد کرنا پڑا:**.....قرآن مجید کو اس وقت کے چار فریق کا رد اور دفع شبہات کرنا پڑا جو فطرتِ سلیمہ سے برخلاف اور راہ راست سے دور پڑے ہوئے تھے۔

**اول فریق:**.....اول تو یہی عرب معطلہ کہ جن کے عقائد مذکور ہوچکے ہیں اور ان کے رد میں اہل منطق اور اہل فلسفہ کے طرز کو اختیار نہیں کیا کہ مقدمات یقینیہ سے قیاس بشرائط مرکب کرکے پیش کیا جاتا اور امور غامضہ پر مناظرہ کی بنیاد رکھی جاتی اور نہایت باریک باتوں پر الزام دیا جاتا کیونکہ ان عامیوں، ان پڑھوں اور اونٹ اور بکری چرانے والوں سے اس طرح مناظرہ کرنا خلاف مقصود تھا۔ وہ ایسی باتیں کب سمجھ سکتے تھے، اس لئے مقدمات مشہورہ اور مسلمہ پر اکثر الزام دیا اور ان مقدمات کا غلط ہونا ثابت کردیا جن پر یہ عقائد فاسدہ مبنی تھے۔ چنانچہ ہر موقع ہر ہم اس کی تشریح کریں گے اور تقدیم وتاخیر کا کچھ لحاظ نہ کیا اور کلام کے مکرر ہونے سے اور اکثر سورتوں میں پھر پھر لانے سے اجتناب نہ کیا کیونکہ مقصود یہ تھا کہ ان کے دل میں شرک کی برائی جم جائے اور ان خیالاتِ فاسدہ کی غلطی پیش نظر ہوجائے، اس لئے کہ ذکی تو اشاروں سے سمجھ سکتا ہے اور عامی بغیر مکرر اور تفصیل نام کے نہیں سمجھ سکتے۔ جو مفسر اس نکتہ سے واقف نہیں، وہ آیاتِ احکام اور آیات مخاصمہ میں باہم ربط دینے میں بڑا تکلف کرتے ہیں اور ان کے لئے کوئی قصہ شان نزول میں تلاش کرتے ہیں اور در اصل لوگوں میں عقائدِ باطلہ کا پایا جانا آیات عقائد کے لئے شان نزول ہے اور باہم جھگڑے اور ظلم وستم کا پایا جانا آیات احکام کے لئے شان نزول ہے اور جب ہمارے بعض مفسر ہی اس نکتہ کو نہ سمجھے اور انہیں بے اصل قصوں کو تفسیر آیات میں داخل کرنے کی ضرورت پڑی تو بیچارے پادری وہنود وغیرہم مخالفین (کہ جو علوم اسلامیہ سے اکثر نا آشنا ہیں) کیا سمجھتے؟

**جواب پادری فنڈر:**.....پس پادری عماد الدین وغیرہم نے جو قرآن پر اس بارے میں بڑی شد ومد سے اعتراض کئے ہیں اور قرآن کی فصاحت وبلاغت میں نقص ثابت کیا ہے اور ناحق کی قابلیت جتلائی ہے، درحقیقت اپنی ناواقفیت کا اظہار کیا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ ان اعتراضات میں بیچارے پادریوں کا محققین اہل اسلام قہقہہ نہ اڑائیں بلکہ ان کو ان کی بے علمی کی وجہ سے معذور سمجھیں۔

**فریق دوم:**.....فریق دوم کہ جس سے مناظرہ واقع ہوا، یہود ہے۔ یہود میں بیشمار خرابیاں شائع ہوگئی تھیں جن کی اصلاح بنی اسرائیل کے نبیوں سے بھی نہ ہوسکی کیونکہ سب سے اخیر انبیاء بنی اسرائیل میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔ انہوں نے جس قدر اصلاح چاہی، بیان سے باہر ہے مگر اس سخت قوم پر (کہ جس کے ہاتھ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی عاجز آگئے حالانکہ دن بھر میں بہت سے خوارق ومعجزات ان سے دیکھتے تھے) چنداں اثر نہ ہوا۔ آخر علمِ الٰہی کے بموجب ان دونوں حضرات کو یہی فرمانا پڑا کہ جلد راستی اختیار کرو ورنہ آسمانی سلطنت کا زمانہ بہت قریب آتا ہے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آنے والا ہے کہ جس کے ہاتھ پر آتشین شریعت ❶ ہے، سرکشوں کو کامل سزا دے گا اور جو کچھ خدا تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت بہتان باندھ رکھے ہیں، ان کو دور کرے گا۔

## بوقت نزول قرآن مجید کو یہود کی جن نظر کی خرابیوں کا رد کرنا پڑا

**پہلی خرابی:**.....منجملہ خرابیوں کے ایک یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کی ذات ❷ اور صفات میں تشبیہ کے قائل تھے یعنی اس کو جسمانی جان کر اس

---

❶ .....یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ منہ۔ ❷ .....چنانچہ توراۃ سفر خلیقہ میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور خداوند سے یعقوب کشتی لڑا اور خدا تعالیٰ تمام بنی آدم کو پیدا کرکے پچھتایا اور آسمان وزمین پیدا کرکے ہفتہ کے دن آرام لیا۔ منہ۔

کے لئے حقیقۃً جسم اور مکان اور اعضاء ثابت کرتے تھے اور اس کے لئے متناہی قدرت وطاقت مانتے تھے کہ وہ آسمان وزمین پیدا کر کے تھک گیا اور ہفتہ کے روز اس نے آرام لیا۔ اس کا رد بھی قرآن نے کیا۔ فرمایا۔ ''اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ الایۃ۔۔۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ الخ، لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ اور فرمایا) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔''

دوسری خرابی: ۔۔۔۔از انجملہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں سے نہایت پیار کے الفاظ سے خطاب کیا تھا اور وہ لفظ پیار کا ''بیٹا'' تھا۔ یہود اس سے یہی سمجھ گئے کہ ہم خدا تعالیٰ کے پیارے اور بیٹے ہیں، ہم کو کسی فعل پر عذاب نہ ہوگا اور جو کچھ ہوگا بھی تو بطور تہدید کے چند روز ہوگا۔ اس بات کو خدا تعالیٰ نے رد کیا کہ خدا تعالیٰ کا نہ کوئی مثل ہے، نہ ہم جنس۔ فرمایا: ''وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا۔۔۔ الایۃ۔ وَلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ۔۔۔ الایۃ'' اور فرمایا کہ تم پر کیا منحصر ہے، جو کوئی خداوند تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے گا، وہ عذاب سے نجات پائے گا ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ '' اور فرمایا: اگر خاص تمہارے ہی لئے دار آخرت ❶ ہے تو ذرا موت کی آرزو تو کرو ''قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ۔۔۔ الایۃ اور یہ کہ گناہ پر ہم کو چند روز عذاب رہے گا، پھر نہیں۔ فرمایا: یہ تمہارے دلوں کے منصوبے ہیں ''تِلْکَ اَمَانِیُّھُمْ۔ الایۃ۔ بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً۔۔۔ الایۃ''۔

تیسری خرابی: ۔۔۔۔از انجملہ یہ کہ شہوت پرستی اور بدمستی سے انبیاء علیہم السلام کی نسبت بھی بڑی بدگمانیاں کرتے تھے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت بڑا گندہ خیال تھا اور حضرت لوط علیہ السلام کو یہ کہتے تھے کہ انہوں نے شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا اور وہ دونوں اس سے حاملہ ہوئیں اور ایک نے موآب اور دوسری نے بن عمی جنا، چنانچہ سفر خلیقہ کے باب ۱۹ میں اب تک مذکور ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بت پرستی کی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا کی جورو سے زنا کیا، چنانچہ کتاب السلاطین میں اب تک موجود ہے۔ اس خیال کو خدا تعالیٰ نے رد کیا کہ وہ ہادی اور خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے۔ خدانخواستہ اگر وہ بھی ایسا کریں تو پھر امت کا کیا ٹھکانا ''وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ وغیرھا من الایات''۔

چوتھی خرابی: ۔۔۔۔از انجملہ یہ کہ بابل کی اسیری میں اصل نسخہ تورات ان کے ہاتھ سے مفقود ہو گیا تھا۔ پھر مدت بعد ان کے علماء نے اپنی یاد کے طور پر کچھ مرتب کی اور عزیر علیہ السلام اس کے مہتمم ہوئے۔ آخر شاہ انٹوکس کے حادثہ میں وہ بھی ان کے ہاتھ سے مارا جاتا رہا، پھر اپنے طور پر جو کچھ چاہا، لکھا اور اس کا نام تورات رکھا (چنانچہ اس کی تحقیق آتی ہے) چونکہ یہ نسخہ خدائی تو تھا ہی نہیں، انہیں کی تصانیف تھا اس لئے اس پر بھی پورا پورا عمل نہ کرتے تھے بلکہ ان کے مشائخ احبار ور ہبان رشوت ستانی کے لئے کچھ کا کچھ اول کو بدل کر الٹ پلٹ کر دیتے تھے یا اس کی کوئی تاویل کر دیتے تھے کہ جس سے خدا تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے سے سدِ راہ ہو جاتے تھے۔ اس کی مذمت قرآن نے بیان کی۔ وقال تعالیٰ: ''یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ۔۔۔ الایۃ'' بلکہ جو ان کی مرضی کے موافق ہوتا تھا، اس کو باقی رکھتے تھے اور جو مخالف ہوتا، اس کو مٹا دیتے تھے۔ اس لئے جناب نبی آخر الزمان ﷺ کی جو جو صریح خبریں ان کی کتب میں چلی آتی تھیں، ان کو اور دیگر احکام رجم وغیرہا کو اپنے امراء کی خوشامد میں چھپایا۔ یہ تو ان کے علماء کا طور تھا، عامیوں میں یہ خرابی تھی کہ وہ ان لالچی

❶ : ہنود کا موما یہی خیال ہے کہ مکتی کے لئے چار قوم پر میشر نے بنائی تھیں: برہمن، چھتری، بیش، شودر۔ باقی اور تمام مخلوق الٰہی ملیچھ یعنی بری اور نجات کے لائق نہیں اور اس پر عجب یہ ہے کہ فیہ تو میں کسی کرم یعنی عمل سے نہ برہمن ہو سکتے ہیں، نہ چھتری، نہ بیش، نہ شودر، پس پرمیشر نے ہندوستان کے ہندوؤں کو ہی مکتی کے قابل بنایا، باقی سب ہیچ۔ منہ

اور بے دین علماء کے اس درجہ معتقد تھے کہ ان کے خلاف ❶ میں کوئی کیسی ہی حق بات کیوں نہ کہے اور انبیاء ﷺ ہی آ کر کیوں نہ سمجھائیں، وہ اس کو ہرگز نہ مانتے تھے بلکہ ان حق گو لوگوں کے قتل کے درپے ہوتے تھے۔ چنانچہ بہت سے انبیاء ﷺ کو اسی بات پر شہید کر ڈالا۔

**پانچویں خرابی:**......از انجملہ یہ کہ تعلیم انبیاء ﷺ کے برخلاف منہیات میں بالکل مستغرق ہو گئے ❷ تھے۔ اور بجائے درس و تدریس کتاب الٰہی کے جادو و منتر وغیرہ بیہودہ خیالات میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے اور جادو کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعلیم اور ان کے عروج کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

**چھٹی خرابی:**......از انجملہ یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی جناب میں جو کچھ بدگمانی تھی اور جو کچھ بدسلوکی ان سے کی تھی اور ان کے پیروؤں کے ساتھ عداوت قلبی تھی بیان سے باہر ہے۔ ان ناشائستہ کلمات کا ذکر کرنا بھی نامناسب ہے عیسائی لوگ خود اس کے مقر ہیں بلکہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام ❸ کو مسیح دجال کہتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ بموجب بشارتِ موسیٰ علیہ السلام اگر سچے نبی ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے حالانکہ وہ قتل کئے گئے اور جس قدر بشارات کتب سابقہ میں ان کے لئے پائی جاتی ہیں، سب کی تاویل کرتے تھے اور نبی آخر الزمان ﷺ کے منتظر تھے کہ جو ان کی اعانت کرے۔ پس خدا تعالیٰ نے قرآن کے اس عقیدہ کو یوں رد کیا کہ تم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل ہی نہیں کیا بلکہ تم کو خود اشتباہ ہوا ہے اور اس کی والدہ پاکدامن اور صدیقہ تھی اور روح القدس کے مس کرنے سے خود بخود ان کو اپنی قدرت کاملہ سے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے پیدا کیا اور معجزات عطا کئے۔

**ساتویں خرابی:**......از انجملہ یہ کہ حضور ﷺ کے معاصرین یہود کو آپ ﷺ سے سخت عداوت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ آپ ﷺ نے ان کی خرابیوں کی اصلاح فرمانی چاہی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق کی اور انجیل کو کتاب الٰہی کہا۔ پس ان کو وہ جو کچھ ایک مدت سے امید تھی کہ عیسائیوں کو ملزم ٹھہرائیں گے اور عرب کے مقابلے میں ہماری طرفداری کریں گے، یک لخت جاتی رہی اس لئے خود آپ ﷺ کی نبوت میں کلام کرنے لگے اور جب معجزات وغیرہا دلائل سے انکار کی جگہ باقی نہ رہی اور آپ ﷺ کو قطعی نبی جان گئے تو یہ حیلہ کیا کہ آپ عرب یعنی امی لوگوں کے رسول ہیں، ہمارے نہیں ہو سکتے دو وجوہات سے: (۱) یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ابدی ہے۔ اگر آپ ﷺ کو نبی مانا جائے تو اس سے شریعت موسویہ کا منسوخ اور غیر ابدی ہونا لازم آئے (۲) یہ کہ یہ استحقاق نبوت خاص ہمارے خاندان بنی اسرائیل کا ہے۔ یہ نعمت بنی اسماعیل میں حاصل ہونی ممکن نہیں۔

اول شبہ تو محض لغو ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ کے نبی ماننے سے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے ابدی ہونے میں کوئی فرق نہیں لازم آتا کیونکہ آپ ﷺ کی شریعت اور موسیٰ علیہ السلام کی وہ شریعت کہ جو ابدی ہونے کے لائق ہے، ایک ہے البتہ بعض جزئیات قوم اور زمانہ کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں۔ خود توراۃ میں احکام کا بدلنا ثابت ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

دوم ابدی سے مراد زمانہ طویل ہے "کما لایخفی" دوسرا شبہ تو محض ایک جاہلانہ گفتگو ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے کہیں وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں بنی اسماعیل میں نبی برپا نہ کروں گا بلکہ نبی برپا کرنے کا وعدہ کیا تھا، چنانچہ اب تک اس توراۃ میں بھی موجود ہے جس کی تصریح ہم کسی

---

❶ جیسا کہ اس وقت جہاں لوگ اپنے بزرگوں اور آباء و اجداد کی تقلید میں نصوص قرآنی و سنت مصطفویہ ﷺ کا انکار کرتے اور حیلہ و بہانہ کر کے ٹال دیتے تھے۔ منہ۔

❷ جیسا کہ آج کل دینیات کو چھوڑ کر فضول اور بے ہودہ علوم کے سیکھنے میں لوگ مصروف ہیں۔ منہ۔ ❸ عجب ہے کہ دہلی کے ایک کرسٹن ماسٹر رام چندر نے ایک رسالہ لکھا ہے کہ جس کا نام رسالہ مسیح الدجال رکھا، اس میں علاوہ اور لغویات کے ایک طرفہ مضمون یہ تھا کہ ان جملوں کو (جو یہودی مسیح علیہ السلام پر منطبق کرتے اور ان کو دجال بناتے ہیں) بے تنگ جناب رسالت مآب سید الانبیاء محمد ﷺ کی نسبت لگایا اور عاقلوں کو اپنا مخبوط الحواس ہونا ظاہر کر دکھایا۔ حقانی۔

مقام پر کریں گے اور کسی قدر عقائد الاسلام میں کر چکے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کسی شخصِ خاص کا حصہ نہیں، پس یہ انکار بھی ان کی محض بے دلیل اور احبار و رہبان کی تقلید سے تھا۔ لیکن ان میں سے صدہا منصف مزاج آسمانی شریعت میں داخل ہوئے جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور کعب احبار وغیرہما۔ پس یہ عداوت روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ جنگ احزاب کے بعد یہود، بنی قریظہ و بنی نضیر و خیبر کو آتشی شریعت نے اپنا کامل اثر دکھایا اور بعض علماء یہود آنحضرت ﷺ کی مجالس میں حاضر ہو کر بہت سے امور کی تصدیق کرتے اور آپ ﷺ کے لئے بشارت تورات کو ظاہر کرتے تھے مگر وہ بیچارے جب پھر اپنی قوم میں واپس جاتے تھے ان پر بڑی لے دے ہوتی تھی کہ تم کیوں جا کر ایسی باتیں ان کو بتاتے ہو کہ جس سے وہ تم کو الزام دیں۔ الغرض اس طرح سے ہر روز نئی نئی باتیں پیش آتی تھیں کہ جس کا رد خدا تعالیٰ کی جانب سے ہوتا تھا۔ کبھی وہ جبرئیل علیہ السلام کی عداوت ظاہر کرتے تھے اور قرآن کے نہ ماننے میں یہ عذر پیش کرتے تھے، کبھی مدینہ طیبہ کے منافقین کو ورغلاتے تھے اس لئے سورہ بقرہ وغیرہا میں اکثر ایسے مضامین ہیں۔

**تیسرا فریق:**...... تیسرا فریق کہ جس سے قرآن میں مناظرہ واقع ہوا ہے، نصاریٰ ہے۔ یہود تو تھے ہی، یہ ان سے بھی گمراہی میں کئی نمبر بڑھے ہوئے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ ہی سے جو کچھ مصائب مسیحیوں پر پڑنے شروع ہوئے، ان کے ذکر کے لئے جداگانہ دفتر چاہیئے۔ انہیں حوادث میں انجیل ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور کچھ یادداشت کے طور پر تعلیم و تلقین کا سلسلہ جاری رہا۔ کسی معتبر ذریعہ سے یہ بات نہیں معلوم ہوتی کہ حواریوں کے پاس جب کہ وہ روم وغیرہا بلاد میں منادی کرتے پھرتے تھے، کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کی تصنیف یا خود ان کی تصنیف کتاب بھی ساتھ تھی؟ لیکن ان حواریوں نے دین حق کی اشاعت میں بڑی ہی کوشش فرمائی اور لوگوں کو اپنی کرامات اور نیک چلنی دکھا کر دینداری کی طرف متوجہ کیا۔

پھر تخمیناً دوسری صدی میں صدہا ایسے جھوٹے مسیحی پیدا ہوئے کہ جنہوں نے روح القدس نازل ہونے اور الہام ہونے کا دعویٰ کیا اور بہت سے جھوٹے عقائد اور اوہام غلط کو حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریوں کی طرف منسوب کیا اور لوگوں میں ان کا رواج دینا شروع کیا چنانچہ درس ۱۳، باب ۱۱، نامۂ روم قرنیتوں میں اس کی تشریح ہے اور صدہا جھوٹی انجیلیں اور نامجات معروف و مشہور ہو گئے جیسا کہ باب اول انجیل لوقا اور ابتداء نامہ گلتیوں اور باب دوم نامہ تسلنقیوں میں اس کی تصریح ہے، اور اس طوفانِ بدتمیزی کا باعث نہ تنہا طمع نفسانی اور تضلیل شیطانی تھی بلکہ بہت سے سادہ لوح جھوٹ بول کر دین کو ترقی دینا موجب ثواب جانتے تھے۔ چنانچہ ولیم میور اپنی اردو تاریخ کلیسا کے باب سوم، حصہ دوم، دفعہ ۳ میں لکھتے ہیں کہ دوسری صدی کے عیسائیوں میں یہ گفتگو رہی کہ جب حکیموں سے بحث کا اتفاق ہو تو ان کے طریقے کو اختیار کرنا چاہیے۔ چنانچہ ارجن کی رائے سے یہی بات قرار پائی۔ اس بحث میں تیزی تو پیدا ہوئی مگر راستی اور صفائی میں خلل پڑا اور جعلی تصنیفات پیدا ہونی شروع ہوئی کیونکہ فیلسوف جس کی پیروی کرتے تھے تو رواج دینے کے لئے اس کے نام سے تصنیف کر کے مشتہر کر دیتے تھے۔ ان کی تقلید سے یہی طریقہ عیسائیوں نے اختیار کیا۔ یہ بات بھی خلاف حق اور قابل الزام شدید کے تھی، انتہیٰ ملخصاً۔

اور یہی بات ان کی پولوس کے اس خط سے جو انہوں نے رومیوں کو لکھا ہے، ظاہر ہوتی ہے۔ وہ ورس ۷، باب سوم میں لکھتے ہیں، پھر اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا تعالیٰ کی سچائی اور اس کے جلال کے لئے زیادہ ظاہر ہوئی تو مجھ پر کیوں گناہ گار کی طرح حکم ہوتا ہے اور ہم کیوں نہ برائی کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو، انتہیٰ۔ الغرض اسی پولوس نے اور بھی دین کو الٹ پلٹ کر دیا اور بجائے صداقت اور ایمانداری کے بیچارے سیدھے سادے ایمانداروں کے دلوں کو نجس خیالات اور کفر کے عقائد سے بھر دیا۔ چاروں اناجیل کہ جن

پر آج کل کی عیسائی اُدھار کھائے پھرتے ہیں، اسی پر آشوب زمانہ کی تصنیف ہیں۔ یہ تثلیث اور کفارہ اور الوہیت مسیح کہ جس کو عیسائی نجات کا دارومدار جانتے ہیں، ایسے ہی جعلسازوں کی گھڑت ہے۔ گرچہ بعض بعض فرقے عیسائیوں کے اس کفر کے سخت منکر بھی تھے جیسا کہ فرقہ یونی ٹیرین وغیرہ مگر گمراہی زور پکڑتے پکڑتے آنحضرت ﷺ کے عہد تک حد سے تجاوز کر گئی تھی۔

## بوقتِ نزولِ قرآن مجید کو نصاریٰ کی جن نظری خرابیوں کا رد کرنا پڑا

**پہلی خرابی:**......ازانجملہ سب سے بڑھ کر یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ ہے۔ وہ حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ میں رہ کر حسب دستور دنیا میں باہر آیا اور انسانی جامہ پہنا اور تمام بنی آدم کے گناہ اپنے اوپر اٹھا کر لے گیا (چنانچہ یہ مضمون عماد الدین کی ہدایت المسلمین کے صفحہ ۲۷ میں ہے) اور گناہ کی معافی کا سوائے اس مشقت کشی کے اس کو اور کوئی طریقہ نہ ملا۔ آخر پھانسی چڑھا اور معلون ہوا اور تین دن دوزخ میں رہا اور پھر جی اٹھا اور حواریوں کی بے ایمانی اور بے وفائی پر خفا ہوتا ہوا آسمان پر چڑھ گیا اور پھر دوبارہ آنے کا وعدہ کر گیا۔ چنانچہ اس عقیدے کو پادری فنڈر نے اپنی کتاب مفتاح الاسرار میں بڑے تفاخر سے بیان کیا بلکہ اسی پر نجات کا مدار ٹھہرایا ہے اس کو یہ لوگ الوہیتِ مسیح کہتے ہیں۔ ان بیہودہ خیالات کو بھی خدا تعالیٰ نے ان دلائل سے رد کیا کہ جس کو ہر ذی عقل اور صاحب فطرت سلیمہ بہت جلد قبول کر سکتا ہے۔ قال تعالیٰ "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ" اس آیت کی تفسیر میں آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا کہ اس خیال باطل کو کس طرح مٹایا ہے؟ جہاں تک کہ ہم کو اس وقت کے پادریوں کی تصنیفات دیکھنے کا اتفاق ہوا، ان میں اس مسئلہ کی دلیل سوائے ان دو باتوں کے اور کچھ نہ معلوم ہوئی۔

(۱) یہ کہ بیٹے کا لفظ حضرت مسیح علیہ السلام پر بولا گیا۔ اس کو پادری فنڈر نے مفتاح الاسرار میں کئی ایک ورق میں بڑی فصاحت خرچ کر کے بیان کیا ہے اور بغیر سمجھے بوجھے صوفیہ کرام کے الفاظ احدیت اور وحدت کو بڑی تکلیف دی ہے مگر نتیجہ ندارد۔

(۲) یہ کہ خدا تعالیٰ کا بیٹا بلکہ اکلوتا بیٹا ہے۔ اول بات کا جواب بہت سہل ہے کہ یہ لفظ اور لوگوں ❶ پر بھی بولا گیا ہے، پس جب وہ بیٹے نہیں تو مسیح میں کیا خصوصیت ہے؟ اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا تو آدم علیہ السلام بغیر باپ اور بغیر ماں کے پیدا ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ قادر ہے۔ جس طرح ❷ چاہے پیدا کرے "اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ... الآیۃ" دوم باپ بیٹے حقیقی میں مجانست تو ضروری ہے، پس اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے بیٹے اور خدائی میں شریک ہیں تو وہ فصل کیا ہے؟ اور فصل ہے تو مرکب ہیں اور ہر مرکب حادث ہے۔ اور اگر فصل نہیں تو اتحاد محض ہے، پھر باپ کون اور بیٹا کون؟ ایک چیز آپ ہی باپ ہو اور آپ ہی بیٹا ہو، محال عقلی ہے۔ پس یہ کلمہ مجازاً اطلاق ہوا ہے دوسری بات کا جواب اس سے زیادہ سہل ہے کہ اول تو یہ کتابیں کہ جن میں یہ انتساب ہے، الحاق اور تحریف سے مبرا نہیں، پھر کیا اعتبار کیا جائے؟ دوم یہ انتساب مجازاً ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ غلام اور خاص نوکر اپنے آقا کے مال کو اپنا مال کہہ دیا کرتا ہے۔ کما لا یخفی پھر کیا اس سے غلام یا نوکر خود آقا ہو سکتا ہے؟ اصل اس بیہودہ خیال کی محض جہالت اور فرط محبت ہے۔ ان پر کیا موقوف ہے

---

❶ انجیل متی، باب ۵، ورس ۴۵۔ لوقا، باب ۶، ورس ۳۵ یوحنا، باب ۱۱، ورس ۵۳۔ ان مقامات پر مسیح علیہ السلام کے علاوہ اور لوگوں پر بھی خدا تعالیٰ کا بیٹا اطلاق ہوا ہے۔ منہ

❷ یہ تو ہمارے نزدیک ہے ورنہ یہود کے نزدیک بلکہ اکثر نوآموز انگریزوں کے نزدیک اور اس وقت کی نئی روشنی والوں کے نزدیک تو ان کے باپ یوسف بڑھئی ہیں، اس لئے وہ اپنے تئیں ابن آدم کہتے ہیں۔ علاوہ اس کے اگر خدا یا خدا کے بیٹے تھے تو عبادت کس کی کرتے تھے اور کیا ضرورت تھی اور پھر یہود کے ہاتھ سے صلیب پر ایلی ایلی کہہ کر کیوں چلا کر جان دی۔ واہ اچھے گناہ بخشنے دنیا میں آئے تھے، اور بھی لوگوں کو گناہ گار کر گئے۔ کیا خدا کو اپنی جان دینی آسان تھی اور گناہ بخشنا محال تھا؟ پھر جب ان کے گناہ اپنے سر پر اٹھائے اور جہنم میں گئے تو ان کے لئے کون شفیع ہوا۔ منہ

،صدہا جہلاء جب اپنے بزرگوں کے فضائل بیان کرنے پر آتے ہیں تو ان کو خدا ہی بنا دیتے ہیں۔کیا ہنود کچھ کچ، سور وغیرہ کو اوتار نہیں کہتے کہ ان میں خدا اترا تھا اور ان کی شکل میں ہو کے ظاہر ہوا تھا، تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔

**تثلیث : ...... دوسری خرابی:** ...... ازانجملہ یہ کہ روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام ایک اقنوم ❶ باپ یعنی خدا ایک اقنوم ابن یعنی بیٹا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک اقنوم، ہر ایک اقنوم خدا، پھر تینوں مل کر ایک خدا، نہ تین خدا۔ یہ پہلے خیال سے بھی زیادہ لغو اور کفر صریح اور محال عقلی ہے۔اس کے ابطال میں علماء نے بہت سے دلائل عقلیہ قائم کئے ہیں کہ جن کا جواب آج تک پادریوں سے نہ ہوا، نہ ہوگا اور میرے نزدیک تو اس بدیہی البطلان بات پر دلیل کی بھی کچھ حاجت نہیں کیونکہ ہر انسان اپنی فطرت کی وجہ سے یہ جان سکتا ہے کہ یہ تینوں چیزیں اپنے وجود اور تشخص اور خدائی میں مستقل ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو تین خدا ہونے میں کیا حجت ہے، پھر ایک کہنا چہ معنی دارد؟ اور اگر نہیں، پھر ہر ایک کو خدا کہنا اور ازلی سمجھنا محض لغو ہے۔دوم ان اجزاءِ غیر مستقلہ سے جو مرکب ہے، اس کا کیا نام ہے، وہ خدا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو دو خدا مستقل پھر بھی ماننے پڑے ایک تو یہ ❷ کہ جو مجموعہ سے جو مرکب ہے، دوسرا باپ جو اس مجموعہ کا جزء سو یہی ہے، اور اگر کہو کہ مجموعہ کا نام اب ہے تو پھر تین اقنوم کہاں بلکہ دو رہیں گے ایک ابن، دوسرا روح القدس؟ پادری فنڈر اور کرسٹن عماد الدین وغیرہم عیسائیوں نے اگرچہ اس خراب عقیدہ کے ثبوت میں (جس پر آج کل انگلستان وفرانس وجرمن وغیرہ بلاد یورپ کے فلاسفر قہقہے مارتے ہیں) بڑا زور مارا اور بہت سے کاغذ سیاہ کئے مگر بے سود۔اس عقیدہ کو بھی قرآن نے بہت جگہ غلط بتایا اور اس سے سخت ممانعت فرمائی ہے۔قال تعالیٰ: "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ...الآية وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَھُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ...الآية"۔

**تیسری خرابی:** ...... ازانجملہ یہ کہ خدا تعالیٰ بشر کے گناہ معاف کرنے پر قادر نہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سب انبیاء علیہم السلام گنہگار چلے آتے تھے اور خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کی مغفرت منظور تھی تو سوائے اس کے اور کچھ تدبیر نہ سوجھی کہ دنیا میں بشکل عیسیٰ ظاہر ہوا اور سب کے گناہ (خاص عیسائیوں کے) سمیٹ کر اپنے اوپر رکھے اور سب کے عوض آپ تین روز جہنم میں رہا اور ملعون ہوا (چنانچہ یہ بات نامہ پولوس اور پادریوں کی کتابوں سے اب تک پائی جاتی ہے) اسی عقیدہ کے اعتماد پر پولوس مقدس جو عیسائیوں کے نزدیک بڑا رسول ہے، اپنے اس خط میں جو طیطس کو لکھا تھا، حکم دیتا ہے کہ پاک لوگوں کے لئے سب کچھ پاک ہے مگر ناپاک اور بے ایمانوں کے لئے کچھ پاک نہیں۔ علاوہ اس کے اپنے خطوں میں بڑی شد و مد سے شریعت پر عمل کرنے کو حرام کہتا ہے اور شراب پینے اور گناہ کرنے کی اجازت دیتا ہے ❸۔

اسی فتویٰ پر عمل کرکے عیسائیوں نے باوجود اس اقرار کے کہ توراۃ کے احکام ہمیشہ رہیں گے، سب شریعت کو بالائے طاق رکھ دیا اور ہر ایک طرح کی بدکاری اور گناہ اور الحاد کو دل کھول کر عمل میں لائے اسی لئے یورپ میں ملک کے ملک ایسے بے دین اور ملحد ہو گئے

---

❶ ب...اقنوم: حصہ یا ٹکڑا یا جزء جو چاہو سو کہو۔ ۱۲ منہ ❷ ...... پولیجر اپنی کتاب وقائع پولوس کے باب ۲ میں لکھتے ہیں کہ کری ساسٹن اپنی اس تفسیر میں جو کتاب اعمال پر چوتھی صدی میں لکھی ہے، یوں ذکر کرتے ہیں کہ فرقہ نزاری جو ابتدائے مذہب عیسوی میں تھا، پولوس کی مکاری اور بے دینی کی وجہ سے اس کے نامجات کو (کہ جس کو آج کل عیسائی کلام الٰہی کہتے ہیں) نہیں مانتا تھا کہ یہ شخص بت پرست اور بڑا قزاق تھا اور مکار اور جھوٹا، چنانچہ (اول فریق قرنتیوں ۹، باب ۲۰ تا ۲۲ اور رومیوں کے ۳، باب ۷۔۸ اور فلپیون کے ۱، باب ۱۸ سے ثابت ہوتا ہے) یروشلم میں آکر اس امید سے ختنہ کرا کے اور یہودی ظاہر ہو کے ٹھہرا کہ ایک بڑے زاہد کی لڑکی سے شادی کرے کہ جس پر وہ عاشق تھا۔چونکہ رومی الاصل تھا (جیسا کہ اعمال، باب ۲۲ سے ظاہر ہے) اپنی مراد پر نہ پہنچا تو یہودیوں سے جھگڑا برپا کیا اور ختنہ اور یوم السبت کی تعظیم اور بہت سے دینی امور میں خلل انداز ہوا اور اپنے آپ کو حواری مشہور کرا کے عیسائیوں میں مل گیا اور اس نے اپنی عمر بھر حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں دیکھا مگر چالاک تھا، ایک خواب بیان کر دیا کہ مجھ کو مسیح علیہ السلام نے ظاہر ہو کے یوں کہا، انتہیٰ ملخصا۔ اب ہم بھلا اس پولوس کے کلام کا کیونکر اعتبار کر سکیں اور اس کو رسول کس طرح سے سمجھیں؟ اس کے خطوط کس طرح سے کلام الٰہی ہو سکتے ہیں؟۔منہ ❸ سور اور شراب جو توراۃ میں حرام ہے، عیسائی اس کو حلال جانتے ہیں۔منہ۔

کہ جو خدا تعالیٰ اور خدا تعالیٰ کی باتوں پر قہقہہ اڑاتے ہیں جن کا اثر ہندوستان میں بھی پولوس ہند آنریبل سید احمد خان صاحب بہادر کے ذریعہ سے نوجوان انگریزی خوانوں میں پہنچا اور شراب خوری اور زنا نے از حد رواج پایا۔ اس مسئلہ تثلیث اور کفارہ کو نہ توراۃ نے بیان کیا، نہ صراحۃً نہ کنایۃً اناجیل اربعہ نے بیان کیا اور کسی لفظ باپ یا بیٹے وغیرہ سے اس مطلب کو سمجھنا محض خیال خام ہے، تاویل کو بڑی گنجائش ہے۔ نہ پہلے کسی نبی نے اپنی امت کو تعلیم فرمایا اور کس طرح فرماتے حالانکہ یہ بدیہی البطلان اور صریح الفساد ہے۔ بھلا کوئی دانشمند کہہ سکتا ہے کہ خطا کرے کوئی اور اس کی سزا پائے کوئی؟ اور یہ کیا خدا تعالیٰ کا انصاف ہے کہ دنیا کے گناہوں میں مسیح علیہ السلام سے مؤاخذہ کرے اور اس کو تڑپا تڑپا کر مارے اور ملعون کرے اور تین روز جہنم میں ڈالے؟ اس بیہودہ خیال کو قرآن میں بہت جگہ رد کیا ہے۔

ازانجملہ یہ ہے: ''وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی'' اور یہ بھی فرمایا کہ میری جناب عالی ہے۔ جس طرح میں گناہوں پر مواخذہ کرتا ہوں، بندہ کی عاجزی اور معافی مانگنے اور گریہ وزاری کرنے سے بخش بھی دیتا ہوں اور کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ میں کم ظرف اور تنگ حوصلہ نہیں ہوں میرے غصہ سے میری رحمت کا دامن فراخ ہے۔ قال تعالیٰ: ''لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ الآیة۔ نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وغیرہا من الآیات''۔ یہ بدعت بھی عیسائیوں میں تیسری یا دوسری صدی میں مروج ہوئی تھی کہ جس کا دفع کرنا حکمت الٰہی میں ضرور تھا[1]۔

**پانچویں خرابی:** ......ازانجملہ اس پولوس ذات شریف نے یہودیوں کی ضد میں عیسائیوں کو برباد کرنے کے لئے ایک فتویٰ دیا تھا کہ انسان کی نجات عبادت روحانی سے ہوتی ہے اور عبادت جسمانی محض ابتداء حالت میں تھی، اب فضول ہے، اس کی پابندی اچھی نہیں۔ عبادت روحانی یا تعلیم روحانی کیا ہے؟ یہی بیہودہ خیالات الوہیت مسیح و تثلیث و کفارہ اور عبادت جسمانی، انبیاء علیہم السلام کی شریعت نماز و روزہ، اشیاء کی حلت وحرمت، قربانی وختنہ وغیرہا احکام۔ پس اس خام خیالی کو یہاں تک ترقی دی کہ توراۃ کے جملہ احکام کو منسوخ کیا بلکہ ملیا میٹ کر دیا اور اس پر لطف یہ کہ عدم نسخ احکام توراۃ کا دعویٰ۔ الغرض سب کو سانڈ بنا دیا جس طرح تکیوں میں بھنگڑ بھنگ گھونٹتے جاتے اور لگے رگڑا مٹے جھگڑا کہتے جاتے ہیں، پھر ان کے پیرو مرشد سائیں سونٹے شاہ یا مدار بخش یہ تعلیم دیتے ہیں کہ داتا عاشقوں کی عبادت اور نماز روزہ تو عبادت روحانی ہے یعنی یہ سرور اور اس کی یاد میں مست رہنا۔ باقی سب جھگڑے ہیں۔ اسی طرح عیسائی بھی انہیں دو، تین کفر کی باتوں کو تعلیم روحانی اور پہلی شریعتوں کی تکمیل اور سب کا عطر کہتے ہیں۔ باقی سب ہیچ۔ غالباً دنیا میں عیسائی مذہب پھیلنے کا سبب یہی آزادی ہے ورنہ مذہب کی خوبی تو معلوم۔

**شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں:** ......اس بیہودہ خیال کے بطلان پر بھی دلائل لانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں نظری یعنی اعتقادیات جیسا کہ خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جاننا اور اس کی بجمیع صفاتہ ازلی وابدی ورحیم وکریم اعتقاد کرنا، رسولوں کو برحق سمجھنا، فرشتوں کو اور خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتابوں کو، قیامت کے دن کو اور اس کے حساب و کتاب کو حق سمجھنا۔ دوم عملیات، ان کی پھر دو قسم ہیں: عبادات اور معاملات۔ عبادات جانی اور مالی۔ جانی جیسا کہ نماز پڑھنا نجاست ظاہری دور کر کے اس کے سامنے

---

[1] بعض ناانصاف عیسائی جو کسی غرض دنیاوی سے کرسٹن ہو گئے، قرآن مجید پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن نے باوجودیکہ ان کتابوں کی از حد تصدیق کی ہے، پھر ان نجات کی باتوں کا اثنی الوہیت وغیرہا کو بڑے زور سے رد کیا۔ اس قرآن کا کتاب الٰہی ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ پادری صفدر علی نے نیاز نامہ میں اسی بات پر بڑا زور دے کر عیسائیوں میں سرخروئی حاصل کی ہے مگر یہ اعتراض بعینہ ایسا اعتراض ہے کہ جیسا کوئی چور وقزاق کسی عادل گورنمنٹ میں یہ عیب ثابت کرے کہ وہ چوروں اور قزاقوں کو سزا دیتی ہے، اس سے اس کی عدالت میں فرق ہے اور قرآن نے ان کتابوں کی کہ جن میں یہ ناپاک مضامین مذکور ہیں۔ کس جگہ مدح فرمائی ہے؟ ذرا وہ آیت تو بیان کیجئے۔ کیا لوگوں کی وہ تالیفات جو صدہا سال بعد حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ہوئی ہیں، توراۃ وانجیل ہو سکتے ہیں؟ منہ۔

دست بستہ کھڑا ہو کر اس کی ثناء وصفت بیان کرنا اس کے آگے جھکنا اور اس کے آگے سجدہ کرنا اور نہایت درجہ کا اس کے آگے عجز و نیاز کرنا۔ اب یہ جسم کی پاکی اور اس کے آگے جھکنا، کھڑا ہونا اس نیاز روحانی کی صورت ہے کہ جو اس ہیئت اور طریقے پر اچھی طرح پایا جاتا ہے نہ کہ مقصود اصلی اور مالی جیسا کہ زکوۃ دینا، صدقہ دینا۔ اس میں بھی اپنے دل کی محبوب چیز کو دے کر اور بنی آدم کی حاجت برآری کر کے تقرب روحانی پیدا کرنا ہے اور پہلی قسم تو سراسر روحانی ہے، اس میں جسم کو کچھ دخل ہی نہیں۔ اب رہے معاملات کسی پر ظلم نہ کرنا وغیرہ، سو یہ بھی سراسر حکمت ہے اور زیادہ تشریح اس کی ہم آگے بیان کریں گے۔ پس اس پر اعتراض کرنا میاں پولوس صاحب کی خوش فہمی اور اس پر ہٹ کرنا عیسائیوں کی ہٹ دھرمی ہے۔ اگر یہ تعلیم عیب ہے تو پھر نبی کی کیا ضرورت ہے؟ کیا معجزہ ہی دکھانا مقصود ہے کہ جس کو مخالف نظر بندی اور کیا کیا کہہ سکتے ہیں۔ اس عقیدہ کو بھی خدا تعالیٰ نے رد کیا کہ رسول کی معرفت جو احکام الٰہی آتے ہیں، وہ عین حکمت ہوتے ہیں۔ اگر ان سے کچھ فائدہ ہے تو بندے کا اور ترک سے نقصان ہے تو انہیں کا جس طرح کہ کوئی طبیب سم کھانے سے منع کرے۔ فقط اس قدر فرق ہے کہ سم کا اثر جسم پر ہوتا ہے اور نبی ﷺ طبیب روحانی ہے۔ اس کے اوامر و نواہی کا اثر روح پر پہنچتا ہے۔ جو لوگ اس نکتہ سے واقف نہیں جیسا کہ پادری صفدر علی وغیرہ تو وہ عجب کج بحثی کرتے ہیں کہ جس کو کوئی عاقل پسند نہیں کرتا۔

قال تعالیٰ "هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ... الاٰیة۔ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ... الاٰیة" علاوہ اس کی جب کوئی امر تشریعی ہی باقی نہ رہا اور نہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز حلال و حرام رہی، نہ فرض واجب تو عیسائیوں سے کوئی پوچھے (۱) یہ کہ اب گناہ کس فعل کے کرنے یا نہ کرنے سے ہوتا ہے؟ پس گناہ کا وجود ہی نہ رہا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الوہیتِ مسیح و تثلیث و کفارہ پر ایمان انسان جو چاہے سو کرے، اس کے لئے کوئی امر گناہ نہیں۔ (۲) یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے لوگ انبیاء علیہم السلام و صلحاء کہ جن کی نجات متفق علیہا ہے، اس امر پر ایمان ❶ رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر ایمان رکھتے تھے تو ان کے لئے یہی سب پاک اور مباح تھا، پھر آدم علیہ السلام کا دانہ گندم کھانے سے گناہ کیوں شمار کیا گیا؟ اور پھر وہ نسل در نسل یوں چلا آیا؟ گناہ تو محض مخالفت نہی و امر ہی کا نام ہے اور امر و نہی شریعت ہے اور اگر اس پر ایمان نہ تھا تو معلوم ہوا کہ گناہ معاف ہونے کے لئے الوہیتِ مسیح و تثلیث و کفارہ پر ایمان رکھنا کوئی امر ضروری نہیں (۳) اگر یہ ایمان رکھنا ایسا ضروری تھا تو کیوں اس اہم مسئلہ اور ضروری بات کو انبیاء سابقین نے اپنی امتوں کو تعلیم نہیں فرمایا اور کیوں ان کی کتب میں صاف صاف درج نہ ہوا؟ ہمارے ان سوالات کا عیسائی سوچ کر جواب دیں۔

**چھٹی خرابی:**......ازانجملہ یہ کہ ان لوگوں میں شادی نہ کرنا اور قلندرانہ اوقات بسر کرنا (جس کو رہبانیت کہتے ہیں) رواج پا گیا تھا کہ جو پھر ان سے اچھی طرح نبھ نہ سکا جس کا انجام یہ ہوا کہ رہبان لوگ اور پوپ و بشپ ظاہر میں تو شادی نہ کرتے تھے اور اسی طرح بہت سی عورتیں کنواریاں کلیساؤں میں رہتی تھیں مگر حرام کاری کی کچھ نہایت نہ تھی۔ چنانچہ عیسائیوں کے فرقہ پراٹسٹنٹ ❷ کے پیر و مرشد مارٹین لوتھر عمر بھر ان کی ایک فاحشہ عورت کیتھرائن نامی کے ساتھ حرام کاری کرتے رہے (سرمن ڈی میٹ اور مرآت الصدق مصنفہ پادری بیڈ لی مطبوعہ ۱۸۵۱ء) اس وجہ سے عیسائی لوگ جس کی شادی ہوتی تھی، اس کی بزرگی اور تقدس میں فرق سمجھتے تھے۔ اس خیال کو بھی خدا تعالیٰ نے رد فرمایا "وَرَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا

---

❶ الوہیت وغیرہا۔ منہ۔ ❷ ... اگرچہ عیسائیوں میں بیشمار فرقے ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں مگر دو فرقے ہیں ایک پراٹسٹنٹ جن کا پیشوا مارٹن لوتھر صاحب ہے جس کے لوگ لندن اور امریکہ وغیرہ ملکوں میں رہتے ہیں اور جو آج کل ہندوستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ دوسرا رومن کیتھولک جن میں روس و فرانس وغیرہا بلاد کے عیسائی شامل ہیں۔ ان دونوں فریق میں باہم بڑا اختلاف ہے، ایک دوسرے کو گمراہ بتلاتا ہے۔ منہ۔

الاٰیۃ‘‘ اس زمانہ کے عیسائی باوجودیکہ فارقلیط ❶ نبی ء آخر الزمان ﷺ کے منتظر تھے لیکن آنحضرت ﷺ پر کثرتِ ازدواج کی وجہ سے ایمان لانے میں تردد کرتے تھے اور اس وقت تک کوئی دلیل ان کے پاس آپ ﷺ کے عدم نبوت پر نہیں لیکن انہیں باتوں سے نبی نہیں جانتے اور آج تک اس رہبانیت کی وجہ سے پادری عماد الدین اور پادری فنڈر وغیرہما آپ ﷺ کی نسبت بڑے اعتراضات کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ جس بناء پر ہم اعتراض کرتے ہیں، یہ محض خیالِ خام ہے، علاوہ ان کے اور بھی گمراہیاں تھیں اور ہیں کہ جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

## بوقتِ نزول قرآن مجید کو منافقین سے بھی سابقہ پڑا

**فریق چہارم:**...... چوتھا فریق کہ جن کا روز زیادہ قرآن میں ہوا، منافق لوگ ہیں۔ منافق دو قسم کے تھے۔: ایک وہ تھے کہ جو زبان سے کلمہ توحید پڑھتے تھے مگر دل میں بالکل منکر۔ انہیں کے حق میں آیا ہے:’’فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ‘‘ دوسری قسم وہ تھے کہ جو اسلام میں بضعف داخل ہوئے تھے، پس ان میں سے بعض ایسے تھے کہ اپنی قوم کے تابع تھے۔ اگر وہ ایمان لائے تو یہ بھی قائم رہے ورنہ ان کے ساتھ یہ بھی پھر گئے اور بعض وہ تھے کہ جن کے دلوں میں اتباعِ لذاتِ دنیا نے یہاں تک جگہ پکڑی تھی کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی جگہ باقی نہ رہی تھی یا حرص مال وجاہ وحسد وکینہ سے ان کے دل اس قدر پر تھے کی جن میں مناجات وحلاوت عبادت کی گنجائش نہ رہی۔ انہیں کے حق میں ہے’’وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى الاٰیۃ‘‘ اور بعض ایسے تھے کہ امور معاش میں اس قدر مشغول تھے کہ ان کو امور معاد کی گنجائش اور آیاتِ الٰہی میں فکر کرنے کی مہلت ہی نہ تھی جن کی نسبت فرمایا’’اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا... الاٰیۃ‘‘ اور بعض ایسے تھے کہ جن کے دلوں میں آنحضرت ﷺ کی نبوت میں طرح طرح کے خیالات فاسدہ پیدا ہوتے تھے گو دائرہ اسلام سے بالکل باہر نہ ہوتے تھے اور ان کے خیالات کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ پر احکام بشریہ جاری ہوتے دیکھتے تھے۔

دوم شریعت محمدیہ ایک سلطنت آسمانی کے پیرایہ میں نازل ہوئی ہے۔ پس وہ لوگ بھی آپس میں ان خیالات کو ذکر کرتے تھے، پھر جب قرآن میں ان امور پر تہدید ہوتی تھی تو بکے بکے رہ جاتے تھے۔ قال تعالیٰ’’يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ... الایہ‘‘ اور زیادہ سبب اس نفاق کا یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے سے پیشتر عبد اللہ ابن ابی بن سلول ایک شخص رئیس مدینہ نہایت مغرور آدمی تھا۔ سب لوگوں کی مرضی یہ تھی کہ اس کو سردار بنایا جائے۔ پس آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور تمام لوگوں کو دل وجان سے حضور ﷺ پر اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر فدا ہوتے دیکھا تو ایک شعلۂ حسد حب ریاست کی وجہ سے اس کے دل میں بھڑک اٹھا۔ چونکہ تمام لوگ حضور ﷺ پر ایمان لا چکے تھے، اس شور بخت کی کیا دال گلتی تھی۔ ظاہر میں مقابلہ کرنے کی طاقت کہاں تھی، اس لئے لوگوں کے دیکھا دیکھی یہ بھی اور اس کے یار واعشار بھی اسلام میں داخل ہوئے مگر خبث باطنی کی وجہ سے ہمیشہ حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضور ﷺ کی نسبت نکتہ چینیاں کرتا رہا اور اس کے ساتھ اور بھی میلے دل کے دس بیس لوگ شریک ہو گئے۔ چنانچہ سورۂ منافقون وغیرہ سورتوں میں ان لوگوں کی توبیخ وتنبیہ مذکور ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان اٹھاتھا، وہ بھی انہیں لوگوں کی سازش سے تھا جس کا سورہ نور میں ذکر ہے اور یہ لوگ غزوات میں شریک نہ ہوتے تھے، حیلہ وبہانہ کرکے

---

❶ ...چنانچہ اردو تاریخ کلیسا مطبوعہ ۱۸۷۰ء کے صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ ۱۸۷۰ء میں مونتانس نے فریگیہ اور ایشیائے کوچک کے دوسرے صوبوں میں آپ کو فارقلیط ظاہر کیا کہ جس کے ظہور کا انتظار مین پر مسیح علیہ السلام کے دوسری بار آنے سے پیشتر الہام ربانی کے لئے بہتیرے دیندار کر رہے تھے۔ بیشک بہتیرے ان ملکوں میں اس کے پیرو ہو گئے تھے۔ منہ۔

پیچھے رہ جایا کرتے تھے اور لوگوں کو جانے سے منع کرتے تھے اور جب کوئی غنیمت کا موقع دیکھتے تھے تو مونچھوں پر تاؤ دے کر سب سے پہلے آموجود ہوتے تھے اور حضور ﷺ کی جہاد وحرب کی خبریں خفیہ کفار کو بھیجا کرتے تھے۔ یہ سب امور قرآن میں مفصل مذکور ہیں لیکن قرآن کے ان نصائح نے جو روح کو زندہ کرتی ہیں، ان لوگوں پر بھی تدریجاً وہ اثر کیا کہ رفتہ رفتہ یہ لوگ بھی خلوص دل سے اسلام کے جان نثار ہوتے گئے اور دو چار بدبخت ازلی جو تھے، سو مر گئے۔ آخر نزول قرآن تک کوئی منافق مدینہ طیبہ میں باقی نہ رہا تھا۔ یہ بھی قرآن مجید کا ایک بڑا معجزہ ہے، وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ علاوہ ان کے ضمناً تمام جہاں کے کج رو لوگوں کا رد بھی قرآن مجید میں مذکور ہے جیسا کہ فرقہ مجوس، ان کے نزدیک آگ اور آفتاب کی پرستش ہے اور بدی کا خالق مستقل اہرمن کو اور خیر کا یزدان کو مانتے ہیں۔ ان باتوں کا خوب رد قرآن میں موجود ہے۔ خدا تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا یہ مقتضیٰ تھا کہ اپنے آخری نبی ﷺ کو ایسے پرآشوب زمانے میں بھیجے کہ گمراہیوں کی جس قدر اقسام ہیں، سب مجتمع ہو چکیں تا کہ ان کے رد سے الیٰ یوم القیامہ سب گمراہیوں کا رد ہو جائے، کس لئے کہ تمام گمراہیوں کے اصل اصول یہی چار فریق ہیں۔ اب جو کوئی نیا ہوگا، انہیں کی شاخ سے ہوگا۔

## فصل پنجم:

علوم القرآن:......قرآن مجید میں بے شمار وہ علوم ہیں کہ جن کی طرف بندوں کو سخت حاجت ہے اور جن کے بغیر نصاب رسالت تمام ہی نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے یہ پانچ علم کثرت سے بیان کئے گئے ہیں:

اول:......علم المخاصمہ یعنی گمراہوں کے عقائد باطلہ کا رد جس کی تفصیل ابھی بیان ہو چکی ہے۔ علم کلام کی بنیاد انہیں آیات اور اسی علم پر ہے۔

دوم:......علم التذکیر بآلاء اللہ یعنی آسمان اور زمین اور جملہ مخلوقات کی پیدائش کا بیان اور زمین و آسمان اور رات دن میں جو کچھ عجائب مخلوقات ہیں کہ جو اس کی ذات وصفات کے ثبوت کے لئے آیات مبینات اور علامات ہیں، ان کا ذکر بالخصوص ان چیزوں کا کہ جو انسان کے مادہ منی سے پیدا ہونے اور پھر ہوش وحواس پا کر مدرک کلیات وجزئیات ہو جانے اور آسمان سے بارش ہونے اور اس کی وجہ سے زمین سے نباتات وغیرہا انسان کے کارآمد چیزیں پیدا ہونے اور ہواؤں کے ایک طرز خاص پر چلنے اور آفتاب و ماہتاب کی چالِ معین پر چلنے سے متعلق ہیں کہ جن سے تمام عالم کا انتظام اور تدبیر وابستہ ہے اور اس بات کا بیان کہ خدا تعالیٰ نے بندوں کو وہ چیزیں الہام کیں جو ان کو دنیا و آخرت میں کارآمد اور مناسب ہیں اور اپنی صفاتِ کاملہ کا ثبوت اور نقص وعیوب سے تنزیہ اور تدبیر المنزل وسیاست مدن وتہذیب اخلاق کو بھی نہایت خوبی سے بیان فرمایا۔ یہ علم التذکیر بھی ایک مفہومِ کلی ہے جس کے بیشمار افراد ہیں یا ایک دریائے بے کنار ہے کہ جس کی صدہا نہریں اور نالے ہیں۔ اگر بطور نمونہ کے اس علم کی ہر صنف پر ایک ایک آیت بھی پیش کروں تو یہ تمام مقدمہ اس کو کافی نہ ہو۔ جو ایک بڑا حکیم یا فلاسفر دلائل فلسفیہ سے خدا تعالیٰ کی ذات وصفات وحدوث عالم وغیرہ امور کو نہایت عمدہ طرح سے ثابت کر سکتا ہے، اس بھی بڑھ کر قرآن مجید نے ان امور کو ثابت کر دیا اور ایسے کھلے کھلے وجوہ اور دلائل بیان کئے جن کو ہر عالم وجاہل، بدوی وشہری پڑھا اور ان پڑھ برابر سمجھتا ❶ ہے۔ یہ بات طاقت بشریہ سے باہر ہے منجملہ وجوہ اعجاز قرآن کے ایک یہ بھی ہے۔

دیکھئے! اکثر سورتوں میں مکرر، سہ کرر نئے نئے عنوان سے ذات مبدء حق سبحانہ کا اس طرح اجمالاً ثبوت کیا کہ جس کو اپنی قوت فطریہ اور نور جبلی کی وجہ سے بغیر علم کلام پڑھے اور بدون حکمت الٰہیہ کے مارست کئے ہر سلیم الطبع شخص یقین کر سکتا ہے نقال: وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ

❶......اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ... الایۃ۔ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ... الایۃ۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ۔ اپنی صفات کے ثبوت میں فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ وقال: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ آسمان وزمین اوران کی درمیانی چیزوں کے پیدا کرنے کی بابت فرمایا ہے۔ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ ... الایۃ۔ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ... الایات چونکہ کنہ حقیقت باری تعالیٰ کا معلوم کرنا اوراس کی صفات سے کماحقہ مطلع ہونا بندوں کی طاقت سے باہر تھا اور بغیر علم ذات وصفات نہ تو بندوں کی نفوس مہذب ہو سکتے تھے، نہ نبوت بری الذمہ ہو سکتی تھی، نہ کتاب الٰہی اپنے اصلی مقصد کو پورا کر سکتی تھی اس لئے علم بالوجہ پر بس کیا اور صفات پر مدار رکھا کہ جو بندوں کے نزدیک قابل مدح ہیں اور جن کو وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ رحیم وکریم علیم وحی وبصیر ومتکلم ومرید ہونا اور عرش پر قائم ہونا اور ہاتھ اور منہ ہونا وغیرہ ذلک۔

لیکن انسان کی جبلی بات ہے کہ خواہ کوئی شے ادنیٰ مناسبت سے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دے کر بیان کیوں نہ کی جائے اور خاص استعارہ کیوں نہ مقصود ہو مگر یہ حضرت اپنی قوت وہمیہ کی وجہ سے اس کو پورا پورا مشبہ بہ ہی سمجھ بیٹھتا ہے اور سب احکام اس کے اوپر جاری کر دیتا ہے اس لئے بعض نے یہ سمجھ لیا کہ درحقیقت خدا تعالیٰ کی دو آنکھیں اور دو کان اور مضغۂ گوشت زبان اسی طرح ہے کہ جس طرح ہمارے لئے ہے، اور وہ اسی طرح جیتا ہے کہ جس طرح ہم کھا پی کر زندہ رہتے ہیں اور اسی طرح سے اس کے ہاتھ، پاؤں، منہ بھی ہے کہ جس طرح ہمارے لئے ہے اور اپنے عرش پر بھی اسی طرح بیٹھا ہے جس طرح دنیا میں بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھتے ہیں۔ وغیرہ ذلک من التشبیہات (اور احادیث صحیحہ میں بھی چونکہ اسی اصل غرض قرآن کو اسی عنوان سے بیان کیا ہے تو اس سے اور بھی خیال میں یہ تشبیہات دلنشین ہو گئیں) لیکن یہ خیالات بالکل خلاف واقع ہیں کیونکہ یہ وہی تشبیہ تو ہے کہ جس کے یہود قائل تھے۔ علاوہ اس کے خدا تعالیٰ کا حادث ہونا اور مجسم ہونا اور دو کان ہونا وغیرہ عیوب بھی اس میں ثابت ہوتے ہیں کہ جو اس کی ذات مقدس اور الوہیت کے منافی ہیں اس لئے قرآن مجید میں اس مرض کی دوا بھی نازل فرمائی اور ان اوہام کو یہ فرما کر رد کر دیا "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ" تا کہ صفات اور ممکنات اور اوصاف بشریہ سے اس کو بری اعتقاد کیا جائے اور اس کو مجسم ہونے اور بشر یا کسی اور چیز کی صورت میں ظاہر ہونے اور مکان وزمان وما یلزمہما سے صدہا منازل دور اور بالکل نفور سمجھا جائے۔ وھو العلی الکبیر۔

سوم:......علم التذکیر بایام اللہ یعنی ان واقعات اور حوادثات کا بیان کرنا کہ جن میں خدا تعالیٰ کے فرمانبردار اور نیک بندوں کی خوبیاں اور ان پر انعام الٰہی مذکور ہوں اور نافرمان اور سرکشوں کے ساتھ جو کچھ دنیا میں پیش آیا اور جو کچھ آخرت میں آئے گا، اس کا بیان ہو۔ اس سے بھی انسان کو ایک عبرت اور نصیحت ہوتی ہے۔ پس جب مقصود یہ تھا تو قرآن میں سابقین کے قصص بیان کرنے میں ان چند امور ضروریہ کی رعایت کی گئی۔

**تاریخی واقعہ بیان کرنے کا قرآنی اسلوب:......** (۱) یہ کہ قصہ کو تاریخ کے طور پر من اولہا الی آخرہا بترتیب وقوع نہ بیان کیا جیسا کہ پانچوں توریت اور چاروں انجیلوں اور کتاب التاریخ وکتاب السلاطین وغیرہ کتب بائبل کے مصنفوں نے کیا ہے یا جس طرح اور تمام اہل تاریخ اور روزنامچہ نویس کرتے ہیں کیونکہ اس سے مقصد اصلی جو عبرت اور نصیحت ہے، فوت ہو جاتا ہے اس لیے کہ ایسے بہت کم قصے ہیں کہ جن میں اول سے لے کر آخر تک عبرت ہو بلکہ بہت سی اور باتیں خارج مبحث بھی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی ایسا قصہ ہو تو اس

کو بتما مہا بیان کرنا کچھ مضائقہ نہیں۔ جیسا ❶ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ۔ یہ تاریخ گوئی مؤرخین کی شان ہے نہ کہ رب العالمین کی۔

(۲) مخاطبین کے نزدیک وہ قصے بیان کئے جن سے ان کے کان آشنا تھے جیسا کہ اجمالاً عاد اور ثمود اور نوح علیہ السلام کا قصہ کیونکہ ان کو عرب اپنے آباء اجداد سے سنتے چلے آتے تھے اور جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام و انبیاء بنی اسرائیل و ذی القرنین وغیرہ کا قصہ کیونکہ اہل کتاب کے میل جول سے عرب ان قصوں کو جانتے تھے، بخلاف ایران و ہند وغیرہما بلاد کے قصص کیونکہ ان کے سننے سے بجائے عبرت کے ان لوگوں کو حیرت ہوتی۔

(۳) ان قصوں کو کہ جن سے زیادہ عبرت و نصیحت مقصود ہے، ان جہلاء کے مقابلہ میں مختصراً ایک ہی جگہ ذکر نہ کیا بلکہ الگ الگ اسلوب سے مکرر، سہ کرر سورتوں میں بیان کیا تا کہ خوب طرح سے ذہن نشین ہو جائیں اور ان واقعات کی تصویر ان کے روبرو ہر وقت کھڑی رہے۔

پس وہ قصص یہ ہیں: قصہ آدم علیہ السلام کے زمین پر پیدا ہونے اور ملائکہ کے سجدہ کرنے اور شیطان کی نافرمانی کا قصہ۔ قصہ مخاصمہ نوح علیہ السلام و ہود علیہ السلام و صالح علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام و لوط علیہ السلام و شعیب علیہ السلام اور ان کی اقوام کا قصہ ان کا بیان میں کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی اور نیکی کی باتیں تعلیم فرمائیں اور وہ لوگ شبہات ضعیفہ سے پیش آئے۔ پھر خدا تعالیٰ نے ان کے شبہات کا جواب دیا اور ان سرکشوں کو عذاب دیا اور اپنے انبیاء علیہم السلام کی مدد فرمائی اور قصہ موسیٰ علیہ السلام کا جو فرعون سے اور بنی اسرائیل کے نافرمانوں سے پیش آیا اور جو کچھ معاملہ چالیس برس کے اندر ان منزلوں میں پیش آیا جو مصر کے درمیان ہیں اجمالی طور پر، اور قصہ خلافت داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام اور ان کی آیات و کرامات اور قصہ مصیبت ایوب علیہ السلام و یونس علیہ السلام، اور قبول کرنا دعاء زکریا علیہ السلام کا اور قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کہ بوقت تولد جو کچھ معجزات و کرامات ان سے ظہور میں آئے اور جو قصہ کہ صرف ایک بار یا دو بار قرآن میں مذکور ہوئے یہ ہیں: حضرت ادریس علیہ السلام کا آسمان پر جانا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ مناظرہ کرنا، جانوروں کو زندہ ہوتے دیکھنا، اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کرنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا اور دریائے نیل میں ڈالے جانے کا۔ پھر فرعون کے گھر میں پرورش پانے کا اور قبطی کو مکا مارنے کا اور مصر سے بھاگ کر مدین کی طرف جانے کا اور وہاں نکاح کرنے اور مصر کی طرف لوٹتے وقت رستہ میں آگ کا شعلہ درخت پر دیکھنے اور اس سے کلام سننے کا بیان اور بنی اسرائیل کا گائے کو ذبح کرنے اور موسیٰ علیہ السلام اور خضر کے باہم ملاقات کرنے کا قصہ اور قصہ طالوت اور جالوت کا اور قصہ ذی القرنین اور اصحاب کہف کا اور قصہ ان دو شخصوں کا کہ جن کا باہم مناظرہ ہوا تھا اور قصہ باغ والوں کا اور قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تینوں حواریوں کا جو شہر انطاکیہ میں منادی کرنے گئے تھے اور قصہ اس مؤمن کا (حبیب نجار) جس کو کفار نے شہید کر ڈالا تھا اور قصہ اصحاب الاخدود کا جو سورہ بروج میں اشارۃً مذکور ہے اور قصہ اصحاب فیل کا اور قصہ بیت المقدس پر دوبارہ چڑھائی ہونے اور قصہ حضرت عزیر علیہ السلام کا اس کی بربادی پر تعجب کرنے اور پھر سو برس تک مردہ ہو کر زندہ ہو جانے کا۔

**تاریخی واقعات سے قرآن کا مقصود و مطلوب:**.....ان قصوں سے صرف مقصود یہ ہے کہ ان کو سن کر دل میں شرک اور معاصی کی برائی بیٹھے اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے خوف پیدا ہو اور مخلصین کو اس کی عنایت اور مدد پر بھروسہ ہو جائے جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں۔ اس مقام پر یہ چند امور ملحوظ رکھنے چاہئیں (۱) یہ کہ ان قصص کے مکرر آنے کا علاوہ اس سبب کے جو پہلے بیان ہوا، ایک ❷ اور بھی

---

❶ کہاں ہے وہ خفیہ کرسٹان جو مفسر پر سورہ یوسف کے غیر الہامی ہونے کا اس بیان سے الزام لگا کر اس تفسیر شریف کو عام مسلمانوں کے نزدیک غیر قابل اعتبار بنانا چاہتا ہے۔ حقانی۔

❷ بنی اسرائیل کے وہ واقعات کہ جن پر بجز کامل نظر کے اور کوئی واقف نہیں ہو سکتا، قرآن نے انہیں کو بار بار بیان فرمادیا اور اختلاف نہ ہونے دیا۔ برخلاف کتب بائبل کے کہ ان میں باہم بڑا اختلاف ہے۔ توریت اور کتاب تاریخ اور جبرئیل کی کتابوں کو یا خود چاروں انجیلوں کو ایک معاملہ میں مقابلہ کر کے دیکھو، پھر جو شخص بظاہر امی ہو اور کتب قدیمہ اس کے پاس نہ ہوں، پھر بار بار بیان فرمائے اور غلطی سے محفوظ رہے، اگر یہ اعجاز نہیں تو اور کیا ہے۔ منہ۔

سبب ہے، وہ یہ کہ آپ تو معلوم کر ہی چکے ہیں کہ ان قصص سے مقصود وعظ و پند ہے۔ پس کبھی ایک شخص کا واقعہ چند امور قابل عبرت کو متضمن ہوتا ہے، اس کو ایک بار پورا بیان کرنے سے غرض متکلم کی جو ان امور پر تنبیہ کرنا ہے، حاصل نہیں ہوتی اس لئے ان اغراض کے لئے بار بار ربط دینے کے لئے وہ قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ جس طرح دہلی کے غدر کا قصہ جو صدہا عبرت کو متضمن ہے، ہر عبرت کے لئے اس کو ذکر کیا جائے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن میں بہت بار وارد ہوا ہے، پھر اس سے کم اور قصے۔ (۲) باوجود اس تکرار اور بار بار آنے کے ہر قصہ اپنے اپنے موقع پر ایک نیا لطف دیتا ہے۔ اس خوبی سے اس قصہ کو دوبارہ اعادہ کیا ہے کہ گویا یہ قصہ پہلے مذکور ہی نہ ہوا تھا۔ اس کے سننے کو ابتدائی قصہ کی طرح کان مشتاق رہتے ہیں۔ یہ بات بھی قرآن کی فصاحت و بلاغت کے لئے برہان قوی ہے ورنہ کیسا ہی کوئی بلیغ کیوں نہ ہو، اس کے کلام کو تکرار بے لطف کر ڈالتا ہے (کیوں نہ ہو! قرآن معجزہ ہے، یہ اسی کا کلام ہے)۔

**قرآن کا اسلوب انسانی محاورے کے مطابق ہے:**......(۳) خدا پاک چونکہ بندوں کے محاورے میں کلام کرتا ہے تو اپنے کلام میں ضرور ان باتوں کی رعایت رکھتا ہے کہ جس کی بندے رکھتے ہیں، پس اس لئے کہیں لفظ لعل بولا جاتا ہے کہ جس کو بلغاء امر مظنون میں بولتے ہیں اور کہیں لیعلم اللہ فرما دیتا ہے کہ جس کو بلغاء اپنے محاورے میں وہاں بولتے ہیں کہ جہاں ان کو پہلے سے علم نہیں ہوتا۔ اور کہیں جب کہ بلغاء شک کا کلمہ بولتے ہیں، وہاں وہی کلمہ ارشاد فرماتا ہے جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں "مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ" کہ وہ لوگ لاکھ کہتے تھے یا زیادہ۔ اللہ کو ان کی تعداد میں ۔۔۔۔۔کوئی شک یا تردد نہ تھا مگر ایسے موقع پر بلغاء یوں ہی بولتے ہیں۔ پس جو مفسر اس نکتہ سے واقف نہیں، وہ تکلف کر کے تاویلات کی مشقت میں پڑتے ہیں اور عماد الدین وغیرہ ناواقف لوگ تو اس کو قرآن پر اعتراض جمانے کو اچھا موقع جانتے ہیں۔

**قرآن کا اسلوب انسانی جبلت کے مطابق ہے:**.....(۴) یہ کہ بعض اوقات خدا تعالیٰ جنس انسان کی ایک جبلی عادت بیان کرتا ہے کہ انسان کی عادت یوں ہے کہ جب اس کے اوپر سختی ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ کو یاد کرتا اور اس سے بڑی گریہ وزاری کے ساتھ سوال کرتا ہے اور جب فراغ دستی اور حصول مراد کا وقت آتا ہے تو اپنی شیطانی باتوں کی طرف آ جاتا اور علت حقیقی کو چھوڑ کر اسباب ظاہری کی طرف یا اپنے خیالی معبودوں کی طرف اس نعمت کو منسوب کرتا ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں فرماتا ہے "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا الاٰیة" کہ خدا تعالیٰ نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا اور زوجہ بھی اسی سے بنائی۔ اب آگے خدا تعالیٰ جنس زوج و زوجہ کا جبلی حال بیان فرماتا ہے کہ جب بیوی حاملہ ہوتی ہے تو دونوں میاں بیوی خدا تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اچھا بچہ عنایت کیا تو ہم تیری شکر گزاری کیا کریں گے۔ پس جب ان کی مراد کے موافق دیا تو غیر کی طرف رجوع ہوئے اور شریک بنانے لگے۔

بعض مفسرین جو اس نکتہ سے واقف نہیں، انہوں نے بجائے جنس زوج اور زوجہ کے خاص حضرت آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کی طرف بقرینہ نفس واحدة ضمیر پھرائی اور پھر ان محدثین نے کہ جن کے اختیار میں اسناد ہے، وہ اسناد کے تابع نہیں۔ اس کی تائید میں حبالحارث ❶ اور شیطان کا ایک قصہ روایت کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی شان نبوت کی طرف کچھ خیال نہ کیا۔ مخالفین اندر من مراد آبادی وغیرہ کو انبیاء علیہم السلام کی جناب میں گستاخی کرنے اور شرک کی تہمت لگانے کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ مگر ایسی بے بنیاد باتوں کے اعتماد پر اعتراض کرنا اپنی کم استعدادی اور ناانصافی کو ظاہر کرنا ہے۔ ایسی باتوں سے انبیاء علیہم السلام پر کوئی عیب ثابت نہیں ہوتا۔

---

❶..... حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ محدثین نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور نیز یُشْرِکُوْنَ میں جو صیغہ جمع ہے، اس بات کی صاف تصریح ہے کہ آدم علیہ السلام اور حوا مراد نہیں بلکہ نوع انسانی ہے۔ منہ

واضح ہو کہ:...... آنحضرت ﷺ کے ہم عصر اہل کتاب کو تو ان قصص کی بابت سوائے تسلیم کے اور کچھ بن نہ پڑا اور کسی نے بھی آ کر یہ نہ کہا کہ یہ قصے جو قرآن میں ہیں یا فلاں شخص کا تذکرہ جو قرآن نے بیان کیا ہے، خلاف واقع ہے یا وہ ہماری کتابوں میں نہیں۔ مگر اس زمانہ میں پادریوں نے دھوکہ میں ڈالنے کے لئے عجب غوغا مچایا کہ یہ قصص محض سن کر غیر محققانہ طور پر قرآن میں محمد ﷺ نے ذکر کر دیئے ہیں۔ چنانچہ پادری فنڈر میزان الحق کے باب ۳ کی فصل ۳ میں لکھتے ہیں:

**قولہ:** اب ان سہو اور بھول چوک سے جو اس امر میں قرآن کے درمیان پائی جاتی ہیں، کئی ایک بطریق نمونہ کے ہم یہاں ذکر کریں گے۔ مثلاً وہ جو سورۂ بقرہ کے اوائل میں ہے کہ فرشتوں نے الخ اس مقام پر پوادر بھی مختلف اللسان ہیں۔ بعض اعتراضات کو بعض پوادر خود ہی رد کرتے ہیں۔

چنانچہ دین حق کی تحقیق کا مصنف صفحہ ۱۰۴ میں ان اور اسی طرح نیاز نامہ کے مصنف نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی بابت اعتراض کیا ہے کہ یہ بالکل کتاب مقدس کے خلاف ہے، پھر اسی کی بابت ان دونوں کا قبلہ گاہ فنڈر صاحب میزان الحق کے صفحہ ۲۰۹ میں یوں کہتا ہے: **قولہ:** اور یوسف علیہ السلام کی گزارشات جو سورۂ یوسف میں ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی پہلی کتاب کے ۳۷ و ۳۹ سے باب ۴۷ تک صحیح صحیح مندرج ہیں، انتہیٰ۔ پس معلوم ہوا کہ بعض پوادر تو بے تک ہانکتے ہیں اور اب ہم پادری فنڈر کے اختلاف کا نقشہ لکھ کر جواب دیتے ہیں۔

## پادری فنڈر کا اختلافی نقشہ اور اس کا جواب

| نمبر | مضامین قرآن | مخالفت با کتب مقدسہ | جواب تفصیلی |
|---|---|---|---|
| ① | فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ بحکم الٰہی کرنا اور ابلیس کا انکار کرنا اور فرشتوں کا مباحثہ کرنا۔ | یہ تورات کے خلاف ہے۔ خدا تعالیٰ نے ایسا حکم نہیں دیا اور ابلیس اس عالم سے پیشتر نافرمانی کر کے شیطان ہو چکا تھا۔ سید احمد خان بھی اس امر میں ہمارے مقلد ہیں۔ | توراۃ میں کہیں نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حکم سجدہ کا نہیں دیا اور عدم ذکر عدم حکم کو مستلزم نہیں ورنہ صدہا چیز تورات میں مذکور نہیں۔ عبرانیوں کے باب ۱ میں ہے: جب پہلوٹھے کو دنیا میں لایا تو کہا کہ خدا تعالیٰ کے سب فرشتے اسے سجدہ کریں۔ |
| ② | سورہ عنکبوت میں ہے کہ بوقت طوفان نوح نو سو پچاس برس کے تھے۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ۔ | حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کہ پہلی کتاب کے باب ۷ کی آیات ۱۱ میں ہے کہ جب طوفان آیا۔ نوح علیہ السلام چھ سو برس کا تھا اور باب ۹ کی آیت ۲۸ میں ہے کہ بعد طوفان نوح علیہ السلام تین سو پچاس برس تک زندہ رہا۔ پس نوح کی کل عمر نو سو پچاس برس کی تھی۔ | اس آیت میں یہ کہیں نہیں کہ فلاں عمر میں طوفان آیا اور بعد طوفان کے اس قدر عمر تک زندہ رہے بلکہ مجملاً نو سو پچاس برس رہنا ثابت ہے کہ جس کو خصم بھی تسلیم کرتا ہے۔ پس آیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ نوح علیہ السلام نو سو پچاس برس تک زندہ رہے اور ان کی قوم نے نہ مانا تو طوفان آیا۔ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ③ | سورۂ ہود کے اوائل میں ہے کہ نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے نے کشتی میں بیٹھنے سے انکار کیا، سووہ طوفان میں ڈوب مرا۔ | لیکن موسیٰ علیہ السلام کی پہلی کتاب کے باب ۸ و ۹ میں صاف لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام کے سب بیٹے کشتی میں تھے اور سب نے طوفان سے نجات پائی۔ | پادری ❶ صاحب نے چونکہ قرآن کو نہیں سمجھا اس لئے اعتراض کیا۔ اس بیٹے کو تو قرآن نے اولاد ہی سے خارج کردیا ''لَیۡسَ مِنۡ اَھۡلِکَ'' فرمادیا۔ پس اب ان کل اولاد کے شمار میں جو کہ ایماندار تھے، اس کا ذکر توراۃ میں نہ ہونا اور قرآن میں ہونا کوئی مخالفت نہیں۔ |
| ④ | سورۂ یوسف میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے گویا اپنے مالک کی جورو کی خواہش کی تھی جیسا کہ مذکور ہے۔ | مگر موسیٰ علیہ السلام کی پہلی کتاب کے باب ۳۹ میں کھلا کھلی بیان ہوا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بالکل انکار کیا اور بری فکر کو دل میں جگہ بھی نہ دی۔ | اس کتاب کی فقط یہ عبارت ہے ۱۰ /اور وہ ہر چند یوسف کو روز روز کہتی رہی مگر اس نے اس کی ایک نہ سنی کہ اس کے ساتھ سووے یا اس کے ساتھ رہے انتہیٰ۔ اس سے یہ کہاں نکلا کہ بری فکر کو دل میں جگہ بھی نہ دی۔ دوم قرآن سے بھی یہ ارادہ کرنا ثابت نہیں کیونکہ ''ھَمَّ بِهَا لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰی بُرۡھَانَ الخ جزا ہے یعنی اگر خدا تعالیٰ کی دلیل نہ دیکھتا تو یوسف قصد ہی کر چکا تھا۔ |
| ⑤ | سورۂ قصص کے اوائل میں ہے کہ فرعون کی بیوی نے موسیٰ علیہ السلام کو بجائے فرزند کے پرورش کیا۔ | مگر موسیٰ علیہ السلام کی دوسری کتاب کے دوسرے باب میں ہے کہ فرعون کی بیٹی نے موسیٰ علیہ السلام کو پروش کر کے بجائے فرزند رکھا تھا۔ | قرآن سے صرف اس قدر بات ثابت ہے کہ فرعون کی بیوی نے یہ کہا تھا کہ اس کو قتل نہ کرو، شاید ہمارے کام آئے یا ہم اس کو بیٹا بنائیں اب عام ہے کہ خاص بیٹی نے موسیٰ کو بیٹا بنا کر رکھا یا اس کی ماں فرعون کی بیوی نے۔ اگر بیٹا ہی بنایا ہو تو اس کی مان بھی اس کو بیٹا کہہ سکتی ہے اور اسی لئے ''نَتَّخِذُہٗ'' کہا اَتَّخِذُ نہ کہا چونکہ پادری قرآن کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے اعتراض کیا۔ |
| ⑥ | سورۂ مریم کے شروع میں مذکور ہے کہ مریم ایک دور دراز جگہ چلی گئی تھی اور یشوع درخت خرما کے تلے پیدا ہوا تھا۔ | لیکن انجیل لوقا کے دوسرے باب میں مذکور ہے کہ مسیح علیہ السلام بیت لحم میں اصطبل کے اندر پیدا ہوا اور بیت لحم ملک یہودیہ میں مریم علیہا السلام کے باپ کا شہر تھا۔ | مَکَانًا قَصِیًّا کے معنی پادری دور دراز سمجھ گئے جس پر اس قدر چونکے۔ کاش کسی قدر عربی پڑھ لیتے تب کتاب لکھنے بیٹھتے۔ اس کے معنی گوشہ ہے یعنی دردِزہ کے وقت ایک گوشہ میں چلی گئی۔ عام ہے کہ وہ اصطبل تھا یا کچھ اور۔ اصطبل میں خرما کا درخت کچھ محالات سے نہیں۔ اب دونوں میں کچھ مخالفت نہیں رہی۔ |

❶ ...... پادری صفدر علی نیاز نامہ میں لکھتا ہے کہ قرآن واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان تھا۔ وہ اور اس کی والدہ کشتی میں داخل نہ ہوئے الخ۔ پادری صاحب! وہ کون سی آیت قرآن کی ہے کہ جس میں کنعان نام لکھا ہے اور جس میں اس کی والدہ کا غرق ہونا مذکور ہے اس جھوٹ یا جہالت کا کیا ٹھکانا ہے۔

**پادریوں کا اعتراض کہ قرآن میں بے اصل قصے ہیں، کا جواب:**......ایک اور اعتراض پادریوں نے کیا ہے کہ قرآن میں ایسے بھی بہت سے قصے ہیں کہ جو جھوٹ اور بے اصل ہیں۔ منجملہ ان کے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ کہ انہوں نے اپنے باپ کے بت توڑ ڈالے اور اس کی قوم نے اس کو آگ میں ڈالا اور یہ کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور پرند تسبیح کرتے تھے اور یہ کہ سلیمان علیہ السلام کے جنات تابع تھے اور یہ کہ چیونٹی نے سلیمان علیہ السلام سے گفتگو کی اور یہ کہ سلیمان علیہ السلام کے مرنے کے بعد جنات نے سلیمان علیہ السلام کو زندہ سمجھ کر فریب کھایا اور یہ کہ سبا کی شہزادی بلقیس ان کے پاس آئی اور اس کا تخت طلب کیا گیا اور یہ کہ سلیمان ❶ علیہ السلام تمام جہان کا بادشاہ تھا اور حیوانوں کی بولیاں بھی سمجھتا تھا اور یہ کہ سلیمان علیہ السلام کے ہوا تابع تھی، ہوا پر تخت اڑتا تھا اور یہ کہ سکندر ❷ رومی نے سورج کو دلدل کی ندی میں ڈوبتے پایا اور اس نے پیتل اور لوہے کی بڑی بڑی دیواریں یاجوج ماجوج کے بند کرنے کو بنائیں اور محمد ❸ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب باوجود یکہ وہ بت پرست تھا، اس کو نبی کہتے ہیں اور یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ہنڈولے میں باتیں کیں اور بچپن میں اس سے معجزات ظاہر ہوئے اور مٹی کے جانور بنا کر اڑاتے اور خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات اور اصحاب کہف اور رقیم کا قصہ جو سورہ کہف میں ہے انتہیٰ۔ ملخصاً۔

**اقول:** جواب سے پیشتر دو باتیں عرض کئے دیتا ہوں تاکہ منصف مزاج عیسائی انہیں پر بس کریں۔

(۱) یہ کہ ان امور کا اصل اور جھوٹ کہنا جب وقعت رکھتا کہ اہل کتاب کے پاس کل کتابیں سماوی ہوتیں اور پھر تمام جہان کے واقعات اور سرگزشت ان میں موجود ہونے کا دعویٰ بھی ہوتا۔ پس جب ان میں یہ واقعات نہ ہوتے تو ان کو جھوٹ کہتے لیکن یہ دونوں باتیں اہل کتاب کے نزدیک بھی نہیں۔ اول تو یوں نہیں کہ خود بائبل میں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی توراۃ وغیرہا کتابوں میں ایسی کتابوں کے حوالے ہیں کہ جن کا مجموعہ پندرہ کتابیں ہیں۔ اور وہ ❹ اب مفقود ہیں۔ اول جنگ نامہ جس کا حوالہ سفر عدد کے باب ۲۱ میں ہے، دوم کتاب الیاشر کہ جس میں ایسا بڑا محال حوالہ ❺ ہے کہ جس کو کوئی ذی عقل بھی نہیں مانتا کہ آفتاب کھڑا رہا اور مہتاب ٹھہر گیا اور قریب دن بھر کے پچھم کی طرف مائل نہ ہوا، انتہیٰ۔ سوم کتاب یاہو۔ چہارم کتاب سمیعا کی پانچویں کتاب وغیرہ ذلک کمالا یخفی اور دوسری بات کا تو کوئی صاحب عقل بھی اقرار نہیں کر سکتا اور کیونکر کر سکتا ہے حالانکہ ہندوچین بلکہ خاص انہیں ملکوں کے ہزار ہا صحیح واقعات کتب سماویہ میں درج نہیں ہوئے۔

(۲) یہ کہ بایں ہمہ یہ باتیں ایسی ہیں کہ جن کو جمہور یہود اور متقدمین نصاریٰ سب تسلیم کرتے تھے۔ قطع نظر اور حوالوں کے ہم خاص پادری فنڈر متعصب اور ناانصاف کے منہ ہی سے اقرار کرا دیتے ہیں۔ پادری صاحب میزان الحق کے باب ۳ کی فصل ۳ میں لکھتے ہیں: قولہ: پھر قرآن میں بہت حکایتیں ایسی مرقوم ہیں کہ جو کتب عہد عتیق وجدید سے لی گئی ہیں الخ ایسی اور حکایتیں بھی قرآن میں پائی جاتی ہیں کہ جو عہد

---

❶ یہ نیاز نامہ کے مصنف کا اعتراض ہے۔ اس کا یہی جواب بس ہے کہ تم نے قرآن نہیں پڑھا، اس میں یہ بات کہیں نہیں۔ منہ۔ ❷...... یہ اعتراض دین حق کی تحقیق میں ہے اس کے مصنف بھی علوم اسلام سے بے بہرہ ہیں کیونکہ سکندر رومی کا قصہ کسی جگہ قرآن بلکہ احادیث میں بھی نہیں، نہ کوئی اس کو نبی کہتا ہے اور دلدل کی ندی میں آفتاب ڈوبنے کو بھی نہیں سمجھتے کیونکہ مراد یہ ہے کہ ایک صاف میدان میں ذوالقرنین پہنچے کہ اس کے مغرب سمت میں دلدل تھی، پس آفتاب غروب ہوتا ہوا دلدل میں معلوم ہوتا تھا جس طرح سمندر میں آفتاب ڈوبتا معلوم ہوتا ہے حالانکہ پانی اور دلدل میں نہیں ڈوبتا۔ اس کو ہر ذی عقل جانتا ہے۔ منہ۔ ❸...... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سکندر رومی کو جو بت پرست تھا کبھی نبی نہیں کہا، یہ جھوٹا الزام ہے۔ منہ۔ ❹...... بعض عیسائی یہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب الہامی نہ تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ الہامی کتاب میں تاریخی واقع کا غیر الہامی کتاب سے حوالہ دینا دلیل ہے اس بات پر کہ عیسائیوں کا الہام عام مؤرخین کی مانند ہے۔ دوم یہ کہ صاحب الہام کو ایسے واقعات کا علم محض تاریخی کتابوں سے ہے جو رطب و یابس سے خالی نہیں۔ پھر اس الہام کو نبوت کا حصہ ٹھہرانا محض عبث ہے۔ منہ۔ ❺ پر السٹنٹ عیسائی چونکہ نیچریت اور فلسفہ کے بہت پابند ہیں، ایسی باتوں کو خصوصاً شق القمر کے معجزہ کو محال کہا کرتے ہیں۔ اس لئے الزاماً اس کو محال کہا گیا اور اس کتاب میں اکثر روئے سخن انہیں لوگوں کی طرف ہے مگر ایک پرانے کرسٹان نے اس کو تحقیقی جواب سمجھ کر مصنف علامہ پر اعتراض کر کے بڑی قابلیت جتلائی ہے حالانکہ کتب رد نصاریٰ میں اس قسم کی گفتگو کی کثرت ہے۔ ابوالحسن حقانی

عتیق وجدید سے اخذ کی گئی ہیں لیکن اتنا فرق ہے کہ یا تو قرآن میں کم وبیش بیان ہوئی ہیں یا کچھ تبدیل وتغیر سے لکھی گئی ہیں۔ الخ اور پچھلی باتوں کی نسبت لکھتے ہیں۔ قولہ یہ سب یہودیوں کی حدیثوں اور تواتر سے لیا گیا ہے، چنانچہ اس زمانے میں بھی اس قسم کی حدیثیں طالموت وگمرا وضحار ومیدراس نامی کتابوں اور یہود کی اور کتابوں میں بھی منضبط ہیں۔ الخ باقی حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات طفولیت، انجیل طفولیت میں مندرج ہیں اور اصحاب ⓿ کہف کا قصہ، افراہم کی تصنیف میں اب تک پایا جاتا ہے، انتہیٰ ملخصاً۔ اب ہم ان اعتراضات اور ان کے اور دیگر اعتراضات کا دوسری طرح پر جواب دیتے ہیں کہ جس کا رد قیامت تک تمام عیسائیوں سے نہ ہو سکے گا وھو ھذا۔

**قرآن پر کئے گئے اعتراضات کا محققانہ رد:**...... ان اعتراضات کا دو چیزیں منشاء ہیں (۱) یہ کہ حکایات کتب مقدسہ کے برخلاف ہیں جو کلام الٰہی ہیں۔ (۲) بعض ایسی حکایات بھی ہیں کہ جو کتب مقدسہ میں موجود نہیں، گو کسی اور کتاب میں ان کی سند ہو۔ اول بات کی نسبت پادری صاحب کو واجب ہے کہ یہ چند امور براہین قاطعہ سے ثابت کریں (۱) یہ کہ کتب مقدسہ جو بالفعل اہل کتاب کے ہاتھ میں ہیں اور جن کی مخالفت سے قرآن پر الزام لگایا جاتا ہے، کلام الٰہی بھی ہیں کیونکہ محض توراۃ وانجیل وزبور ان کے نام مقرر کرنے سے یہ کلام الٰہی نہیں ہوسکتیں۔ کیا لوہے کا نام چاندی رکھنے سے چاندی ہو جائے گا؟ پس اوّل مرتبہ یہ ثابت کرنا ضرور پڑے گا کہ جس تورات وانجیل وزبور کا قرآن میں ذکر ہے، وہ یہی کتابیں ہیں اور اس امر کے ثبوت میں یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ اگر یہ وہی کتابیں نہیں تو اصلی کتابیں تم لا کر دکھاؤ کیونکہ جب ان اصلی کتابوں کا باقرار علماء یہود ونصاریٰ صفحہ عالم پر وجود ہی نہیں تو کوئی کہاں سے لا کر دکھائے؟ (۲) یہ کہ یہ کتابیں بلاتفاوت ویسی ہی ہیں کہ جس طرح ان کو ان کے مؤلفین نے تصنیف کیا لیکن اس کا ثبوت محالات سے ہے کیونکہ باقرار علماء اہل کتاب باب کے باب اور بہت سی آیات ان میں لوگوں نے داخل کر دیئے ہیں۔ چنانچہ پادری فنڈر اختتام مباحثہ دینی مطبوعہ اکبرآباد، صفحہ ۵۳ میں خود مقر ہیں کہ تخمیناً لاکھ ڈیڑھ لاکھ جگہ ان کتابوں میں غلطیاں واقع ہوئیں جن کو ویریوس ریڈنگ کہتے ہیں اور زیادہ تفصیل اس کی آگے آتی ہے (۳) اگر ان اختلافات کی وجہ سے قرآن غلط ہے تو پھر باہم کی ان کتابوں میں جو فحش اختلاف اور صریح غلطیاں ہیں، ان سے اپنی کتابوں کو بھی غیر انصافی کہیں۔

شاہد اول ورس، ۲، باب ۲۲ کتاب ۲، اخبار الایام میں عبری ترجمہ کے موافق یہ لکھا ہے کہ اخزیاہ بیالیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا، حالانکہ یہ صریح غلط ہے کیونکہ جس سال یہ باشاہ ہوا اور اس کا باپ یہورام مرا تو اس کی چالیس برس عمر تھی۔ چنانچہ اس کتاب کے باب ۲۱، مطبوعہ ۱۸۴۲ء میں ہے کہ یہورام بتیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا اور آٹھ برس تک بادشاہت کرتا رہا، پس اخزیاہ کی تخت نشینی کے وقت بیالیس برس کی عمر تھی اور اس کے باپ یہورام کی چالیس برس کی۔ بیٹا دو برس باپ سے بڑا تھا، اس سے زیادہ بھی کوئی غلطی ہوگی؟ مگر پھر اس کو کتاب الٰہی کہتے ہیں (۲) کتاب اول صموئیل، باب ۶، آیت ۱۹ میں ہے کہ اس نے پچاس ہزار اور ستر آدمی مارے اور عربی اور سریانی نسخہ میں بقول ہارن صاحب مفسر پانچ ہزار ستر لکھتے ہیں اور یوسفیس مؤرخ جو عیسائیوں کے نزدیک بڑا محقق ہے، کل ستر آدمی ہی بتلاتا ہے۔ اس اختلاف کا کیا ٹھکانا؟ (۳) کتاب التاریخ ۲، باب ۱۶ میں ہے کہ آسا کی سلطنت کے چھتیسویں برس بعشا یہود پر چڑھا اور اول سلاطین، باب ۱۵ میں ہے کہ آسا کی سلطنت کے تیسرے سال بعشا تخت نشین ہوا اور ۲۴ برس سلطنت کی۔ ان میں ایک ضرور غلط ہے اور اس طرح کی صدہا غلطیاں ہیں کہ جن کو مفسرین اہل کتاب بھی تسلیم کرتے ہیں پس ایسی خاطی کتابوں کے اعتماد پر قرآنی

---

⓿ ...... تاریخ کلیسا مطبوعہ ۱۸۴۸ء از ولیم میور صاحب میں اس قصہ کو بخوبی تسلیم کیا ہے۔ منہ۔

واقعات کو جھوٹ کہنا بڑی سینہ زوری ہے۔ کیا ان کے اغلاط کے لئے قرآن اصلاح دہندہ ❶ نہیں ہو سکتا؟

**الزامی جواب:**..... دوسری بات کی نسبت یہ کلام ہے کہ ہر واقعہ کی صحت اس پر موقوف نہیں کہ وہ کتب مقدسہ میں بھی موجود ہو کیونکہ اگر یہ ہو تو دو قباحتیں لازم آئیں گی (۱) یہ کہ خود بائبل کی حکایتیں غلط ہو جائیں گی کیونکہ جو بائبل کو نہیں مانتا اس کے نزدیک حکایات کے ثبوت صدق کے لئے کون سی دلیل ہے؟ پھر پادری صاحب کو لازم ہے کہ ان واقعات کو یا تو کسی کے اور کتب مقدسہ میں جو بائبل کے علاوہ ہو، دکھلائیں ورنہ ان کو بھی جھوٹ کہیں۔ (۲) یہ کہ خود عہد عتیق وجدید کی کتابوں میں ایسے واقعات ہیں کہ جن کو کسی اور نے نہیں لکھا بلکہ خاص ایک ہی شخص نے لکھا ہے چنانچہ (۱) باپ بیٹے روح القدس کے نام بپتسمہ دو۔ یہ صرف انجیل متی میں ہے، اس کو کسی نے نہیں لکھا۔ سو یہ بھی جھوٹ (۲) مجوسیوں کا ایک ستارے کو دیکھ کر مسیح کے لئے آنا سوائے انجیل متی کے اور کسی انجیل میں نہیں۔ سو یہ بھی جھوٹ۔ (۳) یسوع کی پیدائش بیت اللحم میں اور گڈریوں کا فرشتہ کو دیکھنا اور باتیں کرنا، مسیح علیہ السلام کا ختنہ کرنا سوائے انجیل لوقا کے اور کسی انجیل میں نہیں۔ سو یہ بھی جھوٹ ہے۔ علاوہ اس کے انجیل متی کے باب ۲ میں ہے کہ وہ جو نبیوں نے کہا تھا، پورا ہوا کہ وہ ناصری کہلائے گا الخ بتلائے کس نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم ناصری کہلائے گا؟ سو یہ بھی جھوٹ۔ اور اسی طرح وہ جو انجیل متی کے باب ۲۷ میں لکھا ہے کہ جب مسیح علیہ السلام کو صلیب پر کھینچا تو (۵۱) ہیکل کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا اور زمین کانپی اور پتھر تڑک گئے (۵۲) اور قبریں کھل گئیں اور بہت لاشیں پاک لوگوں کی قبروں سے نکل کر شہر میں بہتوں کو نظر آئیں، انتہی۔ اور وہ جو انجیل لوقا کے باب ۲۳، میں ہے اور چھٹویں گھنٹے کے قریب تھا کہ ساری زمین پر اندھیرا چھا گیا اور نویں گھنٹے تک رہا اور سورج تاریک ہو گیا الخ۔ یہ بھی سب جھوٹ ہے کیونکہ اس واقعہ کو جو حیرت افزا تھا اور تمام عالم پر گزرا تھا، آج تک کسی نے نہیں لکھا، نہ کسی یہودی نے، نہ مجوسی نے، نہ سامری نے، نہ ہندو نے، نہ ترک نے، نہ عرب نے:

اندکے باتو بگفتیم وبدل ترسیدیم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست والله الهادی

**چہارم: علم التذکیر بالموت وما بعدہ:**..... یعنی خدا تعالیٰ نے جس طرح سے کہ انسان بلکہ عالم کی ابتداء آفرینش کا اجمالاً حال بیان فرمایا، اسی طرح سے اس کے فنا ہونے کی کیفیت کو اور فنا ❷ ہونے کے بعد جو کچھ اس پر گزرے گا، اس کو بھی قرآن میں مختلف سورتوں میں ذکر کیا۔ پس جس طرح سے کہ انسان کا نطفہ سے علقہ اور مضغہ بن کر پیدا ہونا بیان فرمایا تھا، اسی طرح اس کی موت کی کیفیت اور ملائکہ کا اس کی روح قبض کرنا اور اس کا عاجز ہونا اور اس کو دوزخ وجنت کا دکھایا جانا اور ملائکہ عذاب کا ظاہر ہونا ذکر کیا اور اسی طرح اس عالم کی فنا یعنی قیامت کی علامات حضرت مسیح علیہ السلام کا نازل ہونا اور دابۃ الارض کا نکلنا اور قوم یاجوج ماجوج کا زمین پر زور پکڑنا اور نفخ صور اور اس عالم کی بیخ وبنیاد کا گرایا جانا، آسمانوں اور ستاروں کا ٹوٹنا، پہاڑوں کا بالوں کی طرح زلزلہ عظیم سے اڑتے پھرنا اور پھر دوبارہ صور پھونکنا اور تمام لوگوں کا زندہ ہونا اور تخت رب العالمین کے روبرو حساب کے لئے حاضر ہونا اور ملائکہ کا صف بستہ کھڑا ہونا اور نامہ اعمال کا دائیں اور بائیں ہاتھ میں دیا جانا اور ہاتھ پاؤں کا شہادت دینا اور اعمال کا متمثل ہو کر نظر آنا اور پل صراط پر سے گزرنا۔ پھر اہل جنت کا جنت میں داخل ہو کر طرح طرح کی نعمتیں حاصل کرنا یعنی حور وقصور، باغ وانہار، اچھے کھانے اور عمدہ عمدہ لباس پہن کر آپس میں ملاقاتیں کرنا

---

❶ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۔ ف: اہل کتاب کی کتابوں میں جو کچھ باہم واقعات تاریخیہ کے بیان میں اور دیگر باتوں میں اختلاف شدید ہے، اس کا ایک نقشہ تیار کیا جائے جس پر پادری اسکاٹ اور ہارن اور ہنری کو دستخط کرنے میں ذرا بھی انکار نہ ہوگا، تو ایک مبسوط کتاب تیار ہو جائے۔ اس نے چند نمونوں پر قناعت کی گئی اور زیادہ دیکھنا ہو تو مولانا رحمت اللہ صاحب مرحوم کی کتاب "اعجاز عیسوی" اور "ازالۃ الاوہام" وغیرہ کتب ردنصاریٰ کو ملاحظہ کرو۔ منہ۔ ❷ فناء سے مراد عدم محض نہیں۔ منہ۔

اور خدا تعالیٰ کے جلال و تجلی کی کیفیات سے محفوظ ہونا، اس کے دیدار سے مشرف ہونا، ابد الاباد وہاں راحت و آرام سے زندہ رہنا ذکر کیا اور بدلوگوں کا اپنے اعمال کی سزا پانا، جہنم میں جانا اور جہنم کی کیفیات طوق و زنجیر، گرم پانی وغیرہ کو بھی نئے نئے اسلوب سے مختلف سورتوں میں ذکر کیا کہ جس کو سن کر انسان کے دل پر عجب کیفیت پیدا ہوتی ہے، خدا کی محبت ظہور کرتی ہے اور دنیا اور مافیہا نظروں میں سرد اور گرد معلوم ہوتی ہے۔

یہ بھی قرآن مجید کا معجزہ اور خاصہ مختصہ ہے۔ اگلی کتابیں جس طرح سے کہ اور علوم میں ناقص البیان ہیں، اسی طرح سے اس علم کو بھی عمدہ طرح سے نہیں بیان کرتیں۔ توراۃ و انجیل موجودہ میں ذرا سا اشارہ ہی ان چیزوں کی طرف ہے۔

**پادری صاحبان اور ان کے مقلدین کا عجیب غوغا:**......اس مقام پر بھی ایک بات قابل غور ہے اور وہ یہ کہ یا تو محض تعصب سے تجاہل عارفانہ کے پیرایہ میں یا محض بے خبری اور لاعلمی سے اس مقام پر پادر صاحب اور ان کے مقلد بعض ہنود عجب غوغا مچاتے ہیں، چنانچہ پادری ❶ فنڈر صاحب نے میزان الحق میں اور صفدر علی نے نیاز نامہ ❷ میں عماد الدین نے ہدایت المسلمین اور پھر ہر پادری نے اپنی تصانیف میں جنت و دوزخ کی کیفیات عذاب ف وثواب پر اعتراض کر کے سخت زبان درازی بے سمجھے بوجھے کلام الٰہی پر کی ہے چنانچہ ہدایت المسلمین کے صفحہ ۲۵۹ میں لکھا ہے۔ **قولہ:** محمد ﷺ صاحب نے دوزخ اور بہشت اور عذاب قبر کی بابت ایسے ایسے مضمون صریح البطلان جو ہرگز عقل و نقل قبول نہیں کرتی، اس جاہل ملک کو سنا کر ڈرایا الخ۔ صفدر علی نیاز نامہ کے صفحہ ۵۷ میں لکھتے ہیں:

**قولہ:** الغرض بموجب تعلیم قرآن و حدیث کے سعادت اخروی یہی ہے۔ جسمانی خواہشوں کا پورا ہونا کہ جو آدمی کی خواہش وہاں ہو، پوری ہو جاتی ہے الخ۔ اور انہیں کی تقلید میں آنریبل سید احمد خان صاحب نے ان نصوص قرآنیہ کا انکار تاویل کے پیرایہ میں کیا ہے۔ ان سب لغو اور بیہودہ اعتراضات کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں۔ ان معترضوں کو لازم ہے کہ اس مقام کو غور کر کے سمجھیں اور جنت کی حقیقت پر مطلع ہوں، پھر اعتراض کریں ورنہ آخرت میں مخبر صادق ﷺ کے فرمانے کے بموجب جب یہ چیزیں مؤمنوں کو ملیں گی اور وہ عذابات پادریوں اور منکروں اور مؤولوں کو نصیب ہوں گے اس خبر کی خود تصدیق ہو جائے گی ذرا صبر کریں اور دلیل عقلی و نقلی جو پادری صاحب نے ذکر فرمائی ہم تو آج مشتاق اس کے سننے کے رہے مگر کسی پادری نے ان کیفیات کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہ بیان کی اور کیا خاک کریں گے، محض زبانی جمع خرچ ہے اور بس۔

**پنجم: علم الاحکام:**......یعنی بندوں کے لئے دین اور دنیا میں جو جو امور ضروریہ اور نافع ہیں، ان کو فرض، واجب، مستحب بنایا اور جو چیزیں

---

❶......ان کا پرانا مقلد بھی صادق اور محمد صالح کے نام سے تفسیر حقانی پر اس قسم کے نعماء خصوصاً گندم گوں حور کے ملنے پر اعتراض کرتا ہے۔ منہ۔

❷......واضح ہو کہ نیاز نامہ کا مصنف صفحہ ۲ میں خود اقرار کرتا ہے کہ وہ قدوس اپنے بندوں کو ان اعمال و افعال کا حکم دیتا ہے جو بذات خود نیک ہیں اور ان سے منع کرتا ہے جو از خود بد اور نفرتی ہیں الخ۔ پھر اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت کو بالکل مٹانے کے لئے یہ کہنا۔ **قولہ:** مگر یہی شریعت وہ ہے جو کتنے ہی کاموں کا حکم دیتا ہے اور کتنے سے منع کرتا ہے مگر وہ کام از خود نیک ہیں نہ بد الخ پہلے قول کے لئے صریح نقیض ہے۔ منہ۔ ف:......عذاب قبر اور دوزخ کی بابت جس کو عماد الدین جھٹلاتا ہے، حضرت مسیح علیہ السلام کا بیان پیش کرتا ہوں جو انجیل لوقا کے سولہویں باب میں انیسویں جملہ سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت لعزر مفلس اور ایک دولت مند کے مرنے کے بعد کا حال بیان فرماتے ہیں کہ لعزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گود میں فرشتوں نے رکھ دیا اور دولت مند کو لوئیں اور پیاس ستا رہی تھی اور وہ ابراہیم علیہ السلام سے درخواست کرتا تھا لعزر کو بھیج کر اپنی انگلی کا سرا بھگو کر میرے لب تر کرے، میں لوؤں سے جلا جاتا ہوں۔ الخ یہ عذاب قبر نہیں تو اور کیا ہے، کس لئے کہ قیامت سے پہلے کا ذکر ہے جو مرنے کے بعد پیش آیا اور اسی عالم کو شرع میں قبر کہتے ہیں، پھر اس پر اعتراض کرنا اگر سخت مکرنہیں تو اور کیا ہے؟ مگر جس کا دل حب دنیا سے سیاہ ہو گیا ہو وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی باتوں پر قہقہہ نہ اڑائے تو اور کیا کرے۔ حقانی۔

مضر ہیں، ان کو ان کے ضرر سے حرام و مکروہ تحریمی و تنزیہی قرار دیا کیونکہ جو چیز اشد ضروری ہے، وہ فرض ہے اور جو اس سے کم وہ واجب، پھر اس سے کم مستحب۔ اسی طرح جس کا سخت ضرر انسان کے دنیاوی معاملات پر یا روح پر پہنچتا ہے تو اس کو حرام، پھر جو اس سے کم ہے تو اس کو مکروہ تحریمی اور جو اس سے کم تو وہ مکروہ تنزیہی ہے اور جو مساوی الطرفین ہے کہ نہ مضر نہ ضروری، اس کو مباح کہا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ خدا تعالیٰ بے فائدہ اور عبث کسی چیز کا حکم نہیں دیتا بلکہ جس طرح طبیب محض مریض کے نفع وضرر پر لحاظ کر کے دوا و غذا کا حکم دیتا ہے، اسی طرح نبی جو طبیب روحانی ہے، حکم دیتا ہے۔ قال تعالیٰ: ''وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ... الاٰية'' پس ان مجموعہ احکام کا نام شریعت ہے کہ جس کو پادری لوگ شریعت اخلاقی اور احکام باطنی اور اصل شریعت کہتے ہیں۔

**احکام کی دو قسمیں:**...... پھر ان احکام کی دو قسمیں ہیں: ایک نظری کہ جن میں ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کے فعل کی حاجت نہیں بلکہ دل سے متعلق ہیں، جیسا کہ خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جاننا اور جسمانیت اور جمیع عیوب سے اُس کو پاک سمجھنا وغیرہ ذلک کہ جن کی تفصیل علم عقائد میں ہے۔ یہ احکام لوگوں اور زمانے کے بدلنے سے نہیں بدلتے اور اسی لئے یہ منسوخ بھی نہیں ہو سکتے ہیں۔ دوم عملی کہ جن میں اعضاء کا دخل ہے۔

**احکام عملیہ کی بھی دو قسمیں ہیں:**...... پھر احکام عملیہ کہ بھی دو قسمیں ہیں۔

**نماز:**... قسم اول وہ احکام جو خدا تعالیٰ کے ساتھ بالخصوص متعلق ہیں جیسا کہ اس کی عبادت کرنا اور علاوہ روح کے اپنے تمام اعضاء سے اس کی شکر گزاری کرنا جس کو عرف شرع میں نماز کہتے ہیں، اس قدر تو سب کے نزدیک اصل ہے۔ باقی اس نماز کے طریقے (کہ کسی وقت محض سجدہ تھا اور کبھی قیام اور کبھی فقط اس کی ستائش کے راگ گانا) مختلف ہیں۔ اس آخری نبی ﷺ کے عہد میں نماز کے اندر وہ سب باتیں مجتمع کردی گئیں اور روح اور جسم دونوں کو شامل کر لیا گیا۔ پھر اس نماز کے لئے طہارت بدن و جائے و جامہ شرط قرار دی گئی کیونکہ جب عقلاً و نقلاً بغیر طہارت کے روح پر کثافت ہوتی ہے اور آپس میں بھی امراء و شاہوں کے دربار میں ہاتھ پاؤں دھو کر، نجاست و میل کچیل سے صاف ہو کر جاتے ہیں، پس شہنشاہ حقیقی کے روبرو خراب حالت بنا کر جانا اور دل کو مکدر اور بوجھل کر کے اس کی طرف لگانا دشوار اور نازیبا ہے۔ اس کی قرآن میں جا بجا تاکید ہے اور لفظ ''وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' سے تعبیر کیا مگر اس کی تمام ہیئت پیغمبر ﷺ نے ادا کر کے اور زبان سے کہہ کے تعلیم فرمادیا اور اس لئے اس کو اسلام کا رکن قرار دیا ہے۔

**روزہ:**... اور جیسا کہ اپنے نفس کو اس کے لئے تمام خواہشوں اور کھانے پینے، اور جماع سے روکنا اور قوت بہیمیہ کو مغلوب کر کے روح کو اس کے اذکار سے منور اور تروتازہ کرنا جس کو روزہ کہتے ہیں، یہ بھی تمام شریعتوں میں تھا مگر اس کے آداب اور طریقے اور حدود پیغمبر ﷺ نے بہ وضاحت تعلیم فرمائے اور قرآن میں کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ کے لفظ سے تاکید کی گئی اس لئے یہ دوسرا رکن اسلام کا قرار پایا۔

**زکوٰۃ:**... اور جیسا کہ اپنے مال سے ایک حصہ معین خدا تعالیٰ کے نام پر تصدق کرنا اور اس محبوب عالم کی محبت کو دل میں جگہ دینا اور روپیہ اور مال کو کہ جس کی طرف انسان کی اکثر طبیعت مائل رہتی ہے، اس لئے ہاتھ سے چھوڑنا، پھر اس سے اس کے بے کسوں اور یتیموں کی مدد کرنا، اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ یہ پہلے بھی تھی مگر اس کے حدود و آداب و تقرر حصص و تعین مصارف اسلام نے نہایت مناسب طور پر قرار دیئے اور قرآن میں مطلقاً بلفظ ''اٰتُوا الزَّكٰوةَ'' سے اس کا مطالبہ کیا ہے اس لئے یہ تیسرا رکن قرار پایا۔

**حج:**... اور جیسا کہ کسی موضع متبرک میں (کہ جہاں اس کے بڑے بڑے محبوب اور رہنماؤں سے خدا تعالیٰ نے کلام کیا اور اپنی تجلی سے ان کو مشرف بنایا اور جس کو ایسے اعتبارات سے تمام زمین پر شرف ہو) جانا اور عاشقانہ ہیئت بنا کر اس پر تصدق ہونا اور دعاء و مناجات کرنا جس کو حج کہتے ہیں۔ یہ بھی پہلے سے چلا آتا ہے مگر نبی اسلام ﷺ نے اس کے بھی آداب و طریقے الہامی طور پر عمدہ قائم کئے

اوراور جو خرابیاں پیش آ گئی تھیں، ان کو دور کر کے خاص ابراہیمی طرز کو برقرار رکھا۔اس کے فوائد واسرار بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں، آگے بیان کریں گے۔ چونکہ یہ بھی ایک روح کو تازہ کرنے والی عبادت ہے اس لئے اس کو بھی قرآن میں ''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ'' کے لفظ سے طلب کیا اس لئے یہ بھی چوتھا رکن اسلام کا قرار پایا۔

**زبان سے کلمہ کہنا:**......اور جیسا کہ اس کی توحید اور اس کے رسول ﷺ کے برحق ہونے کا لوگوں میں زبان سے اقرار کرنا گو دل سے سچ جاننا تو ہر وقت ہی فرض ہے مگر احکام ظاہر یہ کے لئے ایک بار منہ سے بھی اقرار کرے جس کو اداء شہادت کہتے ہیں۔اس کو بھی قرآن میں جابجا بیان فرمایا اس لئے یہ پانچواں رکن اسلام کا قرار پایا۔ چونکہ خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کے حال پر بڑی مہربانی ہے، وہ خود اور اس کی توحید تمام عالم پر آشکارا ہے اس لئے جب بندے کو مجبوری ہو جیسا اس کی زبان از خود بند ہو یا کوئی ظالم بزور بند کرے تب اس کے ذمہ یہ اداء شہادت فرض نہیں ہے۔ ہاں اگر اس مصیبت پر بھی ادا کرے گا تو شہید ہوگا، اجر پائے گا۔ پادری بالخصوص صفدر علی ظلمات تعصب میں بالکل غرق ہیں، ان کو یہ سرّ معلوم نہیں اس لئے نیاز نامہ کے صفحہ ۳۹ میں غل مچاتے ہیں کہ اسلام نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی۔ جھوٹ پر پادریوں کے مذہب کی بناء ہے جیسا کہ پولوس مقدس فرماتے ہیں کما مر، اس لئے ان کو ہر جگہ جھوٹ ہی نظر آتا ہے۔

**جہاد:**......ان سب امور کے انتظام اور قیام کے لئے ایک حکم جہاد کا دیا یعنی جس طرح ہر گورنمنٹ اپنے احکام وقوانین کو اپنی سطوت اور زور سے نافذ کرتی ہے، خواہ چور مانے یا نہ مانے مگر سلطنت ضرور اس کو زبردستی سے قید کرتی ہے، علیٰ ہذا القیاس اور کیونکر نہ کرے۔ اگر گورنمنٹ ایسا نہ کرے تو اس کا ظلم ہے، پس اس تنفیذ کو سوائے جاہل اور کم اندیش کے کوئی شخص گورنمنٹ کا ظلم نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ سب سے پچھلے رسول ﷺ کو بھیجے اور علاوہ صدہا معجزات وآیات بینات اور پُراثر وعظ کے اس کو دنیا میں اپنا نائب بنائے اور اپنے احکام حیات بخش کی کہ جن سے خاص بندوں ہی کا نفع اور بھلائی ہے، اس رسول ﷺ کی معرفت بزور تعمیل کرائے۔

**سرّ جہاد:**......اور سرّ اس کا یہ ہے کہ اس نبی آخر الزمان ﷺ کا وجود تمام عالم پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ پس مقتضاء رحمت یہ ہوا کہ آخر زمانہ میں کہ جب قوت بہیمیہ ❶ اور شیطان کا غلبہ زیادہ ہو، ماں باپ مہربان یا طبیب شفیق جس طرح اپنے بچے کو زبردستی دوا پلاتے اور گھرک کر مضر چیزوں سے روکتے ہیں اسی طرح ان احکام پر ان کو چلائے۔ ایسا نہ ہو کہ گناہ میں پڑ کر ہلاک ہوں، اور سب سے زیادہ یہ کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ جس قدر لوگ گستاخی کرتے ہیں، شرک کرتے ہیں، پتھروں کو پوجتے ہیں۔ ان چیزوں کو مٹا کر دنیا کو پاک وصاف کر دے، مظلوم کی اعانت کرے، ظالم کے شر کو دفع کرے، اعلانا فحش سے مانع آئے، چوری اور حرام کاری اور رہزنی کو رد کرے اور دنیا میں عدالت قائم کرے۔ سو اس بات کو خدا تعالیٰ نے جس کا ۴۵ ❷ زبور میں وعدہ کیا تھا، پورا کر دیا کہ جزیرہ عرب میں ایک شخص یتیم دبے کس کو کہ جس کے پاس نہ فوج، نہ ملک، نہ مال وزر تھا، پیدا کیا اور روم ❸ وایران وغیرہ اس وقت کی بڑی سلطنتوں کو اس کے پیروؤں کے ہاتھ میں دے دیا اور اس نے اور پھر اس کے جانشینوں نے اس حکم کی نہایت عمدہ طور پر تعمیل کی اور اس کا نام جہاد ہے، سو اس کا بھی قرآن میں چند سورتوں میں ذکر ہے اور مختلف الفاظ سے اس کو طلب کیا ہے ''جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ'' فرمایا، کہیں ''كُتِبَ

---

❶ اور یہ اس لئے کہ آدم میں جس قدر شرف اور علو اور غلبہ قدرت ملکیہ دیا گیا تھا، وہ اس کی اولاد میں جس قدر انفصال ہوتا گیا، کم ہوتا گیا کیونکہ جس قدر مبدء سے بعد ہوتا جاتا ہے، قوت کم ہوتی جاتی ہے۔منہ۔ ❷......اس زبور میں آنحضرت ﷺ کی نسبت یہ الفاظ ہیں: اے پہلوان! تو جاہ وجلال سے اپنی تلوار حمائل کر کے اپنی ران پر لٹکا، امانت اور حلم اور عدالت پر، اپنی بزرگواری اور اقبال مندی پر سوار ہوتا کہ تیرا داہنا ہاتھ تجھے ہیبت ناک کام دکھائے گا۔منہ۔ ❸ روم کے لفظ پر بھی امام پادری بڑے گھبراتے ہیں کہ یہ ملک خلفاء نے بعد میں فتح کیا تھا نہ کہ صحابہ ؓ نے۔ اول روم سے مراد ایشیائے کوچک ہے، سو وہ بھی صحابہ ؓ نے فتح کر لی تھی اور روم خود صحابہ ؓ کا اطراف روم میں قبضہ کرنا واقدیؒ وغیرہ نے لکھا ہے۔ عمر ابن عبدالعزیز کے عہد میں تو قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا گیا ہے۔منہ۔

عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ'' کہا وغیر ہا من الآیات، مگر باوجود اس کے اسلام کے قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کیا اور ''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ'' فرمایا ''فَذَكِّرْ ۣ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ؀ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَۜيْطِرٍ ؀'' سنا دیا اور یہ جہاد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور انبیاء بنی اسرائیل میں جاری تھا۔ چنانچہ کتاب یشوع وغیرہ میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام وغیرہ انبیاء علیہم السلام کا جہاد ❶ مذکور ہے اور بزور احکام پر چلنے کی بھی تورات میں صراحت ہے۔ چنانچہ سفر خروج باب ۲۲ میں یہ حکم ہے: تو جادوگرنی کو جینے مت دے۔ جو کوئی چار پائے سے مباشرت کرے، مارڈالا جائے۔ جو کوئی فقط خداوند کے سوائے کسی معبود کے لئے قربانی کرے، وہ عذاب سے مارڈالا جائے۔ باب ۲۱ میں ہے: اور وہ جو اپنے باپ یا ماں پر لعنت کرے، البتہ مارڈالا جائے۔ پھر سفر احبار کے باب ۲۰ میں زانی کے قتل کا حکم ہے اور لونڈے باز اور چار پائے سے جماع کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اب بعض نا انصاف پادریوں نے جو شریعت موسوی کے دشمن ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد پر طعن کیا ہے، ان کو لازم ہے کہ پہلے توراۃ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طعن کریں ورنہ وہ کیا بات نئی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف عقل ونقل جاری فرمائی۔

**جو احکام بندوں کے ساتھ متعلق ہیں اس کی تین قسمیں ہیں:**...... کیونکہ اگر خاص ایک ہی شخص کے حالات اور معاملات کی درستی سے متعلق ہیں تو ان کو تہذیب الاخلاق کہتے ہیں جیسا کہ چوری نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، تکبر نہ کرنا، حسد و بغض و حرص نہ کرنا، خوش خوئی سے پیش آنا، لوگوں کے ظلم کو برداشت کرنا، توکل اور قناعت سے دنیا میں رہنا، عدل وانصاف کو اپنا شیوہ بنانا وغیرہ ذلک۔ ان امور کو بھی قرآن نے کس کس خوبی سے بیان کیا ہے کہ طاقت بشریہ سے باہر ہے پھا ان سب باتوں کو ایک آیت میں جمع کر دیا کہ جس کی نظیر ممتنع ہے۔ فقال ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا'' اور اگر ایک گھر کی معاشرت اور انتظام سے علاقہ رکھتے ہیں تو ان کو تدبیر المنزل کہتے ہیں کہ باپ بیٹے سے کس طرح سے پیش آئے اور جورو خصم باہم مل کر کس طرح سے گزران کریں اور نکاح و بیع وشراء وقرض وامانت میں کس طرح سے برتاؤ کریں؟ ان امور کو بھی قرآن نے بہت سی سورتوں میں مختلف عنوان سے بیان کیا ہے۔ والدین کی نسبت فرمایا: ''وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا'' اور فرمایا ''فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا'' وغیر ہا من الآیات۔

اور اگر شہر اور ملک کے متعلق ہیں تو ان کو سیاست ملک کہتے ہیں یعنی چور اور قزاق اور امن عام میں خلل انداز کے ساتھ کیا کرنا چاہئے، زانی اور غاصب کے ساتھ یوں کرنا چاہئے، اپنے سردار اور بادشاہ کی اس طرح سے اطاعت کرنی چاہئے۔ اس امر میں بھی قرآن میں بہت کچھ مذکور ہے۔ فرماتا ہے ''وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ - وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ - وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ... الخ''

**قرآن جامع ترین کتاب ہے:**...... پس حکمت علمی وحکمت نظری بتمام وکمال قرآن میں مذکور ہے۔ طہارت ظاہریہ وباطنیہ، حدود وقصاص، میراث وطلاق کی بابت قرآن نے کوئی بات نہیں چھوڑی اور اسی طرح جو چیزیں ناپاک اور نجس طبعی تھیں، ان کی حرمت اور پاک اور ستھری چیزوں کی حلت بیان کر دی۔ پادریوں نے پولوس کے بہکانے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمام شریعت کو چھوڑ دیا اور بات یہ بنائی کہ تمام انبیاء سابقین ناقص اور ان کی شریعتیں غیر کامل تھیں، مسیح علیہ السلام نے آ کر سب کی تکمیل کر دی۔ قربانی کی

❶ نیاز نامہ کے صفحہ ۵۳ میں پادری صفدر علی کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام کے قتال کو اپنے جہاد پر قیاس نہ کریں کیونکہ کتاب مقدس میں کسی جگہ موسیٰ ویوشع علیہ السلام کو یہ نہ فرمایا کہ تم کفار سے دعوت ایمان کرو اور اگر نہ مانیں تو قتل کر والخ۔ یہ عذر بدتر از گناہ ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام کو کنعانیوں وغیرہم کو قتل کرنا خدائی حکم سے نہ تھا اور اس کے لئے نہ تھا تو معاذ اللہ خدا تعالیٰ کی خدائی اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کیا تھی، ایک ظلم تھا جو بلاوجہ بندگان خدا کو بے رحمی سے قتل کیا۔ حقانی

جگہ خود کفارہ ہو گئے۔ اسی طرح جانوروں کی حلت وحرمت بھی ایک بے فائدہ چیز تھی۔

**پادری صاحبان کی خانہ ساز منطق:**...... پھر فنڈر صاحب اور صفدر علی وغیرہما نے ایک اور حیلہ کیا کہ شریعت کی دو قسمیں ہیں: ایک اخلاقی، دوسری رسمی۔ پس مسیح علیہ السلام نے رسمی کو چھڑایا یعنی کامل کیا ہے نہ اخلاقی کو، اور قرآن میں سراسر شریعت رسمی ہی بھری پڑی ہے اور قرآن میں یہ نقص ہے کہ وہ شریعت اخلاقی کو جو ابدی ہے منسوخ بتلاتا ہے۔ الخ۔ چنانچہ پادری صفدر علی نیاز نامہ کے صفحہ ۲۰ سے لے کر ۳۰ تک اس امر میں بڑی قابلیت جتلا رہے اور قرآن مجید پر منہ آرہے ہیں۔ لیکن پادریوں کا اس بارے میں ایسا ناطقہ بند ہے کہ اگرچہ بہت کچھ کرتے ہیں مگر کوئی بات نہیں بن آتی کیونکہ یہاں چند امر ہیں۔

(۱) تو بقول حضرت مسیح علیہ السلام آسمان وزمین ٹل جائیں گے مگر یہ باتیں نہ ٹلیں گی (مرقس باب ۱۳) پھر انجیل متی میں پانچویں باب کی آیت ۱۷ ہے: یہ خیال مت کرو کہ میں توراۃ یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان وزمین نہ ٹل جائیں۔ ایک نقطہ یا شوشہ توراۃ کا ہرگز نہ مٹے گا۔ اخلاقی اور رسمی کی اس میں کوئی تمیز نہیں، پس جب رسمی کو بھی نہ مانا تو شوشہ کیا بلکہ ورق کے ورق اور باب کے باب ٹل گئے۔

(۲) نیاز نامہ کے صفحہ ۲۱ میں اول یہ اقرار کرنا کہ وہ قدوس سبحان اپنی اس ذاتی پاکی ونیکی وخوبی کے اقتضاء سے اپنی تمیز دار مخلوق کو ان اعمال وافعال کے کرنے کا حکم دیتا ہے کہ جو بذاتہ نیک ہیں اور ان سے منع کرتا ہے جو بذاتہ بد ہیں۔ الخ پھر رسمی شریعت بنانے کے لئے یہ کہنا صفحہ ۲۳ اب باقی رہے وہ افعال جو از خود نہ برے ہیں نہ بھلے، اجتماع النقیضین ہے کہ جس کا کوئی عاقل قائل نہیں، اس کے بعد یہ نتیجہ نکالنا۔ قولہ: صفحہ ۲۵ لہٰذا جو کچھ خدا تعالیٰ نے بنایا ہے اور پیدا کیا ہے، وہ بذاتہ ناپاک نہیں ہوسکتا ہے۔ ہر چہ از غیب است بے عیب است، عیسائیوں کے لئے گوہ اور موت اور تمام نجاسات کو پاک قرار دینا ہے۔ دوم توراۃ، سفر احبار، باب ۱۱ کے مخالف ہے کیونکہ اس میں بہت سی چیزوں کو ناپاک لکھا ہے اور یہ بھی سہی کہ یہ چیزیں از خود ناپاک نہیں، حکم الٰہی سے ہیں۔ مگر باوجودیکہ ان کی ناپاکی حکم الٰہی سے بیان ہو چکی، پھر ان کو شریعت رسمی کہہ کے پاک کرنا، توراۃ، کو منسوخ کرنا اور آسمانی بادشاہت میں سب چھوٹا کہلانا ہے۔ (متی، باب ۵)

(۳) رسمی کے علاوہ اخلاقی شریعت کو بھی تو منسوخ کر ڈالا اور اس کے ابدی ہونے کا کچھ خیال نہ کیا کیونکہ حسب بیان مصنف نیاز نامہ صفحہ ۲۵ رسمی شریعت کو ماکولات اور مشروبات میں منحصر کیا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ کو خود اخلاقی شریعت قرار دیا ہے، حالانکہ ان میں سے کسی کی پابندی بھی نصاریٰ کے نزدیک فرض نہیں۔ پھر اب وہ کون سی بات شریعت کی باقی رہ گئی ہے کہ جس کو اخلاقی اور باطنی کہہ کے پادری صاحب پابند شرع کہلائیں گے؟ کیونکہ اناجیل مروجہ میں تو پولوس نے صاف یہ کہہ دیا کہ پرانا حکم اس لئے کمزور اور بے فائدہ تھا، اٹھ گیا (عبرانیوں کا باب ۷، آیت ۱۸) اور اس پر طرہ یہ کہ بلالحاظ اخلاقی ورسمی شریعت پر عمل کرنے سے منع کر دیا اور جوش میں آکر بڑا لفظ بھی بول دیا۔ پھر اب کس منہ سے صفدر علی قرآن پر معترض ہے کہ اس نے نسخ احکام کا دعویٰ کیوں کیا؟ مگر شاید پادری صاحب نسخ کی جگہ لفظ تکمیل بول کر خلاصی چاہتے ہیں، سو یہ ناممکن ہے۔ لفظ بدلنے سے کام نہیں چلتا۔

(۴) قرآن کے جملہ احکام کو رسمی شریعت کہنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ پادری صاحب کو علم نہیں۔ کاش! ہماری کتاب ہی دیکھ لیتے یا محض تجاہل عارفانہ اور تعصب جاہلانہ ہے ورنہ جس قدر احکام کہ ہم نے گنوائے، حسب قرارداد صفدر علی سب اخلاقی ہیں۔ اے عیسائیو! تعصب کو دور کرو اور راہ حق پر آجاؤ ابدی جہنم سے بچو۔

**خدا تعالیٰ نے دین میں فطرت کا لحاظ رکھا ہے:**...... واضح ہو کہ ان احکام کے جاری کرنے میں خدا تعالیٰ نے فطرت کا لحاظ

رکھا ہے۔ پس جو جو باتیں لوگوں میں فطرت اور طریقہ نبوت کے موافق تھیں۔ ان کو قائم رکھا بلکہ ان کی فضیلت بیان کر دی اور جہاں کہیں کچھ کمی زیادتی تھی، اس کو متغیر کر کے اصلی حالت پر کر دیا اور جو احکام بالکل خلاف فطرت تھے، ان کو مٹا دیا اور آپ پیشتر یہ تو جان چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام محض اس لئے دنیا میں بھیجے جایا کرتے ہیں کہ وہ ان امور خلاف فطرت کو کہ جو لوگوں میں رواج پا گئے ہوں، مٹا دیں اور فطرت خوابیدہ کو جگا دیں اور چونکہ فطرت سب انسانوں کی ایک ہے اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام کے اصول ⭘ شریعت بھی ایک ہیں کما مر۔ ہاں بلحاظ ازمان واشخاص بعض امور جزئیہ کو انبیاء علیہم السلام ضرور بدلتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ عرب کی اصلاح آنحضرت ﷺ سے کرے اور پھر تمام عالم کی اصلاح عرب سے کرے، پس اس لئے ضروری ہوا کہ آپ ﷺ کی بعض شریعت کا مادہ رسوم وعادات عرب پر مشتمل ہو۔ جس قدر غور سے آپ حضور اکرم ﷺ کی شریعت اور عادات عرب کو دیکھیں گے تو ہر ہر حکم کے لئے ایک علت اور مصلحت ضرور پائیں گے کہ جس پر حکم کا مدار ہے۔ یہ بحث اصول فقہ میں خوب کی گئی ہے۔ لیکن ان علل پر احکام کا مبنی کرنا کہ جس کو قیاس کہتے ہیں، مجتہد کا حصہ ہے اور ان احکام کے بیان کرنے میں بھی وہی دستور عرب مدنظر رکھا کہ مختلف سورتوں میں اجمالی وتفصیل سے احکام کو بیان کیا۔ چنانچہ صوم کو سورۂ بقرہ میں اور حج کو سورۂ بقرہ اور حج میں اور جہاد کو سورۂ بقرہ اور انفال اور دیگر مواضع میں اور حدود کو مائدہ اور نور میں اور میراث اور نکاح کو اور طلاق کو سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں اور طلاق وغیرہ میں ذکر کیا اور متون کے مؤلفین کی طرز کو اختیار نہ کیا کہ باب یا فصل مقرر کر کے علی الترتیب احکام بیان کرتا اور احکام میں حدود جامعہ ومانعہ ذکر کرتا بلکہ ان باتوں کو اہل زبان کے عرف پر چھوڑ دیا۔ مثلاً: یہ کہہ دیا کہ چور کے ہاتھ کاٹے جائیں اور زانی پر درے مارے جائیں اور مسافر نماز میں قصر کرے، لیکن چور کی تعریف جامع مانع اور زنا کی تعریف اور سفر کی تعریف نہ بیان کی بلکہ ان سے وہی معنی مراد رکھے کہ جن کو اس وقت کے عرب العرباء سمجھتے تھے، گو بعد میں فقہاء نے تتبع کر کے ان امور کے حدود بیان کر دیئے ہیں۔ علاوہ ان علوم خمسہ کے اور بھی بیشمار علوم قرآن میں ہیں کہ جن کی طرف اجمالاً اشارہ کیا گیا ہے۔

**فصاحتِ قرآن:**...... واضح ہو کہ قرآن مجید عرب کی نہایت فصیح وبلیغ زبان میں نازل ہوا کہ جس کا مثل بنانا طاقتِ بشریہ سے باہر ہے۔ اس وقت کے تمام عرب العرباء اس کی بلاغت وفصاحت کے آگے عاجز آ گئے تھے۔ مقابلہ حروف سے مقاتلہ سیوف ان کے نزدیک آسان تھا حالانکہ وہ لوگ اسباب فصاحت وبلاغت میں آنحضرت ﷺ سے کسی طرح کم نہ تھے کیونکہ جہاں کے آپ ﷺ رہنے والے تھے، وہیں کے وہ بھی۔ پھر ایک نہیں بلکہ مجتمع ہو کر بھی اس کا مثل نہ بنا سکے اور ایک سورۃ کا دسواں حصہ بھی نہ لا سکے، باوجود یکہ ان کو عار لا کر کہا جاتا تھا کہ ''فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ'' اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے اور کیونکر اتفاق نہ ہو حالانکہ اعجاز قرآن بدلائل واثقہ وبہ براہینِ قاطعہ ثابت ہے۔

**دلیلِ اول:**...... منجملہ دلائل کے اول یہ ہے کہ قرآن میں حکمت عملیہ وحکمت نظریہ کو بتامہا اس خوبی سے بیان کیا جاتا ہے کہ جس کو ایک بڑے سے بڑا حکیم یا فلاسفر اور ایک چرانے والا جنگلی کہ جس کو علوم حکمیہ سے ذرا بھی مس نہ ہو برابر سمجھتے ہیں؛ اول تو اتنے علوم کا ایک

---

⭘ پادریوں کا یہ اعتراض (کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی شریعت کو یہود کے احکام تورات سے لیکر اور مجوس کے احکام سے اور قدیم عرب کے اطوار عادات سے لے کر مرتب کیا ہے۔ جو باتیں یہودیوں میں اور مجوس سے قبول کیں ان کو لے لیا اور باقی کو چھوڑ دیا جیسا کہ میزان الحق وغیرہ کتب میں مذکور ہے) پادریوں کی جہالت پر دلیل قوی ہے کیونکہ یہی تو وجہ آپ ﷺ کے من اللہ ہونے کی ہے کہ جو امور موافق فطرت سلیمہ کے تھے خواہ ان کا کوئی پابند ہو اور کسی کتاب میں ہوں، ان کو آپ ﷺ نے قائم رکھا اور جب یہود اور مجوس اور عرب کا ایک ہی خدا ہے اور ایک ہی فطرت ہے تو پھر ایک بات میں ان کی مخالفت کرنا تھا۔ معترض کے ہاتھ سے رستگاری مشکل ہے۔ جب فطری باتوں میں آپ توراۃ وغیرہ کے موافق ہیں تو یوں کہا اور اگر مخالف ہوتے تو یہ کہہ دیتے کہ عجب نبی ہے، دنیا سے نرالی وہ باتیں اپنی شریعت میں رکھی ہیں کہ جن کو کسی عقل سلیم بھی نہیں قبول کرتی۔ منہ

کتاب میں جمع کرنا کہ جس کا مثل آج تک کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ دوم ایسے شخص کا جمع کرنا کہ جو ایسے وحشی ملک کا رہنے والا ہو کہ جہاں سوائے کشت وخون اور چوری وزنا وبت پرستی کے نہ کسی علم کا گزر ہو نہ کسی ہنر کا اور نہ اس نے کسی کی تعلیم پائی ہو اور نہ اچھی طرح ماں باپ کی تربیت نصیب ہوئی ہو۔ باوجود اس کے وہ شخص نہ علوم وفنون وشعر وشاعری کا مشاق ہو نہ کبھی کسی نے ان میں مصروف دیکھا ہو بلکہ ہمہ وقت عبادت الٰہی میں مستغرق رہتا ہو اور علاوہ اس کے صدہا نہیں بلکہ ہزارہا دنیاوی مصائب اور دل خراش باتیں اس کو ہر دم پیش آتی ہوں۔ سوم پھر اس خوبی اور اس اسلوب سے جمع کرنا کہ جس کو تمام نفوس نہایت عمدہ طور پر قبول کرتے ہوں، مضامین درد انگیز اور شیریں عبارت پر ہر وحشی بھی دیوانہ اور شمع کا پروانہ ہو۔ البتہ مردہ کو زندہ کرنے سے بڑھ کر ہے بلکہ ہزار درجہ بڑھ کر کیونکہ مردہ کو زندہ کرنے میں تو ڈھڈ بندی اور شعبدہ بازی یا کسی فریب یا اثر دواء یا سکتہ وغیرہ امراض کا بھی احتمال ہو سکتا ہے اور یہاں تو ان احتمالات کو دخل بھی نہیں پس معجزہ ہونا بخوبی ثابت ہوا کیونکہ معجزہ اس امر خارق عادت کو کہتے ہیں کہ جو مدعیٔ نبوت سے ظاہر ہو اور جس کا مثل مقابل نہ لا سکے۔ سو یہ سب باتیں قرآن پر بدرجہ اتم صادق آتی ہیں، کما لا یخفی۔

**دلیلِ دوم:**...... دوسری دلیل قرآن باعتبار خوبی مضامین وعبارت کے یا تو انسانوں کے کلام سے اس قدر زائد ہے کہ عادتاً اس قدر زائد ایک کلام دوسرے سے نہیں ہوتا یا مساوی یا زائد بقدر معتاد یا کم۔ چوتھی شق تو بدیہی البطلان ہے، دوسری اور تیسری شق میں بھی مدعا ثابت ہے کیونکہ جب قرآن لوگوں کے کلام کے مساوی یا زائد بقدر معتاد تھا اور پھر ایک ایک کیا بلکہ سب سے مل کر بھی باوجود توافرِ دواعی اور کثرتِ تحدی کے قرآن کی ایک سورۃ کی مانند بھی نہ بن سکے تو یہ خارق عادت ہے اور جو امر خارق عادت مدعیٔ نبوت سے ظاہر ہو وہ معجزہ ہے، سو یہ بھی معجزہ ہے اور شق اول پر تو مدعا بالکل ظاہر ہے کیونکہ جب ایک شخص کا کلام تمام لوگوں سے خلاف عادت زائد ہو تو حد اعجاز میں داخل ہے۔

**دلیلِ سوم:**...... تیسری دلیل قرآن کا مثل بنانا لوگوں سے بوقت معارضہ ممکن تھا یا نہیں۔ اگر ممکن نہ تھا تو مدعا ثابت ہے کیونکہ انسانوں میں سے ایک کلام اس قدر بلیغ ہونا کہ اس کا مثل لوگوں سے ممکن نہ ہو، خارق عادت ہے اور جو خارق عادت مدعیٔ نبوت سے سرزد ہو، معجزہ ہے۔ پس قرآن معجزہ ہے اور اگر ممکن تھا، پس باوجود امکان اور عار دلانے کے اس کا نظیر وقوع میں نہ آنا اول سے بھی خارق عادت ہے پس قرآن معجزہ ہے ''وذلک ما اردناہ'' علاوہ ان دلائل کے اور بھی دلائل اعجاز قرآن پر ہیں مگر یہاں سب کی گنجائش نہ تھی اس لئے انہیں پر بس کیا۔

**فائدہ:**...... معجزہ اس امر خارق عادت کو کہتے ہیں کہ جو مدعیٔ نبوت سے سرزد ہو اور خارق عادت وہ فعل ہے کہ جو اسباب پر مبنی نہ ہو اور عادتاً وقوع میں نہ آتا ہو، خواہ یہ فعل ہوا پر اڑنا ہو، خواہ سیر آدھ سیر پانی سے لشکر کو سیراب کر دینا، خواہ درختوں سے کلام کرنا اور انکو بلانا، خواہ مردے کو زندہ کرنا، خواہ کوئی کلام ہو اور اگرچہ آنحضرت ﷺ کے بے شمار معجزات ہیں کہ جن کو ان ثقات نے روایت کیا ہے کہ جو تورات وانجیل کے رواۃ سے ہزار درجہ قوی ہیں اور خود قرآن میں بھی مذکور ہیں۔ پس بعض ناسمجھوں کا یہ کہنا (کہ ہم حدیث کو نہیں مانتے، قرآن میں کل معجزات کیوں مذکور نہیں اور جس طرح ہم عیسائی انجیل میں معجزات مسیح علیہ السلام دکھاتے ہیں، تم قرآن میں دکھاؤ) محض دھوکا ہے کیونکہ اول تو قرآن مجید آنحضرت ﷺ کے وقائع عمری کی کوئی تاریخ نہیں کہ اس میں بضمن احوال آنحضرت ﷺ معجزات کا مذکور ہونا بھی ضروری ہوتا، دوم با ایں ہمہ بطریق امتنان پھر بھی قرآن میں جو معجزات مذکور ہیں کما سیظہر لک اور یہ توراۃ واناجیل اربعہ اصل انجیل وتورات سے منزل علی موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام نہیں بلکہ حسب اقرار علماء اہل کتاب، تاریخ اور روزنامچہ ہیں کہ جن میں بہت عرصہ بعد انبیاء علیہم السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کے احوال کو ابتداء سے انتہا تک معتبر اور غیر معتبر رواۃ سے بلا سند متصل مجہول لوگوں نے نقل کیا ہے، بخلاف احادیث صحیحہ کے کہ ان کو نہایت احتیاط اور سند متصل سے جمع کیا ہے، پھر ان احادیث کو غیر معتبر اور ان کتب تاریخ کو معتبر کہنا اگر اس لئے ہے کہ

ان کتب کو مجازاً توراۃ و انجیل کہتے ہیں، کتب احادیث کو قرآن نہیں کہتے تو یہ بچوں کی سی باتیں ہیں۔

**ترجیح اعجاز قرآن:**......لیکن قرآن مجید کا معجزہ جمیع معجزات سے افضل ہے (۱) اس لئے کہ اور معجزات ایک طرفۃ العین میں واقع ہو کر پھر محض حکایات ہی حکایات رہ جاتے ہیں، پس اس سے جو تصدیق کامل حاصل ہوگی تو خاص ان کو جنہوں نے ان کا مشاہدہ کیا ہے اور باقی سننے والے کی نسبت تو بحکم ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ ویسا اثر نہیں بخشا بلکہ بسا اوقات رواۃ پر لحاظ کر کے دل میں کچھ اور ہی خیال آجاتا ہے، بخلاف قرآن مجید کے کہ یہ معجزہ وقت نزول سے قیامت تک باقی ہے۔ جو ذوق سلیم بھی نہیں رکھتا اور عبارت عربیہ کے لطف سے بھی واقف نہیں، وہ بھی مضامین کی خوبی پر عش عش کر جاتا ہے اور جو ایسا ہی کوئی کوڑھ مغز اور بھدی سمجھ کا ہو تو اس کا کیا ذکر ہے۔ (۲) اور معجزات سے محض تصدیق نبی کا فائدہ ہوتا ہے، بخلاف قرآن کے کہ اس میں دونوں باتیں ہیں، تصدیق نبوت اور قانون ہدایت۔ (۳) ہر نبی کو اکثر وہ معجزات عطا ہوتے ہیں کہ جن کا اس زمانہ میں چرچا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں سحر کا زور تھا، ان کو ید بیضا اور عصا ملا کہ جس سے تمام جادوگروں کا ناطقہ بند ہو گیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں جالینوس کی طب کا بڑا چرچا تھا۔ ان کو مردہ کو زندہ کرنے اور بیمار کو تندرست کرنے کا معجزہ ملا کہ جس سے اطباء عاجز آ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عرب کے لوگ فصاحت و بلاغت اور شعر گوئی میں عجب ید طولیٰ رکھتے تھے، اچھے فقروں پر عرب کو وجد ❶ آتا تھا، پس اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کتاب ملی کہ جس سے تمام عرب حیرت میں آ گئے اور سحر مبین کہنے لگے۔ پس جس طرح بلاغت کو عموماً عرب جانتے تھے، اسی طرح اعجاز قرآن بھی عموماً متحقق ہوا، بخلاف مریض کو اچھا کرنے اور مردوں کو جلانے کے کیونکہ تحقیقاً اس پر طبیب وغیرہ حذاق ایمان لا سکتے ہیں ورنہ عموماً جہلاء کے پاس کوئی دلیل فاروق معجزہ اور نظر بندی میں بجز اپنے اعتقاد کے اور کچھ نہیں۔ وتأمل جدًا۔

**وجہ اعجاز:**......تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے لیکن وجہ اعجاز ہر ایک محقق کے نزدیک جداگانہ ہے مگر جمہور بلاغت قرار دیتے ہیں۔ کوئی مضامین کی خوبی، کوئی پند و نصائح کا اثر حد سے افزوں، کوئی اخبار عن المغیبات، کوئی تزکیہ روح، کوئی حالت غضب و رحم و سخاوت و کفایت شعاری وغیرہ صفات متضادہ میں استقامت کہتا ہے۔ مگر یہ نزاع لفظی ہے کیونکہ جو ایک چیز کا مقر ہے، دوسرا اس کا انکار بھی نہیں کرتا اور جو ایک آدھ کم عقل نے کیا بھی تو وہ کس شمار اور کس قطار میں ہے؟ جیسا کہ نظام معتزلی، وہ کہتا ہے: اگر نفس عبارت قرآن پر لحاظ کیا جائے تو ویسی عبارت ممکن ہے مگر جب معانی اور نفیس مطالب بھی اس کے ساتھ لحاظ کئے جائیں تب ممکن نہیں ہے۔ کیا سید احمد خان صاحب کے انکار ملائکہ و معجزات سے اس امر پر اجماع امت میں کچھ فرق آ سکتا ہے؟ پس حق یہ ہے کہ قرآن کا اعجاز بجمیع وجوہ مذکور ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی کسی وجہ کو، کوئی کسی اور کو ترجیح دیتا ہے ع وللناس فیما یعشقون مذاھب اب میں قبل اس کے کہ کسی قدر بلاغت قرآن بیان کروں، اس کے مضامین کی نسبت عرض کرتا ہوں۔ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں کہ جس میں ان عمدہ خوبیوں میں سے کوئی نہ ہو۔

**قرآن سمندر بے کنارہ ہے:**......(۱) صفات الٰہیہ مثلاً اس کا رحیم و کریم اوّل ازلی ابدی و غفور و قادر و حلیم علیم و حکیم عادل و قدوس و حی

---

❶ مروی ہے کہ جب لبید بن مغیرہ نے یہ آیت سنی "اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الآیة تو کہا" واللہ ان لہ لحلاوۃ و ان علیہ لطلاوۃ"۔ مروی ہے کہ ایام حج میں کفار قریش نے ایک مجلس اس لئے منعقد کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جادوگر یا شاعر ایک بات مقرر کی جائے۔ جب عرب کے قافلے حج کے لئے آئیں تو راستوں پر لوگ بیٹھ جائیں اور یہ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ سننا۔ پس بعض نے کہا اس کو جادوگر کہو؛۔ اس بات کو انجمن نے رد کر دیا اور کہا: کوئی بات سحر کی اس میں نہیں۔ بعض نے کہا: شاعر کہو۔ انجمن بول اٹھے کہ اس کا کلام شعر بھی نہیں، شعر میں یہ خوبی کہاں؟ پس کسی نے کاہن کہا، اس فن کے لوگ بول اٹھے کہ نہ وہ جھاڑ پھونک کرتا ہے نہ تعویذ گنڈا۔ الغرض اس کلام کی خوبی سے سب حیران تھے۔ مروی ہے کہ کسی شاعر نے خانہ کعبہ پر کچھ قصائد لکھوا کر لٹکا دیئے تھے، پس سورۂ کوثر نازل ہوئی تو سن کر حیران ہو گئے اور ان کو اتار کر پھینکا۔ ایک عرب نے یہ آیت سنی "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" سن کر سجدہ میں گرا اور کہا: میں اس کی فصاحت پر سجدہ کرتا ہوں۔ منہ۔

ذمیت و معزز و مذل ہونا (۲) خدا تعالیٰ کا جمیع نقائص اور عیوب سے پاک ہونا جیسا کہ حدوث و عجز و جہل و ظلم وغیرہ (۳) توحید خالص کی طرف بلانا اور شرک اور اس کی شاخ تثلیث کو مٹانا (۴) انبیاء علیہم السلام کا اس طرح ذکر کرنا کہ جو لوگوں کو نیک چلنی کی طرف داعی ہو، نہ یہ کہ اس کی برائیاں ❶ بیان ہوں کہ جس سے گمراہی پر لوگوں کو جرأت ہو (۵) ملائکہ کا مخلوقِ الٰہی ہونا اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اور عبادت کرنا (۶) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کی مدح (۷) منکروں کی برائی (۸) اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام اور روز حساب پر ایمان لانے کی تاکید (۹) یہ وعدہ کہ انجام کار ایمان والے بے ایمانوں پر غالب رہیں گے (۱۰) قیامت اور جزاء اعمال کا بیان (۱۱) جنت و دوزخ کا ذکر (۱۲) دنیا کی برائی اور بے ثباتی (۱۳) عقبیٰ اور اس کے ثبات کی مدح (۱۴) اشیاء کی حلت و حرمت (۱۵) احکام تدبیر المنزل کا بیان (۱۶) احکام سیاست مدن کا بیان (۱۷) تہذیب الاخلاق کی تعلیم اور مکارم الاخلاق کی خوبی (۱۸) محبتِ الٰہی اور اس کے پاک لوگوں کے ساتھ محبت کرنے کی ترغیب (۱۹) ان امور کا بیان کہ جو خدا تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ اور اس کی خوشنودی کا باعث ہیں (۲۰) فجار اور فساق کی صحبت سے حذر (۲۱) عباداتِ بدنیہ اور مالیہ میں خلوصِ نیت کی تاکید (۲۲) ریاکاری اور دکھلاوے کی عبادت کی مذمت (۲۳) اخلاقِ ذمیمہ پر تہدید (۲۴) بری باتوں کے ترک کرنے کی تاکید جیسا کہ غضب اور تکبر اور بخل اور جبن اور ظلم وغیرہ (۲۵) احکامِ شرعیہ کا بیان (۲۶) ذکر الٰہی کی ترغیب (۲۷) زمین و آسمان میں اپنے آثارِ قدرت و جبروت کا بیان (۲۸) عالمِ کبیر و عالمِ صغیر میں غور اور تامل کرنے کا حکم (۲۹) اگلے لوگوں کے سچے سچے واقعات کہ جن کے سننے سے انسان کے دل پر خدا تعالیٰ کے غضب سے ڈر اور رحمت کی امید پیدا ہو (۳۰) یہ بات کہ اس عالم کی جس قدر مخلوقات ہیں، سب کا وجود ظلی اس کی طرف سے آیا ہے اور پھر اسی کی طرف لوٹ جائے گا۔ علاوہ ان کے اور بھی بہت سے عمدہ عمدہ مضامین قرآن میں ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں اور اسی لئے قرآن کو دریائے بے کنار کہا گیا ہے اور اس کے لئے ظہر اور بطن آیا ہے۔ اب منصف غور کرے کہ اس قدر مضامین کو کہ جن کی خوبی اور ضروری ❷ ہونے میں کسی اہل عقل کو کلام نہیں، قرآن نے کس بلاغت و فصاحت سے ادا کیا۔

**ادبی خوبی:**......(۱) تو وہ مفردات الفاظ اپنے کلام میں لایا کہ جو غرابت ❸ اور تنافر حروف اور مخالفت قیاس سے بری ہیں اور پھر مجموعہ

---

❶......بخلاف عہد عتیق کے کہ اس میں انبیاء علیہم السلام کا زنا کرنا وغیرہ باتیں مذکور ہیں۔ منہ۔

❷......اب میں پادری عماد الدین وغیرہ متعصب لوگوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ سے ڈر کر کہو کہ اس تعلیم محمدی میں کونسی بات قابل اعتراض ہے؟ پھر آپ صاحبوں نے بندگان خدا کو گمراہ کرنے کے لئے ہدایت المسلمین اور تعلیم محمدی و میزان الحق وغیرہ کتابوں میں جزء کے جزء کیوں سیاہ کئے ہیں اور لوگوں کو دھوکے کیوں دیئے ہیں؟ کیا ان چپڑی چکنی باتوں سے تعلیم محمدی میں کچھ دھبہ لگ سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ ہاں اگر آپ کو اس وقت کے مسلمانوں کے خلاف سنت رسم و رواج پر اعتراض ہے تو بجا ہے مگر اس سے آپ صاحب بھی بری نہیں اور اسی طرح میں "عدم ضرورت" کتاب کے مؤلف سے عرض کرتا ہوں کہ پادری صاحب! آپ کو قرآن اور بائبل کا موازنہ کرنا تھا تو ایک کالم میں ان مضامین قرآن کو لانا تھا اور دوسرے میں ان کے مقابل بائبل سے مضامین لکھتے تب آپ کو ضرورت قرآن معلوم ہوتی۔ آپ نے تورات و انجیل کا مقابلہ کیوں نہ کیا؟ یہود کے نزدیک انجیل کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ تمام بائبل میں صرف مسیح علیہ السلام کی سوانح عمری کے سوا اگر کوئی اپنی ماں سے زنا کرے تو اس کی سزا کا بھی حکم نہیں، پھر تعجب ہے کہ کس بے شرمی سے قرآن کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ منہ حقانی)۔ ❸...... اگر کوئی کہے کہ موافق بیان، تفسیر اتقان کے قرآن مجید میں علاوہ زبان حجاز عرب کے اور غیر زبانوں کے بھی بہت سے الفاظ آئے ہیں پھر غرابت سے کیونکر قرآن بری ہوسکتا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ غیر زبانوں کے الفاظ مستعمل ہونے کی صورتیں ہیں: اول یہ کہ وہ الفاظ اس زبان میں مستعمل نہ ہوں۔ اول صورت میں تو بلاشک غرابت ہے اور دوسری میں غرابت نہیں بلکہ عین فصاحت ہے مثلاً: ہماری اردو زبان میں جو الفاظ انگریزی مثلاً: لیپ و پریس وغیرہ مستعمل ہیں، اگر کوئی دہلی کا فصیح ان کو اپنے کلام میں لائے گا تو ہرگز اس کی فصاحت میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ بلکہ بڑا فصیح گنا جائے گا۔ ہاں اگر غیر مستعمل لفظ بولے گا تو اس کے کلام میں نقص ہوگا۔ پس قرآن مجید میں جس قدر الفاظ غیر زبانوں کے وارد ہیں، وہ ہیں کہ جو عرب کے نزدیک مروج اور مستعمل تھے کیونکہ ان الفاظ پر کبھی کوئی اہل زبان نہ چونکا، نہ کسی کو اس کے معانی دریافت کرنے کی ضرورت پڑی۔ پادری عماد الدین نے تھوڑی سی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کلام کو ضعف تالیف اور تنافر کلمات اور تعقید لفظی و معنی سے بچایا۔

(۲) کلام کو مقتضائے حال کے مطابق کیا یعنی جہاں تقدیم مسند الیہ کا موقع تھا وہاں تقدیم کی' جہاں تاخیر کا مقام تھا تاخیر کی۔ جس قدر جہاں مطلوب تھی' وہاں اسی قدر تاکید کی۔ جہاں وصل کا موقع تھا' وہاں وصل کیا اور جہاں فصل کا مقام تھا' فصل کیا۔ جہاں نکرہ لانے کا موقع تھا' نکرہ لایا اور جہاں معرفہ لانے کی جگہ تھی' وہاں معرفہ کا استعمال کیا۔ اسناد حقیقی کے موقع پر اسناد حقیقی اور مجازی کے موقع پر مجازی۔ قصر جس درجہ کی مطلوب تھی' وہاں اسی درجہ کی قصر انما وغیرہ ادوات قصر سے کی۔ جہاں مفعول ظاہر کرنے کا موقع تھا' وہاں مفعول ظاہر کیا اور جہاں ترک کا موقع تھا' ترک کر کے فعل کو عام یا لازمی کیسا بنا دیا۔ جہاں ایجاز مطلوب تھا' ایجاز اور جہاں اطناب مقصود تھا' وہاں اطناب اور مساوات کی جگہ مساوات کی رعایت رکھی۔

**اعجاز قرآنی کی ایک حسی مثال:**......اب ہم ایجاز کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ عرب میں قصاص کے بارے یہ قول مشہور تھا: القتل انفی للقتل اس کی جگہ قرآن میں یہ نازل ہوا: فی القصاص حیوۃ۔ اب دیکھئے یہ کلام' پہلے کلام سے چند وجوہ بڑھ کر ہے (۱) تو باوجود مقصود پورا ادا کرنے کے اس کے حرف کم ہیں کیونکہ اس کے گیارہ حروف ہیں اور اس کے حروف بلفوظہ چودہ ہیں (۲) اس میں مقصود اصلی (قصاص سے لوگوں کی زندگی) کی تصریح ہے' اُس میں نہیں (۳) حیوۃ کی تنوین میں تعظیم پائی جاتی ہے یعنی قصاص سے تمہارے لئے بڑی زندگانی حاصل ہوتی ہے کیونکہ جب قصاص جاری ہوگا تو کوئی کسی کو نہ مارے گا ورنہ ایک شخص کو مثلاً: کوئی

---

(باقی حاشیہ گذشتہ صفحہ سے آگے)......تنخواہ مشن کے لئے پادریوں میں بڑی قابلیت جتلائی ہے اور ہدایت المسلمین میں چند فصول رد قرآن میں لکھی ہیں۔ فصل اول جو صفحہ ۳۰۲ سے صفحہ ۳۱۲ تک ہے، اس میں کسی قدر بے تک مختصر المعانی کی عبارت فصاحت و بلاغت میں لکھ کر ترجمہ کیا ہے اور چند لغو باتیں بھی کہی ہیں (۱) صفحہ ۳۱۲ میں لکھا ہے۔ قولہ: بعضے محمدی علماء نے بھی مثل مزدار و معمر اور نظام کے اس کے اعلیٰ درجہ کی فصاحت کا انکار کیا ہے، انتہیٰ۔ یہ بالکل جھوٹ ہے، اگر سچے ہو تو ثابت کرو۔ (۲) یہ کہ فصاحت و بلاغت کے قواعد از خود مسلمانوں نے گھڑ لئے ہیں۔ قرآن کو اشعار عرب سے مقابلہ کر کے دکھاتے تو ہم جانتے۔ اقول: یہ لغو گفتگو ہے۔ اگر آپ کو ان اشعار کا علم نہ ہو تو یہ تمہارا ہی قصور ہے۔ خود اتقان میں ہے کہ عبداللہ بن عباس ؓ نے ان محاورات کے ثبوت میں جاہلیت کے اشعار سند میں پڑھ کر سنائے، اور یہ قواعد تو ایسے ہیں کہ جن کو ہر ذی عقل تسلیم کرتا ہے اور ہر زبان میں جاری ہو سکتے ہیں اور اکثر جاہلیت کے اشعار سے مستنبط ہیں، خود اہل معانی نے ان اشعار کو لکھا ہے۔ علاوہ اس کے اگر ان قواعد میں قصور ہو تو بیان کرو۔ (۳) جہاں اتقان میں علاوہ حجاز عرب کے اور زبانوں کے الفاظ گنوائے ہیں اور ان زبانوں کی تفصیل لکھی ہے، وہاں نہ یہ کہا کہ یہ لفظ غیر مانوسۃ الاستعمال ہیں، نہ ان کو وحشی بتلایا ہے۔ یہ فقط آپ کی چالاکی ہے اور نہ یہ کہا کہ اور زبانیں جناشاہی اور لغو اور بیہودہ ہیں کیونکہ یہ بات کسی زبان کی نسبت نہیں کی جاتی۔ اب میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے جو صفحہ ۳۴۰ تک تفسیر اتقان سے ۱۸۴ لفظ غیر زبانوں کے نقل کئے ہیں اور پھر سخت زبان درازی کی ہے اور قرآن سے مقامات حریری کو بہتر بتلایا ہے، یہ تو فرمایئے کہ اس میں کون سا لفظ غریب ہے اور غریب کے معنی جو اہل معانی نے لکھے ہیں' وهي كون الكلمة وحشية غير ظاهرة المعنى ولا مانوسة الاستعمال '' ان میں کس پر صادق آتے ہیں؟ جب آپ خود اقرار کر چکے ہیں کہ مکہ میں میلہ ہوتا تھا، ہر ملک کے لوگ آتے تھے، یہ لفظ محمد ﷺ نے ان سے سیکھ لئے تھے الخ۔ تو پھر یہ کہاں سے آپ نے ثابت کیا کہ یہ الفاظ خاص محمد ﷺ نے سیکھے تھے؟ بلکہ آپ کے اقرار کے بموجب تو ان کو عام قریش جانتے کیا بلکہ روزمرہ بولتے تھے۔ پس جب کہ یہ مستعمل تھے تو گویا اصل ان کی اور زبانوں سے ہو، ان کے استعمال سے کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ کیا آج انگریزوں کے میل جول سے دہلی لکھنؤ کے فصحاء صدہا الفاظ انگریزی جو کہ مستعمل ہیں، نہیں بولتے؟ تو پھر کیا ان کو گنوار اور جناشاہی بولی کہہ سکتے ہیں؟ انصاف فرمائے اب جب تک آپ ان الفاظ پر غرابت مصطلحہ کے معنی صادق نہ کر دیں، اعتراض نہ کریں۔ مگر ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی چند سبق مختصر المعانی کے پڑھے تھے۔ کج طبعی آپ کی جبلی ہے۔ اصل معنی غرابت کے نہ سمجھے۔ غیر زبان کا ہونا سمجھ بیٹھے اور ایک فصل کی فصل اس بارے میں لکھ دی تا کہ مشن میں تنخواہ میں اضافہ ہو جائے۔ مگر اہل علم میں اپنی قلعی کھلوائی، مدارس کے طلبا بھی آپ کی لیاقت پر ہنستے ہیں۔ اب یہ جس طرح آپ کی فصل کا جواب تحقیقی ہو چکا ہے، آپ کے ہم صفیر ماسٹر رام چندر وغیرہ ناواقفوں کا جواب بھی ہو چکا۔ آپ کو علم نہ تھا، کاش عقل سلیم ہی ہوتی۔ آپ یہ نہ سمجھے کہ اگر یہ الفاظ وحشی وار غیر مانوسۃ الاستعمال ہوتے تو حضرت محمد ﷺ کو جن کی عقل سلیم کے تو جمہور عیسائی بھی مقر ہیں، باوجود دعویٰ فصاحت کے کاہے کو قرآن میں داخل کرتے؟ بھلا کوئی عاقل ایسا کرتا ہے؟ اور اگر یہ تھا تو جب آپ جیسے ہندی نژاد کو یہ نکتہ چینی ممکن ہوئی تو کیا قریش کو نہ ہوتی؟ کوئی کہتا کہ آپ کہاں کے الفاظ بول رہے ہیں؟ ذرا دل میں شرماؤ اور عذاب اخروی سے ڈرو، واللہ الہادی منہ)۔

مارتا اور اس کے بدلے میں قاتل اور اس کے مددگار قتل کئے جاتے۔ اب ایک جماعت قتل سے بچ گئی تو قصاص میں بڑی حیات حاصل ہوئی (۴) یا یہ تنوین نوعیت کا فائدہ دیتی ہے اور وہ یہ کہ قاتل کو قصاص میں مارے جانے سے بسبب باز رہنے کے اور مقتول کو قتل ہونے سے حاصل ہوئی (۵) یہ ہر موقع پر صادق آتا ہے کیونکہ کوئی ایسا قصاص نہیں کہ جس میں حیات نہ ہو بخلاف القتل الخ کے کیونکہ ہر قتل، قتل کو نہیں مٹاتا بلکہ جو قتل ناحق ہے وہ تو اور بھی قتل کی ترغیب دیتا ہے (٦) اس میں لفظ مکرر نہیں (۷) اس میں مقدر اور محذوف کرنے کی ضرورت نہیں (۸) صنعت مطابقت حاصل ہے کیونکہ قصاص اور حیوۃ تقابل ہے اور جمع متقابلین سے صنعت مذکورہ حاصل ہوتی ہے (۹) باوجود ان رعایتوں کلام میں ظہور اور خفاء مراد کا لحاظ کیا' پس کبھی تشبیہ دے کر بیان فرمایا اور تشبیہ میں جہت مشبّہ اور مشبّہ بہ کی پوری رعایت رکھی۔ جہاں زیادہ مبالغہ تشبیہ میں مقصود ہوا' وہاں کاف وکانّ وغیرہا ادوات تشبیہ کو بالکل حذف کر دیا اور جہاں استعارہ کا موقع دیکھا' وہاں استعارہ تخیلیہ یا مکنیہ یا ترشیحیہ کو جیسا جس کا موقع دیکھا' مع قرائن حالیہ ومقالیہ کے ذکر فرمایا اور جہاں کنایہ مناسب جانا' وہاں کنایہ سے کام لیا اور اسی طرح تمثیل کے موقع پر تمثیل کو مع رعایت شرائط ذکر کیا (۱۰) ان سب کی رعایت کے بعد پھر کلام میں ان وجوہ کی رعایت رکھی کہ جس سے کلام میں اور بھی حسن وخوبی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ دو قسمیں ہیں۔

ایک معنویہ' دوم لفظیہ۔ وجوہ معنویہ میں سے (مطابقت اور مراعات النظیر) اور (تشابہ الاطراف) اور ارصاد اور مشاکلت اور عکس اور ایہام اور استخدام اور لف ونشر اور جمع اور تفریق اور جمع مع التفریق اور جمع مع التقسیم اور حسن تعلیل وغیرہ ذالک کو ذکر کیا اور محسنات لفظیہ میں سے تجنیس اور ردّ العجز علی الصدر اور قلب کو کہ جو حروف کو الٹنے سے پھر وہی جملہ مرکب ہو جائے جیسا کہ کُلٌّ فِي فَلَكٍ اور رَبَّكَ فَكَبِّرْ اور لزوم مالا یلزم کو بھی اور وہ یہ ہے کہ حرف روی اور اس کے قائم مقام کے پہلے وہ لایا جائے کہ جس کو لانا کچھ ضروری نہ تھا لیکن کلام کو رونق ہو جاتی ہے جیسا کہ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ اور سجع کو ملحوظ رکھا۔ مگر قرآن میں اس کو فواصل کہتے ہیں اور یہ نثر میں ایسی چیز ہے کہ جیسا نظم میں قافیہ ہوتا ہے (۱۱) ایک ایسی بات کی رعایت رکھی کہ جس کی رعایت کرنا شعراء کو محال کیا بلکہ محال سے بھی بڑھ کر ہے بلکہ کوئی کیسا ہی بلیغ وفصیح کیوں نہ ہو وہ بھی اس کو پورا نہیں کر سکتا چہ جائیکہ جناب رسول اللہ ﷺ کہ جنہوں نے ساری عمر کوئی شعر بھی نہ کہا' نہ شعراء کی جماعت میں بیٹھے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ اسی قادر مطلق کا کلام ہے اور اس بات کے بیان کرنے سے پہلے ہم ایک مقدمہ بیان کرتے ہیں تاکہ یہ بات بخوبی سمجھ میں آ جائے۔

مقدّمہ:...... کل آباد اور شائستہ ملکوں کے رہنے والوں کی ایک جبلی عادت ہے کہ ان کو کلام مسجع اور مقفیٰ میں خواہ وہ نظم ہو خواہ نثر' ایک عجیب لذت اور سرور معلوم ہوتا ہے اور کلام موزوں سے ایک کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ دیکھئے جب ایک کلام (کہ جس کے بعض اجزاء باہم موافق ہوتے ہیں) مخاطب سنتا ہے تو کس قدر محظوظ ہوتا ہے اور جب دوسری بیت اسی طرح کی اس کے کان میں پڑتی ہے تو اور بھی لذت آتی ہے اور جب تیسری بیت سنتا ہے کہ جو دونوں قافیہ میں شریک ہے تو اور بھی دل خوش ہوتا ہے (شاید پادریوں کو مزہ نہ معلوم ہوتا ہو) پس اس قدر میں تو عرب وعجم وہند وانگریز سب شریک ہیں مگر بیت کے توافق اجزاء اور قافیہ میں اختلاف ہے۔ پس عرب نے تو وہ قانون اختیار کیا کہ جس کو خلیل نے وضع کیا ہے کہ مستفعلن کی جگہ مفاعلن ومفتعلن قائم کر کے اور فاعلاتن اور فاعلتن کو ایک ہی قاعدہ پر سمجھتے ہیں اور حشو میں بہت سے زحافات جائز رکھتے ہیں۔ بخلاف شعرء ایران کے کہ ان کے نزدیک زحاف مکروہ ہے اور اسی طرح عرب کے نزدیک اگر ایک بیت میں قافیہ قبور ہے تو دوسری میں منیر درست ہے اور اسی طرح ایک کلمہ کا ایک حرف ایک مصرع میں اور باقی دوسرے مصرع میں جائز رکھتے ہیں' وقس علی ھذا اور اہل ہند کے نزدیک اشعار حروف کا شمار برابر ہونا چاہیے' باقی حرکت وسکون کی

موافقت کچھ ضروری نہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں میں دونوں مصرعوں کے حروف میں برابری بھی کوئی شرط نہیں۔ جس نے انگریزی کے اشعار اور بدوؤں تعزیدات اور ہندستان میں دیہاتیوں کی نظم اور دھوبی سقوں کے کھنڈ سنے ہوں گے وہ اس بات سے بخوبی ماہر ہوگا ❶ اور کلغی اور طرہ والوں کی مرہٹی اور خیال اسی قسم کے ہیں۔ الغرض ہر ایک قوم اور ہر ایک زمانہ میں ایک قاعدہ خاص ہے کہ جس کی رعایت رکھنے سے ان لوگوں کو کلام میں لذت حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح کہ راگ میں آواز موزوں سے ہر ایک قوم لذت پانے پر متفق ہے باقی راگ اور راگنیوں اور سروں کے قاعدے ہر ایک قوم کے اپنے اپنے مذاق پر الگ الگ ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ کلام کی موزونیت پر تمام متفق ہیں اور اتفاق ایک تخمینی اور انتزاعی امر میں ہے کہ جو سب سے بحذف مشخصات حاصل ہوتا ہے جس طرح کہ تمام آدمیوں کی صورتیں مختلف ہیں اور نہایت فرق ہے مگر پھر سب ایک امر خاص میں شریک ہیں کہ جس کو انسانیت کہنا چاہئے۔

**قرآن مجید میں عالم گیریت ملحوظ ہے:**...... پس جب آپ کو یہ معلوم ہو چکا تو اب ہم وہ بات بتلاتے ہیں کہ جس کی خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں رعایت رکھی ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کو یہ مقصود تھا کہ اپنے بندوں سے اس طرح کلام کرے کہ جس سے ان کو لذت آئے اور چونکہ یہ کتاب تمام جہاں کے لئے بھیجی گئی ہے اور اولاً بالذات عرب مخاطب بنائے گئے ہیں اس لئے ان کی زبان تو عربی رکھی مگر اس کی موزونیت میں تمام جہان کی طبائع کی رعایت رکھی یعنی اس امر مطلق کی رعایت رکھی کہ جو سب میں مشترک ہے اور وہ قاعدہ جاری کیا کہ جو ہر زمانہ میں ہر قوم کے ذوق سلیم سے مناسبت رکھتا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ تمام بنی آدم کی جبلی عادت ہے کہ چند کلمات کے بعد دَم ٹوٹ جاتا ہے۔ گو مشقت سے دَم کھینچ سکتا اور کم بھی کر سکتا ہے کیونکہ جب دَم لے کر کوئی بات منہ سے بولتا ہے تو جس قدر دَم کم ہو جاتا ہے اسی قدر طبیعت پر اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جب یہ دَم تمام ہو جاتا ہے تو بالکل چپ ہو جاتا ہے پھر دوسرا دَم لے کر بات کرتا ہے۔ پس جہاں تک کہ ایک سانس میں کلام کرتا ہے وہ ایک حد مبہم غیر معین ہے لیکن یہ مقدار کم سے کم دو کلمہ کی اور زیادہ سے زیادہ چار کلمہ کی گنجائش رکھتی ہے۔

پس اس حد کو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں ایک وزن خاص معین فرمایا ہے۔ جس طرح کہ شعراء اپنے اشعار کے لئے کوئی وزن اور بحر خاص معین کرتے ہیں اور جس طرح ان اوزان میں اوتار اور اسباب اور بعض ارکان کے تقدیم کی بعض پر گنجائش ہوتی ہے اسی طرح اس حد مبہم میں ہے اور اس حد مبہم کو آیت کہتے ہیں۔ پھر ان آیات کو تین اقسام پر منقسم کیا ہے: طویل جیسا کہ سورۂ نساء میں ہیں اور متوسط جیسا کہ سورۂ اعراف اور انعام میں ہیں اور قصیر جیسا کہ سورۂ شعراء اور دخان میں ہیں اور پھر جس طرح کہ ہر شعر میں قافیہ اور روی ہوتی ہے اسی طرح آیات میں جس کلمہ پر دَم ٹوٹتا ہے اس کو بجائے روی اور قافیہ کے مقرر کیا اور جس پر دَم ٹوٹتا ہے وہ مدہ ہے ❷ کہ جس سے پہلے کوئی حرف قافیہ ضرور ہوتا ہے کہ جس کے بار بار آنے سے صاحب ذوق سلیم کو لذت اور کیفیت معلوم ہوتی ہے جیسا کہ رحیم و کریم۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں یہ وسعت رکھی کہ ایک آیت میں مدہ ہو تو اس کے بعد دوسری آیت میں خاص اسی مدہ کی اور اس کے ماقبل کے

---

❶ ...... اس کلام میں باوجودیکہ صاف طور پر اس بات کا ذکر ہے کہ ہر ایک قوم کا شعر اور اس کے اوزان جداگانہ ہیں یہاں تک کہ دھوبی سقوں کے کھنڈ بھی ایک کلام موزوں ہے کہ جس کو وہ شعر سمجھتے اور اس سے محظوظ ہوتے ہیں اور اس لیے حکماء کے نزدیک ہنوز شعر کی حقیقت کی تعیین نہیں ہوئی اور یہ بات بدیہی ہے نہ اس سے یہ مقصود کہ قرآن دھوبی سقوں کے کھنڈ ہیں۔ یہ بات تو یہاں سے کسی طرح بھی سمجھی نہیں جاتی۔ مگر امام پادری کے فہم سلیم پر آفرین ہے کہ اس نے یہی سمجھ لیا اور جواب سے عاجز ہو کر عام مسلمانوں کو تفسیر شریف سے بد اعتقاد کرنے کے لئے غل مچادیا مفسر قرآن میں دھوبی سقوں کے کھنڈ موجود ہونا بیان کرتا ہے۔ لیکن اس کے بعد جس نے اصل مقام کو دیکھا تو معترض کی جہالت پر سخت تاسف کیا۔ حقانی۔ ❷ ...... مدہ اصطلاح صرف میں ان حروف علت یعنی واؤ۔ یاء۔ الف کو کہتے ہیں کہ جو ساکن ہوں اور ان سے پیشتر کے حرف پر جو حرکت ہو وہ ان کے موافق بھی ہو جیسا کہ قلور میں واؤ ساکن مدہ ہے اور اس سے پیشتر جو قاف ہے اس پر ضمہ ہے اور ضمہ کو واؤ سے مناسبت ہے جس طرح کہ یاء سے زیر کو اور الف سے زبر کو ہے۔ منہ۔

حرف کی تخصیص نہیں کی بلکہ دوسری آیت میں کوئی مدہ ہو خواہ الف ہو خواہ باء ہو یا واؤ ہو اور ان کے پیشتر خواہ یا ہو خواہ لام اور اسی طرح آخر کا کوئی حرف کیوں نہ ہو۔ پس یَعْلَمُوْنَ اور مُؤْمِنِیْنَ اور مُسْتَقِیْمَ موافق ہیں اور اسی طرح مَرِیْجٌ وَتَجِیْدٌ وَتَبَارٍ وَفَوَاقٍ وَعُجَاب سب ایک ہی قاعدہ پر ہیں اور اسی طرح سب سے اخیر الف کا آنا بھی ایک لذت دیتا ہے گو حرف روی مختلف ہو جیسا کہ ایک جگہ رحیما، ایک جگہ حدیثا اور ایک جگہ نصیرا اور اگر موافقتِ حرف روی کا التزام ہو گا تو اور زیادہ لطف معلوم ہو گا جیسا کہ اوائل سورۂ مریم اور سورۂ فرقان میں واقع ہوا اور اسی طرح سب آیات کا ایک حرف میں شریک ہونا اور بھی لطف دیتا ہے جیسا کہ سورۂ قتال میں سب سے اخیر میم اور سورۂ رحمٰن میں نون ہے اور اسی طرح ایک جملہ کا اعادہ کرنا بعد ایک کلام کے عجیب کیفیت بخشتا ہے جیسا کہ سورۂ قمر اور سورۂ رحمٰن اور سورۂ مرسلات میں واقع ہے کہ بار بار فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ وغیرہ آیات کا اعادہ کیا گیا ہے جیسا کہ شعراء چار مصرعوں کے بعد ہر جگہ ایک پانچواں مصرعہ لگایا کرتے ہیں اور کبھی ذہنِ سامع کو طرب و نشاط دینے کے لئے یہ بھی کیا ہے کہ فواصل کلام کو بدل دیا ہے۔ مثل اذاً و ھذًا اخیر سورۂ مریم میں اور سَلٰمًا وَّ کِرَامًا اخیر سورۂ فرقان میں اور طِیْنٍ وَ سٰجِدِیْنَ وَ یَنْظُرُوْنَ اخیر سورۂ صاد میں وارد ہے باوجودیکہ ان سب کے اوائل میں اور فواصل ہیں کما لا یخفی اور ایک لطف اور کیا کہ آیت کا حرف اخیر اگر قافیہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے تو خیر ورنہ اس کو دوسرے جملہ سے ملا دیا کہ جس میں نعماءِ الٰہی کا ذکر ہے یا مخاطب کو تنبیہ ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اور کبھی ان مواضع میں کلام کو دراز کر دیا: مثل فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا اور کبھی تقدیم اور کبھی تاخیر اور کبھی قلب اور کبھی زیادت کو تحسین کلام کے لئے عمل میں لایا الیاس کی جگہ الیاسین اور طور سیناء کی جگہ طور سینین کہا اور کہیں پہلے فقرہ سے دوسرا چھوٹا کر دیا اور کہیں بالعکس کیا جیسا کہ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ اور کبھی ایک آیت میں چند فواصل جمع کئے جس طرح کہ بعض شعراء اپنے اشعار میں متعدد قوافی لاتے ہیں جیسا کہ اس بیت میں:

کالزھر فی ترف والبدر فی شرف ☆ والبحر فی کرم والدھر فی ھمم

الغرض اسی طرح کی وہ وہ رعایتیں رکھیں کہ جن کو ہر ایک قوم اور ہر زمانہ کے لوگ اپنے اشعار میں مرعی رکھ کر لذت اٹھاتے اور لطف پاتے ہیں۔ جو شخص فواصل قرآن اور ہر ملک کے اشعار کو جانتا ہے ہمارے کلام کی تصدیق کرے گا۔ مگر میں اس مختصر میں ان کے بیان کرنے سے قاصر ہوں

داماں نگہ تنگ گل حسن تو بسیار ☆ گلچین بہار تو زداماں گلہ دارد

## قرآن مجید نے شاعرانہ اسلوب اپنانے کے باوجود اپنی عظمت اور جلال کبریائی کو ملحوظ رکھا

(۱۲) باوجود ان تمام خوبیوں کے اپنی عظمت اور جلال کبریائی کو مرعی رکھا۔ سو قرآن کو شاہی فرمانوں کی صورت میں نازل فرمایا اور ابتداء سے انتہاء تک اس کو ملحوظ رکھا۔ پس جس طرح سے کہ بادشاہ بعض فرمانوں کی ابتداء میں حمد الٰہی ذکر کرتے ہیں اور بعض میں محض غرض اور مطلب ہی پر بس کرتے ہیں اور بعض کو مرسل اور مرسل الیہ کے نام سے شروع کرتے ہیں اور بعض بغیر عنوان ہی کے رقعہ ہوتے ہیں اور بعض مطول اور بعض مختصر ہوتے ہیں اور بعض کی ابتداء میں چند الفاظ مقررہ سے کسی غرض کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا وہ حروف جملوں سے اختصار کے طور پر لئے جاتے ہیں۔ جس طرح عنوان نامہ پر خلاصۂ مطلب لکھ دیتے ہیں اسی طرح ان حروف سے اشارہ اس مطلوب کی طرف کر دیتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے اپنی بعض سورتوں کو حمد سے شروع کیا اور بعض کو تسبیح سے اور بعض کو غرض املاء سے جیسا کہ فرمادیا

:ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ وقال: سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا اور بعض میں اپنی طرف سے ہونا بتلا دیا ہے جیسا کہ فرمادیا: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ اور بعض کو بغیر عنوان کے شروع فرمایا' جیسا کہ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ 'وَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ' وَيٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ اور بعض کی ابتداء میں حرف مقطعات لایا الٓمٓ۔ حٰمٓ وغیرہ (۱۳) وہ بات بھی ملحوظ رکھی کہ جو عرب اپنے قصائد میں رکھتے تھے' وہ یہ کہ اپنے قصائد میں جب بلاغت فصاحت کا زور دکھانا چاہتے تھے تو قصیدہ کے اول میں مواضع عجیبہ اور وقائع ہائلہ کا ذکر کر کے تشبیب سے شروع کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے بھی بعض سورتوں میں اسی طرز کو اختیار فرمایا ہے: وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا الآیات۔ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (۸) سب میں بڑھ کر بلاغت کلام کے لئے یہ امر ضروری دیکھا جاتا ہے کہ اس کی ابتداء اور وسط اور اخیر کو کیا نسبت ہے؟ اگر تینوں موقعوں پر کلام عالی اور مطلب خیز ہے تو ٹھیک ورنہ وہ کلام درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے۔ آپ نے بعض انجمنوں اور کمیٹیوں میں لوگوں کو لیکچر دیتے اور اسپیچ یا خطبہ پڑھتے سنا ہوگا۔ بعض صاحبوں کے کلام میں ابتداء میں بڑا زور ہوتا ہے' وسط میں کلام بے لطف ہوتا ہے اور اخیر تو بالکل پھیکا اور بے نمک ہوتا ہے گویا کہ اس کو اوّل کلام سے کچھ ربط ہی نہیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ جیسے کسی چیز کو بلند اٹھایا اور پھر دھم سے زمین پر دے مارا اور بعض صاحبوں کے کلام میں اخیر پر زور ہوتا ہے اور بعض کسی قدر بیچ میں گرم ہوتے ہیں ورنہ یوں ہی چچ کر کے رہ جاتے ہیں اور بعض کلام تو محض خواب کا ہذیان اور تقریر پریشان ہوتی ہے۔ مگر قرآن مجید میں ان تینوں موقعوں پر کمال درجہ کی بلاغت ہے اور آخر سورہ میں وہ کلمات جامعہ ذکر فرمائے ہیں جو احکام سابقہ اور کلام گذشتہ کے لئے ایک مہر کہیں تو بجا ہے اور تنبیہ کہیں تو روا ہے۔ دیکھئے سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل سے جب مخاصمہ شروع کیا تو يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا . . . الآیۃ سے کیا اور جب ان کو الزام دے کر سخن تمام کیا تو اسی کو پھر یاد دلایا اور اسی طرح آل عمران میں یہود و نصاریٰ سے جب گفتگو شروع کی تو اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ کہہ دیا تا کہ محل نزاع قرار پائے' پھر اس کے بعد ادلہ قائم کر کے کس خوبی سے اس دعوے کو ثابت کر دیا' وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى۔ (۱۴) سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ قرآن مجید میں راستبازی اور سچائی کے ساتھ بلا مبالغہ شاعرانہ کلام ہے مگر بلاغت میں اعلیٰ مقام ہے ورنہ جو اس بات کا التزام کرتا ہے' اس کا کلام بے نمک ہو جاتا ہے اس لئے کہ حسان اور لبید کے وہ اشعار جو زمانۂ جاہلیت کے ہیں' نہایت بلیغ ہیں' زمانہ اسلام کے ذرا پھیکے ہیں۔ (۱۵) شاعری جتلانے اور فصاحت و بلاغت کے گھوڑے دوڑانے کا میدان رزم و بزم' مدح حسن و جمال' وصف زلف و خال وغیرہ امور حسیہ ہوتے ہیں مگر حکیمانہ باتوں میں آ کر قافیہ تنگ ہو جاتا ہے۔ ذرا کسی بڑے شاعر سے دو چار جز مسائل میراث و فقہ میں تو لکھوائیے' پھر شاعری ملاحظہ فرمائیے۔ مگر قرآن میں باوجود اس التزام کے پھر اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے۔ (۱۶) جب کوئی فصیح و بلیغ ایک مضمون کو ایک بار کہہ کے پھر کہتا ہے تو وہ لطف نہیں رہتا لیکن قرآن نے مکرر مضامین بیان فرمائے مگر ہر ایک جگہ جدا لطف ہے (۱۷) ہر ایک فصیح و بلیغ ایک خاص امر میں مشہور ہوتا ہے کوئی رزم میں' کوئی بزم میں مگر قرآن ہر بات میں یکساں بلاغت رکھتا ہے۔ اب کوئی شخص ان پڑھ ایسے ملک کا باشندہ اور ایسا جو کہ شعر و سخن سے آشنا نہ ہو' ایسے مضامین کو ان امور کی رعایت کے ساتھ بیان کر کے تو دکھائے۔ حق یہ ہے کہ عہد آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک (اور ان شاء اللہ قیامت تک) کوئی فصیح و بلیغ حکیم و ذکی ایسی کتاب کا دسواں حصہ بھی تصنیف نہ کر سکا اور نہ کر سکے گا۔ آج فرانس اور جرمنی بالخصوص شام میں عیسائی علماء عربیت میں بڑا ید طولیٰ رکھتے ہیں' کسی نے قرآن میں کوئی نقص نہ ثابت کیا بلکہ بالاتفاق سب نے اعلیٰ درجہ کی بلاغت کا اقرار کیا۔ مگر افسوس جن پادریوں ❶ اور کرسٹینوں کو اچھی طرح اردو زبان بھی نہیں آتی انہوں نے منہ کھول کر قرآن پر اعتراض کیا اور

---

❶ ...... عمادالدین کرسٹین نے ہدایت المسلمین کے صفحہ ۳۴۲ سے لے کر ۳۵۱ تک ۳۸ مقام قرآن مجید کے ایسے بیان کئے ہیں کہ جو ان کے نزدیک غیر فصیح تو کیا بلکہ لغو اور غلط ہیں اور ہر فقرہ پر یہ کہتے گئے ہیں واہ صاحب۔ یہی فصاحت ہے؟ واہ حضرت اسی بر تے پر یہ تفت دعویٰ الخ اور در اصل یہ وہ مواضع ہیں کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

مقامات حریری کو (جس کا مصنف قرآن پر ایمان لائے ہوئے تھا) قرآن سے بہتر کہا۔ مگر سچ ہے جس کو قوت شامہ نہ ہو تو وہ اگر بدبو اور عطر کو یکساں کہے تو بعید نہیں ' وللہ در من قال

چوں نیست در مشام عماد ہیچ امتیاز ☆ سرگین میش و عنبر سارا برابرست

واضح ہو کہ متکلم کا مقصود اپنے کلام سے کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو صرف خبردار کر دے اور کبھی یہ کہ اس مضمون کی تصویر اس کے دل پر لکھ دی۔ پس خبر دینا تو ایک بار بیان کرنے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے مگر دوسرا مطلب بغیر بار بار لانے کلام کے حاصل نہیں ہوتا اور اس مکرر لانے میں جس طرح ایک خوبی ہے' اسی طرح ایک قباحت بھی ہے کہ مکرر چیز سے نفس کو نفرت ہو جاتی ہے:

مکرر گر چہ سحر آمیز باشد ☆ طبیعت را ملال انگیز باشد

پس ضروری ہوا کہ اس مکرر لانے میں کوئی نیا لطف بھی ضرور ہو خواہ وہ عنوان کے تغیر سے حاصل ہو خواہ خوش آوازی یا کسی اور وجہ سے۔ اسی لئے راگ میں ایک کلمہ بار بار اعادہ کرنے سے مزہ آتا ہے کیونکہ خوش آوازی پر ہر بار نفس کو جدا تنبہ حاصل ہوتا ہے اور محبوب کا نام بار بار لینے سے دل کو حظ آتا ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ بعض مطالب ضرور یہ کی دلوں پر تصویر کھینچے تو مکرر لایا' وہاں طرز کلام کو اجمال یا تفصیل یا اور کسی خصوصیت سے اس طرح بدلا ہے کہ گویا وہ مضمون نیا معلوم ہوتا ہے۔ پس کئی جگہ جب نفس مشتاق ہو کر سنے گا تو ان مضامین کی تصویر دل پر کھیچ جائے گی اور یہی حکمت ہے کہ قرآن کی تلاوت فرض کی گئی' محض مطلب سمجھنے پر انحصار نہ کیا اور اسی لطف عنوان اور

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ سے آگے)...... جہاں مفسرین یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ مقتضائے فصاحت و بلاغت یہ ہے کہ محاورے کو نہ چھوڑے' پس اس لئے بہت سے مواضع میں قرآن نے کہیں حذف' کہیں ایصال، کہیں تقدیم، کہیں تاخیر وغیرہ امور کو کہ جو فصحاء کے نزدیک پسند ہیں' اختیار فرمایا۔ اس امر کی مثال اردو میں یہ ہے: دیکھئے دہلی کی زبان میں جو اردو کا مبدء ہے' بہت سی باتیں بظاہر خلاف معلوم ہوتی ہیں لیکن محاورے کے مطابق ہیں (۱) بے التفاتی بیان کرنے میں یوں بولتے ہیں: اب خبر بھی نہ ہو جئے۔ مگر دیہاتی اس فقرہ کو غلط کہے گا اور یوں اصلاح دے گا کہ خبردار نہ ہوں (۲) میں بھوؤں مرگیا۔ عمادالدین کے سے دیہاتی کہیں گے: یہ غلط' بلکہ یوں کہنا چاہئے تھا کہ بھوکا مرگیا (۳) استانی جی۔ عمادالدین اس کو بھی غلط کہے گا اور استادنی جی' صحیح بتلائے گا۔ الغرض اور اسی طرح سے صدہا محاورات ہیں کہ جو بظاہر خلاف قاعدہ معلوم ہوتے ہیں مگر اہل زبان بولتے ہیں اور انہیں مواضع میں اہل اور غیر زبان میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ انہیں محاورات کی رعایت سے ذوق و میر اور غالب شعراء میں استاد گنے جاتے ہیں۔ یہ بات ہر زبان میں ہے۔ پس عمادالدین نے تفسیر اتقان سے چند مواضع کو نقل کیا اور کچھ ایجاد بندہ کو کار فرمایا۔ ان مواضع کا اجمالی جواب تو آپ سن چکے' تفصیلی مفسرین نے اپنی تفاسیر میں مع شواہد و اشعار عرب ذکر کیا ہے' کشاف ہی کو ملاحظہ فرمالیجئے۔ مگر میں پادری کی عربیت کو بطور نمونہ کے لوگوں کے روبرو بیان کرتا ہوں کہ جس سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ عمادالدین کو صرف و نحو سے بھی خبر نہیں چہ جائیکہ فصاحت و بلاغت کے اسرار پہچانتا۔

شاہد اول: قولہ ۷ا فقرہ اسی میں ہے: لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ یہ عبارت بھی قرآن میں غلط ہے کیونکہ نجوا فعل اور من اسم ہے پس اسم کی استثناء عربی گرامر کے موافق فعل سے جائز نہیں' انتہی۔ واہ پادری کیا کہنے ہیں' نجوا فعل اور من اسم کس نے کہا ہے؟ اسی لیاقت پر پادریوں میں لال بجھکڑ بنے تھے۔

شاہد دوم: قولہ لفظ فِیْهِنَّ قرآن میں غلط بولا گیا ہے کیونکہ لفظ شہر مذکر ہے اس کے لئے ضمیر مؤنث کی بولنا جائز نہیں' انتہی۔ فیھن کا مرجع شہر کو بنایا اور اشہر کو جو جمع ہے چھوڑ دیا' علاوہ نادانی کے دلیل صریح ہے اس امر پر کہ عمادالدین کے نزدیک اشہر اور شہر دونوں ایک ہیں۔

شاہد سوم: قولہ اَهْلَ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ھذہ کی جگہ تلک بولنا لازم تھا کیونکہ گاؤں دور تھا نہ قریب' انتہی۔ معلوم ہوا کہ دور کے لئے تلک آتا ہے اور ھذہ اور تلک میں بھی فرق ہے۔ یہ محض جہالت ہے۔ اسی طرح کے اور بیہودہ اعتراضات ہیں کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں پہلے نَسْتَعِیْنُ کہنا تھا' وغیرہ ذالک من الخرافات۔

شاہد چہارم: قولہ صفحہ ۳۴۴ اسی میں ہے: وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ ای الماء غلط بولا ہے۔ یوں بولنا چاہئے تھا: ومن لم یشربہ کیونکہ پانی کو کھایا نہیں بولا کرتے ہیں بلکہ پیا بولا کرتے ہیں' الخ۔ اسی لیاقت پر قرآن پر اعتراض کرنے بیٹھے تھے۔ طعم کے معنی چکھنا ہے نہ کہ کھانا۔ پانی کو چکھنا بھی بولتے ہیں جہاں کہ بالکل ممانعت مقصود ہوتی ہے۔ آپ طعام کے معنی کھانے کے سمجھ گئے اور طعم اور اکل میں کچھ تمیز نہ کی۔

شاہد پنجم: قولہ ۱۴ فقرہ اسی میں ہے: وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ تمہاری وہ بیٹیاں حرام ہیں جو تمہارے گھروں میں ہیں الخ۔ حجور جمع حجر کی ہے جس کے معنی گود اور پرورش ہیں۔ عمادالدین نے حجور کے معنی گھر کے نکالے اور اس پر اعتراض کیا۔ واہ ری لیاقت' عمادالدین اول ان باتوں کے جواب دیں' پھر میدان میں آئیں۔ ابوالحسن حقانی۔

فصاحت کلام کی وجہ سے قرآن کا دل پر منقش ہونا سہل ہو گیا' اسی لئے آپ کو ہر جگہ حفاظ قرآن دکھائی دیتے ہیں۔ بھلا کوئی اور کتاب تو اس طرح حفظ کر کے دکھا دے؟ اور اسی مقصود کے لئے خدا تعالیٰ نے علوم خمسہ قرآن کو بترتیب ابواب وفصول محصور نہیں کیا' واللہ اعلم۔

## فصل ششم

لفظ تفسیر' فسر سے مشتق ہے کہ جس کے معنی کشف کے ہیں یعنی اس طرح سے مراد متکلم کا ظاہر کرنا جس میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے' اس لئے تفسیر بالرائی حرام ہوئی۔ قال النبی ﷺ من قال فی القرآن بغیر علم وفی روایۃ برأیہ فلیتبوء مقعدہ من النار (اخرجہ الترمذی وحسنہ)۔ بخلاف تاویل کے کیونکہ لفظ تاویل' اول سے مشتق ہے کہ جس کے معنی رجوع ہیں یعنی ایک کلام کو (کہ جس میں چند احتمال ہوں) ایک احتمال خاص کی طرف قرائن سے رجوع کرنا۔ پس اس جگہ قرائن سے تشبیہ دینا کافی ہے' نص شارع کی حاجت نہیں اس لئے کلام مفسر کلام مؤل سے قوی الدلالۃ ہے لیکن ان لغوی معنی کے لحاظ سے تفسیر فقط جناب نبی ﷺ اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے اقوال ہی میں منحصر ہوگی۔ پس جو علوم خمسہ کی بابت کسی آیت میں انہوں نے فرمایا ہے' درحقیقت وہی تفسیر ہے۔ مگر بعد صدر اول کے تابعین وتبع تابعین کے زمانہ سے لے کر یوماً فیوماً علوم لسان قرآن کی طرف بھی حاجت پڑتی گئی اور یہ مجموعہ ایک سے دوسرے تک نقل ہوتا چلا آیا اور یوماً فیوماً اس میں تحقیقات اور تدقیقات زائد ہوتی گئیں' پس ایک علم مدوّن ہو گیا کہ جس کو علماء نے کتابوں میں لکھنا شروع کیا اور جس طرح کہ اور علوم کتب میں مدوّن کئے گئے' یہ بھی کیا گیا۔ پس اب فن تفسیر وہ نہ رہا جو کہ خاص صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں تھا اور جس میں بالرائی کلام کرنا حرام تھا بلکہ اب علم تفسیر دو جزء سے مرکب ہوا۔

علم تفسیر دو اجزا سے مرکب ہے۔ پہلا جز:...... ایک جزء اصلی تو وہی تفسیر حقیقی' دوسرا جزء حل لغات وبیان محاورات ودفع مشکلات وغیرہا۔ علوم جزء اول کو نقلی کہتے ہیں۔ یہ آثار سلف واقوال قدماء کی طرف مستند ہے جس کی شاخیں معرفت ناسخ ومنسوخ واسباب النزول ومقاصد آیات وشرح مجمل قرآنی ہے اس فن کے ائمہ طبریؒ وقتادہؒ وسدیؒ وابو العالیہؒ وغیرہم مفسرین ہیں۔ ان میں ابن جریر ابو جعفر طبریؒ نے جن کا انتقال ۳۱۰ ہجری میں ہوا ہے' اپنی کتاب میں کہ جس کو تفسیر ابن جریر کہتے ہیں' ان منقولات کو جمع کر دیا ہے اور اسی طرح حافظ ابو بکر عبداللہ ابن ابی شیبہ وغیرہ محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کو جمع کیا مگر رطب ویابس صحیح وغلط ان میں سب کچھ ہے کیونکہ اکثر روایات ان میں اہل کتاب سے منقول ہیں' اس لئے کہ جو اہل کتاب اسلام میں داخل ہوئے اور انہوں نے وہ صحیح وغلط باتیں کہ جو ان کی کتابوں میں بھری پڑی تھیں' نقل کیں۔ لوگوں نے ان کو متبرک سمجھ کر روایت کیا۔ پھر کسی نے ان کو رواج دینے کے لئے جناب نبی ﷺ کی طرف اور کسی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اور کسی نے کعب احبار اور وہب بن منبہ کی طرف منسوب کر دیا۔ جلال الدین سیوطیؒ کی تفسیر درّ منثور اسی قسم کی ہے اور اس وقت مخالفین یہود ونصاریٰ وہنود جو کچھ اعتراض قرآن اور اسلام اور پیغمبر اسلام پر کرتے ہیں' ان کی بنیاد انہیں لغو روایات پر ہے کہ جن کا اسلام میں کچھ اعتبار نہیں اور قصہ زینب بنت جحش اور تلک الغرانیق العلی اور زمین وآسمان کی کائنات اور زمین کا سات طبقے ہونے اور ہر طبقے میں اسی قسم کی کائنات اور زمین کا سینگ پر ہونا اور بیل کا مچھلی ہونا اور اس کے ہلنے سے زلزلہ آنا اور یاجوج ماجوج کا ایک کان ایسا اور ایک ایسا ہونا اور زہرہ کا قصہ وغیرہ ذالک من الاسرائیلیات سادہ لوح محدثوں کی خوش اعتقادی ہے اور بس۔

ان علوم خمسہ میں اس قسم کی وہ غلط اور لغو باتیں ان راویوں نے ملائی ہیں کہ جن سے اصل مدعاء قرآن کو بھی الٹ پلٹ کر دیا۔ خدا تعالیٰ

محققین کو جزاءِ خیر عطا کرے' انہوں نے کھرا اور کھوٹا پرکھا اور لغو اور بے اصل باتوں کو کتب تفاسیر سے خارج کیا۔ متاخرین میں سے ابو محمد بن عطیہ مغربی اور قرطبی اور ابن الجوزی وغیرہم نے بھی بہت کچھ چھان بین کی ہے۔ اس بارے میں محققین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ شان نزول و توجیہ مشکل کے بارے میں جو کچھ بخاری اور ترمذی اور حاکم نے بسند صحیح نقل کیا ہے' بہت درست ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جو کچھ ابن ابی طلحہ اور ضحاک نے روایت کیا ہے اور پھر وہ روایت بسند صحیح بخاریؒ وغیرہ محققین تک پہنچی ہے' نہایت صحیح ہے۔

دوسرا جز:......دوسرا جزءِ تفسیر کا جس کو اوّل کے مقابلہ میں عقلی کہنا چاہیے' بڑا بھاری جزء ہے۔ اس کی طرف......قرن اوّل کے بعد بالخصوص اس زمانہ میں سخت حاجت ہے۔ یہ جزء بھی مفسرین کی افراط و تفریط سے خالی نہیں مثلاً قواعد صرف و نحو میں سیبویہ وغیرہ مدوّنین فن کی یہاں تک تقلید کی کہ ان کے قواعد مدوّنہ کو یہاں تک صحیح سمجھا کہ قرآن کے بامحاورہ فقروں میں جہاں کہیں کوئی بات خلاف قاعدۂ مقررہ دیکھی' کھینچ کھانچ کر بہ تکلف اس کی تاویل کی اور یوں نہ سمجھا کہ اہل زبان کا یہی محاورہ صحیح ہے' ہمارا قاعدہ کلیہ نہیں۔ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وغیرہا میں عجب تکلفات کرتے ہیں اور اسی طرح متصوفین ایسی توجیہات باطلہ کرتے ہیں کہ جن سے اصل مدعاء بالکل متروک ہو جاتا ہے بلکہ بعض جہال نے تو یہی سمجھ لیا کہ ان کے سوا اور کوئی قرآن کو سمجھتا ہی نہیں اور ان سے بڑھ کر بعض دہریے اور لامذہبوں نے تو اور بھی ستم کیا ہے کہ اپنے فلسفی اور ملحدانہ خیالات کے تابع قرآن کو کر لیا ہے۔ جس جگہ آیت قرآنیہ ان کے برخلاف ہیں' وہاں نہ محاورۂ اہل زبان کی' نہ قواعد صرف و نحو کی' نہ اقوال سلف کی پابندی کی ہے بلکہ تاویل (جو دراصل انکار ہے) کر کے قرآن کی تفسیر تو کیا بلکہ اس کو محرف کر دیا ہے۔ معتزلہ تفاسیر ہمارے قول کے لئے شاہد عدل ہیں اور ان سے بھی بڑھ کر آنریبل سیّد احمد خان صاحب کی تفسیر کو ملاحظہ فرما لیجئے کہ جس میں یورپ کے ملحدوں کی تقلید کر کے قرآن مجید کو بالکل محرف کیا ہے۔ خرق عادت اور معجزات انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ اور جن اور شیطان اور نعماء جنت و عقوبات دوزخ کا محض انکار کیا ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور نزول قرآن کو مجنونانہ خیال بتلایا ہے اور وجود آسمان اور اثر دعاء وغیرہ بہت امور منصوصہ پر مضحکہ کیا ہے اور جب علماء نے ان کو ان کے بے اصل اقوال پر قائل کیا اور ان کی علوم قرآن اور علوم اسلام سے محض ناواقفیت ثابت کر دی تو کیا حیلہ کیا کہ لوگوں کے روبرو مجالس عامہ میں کچھ ابلہ فریب باتیں بنا کے اور رقت دلا کے یہ کہہ دیا کہ صاحبو میرا عقیدہ وہی ہے جو سلف کا ہے۔ مگر اس وقت اسلام پر علوم جدیدہ سے وہ مصیبت برپا ہے جو بنی العباس کے عہد میں یونانی فلسفہ سے برپا تھی۔ جس طرح اس وقت کے علماء نے ان کو جواب دینے کے لئے علم کلام بنایا' میں نے بھی ان اعتراضات کے دفع کرنے کے لئے کلام جدید کی بنیاد ڈالی اور اس وقت کی مصیبت پہلے سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ پہلے تو علماء حجروں میں بیٹھ کر خیالی دلائل بنا کر ہی دفع کر دیتے تھے اور اب تو مخالفیں دوربینوں وغیرہ آلات کے ذریعہ سے مشاہدہ کرا دیتے ہیں' انتہیٰ۔

یہ مضمون حضرت نے اخبار الاسلام اور علی گڑھ گزٹ میں چھپوایا ہے اور اس کے ہر فقرہ پر حضار مجلس نے بتقلید یورپ بڑی تالیاں بجائی ہیں۔ خان صاحب سے کوئی پوچھے کہ دوربین وغیرہ آلات سے تو محسوسات نظر آیا کرتے ہیں' ان سے غایہ مافی الباب محسوسات کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے مگر فرمایئے وجود ملائکہ اور معجزات انبیاء علیہم السلام وغیرہا امور کا (کہ جن کا آپ نے ملحدوں کا مقلد بن کر انکار کیا ہے) کونسی دوربین اور کس آلہ اور کونسے علوم جدیدہ سے بطلان ہوتا ہے؟ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اسلام نے کسی ایسی بات کا دعویٰ ہی نہیں کیا کہ جس کو کوئی کسی آلہ' یا کسی علم جدید' یا کسی کیمسٹری کے استحالہ وغیرہا سے باطل کر دے' مگر آپ اس بات کو کیا جانیں؟ خیر عامیوں میں آپ کلام جدید کے مدوّن تو کہلائے۔ آپ سے تو پادریوں کے بیہودہ اعتراض بھی دفع نہ ہو سکے' آخر الامر پادری فنڈر کی بولی آپ بھی بولنے لگے۔ ذرا میزان الحق کو ملاحظہ فرما لیجئے۔

**تعریف علم تفسیر:**..... الغرض اس قسم کی بے اعتدالیاں مفسروں نے کی ہیں' خدا تعالیٰ ان کو معاف کرے۔ المختصر فن تفسیر جب ان چیزوں سے مرکب ہوا تو اس کی تعریف یوں کرنی چاہئے کہ علم تفسیر وہ علم ہے کہ جس میں احوال قرآن من حیث القرآن بیان کئے جاتے ہیں اور بقدر طاقت بشریہ الفاظ سے جو کچھ خدا پاک کی مراد ہے' وہ ظاہر کی جاتی ہے۔ موضوع اس فن کا قرآن مجید ہے اور غرض اس علم سے معانی اور مطالب قرآن کا جاننا ہے اور مبادی اس کی یعنی اس علم میں کار آمد صرف ونحو۔ ولغت ومعانی۔ وبیان وفقہ واصول۔ وحدیث وکلام وغیرہ علوم ہیں۔ پس جو شخص اس زمانہ میں ان علوم اسلامیہ سے محروم ہے خواہ وہ کیسا ہی حکیم کیوں نہ ہو' معرفت مطالب قرآن سے محروم ہے۔ قرآن وہ کلام الٰہی ہے کہ جو بواسطہ جبرئیل جناب محمد ﷺ پر نازل ہوا اور آنحضرت ﷺ کے بعد مصحف ابوبکر رضی اللہ عنہ میں جمع کیا گیا۔

# فصل ہفتم:

**امر اوّل۔ ناسخ ومنسوخ کی بحث:**..... وہ امور کہ جن سے بحث کرنا مفسر کو ضروری ہے اور جن کے نہ جاننے سے مطالب فہمی قرآن میں قصور آتا ہے' یہ ہیں (۱) ناسخ ومنسوخ کا پہچاننا۔ واضح ہو کہ نسخ کے معنی لغت میں کسی شے کا کسی شے کے ساتھ [1] مٹانا ہے۔

پس صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ وقدماء تو اس معنی لغوی کے لحاظ سے نسخ کا بہت سے معانی پر اطلاق کرتے تھے۔ اوّل یہ کہ ایک آیت کا وصف دوسری آیت سے انتہاء عمل میں بدل جائے۔ دوم معنی متبادر چھوڑ کر دوسری آیت سے معنی غیر متبادر مراد لئے جائیں۔ سوم قید کو اتفاقی بیان کر دیا جائے۔ چہارم عام کو خاص بنایا جائے۔ پنجم منصوص میں اور جس کو اس پر ظاہراً قیاس کیا گیا ہے' کوئی فرق بیان کر دیا جائے۔ ششم جاہلیت کی رسم کو مٹایا جائے۔ ہفتم پہلی شریعت کو اٹھا دیا جائے۔ پس ان عام معانی کے لحاظ سے نسخ کا اطلاق بہت سی آیات پر ہو سکتا ہے' اس لئے علماء نے پانچ سو آیات کو منسوخ شمار کیا ہے۔ لیکن متاخرین نے جب نسخ کے معنی میں خوب غور کیا تو خاص اوّل معنی کو باقی رکھا' پس اس اعتبار سے آیات منسوخہ بہت ہی کم ہیں۔

**محققین کے نزدیک منسوخ آیتوں کی تعداد:**..... محققین کے نزدیک کل پانچ آیات منسوخ ہیں (اوّل) سورۂ بقرہ میں یہ آیت كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الآیۃ اس آیت میں وصیت فرض تھی' جب آیت میراث نازل ہوئی تو یہ حکم اٹھ گیا اور آیت میراث جو اس کی ناسخ ہے' یہ ہے: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ الآیۃ اور حدیث لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ اس کی مبین ہے۔ (دوم) یہ آیت وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ الی قولہ مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ اس آیت میں ایک سال بھر کی عدت فرض تھی۔ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہوگئی: اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا اس آیت میں حکم آ گیا کہ جس عورت کا خاوند مر جائے' صرف چار مہینے دس دن تک عدت میں رہے۔ (سوم) سورۂ انفال میں یہ آیت وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ الآیۃ اس آیت میں اپنے سے دہ چند کفر کے ساتھ مقابلہ فرض تھا۔ یہ حکم اس کے مابعد کی آیت سے منسوخ ہو گیا اور دو چند سے مقابلہ کرنا باقی رہ گیا۔ (چہارم) سورۂ احزاب کی یہ آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ الآیۃ (کہ جس میں آنحضرت ﷺ کو سوائے موجود بیویوں کے اور نکاح کرنا منع تھا) منسوخ ہوگئی۔ ان سے پہلی آیت اس کی ناسخ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس آیت سے اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ۔ (پنجم) سورۂ مجادلہ میں سے یہ آیت اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ الآیۃ منسوخ ہے اس کے بعد کی آیت سے۔ اس آیت میں یہ حکم تھا کہ جب کوئی رسول ﷺ سے سرگوشی کرے تو پہلے کچھ صدقہ دے دے

[1] النسخ فی اللغة بمعنی ابطال الشیء وقال القفال انه للنقل والتحویل لنا انه یقال نسخت الریح آثار القوم اذا عدمت ونسخت الشمس الظل اذا عدم۔ تفسیر کبیر

۔پھر یہ حکم جاتا رہا۔ ان آیات کے علاوہ اور کوئی آیت منسوخ نہیں بلکہ عام کی تخصیص وغیرہ قیودات کا فرق ہے کہ جس کو نسخ نہیں کہہ سکتے۔

**نسخ کی حقیقت اور بائبل سے اس کا ثبوت:**......اس نسخ کے کوئی یہ معنی نہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ کو اوّل میں نہ معلوم ہوا بعد میں پھر اور حکم جیسا کہ پادری الزام لگاتے ہیں۔ یہ احکام جن کو ہم منسوخ کہہ آئے ہیں' موقوف تھے یعنی ان کا حکم ایک وقت تک تھا اور جب مصلحت مقتضی ہوئی تو یہ حکم دور کر دیا اور کیوں نہ ہو' احکام مصلحت پر مبنی ہیں اور مصالح بدلتے رہتے ہیں اور اگر پادری صاحب اب بھی نہ سمجھیں گے اور پھر وہی سخن پروری کریں گے تو تورات وانجیل میں بہت سے احکام منسوخ ہیں' ہم ان کا حوالہ دیں گے۔

اوّل:......بضرورت بہن بھائی کا نکاح عہدِ آدم علیہ السلام میں درست تھا بلکہ حضرت سارہ' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی علاتی بہن تھی جیسا کہ توراۃ' سفر تکوین کے باب ۲۰ میں مصرح ہے حالانکہ یہ حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں منسوخ ہو گیا جیسا کہ سفر احبار کے باب ۱۸ میں اس کا نکاح حرام اور بمنزلہ زنا کے ہونا مذکور ہے۔

دوم:......نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لئے تمام جانور جو زمین پر چلتے ہیں' حلال تھے جیسا کہ سفر تکوین کے باب ۹ میں مذکور ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سے جانور حرام ہو گئے۔ منجملہ ان کے خنزیر ہے جیسا کہ سفر احبار کے باب ۱۱ میں مذکور ہے۔

سوم:......حضرت یعقوب علیہ السلام کے عہد میں دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا درست تھا۔ چنانچہ خود حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں دو بہنیں تھیں ایک لیا' دوسری راحیل جو دونوں ان کے ماموں کی بیٹیاں تھیں جیسا کہ سفر تکوین کے باب ۲۹ میں مذکور ہے۔

چہارم:......حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سے جانور حرام تھے جیسا کہ سفر احبار میں تصریح ہے۔ ان سب کو پولوس نے یک لخت حلال کر دیا جیسا کہ اس کے خط کے پہلے باب میں تصریح ہے کہ جو اس نے طیطوس کو لکھا تھا (کہ پاکوں کو سب چیز پاک ہے)۔

پنجم:......احکام اعیاد بالخصوص تعظیم سبت ❶ واجب تھی اور اس کو ابدی کہا ہے اور نہایت تاکید فرمائی ہے کہ جو اس روز کام کرے' قتل کیا جائے۔ چنانچہ سفر تکوین کے باب ۲ اور سفر خروج کے باب ۲۰ میں تصریح ہے اور بہت جگہ توراۃ میں مذکور ہے لیکن اس حکم مؤکد کو پولوس نے بالکل رد کر دیا۔ چنانچہ اس کے ان خطوط میں جو اس نے اہل رومہ اور طیطوس کو لکھے ہیں' اس کی تصریح ہے اور سب عیسائی اس کے فتویٰ پر چلتے ہیں۔

ششم:......ختنہ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ایک حکم ابدی تھا۔ چنانچہ توراۃ' سفر احبار کے باب ۱۲ میں اس کی تاکید ہے اور مسیح علیہ السلام کا بھی ختنہ کیا گیا تھا جیسا کہ انجیل لوقا کے باب ۲ دو میں مذکور ہے لیکن پولوس نے اس حکم کو نہایت سختی سے رد کیا۔ چنانچہ اس کے اس خط میں جو اہل اغلاطیہ کو لکھا ہے' اس کے باب ۵ میں مذکور ہے۔

ہفتم:......سب حواریوں نے مشورہ کر کے توراۃ کے جمیع احکام کو منسوخ کر دیا' فقط چار حکموں کو باقی رکھا: ذبیحہ صنم۔ دم۔ مخنوق۔ زنا۔ چنانچہ اعمال حواریوں کے باب ۱۵ میں مذکور ہے۔ پھر چند روز کے بعد پولوس نے ان میں سے فقط حرمت زنا کو باقی رکھا اور سب کو منسوخ کر دیا جیسا کہ گذرا۔ پھر جب زنا پر بھی کوئی سزا معین نہ رکھی تو گویا اس کو بھی حلال کر دیا۔ اب اس سے زیادہ کیا نسخ ہوگا؟

ہشتم:......انجیل متی' باب ۱۰ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو حکم دیا تھا کہ سامریوں کی بستی میں نہ جانا اور یوحنا کے باب ۴ میں ہے سامریوں کی بستی میں گئے اور دو روز مہمان رہے۔

❶......ہفتہ کے دن کی تعظیم جیسا کہ اب تک یہودیوں میں ہے۔ منہ۔

نہم: ...... حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ کچھ اسباب سفر ساتھ نہ لو (لوقا' باب ۹) اور پھر حکم دیا کہ اسباب سفر ساتھ لو (لوقا' باب ۲۲)۔

دہم: ...... تمام عہد نامہ ❶ موسوی علیہ السلام کو کمزور اور بے فائدہ کہہ کر پولوس نے لغو کر دیا کہ (پرانا حکم اس لئے کہ کمزور اور بے فائدہ تھا' اٹھ گیا)۔ (عبرانیوں کا باب ۷)

یازدہم: ...... شریعت پر عمل کرنے والے کو پولوس ملعون کہتا ہے' چنانچہ نامہ اہل اغلاطیہ کے باب ۳ میں مذکور ہے بلکہ اسی مقام پر حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی اپنے بدلہ میں ملعون لکھا ہے' العیاذ باللہ۔

دوازدہم: ...... ان کے پیرو مرشد لوتھر کی یہ تعلیم ہے کہ خوب دلیری سے گناہ کرو اور ایک دن میں ہزار دفعہ حرام کاری اور خون کرو مگر ایمان رکھو۔ تمہارے لئے ایسی نجات یقینی ہے کہ جس طرح مسیح علیہ السلام کے لئے (مرآت الصدق' مصنفہ پادری بیڈیلی صاحب' مطبوعہ ۱۸۵۱ء صفحہ ۳۴) اب نسخ میں کونسی حجت باقی ہے؟ تم سے زیادہ بھی کوئی نسخ کا قائل ہے' اگر یہی تکمیل ہے تو پھر نسخ کیا چیز ہے؟

فوائد: قال اللہ تعالیٰ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا الآیۃ اس آیت کے ظاہری معنی پر لحاظ کر کے اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نسخ قرآن کی تین صورتیں ہیں: اوّل یہ کہ حکم منسوخ اور تلاوت باقی ہو جیسا کہ وہ آیتیں کہ جن کا ہم ابھی ذکر کر کے آئے ہیں' دوم یہ کہ تلاوت منسوخ اور حکم باقی ہو جیسا کہ یہ آیت: اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ الآیۃ ان کا حکم باقی ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مجموعہ قرآن سے بحکم الٰہی جدا کر دیا تھا۔ سوم یہ کہ حکم اور قراءت دونوں منسوخ ہوں جیسا کہ سورۂ براءت کا اوائل کہ جس کو نُنْسِهَا کا مصداق کہنا چاہئے مگر یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے روبرو ہوا' اس سے کسی طرح کی قرآن میں تحریف نہیں ثابت ہوتی' ہاں اگر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ہوتا تو تحریف و تبدیل کہہ سکتے تھے ۔ مگر بعض علماء جیسا کہ ابو مسلم ان سب صورتوں کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کسی طرح کا بھی نسخ نہیں پایا جاتا نہ نسخ محض احکام کیونکہ جن آیات مذکورہ کے احکام کو تم منسوخ کہتے ہو' وہ حقیقۃً منسوخ نہیں کیونکہ وہ پانچوں حکم مشروع اور جہت سے تھے اور اب اٹھ گئے تو اور جہت سے' نہ نسخ تلاوت کیونکہ جن آیات کو آپ منسوخ التلاوۃ کہتے ہیں ان کا جزء قرآن ہونا کسی وقت یعنی یقینی طور پر ثابت نہیں ہوا بلکہ اصل حال یہ ہے کہ بعض صحابہ نے یہ کلمات اثنائے تلاوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے تھے جن کو آپ نے بطور تفسیر کے پڑھا تھا۔ پھر جب خود انہیں لوگوں نے ان کلمات کو نہ حفاظ کی لوح حافظہ پر پایا' نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کاتبین سے لکھوایا تو بقرینہ آیت ❷ مَا نَنْسَخْ ان کو منسوخ التلاوۃ سمجھ گئے اور بعض روایات تو اس بارے میں بالکل غلط اور بے اصل یا خبر آحاد ہیں۔ جب یہ دونوں احتمال نہیں تو مجموعہ مرکب ان سے کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

دوسری بحث اس مقام پر اور ہے' وہ یہ کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی تناسخ واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں کہ واقع ہوتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: اوّل نسخ الکتاب بالسنۃ جیسا کہ یہ آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ الآیۃ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوخ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو جس قدر عورتیں چاہیں مباح کر دیں ❸۔ (رواہ عبدالرزاق والنسائی

---

❶ یعنی توریت کو۔ منہ۔ ❷ اس آیت میں من آیۃ سے آیت قرآنی ابو مسلم کے نزدیک مراد نہیں بلکہ آیات قدرت جس سے یہ مراد کہ ہم آیات قدرت میں سے اگر کسی کو مٹا دیں یا بھلا دیں تو اپنی نشانی دوسری اس سے بہتر یا ویسی اور دکھاتے ہیں' پھر منکر کہاں تک ہماری قدرت و کمال کا انکار کرے گا اور دہر میں ہر روز ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ ایک آیت یعنی نشان کے بعد دوسری دکھاتے ہیں اور اگر آیت قرآنیہ بھی مراد ہو تو یہ جملہ بمنزلہ شرطیہ کے ہے جو تحقیق نہیں چاہتا۔ ❸ ...... بعض خطیہ کرسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نکاح کے محدود نہ ہونے کو عیب سمجھتے ہیں اور اس حدیث کو بہ پیرایہ خیر خواہی اسلام با قاعدہ محدثین جھوٹی بتاتے ہیں۔ اب ان نادانوں سے کون کہے کہ حضرت سلیمان اور داؤد علیہما السلام کے پاس کس قدر عورتیں تھیں؟ حالانکہ وہ نبی اور ان کی کتاب الہامی تسلیم کی جاتی اور مشنوں میں پڑھی جاتی ہے۔ منہ۔

واحمد والترمذی والحاکم)۔ اقول فیہ نظر' اس لئے کہ اس آیت کی ناسخ اس سے پہلی آیت ہے' کما مر۔ دوم نسخ السنۃ بالکتاب جیسا کہ بیت المقدس کی طرف نماز میں منہ کرنا سنت سے ثابت تھا' اس کو قرآن کی اس آیت نے منسوخ کر دیا: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ اس امر میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ وغیرہ محققین اس کے بھی منکر ہیں ❶ اور اس کو باعث طعن مخالفین سمجھتے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک کوئی طعن کی بات نہیں' اس لئے کہ نسخ ایک حکم مبہم المدت کی مدت کو بیان کر دینا ہے یعنی خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی متلو یا غیر متلو ایک حکم دیا اور اس کی کوئی مدت بیان نہ کی' پس ایک زمانہ تک اس پر عمل ہوتا رہا' پھر بذریعہ وحی متلو یا غیر متلو بیان کر دیا کہ اس کی یہاں تک مدت تھی۔ اس میں عقلاً ونقلاً کوئی قباحت نہیں لازم آتی۔ پس جس طرح توراۃ نے بعض احکام سابقہ کو بنظر مصلحت موقوف (منسوخ) کر دیا اور حضرت مسیح علیہ السلام نے اور ان کے حواریوں نے تو تمام شریعت موسویہ ہی کو (بقول عیسائیاں) منسوخ کیا' معطل کر دیا' اسی طرح قرآن مجید نے توراۃ وانجیل کے بعض احکام کو موقوف کر دیا خواہ اس موقوف کرنے کو منسوخ کہو' خواہ اس کا نام تکمیل رکھو خواہ تغییر وتبدیل کہو۔ ہم اہل اسلام یہ نہیں کہتے کہ قرآن نے توراۃ وانجیل کو بالکل ردّ کر دیا' ان کے تمام احکام میں تغیر کر دیا بلکہ جس قدر تغیر مصلح کے لئے ضروری ہے' اسی قدر تغیر کیا اور یوں ان کتابوں کی مدح اور تصدیق کی گو وہ کتابیں نزول قرآن کے وقت بجنسہٖ صفحہ عالم پر نہ تھیں۔ اب پادری فنڈر صاحب وصفدر علی وغیرہم نے جو کچھ زبان درازی کی ہے' اہل انصاف کے نزدیک محض تعصب اور سخن پروری ہے۔

**امر دوم۔ شان نزول کی بحث:**...... اس میں متقدمین ومتاخرین کا اختلاف ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین سبب نزول کو عام معنی پر مستعمل کرتے تھے کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جن چند امور پر آیت صادق آتی ہے' ان میں سے بعض جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یا بعد میں واقع ہوتے تھے' اسی کو سبب نزول کہہ دیتے تھے اور اس موقع پر جمیع قیود کا منطبق ہونا کچھ ضروری نہیں بلکہ اصل حکم کا منطبق ہونا کافی ہے اور کبھی ایک حادثہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں واقع ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم اس آیت سے مستنبط کر کے وہاں اس آیت کو پڑھ دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو بھی سبب نزول کہتے تھے گو اس حادثہ سے پیشتر یہ آیت نازل ہو چکی تھی اور کبھی اس صورت میں صحابہ یہ بھی کہتے تھے کہ اس حادثہ میں خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور یہ اس لئے کہ ایسے امر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس آیت نازل شدہ کا القاء کرنا بھی ایک قسم کی وحی اور نزول ہے اور ایسے موقع پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت دوبار نازل ہوئی اور کبھی محدثین اس موقع کو (کہ جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے آیت کو مناظرہ میں سند پکڑا تھا' یا انہوں نے اس کو آیت کی مثال میں ذکر کیا تھا' یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں اپنے کلام شریف میں آیت کو بطور استشہاد پڑھا تھا) شان نزول کہہ دیتے ہیں اور درحقیقت یہ سبب نزول نہیں۔ پس ان امور کا احاطہ کرنا مفسرین کے لئے کچھ ضروری نہیں بلکہ درحقیقت سبب نزول ہر آیت کا یا سورت کا بندوں کی حاجت اور ضرورت ہے کیونکہ مقصود اصلی نزول قرآن سے نفوس بشریہ کی تہذیب اور عقائد باطلہ کا بطلان اور اعمال فاسدہ کی نفی ہے۔ پس لوگوں میں عقائد باطلہ کا پایا جانا آیات مخاصمہ کے نزول کا سبب ہے اور اعمال فاسدہ کا پایا جانا اور باہم معاملات کا پیش آنا آیات احکام کے نزول کا سبب ہے اور لوگوں کا نڈر ہونا یا اس کی رحمت سے ناامید ہونا آیات تذکیر بایام اللہ وآلاء اللہ کے نزول کا سبب ہے' وقس علیٰ ھذا۔

**بعض مفسرین کا تکلف محض:**...... پس وہ جو بعض مفسرین آیات کے لئے ہر جگہ ایک قصہ طویل طویل نقل کر کے اس کو شان نزول

---

❶ ...... یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہ کتاب کو سنت نسخ کر سکتی ہے نہ سنت کو کتاب بلکہ اس کتاب کی ناسخ کتاب اور سنت کی سنت ہو سکتی ہے۔ فن اصول فقہ میں اس کی تصریح ہے۔ منہ۔

بتلاتے ہیں محض تکلف فضول ہے بلکہ یہ طویل و عریض قصص انبیاء ﷺ جو مفسرین نے اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں بیشتر علماء ❶ اہل کتاب سے منقول ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ بسا اوقات مذہب مشرکین و یہود اور ان کے اعتقادات اور عادات کی وضاحت کے لئے قصص جزئیہ بھی نقل کر کے یہ کہتے ہیں کہ اس امر میں یہ آیت نازل ہوئی خواہ یہی قصد ہو یا اس کے مشابہ کوئی اور ہو اور یہ قصہ محض اس امر مجمل کی توضیح و تصویر کے لئے ذکر کیا گیا ہے، اور یہی سبب ہے کہ شان نزول میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف ہوتے ہیں کہ کوئی اس امر کلی کا مصداق کسی جزئی کو اور کوئی کسی کو توضیح کے لئے بیان کرتا ہے اور اسی طریق سے قرآن مجید میں کبھی انسان کی نیکی اور بدی کی حالتوں کو اور اس کے نیک و بد نتیجہ کو ذکر کیا جاتا ہے، اور وہاں کوئی شخص خاص مراد نہیں ہوتا۔ لیکن جو لوگ اس سر سے واقف نہیں وہ خواہ مخواہ اس کے لئے ایک قصہ خاص بناتے اور شخص خاص کا حال ٹھہراتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے: وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا الآیات' کہ ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کی ماں نے حمل میں اور جنتے وقت سختی اٹھائی ہے' اور اسی قسم سے یہ آیت ہے: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ. وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا الآیۃ اور اسی قبیل سے یہ آیت: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً الآیۃ اور یہ آیت بھی اسی قسم سے ہے: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا الآیۃ بعض ناسمجھوں نے اس آیت کو حضرت آدم علیہ السلام کی بابت قرار دے کر ایک جھوٹی حدیث عبدالحارث کی گھڑ لی ہے' اور اسی قسم سے یہ آیت ہے: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ اور یہ آیت بھی: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ الآیۃ پس ان آیات میں ان جمیع خصوصیات کا ایک جگہ متفق ہونا کچھ ضروری نہیں جس طرح کہ اس آیت كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ۔

میں یہ ضروری نہیں کہ کوئی پیڑ ایسا دکھایا جائے کہ جس سات خوشے ہوں اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں بلکہ یہ ثواب اعمال کی زیادتی کے لئے ایک تمثیل یا تصویر کھینچی' عام ہے کہ خارج میں ایسا کوئی پیڑ ہو یا نہ ہو۔ الحاصل سبب نزول مجملاً تو درحقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور تفصیلاً بعض حوادث میں کہ جو آنحضرت ﷺ کے روبرو پیش آتے تھے جیسا کہ منافقین کے اقوال وافعال ناشائستہ کا آنحضرت ﷺ کے حضور میں واقع ہونا پھر قرآن میں ان کا دفع کرنا' غزوات احد اور احزاب و تبوک میں لوگوں سے سستی چستی ظہور میں آنا اور اس پر تنبیہ فرمانا یا مدح کرنا وغیر ذٰلک۔

**مفسر کو دو باتوں کا اہتمام ضروری ہے:**۔۔۔۔۔اوّل: یہ کہ جن آیات میں اس قسم کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور قصص کی متفرق جگہ مختلف عنوانات سے مذکور ہیں اور وہاں ان کے معلوم کئے بغیر پورا مطلب قرآن کا سمجھ میں نہیں آتا تو ان حوادث اور قصص کو مختصر طور پر بروایت صحیحہ بیان کر دے۔

دوم: یہ کہ جہاں تخصیص عام وغیرہ تصرفات قصص میں ہیں' ان کی تشریح کر دے تاکہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آئے اور آیات احکام میں احکام کو بوضاحت بیان کر دے اور آیات تذکیر بآلاء اللہ ووقائع حشریہ میں ان کی صورت بیان کر دے۔

**فوائد:** بعض مفسرین آیات میں ربط دیتے اور سوال و جواب کے طور پر تقریر کیا کرتے ہیں مگر ہر جگہ اس کا التزام کرنا محض تکلف ہے کیونکہ قرآن حسب حاجت ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا تھا۔ جس طرح بادشاہ کے فرمان حسب حاجت وقتاً فوقتاً آئیں اور ان کو جمع کر لیا جائے' اسی طرح آیات قرآنیہ نازل ہوتی تھیں اور آنحضرت ﷺ ان کو ایک ترتیب خاص پر جمع کرا دیتے تھے۔ اب جس طرح سلسلہ

---

❶ امام پادری جو در پردہ اہل کتاب کی روایات اور ان کی کتب محرفہ کو اصلی اور صحیح قرار دینے کا بیڑا اٹھا کر مسلمانوں میں پھر آملا ہے' ان قصص واہیہ کو حدیث سے نامقبول کہنے پر چڑ گیا اور جانے بے سمجھے بوجھے محمد صالح اور محمد صادق کے نام سے کیا کیا ہذیان بکا ہے۔ حقانی۔

واران فرمانوں کو ربط دینالا حاصل ہے اسی طرح اوّل سے آخر تک تمام آیات میں ربط بھی بے فائدہ ہے۔ہاں جس قدر آیات کہ ایک بار جس مطلب کے لئے نازل ہوئی ہیں ضرور ربط ہے۔اس ربط کی تقریر کرنا کچھ مضائقہ نہیں۔

فوائد: انبیاء علیہم السلام بالخصوص جناب رسالت مآب ﷺ کا نفس قدسی بمنزلہ آفتاب جہاں تاب کے تھا ان کے متبعین میں سے بعض لوگوں کے دل نہایت صاف اوران میں فیض صحبت کی بڑی قابلیت پیدا ہوگئی تھی۔

پس آئینہ کی طرح فیض نبوت ان کے دل پر منعکس ہوتا تھا اس لئے بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ احکام وغیرہ اشیاء ضروریہ جو نبی ﷺ کے دل پر منجانب اللہ فائض ہوتی تھیں ان کے دل پر بھی ان کا انعکاس ہوتا تھا اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ بعض اوقات وہ بات کہہ دیتے تھے کہ جس کا ملأ اعلیٰ سے نبی ﷺ کے دل پر فائض ہونا مقدر تھا اور پھر نبی ﷺ کی معرفت وہ باتیں نازل ہوتی تھیں۔ دیکھئے: استاد کے فیضِ صحبت سے شاگرد کامل کبھی وہ کہہ دیتا ہے کہ جس کو استاد کہے گا۔چنانچہ عورتوں کے پردہ اور اُساریٔ بدر اور مقام ابراہیم کو مصلّی بنانے کی بابت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے موافق وحی نازل ہوئی۔بعض متعصب جو اس سرّ سے محروم تھے انہوں نے طعن کی راہ سے یہ کہہ دیا کہ محمد ﷺ لوگوں سے اچھی باتیں سیکھ کر دعویٰ کر بیٹھے تھے کہ مجھے وحی ہوتی ہے۔ہدایت المسلمین کے مصنف کرسٹین نے اس باب میں بہت کچھ بیہودہ گوئی کی ہے۔

**امر سوم۔توجیہ مشکل کی بحث:......** (توجیہ مشکل ہے) یعنی کبھی کلام میں اپنی ناواقفیت سے بظاہر ایک مشبہ معلوم ہوتا ہے یا اس لئے کہ مدلولِ آیت میں استبعاد معلوم ہوتا ہے یا دو آیتوں میں باہم تناقض سا پایا جاتا ہے یا مصداق آیت کے تصور کرنے میں مبتدی کے ذہن پر اشکال ہوتا ہے یا کسی قید کا فائدہ مخفی ہے وغیرذٰلک۔

پس جب مفسر اس شبہ کو حل کر دیتا ہے تو اس کو توجیہ مشکل کہتے ہیں۔یہ بھی ایک بڑا فن ہے۔اب ❶ میں چند مثالیں دیتا ہوں: (اوّل) یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ الآیۃ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ مریم علیہا السلام ہارون علیہ السلام کی بہن کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام وحضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام کے زمانہ میں سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے؟ پس آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ ہارون سے مراد ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بھائی نہیں۔یہ اور ہارون ہیں جو مریم علیہا السلام کے بھائی تھے۔ بنی اسرائیل میں بزرگوں کے نام رکھا کرتے تھے۔(دوم) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ایک جگہ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَتَسَآءَلُوْنَ یعنی لوگ باہم سوال نہ کریں گے اور ایک جگہ فرماتا ہے وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ایک دوسرے سے سوال کرے گا۔فرمایا: نہ سوال کرنا حشر میں ہوگا اور سوال جو کریں گے تو جنت میں جا کر آرام پا کر۔(سوم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ جب صفا ومروہ میں سعی کرنا واجب ہے تو خدا تعالیٰ نے فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا الآیۃ کیوں فرمایا اس لئے لا جناح کے معنی یہ ہیں کہ طواف کرنے میں کچھ گناہ نہیں؟ جواب دیا کہ ایک قوم گناہ ہی سمجھتی تھی اس لئے لا جناح فرمایا۔اس باب میں مفسر کو یہ لازم ہے کہ جو کچھ محققین سے منقول ہے اسی کو ذکر کرے۔

**امر چہارم۔شرح غریب کی بحث:......** (شرح غریب ہے) یعنی قرآن مجید میں جو الفاظ ایسے ہیں کہ جن کے معانی میں کسی وجہ

---

❶ بعض جاہل پادریوں نے قرآن میں عیب لگانے کو اس قسم کی چند باتیں تفسیر اتقان سے نقل کر کے بڑی زبان درازی کی ہے اور جزء کے جزء سیاہ کر ڈالے ہیں۔ چنانچہ میزان الحق میں پادری فنڈر نے اور ہدایت المسلمین میں ان کے مرید عماد الدین اور اعجاز قرآن میں لالہ رام چندر نے بڑی قابلیت جتلائی ہے۔میں ان لوگوں کی اس عبث حرکت پر نہایت افسوس کرتا ہوں۔کیا ان صاحبوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ایسی لغو باتیں اسلام کے علماء کیا بلکہ عوام میں بھی کچھ وقعت نہیں رکھتیں؟ ادنیٰ سے ادنیٰ طلباء بھی ان باتوں سے خوبی ماہر ہیں مگر کیا کرتے اور کوئی نہ ملا تو یہی سعی چلو کچھ لوگ تو بہکیں گے۔منہ۔

سے خفاء ہو تو ان کے (لغت عرب کا تتبع کر کے یا سیاق وسباق پر نظر کر کے یا اس کلمہ کے اس جملہ سے کہ جس میں یہ واقع ہے مناسبت دیکھ کر) معانی بیان کر دے۔ اس مقام پر بھی اختلاف فہم کو بڑی گنجائش ہے کیونکہ زبان عرب میں ایک لفظ چند معانی کے لئے آتا ہے اور اس کے سیاق وسباق وغیرہ قرائن سے تتبع کرنے میں عقول متفاوت ہیں اس لئے قدماء کا باہم بعض الفاظ کے معنی میں اختلاف ہے۔ دیکھئے! امام ابوحنیفہؒ قروء کے معنی حیض اور امام شافعیؒ طہر قرار دیتے ہیں۔ ایسے مقام پر دو باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے: (اوّل) استعمال عرب کو دیکھئے (دوم) وجوہ ترجیح میں سے قوی کو اختیار کرے۔ اس شرح غریب میں مفسرین کے مختلف حالات ہیں۔ بعض تو اصل معنی باعتبار وضع لغوی کے بیان کر دیتے ہیں اور بعض لغوی معنی پر بس نہیں کرتے بلکہ صرف مرادی معنی خواہ اصل معنی کو لازم مساوی ہوں یا نہ موقع سے مناسبت دیکھ کر بیان کر دیتے ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے تفسیر اتقان میں ان الفاظ کی وہ شرح بیان کی ہے جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بطریق ابن ابی طلحہ وضحاک منقول ہے اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب فوز الکبیر میں ان سے بھی بہتر بیان کیا ہے کس لئے کہ صحیح بخاری میں جس قدر شرح غریب وارد ہے اس کو بھی شامل کر دیا ہے۔

**امر پنجم۔ بحث حذف:**...... (حذف ہے) یعنی کلام میں سے برعایت محاورہ بعض اجزاء کلام یا ادوات کو حذف کر دینا جس سے کسی قدر معنی میں خفاء ہو جائے پس یہ بھی قرآن مجید میں بہت جگہ پایا جاتا ہے۔ مفسر کو ضروری ہے کہ امر محذوف کو ذکر کر کے کلام میں وضاحت کر دے۔ اس حذف کی چند اقسام ہیں: حذف موصوف۔ حذف متعلق وغیرہ اور یہ حذف کچھ زبان عرب ہی پر منحصر نہیں ہر زبان میں ❶ بلغاء کے کلام میں حذف ہوتا ہے۔ اگر نہ ہو گو مطلب کی عامی کے نزدیک کسی قدر وضاحت ہو جائے گی مگر کلام بے لطف ہو جائے گا۔ اب میں اس حذف کی چند مثالیں دیتا ہوں: (وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ) یہاں سے ایک لفظ بر محذوف ہے یعنی بر من امن۔ (وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً) یہاں لفظ آیت محذوف ہے کیونکہ ناقہ مبصرہ نہ تھی بلکہ آیت۔ مَنِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی مَنْ فِي الْاَرْضِ لفظ من محذوف ہے کیونکہ ایک چیز آسمانوں اور زمین میں نہیں۔ وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ اے اہل القریۃ لفظ اھل محذوف ہے اور اسی طرح حروف بھی کلام عرب میں بہت محذوف ہوتے ہیں۔ جَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا یہاں لام محذوف ہے عبارت یوں ہے: جَعَلَ لَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۔ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ یہاں من محذوف ہے اِخْتَارَ مُوْسٰى مِنْ قَوْمِهٖ۔ هُمْ دَرَجٰتٌ یعنی اے لَهُمْ دَرَجٰتٌ۔ تفتؤا اے لا تفتؤا جس کے معنی ہمیشہ کے ہیں اور اسی طرح جملہ شرطیہ کا جواب اور اِن کی خبر اور صدر جملہ اور ان سے کلمہ باء ولام جارہ کا محذوف ہونا (بشرطیکہ حذف پر کوئی قرینہ ہو) کلام عرب اور قرآن مجید میں بہت ہے۔ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ اس کا جواب لتری فظعا عظیما محذوف ہے۔ واضح ہو کہ اصل اذ قال ربک للملائکۃ و اذ قال موسیٰ وغیرہ میں یہ ہے کہ اذ کسی فعل محذوف کا ظرف ہو لیکن قرآن اس کو مواضع ہولناک پر داخل کر کے ان کو گنوایا ہے تاکہ مخاطب کے دل پر ان کی صورت منقش ہو جائے اور خوف پیدا ہو۔ پس ایسے مواضع میں عوامل محذوفہ کو تفتیش کر کے ذکر کرنا تکلف ہے کیونکہ نہ یہ چیز اعرب میں داخل ہیں نہ جزء جملہ ہیں محض غرض مذکور کے لئے ذکر کر دیئے ہیں اور بعض مفسر ہر جگہ اذ کر محذوف نکالا کرتے ہیں۔

**امر ششم۔ بحث ابدال:**...... ابدال ہے یعنی محاورہ کی رعایت یا کسی اور غرض خاص سے کہ جس کو اہل زبان جانتے ہیں۔ ایک کلمہ کی

---

❶ ...... عمادالدین کرسٹین نے عجب غلطی کی ہے کہ اس قسم محذوفات کو ذکر کر کے قرآن پر اعتراض کیا ہے کہ یوں چاہئے تھا یہ غلط ہے اور ہدایت المسلمین کی ایک فصل میں ان محذوفات کو مع ترجمہ ذکر کرتے چلے گئے ہیں جس سے عوام کو یہ ثابت ہو کہ قرآن میں غلطیاں ہیں۔ ان بیہودہ اعتراضات پر ہر عربی دان ہنستے ہیں عیسائی عربی دان بھی بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ پھر ان کے ذکر کرنے سے سوائے اس کے کہ پنجاب کے ناواقف پادری خوش ہوں اور تنخواہ میں اضافہ کر دیں اور کوئی نتیجہ نہیں۔ ان کے جواب میں کوئی کتاب ضخیم لکھنا تضیع اوقات ہے۔ حقانی۔

جگہ دوسرا کلمہ ذکر کرنا' یہ بہت بڑا فن ہے۔ اس کی رعایت کرنا فصیح و بلیغ کا کام ہے۔ مثلاً: جو شخص اردو زبان میں بڑا ماہر ہوگا مواقع اور غرض کی رعایت کر کے کبھی کہے گا: تناول فرمالو، کبھی کہے گا نگل لو، ٹھونس لو اور کبھی مت بولو اور کبھی مت بکو' ٹیں ٹیں نہ کرو' مت بھونکو۔ حالانکہ ٹیں ٹیں طوطا وغیرہ طائر کرتے ہیں اور بھونکنا کتے کے لئے بولا جاتا ہے اور اسی طرح مخاطب سے جہاں موقع تعظیم ہوتا ہے' بلفظ جمع کلام کرتے اور 'تو' جگہ 'تم' کہتے ہیں اور جو شخص زبان سے ماہر نہیں' وہ ان مقامات میں ٹھوکریں کھائے گا اور سنبھل سنبھل کر دس بیس ضروری باتیں ہی کہہ سکے گا۔ قرآن مجید میں اس بات کی رعایت کر کے کبھی ایک فعل کی جگہ دوسرے فعل کو اور مفرد کی جگہ تثنیہ و جمع کو و بالعکس اور ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف کو اور اسم کی جگہ دوسرے اسم کو اور مضمر کی جگہ مظہر کو و بالعکس ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی بہت سی مثالیں ہیں مگر یہاں قدر قلیل پر بس کرتا ہوں: اَھٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِھَتَکُمْ اصل کلام یوں تھا یسبّ آلھتکم بولا تو یوں کہ یہ شخص جو تمہارے بتوں کا نام لیتا ہے مگر مقصود یہ تھا کہ جو تمہارے بتوں کو گالیاں دیتا ہے۔ پس تہذیباً گالیوں کی جگہ نام لینا بیان کیا جس طرح ہمارے عرف میں بولتے ہیں: خدا تعالیٰ دشمنوں کو بیمار نہ کرے' یعنی آپ کو بیمار نہ کرے۔ بندگان عالی سے عرض کرتا ہوں یعنی آپ سے۔ منّا لا یصحبون اے منّا لا ینصرون۔ ینصرون کی جگہ یصحبون کو ذکر کیا کیونکہ نصرت بغیر اجتماع اور صحبت کے نہیں ہوتی۔ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اے خفت۔ ایک اسم کو دوسرے اسم کی جگہ لانے کی یہ مثالیں ہیں: فَظَلَّتْ اَعْنَاقُھُمْ لَھَا خَاضِعِیْنَ اعناق چونکہ مؤنث تھا' اس کو خاضعة کہنا تھا مگر ایک غرض سے خاضعین کہا۔ وَکَانَتْ مِنَ الْقَانِتِیْنَ موقع یہ تھا کہ حضرت مریم علیہا السلام کو کانت من القانتاتِ کہتے مگر جب ان کو ان کے محاسن سے مردوں میں شمار کیا گیا تو یہ لفظ بولا گیا۔ کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ن الْمُرْسَلِیْنَ اصل میں یوں تھا: نوحًا لیکن جب کہ نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تو جمیع اصول متفقہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اس لئے کہ مفرد کی جگہ جمع کا صیغہ آیا۔ فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ اصل یوں تھا کہ اذاقھا اللہ طعم الجوع کہ خدا تعالیٰ نے انہیں بھوک کا مزہ چکھایا مگر چونکہ یہ بات بتلاتی تھی کہ بھوک کا لباس کی مانند دبلا ہونے اور مضمحل ہونے میں تمام بدن پر اثر ہے اس لئے طعم الجوع کی جگہ لباس الجوع کہہ دیا (صِبْغَةَ اللّٰہِ) اے دین اللہ' مگر چونکہ نصاریٰ اپنے بپتسمہ (غوطہ لگانے) کو باعث پاکی اور سبب رنگینی سمجھتے تھے' اس لئے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے دین سے دل رنگین ہوتا ہے اور اس غوطہ لگانے کا اثر تو بدن ہی پر ہوتا ہے' اس لئے دین کی جگہ صبغة آیا۔ ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف لانے کی یہ مثالیں ہیں: فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ اے علی الجبل۔ علی کی جگہ لام کو ذکر کر دیا۔ وَھُمْ لَھَا سَابِقُوْنَ اے الیھا۔ وَلَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ اے علی جذوع النخل۔ علی کی جگہ فی آیا۔ وَفِی الْاَرْضِ اے علی الارض۔ اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِہٖ اے منفطر فیہ۔ مُسْتَکْبِرِیْنَ بِہٖ اے عنہ اور کبھی ایک جملہ کی جگہ دوسرا جملہ بھی لاتے ہیں جب کہ اس سے پہلے کا مطلب بخوبی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُکُمْ اصل یہ تھا: لا بأس بذلک لانھم اخوانکم اور جس طرح کہ بلغاء کے کلام میں ابدال واقع ہوتا ہے' اسی طرح تغیر بھی واقع ہوتا ہے کہ کلام کو ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف متغیر کر دیتے ہیں۔ پس کبھی غائب کی ضمیر کی جگہ متکلم کی و بالعکس اور مخاطب کی جگہ متکلم کی و بالعکس ضمیر لاتے ہیں اور اس کو صنعت التفات کہتے ہیں۔ اس تغیر کلام کی بھی بہت سی صورتیں ہیں کہ جن کو فصیح و بلیغ ہر زبان میں ہمیشہ عمل میں لاتے ہیں۔ واضح ہو کہ جس طرح حذف و ابدال و تغیر حسب موقع بلاغت کا جزو ہے' اسی طرح بعض الفاظ زائد کا لانا بھی (کہ جس سے کلام میں حسن اور مطلب عمدہ طرح سے ثابت ہوتا ہے) بلاغت کا ایک جزء اعظم ہے۔ پس زبان عرب میں لفظ مثل اور کاف وغیرہ اس مراد کے لئے آتے ہیں۔ بولتے ہیں: مثلک لا یبخل یعنی آپ جیسا شخص بخل نہیں کرتا۔ مراد یہ کہ آپ بخل نہیں کرتے۔ لیکن اس میں زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ جب ایک شخص کا مثل نہیں' کرتا تو یہ بدرجۂ

اولیٰ نہیں کرتا۔ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ یہاں کاف محض اس بلاغت کے لئے آیا ہے کہ جس کا بیان ہوا۔ (فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ) یہاں اگر ما کو مصدر یہ نہ پڑھا جائے تو لفظ مثل اسی مراد کے لئے آیا ہے۔ بعض کوڑھ ❶ مغز پادریوں کو اردو کے بھی محاورات معلوم نہیں جو ان کی زبان ہے۔ قرآن کے محاورات جاننا تو کجا' انہوں نے اپنے قصورِ فہم سے ایسے مواضع میں قرآن مجید پر اعتراضات کر کے اپنی لیاقت پر دھبہ لگایا ہے۔

امر ہفتم۔ محاورات کی بحث:...... علم محاورات ہے'یہ سب سے مشکل فن ہے۔ اپنی زبان کے محاورات پر بخوبی مطلع ہونا مشکل ہے چہ جائیکہ غیر زبان کے محاورات۔ دیکھئے! اس ملک میں پادری لوگ اردو دانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور سالہا سال لوگوں سے پڑھتے اور بازاروں میں جا کر بول چال سنتے ہیں مگر پھر بھی وہ اردو بولتے ہیں کہ جس پر اہل زبان ہنس پڑتے ہیں۔ ایک پادری صاحب نے کہا: ''دیکھو، تمہاری چارپائی پر قفل بیٹھا ہے'' کہنا چاہیے تھا دھرا ہے۔ ایک نے فرمایا: ''ہماری گائے کا بیٹا پیدا ہوا ہے'' حالانکہ بیٹا انسان کی اولاد میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ جاننا (حیوانات کے بچوں کے جدا جدا نام ہیں اور ہر حیوان کی آواز کو جدا جدا لفظ سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً گھوڑے کے بچے کو بچھیرا اور گائے کے بچے کو بچھڑا کہتے ہیں اور گھوڑا ہنہناتا اور ہاتھی چنگھاڑتا اور بکری ممیاتی ہے اور پھر ہر ایک کو اسی لفظ سے ادا کرنا اور محاورات میں جو مثالیں اور کہاوتیں کہی جاتی ہیں' ان کو ان کے موقع پر کہنا) مشکل بات ہے عرب میں حجاز کی زبان اور اس پر قریش کے زبان زد محاورات کہ جن کو قرآن نے ادا کیا ہے' عرب کے نزدیک عجب لطف رکھتے تھے۔ حتی المقدور مفسر کو ان محاورات کا جاننا ازبس ضروری ہے۔ جو محاوراتِ قرآن نہیں جانتے' وہ مطلب فہمی میں بڑی دقت اٹھاتے ہیں۔ اب میں چند مثالیں بیان کرتا ہوں کہ جو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا کہ (زمین پر) کوئی ایسا چلنے والا جاندار نہیں کہ جس کی پیشانی خدا تعالیٰ نے نہ پکڑ رکھی ہو۔ بظاہر ناصیہ پکڑنا ہر دابہ کا سمجھ میں نہیں آتا مگر جو یہ جانے گا کہ ناصیہ پکڑنا محاورہ عرب میں قبضہ کرنا ہے ❷ تو اس کے نزدیک کچھ دقت نہیں کیونکہ ہر دابہ خدا تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ) جو محاورہ نہیں جانتا' وہ یوں ترجمہ کرے گا: مارا گیا آدمی' کس چیز نے اس کو کافر کر دیا۔ مگر جو محاورہ دان قُتِلَ کو جملہ دعائیہ اور ما اکفرہ کو فعل تعجب جانتا ہوگا تو یوں کہے گا: مارا جائے آدمی' کیا ہی ناشکرا ہے۔ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ کے بھی یہی معنی سمجھنے چاہئیں یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں' جیسا کہ اردو میں کہتے ہیں کہ فلاں کو خدا تعالیٰ غارت کرے' بڑا ہی قرآن کا دشمن ہے۔ (فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ) اس سے یہ مراد نہیں کہ درحقیقت کسی کے مرنے پر آسمان و زمین روتے ہیں بلکہ آسمان و زمین کا رونا عرب میں محاورہ ہے افسوس و حسرت کے لئے یعنی کسی نے ان کی بداطواری کی وجہ سے ان کے مرجانے پر کچھ افسوس و رنج ظاہر نہ کیا' وقس علیٰ۔ اور یہ بھی محاورہ ہے کہ خطاب کے صیغے لائے جائیں اور ان سے کوئی شخص خاص مقصود نہ ہو بلکہ عوام مراد ہو۔ اور یہ بھی کہ کبھی ایسے امر کو کہ جس کے دلائل متفکر کے نزدیک ظاہر ہوتے ہیں۔ بمنزلہ محسوس کے قرار دے کر لوگوں کو مخاطب بنایا جاتا ہے (اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا... الخ)۔

اور اسی طرح کسی چیز آئندہ آنے والی کو جو کہ قطعی ہونے والی ہے' ماضی کے صیغہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جنت و دوزخ کی جزا و سزا بیان کرنے میں یہی رعایت رکھی اور کبھی کنایہ کے طور پر معنی مراد کو صورت محسوس میں لاتے ہیں (وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِكَ وَرَجِلِكَ) شیطان کو چوروں کے سردار کے ساتھ تشبیہ دے کر سوار و پیدل کا دوڑانا بیان کیا۔ (وَجَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ

---

❶...... بالخصوص عماد الدین نے ہدایت المسلمین میں تو بہت کچھ زہر اگلا ہے اور جوش میں آکر اندھا دھند بکواس کی ہے۔ منہ۔ ❷...... گھوڑے کی پیشانی کے بال جب سوار پکڑتا ہے تو اس کے قبضہ میں آجاتا ہے۔ یہاں سے ہر جاندار کے قبضہ کے لئے یہ لفظ مستعمل ہو گیا۔ منہ۔

سَدًّا اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا) خدا تعالیٰ نے سچ مچ کی دیوار کفار کے آگے پیچھے کھڑی نہ کر دی تھی نہ کوئی لوہے کا طوق ان کی گردن میں ڈالا تھا بلکہ ان کی عظمت کفر واعراض کو دیوار وطوق سے تشبیہ دی ہے۔ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ یہ مراد نہیں کہ ان کے دل گلوں میں آ گئے تھے بلکہ شدت خوف میں عرب کا محاورہ یہ ہے' جس طرح ہماری زبان میں کہتے ہیں کہ ناک میں دم آ گیا۔ وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ یہاں یہ مراد نہیں کہ بازو یا ہاتھ سمیٹ کر بیٹھ بلکہ یہ محاورہ ہے اس معنی میں کہ خاطر جمع رکھ اور کبھی مخاطب کے ادعاء کو چھوڑ کر اصل مقصود میں کلام کیا کرتے ہیں جس کو الکلام علی مجارات الخصم کہتے ہیں جیسا کہ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا جن غلط معبودوں کو وہ الٰہ کہتے تھے' ان کے ادعاء پر اسی لفظ سے تعبیر کر کے ان کی الوہیت باطل کی۔ ہماری زبان میں جیسا کوئی سیادت کا ادعاء کرے اور مخاطب اس کو بہ تلفظ سیّد خطاب کرے' اس سے یہ مقصود نہیں کہ اس نے اس کی سیادت تسلیم کر لی اور کبھی کسی جملہ' خبریہ کو نہ اخبار کی غرض سے بلکہ تمسخر کی راہ سے تکذیب کے لئے بیان کیا کرتے ہیں اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ اور ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ جیسا کہ ہماری زبان میں کہتے ہیں: آپ بڑے اچھے آدمی ہیں یا آپ مرشد ہیں یعنی بڑے اور چالاک ہیں۔ یا کہتے ہیں: بہت خوب یعنی ہرگز نہیں۔ جو لوگ ان محاورات سے واقف نہیں' وہ اپنی نادانی سے قرآن کے ان مزیدار فقروں پر اعتراض کرتے ہیں ❶۔

فوائد: قرآن مجید میں اگرچہ مخاطب بالذات وہی لوگ ہیں کہ جو اس وقت موجود تھے مگر علم الٰہی میں جو چیز آئندہ آنے والی ہے' وہ بھی موجود ہے اس لئے اور آئندہ آنے والی نسلیں قیامت تک مخاطب ہیں اور گو اکثر مقام پر مذکر کے صیغے بولے گئے ہیں مگر عورتیں بھی مراد ہیں اور اسی طرح گو آیت کا شان نزول کوئی خاص حادثہ ہی کیوں نہ ہو اور خواہ کسی خاص شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہو لیکن جب تک قرائن تخصیص کے نہ پائے جائیں گے' اعتبار عموم الفاظ کا ہوگا' خصوصیت مورد کو نہ دیکھا جائے گا۔ پس احکام الٰہی میں عرب وعجم' امیر وفقیر' غلام وآقا سب برابر ہیں۔

امر ہشتم۔ محکم ومتشابہ کی بحث:......محکم ومتشابہ کا جاننا۔ قال اللہ تعالیٰ: هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ۔ واضح ہو کہ محکم اور متشابہ کے معنی میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں محکم وہ کلام ہے کہ جس کی مراد معلوم ہو خواہ بالظہور' خواہ بالتاویل، اور متشابہ وہ ہے کہ جس کو خاص خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے جیسا کہ خروج دجال وقیامت۔ بعض نے کہا کہ محکم وہ ہے کہ جس کے معنی واضح ہوں اور متشابہ اس کے برعکس ہے کیونکہ جو کلام بامعنی ہے' یا تو دوسرے معنی کا احتمال رکھتا ہے یا نہیں۔ جو دوسرے معنی کا احتمال نہیں رکھتا' وہ نص ہے اور جو رکھتا ہے تو اس کے دوسرے معنی پر دلالت زیادہ ہوگی یا نہیں' اوّل وہ ظاہر ہے۔ ان دونوں کو محکم کہتے ہیں۔ دوسرا دو حال سے خالی نہیں' یا تو دونوں معنی برابر سمجھے جاتے ہیں یا نہیں۔ اوّل مجمل اور ثانی ماؤل ہے۔ ان دونوں کو متشابہ کہتے ہیں۔ پس نص اور ظاہر تو دونوں محکم کی قسم ہیں اور مجمل اور ماؤل متشابہ کی۔ یہ تقسیم ان علماء کے نزدیک ہے جو وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ پر وقف لازم نہیں سمجھتے اور الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کو بھی اس میں شریک جانتے ہیں' جیسا کہ اکثر شافعیہ کی یہی رائے ہے اور جن کے نزدیک الَّا اللّٰہ پر وقف لازم ہے تو ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کے سوائے متشابہ کے معنی کوئی نہیں جانتا اور پھر اس کے قرآن میں نازل کرنے سے صرف علماء کا امتحان مقصود ہے کہ ان امور پر محض خدا تعالیٰ کے فرمانے سے ایمان بھی لاتے ہیں یا نہیں؟ پس ان کے نزدیک کل کلام الٰہی کی بلکہ ہر ایک کلام کی یوں تقسیم ہوگی: جو کلام کہ ظاہر المراد ہے' اس کے معنی میں تاویل کی گنجائش ہے یا نہیں' پس اگر ہے۔ اب ظہور مراد محض الفاظ سے ہے تو اس کو ظاہر کہتے ہیں اور جو اس کے ساتھ اس کا سیاق بھی اسی مراد کے لئے ہے اور اس میں اس وجہ سے اور بھی ظہور ہو گیا

❶......چنانچہ عماد الدین وغیرہ ناسمجھ لوگوں نے اپنا وقت اس میں ضائع کیا ہے۔ منہ۔

ہے تو اس کو نص کہتے ہیں اور کبھی عموماً ہر آیت و حدیث کو بھی نص کہا کرتے ہیں۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یہ آیت اباحت نکاح کے لئے تو ظاہر ہے اور عدد بیان کرنے میں نص ہے کیونکہ اسی لئے کلام چلایا گیا ہے اور جس میں تاویل کی گنجائش نہیں، وہ بھی دو حال سے خالی نہیں، یا تو نسخ کا احتمال ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کو مفسر کہتے ہیں اور نہیں تو محکم۔ پیغمبر ﷺ کے بعد جمیع آیات احکام اور کل قصص اور آیات متعلقہ توحید وغیرہ سب محکم ہیں۔ ان چاروں اقسام کے مقابلہ میں چار اور اقسام ہیں۔ جس طرح ان میں درجہ بدرجہ ظہور مراد کو ترقی تھی، ان میں درجہ بدرجہ مراد میں خفاء و پوشیدگی کو ترقی ہے کیونکہ جس کلام کے معنی میں پوشیدگی ہے، یا تو وہ کسی ایسے عارض سے ہے کہ جو لفظ کے علاوہ ہے یا محض الفاظ ہی میں خفاء ہے۔ اوّل کو خفی کہتے ہیں اور دوسرا کہ جس کے الفاظ میں اشکال ہے، یا تو ایسا اشکال ہے کہ تأمل کرنے اور قرائن میں غور کرنے سے دور ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اوّل کو مشکل کہتے ہیں اور دوسرا کہ جس کا اشکال قرائن میں غور کرنے سے دور نہیں ہوتا، دو حال سے خالی نہیں، یا اس کے اشکال دور کرنے میں متکلم کی جانب سے انکشاف کی امید ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کو مجمل کہتے ہیں اور نہیں تو اس کو متشابہ کہتے ہیں، جیسا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۔ووجه الله و يده وغير ذٰلك من الصفات المتشابهات اور جیسا کہ اوائل سور میں الٓمّٓ حٰمٓ وغیرہا حروف مقطعات ہیں۔ یہاں آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ظاہر کے مقابلہ میں خفی اور نص کے مقابلہ میں مشکل اور مفسر کے مجمل اور محکم کے متشابہ ہے۔ پس جس طرح محکم میں نہایت درجہ کا ظہور ہے، متشابہ میں نہایت درجہ کا خفاء ہے اور یہ بھی کہ اوّل فریق کی تقسیم کے موافق مجمل اور مأوّل ہی کو متشابہ کہتے ہیں۔ پس ان کے نزدیک اور بھی آیات متشابہ کہلائیں گی۔ آپ یہ بھی خیال میں رکھیں کہ یہ جو محکم اور متشابہ باہم مخالف ہیں یہاں تک کہ جو آیت محکم ہے، اس کو متشابہ نہیں کہہ سکتے اور جو متشابہ ہے اس پر محکم کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ محکم اور متشابہ سے ظہور اور خفاء مراد لیا جائے ورنہ جب حکم محکم ہونے سے مراد مضبوطی اور نقصان و اختلاف قبول نہ کرنا مراد لیا جائے گا تو تمام آیات قرآنیہ کو محکم کہا جائے گا۔ کما قال تعالیٰ: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ اور اسی طرح متشابہ کے معنی صدق اور اعجاز میں ایک دوسرے کا شبیہ ہونا قرار دیا جائے گا تو تمام آیات کو متشابہ کہیں گے۔ لقولہ تعالیٰ: كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا۔

فوائد: اسی طرح ان طرق کا (کہ جن سے مطلب پر استدلال کیا جاتا ہے) جاننا ضروری ہے، ان کے جاننے بغیر مطالب قرآن پر مطلع ہونا دشوار ہے اور وہ طریقے چار ہیں کیونکہ استدلال الفاظ سے ہے یا معنی سے۔ پہلی صورت میں وہ کلام اگر خاص اسی مطلب کے لئے بولا گیا ہے تو اس کو عبارۃ النص کہتے ہیں ورنہ اشارۃ النص دوسری صورت میں اگر وہ مطلب اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ شرعاً یا عرفاً یا عقلاً لفظی معنی ان پر موقوف ہیں تو اس کو اقتضاء النص کہتے ہیں اور اس طرح سے نہیں بلکہ زیادہ ہونے کی وجہ سے سمجھ میں آتا ہے تو اس کو دلالت النص کہتے ہیں۔ یہ چاروں طریق تو سب کے نزدیک مقبول ہیں۔ ان کے علاوہ بعض محققین کے نزدیک اور طریقوں سے بھی مطلب سمجھا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں: مفہوم الشرط، مفہوم الصفۃ وغیرہا کہ جن کو مفہوم مخالف کہتے ہیں اور اسی طرح عام و خاص و مشترک و ماؤل اور حقیقت و مجاز و صریح و کنایہ کا جاننا بھی بالخصوص اس شخص کے لئے کہ جو احکام قرآن پر مطلع ہونا اور ان سے اور احکام کا استنباط کرنا چاہے، ضروری ہے۔

امر نہم اختلاف قراءت کے بیان میں:......اختلاف قراءت۔ واضح ہو کہ نبی ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کثیر نے یہ نقل کیا ہے اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ یعنی قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے، ہر ایک کافی شافی ہے۔ اس حدیث کی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔ مگر حروف کے معنی میں علماء کا بہت کچھ اختلاف ہے۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ چنانچہ تفسیر اتقان میں چالیس قول نقل کئے ہیں مگر ان اقوال میں سے ایسے بھی اکثر قول ہیں کہ جن کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں اس لئے ان کو چالیس

کہنا میرے نزدیک صحیح نہیں۔ خیر اس کو جانے دو۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ جو باہم مخالف اقوال ہیں وہ سب کے سب صحیح نہیں۔ میں نے جہاں تک علماء محققین کے اقوال اور احادیث صحیحہ میں نظر کی اور مختلف عنوانوں میں اس حدیث کے مطلب پر غور کیا تو یہ معلوم ہوا کہ سات حروف سے قبائل عرب یا خاص قبائل قریش کے وہ مختلف محاورات مراد ہیں کہ جن سے مطلب میں کچھ تغیر نہ آئے اور ہر ایک کو ادا کرنے میں آسانی ہو جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ❶ استدعاء کے موافق اس امر کی خدا تعالیٰ نے اجازت دی تھی (جس طرح ہندوستان میں کیا اور کا اور کے اور کی پورب اور پنجاب اور وسط ہند میں بولا جاتا ہے اور کوئی مصنف سہولت کے لئے اپنی کتاب میں اس لفظ کو ہر طرح سے ادا کرنے کی اجازت دے دے) مگر آنحضرت ﷺ لوگوں کو قرآن اسی طریق پر یاد کراتے اور کاتبوں سے اسی طرز پر لکھواتے تھے جو خاص آپ ﷺ کی زبان تھی۔ پس جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن جمع کیا گیا تو خاص اسی طرز پر جمع کیا گیا اور باقی وجوہ کہ جن کی ایک عارضی طور سے اجازت تھی رفع اختلاف کے لئے کتابت میں نہ آئیں۔ اس وقت وہ سبع احرف باقی نہ رہے گو اپنے طور پر کوئی پڑھا کرے مگر اس مصحف میں درج نہ کئے گئے۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس نسخہ سے پانچ یا سات نسخے انہیں پکے حافظوں اور زبان والوں کے اہتمام سے نقل کرا کے اطراف و جوانب میں بھیجے۔ ان میں بھی وہ احرف چھوڑ دیئے گئے کیونکہ یہ نسخے تو خاص اسی نسخہ سے نقل ہوئے تھے جو خاص آنحضرت ﷺ کی زبان کے موافق لکھا گیا تھا مگر وہ سب نسخے خط کوفی میں تھے کہ جس کی رسم خط میں حروف تشابہ واقع ہوتا ہے جس میں یعلمون کی جگہ تعلمون اور تعلیم کی جگہ تعلم پڑھا جا سکتا ہے۔

**قراء سبعہ صحابہ رضی اللہ عنہم:**......مگر یہ اختلاف حفاظ کو ہرگز پیش نہ آئے تھے کیونکہ وہ لوگ حرف بحرف اسی طرح یاد کرتے تھے جو آنحضرت ﷺ نے بتلایا تھا بلکہ ان لوگوں کو جو صرف لکھے ہوئے پر مدار رکھتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بڑے معتبر حافظ اور قاری کہ جو عامیوں کے اختلاف کو درست کرتے تھے اور جن کی طرف ہر مشکل میں لوگ رجوع کر کے حل کرتے تھے یہ لوگ تھے: عثمان، علی، اُبی، زید بن حارث، ابن مسعود، ابو دردا، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم، کذا قال الذھبی فی طبقات القراء۔

پھر مکہ اور مدینہ اور بصرہ اور کوفہ اور شام میں ان کے تلامذہ پھیل گئے اور قرآن کی تعلیم میں مصروف ہوئے اور لوگوں کے شکوک رسم الخط کو حل کرتے رہے۔ چنانچہ مدینہ میں ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ اور عروہ رحمۃ اللہ علیہ اور سالم رحمۃ اللہ علیہ و عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور سلیمان اور عطاء اور معاذ بن حارث جو کہ معاذ قاری کے لقب سے مشہور تھے اور عبدالرحمٰن بن ہرمز اور ابن شہاب زہری اور مسلم بن جندب اور زید ابن اسلم تھے اور مکہ میں عبید اور عطاء بن ابی رباح اور طاؤس اور مجاہد اور عکرمہ اور ابن ابی ملیکہ اور کوفہ میں علقمہ اور اسود اور مسروق اور عبیدہ اور عمرو بن شرحبیل اور حارث بن قیس اور ربیع اور عمرو بن میمون اور ابو عبدالرحمٰن سلمی و زر بن حبیش و عبید بن فضلہ و سعید بن جبیر و نخعی و شعبی اور بصرہ میں ابو عالیہ اور ابو رجاء اور نصر بن عاصم اور یحیٰ بن یعمر اور حسن بصری اور ابن سیرین اور قتادہ اور شام میں مغیرہ بن ابی شہاب مخزومی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ اس فن کے ماہر تھے بلکہ بعض تو خاص اسی فن کے امام مشہور ہو گئے۔ چنانچہ مدینہ میں ابو جعفر، پھر ابن نصاح پھر نافع قاری مشہور ہوئے اور مکہ میں عبداللہ ابن کثیر و حمید بن قیس محمد بن محیصن اور کوفہ میں یحییٰ بن وثاب و عاصم بن ابی النجود و سلیمان اعمش، پھر حمزہ، پھر کسائی اور بصرہ میں عبداللہ بن ابی اسحاق و عیسیٰ بن عمرو اور ابو عمر بن العلاء و عاصم، پھر یعقوب حضرمی اور شام میں عبداللہ بن عامر و عطیہ بن قیس کلابی و اسماعیل، پھر یحیٰ بن حارث ذماری، پھر شریح بن یزید حضرمی امام القراء کہلائے۔

**قراء سبعہ:**......اور پھر ان میں سے یہ سات اشخاص تو ایسے ہوئے کہ دور دراز سے لوگ ان کے پاس آ کر قرآن کی حرکات و سکنات مد

---

❶......خواہ ان احرف سے تقدیم و تاخیر کلمات میں کرنا یا ایک کلمہ کا دوسری جگہ ہم معنی ہونے کی وجہ سے پڑھنا یا قریش و ہوازن وغیرہ قبائل کے لغات۔ الغرض جو کچھ ہو وہ آسانی کے لئے آپ ﷺ کے دور ہوتا مگر جو کچھ اصل تھا لکھانے اور یاد کرانے میں اسی کا اعتبار تھا۔ پس ان عارضی وجوہات کو اب پیش کر کے قرآن میں تحریف مدعی ہونا ایک خیالی محال ہے۔

شد بلکہ لب ولہجہ کو بھی سیکھتے تھے اور اس فن کے مقتدا مانے گئے اور وہ یہ ہیں: نافع۔ اس شخص نے ستر تابعین کی شاگردی کر کے یہ علم حاصل کیا تھا اور یہ مدینہ میں رہتے تھے۔ ابن کثیر مکی۔ یہ عبداللہ بن سائب صحابی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ ابو عمرو۔ علماء تابعین کے شاگرد تھے اور بصرہ میں رہتے تھے۔ عبداللہ بن عامر شامی یہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ عاصم کوفی۔ یہ بھی تابعین کے شاگرد تھے' پھر ان کے شاگرد حمزہ اور پھر ان کے شاگرد کسائی۔ وہ سات قاری کہ جن کی سات قراءت مشہور ہیں' یہی ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی قراءت کے دو دو راوی ہیں کہ جن کے لب ولہجہ میں کسی قدر باہم اختلاف ہے۔

چنانچہ نافع سے ان کے شاگرد قالون اور ورش اور ابن کثیر سے قنبل اور بزّی ایک واسطہ سے اور ابو عمرو سے دوری اور سوسی ایک واسطہ سے اور ابن عامر سے ہشام اور ذکوان ایک واسطہ سے اور عاصم ابو بکر بن عیاش اور حفص (حفص کی قراءت ہندوستان میں مشہور ہے) اور حمزہ سے خلف اور خلاد بواسطہ سلیم اور کسائی سے دوری اور ابوالحارث روایت کرتے ہیں۔ ان سات قاریوں کی قراءت میں جو کچھ اختلاف ہے یا پھر ان کے راویوں کی قراءت میں جو قدرے مخالفت ہے' سو وہ محض اخفاء واظہار و مد وقصر تفخیم وامالہ واشمام رفع وخفض یعنی کھڑا اور پڑا پڑھنے وغیرہ امور میں ہے کہ جو لب ولہجہ سے علاقہ رکھتے ہیں ■ یعنی ان حضرات نے اپنے اساتذہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کی ادائیگی اور تلفظ کی کیفیت کو محفوظ رکھا ❶ اور جس طرح علم موسیقی سننے سے تعلق رکھتا ہے' یہ فن تجوید بھی ❷ سماعت استاد سے علاقہ رکھتا ہے) پس ان سات قراءتوں سے وہ سبعہ احرف (کہ جو حدیث میں وارد ہیں اور جن کے معنی میں اختلاف ہے) مراد لینا نہایت جہالت ہے۔ وقد ظنّ کثیر من العوام ان المراد بھا القراءات السّبع وھو جھل قبیح۔ اتقان۔ الغرض قرآن جب لکھا گیا تو خط کوفی میں خاص اسی طرز پر لکھا گیا تھا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں حفاظ کو یاد کرا دیا اور کاتبوں سے لکھوا دیا تھا۔ باقی وہ جو کچھ بطریق تفسیر تھا اور بعض لوگوں نے اس کو اپنے مصاحف میں متبرک سمجھ کر لکھ لیا تھا (کہ جس کو منسوخ التلاوۃ کہتے ہیں) اور ان عام محاورات کو (کہ جن کی بضرورت اجازت تھی) چھوڑ دیا کیونکہ وہ اصل قرآن نہ تھے۔ پھر جن کو اس رسم الخط میں تردد ہوتا تھا تو ان کے تردد کو صحابہ رضی اللہ عنہم پھر تابعین رحمہم اللہ وغیرہم علماء اپنی یاد سے دور کر دیتے تھے۔ لیکن جب کہ یہ دیکھا کہ مصاحف کثرت سے پھیل گئے اور اسلام صدہا بلکہ ہزار ہا کوس اور مختلف قوموں میں پہنچ گیا کہ جن کی عربی زبان نہیں ہے تو عام سہولت کے لئے قرآن پر تابعین ہی کے زمانہ میں اعراب ❶ زبر وزیر ومدّ وجزم لگائے گئے اور آیات اور اوقاف کے نشان دیئے گئے کہ جس سے ہر شخص بلا کم وکاست وبلا تغیر بخوبی قرآن مجید پڑھ سکتا ہے اور ہر طرح کی غلطی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ متقدمین کو جزاء خیر عطاء فرمائے کہ ان کی کوشش اور سعی کا یہ نتیجہ ہے کہ زمانہ نزول سے آج تک ہر ملک اور ہر قوم میں ایک ہی قرآن ہے' کسی جگہ بھی حروف یا شوشہ یا نقطہ کا فرق نہیں۔ وللہ الحمد۔

اب بعض عیسائیوں کا تورات وانجیل کی تحریف کی نظیر میں قرآن مجید میں تحریف ثابت کرنے کے لئے ان الفاظ کو نقل کرنا کہ جو بطور تفسیر کے پڑھے گئے تھے اور ان کو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں داخل نہ فرمایا اور ان خبر احاد کو نقل کرنا کہ جن میں سبعہ احرف کے بیان میں

---

■ جہاں تک میں نے غور کیا' قراء کے اختلاف کا مدار وہی رسم الخط ہے یعنی جہاں تک خط کوفی میں وسعت تھی' وہیں تک وقف اور اعراب اور لب ولہجہ وغیرہ امور میں اختلاف ہے جو ہر ایک روایت کو خط کوئی گنجائش دیتا تھا۔ منہ ❶ ..... پس وہ جو بعض مفسرین اختلاف قراءت بیان کرتے ہیں' سو وہ محض خبر آحاد سے ثابت ہیں' وہ کسی طرح سے جزو قرآن نہیں ہو سکتیں کیونکہ قرآن میں تواتر شرط ہے' ہاں ان سے حدیث سمجھ کر کوئی حکم ثابت کیا جائے تو ممکن ہے۔ منہ۔ ❷ ..... تجوید' فن قراءت کو کہتے ہیں۔ علماء نے طرز تلفظ وغیرہ امور بالخصوص مفردات ومرکبات الفاظ کے مخارج کو کتابوں میں بیان کیا ہے۔ اس فن میں سب سے اول ابو عبید قاسم بن سلام نے' پھر احمد بن جبیر کوفی نے' پھر اسماعیل مالکی نے' پھر ابو جعفر ابن جریر طبری نے' پھر ابو بکر محمد داجونی نے' پھر ابو بکر بن مجاہد نے تالیف وتصنیف کی۔ پھر بہت سے لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں۔ جزری وشاطبی بھی اس فن میں عمدہ کتابیں ہیں۔ ❶ ..... عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں خلیل وغیرہ لوگوں کے اہتمام سے یہ کام انجام پایا۔ منہ۔

تقدیم و تاخیر وغیرہ تصرفات مذکور ہیں' محض بے فائدہ ہے کیونکہ یہ سب چیزیں اگر صحیح روایت اور پھر متواتر یا مشہور سے بھی ثابت ہو جائیں تو آنحضرت ﷺ کے روبرو ہی قرآن میں مندرج نہ ہوئی تھیں' نہ پھر جمہور صحابہ ﷢ نے قرآن کو جمع کرتے وقت ان کو نقل کیا بلکہ سب نے ان کو بالاتفاق قرآن کا جزء نہ سمجھا۔ پس جب یہ جزء قرآن نہیں تو ان کے قرآن نہ ہونے سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔ مگر جو لوگ اس بات سے ناواقف ہیں' وہ بغیر سمجھے بوجھے تفسیر اتقان وغیرہ کتب سے اس قسم کی روایات نقل کر کے قرآن میں تحریف ثابت کرنے کے مدعی ہو جاتے ہیں مگر جب تحریف اور قرآن کی تعریف مقرر کر کے امور تنقیح طلب قرار پاتے ہیں تو اہل اسلام کے روبرو خجالت اٹھاتے ہیں۔

**امر دہم۔ یعنی تقدیم و تاخیر آیات کی بحث:**......تقدیم و تاخیر آیات۔ واضح ہو کہ قرآن مجید جس ترتیب سے جمع کیا گیا ہے یعنی اوّل الحمد' پھر سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران الخ اسی ترتیب سے نازل نہیں ہوا ہے بلکہ اصل حال یہ ہے کہ اس ترتیب موجود کے ساتھ قرآن مجید لوح محفوظ سے رمضان کے مہینہ میں شب قدر کو یک بارگی آسمان دنیا میں بیت المعمور ❶ کی طرف نازل ہوا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ الایۃ وقال تعالیٰ: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ پھر وہاں سے حسب حاجت عباد تھوڑا تھوڑا جبرئیل ❷ علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کے پاس لاتے تھے اور آپ ﷺ ان آیات کو ان کے اصلی موقع پر کاتبوں سے لکھوا دیتے اور حافظوں کو یاد کرا دیتے تھے۔ جس طرح کسی دیوان مرتب میں سے حسب موقع کچھ اشعار اور غزلیں کسی کے پاس بلالحاظ تقدیم و تاخیر بھیجی جائیں لیکن وہ شخص ہر شعر اور ہر غزل کو اسی ترتیب سے لکھے کہ جس ترتیب سے دیوان میں مندرج ہیں۔ جو اوّل ہے اس کو اوّل اور جو آخر ہے' اس کو آخر لکھے۔ گو اخیر کی غزل اول بار بھیجی جائے مگر لکھی اخیر ہی میں جائے۔ یہی حال قرآن مجید کا ہے۔ چنانچہ شوال کے اول عشرہ میں اول سورۂ اقرأ سے مَا لَمْ يَعْلَمْ تک نازل ہوئی' پھر سورۂ مدثر' پھر سورۂ مزمل۔ بعض کہتے ہیں: اوّل اقرأ' پھر ن' پھر سورۂ مدثر' پھر سورۂ فاتحہ' پھر تبت، پھر اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ' پھر سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى' پھر سورۂ والیل' پھر سورۂ فجر' پھر سورۂ والضحیٰ' پھر سورۂ الم نشرح' پھر سورۂ والعصر' پھر سورۂ والعادیات' پھر سورۂ کوثر' پھر اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ' پھر اَرَءَيْتَ الَّذِيْ' پھر قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ' پھر اَلَمْ تَرَ' پھر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ' پھر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ نازل ہوئی اور جب آپ ﷺ مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تو وہاں بھی بتدریج قرآن نازل ہوتا رہا۔ چنانچہ وہاں جا کر وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ' پھر سورۂ بقرہ' پھر سورۂ آل عمران' پھر سورۂ انفال' پھر سورۂ احزاب' پھر سورۂ المائدہ الخ نازل ہوئی۔ اکثر ایک سورۃ کئی کئی ٹکڑے ہو کر نازل ہوتی تھی اور کبھی تمام سورۃ یکبارگی ■ نازل ہوئی ہے' جیسا کہ سورۂ انعام و تبت و اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وغیرھا من السُّور۔ تمام محققین کے نزدیک آیات کی ترتیب توقیفی ہے یعنی جس طرح جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا' آپ ﷺ نے اسی کے موافق آیات قرآن کو مرتب کیا اور ہر سورۃ کی آیات کو ان کے موقع پر لکھوا دیا۔

**سورتوں کی ترتیب:**......اسی طرح سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت ﷺ کے عہد میں ہو چکی تھی' اسی ترتیب سے جواب موجود ہے۔ صدہا حفاظ کو قرآن مجید یاد تھا اور آپ ﷺ ہی کے ارشاد کے بموجب فاصلہ کے لئے ہر سورۃ کے اول میں بسم اللہ بھی لکھی جاتی تھی' چونکہ سورۂ براءت کے اوّل میں آپ ﷺ نے حکم نہ دیا تو وہاں یہ نہ لکھی گئی۔ پس جس قدر آیات اور سورتیں کہ مکہ میں نازل ہوئیں' ان کو مکیہ کہتے ہیں اور جو مدینہ میں نازل ہوئی ہیں' ان کو مدنیہ کہتے ہیں اور بعض نے یہ اصطلاح مقرر کی ہے کہ جو کچھ ہجرت سے پہلے نازل ہوا خواہ خاص

---

❶......بیت المعمور ہمارے مکانوں کی مانند کوئی دفتر خانہ یا لمشی خانہ نہیں ہے بلکہ یہ تعینات عالم مثالی ہیں جن کی شرح کی یہاں گنجائش نہیں۔ منہ۔ ❷......بعض نافہموں نے جبرئیل کا انکار کیا اور نزول قرآن اور وحی کو آنحضرت ﷺ کی حالت جذبیہ کا ثمرہ بتایا اور اس کو مجنونوں کی خیالی باتوں کے ساتھ تشبیہ دی' نعوذ باللہ منہ۔ دراصل یہ اکسہو میو اور پامر وغیرہم یورپ کے ملحدوں کی تقلید ہے کہ جس پر سید صاحب اور ان کی امت فخر کرتی ہے۔ منہ۔ ■: یکبارگی نازل ہونے کو انزال اور پارہ پارہ کو تنزیل کہتے ہیں۔ حقانی

مکہ میں یا طائف میں یا کہیں اور سب کو مکیہ کہتے ہیں اور جو کچھ بعد ہجرت کے نازل ہوا خواہ خاص مدینہ میں یا قباء میں یا راستہ میں یا خیبر یا تبوک کے سفر میں سب کو مدنیہ کہتے ہیں۔ متاخرین نے قرآن کی ہر سورۃ کے اوّل میں اس کا بیان لکھ دیا ہے کہ یہ مکیہ ہے یا مدنیہ اور اس کی اس قدر آیات ہیں۔ البتہ احکام کے ناسخ ومنسوخ پہچاننے کے لئے اس قدر جاننا تو ضروری ہے۔ باقی یہ معلوم کرنا کہ یہ آیات سردی کے موسم میں نازل ہوئی تھیں یا گرمی کے موسم میں صبح کے وقت یا شام کے وقت دن میں یا رات میں سفر میں یا حضر میں کچھ ضروری نہیں اور جو کوئی ان باتوں پر بھی حاوی ہو جیسا کہ بعض محدثین نے آیات صیفی وشتوی لیلی ونہاری، سفری وحضری جداگانہ بیان کیا ہے تو یہ اس کے وفور علم کی دلیل کامل ہے۔

الغرض آیات وسور کی ترتیب اصلی قرار دینے کے لئے ہر رمضان میں جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے دور کرتے تھے اور اخیر رمضان میں دوبار دور کیا تاکہ نزول کی تقدیم وتاخیر کو درست کر کے ہر چیز کو اس کے اصلی موقع پر قائم کر دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا کیا اور لوح محفوظ کے مطابق قرآن کو یاد کر دیا۔ اس لئے تمام اہل اسلام میں اسی ترتیب سے قرآن اب تک موجود ہے اور قیامت تک رہے گا۔ ہاں اس کا کچھ مضائقہ نہیں کہ تلاوت یا کسی اور غرض سے کوئی شخص بعض سورتوں کو مقدم ومؤخر کر دے جیسا کہ پنج سورہ میں ہوتی ہے یا ایک قسم کی آیات کو جداگانہ ترتیب دے اور دوسری قسم کو جدا جگہ لکھے جیسا کہ اہل ورود وظائف کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ترتیب نزول کے لحاظ سے رکھی تھی۔ یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے کتب احادیث میں موجود ہے۔ اتقان میں اس کے حوالے مندرج ہیں واللہ اعلم۔

## فصل ہشتم

**فوائد (۱):** قرآن مجید کی سورتوں کے نام آنحضرت ﷺ کے روبرو ہی مقرر ہو چکے تھے۔ نام رکھنے میں اکثر جزء غالب یا مقصود بالنظر کا اعتبار ہوتا ہے اس لئے سورۂ بقرہ کو کہ اس میں ذبح بقرہ کا عجیب وغریب قصہ ہے سورۂ بقرہ کہنے لگے اور سورۂ یوسف میں چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے اس لئے اس کو سورۂ یوسف کہنے لگے اور کبھی کسی وصف خاص کا لحاظ ہوتا ہے مثلاً سورۂ الحمد للہ میں ایک وصف شفاء ہے اس لئے اس کو سورۂ شفاء کہا گیا۔ اسی لحاظ سے ایک سورہ کے متعدد نام مقرر ہوئے ہیں اور کبھی اوّل کلمہ کا لحاظ کر کے وہی نام رکھ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورۂ نٓ اور صٓ اور حٰم اور تبت کو تبت کہنے لگے وقس علی ھٰذا۔ احادیث میں اکثر سورتوں کے نام آئے ہیں گو ان میں بعض احادیث ضعیف اور بعض صحیح ہیں پس سب کو غیر ثابت کہہ دینا قاعدۂ محدثین کے خلاف ہے اور ان امور مذکورہ کا تسمیہ میں مرعی رکھنا عرب میں قدیم سے مروج تھا چنانچہ انہیں وجہ سے وہ اپنے قصائد کو موسوم کیا کرتے تھے پس اس تسمیہ کو یہود کی تقلید کہنا جیسا کہ سیّد احمد خان صفحہ ۴ میں کہتے ہیں بڑی غلطی بلکہ ناواقفی ہے

**تنبیہ:** حروف مقطعات انتیس سورتوں کے اوّل میں آئے ہیں۔ علماء کا ان کے معانی میں اختلاف ہے۔ آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا۔ مگر ایک جماعت نے ان کو ان سورتوں کا نام بھی مانا ہے اور ان کے یہی معنی قرار دیئے ہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں کوئی روایت صحیح نہیں آئی ہے۔ پس ان حروف کو ان سورتوں کا نام بامر وحی یا بامر الٰہی سمجھنا اور یوں کہنا: قولہ صفحہ ۲ ان میں سے بجز انتیس کے کہ جن کی ابتداء میں حروف مقطعات ہیں اور کسی کو خدا تعالیٰ نے موسوم نہیں کیا۔ سیّد احمد صاحب! بڑی غلطی کی بات ہے

**فوائد (۲):** قرآن مجید میں کل ۱۱۴ سورتیں ہیں اور قرآن مجید کی آیات کی تعداد میں اہل کوفہ اور اہل شام اور اہل بصرہ اور اہل مکہ واہل مدینہ کا اختلاف ہے۔ اختلاف کی یہ وجہ نہیں کہ ایک گروہ بعض آیات کو آیات قرآنی کہتا ہے اور دوسرا ان کو قرآن میں داخل نہیں کرتا بلکہ اس وجہ سے کہ جس گروہ کے نزدیک نبی ﷺ کا جس جگہ وقف کرنا پایا گیا انہوں نے اس کو ایک آیات شمار کیا اور جن کے نزدیک دونوں جگہوں

میں وقف کرنا ثابت نہ ہوا بلکہ وصل ثابت ہوا تو انہوں نے دونوں کو ایک آیت سمجھا۔ پس اکثر کے نزدیک چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہیں اور اہل کوفہ کے نزدیک چھ ہزار چھ سو چھتیس ہیں اور اہل مدینہ کے نزدیک چھ ہزار دو سو چودہ ہیں متاخرین نے آیات پر کہیں لفظ شامی' کہیں 'وفی لکھ دیا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ آیت کوفہ یا شام میں نازل ہوئی بلکہ یہ مراد ہے کہ علماء کوفہ کے نزدیک یا علماء شام کے نزدیک یہ آیت ہے' واللہ اعلم۔ اسی طرح حروف قرآن کا بھی علماء نے شمار کر لیا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تین لاکھ بائیس ہزار چھ سو ستر حرف بتائے ہیں اور یہاں بھی اختلاف کا یہ سبب ہے کہ بعض نے حروف مشدد میں سے ایک کو دو گنا' بعض نے ایک ہی شمار کیا ہے۔

فوائد (۳): لوگوں کی آسانی کے لئے جب علماء نے قرآن پر اعراب لگائے اور علم رسم الخط تدوین کیا تو سہولت کے لئے متاخرین نے قرآن کو تیس دنوں کے موافق تیس پاروں پر تقسیم کیا اور پارہ کے چار ٹکڑے کئے: ربع۔ نصف۔ ثلث کا لفظ ہر مقام پر لکھا اور پھر ہر ٹکڑے کو تقسیم رکوعات پر کیا اور رکوع کا اشارہ ع کے ساتھ کیا' پھر رکوع کی پانچ پانچ یا دس دس آیات پر چند نشان لگائے جن کی تفصیل یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| ھ | یہ پانچ آیتوں کی علامت ہے جو کوفیوں اور بصریوں کے نزدیک یا خاص کوفیوں کے نزدیک ہیں۔ |
| ع | اسی طرح سے دس آیتوں کی علامت ہے جو لفظ عشرہ کا ابتدائی لفظ لیا گیا ہے جیسا کہ ھ خمسہ کا اخیر ہے۔ |
| عب | سے اشارہ ہے اس طرف کہ یہاں بصریوں کے نزدیک دس آیت تمام ہو چکیں ع سے عشرہ اور ب سے بصریین مراد ہیں۔ |
| خب | سے مراد یہ ہے کہ بصریین کے نزدیک پانچ آیتیں یہاں تک ہو چکیں خ سے خمسہ اور ب سے بصریین مراد ہیں۔ |
| تب | سے یہ مراد ہے کہ بصریین کے نزدیک آیت ہے ت سے آیت اور ب سے بصریین مراد ہیں۔ |
| لب | سے یہ اشارہ ہے کہ اہل بصرہ کے نزدیک یہاں آیت نہیں ل سے لیس اور ب سے بصریین مراد ہیں۔ |

فوائد (۴): عرب کی زبان میں یہ دستور ہے کہ جب جملہ تمام ہوتا ہے' وہاں ذرا ٹھہر جاتے ہیں کہ جس کو وقف کہتے ہیں۔ اگرچہ ہر ایک آیت ایک کلام تمام ہے' اس پر وقف ہے مگر آیت کبھی ایسی ہوتی ہے کہ اس میں دو یا کئی جملے ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر وقف کرنا چاہئے۔ پس قدیم عرب کو آیات اور ان کے درمیانی جملوں پر جس طرح اعراب کی حاجت نہ تھی' اسی طرح وقوف کے لئے رموز و اشارات مقرر کرنے کی بھی حاجت نہ تھی۔ جس طرح وہ بغیر تعلیم و تعلم' صرف و نحو و دیگر قواعد بلاغت اپنے سلیقہ' زبان دانی سے صحیح تلفظ کرتے تھے' اسی طرح جملوں کے معانی پر لحاظ کر کے وقف کرتے تھے' لیکن جب قرآن ہر ملک میں پہنچا اور عجم سے عرب کا اختلاط ہوا تو ضروری ہوا کہ غلطی سے محفوظ رکھنے کے لئے وقف کے لئے کوئی علامت مقرر کی جائے کیونکہ اگر وقف کے موقع پر وقف نہ کیا جائے اور دونوں جملوں کو ملا دیا جائے تو کلام کے معنی میں فرق آ جائے۔ دیکھئے: وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا میں اگر قَوْلُهُمْ پر وقف نہ کیا جائے تو اِنَّ الْعِزَّةَ . . . الخ کفار کا مقولہ ہو جاتا ہے' کہ جس کے یہ معنی ہوئے کہ کفار جو یہ کہتے ہیں کہ عزت سب خدا تعالیٰ کے لئے ہے' اس سے غم نہ کر۔ حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ کفار کی بات سے رنج نہ کر' عزت ہر طرح کی خدا تعالیٰ کے لئے ہے۔ یہ جدا جملہ ہے اور اسی طرح وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ میں هَمَّتْ بِهٖ پر وقف نہ کیا جائے اور دونوں کو ملا دیا جائے تو یہ معنی ہو جائیں گے کہ زلیخا نے یوسف علیہ السلام سے اور یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے قصد بد کر لیا تھا اور یہ مقصود نہیں بلکہ هَمَّ بِهَا جدا جملہ ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کی طرف کی راہنمائی یوسف علیہ السلام کو نہ ہوتی تو برا ارادہ کر چکے تھے اور اسی قسم کے بے شمار مواضع میں قراء کے نزدیک وقف اور ابتداء میں کبھی صرف معنی کا لحاظ ہوتا ہے' چنانچہ نافع اس کے قائل ہیں اور کبھی دم ٹوٹنے کا لحاظ ہوتا ہے کہ جہاں دم ٹوٹے' سوائے چند مواضع کے وقف کر دیا جائے' چنانچہ ابن کثیر اور حمزہ کا یہی مذہب ہے اور کبھی کلام کے پورا ہونے کا لحاظ ہوتا ہے کہ جہاں کلام تمام ہو جائے' وقف کر دیا جائے' چنانچہ عاصم و کسائی کا یہی مذہب ہے اور ابو

عمرو کے نزدیک آیات کی انتہاء ہی پر وقف ہوتا ہے اور اس کو وقف نبی ﷺ کہتے ہیں کیونکہ ہر آیت پر آپ ﷺ قصداً وقف کرتے تھے۔

کیفیت وقف میں بھی عرب کے مختلف حالات ہیں۔ چنانچہ قراء نے ان میں سے نہایت معتبر نو صورتیں شمار کی ہیں: سکون۔ روم۔ ابدال۔ نقل۔ ادغام۔ حذف۔ اثبات۔ الحاق۔ لیکن کلمہ متحرک پر وقف کرنے میں اصل اصول سکون ہے اور باقی ہر ایک کی تفصیل مطولات میں ہے۔ متقدمین کے نزدیک وقف اور قطع اور سکتہ کے ایک ہی معنی ہیں مگر متاخرین نے فرق کیا ہے۔ پس لفظ قطع اس صورت میں اطلاق کرتے ہیں کہ جب قاری بالکل ٹھہر جائے اور آگے بڑھنے کا قصد نہ رکھے یہاں تک کہ اگر پھر پڑھے تو دوبارہ اعوذ پڑھنے کی ضرورت ہو اور سکتہ یہ ہے کہ ذرا ٹھہر جائے مگر دم نہ توڑے اور وقف میں ٹھہر جاتے اور دم لیتے ہیں مگر نیت اعراض نہیں ہوتی۔ قراء نے ہر موقع پر لحاظ کر کے وقف کے بہت سے اقسام بیان کئے ہیں۔ ابن انباری کے نزدیک تو وقف کی صرف تین قسمیں ہیں: وقف تام۔ وقف حسن۔ وقف قبیح۔

وقف تام وہ ہے کہ جہاں دوسرے جملہ کو پہلے سے کچھ تعلق نہ ہو۔ پس اول جملہ پر وقف کر کے ابتداء کلام دوسرے سے کی جائے جیسا کہ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ اور حسن وہ ہے کہ پہلے کلام پر تو وقف ٹھیک ہو مگر دوسرے سے تنہا ابتداء کلام نہ ہو سکے جیسا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پر وقف کرنا کیونکہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ جو اس کی صفت ہے تنہا اس سے بغیر موصوف کی ابتداء کلام نہیں ہو سکتی اور قبیح وہ ہے کہ جو نہ حسن ہو نہ تام جیسا کہ بسم اللہ میں بسم پر وقف کرے اور بعض نے اور بھی اقسام وقف کے بیان کئے ہیں کہ جن کے ذکر کی اس مختصر میں جگہ نہیں۔ مگر ہم اب ان تمام وقوف کے اشاروں کو جو قرآن میں لکھے جاتے ہیں بیان کرتے ہیں۔ اس سے وقوف کے اقسام بھی سمجھ لو۔

| | |
|---|---|
| ۵ | یہ گول دائرہ آیت کی علامت ہے اور بعض اس میں نقطہ بھی لکھتے ہیں اور بعض فقط لفظ ہی پر بس کرتے ہیں یہاں ٹھہرنا چاہیے۔ |
| م | یہ اشارہ ہے وقف لازم کی طرف یہاں ٹھہرنا ضروری ہے ورنہ کلام کے معنی بدل جائیں گے۔ |
| ط | یہ اشارہ ہے وقف مطلق کے لئے یہاں ٹھہرنا بہتر ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب دوسرے جملہ سے ابتداء کرنا حسن ہو۔ |
| ج | یہ علامت وقف جائز کی ہے کہ یہاں وقف کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔ چاہے کرے چاہے نہ کرے۔ |
| ز | یہ علامت ہے اس کی کہ یہاں نہ ٹھہرے اور اگر ٹھہرے تو جائز ہے۔ |
| ص | یہ علامت اس بات کی ہے کہ یہاں وقف کی رخصت ہے یعنی طول کلام کی وجہ سے یہاں دم لینا کچھ مضائقہ نہیں۔ یہاں وقف نہ کرنا بہتر ہے بخلاف ز کے۔<br>یہ علامات تو وہ ہیں کہ جو متقدمین کے نزدیک مروج تھیں مگر متاخرین نے چند اور علامات مقرر کی ہیں اور وہ یہ ہیں |
| صلے | یہ علامت ہے الوصل اولی کی یعنی اس مقام پر وقف نہ کرنا اولی ہے ملا کر پڑھنا چاہیے۔ |
| ق | یہ علامت ہے قیل کی یعنی کہا گیا کہ یہاں وقف ہے مگر یہاں بھی نہ ٹھہرنا بہتر ہے کیونکہ قیل ضعف وقف پر دال ہے۔ |
| صل | یہ علامت ہے قد یوصل کی یہاں وقف اولی ہے۔ |
| ک | یہ علامت کذلک کی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ یہاں وہی وقف ہے جو اوپر گزرا۔ |
| قف | یہ صیغہ امر ہے یہاں وقف کرنا چاہیے۔ |
| س | یہ علامت سکتہ کی ہے اور بھی لفظ سکتہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ یہاں ذرا ٹھہر جاؤ اور دم نہ توڑو۔ |
| قلا | یہ قیل لا کی علامت ہے یعنی بعض نے یہاں نہ ٹھہرنا کہا ہے۔ |

| | |
|---|---|
| لا | یہ اگر کسی آیت پر نہیں تو یہاں بالاتفاق نہ ٹھہرنا چاہئے۔ یہ وقف لازم کے مقابلہ میں ہے۔ جس طرح وہاں ملا کر پڑھنے سے معنی خراب ہوتے ہیں' یہاں وقف کرنے سے۔ یہ وقف قبیح کی صورت ہے اور اگر آیت کے اوپر لا ہے تو اس میں محدثین کا بڑا اختلاف ہے۔ اکثر قراء اور محدثین کہتے ہیں کہ ٹھہریئے اور اکثر قراء کہتے ہیں کہ نہ ٹھہریئے' اور یہی مشہور ہے۔ |
| مع | یہ علامت معانقہ کی ہے کہ یہاں دو جگہ قریب قریب ہیں جن پر تین نقطے لکھے جاتے ہیں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ ان دونوں لفظوں میں سے دوسرے کو پہلے کے ساتھ وہ ارتباط ہے جو اگلے لفظ کے ساتھ ہے۔ پس خواہ پہلے لفظ پر وقف کرو' دوسرے کو تیسرے کے ساتھ ملا کر پڑھ دو خواہ وقف نہ کرو' جیسا کہ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ میں لَا رَيْبَ اور فِيْهِ میں معانقہ ہے خواہ لَا رَيْبَ پر وقف کرو کیونکہ فیہ کو دونوں سے ربط ہے۔ مراقبہ میں دو جگہ قریب قابل وقف ہوتے ہیں' اگر ایک پر وقف کرو تو دوسرے پر ہرگز نہ کرو۔ |

# باب ③

## فصل اوّل

واضح ہو کہ قرآن مجید میں اکثر جگہ توراۃ وانجیل وزبور وصحف ابراہیم علیہ السلام وغیرہم کا ذکر آیا ہے اور ان کی مدح اور تصدیق اور کتاب الٰہی ہونا بیان کیا ہے اور بعض مضامین کا حوالہ ان کی طرف دیا ہے' اس لئے جمہور اہل اسلام کے نزدیک ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جمیع انبیاء علیہم السلام اور تمام کتب الٰہیہ کو بلا تفریق حق سمجھنا خاص اہل اسلام ہی کا حصہ ہے۔ اس لئے مجھ کو ضروری ہوا کہ ان کتابوں کا کسی قدر مختصر حال بیان کروں تاکہ ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ اس وقت جو کتابیں اس نام کی اہل کتاب کے پاس ہیں' وہ اصل نہیں ہیں۔ اس زمانہ میں عیسائیوں کا بڑا زور ہے۔ پادری گلی کوچوں میں لوگوں کو بہکاتے پھرتے ہیں۔ کہیں کالج مقرر کر کے لوگوں کو لالچ دے کر انجیل کی تعلیم دیتے اور کرسٹین بناتے ہیں۔ بلکہ سینا پرونا سکھانے کے بہانے سے شرفاء اہل اسلام کے گھروں میں مستورات کے بہکانے کے لئے جوان جوان شاطر میموں کو بھیجتے ہیں اور گھر کے نوجوانوں سے نہایت خوش اخلاقی سے پیش آ کر رجھاتی ہیں اور دین سے برگشتہ کراتی ہیں اور کہتی ہیں "ول" ❶ تمہارے قرآن میں بھی توراۃ وانجیل وزبور پر ایمان لانے کی تاکید ہے۔ یہ کتابیں ہمارے پاس ہیں' ان پر ایمان لاؤ۔ ان میں جو کچھ لکھا ہے' اس کو مانو۔ مسیح علیہ السلام خدا تعالیٰ کا بیٹا اور دنیا کا کفارہ ہے۔ جب سادہ لوح اس دام میں آئے تب ان کو اور کچھ سنایا تمہارے نبی کے پاس کوئی معجزہ نہ تھا' اگر ہوتا تو قرآن میں مندرج ہوتا۔ جس کو تم نبی سمجھتے ہو' وہ نبی نہ تھے۔ اس قرآن میں بہت سی غلط باتیں لکھ دیں اور جب کسی نے پوچھا: اچھا' میم صاحب: ان باتوں کے غلط ہونے کی کیا دلیل؟ تو انہوں نے کہا: جس کو تم چند روز ہوئے توراۃ وانجیل مان چکے ہو' یہ باتیں ان کے برخلاف ہیں اس لئے غلط ہیں۔ اوّل تو یہ فریب آمیز تقریر' پھر میم صاحبہ کی نرم و مہین آواز اور یورپ کے ناز و انداز اور غضب تزویر ہے اس لئے اس پر آشوب زمانہ میں ان کتابوں کی تحقیقات کی ہم کو زیادہ ضرورت ہوئی۔

حصہ اوّل۔ عہدِ عتیق:...... اہل کتاب اپنی تمام کتب سماویہ کے مجموعہ کو بائبل ❷ کہتے ہیں۔ پھر اس کے دو حصے ہیں: ایک عہد عتیق یعنی پرانی کتابیں اور دوسرا عہد جدید اور جس طرح ہم قرآن کے جملوں کو آیت کہتے ہیں' یہ لوگ ورس کہتے ہیں۔ پہلے حصہ میں یہ کتابیں ہیں (۱) سفر خلیقہ ❸ کہ جس کو کتاب پیدائش بھی کہتے ہیں۔ اس میں ابتداء پیدائش آسمان و زمین کے حال سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک سلسلہ وار تاریخ کے طور پر بیان کیا ہے۔ (۲) سفر خروج۔ جس میں بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنے وغیرہ امور کا ذکر ہے۔ (۳) کتاب احبار جس میں قربانی اور قصاص اور جانوروں کی حلت و حرمت وغیرہ کے احکام ہیں۔ (۴) سفر عدد۔ جس کو گنتی کی کتاب کہتے ہیں۔ اس میں بنی اسرائیل کے فرقوں کا شمار ہونے کا اور دیگر بیان ہے۔ (۵) سفر استثناء۔ اس میں ملک فلسطین کی تقسیم وغیرہ امور ہیں۔ ان پانچوں کو توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کہتے ہیں۔ یہ توراۃ ضخامت میں تخمیناً سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی بوستان کے برابر ہے۔ (۶) کتاب یشوع۔ (۷) قاضیوں کی کتاب۔ (۸) راعوث یا رُوت کی کتاب۔ یہ تین ورق میں الیملک اور اس کی جورو نعومی کا قصہ ہے۔ (۹) صموئیل کی اوّل کتاب۔ (۱۰) صموئیل کی دوسری کتاب۔ (۱۱) سلاطین کی پہلی کتاب۔ (۱۲) سلاطین کی دوسری کتاب۔ (۱۳) اوّل کتاب

---

❶ "ول" Well ٹھیک، بجا طور پر، اچھا خیر، ہاں بھائی، اچھا صاحب وغیرہ کے معنی میں انگریزی میں مستعمل ہے۔

❷ لفظ یونانی بمعنی کتاب ہے۔ ۱۲ منہ۔

❸ سفر بالکسر بمعنی کتاب اور اسی طرح زبر بمعنی مکتوب جس کی جمع زبر آتی ہے جس سے مراد کتاب ہوتی ہے۔ اب اہل کتاب کے نزدیک حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کو زبور کہتے ہیں۔ منہ۔

تواریخ۔(۱۴)دوسری کتاب تواریخ کہ جس کو اخبار الایام بھی کہتے ہیں۔(۱۵)عزرا❶ کی اوّل کتاب (۱۶)عزرا کی دوسری کتاب کہ جس کو کتاب نحمیاہ بھی کہتے ہیں۔(۱۷) کتاب ایوب ❷۔(۱۸)زبور داؤد علیہ السلام۔اس میں محض مناجات اور خدا کی مدح و ثناء ہے۔ (۱۹)امثال سلیمان علیہ السلام۔اس میں پند و نصائح ہیں۔(۲۰) کتاب واعظ۔جس کو جامع بھی کہتے ہیں (۲۱)غزل الغزلات کہ جس کو نشید انشاد بھی کہتے ہیں۔یہ پانچ چھ ورق کا رسالہ ہے جس میں عاشقانہ مضامین ہیں بلکہ بعض فحش آمیز کلمات بھی ہیں۔(۲۲)یسعیاہ علیہ السلام نبی کی کتاب ❸۔(۲۳)یرمیاہ علیہ السلام کی کتاب۔(۲۴)یرمیاہ علیہ السلام نبی کا نوحہ یا مرثیہ جو تین چار ورق میں ہے۔(۲۵)حزقیل علیہ السلام کی کتاب۔(۲۶)دانیال علیہ السلام کی کتاب۔(۲۷)ہوسیع نبی کی کتاب۔(۲۸)یوئیل علیہ السلام نبی کی کتاب۔یہ صرف دو ورق ہیں۔ (۲۹)عاموس علیہ السلام نبی کی کتاب یہ کل چار ورق کی ہے جس میں کچھ پیشین گوئیاں ہیں۔(۳۰)عبدیاہ علیہ السلام نبی کا خواب جو ایک صفحہ پر ہے۔(۳۱) کتاب یونہ یعنی یونس علیہ السلام کا ڈیڑھ ورق پر مختصر سا حال۔(۳۲)میخا یا میکہ علیہ السلام کا چار ورق پر الہام بیان ہے۔(۳۳) ناحوم علیہ السلام کا الہام جو نینوہ شہر کی نسبت ہے دو ورق ہیں۔(۳۴)حبقوق علیہ السلام نبی کا الہام جو دو ورق پر ہے۔(۳۵)صفنیاہ یا صفونیا علیہ السلام نبی کا الہام جو دو ورق پر ہے۔(۳۶)حجی علیہ السلام نبی کا الہام جو داراشاہ ایران کے عہد میں ہوا ایک ورق پر۔(۳۷)زکریا علیہ السلام کا الہام جو دارا کے عہد میں ہوا تھا آٹھ ورق پر ہے۔(۳۸)ملاخیا یا ملاکی علیہ السلام نبی کا الہام دو ورق پر جس میں الیاس علیہ السلام کے آنے کی بھی خبر ہے۔یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے چار سو برس پہلے تھے اور کبھی ان صحیفوں کے مجموعہ کو بھی مجازاً توراۃ کہتے ہیں۔یہ ۳۸ کتابیں وہ ہیں کہ جن کو یہود اور عیسائی سب مانتے ہیں مگر فرقہ سامریہ توراۃ ❹ اور کتاب یوشع علیہ السلام اور کتاب القضاۃ کو مانتے ہیں باقی سب کے منکر ہیں (اور یہ سب کتابیں عبرانی زبان میں ہیں جو ملک یہودیہ کی قدیم زبان ہے اور یہود کے نزدیک عبرانی زبان میں ان کے کچھ اور نام ہوں تو تعجب نہیں۔ پھر ان کے تراجم یونانی اور لاطینی اور عربی وغیرہ زبانوں میں ہوگئے۔میرے پاس بالفعل اردو بائبل مطبوعہ مرزاپور ۱۸۶۷ء موجود ہے۔

لیکن عیسائیوں نے نو اور کتابیں اس مجموعہ میں داخل کی ہیں کہ جن کی تسلیم و عدم تسلیم میں ان کے متقدمین و متاخرین میں سخت اختلاف ہے چنانچہ ابھی آپ کو معلوم ہو جائے گا اور وہ نو کتابیں یہ ہیں (۱) کتاب آستر۔یہ پانچ ورق کا دلچسپ قصہ آستر یہودیہ کا ہے کہ اس کو اخسو یرس بادشاہ نے وشتی ملکہ پر خفا ہو کے اپنی ملکہ بنایا اور اس کے چچازاد بھائی مردکی جو اس کا مربی تھا ایک خیر خواہی پر اپنا وزیر اعظم کیا اور ہامان وزیر سابق کو جو یہودیوں کا سخت دشمن تھا مع زن و فرزند قتل کیا (یہ قصہ اب تک عیسائیوں کے نزدیک کتب ساویہ میں شمار ہے)۔ (۲) کتاب باروق۔(۳)ایک حصہ کتاب دانیال علیہ السلام کا۔(۴) کتاب توبیاس۔(۵) کتاب یہودیت۔(۶) کتاب وزدم۔ (۷) کتاب الکلیز یا ستیکس۔(۸)مقابیسین کی اول کتاب۔(۹)مقابیسین کی دوسری کتاب۔یہود ان کتابوں کو لغو قصے سمجھتے ہیں مگر عیسائیوں نے الہامی مانا ہے۔

حصہ دوم۔عہد جدید:......عہد جدید میں یہ کتابیں ہیں (۱)انجیل متیٰ کہ جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد متیٰ حواری نے مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر موت تک کے حالات میں تاریخ کے طور پر جمع کیا۔(۲)انجیل مرقس۔یہ مرقس کی تصنیف ہے اس میں بھی ابتداء سے لے کر آخر تک حضرت مسیح علیہ السلام کی سرگزشت سنی سنائی بیان کی ہے کیونکہ مرقس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں دیکھا اس لئے کہ یہ پطرس حواری کا شاگرد ہے چنانچہ پطرس اپنے پہلے خط کے پانچویں باب میں اس کو بیٹا کہتا ہے۔یہ شخص رومی ہے اور اس کی یہ کتاب لاٹن یعنی رومی

---

❶......یعنی عزیر علیہ السلام۔منہ۔ ❷......اس میں کسی نے حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبت اور ان کے صبر کا قصہ لکھا ہے۔چھوٹا سا رسالہ ہے۔منہ۔ ❸...... ان کو اشیعا بھی کہتے ہیں۔منہ ❹......موسیٰ علیہ السلام کی پانچوں کتابیں۔منہ۔

زبان میں تھی' پھر اس کا یونانی اور سریانی میں ترجمہ ہوا۔ (۳) انجیل لوقا۔ یہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی تاریخ ہے جس کو لوقا نے لوگوں سے سن کر تالیف کیا ہے کیونکہ اس نے کیا بلکہ اس کے استاد پولس نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو نہ دیکھا تھا۔ چنانچہ اپنی کتاب کے اول میں وہ خود اقرار کرتا ہے۔ قولہ: چونکہ بہتوں نے کمر باندھی ان کاموں کو جو فی الواقع ہمارے درمیاں ہوئے' بیان کریں۔ جس طرح سے انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کی خدمت کرنے والے تھے' ہم سے روایت کی۔ میں نے بھی مناسب جانا کہ سب کو سرے سے صحیح طور پر دریافت کر کے تیرے لئے اے بزرگ تھیوفلس؛ بہ ترتیب لکھوں' انتہیٰ۔ (۴) انجیل یوحنا۔ اس میں یوحنا حواری نے حضرت مسیح علیہ السلام کا تمام حال ابتداء سے انتہاء تک لکھا ہے جس کا اخیر فقرہ یہ ہے۔ قولہ: اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع ❶ نے کئے اور اگر وہ جدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ کتابیں جو لکھی جاتیں' دنیا میں نہ سما سکتیں' انتہیٰ۔ ان چاروں تاریخوں کو کہ جن کے زمانہ تالیف میں بڑا اختلاف ❷ ہے عیسائی اناجیل اربعہ ❸ کہتے ہیں۔ (۵) اعمال حوارین ❹۔

یہ ایک چھوٹی سی حواریوں کی تاریخ ہے کہ حواری فلاں شہر میں گئے اور وہاں یوں لوگوں کو خوارق دکھائے اور مخالفوں نے ان کو ایسی ایسی تکلیفیں دیں۔ اس کے مؤلف کا نام بھی معلوم نہیں۔ غالباً یہ اس شخص کی تالیف ہے کہ جس نے تیسری انجیل لکھی ہے یعنی لوقا کی کیونکہ اس کی ابتداء میں وہ یوں کہتا ہے: قولہ اے تھیوفلس؛ وہ پہلی کیفیت میں نے تصنیف کی ان سب باتوں کی کہ جو کہ یسوع شروع سے کرتا اور سکھاتا رہا اس دن تک کہ الخ وہ اوپر اٹھالیا گیا' انتہیٰ۔ (۶) حواریوں اور غیر حواریوں کے خطوط کہ جن کی یہ تفصیل ہے: پولس کے (کہ جس نے دین عیسائی کو برباد کیا) ۱۳ خط اور پطرس حواری کا اوّل خط اور یوحنا کا پہلا خط سوائے چند فقرات کے یہ کل بیس کتابیں ہیں کہ جن کو سب عیسائی بالاتفاق مانتے ہیں اور سات کتابیں اور ہیں کہ جن کو قدماء مسیحین نے ردّ کر دیا اور متاخرین نے ان کو اپنی کتب مقدسہ میں شمار کیا ہے (۱) پولس کا اوّل خط عبرانیوں کو لکھا ہے۔ (۲) پطرس کا دوسرا خط۔ (۳) یوحنا کا دوسرا خط۔ (۴) یوحنا کا تیسرا خط (۵) یعقوب کا خط۔ (۶) یہودا کا خط۔ (۷) مکاشفات یوحنا (واضح ہو کہ) شاہِ قسطنطین کے حکم سے شہر نائس میں عیسائی علماء کی ۳۲۵ء میں ایک مجلس (کمیٹی) تثلیث والوہیتِ مسیح علیہ السلام کے مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے قائم ہوئی اور ان کتبِ مشکوکہ کی بابت بھی بحث آئی۔ پس علماء نے بڑی بحث اور تحقیق سے حکم دیا کہ ان مشکوک کتابوں میں سے صرف کتاب یہودیت واجب التسلیم ہے۔ چنانچہ یہ بات جیروم کے اس مقدمہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو اس نے اس کتاب پر لکھا ہے۔ پھر ۳۶۴ء میں ایک اور کمیٹی ہوئی جس کا نام کمیٹی لوڈیسیا ❺ ہے۔ اس انجمن نے بھی کتاب یہودیت کو واجب التسلیم مانا اور سات کتابیں اور واجب التسلیم بتائیں جن کے یہ نام ہیں (۱) کتاب آستر۔ (۲) یعقوب کا خط۔ (۳) پطرس کا دوسرا خط۔ (۴) اور (۵) یوحنا کے دونوں خط۔ (۶) یہودا کا خط۔ (۷) پولس کا وہ خط جو عبرانیوں کو لکھا ہے اور کتاب مکاشفاتِ یوحنا کو یوں ہی مشکوک چھوڑا اور اس حکم کو بذریعۂ اشتہار جابجا مشتہر کرا دیا۔ پھر ۳۹۷ء میں ایک اور کمیٹی قائم ہوئی کہ جس کو انجمن کارتھیج کہتے ہیں۔ اس میں علاوہ آگسٹائن کے جو ان کے نزدیک بڑا عالم تھا' ایک سو چھبیس اور بڑے بڑے عالم

❶ یسوع اور مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہتے ہیں۔ منہ۔ ❷ چنانچہ ہارن صاحب اپنی تفسیر کی چوتھی جلد کے دوسرے حصہ کے دوسرے باب میں بعد اس کے کہ زمانہ تالیف اناجیل کو غیر معین مانا ہے' یہ لکھتے ہیں کہ پہلی انجیل ۳۷ء یا ۳۸ء یا ۴۱ء یا ۴۳ء یا ۴۸ء یا ۶۱ء یا ۶۲ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء عیسوی میں اور دوسری انجیل ۵۶ء سے ۶۵ء تک اور ۶۰ء یا ۶۳ء میں اور تیسری انجیل ۵۳ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء میں اور چوتھی انجیل ۶۸ء یا ۶۹ء یا ۷۰ء یا ۹۷ء یا ۹۸ء عیسوی میں تالیف ہوئی' انتہیٰ۔ منہ۔ ❸ انجیل معرب ہے انگلیوں کا جس کے معنی یونانی زبان میں بشارت اور تعلیم کے ہیں۔ منہ۔ ❹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں کے یہ نام ہیں (۱) شمعون' جس کو پطرس بھی کہتے ہیں (۲) اندریاس پطرس کا بھائی (۳) زبدی کا بیٹا یعقوب (۴) اس کا بھائی یوحنا (۵) فلیپس (۶) برتھولما (۷) تھوما (۸) متی (۹) یعقوب حلفئی کا بیٹا (۱۰) لبی جس کو تھدی بھی کہتے تھے (۱۱) شمعون کنعانی (۱۲) یہودا اسکریوتی کہ جس نے ان کو گرفتار بھی کرا دیا تھا۔ علاوہ ان کے اور مرد اور چند عورتیں جیسا کہ مریم مگدلینی اور سلومی اور یعقوب کی ماں مریم بھی حضرت عیسیٰ کے مخلصین میں سے تھیں۔ منہ۔ ❺ یہ ایک شہر تھا جس میں یہ کمیٹی ہوئی تھی جس طرح کہ اول نائس میں، پھر شہر کارتھیج میں ہوئی۔ منہ۔

تھے۔اس مجلس میں پہلی مجلسوں کے حکم کو بحال رکھ کر یہ سات کتابیں اور واجب التسلیم قرار دی گئیں (۱) کتاب وزڈم۔(۲) کتاب توبیاس۔(۳) کتاب باروخ۔(۴) کتاب ایکلز یاسٹیکس۔(۵) اور (۶) مقابیس کی دونوں کتابیں (۷) مکاشفات یوحنا۔لیکن اس مجلس نے کتاب باروخ کو کتاب ارمیا کا جزء بنایا کیونکہ باروخ علیہ السلام' ارمیا علیہ السلام کے خلیفہ اور نائب تھے۔اس کے بعد اور تین مجلسیں مقرر ہوئیں کہ جن کو ترلو اور مجلس فلورنس اور مجلس ترنٹ کہتے ہیں۔ان مجلسوں نے مجلس کارتھیج کے حکم کو باقی رکھا مگر کتاب باروخ کو فہرست کتب میں علیحدہ نہ لکھا۔پس یہ کتابیں بارہ سو برس تک عیسائیوں میں واجب التسلیم رہیں یہاں تک کہ فرقہ پروٹسٹنٹ ظاہر ہوا۔اس نے کتاب باروخ اور کتاب توبیاس اور کتاب یہودیت اور کتاب وِزڈم اور کتاب ایکلز یاسٹیکس اور مقابیس کی دونوں کتابیں کو رد کر دیا اور لغو سمجھا اور کتاب آستر کے چند بابوں کو بھی الحاقی بتادیا کیونکہ اس کے سولہ باب تھے جس میں سے اول نو باب اور دسویں کی بعض آیات کو مانتے ہیں اور باقی سب کو جعلی بتاتے ہیں۔اب آپ کو اسلاف کی تحقیق اور ان کتابوں میں اختلاف کی وجہ بخوبی معلوم ہوگئی۔

## فصل دوم

پیشتر اس کے کہ میں آپ کو ان کتابوں کی اصلیت بتاؤں' ایک اور بات سناتا ہوں کہ جس سے آپ کو ان اصلی کتابوں کے گم ہو جانے میں کچھ تعجب نہ رہے اور وہ یہ ہے: قسیس نورٹن کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لکھنے کا دستور نہ تھا' انتہیٰ۔اس قول کی صداقت ان دو باتوں سے اور بھی ہوتی ہے (اوّل) اول یہ کہ اس زمانہ میں کاغذ نہ تھا یہاں تک حضرت مسیح علیہ السلام کے کئی سو برس بعد کاغذ ایجاد ہوا اور لکھنے کا دستور جاری ہوا۔چنانچہ اس ہسٹری میں کہ جو ۱۸۵۰ء میں لندن مطبع چارلس ڈالین میں چھپی ہے' لکھا ہے کہ اول زمانہ میں سلائیوں سے تختوں پر حروف نقش کیا کرتے تھے' پھر سب سے اوّل مصر والے درخت بیپرس کے پتوں پر لکھنے لگے' پھر بلدہ پرگس میں خس کی وصلی ایجاد ہوئی اور آٹھویں صدی میں روئی اور ریشم کا کاغذ تیار ہوا انتہیٰ۔(دوم) یہ کہ توراۃ مطبوعہ ۱۸۳۵ء میں یہ ہے کہ مذبح کے تمام پتھروں پر وضاحت سے تمام توراۃ کو لکھا تھا۔چنانچہ نسخہ فارسیہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء کی یہ عبارت ہے: درانجا بر سنگہا نسخہ توراۃ موسیٰ علیہ السلام را کہ در حضور بنی اسرائیل نوشتہ بود' انتہیٰ بلفظہ۔اگرچہ بالفعل کے نسخوں میں اپنی جبلی عادت کے موافق اہل کتاب نے توراۃ کو چھوڑ کر احکام بتایا ہے لیکن ہمارا مدعا تو بخوبی ثابت ہے کہ اس وقت میں کاغذ نہ تھا اور اگر تھا تو بہت ہی کم اور کاغذ ❶ کی لکھی ہوئی بالخصوص ایسی ضخیم کتابیں کہ جیسے توراۃ ہے شاید تمام قوم میں ایک آدھ ہی نسخہ ہو اور حفظ کا رواج نہ تھا۔پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ نسخہ توراۃ (جو کتاب الٰہی تھی خواہ بواسطہ جبرئیل علیہ السلام مع الفاظ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی یا بطور الہام کے انہوں نے لکھی تھی' ہر چہ باشد) احبار کو دے دیا تھا اور انہوں نے صندوق شہادت ❷ میں رکھ دیا تھا اور سات برس کے بعد صندوق کھلتا اور یہودی عید کے روز اس کو سنتے تھے۔چنانچہ حضرت یشوع علیہ السلام تک یہی حال رہا پھر جب یہود میں انقلاب ہوا کہ کبھی مرتد ہو کر سالہا سال بت پرستی کرتے تھے اور کبھی اسلام لاتے تھے تو ان حوادث میں توراۃ جاتی رہی جزماً نہیں کہہ سکتے کہ کب گئی مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سے پیشتر تلف ہوئی کیونکہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ صندوق کھولا تو اس میں فقط دو لوح برآمد ہوئیں کہ جن میں دس احکام لکھے

❶......اور وہ یہ کہنا کہ لوہے یا لکڑی یا سیسہ کے تختہ پر عبارت کھودنا بہت ہی بہتر اور پائیدار اور معقول صورت تھی۔جائز ہے کہ توراۃ لوہے یا پتھر یا لکڑی کے تختوں پر لکھی ہو' بالکل لغو ہے کیونکہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو بدرجۂ اولیٰ توراۃ کا ایک ہی نسخہ ہوگا کیونکہ عادتاً اتنی بڑی کتاب کا لوہے وغیرہ چیزوں کے تختوں پر کھودنا نہایت مشکل کیا بلکہ اس زمانہ کے لحاظ سے محال معلوم ہوتا ہے۔پس جب توراۃ کا بہ ہزار مشکل لکڑی کی تختیوں پر کھود کر ایک غایت' دو بالفرض' تین نسخے مہیا کئے گئے تو اس قدر لکڑی کا انبار بخت نصر وغیرہ کے حوادث میں محفوظ رہنا اور اس کو کہیں چھپا دینا عادتاً محال ہے۔پس اس انبار میں سے دس بیس تختے بھی گم ہو گئے تو توراۃ میں قطعی کمی ہو گئی' پھر سخت مصائب اور سفروں میں اس کے محفوظ رہنے کی کیا صورت؟ حقانی۔❷:......کتاب استثناء کے اکتیس باب نویں درس میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شریعت کو لکھا اور بنی لاوی کے جو صندوق شہادت اٹھاتے تھے اور اسرائیل کے سارے بزرگوں کے حوالے کیا۔منہ

ہوئے تھے۔ چنانچہ یہ بات اوّل کتاب السلاطین کے باب ۸ ورس ۹ سے ثابت ہے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرئیل کی سلطنت کے دو ٹکڑے ہوگئے اور دونوں سلطنتوں میں کفر اور بت پرستی نے تخمیناً ڈھائی سو برس تک وہ زور پکڑا کہ آخر کے عہد میں بعل بت کے لئے ہر جگہ مذبح بنائے گئے اور بیت المقدس کے دروازے بند ہوگئے اور اس عرصہ میں دوبارہ حملے بھی ہوئے۔ چنانچہ ایک بار سلطان مصر نے چڑھائی کر کے بیت المقدس کو لوٹ کر تباہ کر دیا اور تمام چیزیں لے گیا اور ایک بار اسرائیل کا ایک مرتد بادشاہ چڑھ آیا اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔

المختصر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد سے تخمیناً چار سو برس تک یہ حال رہا کہ ایک مدت تک چند بادشاہ مشرک اور مرتد ہو کر دین موسوی کو برباد کرتے رہے اور بیچ میں ایک دو دیندار بھی ہوگئے۔ آخر کار منسّا کے عہد میں تو از حد کفر اور بت پرستی ہوئی۔ چنانچہ خاص بیت المقدس میں بت دھرے گئے یہاں تک کہ جو یوسیاہ بن آمون تخت پر بیٹھا اور صدق دل سے بت پرستی سے توبہ کر کے دین موسوی کی طرف متوجہ ہوا' توراۃ کو بہت ڈھونڈا لیکن باین ہمہ اس کو توراۃ کا پتہ نہ ملا۔

**توراۃ کی گمشدگی اور دستیابی:**..... مگر اٹھارویں سال خلقیاہ کاہن نے دعویٰ کیا کہ مجھ کو نسخہ توراۃ بیت المقدس میں سے دبا ہوا ملا اور اس نے بذریعہ سافن کاتب کے وہ نسخہ یوسیاہ کو دیا کہ جس کو سن کر یوسیاہ کو بنی اسرائیل کے گناہ پر بڑا رنج ہوا (بظاہر سمجھ میں نہیں آتا کہ باوجود اس تجسس کے نہ بادشاہ کو نہ کسی اور کو بیت المقدس میں نسخہ توراۃ ملا' خلقیاہ کو مل گیا۔ پس قطعی یہ ہے کہ اتنی مدت تک خلقیاہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و دیگر حکایات کو اپنے طور پر جمع کرتا رہا' جب مرتب ہوگیا تو دعویٰ کیا) پس جب یہ بادشاہ مرگیا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا یہو آخز تخت پر بیٹھتے ہی مرتد ہوگیا اور کفر پھیلا دیا مگر اس کو تھوڑے ہی دنوں بعد بادشاہ مصر نے گرفتار کر لیا۔ پھر اس کے بعد اس کا بھائی یہویقیم تخت پر بیٹھے' وہ بھی مرتد ہوگیا۔ اس بعد اس کا بیٹا یہوی یکین مرتد تخت پر بیٹھا تو بابل کا بادشاہ بخت ❶ نصر اس کو گرفتار کر کے لے گیا اور بیت المقدس کو خراب کر گیا اور اس کے چچا صدقیاہ کو اس کی جگہ قائم کر گیا۔ پس جب اس نے بھی بخت نصر سے بغاوت کی تو دوبارہ بخت نصر نے چڑھائی کی۔ پھر تو بیت المقدس کو بالکل کو منہدم کر دیا اور ہزار ہا بنی اسرائیل کو تہ تیغ کیا اور بے شمار کو غلام بنا کے لے گیا اور جلیل اور شلیم کو بھی مسمار کر گیا۔ اس حادثہ میں توراۃ (اگر فرض کیا جائے کہ وہ باقی تھی ورنہ وہی تصنیف خلقیاہ) اور تمام کتاب روئے زمین سے بالکل معدوم ہوگئیں۔ چنانچہ اس بات کا اہل کتاب کو اقرار ہے۔

پھر اس کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چار سو چھپن برس پیشتر بھی جو کچھ اپنی یاد پر لکھا تھا (کہ جس کو اہل کتاب توراۃ کہتے ہیں گو وہ بھی غلطی سے خالی نہ تھا کیونکہ سفر اوّل اور دوم کتاب تاریخ کو حضرت عزیر علیہ السلام نے بقول اہل کتاب حجی اور زکریا علیہ السلام کی مدد سے لکھا ہے۔

اس میں اولاد بنیامین کے بیان میں توراۃ کا خلاف کیا ہے۔ توراۃ میں جو غلطی سے دس لکھ گئے ہیں' ان کو کبھی تین اور کبھی پانچ بتلایا ہے) وہ بھی شاہ انٹیوکس کی چڑھائی میں برباد ہوگیا۔ یہ حادثہ حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک سو اکسٹھ برس پیشتر یہود پر گزرا ہے اور ساڑھے تین برس تک رہا ہے جیسا کہ کتب تواریخ سے ظاہر ہے۔ باب اوّل' کتاب اوّل مقابیین میں یہ ہے کہ انٹیوکس شاہ فرنگ نے یروشلیم پر چڑھائی کی اور عہد عتیق ❷ کی تمام کتابوں کو جلا دیا اور حکم دیا کہ جس کے پاس یہ کتابیں نکلیں گی یا کوئی رسم شریعت بجالائے گا' قتل کیا جائے گا اور ہر مہینہ

---

❶..... جس کو نبوکد نصر بھی کہتے ہیں' چنانچہ کتاب السلاطین کی جلد دوم' باب ۲۴ میں اس واقعہ کی تصریح ہے۔ منہ۔ ❷..... اس کی تصدیق اس بات سے بخوبی ہوتی ہے کہ جب بخت نصر عہد عتیق کو جو کہ صدہا سال سے یہود میں چلا آتا تھا' نیست و نابود کر دیا حتیٰ کہ اگر عزیر علیہ السلام ہوتے تو بقول اہل کتاب پھر توراۃ کا صفحہ ہستی پر کوئی نشان بھی نہ رہتا۔ پس انٹیوکس کا فاصلہ تو بقول عمادالدین چار سو برس کا تھا اور یہود کو اگلے زمانہ کا سا عروج بھی اس عرصہ میں نہ ہوا تھا۔ اس میں کسی طرح سے احتمال نہیں ہوسکتا کہ یہود کے ہاں توراۃ کے صدہا اور ہزار ہا نسخے پھیل گئے ہونگے اور شرقاً غرباً پہنچ گئے ہوں گے تاکہ یہ کہا جائے کہ انٹیوکس کے فساد سے تمام نسخے کیونکر معدوم ہوسکتے ہیں۔ پس جس طرح بخت نصر نے کچھ کم ہزار برس کا نسخہ توراۃ اپنے دوسرے حملے میں معدوم کر دیا تو انٹیوکس نے چار برس کے نسخہ عزیر علیہ السلام کو تو ساڑھے تین برس کے ہر روزہ حملوں میں بدرجۂ اولیٰ معدوم کر دیا ہوگا۔ منہ۔

میں تین بار خانہ تلاشی کرتا تھا' انتہیٰ ملخصاً۔ اور جان ملز کا تلک بھی اپنی اس کتاب میں جو ۱۸۴۳ء میں بلدہ ڈربی میں چھپی ہے اس کے صفحہ ۱۱۵ میں لکھتا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس اصل نسخہ توراۃ اور اسی طرح اصل نسخے اور عہد عتیق کے بخت نصر کے ہاتھ سے شہر اور شلیم اور ہیکل کی بربادی کے وقت جاتے رہے اور صحیح نقلیں ان کی پھر عزرا کے طفیل سے بہم پہنچیں تو انٹیوکس کے حادثہ میں تلف ہوگئیں۔ پھر مسیح علیہ السلام اور حواریوں کی شہادت بغیر ان کی تسلیم کے کوئی صورت نہ تھی' انتہیٰ ملخصاً۔ اس زمانہ پر قیاس کر کے یہ کہنا کہ "عزیر علیہ السلام اور انٹیوکس میں کئی سو برس کا فاصلہ ہے، اس عرصہ میں بہت سی کتابیں پھیل گئی ہوں گی۔ یہود بالخصوص ملک یہودیہ کے قتل سے وہ سب کیونکر تلف ہوسکتیں؟ کیا اب کوئی بادشاہ روم اور عرب کے قرآن جلائے تو فارس اور کابل اور ہندوستان کے کیونکر جلاسکتا ہے؟ (ہدایت المسلمین) قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اوّل تو اس زمانہ میں عہد عتیق کا اگر کچھ وجود ہوگا تو غایۃ ایک یا بالفرض محال دو نسخے ہونگے۔ کچھ مطابع تو تھے ہی نہیں کہ ہزاروں کی نوبت پہنچی ہوگی یا کاغذ پر صدہا قلمی لکھی گئی ہوں گی کیونکہ کاغذ نہ تھا' نہ کتابت کا اس قدر رواج تھا' کمامر۔ دوم یہودیوں کا تو ہمیشہ سے ایک ملک مخصوص چلا آتا ہے' اس زمانہ تک وہ تمام جہاں میں کہاں پھیلے تھے جو اہل اسلام اور قرآن پر قیاس کیا جائے۔ اس امر کی تصدیق اس سے بخوبی ہوسکتی ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم وغیرہ انبیاء علیہم السلام کے صحیفے عالم مفقود ہوگئے' اسی طرح انبیاء بنی اسرائیل کی بہت وہ کتابیں کہ جن کا ذکر عہد عتیق میں اب تک پایا جاتا ہے' ان حوادث میں روئے زمین سے معدوم ہوگئیں اور وہ یہ ہیں۔

**توراۃ کے بیس نسخے گم ہیں جن کا اقرار اہلِ کتاب کو بھی ہے:**......(۱) موسیٰ کا جنگ نامہ جس کا ذکر سفر عدد کے باب ۱۲' آیت ۱۴ میں ہے۔ (۲) کتاب الیسیر جس کا ذکر کتاب یوشع کے باب ۱۰' آیت ۱۳ میں ہے (۳) اور (۴) اور (۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین کتابیں تھیں۔ ایک کے پندرہ سو زبورات تھے' دوسری مخلوقات کی تاریخ تھی' تیسری میں تین ہزار امثال تھیں کہ جن میں سے کسی قدر امثال اب تک باقی ہیں۔ ان تینوں کا ذکر کتاب اول سلاطین کے باب ۴ کی آیت ۳۲ اور ۳۳ میں ہے۔ (۶) کتاب قوانین سلطنت صموئیل کی تصنیف میں جس کا ذکر اول کتاب صموئیل کے باب ۱۰ آیت ۲۵ میں ہے (۷) تاریخ صموئیل۔ (۸) تاریخ ناتھن علیہ السلام نبی کی۔ (۹) تاریخ غیب بین جادکی۔ ان تینوں کا ذکر اوّل کتاب التواریخ کے باب ۲۹ آیت ۳۰ میں موجود ہے۔ (۱۰) کتاب سمعیا کی۔ (۱۱) کتاب عیدو غیب بین کی۔ (۱۲) کتاب اخیاہ علیہ السلام نبی کی۔ (۱۳) مشاہدات عیدو غیب بین کے۔ ان دونوں کا ذکر دوم کتاب تواریخ کے باب ۹' آیت ۲۹ میں ہے۔ (۱۴) یاہو علیہ السلام نبی کی کتاب۔ اس کا ذکر دوم کتاب توریخ کے باب ۲۰' آیت ۳۴ میں موجود ہے (۱۵) اشعیا علیہ السلام نبی کی کتاب کہ جس میں شاہ عزیاہ کا اوّل سے آخر تک حال مندرج تھا۔ اس کا ذکر دوسری کتاب تواریخ کے باب ۲۶' آیت ۲۲ میں ہے۔ (۱۶) حزقیا علیہ السلام نبی کے مشاہدات۔ اس کا ذکر دوسری کتاب تواریخ کے باب ۳۲ کی آیت ۳۲ میں ہے۔ (۱۷) مرثیہ' ارمیا کا یوشیا پر علیہما السلام۔ اس کا ذکر دوم کتاب التواریخ کے باب ۳۵ کی آیت ۲۵ میں ہے (۱۸) کتاب تواریخ الایام اس کا ذکر کتاب نحمیا کے باب ۱۲ کی آیت ۲۳ میں ہے اور دو کتابیں یوسیفس مؤرخ حزقیال علیہ السلام کی اور بتلاتا ہے۔ اب یہ کل ۲۰ کتابیں ہیں کہ جن کے مفقود ہونے کا تمام علماء اہلِ کتاب اقرار کرتے ہیں اور افسوس ظاہر کرتے ہیں۔

مگر آج کل کرسٹین بقول شخصے مدعی سست گواہ چست یہ بات بتاتے ہیں کہ یہ کتابیں الہامی نہ تھیں اس لئے متقدمین نے ان کو محفوظ نہ رکھا اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آٹھ کتابیں اور تھیں کہ بعض سے عیسائیوں کے بزرگوں نے سند پکڑی ہیں' ان میں سے بھی اکثر مفقود ہیں۔ ان کے یہ نام ہیں (۱) گیارہ زبور۔ (۲) ایوب کی دوسری کتاب۔ (۳) کتاب مشاہدات۔ (۴) پیدائش کی خورد کتاب۔ (۵) کتاب معراج۔ (۶) کتاب الاسرار۔ (۷) کتاب تسمت (۸) کتاب الاقرار ۞۔ چنانچہ ارجن لکھتا ہے کہ ورس ۶' باب ۵ اور ورس

۞......اظہار الحق صفحہ ۲۱۴' جلد اوّل' مطبوع مطبع سلطانیہ ۱۸۸۲ھ ہجری۔ منہ۔

۱۵' باب ٦ گلاتیوں میں پولوس کتاب پیدائش سے نقل کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ ورس ۹ نامہ یہودا کا کتاب المعراج سے منقول ہے اور لارڈ نر نے اپنی تفسیر کی جلد دوم' صفحہ ۵۱۲ میں اس کو نقل کیا ہے۔ علاوہ اس کے اوروں سے بھی سند پکڑی ہو تو کچھ تعجب نہیں۔ پادریان حال کا یہ جواب کہ یہ الہامی نہ تھیں' عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کیونکہ الہامی نہ ہونے کی صرف یہ وجہ کہتے ہیں کہ یہ تاریخی کتاب انبیاء علیہم السلام نے لکھی تھیں' ان میں الہام کو دخل نہ تھا۔ اقول: یہ کتابیں کہ جن کو اہل کتاب اب مانتے ہیں' انہیں انبیاء علیہم السلام کی تصنیف ہیں' ان میں کہیں نہیں کہا ہے کہ ہم الہام سے لکھتے ہیں۔ علاوہ اس کے تاریخ نویسی میں الہام کے کیا معنی؟ اگر یہ مراد ہے کہ سچے واقعات تو پھر ان کتب کی کیا خصوصیت ہے؟ جس قدر دنیا میں سچی تاریخیں ہیں' سب الہامی ہیں اور یہ مراد کہ ان میں اور مؤرخوں کی طرح سے راویوں اور کتابوں کے حوالہ سے درج نہ کیا جائے بلکہ ایک انکشاف الٰہی سے لکھا جائے تو اس صورت میں بھی یہ کتابیں جواب الہامی مانی گئی ہیں' الہامی نہیں کیونکہ لوقا اور مرقس سب راویوں کے ذریعہ سے حالات لکھتے ہیں اور ان کتب مسلمہ میں تاریخی کتابوں کے حوالے ہیں اور کوئی الہام کی صورت تاریخ نویسی میں سمجھ میں نہیں آتی کہ جو ان کتابوں میں ہے' اوروں میں نہ تھی باوجود اس کے ان کے بھی یہی لوگ مصنف ہیں۔ پس فرق بتلانا پادریوں کے ذمہ ہے ورنہ رجماً بالغیب باتوں کی طرف ہم کان بھی نہیں رکھیں گے۔ جب کہ آپ کو یہ حال معلوم ہو چکا تو اب میں چند دلائل منصفانہ بیان کرتا ہوں کہ جن سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جائے کہ یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں (۱) ان کتابوں میں بہت سے ایسے مضامین پائے جاتے ہیں کہ جن میں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد یہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔

## کتب توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے بعد کی تصانیف ہیں

**شاہد اوّل:**...... کتاب استثناء کا باب ۳۴ تو یہی کہہ رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے صدہا سال بعد کوئی شخص اس کا مصنف ہے چنانچہ اس میں یہ ہے: موسیٰ علیہ السلام خداوند کا بندہ' خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں مر گیا اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا مگر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا' انتہیٰ۔

**شاہد دوم:**...... ورس ۱۲' باب ۳۵' کتاب پیدائش کا یوں ہے: پھر بنی اسرائیل نے کوچ کیا اور اپنا خیمہ عیدر کے ٹیلے کے اس پار استادہ کیا' انتہیٰ۔ حالانکہ عیدر نام اس منارہ کا ہے جو شہر یروشلم کے دروازہ پر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں اس کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا بلکہ صدہا برس بعد بنایا گیا۔

**شاہد سوم:**...... ورس ۳' باب ۲۱' کتاب گنتی کا یہ ہے: چنانچہ خداوند نے بنی اسرائیل کی آواز سنی اور کنعانیوں کو گرفتار کروا دیا اور انہوں نے انہیں اور ان کی بستیوں کو حرم کر دیا اور اس نے اس مکان کا نام حرمہ رکھا' انتہیٰ۔ حالانکہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا بلکہ حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد واقع ہوا ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام تو اپنی زندگی میں کنعان تک پہنچے بھی نہ تھے' بستیوں کا حرمہ کرنا تو کجا؟ ان مقامات پر مفسرین اہل کتاب عاجز ہو کر یہ کہتے ہیں کہ یہ جملے الحاقی ہیں اور ان کو حضرت عزیر علیہ السلام نے ملا دیا ہے۔ مگر یہ جب قبول ہوتا کہ اس کا کوئی ثبوت کافی ہوتا ورنہ بے تکے عزیر علیہ السلام کا نام لے دینا فضول ہے۔ کسی جگہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ فلاں فقرہ میرا ہے اور نہ کوئی فرق کے لئے نشان لکھا بلکہ تمام کلام متصل یکساں ہے۔

(۲) زبور اور کتاب نحمیا اور یرمیاہ اور حزقیل کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میں بھی تصنیف کا طرز اور مصنفوں کے محاورات ایسے ہی تھے کہ جو اب ہیں کہ جہاں مصنف اپنا حال لکھتا ہے تو متکلم کے صیغے بولتا ہے گو کسی جگہ بلفظ غائب بھی تعبیر کرتا ہے۔ مگر اس توراۃ میں ابتداء سے انتہاء تک کسی مقام پر بھی متکلم کا صیغہ نہیں بولا بلکہ جو کوئی توراۃ کو اور کسی تاریخ کے ساتھ (کہ جس میں کسی مؤرخ

نے کسی کے حال کو سالہا سال بعد لکھا ہے) مقابلہ کرے گا تو سرِ مو تفاوت نہ پائے گا اور یہی حال باقی نبیوں کی کتابوں کا ہے۔ اگرچہ سب الفاظ کا نقل کرنا مشکل ہے مگر نظیر کے طور پر کسی قدر نقل کرتا ہوں۔ باب ۲ ورس ۱۱ خروج کا یہ ہے: ان روزوں میں یوں ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام بڑا ہوا الخ۔ ۱۵ جب فرعون نے یہ سنا تو چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرے مگر موسیٰ علیہ السلام فرعون کے حضور سے بھاگا الخ۔ ۲۱ تب موسیٰ علیہ السلام اس شخص کے گھر رہنے پر راضی ہوا۔ اوّل سے لے کر آخر تک تمام کتاب میں یہی طور ہے۔ علاوہ اس کے اور تمام کتابوں کا (کہ جن کو وہ انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں) یہی حال ہے۔ چنانچہ کتاب یشوع کی یہ عبارت ہے: جب خداوند کا بندہ موسیٰ علیہ السلام مر گیا تو یوں ہوا کہ خداوند نے نون کے بیٹے یشوع کو جو موسیٰ علیہ السلام کا خادم تھا' خطاب کر کے فرمایا الخ۔ باب ۲۔ تب نون کے بیٹے یشوع نے شطم سے دو مرد بھیجے الخ۔ کتاب روت میں بھی کوئی شخص نامعلوم نعومی یہودیہ کی بہو مسماۃ روت کا قصہ بیان کر رہا ہے' چنانچہ اس کی یہ عبارت ہے: اور نعومی کا شوہر الیملک مر گیا۔ وہ اور اس کے دونوں بیٹے باقی رہ گئے تھے۔ ان دونوں نے موآب کی عورتوں میں سے جو رواں کیں' ایک کا نام عرفہ اور دوسری کا نام روت تھا الخ۔ اسی طرح کتاب صموئیل کا بھی عنوان صاف صاف بآواز بلند یہ کہہ رہا ہے کہ کوئی اور شخص صموئیل کے قصہ کو لکھ رہا ہے' چنانچہ صموئیل کی والدہ حنہ کا تمام قصہ لکھ کر یہ مؤرخ کہتا ہے: ورس (۲۰) اور ایسا ہوا کہ حنہ کے حاملہ ہونے کے بعد جب دن پورے ہوئے' وہ بیٹا جنی اور اس کا نام صموئیل رکھا الخ' وقس علیہ البواقی۔

وجہ سوم:......ان کتابوں میں بہت سے ایسے مضامین پائے جاتے ہیں کہ جن سے خدائے پاک کی ذات مقدس میں اور اس کے ملائکہ کرام اور انبیاء علیہم السلام میں سخت عیب لگتا ہے اور کتب الٰہیہ کی شان سے یہ ناممکن ہے کیونکہ ان سے ہدایت مقصود ہوتی ہے نہ کہ ضلالت۔ پس ثابت ہوا کہ یہ الہامی نہیں ہیں۔

## توراۃ کی بعض عبارات سے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی بے ادبی ثابت ہوتی ہے

شاہد اوّل:......کتاب پیدائش کے باب ۱' ورس ۲۶ سے ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہم شکل بنایا اور کئی مقام سے بھی یہی ثابت ہے جس سے لازم آیا کہ خدا تعالیٰ مجسم اور حادث ہے' تعالیٰ اللہ عن ذٰلک۔

سوال: قرآن میں بھی تو خدا تعالیٰ کے لئے منہ اور ہاتھ ثابت کیا ہے۔

جواب: اس میں اور جسمانیت میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ اس کی تفصیل پہلے ہم کر چکے ہیں ❶۔

شاہد دوم:......کتاب پیدائش کے باب ۳' ورس ۲۲ میں یہ ہے: اور خداوند نے کہا کہ دیکھو کہ انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا اور اب ایسا نہ ہو کہ اپنا ہاتھ بڑھائے اور حیات کے درخت سے کچھ لے اور کھائے اور ہمیشہ جیتا رہے' انتہیٰ۔ یہاں سے کئی برائیاں ثابت ہوئیں (۱) کہ کئی خدا ہیں (۲) کہ علم اور ادراک میں آدم علیہ السلام خدا تعالیٰ کی مانند ہو گیا (۳) یہ کہ خدا تعالیٰ کو آدم علیہ السلام کے ہمیشہ جینے سے اندیشہ اور خوف پیدا ہوا۔

شاہد سوم:......اسی کتاب کے باب ۶' ورس ۵ و ۶ میں ہے: تب خدا تعالیٰ زمین پر انسان پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دل گیر ہوا' انتہیٰ۔ یہاں سے اس کی جہالت اور عاجزی ثابت ہے۔

---

❶......دہلی میں ایک خفیہ کرستان توراۃ کو اصلی ثابت کرنے کے لئے ان تمام عیوب کو ذات باری میں تسلیم کرتا ہے اور ان آیات و احادیث کو (کہ جن کے معنی علماء متکلمین نے بالاتفاق اسی طرح بیان کئے ہیں جیسا کہ مفسر نے بیان فرمایا اور تمام اہل اسلام اس پر متفق ہیں کہ وہ جسمانیت اور مکانیت اور شکل و صورت مثل سے پاک ہے۔ یہ جاہل نہیں مانتا جیسا کہ اس کے بیچ تیج سے واضح ہے۔

**شاہد چہارم:**......کتاب خروج کے باب ۱۶ اور باب ۲۹ اور کتاب احبار کے باب ۲۶ اور کتاب دوم صموئیل کے باب ۷ اور ۲۲ اور کتاب خروج کے باب ۲۴ اور کتاب اوّل سلاطین کے باب ۲۲ وغیرہ مقامات میں تصریح ہے کہ خدا تعالیٰ بدلی میں اترا اور خیمہ کے دروازہ پر کھڑا رہا اور اس کے منہ سے آگ اور نتھنوں سے دھواں نکلا اور وہ ایک کربی پر سوار ہو کر اڑا اور اسرائیل کے ستر لوگوں نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے ساتھ خدا تعالیٰ کو (کرسی پر بیٹھے) دیکھا اور کھایا پیا اور اس کا لباس برف سا سفید اور اس کے سر کے بال صاف ستھرے اون کی مانند تھے۔ ان خرافات کا کچھ ٹھکانا ہے:

**شاہد پنجم:**......کتاب پیدائش کے باب ۳۲ 'ورس ۲۴ میں ہے کہ یعقوب سے صبح صادق تک تمام رات خدا تعالیٰ کشتی لڑتا رہا اور صبح کو جب جانا چاہا تو یعقوب نے بغیر برکت کے لئے جانے نہ دیا، اور باب اوّل 'فصل سوم' مفتاح الاسرار میں پادری فنڈر صاحب اس کشتی لڑنے والے کو خدا تعالیٰ کہتے ہیں۔

**شاہد ششم:**......کتاب خروج کے باب ۲۰ 'ورس ۵ اور باب ۳۴ 'ورس ۷ اور کتاب یرمیاہ' باب ۳۲ 'ورس ۱۸ میں تصریح ہے کہ خدا تعالیٰ باپ دادوں کے گناہ کی سزا ان کی تیسری چوتھی پشت کو دیتا ہے۔ واہ کیا انصاف ہے' کرے کوئی بھرے کوئی' سبحان اللہ عما یصفون۔

**ملائکہ کی بابت:**......ملائکہ کی نسبت کتاب پیدائش کے باب ۱۸ 'ورس ۸ میں یہ ہے کہ پھر اس نے گھی اور دودھ اور اس کے بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا' لے کے ان کے سامنے رکھا اور آپ ان کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور انہوں کھایا' انتہی۔ پس جب فرشتوں نے کھایا تو تمام شہوانی باتیں جو تغذیہ کو لازم ہیں' پائی گئیں۔ پھر قدوسیت ملائکہ کہاں رہی؟

**انبیاء علیہم السلام کی بابت:**......اب انبیاء علیہم السلام کی نسبت سنئے:

**شاہد اوّل:**......کتاب پیدائش کے باب ۹ میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام شراب پی کر بدمست اور بدحواس ہوئے کہ تمام ستر برہنہ ہو گیا اور ان کے بیٹوں نے ڈھانکا۔

**شاہد دوم:**......کتاب پیدائش کے باب ۱۹ میں ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں ❶ سے زنا کیا اور یہ معاملہ دو بار وقوع میں آیا۔

**شاہد سوم:**......حضرت یعقوب علیہ السلام نے بکری کے بچوں کی کھال ہاتھوں پر لپیٹ کر جھوٹ بولا اور اپنے باپ اسحاق علیہ السلام کو دھوکا دینے کو اپنا نام عیص بتلایا۔ یہ کتاب پیدائش کے باب ۲۷ میں مذکور ہے۔

**شاہد چہارم:**......کتاب پیدائش کے باب ۳۴ میں مذکور ہے کہ حمور کے بیٹے سکم نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹی دینہ سے زنا کیا اور یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اس سے یہ مکر کیا کہ تو اور تیری تمام قوم اگر ختنہ کرے تو دینہ کی شادی تجھ سے کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان نبی زادوں نے ایسا موقع پا کر اس کو اور اس کی تمام قوم بے گناہ کو نہایت بے رحمی سے تہ تیغ کیا اور مال و اسباب لوٹ لیا اور ان کی بیویوں اور بچوں کو غلام بنایا مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے منع کرنا تو درکنار اس نالائق حرکت پر اپنی ناراضی بھی ظاہر نہ کی۔

**شاہد پنجم:**......کتاب خروج کے باب ۳۲ میں ہے کہ بنی اسرائیل کے کہنے سے موسیٰ علیہ السلام کی غیبت میں ہارون علیہ السلام نے زیور کا ایک بت

---

❶......ان سب باتوں کو بھی وہ خفیہ کرستان تسلیم کرتا ہے جیسا کہ جواب تفسیر حقانی اور ہیچ گنج وغیرہ رسائل سے ثابت ہے۔ مسلمانوں کو اس منافق کے فریب سے کہ جو بہ لباس اسلام دھوکا دیتا ہے' بچنا فرض ہے۔ حقانی۔

بنایا اور تمام بنی اسرائیل سے اس کو پجوایا اور اس کے لئے قربانیاں گزارنے کا حکم دیا اور یہ کہا کہ یہ تمہارا وہ معبود ہے کہ جو تمہیں مصر کی زمین سے نکال لایا' انتہیٰ۔ یہ وہ ہارون علیہ السلام ہیں کہ جنہوں نے بالمشافہ خدا تعالیٰ کو دیکھا اور اس سے کلام کیا تھا اور ان کے لئے خدا تعالیٰ کے گھر کی کہانت مقرر ہوئی تھی۔ اس پر یہ بت پرستی' توبہ توبہ۔

شاہد ششم:......صموئیل کی دوسری کتاب کے باب ۱۱ میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے بام پر چڑھے۔ اتفاقاً اوریاہ کی جورو بت سبع کو نہاتے دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گئے اور آدمی بھیج کر اس کو بلوایا اور اس سے زنا کیا کہ جس سے وہ عورت حاملہ ہوئی۔ پھر اس کے خاوند کو ایک مکروہ تدبیر کر کے مروا ڈالا جس پر ناتن نبی کی معرفت داؤد علیہ السلام پر بڑی زجر و توبیخ ہوئی' انتہیٰ۔ یہ وہ داؤد علیہ السلام ہیں کہ جن کی تصنیف زبور کتب مقدسہ میں شامل ہے اور جو عیسائیوں کے خدا کے جدامجد ہیں اور جو خدا تعالیٰ کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اس پر یہ حرام کاری اور یہ مکاری' العیاذ باللہ العیاذ باللہ۔

شاہد ہفتم:......کتاب اوّل سلاطین کے باب ۱۱ میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود سخت ممانعت کے موآبی اور عمونی وغیرہ بت پرست عورتوں کو بیوی بنایا اور خواہش نفسانی کو یہ طغیانی ہوئی سات سو بیگمات اور تین سو حرموں تک نوبت پہنچی اور پھر ان پر یہاں تک عاشق اور مرید زن ہوئے کہ بتوں کی طرف مائل اور تعمیر بت خانوں میں مصروف اور شامل ہو گئے اور آخر عمر میں ایمان کو بھی سلام کر گئے انتہیٰ۔ ملخصاً۔ یہ وہ سلیمان علیہ السلام ہیں کہ جن کی تصنیفات امثال وغزال الغزلات اہل کتاب میں الہامی مانی جاتی ہیں اور جن کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ "دیکھو: کہ میں نے عاقل اور سمجھ دار دل تجھ کو بخشا' ایسا کہ تیری مانند تجھ سے آگے نہ ہوا اور تیرے بعد تجھ سے برپا نہ ہوگا" (کتاب اوّل سلاطین' باب ۹' ورس ٦)۔ اسی قسم کے اور بہت سے شواہد ہیں۔

ف:......قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے ان مقامات میں ان ناپاک باتوں کے انتساب سے بھی اپنی ذات مقدسہ اور ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو بچایا ہے۔

وجہ چہارم:......ان کتابوں میں باہم ایسے مضامین متعارض پائے جاتے ہیں کہ جو الہامی کتابوں کی شان سے از بس بعید ہیں اور مواضع متعارضہ میں سے ایک کا غلط ہونا بدیہی ہے۔ ان مواقع میں مفسرین اہل کتاب لاچار ہو کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ سہو کاتب ہے۔ چنانچہ ایسے سہو کاتب کہ جن کو ویریوس ریڈنگ کہتے ہیں' خود پادری فنڈر نے مباحثہ دینی مطبوعہ اکبر آباد میں لاکھ سے بھی زیادہ تسلیم کئے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۵۳ میں لکھتے ہیں کہ گریسباخ نے ایسے غلط مقامات ایک لاکھ پچاس ہزار گنے ہیں اور انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کی جلد ۱۹' بیان اسکرپچر میں لکھا ہے کہ فاضل وٹسٹین نے ایسے مقامات دس لاکھ سے زیادہ گنے ہیں' انتہیٰ۔ اب جب کہ ایسے بڑے محققین اقرار کرتے ہیں تو کسی آج کل کے کرسٹین یا نئے پادری کا انکار کیا وقعت رکھتا ہے؟

فوائد:......اثبات تحریف کا ثبوت:......اثبات تحریف کے لئے ہم کو نہ اب ان مقامات کے نقل کرنے کی ضرورت ہے' نہ عمادالدین کے ان جوابوں کی خاک اڑانے کی حاجت ہے (۱) کہ یہ کاتب کی بھول ہے' غلطی عمداً ظہور میں نہیں آئی۔ (۲) دس بیس باتیں کسی سچی کتاب میں جعلی نکل آنے سے وہ کل کتاب کیونکر جعلی ہو سکتی ہے (مقامات تعارض میں یہ جوابات ہیں) ایک جگہ یوں ہوا تو پھر کیا دوسری برخلاف آ گیا تو کیا ہوا' مطلب واحد ہے۔ (۳) ان باتوں سے تحریف کیونکر ثابت ہو گئی۔ (۴) مولوی رحمت اللہ مطلب نہیں سمجھے۔ (۵) اچھا اگر ایسا تعارض ہوا تو پھر کیا' اس سے کہیں کتب مقدسہ میں عیب لگ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایسے بساندے جواب ہیں کہ جن سے ہر دانشمند کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ درحقیقت یہ کتابیں جعلی ہیں۔

## مقدمین کتب میں شہوت آمیز مضامین

وجہ پنجم :......ان کتابوں کا طرز و طریق فحش آمیز اور نہایت غیر مہذب ہے جو روح کے تقاضے پورا کرنے سے بالکل عاری ہے بلکہ قوائے شہوانیہ و خیالات شیطانیہ کے جلا دینے کے لئے ایک عمدہ نسخہ ہے۔ میں بطور نمونہ کے کسی قدر عبارتیں نقل کر کے دکھاتا ہوں۔ یہ کتاب یسعیاہ کے باب ۴۲ میں خدا تعالیٰ کا کلام یہ ہے: میں بہت مدت چپ رہا' خاموش ہو رہا' آپ کو روکتا گیا مگر اب میں اس عورت کی طرح جسے درد زہ ہو چلاؤں گا اور ہانپوں گا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا، اور نوحۂ یرمیاہ کے باب ۳ میں خدا تعالیٰ کو ریچھ اور شیر بتایا ہے۔ کتاب حزقیل کے باب ۲۳ میں یہ ہے: خداوند کا کلام مجھ کو پہنچا اور اس نے کہا: اے آدم زاد! دو عورتیں تھیں جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں۔ انہوں نے مصر میں زنا کاری کی' اپنی جوانی میں یار باز ہوئیں۔ وہاں ان کی چھاتیاں ملی گئیں اور وہاں ان کے بکر کی پستان چھوئی گئیں۔ اُن میں سے بڑی کا نام اہولہ اور اس کی بہن اہولیبہ' وے میری جوروان ہوئیں اور بیٹے بیٹیاں جنیں الخ معاذ اللہ! مرد الہامی کو کیا بنی تھی کہ اس نے ایسی فاحش باتیں لکھ کر اپنی کتاب کو بے اعتبار کیا۔ کتاب یرمیاہ کے باب ۳ میں یہ ہے: کہاوت ہے کہ کوئی مرد اگر اپنی جورو کو نکالے اور وہ وہاں جا کے دوسرے مرد کی ہو جائے' کیا وہ پہلا اس کے پاس پھر جائے گا؟ کیا وہ زمین ناپاک نہ ہو گی؟ لیکن تو نے بہت یاروں کے ساتھ زنا کیا تب میری بھی طرف پھرا' انتہیٰ۔ مانا کہ یہاں کچھ اور مراد ہے مگر کلام میں بڑا فساد ہے۔ کتاب یسعاہ کے باب ۲۳ میں ہے: اور پھر وہ خرچی کے لئے جائے گی اور ساری زمین کی مملکتوں سے زنا کرائے گی لیکن اس کی تجارت اور خرچی خداوند کے لئے مقدس ہو گی الخ بلکہ اس کی تجارت کا حاصل ان کے لئے ہو گا جو خداوند کے حضور رہتے ہیں کہ کھا کر سیر ہوں' نفیس پوشاک پہنیں الخ۔ مقدس لوگوں کو کیا پاک مال کھلوایا اور کیسی پوشاک پہنائی ہے؟ الہامی بیان اسی کو کہتے ہیں؟ کتاب حزقیل کے باب ۲۳ میں یہ ہے: ۱۹: تس پر بھی اس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کر کے (جب کہ وہ مصر کی زمین میں چھنالا کرتی تھی) زنا کاری پر زنا کاری کی۔ ۲۰ سو وہ پھر اپنے یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن گدھوں کا سا بدن اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا' انتہیٰ۔

غزل الغزلات کے باب ۴' ورس ۱۰ میں یہ ہے: میری پیاری' میری زوجہ! تیرا عشق کیا خوب ہے' انتہیٰ اور اسی قسم کی اور بہت تشبیہات فحش آمیز ہیں کہ جن کے پڑھتے وقت گرجا میں پادری لوگ بلاشک آنکھ نیچی کر لیتے ہوں گے۔

## کتب کے زمانۂ تالیف میں محققین اہل کتاب کا سخت اختلاف ہے

وجہ ششم :......محققین اہل کتاب کا ان کتابوں کے مصنفوں کی بابت اور ان کے زمانہ تالیف کی بابت سخت اختلاف ہے جس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ محض تخمینی طور پر ان کتابوں کو اپنے انبیاء ﷺ کی تصنیف بتلاتے ہیں۔ نہ کوئی ان کے پاس مؤلفین تک ❶ سند متصل ہے نہ کوئی اور دلیل قابل تسکین ہے بلکہ صرف قیاس اور تخمین ہے۔ توراۃ کی نسبت سکندر گیدس ❷ کا قول انسائیکلو پیڈیا پینی کی دسویں جلد میں

---

❶......آج کل کے پادری مسلمانوں سے سند متصل کا لفظ تو سیکھ گئے ہیں مگر معنی سے ہنوز بے خبر ہیں۔ باوجود بڑی لن ترانیوں کے کسی پادر صاحب نے آج تک اپنے سے لے کر کسی کتاب کے مؤلف تک سلسلہ وار متصل سند نہ لکھی۔ کاش دس بیس جھوٹے ہی نام فرض کر کے پادری عماد الدین یہ لکھ دیتے کہ یہ توراۃ مجھ کو کھپریل صاحب سے اور ان کو بڑھل سے اور ان کو ڈاکٹر کٹھل سے الخ پہنچی کیونکہ جھوٹ تو پولوسی مذہب کا مدار ہے اور یوں تو بقول شخصے میں مرد نہیں میرا بھائی مرد بڑی شیخیاں بگھاری ہیں کہ فلاں صاحب نے کتاب الاسناد میں سند لکھی ہے۔ خیر سند کو چھوڑ دو کوئی ہزار برس کا پرانا نسخہ ہی بتاؤ اور جو پرانے نسخے عبری کے گنوائے ہیں تو محض دام بازی کی ہے۔ جن کو یہ پرانا نسخہ کہتے ہیں 'غایۃ آٹھ سو برس کا ہے اور یہ آٹھ سو برس بھی پرانے اور پھٹے ورق دیکھ کر کہے جاتے ہیں ورنہ اس کی بھی کیا دلیل ہے؟ گو ضد کے مارے پادری لوگ منہ سے نہ کہیں گے مگر دل میں ہمارے قول کی خوب تصدیق کرتے ہیں۔ منہ ❷......یہ شخص عیسائیوں میں بڑا محقق ہے۔ منہ۔

یوں منقول ہے کہ مجھ کو یقینی طور سے تین باتیں معلوم ہوئیں: (۱) یہ کہ توراۃ موجودہ ہرگز موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں۔ (۲) یہ کہ کسی شخص نے ان کو کنعان یا اورشلیم میں موسیٰ علیہ السلام کے بہت مدت بعد لکھا ہے۔ (۳) یہ کہ اس کی تالیف داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے کی نہیں ہے۔

**کتاب یوشع۔ قاضیوں کی کتاب۔ کتاب راعوث۔ کتاب نحمیا۔ کتاب ایوب:** ......اور کتاب یوشع کی نسبت بھی بڑا اختلاف ہے۔ بعض لوگ تو اس کو تصنیف یوشع کی کہتے ہیں اور ڈاکٹر لائٹ فٹ اس کو فنیحاس کی تصنیف بتلاتے ہیں اور کالون 'عزرا کی تصنیف کہتے ہیں اور وانٹل 'صموئیل کی اور ہنری 'ارمیاہ کی تصنیف کہتے ہیں۔ اسی طرح قاضیوں کی کتاب میں بھی سخت اختلاف ہے بعض کہتے ہیں: حزقیل کی اور بعض عزرا کی اور بعض فنیحاس کی کہتے ہیں حالانکہ عزرا اور فنیحاس میں تخمیناً نو سو برس کا فاصلہ ہے اس لئے یہود لاچار ہو کر بے تک اس کو صموئیل کی تصنیف بتلاتے ہیں۔ کتاب راعوث میں بھی سخت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حزقیا کی تصنیف ہے' اس تقدیر پر یہ الہامی نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ عزرا کی تصنیف ہے۔ یہود اور اکثر عیسائی صموئیل کی تصنیف کہتے ہیں اور کاتلک ہرلڈ ۱۸۴۴ء کی ساتویں جلد کے صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ راعوث کی کتاب ایک گھر کا دکھڑا سا ہے اور یونس کی کتاب محض کہانی ہے یعنی دونوں غیر معتبر ہیں۔ کتاب نحمیا میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ نحمیا کی تصنیف ہے اور کریزاسٹم وغیرہ عزرا کی کہتے ہیں۔ اس میں دارا شاہ ایران کا بھی ذکر ہے جو نحمیا کے سو برس بعد ہوا ہے اس لئے لاچار ہو کر اس باب کو الحاقی کہتے ہیں۔ کتاب ایوب میں بھی نہایت اختلاف ہے۔ میکائلس اور سملر اور بشپ اسٹناک وغیرہم کہتے ہیں کہ ایوب ایک فرضی نام ہے اور یہ کتاب جھوٹی کہانی ہے اور جو ایوب کا وجود مانتے ہیں تو وہ اس کے زمانہ میں اختلاف کرتے ہیں۔ بعض ابراہیم علیہ السلام سے پہلے زمانہ کا' بعض حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا بعض قضاۃ کے عہد کا اور بعض یعقوب علیہ السلام کے زمانہ کا اور بعض سلیمان علیہ السلام کے' بعض بخت نصر کے' بعض اردشیر شاہ ایران کے عہد کا بتلاتے ہیں اور اس کتاب کے مصنف میں بھی سخت اختلاف ہے۔ کوئی الیہو' کوئی ایوب' کوئی موسیٰ' کوئی سلیمان' کوئی اشعیا' کوئی کسی نامعلوم شخص کو کہتا ہے کہ جو منسیٰ بادشاہ کے عہد میں ہوا ہے اور بعض حزقیل اور بعض عزرا کا نام لیتے ہیں۔

**زبور:** ......زبور میں بھی ایسا اختلاف ہے۔ ارجن اور اگسٹائن وغیرہ کُل کو داؤد علیہ السلام کی تصنیف کہتے ہیں اور جیروم اور یوتھی میس وغیرہ علماء اس قول کو رد کرتے ہیں اور تیس زبور سے زیادہ کے مصنف کو نامعلوم شخص کہتے ہیں اور باقی نوے سے ننانوے تک کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف اور اکہتر زبور کو داؤد علیہ السلام کی اور بارہ زبور کو اساف کی اور گیارہ زبور کو قورح کے تین بیٹوں کی کہتے ہیں اور اٹھائیسواں زبور کو ہمان کی اور نواسیواں زبور کو اتھان اور تین زبور کو جدوتھن کی تصنیف کہتے ہیں اور ایک سو ستترواں زبور کو سلیمان کی تصنیف کہتے ہیں۔

**امثالِ سلیمان:** ......امثال سلیمان میں بھی نہایت اختلاف ہے۔ الغرض یہ اختلاف سلف سے خلف تک چلا آیا ہے کہ جس کو لاچار ہو کر پادری فنڈر صاحب، وکیل مذہب پولوسی نے بھی میزان الحق میں قبول کر لیا ہے۔ قولہ: اگرچہ پرانے عہد کی بعض کتاب لکھنے والے کا نام معلوم نہیں ہے لیکن مسیح علیہ السلام کی گواہی سے اور ان دلائل سے بھی جو کتب اسناد میں ہیں' یقین ہوتا ہے کہ وہ سب الہام کی راہ سے لکھی گئی ہیں (صفحہ ۵۴' فصل ۳' باب اوّل) اور اسی طرح اختتام مباحثۂ دینی مطبوعۂ اکبر آباد ۱۸۵۵ء کے صفحہ ۳۶ میں کہتے ہیں۔ قولہ: بعض صحیفوں کی بابت معلوم نہیں کہ کس نبی کے ہاتھ سے لکھے گئے' انتہیٰ۔ صفدر علی و عمادالدین وغیرہما کرسٹین اس کے جواب میں مسیح علیہ السلام کی گواہی اور سلف کا تسلیم کرنا جو بیان کرتے ہیں' ہم اس جواب کی طرف اگلی فصل میں غور کریں گے کہ آیا یہ لوگ سچ کہتے ہیں یا جھوٹ؟ اب ہم کو اس دلیل کے لئے اور صحیفوں کی بابت اختلاف نقل کرنے کی کچھ حاجت نہیں رہی جبکہ مخالف کا وکیل خود تسلیم کرتا ہے۔ ان وجوہات سے یہ معلوم ہوا کہ یہ توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدہا سال بعد مشائخ یہود نے تصنیف کی ہے۔ اس میں کچھ غلط اور صحیح حالات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور کچھ احکام توراۃ

کے ہیں کہ جو ان کی زبانی یا اپنی اور کتابوں کے ذریعہ سے یاد تھے اور کچھ آسمان و زمین وغیرہ چیزوں کی تاریخ ہے' واللہ اعلم۔

عہد جدید:.....خیر توراۃ میں یہ بات تو ہے کہ اس میں کسی قدر مطالب اصل توراۃ کے ہیں اور کچھ پچھلے مشائخ کے لکھے ہوئے تاریخی واقعات کہ جس کے مجموعہ کو اہل کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف وہ کتاب توراۃ بتلاتے ہیں کہ جو انہوں نے بالہام الٰہی تصنیف کر کے لاویوں کو دی تھی۔ چنانچہ کتاب استثناء کے باب ۳۱' ورس ۲۴ میں یہ ہے: اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اس شریعت کی باتوں کو کتاب میں لکھ چکا اور وہ تمام ہوئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے لاویوں کو الخ فرمایا کہ اس کتاب کو لے کے خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کی ایک بغل میں رکھو' انتہیٰ۔ لیکن جس کو عیسائی انجیل کہتے ہیں' وہ تو نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بذریعہ وحی نازل ہوئی' نہ خود ان کی تصنیف' نہ ان کے زمانہ میں تصنیف ہوئی بلکہ ایک عرصہ بعد لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور ان کے معجزات اور پند و نصائح کو جمع کر لیا ہے' جن میں سے دو مصنف تو وہ ہیں کہ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا بھی نہیں ایک مرقس' دوسرا لوقا۔ بلکہ لوقا کے استاد پولوس نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت نہیں پائی۔ پس یہ دونوں تو محض سنی سنائی باتیں لکھتے ہیں کہ جس میں الہام کو کچھ بھی دخل نہیں۔ چنانچہ خود ان کے دیباچہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور دو شخص اگر وہی متی اور یوحنا ہیں تو اپنے اوپر گزرے ہوئے واقعات اور کچھ سنی سنائی بات لکھتے ہیں اور اکثر جگہ توراۃ و صحف انبیاء علیہم السلام کے غلط حوالے دیتے ہیں کہ یہ مضمون فلاں جگہ لکھا ہے' حالانکہ وہاں اس کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ پس ان کتابوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وہ نسبت ہے جو سکندر نامہ کو سکندر سے اور ہنود کی کتاب رامائن کو راجہ رام چندر سے ہے۔ پس جو اس انجیل کو حضرت عیسیٰ کی کتاب بتائے' وہ سکندر نامہ کو بھی سکندر کی تصنیف بتلائے۔ اب یہ بات باقی رہی کہ آیا خود عیسیٰ علیہ السلام کی بھی کوئی انجیل تھی جو حوادث مفصلہ ذیل میں تلف ہو گئی یا انجیل کے معنی تعلیم کے ہیں' خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و وعظ ہی انجیل تھا؟ جہاں تک تجسس کیا گیا' یہی بات معلوم ہوئی کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ایک کتاب تھی کہ جس کا قرآن میں ذکر ہے اور جس کا ثبوت کتاب مرقس کے باب ۱۶' ورس ۱۵ میں ہے: اور اس نے کہا کہ تم تمام دنیا میں جا کے ہر ایک مخلوق کے سامنے انجیل کی منادی کرو' انتہیٰ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں انجیل تھی اور پولوس مقدس کے نامہ گلاتیوں کے اوّل باب' ورس ۱۱ سے بھی اس انجیل کا پتہ لگتا ہے: مگر اے بھائیو! میں تمہیں جتاتا ہوں کہ انجیل جس کی میں نے خبر دی' انسان کے طور پر نہیں ہے ۱۲ اس لئے کہ میں نے اس کو کسی آدمی سے نہیں پایا' نہ کسی نے مجھے سکھایا مگر وہ یسوع مسیح کے الہام سے مجھے ملی' انتہیٰ۔ اور اسی باب میں پہلے لوگوں کو تہدید کرتا ہے کہ بعض لوگ مسیح کی انجیل کو الٹ دینی چاہتے ہیں: لیکن اگر ہم یا آسمان سے کوئی فرشتہ سوائے اس انجیل کے جو ہم نے تمہیں سنائی' دوسری انجیل تمہیں سنائے وہ ملعون ہوئے' انتہیٰ۔ اور دوسرے باب میں پطرس اور برنباس حواریوں کی شکایت میں لکھتا ہے: ۱۴ جب میں نے دیکھا کہ وہ انجیل کی سچائی پر سیدھی چال نہیں چلتے' انتہیٰ۔

وجوہ فقدان انجیل شریف:..... یہاں سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) یہ کہ پولوس کے پاس خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل تھی اور وہ ان چاروں انجیلوں موجودہ کے غیر تھی' اس لئے کہ لوقا اور مرقس اور یوحنا کی انجیل تو اب تک تصنیف بھی نہیں ہوئی تھی اور متی کی انجیل پر یہ صادق نہیں آ سکتا کہ میں نے اس کو کسی آدمی سے نہ پایا الخ اس لئے کہ اگر یہ انجیل مراد ہوتی تو یہ تو ان کو آدمیوں ہی کے ذریعہ سے ملتی' کما لا یخفی۔ (۲) یہ کہ اس وقت میں بھی عیسائیوں میں انجیل کے الٹ دینے والے پیدا ہو گئے تھے۔ اب عیسائی کس منہ سے کہتے ہیں کہ انجیل میں تحریف کرنے سے کیا غرض تھی الخ۔ اب ہم وہ وجوہ بیان کرتے ہیں کہ جن کے دیکھنے سے تعجب نہ رہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیل کیوں مفقود ہو گئی؟

انجیل کے مفقود ہونے کے اسباب:.....(۱) ایک تو وہی سبب کہ اس زمانہ میں بھی لکھنے کا دستور نہایت کم تھا اور کاغذ کم موجود تھا۔

شاید درختوں کے پتوں یا کسی اور چیز پر لکھتے ہوں گے جیسا کہ مؤرخین کے قول سے پہلے واضح ہوا۔ (۲) یہ کہ اوّل اور دوسری صدی میں عیسائی غریب اور مفلس لوگ تھے اور بہت کم جہاں کہیں حواری جاتا تھا' وہیں اس پر مصیبت آ جاتی تھی اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ اس وقت کے بادشاہ ان کے سخت دشمن ہو گئے اور قتل عام شروع ہو گیا۔ چنانچہ دس بار عیسائیوں پر یہ قتل شروع ہوا اور متصل تین سو برس تک جاری رہا۔ اوّل ۶۴ء میں نیرون شاہ فرنگستان کے حکم سے ہوا جس میں پطرس حواری اور پولوس وغیرہ مارے گئے۔ دوسرا دومیشان کے عہد میں ہوا اس ظالم نے بھی از حد خونریزی کی اور یوحنا حواری جلاوطن ہوئے۔ تیسرا قتل ترجان کے عہد میں اٹھارہ برس تک رہا۔ الغرض ایسے ایسے قتل دس بار ہوئے کہ جن میں گرجا گرائے گئے اور زمین خون سے رنگین کی گئی اور تلاش کر کے کتابیں جلائی گئیں۔ اس کے جواب میں پادری کہتے ہیں کہ تین سو برس تک گو یہ حوادث عظیمہ رہے لیکن بہت سے ملکوں میں عیسائی مذہب اور انجیل پھیل گئی تھی' پھر کیونکر صفحۂ عالم سے مفقود ہو گئی الخ۔ ہم کہتے ہیں جس قدر یہودیوں کی موسیٰ علیہ السلام سے لے کر بخت نصر تک ترقی اور ثروت اور شیوع اور حکومتیں اور زمانہ گزرا ہے' اس کی نصف بھی تین سو برس میں عیسائیوں کی ترقی اور حکومت نہیں ہوئی۔ پھر جب اس ایک حادثہ میں توراۃ صفحۂ عالم سے مفقود ہو گئی حتیٰ کہ اگر عزیر علیہ السلام نہ ہوتے تو نام ونشان بھی باقی نہ رہتا تو اس قدر حوادث عظیمہ میں اس مفلس اور غریب قوم سے انجیل مفقود ہونا کیا تعجب کی بات ہے کیونکہ جس قدر قلت کاغذ کتابت کی اس عہد میں تھی' ویسی ہی عیسائیوں کے ہاں اس زمانہ تک تھی' نہ حفظ کا ان کے ہاں رواج تھا۔ پس اس زمانہ پر قیاس کرنا بڑی غلطی ہے اور شاہد اس امر پر یہ ہے کہ بہت سی کتابیں اس زمانہ کی اب بالکل مفقود ہیں۔ چنانچہ انجیل یوحنا کے باب ۲۱' ورس ۲۴ میں ہے: یہ وہ شاگرد ہے جس نے ان کاموں کی گواہی دی اور ان باتوں کو لکھا الخ۔ اب اس شاگرد مسیح کی لکھی ہوئی کتاب کا نام ونشان بھی نہیں اسی طرح انجیل لوقا کے دیباچہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اور لوگوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال میں انجیلیں لکھی تھیں۔ چنانچہ تفسیر ہنری واسکاٹ اور ڈوالی اور روجرڈ مینٹ میں اس کی تصریح ہے۔ مؤرخ موشیم اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۳۲ء کی جلد اول میں فرقہ ناصریوں اور آبیونی کے بیان میں لکھتا ہے کہ ان دونوں فرقوں کے پاس ہماری انجیلوں کے علاوہ ایک اور انجیل تھی کہ جس کے بارے میں ہمارے علماء کو اختلاف ہے' انتہٰی ملخصاً۔ (۳) اوّل ہی صدی میں عیسائیوں میں اناجیل تصنیف کرنے کا شوق ہو گیا تھا۔ پس وہ انجیلی حضرت مسیح علیہ السلام کی اناجیل کو الٹ پلٹ کر اپنی تصانیف کو زیادہ رواج دینا چاہتے تھے جیسا کہ پولوس ❶ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا اس قرن ہی میں صدہا انجیلیں تصنیف ہو گئی تھیں۔ پس ان حوادث میں جب اصلی انجیل مٹ گئی تو ان میں سے جس کی انجیل مشہور ہو گئی اسی پر سادہ لوح عیسائیوں نے قناعت کر لی۔ اب ہم ان چاروں کتابوں کی بابت گفتگو کرتے ہیں کہ اور تاریخوں سے ان میں کونسی بات زائد ہے کہ جس کی وجہ سے ان کو آسمانی کتابیں اور الہامی صحیفے مانا جائے اور انبیاء علیہم السلام کی فہرست کتب میں درج کیا جائے' سو واضح ہو کہ ان کا الہامی ہونا دو باتوں پر موقوف ہے۔

**انجیلوں کا الہامی ہونا دو باتوں پر موقوف ہے:**......(۱) یہ کہ ان کے مصنفین انبیاء علیہم السلام ہوں (۲) ان کی یہ تالیف محض عام مؤرخوں کی مانند نہ ہو کہ جو کسی واقعہ کو دیکھ کر یا سن کر لکھتے ہیں بلکہ محض انکشاف الٰہی اور تائید روح القدس سے ہو کہ جو خاصۂ انبیاء علیہم السلام ہے اور جس میں غلطی کو دخل نہیں ہوتا ورنہ یوں تو ہر شاعر اور مؤرخ بلکہ ہر شخص بشرطیکہ وہ امر شر نہ ہو' الہام ہی سے کرتا ہے۔ میں بھی یہ کتاب الہام کے ذریعہ سے لکھ رہا ہوں۔ اوّل: امر دو شخصوں کی نسبت تو بالکل نہیں پایا جاتا یعنی ان چاروں میں سے لوقا اور مرقس کی نبوت اب تک کسی قوی دلیل تو کیا اقناعی سے بھی ثابت نہیں ہوئی۔ نہ تو کسی کتاب عہد عتیق میں ان کی نبوت کی پیشین گوئی ہے' نہ حضرت مسیح علیہ السلام نے

❶......نہ وہ پولوس کی انجیل اب کسی کے پاس ہے کہ جس کو وہ ان سب انجیلوں کی غیر بتلا کر اس پر چلنے کا حکم دیتے تھے اور اس کے علاوہ اور انجیلوں کے سننے والے پر لعنت کرتے تھے۔ سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ حواریوں میں پطرس وغیرہ کسی بڑے حواری کی تو کوئی بھی انجیل نہ ہوا اور لوقا اور مرقس تابعین کی انجیلیں تسلیم کی جائیں۔

ان کو نبی کہا ہے‘ نہ ان کے بارہ حوریوں میں سے کسی نے فرمایا ہے۔ اوّل تو معجزات وخرق عادات کا (عیسائیوں کے نزدیک) کچھ اعتبار ہی نہیں کیونکہ انجیل متی کے باب ۲۴‘ اور ورس ۲۴ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول یہ ہے کہ بہت سے جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے اور ایسے بڑے معجزے اور کرامتیں دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہوتا تو وہ برگزیدوں کو گمراہ کرتے‘ انتہیٰ۔ دوم ان سے کوئی معجزہ یا کرامت سرزد بھی نہ ہوئی‘ نہ کسی جگہ ان کا اور کوئی کمال مذکور ہے بلکہ اس سبب سے کہ ان کو پولوس نے تعلیم کیا ہے‘ ان کے جھوٹے ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ پولوس کا دینی امور میں جھوٹ بولنا اور جھوٹ سے اپنے خیالات کو پھیلانا پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ پولوس کسی طرح سے نبی نہیں بلکہ دین عیسوی کا مخرب اور محرف ہے اور نامہ حواریوں میں جو کچھ اس کی کرامت لکھی ہیں وہ ہمارے لئے سند نہیں کیونکہ وہ اس کے شاگرد کی تصنیف ہے۔ اگر سچ ہے تو انہیں معجزات میں شمار ہیں کہ جن کی مسیح علیہ السلام نے خبر دی ہے کیونکہ اس نے شریعت پر چلنے والے کو ملعون کہا اور تثلیث کی تعلیم کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توراۃ کو لغو اور کمزور بتلایا۔ چنانچہ نامۂ عبرانیوں کے باب ۷‘ ورس ۱۸ میں کہتا ہے: پس اگلا حکم (یعنی توراۃ) اس لئے کہ کمزور اور بے فائدہ تھا اٹھ گیا‘ انتہیٰ۔ بلکہ یہ شخص جناب مسیح علیہ السلام کی جناب میں بھی نہایت بے ادبی کر کے ان کو ملعون کہتا ہے‘ العیاذ باللہ۔

پس جب تک عیسائی پولوس کے اور ان کے شاگرد لوقا اور مرقس کی نبوت نہ ثابت کر دیں‘ انجیل لوقا اور مرقس اور پولوس کے خطوط سے ہمارے روبرو کوئی سند نہ پیش کریں کیونکہ جب کہ ان کی نبوت تو کیا بلکہ دینداری ہی میں کلام ہے تو ان کی تصانیف کا کیا اعتبار ہے؟ اب رہے متی اور یوحنا‘ سو اوّل تو اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ یہ وہ متی اور یوحنا ہیں کہ جو حواری ہیں۔ دوم ان کی نبوت کی بابت بھی کوئی پیشین گوئی کہیں سے منقول نہیں‘ نہ کوئی مسیح علیہ السلام کا قول پایا جاتا ہے اور نہ کوئی معجزہ و کرامت منقول ❶ ہے اور اگر ہو تو اس کا کیا اعتبار ہے؟ کیونکہ مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں: اس دن بہتیرے کہیں گے: اے خداوند! اے خداوند! کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے دیویوں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سی کرامتیں ظاہر نہیں کیں۔ اس وقت میں انصاف سے کہوں گا: میں کبھی تم سے واقف نہ تھا۔ اے بدکارو! میرے پاس سے دور ہو‘ انتہیٰ (متی‘ باب ۷) کیونکہ سب حواری ان کی کتابوں کے بموجب پاکباز اور دیندار نہ تھے۔ دیکھئے یہودا نے آنحضرت (عیسیٰ علیہ السلام) کو گرفتار کروایا۔ آخر خودکشی کر کے مر گیا اور پطرس وغیرہ کو پولوس نے انجیل پر نہ چلنے کا الزام لگایا اور کیا کیا ان کی نسبت کہا اور دنیا سے آسمان پر چلتے وقت حضرت مسیح علیہ السلام سب حواریوں کو بے ایمانی کا لقب دے گئے جیسا کہ مرقس کے باب ۱۶‘ ورس ۱۴ میں ہے۔ اب جب تک یہ نہ ثابت کر دیا جائے کہ متی یوحنا ان باتوں اور ان القابوں سے مستثنیٰ اور صاحب نبوت ہیں کیونکر نبوت کا اقرار کیا جائے؟ ہاں ہم اہل اسلام اپنی تحقیق سے ان کو دیندار اور راستباز کہتے ہیں اور ان کا نہایت ادب کرتے ہیں اور بس دوسری بات تو بہت ظاہر ہے کہ یہ کتابیں انہوں نے الہام سے نہیں لکھیں کیونکہ لوقا اور مرقس تو سن کر لکھتے ہیں جیسا کہ خود دیباچہ لوقا سے معلوم ہے اور متی اور یوحنا اپنے روبرو گزرا ہوا معاملہ لکھتے ہیں‘ اس میں بھی الہام کی کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ باسوبر اور لیافان کہتے ہیں کہ جب حواری بچشم خود دیدہ یا معتبر گواہیوں سے سن کر لکھتے تھے تو ان کو الہام کی حاجت نہ تھی‘ انتہیٰ۔

بلکہ پولوس کے قول کے بموجب تو یہ چاروں کتابیں قابل رد ہیں کیونکہ اس نے اس انجیل کے سوا (کہ جو اس کو مسیح علیہ السلام سے بلاتوسط غیر ملی تھی جیسا کہ پہلے ذکر ہوا) اور کسی انجیل کے ماننے والے پر لعنت کی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ چاروں وہ انجیل نہیں اور بالفرض ہوئی بھی تو ایک ہو گی‘ پھر تین غیر معتبر رہیں یہاں تک کہ اس کے سنانے والے پر لعنت پڑے گی۔ اس کے سوا اور چند ادلّہ ہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا

---

❶ اور کتاب اعمال حواریوں سے جو کوئی ثابت کرتا ہے تو بے فائدہ محنت اٹھاتا ہے کیونکہ یہ کتاب لوقا صاحب کی تصنیف ہے کہ جو پولوس کے شاگرد رشید ہیں۔ منہ۔

ہے کہ یہ الہامی نہیں۔

**اناجیل کے غیر الہامی ہونے پر مزید دلائل:**......(۱) یہ کہ ان کے مؤلفین نے بڑی سخت غلطیاں کی ہیں چنانچہ متی نے جو مسیح علیہ السلام کا نسب نامہ لکھا ہے اس میں کئی نام بھول گیا جس کی تاویل میں مفسرین نہایت تکلفات کرتے ہیں اور اسی طرح اور چند غلطیاں کی ہیں کہ جن کی تفصیل اعجاز عیسوی وغیرہ کتابوں میں ہے۔ اسی طرح لوقا نے دوسرے باب میں غلطی کی ہے کہ اوگوسطوس قیصر نے اسم نویسی کا حکم دیا تھا اور قورنیوس حاکم یہودیہ کے وقت میں یوسف نجار اپنی بیوی مریم علیہا السلام کو کہ جو حاملہ تھیں' ہمراہ لے کر شہر بیت اللحم میں نام لکھوانے آیا تھا اور وہاں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہو پڑے' انتہیٰ ملخصاً۔ حالانکہ یہ صریح غلط ہے' اوّل یوں کہ قورنیوس حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے پندرہ برس بعد وہاں کا حاکم ہوا تھا۔ دوم یہ کہ حسب بیان متی حضرت مسیح علیہ السلام ہیرود کے عہد میں پیدا ہوئے تھے اور اس کی زندگی تک یہ ملک قورنیوس وغیرہ حکام روم کے قبضہ میں نہ آیا تھا۔ (۲) یہ کہ ان کتابوں میں بہت سے ایسے جھوٹے مضامین مندرج ہیں کہ جن کی شہادت کسی تاریخ سے نہیں پائی جاتی' نہ عقل ان کو تسلیم کرتی ہے۔ مثلاً: متی نے باب ۲۷ میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جب صلیب پر چلا کر جان دی تو ہیکل کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا اور زمین کانپی اور پتھر تڑک گئے اور قبریں کھل گئیں اور بہت لاشیں پاک لوگوں کی قبروں سے نکل کر مقدس شہروں میں بہتوں کو نظر آئیں' انتہیٰ ملخصاً۔ اور اسی طرح لوقا نے باب ۲۳ میں لکھا ہے چھٹویں گھنٹہ کے قریب تھا کہ تمام زمین پر اندھیرا چھا گیا اور نویں گھنٹہ تک رہا اور سورج تاریک ہو گیا اور ہیکل کا پردہ بیچ سے پھٹ گیا' انتہیٰ۔ اور اسی طرح متی نے باب ۲ میں لکھا ہے کہ مجوسیوں کو ایک ستارہ دکھائی دیا اور وہ ان کے آگے چلتا تھا اور جہاں مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے تھے' وہاں آ کر ٹھہر گیا' انتہیٰ ملخصاً۔ (۳)

حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت وہ قول بھی نقل کئے ہیں کہ جو ان کی شان سے نہایت بعید ہیں۔ چنانچہ یوحنا اپنی کتاب کے باب ۱۰ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے پیشتر جس قدر انبیاء علیہم السلام آئے ہیں' سب چور اور رہزن تھے' انتہیٰ ملخصاً۔ پھر اسی قول کی تقلید کر کے پولوس مقدس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جناب میں کیا کیا گستاخی کرتے ہیں کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی مانند عمل نہیں کرتے جس نے اپنے چہرہ پر پردہ ڈالا تا کہ بنی اسرائیل بخوبی نہ دیکھیں لیکن ان کی فہم تاریک ہو گئی کیونکہ آج تک پرانے عہد نامہ کے پڑھنے میں وہی پردہ رہتا ہے' اٹھ نہیں جاتا الخ' انتہیٰ (نامہ دوم قرنتیوں کا باب ۳)

اور نامہ عبرانیوں میں توراۃ کو کمزور اور بے فائدہ کہتا ہے اور اس سے بڑھ کر فرقہ پروٹسٹنٹ کے پیر و مرشد لوتھر صاحب اور بھی کلمات تعظیم منہ سے نکالتے ہیں۔ چنانچہ وارڈ صاحب اپنی کتاب اغلاط نامہ مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۸ میں کہتے ہیں کہ لوتھر صاحب اپنی ایک کتاب کی تیسری جلد کے صفحہ ۴۰ میں لکھتے ہیں: ہم نہ سنیں گے اور دیکھیں گے موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے کہ وہ صرف یہودیوں کے لئے تھا اور ہم کو اس سے کچھ علاقہ نہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ ہم نہ موسیٰ علیہ السلام کو نہ اس کی توراۃ کو قبول کریں گے اس لئے کہ وہ دشمن عیسیٰ علیہ السلام کا ہے اور جلادوں کا استاد ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ ان کے دس حکموں کو خارج کرنا چاہئے کیونکہ تمام بدعت انہیں پر موقوف ہے' انتہیٰ۔ حالانکہ ان دس حکموں میں یہ بھی ہے کہ شرک نہ کرو' ماں باپ کی تعظیم کرو' ہمسایہ کو ایذاء نہ دو' زنا نہ کرو' جھوٹی گواہی نہ دو وغیرہ ذلک۔ پس اس تعلیم کے بموجب تو عیسائی شرک کرنے اور ماں باپ کی گستاخی کرنے اور ہمسایہ کو ستانے اور چوری اور زنا اور خون کرنے' جھوٹ بولنے کو راہ نجات سمجھتے ہوں گے؟ معاذ اللہ اگر یہی الہام ہے تو اس الہام کو سلام۔

# اناجیل میں غلط پیشین گوئیاں

وجہ چہارم:......ایسی غلط پیشین گوئیاں ان کتابوں میں مندرج ہیں کہ جن کے جھوٹ ہونے میں کسی عیسائی کو ذرا بھی شک نہیں۔ چنانچہ انجیل متی کے باب ۲۴ میں اور مرقس کے باب ۱۳ میں اور لوقا کے باب ۲۱ میں مذکور ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے مخاطب ہو کر اپنے دوبارہ آنے کی بابت یہ فرمایا تھا کہ ان دنوں میں سخت مصیبت پڑے گی کہ جو نہ کبھی پہلے پڑی ہے اور نہ آگے پھر پڑے گی اور سورج اندھیرا ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گر جائیں گے اور آسمان کی قوتیں ہل جائیں گی تب ابن آدم کو (یعنی مجھ کو) بادل پر بڑی قدرت اور جلال سے آتے دیکھیں گے انتہیٰ۔ اس کے بعد پھر فرماتے ہیں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب ❶ کچھ نہ ہو لے اس وقت کے لوگ گزر نہ جائیں گے۔

اور بعض کتب مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں ہے کہ جب تک یہ سب کچھ پورا نہ ہولے یہ پشت گزر نہ جائے گی اور انجیل مرقس میں یہ ہے کہ اس زمانہ کے لوگ جب تک یہ سب کچھ واقع نہ ہولے گزر نہ جائیں گے۔ حالانکہ اس زمانہ کے تمام لوگ گزر گئے اور بہتوں کی تو انتظار میں آنکھیں بھی پتھرا ہو گئیں تھیں مگر ان سب چیزوں میں سے کوئی بھی انہوں نے نہ دیکھی۔ اس مقام پر یہ خیال میں آتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ باتیں قیامت کی علامات میں فرمائی ہوں گی سو ان شاء اللہ واقع ہوں گی مگر یہ مؤرخ اپنی غلط فہمی سے کچھ اور سمجھ گئے۔ اب اس پر بحکم "اندکے از بسیارے ومشتے از خروارے" ان انجیلوں کی جملہ تحقیقات اور الہام کو قیاس کرنا چاہئے۔ اسی لئے ان کتابوں میں اوّل اور دوم صدی کے عیسائیوں کو نہایت تردد اور شک تھا۔ چنانچہ محقق برٹشنیڈرا اور استاہلن اور فرقہ الوجین جو دوسری صدی میں تھا' اس انجیل کو یوحنا حواری کی تصنیف نہیں کہتا تھا اور یہی قرین قیاس بھی ہے کیونکہ جب اس انجیل کا انکار ہوا تو ارینیوس نے جو پولی کارپ کا شاگرد ہے' اس کو یوحنا کی تصنیف بتلایا ہے اور استاہلن کہتا ہے کہ یہ انجیل قطعی کسی طالب علم مدرسہ اسکندریہ نے لکھی ہے۔ بعض پادری کہتے ہیں کہ اسکندریہ کا مدرسہ تو اس انجیل کے بعد قائم ہوا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ کیونکر ثابت ہوا کہ اس مدرسہ سے پیشتر یہ کتاب تھی' اس پادری کی بات کو مانیں یا استاہلن جیسے محقق کی بات مانیں کہ جس کے قول کو ہارن صاحب مفسر نے بڑے ادب سے اپنی کتاب کی جلد چہارم' صفحہ ۳۱۶ میں لکھا ہے اسی طرح اور تینوں کتابوں کی نسبت بھی بہت کچھ قیل وقال تھی اور یہ قیل وقال ❷ ضرور ہونی چاہئے تھی کیونکہ اس زمانہ میں صدہا انجیلیں تصنیف ہو گئی تھیں اور جو غیر معتبر شخص تھے' وہ بتقلید فلاسفہ یونان اپنی کتاب کو کسی اور مشہور آدمی کے نام سے شہرت دیتے تھے۔ چنانچہ تخمیناً اسی نوے اور کتابیں اب تک عیسائیوں میں مشہور ہیں کہ جن کو ان کے مرید الہامی کہتے تھے۔ مگر جب ان کی نہ چلی اور مخالفوں نے اپنی کتابوں کو دور کر دیا تو وہ غریب بے الہامی ہو گئیں۔ اس جعلسازی کی وجہ سے بیچارہ پولوس بھی بڑا غل مچاتا تھا۔ تین سو برس تک عیسائیوں میں یہی جوتی پیزار رہی کہ کسی نے کسی کتاب کو الہامی سمجھا اور انجیلوں کے سننے سنانے والے کو ملعون کہا' کسی نے کسی کتاب کو عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل قرار دے کر اپنا دل خوش کیا۔ آخر جب قسطنطین شاہ روم کہ جو بڑا ظالم اور نہایت سفاک تھا' اپنے گناہ معاف کرانے اور اپنے ظلموں کو

---

❶ بعض پادری کہتے ہیں کہ اس سب کچھ سے مراد صرف بیت المقدس پر مصیبت آنا تھا' سو وہ اس وقت کے لوگوں نے دیکھا انتہیٰ۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ تمام باتیں ذکر کر کے پھر سب کچھ کہنا تو برہان قوی ہے اس بات پر کہ یہ سب چیزیں مراد ہیں نہ کہ بعض۔ سب کچھ سے بعض مراد لینا تمام اہل عقل کے نزدیک نامعقول ہے۔ یوں تو بلاقرینہ ہر چیز کی تاویل ہو سکتی ہے پولوس بول کر عمادالدین مراد لے سکتے ہیں۔ ایسی مراد لینے نے تو انجیل اصلی کو غارت کر دیا۔ منہ۔ ❷......انجیل متی اصل میں عبرانی میں تھی' اس کا ترجمہ یونانی میں خدا جانے کس نے کیا اور کیسا کیا ہے؟ اصل اس کی کسی کے پاس نہیں ہے کہ جو اس سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے۔ یہاں سے آپ کو اور کتابوں کے گم ہو جانے میں کچھ تعجب نہ معلوم ہوگا کیونکہ جس طرح اور جس سبب سے متی کی عبرانی کتاب مفقود ہو گئی' وہی سبب اور کتابوں کے لئے پیش آیا۔

مٹانے کے لئے پولوس کی جماعت کا مرید ہوا تو اس نے شہر نائس میں عیسائیوں کو جمع کر کے ان کتابوں کی بابت ایک کمیٹی قائم کی اور اپنے زور اور شوکت سے تمام عیسائیوں کو ان کتابوں کے ماننے پر مجبور کیا اور مسئلہ تثلیث اور کفارہ کو کہ جس کے اعتقاد پر وہ عیسائی ہوا تھا' بحکم رواج دیا۔ اس وقت سے ان کے ہاں اس زبردستی کا نام اجماع سلف قرار پایا کہ جس کو آج کل کے عیسائی ان کتابوں کے مقبول ہونے کے لئے سند قرار دیتے ہیں چنانچہ پادری صفدر علی کہ جس نے ان کتابوں کو الہامی ثابت کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے' نیاز نامہ کے صفحہ ۲۱۹ میں بڑی مجبوری سے اقرار کرتے ہیں کہ وجوہات مذکورہ بالا کے باعث تخمیناً ۳۰۰ء تک نہ تو تمام جماعتوں کو تمام نوشتوں کی اصلیت کا حال معلوم ہو گیا تھا الخ پس جو کچھ ان کے پاس برائے نام سند ہے' وہ ۳۰۰ء تک بمشکل پہنچی ہے۔ آگے تو بس یہی سند ہے کہ اگناتیوس پولی کارپ وغیرہ کی تحریرات میں بعض ایسے جملے پائے جاتے ہیں کہ جن کا مضمون ان کتابوں سے ملتا ہے' غالباً یہیں سے لیا گیا ہے الخ۔

یہ سند تو ایسی لغو ہے کہ جس کی لغویت پر سند کی حاجت نہیں کیونکہ بہت سی پچھلی کتابوں کے مضامین اگلی کتابوں سے مطابق ہو جایا کرتے ہیں' پھر کیا کوئی دانشمند پچھلی کتاب کو مقدم کہہ سکتا ہے؟ گلستان یا بوستان میں بعض کیا' بہت سے مضامین وعظ و پند میں اناجیل کے وعظ و پند سے ملتے ہیں۔ اب کوئی بیوقوف ہوگا جو یہ کہے گا کہ اناجیل' سعدیؒ کی کتابوں سے لکھی گئیں یا اناجیل کے وقت میں سعدیؒ کی کتابیں تھیں؟ پس اسی طرح اگناتیوس وغیرہ کی تصانیف اگر مقدم ہوں تو کیا بعض مضامین کی مطابقت سے مؤخر ہو جائیں گی؟ بلکہ بسا اوقات بعض کتابوں کے مضامین میں توافق ہوتا ہے اور ایک کو دوسرے کی خبر بھی نہیں ہوتی' اس سے لینا یا اس کی شہادت دینا چہ معنی دارد؟ ولوسلمنا اگر شہادت ہے تو واضح ہو کہ یہ بات ہمارے اور عیسائیوں کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ یہ چاروں انجیلیں نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہیں' نہ ان کے عہد میں لکھی گئی ہیں۔ پس ہم کو تو بحث کو اسی جگہ تمام کر دینا چاہیے تھا کیونکہ جس انجیل کے اہل اسلام قائل ہیں اور جس کا قرآن میں ذکر ہے' وہ انجیل ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بذریعہ روح القدس نازل ہوئی ہے جس طرح کہ توراۃ و زبور و دیگر صحف انبیاء علیہم السلام کا حال ہے مگر چونکہ عیسائی اس بات کے قائل ہیں کہ گو یہ مسیح علیہ السلام کی اناجیل نہیں مگر یہ بھی الہامی اور رسولوں کی تصنیف ہیں اس لئے ان سے بھی بحث کرنی پڑی۔ ہر چند اس بات کو بھی ہم نے تجسس کر کے دیکھا مگر بہت سے وجوہ سے غلط پایا اور عیسائیوں کے پاس سوائے خوش اعتقادی کے اور کوئی دلیل نہ دیکھی۔ ہاں اس قدر ہم بھی مانتے ہیں کہ ان میں کچھ مضامین الہامی بھی ماخوذ ہیں اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ ان کے مصنفین کے بعد ان میں خواہ سہواً خواہ عمداً بیشمار غلطیاں اور کمی زیادتیاں بھی ہوئی ہیں کہ جن کا شمار بقول علماء اہل کتاب ہزار ہا تک پہنچتا ہے جن کی تفصیل اظہار الحق وغیرہ کتب میں ہے اور جن کا اقرار پادری فنڈر صاحب کو بھی ہے۔

ہاں یہ اور بات ہے کہ پادری صاحب ان تحریفات کو اپنی خوش اعتقادی سے ویریوس ریڈنگ یعنی سہو کاتب کہتے ہیں' ہم نہیں کہتے لیکن مدعا واحد ہے۔ یہاں ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے' وہ یہ کہ جب اہل اسلام ان کتابوں میں تحریف ثابت کرتے ہیں تو ان کا اوّل صدیوں میں غیر مقبول ہونا یا ان کی نسبت علماء اہل کتاب کا یہ کلام ہونا کہ یہ دراصل ان شخصوں کی تصنیف ہی نہیں و دیگر مضامین اور بھی اسی قسم کے ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ اعجاز عیسوی وغیرہ کتب میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کے بعد وہ جملہ بھی ❶ بتلایا کرتے ہیں کہ جن کو محققین مسیح

---

❶ ...... قرآن مجید میں بعض جگہ یہود کے مذہب میں یہ واقع ہوا ہے: یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کہ بعض کلمات کو ان کی جگہ سے محرف کرتے ہیں اور اسی طرح کی اور آیات ہیں۔ ان کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ یہود کتاب میں تبدیلی نہ کرتے تھے بلکہ کسی کے سناتے وقت شرارت سے یہ کام کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں: بلکہ نفس کتاب میں اغراض دنیاویہ سے تبدیل کرتے تھے۔ خیر جو کچھ ہو مگر یہ بات یہود مدینہ کی بابت ہے۔ لیکن قطع نظر اس آیت کے یہود کیا بلکہ کل اہل کتاب اپنی کتابوں میں تحریف کرتے تھے۔ اگر یہ آیت نازل نہ ہوتی تب بھی یہ نفس الامری دھبہ حسب اقرار اہل کتاب پر باقی رہتا۔ ہمارے دعویٰ تحریف کی بنیاد اس قسم کی آیات پر نہیں بلکہ ایک نفس الامری واقع پر ہے۔ اب اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہونا ہمارے دعوے کو کچھ مضر نہیں' منہ۔ وہ خفیہ کرستان ہنگلیہ ولیم میور صاحب ان آیات کے ذیل میں جو کچھ علماء نے فرمایا ہے علاوہ جو بعض نفس قرأت میں تفسیر کے قائل ہوئے ہیں' ان سے اس توراۃ و اناجیل کو اصلی اور غیر محرف ثابت کر کے مسلمانوں کو بہ پردۂ اسلام دھوکہ دے رہا ہے۔ منہ۔

نے الحاقی بتلایا ہے۔اس پر پہلی بات کا جوب پادری یوں دیا کرتے ہیں کہ اس سے تحریف کو کیا علاقہ اس سے تحریف کیونکر ثابت ہوئی؟ چنانچہ فنڈر صاحب نے بھی کہا ہے اور عمادالدین اور صفدر علی بھی انہیں کی تقلید کر کے یہی فرماتے ہیں۔ مگر ہم کو کیا بلکہ سب اہل عقل کو اس جواب پر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی کسی گھوڑے میں عیوب ثابت کرنے والا یہ کہے کہ دیکھو یہ تو مر گیا' یہ اب بالکل کسی کام کا نہیں۔اس کے جواب میں مالک کہے: اس سے کیا ہوتا ہے اس کے پاؤں اور دُم وغیرہ اعضاء میں کوئی عیب بتلاؤ۔اب وہ بیوقوف یہ نہیں سمجھتا کہ اس کا مدعا تو بخوبی ثابت ہو گیا کیونکہ اصل ہی نہیں رہی تو اب اس کی فروعات کہاں؟ اور دوسری بات کا یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ اچھا کچھ فقرے الحاق ہوئے تو کیا ہوا' ان سے ہمارے اصول مذہب میں کیا فرق آیا' کل کتاب کیونکر غیر معتبر ہو گئی ان میں محمد ﷺ صاحب کی بشارت سے کیا علاقہ؟ الخ چنانچہ فنڈر صاحب اور ان کے دو مقلدوں نے اپنی تصانیف میں یہی ذکر کیا ہے اور لفظ لفظ پر طعن وطنز کرتے گئے ہیں۔ مگر یہ جواب اوّل سے زیادہ لغو ہے۔ پادری صاحبو: ذرا اتنا تو سوچو کہ جب دو چار فقرے الحاقی ثابت ہو گئے گو بقول آپ کے ان سے آپ کے اصول دین میں کوئی فتور نہ آئے مگر یہ کتاب تو غیر معتبر ہو گئی۔اب کیا اعتبار کہ آپ کے اصول دین بھی ایسے ہی الحاقی فقروں سے ثابت ہوں۔الغرض کتاب کی بے اعتباری یا کسی دستاویز کی بے اعتباری کے لئے ادنیٰ شبہ بھی کافی ہوتا ہے' چہ جائیکہ صدہا الحاقات۔

**فوائد:**......جب چاروں انجیلوں کا یہ حال ہے تو پولوس کے خطوط کا کیا اعتبار ہے؟ اس میں تثلیث اور خدا کا مجسم ہونا اور شریعت کو ترک کرنا وغیرہ وہ ملحدانہ مضامین ہیں کہ جو تمام اہل نقل وعقل کے نزدیک بدتر اور خراب ہیں اور پطرس اور دیگر شخصوں کے خطوط بھی ان شرائط سے خالی ہیں کہ جو کتاب الٰہی کے لئے ضروری ہیں۔

# فصل سوم

## قرآنِ مجید میں توراۃ زبور اور انجیل کی مدح

**فوائد(۱)**......خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ توراۃ و زبور اور انجیل کی مدح فرمائی ہے اور صحف ابرہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی تعاذکر کیا ہے اور قرآن کو ان کتب مقدسہ کا مصدق یعنی سچا کرنے والا کہا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ کہ یہ قرآن پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور توراۃ کو کتاب منیر اور امام اور فرقان اور رحمۃ وغیرہ القاب سے یاد کیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ فرمایا ہے: وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ الآیة کہ ہم نے اس کو انجیل دی۔ اسی طرح وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور دی اور سورۂ بقرہ میں ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی یعنی توراۃ اور کئی جگہ ان کتابوں پر ایمان لانے کی تاکید فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ الآیة کہ اے مسلمانو! ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس کتاب پر جو اس کے رسول پر نازل ہوئی اور جو اس سے پہلے نازل ہوئی اور سورۂ بقرہ کے اوّل ہی میں مؤمنین کی شان میں فرمایا ہے: وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ کہ مسلمان وہ ہیں کہ جو چیز تم پر نازل ہوئی اس پر اور جو تم سے پہلے نازل ہوئی اس پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی طرح کی اور بہت سی ● آیات ہیں یہاں سے دو باتیں ثابت ہوئیں: اول یہ کہ توراۃ وہ کتاب ہے جو خاص

● اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور زبور وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی اور انجیل وہ کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور کچھ اور صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئے تھے اور اس امر منصوص میں سنی شیعہ کل فرقے کے سلف سے خلف تک متفق ہیں۔ پس یہ کتاب جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد تصنیف ہوئی اور کچھ مضامین توراۃ اصلی کے یادداشت کے طور پر اس میں درج کر کے توراۃ نام رکھا گیا، قطعی وہ توراۃ نہیں جس کا قرآن میں ذکر ہے اسی طرح وہ کتابیں کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد لوگوں نے تصنیف کی ہیں اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات واقوال کو صحیح وغلط طور پر جمع کر دیا ہے کہ جس کو اب عیسائی انجیل متی ومرقس ولوقا و یوحنا کہتے ہیں، وہ انجیل نہیں کہ جس کا قرآن میں ذکر ہے۔ چنانچہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اعلام میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جمیع علماء اسلام اسی کے قائل بلکہ تمام امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ مسئلہ متفق علیہا ہے بخوف تطویل ❶ اقوال نقل کرنا مناسب نہیں جانتا۔ پس اب جو اہل کتاب اس توراۃ وانجیل کو لئے پھرتے ہیں اور اس کو اصل توراۃ وانجیل بتلا کر مسلمانوں کو ایمان لانے کے لئے مجبور کرتے ہیں، محض فریب ہے اس سے ہر ایماندار کو بچنا فرض ہے۔

دوم: یہ کہ وہ توراۃ وانجیل وزبور ودیگر مصحف انبیاء علیہم السلام کہ جن کا قرآن میں ذکر ہے، کلام الٰہی اور واجب التعظیم تھے۔ جو کچھ خدا تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی معرفت ان میں ذکر فرمایا تھا، سب حق تھا۔ اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے یہ ہدایت کی ہے کہ اپنی اور بیگانہ ❷ کچھ نہ دیکھو بلکہ جس قدر خدا تعالیٰ کے فرستادہ لوگ ہیں کہ جن کو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں خواہ کسی ملک کے ہوں اور جس قدر مقدس کتاب خدا تعالیٰ نے بھیجی ہیں، سب پر ایمان لاؤ اگرچہ بحکم وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ کہ ہر گروہ میں خدا تعالیٰ کی طرف کا ہادی آیا ہے۔ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (کہ بعض انبیاء علیہم السلام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر آیا اور بعض کا نہیں) ہر قوم اور ہر ملک میں خدا تعالیٰ کے ہادی نبی یا ان کے نائب ضرور آئے (کہ جن کا علم تفصیلی خدا تعالیٰ ہی کو ہے اور اجمالاً ہم سب کو حق جانتے ہیں اور تفصیلاً ان کی تعیین کرتے ہیں کہ جن کا ذکر قرآن واحادیث میں آیا ہے) مگر چونکہ ان انبیاء علیہم السلام کے طرق اور کتب میں حوادث زمانہ سے وہ تغیرات پیش آئے اور وہ تحریفات اور خلط ہوا کہ جس سے اصل مذہب اور اصل کتاب میں کچھ امتیاز نہ رہا بلکہ اکثر وہ کتابیں صفحہ عالم سے ناپید ہو گئیں اور ان مذاہب کے مشائخ نے اپنے خیالات فاسدہ کو مضامین الہامیہ میں ملا کر ایک ایسی معجون مرکب بنائی کہ جس کے اجزاء اصلیہ اور غیر اصلیہ میں تمیز کرنا کسی استحالہ کیمیائی سے ممکن نہ رہا اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی کمال رحمت سے سب نبیوں کے اخیر ایک ایسا نبی بھیجا کہ جس کی تعلیم کامل کی وجہ سے آئندہ کسی نبی کی ضرورت نہ رہی اور اس پر وہ کتاب جامع نازل فرمائی کہ جس میں پہلے انبیاء علیہم السلام کی ضروری ہدایتیں اور ان کتب مقدسہ کے سب اصول زمانہ اخیر کی رعایت لحاظ رکھ کر جمع کر دیئے اور ہم کو اس تکلیف مالا یطاق سے نجات بخشی کہ کتابوں کی تحقیق کرتے پھریں اور ان کے وجوہ اصلی کے اثبات میں سرگردانی اٹھائیں اور جو کوئی نسخہ بہم پہنچے تو پھر اس میں اصل اور ملونی میں تمیز کریں، للہ الحمد۔

پس قرآن کا ماننا خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں کا ماننا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا جمیع انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ہے اور ان سے سرتابی اور انکار جمیع انبیاء علیہم السلام اور ان کی سب الہامی کتابوں سے انکار کرنا کہ جس کی سزا ابدی جہنم اور خدا تعالیٰ کے جلال اور بادشاہی میں سب سے خوار اور ذلیل ہونا ہے۔ عیسائی برائے نام توریت کا بوجھ لادے تو پھرتے ہیں مگر پولوس کے کہنے سے اس پر بالکل عمل نہیں کرتے بلکہ اس

❶ وہ کرستان اپنی پہلی تحریرات کو غلط ٹھہرا کے اب پھر پادریوں کو خوش کرنے کے لئے ان کو توراۃ وانا جیل اصلی بتاتا اور اس بات کے منکر کو کافر کہہ کے ضمناً مسلمانوں کو کافر کہتا ہے۔ منہ

❷ یعنی اپنی قوم اور اپنے ملک کا خیال نہ کر کے سب انبیاء علیہم السلام کو حق مانو۔ اس سے اس کرستان نے ہنود کی دیوی دیوتا کس لفظ سے سمجھ کر مفسر پر الزام لگا دیا کہ وہ دیوی دیوتا کو نبی کہتا ہے۔ منہ

کو ذلیل سمجھتے ہیں۔

**فوائد (۲):**......نزول قرآن مجید کے وقت گو توراۃ و انجیل اصلی دنیا پر نہ تھیں، جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا مگر اصلی توراۃ و انجیل کے صدہا احکام اور بیشار باتیں اہل کتاب میں زبانی یا ان فرضی کتابوں کے وسیلے سے مشہور و معروف تھیں لیکن وہ لوگ اپنی شرارت سے ان پر بھی عمل نہیں کرتے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے جابجا قرآن کی صداقت ثابت کرنے میں اس بات کو ذکر کیا کہ یہ قرآن کتب سابقہ اور انبیاء سابقین کے برخلاف نہیں بلکہ اصول مذاہب اور امور فطرت میں ان کے مطابق اور ان کا اور اگلے انبیاء علیہم السلام کا مصدق ہے کہ جن کو تم مانتے ہو، پھر اب قرآن کو نہ ماننا ان کا نہ ماننا ہے اور یہ کہ جن کو تم توراۃ و انجیل سمجھتے ہو، اس پر کیوں نہیں عمل کرتے اور جن انبیاء علیہم السلام کی پیروی اور محبت کا تم کو دعویٰ ہے ان کی پیروی کس لئے نہیں کرتے اور کبھی مشرکین عرب کو بعض قصص و احکام میں الزام دینے کے لئے یہ بھی فرمایا کہ ان کو اہل کتاب سے پوچھ دیکھو، وہ بھی یہی کہتے ہیں پھر حضرت محمد ﷺ نے کون سی نئی بات فرمائی ہے کہ جس پر تم چونکتے ہو۔ ان باتوں سے بعض ناواقف پادری یہی سمجھ گئے کہ نزول قرآن کے وقت توراۃ و انجیل بجنسہٖ موجود تھی کہ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے حوالہ دیا ہے اور جس پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہے اور وہ یہی توراۃ و انجیل ہے جو ہمارے پاس موجود ہے۔ حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے۔

**فوائد (۳):**......اہل کتاب بالخصوص پادریوں نے اس توراۃ و انجیل موجودہ کے اصلی توراۃ و انجیل ہونے پر چند ادلہ بیان کئے ہیں کہ جو محض وہم پر مبنی ہیں۔ میں ان کے دلائل اور پھر ان کے جواب ذکر کرتا ہوں۔

## اناجیل کے غیر معروف ہونے پر علماء اہل کتاب کے چند ادلہ اور ان کے جوابات

**دلیل اوّل:**......قرآن میں متعدد جگہ توراۃ و انجیل پر اہل کتاب کو عمل کرنے کی ترغیب دی اور ان کے محامد بیان فرمائے ہیں اور ان پر ایمان لانے اور ادب کرنے کی ترغیب دی۔ اگر اس وقت یہ کتابیں موجود نہ ہوتیں تو عمل کس پر اور ایمان کس پر لاتے؟ اور وہ آیات یہ ہیں: وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ الاٰية۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ...الاٰية۔ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ... الاٰية وغیر من الآیات۔ پس صاف معلوم ہوا کہ اس وقت توراۃ و انجیل اصلی موجود تھیں اور وہ یہی ہیں جو اب ہمارے پاس ہیں۔ نیاز نامہ کے مصنف نے اس دلیل پر بڑا زور دیا ہے اور بہت سے ورق سیاہ کئے ہیں [1]۔

**جواب:**......اوّل اور دوسری اور پانچویں آیات کا اور جس قدر آیات اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں' ان سب کا یہ جواب ہے کہ توراۃ و انجیل کے اوپر چلنے اور ان کے قائم رکھنے سے توراۃ و انجیل اصلی کے احکام مراد ہیں جیسا کہ بیضاوی وغیرہ جمہور مفسرین نے بیان کیا اور خود مستدل نے نقل کیا' اور قرینہ بھی دال ہے اور احکام توراۃ و انجیل کے بیشتر اب بھی توراۃ و انجیل میں پائے جاتے ہیں۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت توراۃ و انجیل کے احکام ان کے پاس موجود تھے اور احکام کے موجود ہونے سے مجموعہ توراۃ و انجیل کا موجود ہونا لازم نہیں آتا۔ دیکھئے

---

[1] ...... پادریوں کے قدیم نمک خوار نے بہ پردۂ اسلام پنج گنج اور جواب تفسیر حقانی میں کسی انعام کی اُمید میں کتاب نوید جاوید اور رقیمۃ الوداد کے خلاف پھر ان کتابوں کو ان آیات اور بعض اقوال سے بتقلید ولیم میور صاحب اصلی اور غیر محرف ہونا ثابت کرنا چاہا ہے اور ایسا زور لگایا ہے کہ ایمان کو خیر آباد کہہ کر جو کچھ نہ کہنا تھا' کہہ دیا۔ مسلمانوں کو ان سے پرحذر رہنا چاہئے کہ کل کوئی عیسائی ان کی اس اخیر تصنیف سے جو بنام محمد صادق و محمد صالح لکھی ہے' اہل اسلام پر حجت نہ پکڑے۔ اطلاعاً یہ اعلان کر دیا گیا اور کافہ علماء نے ان کی تکفیر پر مہر بھی کر دی ہے۔ منہ۔

ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں قرآن کے احکام موجود ہوتے ہیں مگر ہدایہ کو قرآن نہیں کہہ سکتے۔ تیسری اور چوتھی آیت کہ جس میں یہ ہے کہ یہود کے پاس توراۃ ہے اور اس قسم کی اور جملہ آیات کا جواب یہ ہے یہ یہاں توراۃ سے مراد احکام ہیں' سو وہ بیشک یہود کے پاس خواہ بلاتغیر خواہ باتغیر اس توراۃ فرضی میں اب تک موجود ہیں' پس احکام کے موجود ہونے سے مجموعہ توراۃ اصلی کا موجود ہونا لازم نہیں آتا اور دلیل اس بات پر کہ توراۃ سے مراد احکام ہیں' بطریق اطلاق الکل علی الجزئیہ ہے کہ اصل توراۃ وہ ہے کہ جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی' جیسا کہ آیت مذکورہ سے ثابت ہے اور یہ مجموعہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد مرتب ہوا ہے' جیسا کہ اس کے دلائل گزرے۔ پس جس نے ہم کو بتلایا کہ ان کے پاس توراۃ ہے' اسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ توراۃ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ پس مستدل جب تک اس احتمال کو کہ جو ناشی عن الدلیل ہے' بند نہ کردے تو اس کی دلیل سے نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔ دوم یہود اس مجموعہ کو توراۃ کہا کرتے ہیں اور اب کہتے ہیں اور اس میں اصلی توراۃ کے احکام بھی موجود ہیں۔ پس قرآن میں ان کو ان احکام پر عمل نہ کرنے میں الزام دینا مقصود تھا اس لئے اس مجموعہ کو اسی لفظ سے تعبیر کرنا پڑا کہ جو ان کے نزدیک مشہور تھا اور اگر کچھ اور کہتے تو وہ ہرگز نہ سمجھتے۔ مثلاً کوئی شخص ایک کتاب تصنیف کرے کہ اس میں قرآن مجید کے اکثر احکام صحیح اور غلط طور پر جمع کر کے اس کا نام قرآن رکھ دے اور ہمیں اس کو اس وجہ سے کہ وہ اس پر عمل نہیں کرتا' الزام دینا منظور ہو اور اس مجموعہ کے نام لینے کی ضرورت پڑے تو بلاشک ہم اس کو قرآن کے لفظ سے تعبیر کریں گے مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے گا کہ ہم نے اس کو اصل قرآن تسلیم کر لیا۔

**دلیل دوم:**......اہل کتاب کو اپنی کتابوں کے گم کردینے یا بدل دینے میں کوئی غرض نہ تھی بلکہ ہر ایک ملک میں اہل کتاب اور کتاب تھے اور باہم بڑے غیور تھے' پھر ممکن نہیں کہ کوئی کتاب میں تصرف کرنے پاتا جس طرح کہ اہل اسلام میں کوئی قرآن میں کسی طرح تصرف نہیں کر سکتا اور نہ کوئی بادشاہ اس کو مٹا سکتا ہے۔ (نیاز نامہ وغیرہ ملخصاً)

**جواب:** یہ ایک گمان یا وہم فاسد ہے کیونکہ جب پولوس مقدس اور حواری اوّل ہی صدی میں غل مچاتے ہیں کہ لوگ انجیل کو الٹ دینا چاہتے ہیں تو اب یہ غرض ان سے پوچھنی چاہئے اور قرآن کا مدار اوّل ہی سے حفظ پر ہے' اگر تمام نسخے دنیا سے معدوم کر دیئے جاتے تو بھی ایک حرف میں فرق نہ آتا۔ بخلاف کتب مقدسہ کے کہ اس کا مدار صرف لکھنے پر تھا اور لکھنے کی اور کاغذ کی قلت اور صدہا سال تک مصائب کی بڑی کثرت تھی' پس ان کا گم ہو جانا یا ان میں تغیر ہونا کچھ بھی بعید نہیں۔ چنانچہ باقرار علماء اہل کتاب اب نہ وہ کتاب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لکھ کر لاویوں کو دی تھی' نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ انجیل ہے کہ جس کی منادی کرنے کی وہ تاکید فرما گئے تھے اور جو پولوس مقدس کو بلاتوسط کسی آدمی کے پہنچی تھی' وغیر ذٰلک۔

**دلیل سوم:**......ان کتابوں میں بہت سے ایسے مضامین ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کی ذات وصفات وتقدس اور انسان کو خدا تعالیٰ سے تقرب اور محبت اور روح کی پاکیزگی کا طور بتلاتے ہیں اور نیک چلنی اور اخلاق حمیدہ سکھلاتے ہیں اور عالم کے پیدا ہونے اور انسان کی نجات کا وسیلہ بیان کرتے ہیں' وغیر ذٰلک اور ان میں بہت سی پیشین گوئیاں بھی مندرج ہیں جو اپنے وقت پر ظاہر ہوئیں اور یہ سب مضامین بغیر الہام اور تائید روح القدس کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوتے۔ اس دلیل کو پادری فنڈر صاحب نے میزان الحق میں ہر ہر بات کا حوالہ دے کر بڑے بسط سے بیان کیا ہے اور ہر ایک بات کو ایک دلیل بنا کر ایک کی چھ دلیلیں بتائی ہیں اور بڑے زور سے نتیجہ نکالا ہے۔

**جواب:** اوّلاً غایۃ مافی الباب یہ مضامین الہامی اور انبیاء علیہم السلام کے فرمائے ہوئے ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کتاب میں یہ مضامین بطور نقل کے جمع کر دیئے جائیں' وہ انبیاء علیہم السلام کی تصنیف اور الہامی کتاب بھی ہو جائے۔ کیا اگر کوئی شخص قرآن کے مضامین کو ملخص کر کے اس پر کچھ اور ملا کے کتاب بنا دے تو وہ قرآن ہو سکتا ہے؟ ان مضامین کا الہامی ہونا اور بات ہے' کتاب کا الہامی ہونا اور بات۔

بہت سی الہامی کتابوں میں الہامی مضامین ہوتے ہیں۔ ثانیاً ان کتابوں میں اگرچہ عمدہ مضامین ہیں تو اس کے ساتھ خراب مضامین بھی تو ہیں کہ جن کو الہام کی طرف منسوب کرنا بھی نازیبا ہے جیسا کہ پہلے گزرا' پس یہ مجموعہ کیونکر الہامی ہوسکتا ہے؟ ثالثاً جن کتابوں کے تم منکر ہو ان میں یہ بھی مضامین نہایت عمدگی سے پائے جاتے ہیں' پھر ان کتابوں کو الہامی کیوں نہیں کہتے؟

**دلیل چہارم:**...... یہ کتابیں ان کے مصنفین سے لے کر آج تک ہم میں متواتر چلی آتی ہیں اور تمام امت کا ان کے قبول کرنے پر اجماع ہو چکا ہے اور یہ اجماع ہر قرن میں پایا گیا ہے۔

**جواب:** اوّل تو یہ دعویٰ غلط ہے کہ ان کے مصنفین تک ہر قرن میں ان کتابوں پر اتفاق رہا کیونکہ تیسری صدی کے بعد قسطنطین کی وجہ سے یہ اتفاق یا نفاق جو کچھ کہو' پایا گیا مگر اس سے پیشتر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً تین سو برس تک تو سب کتابیں عیسائیوں میں عموماً مشہور بھی نہ تھیں جیسا کہ اوپر گزرا' اتفاق اور اجماع ہونا تو کجا؟ دوم اگر یہ سب تسلیم بھی کر لیا جائے تو غایۃ الامر یہ کتابیں ان کے مصنفین کی تصنیف قرار دی جائیں گی لیکن اس سے الہامی ہونا ہرگز ثابت نہ ہوگا جب تک کہ وہ پہلی شرطیں ثابت نہ کی جائیں گی۔

**دلیل پنجم:**...... چونکہ خدا تعالیٰ سب کا خدا ہے تو اس کا دین بھی سب کے لئے ہونا چاہئے اور دین کی تعمیم بغیر اس بات کے ممکن نہیں کہ وہ کتاب تمام عالم میں پھیلے اور یہ صفت خاص بائبل بالخصوص عہد جدید میں پائی جاتی ہے کیونکہ اب کوئی ملک باقی نہیں کہ جہاں انجیل کی منادی نہ ہوتی ہو اور ہر زبان میں اس کے ترجمے ہو گئے ہیں تو یہ نشان الہامی ہونے کا ہے۔

**جواب:** یہ دلیل بھی محض پادریانہ خیال ہے کیونکہ اوّل تو سب کتابوں سے زیادہ بائبل کی شہرت نہیں بلکہ ابتداء سے لے کر اب تک جس قدر قرآن کی دنیا میں شہرت ہوئی' اس قدر کسی کتاب کی نہیں ہوئی۔ کونسا ملک اور کونسی زبان ہے کہ جہاں قرآن مجید کے روح افزا' مضامین لوگوں کی زبان پر جاری نہیں؟ اور انجیل کی شہرت جو کچھ ہے' سو تخمیناً ہزار برس سے ہے۔ پس لازم آیا کہ اس سے پیشتر یہ کتاب الہامی نہ تھی' پھر ہو گئی۔ دوم زیادہ شہرت ہونے سے الہامی ہونا لازم نہیں آتا۔ گلستان اور کلیلہ و دمنہ کی شہرت بھی کچھ کم نہیں' ان کو بھی الہامی کہو۔

**دلیل ششم:**...... اس کتاب کے پڑھنے سے نیک چلنی اور محبت الٰہی اور روح کی صفائی پیدا ہوتی ہے اور یہ خاصہ الہامی کتابوں کا ہے۔

**جواب:** بالفرض اگر بعض مضامین کی وجہ سے جو کہ الہامی ہیں' یہ بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی مجموعہ کتاب الہامی نہیں بلکہ ان کتابوں کے پڑھنے سے دل پر (تثلیث پرستی اور خدا تعالیٰ کی ذات مقدس میں عیوب ثابت کرنے سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کفارہ سمجھ کر دن میں ہزار بار حرام کاری کی اجازت اور شراب اور سور اور جھوٹ بولنے کی خصت سے) وہ تاریکی اور الحاد پیدا ہوتا ہے کہ جو کسی کتاب سے نہیں ہوتا۔ یورپ میں اس قدر الحاد اور زنا اور جھوٹ اور شہوت پرستی کا شیوع انہیں کتابوں کی برکت سے ہوا ہے۔ برعکس اس کے کہ قرآن مجید کی ہدایت کا اثر اب تک تمام عالم پر جلوہ گر ہے۔

## فصل چہارم

**ہنود مذہب:**...... ہنود بھی اپنی کتابوں کو الہامی کہتے ہیں گو ان کا قرآن میں کہیں تفصیلی ذکر نہیں۔ مگر ہر الہامی کتاب پر ایمان لانا ہم اہل اسلام پر فرض ہے اس لئے ان کی تحقیق کرنا بھی ضروری ہوا۔ واضح ہو کہ ہنود کے نزدیک یہ چار وید رگھ وید' یجر وید' شام وید' اتھربن وید برہما کے منہ سے نکلے ہیں اور ان کو ست ❶ جگ زمانہ کی تصنیف کہتے ہیں اور چھ شاستر (کہ جن میں نیائی شاستر' ویدانت شاستر

---

❶ ہنود کے نزدیک زمانہ چار حصوں میں منقسم ہے: اوّل ست جگ۔ دوم ترتیا۔ سوم دواپر۔ چہارم کل جگ کہ جس کو ہم برا زمانہ کہتے ہیں اور ہر زمانہ کی کئی لاکھ اٹھاسی ہزار یا کچھ کم مدت قرار دیے ہیں۔ منہ

'میمانسا شاستر' سانکھ شاستر وغیرہ داخل ہیں) اور اٹھارہ ❶ پران انہیں سے نکلے ہیں۔ چونکہ یہ شاستر اور پوران اور دیگر کتب مہابھارت اور گیتا اور جوگ بسشٹ اور رامائن وغیرہ ہنود کے نزدیک بھی ان کے علماء کی تصانیف ہیں اور کچھ مضامین وید سے لے کر یا تاریخی واقعات کو سن سنا کر پنڈتوں نے تصنیف کی ہیں۔ پس یہ تو کسی طرح کتب آسمانی ہو نہیں سکتیں' لہٰذا ہم ان کی تحقیق سے دست بردار ہوتے ہیں مگر اس قدر یاد رہے کہ یہ سب کتابیں اہل ہند کے نزدیک معتبر اور دینی ہیں اس لئے ہم الزاماً علیہم کچھ مضامین ان سے نقل کریں گے اور اب وید کی نسبت کلام کرتے ہیں کہ جو ان کے نزدیک برہما کے منہ سے نکلا ہے۔ سب سے قدیم ان کے نزدیک رگھ وید ہے۔ اس میں قدیم لوگوں کے چھند یعنی اشعار (دیوتاؤں کی مدح میں جب کہ ان کے گھر جاتے تھے) مجمع الاشعار کے طور پر جمع ہیں مگر ہر جگہ ان اشعار کے مؤلفین کا نام نہیں ہے تاہم بہت جگہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ اشعار فلاں رشی یعنی عابد کے ہیں اور یہ فلاں کے۔ چنانچہ اب تک ان کے نام لکھے ہوئے پائے جاتے ہیں' سو اس وید میں شاعرانہ (بالخصوص ایشیاء کے قدیم شاعروں کے حد سے زیادہ) مبالغہ مذکور ہیں۔ ان میں کہیں کچھ فائدہ مند باتیں بھی ہیں اور کہیں محض بے ہودہ گپ ہے۔ اس کے بعد یجر وید ہے۔ یہ اس سے بہت عرصہ کے بعد تصنیف ہوا ہے۔ اس میں اربعہ عناصر اور آفتاب و ماہتاب کی پرستش کے طریقے اور جگ کرنے کی ترکیب و منتر کسی نے جمع کر دیئے ہیں اور جا بجا مدح کے موقع میں۔ رگ وید کے اشعار کو حسب موقع لکھ دیا ہے گو یہ ہنود کے رواج اور دھرم کا دفتر ہے۔ بعد مدت کے پنڈتوں نے یجر وید کو نئے طور پر مرتب کیا اور اس کی شرح کر کے ایک اور گرنتھ بنایا اور اس کا نام شام وید رکھا۔ اب رہا اتھربن وید' سو اس کا قدماء میں کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ چنانچہ منوسنگتا میں دوسری ادھیائی کے دو سو تیس اور چھہتر اشلوک سے ظاہر ہے۔ منوجی وغیرہ اس کو وید نہیں مانتے ہیں بلکہ کسی نے بعد مدت مدید کے تینوں ویدوں سے کچھ کچھ مضامین جمع کر دیئے ہیں اور اس کا نام اتھربن وید رکھا ہے۔ قبل اس کے ہم اور بیان کریں' محققین مذہب ہنود کے اس قول کو نقل کرتے ہیں کہ جو تت بودھنی سبھا ❷ بریلی کے نام سے مشہور ہے۔

**ویدوں کا برہما کی زبان سے نکلنا قابل اعتماد نہیں:......** قولہم: پران کی مت میں یہ چاروں وید برہما کی زبان سے یعنی چار منہ سے نکلنا لکھا ہے الخ یہ بات قابل اعتماد کے نہیں۔ اس بات کو پنڈت لوگ جاننے والے وید کے خوب جانتے ہیں کہ کوئی وید ایک وقت میں ایک آدمی کی زبان سے نہیں بنا ہے' سب ویدوں کے جدا جدا بھاگ جدا جدا رشیوں نے بنائے ہیں اور بلکہ وید بنانے والے رشیوں کے نام بھی جگہ جگہ پائے جاتے ہیں الخ جب اس قوم کے پنڈتوں ہی نے اس بات کو رد کر دیا کہ یہ برہما کے منہ سے نکلے ہیں اور یہ اقرار کر لیا کہ ان کے مصنف ایک دو شخص نہیں ہیں بلکہ متعدد لوگ مجہول الحال ہیں تب ان کو کس طرح سے الہامی اور کلام الٰہی مانا جائے۔ یہ اور بات ہے اہل ہند اس پر نہایت اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کو پیاری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اب ہم عام ہنود کے پرانے خیال کو تسلیم کر کے یعنی یہ بات مان کے کہ یہ سری برہما کے منہ سے نکلے ہیں' کلام کرتے اور ان میں الہامی کتاب کی شرط کو تلاش کرتے ہیں۔ اوّل ہم کو یہ بات دریافت کرنا چاہئے کہ برہما کون شخص ہیں؟ آیا خدا ہیں' یا اس کا کوئی پیغمبر ہے' یا کوئی فرشتہ ہے' یا کوئی عام آدمی جو کسی خاص وجہ سے مشہور ہو گیا ہے؟ پھر یہ دریافت کرنا چاہئے اس کتاب کے کیسے مضامین ہیں؟ اور پھر یہ مجموعہ اس کے مصنف سے بسند متصل بلا تفاوت اب تک پایا جاتا ہے یا نہیں؟

**برہما کون شخص ہے؟:......** بیدانت شاستر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برہما ایشر یعنی خدا تعالیٰ کی ایک صفت (یا جزء) ہے کیونکہ اس میں

---

❶...... تفصیل ان کی یہ ہے (۱) بشن پوران۔ بھاگوت پوران۔ متسیہ پوران۔ اسکندہ پوران۔ بھوشیت پوران۔ برہم بیتی ورتہ پوران۔ کورم پوران۔ پدم پوران۔ برہمہ پوران۔ بالو پوران۔ باون پوران۔ گرڑ پوران۔ اگنی پوران۔ وراہ پوران۔ لنگ پوران یعنی شیو پوران۔ نارو پوران۔ برہمانڈ پوران۔ منہ۔ ❷...... اس قول کو بتمام و کمال سوط اللہ الجبار کے صفحہ ۸۷ میں نقل کیا ہے' جو چاہے وہاں دیکھ لے۔ منہ۔

خدا تعالیٰ کی تین صفات قرار دی ہیں۔ ایک روج گن یعنی قوت ایجاد یا ہیمیہ کو جس کو برہما کہتے ہیں اس صفت سے اس نے تمام عالم کو پیدا کیا۔ دوسری صفت تربیت یعنی عالم کو پرورش کرنا جس کا نام ست گن ہے اس کو بشن (وشنو) کہتے ہیں۔ تیسری صفت تم گن یعنی فنا کرنا اور غضب وغصہ کو کہ جس کو مہادیب (مہادیو) کہتے ہیں۔ پس اس قول کے موافق برہما' بشن' مہادیو اس کی تین صفات یا جزء ہیں۔ نہ خدا ہیں' نہ کوئی پیغمبر' نہ فرشتہ (یہ بیہودہ خیال پادریوں کی تثلیث کا نمونہ ہے) اس کے برخلاف شیو پران سے ثابت ہوتا ہے کہ سری برہما ایک شخص نہایت بے عقل اور مشرک تھا کیونکہ اس میں لکھا ہے بشن کی ناف سے کنول کا پھول نکلا' اس میں سے برہما پیدا ہوا' دونوں جھگڑنے لگے۔ برہما کہنے لگا: میں نے تجھ کو پیدا کیا ہے۔ اتنے میں آسمان سے دھواں پیدا ہو کر اس نے فیصلہ کیا کہ تو برہما اور یہ بشن ہے۔ اے برہما! تو اس سے پیدا ہوا ہے' اب تو خلقت کو پیدا کر۔ جب اس دھویں کو غور سے دیکھا تو اس لنگ یعنی آلہ تناسل کی صورت دکھائی دی۔ اس کی تحقیق کے لئے بشن سور بن کر زمین میں گھسا اور برہما ہنس بن کر اوپر کو اڑا۔ لیکن جب دس ہزار برس تک دونوں کو اس کی انتہاء نہ پائی تو برہما نے یہ جانا کہ میرا یہی خدا ہے۔ تب سے لنگ پوجا شروع ہوئی' انتہیٰ۔ یہاں سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) یہ کہ برہما اور بشن دونوں جاہل تھے کہ لنگ کو دیکھ کر حیران ہو گئے اور انجام کار اس کو خدا سمجھ لیا۔

(۲) برہما اور بھی زیادہ جاہل تھا کہ جس نے اپنے خالق بشن سے مقابلہ کیا۔

(۳) یہ کہ برہما اور بشن نہ خدا ہیں' نہ خدا کی کوئی صفت' نہ پیغمبر' نہ فرشتہ بلکہ لنگ پرست۔ پدم پوران میں ہے کہ برہما اہنکاری یعنی شہوت پرست ہے۔ اس نے اپنی بیٹی سرستی کی طرف بری نگاہ کی تب اس کی بددعاء سے اس کے منہ سے فحش جاری ہوا' انتہیٰ۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ برہما کوئی نیک آدمی بھی نہ تھا بلکہ نہایت شہوت پرست اور یہ اس کا کلام الہامی ہونا تو درکنار بلکہ فحش کا مخزن ہے' پھر اس کی تصنیف کے کیا کہنے ہیں؟ مضامین بھی اس کتاب کے اس قابل نہیں کہ ان کو الہامی کہا جائے کیونکہ بت پرستی اور عناصر پرستی اور ستاروں کی پرستش وغیرہ وہ لغو تعلیم اس میں اور اس کے ملخص پرانوں میں ہے کہ جن کو کوئی اہل عقل تسلیم نہیں کر سکتا اور اس کے سوائے بے حیائی اور فحش کے قصے اور خدا قادر کی ذات وصفات میں جہالت اور عجز اور حدوث اور شہوت پرستی اور خواب وغفلت کے نہایت ناپاک مضامین مندرج ہیں۔ علاوہ اس کے انہیں پرانوں اور ویدوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ ایشر (ایشور) یعنی خدا تعالیٰ پر چوبیس بار وہ سخت مصیبت پڑی کہ اس کو بغیر سور اور شیر وغیرہ جانوروں کے قالب میں آنے کے چارہ نہ ہوا۔ چنانچہ تمام ہنود کے نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہا ہے اور ان چیزوں کو ہنود اوتار کہتے ہیں۔ ان چوبیس میں سے یہ اوتار نہایت بزرگ ہیں۔

## مشہور اوتاروں کے نام:

(۱) مچھ اوتار کہ خدا مچھلی کی صورت میں آیا۔

(۲) کچھ اوتار کہ کچھوے کی صورت میں آیا۔

(۳) باراہ اوتار کہ سور کی صورت میں آیا۔

(۴) نرسنگ اوتار یعنی شیر کی صورت میں دشمن کے ہلاک کرنے کو آیا۔ (یہ ست جگ میں ہوئے ہیں)۔

(۵) باون اوتار۔ (۶) پرس رام اوتار۔ (۷) رام چندر اوتار کہ جو راون سے ہنومان کی مدد سے لڑا اور سالہا جنگلوں میں سیتا کے فراق میں حیران وسرگردان رہا (یہ تریتا جگ میں ہوئے ہیں)۔ (۸) کرشن اوتار۔ (۹) بودھا اوتار (یہ دواپر جگ میں گزرے ہیں)۔

معاذ اللہ! اس لغو اعتقاد سے زیادہ اور کیا لغو اعتقاد ہوگا۔ عیسائیوں نے بھی خدا تعالیٰ پر گناہ معاف کرنے' مشقت ڈال کر اس کو گناہ اٹھانے

اور پھانسی پانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ظاہر ہونے پر مجبور مانا ہے۔ تعالی اللہ عن ذٰلک علوًا کبیرًا۔

اس مجموعہ کی سند متصل بھی کسی ہندو کے پاس نہیں کہ سلسلہ وار اس کے مصنف تک پہنچا دے۔ ایک اور وجہ بھی ہے کہ جس سے یہ کا الہامی ہونا رد ہوتا ہے' وہ یہ کہ ان ہنود کے نزدیک برہما اوتار ہیں نہ خدا اور نبوت کے یہ لوگ سرے سے قائل ہی نہیں۔ پس جب برہما ان کے نزدیک بھی نبی نہیں ہیں تو اس کی کتاب کس طرح الہامی ہو سکتی ہے؟ بعض ہنود جیسا کہ منشی الکھہ دہاری مترجم اپنکھد ھا یہ کہتے ہیں کہ چاروں وید برہما کے قول کی شرح ہیں' بیاس نے ان کو جمع کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ رگھ وید برہما کے اس قول کی شرح ہے (پرگیا نند برہم) اور یجر وید کو برہما کے اس قول کی شرح میں تصنیف کیا (اہنگ برہما اسمی) کہ میں پرمیشر ہوں۔ اور شام وید کو سری بیاس جی نے برہما کے اس قول سے بنایا (تتوسی) یعنی ایشر ہوں اور اتھربن وید کہ جو تینوں کا خلاصہ ہے' اس قول کی شرح میں بیاس جی نے ترتیب دیا ہے (آہنگ آتما برہم) یعنی میں آیا پرمیشر' انتہی ملخصاً۔

یہ قول اگرچہ پنڈتان سبھا بریلی کے نزدیک غلط ہے مگر کسی قدر اس کی اصل ہو تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ یہ بیاس جی چند روز زرتشت کے پاس ❶ شہر بلخ میں تعلیم پانے گئے تھے اور ہنود میں مشہور ہے کہ سری بیاس ایک مدت تک غائب ہو کر نارائن جی کے پاس گئے تھے۔ چنانچہ یہ بات دساتیر نامہ زرتشت میں اب تک موجود ہے' جو چاہے ملاحظہ فرمالے۔ پس کچھ تعجب نہیں کہ یہ عناصر اور کوکب پرستی کے مضامین بیاس جی نے تعلیم زرتشتی کے موافق لکھے ہوں اور پھر کچھ اور پنڈتوں نے بھی اس میں ملایا ہو اور ہر کسی نے اپنے خیالات کو دخل دیا ہو بلکہ یہی یقینی بات ہے کیونکہ وید میں مختلف مضامین پائے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں ذات باری تعالیٰ کی تقدیس اور توحید بھی موجود ہے۔ اگر بیاس جی بھی اس کے مصنف ہوں وہ بھی باقرار ہنود کوئی الہامی نہیں بلکہ افعال واقوال میں برہما جیو کے لگ بھگ ہیں۔ ستونتی سے جس طرح ان کا پیدا ہونا لکھا ہے اور بھی بھائیوں کی بیویوں پر شفقت پھیرنا جو مہابھارت میں مذکور ہے' اس کے ذکر کرنے سے تو شرم

❶ ......فرقہ آریہ کا موجد دیانند کاٹھیاواڑی ہے جو چند برس ہوئے اجمیر میں انتقال کر گیا۔ جونئی روشنی کے سبب بہت ہندو اپنی خرافات سے نادم ہو کر اپنے قدیم مذہب کی ترمیم کرنا چاہتے ہیں' وہ اس گروہ میں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ یہ فرقہ ہنود کے اٹھارہ پرانوں اور بہت سی کتابوں کو غیر معتبر بتاتا ہے۔ ان کے نزدیک یہ چار وید ان چار شخصوں سے بذریعہ الہام ظاہر ہوئے ہیں اگنی سے رگوید۔ وایو سے یجر وید۔ آدت سے شام وید۔ آنگرا سے اتھرون وید اور ان چاروں ویدوں کو قدیم بھی کہتے ہیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ ان چاروں مصنفوں کو قدیم نہیں کہتے اور مہابھاش میں ہے کہ اندر نے برہسپتی سے ودیا پڑھی اور اس نے انگرا سے اور اس نے منو سے اور منو نے وارث سے اور اس نے برہما سے اور برہما نے اگنی آدک رشیوں سے اور انہوں نے بذریعہ الہام پرماتما سے حاصل کی الخ۔ اس تقریر سے کہ جس کو آریہ پسند کرتے ہیں' کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) یہ کہ آنگرا کا استاد منو ہے جو وراث کا شاگرد اور برہما کا شاگرد ان شاگرد ہے اور برہما اگنی کا شاگرد ہے جو رگوید کا مصنف ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ انگرا اور اگنی کا ایک زمانہ نہیں' پھر اس کی تصنیف بھی رگوید کے بعد کی ہے' پھر وہ قدیم اور اناد کیونکر ہو سکتی ہے؟ اسی طرح اب ان چاروں شخصوں کی تاریخ میں غور کرنے سے عجب الٹ پھیر معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی کہ یہ شخص ہنود معمولی مرتبے کے شخص تھے' کوئی خصوصیت الہام اور کرامات کی نہ تھی۔ آریہ کو لازم ہے کہ ان کے تاریخی حالات اپنی معتبر کتابوں سے بیان کریں تب کچھ دعویٰ کریں۔

(۲) رگوید کے منڈل ۱۰۔ انواک ۷ سکت ۹ منتر ۹ میں چاروں ویدوں کا بیان ہے (تکذیب براہین صفحہ ۱۱۸' مصنفہ پنڈت لیکھرام آریہ)۔ اب بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ رگوید تو اگنی کا تصنیف ہے جو انگرا کا کئی سلسلہ استاد الاستاد ہے جیسا کہ اوپر گزرا جس کا زمانہ ہنود کے زمانہ عمرہائے گزشتگان ہزاروں برس کا کیا کم ہوگا' پھر اس کتاب میں اس شخص کی کتاب کا جو اس کے صدہا' ہزار برس بعد پیدا ہوا' کیونکر ذکر آ گیا؟ غالباً یہ رگوید کا فقرہ الحاقی ہوگا۔ اگر یہ ہے اور غالباً یہی ہے تو ویدوں میں الحاق بخوبی ثابت ہے۔

(۳) ان کے بیان کے بموجب بیاس اور بشسٹ وغیرہ لوگ وید کے شارح ہیں نہ کہ مصنف۔ اب چاروں مصنفوں سے پہلے اہل ہند میں کون سی کتاب الہامی تھی' اس کا بھی پتہ نہیں ملتا؟ اور ان چاروں سے پہلے ہنود کے اکابر کا ایمان اور شریعت اور دستور العمل کیا تھا' اس کا بھی پتہ نہیں ملتا۔

(۴) اگر ان چاروں ویدوں کے مضامین کو دیکھا جائے اور ان نئے معانی سے قطع نظر کی جائے جو ہزاروں برسوں کے بعد تمام پنڈتوں کے برخلاف دیانند نے پیدا کئے تو صاف معلوم ہو جائے کہ ان ویدوں کے مضامین الہامی نہیں' اس لئے کہ عناصر کی پرستش اور غیر مرئی چیزوں سے استمداد اور مہاراجوں کے قصے اور مذہبی دستورات مذکور ہیں۔

(۵) اور لطف یہ ہے کہ یہی اندر اور برہسپتی اور برہما جو اگنی کے شاگردان شاگرد بتلائے گئے ہیں' انہیں کے محامد رگوید میں مذکور ہیں۔ الغرض کوئی بات بنتی نہیں۔

ہی آتی ہے۔ واللہ الھادی[ف]۔

# فصل پنجم

**مجوسی مذہب:**...... پارسی بھی (یعنی آتش پرست کہ جن کو مجوس کہتے ہیں) اس امر کے مدعی ہیں کہ ہمارے وخشوروں یعنی پیغمبروں پر آسمان سے خدا کا کلام نازل ہوا ہے کہ جس کو وہ الہامی اور کلام خدا سمجھتے ہیں ژند ❶ وستا وغیرہ۔ گوان کے پاس اور کتابیں بھی ہیں مگر زیادہ مشہور اور معتبر دساتیر ہے۔ اس کتاب میں چھوٹے چھوٹے (پندرہ شخصوں کے) پندرہ نام ہیں۔ (اوّل) نامہ مہ آباد ❷ وخشور کا اس کو ایرانی اوّل پیغمبر کہتے ہیں۔ (۲) نامہ جی افرام کا۔ (۳) نامہ شاہ کلیو کا۔ (۴) نامہ یاسان کا۔ (۵) نامہ گل شاہ کا کہ جس کو مرث بھی کہتے ہیں۔ (۶) نامہ سیامک وخشور کا۔ (۷) نامہ ہوشنگ کا۔ (۸) نامہ تہمورس وخشور کا۔ (۹) نامہ جمشید وخشور کا۔ (۱۰) نامہ فریدوں کا۔ (۱۱) نامہ منوچہر کا۔ (۱۲) نامہ کیخسرو کا۔ (۱۳) نامہ زرتشت کا۔ (۱۴) پند نامہ سکندر کا۔ (۱۵) نامہ ساسان اوّل کا۔ (۱۶) نامہ ساسانِ پنجم کا۔ ان میں اگر پند نامہ سکندر کو جدا نہ شمار کیا جائے تو یہ پندرہ نامے ہیں' ورنہ سولہ ہیں۔ ان میں سے نامہ اوّل اور نامہ زرتشت اور نامہ ساسان اوّل تو تخمیناً ایک ایک جزء کے ہوں گے' ورنہ اور ایک صفحہ یا دو صفحہ کے نامہ ہیں۔ ان ناموں کو ساسانِ پنجم نے خسرو پرویز ابن ہرمز بن نوشیروان کے عہد میں پاژندی ❸ زبان سے دری زبان میں ترجمہ کیا اور اصل کے فقروں پر ہندسوں کے نشان لگائے گئے ہیں اور ہر نامہ کے اوّل بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اعوذ الخ کا ترجمہ لکھ رکھا ہے۔ اس طرح سے (۱) پناہیم بہ یزدان از منش وخوئے بدوزشت گمراہ کند و یراہِ ناخوب برندہ رنج و دہندہ آزار رسانندہ۔ (۲) بنام ایزد بخشایندہ بخشایشگر مہربان دادگر۔ ان نامجات میں کچھ صفات باری تعالیٰ اور یہ بات کہ عقل اوّل کے ذریعے سے خدا تعالیٰ نے تمام عالم پیدا کیا جس طرح کہ حکماء یونان کا مذہب ہے بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ حکماء یونان کے فلسفہ الٰہیات اور فلکیات اور عنصریات کو کسی نے نقل کر دیا ہے اور کوکب پرستی اور آتش پرستی کے طریقے بھی مذکور ہیں اور کسی قدر پیشین گوئیاں ہیں۔ اب یہاں چند امور قابل بحث ہیں۔

**مجوسی کی کتابوں کے غیر الہامی ہونے پر بحث:**...... (۱) یہ کہ ان کے مؤلفین نے ان کو الہام سے لکھا ہے یا نہیں (۲) ان کے مؤلفین کون لوگ ہیں؟ (۳) ان کے مضامین کیسے ہیں؟ اوّل امر کی نسبت یہ تحقیق ہے کہ یہ تمام نامہ ایک شخص یعنی ساسان پنجم کے جمع کئے ہوئے ہیں کہ جو خسرو پرویز کے عہد میں تھا اور اس کا حال یہ ہے وہ اپنے آپ کو تو کیا بلکہ اپنی اولاد میں ہمیشہ پیغمبری کا مدعی ہے۔ چنانچہ اس کے نامہ کا فقرہ ۹۳ یہ ہے: درتخمہ تو پیغمبری ہمیشہ ماند۔ اگرچہ اس کے حالات مفصلاً ہم کو معلوم نہیں مگر اس کے نامہ میں دو چار پیشین گوئیاں

---

[ف]:...... الملل والنحل میں لکھا ہے کہ حکیم فیثاغورث کا ایک شاگرد قلانوس نامی علوم علویہ اور فن الٰہیات کا نہایت ماہر تھا۔ اس نے ہندوستان میں جا کر اقامت اختیار کی اور مذہب فیثاغورث کو عمدہ دلائل اور ریاضت سے ثابت کیا اور ایک شخص برہمن کو اپنا شاگرد بنایا چونکہ یہ برہمن بھی ان علوم میں نہایت لائق اور فائق ہوا۔ اس نے تمام ہند کو مجاہدات اور ریاضات کی طرف رغبت دلا کر اپنا مرید بنایا اور اس کے بعد پھر یہ مذہب فلاسفی اہل ہند کے دل پر نقش کالحجر ہو گیا' انتہیٰ۔ یہ بات نہایت قرین قیاس ہے کیونکہ ہند میں صدہا فرقے ہیں اور ان کی عبادت اور ریاضت کے طریقے بھی الگ ہیں بلکہ معبود بھی الگ الگ ہیں مگر ان کے بعض فرقوں میں فلسفی خیالات بھی پائے جاتے ہیں کہ جن پر ہنود کو بڑا ناز ہے جیسا کہ فرقہ بیدانتی اور کچھ عجب نہیں کہ ان فلسفیوں کے اقوال بھی اس کشکول قدیم یعنی وید میں جمع ہوں جیسا کہ بعض شاستر اور پورانوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ ❶...... یہ کتاب زرتشت کی تصنیف ہے کہ جو ایران میں گشتاسپ بن لہراسپ شاہ ایران کے عہد میں ظاہر ہوا تھا اور اس کو اپنے مذہب کی طرف بلایا اور خوارق دکھائے تھے اور اسفند یار نے اس کے مذہب کی ترویج میں بڑی کوشش کی تھی اور ہندوستان سے بیاس جا کر اس کا مرید ہوا تھا۔ ❷...... نامہ ساسان پنجم کے جملہ ۵۷ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہ آباد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں ہے خانہ کعبہ کو مہ آباد نے بنایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا ہے۔ ❸...... پاژندی ایران کی قدیم زبان ہے' سنسکرت سے بہت مشابہ ہے۔ اگر لب ولہجہ اور دیگر تفاوت قلیلہ کو دور کر دیا جائے تو دونوں ایک ہی زبان ہیں۔ ایران کے قدماء کے رسوم اور اہل ہند کے رسوم وعادات وعبادات بہت قریب ہیں۔ وہاں کے لوگ ہند میں آ کر بادشاہ بن بیٹھے ہوں تو کچھ تعجب نہیں۔ حقانی۔

ایسی ہیں کہ جن کے جھوٹ ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں۔ جملہ ۲۵۔۲۶ میں کہتا ہے: وپاداش گران گروہی باشند آرے۔۲۶ درہم افتادہ وبدکار آنچہ بزرگ ایشان گفتہ ہم نکند' انتہیٰ۔ یعنی جو گروہ عرب نبی عربی کا پابند کہ ایرانیوں کو ان کی گناہوں کی سزا دے گا' بدکار اور اپنے پیغمبر کا نافرمان ہوگا۔ سو یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایران کو فتح کیا ہے اور اس میں سب صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے اور انہیں کے ہاتھ سے ایرانیوں کی سلطنت برباد ہوئی' سو وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے فرمان بردار تھے کہ آج تک ایسی کوئی قوم اپنے نبی یا بزرگ کی فرمان بردار نہیں ہوئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ پاکباز کی جان و مال کے مالک تھے اور ان کے نیک ہونے میں بھی کسی اہل تاریخ کو مجال گفتگو نہیں۔ مؤرخین یورپ کے اقوال آپ پہلے سن چکے ہیں۔

(۲) اس نے کہا کہ میری اولاد میں ہمیشہ پیغمبری رہے گی' سو یہ بھی بالکل جھوٹ۔ آج تک اس کی اولاد میں سے کسی نے کوئی پیغمبر دیکھا تو کیا سنا بھی نہیں۔ ہاں یہ بات اور ہے کوئی پارسی بمبئی میں بیٹھ کر پیغمبری کا دعویٰ کیا کرے۔

(۳) وہ کہتے ہیں کہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہزار برس کے بعد ایسا خراب ہوگا کہ اختلاف باہمی کی وجہ سے پہچانا نہ جائے گا' چنانچہ جملہ ۳۰ میں اس کی تصریح ہے۔ لیکن یہ بھی صاف جھوٹ' کیونکہ امور جزئیہ میں باہم اہل اسلام میں اختلاف ہو' سو وہ ہزار برس سے کہیں پیشتر بلکہ دوسری تیسری صدی میں شروع ہوا۔ مگر بحمد اللہ اب تک قرآن اور احکام منصوصہ اسلام و دیگر فرائض وغیرہا امور ضروریہ میں ایک بال کے برابر بھی فرق نہیں آیا۔ ان امور میں آج تک تمام اہل اسلام یک زبان ہیں اور یہ امور ہو بہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں بلکہ ان کے بزرگ ساسان اوّل کی پیشین گوئی بھی صریح غلط نکلی کیونکہ وہ اپنے نامہ کے جملہ ۷۳ سے ۸۰ تک یہ خبر دیتے ہیں کہ عرب کے غلبہ ہونے کے بعد پھر ساسان اوّل کی اولاد میں ایک پیغمبر پیدا ہوگا اور ایرانیوں کی وہ حکومت و شوکت برباد شدہ پھر عود کر آئے گی اور اہل اسلام ایرانیوں سے ایسے بھاگیں گے جیسا بلی سے چوہے بھاگتے ہیں' انتہیٰ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے کیونکہ جب اسلام کا پھریرا ایران میں اڑا اس وقت سے لے کر اب تک اہل اسلام ہی غالب رہے ہیں' مجوسیوں کی عزت اور سلطنت نے عود نہیں کیا۔ علاوہ اس کے یہ ساسان خسرو پرویز کی بڑی مدح کرتا ہے اور اس کو فرشتہ منش کہتا ہے' حالانکہ یہ خسرو وہ بدنصیب ہے کہ جس نے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پھاڑا تھا اور آتش پرستی اور بدمستی اس کا شیوہ تھا۔ پس ان دلائل سے معلوم ہوا کہ ساسانِ پنجم نے الہام سے نہیں لکھا بلکہ دوسری بات بھی معلوم ہوگئی کہ مجوس کے اکابر کہ جن کا طرف یہ نامجات منسوب ہیں (بلکہ ہنود کے اکابر سری رام چندر و سری کرشن وغیرہم بھی) اگر یہ کتابیں ٹھیک انہیں کی تصنیف اور ان میں بلا کم و کاست انہیں کے عقائد مذکور ہیں تو وہ ہرگز پیغمبر نہ تھے' غایۃ مافی الباب بادشاہ تھے اور حکمت و فلسفہ میں خوب دخل رکھتے تھے جس کی وجہ سے مشہور ہوگئے اور پیشوا مانے گئے۔ ان کتابوں کے تمام مضامین بھی ایسے نہیں کہ ان کو الہام کی طرف منسوب کیا جائے بلکہ بعض جھوٹے مضامین اور بعض میں شرک اور نازیبا باتوں کی تعلیم ہے۔

**شاہد اوّل:**......ساسان اوّل کے نامہ میں جملہ ۱۹ میں اس بات کی تصریح ہے کہ مرکر انسان کی روح دوسرے جسم میں تناسخ ❶ کے طور پر جاتی ہے۔ **قولہ:** رواں از تنے بہ تنے روندہ است الخ پھر اس کی شرح میں ساسان پنجم بڑے دلائل قائم کرتے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ بالکل لغو اور باطل ہے' نہ عقل اس کی مقتضی ہے نہ نقل۔

**شاہد دوم:**......نامہ شت ❷ جی افرام کے جملہ ۲۰ میں کہتا ہے مہ آباد کی اولاد میں چودہ وخشور ہوئے ہیں کہ ان کو آباد کہتے ہیں۔ ان آبادوں

---

❶......اسی طرح نامہ اوّل کے جملوں ۷۰۔۷۱۔۷۲ میں اس کی تصریح ہے کہ اس عالم میں انسان اپنے پہلے بدن کے اعمال کا نتیجہ شادی و غمی' رنج و خوشی دیکھتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے' کس لئے کہ جب اوّل جسم میں آکر رنج و غم پائی تھی' وہ کون سے جسم کے اعمال کا نتیجہ تھا؟ منہ۔ ❷......شت بمعنی حضرت۔منہ۔

کی اولاد میں سو(۱۰۰) زاد تک سلطنت قائم رہی اور زاد حسب تفسیر ساسان پنجم کروڑ تو کیا بلکہ ارب بلکہ کھرب بلکہ نیل سے بھی زیادہ ہے۔ پس جب اس کو سوبار لیا جائے تو کہاں تک پہنچتا ہے؟ حالانکہ اس کے جھوٹ ہونے میں کسی عقلمند کو بھی شک نہیں کیونکہ مہ آباد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بالفرض آدم علیہ السلام بھی مراد لئے جائیں تو ان کا زمانہ اب تک سات آٹھ برس سے زیادہ نہیں گزرا چہ جائیکہ جی افرام کے عہد تک مہ آباد کی نسل میں صدہا کروڑ برس کا زمانہ گزر جائے۔ ایسی گپیں زمانہ کی بابت ہنود کے ہاں بھی ہے۔ سری بیاس جی یہیں سے سیکھ کر گئے ہیں۔

شاہد سوم:...... نامہ وخشور یاسان کے جملہ ۸۵ میں تصریح ہے کہ آگ اور ستاروں کے آگے سجدہ کرو اور ان کی تعظیم اور عبادت بجالاؤ۔ پھر نامہ سیامک بن گل شاہ کے جملہ ۳ میں تصریح ہے کہ اے سیامک! ہمیشہ تو مشتری کی اس طرح ستائش کر۔ آگے پھر اس کی بڑی ثناوصفت ہے ❶۔ اور اس سے یوں دعاء مانگ کہ میخواہم از تو نیک بختی ہر دو سرائے۔ پھر نامہ تہمورس میں آفتاب پرستی کی نہایت تاکید ہے اور اس کی بڑی ثناوصفت بتلائی ہے کہ وہ عبادت کے وقت پڑھی جائے اور اس سے یوں دعاء مانگی جائے اور سجدہ کیا جائے۔ پھر نامہ جمشید میں ناہید یعنی زہرہ کی بڑی ستائش ہے اور وہ الفاظ دعاء میں مذکور ہیں کہ جو خاص خدا تعالیٰ سے ہونے چاہئیں۔ الغرض آگ اور آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں کی پرستش کے طریقے دساتیر میں اکثر موجود ہیں' پھر ایسی کتاب معدن شرک وکفر کو کیونکر الہامی اور من جانب اللہ تصور کیا جائے؟ اور یہی آتش پرستی اور آفتاب پرستی سری بیاس جی نے ہندوستان میں پھیلائی ہے۔ ان کے وید کو دساتیر سے نہایت مناسبت ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ بیاس جی نے پاژندی زبان سے اپنے استاد زرتشت کی کتاب کو سنسکرت میں ترجمہ کیا ہو اور وید نام رکھا ہو بلکہ یہی صحیح ہے۔ بعض ہنود اور مجوس اس آتش پرستی اور آفتاب پرستی کی یہ توجیہ کیا کرتے ہیں کہ یہ جوہر نورانی ہیں' ہم ان کو نہیں پوجتے بلکہ ان کی طرف منہ کر کے اور ان کا دھیان دھر کر اور ان کو جہت قبلہ سمجھ کر خدا کو پوجتے ہیں۔ مگر یہ توجیہ بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ عبادت یا پرستش یا پوجا جو چاہو سو کہو' تذلل اور عاجزی اور استعانت اور اس کی ثناوصفت کرنا اور اس کو نافع وضار سمجھنا ہے۔ سو یہ تمام باتیں ان کے ساتھ برتتے ہیں' پھر عبادت میں کیا فرق رہ گیا؟ دیکھئے! ہم خانہ کعبہ کو جہت عبادت سمجھتے ہیں مگر اس سے نہ استعانت کرتے' نہ اس کو نافع وضار سمجھتے ہیں' نہ بوقت نماز یا طواف کچھ اس کی حمد وثنا کرتے ہیں' پھر اس پر قیاس کرنا دور از عقل ہے۔ اس مختصر میں مجوس کے فرقوں کیومرثیہ وثنویہ وزرتشتیہ وغیرہ کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔

خاتمہ:...... واضح ہو کہ توجیہ وتاویل کو بڑی وسعت ہے۔ جس کلام کو چاہو' تاویل کے ذریعہ سے اس کی اصلی مراد کے برخلاف کر سکتے ہو۔ چونکہ قرآن مجید کی موافقت اور مخالفت کو لوگوں کی دلی خواہشوں کی کامیابی اور ناکامی میں بڑا اثر ہے اس لئے بہت سے اہل اسلام میں سے کجرو لوگوں نے اور بہت سے شریر اور بدعتیوں نے اور بہت سے ایسے لوگوں نے کہ جو پہلے وہ اسلام کے مخالف تھے اور پھر وہ اسلام میں بخلوص آئے مگر وہ پچھلا زہر بالکل نہ گیا یا منافقانہ اسلام کو قبول کر کے اپنے ملحدانہ خیالات کو پھیلانا چاہا اور بہت سے جاہل صوفیوں نے قرآن مجید کو اس کے اصلی مرکز سے جو اس کے نازل کرنے والے نے قائم کیا تھا' ہٹا کر تاویل کے ذریعہ سے اور طرف کر دیا اور کلام الٰہی کو بالکل بدل دیا اور اس کا نام تفسیر رکھا۔

چونکہ تفسیر سمجھ کر بہت سے سیدھے سادھے مسلمان ان کے اس زہر کو جو انہوں نے اگلا ہے' آب حیات سمجھ کر پی جاتے ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا روحانی مزاج بالکل فاسد ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اسی مرض میں مرجاتے اور حیات ابدی سے محروم اور اس عالم میں ہمیشہ معذوب ومغموم رہتے ہیں۔ ان بے کسوں کی بے کسی افسوس صد افسوس لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا لَقَدۡ اَضَلَّنِیۡ عَنِ الذِّکۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِیۡ۔

---

❶...... چنانچہ اس کے محامد میں سے یہ بھی ہے: بزرگ بخشندہ۔ فریادرس الخ منہ۔

# معتبر تفاسیر اور ان کے متعلق ایک اور قاعدہ کلیہ

اس لئے مجھ کو ضروری ہوا کہ معتبر تفاسیر اجمالاً بیان کردوں اور اعتبار کے لئے قاعدہ کلیہ بتلا دوں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فن تفسیر دو جزء سے مرکب ہے: ایک جزء منقولات' دوسرا معقولات۔ اب جس کے دونوں جزء اچھے ہوں گے' وہ تفسیر بھی اچھی ہوگی ورنہ نہیں۔ منقولات شان نزول وغیرہ وہ امور جو نقل سے متعلق ہیں' اگر وہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص ان دس ❶ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہ جو اس فن میں امام تھے اور پھر ان تابعین ❷ وغیرہم سے کہ جو اس فن کے ماہر تھے' منقول ہے تو قابل اعتبار ہے بشرطیکہ نقل بھی بقاعدۂ اہل حدیث معتبر ہو ورنہ رطب و یابس منقولات جو بعض تفاسیر میں علماء اہل کتاب وغیرہم سے منقول ہیں' اعتماد کے قابل نہیں اور معقولات یعنی نکات قرآنیہ اور فصاحت و بلاغت و زبان دانی کے متعلق باتیں وغیرذٰلک اس فن کے علماء محققین اور کملاء مدققین کی طرف مستند اور ان کے منظور نظر ہوں تو خیر ورنہ بے تک باتیں قابل التفات نہیں۔ متقدمین منقولات کو بسلسلۂ روایات صحیحہ لکھا کرتے تھے مگر متاخرین نے یا صرف حوالہ ہی پر اعتماد کیا یا بغیر حوالہ اپنی خوش اعتقادی سے جو کچھ پایا لکھ دیا اور کتاب کو بے اعتبار بنایا اور بعض نے متاخرین محدثین کی یہاں تک تقلید کی کہ جو کچھ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ کی طرف منسوب کر دیا' اس کو ایسا یقینی سمجھا کہ پھر اس میں تحقیق کرنے کو برا جاننا خواہ وہ کیسی ہی روایت کیوں نہ ہو اور خواہ اس سے اسلام اور قرآن کے نورانی چہرہ پر دھبہ ہی کیوں نہ لگے اور مخالفین اسلام اس کو تمسک بنا کر اسلام کی کیسی ہی بیخ کنی کیوں نہ کریں مگر یہ سادہ لوح جو بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے ہیں اور باہر کا کچھ حال معلوم نہیں' ان پر اینا اڑتے ہیں کہ ٹلتے ہی نہیں بلکہ اس کھوٹی پونجی کو ہی تفسیر سمجھتے ہیں اور جن محققین نے ایسے امور میں چھان بین کی ہے' ان کی تفاسیر پر نام دھرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ لوگ فن تفسیر سے مس نہیں رکھتے' اور ان کے برخلاف ایک اور گروہ ہے جو روایت کو چھوڑ درایت کا پابند ہے۔ انہوں نے یہ غضب کیا کہ اوہام و شکوک' فلاسفہ بے دین اور بیہودہ گوئی ملحدین کی وجہ سے روایت کو معتدبہ نہ سمجھا۔ صحیح احادیث و اجماع سلف صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین سے روگردانی کی حالانکہ قرآن انہیں کی زبان میں اور انہیں کے زمانہ میں نازل ہوا ہے۔ اس

---

❶ ......خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم و ابن مسعود رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہ و اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ و زید بن ثابت رضی اللہ عنہ و ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یہ اوّل طبقہ ہے۔ منہ۔

❷ ......تابعین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد مکہ میں مجاہد و عطاء بن ابی رباح و عکرمہ' مولا ابن عباس و سعید بن جبیر و طاؤس وغیرہم اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد بڑے مفسر تھے اور اسی طبقہ میں ہیں حسن بصریؒ و عطاء بن ابی سلمہ خراسانی و محمد بن کعب قرظی و ابو العالیہ و ضحاک بن مزاحم و عطیہ و قتادہ و زید بن اسلم و مرۃ ہمدانی و ابو مالک و ربیع بن انس وغیرہم۔ یہ لوگ بیشتر صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے تیس بار ابن عباس رضی اللہ عنہما کو قرآن سنایا ہے یہ دوسرا طبقہ ہے' اور تیسرے طبقے میں تبع تابعین ہیں۔ ان میں سفیان بن عیینہ و وکیع بن الجراح و شعبۃ بن حجاج و یزید بن ہارون و عبدالرزاق و آدم بن ابی ایاس و اسحٰق بن راہویہ و روح بن عبادۃ و عبداللہ بن حمید و ابی بکر بن ابی شیبہ و سنید ہیں۔ چوتھے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جو ان سے بعد ہیں۔ ان میں سے ابو جعفر محمد بن جریر طبری ہیں کہ جن کی تفسیر عمدہ و مشہور ہے۔ ۳۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ایک ابن جریر شیعہ اور کرامیہ بھی ہیں' اس سے ناواقفوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے اور اسی طبقہ میں ابن ماجہ و ابن مردویہ و ابو الشیخ و ابن المنذر ہیں۔ پانچویں طبقہ میں وہ ہیں کہ جو بحذف اسناد روایات بیان کرتے ہیں۔ اسی طبقہ میں آ کر بہت خلط ملط ہو گیا۔ اس طبقہ میں ابو عبدالرحمن محمد بن حسین نیشاپوری صاحب تفسیر حقائق ہیں۔ وفات ۴۱۲ھ میں ہوئی ہے اور ابو اسحٰق احمد ثعلبی نیشاپوری اس کی تفسیر میں بھی محمد بن حسین نیشاپوری کی طرح رطب و یابس ہے۔ و ابو محمد عبداللہ جوینی والد امام الحرمین ان کی تفسیر کا نام بھی کبیر ہے اور ابو القاسم عبدالکریم قشیری' متوفی ۴۶۵ھ اور ابو الحسن بن احمد نیشاپوری بھی ہیں۔ چھٹے طبقہ میں وہ لوگ ہیں کہ جن کا روایت میں کم اعتبار ہے جیسا کہ قرطبی اور ثعلبی اور امام فخر الدین رازی۔ ساتویں طبقہ میں ابو القاسم حسین راغب اصفہانی مصنف احتجاج القرآن فی قراءۃ مفردات القرآن۔ ان کی وفات ۵۰۰ھ میں ہوئی ہے اور ابو حامد محمد بن محمد غزالی ملقب بزین الدین مصنف جواہر القرآن و یاقوت التاویل۔ ان کی وفات ۵۰۵ھ میں ہوئی ہے۔ غزالہ طوس کے قریب ایک گاؤں ہے۔ ایک شخص محمود غزالی بھی ہیں' وہ معتزلی ہیں بلکہ شیعہ اکثر لوگ لفظ غزالی سے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور اسی طبقہ میں ہیں ابو محمد حسین بن مسعود بغوی مصنف معالم التنزیل ان کی وفات ۵۱۶ھ میں ہوئی ہے۔ یہ بغشور کے رہنے والے ہیں جو توابع خراسان سے ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت مفسرین اس طبقہ میں ہیں۔ منہ۔

کے مطالب کی شرح میں انہیں کا قول زیادہ معتبر ہے اور بس۔

الغرض افراط وتفریط دونوں بُری ہیں۔ پس جس تفسیر میں روایت اور درایت دونوں عمدہ اور صحیح ہیں وہ تفسیر بھی عمدہ اور صحیح ہے اور جس میں ان دونوں میں قصور ہے اسی قدر اس کتاب میں فتور ہے۔ تفاسیر صدہا ہیں اگر ان کے نام لکھوں تو ایک دفتر بھی بس نہ کرے۔ چنانچہ کتاب کشف الظنون میں بے شمار نام مندرج ہیں مگر میں یہاں چند تفاسیر کو بیان کرتا ہوں۔

**تفسیر ابن جریر طبری:**...... یہ تفسیر منقولات میں بہت عمدہ ہے۔ بیشتر اس کی روایات صحیحہ ہیں۔ راقم الحروف نے اس کو مدینہ منورہ میں دیکھا ہے۔ امام نووی تہذیب میں اس کی بڑی مدح کرتے ہیں۔

**مجمع البحرین ومطلع البدرین:**...... جلال الدین سیوطی کی تصنیف۔ اس میں اقوال منقولہ ودیگر فوائد کو نہایت احتیاط سے جمع کیا ہے اور اتقان کو اس کا مقدمہ بنایا ہے۔

**تفسیر ابی اللیث:**...... نصر بن محمد فقیہ سمرقندی حنفی متوفی ۳۸۳ھ کی تصنیف ہے۔ نہایت عمدہ کتاب ہے۔ روایت اور درایت میں خوب اہتمام کیا ہے۔ شیخ زین الدین قاسم بن قطلو بغا حنفی نے اس کی احادیث کی تخریج کی ہے۔

**تفسیر ابن کثیر:**...... امام ابوالفدا اسمٰعیل بن عمر قرشی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب دس جلدوں میں ہے۔ احادیث و آثار کو نقل کر کے جرح وتعدیل بھی کرتا ہے۔ اچھی کتاب ہے۔

**تفسیر اسحٰق بن راہویہ:**...... امام ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد حنظلی مروزی نخعی نیشاپوری متوفی ۲۳۸ھ کی عمدہ تفسیر ہے۔ منقولات کو احتیاط سے ذکر کیا ہے۔

**تفسیر الخوارزمی:**...... امام ابوالحسن علی بن غراق بن محمد علی صناری حنفی متوفی ۵۳۹ھ کی تصنیف بطرز اہل حدیث۔

**تفسیر الجوینی:**...... امام ابوعبداللہ بن یوسف نیشاپوری متوفی ۴۳۸ھ کی تصنیف۔ مشہور تفسیر ہے۔ ہر آیت کی دس وجہ پر تفسیر کی ہے۔

**تفسیر کواشی:**...... موفق الدین احمد بن یوسف موصلی شیبانی شافعی متوفی ۶۸۰ھ کی تصنیف۔ اس کی دو کتابیں ہیں بڑی کا نام تبصرہ اور چھوٹی کا نام تلخیص ہے۔

**تفسیر قشیری:**...... امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن شافعی کی تصنیف۔ ان کے علاوہ اور بھی قدماء کی بہت سی تفاسیر ہیں کہ جن میں مسلسل روایات کو بیان کیا ہے۔

**تفسیر کشاف:**...... امام علامہ ابوالقاسم جاراللہ بن زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ کی تصنیف۔ اس کی کتاب میں علوم عربیت کو نہایت عمدہ طور پر جمع کیا ہے بلکہ علوم ادبیہ میں یہ کتاب سند ہے۔ البتہ منقولات میں اس شخص کا پایہ بلند نہیں اور کہیں کہیں مذہب معتزلی کی تائید کرتا ہے۔ اس لئے امام ناصرالدین محمد بن منیر اسکندری نے ایک حاشیہ اس پر لکھا ہے کہ جس کا نام انتصاف ہے۔ اس میں اس کے مذہب اعتزال کی باتوں پر گرفت کر کے کتاب کو درست کر دیا ہے۔ اسی طرح اس کتاب پر علماء محققین کے بے شمار حواشی ہیں۔ منجملہ ان کے قطب الدین محمود بن مسعود شیرازی اور فخر الدین احمد بن حسن جاربردی وشرف الدین حسن بن علی طیبی وسعدالدین علامہ تفتازانی وسید شریف علی بن محمد جرجانی وغیرہم کے حواشی ہیں۔ یہ کتاب علماء میں نہایت مشہور ہے۔ اگر اس میں اعتزال کی باتیں اور روایت میں زیادہ احتیاط ہوتی تو بے نظیر کتاب تھی تاہم بسا غنیمت ہے۔

**انوار التنزیل واسرار التاویل:**......قاضی ناصر الدین ابی سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی کی تصنیف ہے کہ جس کو تفسیر بیضاوی کہتے ہیں۔اس کی مصنف کی وفات تبریز میں ۶۸۵ھ میں ہوئی ہے۔اس کتاب میں اعراب و معانی و بیان کے متعلق جو کچھ ہے‘ وہ کشاف سے ماخوذ ہے اور جو کچھ حکمت و کلام سے متعلق ہے‘ وہ تفسیر کبیر سے اور جو کچھ اشتقاق و غوامض حقائق و لطائف و اشارات سے متعلق ہے‘ وہ تفسیر راغب اصفہانی سے ملخص ہے اور باقی اپنا طبع زاد ہے۔خیر جو کچھ ہو مگر یہ کتاب نہایت عمدہ اور بڑی مشہور ہے۔اس نے ان لغو روایات کو جن سے اسلام پر دھبہ لگتا ہے‘ یک لخت رڈ کر دیا ہے۔اس تفسیر پر بھی علماء کے بہت سے حواشی ہیں۔منجملہ ان کے محی الدین محمد بن شیخ مصلح الدین اور شیخ جلال الدین بن عبدالرحمن سیوطی اور ابوالفضل قرشی خطیب اور محمد بن جمال الدین شروانی و صبغۃ اللہ و شیخ محمود بن حسین حاذقی و شیخ شہاب خفاجی و ملا عصام و عبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہم کے حواشی ہیں۔اس کتاب میں فضائل سور میں احادیث ضعیفہ بلکہ موضوعہ بھی مصنف نے داخل کر کے اس کی عمدگی پر دھبہ لگا دیا۔تاہم بہت خوب تفسیر ہے۔

**مدارک التنزیل:**......حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی کی تصنیف۔یہ مختصر تصنیف نہایت عمدہ ہے۔اس کے مصنف حنفی ہیں‘ وفات ۷۱۰ھ میں ہوئی ہے۔

**معالم التنزیل:**......ابو محمد حسین بن مسعود کی تصنیف۔ان کو فراء بھی کہتے ہیں۔فرو پوستین کو کہتے ہیں۔یہ پوستین بنایا کرتے تھے۔ان کی وفات ۵۱۶ھ میں ہوئی ہے۔یہ صاحب محدث ہیں‘ بطرز اہل حدیث تفسیر بیان کرتے ہیں مگر اس میں کسی قدر غیر معتبر قصے مذکور ہیں۔

**تفسیر جلالین:**......سورۂ اسراء کے آخر تک جلال الدین محلی شافی‘ متوفی ۸۶۴ھ کی تصنیف ہے۔جب وہ ناتمام چھوڑ کر مر گئے تو اسی طور پر جلال الدین سیوطیؒ نے چھ سال بعد اس کو تمام کیا اور الحمد کی تفسیر بھی آپ ہی نے لکھی۔یہ تفسیر مختصر ہے‘ نہایت خوب۔اس کے حواشی بھی بہت ہیں‘ کمالین اور ہلالین اور جمالین اور جمل وغیرہ۔اس میں مختصر طور پر شان نزول و شرح مفردات ہے۔

**مفاتیح الغیب:**......کہ جس کو تفسیر کبیر کہتے ہیں۔امام فخر الدین محمد بن عمر رازی کی تصنیف ہے۔ان کی وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی ہے۔اس میں سب کچھ ہے مگر روایت میں کم پایہ ہے۔

**تفسیر بحر مواج:**......علامہ شہاب الدین دولت آبادی ثم دہلوی کی تصنیف ہے۔تمام و کمال قرآن مجید کی تفسیر فارسی زبان میں سلطان ابراہیم شرقی جونپوری کے زمانہ میں لکھی گئی۔اس مصنف کی علمی قابلیت کو دنیا نے تسلیم کیا ہے اور جس قدر اوصاف مفسر میں ہونا چاہئیں۔وہ سب ان میں پائے جاتے ہیں۔یہ شاگرد قاضی عبدالمقتدر کندی شریحی کے اور وہ مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔یہ تفسیر معروف و مشہور ہے لیکن تمام و کمال کم یاب ہے۔

**تفسیر ابی السعود:**......علامہ ابوالسعود بن محمد عمادی کی تصنیف ہے۔

**تفسیر مظہری:**......قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تصنیف ہے۔یہ حضرت بڑے عالم اور صاحب نسبت حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد ہیں۔نہایت عمدہ تفسیر ہے‘ اکثر منقولات کو تحقیق سے لائے ہیں۔

**درمنثور:**......جلال الدین سیوطیؒ کی تصنیف ہے۔اس میں کثرت سے منقولات ہیں لیکن رطب و یابس۔

**تفسیر رحمانی:**......شیخ علی بن احمد مہائمی کی تصنیف ہے۔مہائم گجرات میں ایک بندرگاہ ہے۔ان کی وفات ۸۳۵ھ میں ہوئی ہے۔آیات میں ربط خوب دیتے ہیں۔حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کے وحدت وجود میں پیرو ہیں۔

سواطع الالہام:......جس کو بے نقط تفسیر کہتے ہیں۔ابوالفیض فیضی کی تصنیف۔یہ جلال الدین اکبر بادشاہ ہند کے امراء میں سے تھا۔ تمام تفسیر میں بے نقط حروف لایا اور بڑا تکلف کیا ہے۔ایک طرح کی عبارت آرائی ہے مگر فن تفسیر اور دیگر تحقیقات سے بالکل بے بہرہ ہے۔

سراج المنیر :......شیخ خطیب شربینی کی تصنیف چار جلدوں میں ہے۔رازی وغیرہم سے اخذ کرتا ہے۔

فتح الرحمن:......ترجمۂ قرآن فارسی زبان میں۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

فتح العزیز:......جس کو تفسیر عزیزی کہتے ہیں۔حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کی تصنیف‘ دو جلد۔اول میں الحمد سے لے کر وان تصوموا خیر لکم تک کی تفسیر ہے۔دوسری میں سورۂ تبارک الذی سے آخر تک۔نہایت عمدہ کتاب ہے۔

فتح الخبیر:......شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی مختصر سی تفسیر جس میں آثار ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بطریق صحیح اور اسباب نزول کو کہ جو تفسیر بخاری و ترمذی و حاکم میں وارد ہے‘ مختصر طور پر جمع کر دیا ہے۔اصل میں فوز الکبیر کا یہ پانچواں باب ہے۔

موضح القرآن:......شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا ترجمہ قرآن۔اس میں محاورہ کو خوب مرعی رکھا ہے۔نہایت عمدہ اور مقبول ترجمہ ہے اور ایک ترجمہ تحت لفظی مولانا رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ کا بھی عمدہ ہے اور ایک ترجمہ فارسی میں سید شریف علی جرجانی کا بھی نہایت عمدہ ہے۔

تفسیر عباسی:......کسی حضرت نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات کو جمع کر دیا ہے لیکن تصحیح طلب ہے۔

عرائس البیان:......ابومحمد روزبهان بقلی شیرازی کی تفسیر برطریق اہل تصوف۔

فتح البیان:......نواب امیر الملک والا جاہ مولوی سید صدیق حسن خان بہادر زوج رئیسہ بھوپال کی تفسیر‘ چار جلدوں میں ہے۔سیّد موصوف نے فتح القدیر محمد بن علی بن محمد شوکانی‘ متوفی ۱۲۵۰ھ کی تفسیر کو ملخص کر کے لکھا ہے البتہ منقولات کو احتیاط سے درج کیا ہے۔

تفسیر القرآن:......آنریبل سیّد احمد خان بہادر دہلوی کی تصنیف‘ ہنوز ناتمام ہے۔اس شخص نے ترجمہ شاہ عبدالقادر کو ذرا بدل کر ترجمہ لکھا ہے اور باقی اپنے ان خیالات باطلہ کو کہ جو ملحدین یورپ سے حاصل کئے ہیں اور جن کا اتباع کا ان کے نزدیک ترقی قومی اور فلاح اسلام ہے‘ درج کیا ہے اور بے مناسبت آیات و احادیث و اقوال علماء کو اپنی تائید میں لا کر الہام الٰہی کو تحریف کیا ہے۔دراصل یہ کتاب تحریف القرآن ہے نہ کہ تفسیر۔آگے ہم اس لقب سے اس کو یاد کریں گے‘ ان شاء اللہ۔خان صاحب بہادر کی بے باکی اور الحاد کی وجہ سے تمام ہندوستان کے علماء نے تکفیر کا فتویٰ دیا ہے مگر چونکہ وہ اور ان کی ذرّیت جنت و دوزخ کے منکر اور الہامی باتوں کو لغو سمجھتے ہیں اس لئے اس تکفیر کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے بلکہ مضحکہ اڑاتے ہیں‘ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

فتح المنان:......تفسیر القرآن مشہور بہ تفسیر حقانی۔اس بیوقوف‘ کم استعداد ابومحمد عبدالحق بن محمد امیر بن شمس الدین بن نور الدین بن خواجہ جعفر بن خواجہ سلیم بن مظفر الدین احمد بن شاہ محمد تبریزی کی تصنیف۔اس کتاب میں روایات کو کتب حدیث سے اور درایت کو اس فن کے علماء محققین سے نہایت احتیاط کے طور پر لے کر جمع کیا ہے اور چونکہ مقصود کلام ربانی کو لوگوں کو سمجھانا تھا اس لئے اس میں ان چند امور کی رعایت کی (۱) اردو میں اصل مطلب قرآن کو واضح کیا (۲) شان نزول بروایت صحیحہ لکھا (۳) آیات احکام میں اول مسئلہ منصوصہ کو ذکر کر کے پھر اختلاف مجتہدین اور ان کے دلائل کو بیان کیا (۴) غیر ضروری سمجھ کر فقط ایک ہی قراءت کے موافق وجہ اعراب کو بیان کیا (۵) وجوہ مختلفہ میں سے ایک کو سب سے قوی سمجھ کر ذکر کیا (۶) معانی اور بلاغت کے متعلق نکات قرآنیہ کو ظاہر کیا (۷) کوئی حدیث بغیر

سند کتب صحاح ستہ وغیر ہا کے نہ لایا (۸) قصص میں جو کچھ بروایت صحیحہ یا کتب سابقہ سے ثابت ہے یا خود قرآن میں کئی جگہ بیان وارد ہے وہاں ملخص کر کے بیان کر دیا (۹) آیات میں ربط دیا (۱۰) مخالفین کے شکوک وشبہات جس قدر تاریخی واقعات یا مبدء ومعاد کی بابت وارد تھے سب کا جواب الزامی اور تحقیقی دیا اور نفس ترجمہ میں تفسیر کو دو قوسوں کے بیچ میں لایا اور مکرر تفاسیر کی عبارت کے ترجمہ کرنے اور رطب ویابس قصے بھرنے اور کسی خاص مذہب کی تائید کرنے سے کہ حق وناحق اس کی تائید کی جائے اجتناب کیا۔ یہ تفسیر علاوہ زمانہ حال کے متعلق باتوں کے سلف کی عمدہ تفاسیر کا لب لباب اور عجیب وغریب کتاب ہے۔ خدا تعالیٰ مقبول کر کے اس سے اپنے بندوں کو اور مجھ کو اور میرے متعلقین کو دنیا وآخرت میں بہرہ مند وخورسند فرمائے' آمین۔ اے میرے خالق وقدوس! گو تیری نذر کرنے کے قابل میرا یہ کام اور کلام نہیں مگر تیری رحمت جو کہ واسع ہے اور اوراق لیل ونہار پر بقلم جلی لکھی ہوئی ہے' اس کا یہی مقتضی ہے کہ اس کو بھی مقبول کر لے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاۤ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

تمت بالخیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله الّذی اسبغ نعمه علی العباد . فارسل الانبیاء الهداة الٰی سبیل الرّشاد . بالحجج البیّنات والبرهان . و اٰتاهم الاٰیات الباهرات و انزل علیهم الصّحف و القراٰن . حتی محقت دُجیة الضّلال . و اشرقت الارض بنور ربّها و انارت الجبال . فیاواجب الوجود و یاغة کلّ مقصود صلّ وسلم علی جمیع انبیاءك و علی جملة اصفیاءك خصوصاً علی سیّد المرسلین تاج النبیّین الذی نبع من لسانه ماء الحیات . و سالت من بیانه انهار النّجات . فنوّر الارض بعد ما ملأ من الظلمات . وانشأ التوحید بعد ما عبد المخلوقات سیدنا و مولانا محمد ﷺ خاتم الرسالة و فضّ خاتم العدالة . افحم مصاقع الخطباء من العرب العرباء باقصر سورة القرآن و اعجز بکلمة من الکلم الحکمیة حکماء الزّمان الذی فتح الله به اعیناً عمیاً وقلوباً غلفاً واذاناً صمّاً و علی اٰله الابرار و اصحابه الاخیار الذین اقتدوا بهدیته و تمسّکوا بسیرته فاوضحوا الطریقة و نصحوا الخلیقة و الاسلام و کسروا الاصنام الذین هاجروا النصرته ونصروه فی هجرته فنعم المهاجرون ونعم الانصار صلوة نامیة دائمة ما سجعت فی ایکها الاطبار و همعت بوبلها الدّیمة المدرار .

امابعد

فقیر حقیر ابو محمد عبدالحق بن محمد امیر کہتا ہے کہ اسلام کی خیر خواہی ہر زمانہ اور ہر ملک میں جداگانہ ہے۔ کبھی زبان تلوار کا کام دیتی ہے اور جبکہ کجرو کج فہم تقریر سے نہیں سمجھتے تو (جس طرح شفقت پدری بچے کو امور مصلحت پر مجبور کرتی ہے' اسی طرح) رحمت الٰہی بوسیلۂ خاصان درگاہ سیاست سے کام لیتی ہے۔ جب بنی العباس کے عہد میں حکمت یونانیہ وفلسفۂ رُوم ورومانیہ نے اسلام پر حملہ کیا تو علمائے کلام کے اقلام نے نیزوں کا کام دیا کیونکہ جب صحابہ اور عرب العرباء جو رموز قرآن سے واقف تھے' اٹھ گئے تو علماء نے مطالب قرآنیہ کی حفاظت پر کمر باندھی' پھر علوم وفنون میں بے حد ترقی کی یہاں تک کہ جس طرح مدارس اندلس و بغداد میں صدہا علوم ❶ دنیویہ کا اپنے اور بیگانوں کو

❶ .... چنانچہ علم ریاضی کے متعلق زیج اور اُکر اور اصطرلاب اور مرایا ومناظر کہ جس کا اثر آج کل فوٹوگرافی اور نقشہ نویسی ہے اور جبر ومقالہ وغیرہ علوم کو زندہ کیا اور رصد بنائی اور ستاروں کی چال وغیرہ وغیرہ فنون ہیئت کی تحقیقات کی۔ حساب وہندسہ کے اصول کو از سر نو قائم کیا۔ فن عمارت وفلاحت میں یہ لوگ استاد زمانہ مانے گئے۔ مساحت کے اصول سب سے بیشتر عرب نے قائم کئے۔ جہاز رانی اور ستاروں کے حساب سے سمندر میں سفر کرنا زیادہ تر اسلامیوں ہی نے رواج دیا۔ پھر طبعیات علم العناصر کہ جس سے ہوا اور پانی اور زمین اور کرۂ نار کے عجائب حالات معلوم ہوتے ہیں اور علم جمادات کہ جس سے ہر زمین کے معدنیات کی کیفیت اور جواہرات اور زمین سے سونا چاندی نکالنے کی کیفیت اور پہاڑوں اور دریاؤں اور چشموں کے پیدا ہونے کے حالات منکشف ہوتے ہیں اور علم النباتات کہ جس سے درختوں کے سرخ سبز پھول آنے اور ان کے ثمرات کے مختلف مزہ ہونے اور زمین کی جڑی بوٹیوں کے خواص سے بحث ہوتی ہے اور علم الحیوان کہ جس میں حیوانوں کے انواع واوصاف کے عجائب حالات سے گفتگو کی جاتی ہے اور علم الکیمیا کہ جس کو کیمسٹری کہتے ہیں جس میں استحالات عناصر سے بحث ہوتی ہے وغیرہ علوم کے اہل اسلام ہی استاد مانے گئے ہیں۔ پھر جس قدر منطق اور فلسفہ کو علمائے اسلام نے ترقی دی وہ بھی ظاہر ہے۔ قدمائے یونان کی کتابوں میں ایساغوجی رائج کلیات خمس وغیرہا چند بے نمک مسائل مذکور ہیں۔ لیکن اسلامیوں نے تو اس کو اس درجہ تک پہنچایا کہ جس کے بعد پھر ترقی کا کوئی مرتبہ ہی باقی نہ رہا اور اسی طرح علم حکمت نظریہ کو از سر نو زندہ کیا اور حکمائے یونان کے اغلاط پر بحث کر کے ایک نیا فلسفہ قائم کر دیا جس کو علم کلام میں بطور مبادی کے ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حکمت عملیہ میں علم تہذیب اخلاق اور سیاست مدن اور تدبیر منزل کے وہ اصول قائم کئے کہ جن کو اس وقت کے فلاسفر بھی مانتے ہیں۔ پھر جغرافیہ اور تاریخ میں بھی حکمائے اسلام ہارون رشید کے حکم سے بغداد کے دو عالموں نے کوفہ اور سنجار کے صحرا کا ایک درجہ محیط ناپ کر زمین کو محیط تخمیناً ساڑھے چوبیس ہزار میل ثابت کیا۔ اقلیدس اور مجسطی کی شرح کی بطلیموس کے زیج کو درست کیا منطقۃ البروج کی تعدیل کا حساب لگایا' سمرقند میں رصد بنائی۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

درس دیا' اسی طرح قرآن مجید کے متعلق بے شمار علوم کو مدوّن کیا جس کا دسواں حصہ بھی عہدِ آدم سے لے کر کسی قوم نے اپنی کتاب الہامی

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ سے آگے)......ہبۃ اللہ بن حسن نے نور کی رفتار کا اندازہ نکالا اور اسی طرح توپ اور بندوق کی ایجاد بھی ان ہی کے زمانہ میں ہوئی ہے اور جرثقیل کا بھی فن اور فن طب میں بھی جو کچھ ترقی ان کے عہد میں ہوئی' وہ بیان سے باہر ہے اور فن عروض اور قوافی تو خاص ان ہی کا حصہ ہے۔ چونکہ اس بیان کی تفصیل کو بڑی کتاب درکار ہے' لہٰذا اس بیان کو میں صرف دو باتوں پر تمام کرتا ہوں (۱) یہ کہ اس وقت میں جن چیزوں میں ترقی اہل یورپ نے کی ہے جیسا کہ تار برقی' ریل گاڑی' دخانی جہاز' تارپیڈو' ڈائنامیٹ وغیرہ عمدہ صنعتیں اور کپڑا بنانے کے کارخانے اور دیگر کارخانہ جات' یہ سب تخمیناً پچاس برس میں مختلف ملکوں' مختلف لوگوں کے ہاتھ سے مروج ہوئے ہیں۔ روم اور مصر کے اہل بھی ان میں شریک ہیں اور لندن کی کچھ خصوصیت نہیں۔ فرانس' جرمن' روس وغیرہ کل ممالک میں ہیں۔ ان کے اصول پہلے ہی اہل اسلام میں تھے اور یوں ہمیشہ ہر زمانہ میں ایسے امور میں ترقی اور تنزل ہوتا آیا ہے (۲) یہ کہ یورپ کے بڑے بڑے محقق بھی اس شاگردیٔ اہل اسلام کے مقر ہیں۔ چنانچہ سدیو کہ جو علم تاریخ میں فرانس کے ملک میں بڑا مدرس تھا' وہ ''ہسٹری آف اسلام'' میں کہتا ہے کہ قوم عرب بلاشک ہمارے یعنی یورپ کے استاد ہیں جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور انہوں نے وہ سامان مہیا کئے کہ جن سے ہماری یہ تاریخیں بنیں اور انہوں نے ہی حالات سفر کو قلم بند کرنا شروع کیا الخ اور وہی صنائی اور دستکاری میں اس مرتبہ کمال کو پہنچے جس کی انتہا نہیں الخ اور جہاں تک ہم کو معلوم ہے' گویا وہ شمہ عرب کی اس فضیلت کا ہے کہ جو آج تک ہم کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ مگر بہر کیف عرب کی قوم ہمارے جملہ فضل وکمال کا اب بھی سرچشمہ ہے اور جن کمالات کو ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ اور لوگوں کی ایجاد ہوں گے۔ وہ اب ہم کو ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا چلا ہے کہ اصل میں ان سب کے موجد عرب ہی ہیں۔ پھر یہ مؤرخ اپنی تائید میں سکندر ہمبلٹ جرمنی کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ عرب کی قوموں کو خدا تعالیٰ نے اس لئے پیدا کیا تھا کہ وہ علوم وفنون اور اسباب تمدن کو ان مختلف قوموں تک پہنچا دیں جو فرات کے کنارے سے اسپانیہ کی وادیٔ کبیر تک پھیل رہی ہیں' چنانچہ تمام قوموں نے جملہ کمالات اسی قوم عرب سے حاصل کئے تھے الخ اور المانیا کی قوم نے باب تمدن میں جو کچھ حاصل کیا یا جو کچھ اس کو آیا' وہ عرب ہی کی فتوحات کے زمانہ طویل کے بعد آیا اور عرب ہی سے اس نے سیکھا۔ عرب جہاں جاتے تھے' اپنی طریق تمدن کو گویا ساتھ لے جاتے تھے اور جہاں وہ قیام کرتے تھے' وہاں ان کا طریق تمدن پھیل جاتا تھا۔ چنانچہ ان کی عادت تھی کہ جس ملک میں وہ گئے' وہاں انہوں نے اپنی زبان اور اپنے علوم اور اپنا دین اور اپنے اخلاق مذہب کو شائع کرنا شروع کیا الخ انتہیٰ۔ اور تاریخ ذوری میں جس کا مصنف فرانس کا وزیر اعظم ہے' یہ لکھا ہے کہ ایک زمانہ میں اہل یورپ جہالت کی تاریکی میں ٹکریں مارتے پھرتے تھے کہ دفعۃً ان پر امت اسلامیہ کی جانب سے ایک نور علوم ادبیہ اور فلسفیہ اور فنون صنائی اور دستکاری وغیرہ کا پرتو افگن ہوا۔ کیونکہ اس زمانہ میں شہر بغداد اور بصرہ اور سمرقند اور دمشق اور قیروان اور مصر اور فارس اور غرناطہ اور قرطبہ وغیرہ علوم وفنون اور صنائی کے مرکز تھے اور جہاں کہیں کمالات علمی اور عملی پھیلے' ان ہی شہروں میں سے پھیلے اور قرون متوسطہ میں اہالیان یورپ انہیں شہروں میں سے علوم وفنون کو اڑا لے گئے' انتہیٰ۔ اور گاڈفری ہگنس کہتے ہیں کہ (۱۱۰) میں بخوبی جانتا ہوں کہ عیسائی لوگ مسلمانوں اور ان کے مذہب اور ان کی ہر ایک شے پر نظر حقارت ڈالتے ہیں۔ مگر وہ تحقیق کریں تو معلوم ہو جائے کہ اہل اسلام اپنے مذہب پر قائم ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ باعلم قوم ہوگئی اور سب سے زیادہ فیاض اور متقدمین کے علوم مفیدہ بھی ہم کو بیشتر انہیں کے ذریعہ سے پہنچے۔ مسلمانوں کے مذہب میں فیاضی اور تہذیب اخلاق کے اکثر مسائل ہیں اور جاہل متعصبوں سے ان کے مذہب پر الزام لگایا جیسا کہ وہ اس زمانے میں رُسوا ہے محض بے جا ہے۔ جیسا کہ دینِ عیسوی کو اس کے پادریوں اور اس کے محققوں سے ہے۔ (۱۱۱) فرنگی اس فوقیت پر (جو کہ ان کو مسلمانوں پر علوم وفنون اور فوج میں ہے) بڑے نازاں ہیں اور جو کوئی ان کی گفتگو سنے تو یہی جانے کہ زمانہ سابق میں کوئی قوم اس سے عمدہ اور مفید تحصیل میں کبھی فائق نہیں ہوئی' حالانکہ یہ دھوکا ہے۔ بجز چند فروعات اس حکمت عملی کے جو تجربہ سے متعلق ہیں اور سوائے کارخانوں کے اور کوئی بات ایسی نہیں کہ جو خلفاء کی رعایا میں نہ تھی اور اب گریٹ برٹن میں حاصل ہے' انتہیٰ ملخصاً۔ جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب میں موشیم مورخ کا یہ قول نقل کرتے ہیں: یہ بات یقینی ہے کہ اس زمانہ میں اہل عرب نے ملک ہسپانیہ اور اٹلی میں بہت سے مدرسے جاری کئے تھے اور ان مدرسوں میں ہزاروں طلباء عربی فلسفہ اور حکمت کی تعلیم پاتے تھے اور پھر ان علوم کو آ کر عیسائی مدرسوں میں جاری کرتے تھے۔ ہمیں اس بات کا یقین کرنا چاہئے کہ تمام قسم کے علم طب اور طبعیات اور فلسفہ اور ریاضی جو دسویں صدی میں جاری ہوئے' یہ سب عرب کے مدارس فلسفہ سے سیکھے گئے تھے' بالخصوص اندلس کے اہل اسلام تو فلسفۂ یورپ کے بانی خیال کئے جاتے ہیں الخ۔ اہل روما اور گوتھ لوگوں نے ہسپانیہ کو دو سو برس میں فتح کیا تھا' مگر اہل عرب نے صرف کل بیس برس میں اس کو فتح کیا اور کوہ پیری نیز سے اتر کر اس طرف فرانس میں پہنچ گئے۔ ان کو علمی ترقی بھی ایسی جلدی حاصل ہوئی جیسی انہیں فتوحات حاصل ہوئی تھیں' انتہیٰ ملخصاً۔ اور ہنری لوئس کی تاریخ فلسفہ میں یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں ہی کی وجہ سے یورپ میں علم اور فلسفہ پہنچا۔ اس امر خاص میں یورپ ان کا ممنون احسان ہے اور اس سے بڑا احسان عرب کا یورپ پر ہے کہ انہوں نے علم ہندسہ اور طب اور کیمیا میں بڑی کوشش کی اور ان ہی کی بدولت اسپین سے فرانس ہو کر فرنگستان میں علم پھیلا' انتہیٰ۔ اور ڈاکٹر مٹلر سکندر فریزر اپنی کتاب کے دوسرے حصہ میں کہتا ہے کہ فرنگستان میں جو علوم کا چرچا ہوا' سو وہ عربوں سے ماخوذ ہوا ہے الخ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لئے تدوین نہیں کیا۔ اسی لئے زمانۂ نزول سے اب تک جس طرح قرآن محفوظ ہے ایسی کوئی کتاب محفوظ نہیں۔ پھر جس قدر اسلام کا شجر طوبیٰ اثر زمین پر ابر رحمت کی طرح پھیلتا گیا' ہر ملک اور ہر شہر کو اس نے اپنے حیات بخش پھلوں اور پھولوں سے بہرہ ور کیا اور اپنے ظل عاطفت سے بہرہ یاب فرمایا تو اسی قدر خدا تعالیٰ نے اہل سیف و قلم کو اس کا حامی بھی بنایا جنہوں نے بوم منش اور موش طبع لوگوں سے اس کو ہر طرح سے بچایا۔ چنانچہ جب ہندوستان کو اس آفتاب جہاں تاب نے تاریکیٔ جہالت و بت پرستی سے چھڑایا اور اپنے قدرتی نور سے منور فرمایا تو یہاں بھی اس کے حامی و مددگار پیدا کر دیئے۔ جس قدر فتنہ گر آتش فساد سلگاتے رہے' اتنا ہی خاصان خدا اس کو نسیم لطف اور ابر رحمت سے بجھاتے رہے (لیکن جس طرح آمد بہار سے پہلے درختوں پر خزاں آتی اور باغ میں ہوائے صرصر چل جاتی ہے' اسی طرح بہار آئندہ کے لئے) چند عرصہ سے اس شجر اسلام پر بھی خزاں کے جھونکے چل رہے ہیں جس سے دشمن خوش اور دردمند کف افسوس مل رہے ہیں یہاں تک کہ جب اخلاف انصار و مددگار شراب غفلت و نفاق پیکر بے ہوش اور مست و بخواب خرگوش ہو گئے تو مخالفوں نے میدان خالی پا کر اپنا کام کیا۔ اس کی دولت' اس کی شوکت اور اس کی سلطنت' اس کی حکومت اور اس کے علوم و فنون ❶ کا کام تمام کیا۔ جب

---

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ سے آگے)......عربوں نے خاص ان کتابوں پر التفات کیا جن میں علم ریاضی اور طبعی اور الٰہی مندرج تھی اور فرنگستان کے ممالک مغربی بھی عرب کے ترجموں کے وسیلہ سے ان علوم سے آگاہ ہوئے۔ شارلیمن شاہ فرانس نے ان علموں کو زبان عربی سے لاطینی میں ترجمہ کرایا۔ دستکاری کے صنائع بدائع ممالک فرنگستان میں بہت کم تھے' مسلمانوں نے اس کو ترقی بخشی اور علم معماری بھی اہل فرنگ نے عربوں سے حاصل کیا جس میں بڑی شان و انداز و پاکیزگی نمایاں ہوتی ہے' انتہیٰ ملخصاً۔ اس کے سوا اور بہت سے مورخین اہل یورپ کے اقوال ہیں جن کے ذکر کا یہاں مقام نہیں' اس بیان سے میری غرض یہ نہیں کہ اہل اسلام کے سوا اور کسی کو دنیاوی امور میں ترقی نصیب نہیں ہوئی نہ اب ہے بلکہ یہ مقصود ہے کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ (پابندیٔ اسلام دنیاوی ترقیوں سے مانع ہے) محض غلط ہے۔ اگر پابندیٔ اسلام مانع ترقی ہوتی تو اہل اسلام ترقی میں سب پر سبقت نہ لے جاتے۔

---

حاشیہ صفحہ ہذا...... ❶ ......وہ علوم کہ جو قرآن مجید سے متعلق ہیں اور جن کو خاص علمائے اہل اسلام نے ایجاد کیا ہے' بہت سے ہیں مگر یہاں بطور نمونہ کے چند علوم ذکر کرتا ہوں (۱) صرف۔ کہ جس میں مصدر سے ماضی' مضارع بنانا وغیرہ باتیں مذکور ہیں۔ (۲) علم نحو۔ جس میں لفظ عربی سے باعتبار اعراب و بناء کے بحث ہوتی ہے اور ان دونوں علموں کے بغیر زبان عرب پر واقفیت مشکل ہے۔ (۳) علم معانی۔ کہ جس میں کلام عرب کے ان حالات سے بحث ہوتی ہے کہ جن کی وجہ سے کلام مقتضی حال اور مقام کے مطابق ہوتا ہے کہ جس میں اسناد خبری اور مسند الیہ اور مسند اور متعلقات فعل اور قصر اور فصل وصل' ایجاز اطناب مساوات کے احوال بیان ہوتے ہیں۔ (۴) علم بیان۔ کہ جس سے ایک مطلب کو باعتبار وضاحت و خفی کے چند طور سے ادا کرنا معلوم ہو جاتا ہے اور اس میں تشبیہ اور مجاز اور کنایہ اور استعارہ وغیرہ ان امور سے بحث ہوتی ہے کہ جن سے انسان کلام میں تعقید معنوی سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ دونوں علم فصاحت اور بلاغت کلام سے متعلق ہیں۔ جو اہل زبان ہیں' وہ تو اپنے ذوق سلیم سے جانتے ہیں ورنہ اس علم کی وجہ سے قرآن کے اسرار فصاحت و بلاغت نمایاں ہوتے ہیں اور اعجاز ثابت ہوتا ہے۔ (۵) علم بدیع۔ کہ جس سے کلام کی معنوی و لفظی خوبیاں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اس میں استخدام اور ترصیع و تجنیس وغیرہ امور سے بحث ہوتی ہے۔ (۶) علم مفردات۔ کہ جس میں باعتبار معنی اصل کے الفاظ سے بحث ہوتی ہے۔ (۷) علم رسم الخط۔ کہ جس میں قرآن کے طرز کتابت سے بحث ہوتی ہے کہ فلاں لفظ کو یوں لکھنا چاہئے۔ (۸) علم تجوید۔ کہ جس میں طرز تلفظ قرآن سے بحث ہوتی ہے۔ اس علم میں آنحضرت ﷺ کے لب و لہجہ کو جو ادائے قرآن سے متعلق ہے' محصور کر لیا ہے۔ صفات حروف وغیرہ بائمدہ باتیں جو اس فن میں مذکور ہوتی ہیں۔ (۹) علم عروض و قوافی۔ اس علم کو خلیل وغیرہ نے ایجاد کیا ہے۔ اگرچہ زیادہ تر فائدہ اس فن کا نظم سے ہے مگر فواصل آیات کی پوری کیفیت اسی علم سے معلوم ہوتی ہے۔ (۱۰) علم الکلام۔ کہ جس میں ادلہ عقلیہ و نقلیہ سے مبدء و معاد کی بابت جو کچھ قرآن یا پیغمبر ﷺ سے ثابت ہے' درج ہے۔ اس فن میں باری تعالیٰ کی ذات و صفات و نبوت و ملائکہ و عالم آخرت وغیرہ کے متعلق جو کچھ اہل اسلام کے عقائد ہیں' ان سے بحث ہوتی ہے (۱۱) علم فقہ۔ کہ جس میں قرآن و احادیث و اجماع و قیاس سے جو مسائل کہ قوت عملیہ کے متعلق ثابت ہیں' مذکور ہوتے ہیں۔ اس فن میں نماز و روزہ' حج و زکوٰۃ' بیع و شراء کے متعلق جو کچھ قرآن و احادیث میں آیا ہے' ان کا خلاصہ مذکور ہوتا ہے جس طرح کہ کلام میں خلاصۂ عقائد۔ (۱۲) علم فرائض بھی اسی کی ایک شاخ ہے۔ (۱۳) اصول فقہ۔ کہ جس سے ادلہ اربعہ قرآن و حدیث' اجماع و قیاس سے مسائل فقہ استنباط کرنے کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے۔ اس فن میں عام' خاص' مشترک' ماول' عبارۃ النص' اشارۃ النص' دلالۃ النص' اقتضاء النص' محکم و متشابہ' خفی و مشکل' ماؤل ظاہر و نص وغیرہ امور سے بحث ہوتی ہے۔ منطق اور علم کلام اور لغت کے مسائل بھی اس فن میں بطور مبادی ذکر کئے جاتے ہیں۔ حسن و قبح عقلی کی بحث بھی اس فن میں ہوا کرتی ہے۔ یہ علم دریائے بے کنار ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

تخمیناً سو برس سے بڑے دور دراز سے ایک قوم عیسائی دانشمند' آزادی پسند' ہندوستان میں آئی تو اپنے ساتھ ہی صدہا جہاز الحاد اور شراب خوری وغیرہ کے بھی بھر کر لائی۔ اوّل تو یونہی مسلمانوں کی حالت خراب تھی' اس پر آزادی اور الحاد کی برانڈی نے وہ آفت ڈھائی کہ

ازاں افیوں کہ ساقی درمی افگند ☆ حریفاں را نہ سر ماندو نہ دستار

جس سے غفلت اور باہمی نزاع اور بے دینی نے ہر طرف سے محیط ہو کر دینی و دنیوی برکات کا خاتمہ کر دیا یہاں تک کہ ان کا دل خوش کرنے کے لئے ایک قوم نے وہ طرز اختیار کیا کہ اہل یورپ کا پورا جامہ ہی پہن لیا۔ جس طرح وہ لوگ برائے نام عیسائی اور درحقیقت سخت ملحد ہیں' نہ خدا تعالیٰ کے قائل' نہ ملائکہ و حشر و نشر' ثواب و عقاب' حلال و حرام' طاہر و نجس کے مقر۔ نبی کون' ایک ریفارمر ❶ (ناصح) الہام اور کلام ملائکہ کیا' مجنونوں کی بڑ۔ اسی طرح یہ لوگ بھی نبی اور ملائکہ اور الہام اور جبرئیل علیہ السلام اور خرق عادات انبیاء علیہم السلام اور نعمائے جنت اور جہنم کی وہ عقوبات کہ جو نصوص قرآن سے ثابت ہیں' ان سب باتوں کے منکر اور حلال و حرام اور طہارت و نجاست وغیرہ جملہ احکام اسلام سے نافرمان۔ اس پر نام کے مسلمان ہیں۔ پھر ان کفریات اور پادریوں اور ملحدان یورپ کے معتقدات کا نام تحقیق اور ترقی اسلام رکھ کر صدہا دولت مندوں اور آزادی پسندوں کو تفسیر کے پیرایہ میں ملحد و گمراہ بلکہ حقیقی اسلام کا بدخواہ بنا دیا۔ حیف! صدہا کو روحانی زہر کا پیالہ پلا دیا۔ لہٰذا حمیت ایمانی اور اہل اسلام کی نفع رسانی نے مجھ جیسے بے لیاقت کو مجبوراً اردو میں ایسی تفسیر لکھنے پر مامور کیا۔ یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ یہ تالیف اعلیٰ حضرت ظل سبحانی بادشاہ دین پناہ نظام الملک آصف جاہ میر محبوب علی خان بہادر خلد اللہ ملکہ ❷ (رحمۃ اللہ علیہ) کے عہد مبارک میں ظہور پذیر ہوئی۔ ان شاہ دکن کا زمانہ حمایت علوم و فنون و تربیت علماء کے لئے بسا غنیمت ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ سے آگے)......اس کی شاخ (١٤) علم الجدال والخلاف بھی ہے۔ کہ جس کو باب قیاس سے از حد ارتباط ہے اور (١٥) علم مناظرہ۔ کہ جس میں بحث کے قواعد مذکور ہیں' اس فن کی ایک شاخ ہے۔ (١٦) علم اصول حدیث۔ کہ جس کی وجہ سے نقل اور روایت میں جو کچھ غلطیاں اور جھوٹے لوگوں کی ملونیاں ہیں' اس طرح جدا ہو جاتی ہیں کہ جس طرح دودھ سے پانی۔ اس فن میں متواتر اور مشہور اور عزیز و غریب اقسام روایت مذکور ہوتے ہیں۔ (١٧) علم اسماء الرجال بھی اس کی ایک شاخ ہے جس میں راویوں کی تاریخ اور ان کی راست گوئی اور دیانتداری اور حافظہ وغیرہ کے حالات کہ جو روایت کے متعلق ہیں' مذکور ہوتے ہیں۔ (١٨) علم حدیث۔ کہ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و سکوت اور اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے اقوال و افعال و سکوت کو نقل کیا جاتا ہے۔ یہ وہ فنون ہیں کہ جن پر اہل اسلام تمام بنی آدم پر فخر کر سکتے ہیں۔ ان ہی فنون کے وسیلہ سے مسلمانوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو نہایت صحت اور تحقیق کے ساتھ اپنی کتابوں میں جمع کر دیا۔ امام بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ محدثین کو خدا تعالیٰ نے وہ قوت حافظہ عنایت کی تھی کہ جن کو بلا تفاوت حروف مع اسناد ہزار ہا احادیث یاد تھیں اور کھرے کھوٹے کے پرکھنے میں ان کی زبان معیار تھی۔ اس لئے جو منصف مزاج اہل زبان کے اصول روایت اور کتب احادیث کو جانتا ہے' وہ کہہ سکتا ہے کہ اہل کتاب کی بائبل کو صحیح بخاری سے صحت روایت میں کچھ بھی نسبت نہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی تاریخ کو اگرچہ متی وغیرہ بہت سے عیسائیوں نے بڑی احتیاط سے لکھا ہے کہ جن کو عیسائی الہامی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی اصلی انجیل سمجھتے ہیں۔ مگر خود ان پانچ چھ جزکی کتابوں میں مصنفوں نے بڑی غلطیاں کی ہیں اور ایک نے دوسرے کے برخلاف بیان کیا ہے اور ان میں متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا کی انجیلیں (تاریخیں) صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل کا بیسواں حصہ بھی نہیں۔ تاہم ان میں بھی بہت سی اغلاط ہیں اور دراست باز عیسائیوں نے جو کچھ اپنے خیالات کی تائید میں الحاق کیا ہے' وہ علاوہ ہے اور نہ کسی کے پاس کوئی سند متصل مولف کتاب تک ہے۔ پھر کس اعتماد پر عیسائی مسلمانوں کے روبرو تاریخ دانی کا دعویٰ کیا کرتے ہیں؟ (١٩) علم قصص۔ کہ جس میں قرآن مجید کے تمام قصوں کو علماء نے اپنی کتابوں میں نصیحت اور عبرت کے لئے ترتیب وار جدا لکھا ہے۔ (٢٠) علم تصوف۔ کہ جس کو قرآن کی ان آیات سے (جو انسان کی کیفیات قلب۔ حب و توکل و خوف و رجاء وغیرہ ملکات فاضلہ کو جلا دیتے ہیں) اخذ کر کے مدوّن کیا ہے۔ اس فن میں بھی صدہا کتابیں ہیں۔ (٢١) علم تفسیر۔ کہ جس کا بیان مقدمہ کتاب میں ہوا۔ یہ علم بھی ایک بحر ذخار ہے جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ علاوہ ان کے اور علوم بھی ہیں۔ منہ۔

---

حاشیہ صفحہ ہذا۔ ❶ ...... reformer: (ریفارمر) اصلاح کا حامی' اصلاح کرنے والا' مصلح' سیاسی اصلاحات کا حامی۔ ❷ ظل سبحانی' بادشاہ دین پناہ' نظام الملک دکن کے فرمانروا تھے اور ان کے زمانے میں علماء کی بے حد قدر کی جاتی تھی۔

نے ان کو حسن صورت عطا فرمایا ہے' اسی طرح حسن سیرت بھی عطا کیا ہے' آپ کے اخلاق شاہانہ' آپ کا جود حاتمانہ مشہور زمانہ ہے۔ حق سبحانہ' آپ کو سلطنت آصفیہ پر سلامت باکرامت رکھے' آمین۔

اے ہادیٔ مطلق! مجھ کو وہ بات اس کتاب میں تلقین فرما کہ جو تیرے نزدیک حق اور بجا ہو اور لغزش اور خطا سے بچا۔

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَبِالْاِجَابَةِ جَدِيْرٌ اَنْتَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

## اٰیَاتُھَا ۷ (۱) سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۵) رُکُوْعَاتُھَا ۱

یہ سورت مکی ہے اس میں سات آیات اور ایک رکوع ہے

یہ سورۃ [۱] مکیہ ہے یعنی آنحضرت ﷺ پر مکہ میں سورۂ اقرأ اور نون اور مزمل اور مدثر کے بعد نازل ہوئی تھی۔ نزول میں گو مؤخر ہے مگر قرآن مجید میں سب سے اول یہ سورۃ ہے اور اسی سے قرآن شروع ہوتا ہے اور اس لئے اس کو فاتحہ کہتے ہیں۔ اس کا نام بھی آنحضرت ﷺ کے روبرو قرار پا کر صحابہ رضی اللہ عنہم میں مشہور و معروف تھا۔ گو اس کے اور بھی نام ہیں جیسا کہ سورۂ شفاء کہ اس کی تاثیر سے روحانی اور جسمانی شفاء حاصل ہوتی ہے اور ام القرآن کہ یہ تمام قرآن کی اصل ہے اور سب علوم قرآن اس میں جمع ہیں اور تعلیم المسئلہ کہ اس میں خدا تعالیٰ نے بندوں کو سوال کرنا سکھایا اور آداب دعاء کو بتلایا ہے اور سبع المثانی کہ اس کی سات آیات ہیں اور ہر نماز میں دوبار پڑھی جاتی ہے لیکن الحمد تو اس کا (اس لئے کہ اس میں خدا تعالیٰ کی حمد ہے) مشہور نام بین العوام ہے اور اسی طرح کافیہ اور کنز اور اساس وغیرہ بلحاظ صفات اور بھی نام ہیں کہ جن سے اس سورۃ کی فضیلت اور عظمت ثابت ہوتی ہے۔

**شانِ نزول:**......کتاب دلائل میں بیہقی نے اور واحدی نے (بطریق یونس بن بکیر عن یونس بن عمرو عن ابیہ عن ابی میسرۃ عمرہ بن شرحبیل) یہ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جب میں تخلیہ میں ہوتا ہوں تو غیب سے آواز سنتا ہوں جس سے مجھ کو ایک دہشت معلوم ہوتی ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر عرض کیا کہ آپ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل [۲] کے پاس جایئے اور اس واقعہ کو بیان کیجئے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے عرض کیا کہ یا حضرت! جب وہ ہاتف غیب آپ کو پھر اسی طرح سے یا محمد یا محمد کہہ کے پکارے تو آپ ٹھہر کر اس کی بات سنئے کہ وہ کیا کہتا ہے؟ پس آپ نے ایسا ہی کیا کہ جب اسی کے قریب قریب مولانا یعقوب چرخیؒ نے حضرت علیؓ و ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اگرچہ روایات خبر احاد ہیں مگر بر تقدیر ثبوت یہاں ایک بات قابل غور ہے، وہ یہ کہ جب اقرأ اور مزمل اور مدثر نازل ہو چکی تھیں تو پھر آپ ﷺ کو آواز جبرئیل علیہ السلام سے دہشت کیوں معلوم ہوئی؟ اور آپ ﷺ اس واقعہ کو ورقہ کے پاس کیوں لے گئے، کیا خود نہ جان سکتے تھے؟ اس کو جواب یہ ہے کہ گو آپ ﷺ نبی تھے اور تزکیہ نفس میں تمام نفوسِ قدسیہ کے سرتاج، مگر انسانیت کے جامہ میں تھے جس کا ایک جزو بہیمیت ہے اور جب

---

[۱]:......یہ سورۃ بالاتفاق مکی بعض علماء مدنی کہتے ہیں۔ دراصل مکی و مدنی کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں یحییٰ بن سلام سے منقول ہے کہ ہجرت سے قبل جتنی سورتیں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، علیٰ ہذا۔ سفر ہجرت میں جو قرآن نازل ہوا، وہ بھی مکی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جن سورتوں میں اہل ملک کو خطاب کیا گیا ہے، وہ مکہ ہیں اور جن میں اہل مدینہ خطاب ہے، وہ مدنی ہیں۔ بعض سورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن کا کچھ حصہ مکہ میں نازل ہوا اور کچھ مدینہ میں،، ان میں زیادتی کا لحاظ رکھ کر مکی اور مدنی کی گئی ہیں اور جو سرزمین ایسی تھی کہ نواحی مکہ مثلاً منیٰ عرفات میں نازل ہوئی ہیں، وہ بھی مکہ کہلاتی ہیں اور نواحی مدینہ میں نازل ہوئیں، وہ مدنی کہلاتی ہیں۔ فقط حقانی

[۲]:......ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، انہوں نے اور زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی سے متنفر ہو کر جاہلیت کے زمانہ میں ملک شام کو تحقیق دین کے حق کے لئے سفر کیا تھا وہاں بڑی تحقیق و تفتیش کے بعد ورقہ نے مذہب نصاریٰ اختیار کیا۔ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ ورقہ اول یہودی ہو گئے، بعد میں مذہب نصاریٰ اختیار کیا۔ انبیاء سابقین کی کتب سے بہت اچھی طرح واقف تھے حضور ﷺ نے جب ابتدائی وحی کا قصہ ان کے بیان کیا تو ورقہ نے کہا: جو فرشتہ آپ پر نازل ہوا، یہ وہی فرشتہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُترا تھا۔ ورقہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور کہا کہ کاش میں اس مانہ میں جوان ہوتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو نکالے گی۔ تب آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا میری قوم مجھ کو نکالے گی؟ ورقہ نے کہا کہ البتہ ہر نبی ایذا دیا جاتا ہے اگر میں اس دن زندہ رہا تو بے شک میں تمہاری پوری مدد کروں گا۔ ورقہ نے نبوت کے تیسرے سال میں انتقال کیا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ فقط حقانی

بہیمیت پر ملکیت کا اثر قوی ہوتا ہے تو اس فعل وانفعال سے ایک تشویش پیدا ہوتی ہے کہ جس کو گھبراہٹ یا خوف کہتے ہیں اور اسی لئے ایک بار یا دو بار یہ بات آپ ﷺ کو ابتدائے نزول وحی میں بھی پیش آئی، پھر نہیں اور ایسی حالت میں انسان کا مقتضی طبعی یہ ہوتا ہے کہ کسی دانشمند، ہم جنس سے مل کر انس پیدا کرے۔ سو ورقہ چونکہ اہل کتاب، ذی علم اور صاحب شعور تھے، اس لئے ان کے پاس جانے کا اتفاق ہوا۔ کچھ تعلیم و تعلم کے طور پر نہ گئے تھے اور نہ مرید ہو کر تلقین پانے اور فیض اٹھانے کے لئے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یوحنا کے پاس مرید ہونے اور اصطباغ پانے گئے تھے جیسا کہ انجیل متی کے باب: ۳ میں ہے اور اس بیہودہ وسوسے کا جواب کہ (جبرئیل علیہ السلام کوئی چیز نہیں ہے اور یہ آواز خیالی مجنون کے مشابہ تھی) ہم مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ [1] شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے کہ جو نہایت رحم والا بڑا مہربان ہے۔ یہ تو سب علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ اس سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں (جملے) ہیں۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ... الخ بھی ان میں داخل ہے کہ مجموعہ کا نام سورۂ فاتحہ رکھا جائے یا بسم اللہ... الخ کو (کہ قرآن مجید کا جزو اور بلا شبہ کلام الٰہی ہے) اس سورۃ کا ابتداء کرنا باعث تبرک سمجھا جائے۔ پس مدینہ اور بصرہ اور شام کے قاریوں اور فقہاء کا یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ بسم اللہ... الخ جزو سورۃ نہیں، محض فضل اور تبرک کے لئے لکھی گئی ہے اور یہ بات قوی ہے۔ کیونکہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نماز کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ سے شروع کرتے تھے اور اسی طرح طبرانی، ابن خزیمہ اور ابوداؤد وغیرہم محدثین کی روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز میں بسم اللہ... الخ کو آہستہ پڑھتے تھے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کو پکار کر۔ پس جب یہ ہے تو بسم اللہ، الحمد کا جزو نہیں ہے کیونکہ سورۃ میں سے ایک جزو کا خفیہ پڑھنا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ اگر یہ جزو ہوتی تو اس کو بھی پکار کر پڑھتے اور مکہ کے اور کوفہ کے قاری میں اس کو جزو الحمد سمجھتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور اسی لئے یہ لوگ اس کو نماز میں پکار کر پڑھتے ہیں اور ان کے پاس بھی دلائل ہیں مگر نبی ﷺ اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں کسی بات کی صراحت نہیں کی۔ دونوں فریق اپنی اپنی رائے سے اپنے مذاہب کو احادیث سے ثابت کرتے ہیں۔ پھر جو اس کو جزو الحمد سمجھتے ہیں، ان کے دو اقوال ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ یہ آیت پوری ہے اور بعض کہتے ہیں کہ آیت کا ٹکڑا ہے بلکہ اگلا جملہ مل کر ایک آیت ہوتی ہے۔ پس جن کے نزدیک بسم اللہ بھی ایک آیت پوری ہے تو ان کے نزدیک صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ایک آیت ہے اور جن کے نزدیک نہیں تو وہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ کو ایک آیت اور غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کو دوسری آیت کہتے ہیں، واللہ اعلم۔

ترکیب:......لفظ ''با'' جار اور اسم مجرور مضاف اللہ مضاف الیہ موصوف اور لفظ ''الرحمٰن الرحیم'' دونوں یکے بعد دیگرے اس کی صفت موصوف وصفت جو مضاف الیہ ہے، اپنے مضاف سے مل کر جار کو مجرور ہوا اور یہ جار متعلق ہے ایک فعل محذوف کے کہ جو یہاں اقرء ہے کیونکہ جس چیز پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے وہاں اس قسم کا فعل محذوف مانا کرتے ہیں، جو کھاتے وقت پڑھیں گے تو آکُلُ اور پیتے وقت اَشرَبُ علیٰ ہذا القیاس۔ پس یہ سب اپنے فعل محذوف کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔

---

[1]: ابن مردویہ، احمد بن موسیٰ ابن مردویہ اپنی تفسیر میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جب بسم اللہ... الخ نازل ہوئی تو بادل مشرق کی طرف دوڑنے لگے، ہوا چلنے سے رک گئی، سمندر میں جوش پیدا ہوا، جانور کان لگا کر سننے لگے، شیاطین ہنکائے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھائی کہ نہیں پڑھی جائے گی بسم اللہ... الخ کسی چیز پر مگر ضرور اس میں برکت کروں گا۔ حقانی۔

تفسیر:......خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو اس سورۃ میں یہ بتلاتا ہے یوں کہا کرو، نہ یہ کہ وہ خود اپنی طرف سے یہ کہتا ہے کہ میں خدا رحمن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں تاکہ آگے چل کر یہ کہنا پڑے کہ وہ کسی مخاطب سے یہ کہتا ہے کہ میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ حاصل مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو تعلیم کرتا ہے کہ یوں کہو کہ ہم خدا تعالیٰ کے نام سے شروع کرتے ہیں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ ان مسائل کا ذکر اس تفسیر میں مفید عام نہیں اس لئے ان سے قلم کو روکتا ہوں کہ بسم اللہ میں جو اسم ہے وہ سمو سے مشتق ہے کہ جس کے معنی بلندی کے ہیں، جیسا کہ اہل بصرہ کہتے ہیں۔ اہل کوفہ سمۃ سے مشتق کہتے ہیں جس کے معنی علامت ہے اور یہ تحقیق کہ لفظ اللہ کون سے لفظ سے مشتق ہے اور رحمن منصرف ہے یا غیر منصرف لیکن یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بسم اللہ اصل میں باسم اللہ تھا، الف کو کثرت استعمال سے حذف کر کے اس کی جگہ کتابت میں ب کو طویل کر دیا۔ اس لئے عربی میں بسم اللہ لکھتے ہیں نہ کہ باسم اللہ۔

**نکات متعلقہ بمعنی:**...... دفعہ ۱: چونکہ دنیا میں انبیاء علیہم السلام اس لئے آئے ہیں کہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کا راستہ دکھائیں اور اس معبود حقیقی تک پہنچا دیں کہ جو عالم حس میں دکھائی نہیں دیتا، نہ کسی قوت سامعہ ولامسہ وذائقہ وشامہ سے معلوم ہو سکتا ہے اور جس کے وجود میں وہ لوگ شک کرتے ہیں کہ جن کو حواس خمسہ کے سوا اور کوئی کامل قوت ادراک عطا نہیں اور جو عطا ہے تو اس پر شکوک وشبہات کی ہزاروں من خاک پڑی ہوئی ہے اور وہ تمام کائنات صرف عالم محسوس میں منحصر جانتے ہیں اور جو وجود کے قائل ہیں تو ہر امر میں اسباب ظاہر یہ اور اپنے تصرفات ہی کو مؤثر حقیقی جانتے ہیں اور اسی لئے جو چیز اسباب ظاہرہ پر مبنی نہیں (جیسا کہ معجزات وکرامات) ان کا وجود نہیں مانتے اور اسی لئے توکل کو لغو جان کر حصول دنیا میں سرگردانی اور ناکامیابی پر سخت پشیمانی اٹھاتے ہیں۔ غرض ہر کاروبار میں اس حقیقی فاعل کی طرف کہ جو اس پردہ میں آپ سب کچھ کر رہا ہے، توجہ نہیں کرتے۔

**ہر کارِ خیر میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم:**...... پس ان کے لئے خداوند تعالیٰ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اول یہی سبق دیا کہ ہر کاروبار میں میرا نام لیا کریں اور ہر چیز کا فاعل حقیقی اور موثر تام جان کر برکت اور استعانت کے لئے مجھ ہی کو یاد کیا کریں، سو اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے، ہر کارِ خیر میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا اور یہ سنا دیا کہ جو کام اس سے خالی ہوگا وہ گو عادت اللہ کے موافق اپنے اسباب پر مرتب ہو جائے گا مگر اس میں وہ روحانی برکت جو منعم حقیقی اور فاعل اصلی کی یاد اور اس کی استعانت سے ہوتی ہے، نہ ہوگی (اجذم اور ابتر جو احادیث میں وارد ہے، اس کے یہی معنی ہیں) اور اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام مقدس میں سب سے اوّل بسم اللہ کو سرنامہ بنا کر لکھوا دیا۔ جو شخص بن دیکھے خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور تعلیم عبادت کے لئے سلسلۂ نبوت کو برحق مانتا ہے اور آسمانی دستور العمل کو بھی تسلیم کرتا ہے تو اس کے نزدیک مکتب نبوت میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے بہتر کوئی سبق عقل میں نہیں آ سکتا۔ یہ بات تعلیم کتاب آسمانی کے لئے ضروری ہے اور جس الہامی کتاب میں اول یہ نہیں تو اس کتاب میں قصور ہے۔

(۱)...... ہر کاروبار میں مؤثر حقیقی اور خالق اسباب بلکہ جملہ کائنات سمجھ کر اس کا نام لینا اور اس سے برکت اور استعانت چاہنا اگرچہ ایسا بدیہی حکم ہے کہ جس کو فطرت سلیمہ بہت جلد تسلیم کرتی ہے اور جس میں کسی خدا پرست کا انکار نہیں۔ مگر قرآن نے جو خدا تعالیٰ کا نام لینا بتلایا ہے تو ان خوبیوں کے ساتھ بتلایا ہے کہ جن کا کچھ بیان نہیں۔ از انجملہ یہ کہ باللہ الرحمن نہ فرمایا بلکہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات پاک سے برکت واستعانت طلب کی جاتی ہے اسی طرح اس کے نام میں بھی وہی اثر ہے۔

(۲)...... یہ کہ بندہ کی رسائی اور اس کا ارتباط بحالت ابتدائی اس کے نام ہی تک ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دامن تلک تو تیرے ہے کہاں دسترس مجھے ☆ تیری گلی کی خاک ہوں تو یہ ہے بس مجھے

**ہر ممکن کے تین حال ہیں:**...... چونکہ مشرکین باسم اللات والعزیٰ کہتے تھے، ان کے مقابلہ میں ردشرک کے لئے بسم اللہ کہنا مناسب ہوا۔

ازانجملہ یہ کہ تین نام ذکر کئے: اللہ۔ رحمٰن۔ رحیم اور انسان کیا بلکہ ہر ممکن کے تین حال ہیں، اول عدم کہ جب انسانی ہستی کا نام ونشان بھی نہ تھا، جیسا کہ خود ہی فرماتا ہے ''هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا'' کہ بلاشک انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی گزرا ہے کہ جس میں اس کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ دوم یہ ہستیٔ دنیا۔ جس کو عرفِ عام میں زندگانی کہتے ہیں۔ سوم اس عالم سے کوچ کر جانا۔ جس کو موت کہتے ہیں، یا یوں کہو کہ:

اول: وہ زمانہ کہ جس میں اس کی روح اس قید جسمانی سے آزاد اور عالم قدس میں شاد تھی یعنی دنیا میں پیدا ہونے سے پیشتر۔

دوم: یہ زندگی مجازی کہ جس میں ہزارہا حاجات اور بے شمار بلیات ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

سوم: یہاں سے آزادی حاصل کر کے اپنے اصلی وطن میں جانے اور وہاں عالم قدس میں اپنے اعمال کی جزا پانے کا زمانہ ہے۔ پس اس لئے ابتدائے کلام میں (کہ جو ہر کام کی ابتداء میں پڑھنا بندہ کو مناسب ہے) اپنے وہ تین نام ذکر فرمائے کہ جو تینوں حالتوں سے مناسب ہیں تاکہ بندہ کو اپنے تینوں حال یاد آجائیں اور تینوں حالوں میں خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق خاص اور احتیاج بالاختصاص کا تصور آ کر جمیع امور دنیا وآخرت میں نیک چلنی اور ہر طرح کی بھلائی پر دل آمادہ ہو جائے اور روحانی معلموں کی سب تعلیم کو برحق جان کر بصدق دل ان کو قبول کرے۔ سو اس لئے سب سے پیشتر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا کہ جو اس کی اس ذات مقدسہ پر معدوم سے موجود اور موجود سے معدوم کر سکتا ہے۔ یہ نام پہلی حالت کو یاد دلاتا ہے اور خالق سے رابطہ بڑھاتا ہے۔ جب اس کے نام کا تصور دل میں جگہ پکڑتا ہے تو پھر دنیا میں کسی چیز کی ہستی آنکھوں میں نہیں جچتی، چہ جائیکہ پھر اور کسی کی پرستش کی جائے اور اس سے حاجت براری کے خیال کو بھی دل میں جگہ دی جائے۔

| | | |
|---|---|---|
| چو سلطان عزت علم برکشد | ☆ | جہان سر بجیب عدم برکشد |

جب اس اسم کی تجلیات عارف کے دل پر پرتوافگن ہوتی ہیں تو یہاں تک محویت ہو جاتی ہے کہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| بسا میری نظروں میں تو اس قدر ہے | ☆ | جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے |

اس مرتبہ کو توحید بحت کہتے ہیں۔ تثلیث وتربیع کا یہاں کیا ذکر ہے۔ معلم روحانی! تیری تعلیم کے قربان پہلے ہی سبق میں تکمیل کر کے سعادت کو پہنچا دیا۔ مبدأ اصلی جل جلالہٗ سے ملا دیا۔

**اسم رحمٰن کی تفسیر:**...... اسم سے ابتداء سلوک اس کے مسمّیٰ اللہ پر انتہاء ہوگئی۔ اس کے بعد لفظ رحمٰن کو ذکر کیا (کہ جو برزن فعلان) جس کے معنی زیادہ رحمت کرنے والا ہے۔ کس لئے کہ رحیم سے اس میں حروف زیادہ ہیں اور کلام عرب میں زیادتی حروف زیادتی معنی کے لئے آتی ہے اور اسی لئے رحیم آدمی کو کہتے ہیں رحمٰن نہیں کہہ سکتے کیونکہ حد سے زیادہ رحمت اسی کا کام ہے اور جو کوئی رحمت کرتا ہے، کسی نہ کسی غرض سے کرتا ہے خواہ دنیا ودین کی بھلائی ہو یا زوال حب مال یا ہم جنسیت کے عار وننگ سے رہائی ہو۔ اس سے قطع نظر جو کوئی رحمت کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ جوش اس کی رحمت کا پرتو ہے اور پھر یہ رحمت کر کے جو کسی کو کچھ بھلائی پہنچائے گا، وہ سب چیزیں خدا تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں۔

الغرض یہ لفظ اللہ ہی پر بولا جاتا ہے یہ اسم اس حالت دوائی کے لئے آئینہ جہاں نما ہے یا تریاق جاں فزاء۔ سولفظ اللہ کے بعد اس کے ذکر کرنے میں دو نکتے ہیں: اول یہ کہ عالم ہستی (دنیا) میں آ کر انسان جسمانی اور روحانی ہزاروں بلاؤں میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اس کو سینکڑوں چیزوں کی حاجت پڑتی ہے پس اس عالم کے مناسب کہ جس مین مومن کافر برے بھلے سب ہیں لفظ رحمن ہے کہ جو غیر متناہیٔ رحمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جس قدر مرض ہوتا ہے اسی قدر دوا دینا عین حکمت ہے۔ پس دنیا کے حوائج چونکہ غیر متناہی ہیں، ان کے مقابلہ میں ویسا ہی لفظ بولنا کمال ہے۔ دوم یہ کہ لفظ اللہ اسم ذات ہے اور رحمن ورحیم اسماء صفات اور قانون بلاغت یہ چاہتا ہے کہ اسم ذات کے بعد وہ اسم صفت بولا جائے کہ جو بمنزلہ علم کے خاص ہو۔ یہاں اس لفظ رحمن میں ایک اور نکتہ بھی ہے کہ تم امور معاشرت میں اپنے بیگانے مومن وکافر ہر چیز سے مہربانی اور رحمت سے پیش آؤ اور سب سے باہم رحم دلی کا برتاؤ کرو۔ چنانچہ اس کی شرح مین وہ خود ہی فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ کہ اللہ تعالیٰ کو احسان کرنے والوں سے محبت ہے اور فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ کہ اللہ (تم کو) انصاف وبھلائی کا حکم دیتا ہے اور اس کی شرح میں نبی ﷺ کی بے شمار احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ جن کے ذکر کی گنجائش نہیں۔ تمام قوانین تمدن اور رفاہِ عام کے لئے یہ جملہ اصل الاصول ہے۔

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است ☆ بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا

**اسم رحیم کی تفسیر:**......اس کے بعد لفظ رحیم کو انسان کا تیسرا حال یاد دلانے کے لئے ذکر کیا، کس لئے کہ جس طرح لفظ رحمن میں زیادتی باعتبار کیت کے مراد رکھ کر اس کی رحمت کو عامہ وتامہ، برے بھلوں سب کے لئے قرار دیا گیا تھا، اب مزید لفظ رحیم کو خاص کر ایک جنس یعنی خدا تعالیٰ کے فرمانبرداروں کے لئے خاص کیا گیا۔ پس آخر میں لفظ رحیم کو لانا اس بات کو بتلانا ہے کہ اس جہان سے سفر کر کے جب وہاں جائیں گے تو ان کے ایمان واعمال کے لحاظ سے ان پر اس کی رحمت خاص ظہور کرے گی کہ جس کی تفسیر نبی ﷺ نے اور خود قرآن نے مواضع متعددہ میں کی ہے کہ وہاں بمقتضائے رحمت اعمال حسنہ وعقائد صحیحہ ہر طرح کی اشکال مین متشکل ہو کر نظر آئیں گی۔ اس لفظ میں اجمالاً آخرت کے متعلق سب باتوں کی طرف اور ان کاموں میں عقائد کی طرف کہ جو وہاں کار آمد اور نافع ہوں گے، اشارہ ہے۔ جس طرح کہ لفظ رحمٰن میں دنیاوی معاشرت کے اصول کی طرف اور لفظ اللہ میں اس کی ذات وصفات کے متعلق باتوں کی طرف اشارہ تھا یہ بسم اللہ......الخ گویا انسان کے لئے ان تمام الہامی باتوں کا (کہ جو انبیاء علیہم السلام کے وسیلہ سے نازل ہوئی ہیں) خلاصہ یا فہرست ہے۔ گویا سب کو جمع کر کے اور سب کا عطر نکال کر اس جملہ میں بھر دیا گیا ہے کہ پھر اس کی شرح باقی الحمد اور اس کی شرح تمام قرآن اور اس کی شرح تمام کتب فقہ ہیں۔ یا یوں کہو کہ تعلیم روحانی اور الہامی قرآنی ایک شجر طوبیٰ اثر ہے کہ جس کا مبدء اولیٰ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے جس طرح کہ درخت کا مبدء تخم ہوتا ہے اور پھر اجمالی طور پر تمام پھل پھول شاخ وبرگ اس میں ہوتی ہیں اور پھر وہ درجہ بدرجہ حالت تفصیلی میں آتے جاتے ہیں۔

**دفعہ ۲:** اس بِسْمِ اللّٰهِ...الخ کا ابتداء قرآن میں ان تین مخصوص اسموں کے ساتھ آنا اور ہر کار کی ابتداء میں اس سے خدا تعالیٰ کو یاد کرنا ایک اور لطیف بات کی طرف بھی اشارہ ہے اور وہ یہ کہ انسان جواہرات کو پیدا نہیں کرتا ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں تصرف کرتا ہے۔ پس لفظ اللہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ چیزیں کہ جن سے ہم نفع لے رہے ہیں، اس جامع صفات کمال وجلال کی مخلوق ہیں۔ ہم کو شکر ادا کرنا چاہئے اور لفظ رحمٰن میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ان اشیاء کا وجود اس کی طرف سے ہے، ان کی بقا بھی محض اس کی رحمت کاملہ کا نتیجہ ہے اور لفظ رحیم میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان چیزوں سے انتفاع کہ جو ان کے پیدا کرنے کا نتیجہ اور

علت غائیہ ہے، جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (اس نے زمین کی سب چیزیں تمہارے لیے پیدا کی ہیں) محض اس کی صفت ذرحمت کا اثر ہے۔ قطعہ

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکار ند ☆ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار ☆ شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

**قرآنِ مجید کی ابتداء بسم اللہ سے تقلیداً کی گئی ہے:**۔۔۔۔۔ اگرچہ اور بھی بہت سے اسرار اس تھوڑے سے کلام میں ودیعت رکھے گئے ہیں کہ جن کے بیان کو ایک دفتر جداگانہ چاہئے مگر آپ کو یہ تو بخوبی معلوم ہو گیا کہ اس قدر اس تھوڑے سے کلام میں اس قدر تعلیم روحانی اور مقاصد الہامی بھرے ہوئے ہیں کہ عہد آدم سے لے کر اب تک کسی اور کتاب الہامی یا غیر الہامی میں نہیں پائے جاتے۔ اب اس سے بڑھ کر اور کون سی ضرورت قرآن اور الہام کے لیے ہوگی۔

**سوال:** ہم نے انجیل عربی کا ایک پرانا نسخہ بچشم خود دیکھا ہے کہ اس میں ہر انجیل کی ابتداء میں بسم اللہ سے اچھی بسم اللہ لکھ رکھی ہے اور اسی طرح پارسیوں کی دساتیر میں ہر نامہ کے اول میں ایک اسی قسم کی بسم اللہ لکھ رکھی ہے، غالباً نبی ﷺ نے یہ وہاں سے لے کر اپنے قرآن میں داخل کر دی ہوگی اور اسی طرح بہت سے مضامین قرآن مجید کے کتب عہد عتیق و عہد جدید و دساتیر وغیرہ سے ملتے ہیں۔ چنانچہ ایک پادری نے ایک کتاب عدم ضرورتِ قرآن لکھ کر یہ بات ثابت کر دی ہے کہ نبی ﷺ نے یہ مضامین اور الہامی کتابوں سے لے کر اپنی کتاب بنائی ہے۔ پس جب یہ ہے تو پھر قرآن کے نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟

**جواب:** اس سوال سے اور بھی جناب رسالت مآب ﷺ کی پوری تصدیق ہوتی ہے، کس لیے کہ جس قدر انجیل کے نسخے صحیح کر کے پادریوں نے لندن اور فرانس اور دیگر بلاد میں چھپوائے ہیں، ان میں اس بسم اللہ کا کہیں نام ونشان بھی ہیں۔ البتہ اس عربی انجیل میں کہ جس کا آپ حوالہ دیتے ہیں، ہم نے بھی وہ بسم اللہ دیکھی ہے کہ جس کی عبارت یہ ہے: ''باسم الاب و الابن و الروح القدس''۔

پس اس میں کسی کو شبہ نہیں کہ اس انجیلی نے چونکہ عربی دان تھا، قرآن خواں تھا، تقلیداً یہ بسم اللہ بنا کر لکھی جس سے یہ یقین ہو گیا کہ غیر لوگوں کے دلوں میں بھی اس کلام الٰہی کی خوبی بس گئی اور انہوں نے چاہا کہ ہماری کتابوں میں بھی ہو تو بہت خوب ہو۔ چنانچہ بخوف ثبوت سرقہ بجنسہٖ اصل کلام الٰہی تو نہ لکھا اور اسی طرح پر کچھ اُلٹ پلٹ کر لکھ دیا اور یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ عمر بھر بھی کبھی ایران میں تشریف نہیں لے گئے، نہ کسی مجوسیوں کے مدرسہ میں تعلیم پائی۔ نہ کوئی مجوسی کتب خانہ یا مدرسہ عرب میں تھا بلکہ یہودی اور عیسائی مذہب کا تو کچھ پتہ بھی تھا لیکن پارسیوں کے مذہب سے تو وہ لوگ محض نا آشنا تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ ان کی کتاب میں سے سیکھنے کیونکر گئے؟ اور اس زمانہ میں ان کی یہ کتابیں خود ان ہی لوگوں میں پوری شائع نہ تھیں۔ جس طرح کے عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں کتاب کی قلت تھی، ان کے ہاں بھی اور جو کوئی کتاب تھی تو اس کو بڑے متبرک لوگوں کے پاس مقدس جگہ میں رکھتے تھے اور غیر قوموں سے ازحد چھپاتے تھے۔ یہ چھاپا (یعنی پریس وغیرہ، ۱۲) نہ تھا کہ جس کی بدولت ہر کتاب گلی کوچوں میں عام لوگوں تک دست گرداں پھرتی ہے اور یہ گمان کرنا کہ عجمی غلام سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہ آپ ﷺ کے پاس رہتے تھے ان سے سیکھ کر لکھی ہوگی، محض خیال خام ہے، کیونکہ اول تو یہ غلام کچھ اپنے مذہب کے عالم نہ تھے کہ انہوں نے تعلیم کر دیا ہوگا۔ دوم یہ تھا تو پھر ان غلاموں پر کیا مصیبت پڑی تھی کہ ایسے شخص کے ہاتھ پر اس صدق سے ایمان لائے کہ ہر چند ان کے مالکوں نے اس بات پر ان پر کوڑے برسائے، دھوپ میں چومیخا (کیلوں سے ہاتھ ٹھونک کر سزا دینا۔ ۱۲) کیا، بھوک پیاس کی تکلیف دے کر سخت مشقت میں گرفتار کیا مگر وہ پھر بھی حضور ﷺ کے دین سے نہ پھرے۔ سو

اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ایرانیوں نے مسلمانوں سے سن کر اس کلام کو اُڑا لیا اور بدل کر اپنی کتاب میں لکھ لیا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اسلام کے پیشتر کے کسی نسخہ میں نہیں، چلو! فرض کیا کہ ہو بھی تو اس میں یہ خوبی کہاں؟ کیونکہ ''بنام ایزد بخشایندہ بخشائش گر مہربان دادگر'' میں لفظ مکرر ہے اور یہ بھی ظاہر کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جس قدر محرف کتابیں اور اوہام آمیز مذاہب لوگوں کی رسم و عادات تھیں، سب غلط اور ناحق نہ تھے کیونکہ جھوٹی باتوں میں بعض سچی باتیں اور بُرے لوگوں میں بعض بھلی عادات بھی ہوتی ہیں۔ پس اُسی نبی کا کہ جو تمام جہان کی اصلاح و فلاح کا بیڑہ اٹھائے، یہ کام نہیں کہ وہ حق و ناحق سب کو مٹا کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بنائے جیسا کہ خود پسند کیا کرتے ہیں، بلکہ ہر مذہب اور ہر کتاب میں اور ہر رسم و رواج میں جو کچھ حق اور فطرت کے موافق ہو اس کو قائم رکھے اور غلط کو مٹا دے، نہ یہ کہ سب کا انکار کرے اور نہ یہ کہ سب کو تسلیم کرے۔ پس یہ بات ہر دانش مند حق گو پر فرض ہے تو اب ضروری ہے کہ اس مجموعہ تعلیم حقانی کے بعض اجزاء ضرور کسی مذہب و ملت کے مطابق ہوں گے اور بعض اجزا بعض دیگرے کے مطابق ہوں گے اور اسی طرح بعض عادات واطوار اور رسوم کا حال ہے۔

پادری صاحب! آپ کے عہد جدید میں کونسی نئی بات ہے کہ جو اور تاریخوں اور کتب اخلاق یا عہد عتیق میں نہیں، پھر اس فرضی انجیل کو کتاب الٰہی بنانے کی کیا ضرورت؟ براہِ مہربانی اس کو بھی بیان کر دیجئے۔ یہ آپ کی کتاب کا اجمالی جواب ہے اور تفصیلی بشرط فرصت پھر گوش گزار کروں گا۔

**دفعہ ۳:** جو شخص کسی کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے حقوق وعہد کو قائم رکھتا ہے تو یا اس سے خوف اور مضرت کا ڈر ہوتا ہے یا کسی انعام واکرام و بھلائی کی امید ہوتی ہے۔ سو یہ دونوں چیزیں تو وہ ہیں کہ جن پر عموماً اطاعت کا مدار ہے (دیکھئے عام لوگ بادشاہ سے ڈر کر اور ملازمین اکرام وانعام کی طمع دل میں رکھ کر اس کی اطاعت کرتے ہیں اور جہاں یہ دونوں باتیں ہوتی ہیں تو وہاں اطاعت کے ساتھ محبت بھی ہوتی ہے اور جو اطاعت کہ محبت سے مرکب ہوتی ہے وہ طاعت صرف سے بہتر ہوتی ہے اور اسی لیے ایمان کو امید وبیم دونوں کے اندر رکھا ہے کیونکہ محض خوف سے نفرت اور محض امید سے جرأت ہو جاتی ہے) اور بعض خاص لوگ کہ جن کا عشق محویت کے درجے تک پہنچ جاتا ہے وہ بلالحاظ امید وبیم اس سے محبت ذاتی رکھتے اور اطاعت کرتے ہیں وَقَلِيلٌ مَّا هُم اور نبی کو (کہ خدا تعالیٰ اور بندوں سے واسطہ ہے) ضروری ہے کہ بندوں کو اس کے جلال سے ڈرائے اور اس کی محبت دل میں پیدا کر کے طاعت پر آمادہ کرے کیونکہ تمام دنیا و آخرت کی مصلحتیں اسی پر موقوف ہیں۔

پس اس لیے ابتدائے کلام میں وہ رعایت رکھی کہ جس سے یہ مطلب نہایت خوبی وخوش اسلوبی سے ادا ہو گیا کیونکہ لفظ اللہ زبان عرب میں اس شہنشاہِ حقیقی اور پروردگار عالم کا نام ہے کہ جس کی ہیبت سے پہاڑ لرزتے ہیں اس نام کے ذکر کرنے سے اس کی ہیبت ظاہر کرنا اور خوف دلانا مقصود ہے اور رحمٰن اور رحیم سے اُمید دلانا اور محبت پیدا کرنا مطلوب ہے تا کہ لوگ اس سے ڈریں اور رحمت کے امیدوار رہ کر اطاعت کریں اور خالص لوگوں کو تو لفظ اللہ ہی سے بلالحاظ رحمت وغضب محبت ذاتی پر تنبہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح بسم اللہ میں سیر الی اللہ ہے، اسی طرح الرحمٰن الرحیم میں سیر من اللہ ہے، یعنی اسم چونکہ علامت و آثار میں سے ہے۔ پس عارف اس نشان سے معبود حقیقی تک جا پہنچتا ہے اور پھر وہاں سے نعما و آلا کی طرف توجہ کر کے مخلوق کی جانب آ جاتا ہے اور چونکہ اُمید سے خوف زیادہ تر اس امر میں مؤثر ہے اس لیے لفظ اللہ کو مقدم کیا اور یوں بھی علم اور بالخصوص مقام تبرک کا مقتضیٰ یہ ہے کہ لفظ اللہ جس طرح ذات میں مقدم ہے، ذکر میں بھی مقدم رہے اور بعدہٗ لفظ رحمٰن کے رحیم اس لئے ذکر ہوا کہ عالم پر جو رحمت ہوتی ہے اس کی دو شاخیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ہر چیز کے لیے اس کی

تمام حاجات وضروریات کو پورا کیا جائے۔ دوم یہ کہ اس کو مخالف اور منافی چیزوں سے بچایا جائے۔ اوّل شاخ چونکہ نہایت بڑی اور اہم ہے، اس کے لیے لفظ رحمٰن کہ جس میں رحمت زیادہ ہے مناسب ہوا اور دوسری چھوٹی شاخ کے لیے لفظ رحیم بولا گیا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دنیا کے بادشاہوں سے بڑی چیزوں کا سوال کیا جاتا ہے۔ اگر ان سے کوئی کم تر درجہ کی چیز مانگتا ہے تو خفا ہوتے ہیں۔ بخلاف خدا تعالیٰ کے کہ اس سے چھوٹی، بڑی ہر چیز کا سوال کیا جاتا ہے۔ پس اس رمز کے لیے رحمٰن اور رحیم دو الفاظ بولے تاکہ دونوں باتوں پر دلالت کریں۔ رحمٰن بڑی باتوں پر، رحیم چھوٹی باتوں پر اور ایک پلہ میں لفظ اللہ ہے کہ جس سے ہیبت دل پر طاری ہوتی ہے تو دوسرے پلے میں دو لفظ تسلی بخش کیے بعد دیگرے سنا کر مطمئن بنایا تاکہ جس قدر اس کا خوف دل میں پیدا ہوا، اتنی ہی محبت بھی جلوہ گر ہو کیونکہ افراط وتفریط مصلحت نبوت ومنصب رسالت سے بعید ہے۔

عیسائیوں نے الوہیت مسیح وکفارہ ثابت کرنے کے لئے اوّل تو وہ خوف زائد از حد دلایا کہ خدا تعالیٰ گناہ کو توبہ سے معاف نہیں کر سکتا اور جو آدم علیہ السلام نے گناہ کیا تھا، تمام بنی آدم پر پشت بہ پشت چلا آتا تھا (حالانکہ کسی کا گناہ اللہ تعالیٰ کی عدالت تو کیا، بندوں کی عدالت میں بھی دوسرے پر لازم نہیں ہوتا) اس کی سزا دینی خدا تعالیٰ کو از حد ضروری تھی، اس لیے خود دنیا میں بشکل حضرت مسیح علیہ السلام نو مہینے رحم میں خون کھا کر مقام مخصوص سے پیدا ہوا اور تمام دنیا کے گناہوں کی (دھوبی کی لادی کی طرح) گٹھڑی باندھ کر اپنی پشت پر لاد کر لے گیا اور تین روز جہنم میں رہا اور ملعون ہوا۔ حالانکہ یہ عقیدہ چند وجوہ سے ردّ ہے:

**عقائد باطلہ وفاسدہ کا رد:**...... (۱)...... اوّل تو خدا تعالیٰ قادر اور رحیم وغفور ہے، توبہ سے گناہ معاف کرنا اس کا قدیم دستور ہے۔

(۲)...... عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے پیشتر جس قدر انبیاء علیہم السلام اور ان کے فرمانبردار ہیں، سب مسیح علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پہلے ہی نجات یافتہ ہیں بلکہ مسیح علیہ السلام اور حواریوں کے کلام سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ پھر اگر کفارہ ضروری تھا تو ان کی نجات کیوں ہوئی اور ان کے گناہ موروثی کیوں معاف ہوئے؟۔

(۳)...... خود حضرت مسیح اور یوحنا (یحییٰ) علیہما السلام لوگوں کو توبہ ❶ استغفار کرنے کا حکم دیتے تھے بلکہ خود مسیح علیہ السلام نے ایک شخص کے گناہ ❷ معاف کر دیئے، پس اگر کفارہ مسیح علیہ السلام پر نجات کل بنی آدم موقوف تھی تو استغفار اور توبہ اور یہ گناہ معاف کرنا کیونکر ہوا؟ اور پھر امید ورجا کا یہاں تک دامن فراخ کیا کہ تثلیث اور کفارہ اور الوہیت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والے کے حق میں پولوس نے ہر حرام اور ناپاک ❸ چیزوں کو پاک کر دیا، اور شریعت پر چلنے والے کو لعنتی ❹ قرار دے کر مطلق العنان اور سانڈ بنا دیا، حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام فرما چکے ہیں کہ توراۃ ❺ کا ایک شوشہ (نقطہ) بھی نہیں مٹے گا اور خود تورات میں شریعت کے تارک پر سخت تہدید ہے۔ توراۃ تو کیا اس کے احکام عشرہ کو بھی مٹا دیا۔ اس افراط وتفریط کا کیا ٹھکانا ہے۔

**نزولِ قرآن کی ضرورت واہمیت:**...... منجملہ اور ضروریات نزول قرآن کے ایک یہ بھی ضرورت تھی کہ اس سخت گمراہی کو اُٹھائے۔

---

❶ ...... انجیل متی، باب سوم۔ ❷ ...... انجیل لوقا، باب ۵ آیت (۲۰ اور ۲۴)۔ ❸ ...... پولوس کا وہ نامہ جو طیطس کو لکھا ہے اسی کے باب اوّل، ورس ۱۵ میں ہے۔ ❹ ...... پولوس کے نامہ گلتیون کے باب ۳ ورس ۱۳ میں مسیح علیہ السلام کو ملعون بھی لکھا ہے۔ منہ ❺ ...... یہ خیال مت کرو کہ میں توراۃ یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں۔ میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان وزمین ٹل نہ جائے، توراۃ کا ایک نقطہ یا شوشہ ہرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سب سے چھوٹے کو ٹال دے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے، آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ انجیل متی باب ۵ ورس ۱۷ تا ۱۹۔ منہ

فرمائیے پادری صاحب! اس سخت ضرورت کو سوائے قرآن کے اور کس کتاب آسمانی نے پورا کیا؟ منجملہ بے شمار معجزات کے آنحضرت ﷺ کا ایک معجزہ یہ کلام حکمت التیام بھی ہے کہ جس میں ہزاروں خوبیاں ہیں اور جس کا مثل بنانا پڑھے اور اَن پڑھ سے ممکن نہیں۔

**فضائل بسم اللہ:**......جن کلمات کا عالم برزخ یا عالم مثالی میں کوئی نہ کوئی ایسا اثر ہوتا ہے کہ جس طرح عالم عنصری میں دواؤں کا اثر محسوس ہوتا ہے، منجملہ ان کے یہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بھی ہے جس سے برکت کا نازل ہونا اور شیطان وخبیث کا اثر نہ ہونا وغیرہ فوائد علاوہ اس روحانی فائدے کے ہیں کہ جس کی شرح ہم ابھی کر آئے ہیں اور ان فوائد کا سر تو ہم کسی موقع پر بیان کریں گے مگر اب بعض وہ فوائد جو مشاہدہ ثقات میں آئے ہیں، ذکر کرتا ہوں۔ از انجملہ یہ ہے جو ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے روبرو ایک شخص نے بغیر بسم اللہ پڑھے کھانا کھایا۔ پس جب ایک لقمہ باقی رہ گیا تو بسم اللہ من اولہ وآخرہ کہہ کر اس کو منہ میں رکھ لیا۔ اس بات پر نبی ﷺ کو ہنسی آگئی اور فرمایا کہ اس کے ساتھ شیطان کھاتا تھا۔ جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے جو کچھ کھایا تھا، کھڑے ہو کر قے کر دیا۔ (ابوداؤد) اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے کہ جس نے کھانے پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی اس میں شیطان کا حصہ ہو جاتا ہے (مسلم) از انجملہ وہ ہے کہ جو ترمذی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت کیا ہے کہ جب بیت الخلاء میں جا کر کوئی شخص بسم اللہ پڑھتا ہے تو اس کے ستر اور جنوں کی آنکھوں کے بیچ میں یہ کلام پردہ ہو جاتا ہے۔ (ترمذی)۔

گو یہ احادیث خبر احاد ہیں اور بالخصوص اس اخیر احادیث کے سلسلہ میں ترمذی نے کلام بھی کیا ہے اور بعض علماء نے ان کو معنی مجازی پر محمول کیا ہے، مگر میں یہ کہتا ہوں کہ دراصل شیطان یا جن یا ہمزاد یا جو کہو۔ ایک ایسی چیز مخلوق الٰہی میں سے ہے کہ جو محسوس نہیں ہوتی اور انسان کے کثر امور میں شریک ہوتی اور اس کی نقل کرتی ہے جس کا صدہا (بے شمار) لوگوں کو مشاہدہ ہوا ہے۔ چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کے ایک بار میری ملاقات کو ایک دوست آیا، میں نے اس کو کھانا دیا۔ وہ کھانے لگا کہ اس کے ہاتھ سے روٹی کا ایک ٹکڑا چھوٹ کر خلاف عادت دور تک اس طرح لڑھکتا ہوا چلا گیا کہ جس سے سب حاضرین جلسہ کو تعجب ہوا۔ پھر اگلے روز محلہ میں ایک شخص کے سر پر وہ خبیث آ کر یوں بولا کہ فلاں جگہ ہم نے فلاں شخص سے کل ایک روٹی کا ٹکڑا چھینا تھا مگر اس نے ہم سے لے لیا، ہم کو نہ دیا۔ اس طرح کی بے شمار حکایات صادقہ ہیں۔ پس اب یہ کیا تعجب ہے کہ اس قوم جن کو ذکر الٰہی سے ایک جبلی نفرت ہو اور اس کی تاثیر ملکیت اس کو سخت ایذا پہنچاتی ہو کہ جس سے وہ لوگ دور ہٹ جاتے ہوں۔

## اہلِ یورپ کی بسم اللہ کے متعلق رائے اور اس کا جواب

**تنبیہ:**......حضرت سلامت! یہ تو پرانے خیالات اور فاسد توہمات ہیں کہ جن کو آج کل اہل یورپ اور بالخصوص نئی روشنی والے اور ان کے مقلد محض لغو سمجھتے ہیں اور ان پر ہنستے ہیں اور اسی طرح عیسائی بھی ان باتوں کو نہیں مانتے۔ الغرض روشن دماغ اور تربیت یافتہ لوگ قائل نہیں۔

**جواب:** مہربان! اس انکار بلا دلیل کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ اہل یورپ کا کیا کہنا ہے، وہ تو کل غیر محسوس چیزوں کے منکر ہیں۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کا وجود بھی صدہا نہیں مانتے۔ جرمن اور فرانس کے ملحدوں بولنجر (bolenger) وغیرہ کی کتابیں دیکھیے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام تو راۃ وانجیل سب الہام کے قصہ ہی کو لغو سمجھتے ہیں اور پھر ہزاروں اہل یورپ روحانیات کے بلانے اور ان سے باتیں کرا دینے کے بھی قائل ہیں چنانچہ لندن میں ایک کمیٹی بڑے زور سے یہ دعویٰ کرتی ہے کہ جس کے ممبر ہندوستان میں بھی موجود ہیں اور عیسائیوں کی انا

جیل میں جب شیطان اور دیو اور ناپاک روحوں کا نکالنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے تو پھر اس قوم کا انکار اجنہ بلا دلیل چہ معنی دارد؟ اور جب دلائل عقلیہ ونقلیہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہیں تو پھر اس کے افعال ناشائستہ اور کلام الٰہی کے اثر کا انکار اور بھی طرفہ (حیرت انگیز) ہے۔ اگر اسی کا نام روشن دماغی ہے تو اس روشنی ظلمت مآب کے کیا کہنے ہیں۔ از انجملہ وہی قصہ ہے جس کو امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مقابل لوگوں نے کہا کہ تم جو اسلام کے مدعی ہو تو کوئی کرامت تو دکھاؤ تا کہ تمہارے دین کی صداقت معلوم ہو اور اس زہر قاتل کی شیشی کو پی جائیے۔ اگر کچھ اثر نہ ہوا تو یہ دین حق ہے چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ سے وہ زہر لے کر ان ہی کے روبرو بسم اللہ کہہ کر پی لیا اور پھر وہیں کھڑے رہے، کچھ بھی اثر نہ ہوا اور اسی قسم کے صدہا واقعات ہیں۔

## شئی کے مؤثر ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں:

**سوال:** بسا اوقات ہم بسم اللہ پڑھتے ہیں مگر ہم کو اس قسم کی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی؟

**جواب:** خواہ دوا ہو خواہ کلام ہو، اس کی تاثیر کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ اجتماع شروط، ارتفاع موانع۔ دیکھئے تریاق کے اثر میں کسی دانشمند کو شبہ نہیں مگر جب اس کی ایک شرط بھی فوت ہو جاتی ہے یا کوئی مانع حائل ہو جاتا ہے تو پھر اثر نہیں کرتا۔ اسی طرح خلوص نیت وصدق اعتقاد ورابطہ الٰہی وغیرہ ان باتوں کے لئے شروط ہیں اور ریاکاری اور خیالات فاسدہ وتوہمات ان چیزوں کے لئے موانع ہیں۔
اب کلام کو یہیں تمام کر کے الحمد کی تفسیر لکھتا ہوں:

# تفسیر سورۂ فاتحہ

**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۟ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۟ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۟ؕ**

ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے ① جو نہایت رحم کرنے والا بڑا مہربان ② جزا کے دن کا مالک ہے ③

**ترکیب:**..... الحمد مبتدا للہ ثابت کے متعلق ہو کر اس کی خبر ہوئی۔ رب العالمین اس کی صفت اول (گو یہ نکرہ ہے مگر معنی کے لحاظ سے معرفہ ہے کیونکہ رب العالمین سوائے خدا تعالیٰ کے اور کسی پر صادق نہیں آتا) الرحمن الرحیم صفت وموصوف اس کی صفت دوم۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ مضاف ومضاف الیہ مل کر اس کی صفت سوم۔ یہ موصوف اپنی تینوں صفات سے مل کر ثابت کے متعلق ہو کر مبتدا کی خبر ہوئی اور خبر ومبتدا مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔ گو مقام انشاء حمد جملہ فعلیہ چاہتا ہے مگر چونکہ خبر حمد بھی انشا حمد ہے، دوام وثبات کے لئے جملہ اسمیہ لایا گیا۔

## رجوع الی اللہ کا سہل طریقہ

**تفسیر:**..... ان تینوں آیتوں میں خدا تعالیٰ بہت سی حکمتیں رعایت رکھ کر اس تقریب کو بتلاتا ہے جس کی طرف بسم اللہ میں اشارہ ہے۔ بسم اللہ میں لفظ اللہ سے ہیبت اور رحمن ورحیم سے رغبت دلا کر اپنی ذات پاک کی طرف متوجہ ہونا مجملاً بتایا تھا لیکن اس اصول اور تقریب کا طریق صراحۃً مذکور نہ ہوا تھا کہ وہ کیونکر اس کی طرف متوجہ ہو اور کون سی روحانی سڑک پر چل کر شہر مقصود تک پہنچے۔ آیا کسی درخت میں الٹا لٹکے یا دنیا کے تمام طیبات چھوڑ کر لنگوٹا باندھ کر کسی مندر یا دریا یا تالاب کے کنارے بیٹھا کرے یا کسی گرجا میں باجا بجا کر کوئی راگ یا بھجن گایا کرے یا پیالہ لے کر گھر گھر بھیک مانگتا پھرے یا کوئی اور جتن کرے کہ جس سے اس محبوب عالم معبود حقیقی کا وصال اور

جمال باکمال نصیب ہوتا کہ کمال حقیقی اور سعادت عظمیٰ ملے۔ سو اس وادی پرخار اور اس بحر ذخار میں سینکڑوں بھٹک کر مر گئے اور بڑے بڑے حکیموں اور فلسفیوں کی کشتیاں غرق ہو گئیں۔

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نشد تختہ بر کنار

اس لئے رحمٰن و رحیم نے اپنی رحمت سے بذریعہ الہام اس مشکل کو حل کر دیا اور اپنی طرف آنے کا رستہ سہل کر کے دیا کہ اے طالبان راہ نجات! و اے جویندگان آب حیات! تم اپنی زبان سے یوں کہو اور ان الفاظ کے رنگ معانی سے اپنی روح کو رنگین بناؤ کیونکہ جب تم ان الفاظ کے معنی کو خوب دل میں جماؤ اور خیال میں لاؤ گے تو تمہاری روح کی تمام کثافت اور ظلمت اور بہیمیت دور ہو جائے گی۔ پس جب آئینہ کا زنگ دور ہوا تو اسی وقت آفتاب جہاں تاب کا عکس پڑ کر پرنور رہوا۔

**تفصیل:**...... تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان دراصل روح ہے کہ جس کو نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں اور جو اس جسم سے پیشتر تھی اور اس کی مفارقت کے بعد بھی رہے گی اور یہ جسم خاکی کمالات حاصل کرنے کے لئے اس کا آلہ یا مرکب ہے۔ جس طرح آئینہ میں ذاتی جوہر ظاہر کرنے کے لئے راکھ یا کھریا لگا دیتے ہیں تا کہ اس کے بعد رگڑنے سے اس کا ذاتی جوہر باہر نکل آئے اور یہ خوب صاف و شفاف ہو کر چمکنے دمکنے لگے۔ اس طرح حضرت روح کو اس جسم کے ساتھ اسی غرض سے پابستہ کیا ہے۔ پس اصل و بالذات روح کی صفائی مقصود ہے تا کہ یہ اس مبدءِ ❶ نور سے تشبہ حاصل کر کے اس سے جا ملے اسی کو سعادت عظمیٰ اور اسی کو کمال اصلی اور اسی کو تمام سلوک کہتے ہیں اس سلوک کو جو لوگ اپنی عقل سے تمام کرتے ہیں تو ان کو وہم اور تخلیقات فاسدہ کے راہزن (کہ جو اس جسم اور اس کی بہیمت سے پیدا ہوتے ہیں) مقصود تک نہیں پہنچنے دیتے بلکہ وہ ان توہمات اور تخلیقات کی وجہ سے مخلوق پرستی یا بنیادِ جسم کے گرانے اور اس وسیلے کی وجہ سے روح کو چمکانے کے پے در پے ہوتے ہیں جیسا کے درخت میں الثالثکنا...... الخ اور جو انبیاء علیہم السلام اور الہام کی روشنی میں اس سڑک پر چلتے ہیں کہ جس کو خدا تعالیٰ نے قائم کیا، وہ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ کہ بعض رستے سیدھے اللہ تعالیٰ تک پہنچتے ہیں اور بعض ٹیڑھے ہیں اور خود اسی سورۃ میں آگے چل کر یہ تعلیم کرتا ہے کہ یوں کہو: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ...... کہ ہم کو وہ سیدھی راہ دکھلا کہ جو انبیاء علیہم السلام کی راہ ہے۔

**روح میں تاریکی پیدا کرنے والے اسباب:**...... الغرض یہ متفق علیہ ہے کہ جب تک روح کو صفائی نہیں، اس تک رسائی نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ روح میں کئی طور سے تاریکی پیدا ہوتی ہے۔

۱): یہ کہ یا تو سرے سے خدائے تعالیٰ کے وجود اور اس کے جمیع صفات قدرت عظمت کا قائل ہی نہ ہو اور تمام مخلوقات یا بعض چیزوں کی ہستی کو از خود جانے۔ جیسا کہ دہریہ ❷ اور طبیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ از خود طبیعت عناصر سے پیدا ہوتی ہیں اور جب تک طبیعت ❸ اپنے تصرفات پر قادر رہتی ہے۔ یہ زندہ رہتے ہیں اور جب حرارت غریزیہ تحلیل ہو جاتی ہے تو فنا ہو جاتے ہیں اور یہ سب کا

---

❶...... کس لئے کہ جب تک طرفین میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ اس وقت تک تقرب نہیں ہوتا۔ پس وہ نور محض اور لطیف، یہ ظلمانی اور کثیف باہم یا کیونکر ارتباط ہو۔ پس جب انسان اپنی روح کو منور کرتا ہے اور ملکیت غالب ہو جاتی ہے تو ظلمانیت اور تاریکیت ہیولانیت درد ہو جاتی ہے اور انوار عالم قدس اس پر اس طرح پڑنے لگتے ہیں کہ جس طرح آئینہ میں عکس آفتاب پھر فیض بارگاہ قدس اور انجمن انس میں باریاب اور جمال باکمال سے فیض یاب ہوتا ہے، پس اس طریق کو خدا تعالیٰ نے اس سورۃ میں نہایت لطف کے ساتھ بیان فرمایا۔ منہ۔ ❷...... ہنود کا فرقہ جدید آریہ بھی روحوں اور مادہ وغیرہ کی ہستی کو از خود اور ان کو خدا تعالیٰ کا غیر مخلوق کہتا ہے۔ منہ۔ ❸ اس کو انگریزی میں نیچر کہتے ہیں۔ پس اس طریق کے سرگروہ نے جو ایک تفسیر لکھی ہے، اس میں اور تہذیب الاخلاق اخبار میں ان کے عقائد ہمارے اس قول کے شاہد عدل ہیں منہ۔

روبار گردش فلک اور طبائع اجسام سے ہوتے ہیں۔ نہ زمانے کی ابتداء ہے، نہ انتہاء۔ یہ رہٹ ہمیشہ سے یوں ہی پھرتا ہے اور یوں ہی پھرتا رہے گا، چنانچہ اس خراب عقیدہ کے لوگ پہلے بھی بہت تھے اور اب بھی بالخصوص یورپ میں ہزاروں ہیں۔

۲): یہ کہ خدا تعالیٰ کو خالق تو جانے مگر بعد پیدا ہونے کے خلق کو اس کے اسباب و شروط کی وجہ سے خالق سے مستغنیٰ جانے، جیسا کہ بعض آریہ سماج کا یہ عقیدہ ہے کہ بعد مخلوق ہونے کے پھر اس کی طرف کوئی حاجت باقی نہیں رہتی۔

۳): یہ کہ اس مجموعہ عالم میں کسی جزء کو بھی اس کے کمالات ذات و وجود میں مستقل جانے اور پھر اس کو بھی اختیارات والوہیت میں شریک سمجھ کر اس سے بھی واسطۂ عبودیت رکھے، جیسا کہ قدمائے یونان وفارس اور زمانۂ جاہلیت کے عرب اور ہندو آگ اور پانی اور ہوا اور آفتاب و ماہتاب اور تاروں اور غیر مرئی ارواح کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے تھے بلکہ رکھتے ہیں (اس تاریکی روحانی کو زبان الہام میں شرک کہتے ہیں)

۴): یہ کہ آدمی بعض حاجات اور کاروبار کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے (کہ جن کو رحمت الٰہی مصلحت ملک یا شہر یا اس شخص سے خلاف جانتی ہے) اس کو سراسر پُرغضب اور بخیل اور ہلا کو جان کر اس سے محبت نہ کی جائے اور دل میں نفرت پیدا ہو جائے جس سے اس کے ابرار اور اس کے ہادی لوگوں سے دشمنی کا برتاؤ کیا جائے۔ جیسا کہ بعض یہود نے انبیاء علیہم السلام کا قتل کیا اور خدا تعالیٰ کی دشمنی پر کمر باندھی۔

۵): یہ کہ خدا تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کا اقرار ہو مگر قیامت اور وہاں کی جزاء وسزاء کا انکار ہو، جیسا کہ یہود میں فرقہ صدوقیہ کا عقیدہ تھا اور اب بھی صدہائے بے دینوں اور دیگر بعض مذاہب کے لوگوں کا عقیدہ فاسدہ ہے بلکہ وہ دار و مدار جزاء وسزاء کا اسی عالم پر تناسخ کے وسیلہ سے (جیسا کہ ہنود اور مجوس کا عقیدہ ہے) ہے یا مال واولاد، تندرستی و بیماری میں محرومی و برخورداری کی نسبت جانتے ہیں، جیسا کہ بعض جہلاء کا عقیدہ ہے۔

۶): یہ کہ قیامت اور جزاوسزا کا تو اعتقاد ہو مگر اپنے اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ سے بعض شخصوں کی نسبت یہ عقیدہ ہو کہ وہ بھی وہاں جس طرح چاہے گے اپنے معتقدوں کو اور پرستش کرنے والوں کو فائز المرام کریں گے اور خدا تعالیٰ کے عذاب وعقاب سے مانع آئیں گے اس لئے خدا تعالیٰ کے ساتھ نذر و نیاز، استمداد و پرستش میں ان کو بھی شریک کرتے ہیں اور ان کو بھی خدا یا خدا کا جزو یا شریک و سہیم جانتے ہیں جیسا کہ نصاریٰ حضرت مسیح (عیسیٰ) علیہ السلام کو کفارہ سمجھ کر بالکل مطمئن ہو گئے ہیں اور ان کو خدا اور کبھی جزء خدا سمجھتے ہیں اور اسی طرح اور بھی صدہا جہلاء ہیں جو اپنے بزرگوں کو مالک ومختار جانتے ہیں۔

## اہلِ اسلام کا عقیدۂ شفاعت:

**سوال:** اہل اسلام بھی تو اپنے نبی ﷺ کو شفیع روز محشر جانتے ہیں۔

**جواب:** شفاعت تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ رحیم ہے، اپنے نبی ﷺ کی معرفت وہ رحمت ظاہر کرے گا اور اپنے وعدہ کو پورا فرمائے گا۔ نہ یہ کہ آنحضرت ﷺ خدا کے شریک و سہیم ہو کر اس کے عذاب کو دفع کریں گے اور خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے، اس کے معتوب ومغضوب کو جنت میں لے جائیں گے، کسی اہل اسلام کا یہ عقیدہ نہیں بلکہ جو کچھ آپ سے سرزد ہوگا بمرضی الٰہی ہوگا۔ پس یہ چھ طور ان روحانی تاریکیوں کے اصول ہیں کہ جو قرب خدا تعالیٰ سے مانع ہیں اور یہ قرب سے محروم رہنا آخرت میں دوزخ اور طوق وزنجیر وغیرہ چیزوں کی صورت میں ظاہر ہو جائے گا، بلکہ ہو چکا اور اسی طرح کی سختیاں دکھائے گا کیونکہ روح کی راحت (کہ جو بشکل جنت ظہور کرے گی بلکہ کر چکی ہے) یہ ہے کہ اس کے مرکز اصلی کی طرف پہنچنے میں کوئی چیز حائل نہ ہو جائے دیکھئے دنیا میں جب کوئی چیز کسی چیز کے حیز طبعی یا مرکز اصلی کے بیچ میں مانع اور عائق ہو جاتی ہے تو وہ چیز اپنے حیز اور مرکز اصلی کی طرف لے جانے میں کیسی پھڑ پھڑاتی ہے اور یہ پھڑ پھڑانا اور کچا کچی سے صدمات اٹھانا اس کے لئے جہنم ہے (علیٰ قدر مراتبہ)۔

باقی ان تاریکیوں کی فروعات، سووہ بے شمار اور ہزار در ہزار ہیں۔ان کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ان طریقوں کی ظلمانیت کو عرف شرع میں کفر اور الحاد کہتے ہیں اور ساتواں طور تاریکی روحانی کا ایک اور ہے کہ جو اس جسم کے اعمال سے متعلق ہے، یعنی جس طرح وہ چھ طور قوت نظریہ اعنی اعتقاد کے متعلق ہیں، یہ قوت عملیہ سے علاقہ رکھتا ہے وہ یہ کہ انسان اپنی زبان سے وہ باتیں بولے اور ہاتھ پاؤں سے وہ کام کرے کہ جو نور فطرت کے خلاف ہوں جن کو عرف شرع میں حرام اور مکرہ کہتے ہیں۔جیسا کہ کلمات کفر بکنا، گالی دینا، غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، فحش کی باتیں منہ سے نکالنا، قتل کرنا، چوری کرنا، زنا کرنا، شراب پینا، لوٹ مار کرنا وغیرہ وغیرہ۔وہ افعال واقوال کے جن کی تاریکی روح پر اثر کرتی ہے، اور بہیمیت کو زور دیتی ہے۔چنانچہ نبی ﷺ نے اس کی تشریح فرمادی ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے۔پھر وہ پھیل کر تمام دل کو گھیر لیتا ہے، (رواہ البغوی)

یہ سات چیزیں تمام گمراہیوں کی اصول ہیں جن کے مٹانے کے لئے سلسلہ وار انبیاء علیہم السلام دنیا میں آئے گئے اور تمام کتب آسمانی بلکہ جمیع کتب حکمت واخلاص انہی سات چیزوں کی شرح ہیں۔خود قرآن مجید نے مختلف عنوان سے اس کو بیان کیا ہے، چنانچہ ایک جگہ ایک ہی جملہ میں اس کو ختم کر دیا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔جس نے اپنی روح کو پاک اور منور کیا تو اس نے مراد پائی اور جس نے آلودہ کیا اس نے خسارہ اٹھایا اور ایک جگہ اس نجات اور ابدی حیات کو اور لطف کے ساتھ بیان فرمادیا: فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝ ۔کہ جو چاہے اپنے رب تعالیٰ کے پاس آنے کا ٹھکانہ بنالے اور ایک جگہ اور خوبی سے اس کو ادا کر دیا: يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ، کہ اے انسان تو اپنے رب کی طرف کھٹ کھٹ کر چلا آتا ہے آخر اس کے پاس پہنچے گا وغیرہ ہا من الآیات۔

پس جب انسان ان ساتوں کو چھوڑ کر ان کے برخلاف میں جو سات عمدہ اصول ہیں، ان کی طرف منہ موڑتا ہے تو مقصود اصلی کو پہنچ جاتا ہے اور سعادت عظمیٰ پاتا ہے۔پس ان آیات میں خدا تعالیٰ نے اپنے پاس آنے کا راستہ اس طرح سے بتایا کہ خدا تعالیٰ کی حمد وثنا ان صفات کے ساتھ کرو تا کہ روح منور ہو جائے اور جناب قدس تک گزر ہو جائے اب ہم یہ بتلاتے ہیں کہ کون سے جملے سے کس بات کی طرف اشارہ ہے۔

**تمام خوبیاں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہیں:**..... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (کہ تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں) میں اول بات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حمد اس ثناء وصفت کو کہتے ہیں کہ جو کسی شخص کے کمالات ذاتیہ واختیاریہ کی وجہ سے زبان پر آئے، جس طرح کہ مدح کمالات غیر اختیاریہ اور حمد اختیاریہ پر۔موتی کی صفائی اور کسی مکان وغیرہ غیر ذی عقل کی صفائی وزیبائی کو جو بیان کریں گے تو اس کو مدح کہیں گے۔نہ کہ حمد اور شکر کسی انعام واکرام کی وجہ سے ہوتا ہے خواہ زبان سے ثناء وصفت کر دی جائے یا کوئی تعظیم کا کام کر دیا جائے یا دل ہی میں خوشنودی پیدا کی جائے۔شکر اور حمد میں عموم وخصوص من وجہ ہے۔جو حمد کہ کسی انعام واکرام کی وجہ سے ہو وہاں اس کو شکر بھی کہہ سکتے ہیں۔پس جب بندہ نے دل سے یہ کہا کہ صحیح اعتقاد کیا کہ تمام خوبیاں خدا کے لئے ہیں تو خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کمالیہ کا اقرار پایا گیا، دہریہ پن جاتا رہا اور جب کہا رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ وہ تمام عالم کا پرورش کرنے والا ہے، اس سے دوسری اور تیسری بات جاتی رہی، کس کہ لئے کہ عَالَم بروزن فَاعَل بالفتح اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس سے دوسری چیز کا علم حاصل ہو جائے اور وہ خدا تعالیٰ کی ذات صفات کے سوا ہر موجود ومخلوق کو شامل ہے کیونکہ ان سے ان کے پیدا کرنے والے خدا تعالیٰ کا علم حاصل ہوتا ہے۔دیکھیے جب ہم کسی تخت یا مکان کو دیکھتے ہیں تو ہم کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ ضرور اس کا بنانے والا کوئی بڑھئی اور معمار تھا کہ جس کے ہاتھ سے یہ بنے ہیں۔اسی طرح مخلوقات کو غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ضرور کوئی قادر بے چوں وبے چگوں اس کو عدم سے ہستی میں لانے والا ہے۔پھر اس

عالم کے بے شمار انواع و اقسام ہیں۔

**عالم کے انواع و اقسام:**۔۔۔۔عالم مجردات یعنی وہ چیزیں کہ جو جسم میں عنصری اور جسم میں ساوی سے بری ہیں اور ہم کو بسبب لطافت کے دکھائی نہیں دیتیں (جس طرح عالم عنصری میں ہوا لطافت سے دکھائی نہیں دیتیں، جیسا کہ ملائکہ اور ارواح)۔

عالم جسمانیت۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں: عالم علویات، جیسا کہ آسمان اور آفتاب و ماہتاب اور ستارے اور عالم سفلیات۔، پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک عالم لطیفات یعنی وہ چیزیں کہ جو بسبب لطافت کے دکھائی نہیں دیتیں جیسا کہ ہوا اور کرہ آتش و دیگر بسائط کہ جو علوم جدید سے ثابت ہوئے ہیں اور وہ چیزیں جن کا مادہ صرف یہ لطیف عناصر ہیں یا یہ غالب ہیں جیسا کہ جن اور شیطان اور دیگر مخلوقات الٰہی کہ جن کو ہم نہیں جانتے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔

دوسرا عالم کثیفات۔ پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں: عالم مفردات جیسا کہ پانی اور خاک۔ عالم مرکبات، پھر اس کی چار قسمیں ہیں: عالم کائنات یعنی وہ چیزیں کہ جو زمین سے اوپر ہیں، جیسا کہ ابر اور اولے اور قوس و قزح وغیرہ چیزیں۔ دوم: عالم جمادات یعنی پہاڑ اور دیگر معدنیات چاندی، سونا، ہیرا، بلور وغیرہ سوم: علم نباتات یعنی درخت، گھاس پوس اور جڑی بوٹیاں۔ چہارم: عالم حیوانیات یعنی انسان، گدھا، گھوڑا، درند، پرند، جاندار چیزیں خواہ بری ہو خواہ بحری، ان آخری تینوں چیزوں کو موالید ثلاثہ کہتے ہیں ہیں۔ اب سب میں عالم انسان کو اشرف ہے، بلکہ اپنے روحانی علاقہ سے تو ملائکہ سے بھی دو چار قدم آگے ہیں۔ پس جب ان سب کو جمع کر کے خدا تعالیٰ نے رب العالمین کہا تو کوئی چیز اس کی تربیت اور پرورش سے خالی نہ رہی اور تربیت یہ ہے کہ درجہ بدرجہ کسی چیز کو پورا کیا جائے اور اس کے اس کمال تک کہ مقدر ہے، پہنچایا جائے اور عالم محسوسات میں تو آپ کو بھی صدہا بلکہ ہزاروں چیزوں کا درجہ بدرجہ پورا ہونا اور تربیت پانا مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے۔

**ایک عمدہ مثال:**۔۔۔۔سب سے اول اشرف المخلوقات انسان ہی کو دیکھئے کہ اول غذا سے نطفہ بنتا ہے، پھر عورت کے پیٹ میں علقہ، اور مضغہ بن کر پورا بچہ باہر آتا ہے پھر ایک ہی بار جوان اور قوی نہیں ہو جاتا بلکہ رفتہ رفتہ اس طرح سے کہ پہلے بیٹھنے لگتا ہے، پھر گھٹنوں چلتا ہے، پھر دیوار پکڑ کر کھڑا ہوتا ہے، پھر بڑھتے بڑھتے داڑھ مونچھ آ کر قوی جوان ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح منزل بمنزل بے اختیار گھٹتا چلا جاتا ہے اور یہی حال سب چیزوں کا ہے خواہ وہ ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں۔

**دلیل کے تمام مجموعہ عالم حادث ہے:**۔۔۔۔اب میں آپ کے روبرو ایک ایسی دلیل بیان کرتا ہوں کہ جس سے آپ کو تمام عالم کے مجموعہ کا حادث ہونا خوبی معلوم ہو جائے۔ عالم یعنی خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے سوا جو کچھ ہے وہ جوہر ہے یعنی بذات خود قائم، جیسا کہ درخت و پتھر یا عرض کہ جو کسی اور کے میں ہو کر پایا جاتا ہے، جیسا کہ رنگ سیاہی سفیدی کو بغیر کسی جسم کے پائی نہیں جاتی اور ان میں سے ہر ایک حادث ہے اگلی پہلے معدوم تھا پھر موجود ہوا اور جب عالم کے دونوں جزو حادث ہوئے تو مجموعۂ عالم بھی حادث اور ہر حادث کے لئے ایک محدث یعنی پیدا کرنے والا ضرور ہے، کس لئے کہ جب تمام عالم حادث ہوا تو قطعاً ضروری الوجود نہیں ورنہ عدم کو قبول کرنے کے کیا معنی بلکہ وجود و عدم اس کی ترازو کے دونوں پلے مساوی ہیں۔ پس کوئی مرجح یعنی اس وجودی پلہ کا جھکانے والا ضرور وہ ہے اور وہ عالم سے الگ ہے اور علم کے جمیع اوصاف و خصائص سے بھی اسی طرح مبائن ہے کہ جس طرح اپنی ذات میں مبائن ہے۔ اب رہا یہ ثبوت کہ کل اعراض حادث ہیں، سو وہ یوں ہے کہ بعض کا حادث ہونا تو مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے کہ تاریکی چلی گئی، روشنی ہو گئی اور سبز پتا سفید ہو گیا اور بعض کا یوں کہ ہر عرض قابل عدم ہے اور جو قابل عدم ہے وہ قدیم نہیں اور جو قدیم ہے وہ حادث نہیں اور جو کل جواہر کو حادث ہونا بھی ظا

ہر ہے، کس لئے کہ کوئی جوہر ایسا نہیں کہ جس پر کوئی نہ کوئی عرض سوار نہ ہو اور نہیں تو حرکت وسکون سے تو کوئی بھی خالی نہیں کیونکہ اگر دو آن تک ایک جگہ میں ہے تو ساکن ورنہ متحرک۔ پس جو حوادث کا محل ہے، وہ خود بھی حادث ہے ورنہ قدم حادث لازم آئے گا۔

اس کے سوا اور بھی صدہا دلائل اور براہین اس امر پر ہیں کہ جن کہ ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ پس جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ تمام عالم حادث ہے تو اس میں بھی شک نہ رہا ہوگا کہ یہ ممکن ہے اور ممکن تو ہروقت اپنی ذات وصفات میں عاجب واجب تعالیٰ کا دست نگر رہتا ہے یعنی ہر ساعت وہر لحہ ہر بات میں فقیر کی طرح اس کی طرف جھولی پھیلائے رہتا ہے اور وہ رحمٰن ورحیم اس میں خزانہ غیب سے وجودات اور صفات اور کل حاجات کے ٹکڑے ڈالتا رہتا ہے تاکہ ہروقت اس کو اس سے ارتباط واحتیاج رہے اور ایک بارگی حاصل کر کے دعوٰئے استقلال نہ کرنے لگے اور خدائی کا دم نہ بھرنے لگے اور اس احتیاج ہمہ وقت کے روا کرنے کو تربیت اور اس کو روا کرنے والے کو رب کہتے ہیں اس عمدہ مطلب کو (کہ جس پر حکماء عقلاء دلائل وبراہین لانے میں بڑی مشقت اٹھاتے ہیں) کس سہل طور پر ایک لفظ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں بیان کر دیا کہ جس کو عالم وجاہل، حکیم وفلاسفر برابر سمجھتے ہیں اور جس کو اونٹ وبکری چرانے والے عرب کے بدو بھی سمجھ کر حظ اٹھاتے تھے کیونکہ تمام عالم میں اکثر چیزوں کا مربی ہونا تو مشاہدہ سے معلوم ہے اور باقی چیزوں کی نسبت عقل یہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ جب وہ بھی ممکن ہیں تو پھر جس طرح ان کو ہروقت احتیاج ہے، ان کو بھی کوئی ترجیح کی وجہ معلوم نہیں، پس اس لفظ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے چند امور ثابت ہوئے۔

**لفظ رب العٰلمین سے ثابت شدہ چند امور:** ......۱)...... خدا تعالیٰ کی ذات مقدسہ کا اور اس کے تمام صفات کمالیہ کو ثبوت، کس لئے کہا اس عالم گوناگوں کی تربیت بغیر حیات، قدرت، قدرت، علم ارادہ، سمع، بصر، کلام۔ تکوین اور پھر رازقیت۔ رحمت۔ حلم وغیرہ کے نہیں ہو سکتی اور تمام حدوث اور نقصان کی باتوں سے بری ہونا کیونکہ ممکن ہے اور واجب اور رب اور مربوب میں تغائر ذاتی ہیں۔ پس جہالت، عجز، حدوث، کھانے، پینے، سونے، چلنے اور پھرنے سے وہ پاک ہے۔ اسی طرح جورو بنانے، بچہ جنانے اور مجسم ومشکل ہونے اور کسی مکان خاص میں اور زمانے میں پائے جانے، سب سے پاک ہے کیونکہ یہ باتیں مربوب کا حصہ ہیں نہ کہ رب کا۔

۲)...... یہ کہ اس کا نہ کوئی شریک ہے، نہ سہیم، نہ ہم جنس۔ نہ ہم کفو۔ نہ باپ، نہ بیٹا۔ کس لئے کہ اب جو کوئی دوسرا ہوگا تو عالم میں داخل مخلوق ہوگا اور جب کہ وہ ایک عالم بلکہ عالموں کا رب ہے تو پھر اس کا شریک وسہیم کب ہے؟ یہاں سے توحید کا کامل ثبوت ہو گیا۔

۳)...... یہ کہ مخلوقات کو جس طرح اپنے خالق کی طرف ابتداء وجود میں احتیاج ہے، اسی طرح بعد وجود کے بھی ہروقت ہر بات میں اس کی دست نگر اور محتاج ہے۔ جیسا کہ لفظ تربیت باآواز بلند کہہ رہا ہے۔ پس جو مستقل مانتے اور اسباب شروط کو مستقل بالتاثیر جانتے ہیں محض تاریکی جہالت اور وادی ضلالت میں پڑے ہیں۔

۴)...... عالم بلکہ جس قدر عالم مقدرۃ الوجود مانے جائیں، ان میں سے کوئی فرد اور کوئی جز و ایسا نہیں ہے کہ اپنے کسی کمال یا وصف جلال سے اس مرتبہ کو پہنچ جائے کہ وہ اس کی ہروقت کی دست نگری سے آزاد ہو جائے، پس جب خود ہروقت محتاج ہے تو پھر اور کسی کی کیا حاجت روائی اور براوری کر سکتا ہے؟ پھر اس کی پرستش وعبادت اور اس سے سوال واستعانت خام خیال اور روح کے لئے وبال جان ہے۔ سبحان اللہ ایک لفظ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں اول اور دوسری اور تیسری اور چوتھی صورت ظلمت روح کو کس طرح سے مٹا کر کس طرح منور فرما یا ہے بلکہ اسی لفظ میں پانچویں برکت کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ جو رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے تو اس کو نہایت مہربان اور رحیم ہونا بھی لازم ہے ورنہ تربیت ممکن نہیں اور جب وہ مہربان اور ہروقت تربیت کرنے والا ہے تو یہ خیال کر کے دل از حد اس سے محبت کرے گا اور جان سے

بھی زیادہ سمجھا جائے گا۔لیکن اس بات کی طرف لفظ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں اور بھی صراحت کر دی۔پس جو اس کو رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سمجھے گا اور پھر اس کے ساتھ ہی رحمن و رحیم کے معنی بھی دل پہ نقش ہوں گے تو ایک دریائے محبت جوش میں آئے گا اور شعلہ عشق بندہ کے دل میں بھڑکے گا اور جہاں عقل کے ذریعہ سے برسوں میں پہنچتا ہے، وہاں عشق کی بدولت ایک لحہ میں وصال ہوتا ہے۔

**رب تعالیٰ کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئی ہے:**۔۔۔۔۔دیکھئے کہ جب بچہ اپنی ماں سے عاقلانہ طور پر سوال کرتا ہے تو وہ اس سے اسی دانشمندی سے پیش آتی ہے اور جب وہ اچھی میری اماں، اچھی میری اماں کہہ کر گلے سے چمٹ جاتا ہے تو پھر اس کے دل میں بھی محبت کا بے حد جوش پیدا ہوتا ہے۔پس یہی حال بندہ کا خدا سے ہے۔جب یہ ایک بار جوش محبت میں یا ربی کہتا ہے تو وہاں سے پے در پے عبدی عبدی کی آوازیں آتی ہیں۔چنانچہ خود فرماتا ہے: وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ کہ میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے اور فرماتا ہے مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ کہ اگر تم ایمان لاؤ اور شکریہ ادا کرو تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔

**روزِ جزاء کا مالک:**۔۔۔۔۔اور جب کہ رحمت پر زیادہ نازاں ہونا باعث جرأت تھا تو اس ترازو کو برابر کرنے کے لئے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی فرمادیا اور اس میں پانچویں اور چھٹی اور ساتویں بات کی طرف اشارہ ہے، کس لئے کہ انسان جب مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے معنی پر نظر رکھے گا، نہ تو انکار قیامت کرے گا اور نہ عدم سزا و جزا کا قائل ہوگا اور نہ تناسخ کو دھیان میں لائے گا اور جب اس دن کا اس کو مالک مختار سمجھے گا تو مخلوق میں سے کسی چیز کو بھی اس امر میں حصہ دار نہ جانے گا۔نہ حضرت مسیح علیہ السلام کو، نہ کسی غوث پیر و ولی و نبی کو، نہ فرشتہ کو کیونکہ یہ وہ روز ہے کہ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ جس میں خدا تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی بات بھی نہ کر سکے گا اور جب خدا تعالیٰ کے رو برو جانے اور اس روز کی حکومت میں حاضر ہونے کو دل میں جمادے گا تو ادنیٰ گناہ سے بھی اس کے دل میں لرزہ آئے گا۔پھر شتر بے مہار ہو کر لذائذ دنیا میں مستغرق ہونا اور فسق و فجور میں عمر کھونا تو کجا ایسی باتیں وہی کرتے ہیں جو قیامت سے نہیں ڈرتے۔اس تھوڑے سے کلا م میں تمام مضامین ہدایت کو ختم کر دیا اور تین آیتوں میں بے شمار الہامی اور روح کو زندہ کرنے والی باتوں کو بھر دیا۔اب جو کوئی اس کلام سے واقف ہو کر ان الفاظ سے خدا تعالیٰ کی ثناء و صفت کر کے اس کو یاد کرے گا، بالخصوص نماز میں کہ جہاں طہارت جسمانی بھی ہے اور پھر ہر عضو سے مضمون محبت بھی ادا کیا جاتا ہے، کبھی دست بدست کھڑے ہو کر یہ کلام منہ سے بولتا ہے، کبھی شوق میں آ کر پاؤں پڑتا ہے تو اس قدر دل میں پر انوار الٰہی اور فیوض لامتناہی فائض ہوں گے کہ بیان سے باہر ہیں۔اس مطلب کے علاوہ اور اس کلام میں جو کچھ اسرار بے شمار ہیں، ہم دو ایک اسرار بطور نمونہ بیان کرتے ہیں۔

**سورۂ فاتحہ کی ابتدائی آیات کے درمیان ربط:**۔۔۔۔۔۱) یہ کہ ہر ایک جملہ ایک دوسرے سے زنجیر کے حلقوں کی طرح مربوط ہے گویا ایک دوسرے کی دلیل ہے۔چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (کہ تمام تعریفیں اور خوبیاں خدا تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔) یہ ایک بڑا بھاری دعویٰ ہے کہ جس کا منکر انکار کر سکتا ہے کہ بعض خوبیاں فلاں کے لئے بھی ہیں یا سرے سے ہم اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے یا ان خوبیوں کا خدا تعالیٰ کے لئے ثبوت نہیں مانتے۔پس جب اس کے بعد رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہا تو ان تمام شکوک کو بڑی دلیل قوی سے دفع کر دیا (جیسا کہ آپ جان چکے ہیں) پس جب اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہا تو گویا کہ تمام عالم کے رب ہونے کے لئے کامل شہادت ادا کر دی، کس لئے کہ تمام عالم کی پرورش اسی کا کام ہے جو رحمٰن و رحیم ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ تربیت باختیار خود کرتا ہے نہ کہ بہ مجبوری، جیسا کہ حکمائے یونانا سمجھتے ہیں اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ گویا اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے لئے تتمہ اور تکملہ ہے، کس لئے کہ گویا دنیا کی لاکھوں نعمتیں اور بے

شمار خوبیاں کسی کو اس کی رحمت سے حاصل ہو جائیں مگر تا بہ کہ آخر غریبانہ اس ملک سے جان اور ہر چیز کو چھوڑ کر جانا ہے کیونکہ یہ ترکیب ❶ اجسام ایک روز مضمحل ہونے والی ہے۔ یہ خاک کا گھر مٹی میں ملنے والا ہے ہمارے بدن کے وہ حالات کہ جو تیس برس یا چالیس برس بعد پیش آتے ہیں زبانِ حال سے یہ خبر سناتے ہیں ادھر بال سفید ہونے لگے، ادھر چہرے کی تازگی میں فرق آنے لگا۔ آنکھ کان بھی جواب دینے لگے۔ سب کیل پرزے ڈھیلے ہونے لگے۔ طبیعت اپنے کاروبار سے معطل ہونے لگی۔ ایک دن بلبلہ سا بیٹھ گیا، سب عیش و آرام خواب خیال ہو گئے۔ سب نعمتیں جاتی رہیں۔ پس جب تک اس عالم میں سب نعما اور ہر طرح کی فرحت نصیب نہ ہوئی تو کچھ بھی نہ ہوا۔ پس مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہونا اس رحمت کو کمال تک پہنچا دینا ہے کیونکہ مالکِ روزِ جزا وہاں یہاں سے بڑھ کر دے گا اور اس غیر متناہی زمانے میں بہت کچھ سلوک اور احسان کرے گا۔ یہ کمالِ رحمت ہے۔

۲)...... یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ نبی بندوں اور خدا تعالیٰ کے درمیان ایک واسطہ ہے کہ جو بندوں کو خدا تعالیٰ سے ملاتا ہے اور باہم میل جول پیدا کرتا ہے۔ پس اسا کلام میں کہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے، اس رابطہ اور میل کے متعلق تمام اہم باتیں اجمالاً اور تفصیلاً ہوتی ضروری ہیں اور اس باہم ارتباط اور رشتہ کا مدار چند چیزوں پر ہے۔

## نبی بندوں اور رب تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے اور اس ربط کا مدار چند چیزوں پر ہے

اول: یہ کہ خدا تعالیٰ کی ذات اور جمیع صفات کا بندوں کو یقین کرائے اور مشاہدہ سا کر کے دکھائے، نہ یہ کہ صرف بیان غیر کافی اور دعویٰ غیر شافی پر بس کرے اور یہ بات عالم اور جاہل، حکیم و فلاسفر سب کے حصہ میں علیٰ قدر استعداد اتہم باران رحمت کی طرف آئے، سوائے عنادی اور ازلی کور باطنوں کے ہر شخص اس سے پورا فیض پائے، سو یہ بات اس وقت کی جب سلسلہ نبوت کو تمام کرنا منظور ہو، از حد ضروری ہیں اور یہ بڑی بھاری بات ہے بلکہ جس شخص رہنمائی کا بیڑا اٹھائے اور سلسلہ نبوت کا خاتم ہو، اس کے لئے معجزہ ہے اور یہ اول امر اس لئے ضروری ہے کہ انسان کی جبلی عادت ہے کہ وہ غیر محسوس چیز کا مشکل سے قائل ہوتا ہے اور ذات باری بھی محسوس نہیں، اس لئے سینکڑوں ملحد اس وادی شکوک میں سر ٹکرا کر مر گئے اور سینکڑوں کی آنکھوں پر ظلمات کے پردے پڑ گئے اور یہ مقتضی جسمانی اور اثر شیطانی ہے۔

دوم: وہ نبی اپنے نور نبوت سے اس عالم کی ابتدا اور انتہا اس طرح دکھا دے کہ عقل کے نزدیک جس طرح اس چیز کی ابتداء انتہا میں کہ

---

❶...... ترکیب اجسام کے لحاظ سے سب سے زیادہ بے بنیاد یہ نرم جسم حیوانات ہے۔ پھر جمادات۔ اس لئے دنیا میں جس قدر جمادات کی عمر ہے، وہ حیوانات و نباتات کی نہیں۔ یہ جمادات وہی ہیں کہ جو قدرتی ترکیب سے مرکب ہیں، جیسا کہ چاندی۔ سونا۔ ہیرا۔ وغیرہ ورنہ ترکیب صناعی کو وہ استحکام کہاں۔ شاہجہانی عمارتیں بھی سو سال بعد ملنے لگتی ہیں۔ ایک دوست کا مکان دیکھنے کا مدت بعد اتفاق ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ ہر جگہ چونا جھڑ گیا ہے، دیواروں میں دڑاڑیں پڑ گئیں۔ نہ کمرے پر وہ رونق ہے نہ کڑی تختہ کا وہ حال ہے۔ یہ دیکھ کر ترکیب انسان کی طرف دھیان آیا کہ اسی طرح یہ گل بھی مرجھا جاتا ہے اور اس خانہ تن کا نقشہ چند روز میں کیسا بگڑ جاتا ہے،

صد حیف کہ گل بدن رخاں کفن پوش شدند ☆ وز خاطرِ یک دگر فراموش شدند

آنانکہ بصد زبان سخن می گفتند ☆ آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند

ہر چند احباب و اقارب کی وہ شکلیں جو ہمارے روبرو خاک میں مل گئی تھیں ہماری آنکھوں کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور بے اختیار دل آنکھوں سے آنسو ہو کر بہنے لگا

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم! ☆ تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے؟

اس بے بنیاد ہستی میں یہ کچھ غفلت اور خرمستی اور مصائب پر بے قراری اور دکھ پر آہ و زاری۔

اے شمع! صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لیے ☆ تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گذر دے

اس مضمون کو قرآن مجید نے اکثر مقام پر بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے ایک جگہ گھاس کے ساتھ تشبیہ دے کر بے ثباتی بیان کی ہے جیسا کہ فرماتا ہے: كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا الآیہ منہ۔

جس کو اپنے روبرو بنتے بگڑتے دیکھا، کوئی شک نہیں رہتا۔ ایسا ہی مجموعہ کائنات کی ابتداء انتہا میں کوئی شک باقی نہ رہے تاکہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو قابل عبادت نہ سمجھے، نہ کسی سے مدد مانگے، نہ کسی کو الوہیت کا حصہ دار جانے اور یہاں کی ہر چیز کو فانی اور نعماء دنیا اور مصائب دہر کو آنی جانی جان کر ہر حال میں اسی کا خیال رکھے اور اپنے آپ کو مسافر تیز رو جانے کیونکہ تمام اصول سعادت اسی پر موقوف ہیں۔

(سوم) یہ کہ خدا تعالیٰ سے وہ محبت پیدا کردے کہ جو عقل سلیم کے نزدیک اور کسی کے ساتھ جائز نہ ہو، یعنی ہزار جان دل قربان ہونے کو اس پر آمادہ رہے کہ جس کو عشق یا حقیقی محبت کہتے ہیں، نہ یہ کہ صرف زبان سے یہ کہہ کر بس کرے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرو اور ایسی محبت کرو کیونکہ سب سے آخر روحانی حکیم کا یہی کام نہیں کہ وہ یہ کہہ کر چلا جائے کہ تندرستی حاصل کرو اور بیماری کو دفع کرو، بلکہ اپنی تدبیر خجستہ سے علاج کر کے مرض کو زائل کردے، اس لئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کہ یہی علت غائی ہے اور مقصود اصلی ہے۔

(چہارم) یہ کہ نیک چلنی اور تمام دینی اور دنیوی کاروبار میں راہ راست کو اختیار کرنے پر پہلے لوگوں کو اچھے برے حالات اور ان کے نیک و بد نتیجہ کو یاد دلا کر خوب آمادہ کیا جائے کہ ان کے دل میں بری باتوں کا خوف اور نیک باتوں کا شوق پیدا ہو جائے اور جس طرح دنیاوی کاروبار کو کسی نتیجہ پر یقین کرنے اور ان کے بجالانے میں جو کچھ مشقت اٹھاتے ہیں، اس نتیجہ کے شوق میں اس کو خاطر پر نہیں لاتے ہیں، اسی طرح ہر عمل کا نتیجہ نیک و بد لوگوں کے روبرو ہر وقت تصویر بن کر کھڑا رہے جس سے وہ از خود نیک عمل بجالانے اور برے کاموں سے بچنے میں سعی کریں۔ نہ یہ کہ فقط اسی بات پر بس کرے کہ فلاں کام کرو اور فلاں کام نہ کرو اور پہلے لوگوں کی کہانیاں کہہ کر قصہ خوانوں کی طرح اپنی محفل کا رنگ جمائے اور وہ نبی بلا سود اپنی کتاب کو روزنامچہ یا تاریخ بنادے۔ یہ وہ چار اصل الاصول ہیں کہ جن پر عقلمند عین اپنی آنکھوں سے صاد کرتے ہیں اور جن کی خوبی کا ہر اہل مذہب دم بھرتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ:

ان چاروں کو خدا تعالیٰ نے کس خوبی کے ساتھ اپنے تھوڑے سے کلام میں بیان کردیا کہ جس کو ذرہ بھی سمجھ ہو تو وہ بھی اس کلام مقدس پر سو جان سے ایمان لائے۔ (اول) امر کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں مشاہدہ کرادیا کیونکہ تمام عالم درجہ بدرجہ کمال کو پہنچتا ہے اور اس کا ہر جز وقتاً فوقتاً پرورش پاتا ہے، جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں اور مشاہدہ بھی اس کی تائید کر رہا ہے تو اب اس عالم اور مجموعہ کائنات سے علیحدہ ایک شخص کے موجود ہونے میں کہ جو مربی اور قادر اور علیم اور حکیم، مرید و سمیع و بصیر، رحمٰن و رحیم ہے، البتہ اس عقل کے اندھے کو شک ہوگا کہ جو کسی تخت و کرسی کو دیکھ کر اس کو بنانے والے کے وجود اور صفات صنعت و قدرت میں شک کرتا ہے، ورنہ عقلمند کو تو مشاہدہ سے بڑھ کر اس بات کا یقین ہوگا۔ دیکھئے جب کوئی کسی پردہ کے پیچھے دیوار بنائے اور رفتہ رفتہ چن کر اس کو تیار کرے، پس اس دیوار کی حالت دیکھنے والے کو اس شخص کے وجود کا ایسا ہی یقین ہوگا کہ جس طرح اس کو عیاناً دیکھنے سے ہوتا ہے اور اس کی صفات اور اس دیوار کے حدوث میں کوئی شک باقی نہیں رہے گا، اسی طرح جو شخص ہر چیز کو خدا تعالیٰ ہی کے ید قدرت سے پرورش پاتے اور گھٹتے اور بڑھتے دکھتا ہے وہ بھی اس ذات اور صفات کے اعلیٰ درجہ ہونے کا یقین رکھتا ہے، اگرچہ یہاں پہ بھی اس کے صفات معلوم ہوتے تھے مگر الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۗ میں اور کھول دیا اور مشاہدہ کر کے دکھادیا۔ اب غور کیجئے کہ یہ برہان مفید ہے یا یہ کہنا کہ ابتداء میں خدا تعالیٰ نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا:...... الخ جیسا کہ سب سے اول توراۃ میں کہا گیا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں، کس لئے کہ اس کو تو وہی مانے گا جو خدا تعالیٰ کا قائل اور الہام کا بالخصوص اس کلام کا مقرر ہوگا، ورنہ وہ یہ کہ سکتا ہے کہ جائز ہے کہ آسمان و زمین قدیم ہوں اور خدا تعالیٰ موجود نہ ہو۔ بخلاف اس عبارت قرآنیہ کے کہ اس نے منکر و ملحد کے تمام شکوک و شبہات کی جڑ اکھاڑ دی اور اس بات کو اس قوی برہان سے ثابت کردیا گویا مشاہدہ کرادیا۔ لہٰذا اس لئے بھی قرآن کا نازل ہونا ضروری تھا اور دیگر کتب اناجیل وغیرہ میں تو اتنا بھی نہیں، جیسا کہ ہم ہر

کتاب کا سرنامہ لکھ کر آپ کو ابھی دکھاتے ہیں۔

امر دوم کو بھی اس جملہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ سے مشاہدہ کروا دیا، کس لئے کہ جب عقل نے اپنی آنکھوں سے ہر وقت عالم کو ایک غیر شخص کا محتاج دیکھ لیا کہ جو غیب سے اس کو ہستی کا حصہ عطا کرتا ہے اور یہ ہر آن اس کی تربیت سے فیض اٹھاتا ہے تو اب اس کے حادث ہونے میں اور اس کی ابتداء اور انتہاء میں کیا شک باقی رہ گیا۔ یہ بات بھی ایسی فطری الیقین ہے کہ جیسی پہلی بات۔ اس برہان تربیت پر جو شخص ذرا بھی غور کرے گا تو اپنی عقل کی دونوں آنکھوں سے جس طرح خدا تعالیٰ کو بجمیع صفات مشاہدہ کرے گا اسی طرح اس کے مربوب و مصنوع عالم کے احتیاج اور حدوث اور فنا پذیر ہونے کو دیکھ لے گا۔ ایک بڑا حکیم اور فلسفی جو فن الہیات میں بے شمار دلائل سے ان دونوں باتوں کو ثابت کر کے لطف اٹھائے یا کوئی صاحب قوت روحانی اپنے مکاشفہ اور نور نبوت سے یہاں تک پہنچ جائے تو اس کا علم اور یقین اس امر میں اس سے زیادہ نہ ہوگا جو اس کلام اور اس برہان سے فیض پانے والے کو حاصل ہے، تورات کا جملہ مذکورہ تو اس امر میں اسی نقصان پر ہے جو پہلے امر میں تھا، دیگر کتابوں میں تو اتنا بھی نہیں ہے، یہ بھی نزول قرآن کے لئے ایک بڑی ضرورت تھی۔

**محبت کی دو قسمیں ذاتی وصفاتی:**۔۔۔۔۔امر سوم کو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳'' سے ثابت کیا بلکہ دلوں میں جما دیا، کس لئے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں: ایک ذاتی کہ بغیر طمع کسی نفع کے اس کی ذات مقناطیسی کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ دوسری صفاتی کہ کسی سے پہلے حقوق اور حال کی نعمتوں اور آئندہ کی امیدوں سے محبت کی جائے، پھر صفاتی کی تین قسمیں ہیں: ایک پہلے حقوق کے لحاظ سے، دوسرے حال کی بخششوں اور نعمتوں سے، تیسرے آئندہ کی بہتری اور ہر قسم کی بھلائی کی امید سے اور تمام دنیا کی محبتوں کو بھی جو آپ غور کریں گے تو وہ انہیں میں سے ایک محبت ہوگی۔ پس کسی کے دل میں محبت پیدا کرنے کی یہی صورت ہے کہ یا اس کو جلوۂ ذات دکھایا جائے یا ان تینوں صورتوں میں سے ایک کو بھی یاد دلایا جائے بلکہ صفحۂ دل پر لکھ دیا جائے اور جہاں کہ جلوۂ ذات دکھایا جائے۔ یا ان تینوں صورتوں میں سے ایک کو یاد دلایا جائے بلکہ صفحہ دل پر لکھ دیا جائے اور جلوۂ ذات اور تینوں حالات بھی سامنے کھڑے کر دئے جائیں تو وہاں محبت کا کچھ ٹھکانا نہیں اس کے مقابلہ میں زبانی محبت کا حکم دینا وہ نسبت رکھتا ہے کہ جو کسی پیاسے کو برف کے شربت پلانے سے زبانی پانی پیو، پانی پیو، پھر پانی پیو نسبت رکھتا ہے۔

پس اس امر کو خدا تعالیٰ نے ان تینوں جملوں سے دلوں پر نقش کر دیا اور ہر قسم کی محبت سے ان کو بھر دیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں تو اپنی ذات مجموعہ صفات کا جلوہ دکھا کر ذاتی محبت کا پیالہ پلا دیا۔ اور رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں حقوق سابقہ ولاحقہ تربیت و حاجت روائی کو یاد دلا کر شیدا بنا دیا اور اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے اپنی ہمہ وقت رحمت و عنایت کا امیدوار بنا کر مفتون کر دیا اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے تو آخرت کی نعماء باقیہ اور عنایات غیر متناہیہ کا نقشہ دل پر جمع کر اپنا دیوانہ کر دیا اور اسی لئے ایک جگہ قرآن مجید میں اس کلام پر ایمان لانے والے کی نسبت یہ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے سب چیزوں سے زیادہ محبت رکھتے ہیں اور بھی کئی جگہ اسی طرح پر ارشاد ہے۔

**محبت اطاعت کا تقاضا کرتی ہے:**۔۔۔۔۔اس وقت جو لوگوں نے الہامی کتاب فرض کر رکھی ہیں ان میں اس اہم مسئلہ کا پتہ بھی نہیں چنانچہ ان کے سرناموں سے آپ کو معلوم ہوگا اور جو کہیں بیچ میں ذکر بھی ہے تو صرف محبت کرنا فرمایا ہے، نہ محبت کا طریق بتلایا ہے، نہ ان کو دلوں میں جمایا ہے۔ اسی لئے جس قدر اس امت محمدیہ میں محبان خدا تعالیٰ گزرے ہیں اور اب بھی ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے، کسی اور مذہب میں سوواں حصہ بھی نہیں کیونکہ محبت کا نتیجہ اول تو پوری پوری اطاعت ہے، جیسا کہ فرمایا ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ کہو کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا کہا مانو کیونکہ اطاعت رسول عین اطاعت الٰہی ہے۔ سو یہ فرمانبرداری اور

جانثاری جس قدر اس امت میں اپنے رسول کے لئے پائی جاتی ہے، اس کا بیسواں حصہ بھی کسی میں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کی سرکشی تو ضرب المثل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواری گو مطیع تھے مگر حضور ﷺ کے صحابہ سے کیا نسبت، جنہوں نے حضور ﷺ پر اپنی جان کو تہلکہ میں ڈال کر خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے بڑے استقلال سے مقابلہ کیا اور مسیح علیہ السلام کے ایک حواری نے تو چند روپے لے کر ان کو دشمنوں کے پنجے میں پھنسا دیا اور حضرت شمعون اور پطرس اور دیگر حواری کافور ہو گئے، (جس پر عیسیٰ علیہ السلام نے سب کو بے ایمانی اور سخت دلی کو لقب عطا کیا (انجیل مرقس، باب ۱۶) اور اخیر مرتبہ محبت کا یہ ہے کہ اس شوق میں اپنی جان اور جسم کو اس پر فدا کر دے اور اس کے وصال کا طالب ہو۔

خرم آن روز کزین اور منزل ویراں بروم ☆ راحت جان طلبم وسوئے جاناں بروم

درہوائے رخ تو اور ذرا تو صفت رقص کناں ☆ تا لب چشمۂ خورشید درخشاں بروم

اس مرتبہ کو زبان شریعت میں شہادت اور عرف طریقت میں ''فنافی اللہ'' کہتے ہیں، اس محبت الٰہی میں اسلام نے یہاں تک ترقی کی کہ مرنے، جینے، کھانے، پینے، ہر کاروبار میں اسی کا وسطہ اور اسی کا ذکر مقدم سمجھا جاتا ہے۔

کارِ ما عشق و بارِ ما عشق است ☆ حاصل روزگار ما عشق است

اور شہداء اور اولیاء اللہ اس امت میں انبیاء بنی اسرائیل کے ہم پلہ گزرے ہیں کہ جن کے خرق عادات اور کرامات کا ایک عالم مقر ہے یہ فیض حواریوں میں رہ کر منقطع ہو گیا، اس امت میں قیامت تک رہے گا، دوسری صدی عیسوی سے لے کر اب تک عیسائی بھی کسی سچے عیسائی کا پتہ نہیں بتلاتے کہ جس پر زہر اثر نہ کرے، سانپوں کو اٹھا لیا، اس کے ہاتھ لگتے ہی بیمار تندست ہو جائے (انجیل مرقس) یہ بھی نزول قرآن کے لئے ایک بڑی ضرورت تھی۔

واضح ہو کہ جب انسان کے دل پر یہ تینوں باتیں خوب جلوہ گر ہو جاتیں ہیں تو پھر اس کی آنکھوں میں کسی کی ہستی مستقل نہیں معلوم ہوتی چہ جائے کہ اس سے طلب حاجات اور ادائے عبادات، بلکہ وہ ہر کام میں خدا ہی سے استعانت چاہتا ہے اور اس کی عبادت کرتا ہے، اس لئے ان تینوں آیتوں کے بعد اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ بندے کے منہ سے کہلوا دیا۔

امر چہارم کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ میں واضح کر دیا، کیونکہ جب بندے کو ہر امر میں راہ راست پر چلنے کی ترغیب دی اور سیدھی راہ چلنے والوں کو جو کچھ نتیجہ ملا وہ بتلا دیا اور اس کے برخلاف افراط تفریط کرنے والوں، راہ راست کو چھوڑ دینے والوں کا ثمرہ غضب الٰہی اور گمراہی، پہلوں کا حال بیان کر کے جتلا دیا گویا ہر کام کا نیک و بد نتیجہ دنیاوی و اُخروی نتیجہ آنکھوں سے دکھا دیا۔ پس جس طرح ان تینوں مضامین کی شرح قرآن مجید میں جا بجا ہے، اسی طرح اس امر چہارم کی شرح کے لئے بھی موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان کے اعداء کا حال بیان کر کے متنبہ کر دیا اور پھر عالم آخرت کے نیک و بد نتائج مختلف طور سے بیان کر کے دل کو عالم آخرت کے شوق اور اپنے خوف سے بھر دیا۔ چونکہ توراۃ وانا جیل میں یہ بات نہیں بلکہ صرف امور خانہ داری کے طور پر ابتداء سے آخر تک روزنامچہ نویسی کی ہے، اس لئے اس کی اصلاح کے لئے بھی قرآن کا نازل ہونا پر ضرور تھا۔ (۳) ان تینوں آیات میں رحمت اور غضب کی جیسی رعایت منصب الہام کو ضروری تھی، ویسی ہی رکھی۔ چنانچہ اس امت مرحومہ کے لئے یہ مناسب تھا کہ آثار غضب کی بہ نسبت اطوار رحمت کو زیادہ ظاہر کیا جائے، اس لئے رَبِّ

الْعٰلَمِیْنَ اور الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ دو جملے تو وہ بیان کئے کہ جن سے رحمت ٹپکتی ہے اور پھر خوف دلانے کو جیسا آٹے میں نمک مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کو بھی ذکر فرما کر چوکنا کر دیا تا کہ رحمت پر مغرور ہو کر جرأت نہ پیدا ہو جائے۔ الغرض افراط و تفریط سے کامل اجتناب کیا۔ نہ سراسر رحمت، نہ بالکل غضب بلکہ مناسب مناسب، یہ کمال حکمت ہے۔ (۴) مبدأ و معاد کو بھی برابر یاد دلا دیا جس طرح رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں آفرینش اور پرورش دنیا کا ذکر تھا تو اسی طرح مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ میں آخرت کو یاد دلایا۔ (۵) ہر ایک موقع پر وہ مناسب لفظ بولا گیا کہ اگر اور لفظ بولا جاتا تو مطلب فوت ہو جاتا۔ چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کی جگہ المدح و الشکر میں یہ بات حاصل نہ ہوتی، کس لئے کہ مدح غیر اختیاری کمالات پر ہوتی ہے اور یہاں خدا تعالیٰ کے کمالات کا اختیاری اور عدم اضطراری ہونا ثابت کرنا مقصود تھا کہ فلسفۂ یونان کا یہ غلط خیال رد ہو جائے کہ یہ عالم اس سے بایجاب (بالاضطرار) سرزد ہوا ہے اور وہ بے اختیار ہر چیز کی پرورش کرتا ہے اور اسی طرح شکر کسی نعمت عطا کرنے پر ہوتا ہے، نہ کمالات ذاتیہ پر۔ بخلاف حمد کے کہ وہ سب پر ہوتی ہے پس اس لئے لفظ حمد کو اختیار کیا اور اس کے ساتھ الف لام بھی ملا دیا تا کہ فائدہ استغراق کا دے اور ہر حمد اسی کے لئے ثابت ہو جائے۔

**تفسیر و تحقیق الف، لام:**......کلام عرب میں الف لام اکثر اسم نکرہ پر آتا ہے اور یہ لام چار قسم پر ہے، کس لئے کہ اگر اس سے کوئی شخص خاص مراد ہے جیسا کہ الرجل یعنی وہ آدمی تو اس کو لام عہد خارجی کہتے ہیں اور اگر ماہیت مراد ہے تو پھر یا صرف ماہیت بلا لحاظ تحقیق افراد ہے تو اس کو لام جنس کہتے ہیں جیسا کہ الرجل خیر من المرأۃ میں لام جنس رجل (مرد) مراد ہے اور اگر وہ ماہیت افراد میں متحقق ہونے کے لحاظ سے ہے تو یا تو کل افراد مراد ہوں گے تو اس کو لام استغراق کہتے ہیں جیسا کہ الحمد میں کل افراد حمد مراد ہیں خواہ کوئی حمد کسی کی کرے، سب انجام کار خدا تعالیٰ ہی کی حمد ہے کیونکہ جس کی کوئی حمد کرے گا تو کسی کمال پر کرے گا، سو وہ اسی کے ہاں سے آیا ہے۔ نوکروں کے جود و سخا کی تعریف درحقیقت آقا کے جود و سخا کی تعریف ہے کہ جس کے مال کو اس کی اجازت سے دیتے ہیں اور اگر کل افراد مراد نہیں بلکہ بعض غیر معین تو اس کو لام عہد ذہنی کہتے ہیں، جیسا کہ کوئی شخص اپنے نوکر کو کہے اعط الرجل کہ کسی شخص کو یہ صدقہ دے آ، یعنی جو ملے کسی کی خصوصیت نہیں۔ اسی تقسیم کے بیان کرنے میں علماء اصول اور بیان کے مختلف عنوان ہیں۔ تلویح اور مطول میں علامہ سعد الدین علیہ الرحمۃ نے اس کی خوب تحقیق کی ہے اور اسی طرح لِلّٰہ کی جگہ للغفور یا کوئی اور نام آتا تو یہ مطلب حاصل نہ ہوتا، کس لئے کہ دعویٰ یہ ہے کہ کل خوبیاں خدا تعالیٰ کو ہیں، سو اس کے لئے وہ اسم لانا چاہئے کہ جس میں کل خوبیاں مجتمع ہوں تا کہ اسی دعویٰ میں دلیل پیدا ہو کر ایک عجیب لطف حاصل ہو، سو اس کے لئے سوائے لفظ اللہ کے کہ جو اس ذات واجب الوجود کے لئے مقرر کیا گیا ہے کہ جس میں تمام صفات کمالیہ ہوں، اور کوئی اسم صلاحیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اور اسماء صفاتیہ ہیں، ان میں خاص ایک صفت کا لحاظ ہے۔

## "رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کی وجہ تخصیص

اور اسی طرح رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں رب کی جگہ اگر صانع اور خالق کہتے تو مقصود حاصل نہ ہوتا، کس لئے کہ مقصود یہ تھا کہ ہر دہریہ اور منکر کے روبرو ذات باری تعالیٰ کو ثابت کیا جائے، سو یہ بات لفظ رب میں حاصل ہے کہ جس سے ہر چیز کو ہر وقت حادث اور محتاج ہونا دیکھ کر جلدی یقین ہو جائے کہ آخر اس سلسلہ ممکنات کو ہر وقت پرورش کرنے والا ضرور کوئی واجب الوجود جامع الصفات ہے ورنہ اگر یہ چیزیں خود بخود ہوتیں تو پھر ان کے وجود کی باگ کون روکنے والا ہے کہ ٹھہر ٹھہر کہ ہر چیز عطا کرتا اور تدریجاً میدان ہستی میں آنے دیتا ہے، کیوں یکبارگی نہ ہوگی۔ بخلاف لفظ خالق و صانع کے ان میں یہ بات بالکل نہیں اور اسی لئے خدا تعالیٰ کے ثبوت وجود کے لئے اس برہان تربیت سے کوئی دلیل بڑھ کر تو کیا، برابر بھی نہیں، اگر اسی طرح عالمین کی جگہ لفظ مفرد عالم لاتے اور رب العالم کہتے تو وہ مدعا کہ جو ہم نے بیان کیا

حاصل نہ ہوتا کیونکہ گو حکماءِ یونان اور زردشتیوں اور کیومریثوں اور قدمائے ہنود اور بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ غلط ہے (کہ ہر نوع کے لئے ایک رب ہے کہ جس کا بت بنا کر اب تک ہندوستان میں پوجتے ہیں اور جہلاء عرب نے بھی ہر کام کا ایک حاجت روا بنا کر سینکڑوں بت کعبے میں اور دیگر مقامات میں رکھ چھوڑے تھے۔) مگر ان کے مقابلہ میں خدا کو رب العالم کہنا نفی شرک اور بت پرستی مٹانے کے لئے چنداں موثر نہ ہوتا اور جب رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہا تو سب کو خدا تعالیٰ کی بے نہایت قدرت وعظمت بتلا کر اور سب معبودوں پر فوقیت مشاہدہ کرا کے خواب غفلت سے جگا دیا کہ اے نادانو! ذرا یہ تو جانو کہ اول تو جس کو تم جس چیز کے لئے رب قرار دیتے ہو وہ بھی رب حقیقی نہیں، نہ باپ بیٹے کے لئے، نہ ماں اولاد کے لئے، نہ بادشاہ رعیت کے لئے، نہ ارواح وملائکہ، نہ ستارے، نہ چاند، نہ سورج، نہ جوالا مکھی آگ کا مالک ہے، نہ بھیروں کا کچھ پانی پر اختیار ہے، علیٰ ہذا القیاس۔

اور اگر یہ فرض بھی کیا جائے تو پھر سب کا رب کون ہے اور تمام عناصر واجسام اور علویات وسفلیات، آسمان وزمین کس کے قبضہ میں ہیں؟ سو وہ حقیقی رب ہے، عبادت اور استعانت اسی کا حصہ ہے درحقیقت انسان جب تربیت کے مضمون کو خیال کر کے اور جو چیزیں ایک ادنیٰ چیز کی تربیت میں درکار ہیں ان کو سوچے گا تو یقیناً یہ کہہ اٹھے گا کہ ایک نوع کا رب، رب نہیں، کس لئے کہ تربیت اور پرورش ایک نوع کی بغیر اس کے اس جمیع انواع پر اختیار کلی ہو، ممکن نہیں۔ ذرا انسان کی پرورش میں صرف روٹی کو ہی خیال کر لیجئے کہ اس کے لئے آفتاب کی حرارت اور مہتاب کی برودت اور بارش اور ہوا اور زمین کی صلاحیت وغیرہ وغیرہ کتنی چیزیں درکار ہیں، سو وہ کل ایک رب النوع کے بس کی نہیں، پس وہ رب النوع ایک روٹی حاصل کرنے میں قادر نہیں، اور جمیع امور میں تو کیا خاک تربیت و پرورش کرے گا۔ اب یہاں سے ہنود وغیرہ ان مذاہب کی حقیقت اور ان کے پیشواؤں کی عقل کی تیزی اور صفائی آپ کو بخوبی معلوم ہوگئی ہوگی کہ جنہوں نے عناصر اور کواکب پرستی کو طریق نجات ٹھہرا دیا اور دساتیر اور ویدوں اور پرانوں کو انہیں لغویات سے بھر دیا۔ جو اللہ کو رب العالمین جانے گا، تو وہ ان سب باتوں کو اور پھر ان سب طریقوں کے پابند ہو کر ریاضت کرنے اور ترک گوشت کرنے اور غیر قوموں کے پانی کھانے سے بچنے کو مراد نجات یا مکتی کا باعث جاننے والے کو تو کس درجے کے جہل مرکب میں گرفتار جان کر اس پر تاسف کرے گا۔

پادری صاحب! دیکھئے قرآن کے ایک لفظ نے کس قدر جہنمی اندھوں کو بینا اور مرض مہلک کے بیماروں کو تندرست کر دیا اور کس قدر مردہ روحوں کو زندہ کر دیا۔ تمہارے تمام اناجیل وتوراۃ اور قرآن کا یہ لفظ، ذرا دونوں کو دو پلوں میں رکھ کر تولو اور پھر انصاف سے بولو۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو دو چار بیماروں اور ایک دو مردوں اور دو اندھوں کو معجزہ دکھا کر تندرست کیا اور وہ تندرستی وزندگی بخشی تھی کہ جو جسم فانی سے متعلق تھی اور آخری نبی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک لفظ نے تو حیات ابدی اور صحت روحانی بخش دی۔ اب دیکھئے کون سا معجزہ بڑھ کر ہے؟

کیا ایک لفظ سے عالم کو زندہ ☆ یہ ایک ادنیٰ ہے فیضانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
لبوں میں آپ کے کیا ہی اثر ہے ☆ مسیحا بھی ہیں قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اور اسی طرح الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی جگہ اگر کوئی اور لفظ بولا جاتا تو وہ لطف کہ جو ہم نے ان دونوں لفظوں کی تفسیر میں بیان کیا ہے، حاصل نہ ہوتا اور اسی طرح اگر الرَّحِیْمِ کو پہلے اور الرَّحْمٰنِ کو پیچھے لاتے تو وہ بات فوت ہو جاتی اور اسی طرح مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ میں اگر لفظ مالک کی جگہ حاکم کہتے تو یہ بات حاصل نہ ہوتی، کس لئے کسی چیز کا مالک ہونا اس پر کلیۃً اختیار کو ہاتھ میں لانا ہے، بخلاف حاکم کے کہ اسے اپنے محکوم پر ایک اختیار خاص کے سوا کوئی اور اختیار نہیں ہوتا۔ پس مالک خاص اور حاکم عام ہے اور خاص میں عام بھی آ جاتا ہے اور

اسی لئے جو مالک کو ملک پڑھتے ہیں، ان کے قول کو مرجوع ٹھہرایا جاتا ہے، اگر مٰلِكِ کے بعد لفظ یَوْمِ نہ لاتے بلکہ مٰلِكِ الدِّيْنِ کہتے تو یہ مقصودِ اعظم کہ جو قیامت کا ثابت کرنا ہے، حاصل نہ ہوتا کس لئے کہ دین (دان یدین سے) جزاء کو کہتے ہیں، عرب بولتے ہیں کما تدین تدان ❶ کہ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا پس یہ جزا ہر وقت نہیں ہوتی بلکہ خواہ جزا دنیاوی ہو خواہ اخروی، اس کا ایک وقت ہوتا ہے اور یومِ سے مراد بھی یہاں مطلق وقت ہے، اگر یہاں لفظ یوم ذکر نہ کرتے تو جزا کا موقت ہونا سمجھا نہ جاتا تو ہر وقت جزاء نہ پانے سے خواہ مخواہ بہت سے کجرو لوگوں کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی عدالت میں شبہ آتا اور اپنے افعال نیک پر اسی وقت نیک نتیجہ مرتب نہ ہونے سے نیکی کرنے والا مایوس اور بدکام کا برا نتیجہ اسی وقت نہ پانے سے شریر اور دلیر ہو جاتا۔ پس جب یومِ کہا تو دونوں کو آگاہ کر دیا اور جزاء کامل کے وقت (قیامت) کو مبہم کر کے دل کو خوف وامید سے بھر دیا اور یہ بات قانونِ نبوت کے لئے اصل الاصول ہے۔

**طریقۂ حمد کی تعلیم اور اس کے اوصاف:** ..... (۶) یہ کہ اس کلام میں جو خدا تعالیٰ نے اپنے بندے کو حمد کرنے سے تقرب کا راستہ بتایا ❷ تو اس کلام کے ساتھ حمد بھی کرنی بتلائی کہ جس سے ہر طرح کی تاریک روحانی (خواہ اعتقاد سے متعلق ہو خواہ عمل سے) زائل ہوتی ہے اور پھر اس حمد کو تین اوصاف پر قائم کیا۔ اول یہ کہ حمد اس ذات کے لئے ہے کہ جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے۔ دوم یہ کہ وہ نہایت مہربان اور رحیم ہے۔ سوم یہ کہ وہ یوم جزاء کا مالک ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ جس میں یہ تین وصف نہ پائے جائیں، وہ ہر قسم کی حمد کا مستحق نہیں اور جب حمد کا مستحق نہیں تو پھر عبادت اور استعانت کا تو کیا استحقاق ہے۔ پس اسی لئے اس کلام کے بعد وہ کلام ذکر کیا کہ جو اس کا نتیجہ ہے یعنی:

---

## اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴

---

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے (ہر کام میں) مدد مانگتے ہیں۔

**ترکیب:** ..... نعبد فعل اور ضمیر نحن فاعل، ایاک مفعول ہے کہ جو تخصیص کے لئے مقدم کر دیا گیا ہے، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا، واو حرف عطف نستعین فعل با فاعل ایاک مفعول مقدم برائے تخصیص، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا، جملہ سابقہ پر۔

## اقرارِ عبدیت

**تفسیر:** ..... بندہ جب کہ اس کی حمد ان اوصاف کے ساتھ کر چکا کہ جن کی تجلی نے خدا تعالیٰ کی ہستی اور صفات کمالیہ کا وہ نقشہ اس کے

---

❶ ..... چونکہ دین پر جزا ملتی ہے اس لئے اس کو دین کہتے ہیں اور اس کو اس لحاظ سے کہ وہ ایک راہ خدا کی ہے، اس پر خلق کو چلنا چاہیے، مذہب اور شریعت کہتے ہیں اور چونکہ وہ لکھنے کے قابل ہوتا ہے، اس لحاظ سے اس کو ملت کہتے ہیں، مگر ہر اعتبار سے ایک جدا نام ہے۔ منہ۔ ❷ ..... اس نبی اخیر ﷺ کی تعلیم خدا تعالیٰ سے ملانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتی، جو بات پہلی امتوں کو ساری عمر میں نصیب ہوتی تھی، اس امت میں اول بار حاصل ہوتی ہے۔

اول ما آخر ہر منتہی است ۔ آخر ما جیب تمنا تہی است

اور اس لئے پہلی کتابوں کی طرف حاجت نہ رہی۔ چنانچہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ تم کو موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کی کیا ضرورت ہے واللہ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میرا ہی اتباع کرتے (بخاری) ان ہی روح افزا باتوں سے تخمیناً بتیس برس میں شرقاً غرباً روئے زمین پر دین محمدی ﷺ ابر رحمت کی طرح پھیل گیا۔ بھلا یہ بات تلوار کے زور سے کہیں نصیب ہوتی ہے؟ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دین محمدی ﷺ تلوار کے زور سے دنیا میں پھیلا، وہ اپنے تعصب بے جا سے اسلام کے نورانی چہرہ پر دھبہ لگانا چاہتے ہیں۔ منہ۔

دل پر جما دیا کہ اس کے سوائے پھر اور کوئی نظروں میں نہ سمایا پھر اس شوق غائبانہ نے اس کو بارگاہ حضور تک پہنچایا پھر جیسا کہ وہ ابتداء میں خدا تعالیٰ کو بن دیکھے اس کی صفات مخصوصہ سے یاد کر کے دل شاد کرتا تھا پھر اسی طرح اب اس کے روبرو ہو کر یہ کہنے لگا کہ اے میرے معبود! میں تجھ پر قربان، تیرے سوا کون ہے، میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے ہر کام میں مدد مانگتا ہوں، آپ کو اس آیت کا پہلی آیتوں سے ربط معلوم ہو گیا کہ یہ ان دلائل کا نتیجہ اور اس تعلیم کا ثمرا ہے اور غائبانہ سے حاضر ہو کر کلام کرنے کا سر بھی منکشف ہو گیا ہوگا مگر اس کلام کے اسرار و معانی بیان کرنے باقی ہیں، سو پیشتر ہم معنی بیان کرتے ہیں

**عبادت کی انواع واقسام:**......عبادت نہایت درجہ کی عاجزی وانکساری ہے کہ جو کسی کی تعظیم کے لئے عمل میں آئے اور یہ عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے طریق معبد ای مذلل اس رستہ کو عرب معبد کہتے تھے کہ جس پر کثرت سے لوگ چلتے ہوں اور وہ پاؤں میں روندا جائے۔ پس اس سے عبادت ہے کہ عابد اپنے معبود کے آگے بچھا جاتا ہے۔ عبادت دو قسم پر ہے: اول وہ کہ جو ظاہر اعضاء بدن سے متعلق ہو۔ دوم وہ کہ جو قوائے باطنیہ سے علاقہ رکھتی ہو۔

پھر اول کی دو قسمیں ہیں: بدنی اور مالی۔ پھر بدنی کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ کوئی فعل تعظیماً عمل میں آئے جیسا کہ سجدہ کرنا، رکوع کرنا، جس کو نماز کہتے ہیں اور اس کا نام زبان سے تبرکاً لینا اس کی تسبیح و تقدیس کرنا، اس کے کلام کو تبرکاً پڑھنا، اس کے ان مقدس مقامات میں تبرکاً جانا کہ جہاں اس کے ابرار کے نشانات وظہور برکات ہوں جیسا کہ حج وطواف وسعی وغیرہ۔ مصائب وحاجات وغیرہ میں اس کو پکارنا، اس کے نام کی دہائی دینا، دعاء مانگنا۔ دوم اس کے خوف اور ادب سے کسی کام کو عمل میں لانا جیسا کہ جماع واکل وشرب کہ جو نفس کے نزدیک نہایت مرغوب ہیں، اس لئے کہ ترک کرنا جس کو شرع میں صوم یعنی روزہ کہتے ہیں اور جیسا کہ مقامات متبرکہ میں شکار نہ کھیلنا، وہاں کے درخت نہ کاٹنا جیسا کہ حرم اور احرام میں اور مالی عبادت اس کے نام پر کچھ دینا جیسا کہ زکوٰۃ اور صدقہ اور جو قوائے باطنیہ سے متعلق ہیں، وہ بھی چند قسم ہیں۔ اس کے آیات اور عجائب قدرت میں غور وفکر کرنا، اس سے دلی اور حقیقی محبت رکھنا، اس کی دل سے نہایت تعظیم اور عظمت کرنا۔ اذکار روح اور نفس اور قلب اور خفی اور سر بھی اسی قسم میں داخل کہ جن کو ارباب طریقت عمل میں لا کر قدسی ہو جاتے ہیں۔ یہ اصول ہیں، باقی ان کے فروع اور اسباب وشروط بے شمار ہیں۔

پس جب اس کے روبرو حاضر ہو کر بندے نے یہ کہا کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کہ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے اور آئندہ کریں گے تو اقرار کر لیا کہ یہ امور خاص تیرے ہی لئے عمل میں لائیں گے اور کسی کو شریک نہ کریں گے۔ اب غور کرو کہ ایک تو بندے کو یہ حکم دینا کہ تو بت کو سجدہ نہ کرنا، کسی تصویر کو نہ پوجنا جیسا کہ توراۃ میں مذکور ہے اور ایک یہ کہ ان دلائل کا پرتو ڈال کر کہ جو پہلی تین آیتوں میں مذکور ہوئیں، بندے کے منہ سے یہ اقرار کرا دینا، دونوں میں کون زیادہ اثر رکھتا ہے؟ چونکہ پہلی کتابیں اس امر میں قاصر تھیں اس لئے نزول قرآن کی ضرورت ہوئی اور جس طرح رد شرک میں یہ کلام بے نظیر ہے، اسی طرح ہر قسم کی بندگی اور عبادت الٰہی کی ترغیب میں اپنا مثل نہیں رکھتا۔ کیونکہ ایک تو یہ کہنا کہ تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی سے اس کی بندگی کر (توراۃ سفر استثنا) اور ایک ان دلائل سے کہ جو پہلے مذکور ہوئے، بندہ کی آنکھوں میں اور کسی کو قابل نہ رکھ کر اپنی رحمت اور پرورش یاد دلا کر خود اس کے منہ سے یہ اقرار کروانا، ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور اسی طرح یہ آیت محبت الٰہی پیدا کرنے میں بھی بے مثل ہے۔ توراۃ میں تو صرف یہی ہے کہ تو اپنے سارے زور سے خداوند کو دوست رکھ (استثناء) وہاں نہ محبت کا طریق بتلایا نہ وجوہات محبت ذکر کئے اور اس جگہ دونوں باتیں ہیں، کس لئے کہ وجوہات محبت تو (پرورش کرنا، ہر طرح کی حاجات کا روا کرنا، بعد مرنے کے آرام وراحت پہنچانا) اول کی تین آیتوں میں ذکر ہو چکے اور یہاں طریق

محبت بتلا دیا کہ اس کی عبادت کرو ورنہ اس کے سوا محبت کا اور کیا طور ہے؟ کیا کسی لکڑی اور بت کو لگا کر پیار کرے؟

**معبودانِ باطلہ کی انواع و اقسام کا بیان:**......واضح ہو کہ دنیا میں جو لوگ وہم اور خیالات فاسدہ کی پابندی سے جن خیالی معبودوں کی پرستش کرتے ہیں، ان کی چند قسمیں ہیں کیونکہ بعض تو جسمانی چیزوں کو شریک عبادت کرتے ہیں اور بعض غیر جسمانی چیزوں کو۔ اول یعنی جسمانی چیزوں کی دو قسمیں ہیں: ایک جسم سفلی اور دوسرا جسم علوی۔ پھر وہ معبود کہ جو جسم سفلی ہیں، ان کی بھی دو قسمیں ہیں: بسیط اور مرکب۔ بسائط جیسا کہ آگ اور پانی اور ہوا۔ چنانچہ ان چیزوں کی اب تک ہنود اور مجوس پرستش کرتے ہیں اور دساتیر اور وید اور پرانوں میں مذکور ہے اور پھر وہ معبود کہ جو اجسام مرکبہ ہیں، ان کی بھی چند قسمیں ہیں: معدنیات۔ پتھر۔ چاندی۔ سونا۔ تانبا۔ پیتل، چنانچہ ان چیزوں کی بھی اب تک اہل ہند پرستش کرتے ہیں اور درخت وغیرہ نباتات، چنانچہ پیپل کے اب تک ہندو پوجتے ہیں اور اس کو کاٹنے کو بڑا گناہ جانتے ہیں اور حیوانات، چنانچہ گائے اور بیل اور سانپ وغیرہ جانوروں کو ہندو اب تک پوجتے ہیں اور ان کے ذبح کرنے اور مار ڈالنے کو بڑا گناہ سمجھتے ہیں اور انسان، چنانچہ راجہ رام چندر اور کرشن اور مہادیب اور بشن وغیرہم بہت سے انسانوں کو اب تک معبود جانتے اور ان کے نام کی خیالی صورتیں پتھر وغیرہ کی بناء کے مندروں میں رکھتے ہیں اور ان کے آگے گا بجا کر اور بھوگ لگا کر پوجا کرتے اور سجدہ کرتے ہیں اور ان سے حاجات طلب کرتے ہیں اور اسی طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود جانتے ہیں اور بعض بے وقوف یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور وہ معبود باطل کہ جو اجسام علویہ ہیں، ان کی بھی کئی قسمیں ہیں: آفتاب، ماہتاب ستارے، چنانچہ ان کو بھی ہنود اور مجوس اب تک پوجتے ہیں۔ دساتیر میں ہر ایک ستارے اور آفتاب و ماہتاب کی تسبیح اور پرستش کی طریق مندرج ہے اور وید اور پرانوں میں بھی بہت سے دیوتاؤں اور سورج دیوتا کی پوجا کے طریق مندرج ہیں، اور گایتری منتر بھی ہندو اس کی پوجا کرنے میں بڑے اعتقاد سے پڑھتے ہیں، جس میں آفات کی بڑی مدح ہے اور بعض تو ایسے دہرنما تما ہیں کہ جب تک سورج دیوتا کے درشن نہیں کرتے، ان جل کے پاس نہیں جاتے اور آسمان، چنانچہ بہت سے جہلاء عرب اور مجوس آسمان کو ہر بات کا خالق سمجھتے ہیں اور جب ایران میں اہل اسلام آباد ہوئے، تو ان کی اولاد میں بعض پر مجوس کا خیال قدرے موثر ہوا اور اپنے اشعار میں آسمان کو مخاطب کرنے لگے اور پھر جب اردو میں شعر نے جنم لیا تو انہیں ایرانیوں کی تقلید سے یہاں کے شعراء بھی بیچارے آسمان کے پیچھے پڑ گئے اور سارے گلے شکوے ناکامی کے اسی کے سر لگا کر دس پانچ گالیاں دینا ضروری سمجھنے لگے اور جو اجسام نہیں تو ان کی بھی چند قسمیں ہیں۔ ایک قسم کا نور وظلمت یعنی چاندنا اور اندھیرا، چنانچہ فرقہ مانویہ اور ثنویہ کہ جو مجوس ہیں، اندھیرے اور چاندنے کو مدبر عالم جان کر پوجتے اور خدا سمجھتے ہیں۔

**دوسری قسم ارواح:**...... چنانچہ ایک قوم کا عرب میں یہی عقیدہ تھا کہ ملائکہ ارواح فلکیہ ہیں اور ہر ملک کے لئے ارواح فلکیہ میں سے ایک روح مدبر اور کارکن ہے اور اسی طرح اس عالم میں سے ہر نوع سے ہر نوع کے لئے ایک روح مدبر اور رب ہے، سو یہ لوگ ہر روح کی ایک خیالی صورت پتھر یا پیتل کی بنا کر پوجتے تھے، چنانچہ ہنود بھی اب تک یہی کرتے ہیں، اور ایک قسم خیر و شر ہے، چنانچہ مجوس میں سے ایک گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس عالم کے دو خدا ہیں اور وہ دونوں بھائی ہیں، ایک یزدان جو خیر ہے اور تمام اچھی باتیں وہی کرتا ہے اور ایک اہرمن کہ جو شر ہے اور تمام بری باتیں وہی کرتا ہے، اگرچہ پادری موحد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر باہمی مناظرات سے بھی ان کی بعض کتابوں سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ شر کا خالق خدا تعالیٰ نہیں، گو اہرمن کے قائل نہ ہوں مگر اس کی جگہ دوسرا خدا انسان کو مانتے ○ ہیں۔

○ ۔ آریہ کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ منہ۔

حالانکہ ہم نے ان کو سمجھا یا بھی کہ خالق ہونا اور کاسب ہونا اور چیز ہیں اور چیز، خدا خالق ہے اور بندہ کاسب اور اس فعل کے ساتھ کاسب متصف ہوتا ہے کہ نہ خالق۔ دیکھو! سیاہی بنانے والے کو سیاہ نہیں کہتے بلکہ اس کو کہ جس کے بدن پر لگی ہو۔ لیکن ان کی سمجھ میں یہ باریک بات کیوں نہیں آئی اور اسی لئے اہل اسلام میں سے بھی بعض لوگ کہ جن کو قدریہ یا معتزلہ کہتے ہیں، بہک کر شر کا خالق بندے کو قرار دیتے ہیں جس سے عالم کے لئے دو مستقل خالق ماننے پڑتے ہیں۔ وفسادہ ممالا یخفی۔

پس یہ تمام گروہ ان چیزوں کو نفع کی امید اور برائی کے ڈر سے پوجتے تھے اور اب بھی پوجتے ہیں اور جو کسی کی عبادت یا طاعت کرتا ہے تو انہی دونوں باتوں سے کرتا ہے اور جو ذاتی عبادت کرتے ہیں تو وہ بہت ہی کم ہیں اور محکمہ نبوت کے لئے پرضرور ہے کہ وہ اس خراب عقیدے کو مٹادے، بالخصوص اس نبی کے لئے جو تمام عالم کا نبی ہو اور اس وقت تمام عالم میں انہی خیالات فاسدہ کی اندھیریاں ہر طرف سے محیط ہوں اور اس گمراہی نے تمام عالم کو تاریک کر رکھا ہو اور اس خیال فاسد کے مٹانے کے لئے تنہا معجزات کافی نہیں، کس لئے کہ کچھ عجب نہیں کہ اس نبی کو بھی ان معجزات وکرامات سے منجملہ اور معبودوں کے ایک معبود سمجھ بیٹھیں، مطلب برعکس ہو جائے جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھ لیا اور اس کو بیٹا بنا دیا بلکہ کسی برہان قوی سے ان تمام چیزوں کا بلکہ مجموعہ عالم کا اور جس قدر عالم فرض کئے جائیں ،ان سب کا محتاج اور حادث ہونا اور ان کے سب کلمات بلکہ ان کی حیات کو مستعار ہونا دیکھا جائے اور کسی مالک ومختار، قادر، علیم، ورحیم، کو ہر وقت دست نگر مشاہدہ کرا دیا جائے تو پھر اور کسی چیز کو استحقاق عبادات عقل سلیم کے نزدیک نہ رہے اور کسی سے مدد مانگنے کی حاجت نہ پڑے، اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں ایسا ہی کر دیا کہ اول تینوں آیتوں میں تمام عالم کا محتاج ہونا اور اپنا ہر طرح قادر ورحیم وکریم ہونا ثابت کر کے بندے کے دل میں وہ تجلی ذاتی کی کہ ہر چیز اس کی نظروں میں گر گئی، اور خدا تعالیٰ ہی کی عبادت واستعانت کا اقرار کرنا پڑا۔ پس ان تینوں آیتوں کے بعد اِيَّاكَ نَعْبُدُ نے تمام جہان کے جھوٹے معبودوں کی خدائی چھین کر لا الہ الا اللہ کو برہان قطعی سے ثابت کر دیا۔

**مدد طلب کرنے کے چار اُصول:**...... استعانت۔ معونت (مدد) کا طلب کرنا، استعانت کے اصول چار ہیں: (اول) دل میں کسی کام کا ارادہ پیدا کرنا اور اس کی خوبی اور نتیجہ کا حسن دل پر منقش کر دینا کہ جس کی وجہ سے انسان اس کی طلب میں سرگرم ہوتا ہے۔
(۲) اس کام کے آلات واسباب اور سب ساز وسامان بہم پہنچا دینا، پھر اس ساز وسامان کی دو قسمیں ہیں ایک ضروری کہ جس کے بغیر کام تمام نہ ہو، بالالحاظ سہولت۔ دوسرے زائد از ضروری: کہ جس سے بآسانی وہ کام تمام ہو جائے، مثلاً ایک تو صرف پیٹ بھر دینا، خواہ عمدہ غذا ہو یا بری، دوسرے یہ کہ عمدہ غذا سے پیٹ بھرنا، پس اس قسم اول کے ساز وسامان کو قدرت ممکنہ اور دوسری کو قدرت میسرہ کہتے ہیں اور استطاعت بھی اسی کو کہتے ہیں۔ پھر یہ ساز وسامان بے شمار ہیں: سلامتِ حواسِ ظاہر وباطنہ اور خارجی اسباب کو بہم پہنچانا، وغیرہ ذلک۔
(۳) ارتفاع موانع۔ اعنی اس کار میں جو چیزیں خلل انداز ہیں، (خواہ اس کام میں یا اس کی حسن وخوبی میں) ان کو دفع کرنا، کس لئے کہ گو کسی کام کا ارادہ دل میں مصمم ہو اور اس کے سب سامان بھی بہم پہنچیں مگر تاوقتیکہ اس کی حارج اور خلل انداز اور مانع آنے والی چیزوں کو دور نہ کیا جائے، وہ کام کبھی انجام کو نہیں پہنچے گا۔
(۴) اس کام پر غرض کا مرتب ہونا کیونکہ ایک گروہ کی یہ رائے ہے (کہ جب دونوں چیزیں ہوں گی یعنی ساز وسامان اور ارتفاع موانع ہوگا تو خواہ مخواہ اس فعل کا نتیجہ یا غرض پیدا ہوگی) مگر ہم خدائے تعالیٰ کو قادر مطلق مان چکے ہیں، ہر چند اس کی عادت یوں ہی جاری ہے کہ وہ ان دونوں باتوں کے بعد اثر کو فعل پر مرتب کرتا ہے لیکن وہ قادر ہے، چاہے تو نہ ہونے دے، چنانچہ جس طرح کبھی کبھی اپنا

یہ قدرت دکھانے کو بغیر سامان واسباب کے اثر مرتب کر دیتا ہے، اسی طرح گاہے اسباب پائے جانے اور موانع نہ ہونے پر بھی اثر کو مرتب نہیں ہونے دیتا، کبھی آگ نہیں جلاتی، پانی سے سیرابی حاصل نہیں ہوتی، بے لشکروں کے فوجوں کو ہزیمت دے دیتا ہے، بے ساز وسامان غیب سے کام کر دیتا ہے۔ اس کو ہم خرق عادت کہتے ہیں، جو اپنے خدا کو عاجز کہے اور اس کا انکار کرے، ہمیں اس سے کیا؟ مگر ہمارا خدا تعالیٰ قادر ہے، اس چوتھی قسم کو برکت کہتے ہیں، پس جن کاموں پر اثر مرتب نہیں ہوتا یا حسب دلخواہ نہیں ہوتا تو وہاں کہتے ہیں کہ اس میں برکت نہ ہوئی اور اسی لئے ہر کاروبار میں خدا تعالیٰ کا نام لینا اس کی برکت کے لئے طریقہ اسلام قرار پایا گیا، پس جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سامان کو بہم پہنچانا کافی ہے، وہ اپنے زعم فاسد میں اپنی احتیاج کا سلسلہ خدا تعالیٰ سے منقطع جانتے ہیں، اس لئے نہ وہ برکت کے قائل ہیں نہ ہر کام میں اس کا نام لینا سود مند سمجھتے ہیں، جیسا کہ اکثر اہل یورپ اور ان کے مقلد نیچری، خدا تعالیٰ ان کو گمراہی سے نجات دے، پس یہ جس قدر معونت ہیں، سب خدا تعالیٰ ہی کے خزانہ غیب سے عطا ہوتے ہیں، کیونکہ اس کے سوا جو کچھ ہے، وہ اس کے دامن تربیت تلے محتاجانہ پرورش پاتا ہے، خود محتاج ہیں، ان کی ہستی بھی گھر کی نہیں چہ جائیکہ اور کمالات۔ ان سے اور کوئی کیا خاک مدد مانگے،

جو خود محتاج ہوئے دوسرے کا　　　بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

وہ لوگ کہ جو مخلوق پرستی کرتے ہیں، جیسا کہ معنوی عبادت میں بیان ہوا، وہ ان معبودوں سے حاجات بھی طلب کرتے ہیں، پس خدا تعالیٰ نے لفظ ایاک مقدم کر کے جب بندے کے منہ سے حالت مشاہدہ میں یہ اقرار کرایا گیا کہ ہم تجھ ہی سے مانگتے ہیں، تو ان تمام غلط مذہب کو مٹا دیا اور راہ توحید دکھا دی، اس مسئلہ کو بھی حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے لوگوں کے دلوں پر ایسا مدلل کر کے بٹھلا دیا کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں، اس لئے اس نبی ﷺ کا پیرو ہر جگہ موحد کے لقب سے ممتاز ہے۔

## قبروں کو سجدہ وغیرہ کرنے کی ممانعت:

سوال: بلاشک قومیں کہ مخلوق پرستی کرتی ہیں، خواہ اس مخلوق کو اس کا مظہر بنا کر پوجیں یا جہت قبلہ کی توجیہ کریں، جو کچھ بہرحال صریح گمراہی میں ہیں۔ مگر ہندوستان کے بعض مسلمان تو اس سے بری نہیں، دیکھئے کوئی تعزیہ پوجتا ہے، کوئی کسی قبر کو سجدہ کرتا ہے، کوئی طاق بھرتا ہے، الغرض جس طرح ہندو کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی کرتے ہیں، صرف یہ فرق ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کو پوجتے ہیں اور یہ اپنے بزرگوں کو۔

جواب: اس سے اسلام پر کوئی عیب نہیں لگتا، کیونکہ اسلام نے تو ان باتوں کی ممانعت کر دی ہے، جو کرے گا وہ عدالت اسلام کا مجرم ہوگا پس خالص مسلمان تو ان بتوں کے پاس بھی نہیں جاتا، ہاں صحبت ہنود سے اگر بعض جہلاء ایسا کرتے ہوں، تو برا کرتے ہیں، دیکھو: زنا کو شرع نے حرام کر دیا ہے، اب جو کوئی اس کا مرتکب ہو تو اس سے اسلام پر کوئی عیب نہیں لگتا، یہ اس شخص کی برائی ہے۔

اسرار:......(۱) یہ کہ لفظ ایاک کو جو ضمیر منصوب منفصل ہے، لفظ نعبد سے مقدم کیا چند حکمتوں کے لئے (اول) یہ کہ عبادت بندہ کی طرف سے اس کے شہنشاہ حقیقی کے لئے ایک ہدیہ یا نذرانہ ہے، پس اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس نذرانے سے پیشتر جس کے لئے نذرانہ ہے اس کا وجود اور اس کا جلال آنکھوں میں سما جائے کیونکہ جب تک بادشاہ قائم اور اس کا وجود مسلم نہیں تو نذرانہ اور ہدیہ بھی قائم نہیں ہوسکتا۔ (دوم) یہ کہ خدا تعالیٰ کی ذات قدیم اور بندہ اور اس کی بندگی حادث ہے تو جو چیز مقدم الوجود ہے، جب تک کوئی اور وجہ عارض نہیں تو اس کو ذکر میں بھی مقدم کرتے ہیں۔ (سوم) یہ کہ عبادت ہر چند غذائے روحانی ہے مگر یہ جسم اور اس کے مقتضیات جو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، ان پر عبادت شاق گزرتی ہے اور لہو لعب میں آرام آتا ہے۔ دیکھئے ناچ میں رات بھر نیند نہیں آتی، مسجد میں تھوڑی سی دیر

میں اونگھنے لگتے ہیں اور درحقیقت یہ عبادت خدا تعالیٰ کی وہ امانت ہے کہ جس کا انا عرضنا الامانۃ الایۃ میں اشارہ ہے، سو وہ یہ بوجھ بھاری بغیر کسی سہارے کے نہیں اٹھ سکتا، پس اس تکان اور ماندگی کو دفع کرنے کے لئے پیشتر شربت حضوری کا جام پلا دیا کہ اس کے نشہ اور سرور میں چور ہو کر دنیا و مافیہا سے غافل ہو کر ہمہ تن عبادت میں مستغرق ہو جائے اور اس پر تکان و ماندگی نہ آئے۔

ہر چند پیر خستہ ونا تو اں شدم
ہر گہ یا د روئے تو کردم جواں شدم

دیکھئے کہ جب کسی کا عاشق زار ہوتا ہے تو جب اس کے محبوب کا نام لے کر کوئی اس سے کیسے ہی بھاری کام کو کہتا ہے تو اس کے نشہ میں آ کر کس خوشی سے کرتا ہے اور جب وہ اس کے سامنے کھڑا ہو کر یوں کہے کہ تیرے قربان (کیونکہ عبادت دراصل قربان ہونا ہے) محبوب کا تو نام سننے سے دل بے قرار ہو جاتا ہے چہ جائیکہ وصال اور مشاہدہ جمال وہ

ہمارے آگے تر اجب کسی نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

پس اس لئے ایاک کو مقدم کیا۔ (چہارم) اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ عابد کو لازم ہے کہ اولاً بالذات معبود کی طرف دھیان رہے اور عبادت کی صرف اپنے اور اس کے بیچ میں ایک عمدہ واسطہ اور رابطہ جانے، نہ یہ کہ عبادت یا اس کے ثواب و جزا پر نظر کرے، کس لئے کہ کامل عبادت یہ ہے کہ اور تو کیا اپنی ہستی کو بھی بھول جائے اور سوائے معبود کے اور کچھ نظر نہ آئے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادت عالم غرور سے عالم سرور کی طرف اور اشغال خلق سے حضرت حق تعالیٰ کی طرف جانا ہے اور یہ محویت کچھ تعجب کی بات نہیں، عشق مجازی میں محبوب کو دیکھ کر سب کچھ بھول جاتا ہے۔ دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے بے خود ہو کر ترنج کی جگہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ پس اس مجازی محبت اور جمال کا یہ حال ہے تو اس حقیقی محبوب اور حقیقی جمال میں کیا مقال ہے اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ عبادت کے تین مرتبے ہیں۔

**مراتبِ عبادت:**..... پہلا مرتبہ یہ کہ عبادت ثواب کی امید اور عذاب کے خوف سے کی جائے۔ دوسرا مرتبہ یہ کہ اپنی عبادت کے قبول ہونے سے بزرگی اور کمال پیدا کرنے کے لئے عبادت کرے، تیسرا مرتبہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی خاص خدا ہی کے لئے عبادت کرے (یعنی وہی مقصود ہو) تینوں میں یہ آخری مرتبہ بلند ہے۔ پس اس لئے ایاک کو جو ذات الٰہی پر دلالت کرتا ہے۔ مقدم کیا ہے۔ (پنجم) اگر لفظ ایاك کو مقدم نہ کرتے تو حصر اور خصوصیت نہ سمجھی جاتی۔ پس ان مذہب باطلہ کا اس لطف و خوبی کے ساتھ رد نہ ہوتا کیونکہ یہاں اور معبودوں کی عبادت کنایۃً مٹائی گئی ہے اور کنایہ صراحۃ سے ابلغ ہوتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے:

خوشتر آن باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

**لفظ "نَعْبُدُ" متکلم کا صیغہ لانے کی حکمتیں:** (۲) یہ کہ لفظ نَعْبُدُ جمع متکلم کا صیغہ بولا اعبد نہ کہا، اس میں بھی کئی حکمتیں ہیں (اول) یہ کہ عبادت ایک نہایت عمدہ فعل ہے، اس کے لئے خلوص نیت اور حضور قلب شرط ہے اور یہ ہر ایک شخص کو میسر آنا مشکل ہے اس لئے اپنی عبادت کو اور اچھے لوگوں کی عبادت میں شامل کر دیا تو کہ وہ کریم ان کے طفیل میں اس کو قبول کرے۔

مثل مشہور ہے کہ لکڑی کے ساتھ لوہا بھی تیرتا ہے۔

(دوسرے) یہ کہ عبادت کا استحقاق تربیت اور رحمت اور بندوں کی حاجت روائی کی وجہ سے ہے (کہتے ہیں کہ جس کا کھائے، اسی کا گائیے) اور اس کی پرورش ایک دو کے لئے نہیں بلکہ تمام جہان کے لئے ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، پس اس کی عبادت بھی تمام جہان پر فرض ہوئی، پس اس بات کی طرف اشارہ کے لئے (کہ نہ تنہا میں بلکہ اے خداوند عالم! ہم سب تیری عبادت کرتے ہیں۔) جمع کا صیغہ بولا۔ (تیسرے) یہ کہ یہ سورۃ نماز میں پڑھی جاتی ہے اور نماز میں جماعت مقصود ہے (تا کہ شوکت اسلام معلوم ہو اور ایک دوسرے کا حال معلوم ہوا کرے اور باہم محبت پیدا ہو اور ایک پر دوسرے کا انعام منعکس ہوں اور بہتوں میں ایک نہ ایک خالص بندہ بھی ہوتا ہے، اس کے ساتھ عبادات کرنا قبولیت کا باعث ہے) پس اس مقصود کی طرف اشارہ کرنے کو لفظ جمع بولا گیا۔ (چوتھے) یہ کہ اگر اعبد کہتے تو اس میں عابد کو یہ خیال آتا کہ میں عبادت کرتا ہوں، اور کوئی نہیں، سو اس وسوسہ کے مٹانے کے لئے جمع متکلم کا صیغہ نعبد کہا تا کہ معلوم ہو اور ہزاروں ہیں، میں کیا ہوں۔

(۳) یہ کہ نعبد مضارع کا صیغہ بولا کہ جو حال اور استقبال دونوں کو شامل ہے، ماضی عبدنا نہ کہا، کس لئے کہ حضوری کا مقام یہ چاہتا ہے کہ اس وقت بھی عبادت کی جائے اور آئندہ کے لئے اس کا عہد کرے، سو یہ بات مضارع میں حاصل ہے نہ کہ ماضی میں اور اسی قدر اسرار اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں ہیں، ان سب کو وہاں خیال کر لیجئے، طول کلام سے ڈر کر بس کرتا ہوں۔

**عبادت کو مقدم اور استعانت کو مؤخر کرنے کے چند اسرار:**......(۴) عبادت کو مقدم کیا اور استعانت کو مؤخر۔ اس میں چند اسرار ہیں: (اول) یہ کہ اول بادشاہوں کے حضور میں پیشتر کوئی تعظیم اور کورنش بجالا کر اور کچھ ہدیہ یا نذرانہ پیش کر کے عرض حال اور سوال کیا کرتے ہیں۔ گو خدا تعالیٰ کو دنیاوی بادشاہوں سے کچھ بھی مناسبت نہیں مگر فطرت سلیمہ کا یہی مقتضاء ہے، اس لئے اول عبادت کو اس کے حضور عالی میں پیش کش کر کے اپنی عبودیت کا اظہار کر دیا اور اس کی خوشنودی کو حاصل کر لیا، اس کے بعد اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہہ کے سوال کیا، خلاصہ یہ کہ عبادت وسیلہ ہے استعانت سوال مطلب اور ہمیشہ وسیلہ مقدم ہوتا ہے۔ (دوم) یہ کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ یہ چاہتا ہے کہ نفس کو عبادت الٰہی سے ایک بڑا مرتبہ حاصل ہو اور اس میں ایک قسم کی خود پسندی پیدا ہونے کا احتمال تھا تو اسی لئے اس کے بعد اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہہ دیا کہ یہ عبادت بھی تیری ہی مدد اور اعانت سے ہوتی ہے تا کہ اس مرض کا علاج ہو جائے۔ (سوم) اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ استعانت اسی سے چاہتے ہیں کہ جس کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ عبادت کا وہی مستحق ہے کہ جو خالق اور مربی اور ہر طرح کی قدرت واختیار رکھتا ہو اور وہی مستحق طلب اعانت بھی ہے، گویا کہ یہ دونوں باتیں لازم اور ملزوم ہیں، پھر ان دونوں لفظوں کے جمع کرنے میں بھی حکمت ہے۔

(یہ کہ مرتبہ عبودیت دو باتوں سے کامل ہوتا ہے، اول یہ کہ عبادت کرے۔ دوم یہ کہ اپنے آپ کو محتاج سمجھ کر ہر کام میں اسی سے مدد مانگے، کس لئے کہ جو نوکر ہمیشہ خدمت گزاری کرتے ہیں، اور اپنی حاجات کا اظہار مولیٰ سے نہیں کرتے اور نہ اس سے طالب امداد ہوتے ہیں توان سے کسی قدر بوئے نخوت آیا کرتی ہے اور ان کا فدوی مخلص ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بالخصوص اس آقا کے روبرو جو دے کر خوش ہوتا ہے اور جو مانگنے کو حکم دیتا ہے۔ پس اسی لئے اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے بعد اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہہ دیا۔ (۲) یہ کہ تکملہ عبادت کا ہے۔ اپنی پوری اور اصلی عبادت جب ہی پائی جاتی ہے کہ جب ہمہ تن عجز وانکسار ہو کر اس کے آگے ہاتھ پھیلایا جائے، کس لئے کہ اس وقت وہ روحانی نیاز اور ارتباط پیدا ہوتا ہے کہ بہت سی عبادت سی نہیں ہوتا اور اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے (مشکوۃ) اور اسی لئے ہر عبادت کے ساتھ دعا مانگنا اسلام میں لازم قرار دیا گیا، نماز پنجگانہ کے بعد ہمیشہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دعا مانگا کرتے تھے

اور سب انبیاء اکثر اوقات دعا کرتے تھے اور اسی لئے حکیموں کا قول ہے کہ جب بندہ دعا کرتا ہے تو عرش الٰہی کو جنبش ہوتی ہے یعنی بندے اور خدا تعالیٰ میں جو واسطہ یا رابطہ ہے، وہ زندہ ہوتا ہے اور اسی لئے اس کے بعد اکثر بندہ کا مقصود خدا تعالیٰ عطا بھی کرتا ہے۔ (۳) یہ کہ دنیا میں جس قدر فریق مشرک ہیں، وہ اپنے خالی معبودوں کی عبادت بھی کرتے تھے اور ان سے حاجات کا سوال بھی کرتے تھے، جیسا کہ ہنود بتوں سے ہاتھ جوڑ جوڑ کر مانگتے ہیں اور بعض آدمیوں سے بھی اولاد و مال و تندرستی و عزت مانگا کرتے ہیں۔

پس شرک کی یہ دو شاخیں ہیں، ایک عبادت، دوسرے استعانت، اس لئے خدا تعالیٰ نے پہلی تین آیتوں میں وہ دلائل قائم کر کے (کہ جن سے اس کے ماسوا ہر چیز کا محتاج اور حادث ہونا ثابت ہو) ان دونوں شاخوں کو جڑ سے کاٹ دیا کہ بندہ کے منہ سے دربار خاص میں بہت سی جماعت کے روبرو اپنا جلوہ دکھا کر یہ اقرار کرا دیا کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ، ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں نہ اور کسی کی اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں نہ اور کسی سے۔

**دنیا میں تین قسم کے آدمی ہیں:**...... (۴) یہ کہ دنیا میں تین قسم کے آدمی ہیں: اول جبری جو کہتے ہیں کہ ہم کو کچھ اختیار نہیں، جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ ہم تو لکڑی پتھر کی طرح بے اختیار ہیں۔ دوم قدری کہ جو ہر چیز میں اپنے آپ کو فاعل مختار اور موجد اور قادر سمجھتے ہیں، سوم اہل حق کہ جو نہ بندہ کو مختار کہتے ہیں نہ بے اختیار محض، چونکہ وہ دونوں فریق غلطی پر ہیں، کس لئے کہ اول گروہ تو شریعت بلکہ کل معاملات دنیاوی کا ابطال کرتا اور خدا کی ذات مقدس میں عیب ثابت کرتا ہے۔ پس ان کے رد میں تو اِیَّاكَ نَعْبُدُ فرمایا کہ جس سے بندے کو عبادت کا اختیار ثابت ہوتا ہے اور دوسرا فریق کارخانہ خالقیت میں حصہ پیدا کرتا ہے، ان کی اصلاح کے لئے لفظ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ فرمایا کہ جس سے بندہ کا محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔

## مسائل فقہیہ:

**غیر اللہ کو سجدہ کرنا و مدد مانگنا درست نہیں:**...... اس آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کی پرستش حرام ہے خواہ اور کوئی ہو، نہ اور کسی کو سجدہ کرنا درست ہے نہ رکوع۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا کریں۔ آپ ﷺ نے منع فرمایا (مشکوٰۃ) اور نہ کسی کے نام کا روزہ رکھنا جائز ہیں اور نہ غیر اللہ کے نام سے صدقہ و خیرات کرنا درست ہے، اور نہ کسی گھر کا خانہ کعبہ کی طرح طواف درست ہے نہ احرام باندھ کر جانا یہاں تک کہ ذبیحہ پر بھی غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنا درست نہیں اور اسی طرح غیر اللہ سے مدد مانگنا درست نہیں، نہ اور کسی کو قاضی الحاجات دافع البلیات خیال کرنے روا ہے۔

## استعداد کی قسمیں یعنی مدد طلب کرنے:

**سوال:** جب یہ بات ہے تو پھر مسلمان ایک دوسرے سے کیوں مدد مانگتے ہیں؟ کوئی کسی سے پانی مانگتا ہے، طبیب کے پاس علاج کے لئے جاتے ہیں، بادشاہوں اور امراء سے سوال کرتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس حالانکہ ان باتوں کو کوئی بھی منع نہیں کرتا نہ ان کے مرتکب کو کوئی مشرک کہتا ہے۔

**جواب:** استمداد کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ جس سے امداد چاہتا ہے، اس کو عالم اسباب میں ایک حیلہ اور مدد الٰہی کا مظہر جانتا ہے اور دراصل مدد کرنے والا خدا تعالیٰ کو سمجھتا ہے چونکہ وہ اور کے دل میں القاء کرتا ہے تو وہ کام کر دیتا ہے اور ایک یہ کہ اس غیر کو مستقل جانتا ہے۔ قسم اول کی استمداد درحقیقت خدا تعالیٰ سے استمداد ہے نہ کہ اس کے غیر سے اور دوسری قسم غیر سے ہے۔ اس لئے قسم اول مباح اور

قسم دوم حرام ہے اور سوال مذکور میں جو استمداد ہے، وہ قسم اول سے ہے۔ اسی لئے علماء اسلام نے یہ فرمایا ہے کہ جو طبیب کو صحت بخشنے والا جانے گا اور دوا کو مستقل مؤثر سمجھے گا، مشرک ہوگا۔ ہاں دوا کو اور حکیم کو ایک سبب جانے اور خاص فاعل اسی کو سمجھے تو کچھ مضائقہ نہیں اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاءؒ اور صلحاءؒ سے محبت رکھنا، ان کی تعظیم کرنا عبادت غیر اللہ نہیں، کس لئے کہ یہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے سے کیا جاتا ہے نہ ایسے افعال میں عبادت پائی جاتی ہے مگر افراط و تفریط نہ چاہئے۔

فروعات:......(۱) اس حکم کو قرآن مجید میں اور جگہ بھی بکثرت فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ کہ میں نے جن و انس کو اپنی ہی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ کہ تیرے رب نے یہی حکم دیا ہے کہ اسی کو پوجو۔ اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ کہ خدا سے مدد مانگو۔ اس کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں۔ اس حکم کا اسلامیوں پر وہ اثر ہوا کہ کبھی کسی نبی کی امت پر نہیں ہوا۔ پنجگانہ نماز (کہ جس میں روحانی اور جسمانی عبادت اور استعانت اور استغفار اور اپنی عاجزی اور خدا تعالیٰ کی شکر گزاری اور اس کی ثناء وصفت اور دعاء ہے) پھر اس کے ساتھ سنن اور نوافل اور پھر شب بیداری کہ جس کی نسبت فرمایا ہے: يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا کہ خدا تعالیٰ کے خالص بندے اس کے لئے سجدہ اور قیام میں شب گزاری کرتے ہیں اور پھر صبح اور شام اور زوال وغیرہ اوقات سفر و حضر، سونے، جاگنے، کھانے، پینے کے اذکار بیشمار اسلام کے شرف کی دلیل واضح ہے۔ یہ بات کسی مذہب و ملت میں نہیں۔ پھر مالی عبادت اور ریاضت صوم و حج بھی اس ملت میں فرض ہے۔ یہ نہیں کہ جو چاہے کرے، چاہے نہ کرے۔ پھر اس عبادت و توحید کا نور اور سرور جو کچھ اہل اسلام کے دلوں پر جلوہ گر ہوا اور اب تک ہے، اس کی نظیر بھی کہیں اور کسی امت میں پائی نہیں جاتی۔ محبت اور خوف الٰہی سے شب بھر رونا اور اس مزہ میں بے خود و مست ہونا کہ نہ تن کی خبر اور نہ بدن کی۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ بلکہ اولیائے متاخرین حضرت محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اور حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت بغدادیؒ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ وغیرہم کے احوال بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ فیض گنجینہ سے ایک ہانڈی کے جوش کی طرح شوق الٰہی میں آواز آیا کرتی تھی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو شام سے صبح ہو جاتی مگر اس ذوق میں ان کو خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ اس لئے ان لوگوں کی روحانی قوت اس درجہ کو غالب آ گئی تھی کہ جو انبیاء بنی اسرائیل سے معجزات سرزد ہوئے ہیں، وہ ان سے کرامات صادر ہوئی ہیں کہ جن کو لوقا اور مرقس سے زیادہ ثقہ لوگوں نے مشاہدہ کیا اور اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ حواریوں کے حالات اور ان کی تاریخ و ملفوظات کو عیسائی انجیل اور کتاب الٰہی کہتے ہیں۔ ہم ان بزرگوں کے حالات کی کتابوں کو قرآن اور کلام الٰہی نہیں کہتے مگر دونوں برابر ہیں، کوئی کچھ کہا کرے چونکہ ان کے ہاں کتاب الٰہی نہ تھی، اگر یہ لوگ ان تاریخوں کو انجیل کہہ کر دل خوش نہ کرتے تو کیا کرتے۔ ہمارے ہاں چونکہ قرآن مجید کلام الٰہی موجود ہے ہم کو اس تکلیف کی کیا ضرورت۔ اس بات سے ان کی تاریخیں (کہ جن کو انجیل کہتے ہیں) معتبر اور ہماری تاریخیں غیر معتبر نہیں ہو سکتیں نہ وہ ہم سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان باتوں کو قرآن میں دکھلاؤ۔

(۲) چونکہ اس مذہب میں یہ نور عبادت و توحید ہمیشہ سے ہے اس لئے ان کے ہاں وہ لوگ جن پر فیض روح القدس نازل ہوتا ہے، ہمیشہ چلے آئے ہیں اور عیسائیوں کے ہاں یہ بات چونکہ حواریوں میں تھی کہ ان پر روح نازل ہوتی تھی جس سے وہ صدہا کرامات دکھاتے تھے زہر ان پر اثر نہ کرتا تھا بیمار ان کے ہاتھ لگانے سے تندرست ہو جاتے تھے، سانپوں کو کھا لیتے تھے (مرقس) مگر ان کے بعد چونکہ دین مسیحی میں تحریف و تبدیل ہو کر فرق آ گیا، وہ بات جاتی رہی۔ پھر کوئی ایسا نہ ہوا نہ کوئی عیسائی ایسا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اب کیا حواریوں کے بعد سے کوئی سچا عیسائی نہ رہا اور نہ اس فیض روحانی کے بند ہونے کی کیا وجہ؟

(۳) آپ جان چکے ہیں کہ بندے سے کرامات جب صادر ہوتی ہیں کہ وہ قرب خدا حاصل کرتا ہے کیونکہ دراصل ہر چیز پروہی حاصل ہے لیکن جب بندہ اس کی صحبت میں رہتا ہے تو جس طرح آگ کا لوہے پر اثر آ کر اس کو بھی جلا دینے والا بنا دیتی ہے یا جس طرح پھول اپنی صحبت میں مٹی کو معطر بنا دیتا ہے، یہی حال عابد و عارف کو خدا تعالیٰ کی قربت سے نصیب ہوتا ہے تو پھر اس کی زبان، اس کا بیان ہو جاتی ہے۔

جمال ہمنشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

کس لئے کہ جب ممکنات میں اثر و تاثیر کا یہ حال ہے۔ پھر وہ تو قادر ذوالجلال ہے اور یہاں سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادت کا فائدہ بندے کے لئے ہے، خدا تعالیٰ کو کچھ ضرورت نہیں۔ وہ بندے کے نفع کے لئے حکم دیتا ہے۔

## اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵

ہم کو سیدھے رستہ پر چلا۔

**ترکیب:**...... اِهْدِ امر حاضر معروف اَنْتَ اس کا فاعل اور نا مفعول اول ہے اور الصِّرَاطَ موصوف الْمُسْتَقِيْمَ صفت، دونوں مل کر مفعول ثانی۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعول سے مل کر جملۂ فعلیہ ہوا اور معناً یہ نَسْتَعِيْنُ میں جو اعانت مطلوب تھی، اس کا بیان ہے کہ ہم آپ سے یہ استعانت چاہتے ہیں کہ آپ ہم کو ہر امر میں خواہ دینی ہو یا دنیوی، سیدھے راستہ پر چلائیں۔ افراط و تفریط یعنی کمی زیادتی سے بچائیں۔ پس پہلے جملہ سے ربط اس طور سے ہوا۔

**معانی لفظ:**...... ہدایت۔ زبان عرب میں مقصود کا رستہ دکھانا یا مطلوب تک پہنچانا ہے اور ہدیہ (تحفہ سے) چونکہ تحفہ دینے والوں کی محبت معلوم ہوتی ہے اس لئے اس کو ہدیہ کہتے ہیں اور ہوادی الوحوش ان وحشی اور صحرائی جانوروں کو کہتے ہیں کہ جو سب کے آگے آگے چلا کرتے ہیں کیونکہ وہ ان سب کی رہنمائی کرتے ہیں۔ لیکن عرف میں اس کا استعمال نیک چیزوں کی رہنمائی میں ہوتا ہے اور وہاں کہ جہاں فائدہ اور بھلائی حاصل ہو۔ پس اس لئے چوری، بدکاری وغیرہ کا راستہ بتانے کو ہدایت نہ کہیں گے، نہ قید خانے کی راہ بتانے کو ہدایت بولا جائے گا اور قرآن میں جو فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ (کہ ان دوزخیوں کو جہنم کا رستہ بتلاؤ) آیا ہے تو علیٰ سبیل استہزاء آیا ہے۔ چونکہ علماء میں سے بعض کہتے تھے کہ ہدایت کے معنی راہ دکھانا اور بعض کہتے تھے کہ مطلوب تک پہنچانا تو اس کا فیصلہ بعض محققین نے یوں کہا ہے کہ جہاں اس کا استعمال مفعول ثانی کی طرف لام اور الٰی کے ذریعہ سے ہوگا تو وہاں اراءۃ الطریق یعنی راہ دکھانا مراد لیا جائے گا۔ جیسا کہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ اور وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور جہاں کہ بغیر ان دونوں کے ہوگا وہاں ایصال الی المطلوب ہوگا یعنی مقصود تک پہنچانا۔ جیسا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ فقیر کہتا ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں، بعض مواضع پر اس کے خلاف بھی ہے۔ پس اس امر میں قرائن اور مواقع سے بہتر کوئی چیز نہیں۔

## ہدایت کے مراتب عالیہ

**تفسیر:** خدا تعالیٰ کی ہدایت کی بیشمار اقسام ہیں کہ جن کو شمار کرنا مشکل ہے۔ لیکن ان کی اجناس عالیہ یہ ہیں:

**اول مرتبہ: ہدایت الہامی ہے:** ..... کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مطلب کا القاء ہوتا ہے، جیسا کہ بچہ کو پیدا ہوتے ہی دودھ پینا اور رو کر اپنی حالت درد کو بیان کرنے کا الہام ہوتا ہے۔ درختوں کو زمین سے پانی چوس کر بڑھنا، پھل پھول لانا، شاخوں کا فضاء کی طرف پھیلنا علیٰ ہذا القیاس۔ اس عالم میں سے کوئی چیز بھی اس کے فیض سے محروم نہیں اور خدا تعالیٰ کے وجود کا علم ہے اور اس پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور وہ بھی اسی قسم کی ہدایت کا ثمرہ ہے۔ اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى کہ ہر شی کو اس کے مناسب طور پر پیدا کر کے رہنمائی کی۔

**دوسرا مرتبہ: ہدایت احساسی کا ہے:** ..... کہ حواس ظاہری کان، ناک، آنکھ، چکھنا، چھونا۔ (۲) حواس باطنی حس مشترک، خیال، وہم، حافظہ، قوت متصرفہ عطا فرما کر گرم و سرد نافع و مضر چیزوں کا تمیز کرنا بتلایا۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوتی تو انسان کیا بلکہ حیوان کی زندگی نہ ہوتی۔ یہ فیض تمام حیوانات پر ہے۔ اس کی طرف بھی آیت مذکورہ میں اشارہ ہے۔

**تیسرا مرتبہ: ہدایت، ہدایت عقلی ہے:** ..... کہ جو چیز حواس سے غائب ہے اور جہاں کہ حواس کی رسائی نہیں وہاں انسان کی عقل مدرکات حواس ظاہری اور باطنی سے کلیات انتزاع کر کے فی الفور کام لیتی ہے۔ دیکھئے جب کان میں بہت سے لوگوں سے کسی واقعہ کی خبر پہنچتی ہے تو عقل اسی وقت اس خبر کی صداقت کا حکم لگا دیتی ہے، وہاں استدلال اور ترتیب مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس فیض الٰہی سے حکماء، حمقاء، تمام انسان بلکہ جن اور فرشتہ بھی فیضیاب ہیں۔ اس کی طرف بھی آیت سابقہ میں اشارہ ہے۔

**چوتھا مرتبہ: ہدایت استدلال عقلی ہے:** ..... یعنی جہاں ہدایت عقل کی رسائی نہیں وہاں مقدمات ترتیب دے کر نتیجہ نکالنا اور اس ذریعہ سے کسی نامعلوم چیز کو حاصل کرنا اور یقین پیدا کرنا۔ اس امر میں عقلاء و حکماء مخصوص ہیں، اس لئے ان کے اقوال کی عام لوگ پیروی کرتے ہیں۔ مگر عقل سے بسا اوقات قوت وہمیہ مقابلہ کر بیٹھی ہے اور اس کو راہ راست یعنی صراط مستقیم سے پھیر کر ادھر ادھر وادیٔ اغلاط میں لے جاتی ہے اسی لئے حکماء کے اقوال اور رائیں کبھی باہم متعارض اور مخالف بھی ہوتی ہیں۔ ایک حکیم کچھ کہتا ہے تو دوسرا اس کے برخلاف فرماتا ہے اور کبھی ایک ہی شخص ایک بات دریافت کر کے اس پر دل کو جمالیتا ہے، پھر دوسرے وقت آپ ہی اس کو غلط بتاتا ہے۔ ہر چند اس غلطی سے بچانے کے لئے حکماء نے فن منطق بنایا ہے مگر اس نے تو اور بھی پریشانی میں ڈال دیا۔ پس اس لئے خدا تعالیٰ نے اس کے واسطے:

**پانچواں مرتبہ: ہدایت کا الہام:** ..... انبیاء ﷺ قائم کیا کہ جہاں عقول عاجز آجائیں وہاں خدا تعالیٰ الہام انبیاء ﷺ کے ذریعہ سے رہنمائی کرتا ہے۔ پس اس لئے جس طرح عامیوں کو عقلاء و حکماء کے اقوال پر اعتماد تھا، اسی طرح حکماء و عقلاء کو انبیاء ﷺ کا اتباع ضروری ہوا کیونکہ ان کی رہنمائی کا یہی لوگ سبب ہیں۔ یہاں سے آپ کو ضرورت نبوت بھی معلوم ہوگئی۔ پس جو لوگ کہ منصب نبوت کے منکر ہیں جیسا کہ براہمہ وہم کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں۔ چوتھے مرتبہ کی طرف اس آیات میں اشارہ ہے: وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ کہ انسان کو ہم نے نیک و بد دونوں رستے بتلائے اور اس پانچویں مرتبہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا کہ ہم نے انبیاء ﷺ کو پیشوا بنایا کہ وہ ہمارے حکم کی رہنمائی کرتے ہیں۔

**چھٹا مرتبہ: ہدایت انکشافی ہے:** ..... کہ خدا تعالیٰ بندہ کے دل سے حجاب ظلماتی اٹھا کر اس کو عالم غیب کا مشاہدہ کرا دے اور ہر چیز کی اصلی حقیقت دکھا دے۔ یہ ہدایت کا انتہائی مرتبہ ہے جو خواص انبیاء ﷺ کا حصہ ہے جن کی اطاعت تمام خلق پر فرض ہے اور ان کے

مریدوں اور پیروؤں میں سے بھی ان لوگوں (کہ جن کے قلوب میں آئینہ کی طرح ان کے انوار قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے) اس ہدایت میں سے کچھ حصہ مل جاتا ہے اور ان پیروؤں کو حواری یا اولیاء اور کبھی محدث کہتے ہیں۔اس ہدایت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا کہ جنہوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہے، ہم ان کو اپنا راستہ بتلادیں گے۔آپ کو یہاں سے نبی اور ولی کے معنی بھی بخوبی معلوم ہو گئے اور جو لوگ نبوت کو بڑھئی لوہار کے کام کا ملکہ قرار دیتے ہیں، ان کی غلط فہمی بھی معلوم ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دنیا کے تمام کاروبار اور عمدہ صنعتیں اور تدابیر ملک اور آخرت کے احکام اور قواعد شریعت سب خدا تعالیٰ کی ہدایت کا نتیجہ ہے۔

مگر آپ کو یہ بھی یاد رہے کہ یہ جتنے امور ہیں، سب میں سیدھا راستہ ضرور ہے اور جہاں افراط وتفریط ہوئی، سیدھے رستے سے الگ ہوا، مقصد میں خرابی آئی۔پس اس لئے خدا تعالیٰ نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ذکر فرمایا یعنی یہ تعلیم کی کہ یوں دعاء مانگو کہ اے خدا! ہم کو ہر امر میں سیدھا راستہ دکھا۔

**افراط وتفریط پسندیدہ نہیں:**.....واضح ہو کہ جب تک ہر امر میں افراط (زیادتی) وتفریط (کمی) معلوم نہ ہو گی، صراط مستقیم یعنی درمیانہ پن معلوم نہ ہوگا۔پس سب سے پیشتر ہم عبادت اور استعانت میں جو افراط وتفریط ہے، اس کو بیان کرتے ہیں۔عبادت میں افراط یہ ہے کہ جہاں خدا کی کسی صفت کا ظہور دیکھے اسی کو پوجنے لگے، جیسا کہ مجوس اور ہنود کرتے ہیں کہ انہوں نے کوئی چیز بھی نہ چھوڑی یہاں تک کہ جب ہندوستان میں ریل جاری ہوئی اور انجن کو بغیر بیل اور گھوڑوں کے خود بخود دوڑتے دیکھا تو بہت سے ہندوؤں نے ہر ہر کر کے اس کے آگے ڈنڈوت کی اور ریلشر مہاراج بنایا اور تفریط یہ کہ معاش دنیا اور کاروبار میں ایسا مشغول ہو کہ ذرا بھی خدا کی طرف توجہ نہ رہے عبادت تو کجا جیسا کہ اہل یورپ کا دستور ہے۔شاید پیرس اور لندن اور برلن وغیرہ شہروں میں کبھی کوئی خدا کا نام ❶ لیتا ہوگا اور اسی طرح استعانت میں افراط یہ ہے کہ ہر چیز کو سبب سمجھ کر اور وسیلۂ حاجات جان کر اس سے سوال کرے اور ستاروں کی تاثیر سے اپنی سعادت ونحوست سمجھے اور گھر اور بیوی اور ہتھیاروں اور دیگر اسباب معیشت میں نحوست وسعادت کا خیال کر کے سودائی بن جائے اور عناصر وآفتاب وماہتاب اور ارواح انسانیہ اور دیگر غیر مرئی چیزوں کو خدا تعالیٰ کے خزانۂ غیب کا داروغہ یا مالک یا مختار جان کر ان سے مدد مانگے اور ان کے نام سے نذر نیاز اور ہون و جگ کرے، جیسا کہ ہنود کرتے ہیں اور ویدوں میں اب تک یہی مضامین بھرے پڑے ہیں کہ جس سبب سے یہ لوگ ہر چیز سے ڈرتے اور ہر چیز سے امید نفع رسانی کی رکھتے اور تفریط یہ کہ دوا و غذا وغیرہ اسباب معتبرہ کو بے اعتبار جانے اور خدا تعالیٰ سے دعاء کرنا اور نیکی اور خدا تعالیٰ کی راہ میں دینے کو خیر و برکت کا سبب نہ سمجھ کر ان سے اعراض کرے اور جو چیزیں کہ عالم اسباب میں مؤثر ہیں، ان کو فضول اور بے اعتبار جانے۔اگرچہ صراط مستقیم کی تفصیل علم اخلاق کی کتابوں میں خوب کی ہے مگر کسی قدر مختصر طور پر یہاں بھی بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں، لان مالا یذکر کله لا یترک کله۔

**انسان کو عطا کردہ تین قوتیں:**.....واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو تین قوتیں عطا فرمائی ہیں: (اول) قوت دراکہ۔کہ جس سے ہر چیز کو جانتا ہے جس کو قوت عقلیہ اور نطقیہ بھی کہتے ہیں۔پس اس سے جس چیز کو جانتا ہے، وہ یا خدا کی ذات وصفات اور اس کے افعال کے دنیا و آخرت کے آثار ہیں اور ان کے جاننے کو علم الٰہی کہتے ہیں اور اس میں افراط یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی کنہ حقیقت دریافت کرنے لگے

---

❶ بخلاف اس کے اہل اسلام کا کوئی شہر ایسا نہیں کہ جس میں پانچوں وقت بآواز بلند خدا کی توحید وتقدیس نہ پکاری جاتی ہو اور پھر سینکڑوں خدا کے بندے مل کر اس کی ثنا وصفت اور اس کی شکر گزاری اور اپنے گناہوں سے استغفار اور اس سے دعا نہ کرتے ہوں اور اس کے آگے اپنے جسم وروح کی نہایت پاکیزہ حالت بنا کر نہ جھکتے ہوں۔یہ سچے دین کی علامت ہے۔بالخصوص مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں تو ہمہ وقت ہی یہی حالت رہتی ہے۔فقیر کہ معظمہ میں جبل صفا کے نزدیک مقیم تھا۔شب کو تمام شب تسبیح وتہلیل کی آواز کانوں میں آتی تھی۔ابو محمد عبدالحق۔

اور اس کی صفات میں گھوڑے دوڑانے لگے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ لوگ باہم قیل وقال کریں گے کہ یہ چیزیں تو خدا تعالیٰ نے بنائی ہیں، خدا تعالیٰ کو کس نے بنایا۔ پس یہ نوبت پہنچے تو یہ کہو امنت باللّٰہ و رسولہ کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا (متفق علیہ) اور اس کے لئے جسم اور مکان اور شکل اور حدوث اور صورت وغیرہ وہ صفات ثابت کرے جو اس کے تقدس کے منافی ہیں۔ چنانچہ یہود ونصاریٰ اور ہنود [ف] نے ایسا ہی کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو مجسم اور حضرت آدم علیہ السلام کا ہم شکل اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت میں مانا اور کچھ لوگوں نے سور، شیر وغیرہ حیوانات کی شکل میں ہو کر اس کا دنیا پر آنا اور کھانا پینا وغیرہ وہ باتیں ثابت کی ہیں کہ جن سے وہ بری ہے اور خالق کو مخلوق کے ساتھ مشابہ بنا دیا ہے، تعالیٰ اللّٰہ عن ذلک علوا کبیرا۔

یا بندہ کو عاجز محض جان کر تمام قبائح زنا وچوری کو اسی کی طرف نسبت کرے، جیسا کہ جبریہ کرتے ہیں۔ یا یہ اعتقاد کرے کہ ایمان لانے کے بعد پھر بندے کو کسی گناہ پر عذاب دینا اس کا دستور نہیں، بندہ جو چاہے سو کرے، جیسا کہ پولوس اور اس کے مریدوں نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔ ان کے مقلد اہل اسلام میں سے بھی بعض لوگ ہیں جن کو مرجیہ کہتے ہیں اور تفریط یہ کہ اس کی صفات کا انکار کیا جائے اور اس کو اپنے خیال میں جزئیات مادیہ کے علم سے بے بہرہ جانے اور ایسا عاجز جانے کہ سوائے عقل اول کے اور کوئی چیز اس نے پیدا ہی نہیں کی، جیسا کہ حکماء یونان اور مجوس کا عقیدہ ہے اور یہ اس کی صفت سمع وبصر وغیرہ جو نصوص قرآنیہ سے ثابت ہیں، ان سے بلا کسی وجہ وجیہ کے انکار کیا جائے اور یہ کہ اس کو گناہ بخشنے سے عاجز قرار دیا جائے کہ بغیر اس بات کے کہ وہ سب کے عوض میں آدمی کی شکل میں خود آ کر کفارہ ہو یہود کے ہاتھ سے صلیب پر کھینچا جائے، گناہ معاف نہیں کر سکتا، جیسا کہ پادریان حال کا عقیدہ ہے اور یہ کہ جمیع افراد عالم میں اسباب ہی کو مؤثر تام جان کر خدا تعالیٰ کو نکما اور بے کار جانے، جیسا کہ آریہ ❶ کا عقیدہ ہے اور یہ کہ بندہ کو خالق مستقل جان کر افعال عباد کو اس کے قبضۂ قدرت سے علیحدہ سمجھے، جیسا کہ حال کے عیسائیوں کا عقیدہ ہے اور اہل اسلام میں سے معتزلہ ان کے مقلد ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی افراط وتفریط ہیں اور یا وہ چیزیں جن کو بندہ جانتا ہے۔

ارواح وملائکہ وانبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ وائمہ دین ہیں اور ان کے علم کو نبوات کہتے ہیں اور اس میں افراط یہ ہے کہ ان لوگوں کو ایسا بڑھائے کہ درجۂ خدائی تک پہنچائے، جیسا کہ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا اور اس کا بیٹا کہتے ہیں۔ یا بعض جہلاء ان چیزوں کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ غیب دان ہیں، ان کو بندوں کی حاجت برابری اور فریادرسی کی مستقل [ق] قدرت ہے۔ یہ خیال کر کے ان کی تصویروں کو اور ان کی قبروں کو اور تعزیہ کو پوجتے ہیں اور ان سے اولاد اور مال اور تندرستی اور عزت وآبرو مانگتے ہیں، جیسا کہ ہنود عناصر اور دیوتاؤں اور بہت سے انسانوں کو اس لئے پوجتے ہیں۔ چنانچہ رگوید اور یجروید میں ان کی پرستش کے طریقے اور ان کی مدح میں منتر اور سکت ان ویدوں کی سنگھتا میں مندرج ہیں اور اسی طرح پارسیوں کے دساتیر انہیں باتوں سے بھری پڑی ہیں، جو چاہے دیکھ لے۔ یا ان کو یوں سمجھے کہ خدا چاہے نہ چاہے، یہ ہماری حاجت کو پورا کریں گے اور حشر میں خواہ مخواہ اپنے پرستش کرنے والوں کو رنج وغم سے رہائی دیں گے، جیسا کہ یہود اپنے انبیاء کی نسبت اور مسیح علیہ السلام کی طرف عیسائی اب تک یہی اعتقاد رکھتے ہیں اور بعض جاہل مسلمان اپنی جہالت اور سفاہت سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ اور ان کے مزارات مقدسہ سے ایسی لغو باتیں عمل میں لاتے ہیں۔ یا کسی ولی کو نبی کے رتبہ میں خیال کیا جائے اور نبی کو شریک خدائی کر دیا جائے، جیسا کہ عیسائی کرتے ہیں اور تفریط یہ کہ سرے سے غیر محسوس چیزوں کا منکر ہو جائے پس نہ وجود ملائکہ کا قائل

---

[ف]:...... ہندو کہتے ہیں کہ ایشر یعنی خدا کئی بار جب کہ اس کو ضرورت پڑی، سور۔ شیر۔ کچھوے۔ انسان کے جسم میں ظاہر ہوا اور ان چیزوں کو اوتار کہتے ہیں جن میں سے راجہ رام چندر جی اور کرشن جی بھی اوتار مانے جاتے ہیں۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی قریب اسی کے ہے کہ خدا تعالیٰ بہ شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوا۔ ❶ ہندوؤں کا ایک فرقہ ہے کہ جس کے اس زمانہ میں پیش رو دیانند سرستی تھے۔ [ق]:...... بخلاف وسیلہ گرداننے یا ان کے مزاروں کو محل رحمت واستجابت خیال کرنے کے اس میں کسی کو کلام نہیں۔ ابوالحسن حقانی

ہو، نہ جن و شیطان کے وجود کا اور انبیاء علیہم السلام کو صرف رفارمر یعنی ناصح اور واعظ جانے۔ نہ ان کے انکشاف کا معتقد ہو، نہ ان کے خرق عادات معجزات و کرامات کا قائل، جیسا کہ آج کل یورپ کے ملحدوں کا عقیدہ ہے اور ہندوستان میں ان کے مرید نیچریوں کا اعتقاد ہے۔

یا انبیاء علیہم السلام کو معصوم و محفوظ نہ جانے نہ ملائکہ کی عصمت کا قائل ہو بلکہ اپنے نفس خبیث پر قیاس کر کے ان کو بھی ہر طرح کے گناہ میں ملوث سمجھے، جیسا کہ اہل کتاب کا عقیدہ ہے کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی دونوں ❶ بیٹیوں سے زنا کرنے والا اور حضرت ہارون ❷ علیہ السلام کو بچھڑا پوجنے والا اور حضرت داؤد ❸ علیہ السلام کو اور یا کی بیوی بت سبع سے حرام کرنے والا اور حضرت سلیمان ❹ علیہ السلام کو بت پرستی کرنے والا سمجھتے ہیں اور یہ باتیں ان کی توراۃ اور دیگر کتب الہامیہ میں مذکور ہیں اور جیسا کہ ہنود دیوتاؤں کو کہ جن کو فرشتہ کہتے ہیں، زنا کار اور سخت مکار جانتے ہیں۔ چنانچہ اندر کا گوتم کی جورو سے زنا کرنا کتب مسلمۂ ہنود میں مندرج ہے اور یہود میں بھی ہاروت ماروت کا قصہ مشہور تھا کہ انہوں نے شراب پی کر زہرہ سے زنا کیا جن کی تقلید سے بعض ناسمجھ مفسروں نے اس بے اصل قصہ کو اس قرآن مجید کی تفاسیر میں لکھ دیا۔ یا انبیاء علیہم السلام کے رتبہ کا لحاظ نہ کر کے ان کے بڑے بھائی کے برابر قرار دے دیا جائے وغیرہ ذلک من العقائد الفاسدۃ۔

یا وہ چیزیں کہ جن کو جانتا ہے، قبر اور دوزخ اور جنت اور حساب اور میزان وغیرہ امور آخرت کے معاملات ہیں اور ان کے علم کو علم معاد اور علم سمعیات بھی کہتے ہیں، اس میں افراط یہ ہے کہ ایمان کو ایسا مؤثر جانے کہ پھر اس کے لئے کوئی گناہ مضر نہ سمجھے اور جزائے اعمال میں خدا تعالیٰ کو محض مجبور جان کر گناہ بخشنے پر یا کسی عمل کے قبول نہ کرنے پر قادر نہ جانے، جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے اور تفریط یہ کہ یا تو سرے سے بعد مرنے کے جزا و سزا، عذاب و ثواب، قبر و حشر کا قائل نہ ہو، جیسا کہ دہریوں کا عقیدہ ہے اور قائل ہو تو ادنیٰ سے گناہ کو بھی زائل کر دینے والا جانے، جیسا کہ خوارج کا عقیدہ ہے یا وہاں کے عذاب و ثواب کو خیالی عذاب و ثواب جانے جیسا کہ عیسائیوں ❺ اور حکماء یونان اور ان کے مقلد نیچریوں کا عقیدہ ہے یا وہاں کے لذات و عقوبات کو فانی جانے اور دنیا کے انقلابات پر محمول کرے وغیرہ ذالک یا وہ چیزیں کہ جن کو انسان جانتا ہے۔ علاوہ ان کے اور جواہر و اعراض ہیں کہ جن کے علوم کو علیٰ حسب اختلاف الموضوع علم طبعی اور ریاضی کہتے ہیں۔ پھر ہندسہ اور ہیئت اور نجوم و زیچ اور اُکر اور علم الحیوان وغیرہ بہت سے علوم انہیں علوم کے موضوعات کی شاخیں ہیں۔ پس ان میں افراط یہ ہے کہ ان میں ایسا مشغول ہو کہ جو کار آمد نہیں یا ان کی تاثیرات سعادت و نحوست ہی کا قائل ہو اور تفریط یہ کہ بالکل ان علوم سے بے بہرہ رہے یا ان چیزوں کی تاثیرات جسمانیہ کا بھی مطلقاً قائل نہ ہو۔

المختصر اس قوت ادراکیہ یا عقلیہ میں افراط و تفریط بری ہے۔ درمیانی حالت عمدہ ہے اور اس کو حکمت کہتے ہیں کہ جو انسان کا بڑا کمال ہے اور صراط مستقیم کا مصداق اور اس کی افراط کو جربزہ کہتے ہیں یعنی عیاری و طراری اور تفریط کو غباوت اور بلادت۔

**دوسری قوت شہویہ:**...... ہے کہ جس پر منافع حاصل کرنے کا مدار ہے اور اسی وجہ سے مرغوب چیزوں کی خواہش ہوتی ہے۔ پس اس کی افراط یہ ہے کہ کھانے پینے اور جماع کرنے وغیرہ لذائذ میں ہمہ تن مصروف اور سراسر گرفتار ہو جائے اور اس مرتبہ کو فجور اور خلاعت بھی کہتے ہیں جس کا ثمرہ فحش اور بے حیائی ہے اور اس کی تفریط یہ ہے کہ جس قدر لذائذ اس کے لئے حلال اور مباح ہیں اور جن پر معیشت دنیا کی بنیاد قائم ہے، ان کو بھی ترک کر بیٹھے، جیسا کہ رہبان اور ہندوؤں کے فقیر جوگی اور گسائیں وغیرہم کرتے ہیں۔ قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح افراط سے منع فرمایا ہے، اسی طرح تفریط سے بھی کہ جس کو خمود کہتے ہیں، بڑی تاکید سے روکا ہے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (کہہ کہ کس نے خدا کی اور ان ستھری اور زینت کی چیزوں کو حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں

---

❶ کتاب پیدائش، باب ۱۹۔ ❷ کتاب خروج، باب ۳۲۔ ❸ کتب دوم سموئیل، باب ۱۱۔ ❹ کتاب اول سلاطین، باب ۱۱۔ ❺ چنانچہ پادری فانڈر کی کتاب میزان الحق اور سید احمد خان صاحب نیچری کی تفسیر القرآن میں مذکور ہے، جیسا کہ مقدمہ کتاب میں اس کی خوب تشریح ہو چکی ہے۔ منہ۔

کے لئے بنائی ہیں) اور نبی ﷺ نے بھی لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ فرمایا ہے کہ اسلام میں رہبانیۃ کا کچھ کام نہیں اور ان دونوں حالتوں کی درمیانی حالت کہ جس پر صراط مستقیم صادق آتا ہے، عفت ہے یعنی اپنی خواہش نفسانی کو عقل اور شرع کے تابع بنانا اور اس عفت سے بہت سے اخلاق حمیدہ پیدا ہوتے ہیں، جیسا کہ صبر۔ قناعت۔ جود و سخاوت اور پھر سخاوت سے کرم اور ایثار کہ اور لوگوں کو بھلائی میں اپنے نفس پر مقدم رکھنا اور معاملات میں مسابلت یعنی فروگذاشت کرنا۔

**اور تیسری قوت غضبیہ :**...... ہے کہ جس کے طفیل انسان خطرناک کاموں میں گر پڑتا ہے اور اپنے نفس اور اپنے متعلقوں سے مضرت کو دفع کرتا ہے۔ اس کی افراط کو تہور کہتے ہیں کہ بغیر مصلحت جرأت اور دلیری کر بیٹھنا کہ جس طرح شیر وغیرہ درندے کرتے ہیں۔ اس سے ظلم اور بے رحمی وغیرہ قبائح پیدا ہوتے ہیں۔ اس تہور کو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں منع فرمایا ہے۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ کہ اپنی جانوں کو ہلاکی میں نہ ڈالو اور اس صفت کی تفریط کو جبن یعنی نامردی کہتے ہیں۔

بے عزتی اور بزدلی کہ جو انسان کو اس کے ہم چشموں میں ذلیل و خوار اور غیر لوگوں کا غلام اور رعیت اور تابعدار بنا دیتی ہے، اسی کا ثمرہ ہے۔ اس کی برائی بھی قرآن اور احادیث بکثرت آئی ہے اور صراط مستقیم یعنی درمیانی حالت کو شجاعت کہتے ہیں کہ جس سے بہت سے اخلاق حمیدہ پیدا ہوتے ہیں، جیسا کہ علو ہمتی اور استقلال اور حلم اور تحمل اور حمیت وغیرہ ذالک۔ قرآن مجید احادیث صحیحہ میں ہر ایک جانب کا اور توسط کا اور پھر جو ان سے اخلاق پسندیدہ پیدا ہوتے ہیں، ان کا بکثرت بیان ہے۔ بخوف تطویل ہر مقام پر آیت لانا مناسب نہ جانا، جو چاہے کتب اخلاق محمدیہ ﷺ دیکھ لے۔

**صراطِ مستقیم عدالت کا نام ہے:**...... پس جب یہ تینوں قوتیں کامل ہو جاتی ہیں یعنی توسط کے مرتبہ میں آتی ہیں کہ جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں تو اس کو عدالت کہتے ہیں کہ جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى فرماتا ہے۔ پھر اس عدالت سے بیشمار اخلاق حمیدہ پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ محبت اور وفا اور شفقت کہ جس کو خدا ترسی کہتے ہیں اور کسی کے احسان کا بدلہ دینا اور حسن صحبت اور توکل اور ہر حقدار کا حق ادا کرنا کہ جس کا ثمرہ توحید و ایمان و اطاعت خدا و رسول اور رعیت و ملک و شہر کی خیر خواہی اور ماں، باپ، بیوی، اولاد، دیار، عزیزوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، عمدہ تربیت کرنا، غلاموں اور نوکروں اور بے زبان چارپایوں پر رحم کرنا، ان کی وسعت سے زیادہ کام نہ لینا، ان کی خوراک وغیرہ ضروریات کو بخوبی ادا کرنا وغیرہ اخلاق حمیدہ کہ جن کو فطرت انسانیہ اچھا جانتی ہے۔ ان سب باتوں کو خدا تعالیٰ نے ایک آیت میں کس خوبی سے ادا کر دیا ہے کہ جس کا مثل نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ پس جب آپ کو لفظ ہدایت اور صراط مستقیم کے معنی بخوبی معلوم ہو گئے تو اب اس آیت کا یہ مطلب ہوا کہ بندہ کو خدا تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ تو مجھ سے یہ دعاء کر کہ اے خدا تعالیٰ! تو مجھ کو صراط مستقیم (یعنی جو ہر امر کی درمیانی حالت ہے) نصیب کر کیونکہ جب انسان کو صراط مستقیم پر چلنا نصیب ہوا تو سعادت مل گئی کہ جس کے لئے انبیاء علیہم السلام دنیا میں آئے ہیں۔ اب اس دعاء کو دیکھئے کہ جس کو پادری گرجا میں عبادت کے وقت پڑھتے ہیں، وہ یہ کہ ہمارے باپ جو آسمان پر ہے! تیرے نام کی تقدیس ہو، تیری بادشاہت آئے، تیری مرضی جس طرح آسمان پر ہے، ویسی زمین پر بھی ہو جائے ہماری روز کی روزی ❶ آج ہمیں دے الخ۔ بلاشک ان دونوں میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ پس جس

---

❶ ...... کیا اس تعلیم کو الہام اور نبوت درکار ہے؟ اے حضرت! پیٹ بھرنے کی دعاء تو گدھا بھی ہر روز مانگتا ہے۔ چنانچہ اس دین میں جنت و دوزخ یہی دنیا کی عیش و ناکامی ہے اسی لئے عیسائی نماز میں یہی دعاء مانگتے ہیں۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ حقانی۔

کی معرفت یہ دعاء الہام ہو، اس کو نبی نہ کہا جائے اور دعائے نان کے معلم کو نبی کہا جائے، اگر سخت ناانصافی اور تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟

**نکات:**......(۱) یہ کہ خدا تعالیٰ نے ان بے شمار علم اخلاق کی باتوں کو کہ جن کی تصریح آگے چل کر قرآن میں کی ہے اور پھر اپنے نبی ﷺ کی زبان سے احادیث میں بیان کرادیا ہے سب کو سمیٹ کر ایک مختصر سے لفظ میں رکھ دیا کہ جو ہر وقت بندہ کو ہر طرح کی نیک چلنی کی طرف بلاتا ہے اور حالت ابتدائی میں تفصیل کرنا قانون تعلیم کے منافی ہے۔

(۲) یہ کہ لفظ صراط آیا تا کہ عارف کی نظر میں پل صراط کا خیال پیدا ہو اور یہ جان لے کہ یہ تمام شریعت اس روز پل صراط کی صورت میں ظہور کرے گی۔ جو یہاں اس پر با آسانی چلتے ہیں وہاں اس پر وہ با آسانی چلیں گے۔ اگر لفظ طریق بولا جاتا تو یہ مطلب حاصل نہ ہوتا۔

(۳) یہ کہ صراط کے بعد لفظ مستقیم آیا۔ اس کی جگہ سویٰ وغیرہ دیگر الفاظ جو سیدھے ہونے کے معنی پر دلالت کرتے ہیں نہیں آئے۔ اس نکتہ کے لئے کہ مستقیم میں استقامت پائی جاتی ہے کہ جس سے یہ ارشاد ہوا کہ صرف ایک بار ان اخلاق حمیدہ سے موصوف ہونا کافی نہیں بلکہ ان پر مداومت ہونی چاہئے اور ایک ملکہ پیدا ہونا چاہئے کہ جس کو استقامت کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ خود فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے اور پھر وہ اس پر قائم ہی رہے تو ان کو نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے اور اس لئے جس بات میں استقامت نہیں اس کا کچھ اعتبار نہیں چنانچہ یہ قول مشہور ہے کہ اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقُ الْکَرَامَۃِ پس لفظ مستقیم میں ہمیشہ ان باتوں پر قائم رہنے کی طرف اشارہ ہے۔

**لفظ اِھْدِنَا لانے میں چند مصلحتیں:**......(۴) یہ کہ اھدنا ذکر کیا، اھدنی بصیغۂ واحد نہ آیا۔ اس میں چند مصلحتیں ہیں: (۱) یہ کہ یہ دعا ہے اور دعاء جب سب لوگ مجتمع ہو کر کرتے ہیں وہ زیادہ قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ جب بہت سے قلوب عالم بالا کی طرف ہمت کرتے ہیں تو ان کے اثر ہمت کو عالم بالا سے مقصود کے وجود میں بڑا علاقہ ہے۔ پس کبھی وہ دعاء مصائب کے دفع کرنے میں صرف ہوتی ہے اور کبھی عالم حس میں متشکل ہو کر مقصود اور مطلوب بن جاتی ہے اور یہ ایک سر الٰہی ہے کہ جس کو ہر شخص نہیں جانتا۔ (۲) یہ کہ جب تک سب کو ہدایت نہ ہو تو اس میں دعاء کرنے والے کا بھی پورا مقصد نہ پایا جائے کس لئے کہ تمام کاروبار عالم کے ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ پس جب ایک راہ راست پر ہو، دوسرے نہ ہوں تو اس کو بڑی دقت پیش آئے اور دینی و دنیاوی معاملات میں بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑیں اور جب کہ گھر یا شہر کے سب یا اکثر لوگ راہ راست پر ہوتے ہیں تو کامل فائدہ ہوتا ہے۔ (۳) یہ کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم خلق کی خیر خواہی اور دوسروں کی بھلائی کے درپے رہو نفسا نفسی نہ کرو۔ پس دعاء میں جس طرح ان کو شریک کرتے ہو تو اس پر عمل بھی کرو کہ اور کاروبار میں ان کو شریک کرو اور رفاہ عام کا لحاظ رکھو۔ (۴) یہ کہ دعا عاجزی اور احتیاج کا ثبوت ہے۔ پس جس طرح وہ رب العالمین ہے، اسی طرح اس سے سب کو اظہار احتیاج اور عاجزی کرنی چاہئے۔

واضح ہو کہ صراط مستقیم کو عقل سلیم پہچان سکتی ہے مگر اکثر اوقات وہم دخیل ہو کر غلطی میں ڈال دیتا ہے اسی لئے آپ دنیا میں سینکڑوں اختلافات اور ہزاروں تناقضات دیکھتے ہیں دیکھئے جن چیزوں کو اہل عقل سلیم برا کہتے ہیں، ان کو کج فہم بھلا بتاتے ہیں۔ تمام بنی آدم گوشت کھانے کو مباح مانتے ہیں مگر تھوڑے سے ہندو برا جانتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس بحکم ''کس نگوید کہ روغ من ترش است'' ہر شخص اپنے مذہب و ملت، اخلاق و آداب، معاشرت و معاملات کو راہ راست بتلاتا اور صراط مستقیم کا مصداق ٹھہراتا ہے۔ حلال خوروں سے پوچھئے تو وہ لال گرو کی اطاعت ہی کو باعث نجات بتلاتے ہیں۔ ہندو بت اور عناصر پرستی ہی کو مکتی کہتے ہیں۔ عیسائی تثلیث و کفارہ اور الوہیت مسیح

کو ماننا حیات ابدی کہتے ہیں۔ پارسی آتش پرستی ہی میں سرگرم ہیں۔ الغرض کسی کے کچھ اقوال و افعال ہیں، کس کے کچھ اور بچن ❶ اور کرم ❷ ہیں مگر یہ تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ نہ سب حق ہیں نہ سب باطل کیونکہ نہ اجتماع النقیضین ممکن ہے نہ ارتفاع النقیضین۔ پس اس لئے ان میں ایک فریق صراط مستقیم پر ہے اور سب ضلال مبین میں گرفتار اور خوار ہیں کس لئے کہ بری چیزوں کو بھلا جان کر اس میں نقد عمر عزیز کو صرف کرنا بڑے خسارہ کی بات ہے اور اسی لئے اس جہل مرکب کو حکماء نے مرض لا دوا مانا ہے اور خدا تعالیٰ نے بھی اپنے کلام میں اس کو سب سے بڑا مرض گردانہ ہے۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ تم کہو کہ آؤ ہم تم کو بتلا دیں کہ سب سے زیادہ کون خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں وہ کہ دنیا میں جن کی کمائی اکارت گئی اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔

بروز حشر شود ہمچو معلومت ☆ کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

کیا خوب کہا ہے کسی نے

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے ☆ خواجہ را حاصل بجز پندار نیست

لیکن جہاں عقل غلطیوں کے سخت دلدل میں پھنس جاتی ہے تو رحمت الٰہی اس کو الہام انبیا علیہم السلام کے ہاتھ سے نجات دیتی ہے یعنی ایسے اختلافات میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کسوٹی ہیں کہ جو ان سے مطابق ہیں تو ٹھیک ورنہ صراط مستقیم سے الگ ہیں پس اس کے بعد یہ فرمایا کہ:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ ع

ان کے راستہ پر (چلا) کہ جن پر تو نے فضل کیا، نہ ان کے راستہ پر کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا، نہ گمراہوں کے راستہ پر (آمین)

**ترکیب:**...... صراط مضاف، الذین مضاف الیہ موصول، اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فعل بافاعل وضمیر عائد اس کا صلہ۔ موصول وصلہ مل کر مضاف الیہ ہوا مضاف کا، وہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر بدل کل ہوا۔ الصراط المستقیم سے یعنی صراط مستقیم سے مراد وہ راستہ ہے کہ جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا ہے۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ معطوف علیہ، وَلَا الضَّآلِّيْنَ معطوف۔ معطوف اور معطوف علیہ دونوں مل کر الذین سے بدل ہوا یعنی جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جن پر تیری خفگی نہیں ہوئی ہے اور نہ وہ گمراہ ہیں تا کہ کوئی انعام دنیاوی سمجھ کر گمراہ دولتمندوں اور بادشاہوں کا طریقہ نہ سمجھ لے۔ یہاں یہ صورت تمام ہوگئی۔

**دنیاوی نعمتوں کی انواع و اقسام:**...... نعمت ❸ لغت میں نرمی کو کہتے ہیں۔ ثوب ناعم اور جلد ناعم بولتے ہیں، یعنی نرم کپڑا یا نرم جلد۔ پھر اس حالت سرور و لذت پر اس مناسبت سے لفظ نعمت ❹ بولنے لگے۔ لیکن مراد اس سے وہ چیزیں لینے لگے کہ جن سے انسان کو راحت و سرور پیدا ہوتا ہو اور انعام نعمت کسی کو اس طرح پر دینا کہ اس سے صرف احسان مقصود ہو، اپنی کوئی غرض نہ ہو اور اسی لئے خدا تعالیٰ کے سوائے کسی کو منعم حقیقی نہیں کہہ سکتے، ہاں مجازاً اطلاق کر سکتے ہیں۔ ہر چند خدا تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اگر تم خدا تعالیٰ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے لیکن ان کی دو قسمیں ہیں ایک دنیاوی دوسری آخروی۔ پھر دنیاوی کی دو قسمیں ہیں وہبی کہ جس میں بندہ کو کچھ دخل نہیں دوسرے کسبی کہ جو بندہ کے کسب اور کام سے علاقہ رکھتے ہیں۔ پھر وہبی کی

❶ بچن = قول۔ منہ۔ ❷ کرم = فعل۔ منہ۔ ❸ نعمت بالفتح۔ ۱۲ منہ۔ ❹ نعمت بالکسر۔ ۱۲ منہ۔

دو قسمیں ہیں: ایک روحانی جیسا کہ اس کی روح کو پیدا کرنا اور پھر اس کے بدن سے متعلق کرنا کہ جس کو زندگی دنیاوی کہتے ہیں اور پھر اس کو عقل سے منور کرنا اور اس کے متعلق قوئی فہم وفکر ونطق وغیرہ عطا کرنا دوسرے جسمانی جیسا کہ اس کا بدن پیدا کرنا اور اس میں قوئی غادیہ اور نامیہ وغیرہا کہ جن سے اس کا قوام بدن ہے، عطا کرنا اور اس کے اعضاء ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کو کامل بنانا اور پھر اس کے متعلق کھانا اور کپڑا اور دیگر حوائج وزینت، روپیہ پیسہ، زن فرزند، مکان وسواری وغیرہ وغیرہ بیشمار چیزیں ہیں ف۔

یہ نعمتیں خدا تعالیٰ کی کافر ومومن نیک وبد سب کو عطا ہیں چونکہ بندہ کو مفت ملی ہیں اس لئے قدر نہیں کرتا اگر ان میں سے ایک تندرستی اور فراخ دستی ہی کو دیکھا جائے تو کیسی نعمت ہے اور پھر ایک آنکھ یا ناک وغیرہ اعضاء کے لئے اگر لاکھوں روپیہ صرف کریں تو کہیں دستیاب نہ ہوں۔ ادنیٰ سی بات جوانی میں بالوں کا سیاہ ہونا ہے۔ پھر اس کے لئے بڑھاپے میں لوگ خصاب لگا کر جو کچھ مشقت اٹھاتے ہیں، بیان سے باہر ہیں۔ پھر پانی اور ہوا اور طرح طرح کی خوشبوئیں اور میوے اور قسم قسم کے اناج اور نفیس کپڑے، سب خدا کی مخلوق ہیں جو بندہ کے کام میں آتے ہیں، بندہ کے اس میں خانہ زاد کچھ بھی نہیں اور کسبی بھی بہت سی نعمتیں ہیں، جیسا کہ اخلاق حمیدہ سے نفس کو مزین بنانا اور علم وفضل صنعت اور طرح طرح کی آرائشیں ظاہری وباطنی پیدا کرنا، یہ بھی سب ادھر سے ہیں۔ لیکن قدرے بندے کے کام کو دخل ہے مگر مراد کو وہی پہنچاتا ہے، ورنہ اپنی سعی وکوشش سلطنت اور دیگر کمالات حاصل کرنے میں کون کمی کرتا ہے۔

**اُخروی نعمتوں کی انواع واقسام:**……اخروی نعمتوں کی بھی بیشمار اقسام ہیں، جیسا کہ بندہ کو اپنی معرفت اور ہدایت اور تقرب وغیرہ آخرت کے وسائل عطا کرنا اور اس کے گناہ معاف کرنا اور مرنے کے بعد اس کو عالم برزخ (قبر) اور عالم حشر میں جنت دینا اور اس میں صدہا وہ نعمتیں نہ جن کو کسی آنکھ نہ دیکھا نہ کان نے سنا، نہ کسی کے دل پر ان کا خیال گزرا ہے اور سب سے بڑھ کر وہاں کا دوام اور اس کا دیدار ہے، اللّٰھم ارزقنا رؤیتک فی جنت الفردوس، آمین پس آپ کو جب نعماء الٰہی کا کسی قدر حال معلوم ہوا تو اب یہ جان لیجئے کہ اس آیت میں (کہ جن پر اے خدا تو نے نعمت کی ہے، اُن کی راہ پر چلا) نعمتِ اخرویہ مراد ہے، کس لئے کہ دراصل جس قدر دنیا کی نعمتیں ہیں سب فانی ہیں۔ باقی نعمتیں اخرویہ ہیں، سو ان کے مقابلہ میں وہ کالعدم ہے۔

دوم دنیاوی نعمتوں میں تو گمراہ بھی شریک ہیں، پھر ان کی راہ کیونکر مطلوب ہوسکتی ہے؟ ان کی راہ تو سیدھی غمکدۂ جہنم میں جاتی ہے، اعاذنا اللہ منہا اور یہ بھی واضح ہو کہ جن کو خدائے تعالیٰ نے اخروی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، وہ چار گروہ ہیں جیسا کہ خود ایک جگہ فرماتا ہے: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۝ کہ جس نے اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ رہے گا کہ جن پر خدا تعالیٰ نے انعام کیا اور وہ

---

ف:……دنیا کی تمام عیش وعشرت، دولت وجوانی، حسن وخوبی، اقبال وشہرت سب خواب وخیال ہیں۔ جس طرح کوئی رات کو شادی کرے اور نہایت خرمی اٹھائی یا تخت سلطنت پائے، صبح کو جب آنکھ کھلے تو کچھ نہیں دیکھتا۔ یہی حال اس چندروزہ زندگی اور اس کی بہار کا ہے۔ اگر کسی کو اس بات کا معائنہ کرنا ہو تو پرانے کھنڈرات بالخصوص پرانی دہلی میں بادشاہوں کی شکستہ عمارات اور کوشک ہزار ستون کی بنیاد کو دیکھئے اور توزک سلاطین تیموریہ کا آئینہ عبرت لال قلعہ ہے۔ دہلی کے کسی بڑے بادشاہ نے آخر عمر میں کہ جب بر سفر تھے کیا حسرت کے یہ اشعار کہے ہیں۔ (یہ عالمگیر کے اشعار ہیں)

چوں گل دریں جہاں چمیدیم ☆ بسیار نعیم و ناز دیدیم
اسپان بلند برنشستیم ☆ ترکان گراں بہا خریدیم
کردیم بے نشاط و آخر ☆ چون قامت ماہ نو خمیدیم

انبیاء، صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں اور یہ اچھے رفیق ہیں۔

**قوت نظریہ کی تکمیل کی صورتیں:**...... آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ عالم غیب سے یہ صراط مستقیم اول انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے اور پھر ان کا پرتو صدیقین پر پڑتا ہے اور ان کا شہیدوں پر اور ان کا صالحین پر اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں ایک قوت نظریہ کہ جس کی وجہ سے اشیاء کا علم حاصل ہوتا ہے اور اس قوت کی تکمیل کی دو صورتیں ہیں ایک انکشاف کے روح کو نور قدس سے وہ صفائی حاصل ہو کہ پھر حجابات اور ظلمات ادراک حقائق اشیا سے مانع نہ آئے، اس کا قلب عالم غیب کا خزانہ ہو جائے۔ اگر بغیر اکتساب و تعلیم یہ بات اس کو حاصل ہے تو وہ نبی ہے پھر انبیاء علیہم السلام کے بھی مراتب متفاوت ہیں۔ اعلیٰ درجہ میں رسول اولوالعزم ہیں اور ان سب کا سلسلہ ایک شخص کی طرف منتہی ہے کہ جو عالم روحانی میں خداوند تعالیٰ کے ظہور کا اول مرتبہ ہے کہ پھر جو اور مخلوقات ہیں سب اسی کی تفصیلات ❶ ہیں اور عالم حسی میں وہ سب سے آخر ہیں جس کو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے

تو اصل وجود آمدی از نخست
دگر ہرچہ موجود شد فرع تست

پس چونکہ کل کائنات اسی کے وجود کے انبساطات ہیں اس لئے جس طرح اپنے وجود کا علم ضروری ہے، ان کا بھی ضروری ہے۔ اس لئے تمام علوم کا سرچشمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ خود بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ کو تمام اولین و آخرین کے علم دئے گئے ہیں اور چونکہ ''بنی آدم از علم یابد کمال'' کمال کا اعلیٰ مرتبہ قوت علمیہ کی تکمیل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سب سے بڑھ کر ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین قرار پائے۔ الحاصل نبی وہ ہے کہ جس کی قوت علمیہ انکشاف الٰہی سے نہایت کمال کو پہنچ جائے کہ پھر اس میں غلطی کا احتمال نہ رہے اور اس کی قوت عملیہ بھی مکمل ہو جاتی ہے کہ جس سے ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ و معصوم رہتا ہے اور اس کی روحانی قوت سے خرق ❷ عادات و معجزات

---

❶...... اس کی ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں کہ جس سے ایک چیز کا سب سے اول ہونا اور آخر ہونا سمجھ میں آ جائے۔ کسی درخت کے تخم کو دیکھئے کہ وہ اس درخت کی اصل ہے، پھر اس سے دو پتے نکلتے ہیں یہ ایک مرتبہ تفصیل کا ہوا۔ پھر کسی قدر شاخیں نکالتا ہے، یہ دوسرا مرتبہ اس تخم کی تفصیل کا ہوا۔ پھر تمام شاخیں اور پتے اور پھل پھول نمودار ہوتے ہیں، یہ تیسرا مرتبہ تفصیل کا ہوا کہ اس تخم میں جس قدر یہ چیزیں مجملاً ودیعت تھیں سب باہر آ گئیں اور تفصیل ہو گئی۔ پھر تخم سب سے آخر پھل میں آ گیا۔ یہ تخم جو پھل میں نمودار ہوا ہے اگر کسی قدر تعینات کا لحاظ کیا جائے تو وہی پھل ہے کہ جس سے یہ تمام درخت پیدا ہوا ہے۔ اب دیکھئے کہ یہ تخم سارے درخت سے مقدم ہے مگر مؤخر بھی ہے۔ یہی حال حقیقۃ محمدیہ اور تمام سلسلہ انبیاء علیہم السلام کا ہے فتامل۔ منہ۔ ❷...... معجزات کبھی اقوال ہوتے ہیں، جیسا کہ غیب کی خبر دینا اور۔ بے مثال کلام کہ جس میں کہ ہر طرح کی ہدایت مع غایۃ فصاحت ہو، جیسا کہ قرآن مجید یا افعال ہیں، جیسا کہ انگلیوں سے پانی جاری کرنا اور چاند کے دو ٹکڑے کر دینا اور درختوں کا حاضر کر دینا، ایک مشت خاک سے لشکر کو اندھا کر دینا وغیرہ وغیرہ اور جس طرح انبیاء علیہم السلام کو تصدیق کے لئے معجزات دئے جاتے ہیں، اسی طرح ان کو آیت عقلیہ بھی ملتی ہیں۔ پھر ان آیات عقلیہ کی بھی چند قسمیں ہیں۔ از انجملہ اخلاق حمیدہ ہیں و بیان شافی ہے، حجت واضحہ ہے، انوار صحبت تکمیل نفس ہے کہ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے نفس کو کمال حاصل ہو جائے۔ از انجملہ خیر و برکات و نیک وقتی ہے کہ اس کے یمن و برکت سے انسان کو ہر قسم کی نیک چلنی اور خیر و برکت حاصل ہو جائے۔ پس جس طرح کہ ناقص لوگوں کو معجزات سے نبی کی تصدیق ہوتی ہے، کاملوں کو اس سے بڑھ کر آیات عقلیہ سے تصدیق ہو جایا کرتی ہیں۔ گو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر معجزات عطا ہوئے تھے کہ آج تک کسی نبی کو نہیں ملے، مگر ان سے دو چند حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آیات عقلیہ عنایت ہوئی تھیں جس سے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کا کمال معلوم ہوتا ہے یعنی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ایسی کوڑ مغزی نہیں کہ ان کو سوائے موٹی موٹی باتوں کے اور لطیف باتوں سے نبوت کے دریافت کرنے کا حصہ ہی نہیں ملا۔ دیکھئے اہل نسبت اور حکماء اشراقیہ آیات عقلیہ سے دوسرے شخص کے کمالات کیسے دریافت کر لیتے ہیں اور دیکھئے وائسرائے کا حاکم ہندوستان ہونا عامیوں کو ظاہری تجمل فوج و شوکت سے معلوم ہوتا ہے اور جو پارلیمینٹ کے ممبر ہیں، ان کو اس کی کچھ حاجت ہی نہیں، وہ بغیر اس ظاہری تجمل کے یقین کامل کرتے ہیں۔ پس زیادہ ظاہری تجمل کے ساتھ رہنا وائسرائے کی خوبی اور کمال نہیں بلکہ عامیوں کے نقصان عقل کی دلیل ہے۔ منہ

اس کی تصدیق کے لئے ظاہر ہوتے ہیں اور جو لوگ ان کی صحبت اور اثر تربیت سے اس درجہ علیا کو پہنچتے ہیں، ان کو صدیق کہتے ہیں، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر تابعین اور تبع تابعین اور ان کے بعد اور ہزار ہا صدیقین گزرے ہیں کہ جن کے فیوض اور انوار نے ایک عالم کو منور کر رکھا ہے۔ اگرچہ حکمائے اشراقیہ اور دیگر اہل ریاضت جیسا کہ ہنود کے جوگی وغیرہم بھی اس انکشاف سے کسی قدر بہرہ یاب ہوتے ہیں مگر بسبب اختلاط قوت وہمیہ کے غلطیوں سے محفوظ نہیں اور نہ یہ قوت ان کی حد کمال تک پہنچتی ہے بلکہ وہ ایسے ہیں کہ جس طرح کسی طائر کے تھوڑے سے پر ہوں اور وہ اچھی طرح نہیں اڑ سکتا، کسی قدر تڑپتا ہے اور گر پڑتا ہے اور وہ لوگ عقاب کی طرح اڑتے ہیں اس لئے ان کا اعتبار نہیں، ان کا اعتبار ہے اور وہی قابل اقتداء ہیں مگر عام لوگ ان کی ادنیٰ باتو پر بھی گرویدہ ہو جاتے ہیں اور ان کو خدا بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص ابن صیاد تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دخان دل میں رکھ کر پوچھا تو دخ کہہ کے رہ گیا اور اب بھی ایسے ہزاروں شعبدہ باز ہیں۔ دوسری صورت استدلال اور تجربہ وغیرہ امور ہیں۔ اس کے تو حکماء مشائین بھی قائل ہیں کہ جن کی اصلاح کے لئے فن منطق تدوین کیا تھا اور اس کے بعد بھی ارسطاطالیس وغیرہ بہت سے حکیم اغلاط سے نجات نہ پا سکے، جیسا کہ ان کے فلسفہ سے ظاہر ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے

پائے استدلالیاں چوبیں بود ☆ پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

اور تجربہ کا یہ حال ہے کہ انسان کی جوں جوں عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے، تجربہ اور مشاہدہ سے عقل بڑھتی جاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی یوماً فیوماً حواس میں بھی فرق آنے لگتا ہے۔ پس جس طرح بوڑھے لوگ دانائی کے لقب سے ممتاز ہیں، اسی طرح کم عقلی کا بھی خطاب ان کو ملتا ہے۔ اس کو سوائے تجربہ کے امور آخرت وغیرہ یعنی فن نبوات سے کیا علاقہ؟ اس لئے یہ فرق بھی معتبر نہ رہا اور ان کو خود حضرات انبیاء علیہم السلام کا متبع ہونا پڑا۔

**قوتِ علمیہ:**...... دوسری قوت علمیہ ہے کہ جس سے کسی قول کے نتیجہ پر یقین کر کے اس کو عمل میں لاتا ہے۔ پس جن لوگوں پر انبیاء علیہم السلام کے صدیقوں کا اثر پڑتا ہے اور ان کو ثواب و وعدۂ الٰہی کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے (گویا یہ اس کے پاس پہنچ گئے ہیں اور اس وجہ سے یہاں تک عمل کرنے کو آمادہ ہیں کہ اپنی جان تک سے دریغ نہیں کرتے) ان کو شہید ❶ کہتے ہیں۔ گو وہ زندہ ہوں مگر جب اس مرتبہ پر پہنچ جاتے ہیں تو شہید ہی کہلاتے ہیں اور چونکہ انہوں نے اپنی حیات مستعار سے دریغ نہ کیا تو اس کے بدلہ میں اللہ ان کو حیات ابدی نصیب کرتا ہے کہ جس کی نسبت فرماتا ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴿﴾ کہ جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ مگر تم کو خبر نہیں۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے

کشتگان خنجر تسلیم را ☆ ہر زماں از غیب جانے دیگر است

اور اسی لئے بعد مردن بھی ان کی روح سے امور عجیبہ اور اسرار غریبہ سرزد ہوتے ہیں اور چونکہ ان کی یہ کاروائی ملأ اعلیٰ کے موافق اور حسب خواہش ہوتی ہے تو ان کی یہ خواہش باغ اور خوشبو اور طرح طرح کی راحتوں میں ظہور کرتی ہے۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں پھر کوئی آنے کی آرزو نہ کرے گا، مگر شہید کہ وہ اس ذائقہ کے لئے پھر آنے کی آرزو کرے گا اور اسی لئے اس شہادت کی آرزو میں

❶ پس جس طرح نبی کو نبی کہتے ہیں کہ لفظ نبوت کے معنی علم و خبر کے ہیں اور لوگوں کو اپنے علم سے خبر دیتا ہے، اسی طرح صدیق چونکہ صداقت والا ہوتا ہے اور نبی کی تصدیق کرتا ہے، اس کو صدیق کہتے ہیں اور شہادت کے معنی حاضر ہونے کے ہیں اور چونکہ گواہ موقع پر حاضر ہوتا ہے، اس لئے اس کو شاہد کہتے ہیں اور شہید چونکہ اپنے دل سے اس کی تعمیل کرتا ہے گویا اس کے نتیجہ کے پاس پہنچ گیا اور حاضر ہو گیا، اس لئے اس کو شہید کہتے ہیں اور چونکہ صالح نیک ہوتا ہے، اس لئے اس کو صالح کہتے ہیں۔ یہ لغوی معنی ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ منہ

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ واللہ! میری یہ آرزو ہے کہ خدا کی راہ میں مارا جاؤں اور پھر زندہ ہوؤں اور پھر مارا جاؤں۔ (مشکوٰۃ)
یہ بات کہ اول قطرۂ خون سے شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، منجملہ اور فضائل کے ایک ادنیٰ بات ہے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کہا کرتے تھے: اللّٰھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی ببلد رسولک کہ الٰہی! مجھ کو اپنی راہ میں شہادت نصیب کر اور اپنے رسول ﷺ کے شہر میں موت دینا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی۔ الٰہی! میں بھی یہی دعاء کرتا ہوں ؎

آرزو یہ ہے کہ تیری راہ میں ☆ ٹھوکریں کھاتا ہمارا سر چلے

جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے مریدوں میں استیفان رحمہ اللہ علیہ یروشلم میں شہید ہوئے ہیں، آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہر جگہ صدہا شہید ہوئے ہیں اور اگر یہ دونوں قوتیں کمال پر نہیں پہنچیں مگر اس کو حضرات انبیاء علیہم السلام سے کمال درجہ کا اتباع ہے تو اس کو صالح کہتے ہیں۔ پس یہ لوگ ہیں کہ جن پر خدا تعالیٰ نے رحمت کی اور نعمت دی۔ حضور اکرم ﷺ کی امت میں قیامت تک صدیق اور شہید اور صالح پیدا ہوتے رہیں گے۔

**متعلقات:**

**غضب:** انسان کی ایک کیفیت ہے کہ جس میں خون دل جوش مارتا ہے اور روح حیوانی مکروہ کے دفع کرنے کو اور دشمن کے مقہور کرنے کو باہر کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ پس یہ بات ذات باری تعالیٰ کی نسبت محال ہے۔ کیونکہ خونِ دل کا جوش مارنا جسمانی چیزوں اور ممکنات کا خاصہ ہے۔ پس اس صفت سے مراد اس کی غایت اور اثر ہے یعنی دشمن اور مخالف کا مقہور کرنا اور تمام صفات رحمت اور استہزاء اور خدع اور مکر وغیرہ جو قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کی نسبت واقع ہیں، سب کے مجازی معنی اثر و غایت مراد ہے، کس لئے کہ خدا تعالیٰ کو ممکنات سے کسی بھی بات میں اشتراک نہیں مگر جب کہ اس کی صفات تعبیر کرنی پڑیں تو لامحالہ وہی الفاظ استعمال کرنے پڑے کہ جو بندوں کی صفات کے لئے وضع کئے گئے تھے۔ خدا تعالیٰ کا غصہ اس کی برخلافی اور سرکشی پر ہوتا ہے کہ جس کا نتیجہ دین و دنیا کی خرابی اور بربادی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے غضب سے محفوظ رکھے، آمین۔

**ضلال:** ہدایت کی ضد ہے یعنی اس رستہ پر چلنا کہ جو مقصود کو نہ پہنچے۔ پس جس طرح ہدایت کے مرتبے ہیں، اسی طرح ضلالت کے مرتبے ہیں اور جس طرح ہدایت کے مراتب غیر متناہی ہیں، اسی طرح ضلالت کے مراتب بھی لا انتہاء ❶ ہیں۔ الغرض ہر ہدایت کے مقابلے میں ایک ضلالت ہے۔ پس جس کو دس مرتبے ہدایت کے حاصل ہوئے، اس سے اوپر گیارہویں مرتبہ میں ہنوز ضلالت ہے۔ ایک بڑے سے بڑے کامل کو کہ ہنوز اخیر مرتبۂ کمال کی اس کو ہدایت نہیں ہوتی، اس مرتبہ کے لحاظ سے ضلال کہہ سکتے ہیں اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کو یہ فرمایا ہے: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى کہ آپ جب تک مرتبۂ نبوت اور وحی جلی کی ہدایت کو نہ پہنچے تھے، اس مرتبہ میں ضلال تھے۔ پھر اس کی آپ ﷺ کو ہدیت کردی۔ بعض بے علم عیسائیوں نے اس لفظ کو عرفی ضلالت پر محمول کر کے آنحضرت ﷺ کی نسبت قبل نبوت گمراہی کا الزام لگایا ہے اور پولوس مقدس پر قیاس کیا ہے کہ ابتداء میں سخت بے دین تھا۔ چنانچہ حضرت استیفان کے شہید کرنے والوں میں شامل تھا اور پھر ہر روز دینداروں کو قتل کرتا اور ستاتا تھا اور دمشق کو کاہنوں کا خط لے کر ایمانداروں کو قتل کرنے چلا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے روحانی تصرف سے اس کو اندھا کر دیا اور پھر یہ شخص عیسائیوں کا وہ پیشوا ہوا کہ جس

---

❶ ...... اور اسی لئے باوجود یکہ بندہ اس کے روبرو پہنچ گیا، پھر اھدنا الصراط المستقیم کے سوال کرنے کا حکم ہوا۔ کیونکہ قرب الٰہی کی نہایت نہیں:

اے براد ! بے نہایت در گہیست ☆ ہرچہ بروی میرسی بروے مایست

نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی ملعون کہا اور تمام شریعت موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کو منسوخ کر دیا۔ چنانچہ یہ سب باتیں کتاب اعمال اور نامجات سے ظاہر ہوتی ہیں۔

**ضلالت اختیاری:**...... یہ ضلالت یعنی گمراہی کبھی اختیاری ہوتی ہے کہ اسباب گمراہی کو از خود اختیار کر لیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ہم نے ثمود کو اسباب ہدایت تو میسر کر دئے تھے مگر انہوں نے از خود اسباب گمراہی کو اختیار کیا۔ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ بھی اسی قبیل سے ہے اور یہ بات کبھی لذات جسمانیہ کو لذات روحانیہ پر مقدم کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی حب جاہ و مال سے پیدا ہوتی ہے اور کبھی پابندیٔ رسم و عادات سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی صحبت بد سے اور کبھی نفس کو لذات اور خواہشوں میں شتر بے مہار کرنے سے اور جب نفس موٹا ہو جاتا ہے تو اسے نیکی سے نفرت ہو جاتی ہے، جیسا کہ آج کل ہم اوباشوں کو دیکھتے ہیں کہ دن رات چانڈو اور بھنگ اور افیون اور شراب اور ناچ ورنگ، گنجفہ و شطرنج میں غرق رہتے ہیں اور رنڈی بھڑووں کو ہر وقت اپنی صحبت میں رکھنا اور آہا ہا ہو ہو اور فحش بکنے میں شب کے دو بجے تک جاگنا اور صبح کو دس بجے اٹھنا اور پھر کنگی چوٹی میں باقی وقت ضایع کر دینا اور پھر بٹیر بازی، پتنگ بازی میں مصروف ہونا ان کے خمیر میں داخل ہو گیا۔ الغرض رات دن میں نہ خدا تعالیٰ کا نام کبھی ان کے منہ سے نکلتا ہے، نہ موت کا دھیان آتا ہے اور نہ دنیا کے کاروبار کا دل و دماغ، نہ سلطنت و ملک کی کچھ خبر۔ عدل و انتظام مالی اور ملکی تو کجا اور بیدار مغزی سے کیا علاقہ۔ ان لوگوں کا جس طرح حصہ دینی برباد ہو گیا، دنیاوی حصہ بھی برباد ہوتا جاتا ہے۔ اگر باور نہ آئے تو ہندوستان کے رئیسوں اور امیروں کو دیکھ لیجئے اور ان کے ملک کی اندرونی و بیرونی حالت کو غور کر لیجئے۔ انہیں خرافات کی بدولت سلطنت تیموریہ برباد ہوئی۔ انہی کی وجہ سے لکھنو اور مرشد آباد وغیرہ بڑی بڑی ریاستوں پر جھاڑو پھر گئی اور جو باقی ہیں، ان کو عبرت نہیں۔ لشکر کی یہ حالت کہ پرانی توپوں پر زنگ لگا ہوا ہے، توڑے دار بندوقوں اور بے ڈول نکمے ہتھیاروں کے بوجھ نے سپاہیوں کی پشت کو توڑ دیا ہے۔ ایک پاؤں میں جوتی تو دوسرا ننگا۔ وردی ندارد اور جو کبھی پھٹی پرانی سرکار انگریزی سے نیلام میں خرید لی ہے تو اس کی درستگی کو نوبت نہیں پہنچتی۔ نہ قواعد نہ پریڈ۔ نہ افسر قواعد جنگ سے واقف۔ افسر کون؟ وہی امیروں کی نالائق اولاد کہ جن کو اپنے تن کا بھی ہوش نہیں۔ رئیس کے دیوان یا وزیر کون؟ وہی عیاش یا ان کی اولاد کہ جن کو رئیس نے لغویات میں بالکل بے ہوش کر رکھا ہے۔ خزانہ کی حالت تباہ، دروازے پر ہزاروں دادخواہ۔ نہ رعایا میں دینی مدارس، نہ فنون کی تعلیم، نہ علوم جدیدہ کے لئے کوئی جماعت مستثنیٰ حتیٰ کہ تمام ملک میں کوئی کارخانہ عمدہ بھی کسی چیز کا نہیں اور جو ہے تو غیر لوگوں کے اہتمام سے۔ نہ یہ توفیق کہ اپنی رعایا میں سے دس بیس کو غیر ممالک بھیج کر اپنی رعایا میں وہ ہنر عموماً شائع کئے جائیں نہ کوئی جنگی فوج کا حصہ کہ جس کے مخالف کے دل پر کوئی اثر ہو۔ نہ رعایا کو عام قواعد سکھانے کی خواہش نہ والنٹیر لشکر رکھنے کی لیاقت۔ قلم کہاں سے کہاں چل نکلا۔ الغرض اس مرتبہ میں دل پر ایک زنگ لگ جاتا ہے کہ جس کو رین کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝ پھر جب اس حالت کو توبہ اور تنبیہ کے صابن سے نہیں دھویا جاتا تو غشاوۃ کی نوبت آتی ہے یعنی دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ پھر جب اس پر کچھ مدت گذرتی ہے تو ختم کی نوبت آتی ہے یعنی دلوں پر مہر لگ جاتی ہے۔ اس کے بعد نوبت قفل کی آتی ہے۔ اس کے بعد دل مر جاتا ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی نصیحت اثر کرتی ہے، نہ کوئی معجزہ کارگر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ اور یہ بھی آیا ہے: سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ اور کبھی ضلالت بے اختیاری بھی ہوتی ہے کہ مبدأ غیب سے اس بدنصیب کو اس کی بداستعدادی کی وجہ سے سامان ہدایت عطا نہ ہوئے۔ ایسے شخص کو گمراہ ازلی اور شقی بطنی کہتے ہیں کہ ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت تھا۔ ایسے لوگوں کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا

ہے کہ ان لوگوں کو ہم نے جہنم کے لئے پیدا کیا ہے اور کچھ پرواہ نہیں۔ پس ان لوگوں سے بے خوف وخطر برائیاں اس طرح ظاہر ہوتی ہیں کہ جس طرح مقتضیات طبع سونا کھانا وغیرہ باتیں بلا تکلف سرزد ہوتی ہیں۔

## تفسیر صراطِ مستقیم

جب آپ کو نعمت اور غضب وضلالت کے معنی بخوبی معلوم ہو گئے تو اب ہم ان دونوں آیتوں کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ آپ جان چکے ہیں کہ صراط مستقیم کی وضاحت کے لئے یہ دونوں آیتیں وارد ہیں اور صراط مستقیم درمیانی رستہ کو کہتے ہیں اور مخاطب کو وہ نشان دیا کرتے ہیں کہ جس کو وہ جانتا ہو اور جس کو مانتا ہو تو اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں تینوں چیزوں کا ایک ایک ایسا مسلم وصف بیان کیا اور معلوم ومشہور نشان دیا کہ جس کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر درمیانی راہ کی دو طرف مخالف ہوتی ہیں: ایک افراط، دوسری تفریط۔ پس یہ دو ہوئے۔ ایک وہ درمیانی حالت، یہ تین رستے نکل آئے اس لئے سب سے مقدم درمیان رستہ کو تو صراط الذین انعمت سے واضح کیا کہ صراط مستقیم وہ ہے کہ جس پر چلنے سے نیک نتیجہ پیدا ہو وہ خدا تعالیٰ کی نعمت ہے۔ پس جس رستہ پر نیک نتیجہ مرتب نہ ہو، وہ صراط مستقیم نہیں کیونکہ صراط مستقیم ہوتا تو مطلوب (جو رحمت ہے) حاصل ہوتا۔ یہ نشان صراط مستقیم کا وہ ہے کہ جس کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے اور جو لوگ طبع سلیم رکھتے ہیں، وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ درحقیقت خدا تعالیٰ کا کامل انعام انبیاء اور صدیقین رضی اللہ عنہم اور شہداءؒ اور صالحینؒ ہی پر ہے۔ اس لئے ان کی پیروی اور تقلید واجب ہوئی اور عہد آدم علیہ السلام سے اس وقت تک آپ جس قدر بنی آدم کو دیکھیں گے، اکثر کو ان چاروں فریق کا مقلد ومتبع پائیں گے۔ پس مخاطب کے لئے صراط مستقیم ثابت کرنے کے لئے اس جملہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ الخ سے بڑھ کر اور کوئی دلیل نہیں (وللہ الحجۃ البالغۃ) اور اس صراط مستقیم کی ایک جانب مخالف یعنی افراط کو غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے واضح کر دیا اور دوسری جانب تفریط کو وَلَا الضَّآلِّيْنَ سے کھول دیا اور یہ بتلا دیا کہ جن پر خدا تعالیٰ کا غصہ بھڑکا اور جو گمراہ ہیں، صراط مستقیم سے برطرف ہیں خواہ وہ یہودی ہوں خواہ نصاریٰ خواہ بت پرست ہوں خواہ منافق، گنہگار۔

### نکات:

**قوت نظریہ وقوت عملیہ کی تکمیل انسان کی سعادت کا ذریعہ ہے:**......(۱) انسان کی پوری سعادت یہ ہے کہ اس کی دونوں قوتیں کامل ہو جائیں اور وہ دونوں یہ ہیں: قوت نظریہ کہ جس سے علم ومعفرت الٰہی حاصل ہوتی ہو اور مبدء ومعاد کے متعلق عقائد کی درستی میسر آتی ہے۔ دوسری قوت عملیہ کہ جس سے عمدہ اعمال ظہور میں آتے ہیں۔ پس یہ جس کی دونوں قوتیں مکمل ہو گئیں، اس کو بڑی نعمت نصیب ہوئی۔ اس لئے اس گروہ کو خدا تعالیٰ نے اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے یاد فرمایا اور اس لفظ سے ان دونوں قوتوں کے مکمل کرنے کی رغبت دلائی اور جس کی اول قوت میں نقصان ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی ذات وصفات، قیامت اور رسولوں اور فرشتوں کی بابت برا عقیدہ ہے بلکہ خیالات فاسدہ اور توہمات کاسدہ ہی کو علم ومعرفت تصور کر کے مست ومغرور ہے تو ان پر غضب الٰہی پر ضرور ہے، کس لئے کہ سزا بقدر گناہ ہوتی ہے اور قوت نظریہ انسان کی سعادت کا اعلیٰ بازو ہے کہ جو بعد مردن بھی باقی رہتی ہے اور عمل کا اسی پر مدار ہے کیونکہ جب علم ہوتا ہے تب اسکے موافق عمل کرتا ہے۔ پس جس نے اس عمدہ قوت کو کہ جس کی مدد سے ملائکہ میں مل سکتا ہے، خراب کیا تو اس پر غضب الٰہی نازل ہوا اور اس گروہ میں کافر ومشرک ومنافق اور دہریہ وغیرہم داخل ہیں۔ ان لوگوں کو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے یاد کیا تا کہ سزا اور نتیجہ برا خیال میں آئے اور ہر شخص اس شریف قوت کے خراب کرنے سے ڈر جائے۔ پس وہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

یہود ہیں، ہمارے قول کا موید ہے اور جس کی قوت عملیہ میں خرابی ہے تو وہ چوری، زنا، حسد، بغض، قتل وغیرہ بد کام کرتا ہے اور نیک کاموں میں کوتاہی کرتا ہے۔ نماز، روزہ، عبادت، سخاوت، محبت، انصاف وغیرہ چیزوں سے بے بہرہ رہتا ہے۔ سو وہ گو اس مرتبہ کا گنہگار نہیں کہ اس پر غضب الٰہی بھڑکے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا مگر راہ راست اور طریق ثواب سے ضرور دور ہے اور اسی لئے کافر کو فاسق سے زیادہ قابل عقوبت شرع نے بیان کیا ہے۔ اس فریق کو خدا تعالیٰ نے ضالین سے تعبیر کیا تا کہ ان کی ناراستی معلوم ہو جائے۔

**بندوں کی تین قسمیں:**......(۲) یا یوں کہو کہ بندوں کی تین قسمیں ہیں (اول) وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے ظاہراً و باطناً فرمانبردار ہیں اور ان کو مومن کہتے ہیں۔ (دوم) وہ کہ جو ظاہراً و باطناً نافرمان ہیں، ان کو کافر کہتے ہیں۔ (سوم) وہ کہ جو ظاہر میں کسی خوف یا لالچ دنیاوی سے فرمانبردار شریعت ہیں اور در پردہ مخالف، ان کو منافق کہتے ہیں۔ پس اول فریق کو بلفظ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ سے تعبیر کیا تا کہ ان کے اس کام کا بدنتیجہ معلوم ہو جائے۔ لیکن منافق گو کفر میں کافر کے برابر ہے مگر اس کی فریب بازی سے عام اہل اسلام کو مضرت پہنچتی ہے اور اسی لئے جس قدر فتنہ و فساد اول دن سے اسلام میں اب تک واقع ہوئے ہیں، انہیں بدنصیبوں کی وجہ سے واقع ہوئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں جو کچھ ہوا، سو معلوم ہے مگر اب بھی جو فتنے ان لوگوں نے برپا کر رکھے ہیں (کہ بظاہر مسلمان کہلاتے ہیں اور در پردہ اسلام کے سخت دشمن، جیسا کہ نیچریہ) یہ فتنہ مسیح الدجال سے کم نہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے کے درجے میں ہوں گے۔ اسی لئے بیشتر ان کو یہ لفظ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ تعبیر کیا اور کفار کو بلفظ ضالین تعبیر کیا خواہ وہ یہود ہوں خواہ نصاریٰ۔

(۳) صراط مستقیم کے بیان کرنے میں ضروری تھا کہ تین فریق کا ذکر ہو ایک وہ کہ جو صراط مستقیم پر ہے۔ دوسرے وہ کہ جو افراط و تفریط میں پڑ کر اس کو چھوڑ گئے۔ لیکن کسی شخص خاص یا قوم خاص کا نام لینا منصب نصیحت و پایہ ہدایت کو مناسب نہ تھا دو وجوہات سے: اول یہ کہ جس کو صراط مستقیم پر قائم کہا جاتا اور جس کو برخلاف کہا جاتا تو وہ خود پسندی اور یہ ناراضگی ظاہر کرتے اور یہ سمجھتے کہ اب تو ہم صراط مستقیم پر ہیں، کچھ پرواہ نہیں اور ہم گمراہ ازلی ہیں، جستجو بے فائدہ ہے۔ دوم یہ کہ کسی فریق کا نام لینے سے ان تینوں فریقوں کے نتیجوں کا ذکر رہ جاتا جو مقصود اصلی تھا۔ علاوہ اس کے شارع کے احکام کلیہ ہونے چاہئیں جو ازمان و اشخاص کے بدلنے سے نہ بدلیں اور اقوام کا کیا اعتبار، کوئی قوم کبھی کیسی ہو جاتی ہے۔ اچھوں کو برا اور بروں کو اچھا ہوتے دیکھا ہے۔ پس اس نکتے کے لئے خدائے پاک نے کسی کا نام نہ لیا بلکہ یہ کہہ دیا کہ صراط مستقیم ان کا طریق ہے کہ جن پر فضل الٰہی ہوا، نہ ان کا کہ جن پر غصہ ہوا، نہ ان کا کہ جو بے راہ ہیں۔ ایسی عام نصیحت دل پر مؤثر ہوتی ہے۔ یہاں تک جو مختصراً ہم نے بیان کیا، وہ ہر ہر جملہ کی بابت بیان کیا ہے۔ اب ہم مجموعہ کلام کے نکات و اسرار بیان کرتے ہیں۔

**اسرار مجموعہ سورۃ الفاتحہ:**......اس سورۃ میں پانچ چیزیں خدا تعالیٰ کے متعلق اور پانچ بندہ کے متعلق مذکور ہیں، خدائے تعالیٰ کے متعلق یہ ہیں۔ اللہ رب رحمٰن، رحیم، مالک، اور بندہ کے متعلق یہ ہیں: عبادات، استعانت، طلب ہدایت، طلب استقامت، طلب نعمت اور غضب الٰہی سے پناہ پس عبادت لفظ اللہ سے اور استعانت لفظ رب سے اور ہدایت لفظ رحمٰن سے اور طلب استقامت لفظ رحیم سے اور نعمت باقیہ کا طلب کرنا اور غضب سے محفوظ ہونا مالک کے متعلق ہے اور اسی طرح انسان پانچ چیزوں سے مرکب ہے: بدن نفس شیطانی، نفس سبعی، نفس بہیمی، جوہر ملکی سے جس کو عقل کہتے ہیں۔ پس یہ پانچوں چیزیں ان پانچوں اسماء سے ایک مناسبت خاصہ رکھتی ہیں کہ جس سے ان کی اصلاح ہوتی ہے، چنانچہ جوہر ملکی، اسم اللہ کی تجلی سے چمکتا ہے، اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اور کثافت بدنی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے ملاحظہ سے دور ہو جاتی ہے اور نفس سبعی کی اصلاح لفظ رحمٰن سے ہوتی ہے اور نفس شیطانی کی اصلاح لفظ رحیم سے متعلق ہے اور نفس بہیمی پر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے

دہشت طاری ہوتی ہے۔ جب ان پانچ ناموں کی تجلی سے آدمی بالکل مذہب اور شائستہ ہو گیا تو اپنے مقصود کی طرف چلا، پس طاعت بدن کے لئے اِیَّاكَ نَعْبُدُ کہا اور نفس بہیمی کے زیر کرنے کو وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ زبان پر لایا اور نفس سبعی کے پنجہ اور شیطان کے چنگل سے رہائی پانے کو اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہا اور جن کی جو ہر ملکی کامل ہے (یعنی ارواح مقدسہ) ان کی رفاقت طلب کرنے کے لئے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کہا و غضب سے بچنے اور ارواح خبیثہ سے دور رہنے کے لئے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہا۔

جب کہ بندے نے مقام مناجات میں کھڑے ہو کر کمالات وصفات باری تعالیٰ کا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے لے کر مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ تک ملاحظہ کیا تو اس کو بے اختیار شوق الی اللہ پیدا ہوا، پھر اس کو اس سفر کا کاٹنا ضرور پڑا اور ایسے سفر میں توشہ اور سواری ضروری ہے، پس اِیَّاكَ نَعْبُدُ کو توشہ لیا یعنی عبادت کو اس سفر کا زادراہ اور وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ یعنی استعانت کو سواری بنایا کیونکہ گو عبادت سے خدا تعالیٰ کا وصال ہے مگر بغیر اعانت الٰہی اور مدد غیبی محال ہے۔ جب زاد و راحلہ مہیا ہوا تو سیدھے رستے کے درپے ہوا اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہا اور جب کہ سیدھی سڑک مل گئی تو رستے کے رفیق بھی درکار ہوئے کہ جن کے سبب سے اس رستہ کی تمام صعوبتیں آسان ہو جائیں اور اس کے مشابہ دوسرے رستہ پر نہ پڑ جائے تو اس لئے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کہا اور جب کہ راہزنوں سے خوف پیدا ہوا تو غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہا۔

**علوم ثلاثہ کا بیان:**......اس تھوڑے کلام میں نہایت خوش اسلوبی سے خدا تعالیٰ نے وہ تینوں علم بیان کر دیئے جن کے لئے انبیاء علیہم السلام آئے اور ان کے قبول و تصدیق کرانے کے لئے معجزات و آیات دکھائے اس لئے اس سورۃ کو تمام کتب سماویہ کا خلاصہ کہیں تو بجا ہے اور سب کا عطر کہیں تو روا ہے اور اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ سورۃ ہے کہ اس کے برابر توراۃ و انجیل و قرآن میں کوئی سورۃ نہیں (کما سیاتی) اور وہ تین علوم یہ ہیں: علم شریعت یعنی وہ قانون الٰہی کہ جس کے مطابق چلنا بندوں پر ضروری ہے، علم طریقت کہ جس کے ذریعہ دل کے معاملات پہچانے جاتے ہیں۔ علم حقیقت یعنی مکاشفاتِ ارواح اور تجلی علمی۔

**علم شریعت:**......علم شریعت کی دو قسمیں ہیں: اول: علم عقائد کہ جس کو اصول کہتے ہیں۔ دوسرا علم احکام فقہیہ کہ جس کو فروع کہتے ہیں۔ پھر علم عقائد کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق عقائد کہ وہ موجود ہے، واحد لاشریک ہے۔ ہر چیز کا اس کو علم ہے۔ دیکھتا، سنتا ہے۔ ازلی ہے، ابدی ہے۔ عادل، رحیم و کریم ہے۔ کھانے، پینے، سونے، مکان و زمان میں ہونے اور دیگر عیوب سے پاک ہے۔ کوئی چیز اس کے مثل نہیں۔ نہ کوئی اس کی اولاد ہے، نہ وہ کسی کی۔ سب کاموں میں بے نیاز اور ہر چیز پر قادر ہے۔ کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا، نہ اس سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ سو یہ سب باتیں خدا تعالیٰ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے ثابت کر دیں۔ کیونکہ جب تمام عالم کا وہ مربی ہوا تو اب کون سی چیز ہے جو اس کی شریک و سہیم ہے اور مربی بغیر رحیم و علیم، قادر و سمیع و بصیر اور حی قیوم ہونے کے نہیں ہو سکتا اور جب تمام عالم کا مربی ہے تو عالم کی ذات سے اس کی ذات غیر ہے، کسی کے مشابہ و مانند نہیں تو جمیع اوصات حوادث سے لامحالہ بری ہوا۔ بالخصوص ان سے کہ جن سے اس کی تقدیس میں فرق آتا ہے۔ (۲) آخرت کے متعلق عقائد کہ مرنے کے بعد روح باقی رہتی ہے، وہاں جا کر ہر قسم کے آرام و راحت پاتی یا تکلیف و دکھ اٹھاتی ہے اور ہر نیکی و بدی کا بدلہ ضرور ہے اور اعمال کے بموجب اپنے کئے کو ہر شخص پائے گا اور ایمانداروں پر وہ وہاں نہایت مہربانی فرمائے گا۔ سو یہ سب باتیں اس نے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ سے ثابت کر دیں کیونکہ جو شخص جزا کے دن کا مالک ہے تو اس کے لئے یہ سب باتیں ضروری ہیں، کما لا یخفی ان دونوں قسموں کے علم کو علم مبدأ و معاد بھی کہتے ہیں کہ تمام عالم کی ابتداء، انتہاء، انجام کار سب کچھ بیان کر دیا کہ ابتداء میں وہی ایک تھا اور

پھر سب کے پیچھے وہی ایک واحد قہار رہ جائے گا۔ (۳) نبوت و امامت و ولایت کے متعلق عقائد اور ان کے مقابلے میں کفر اور بدعت اور شرک کی پہچان، سو ان سب باتوں کو مجملاً صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ...الخ میں مع ان کے نیک و بد نتیجہ کے بیان کر دیا کیونکہ جب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہا تو سیدھے رستے کی خواہش ظاہر کی اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ میں اس رستے پر چلنے والوں انبیاء علیہم السلام و صدیقین رضی اللہ عنہم و شہداءؒ و صالحینؒ کا منعم علیہ ہونا بیان کر دیا اور انبیاء علیہم السلام کی عصمت ثابت کر دی اور ان کا پیشوا اور رہبر ہونا بتلا دیا اور اسی طرح ان کے مقابلہ میں برے لوگوں کا حال بیان کر دیا۔

**اقسامِ علمِ فقہ:**......علم فقہ کی دو قسمیں ہیں: عبادات کہ عبادت و استعانت ہر قسم کی خدا تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔ نہ اور کسی کو سجدہ کرنا چاہئے نہ رکوع اور نہ کسی اور کو بوقت حاجت پکارنا چاہئے۔ اسی سے ہر کام میں مدد مانگنی چاہئے اور مال و بدن میں ہر قسم کی عبادت اسی کا حق ہے۔ پس ان سب باتوں کو اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے ثابت کر دیا۔

دوسرے معاملات یعنی بیع و شراء، نکاح و طلاق، قرض و امانت وغیرہ وغیرہ جملہ احکام کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں واضح کر دیا اور ہر امر و نہی، فرض و واجب، مندوب و مکروہ کا نتیجہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۝ سے مؤکد کر دیا

**علمِ طریقت:**......طریقت کو اجمالاً اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں بیان کر دیا اور اس کی دونوں جانب افراط و تفریط کو غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ سے خوب واضح کر دیا۔ پھر اہل طریقت کے تینوں مرتبوں کو بھی بیان کر دیا، کس لئے کہ طریقت کا مرتبہ ابتدائی ہے کہ جس کے بغیر طریقت حاصل نہیں ہوتی، اس کو عبادت کہتے ہیں۔ سو اس کو اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے ساتھ تعبیر کر دیا اور س کا درمیانی مرتبہ استعانت ہے اس کو اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے واضح کیا اور انتہائی مرتبہ استقامت ہے، اس کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں ذکر کیا اور علم میں بڑھ کر دو چیزوں کے حالات سے مطلع رہنا اصل الاصول ہے۔

اول نفس کہ جو ہر دم، ہر طرح کی خواہشوں کی طرف رغبت دلاتا ہے اور راہ راست سے ادھر ادھر لے جاتا ہے کہ جس کے مطیع کرنے کے لئے لوگ سخت ریاضت کرتے ہیں۔ بھوک و پیاس وغیرہ زائد تکلیفیں دے کر اس موذی کو مارتا ہے۔ مگر خدائے تعالیٰ نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ میں اس کی لگام کی دونوں باگیں سالک کے ہاتھ میں دے دیں یعنی درصورت زیادتی غضب اور درصورت کمی ضلالت ہے۔ پس جو شخص ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھے گا، نفس کو ادھر ادھر جانے نہ دے گا۔

(دوم) قلب کہ جس کی سلامتی اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ اس قلب کا کام شوق اور محبت ہے۔ جس کا دل محبت الٰہی سے معمور ہو گیا، وہ مراد کو پہنچ گیا۔ اس لئے اس صورۃ میں خدا تعالیٰ نے اپنے سے ہر قسم کی محبت کرنے کا طریقہ بتلا دیا۔ محبت ذاتیہ لفظ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے اور صفاتیہ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے تلقین کر دی اور پھر اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں تو صاف صاف محبت کرنے کا طریقہ تعلیم کر دیا کہ جس سے محبان خدا اور خاصان کبریاء سے ملنے کا بے حد شوق پیدا ہوا

نالۂ من برسانید بمرغان چمن ☆ کہ ہم آواز شما در قفسے افتادہ است

اور نہایت اشتیاق میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہا۔ اب مؤمن کا دل محبت الٰہی سے ایسا بھر گیا کہ اور کی جگہ بھی نہ رہی۔ اس قلب کی حفاظت پر تمام انبیاء علیہم السلام و صدیقین رضی اللہ عنہم تاکید کرتے چلے آئے ہیں۔

پاسبانی کن بے در کوئے دل ☆ زانکہ دز دانند در پہلوئے دل

واضح ہو کہ جن چیزوں کی اصلاح اہل طریقت کے نزدیک زیادہ تر ملحوظ ہے وہ تین قوتیں ہیں: ایک شہوت، دوسری غضب، تیسری

ہوا۔ قوت شہوت کو نفس بہیمی یا بہیمیت کہتے ہیں اور اس کی کمی وزیادتی جسم کی کمی وزیادتی سے ہوتی ہے اور غضب کو نفس سبعی اور سبعیت بھی کہتے ہیں یعنی درندہ پن اور ہوا کو نفس شیطانی اور شیطانیت بھی کہتے ہیں۔ لیکن سب میں زیادہ تیز ہوا ہے کہ جو جسم کے پژمردہ ہونے سے بھی کم نہیں ہوتی۔ اس کے بعد غضب ہے، پھر شہوت۔ آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ جب یہ تینوں صلاحیت پر آتی ہیں تو عفت اور حلم وغیرہ صفات حمیدہ پیدا ہوتی ہیں کہ جن کو عدالت کہتے ہیں کہ جس کے سبب سے حضرت انسان ملائکہ سے فوقیت لے گئے اور خلیفہ بنائے گئے مگر اسی طرح جب یہ قویٰ خراب ہوتے ہیں تو انسان کو درندہ، گدھا، شیطان بنا دیتے ہیں۔

پس شہوت سے حرص اور بخل پیدا ہوتا ہے اور غضب سے خود پسندی اور تکبر اور ہوا سے کفر اور بدعت اور اسی لئے کہتے ہیں کہ شہوت سے انسان اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور غضب سے غیر پر اور ہوا تو خدا تعالیٰ وتقدس کی جناب میں بغاوت کرنے کا باعث ہوتی ہے، اسی لئے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ آیا اور اس کی بخشش نہیں۔ اس کے بعد غضب کا نتیجہ حقوق العباد میں دست اندازی ہے، وہ بھی بنسبت گناہِ شہوانی کے زیادہ ہے اور جب یہ چند اوصاف رذیلہ جمع ہو جاتے ہیں تو ان سے حسد پیدا ہوتا ہے کہ جو سخت مرض روحانی ہے۔

پس جب ان اوصاف رذیلہ کا علاج کلام الٰہی اور کتاب آسمانی میں ضروری تھا تو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام بالخصوص اس سورۃ میں بھی اس کا علاج نہایت عمدگی سے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں سب سے بڑھ کر مرض حسد کا تدارک کیا، اس لئے کہ جب بندہ خدا تعالیٰ کو رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ خیال کرے گا اور ہر ایک نعمت کا مبدء فیاض اور مالک عطا کنندہ اسی کو سمجھے گا تو پھر کسی کی نعمت کو دیکھ کر نہ جلے گا اور خدا تعالیٰ کے فیض عام اور خوان بے دریغ کو دیکھ کر اس ناپاک خیال کو دل سے نکال دے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کے دیئے کو کون لے سکتا ہے؟ اور پھر کس کس کی نعمت کا زوال چاہے گا؟ ایک دو نہیں بلکہ تمام عالم اس انعام سے مالا مال ہے اور بخل کا علاج بھی ملاحظہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے بخوبی ہو جاتا ہے کیونکہ ہر نعمت کا پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ کو تصور کرے گا تو اس کی ملک میں بخل کرنا قبیح جانے گا اور غضب الٰہی کو اپنی رحمت یاد دلا کر اور اپنا جلال اخروی دکھا کر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے فرو کر دیا، اس لئے کہ جب مضمون رحمت دل پر آیا اور اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی شان کبریائی دل میں سمائی تو غضب کافور ہوا اور خود پسندی کا علاج اِيَّاكَ نَعْبُدُ سے کر دیا، اس لئے کہ جب عاجزانہ ہر کام میں اس کی طرف ہاتھ پھیلانا بتلایا تو تکبر کو اڑا دیا اور کفر وشرک وبدعت کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے دور کیا، اس لئے کہ ہر امر میں میانہ پن، کفر وبدعت کے منافی ہے۔ پھر غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے کفر کا بدنتیجہ دکھا کر ڈرا دیا اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ سے اہل بدعت کا مآل کار بتلا دیا۔

**تین اسماء الٰہی سے ان تینوں بدصفات کو محو کرنا:**...... الغرض بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں تین اسماء الٰہی سے ان تینوں بدصفات کو مٹایا، اس لئے کہ جس نے اللہ کو جانا، شیطان ہوا کو بھگا دیا اور جس نے خدا (رحمان) کو جانا، دل میں نرمی آئی، غضب وغصہ دور ہوا اور جس نے اس کی رحیمی کا لحاظ کیا، اپنی جان حزیں کو شہوات کے ظلم سے محفوظ رکھا اور الحمد کی سات آیتوں میں ان سات خصلتوں کی اصلاح کر دی کہ جو ان تینوں سے پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا۔ سبحان اللہ! کیا کلام ہے۔ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کے پہاڑی وعظ کو مکارم اخلاق کی تعلیم میں ہر جگہ قرآن کے مقابلہ میں پیش کیا کرتے ہیں۔ اگر انصاف فرمائیں تو یقیناً معلوم ہو جائے کہ اس وعظ کو اس کلام سے کچھ بھی نسبت نہیں۔

**علم حقیقت:**...... حقیقت کو (کہ جو مکاشفہ روحانی ہے) اس سورۃ میں بخوبی ذکر کر دیا۔ چنانچہ تمام اسرار ربوبیت کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں بھر دیا ہے گویا کہ عارف کے دل پر اس جملہ میں منکشف کر دیا کہ تمام عالم کی ہستی اور ہر چیز کا وجود اس کے وجود واجب کا پرتو اور اس آفتاب حقیقی کی شعاعیں ہیں۔ اس عالم کی جس چیز کو دیکھے گا تو مرتبہ ذات میں معدوم پائے گا اور خود بھی فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ اس لئے کہ جب عارف اس مضمون کا (کہ تمام خوبیاں اس ذات جامع صفات کمالیہ جو کہ تمام عالموں کی بروقت

پرورش اور تربیت کرتا ہے) مراقبہ کرے گا تو پھر اس کی چشم حقیقت بین کے آگے اس کے سوا کچھ اور دکھائی نہ دے گا۔

اور جب وہ اس مقام سے لے کر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ تک تجلیات جلالیہ جمالیہ کی سیر کرتا آئے گا تو اس کو مرتبہ علم الیقین حاصل ہو جائے گا اور جب اس نور سے روح مسرور و منور ہو جائے گی تو تمام حجاب مرتفع ہو جائیں گے اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے مرتبہ میں عین الیقین حاصل ہو جائے گا اور اس مرتبہ میں لطائف خمسہ (نفس، قلب، روح، خفی اخفی، ضلالت و استعانت وہدایت و استقامت و انعام کے ملاحظہ سے) نہایت درجہ پر جاری ہو جائے گی اور پھر ان کے ذریعے سے ہر چیز کی حقیقت کماحقہٗ معلوم ہونے لگی گی اور حق الیقین کا مرتبہ نصیب ہو جائیں گا اور جب سیر الی اللہ سے فارغ ہو چکا تو سیر من اللہ شروع کی اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں امور آخرت اور اعمال کی حقیقت دریافت کرتا ہوا پھر وہی لوٹ کر آ گیا تو ھو الاول ھو الاخر کی کیفیت منکشف ہوگئی، چونکہ ان باریک باتوں کے بیان کرنے کی میرے قلم میں طاقت نہیں، لہٰذا اسی پر بس کرتا ہو، یہاں سے آپ کو اس دعویٰ کی تصدیق ہوگئی کہ جس طرح بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں تمام الحمد کو مضمون ملخص ہے، اسی طرح الحمد میں قرآن اور جمیع کتب سماویہ کا مضمون جمع ہے۔

**سورۂ فاتحہ کی خصوصیت ۱):**.....خدائے تعالیٰ نے اجمالی طور پر اس سورۃ میں بے شمار علوم جمع کر دئے کہ جن کو تمام انبیاء علیہم السلام اپنی کتابوں میں عہد آدم سے لے کر آنحضرت ﷺ تک جمع نہ کر سکے، چنانچہ یہ بات آپ کو دفع سابق سے بخوبی معلوم ہوگئی ہوگی کہ علم شریعت، طریقت، حقیقت جو دریائے ذخار ہیں، اس سورۃ میں کس خوبی کے ساتھ مذکور ہیں مگر اس مسئلہ کی اور تشریح کرنی ضروری ہے۔

واضح ہو کر بِسْمِ اللّٰهِ میں ذات اور بیشمار اسماء الٰہی کی طرف اشارہ ہے اور اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں خدا تعالیٰ کی صفات کمالیہ کی طرف اشارہ اور اَلْحَمْدُ میں ان نعماء الٰہی کی طرف اشارہ ہے جن کا بیان کرنا محال ہے خواہ وہ وجود آسمان و زمین اور عناصر اور کواکب اور انسان کی تندرستی اور اناج اور کپڑے اور چیزوں وغیرہ ہوں کہ جن کے متعلق ہزار ہا مسائل ہیں۔ چنانچہ منجملہ ان کے بدن انسان سے جو کچھ متعلق ہے، تخمیناً پانچ ہزار مسئلے ہیں کہ جن کو اطباء بھی جانتے ہیں اور رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں تربیت کی ہزار ہا اقسام کی کیونکر تربیت ہوتی ہے۔ حیوانات، نباتات، جمادات کے اصناف و انواع ہی کو لکھا جائے تو سینکڑوں کتابیں بنیں اور پھر عالم کی اقسام ارواح و اجسام شہودی و مثالی و اعراض و جواہر کو جاننا ہزاروں مسائل حکمت سے متعلق ہیں اور اس جملہ کی تفسیر لکھی جائے تو صدہا کتابیں بنیں اور پھر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں دنیا و آخرت کے متعلق وہ صدہا باتیں کہ جو انسان کی حالت سے متعلق ہیں، اجمالاً مذکور ہیں اور مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ میں ابدان سے جدا ہونے کے بعد نفوس کی بقاء اور ان کی سعادت و شقاوت کی طرف اور وہاں کے عذاب و ثواب اور مرنے کے بعد زندہ ہونے اور نفخ صور اور وقوف عرصات و حساب و میزان و دوزخ و جنت کے درجات اور انبیاء و صدیقین و دیگر اولیاء کی شفاعت کی طرف اجمالاً اشارہ ہے کہ جن کے لئے دفتر درکار ہیں اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں عبادت کی اقسام قلبی و قالبی، مالی و بدنی کی طرف اشارہ ہیں اور ان کے ارکان و شروط کی طرف کہ جن کا ذکر کتب فقہ و سلوک و اوراد و اشغال کے رسائل میں ہے۔

اور یہ بھی سینکڑوں مسائل مہمہ ہیں اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں تمام معونتوں اور دنیا کی جمیع صفتوں اور کل حرفوں کی طرف مجملاً اشارہ ہے، اس لئے کہ تمام پیشوں اور صنعتوں میں خدا تعالیٰ سے اس کی مخلوقات کے ذریعہ سے استعانت ہے، پس ان صنعتوں اور پیشوں کے بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیے تا کہ پورے طور پر استعانت الٰہی کا حال معلوم ہو، یہ ہزار ہا مسائل اور بے شمار مباحث ہیں جو کہ اس کلمہ میں مندرج ہیں۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں جو اس قدر بے شمار مسائل علوم حکمیہ کی طرف اشارہ ہیں کہ جن کا کچھ شمار ہی نہیں اس

لئے کہ دنیاوی امور، بیاہ شادی، مرنے جینے، بیع وشراء لین دین وغیرہ معاملات میں صراط مستقیم بھی ایک دریائے بے کنارہ ہے اور اسی طرح اخلاق انسانیہ سخاوت وشجاعت وصبر وقناعت وغیرہا صراط مستقیم سے ہزار ہا مسائل متعلق ہیں۔

**صراطِ مستقیم کی ہدایت کے دوطریقے:......** پھر ہر امر میں صراط مستقیم کی ہدایت کے دوطریق ہیں، ایک استدلال سے صراط مستقیم حاصل کرنا جیسا کی مشائین کرتے ہیں، پھر اور امور تو درکنار خاص ذات باری کے لئے عالم علوی وسفلی کا ہر ایک ذرہ شاہد عدل ہے کہ جو اس کی کمال ذات وتقدیس صفات وعظمت وقدرت پر زبان حال سے گواہی دے رہا ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے:

وفی کل شئی له شاهد ☆ یدل علی انه واحد

دوسرا طریقہ انکشاف باطنی اور روحانی ہے کہ جو اشراقین کا ہے، پھر یہ ہزار ہا مسائل اور بے شمار علوم ہیں کہ جو اس ایک جملہ میں مجتمع کر دئے گئے ہیں صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں مباحث نبوت اور ولایت کی طرف وانبیاء علیہم السلام کی شریعتوں اور ان کے عقائد وحالات اور سرگزشت کی طرف اشارہ ہے کہ جو صد ہا مسائل ملت وتاریخی واقعات سے متعلق ہیں گویا اس جملہ میں تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیرووں کی تاریخ اور ان کی شریعت مجملاً بیان کردی۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ میں تمام کفار اور مشرکین کے حالات اور کل بدعتیوں کی سرگزشت اور ان کے مذاہب باطلہ اور عقائد فاسدہ اور خراب چال وچلن کی طرف اشارہ ہے کہ جس کی تفصیل کے لئے ملل ونحل اور دبستان مذاہب وغیرہما صد ہا کتابیں بھی کافی نہیں اور جن کی تاریخ عبرت انگیز بے شمار کتابوں میں نہیں آسکتی الحاصل مبدء ومعاد۔ شریعت، الٰہیات۔ طبعیات۔ تاریخ انبیاء وصلحاء۔ مخالفین کے حالات وغیرہا بے شمار علوم خدا تعالیٰ نے اجمالاً بترتیب اس سورۃ میں جمع کر دئے ہیں۔

۵): ...... دعا، خدا تعالیٰ اور بندہ میں ایک ایسا عمدہ ارتباط ہے کہ اس سے بڑھ کر پھر کوئی واسطہ نہیں، کس لئے کہ دعا میں دو باتیں ضرور ہوتی ہیں، ایک اپنی عاجزی اور فروماندگی کا اظہار اور کسی مقصود کا سوال۔ دوسرے خدا تعالیٰ کی دل سے کامل عظمت اور اس کی جناب میں کامل درجہ کا اعتقاد کہ وہ ہر چیز پر بالخصوص میرے اس مقصد کے عطا کرنے پر قادر ہے، گویا دعا پوری عبودیت کا اظہار اور اس کی الوہیت کا اقرار ہے کہ جو دل اور زبان سے ادا کر رہا ہے اور اعضاء سے اس کی شہادت دے رہا ہے اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ (رواہ الترمذی)
اور یہ بھی آیا ہے کہ دعا سے زیادہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز بڑی نہیں (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

**دُعا رحمتِ الٰہی کو تحریک کرتی ہے:......** پس دعاء جس طرح بندہ کی روح کو جنبش دیتی ہے، اسی طرح رحمت الٰہی کو تحریک کرتی ہے جس سے خدا تعالیٰ یا تو اس دعا سے کسی آنے والی مصیبت کو ٹال دیتا ہے یا اس کام کے اسباب پیدا کر کے اس کو پورا کر دیتا ہے یا کبھی بطور خرق عادت بلا اسباب مقصد کو جس کے لئے دعا مانگی گئی ہے، پورا کر دیتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی دعا سے ظہور میں آیا جس کی شہادت خود قرآن نے اور کتب حدیث وسیر وروایتِ ثقافت دے رہی ہے اور یہی اجابت ❶ ہے اور چونکہ دعاء اعلیٰ عبادت ہے تو ضروری ہوا کہ اس کے آداب تعلیم فرمائے جائیں۔

**دعا اور اس کے آداب کی تعلیم:......** پس اس لئے اس سورۃ میں تعلیم کر دیا کہ اول خدا تعالیٰ کی ثنا وصفت کرنی چاہیے، جیسا کہ

---

❶ محرف القرآن اپنی تفسیر میں قواعد نیچریہ کے موافق صفحہ ۱۰ میں تحریر کرتے ہیں: قولہ مگر لوگ دعاء کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جس مطلب کے لئے دعاء کرتے ہیں، وہ دعاء کرنے سے حاصل ہو جائے گا اور استجابت کے معنی اس مطلب کا حاصل ہونا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلطی ہے۔ حصول مطلب کے جو اسباب خدا تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں، وہ مطلب تو انہیں اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر دعاء نہ اس مطلب کے اسباب میں سے ہے اور نہ اس مطلب کے اسباب جمع کرنے والی ہے۔ بلکہ وہ اس قوت کو تحریک دیتی ہے جس سے اضطراب میں تسکین ہوتی ہے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اَلْحَمْدُ سے لے کر مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک پایا جاتا ہے اور پھر اپنا اخلاص اور نیاز ظاہر کرنا چاہئے جیسا کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے ظاہر ہے، پھر دعا کرنی چاہئے جیسا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے ظاہر ہے۔ مگر ایسے بادشاہ حقیقی سے دعا بھی وہ کرنی چاہئے جو کہ تمام دینی و دنیاوی امور کو حاوی ہو جیسا کہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے ظاہر ہے اور اسی حکمۃ بالغہ سے ہر نماز میں دوبار اس سورۃ کا پڑھنا واجب ٹھہرا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کیا خوب ہی دعا تعلیم فرمائی ہے۔

۶):..... تعلیم کی یہ خوبی ہے کہ ایک بار اجمالاً تمام مراتب ہدایت کو تعلیم کر دے، پھر تدریجاً ان کی تفصیل کرے کیونکہ اجمال کے بعد تفصیل دل پر تہہ نشین ہوتی ہے اور اس اجمالی فہرست پر عمل کرنا اور ان مضامین کو اس مختصر متن سے دریافت کرنا بھی زیادہ تر آسان ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے اس سورۃ مقدسہ میں یہی کیا کہ تمام الہامی مضامین کو مجملاً مجتمع کر دیا، پھر باقی قرآن میں ان کی تفصیل فرمائی۔ چنانچہ (۱) خداوند قدوس وتعالیٰ کی ذات وصفات کی بابت جس قدر آیات ہیں، جیسا کہ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ... الایۃ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۖ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ وغیرہا من الآیات۔ (۲) اسی طرح جو کچھ ابتدائے آفرینش آسمان وزمین اور حجر وشجر کے متعلق بیان فرمایا ہے، جیسا کہ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ الآیات۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ ۔ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۔ (۳) اور اسی طرح جو کچھ اس کی علامات قدرت اور دنیا کی نعمتوں کی بابت مذکور ہے، جیسا کہ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ ۔ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۔ الآیات اور انہیں اقسام کی جملہ آیات سب اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ کی تفصیل اور شرح ہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور (۴) جو کچھ انسان کی موت اور موت کے عذاب و ثواب اور دنیا کی بے ثباتی اور نفخ صور اور احوال قیامت اور دوزخ اور جنت کی کیفیت کے متعلق قرآن میں مذکور ہے، جیسا کہ كُلُّ نَفْسٍ

---

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ سے آگے)..... اور ایسی کیفیت کا دل میں پیدا ہونا دعاء کا مستجاب ہونا ہے، انتہیٰ ملخصاً۔

اقول: بیشک اصول نیچریہ کے مطابق نہ دعاء سے مطلب کے اسباب خدا تعالیٰ پیدا کرنے پر قادر ہے، نہ اس کو قدرت ہے کہ وہ بندہ کو اس کی عجز وزاری سے اس کا مطلب عطا کرے، کس لئے کہ سرے سے نیچر کے نزدیک خدائے قادر کا وجود ہی مسلم نہیں ورنہ اسباب پیدا کرنے سے عجز کے کیا معنی؟ اور بطور خرق عادات دعاء پر مطلب حاصل کرنے سے ناچار ہونے کی کیا وجہ؟ بلکہ ان کے نزدیک خدا تعالیٰ ایک فرضی چیز ہے کہ جس کو بالطبع اوہام عامہ ہونے کے وجود کی طرح اختراع کرتے ہیں اور جس طرح لڑکوں کو ہوے سے ڈرانے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح دعاء کے مستجاب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ بیوقوفوں کو کچھ تسکین سی ہو جاتی ہے، العیاذ باللہ۔ مگر یہ معنی عقل سلیم اور اصول ادیان سماویہ بالخصوص قواعد اسلام کے نزدیک بالکل مردود ومطرود ہے، کس لئے کہ جب ادلۂ عقلیہ ونقلیہ سے عالم کے بانی کا ایک ایسا وجود تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء اور وہ ہر ممکن پر قادر ہے اور ممکنات پر تصرف کرنے سے کوئی چیز اس کو نہیں روک سکتی اور دعاء کے بعد اسباب کا پیدا کر دینا بلکہ مطلب کا حاصل کر دینا، یہ سب کچھ اس قادر مطلق کے نزدیک ممکن ہے تو پھر اس تصرف سے کس کا ہاتھ اس کو روک سکتا ہے؟ اور نبی ﷺ کی بیشمار احادیث میں دعاء سے مطلب کا حاصل ہونا پایا جاتا ہے۔ چنانچہ انہیں حضرت ترمذیؒ نے کہ جن کی روایت کو مفسر صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں، نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: مامن احد یدعو بدعاء الا اٰتاہ اللہ ما سال او کف عنہ السوء مثلہ ما لم یدع باثم او قطیعۃ رحم (رواہ الترمذی) کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے دعاء کرتا ہے، خدا تعالیٰ اس کا مطلب عطا کرتا ہے یا اس کی مثل اس سے برائی دور کر دیتا ہے جب تک کہ گناہ اور قطع رحم کی دعاء نہ مانگے۔ وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان الدعاء ینفع مما نزل ومما لم ینزل فعلیکم عباد اللہ بالدعاء (رواہ الترمذی ورواہ احمد عن معاذ بن جبل) کہ دعاء ہر حال میں بہتر ہے۔ بلائے نازل شدہ میں صبر اور اجر دیتی ہے اور جو ہنوز نازل نہیں ہوئی ہے، اس کو دفع کرتی ہے۔ وعن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یرد القضاء الا الدعاء (رواہ الترمذی) کہ دعاء کے سوا قضاء کو اور کوئی چیز نہیں روکتی۔ اسی طرح تمام کتب سماویہ میں پایا جاتا ہے۔ مگر چونکہ اکثر لوگ اس فریق کے وہ ہیں کہ جن کو امور دنیا میں کامیابی ہے، اس لئے وہ دعاء کے اثر کو فضول جانتے ہیں اور اکثر اہل دنیا ایسا ہی جانا کرتے ہے۔ منہ

ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ـ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ـ یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ الایۃ ـ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ الایۃ ـ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ ، ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ۞ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّھَا وَوُضِعَ الْکِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّھَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ الآیات یہ آیات اور سورۂ رحمن وغیرہ کہ جو جنت اور دوزخ کے حالات سے پُر ہیں اور وہ آیات کہ جن میں دیدار الٰہی کا ذکر ہے، سب مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۞ کی تفسیر و تفصیل ہیں۔

۷)......اور اسی طرح جس قدر آیات میں نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ و صدقہ و خیرات اور خدا کے ساتھ اخلاص و محبت اور دل سے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا ذکر ہے، جیسا کہ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ـ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ... الایۃ ـ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ـ وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ـ وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا ـ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ ـ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ـ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ ـ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ـ یہ سب اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۞ کی تفصیل ہے۔

۸)......اسی طرح جو کچھ باہمی معاملات میں نیک چلنی اور لوگوں سے نیکی سے پیش آنے کی بابت اور گناہوں سے بچنے کی بابت اور اخلاق حمیدہ کی بابت اور ہر امر میں میانہ روی کی بابت قرآن میں مختلف سورتوں میں مختلف عنوانوں سے وارد ہوا، جیسا کہ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ کہ بدی کے مقابلہ میں نیکی کرو (حضرت مسیح علیہ السلام نے تو یہی فرمایا تھا کہ جو تیرے ایک گال پر تماچہ مارے تو اس کی طرف دوسرا گال بھی کر دے) مگر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اس سے بھی بڑھ کر یہ تعلیم دی گئی کہ بدی کے بدلہ میں نیکی کرو اور وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَہٗ ـ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ ـ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ـ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ـ یہ سب اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۞ کی تفسیر ہے۔

۹)......اور اس طرح جو کچھ انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیرووں کے محامد اور ان پر اور ملائکہ پر ایمان لانے کی بابت اور ان کے طریقہ کی بابت جو کچھ مختلف سورتوں میں آیا ہے، جیسا کہ سورۂ قصص اور سورۂ انبیاء اور سورۂ یوسف اور سورۂ نوح اور سورۂ شعراء اور سورۂ نمل اور سورۂ یونس اور سورۂ مومنون اور سورۂ طٰہٰ اور سورۂ مریم اور سورۂ مائدہ اور سورۂ کہف میں مذکور ہے، سب صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی تفصیل ہے۔

۱۰)......اسی طرح جس قدر سرکشوں کے قصے اور ان پر عذاب الٰہی نازل ہونا اور قہر خدا کا نازل ہونا قرآن کریم میں مذکور ہے، جیسا کہ سورۂ مذکورہ میں فرعون و ہامان اور قارون اور قوم عاد و ثمود کا قصہ کہ جو سورۂ اعراف وغیرہ میں بھی مذکور ہے سب غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۞ کی تفسیر و تشریح ہے۔ یہ مضامین اس خوبی سے کسی کتاب میں نہیں اور جو کوئی دعویٰ کرے تو دکھا دے۔ وید۔ دساتیر۔ انجیل۔ توراۃ سب اس خوبی سے معرا ہیں۔

**الحمد للہ کہنے کی وجہ تخصیص:**......جو کچھ بلاغت اور فصاحت اور سلاست الفاظ (کہ جس کا مزہ اہل زبان لیتے ہیں) اس سورۃ میں ہے، وہ بیان سے باہر ہے۔ از انجملہ یہ کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا، نحمد اللہ یا احمد اللہ جملہ فعلیہ نہ کہا دو وجہ سے۔

اول یہ کہ جملہ فعلیہ تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے اور وہ اس کے علوشان کے مناسب نہیں، بخلاف اسمیہ کے کہ جو دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ (دوم) یہ کہ خدا تعالیٰ کی حمد کوئی کیا کر سکتا ہے، لاکھوں نعمتیں ہیں اور ہزاروں خوبیاں۔ پس اس کی حمد کا دعویٰ کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے، اس لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہہ دیا کہ حمد خدا کے لئے ہے۔ از انجملہ صنعت التفات ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے لے کر مٰلِکِ یَوْمِ

الدِّیْنِ۝ تک تو غائبانہ گفتگو تھی، پھر اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۝ میں مخاطب بنا کر کلام کیا اور پھر اِھْدِنَا الصِّرَاطَ . . . میں صیغۂ متکلم بولا اور یہ صنعت زبان عرب میں نہایت محمود ہے تا کہ ایک طرح کے کلام سے دل ملال نہ آ جائے، جیسا کہ امراء القیس عرب کا مشہور شاعر اپنے ان اشعار میں اس صنعت کو استعمال کرتا ہے

تطاول لیک بالاثمد ☆ ونام الخلی ولم ترقد
وبات وباتت له لیلة ☆ کیلة ذی العائر الارمد
و ذلک من نباء جاء نی ☆ و خبرته عن ابی الاسود

کلام کے اسلوب کے بدلنے سے نشاط خاطر پیدا ہوتا ہے کہ جس کو ہر صاحب ذوق سلیم جانتا ہے اور یہ کلام میں ایسا ہے کہ جیسا کھانے میں نمک اور انہیں خوبیوں سے عرب قرآن سن کر وجد میں آتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے تھے۔ روایت ہے کہ ہجرت سے پہلے مکہ میں جب چند لوگ ایمان لائے تھے اور مشرکین کے خوف سے بیچارے ایماندار بلکہ سید ابرار ﷺ پوشیدہ رہتے تھے اور جس طرح شہر یروشلم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں پر ہر طرف سے مار مار اور طعن و تشنیع کی بوچھاڑ تھی۔ یہی حال مکہ میں حضور ﷺ اور صحابہ جانباز کا تھا مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چونکہ بڑے تاجر تھے، لوگ ان کا خیال کرتے تھے، اس لئے گھر سے باہر ایک چبوترہ تھا اس پر بیٹھ کر نہایت درد سے قرآن مجید پڑھتے اور اس کے اثر جاں گداز سے شمع کی طرح روتے تھے۔ ایک تو قرآن مجید کہ وہ روح کو کپکپا دینے والی نئی نئی باتیں رستہ چلنے والی عورتوں اور مردوں اور بوڑھوں اور بچوں کے کان میں پڑنا، اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا درد اور اصلی لب ولہجہ سے پڑھنا۔

وصف اس پری وش کا اور بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

پھر تو جو سنتا تھا، کھڑا ہو کر سر دھنتا تھا۔ ایک اژدحام اور مجمع خاص و عام ہو جاتا تھا۔ جو سخت منکر ننگی تلوار لے کر مارنے آتے تھے، آنکھوں سے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ ہر روز بہت سی عورتیں اور بہت سے مرد ایمان لاتے اور اس پر مخالفوں کی ہر قسم کی اذیت اٹھاتے تھے۔ کوئی دھوپ میں چومیخا کیا جاتا تھا، کسی پر کوڑے پڑ رہے ہیں، کسی کو مار پیٹ پڑ رہی ہے، کوئی جلاوطن کیا جاتا ہے، کوئی جان سے مارا جاتا ہے۔ میاں سے بی بی اس بارے میں لڑ رہی ہے۔ میاں بی بی کو سمجھا رہا ہے۔ مگر دل میں قرآن کا اثر روز افزوں اور عشق الٰہی میں ہر دم حالت دگرگوں ہے۔ نہ کسی قسم کی تکلیف کا ڈر، نہ جلاوطنی کا خوف وخطر۔ یہ حال دیکھ کر لوگوں نے یہ کہا کہ ابوبکر صدیق جادوگر ہے۔ جانے یہ کیا پڑھتا ہے کہ جو نہایت پراثر ہے، لہٰذا صدیق اکبر کو بھی مکہ سے نکال دیا۔ الغرض قرآن مجید کے اس اثر بے حد سے تمام عرب میں کھلبلی پڑ گئی۔ جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے جا کر قرآن کی منادی کی، وہیں ہزاروں سرکش اور بت پرست سن کر لوٹ پوٹ ہو گئے اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم ملک حبشہ گئے اور وہاں کے بادشاہ نجاشی نے کہ جو اہل کتاب کا بڑا عالم تھا، قرآن سنا تو اس کا اور اس کے ارکان دولت کا دل ایمان سے بھر گیا اور سب ارباب جلسہ بے اختیار رونے لگے۔ اسی طرح جہاں قرآن پہنچا وہیں اس نے اپنا اثر دکھایا۔ اس لئے چند سال میں شرق سے غرب تک اکثر سر سبز سلطنتوں میں اسلام پھیل گیا۔ افسوس متعصب پادری شیوع اسلام تلوار کے زور سے بتا کر اسلام پر عیب لگاتے ہیں۔ اب ہم قرآن کا مقابلہ اور کتابوں سے کرتے ہیں اور الحمد کی سات آیتوں کے مقابلہ میں ہر کتاب کے سات جملے لکھ کر دکھاتے ہیں۔

# مقابلہ

رات محفل میں اک مہ پارہ گرم لاف تھا ‏ ‏ صبح کو خورشید جب نکلا تو مطلع صاف تھا

| توراۃ | زبور | دساتیر | رگ وید | انجیل | قرآن مجید |
|---|---|---|---|---|---|
| کہ جس کو بقول اہل کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صد ہا سال بعد علمائے یہود نے جمع کیا اور جس طرح کوئی کسی مردے کی ہڈیاں جمع کر کے نام اس شخص کا رکھے، اس طرح اس مجموعہ کا نام توراۃ رکھا۔<br>مطبوعہ مرزاپور<br>نارتھ انڈیا ۱۸۶۸ء | بقول اہل کتاب اس کے مصنف کا اب تک صحیح پتہ نہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں یا کوئی اور شخص ہے<br>مطبوعہ مطبع مذکور | کہ جن کو ساسان پنجم نے پاژندی سے دری میں ترجمہ کیا۔<br>مطبوعہ مطبع سراجی<br>دہلی ۱۲۸۰ء | کہ جس کو بیاس جی شاگرد زردشت نے لوگوں کے منتر لے کر جمع کیا۔ ترجمہ لچھمن داس دہلوی<br>مطبوعہ<br>دہلی ۱۲۸۰ء | بقول نصاریٰ چار شخصوں متی، مرقس، لوقا، یوحنا نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد تاریخ کے طور پر ان کے حالات کو جمع کیا<br>مطبوعہ مرزاپور<br>دہلی ۱۲۸۰ء | عرب میں شہر مکہ اور مدینہ میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء پر بواسطہ جبرئیل علیہ السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا۔ بلا تغیر حرف اہل اسلام میں موجود ہے۔ |
| باب اول<br>ابتداء میں خدا تعالیٰ نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا۔ | اول زبور<br>مبارک وہ آدمی ہے کہ جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا اور خطاکاروں کی راہ پر کھڑا نہیں رہتا اور ٹھٹھا کرنے والوں کے جلسہ میں نہیں بیٹھتا۔ | پنا ہم بہ یزداں از منش خوی بدوزشت وگمراہ کنندہ وبراہ ناخوب برندہ ورنج دہندہ وآزار رسانندہ | میں اگنی دیوتا کی جو ہوم کا بڑا گرو کارکن اور بڑے دیوتاؤں کو نذریں پہنچانے والا اور بڑا ثروت والا ہے، مہما کرتا ہوں یعنی میں آگ کی ستائش کرتا ہوں | یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابرہام کا نسب نامہ۔ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ سب خوبیاں اللہ کو کہ جو تمام عالم کا پرورش کرنے والا ہے |
| (۲) اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا | (۲) بلکہ خداوند کی شریعت میں مگن رہتا اور دن رات اس کی | (۲) بنام ایزد بخشایندہ بخشایشگر مہربان دادگر۔ | (۲) ایسا ہوا کہ اگنی جس کی مہما زمانہ قدیم اور زمانہ حال کے رشی | (۲) ابراہیم علیہ السلام سے اسحٰق علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام پیدا | (۲) الرحمٰن الرحیم۔ جو نہایت مہربان اور رحیم ہے۔ |

| توراۃ | زبور | دساتیر | رگ وید | انجیل | قرآن مجید |
|---|---|---|---|---|---|
| اور خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی۔ | شریعت میں سوچا کرتا تھا | | کرتے چلے آئے ہیں، دیوتاؤں کو اس طرف متوجہ کرے۔ | ہوئے اور یعقوبؑ سے یہودا اور اس کے بھائی پیدا ہوئے۔ | |
| (۳) اور خدا تعالیٰ نے کہا کہ اجالا ہوا اور اجالا ہو گیا۔ | (۳) سو وہ اس درخت کی مانند ہوگا جو پانی کی نہروں کے کنارے لگایا جائے جس کے پتے مرجھاتے نہیں اور اپنے ہر کام میں پھلتا پھولتا رہے گا۔ | (۳) بنام یزدان۔ | (۳) اگنی کے وسیلہ سے پجاری کو ایسی آسودگی حاصل ہوتی ہے جو روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور شہرت کا سرچشمہ اور انسان کے نسل بڑھانے والی ہے۔ | (۳) یہوداہ سے پھارس اور زارح تمر کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور پھارس سے حصروم پیدا ہوا اور حصروم سے آرام پیدا ہوا۔ | (۳) مَالِكِ یَوْمِ الدِّینِ۔ اور جزا کے دن کا مالک ہے۔ |
| (۴) اور خدا تعالیٰ نے اجالے کو دیکھا کہ اچھا ہے اور خدا نے اجالے کو اندھیرے سے جدا کیا۔ | (۴) شریر ایسے نہیں بلکہ وہ بھوسی کی مانند ہیں جسے ہوا اڑا لے جاتی ہے۔ | (۴) ایں بود ایزد نتواں دانست چنانکہ ہست او کہ یارو (یعنی حقیقت وجود خدا تعالیٰ کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جان سکتا) | (۴) اے اگنی یگ جس کو کوئی نہیں روک سکتا اور جس کی تو ہر طرف سے رکھشا کرنے والا ہے تحقیقاً دیوتاؤں کو پہنچا تا ہے۔ | (۴) اور آرام سے عمینداب پیدا ہوا اور عمینداب سے نحسون پیدا ہوا اور نحسون۔ سے سلمون پیدا ہوا۔ | (۴) اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ |
| (۵) اور خدا نے اجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات کہا سو شام اور صبح پہلا دن ہوا۔ | (۵) سو شریر عدالت میں کھڑے نہ ہوں گے نہ خطاکار صادقوں کی جماعت میں۔ | (۵) ہستی و یکتائی و کسی سراسر فروزہا آورند گوہر اوست وازو بیرون نیست (یعنی اس کی ہستی اور تمام صفات اس کی ذات میں ہیں) | (۵) ایسا ہو کہ اگنی جو نذروں کا پہچاننے والا اور علم حاصل کرنے والا اور سچا نامور دیوتا ہے مع دیوتاؤں کے یہاں آئے۔ | (۵) اور سلمون سے بوعز راحاب کے پیٹ سے پیدا ہوا اور بوعز سے عوبید روت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور عوبید سے یسّی پیدا ہوا۔ | (۵) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ ہم کو سیدھی راہ پر چلا۔ |
| (۶) اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے بیچ فضا ہو اور پانیوں کو پانی سے جدا کرے۔ | (۶) کیونکہ خداوند صادقوں کی راہ جانتا ہے پر شریروں کی راہ نیست و نابود ہوگی | (۶) خبر آغاز و انجام وانباز و دشمن و مانند و یار و پدر و مادر و زن و فرزند و جائے و سوے | (۶) اے اگنی جس قدر تیرے سے ہو سکے اپنے نذر دینے والے کو فائدہ پہنچا۔ وہ | (۶) اور یسّی سے داؤد بادشاہ پیدا ہوا اور داؤد بادشاہ سے سلیمان علیہ السلام اُس سے | (۶) صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ۔ راہ ان لوگوں کی کہ جن پر تو نے انعام کیا۔ |

| توراۃ | زبور | دساتیر | رگ وید | انجیل | قرآن مجید |
|---|---|---|---|---|---|
| | (یہاں تک اوّل زبور تمام ہوا) | وتن وتن آساوتنائی ورنگ وپوست (یعنی خدا تعالیٰ ابتدا وانتہاء دشمن اور شریک اور مادر وپدر جسم ورنگ وبو سے پاک ہے)۔ | یقیناً تیرے ہی پاس اے اینگر (یعنی انگاری) واپس آئے گا۔ | جو اور یاہ کی جورو تھی پیدا ہوا۔ | |
| (۷) تب خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے پانیوں کو فضا کے اوپر کے پانیوں سے جدا کیا اور ایسا ہی ہوگیا۔ | | (۷) زندہ ودانا وتوانا وبے نیاز ودادگر وبرشنودن ودین وبودن آگاہ است (یعنی خدا زندہ دانا ولاشریک اور بینا اور خبردار ہے)۔ اس کے بعد بطرز حکمائے یونان خدائے تعالیٰ سے عقل اول کا پیدا ہونا اور اس سے عقل دوم اور نویں آسمان کا پیدا ہونا لکھا ہے اور اسی طرح آسمانوں کے عدم خرق والتیام پر دلائل لایا ہے مگر اس کلام میں بھی چند نظر ہیں۔ (۱) یہ کہ سب ترجمہ ساسان پنجم کا ہے کہ جس نے زمانۂ اسلام کو بھی دیکھا ہے۔ اگر اُس نے اہل اسلام کی تقلید سے صفات باری میں کچھ بیان کیا ہو تو کچھ تعجب نہیں۔ چنانچہ اعوذ باللہ اور بسم اللہ کا ترجمہ شاہد عدل ہے۔ | (۷) اے اگنی ہم ہر روز صبح و شام اطاعت کے ساتھ تیرا دھیان کرکر تیرے پاس آتے ہیں۔ | (۷) اور سلیمان سے رجعام پیدا ہوا اور رجعام سے ابیاہ اور ابیاہ سے آسا پیدا ہوا۔ | (۷) غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ نہ ان کی کہ جن پر غضب نازل ہوا نہ گمراہوں کی آمین۔ اس سورۃ کو مع ان تمام اسرار کے ملاحظہ کرنا چاہئے کہ جو اوپر بیان ہوئے اور ان کے سوا اور بے شمار اسرار ہیں کہ جن کو میں نہیں جانتا اور جانتا ہوں تو بیان کرنے سے عاجز ہوں کہ جن کو اولیائے امت اور اہل باطن جانتے ہیں وہ سب اسرار ان لفظوں سے ذرا تأمل کرنے سے بے ساختہ منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ فقط |

| توراۃ | زبور | دساتیر | رگ وید | انجیل |
|---|---|---|---|---|
| (۸) اور خدا نے فضا کو آسمان کیا سو شام اور صبح دوسرا دن ہوا۔ | یہاں بھی کچھ کلام ہے۔ (۱) یہ کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ کلام عمدہ ہے اور اس کو الہامی کہہ سکتے ہیں مگر اس میں جو کچھ ہے۔ | (۲) یہ کہ جن کتابوں کو ہم غیر الہامی کہتے ہیں اُن سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ اُن میں کوئی بات بھی حق نہیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے شاید خدا نے ایران | (۸) اے اگنی جوتی سروپ یگ کی رکشا کرنے والی راستی کو فروغ دینے والی اور اپنے مکان میں کثیر ہونے والی ہم تیرے پاس آتے ہیں۔ | (۸) اور آسا سے یہوسفط پیدا ہوا اور یہوسفط سے یورام پیدا ہوا اور یورام سے عزیاہ پیدا ہوا۔ |
| (۹) اور خدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے کے پانی ایک جگہ جمع ہوں کہ خشکی نظر آئے اور ایسا ہی ہو گیا۔ (۱۰) اور خدا نے خشکی کو زمین کہا اور جمع ہوئے پانیوں کو سمندر کہا (یہاں سے لے کر آیت ۲۶ تک زمین کی گھاس اور جاندار اور باقی جانوں کا بیان ہے۔ (۲۶) تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی اور اپنی مانند بنائیں...... (باب دوم) (۲۷) اور خدا نے عدن میں پورب کی طرف سے ایک باغ لگایا اور آدم کو جس نے اُسے بنایا تھا وہاں رکھا...... (۱۰) اور عدن سے ایک ندی باغ کے سیراب | صرف شریعت پر عمل کرنے کی تاکید ہے مگر جس قدر تاکید اور خوبی اہدنا الصراط المستقیم...... میں ہے (کہ شریعت کے نتیجہ کو مشاہدہ کرا دیا ہے) اس میں دسواں حصہ بھی نہیں علاوہ اس کے اور باقی مضامین سورۃ الحمد کے مقابلہ میں تو کچھ بھی اس زبور میں نہیں پھر جو اس کو کلام الٰہی کہتے ہیں ان کو ضروری ہے کہ سورہ الحمد کو بھی کلام الٰہی کہیں ورنہ انصاف سے بعید ہے۔ (۲) یہ کہ اس کے مؤلف اور ملہم کا اب تک تحقیق حال معلوم نہیں کہ کون ہے؟ آیا حضرت داؤد ہیں یا کوئی اور۔ اور جو | میں بھی انبیاء علیہم السلام بھیجے ہوں اور ان پر کتاب نازل کی ہو اور پھر اُن کی کتابوں اور دین میں تحریف ہو گئی ہو (جیسا کہ توراۃ اور انجیل میں ہوئی) لیکن اس مضمون کو الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین سے کچھ بھی نسبت نہیں کس لئے کہ الحمد میں برہان تربیت ہے خدا تعالیٰ کی ذات اور جملہ صفات کا کامل ثبوت اور ہر نقص سے تنزیہ اور تقدیس ہے کہ جس کو ہر منکر مجبور ہو کر تسلیم کرتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ بخلاف نامہ مہ آباد کے کہ وہاں منکر وجود باری و صفات باری کے مقابلہ | (۹) اے اگنی ایسا کر پا کر کہ ہم تجھ تک آسانی سے پہنچ سکیں جیسے فرزند باپ کے پاس جب چاہے جا سکتا ہے ہماری بھلائی کے واسطے ہمیشہ ساتھ رہو۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ اس کلام کو الحمد سے کچھ نسبت نہیں بلکہ یہ سراسر توحید اور خدا پرستی کے مخالف ہے شرک کی برائی اور بت پرستی اور عناصر پرستی کی قباحت اس وقت تہذیب یافتہ ہندوؤں کے دلوں پر بھی نقش حجر ہو گئی ہے اب وہ زمانہ گیا کہ جو توہمات اور مخلوق پرستی کی کتابوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے یہ کتاب اور اس کا مؤلف عقلمندوں کے | (۹) اور عزیاہ سے یوتام پیدا ہوا اور یوتام سے آخز پیدا ہوا اور آخز سے حزقیاہ پیدا ہوا۔ (۱۰) اور حزقیاہ سے منسی پیدا ہوا اور منسی سے آمون پیدا ہوا اور آمون سے یوسیاہ پیدا ہوا۔ (۱۱) یوسیاہ سے یکونیاہ اور اُس کے بھائی بابل کو اُٹھ جاتے وقت پیدا ہوئے۔ (۱۲) اور بابل کو اُٹھ جانے کے بعد یکونیاہ سے سلتائیل پیدا ہوا اور سلتائیل سے زرُبابل پیدا ہوا۔ (۱۳) زرُبابل سے ابیود پیدا ہوا اور ابیود سے الیاقیم پیدا ہوا اور الیاقیم سے عازور پیدا ہوا۔ |

| توراۃ | زبور | دساتیر | وید | انجیل |
|---|---|---|---|---|
| کرنے کو نکلی اور وہاں سے تقسیم ہو چار سرے نہروں کے بنے۔<br>(۱۱) پہلے کا نام فیسون جو حویلہ کی ساری زمین کو گھیرتی ہے وہاں سونا ہوتا ہے۔<br>(۱۲) اور اس زمین کا سونا اچھا ہے اور وہاں موتی بھی ہیں۔<br>(۱۳) دوسری نہر کا نام جیحون ہے جو کوش کی ساری زمین کو گھیرتی ہے۔<br>(۱۴) اور تیسری نہر کا نام دجلہ ہے جو آسور کی پورب جاتی ہے اور چوتھی نہر کا نام فرات ہے......<br>اگرچہ اس توراۃ موجودہ میں اصلی تورات کی بہت سی باتیں ہیں کہ جن کا قرآن مصدق ہے مگر اس وقت میں اس کلام کی نسبت یہ کہتا ہوں۔ (۱) یہ کلام غلطی سے خالی نہیں کیونکہ دوسری اور پہلی آیت میں یہ تصریح ہے کہ خدا نے زمین اور آسمان پیدا کیا اور زمین | حضرت داؤد ہوں تو ان کی نسبت سموئیل کی دوسری کتاب میں اور یاہ کی جورو سے زنا کرنا لکھا ہے پھر جب انہوں نے خود شریعت پر عمل نہ کیا تو ان کی بات کا کیا اعتبار رہا۔ (عیسائیوں کے نزدیک تو یہ زبور بالکل لغو ہونی چاہیے کس لئے کہ پولوس کہ جو اُن کے نزدیک بڑا رسول ہے اپنے اس خط میں کہ جو گلتیون کو لکھا ہے اور جس کو عیسائی کلام الٰہی جانتے ہیں اس کے تیسرے باب میں شریعت پر چلنے والے کو بلکہ خود عیسیٰ علیہ السلام کو ملعون لکھا ہے چنانچہ اس کے دس و گیارہویں و بارہویں جملہ میں اس کی تصریح ہے پھر اس کے بموجب تو یہ زبور کچھ بھی نہیں۔<br>(۴) لیکن بایں ہمہ ہم اہل اسلام حضرت داؤد علیہ السلام کو سچا رسول اور پاک اور اس کلام کو برحق سمجھتے ہیں۔ | میں کچھ بھی بیان نہیں اور نہ جملہ صفات مذکور ہیں صرف حکیمانہ طور پر صفت کے عین و غیرہ ہونے میں موشگافی کی ہے ۸ کہ جو منصب انبیاء علیہم السلام سے بعید ہے پھر عقل اول اور اس کے وسیلہ سے تمام مخلوقات کا پیدا ہونا اور آسمانوں کا خرق التیام کو قبول نہ کرنا لکھا ہے وہ یا تو حکمائے یونان کی تقلید ہے جو سکندر کی فتحیابی سے ایرانیوں پر غالب آگئی تھی۔ یا ایجاد بندہ ہے جو سراسر غلط ہے۔ کہ جس کی اغلاط کو علمائے کلام نے شرح مواقف و شرح مقاصد وغیرہما کتب میں طشت ازبام کر دیا۔ نہایت سے نہایت اس رسالہ کو ہدایت الحکمۃ کے برابر سمجھا جائے گا اور بس اور باقی اور مضامین حکمت عملیہ و نظریہ جو الحمد میں ہیں وہ یہاں کہاں نہ | نزدیک تاریکی و جہالت میں گرفتار ہے۔<br>(۲) یہاں سے معلوم ہوا کہ ہندوؤں میں جو مشہور ہے کہ وید برہما کے منہ سے نکلا ہے محض بے اصل بات ہے کہ جو وید سے ناواقفیت پر دلالت کرتی ہے کس لئے کہ وید کے دو حصے ہیں اول حصہ کو سنہتا کہتے ہیں جس میں سکت یعنی منتر اور دعائیں جو مختلف رشیوں یعنی مصنفوں نے عناصر اور اندر وغیرہ کی مہا یعنی ستائش میں بنائے ہیں یہ حصہ اول تصنیف ہوا ہے اس کے بعد دوسرا حصہ تصنیف ہوا ہے اس کے بعد برہمنا تصنیف ہوا ہے جس میں منتروں کے قواعد اور یگ وغیرہ رسوم کے اصل حالات اور منتروں کے استعمال کے مواضع کہ اس کو فلاں مواقع پر آہستہ یا پکار کر پڑھنا چاہیے اور اس کے | (۱۴) اور عازور سے صدوق پیدا ہوا اور صدوق سے آخیم پیدا ہوا اور آخیم سے الیہود پیدا ہوا۔<br>(۱۵) الیہود سے العزر پیدا ہوا اور العزر سے مہتان پیدا ہوا اور مہتان سے یعقوب پیدا ہوا۔<br>(۱۶) یعقوب سے یوسف پیدا ہوا جو شوہر تھا مریم کا جس سے یسوع جو مسیح کہلاتا ہے پیدا ہوا۔<br>(۱۷) پس سب پشتیں ابرہام سے داؤد تک چودہ ہیں اور داؤد سے بابل اُٹھ جانے تک چودہ اور بابل اُٹھ جانے سے مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں۔<br>(۱۸) اب یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف سے ہوئی تو ان کے جمع ہونے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔ |

| توراۃ | دساتیر | وید | انجیل |
|---|---|---|---|
| پر پانی اور اندھیریاں تھیں اور آیت ۶ میں پانیوں کے اندر کی فضاء کو آسمان کہا ہے تو یہ پہلی بات کے خلاف ہے اور پھر نویں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کے پانی کو ایک جگہ جمع کرنے سے خشکی یعنی زمین پیدا ہوئی حالانکہ یہ بھی اول بات کے خلاف ہے اور اس امر کو صحیح طور پر قرآن نے بیان کیا ہے جیسا کہ آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا۔<br>(۲) یہ کہ خدا بے مثل اور بے صورت ہے پھر آدم کو اس کی مثل اور صورت پر بنانا تقدیس ذات میں دھبہ لگانا ہے۔<br>(۳) یہ کہ عدن کی نہر سے دجلہ اور فرات اور جیحون اور فیسون کا نکلنا بالکل غلط ہے۔ اول تو عدن سے کوئی نہر نہیں نکلتی دوم دجلہ اور فرات اور جیحون کجا یہ ایسی بات ہے کہ جس کی تفسیر میں اب تک تمام علماء اہل کتاب حیران و سرگرداں ہیں۔ پادری لوگ جو مسلمانوں سے سدّ ذوالقرنین پوچھا کرتے اور قرآن پر بے جا عیب لگایا کرتے ہیں براہ مہربانی اس نہر کا تو پتہ بتلادیں۔ | اسرار آخرت نہ عبادت الٰہی نہ اخلاق کی درستی نہ ہر امر میں نیک چلنی۔<br>(۳) اس دعویٰ پر کہ اس مجموعہ دساتیر کو الہامی نہیں کہہ سکتے یہ دلیل ہے کہ نامۂ وخشور گلشاہ میں زحل ستارہ کی پرستش کا حکم اور اس کی ستائش میں یہ کلمات ہیں۔<br>(۷) واین گونہ ستائی کیوان را تا یاد رتو باشد بنام ونشان شناخت وشناسائے چیز ویاد داشت و دریافت افراز شگرف بزرگ وسترگ کیا یش وشکوہ رخشندہ وبخشایندہ پشگر ودہشور دادگر......<br>دیکھئے جو کلمات خداتعالیٰ کی نسبت تھے وہی اس کے حق میں بھی اطلاق کر دیئے۔ پھر نامۂ وخشور ہوشنگ میں مریخ کی پرستش اور اس کی بڑی لمبی چوڑی تسبیح مذکور ہے اور پھر نامہ وخشور تہمورس میں آفتاب کی بابت یہ ہے۔<br>آفتاب یادرتست اورا کہ خورشید باشد پرمودم کہ تراہرزید دہد پس ستائی اورا این گونہ۔ یعنی میں نے خورشید کو تیری اعانت کا حکم دیا ہے تو اس کی ستائش کو آگے | متعلق کہانیاں اور سرگزشتیں اس رگوید میں اتریا برہمنا نہایت مشہور ہیں جس میں اس وقت کے بہت سے افسانے ہیں کہ جو خیالات اور توہمات پر مبنی ہیں دوسرا اتر مادارنیا برہمنا ہے جس میں بعید از قیاس باتیں ہیں اور یجر وید کا ستاپا تھا برہما چودہ جلد میں ہے جس میں از حد بے اصل قصے ہیں جیسے کہ سوتے وقت بوڑھیاں کہانیاں کہہ کر بچوں کو بہلایا کرتی ہیں اس قسم کی کہانیاں اس میں ہیں باقی شاید اور اتھربن وید میں بہت کم برہمنا ہیں پھر صدہا سال بعد پنڈتوں نے ان ویدوں کے بعد برہمنا کے رسالے تتمہ یا ضمیمہ کے طور پر لگا دیئے ہیں ان کو اوپنشد بھی کہتے ہیں اور اسی طرح علم نجوم اور علم موسیقی اور مذہبی قواعد کے رسالے کہ جن کو ویدانگا کہتے ہیں۔ وید کے ضمیمہ میں اس کی تصنیف کا زمانہ وہ ہے کہ جب ہندوؤں میں کسی قدر شائستگی نے ظہور کیا تھا سب سے قدیم رگوید ہے اس کے ہزار سے زیادہ سکت ہیں اور دس ہزار رچائیں یعنی | (۱۹) تب اس کے شوہر یوسف نے چاہا کہ اسے چپکے سے چھوڑ دے......<br>یہاں چند ابحاث ہیں<br>(۱) یہ کہ اس تمام نسب نامہ میں نہ خدا کی حمد ہے نہ اس کی ذات و صفات کا ثبوت ہے نہ عالم آخرت کے احوال ہیں نہ عبادت و استعانت نہ اسرار آخرت نہ عبادت الٰہی نہ اخلاق کی درستی نہ ہر امر میں نیک چلنی کا ذکر ہے اور جملہ امور دنیاوی میں استقامت اور صراطِ مستقیم کا اشارہ ہے کہ اگلے برے بھلے لوگوں کے حالات عبرت انگیز نصیحت خیز اس لئے اس کو سورہ الحمد سے کچھ نسبت نہیں۔<br>(۲) قطع نظر اس کے کہ اس کو سورۂ الحمد سے کچھ بھی نسبت نہیں فی نفسہٖ کہ کلام اس قابل نہیں کہ اس کو الہامی کہا جائے اور اس کی تصنیف کو امر اہم خیال کر کے الہام کی ضرورت مانی جائے اسی طرح یہ بھی ہے کہ اگر وہ الہامی ہیں تو یہ بھی ہے اور وہ نہیں تو یہ بھی نہیں کوئی خصوصیت اس میں نہیں۔ |

| توراۃ | دساتیر | وید | انجیل |
|---|---|---|---|
| (۴) الہامی کتاب اور نبی کا یہ منصب نہیں کہ وہ تاریخ بیان کیا کرے اور نہ یہ اہم کام ہے کہ جس کے لئے الہام اور نبی کی ضرورت بیان کی جائے کیونکہ ایسے امور کو عام مؤرخ بیان کر سکتے ہیں۔ شاید اسی ضرورت کو آریہ سماج فضول سمجھ کر نبوت کے قائل نہیں۔<br>(۵) اگر یہ بھی تسلیم کیا جائے اور اس مضمون کے نقصوں سے چشم پوشی کی جائے اور اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہی اصلی توراۃ مانا جائے کہ جس کا قرآن میں ذکر ہے مگر پھر بھی اس کو الحمد سے مضامین مذکورہ بالا میں کون سے مضمون میں ہمسری ہے نہ اس میں خدا کی ستائش نہ اس کی ذات وصفات کا ثبوت قطعی نہ عالم آخرت اور نہ جزاوسزا کی بات اشارہ نہ عبادت خدا کا ذکر نہ عموماً ہر امر میں نیک چلنی اور میانہ روی کی ترغیب نہ بھلے لوگوں کے رستے کی تحریص نہ برے لوگوں کے طریقے سے حذر پھر جو شخص خداترس اس کو کلام الٰہی اور الہامی کہے تو اُس پر فرض ہے کہ | بہت کچھ ستائش مذکور ہے اسی طرح ماہتاب اور دیگر ستاروں کی پرستش اور ان سے استمداد اور دعاء کرنا مذکور ہے اور نامۂ وخشور یاساں میں ہاتھ پاؤں دھو کردن میں تین یا چاردو بار شش کاخ کے آگے نماز پڑھنے کا حکم ہے اور شش کاخ ستاروں اور آگ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ خود کہتا ہے: قولہ پس برابر شش کاخ آئی ونماز کن وشش کاخ ستارگان اندو آتش کہ فروغند گانند با ایں ہرگاہ شش کاخ بہ بیند نماز برید۔ یعنی جہاں کہیں ستارہ اور آگ کو دیکھو تو اس کے آگے جھکو۔ آگے شش کاخ کی نماز کا دستور بیان کرتا ہے۔ بارِ دوم بہر شش کاخ سر برزمین گزارو پیشانی برزمین رساں۔ واگر آتش باشد گوید اے پروردگار ونماز مرا بہ یزداں رساں...... اسی طرح آگے چل کر عناصر کی تعظیم اور عبادت کا حکم دیتا ہے۔ الغرض جانوروں کو ذبح نہ کرنا آگ اور ستاروں کو پوجنا اور آفتاب کی پرستش کرنا اور ہر روز غسل کرنا اور عناصر کی | فقرے کل سکت آٹھ کھنڈوں یعنی اسکوں (حصہ) پر منقسم ہیں اور ہر کھنڈ یا اسٹک میں آٹھ ادھیائی ہیں ہر منتر نظم ہے اس کا جدا گانہ وزن اور علیحدہ مصنف ہے اور ہر منتر کی مہما ہے چنانچہ اس رگوید کے ایک سو اکیس منتروں میں ۳۷ منتر صرف آگ کی تعریف میں ہیں اور ان کے مصنف مدھو جن داس اور اس کا بیٹا جری اور مدبانی کالوا کا بیٹا وغیرہ ہیں اور کہیں کہیں اگنی کے ساتھ اور دیوتاؤں کی بھی مدح ہے اور ۴۵ منتروں میں اندر کی مہما برنن یعنی ستائش ہے اور منجملہ باقی منتروں کے بارہ منتر سروت یعنی مہما کے دیوتاؤں کی تعریف میں ہیں جو اندر کی ہمراہی میں ہیں اور گیارہ آسونوں کی تعریف میں کہ جو سورج کے پوتر ہیں۔ چار صبح کے دیوتا کی تعریف میں۔ باقی ادنیٰ دیوتاؤں کی مدح میں ہیں اور دوسرے منڈل کے منتر گریسدا سنا ہوترا کے فرزند کی تصنیف جو اینگرا کے خاندان میں تھا۔ تیسرے منڈلا کے منتر وشوامتر | (۳) یہ نسب نامہ غلط ہے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام میں عیسائی لوگ دو جہت مانتے ہیں ایک الوہیت دوسری انسانیت۔ جہت اول سے تو یہ نسب نامہ قطعی غلط ہے کیونکہ مسیح جہت الوہیت سے یوسف اور یعقوب یا کسی اور انسان سے کچھ بھی علاقہ نہیں رکھتے بلکہ معاذ اللہ خدا کے بیٹے ہیں تب یوں کہنا تھا کہ مسیح جبرئیل کا بیٹا خدا کا پوتا یا بالعکس اور دوسری جہت سے بھی غلط ہے کس لئے کہ انسانیت کے طور پر نسب حمل سے ثابت ہوتا ہے اور مسیح علیہ السلام تو مریم کے پیٹ میں یوسف کے پاس آنے سے پیشتر کوارپنے میں پائے گئے تھے جیسا کہ خود اسی متی کے (۱۸) جملہ سے ہے اور یہ احتمال ہو نہیں سکتا کہ یہ نسب نامہ مریم کا ہو کیونکہ مریم یوسف کی بیٹی نہیں بلکہ بیوی تھیں۔<br>(۴) اگر یہ نسب نامہ صحیح فرض کیا جائے تو لازم آئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (خدا اور خدا کے بیٹے تو کجا) بلکہ اُس کی جماعت سے بھی باہر کئے جائیں کیونکہ کتاب |

| توراة | دساتیر | وید | انجیل |
|---|---|---|---|
| قرآن مجید کو بھی الہامی کہے اور اس سے زیادہ صدق دل سے اس آسمانی کلام پر ایمان لائے۔ ہم اہل قرآن ہر اچھی بات اور کلام الٰہی کے تسلیم میں انکار نہیں کرتے جو شخص اپنی کتاب کو الہامی ثابت کردے تو ہماری سر آنکھوں پر۔ فقط | عبادت کرنا وغیرہ دستورات کہ جن کو ہنود بھی عمل میں لاتے ہیں اور آگ جلا کر جگ اور ہوم کرتے ہیں وید بالخصوص رگوید میں موجود ہے یہ سب دساتیر میں موجود ہے سو یہ باتیں ہند میں غالباً شری بیاس جی جامع وید نے مروج کی ہیں۔ چنانچہ | اور اس کے بیٹوں یا رشتہ داروں کی تصنیف ہیں اور یہ شخص راجہ رامچندر کا استاد ہے چوتھے منڈل کے منتر داماد یوا کی تصنیف ہیں۔ پانچواں منڈل انری اور اس کے فرزندوں کی طرف منسوب ہے چھٹے کا مصنف بہاردواج ہے اور ساتویں کا دستہا اور اس کی اولاد | استثناء باب ۲۳ کے اول ہی میں یہ ہے (حرامی بچہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو اُس کی دسویں پشت تک خدا کی جماعت میں شامل حال نہ ہو۔ (۳) کوئی عمونی یا موابی...... ہمیشہ تک خدا کی جماعت میں شامل نہ ہو...... اور حضرت داؤد |

| دساتیر | وید | انجیل |
|---|---|---|
| نامہ زرتشت میں اول سکندر کے ذریعے سے علم کا یونان میں پہنچنا اور ایک یونانی زرتشت کے پاس آنا اور تعلیم پانا لکھ کر جیکرن گوچہ ہندی کا تعلیم پا کر جانا اور پھر بیاس کا تعلیم پانا اور ہند میں جانا لکھا ہے" اکنوں برہمنے ھ بیاس نام از ہند آمد پس دانا کہ برزمین کم است جنان است دردل وارد کہ نخست از پر تو پرسد......" الغرض یہ مخلوق پرستی اور سخت مجاہدات اور جگ اور ہوم وغیرہ کرنا سب کا سرچشمہ دساتیر ہیں۔ پس یہ دساتیر اور وید تو اس قابل بھی نہیں کہ اس کو موحدین کی کتابوں کی فہرست میں لکھا جائے کیونکہ محض شرک اور بری تعلیم ہے کہ جس کو عقل و نقل رد کرتی ہے۔ فقط | ہے۔ ان سب منتروں یعنی اشعار کو (کہ جن کو عناصر اور غیر مرئی چیزوں اور آفتاب سے مدد مانگنے اور دشمن پر فتح پانے اور اُن کے محامد کے بیان میں مختلف شاعروں نے بنایا تھا کہ جو ہنود کے نزدیک بڑے کامل تصور کئے جاتے تھے) پراسر عابد کے بیٹے کرشنا دوا پیانا نے کہ جس کو ویاس یعنی بیاس جی کہتے ہیں کوروں پانڈوں کے زمانہ میں جمع کیا اور مرتب کر کے اس کا نام وید رکھا اور ویاسا کے معنی ترتیب دینے والے کے ہیں۔ غالباً بعد فتح پانڈوں کے راجہ یدھشٹر نے اس کام کے لئے بیاس کو مصروف کیا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی پنڈت جو اس زمانہ مختلف منتروں سے واقف تھے۔ سنتھا یعنی | کا باپ یسّی اور اس کا باپ عوبید ہے کہ جو بوعز کے نطفہ سے روت کے شکم سے پیدا ہوا تھا کہ جو موآبی ہے جیسا کہ اس کتاب کے چوتھے باب میں ہے اور اس پر لطف یہ ہے کہ بوعز راحاب فاحشہ کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور راحاب کا فاجر ہونا کتاب یشوع کے باب ۲ سے ظاہر ہے کہ پھارس کہ جس کی حضرت مسیح کے نسب نامہ میں یہوداہ کا بیٹا لکھا ہے وہ تمر کے پیٹ سے زنا کاری سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ کتاب پیدائش کے باب ۳۸ میں تصریح ہے کہ یہوداہ نے اپنی بہو تمر سے زنا کیا جس سے پھارس پیدا ہوا۔ پھر اسی طرح حضرت سلیمان اوریاہ کی جورو سے پیدا ہوئے ہیں |

| وید | انجیل |
|---|---|
| منتروں کے مجموعہ کے تیار کرنے میں حسب تفصیل ذیل مصروف تھے۔ پَیل رگوید کے اور ویشماپائین یجروید کے اور جیمنی شام وید کے اور سومنترا اتھروید جمع کرنے میں مصروف تھا اور کچھ عجب نہیں کہ | کہ جس نے داؤد سے زنا کرایا۔ خیال کیجئے کہ مسیح کے نسب نامہ میں کیسے پاکدامن لوگ ہیں۔ (۵) اس نسب نامہ میں اور بھی اغلاط ہیں۔ (۱) اول یہ کہ خود ابراہیم |

| انجیل | وید |
|---|---|
| کو اور ادھر داؤد کو شمار کر لیں تو اول قسمت جو سلت ایل سے شروع اور یوسف پر تمام ہوئی، اس میں کل ۱۲ شخص ہیں اور جو خود حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی ملائیں تو تیرہ ہوتے ہیں۔ چودہ نہیں۔ جس کا دل چاہے شمار کر لے۔ پادری عماد الدین نے یکونیاہ کو دوبارہ گن کر ٹھگوں کی سی ہٹ ہٹ پھیری کی ہے مگر غلط۔ اس انجیل میں غلطی کا ضرور دھبہ لگتا ہے۔ (۲) دوسری قسمت جو سلیمان سے شروع ہو کر یکونیاہ پر ختم ہوتی ہے متی نے اُس کی چودہ گنوائی ہیں حالانکہ یہ صریح غلط ہے بلکہ اول کتاب التاریخ کے باب ۳ میں اٹھارہ شخص لکھے ہیں اگر انجیل متی غلط نہیں تو کتاب التاریخ کہ جس کو تمام عیسائی اور یہودی الہامی مانتے ہیں غلط ہے۔ (۳) متی نے سلت ایک سے زرتابل کا پیدا ہونا لکھا ہے حالانکہ کتاب التاریخ کے باب ۳ میں زرتابل کا فدایاہ کا بیٹا لکھا ہے جو سلت ایک کا بھائی ہے۔ (۴) سلت ایل کو یکونیاہ کا بیٹا لکھا کر چودہ پشتیں بابل کے اُٹھ جانے تک گنوائی ہیں۔ سو یہ بھی غلط کیونکہ سلت ایل کو کتاب التاریخ میں اسیر کا بیٹا لکھا ہے کہ جو یکونیاہ کا بیٹا ہے۔ اب اس میں ایک شخص اور بڑھ گیا چودہ کہنا غلط ہوا۔ (تمام ہوئی انجیل) | پیاس جی ان کے مہتمم اور سرپرست ہوں۔ ہرچہ باشد اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی وید ایک شخص خاص کی تصنیف نہیں نہ ایک زمانہ میں تصنیف ہوا چہ جائیکہ برہما کی تصنیف اس کا کوئی لکھا پڑھا ہندو بھی قائل نہیں عوام کا کیا اعتبار ہے۔ پس حسب اصل الاصول وید الہامی کیا بلکہ روشنی علم کے زمانہ کے بھی تصنیف نہیں نہ کوئی الہامی اور عاقلانہ بات اس میں ہے۔ تو پھر اس کتاب کو مجات کا مدار جان کر پرانی جہالت کے خیالات اور توہمات میں گرفتار ہونا مرنے کے بعد بڑی حسرت اٹھانے کا سامان ہے العیاذ باللہ اور جب وید کا یہ حال ہے تو اس کے بعد جو پُران اور دیگر پشتک انہیں خیالات کی بناء فاسد پر بنائے گئے ہیں اور ان کا نام دھرم رکھا گیا ہے اور جگ کرنے اور آگ جلا کر دیوتاؤں کی نذروں کے لئے کرچھوں میں گھی ڈالنا اور رگوید کے یہ منتر پڑھ کر دنیا و آخرت کی بھلائی تلاش کرنا خیال خام اور تقلید عام ہے۔ تمام ہوا وید۔ فقط |

سوال: یہ تسلیم کہ جس قدر مذاہب اور ان کی کتابوں کا مقابلہ قرآن مجید سے کر کے دیکھا گیا، سب میں اسلام کو من جانب اللہ اور دین الٰہی پایا۔ جس میں خدا پرستی اور اس کی صفات کاملہ اور ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام اور قیامت پر ایمان لانے کی بڑی تاکید ہے اور انسان کی روح کی صفائی کی بابت اور دنیا میں ہر طرح سے نیک چلنی اور مرنے کے بعد جو کچھ وہاں پیش آتا ہے، اس کی بابت کامل بیان ہے اور اس کے مقابلہ میں یہ سب مذہب بالکل ناقص یا بالکل باطل ہیں مگر ہنود اور صدہا مذہب دنیا میں ہیں جیسا کہ دبستان المذہب میں لکھا ہے اور اس کے اصول حمیدہ بیان کئے ہیں، ان سے ہنوز اسلام کا مقابلہ نہیں ہوا، جائز ہے کہ وہ حق ہوں۔ پوری تحقیق جب ہے کہ ان سے بھی مقابلہ کر کے اسلام کا حق بتایا جائے ورنہ پھر تقلیداً اسلام کو حق ماننا پڑے گا۔

جواب: دنیا میں جس قدر مشہور معروف مذاہب قدیم سے ہیں، وہ یہی مذاہب ہیں کہ جن کی کتاب کو آپ نے آنکھ سے دیکھا، باقی وہ صدہا مذہب دبستان المذہب میں لکھے ہیں، سب یا بیشتر ان ہی کی شاخیں ہیں بہتر فرقے تو اس میں اسلام کے لکھے ہیں اور پھر ہندوؤں کے بہت سے فریق جوگی اور سیناسی وغیرہ لکھے ہیں کہ جن کی ریاضت اور شعبدوں پر صاحب دبستان لٹو ہو کر ہر مذہب پر منہ پر پانی بھر لاتے ہیں اور ناظر کو شک میں ڈال دیتے ہیں اور پھر آتش پرستوں کے فریق کا بہت کچھ بیان اور اپنا شوق عیاں کیا ہے اور پھر کسی قدر یہود و نصاریٰ کے مذہب کا بیان ہے اور تحقیق کسی مذہب کی بھی حضرت کو میسر نہیں ہوئی۔ سنی سنائی باتیں اور اپنے دیکھے ہوئے حالات بیان

کر دیئے ہیں۔ وید انہوں نے دیکھے، نہ توراۃ، نہ زبور نہ انجیل۔ اسلام کے اصول و مسائل بھی کچھ بے خبری سے بیان کر کے بے علموں کو حیرت میں ڈال دیا ہے اور ہم نے تو سب کے اصول بیان کر دیئے۔ ان کی فروع اور شاخوں سے کیا غرض البتہ حکمائے یونان اور قدیم اہم مصر اور دہریوں اور چینیوں اور دیگر صحرائی قوموں کا مذہب نہیں بیان کیا۔

سو واضح ہو کہ حکمائے مصر اور قدمائے یونان دونوں کواکب اور عناصر پرست ہیں۔ مصریوں کے عقائد ہندوستان سے بہت ملتے ہیں۔ ان کے ہاں بھی بیل کو پوجتے ہیں جس کو ابیس کہتے ہیں اور اس تقلید سے بنی اسرائیل نے بچھڑا بنا کر پوجا تھا۔ چنانچہ یہ باتیں کتاب تاریخ میں مذکور ہیں۔ ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی اور دہریوں کا نہ کوئی اصول ہے اور نہ مذہب۔ وہ خدا تعالیٰ اور عالم آخرت کے منکر ہیں۔ سو یہ بات ادلہ عقلیہ ونقلیہ سے باطل ٹھہر چکی ہے۔ خود قرآن نے اس کو رد کر دیا ہے اور ایک مختصر سی بات ملحد صاحب کو میں بھی سناتا ہوں کہ اگر خدا ہے نہ قیامت، نہ جزا و سزا تو ہم کو بھی کچھ خوف نہیں۔ غایۃ الامر نماز، روزہ، طاعت وعبادت کا ثمرہ نہ ملا اور کسی قدر حرام لذتوں سے مزہ نہ اٹھایا تو کچھ پرواہ نہیں۔ دنیا کی تکلیف کیا اور مزہ کیا اور خدا تعالیٰ اور عالم آخرت سب کچھ حق ہوا (اور قطعی ہے) تو کہئے تیرے لئے کیا خرابی ہو گی۔ اب تو محل خطر میں ہے یا ہم؟ اور چینیوں کا مذہب بودھ کی شاخ ہے، وہ بھی بت پرست ہیں، ان کے ہاں بھی کوئی کتاب ایسی نہیں کہ جس کو وہ الہام کہتے ہوں، باقی بت پرست اور صحرائی قومیں جیسا کہ افریقہ میں ہیں تو ان کا مذہب تو کیا، سرے سے ان کو عقل انسانوں کی فہرست میں ہی لکھتے ہوئے ہاتھ کھنچتا ہے، اب روئے زمین پر کوئی مذہب عقلاً ونقلاً اسلام کے برابر نہ نکلا۔ الحمد للہ علی دین الاسلام۔

**فضائل سورۂ فاتحہ:**......اس سورۃ کے بے شمار فضائل ہیں، بخاری وغیرہ محدثین نے ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھ کو نبی علیہ السلام نے پکارا، میں بوجہ نماز جواب نہ دے سکا۔ جب فارغ ہو کر حاضر ہوا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تجھ کو بلایا، تو نے جواب کیوں نہ دیا میں نے عرض کیا حضور ﷺ میں نماز میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسے وقت بھی رسول کا جواب دینا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ الایۃ۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھ! میں تجھ کو مسجد سے باہر جانے سے بیشتر قرآن میں جو بڑی سورت ہے، تعلیم کروں گا اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر چلے۔ جب مسجد سے باہر ہونے لگے تو میں نے یاد دلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سورۃ الحمد ہے جس کی سات آیات ہیں اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھ کو عطاء ہوا ہے۔

صحیح مسلم وغیرہ کتب میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کے پاس جبرائیل علیہ السلام حاضر تھے کہ ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوا، جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آج سے پہلے کبھی زمین پر نہ آیا تھا، اس فرشتے نے کہا، یا نبی اللہ ﷺ! مژدہ ہو کہ آپ ﷺ کو خدا تعالیٰ نے دو نور عطا فرمائے ہیں کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے، ایک سورۃ فاتحہ اور دوسرا اخیر سورۃ بقرۃ، جو حرف آپ ﷺ ان سے پڑھیں گے اس کو ثواب ملے گا۔

**سورۃ الحمد للہ ہر مرض کے لئے شفاء ہے:**......دارمی اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ سورۃ الحمد للہ ہر مرض کے لئے شفاء ہے اور صحیح مسلم ونسائی وغیرہ کتابوں میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سانپ اور بچھو کے کاٹے پر اور مجنون اور اہل صرع پر یہ سورۃ پڑھ کر دم کرتے تھے، اسی وقت مریض تندرست ہو جاتا تھا (جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بیمار ان کے ہاتھ لگانے سے تندرست ہو جائے گا) یہ معجزہ آنحضرت ﷺ کا ہر قرن میں متواتر چلا آتا ہے، چنانچہ اب بھی سورۃ الحمد کا فجر کی سنتوں اور فرض کے بیچ میں اکتالیس بار ہر روز بسم اللہ کا میم، الحمد کی لام سے ملا کر چالیس روز تک پڑھنا ہر کام کے لئے عمل مجرب ہے اور بیمار کو دم کر کے پلانا اور چینی یا شیشہ کے

برتن پر مشک وگلاب اور زعفران سے لکھ کر چالیس روز تک بیمار کو پلانا مجرب ہے اور دور گردہ ❶ کے لئے ایک سانس سے گیارہ بار پڑھ کے دم کرنا مجرب سریع الاثر ہے مگر اعتماد کامل اور ہمت جازم شرط ہے۔ ترمذی نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس ذات کی قسم کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے (یعنی خدا تعالیٰ کی) سورۃ الحمد کی مثل نہ تو کوئی سورت توراۃ میں ہے، نہ انجیل میں، نہ زبور میں، نہ قرآن میں، چنانچہ اس حدیث کی تصدیق ہمارے اس مقابلہ سے بخوبی ہوسکتی ہے جو ابھی ہم نے توراۃ وانجیل وزبور لکھ کر کی ہے۔ حقیقت میں یہ سورت ایک ذخائر اور مجمع اسرار بے شمار ہے۔ دنیا و دین کے متعلق کوئی بات ایسی نہیں جو کامل طور پر اس سورت میں نہ ہو مگر کسی قدر فہم خداداد شرط ہے۔ ورنہ بہت سے عیسائی اور دیگر متعصب لوگ کہ جن کے انوار فطرت عداوت وقساوت سے مٹ گئے ہیں، وہ یہی کہتے ہیں کہ لفظوں سے کوئی بات بھی سورۃ الحمد سے ہماری سمجھ نہیں آتی، مسلمان اپنی ذکاوت خرچ کر کے یہ باریکیاں پیدا کرتے ہیں، الخ۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں، بلکہ یہ سب باتیں ظاہر الفاظ سے مستفاد ہیں، اور اچھا یہی سہی، آپ بھی تو روحانی تعلیم سے بہرہ یابی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہم آپ کو بھی بیس برس کی اجازت دیتے ہیں، اور تمام جہان کے لوگوں سے مدد کو بھی جائز رکھ کر یہ کہتے ہیں کہ آپ بھی تو کسی جملہ تورات وانجیل وزبور، وید، دساتیر سے اس قدر باتیں پیدا کر دیجیے اور جو نہ کر سکو تو یقین کیجئے کہ یہ خاص اعجاز قرآن ہے۔ اب ہم اس سورۃ کے مقدمہ کی تفسیر سے فارغ ہو چکے مگر اس کے متعلق تین بحثیں اور باقی ہیں۔ کہ جن کا ذکر کرنا اس تفسیر میں بعض وجوہ سے نہایت مناسب ہے۔

## نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم

**بحث اول:**...... یہ سورت نماز میں پڑھی جاتی ہے اور ہر نماز میں اس کا پڑھنا (ان خوبیوں کی وجہ سے جن کا اوپر ذکر ہوا) شرع نے ضروری کر دیا ہے یہاں تک کہ جس نماز میں یہ سورۃ نہ پڑھی جائے، وہ فاسد یا باطل ہے۔

**دلیل دوم:**...... چنانچہ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ: **من صلی صلوۃ لم یقرء فیہا بام القرآن فھی خداج، ثلثا غیر تمام الحدیث۔ رواہ المسلم۔** کہ جس نے الحمد نماز میں نہیں پڑھی، وہ نماز ناقص ہے۔

تین بار یہ فرمایا: **وعن عبادۃ ابن الصامت قال قال رسول اللہ ﷺ لا صلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب۔ (متفق علیہ)** کہ جس نے الحمد نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں ہوئی۔

---

❶ میں اس بات کا نہایت شکر کرتا ہوں کہ میں نے اسلام کو تمام روئے زمین کے مذاہب سے ملا کر دیکھا اور کسوٹی پر اس کو لگایا، ہر طرح سے کھرا پایا اور محققانہ طور پر مسلمان ہو، اگر میرے ماں باپ مسلمان نہ ہوتے اور قدیم سے اسلام میں میرے آباء اجداد حصہ نہ پاتے تو میں بھی از خود اسلام ہی کو اختیار کرتا۔ ان بھائیوں پر ہزارہا افسوس کہ جو محض تقلید اور رسم اور نفسانیت سے اور نور کے زمانے میں بھی باطل خیالات اور غلط مذاہب پر اڑے ہوئے ہیں۔

عیسائی بالخصوص پرالسٹنٹ اور وہ جوان میں الحاد کا دم بھرتے ہیں اور وہ ہندوستان کے نیچری جو ان کی تقلید کرتے ہیں ان باتوں کے سخت منکر ہیں اور یہ انکار ان کا بجا ہے، کس لئے کہ ان کی روح پر اس درجہ تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں کہ کوئی روحانی اثر ان کو محسوس ہی نہیں ہوتا (گویا روح مر گئی) نہ خود ان کو عمر بھر ایسی باتوں کا اتفاق ہوتا ہے نہ اپنے ملک میں کہ جہاں کفر والحاد کی تاریکی چاروں طرف محیط ہے کسی کو ایسا دیکھتے ہیں اگر صدق دل سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں اور کسی روشن ضمیر سے (چند روز روح کو منور کرنے والے) اشغال سیکھیں تو پھر عالم مثال کے اسرار اور ایسے کلمات کے آثار ان کو دکھائی دیں۔ اور وہ روحانیات کا اثر اپنے اوپر معنی کریں کہ ان کی زبان اور ہاتھ پاؤں سے کس قدر خرق عادات سرزد ہوتے تھے اور جو ہم اہل اسلام نے صدہا مخالفوں کو ایسی برکات کا مشاہدہ بھی کرا دیا تو پھر جس قدر اس مشاہدہ سے محروم ہیں وہ کب مانتے ہیں بلکہ خیالی باتیں اور ڈھکوسلے جانتے ہیں۔ منہ۔

دلیل سوم:...... یہ مسئلہ تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ نماز میں الحمد کو پڑھنا واجب ہے مگر جب کہ نماز جماعت سے ہو تو مقتدی کو بھی الحمد پڑھنا چاہئے یا جماعت میں صرف امام کا پڑھنا مقتدیوں کی طرف سے کافی ہے۔

دلیل چہارم:...... حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور اسحٰقؒ اور سفیان ثوریؒ اور ابن شہاب زہریؒ اور ابراہیم نخعیؒ اور عبداللہ ابن مبارکؒ اور قاسم بن محمدؒ اور عروہ بن زبیرؒ بڑے بڑے محدثین، تابعین اور صحابہ کبار کا یہ مذہب ہے کہ مقتدی الحمد نہ پڑھے بلکہ چپ ہو کر امام کی قرات سنے اور ختم کے وقت آمین کہہ کر اپنی مشارکت ثابت کر دے۔ ان چند دلائل کی وجہ سے۔

دلیل اول قرآن کو خاموشی کے ساتھ سُنا جائے:...... (۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ کہ جب قرآن پڑھا جائے تو چپ ہو کر سنو تاکہ تم پر رحمت ہو۔ بعض لوگ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ خطبے کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی خطبہ کے وقت چپ کرنا مراد ہے۔ مگر یہ جواب صحیح نہیں، اولاً تو یوں کہ یہ آیت مکیہ ہے اور خطبہ مدینہ میں آ کر جب جمعہ شروع ہوا، تو مقرر ہوا، چنانچہ اکثر مفسرین بالخصوص امام محی السنۃ بغوی اپنی تفسیر معالم التنزیل میں اس کے مقر ہیں۔ ثانیاً یوں کہ خطبے کے بارے میں آیت کا نازل ہونا فرض کیا جائے مگر لحاظ عبارت کا ہوتا ہے نہ کہ موقع نزول کا، کس لئے کہ آیت سرقہ اور آیت لعان اور دیگر آیات خاص اشخاص کے معاملوں میں نازل ہوئی ہیں مگر ان کی عبارت پر لحاظ کر کے عام حکم جاری کیا جاتا ہے۔ ثالثاً جب خطبہ میں (کہ جہاں نصیحت حسب وقت ہوتی ہے، سرتاسر قرآن نہیں پڑھا جاتا) چپ رہنا واجب ہے تو جہاں قرآن پڑھا جائے اور حالت نماز اور توجہ الی اللہ ہو تو وہاں بدرجہ اولیٰ سکوت کرنا چاہیے۔

(۲) عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ انما جعل الامام لیو تم بہ فاذا کبر فکبر وا واذا قرء فانصتوا۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ)۔ یعنی نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ امام صرف اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ لوگ نماز میں اس کی اقتداء کریں۔ پس چاہئے کہ جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھے تو چپ ہو کر سنو۔

(۳) امام مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: و اذا قرء فانصتوا کہ جب امام پڑھے تو چپ کرو۔

(۴) امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور ابو داؤدؒ اور ترمذیؒ اور نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک جہری نماز میں نبی ﷺ نے (نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر) پوچھا کہ تم میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی کہتا تھا کہ مجھ سے قرآن پڑھنے میں کون جھگڑ رہا ہے، پس لوگوں نے یہ سنا (تو جن نماز میں پکار کر قرآن پڑھا جاتا ہے، ان میں) صحابہ رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے رک گئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث صحیحہ اس بارے میں وارد ہیں کہ جن کے ذکر کرنے کو ایک دفتر چاہئے، لیکن امام شافعی اور ظاہری یہ کہتے ہیں کہ گو امام کے ساتھ پڑھنا ممنوع ہے مگر جب امام دم لیتا ہے، بالخصوص تین سکتوں میں، مقتدی کو چاہئے کہ الحمدللہ پڑھ لے، کس لئے کہ مسلم نے روایت کی ہے کہ جب میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ امام کے پیچھے بھی الحمد پڑھیں تو انہوں نے فرمایا کہ اقرء بھا نفسک (الحدیث) کہ اپنے دل میں پڑھ لے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد مضمون الحمد کو دل میں تصور کر لینا ہے نہ کہ پڑھنا، کس لئے کہ یہی ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیشتر روایت کر چکے ہیں کہ جب امام پڑھے تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ چپ ہو کر سنو۔ پس یہاں خلاف حکم حضور ﷺ کے کیونکر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

فتویٰ دیتے اور چپ کرنا مطلقاً حضور ﷺ نے فرمایا خواہ الحمد ہو یا کوئی اور سورۃ، سب سے چپ کرنا چاہئے۔ امام شافعیؒ کے اور بھی دلائل ہیں مگر وہ دلائل سابقہ کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتے، اس لئے ان کو بیان کرنا بے فائدہ سمجھتا ہوں۔ ازانجملہ یہ کہ ابوداؤد اور ترمذی اورنسائی نے جہاں امام کے پیچھے پڑھنے سے ممانعت کی روایت کی ہے، وہاں الحمد کو بھی مستثنیٰ کرلیا ہے۔ **لا تفعلوا الا بفاتحة الکتاب فانه لا صلوۃ لمن لم یقرء بھا**۔ واضح ہو کہ فریق اول کے (یعنی جو کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنا نماز میں درست نہیں جانتے) دو قول ہیں: حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ تو مطلقاً منع کرتے ہیں خواہ امام پکار کر پڑھے یا آہستہ کیونکہ جو دلائل کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے منع کرتے ہیں وہ عام ہیں، سریہ اور جہریہ کی کوئی قید نہیں اور امام محمدؒ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ جب امام چپکے پڑھے (یعنی صلوٰۃ سریہ میں) تو مقتدی الحمد پڑھ لے۔ کس لئے کہ اب امام سے منازعت نہیں پائی جاتی اور فضیلت الحمد پڑھنے کی ملتی ہے اور ان احادیث مخالفین پر بھی عمل ہو جاتا ہے اور یوں خالی کھڑے رہنے سے کیا فائدہ؟

**مبحث دوم سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا:**...... الحمد کے بعد آمین کہنا مسنون ہے، خواہ اکیلا الحمد کو پڑھے، خواہ امام کے پیچھے، خواہ نماز سے باہر ہو۔ کس لئے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: **و اذا قال غیر المغضوب علیھم و لا الضالین فقولو امین** کہ جب امام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہہ چکے تو آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ کس لئے کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین سے موافق پڑتی ہے تو گزشتہ گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور یہ بھی کہ سورۃ الحمد میں خدا کی ثناء وصفت کے بعد دعاء اور دعاء کے لئے آمین مہر الٰہی ہے کہ جس سے قبولیت کی امید زیادہ ہوتی ہے، چنانچہ ابوداؤد نے ابوزہیر نمیری سے روایت کی ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ باہر نکلے تو ایک شخص کو دعاء میں نہایت تضرع کرتے دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس نے تمام کیا تو پالیا۔ ساتھیوں میں سے کسی نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! کس کے ساتھ تمام کرے؟ فرمایا: آمین کے ساتھ۔

آمین اسم ہے اس فعل کا کہ جو استجب ہے، یعنی قبول کر۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عطاء کا قول یہ ہے کہ آمین دعا ہے، الغرض آمین کے معنی (قبول کر) ہیں۔ یہ لفظ مد الف اور قصر الف دونوں سے جائز ہے اور بالاتفاق یہ لفظ قرآن کا جزو نہیں بلکہ جس طرح عام دعاؤں کے بعد یہ لفظ بولا جاتا ہے، اسی طرح الحمد کے بعد آمین کہنا بالاتفاق سنت ہے۔ لیکن صرف اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کو آہستہ یا خفیہ کہنا بہتر ہے یا آواز سے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور سفیان ثوری وغیرہ ہم اکابر علماء تابعین اور تبع تابعین خفیہ کہنا اولیٰ سمجھتے ہیں، چند دلائل سے۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ کہ اپنے رب سے تضرع وخفیہ دعا مانگو۔ اس کو حد سے بڑھنے والے پسند نہیں آتے۔ اس آیت سے دعاء کا خفیہ کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے (کس لئے کہ تضرع وزاری آہستگی میں خوب پائی جاتی ہے اور یہی بات دعا میں اصل الاصول ہے) اور آمین دعاء ہے جیسا کہ عطاء نے فرمایا اور دیگر مواضع سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

(۲) بخاری اور مسلم کی احادیث مذکورہ (کہ جب امام غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو آمین کہو) اخفاء پر دلالت کرتی ہے کس لئے کہ اگر امام آمین پکار کر کہتا تو مقتدیوں کو معلوم ہوتا۔ پھر غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ کا پتا دینا اور ملائکہ کے ساتھ موافقت بتلانا کچھ مفید نہیں۔ ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ اور دارمی وغیرہ نے سمرۃ بن جندبؓ نے رویت کی ہے کہ نبی ﷺ دو سکتہ کرتے تھے **سکتة اذا کبر و سکتة اذا فرغ من قراۃ** غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ایک سکتہ جب کرتے کہ جب تکبیر تحریمہ کرتے تھے (اس سکتہ میں تعوذ وثناء پڑھتے تھے) اور ایک سکتہ (یعنی چپ کرنا) اس وقت جب غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ پڑھ کر فارغ ہوتے تھے (اس سکتہ میں آمین کہتے تھے) پس اگر آنحضرت ﷺ پکار کر آمین کہتے تو غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بعد چپ نہ کرتے

بلکہ امین پکار کر کہتے۔ امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ وغیرہ ہم علماء فرماتے ہیں کہ ذرا آواز سے آمین کہے تو بہتر ہے کیونکہ وائل ابن حجرؓ سے ترمذی اور ابوداؤد اور دارمی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھ کر آمین کہتے سنا اور اپنی آواز کو بلند کیا اور اسی طرح ابوہریرہؓ سے مری ہے کہ آمین سے مسجد گونج جاتی تھی۔ (رواہ ابن ماجہ)

لیکن اس قسم کی احادیث کا یہ جواب ہے کہ درصورت معارضہ پہلی حدیث کے معارضہ میں ان میں صلاحیت نہیں کیونکہ ادھر قرآن اور صحیح احادیث ہیں اور ادھر ایسی احادیث کہ جن میں محدثین کو کلام ہے اور اسی لئے امام بخاریؒ نے باجودیکہ جہر آمین کا باب باندھا مگر ان احادیث میں سے کسی کو بھی درج نہیں کیا۔ ان کے نزدیک ان کی صحت پر وثوق نہ تھا، فقط قالوا آمین کو روایت کر کے بس کر گئے اور قالوا سے کسی طرح جہر ثابت نہیں ہوتا ورنہ قولو االتحیات للہ الخ و قالو اربنا لک الحمد (متفق علیہ) میں بھی جہر کا قائل ہونا پڑے گا، ولم یقل بہ باحد من العلماء۔ دوم اگر ان کی صحت بھی تسلیم کی جائے تو ان کی یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے احیانا تعلیم کے لئے آمین کو آواز سے کہہ دیا ہوگا تاکہ لوگوں کو آپ ﷺ کا آمین کہنا معلوم ہو جائے، چنانچہ بخاری و مسلم نے قتادہ ؓ سے نماز ظہر کی بابت روایت کی ہے کہ یسمعنا الایۃ احیانا الحدیث کہ کبھی آنحضرت ﷺ کوئی آیت ہم کو سنا کر پڑھ دیتے تھے حالانکہ ظہر کی نماز میں خفیہ پڑھنا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے پس صرف تعلیم کے لئے کہ میں ظہر میں فلاں سورۃ پڑھتا ہوں، بعض آیات کو سنا دیتے تھے اسی طرح آمین ہو تو بعید نہیں۔ پس جنہوں نے اس موقع کو دیکھ لیا، انہوں نے آمین کا با آواز بلند کہنا اولیٰ سمجھ لیا۔ وہ اپنے معاہدے کے موافق سچے ہیں۔ (۳) سوم اگر آنحضرت ﷺ ہمیشہ نماز پنجگانہ میں دم آخر تک آمین پکار کر کہتے تو یہ فعل ایسا نہ تھا کہ عبداللہ بن مسعود ؓ جیسے جلیل القدر صحابی پر مخفی رہتا، حالانکہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ آج کل بعض صاحبوں نے ان خفیف مسائل میں بہت غلو کر کے مسلمانوں میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور باہمی نفاق اور کینہ کو بجائے مردہ سنت کے جلا دیا۔

**مبحث سوم (تعوذ پڑھنے کا حکم):**......اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ الایۃ یعنی جب تو قرآن پڑھے تو شیطان سے خدا کی پناہ مانگ۔ اس لئے کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن بغیر اعوذ کے نہ پڑھنا چاہیے۔ پھر اعوذ مختلف طور پر پڑھتے ہیں۔ زیادہ مشہور تو یہ ہے: اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ مصر کے قراء اس میں اور کلمات بھی ملاتے ہیں اور سر اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف قویٰ سے مرکب بنایا ہے۔ جس طرح روحانی قوتیں کہ جو امور فطرت کی طرف اس کی رہنمائی کرتی ہیں۔ اور جن کو قویٰ ملکیہ کہتے ہیں، اس کو ملے ہیں، اسی طرح جسم کے متعلق قویٰ بھی اس کے پاس موجود ہیں۔ جو کجی اور شہوت اور توہمات باطلہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ جن کو قویٰ بہیمیہ کہتے ہیں۔ پس قویٰ ملکوتیہ تو ملائکہ اور روحانی اور لطیف اور نورانی اشخاص کے آثار کے آنے کا ذریعہ ہیں۔ اور ان کے قوائے بہیمیہ کے گھوڑے پر شیطان رجیم سوار ہو کر آتا ہے اور گمراہ بناتا ہے۔ اسی لئے کبھی ان قوائے بہیمیہ کو بھی شیطان کہہ دیتے ہیں۔ اور جس میں یہ قویٰ زیادہ پائے جاتے ہیں، اس پر بھی اسی علاقہ سے شیطان کا اطلاق ہوتا ہے اور دراصل شیطان وہ ایک شخص خاص ہے کہ جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے نافرمان ہوا چونکہ بعض کم فہم اس امر کو نہیں سمجھتے، اس لئے انہوں نے ان قوائے بہیمیہ اور ملکیہ کو کہ جن پر اس علاقہ سے شیطان اور ملک کا اطلاق قرآن اور حدیث میں ہوا ہے اصل شیطان اور فرشتہ سمجھ کر وجود شیطان اور فرشتہ کا انکار کر دیا۔

**حاصل کلام:**......یہ کہ انسان کے اندر ان قوائے بہیمیہ کے لحاظ سے ہر رگ و ریشہ میں شیطان پھرتا ہے اور قرآن مجید ایک نورانی اور ملکی چیز ہے تو بیشتر جب تک گند چیزوں سے تصفیہ نہ ہو لے۔ یہ رنگ ملکوتی نہیں چڑھتا اور ان قوائے بہیمیہ کو فرو کرنے کا بشر کو مقدور نہیں۔ اس

لئے ضروری ہوا کہ خدا تعالیٰ سے پناہ مانگے اور جب اس سے کوئی بصدق دل پناہ مانگتا ہے تو اس کے قوائے بہیمیہ کو اس خیر میں خلل انداز نہیں ہونے دیتا اور نہ شیطان کچھ ڈال سکتا ہے جس طرح عالم خواب میں وہم عقل کو معارض ہو کر ادھر ادھر بہکاتا اور کسی ادنیٰ مناسبت سے اصل شے کو دوسری چیز کی صورت دکھاتا ہے۔ اسی طرح اس عالم میں انسان کے قوائے بہیمیہ اور ان کا سوار شیطان آدمی کی راہ میں ہر طرح سے خلل انداز ہوتا ہے، بری چیزوں کو سجا کر آگے لاتا ہے، بھلی چیزوں کو برا بنا کر دکھاتا ہے اور یہی تو وہ وجہ ہے کہ اس عالم میں انسان مذاہب کے بارے میں گوناگوں اور ہر ایک غرض میں بنی نوع بوقلمون ہیں۔ کوئی اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے بت کے آگے دست بستہ کھڑا ہے، کوئی اپنی کسی دھن میں اڑا ہے، کل حزب بما لدیھم فرحون۔

ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے
اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم

آیَاتُھَا ۲۸۶ (۲) سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۸۷) رُکُوْعَاتُھَا ۴۰

**سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ** ❶ ۔۔۔۔۔ یہ سورۃ مدنی ہے یعنی مدینہ منورۃ میں نازل ہوئی ہے۔ اس کی دو سو چھیاسی آیتیں ہیں اور چھ ہزار اکیس کلمات ہیں اور پچیس ہزار پانچ سو حروف اور چالیس رکوع ہیں۔ قرآن مجید کی سب سورتوں سے یہ سورت بڑی ہیں اور جس قدر احکام شرعیہ اس سے مستفاد ہیں، اور کسی سے نہیں، اس میں ایک آیت مدائنیہ ہے جو کہ سب آیتوں سے بڑی ہے، اگرچہ اس سورۃ میں بہت سے عمدہ مضامین اور طرح طرح کی ہدایت افزا باتیں ہیں مگر چونکہ گائے کے ذبح کرنے کو جو بنی اسرائیل میں واقع ہوا، ایک عجیب اور بہت سے مقاصد ❷ ضروریہ کی طرف اشارہ کرنے والا قصہ مذکور ہے اس لئے اس کا نام ❸ سورۃ بقرۃ ہوا اور تسمیہ میں کوئی نہ کوئی مخصوص بات ملحوظ ہونی چاہئے۔ یہ نام اس کا آنحضرت ﷺ کے عہد میں مشہور ہو گیا تھا جیسا کی احادیث صحاح ستہ سے معلوم ہوتا ہے۔

**مناسبت:** ۔۔۔۔۔ اس سورۃ کو سورۃ الحمد سے یہ مناسبت ہے کہ سورۃ الحمد میں چونکہ ہدایت کے متعلق جمیع مضامین ایک ایسی خوبی کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں جس کے اثر سے دل بیمار اور روح مریض کو شفائے ابدی حاصل ہوتی ہے اور اسی لئے اس سورۃ کا نام سورۃ شافیہ یا شفاء قرن اول میں شہرت پا چکا تھا اور شفاء قلب کے بعد حیات روحانی اور زندگی جاودانی ایک ضروری بات ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ اس سورۃ کو کہ جس میں (بضمن تفصیل اجمال) وہ باتیں ہوں کہ جو حیات اور ہمیشہ کی زندگانی سے علاقہ رکھتی ہوں۔ یہ بات سورۃ بقرہ میں موجود ہے کیونکہ اس سورۃ کے کل چالیس رکوع ہیں اور ان میں سے کوئی رکوع بھی ایسا نہیں کہ جس میں حیات کو مضمون نہ ہو۔

---

❶ بقر اور بقرہ، گائے بیل، مذکر مؤنث دونوں پر اطلاق کئے جاتے ہیں۔ یہ بقرۃ کی ۃ تانیث کے لئے نہیں بلکہ جنس کے لئے ہے جیسا تمر اور تمرۃ میں ہے۔ منہ۔ ف: بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری تین آیتیں معراج کی شب میں اس وقت اتری ہیں جب کہ آنحضرت ﷺ مقام سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس کا ملخص یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ معراج کی رات میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو چھٹے آسمان پر ہے تو اس وقت وہاں آپ کو تین چیزیں دی گئیں پانچ نمازیں اور سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں اور یہ حکم کہ آپ ﷺ کی امت میں جو مشرک نہیں اس کے گناہ بخشے جائیں گے۔ چونکہ معراج بالاتفاق مکہ میں ہوئی تھی اس لئے یہ آیتیں مکی سمجھی جائیں گی۔ ❷ ۔۔۔۔ منجملہ مقاصد ضروریہ کے خدائے تعالیٰ کے وجود کا اثبات ہے سو وہ بھی اس قصہ سے بخوبی سمجھ میں آ سکتا ہے، کس لئے کہ اس مقتول کا زندہ ہونا کہ جس پر اس گائے کا گوشت رکھ دیا تھا، خدائے قادر کے وجود پر دلالت صحیحہ ہے کہ جس نے اس کو دوبارہ خلاف عادت جان بخشی از انجملہ نبوت ہے سو وہ بھی اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس نبی کے کہنے سے گائے کا گوشت رکھتے ہی مردہ زندہ ہو گیا۔ یہ اس کا بڑا معجزہ ہے جو اس کی نبوت پر دلالت کرتا ہے اور جب موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوئی تو ان سے اگلے نبیوں کی نبوت کہ جن کی تصدیق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی اور آئندہ نبیوں کی نبوت کی جن کی پیشن گوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی، بخوبی ثابت ہوئی۔ از انجملہ انبیاء علیہم السلام کے کہنے پر بے چوں چرا عمل کرنا چاہیے ورنہ مصیبت پیش آتی ہے سو وہ بھی اس قصہ نے بخوبی ثابت ہے کہ بنی اسرائیل نے حجتیں کر کے کیسی مصیبت اٹھائی اور رسوائی پائی۔ از انجملہ خوف خدا ہے اور وہ یہ کہ کوئی گناہ خدا سے مخفی نہیں رہتا، سو وہ بھی اس قصہ سے ظاہر ہے کہ مقتول نے دوبارہ زندہ ہو کر بولا اور اس نے مخفی راز کھولا۔ منہ۔ ❸ ۔۔۔۔ نیچری مفسر اپنی تفسیر کے صفحہ نمبر ۱۲ میں یہ قولہ کہتے ہیں قولہ یہ سورۃ انہیں انتیس سورتوں میں ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے ان کے نام سے موسوم کیا ہے، یہ حروف مقطعات ان سورتوں کے نام ہیں جن کے ابتداء میں آئے ہیں۔ **اقول:** اگر یہ نام خدا تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہوتے تو ضرور تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اور آنحضرت ﷺ کے سامنے شہرت پاتے اور ان کے اور نام نہ رکھے جاتے حالانکہ کسی صحیح حدیث سے کیا بلکہ کسی ضعیف سے بھی ہمیں یہ معلوم نہ ہوا کہ الٓمّٓ اس سورۃ کا نام خدا تعالیٰ نے مقرر کیا ہے بلکہ سب سلف سے خلف تک اس سورۃ کو بقرۃ کہتے چلے آئے ہیں۔ دوم اگر الٓمّٓ اس سورۃ کا نام ہو تو اور سورتوں کو بھی (کہ جن کے اول میں یہ حرف آئے ہیں) یہی نام ہو۔ پس اشتراک لازم آئے جو تعیین اسماء کی غرض کے منافی ہے اور جو بیشتر وضع اول کو بھول جانے سے واقع ہوتا ہے اور خدا بھول سے پاک ہے۔ سوم خود مفسر صاحب سورۃ بقرۃ، سورۃ عنکبوت، سورۃ لقمان، سورۃ سجدہ نام لیتے ہیں۔ الغرض یہ قول علوم اسلام سے ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے، منہ۔

**سورۂ بقرہ کا اجمالی خاکہ:**......اول ودوم رکوع میں یہ بیان ہے کہ یہ قرآن ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے کہ جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے اور نیک کام کرتے ہیں (یعنی جن کو صلاحیت ازلی اور استعداد ایمانی نصیب ہے) نہ ان کے لئے کہ جو کافر ومنافق یعنی ازلی کور باطن ہیں۔ سو یہ صاف طور پر اس کا بیان ہے کہ جنہوں نے بموجب صلاحیت ذاتی سعادت ایمان پائی، حیات جاودانی پائی اور جو اس سے محروم رہے، انہوں نے حیات ابدی نہ پائی۔ تیسرے رکوع میں خدا تعالیٰ کی (کہ جس نے آسمان وزمین کو بنایا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو مباح فرمایا) عبادت کا حکم ہے جو حیات ابدی کو باعث ہے۔

چوتھے رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام کا پیدا ہونا اور اس کو حیات بخش کر ملائکہ پر فضیلت دینا اور اس کے مدعی کو حیات ابدی سے محروم کر دینا مذکور ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ نافرمانی حیات ابدی سے محروم کرتی ہے اور اس میں قیام حیاتِ دنیوی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو حیات اخرویہ کا نمونہ اور وسیلہ ہے۔ اول توؔ کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ میں زندہ ہونا بتلا دیا، پھر تمام نوع انسانی کی زندگی اور ابوالنوع حضرت آدم علیہ السلام کا حال بیان کر دیا وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ اس کے بعد اس انواع کے ایک بڑے خاندان کی حیات کا ذکر پانچویں رکوع میں یا بنی اسرائیل سے شروع کیا کہ جس میں صدہا انبیاء پیدا ہوئے اور تقریباً نصف بنی آدم اب تک اسی خاندان کے بزرگوں کے معتقد ہیں۔

اس کے بعد (٩) رکوع تک اس خاندان کے حالات عبرت خیز بیان کئے اور من وسلویٰ اور قلزم سے پار اتارنا اور فرعون کو کہ جو اس خاندان کی حیات کو دشمن تھا، ہلاک کرنا اور توراۃ کا عطا ہونا اور دیگر امور کہ جو حیات سے متعلق ہیں اور پھر جہلاء کا گوسالہ پرستی کر کے حیاتِ ابدی سے محروم ہونا اور پھر ان کو حیات دنیویہ میں مال وجان خرچ کر کے حیاتِ ابدی خریدنا بتانا اور بنی اسرائیل کے گناہوں پر عذاب بھیج کر حیات ابدی پر متنبہ کرنا اور گائے ذبح کر کے ایک شخص مردہ کو اس کے گوشت سے حیات دینا ذکر کیا ہے۔ (١٠) رکوع میں بنی اسرائیل سے یہ عہد لینا مذکور ہے کہ خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ ماں، باپ، یتیموں اور مسکینوں سے نیک سلوک کریں گے۔ نماز پڑھیں گے، زکوٰۃ دیں گے، اچھی بات کہیں گے، خون ریزی نہ کریں گے، کسی کو جلاوطن نہ کریں گے، یہ وہ عہد ہے کہ جو اس کو پورا کرے، حیات ابدی پائے۔ دنیا کی زندگی کا مزہ بھی اٹھائے۔ (١١) رکوع میں موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دینا اور ان کے بعد انبیاء علیہم السلام پے در پے بھیجنا اور حضرت عیسیٰ علیہا السلام کی روح القدس سے مدد کرنا وغیرہ امور بیان ہیں کہ جو حیات ابدی کے لئے ضروری اور نافع ہیں۔ (١٢) رکوع میں اور اس کے بعد قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ... الخ میں اس بات کا بیان ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اور جو لوگ حیات ابدی اور وحی کا واسطہ ہیں، ان سے بغض رکھنا جیسا کہ یہود رکھتے تھے، حیات ابدی سے محروم ہونا ہے، اس کے بعد (١٤) رکوع تک یہود کی اور بہت سی لغو حرکات بیان فرمائیں کہ جو حیات ابدی سے محروم اور بدنصیب کر دیتی ہیں۔ (١٥) رکوع میں یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ سے لے کر ایک اور اعلیٰ خاندان اعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حالات اور ان کی ذریت میں نبی آخر الزمان برپا کرنے کا ذکر ہے کہ جو تمام عالم کی حیات ابدی کا ذریعہ ہے اور کعبہ جو اس کی تجلیات کا مظہر ہے، اس کی بنیاد قائم کرنا مذکور ہے۔

(١٦) رکوع میں وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ سے لے کر آخر تک حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام اسلام کا لانا اور اسلام کے لئے اپنی اولاد کو وصیت کرنا اور ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر قائم رہنا اور بلاتفریق تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے اپنی اولاد کو وصیت کرنا اور ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر قائم رہنا اور بلاتفریق تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا، وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو حیات جاودانی کے لئے اصل الاصول ہیں۔ پھر (١٨) رکوع میں کعبہ کی تحویل پر جو کچھ احمقوں کے بے جا اعتراضات تھے، ان کا جواب اور اس بات کا اظہار ہے کہ مقصود ہر طرف خدا ہے اور اس کی

یاد اور عبادت اور محبت حیات ابدی کا باعث ہے اور یہ مقام متبرک محض امتحان اطاعت کے لئے مقرر ہوا ہے۔(۱۹) رکوع میں اور اس کے بعد صبر اور نماز گزاری کا ذکر ہے اور یہ کہ جو لوگ خدا کی راہ میں مر گئے، ان کو حیات ابدی نصیب ہوگئی اور حج اور عمرہ اور ریاضتیں بیان فرمائیں کہ جن سے روح زندہ ہوتی ہے۔(۲۰) رکوع میں خدا تعالیٰ کی صفات و آیات اور اس بات کا ذکر ہے کہ خدا تعالیٰ سے نہایت درجہ کی محبت رکھنی چاہئے اور دیگر امور مذکور ہیں جو حیات ابدی کے متعلق ہیں (۲۱) رکوع میں پاک چیزوں کا استعمال کرنا اور ناپاک چیزوں سے پرہیز کرنا اور شیطان کے رستے پر نہ چلنا اور خدا کا شکر کرنا اور سود اور مردار وغیرہ ان گندی چیزوں سے دور رہنا مذکور ہے کہ جن کا اثر زہر کی مانند قوائے ملکوتیہ پر دوڑ کر حیات جاودانی میں خلل انداز ہوتا ہے اور دیگر امور تعلق با حیات ابدی ہیں۔(۲۲) رکوع میں یہ بیان ہے کہ رسمی باتوں پر سعادت اور نیکی کی مدار نہیں بلکہ دراصل جو سعادت کے باعث حیات روح ہے، وہ اللہ اور انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ پر ایمان لا کر صدقہ وخیرات و نماز ادا کرنا وغیرہ امور۔(۲۳) رکوع میں روزے کی فضیلت اور اس کے احکام اور اعتکاف وغیرہ وہ باتیں ہے کہ جن کا اثر روح پر پہنچتا ہے اور حیات اخرویہ کے لئے کارآمد ہیں (۲۴) رکوع میں حج کے احکام اور خدا تعالیٰ کی راہ میں مال صرف کرنے کی تاکید اور لوگوں سے نیکی سے پیش آنا مذکور ہے کہ جو حیات دنیا کے لئے ضروری اور دوسرے جہاں کے لئے نافع ہیں۔

(۲۵) رکوع میں احکام حج اور دعا اور تکبیر مذکور ہے کہ جن کا پرتو روح کو تازہ کرتا ہے اور تمام لوگوں کو اس بات کی تاکید ہے کہ احکام الٰہی کی پابندی کریں تاکہ خرابی نہ پیش آئے اور روح امراض میں گرفتار نہ ہو جائے،(۲۶) رکوع میں اس بات کا اظہار ہے کہ خدا تعالیٰ کے دشمنوں اور باغیوں سے اس کی فوج بن کر لڑنا اور زمین کو ان کے شر سے پاک کرنا اور دین کو زندہ کرنا کہ جس کو جہاد کہتے ہیں، دنیا و آخرت کی زندگانی کا سبب ہے، کیونکہ جب دشمنان دین غالب ہو جائے گے تو اپنا غلام اور سواری کا جانور بنا کر کام لیں گے اور دین سے بھی بے بہرہ کردیں گے اور نہ ترقی دینی بھی نصیب ہوگی نہ دنیاوی اور اس کی شرح اور فوائد دیگر آیات واحادیث میں بکثرت ہیں، اور حکمائے اُمت نے یہ بات بدلائل عقلیہ بھی ثابت کردی ہے اور تجربہ اس کا شاہد ہے۔(۲۷) رکوع میں شراب اور جوئے کی ممانعت کہ جو دنیا و دین کی خرابیوں کا باعث اور تلخی زندگانی کا وسیلہ ہے اور یتیموں اور بے کسوں کی خبرداری کرنا ہے کہ جو ان کی بھی حیات کا باعث ہے۔(۲۸) رکوع میں خانہ داری اور زندگی کے متعلق احکام، حیض و ایلا و عدت و حرمت واخفائے حمل وغیرہ وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو حیات دنیا و اخریٰ کے لئے اصل الاصول ہیں۔(۲۹) رکوع میں بھی طلاق و عدت ورجعت وغیرہا باہمی معاملات کے متعلق وہ احکام ہیں کہ جو زندگی کو تازہ کرتے ہیں (۳۰) رکوع میں بھی طلاق و حلالہ ورضاعت ونفقہ ومرضعہ ومقدار عدت وفات وغیرہ وہ احکام ہیں کہ جن کے بغیر معاشرت کا انتظام اور حیات کا لطف نہیں یہ بیان ۲۳ رکوع اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ تک ہے۔ پھر اس رکوع میں جب کہ باہمی معاملات پرورش اولاد وغیرہ امور سے فراغت ہو چکی تو مبداء غیب سے بلا اسباب ظاہری زندگی عطا ہونا بیان کیا کہ اس کی قیومیت اور قدرت پر کامل یقین ہو جائے، اس میں صدہا بنی اسرائیل کا ایک نبی کی دعا سے زندہ ہونا مذکور ہے۔ پھر (۳۳) رکوع میں طالوت کا جالوت کو قتل کرنا اور بنی اسرائیل کی برباد شدہ سلطنت وقوت کا حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں دوبارہ زندہ ہونا اور تابوت سکینہ کا پھر ہاتھ آنا کہ جو خدا کی قوت وقبولیت کی بڑی دلیل ہے۔(۳۴) رکوع میں آیت الکرسی ہے کہ جس میں خدا تعالیٰ کا حی وقیوم ہونا اور بہت سی صفات مذکور ہیں اور یہ کہ حیات ابدی کے لئے یعنی اسلام کے قبول کرنے میں کسی پر زبردستی نہیں کیونکہ اس کے دلائل اور خوبیاں واضح ہیں۔

(۳۵) رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چار جانوروں کو زندہ کر کے دکھانا اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کا کامل وثوق دلانا ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام کو جو بیت المقدس کے آباد ہونے میں تعجب تھا، ایک عرصہ تک مردہ رکھ کر زندہ کرنا اور خدا تعالیٰ کے حی وقیوم ہونے پر

ذوق دلانا مذکور ہے۔ پھر رکوع (۳۹) تک صدقہ وخیرات اور پرہیز گاری اور سود کی حرمت اور دیگر احکام شہادت وغیرہا مذکور ہیں کہ جو دنیا اور دین کی زندگی کے لئے نہایت کار آمد ہیں اور (۴۰) رکوع میں لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ سے لے کر آخر سورت تک وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو مردہ دل کو حیات جاودانی بخشتی ہیں ان رکوعات اور پھر ان کی آیات کو جو کچھ باہم ارتباط اور سلسلہ بندی ہے۔ وہ بیان سے باہر ہیں۔ کسی قدر ہم بھی بیان کریں گے۔ انشاء اللہ۔

یہ بھی ربط ہے:۔۔۔۔۔اس سورۃ کو سورۃ الحمد سے یہ بھی ربط ہے کہ اس سورۃ میں الحمد کے جمیع مضامین کی تشریح ہے۔ چنانچہ (۳) رکوع میں آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور زمین پر اناج وپھل پھول، بےشمار ان چیزوں کا پیدا کرنا مذکور ہے کہ جن سے خدا تعالیٰ کی پرورش اور تمام عالم کی تربیت معلوم ہوتی ہے۔ پھر آگے اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے جنت میں رکھنا اور ملائکہ سے سجدہ کروانا اور پھر اس کی اولاد میں سے بنی اسرائیل کو برگزیدہ کرنا اور ان کو ہر طرح کی نعمتیں عطا فرمانا یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ . . . اور پھر بنی اسماعیل میں نبی پیدا کرنا اور کعبہ کو حرمت اور عزت بخشنا اور وہاں کے رہنے والوں کے لئے رزق رسانی اور دانہ پانی کا وعدہ کرنا اور بنی اسرائیل کی سلطنت بازرفتہ کو حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں پھر واپس دینا اور حضرت عزیر علیہ السلام اور دیگر بنی اسرائیل کو زندہ کرنا اور موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ عطا کرنا وغیرہ جو عمدہ مضامین اس سورۃ میں مذکور ہیں، وہ سب بترتیب اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ کی شرح ہیں اور اسی طرح من وسلویٰ بنی اسرائیل کو عطا فرمانا اور دن میں ابر کا سایہ کرنا اور فرعون سے نجات دینا وغیرہ امور جو اس قسم کے اس سورۃ میں مذکور ہیں، سب الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝ کی شرح ہیں، اور پھر گائے کا ذبح کرنا اور اس کا گوشت مقتول کی لاش پر دھرنا اور اس کا جی اٹھ کر اپنے قاتل کا نام لینا اور قاتل کا سزا پانا، اور اسی طرح بنی اسرائیل کو (گوسالہ پرستی کی سزا میں) خودکشی کا حکم دینا اور ایسی سخت توبہ مقرر کرنا اور بنی اسرائیل علیہ السلام کی نافرمانیوں پر طرح طرح کی سزائیں دینا اور کافروں اور مشرکوں اور منافقوں کا گھر جہنم میں بنانا وغیرہ اس قسم کے مضامین جو اس سورۃ میں مذکور ہیں، سب مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۝ کی تفسیر ہیں، اور روزہ اور نماز اور حج اور زکوٰۃ وجہاد اور ذکر الٰہی اور تکبیر وتہلیل جو کچھ مختلف رکوعوں میں وارد ہے اور ان کے احکام مذکور ہیں اور جہاں کہیں خدا تعالیٰ سے محبت اشد کرنے کا حکم ہے اور شرک وبت پرستی کی ممانعت ہے، سب اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۝ کی تفصیل ہے، اور قرآن کا متقیوں کے لئے ہدایت ہونا، اور احکام طلاق ونکاح وغیرہ وصلہ رحمی اور والدین اور اقارب اور ہمسایہ سے نیکی کرنا، حرام اور اشہر حرام کی حرمت کرنا جو کچھ اس قسم سے اس میں مذکور ہے، سب اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۝ کی تفسیر ہے، اور جو کچھ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروؤں کے اقوال اور ان کے احوال اور ان پر انعام الٰہی نازل ہونا اس سورۃ میں مذکور ہے، سب صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی تفسیر ہے اور فرعون کا غرق ہونا اور اس کی بداطواری سے اس کا ملک ومال برباد ہونا اور نمرود کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مناظرہ کرنا اور یہود پر ان کی بدکاری سے مصیبت نازل ہونا اور جو کچھ اس قسم کا مضمون ہے، سب غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۝ کی پوری شرح ہے۔

فضائل سورۃ البقرۃ:۔۔۔۔۔ چونکہ یہ پوری سورۃ بےشمار علوم کا سرچشمہ ہے، اس لئے اس کے فضائل بھی بہت ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم میں سے جو شخص سورۃ البقرہ اور آل عمران جانتا تھا، اس کی بڑی عزت وعظمت ہوتی تھی اور مسند امام احمد وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورہ بقرہ بمنزلہ کوہان قرآن کے ہے۔ اور بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ رات کو سورۃ بقرۃ پڑھ رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا کہ یکایک ان کا گھوڑا چونکا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے پڑھنا بند کیا، گھوڑا بھی ٹھہر گیا، پھر جب میں نے پڑھنا شروع کیا، پھر اسی طرح گھوڑا بدکا، تین بار یہ بات پیش آئی اور میرا بیٹا یحییٰ قریب سوتا

تھا، مجھے ڈر ہوا کہ گھوڑا اسے کچل نہ ڈالے۔ پھر جب میں نے اوپر کو دیکھا تو ایک نورانی سا بادل دکھائی دیا کہ جس میں مشعلیں سی روشن تھیں، پھر میں اس کو دیکھنے کے لئے باہر نکلا، صبح کو یہ ماجرا میں نے نبی ﷺ سے بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ملائکہ تھے جو تیری آواز سن کر آئے تھے، اگر تو صبح تک پڑھے جاتا تو وہ بھی صبح تک موجود رہتے اور سب کو نظر آتے، اے ابن حضیر! اس کو پڑھا کر۔

مسلم نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔ زہراوین ❶ (سورۂ بقرہ وآل عمران پڑھا کرو کیونکہ قیامت کو یہ اپنے پڑھنے والوں کے لئے (بادل کی طرح ہو کر) شفاعت کو آئیں گے۔ سورۂ بقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کے پڑھنے میں برکت اور ترک کرنے میں حسرت ہے اور فریبی لوگ اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے۔

اس سورت کی برکت وآثار جو کچھ بزرگان دین کے تجربہ میں بارہا آئے ہیں، بیشمار ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ جس رات مین یہ سورۃ پڑھی جائے یا جس گھر میں پڑھی جائے، وہاں شیطان کا گزر نہیں ہوتا، جو لوگ حس باطن رکھتے ہیں، وہ اس امر کی بخوبی تصدیق کرتے ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ بیمار کے روبرو یہ سورۃ پڑھی جائے اور ایک مقدار معلوم چاول پکا کر دہی اور چینی ڈال کر کسی مسکین کو کھلا دی جائے، دفع مرض بالخصوص چیچک کے لئے بہت مفید ہے۔ فقیر کے تجربہ مین بھی آیا ہے۔

**شانِ نزول سورۃ البقرۃ:**...... جب مکہ اور اس کے گردونواح میں دین اسلام کی روشنی پھیلی تو وہاں کے بت پرستوں کے زور ظلم سے نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم حکمت الٰہی کے موافق مدینہ میں (کہ جو مکہ سے شمال کی طرف چودہ منزل کے فاصلہ پر ہے) تشریف لائے۔ اس شہر میں اور اس کے اطراف میں عرصہ دراز سے اہل کتاب رہتے تھے اور اس وقت عیسایوں اور یہود کے تعصبات اور گمراہیوں اور توہمات وخیلات مشائخ کی بے جا پابندیوں نے اس ذرا سے نور کو بھی جو مدت سے ٹمٹما رہا تھا، بجھا دیا تھا، ایسی حالت میں جو یکایک ان پر آفتاب اسلام نے طلوع کیا اور نبی ﷺ کی وہ باتیں کہ جو روح کو زندہ کرنے والی ہیں، ان کے کان میں پڑیں تو باستثناء چند دیندار، اکثر کو پابندی رسوم وتعصب بے جانے باوجود دل میں مقر ہونے کے اسلام اور قرآن کے مقابلہ پر آمادہ کیا، جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مقابلہ میں آمادہ کیا تھا۔ یہ فریق علم ودانش میں وہاں کے عربوں کے نزدیک مسلم تھا۔ اس لئے ان کی نکتہ چینیوں میں وہ زیادہ کان رکھنے لگے اور چراغ اسلام کو بجھانے میں جہال عرب کو ان یہود ونصاریٰ سے ایک مدد مل گئی۔

اور دو فریق مقابلہ میں کھڑے ہوئے اور مدینہ کے رؤساء میں سے عبداللہ بن ابی ابن سلول وغیرہ (وہ لوگ کہ جن کو حسد ریاست اور حب مال وجاہ نے اندھا کر دیا تھا اور کسی مصلحت دنیویہ سے وہ اسلام میں نامزد ہوتے تھے اور در پردہ سخت دشمن تھے) ان کے ساتھ مل گئے، اس تیسرے فریق منافقین سے اور بھی ان کی ہمت بندھ گئی۔ ان تینوں فریقوں کی کج بحثیوں کی اصلاح اور ان کے شکوک وشبہات کا ابطال اور ہر طرح کا وعظ وپند حکمت الٰہی کے نزدیک ضروری ہوا، پس اس لئے مدینہ جاتے ہی یہ سورۂ بقرہ نازل ہونی شروع ہوئی کہ جس میں ان سب لوگوں کی اصلاح ودرستی خدا تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں ملحوظ رکھی ہے، یہ تمام سورۃ کا اجمالی سبب نزول ہے، اس اجمال کے سوا خاص باتیں بھی سبب نزول ہیں کہ جن کو ہم آگے چل کر حسب موقع بیان کریں گے مگر ناظر کو لازم ہے کہ اس اجمالی سبب نزول کو ملحوظ رکھے تا کہ اس سورۃ کے مطالب اس کے دل پر نقش ہو جائیں۔

---

❶ زہراوین۔ زہرا کا تثنیہ ہے اور زہرا، ازہر کا مؤنث ہے جس کے معنی نہایت روشن کے ہیں۔ چونکہ ان دونوں سورتوں یعنی بقرہ وآل عمران میں ایک عجیب نورانیت ہے کہ جو نفوس صافیہ کو معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے ان دونوں سورتوں کا لقب زہراوین ہو گیا۔ منہ۔

# بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا بڑا مہربان ہے

## الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۲﴾

الٓمّٓ ﴿۱﴾ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کوئی بھی شک نہیں۔ پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے ﴿۲﴾

ترکیب:......اگرچہ الٓمّٓ حروف مقطعات سے ہیں کہ جن کے معنی میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، جیسا کہ آپ کو ابھی معلوم ہوگا مگر اس بات پر محققین متفق ہیں کہ یہ ان حروف تہجی کے اسماء ہیں کی جن حروف سے ہمارا کلام مرکب ہوتا ہے، ان کے ابتداء کلام میں لانے سے یہ اشارہ ہے کہ جن حروف سے ہمارا کلام مرکب ہوتا ہے، وہی تمہارے کلام کا بھی مادہ ہے، پھر اگر یہ قرآن کلام الٰہی معجزہ نہیں تو کیا وجہ ہے کہ کہ تم اس کی مثل کلام نہیں بنا سکتے اور اس کی سورۃ کا دسواں حصہ بھی نہیں لا سکتے پس اس تقدیر پر الٓمّٓ کے معنی المرکب من ھذا الحروف مبتداء و معجز یا متحدی ❶ بہ اس کی خبر یا برعکس جس کے معنی یہ ہوئے کہ جو کلام ان حروف سے مرکب ہے یعنی قرآن معجز یا متحدی بہ ہے یا یہ کہ یہ کلام متحدی بہ اس قسم کے حروف سے مرکب ہے۔ یا یوں کہو الٓمّٓ مبتداء (خواہ اس سے مراد المؤلف منہا لیا جائے یا قرآن یا سورتوں کا نام مانا ❷ جائے جیسا کہ اکثر علماء کی رائے ہے) اور ذٰلِكَ اس کی خبر اور کتاب صفۃ یعنی کامل کتاب یہی ہے۔ جیسا کہ بولتے ہیں: زید انسان ہے، یعنی کامل انسان زید ہے۔ یا یوں کہو کہ الٓمّٓ خبر ہے مبتداء محذوف کی جو المتحدی بہ ہے اور ذٰلِكَ خبر ثانی یا بدل ہے اور کِتٰبُ صفۃ ہے۔ لَا نفی جنس، رَیْبَ اس کا اسم اور فِیْهِ خبر۔ یا یوں کہوں فِیْهِ صفت رَیْبَ کی اور لِّلْمُتَّقِیْنَ خبر اور هُدًى حال ہے۔ یعنی اس کتاب میں (جو کہ ہدایت دینے والی ہے) پرہیز گاروں کو کوئی شبہ نہیں۔ یا یوں کہو رَیْبَ موصوف، فِیْهِ صفت اور خبر محذوف جیسا کہ لَا خبر میں محذوف ہے۔ اس تقدیر پر فِیْهِ خبر مقدم ہے هُدًى کی۔

یا یوں کہو: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ مبتداء اور لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ جملہ میں اس کی خبر اول اور هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ دوسرا جملہ اس کی دوسری خبر، اس کے سوا اور بھی احتمالات ہیں۔ سبحان اللہ کیا عمدہ کلام ہے کہ ہر پہلو پر ایک عمدہ معنی حاصل ہوتے ہیں اور صحیح تر یہ ہے کہ یہ چار جملے الگ الگ ہیں، ہر جملہ کے لئے دلیل ہے۔ پس الٓمّٓ ایک جملہ ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ متحدی بہ انہیں حروف سے مرکب کہ جن سے عام عرب بلکہ عجم کے کلام مرکب ہوتے ہیں، پھر باوجود اس مساوات کے کسی سے بھی اس کے مقابلہ میں کلام نہیں لایا جا سکتا، اس کے اعجاز کی صریح دلیل ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ دوسرا جملہ جو اعجاز کو خوب ثابت کرتا ہے یعنی دراصل کتاب یہی ہے اور اس کے مقابلہ میں اور کلام کالعدم ہے، معارض تو کیا، پس ثابت ہوا کہ یہ بڑی کامل کتاب ہے کیونکہ لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ یہ تیسرا جملہ ہے جو اس کے کمال کی دلیل ہے یعنی جس کو ذرا بھی فہم و سلیم اور سلیقہ زبان عرب ہے وہ اس کی خوبیوں کو دیکھ کر یقین لائے گا کوئی شبہ اس کو پیش نہ آئے گا اور درحقیقت جو کتاب ایسے مضامین کو متضمن ہو کہ اس میں دانشمند اور صاحب فطرت سلیمہ کو کچھ شک نہ ہو، وہ کامل ہے، بخلاف ان کتابوں کے کہ جن میں عناصر پرستی یا غلط نسب نامہ یا اور خلاف عقل مضامین ہوں کہ جن کے قبول کرنے سے عقل انکار کرتی ہو وہ کامل نہیں، نہ الہامی ہیں اور اس میں شک نہیں، اس لئے هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ہے۔ یہ چوتھا جملہ ہے یعنی جس کتاب سے لوگوں کو ہدایت ہوتی ہے، اس میں شک نہیں ہوتا۔ کس لئے کہ

❶...... تحدی کہتے ہیں کہ کلام مقابلہ میں طلب کرنا۔ متحدی بہ وہ کلام کہ جس کو پیش کر کے اس کے مقابلہ میں کلام طلب کیا جائے۔ منہ۔ ❷...... اگرچہ سورتوں کا نام بھی علماء نے مانا ہے مگر یہ کہنا کہ یہ نام خدا تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ سورۃ کا نام ہے، محض غلط ہے۔ بلکہ یہ بھی علماء کا ایک قول ہے منجملہ دیگر اقوال کے۔ منہ۔

اگر شک ہو تو پھر کتاب ہدایت کیونکر بخشی بلکہ مشکوک کتابوں کو تو پرہیز گار چھوتے بھی نہیں چہ جائیکہ ان کا دستور العمل اور ہدایت نامہ ہو اور ایک لطف بھی اس کلام میں ہے کہ اول جملہ دوسرے کے لئے دلیل بھی ہو جاتا ہے۔

**قرآنِ مجید کے کتاب الٰہی ہونے پر دلائل:**......سورۃ الحمد میں جب کہ ہدایت کے متعلق سب ضروری باتیں اجمالاً بیان ہو چکی تھیں تو اس سورۃ میں ان مضامین کی تفصیل کی گئی اور سب سے پیشتر قرآن مجید کا کتاب الٰہی ہونا تین دلیلوں سے ثابت کیا، کیونکہ ہر ملت و مذہب کا مدار کتاب پر ہوتا ہے، پس جس ملت و مذہب کی کتاب الہامی اور آسمانی ہے، وہ حق ہے ورنہ باطل اور یوں تو ہر شخص اپنے مذہب کو خواہ وہ کیسا ہی خراب کیوں نہ ہو، حق جانتا ہے۔

**دلیل اول:**......الٓمّ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ سے مستفاد ہوتی ہے۔ تقریر اس کی یہ ہے: عرب میں اس زمانے میں قرآن نازل ہو رہا تھا، فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا، ہر شخص اپنے عمدہ عمدہ اشعار پر ادھار کھائے بیٹھا تھا اور معجزہ کی خوبی یہ ہے کہ جس امر میں لوگوں کو ملکہ ہو اور جس کے اسرار کماینبغی وہ جانتے ہوں اُس میں ان کو ایسی بات دکھائی جائے کہ جو ان سب کی قوت سے باہر ہو اور وہ عاجز ہو کر یہ جان لیں کہ یہ اس شخص کا کام ہے جو ہماری جنس اور نوع سے الگ ہے اور اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیماروں کو تندرست کرنا، مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ وہ معجزات دکھائے کہ جنہوں نے طب جالینوسی کو پست کر دیا اور اسی لئے فرعون کے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء کو اژدھا دیکھ کر جھٹ پٹ ایمان لے آئے۔ مگر وہ اس فن کے واقف کار تھے، فوراً سمجھ گئے کہ یہ جادوگر کا کام نہیں۔ بخلاف فرعون کے وہ اناڑی نہ سمجھا، پس اس لئے عرب کے سامنے فصاحت و بلاغت میں معجزہ ظاہر ہونا ضروری تھا۔ تو خدا تعالیٰ نے اس جملہ میں اعجاز کی طرف اشارہ فرمایا کہ ہمارا کلام بھی انہیں حروف سے مرکب ہے کہ جس سے تمہارا کلام مرکب ہوتا ہے اور جس طرح تمہاری کتابوں پر اطلاق کتاب ہوتا ہے، ہماری کتاب پر بھی پھر جب تم اسباب فصاحت و بلاغت میں بھی کم نہیں بلکہ مشتاق ہو اور ایک کیا سب سے مل کر بھی ایسی کتاب نہیں بن سکتی تو پھر جان لو کہ یہ تمہارے ہم جنس کا کلام نہیں ہے۔ اس دلیل کو آگے قرآن میں تفصیل سے خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ یوں بیان فرمایا ہے: فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ... الخ۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝

**دلیل دوم:**......لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ سے مستفاد ہے۔ اس کی تقریر یوں ہے: جو لوگ لطف زبان سے واقف نہیں اور حکیمانہ طور پر مضمون اور معانی ہی پر ان کی نظر ہے تو وہ اس کے مطالب اور معانی کو بغور دیکھیں کہ وہ کیسے ہیں۔ کیونکہ جس کتاب کے مطالب بتامہا میزان عقل میں وزنی ہوتے ہیں، ان کا اعتبار ہے ورنہ نہیں عقل خدا تعالیٰ کی طرف سے بندہ چشم حق بین عطاء ہوئی ہے۔ اگرچہ کبھی عقل وہم کی کشاکشی میں آ کر پست ہو جاتی ہے تو الہام کی تائید سے مرتفع ہوتی ہے مگر ہر نیک و بد اور برے بھلے کا امتیاز اسی کے ہاتھ میں دیا گیا ہے پس جن باتوں کو عقل سلیم رد کریں، وہ مردود اور جن کو قبول کرے، وہ مقبول ہیں اور اعلیٰ درجے کی قبولیت عقل کے نزدیک یہ ہے کہ عقل ان باتوں کا یقین کر لیں اس کو ریب اور تردد نہ رہے، نہ یہ کہ علی وجہ الظن و التقلید و الشک تسلیم کرے۔ سو یہ بات قرآن مجید کے مطالب کو حاصل ہے چنانچہ صدہا عیسائی محقق بھی اس امر کے مقر ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب کی بنیاد ان باتوں پر ہے کہ جن کو عقل سلیم تسلیم کرتی ہے، نہ کہ توہمات و خیالات فاسدہ پر، خلاصہ دلیل قرآن کے مطالب ایسے عمدہ ہیں کہ عقل کو ان میں ریب و شک نہیں بلکہ یقینی طور پر ان کو تسلیم کرتی ہے، اور جس کتاب کے مضامین میں ریب و شک نہ ہو، وہ منجانب اللہ ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن بھی منجانب اللہ ہے، اس دلیل کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ وغیرہا من الآیات۔

جس طرح اول دلیل زبان دانوں کے لئے تھی، یہ دلیل تمام لوگوں کے لئے ہے۔ یہود و نصاریٰ، ہنود مجوس سب کے لئے مفید ہے، صغریٰ کا ثبوت محتاج دلیل نہیں۔ جو چاہے قرآن کے مضامین کو ملاحظہ کر لے، کوئی بات بھی ایسی نہ پائے گا کہ جس میں عقل کو تردد ہو، بخلاف وید اور دساتیر کے کہ ان میں عناصر اور کواکب پرستی کے وہ مضامین ہیں کہ جن سے دل متلاتا ہے اور عقل کو نفرت ہوتی ہے اور لنگ پوجا اور بھگ (فرج) پوجا اور گائے پرستی پر تو اب دانشمند ہندو بھی ہنستے ہیں اور توراۃ و انجیل و زبور موجودہ میں گو اصلی کتابوں کے صدہا مضامین الہامی مندرج ہیں مگر تاہم بہت سی وہ باتیں ہیں کہ جن میں عقل کو ریب و تردد بلکہ صریح انکار ہے۔ اناجیل و نامجات میں تو بقول پادری فنڈر صاحب تثلیث و الوہیت و کفارہ مذکور ہے کہ جس کو آج تک کوئی عیسائی ثابت نہیں کر سکا نہ کرے گا بلکہ انہیں لغو مضامین سے نفرت کر کے صدہا بلکہ لاکھوں عیسائی فرانس اور جرمن اور انگلینڈ ملحد میں سخت ہو گئے۔

چنانچہ مسٹر ڈائٹ اپنی کتاب سفر جرمنی کے صفحہ ۴۰۹ میں لکھتا ہے کہ علم کلام کے جھگڑے میں عہد ❶ عتیق کی سچائی اور اصلیت میں کلام ہوا۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ اس کے الہامی ہونے کا یقین جرمنی سے نکل گیا۔ بعد ازاں عہد جدید ❷ میں گفتگو شروع ہوئی یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے سب کو غیر الہامی سمجھا بلکہ بہت سے علماء جرمن تو ان کو برا سمجھنے لگے یا ان کو محض تاریخ کی کتاب خیال کرنے لگے اور ارسطو اور افلاطون سے زیادہ حضرت مسیح علیہ السلام کہ نہ سمجھنے لگے۔ یہ الحاد فرانسیسوں کے الحاد سے بھی کہ جو اٹھارہویں صدی میں پھیلا، سبقت لے گیا، جب کہ لوگوں نے دیکھا کہ پادری لوگ بھی ملحد ہو گئے تو انہوں نے بھی وہی طریقہ اختیار، انتہیٰ ملخصا، انہی کی تقلید سے ہندوستان میں بھی بعض کوتاہ عقلوں نے اس الحاد کو رواج دیا اور کتاب یشوع میں آفتاب کا ٹھہرا رہنا اور توراۃ میں لوط علیہ السلام کا اپنی بیٹیوں سے زنا کرنا اور خدا کا آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے نادم ہونا وغیرہ ذٰلک بہت سی خلاف عقل باتیں ہیں، خدا تعالیٰ کی ذات وصفات اور ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام اور عبادات و آخرت اور نیک ❸ چلنی وغیرہ مضامین قرآن کے مقابلے میں جو کوئی عہد عتیق و جدید کو دیکھے گا تو ضرور اس بات کا یقین کرے گا کہ قرآن کتاب الٰہی ہے اور یہی کتاب ہے۔ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ۔

گبن صاحب کہ جو انگلستان کا بڑا مشہور مؤرخ اور مقنن ہے، اپنی تاریخ میں لکھتا ہے، محمد کا مذہب شکوک اور شبہات سے پاک ہے۔ مکہ کے پیغمبروں نے بتوں اور انسانوں اور ستاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا ہے کہ جو شے طلوع ہوتی ہے غروب ہو جاتی ہے اور جو حادث ہے وہ فانی ہے اور جو قابلِ زوال ہے وہ معدوم ہو جاتی ہے الخ۔ ان بڑے بڑے حقائق کو پیغمبروں نے مشہور کیا الخ۔ ایک حکیم جو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر یقین رکھتا ہو وہ مسلمانوں کے عقائد مذکور بالا کو کہہ سکتا ہے کہ وہ عقائد ہمارے ادراکِ موجودہ اور قوائے عقلی سے بڑھ کر ہیں۔ وہ اصل کہ جس کی بناء عقل اور وحی پر ہے محمد کی شہادت سے استحکام کو پہنچی۔ انتہیٰ ملخصاً اور سید صاحب اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں سخت تعصب کے باوجود اقرار کرتا ہے کہ تھوڑے سے دنوں میں جو محمد ﷺ کا دین شرقاً غرباً روئے زمین پر پھیل گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مذہب کے جملہ امور وہ ہیں کہ جن کو عقل بہت جلد تسلیم کرتی ہے۔ جو لوگ تلوار کے زور سے

---

❶ توراۃ، زبور اور دیگر سب انبیاء علیہم السلام۔ منہ۔ ❷ چاروں انجیل اور حواریوں کے نامجات وغیرہا منہ۔ ❸ علمانے تقویٰ کی مختلف تعریف کی ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ تقویٰ وہ ہے کہ اللہ کے حکم کے سامنے کسی اور کا حکم نہ مانے اور یقین رکھنا کہ سارے کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں ابراہیم بن ادہم بن منصور بلخی فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ مخلوق تیری زبان میں کوئی عیب نہ پائے نہ ملائکہ تیرے افعال میں نہ فرشتے تیرے دل میں بعض کا قول یہ ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ تجھ کو تیرا مالک نافرمانی کی حالت میں نہ دیکھے۔ اس قسم کے بہت سے اقوال علماء نے تعریفِ تقویٰ میں نقل کیے ہیں۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ جس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے اس کے دل میں یہ تمام صفتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جناب باری نے ہدایت پانے والوں کی کئی صفتیں بیان کی ہیں۔ سب سے پہلے ان کو متقی کہا چونکہ ایمان اور اس کی تمام فروعات کی اصل خوفِ الٰہی ہے جس کے دل میں خوف نہیں اس کو کچھ بھی نہیں۔ پہلا اثر جو خوف الٰہی پر مرتب ہوتا ہے وہ تقویٰ ہے یعنی خود کو عذاب سے بچانا۔ حقانی۔

اس دین کا پھیلنا خیال کرتے ہیں وہ بڑی غلطی میں ہیں انتہیٰ مخلصاً۔ کبریٰ مسلم الکل ہے۔

سوال: بہت سے لوگوں کو قرآن میں ریب (شک) تھا اور اب بھی ہے اور جو کسی کو نہ ہوتا تو تمام لوگ اہلِ اسلام ہی نہ ہو جاتے؟ پھر مطلقاً یہ کہنا کہ اس میں کسی کو کوئی شک نہیں کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب: انکار اور تکذیب اور چیز ہے، شک اور تردد اور چیز۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا یقین کامل ہو سکتا ہے مگر کسی خاص وجہ سے متعصب اور معاند لوگ ضد میں یا رسوم اور قوم کی پابندی میں آ کر انکار کر دیتے ہیں اور ہٹ دھرمی سے نہیں مانتے۔ سو یہ اور بات ہے۔ ہم اس کی نفی نہیں کرتے۔ ہاں کسی صاحبِ عقلِ سلیم کو قرآن کے مطالب میں بعد تامل کے شک نہ ہوگا اور جو کبھی ہوا بھی تو وہ اس کے قصورِ فہم سے ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ قرآن بلحاظ وضاحت دلائل محلِ ریب نہیں جس طرح عام محاورے میں سچی بات کی نسبت کہ دیتے ہیں کہ اس میں کچھ شک نہیں، گو مخاطب کو شک ہو مگر بلحاظِ فصاحت قرائن و دلائل مزیلِ شک اس شک کو کالعدم قرار دے کر نفی کر دیتے ہیں۔ بعض ❶ لوگ اس بات کو نہ سمجھے تو تفسیر میں غلطی کے مرکب ہوئے۔

## قرآن متقین کے لئے ہدایت ہے:

دلیل سوم: هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کی مستفاد ہے۔ تقریر اس کی یہ ہے: کتاب آسمانی ہونی کی بڑی علامت اور پکی نشانی یہ ہے کہ وہ ایسا اثر رکھتی ہو کہ مقناطیس کی طرح دلوں کو ہدایت کی طرف کھینچے اور نیک چلنی اور توحید کی طرف رہنمائی کرے، یہ کبریٰ مسلم ہے اور یہ صغریٰ کہ قرآن ان لوگوں کی ان امور کی طرف رہنمائی کرتا ہے، بدیہی ہے کیونکہ ۲۳ برس کے عرصے میں جس قدر قرآن نے خلق خدا کے دلوں کو ہدایت کی طرف کھینچا، اس قدر ہزار برس میں بھی توراۃ وانجیل نے وہ اثر نہ بخشا، عرب کی جو جہالت کہ، کہ نزول قرآن سے پہلے تھی، بہت خراب تھی۔ بت پرستی اور چوری اور رہزنی اور خون ریزی اور باہمی بے ہودہ تفاخر اور جہالت اور اس کے ساتھ ذلت جس قدر عرب کو حاصل تھی، شائد کسی اور قوم کو ہو۔ پھر تھوڑے سے دنوں میں قرآن نے عرب کی کایا پلٹ دی، ہر ایک عرب کا ہر طرح کی برائی اور اخلاق رذیلہ کا مجمع تھا، قرآن کی برکت سے اخلاق حمیدہ اور تمام خوبیوں کا سرچشمہ ہو گیا، اس بات کی بھی تمام مؤرخین مقر ہیں، توراۃ نے تو بنی اسرائیل پر بھی بہت ہی کم اثر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چندروز غائب ہوتے ہی بقول اہل کتاب بنی اسرائیل کے مشائخ تو مشائخ بقول یہود خود ہارون علیہ السلام نے جو خدا کے خیمے کے امام تھے، بچھڑا بنا کر پوجا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دم آخر تک کیسی کیسی سرکشیاں بنی اسرائیل کرتے رہے، اور بقول ولیم میور صاحب حواری شمعون پطرس نے جن کے ہاتھ سے بقول نصاریٰ صدہا معجزات صادر ہوئے تھے تختی کے وقت حضرت مسیح سے بے وفائی کی اور آشنائی سے بھی انکار کر دیا اور یہوداسکر یوطی نے تو اپنے آقا حضرت مسیح علیہ السلام کو چندروپے ❷ لے کر

---

❶ نیچری مفسر اپنی کتاب صفحہ ۱۴ میں لکھتے ہیں، قولہ اور وہ (یعنی مناسب) معنی یہ ہیں کہ اس کتاب کے پرہیزگاروں یعنی ایمان والوں کے لئے ھادی ہونے میں کچھ شک نہیں۔ الخ۔ اگر یہ معنی تسلیم کر لئے جائیں تو ھدی کا لفظ بدل ہے، ضمیر مجرور سے جو فیہ میں ہے اور جار مجرور ثابت یا کائن سے متعلق ہو کر لانفی جنس کی خبر ہوئی یعنی لاریب فی کونہ ھادیا للمتقین۔ خان صاحب بہادر نے کمال کیا ہے۔ تھوڑی سی عبارت میں کس قدر غلطیوں کو سمیٹ کر جمع کر دیا ہے (اول) یہ کہ ہنوز وہ بات باقی رہی کہ کسی کو شک نہیں۔ منکر یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم کو اس کتاب کے پرہیزگاروں کے لئے ہادی ہونے میں شک ہے، پھر کیا نئی بات پیدا ہوئی۔

(دوم) اگر فیہ کی ضمیر سے ھدی کو بدل کہیں گے تو ھدی کو مجرور کہنا پڑے گا۔ حالانکہ آج تک کسی نے اس کو مجرور نہیں کیا۔ (سوم) فی کونہ کے متعلق قرار دے کر اور بدل کونہ ھادیا کہنا صحیح نہیں کیونکہ کونہ ھادیا صفت ہے اور قرآن ذات یا موصوف اور بدل عارض کا معروض سے درست نہیں۔ (چہارم) جب فیہ سے کونہ ھادیا کو بدل ڈالا تو فی کو ریب سے متعلق کرنا پڑا۔ (پنجم) یہ توجیہ لغو چونکہ عام قدماء کے مقابلہ میں ہے، اس میں کوئی نکتہ ضرور تھا ورنہ بغیر وجہ یا مجھ اس سوار بنتا کیا فائدہ۔ منہ۔ ❷ …… تیس روپے لے کر حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کروایا۔ حقانی۔

گرفتار کرا دیا اور پھر چند روز بعد صلیب پرستی اور دیگر خرابیاں جو کچھ عیسوی مذہب میں پڑیں ان کی اب تک بھی اصلاح نہیں ہوئی، اب انصاف کرنا چاہئے کہ کون سی کتاب سے دنیا میں زیادہ ہدایت پھیلی پھر جس کتاب نے اپنا آسمانی ہونا عالم کو مشاہدہ کروا دیا ہو، اس کو آسمانی کتاب نہ کہا جائے اور اپنی تقدیم کہنہ کو خدائی قانون بنایا جائے تو بڑی ناانصافی ہے۔ اس دلیل کی طرف قرآن مجید میں بہت جگہ اشارہ ہے جیسا کہ ''اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ وغیرھا من الآیات''۔

**سابقہ دلائل میں باہم مناسبت طبعی:**......واضح ہو کہ ان تینوں دلیلوں میں باہم ایک عجیب مناسبت طبعی تھی۔ دلیل اول: جو فصاحت وبلاغت سے متعلق ہے، یہ چاہتی ہے کہ اس کو مقدم کیا جائے کیونکہ سب سے بیشتر عرب کا ایمان لانا مقصود تھا کہ جن کے ذریعے سے تمام عالم میں ہدایت پھیلی اور وہ فصاحت وبلاغت سے جلدتر ایمان لا سکتے تھے، چنانچہ لائے۔ اس کے بعد کلام کو بلند کیا اور معانی کی طرف رجوع کر کے اور لوگوں کا بھی اطمینان کر دیا، وہ دوسری دلیل سے حاصل ہو مگر یہاں تک کہ منکر کو کسی قدر چوں وچراں کرنے کی مجال باقی تھی، وہ کہہ سکتا تھا کہ جہل مرکب کی صورت میں ریب نہیں اور اسی لئے ہر فریق اپنی کتاب کو خواہ وہ کیسی ہی غلط کیوں نہ ہو مشکوک نہیں جانتا۔ گویا شبہہ بالکل بے بنیاد تھا، مگر اس کے بعد خدائے تعالیٰ نے وہ برھان قائم کی کہ گویا مشاہدہ کر کے دکھایا جیسا کہ کوئی خوش نویس اپنی خوش نویسی کا دعویٰ کریں پھر لکھ کر دکھا دے یا پھر کوئی پہلوان زور کا دعویٰ کر کے کسی درخت کو گرا دے پھر کوئی دانشمند اس کے خوش نویس اور اس کے پہلوان ہونے میں شک نہ کرے گا، اسی طرح جب قرآن نے اپنا وہ اثر جو کہ کتاب الٰہی کے لئے ضروری ہے دکھا دیا تو اب کون سا شبہہ باقی رہ گیا، اب اس کے کتاب الٰہی ہونے میں شک کرنا سکندر کی فوج اور ملک اور جاہ وحشم دیکھ کر اس کے بادشاہ ہونے کا انکار کرنا، سوا ایسے لوگ ازلی بدبخت ہیں، وہ بہرے، اندھے اور گونگے ہیں، ان کے دلوں پر مہر ہے ان کے لئے قرآن نافع نہیں۔

**نکات رموزِ حروف مقطعات:**......(۱)......الٓمٓ یہ اور اس قسم کے جس قدر حرف سورتوں کے اول میں آئے ہیں، ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں، علماء کا ایک گروہ تو کہتا ہے کہ یہ منجملہ متشابہات کے ہیں کہ جن کو خدا تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہر کتاب میں ایک سر ہوتا ہے اور قرآن میں اس کا سر اوائل سور ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر کتاب میں ایک خاص بات ہوتی ہے اور قرآن کی خاص بات حروف تہجی ہیں۔ (تفسیر کبیر) کس لئے کہ جس طرح خفاش نور شمس کے آگے ذخیرہ ہو جاتی ہے، اسی طرح اعلیٰ چیزوں کے انوار کے مقابلہ میں عقل کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں، پھر قرآن میں نازل کرنے سے صرف امتحان علماء مقصود ہوتا ہے۔ آیا کہیں عقل کو نقل کا مطیع بھی بناتے ہیں یا نہیں۔ اور ایک جم غفیر اہل علم کا یہ کہتا ہے کہ ان کے معنی معلوم اور ان عندالخلق مفہوم ہیں، اور اس پر بہت سے دلائل عقلیہ ونقلیہ پیش کرتے ہیں لیکن اس فریق کے تعین معانی میں چند اقوال ہیں۔

(۱) یہ کہ یہ حروف ان سورتوں کے نام ہے کہ جن کے ابتداء میں یہ وارد ہیں اور قدیم عرب بھی حروف تہجی پر بعض چیزوں کے نام رکھا کرتے تھے، جیسا کی نقد کو عین اور بادل کو غین اور مچھلی کو نون اور ایک پہاڑ کو کاف کہتے تھے، سورتوں کا ایسے حروف سے مسمّٰی کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہمارا کلام بھی انہیں حروف سے مرکب ہیں کہ جن سے تمہارا۔ پھر تم اس کی مثل کیوں نہیں بناتے؟ (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں تبرکاً ان کو اوائل سورۃ میں ذکر کر دیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ دعا میں **کھیعص یا حم عسق** کہتے تھے۔ (۳) یہ کہ اسمائے الٰہی کے اجزاء ہیں، سعد بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ الرحم ن کا مجموعہ الرحمٰن ہے، لیکن اور حروف کے ترتیب دینے پر ہم قادر نہیں (۴) یہ کہ قرآن مجید کے نام مراد ہیں۔ کلبی اور سدی اور قتادہ کا یہ قول ہے۔ (۵) یہ کہ ان میں سے کوئی صفت یا اسم الٰہی یا کوئی اور رمز خاص مراد ہے اور اختصار کے طور پر ایک حرف سے اس رمز کی طرف اشارہ کر دیا ہے چنانچہ بعض عرب کے اشعار سے بھی یہ بات

ثابت ہوتی ہے۔

**لا تحسبی انا نسینا الایجاف ☆ قلت لها قفی فقا لت لی قا ف**

یعنی میں نے اس معشوقہ سے کہا کہ تو یہ خیال نہ کر کہ ہم اونٹ دوڑانا بھول گئے ہیں، اس لئے کہ میں نے اس سے کہا کہ ٹھہر جا، پس اس نے کہا کہ ٹھہر گئی۔ دیکھئے قاف، وقفت کا مختصر ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الف سے مراد آلاء اللہ یعنی خدا کی نعمتیں اور لام سے لطف اور میم سے ملک مراد ہے۔ یعنی اس کے ملک میں جس قدر نعمتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ سب اس کے لطف و کرم کا صدقہ ہیں۔ منجملہ ان نعمتوں کے قرآن ہے، وہ بھی اس کے لطف سے بندوں کی بھلائی اور سعادت کے لئے نازل ہوا ہے اور انہیں سے یہ بھی منقول ہے کہ الف سے مراد اللہ اور لام سے مراد جبرائیل علیہ السلام اور میم سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی یہ قرآن خدا تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ جبرائیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور اسی طرح اور بھی توجیہات علماء کی حروف مقطعات میں منقول ہیں۔ چنانچہ بعض نے فرمایا کہ الف اقصیٰ حلق سے جو ابتداء مخارج ہے اور لام کنارہ زبان سے کہ جو وسط مخارج ہے اور میم ہونٹوں سے کہ جو اخیر مخارج ہے، نکلتا ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوا کہ بندوں کے اول کلام اور وسط کلام اور اخیر کلام میں ذکر الٰہی ہونا چاہئے یعنی ہر حال میں اس کو یاد کرنا چاہئے۔ (۶) یہ کہ محض خبردار کرنے کے لئے اور اس بات کے لئے ایک کلام تمام ہو کر دوسرا شروع ہوتا ہے، یہ حروف بولے گئے ہیں اور قدیم عرب بھی اپنے خطبات میں ایسا کرتے ہیں۔ یہ قطرب کا قول ہے۔ (۷) یہ کہ بحساب ابجد ان سے قوموں کے زمانہ حکومت اور دور سلطنت اور بقاء عزت کی طرف اشارہ ہے۔ ابوالعالیہ کا یہی قول ہے، کس لئے کہ جب بعض یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الٓمّ سنا تو اکہتر برس کا حساب لگا کر یہ کہا کہ جس دین کی یہ تھوڑی سی مدت ہو، اس میں ہم کس طرح داخل ہوں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کیا۔ اس پر یہود نے پوچھا کہ کیا اس کے سوا کچھ اور بھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں المص الم۔ تب اس نے سن کر کہا: اب ہم کو اشتباہ میں ڈال دیا۔ کوئی ایک بات ہم معین نہیں کر سکتے۔ (رواہ البخاری فی تاریخہ)

جو لوگ ان کو سورتوں کے نام کہتے ہیں، وہ ایک عمدہ بات نکالتے ہیں، وہ یہ کہ ہر اسم (نام) کو اپنے مسمّی سے ضرور ایک مناسبت ہوتی ہے (چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کو بڑی تفصیل سے ثابت کیا ہے) پس ان حروف کو اپنے معانی سے ایک خاص مناسبت خاصہ ہے گویا کہ ان کے مضامین کی فہرست ہیں۔ مثلاً الف (ہمزہ) اور ہا دونوں غیب کے لئے مقرر ہوئے ہیں۔ صرف یہ فرق ہے کہ ہا اس عالم کے غائب میں اور ہمزہ مجرد کے غائب میں مستعمل ہوتی ہے، اسی لئے استفہام کے وقت ا۔ و۔ ام۔ کہتے ہیں اور عطف کے وقت ا۔ و۔ کیونکہ جس بات کو پوچھتے ہیں، وہ بہ نسبت متعین کے غائب ہیں اور اسی طرح جس میں تردد ہے، وہ بھی غیب ہیں اور لام کو تعین کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اسی لئے تعریف کے وقت لام زیادہ کر دیتے ہیں اور رجل کو الرجل بولتے ہیں اور میم چونکہ دونوں لبوں کے ملنے سے ادا ہوتا ہے تو اس کو ہیولائی تدلس پر استعمال کیا گیا ہے۔ ا، کہ جس میں حقائق اشیاء مجتمع ہیں اور عالم تجرد سے تقید و تحیز کے قید خانہ میں بند ہیں۔ پس آلم سے فیض مجرد مراد ہے کہ جو عالم تجرد میں آیا اور بندوں کے علوم اور عادات کے موافق متعین ہوا اور پھر اس نے بندوں کے سخت دلوں کو نصیحت سے نرم کیا اور برے کاموں پر نادم اور صاحب شرم کیا اور وہ کیا ہے؟ یہ سورۃ بقرہ۔ پس اجمالاً تمام سورۃ بقرہ پر دلالت کرتا ہے، اور یہ سورۃ گویا ان تین حروف کی تفسیر ہے اور یہی حال اور حروف کا ہے۔ (۲) ان حروف کے لانے میں ایک عجیب صنعت ملحوظ ہے کہ جو بڑے بڑے فصحاء بلغاء و مشاق سخن کی قدرت سے باہر ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں، بالخصوص اس شخص کا کہ جس نے نہ کبھی مشاعرہ کا دروازہ دیکھا نہ کبھی شعر و سخن کی طرف متوجہ ہوا بلکہ علوم رسمیہ سے بھی محض برطرف ہوا اور وہ صنعت یہ ہے کہ یہ حروف

جواوئل سورہ میں آئے ہیں، کل چودہ حروف ہیں کہ جو تمام حروف تہجی کے (بشرطیکہ کے الف ❶ کو حرف مستقل میں شمار نہ کیا جائے) نصف ہیں اور ان کو انتیس سورتوں کی ابتداء میں بہ تعداد حرف تہجی ذکر کیا۔ پھر ان حروف کے لانے میں ایک اور عجیب رعایت رکھی ہے کہ جس قدر حروف کی اقسام ہیں، ان میں سے بقدر نصف ان حروف میں موجود ہیں۔

دیکھئے تقسیم اول حروف کہ یہ ہے: کل حروف مہوسہ ہیں یا مجہورہ۔ مہموسہ ❷ دس ہیں س۔ت۔ش۔ح۔ث۔ک۔خ۔ص۔ف۔ہ ان میں سے پانچ ح۔ہ۔ص۔س۔ک۔ قرآن کے مقطعات میں موجود ہیں اور باقی اٹھارہ حروف مجہورہ ہیں۔ ان میں سے بھی نو حروف ان مقطعات میں موجود ہیں اور وہ نو یہ ہیں: لا۔نون۔یاء۔قاف، طاء۔عین۔ہمزہ۔میم۔راء۔ اور اسی طرح کل حروف دو قسم ہیں: یا شدیدہ کہ سخت آواز پیدا کرتے ہیں، یا رخویہ، پس شدیدہ آٹھ حروف ہیں: ہمزہ، جیم۔دال، تاء، طاء، باء، قاف، کاف، ان میں سے چار حروف مقطعات میں موجود ہیں اعنی ہمزہ۔قاف، طاء، کاف، اور باقی رخوہ بیس ہیں، ان میں سے نصف دس مقطعات میں موجود ہیں اور وہ دس یہ ہیں: ح، م، س، ع، لام، ی، ن، ص، ر، ہ، اسی طرح حرف کی دو قسمیں اور وہ یہ ہیں: یا مطبقہ کہ ان کے ادا کرنے کے وقت زبان تالو سے لگ جاتی ہے اور اس کے محاذات میں آواز رک کر نکلتی ہے اور یا منفتحہ کہ جن کے ادا کرنے کے وقت یہ بات پیدا نہیں ہوتی۔

پس مطبقہ چار ❸ ہیں۔ص۔ط۔ظاء۔ ان میں سے نصف ص اور ط حروف مقطعات میں موجود ہیں اور اسی طرح باقی منفتحہ چوبیس ہیں۔ ان میں سے نصف بارہ قرآن کے اوائل سور میں موجود ہیں اور حروف قلقلہ کہ جن کے ادا کرنے کے وقت زبان میں اضطراب پیدا ہوتا ہے، پانچ ہیں: ق۔د۔ط۔ب۔ج۔ ان میں سے دو کو ذکر کیا ط اور ق کو ان میں ی کو لیا، کس لئے کہ اس کا ثقل کم ہے اور حروف مستعلیہ (کہ جن سے زبان حنک اعلیٰ میں چڑھ جاتی ہے) سات ہیں: ق۔ص۔ط۔خ۔غ۔ض۔ظاء۔ ان میں سے نصف اقل ق۔ص۔ط۔

قرآن کے مقطعات میں موجود ہیں اور باقی جو حروف ہیں، وہ منفتحہ ہیں، سو وہ اکیس حروف ہیں۔ ان میں سے گیارہ نصف اکثر کو لے لیا اور اسی طرح حروف بدل اور حروف مدغمہ میں بھی یہی رعایت رکھی ہے۔ پھر اور لطف یہ ہے کہ اب مقطعات کو تین جگہ مفرد لایا گیا اور وہ یہ ہیں: ص۔ سورۃ صاد کے اول میں اور ق۔ سورۃ قاف کے اول میں اور ن سورۃ نون کے اول میں تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ حروف مفردہ اسم۔فعل۔حرف تینوں جگہ پائے جاتے ہیں۔ اسم جیسا کہ کاف خطاب اور فعل قِ اور لِ کہ وقی یقی اور ولی یلی کا امر ہے اور حرف جیسا کہ ہائے جر اور کاف تشبیہ اور چار دو دو کر کے آئے ہیں۔ طٰہٰ۔ طٰس یٰس۔ حٰم تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ دو کا مجموعہ حروف میں بغیر حذف ہوتا ہے جیسا کی بل اور فعل میں حذف ہوتا ہے جیسا کہ قل اور اسم میں دونوں طرح سے ہوتا ہے بغیر حذف جیسا کی من اور بحذف جیسا کہ دم۔ پھر ان دو دو کے مجموعہ کو نو سورتوں ❹ کے اول میں ذکر کیا تا کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ دو کا مجموعہ اسم فعل حرف میں فتح ضمہ کسرہ سے پایا جاتا ہے، اسم میں جیسا کہ اذا۔ذو۔من۔ اور فعل میں جیسا کہ قل۔بع۔خف اور حروف میں جیسا کہ ان۔من۔مذ اور تین تین کے مجموعہ کو جیسا کہ الم، الر، طسم، ہے تیرہ ❺ سورتوں کے اول میں ذکر کیا تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ جو اوزان ثلاثی مجرد کے زبان عرب میں مستعمل زیادہ ہیں تیرہ ہیں، ان میں سے دس اسم ثلاثی کے ہیں جیسا کہ

---

❶…… یہ ایک بڑی مہارت فن کی بات ہے کہ الف کو بھی حروف میں شمار نہیں کیا گیا تا کہ معلوم ہو کہ الف اور ہمزہ ایک ہی چیز ہیں اور یہ کہ ان میں جو فرق ہے تو حرکت وسکون کا ہے۔ منہ۔ ❷…… مہوسے جو ذرا نرمی سے ادا ہوتے ہیں اور مجہورہ اس کے برخلاف۔ منہ۔ ❸…… یہاں سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ جو لوگ قرآن میں ض کو ظ پڑھتے ہیں اور کتب قرأت سے یہ دلیل لاتے ہیں کہ ض کو ظ کے مشابہ لکھا ہے محض غلطی کرتے ہیں۔ مشابہت صرف وصف اطباق میں ہے سو وہ س اور ط کے ساتھ بھی ہے پھر بھی کوئی ض کو س یا ط پڑھ سکتا ہے؟ عرب میں اب تک کوئی اس طرح نہیں پڑھتا۔ یہ صرف ایران کے شیعہ کی تقلید ہے۔ ❹…… سورۃ طٰہٰ ونمل ویٰس وحٰم سجدہ وزخرف وجاثیہ واحقاف ودخان۔ منہ۔ ❺…… سورۃ بقرہ وآل عمران ویوسف وہود ویونس وابراہیم وحجر وشعراء وقصص وعنکبوت وروم ولقمان وسجدہ۔ منہ۔

فلس، فوس، کتف، عضد، جبر، عنب، ایل، فقل، صرد، عنق، اور تین فعل ماضی کے ہیں، نصر، علم، شرف، اور چار کے مجموعہ کو جو المر، والمص، ہے اور اسی طرح پانچ کے مجموعہ کو کہ کھیعص اور حمعسق ہے، دو دو سورتوں کے اول میں ذکر کیا تا کہ یہ بات سمجھی جائے کہ رباعی اور خماسی کے دو وزن ہیں، ایک اصلی جیسا کہ جعفر و سفرجل اور ایک ملحق کہ قردد و جحنفل اور اسی نکتہ کے لئے ان حروف کو ایک جگہ جمع نہیں کیا بلکہ انتیس سورتوں کے اول میں لایا۔

(۲) زبان عرب میں لفظ ذلک سے اس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو دور ہوتی ہے، جس طرح ھذا سے نزدیک چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے، پس اس مقام پر جو خدا تعالیٰ نے ھذا الکتاب نہ فرمایا بلکہ ذلک کہا، اس میں اس کتاب یعنی قرآن مجید کی عزت وعظمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب اعلیٰ درجہ میں کوئی شے ہوتی ہے اور کمال کے آخری درجہ پر جا پہنچتی ہے تو اس اعتبار سے وہ دور اور نہایت بلند ہو کر متصور ہو کر ذٰلک سے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۳) الکتاب میں جو الف لام ہے، اس سے وہ کتاب مراد ہے کہ جس کا پہلے انبیاء علیہم السلام کی معرفت وعدہ کیا گیا تھا، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تمہارے بھائیوں میں سے خدا مجھ سا نبی برپا کرے گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالے گا (یعنی کتاب اس پر نازل کرے گا) توراۃ، سفر استثناء، باب ۱۸ یعنی قرآن۔ لفظ کتاب مصدر ہے، مبالغۃً مکتوب پر اطلاق ہوتا ہے، یا فعل ہے جو مفعول کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ لباس، ملبوس کو کہتے ہیں پھر جو عبارت کے ذہن میں مرتب ہو، اس پر بھی لکھے جانے سے پیشتر اس لفظ کا اطلاق ہوا اور لغت میں کتب کے معنی جمع کے ہیں اور اسی لئے فوج کو کتیبہ بولتے ہیں کہ اس میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور عرف شرع میں کتاب سے مطلقا قرآن مجید مراد ہوتا ہے۔

**قرآن کے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ذکر کرنے کی تخصیص:**......(۵) متقین کے لئے خدا تعالیٰ نے اس کتاب کو ہدایت فرمایا، حالانکہ قرآن کی خوبی یہ تھی کہ سب کے لئے ہدایت ہوتا اور خود ایک جگہ فرمایا ہے: تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ بلکہ متقین تو ہدایت پا چکے ہیں، ان کے لئے ہدایت کی کیا ضرورت تھی، اب ان کے لیے قرآن کا ہدایت پانا تحصیل حاصل ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک عجیب نکتہ ہے کہ جو اعجاز قرآن کے لئے شاہد عدل ہے اور وہ یہ کہ متقین سے مراد عام مکلفین ہیں مگر دو وجہ سے بلفظ متقین ان کو تعبیر کیا۔ ایک یہ کہ تفاؤل مقصود ہے، جس طرح مبتدی طالب علم کو اس لحاظ سے یہ آئندہ عالم ہونے والا ہے۔ مولوی کہہ دیتے ہیں، اسی طرح قرآن کی طرف کی متوجہ ہونے والے کو باعتبار مایول متقی کہہ دیا کہ جس سے یہ بات جتلا دی کہ آخر کار قرآن کی طرف متوجہ ہونے کا نتیجہ متقی ہونا ہے۔ بخلاف اور کتب داہیہ کہ ان کے سے یہ نتیجہ حاصل ہونے کی امید ہی نہیں۔ پس گویا کہ اس لفظ سے قرآن کا اثر اور نتیجہ جتلا کر طالب کو خوشخبری اور مژدہ دینا ہے، سو یہ بات هُدًى لِّلنَّاسِ میں حاصل نہ ہوتی۔ دوسرے یہ کہ گو ہر شخص کا نفع اور عادت اس کتاب سے مقصود ہے مگر دراصل اس سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں کہ جو ازلی استعداد اور صلاحیت رکھتے ہیں اور جو بدبخت ازلی ہیں اور ازل میں ان کی روح پر انوار الٰہی کا کوئی ذرہ بھی نہ پڑا تو وہ اس سے محروم ہیں۔ پس اس لفظ متقین سے اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو بدبخت ازلی ہیں وہ نہیں مانتے اور اس میں نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ سو وہ اس کتاب کا قصور نہیں ہے بلکہ ان کی استعداد میں فتور ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ☆ در باغ لالہ روید وشور بوم خس

شمشیر نیک زاہن بد چون کند کسے ☆ ناکس بتربیت نشود اے حکیم کس

اب نہ قرآن کی خوبی میں کچھ فرق آیا، نہ تحصیل حاصل لازم آتی ہے۔

**مراتبِ تقویٰ:**.....واضح ہو کہ تقویٰ جس کی اصل وقایہ (یعنی نہایت محفوظ رکھنا) ہے، عرف شرع میں ان چیزوں سے اپنے تئیں محفوظ رکھنا ہے کہ جو اس کی آخرت میں مضر ہیں اور اس کے تین مرتبے ہیں (اول مرتبہ) عذاب دائمی سے محفوظ رکھنا اور کفر و شرک عمل میں نہ لانا۔ پس اس لحاظ سے ہر مسلمان کو خواہ وہ کیسا ہی ہو، متقی کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی آیت میں اس تقویٰ کی طرف اشارہ ہے۔ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى یعنی کلمہ توحید۔

(دوسرا مرتبہ) ہر گناہ سے بچنا اور اس کے وبال سے محفوظ رکھنا۔ اکثر کے نزدیک کبائر سے جو پرہیز کرے گا، متقی شمار ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ کبائر صغائر جب تک سب سے پرہیز نہ کرے گا، شرع میں اس پر لفظ متقی نہ بولا جائے گا اور اس آیت میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا۔

(تیسرا مرتبہ) یہ ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے اور کسی کا خیال بھی دل میں نہ آئے، جمیع خطرات اور خیالات سے آئینہ دل کو صاف کر کے ہمہ تن جمال جہاں آراء میں محو اور مشغول ہو جائے اور یہ تقویٰ حقیقی ہے۔ اس مرتبہ کے متقی صرف انبیاء و اولیاء ہوتے ہیں اور یہ تقویٰ قرآن میں ہر جگہ مذکور ہے۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ اور اس آیت میں بھی یہی مراد ہے وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ کہ سب سے ٹوٹ کر اس کی طرف اور هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ میں بھی تینوں طرح کے تقوے مراد ہیں۔

**فوائد:**.....امام احمد اور ترمذی وغیرہ ہما محدثین نے عطیہ سعدی سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بندہ کو مرتبہ تقویٰ جب نصیب ہوتا ہے کہ جب ان چیزوں کو بھی کہ جن میں خطرہ شرعی ہے ترک کرے اس خوف سے کہ حرام میں گرفتار نہ ہو جائے اور ابن ابی الدنیا نے کتاب التقویٰ میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ متقیوں کے ساتھ اس وقت تک تقویٰ رہتا ہے کہ جب تک وہ حرام کے خوف سے بہت سی حلال چیزوں سے بھی دستکش رہتے ہیں۔ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں میمون بن مہران سے روایت کیا ہے کہ کوئی شخص بغیر اس بات کے متقی نہیں ہو سکتا کہ ہر روز اپنے نفس سے ایسا سخت عذاب نہ لے کہ جیسا شریک سے لیتے ہیں کہ تیرا یہ کھانا کہاں سے ہے؟ اور یہ پینا کہاں سے ہیں اور یہ لباس کہاں سے آیا؟ حلال سے ہے یا حرام سے ہے؟ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں تقویٰ کے بہت سے فضائل اور بڑی تاکید آئی ہیں۔ اور اس میں سر یہ ہے کہ جس طرح امراض جسمانی میں پرہیز نہایت نافع ہے اور بد پرہیزی کا اثر جسم پر فوری ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح انسان کے اعمال و اقوال و اعتقادات کا اثر اس کی روح پر پہنچتا ہے اور یہ روحانی امراض ہیں کہ جن کا اثر دنیا میں کم اور مرنے کے بعد پورا نمودار ہوتا ہے۔

## اسلام

اسلام کا ایک روشن اصول تقویٰ بھی ہے کہ جس سے اس کو جمیع مذاہب پر شرف ہے۔ اس کے سوا رضا بالقضاء اور شکر نعماء اور پابندی احکام اور ہمہ وقت یاد الٰہی میں مصروف رہنا، کبائر و صغائر تو کیا مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرنا یہ ہی اصول اسلام ہیں۔ الغرض زبان اور دل اور ہاتھ پاؤں کو خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لانا اصول تقویٰ ہیں۔ اسلام نے ان کو طرح طرح سے تعلیم فرمایا ہے جس کا اثر اسلامیوں پر ہوا کہ غیر محرم عورت کا دیکھنا اور بے فائدہ بات منہ سے بولنا بھی دل کو سیاہ کرنے والی چیزوں میں شمار کیا گیا ہے۔ افسوس کی آج کل یورپ کے الحاد کے اثر بعض بد دینوں کی وجہ سے ہندوستان کے اہل اسلام میں بھی نمودار ہونے لگا۔ اس وقت نوتعلیم یافتہ عبادت

، ریاضت، تقویٰ وطہارت کی باتوں پر قہقہے اڑاتے ہیں جس کا اثر بے برکتی اور تاریکی نمایاں ہے۔

الٰہی! ہم اہل اسلام کو اپنے نبی عربی سید المتقین ﷺ کے طفیل سے اس تاریکی روحانی اور سواد الوجہ جاودانی سے بچا۔ آمین

چونکہ ہر مذہب میں تقویٰ کا دعویٰ ہے اور ہر شخص اپنے خیالات فاسدہ کی پیروی کو تقویٰ سمجھتا ہے اور باعث نجات جانتا ہے۔ اس لئے خدائے تعالیٰ نے اس بات کو کھول دیا اور متقین کے اوصاف اصلی بتا دیئے، فقال: الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ... الخ۔

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

ترجمہ: (اور وہ متقی) جو غیب پر ایمان رکھتے اور نماز قائم کرتے اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا بھی کرتے ہیں ③۔

ترکیب: ......اَلَّذِیْنَ موصول، یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ، جملہ، معطوف علیہ، وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ فعل با فاعل ومفعول جملہ ہو کر معطوف اور یُنْفِقُوْنَ فعل با فاعل اور مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اس کو مفعول مقدم۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف ہوا جملہ سابقہ پر، پس یہ تینوں جملے کہ جو ایک دوسرے پر معطوف ہیں، صلہ ہوئے۔ موصول اپنے صلہ سے مل کر صفت ہوئی متقین کی۔

## تقویٰ کے اجزاء واقسام

تفسیر: ......تقویٰ کے دو جز ہیں: ایک اچھی باتوں کا عمل میں لانا، دوسرا بری باتوں سے بچنا۔ پھر اچھی باتوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اعلیٰ، دوسری ادنیٰ۔ اعلیٰ قسم امور حقہ کی تصدیق ہے کہ جو قلب کا کام ہے اور وہ بدن سے روح جدا ہونے کے بعد بھی روح کیساتھ رہتی ہے اور جس طرح قلب کو جمیع اعضاء بدن پر شرف ہے، اسی طرح قلب کے عمل کو بھی اعضاء کے عمل پر شرف ہے، اس درجہ اعلیٰ کو ایمان کہتے ہیں۔ قسم دوم اعمال صالحہ ہیں۔ پھر ان کی بھی دو قسمیں ہیں، بدنی اور مالی۔ بدن کے اعمال میں سب سے بڑھ کر نماز اور مال میں زکوٰۃ اور اس دوسری مرتبہ کو عمل صالح کہتے ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے ان دونوں قسموں کو اس آیت میں بیان فرما دیا یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ سے قوت نظریہ یعنی اعتقادات کی درستی بیان کردی اور جب عقائد اور ادراکات صحیحہ سے روح پاک ہوگئی تو قوت عملیہ کے اعلیٰ جزء کو وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ سے بیان کیا اور مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سے مالی عبادت کو ظاہر کر دیا، تینوں جملوں سے بترتیب تینوں باتوں کو بیان کر دیا، اب رہا بری باتوں سے باز رہنا، سو وہ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ سے سمجھا گیا، کس لئے کہ جب انسان خدا تعالیٰ پر اور اس کی ذات وصفات اور ملائکہ اور قیامت کے دن پر اور جن چیزوں کی اس نے اپنے رسول کی معرفت خبر دی ہے (اور یہ سب باتیں یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ سے سمجھی جاتی ہیں) ان سب پر صدق دل سے ایمان لاتا ہے اور روح اور جسم سے اس کی عبادت میں مصروف ہوتا ہے کہ جس کو نماز کہتے ہیں تو اس پر وہ انوار الٰہی فائز ہوتے ہیں کہ جن سے اس کی بہیمت بالکل پست ہو جاتی ہے، اور معاصی کی طرف نفس بہیمی کو نہیں جانے دیتے، چنانچہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۔ کہ نماز ہر قسم کی فحش اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اسی لئے صوفیاء محققین فرماتے ہیں کہ جس قدر قوائے بہیمیہ کو تھوڑی سی دیر کی یاد الٰہی اور ذکر قلبی سے پژمردگی حاصل ہوتی ہے، وہ بہت سی مدت بھوکے پیاسے مرنے سے نہیں حاصل ہوتی اور یہ ظاہر ہے، کس لئے کہ ملکیت اور بہیمیت دونوں متضاد قوتیں جیسا کہ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ میں اشارہ ہے کہ حضرت انسان میں رکھی گئی ہے کہ جب ان میں سے ایک غالب ہوگی تو اس کی ضد قطعاً مغلوب ہوگی اور جب کہ اس عالم محسوسات میں جو کمزور اور مکدر ہے، فاعل کا اثر منفعل پر محسوس ہوتا ہے جیسا کہ آگ کا بھٹی میں لوہے پر، پھول اور عطر کا کپڑے پر تو اس عالم مجردات میں جو نہایت قوی ہے یہ اثر بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ پھر حق سبحانہٗ کی ذات مقدسہ کے انوار جو فاعلہ قوی ہیں نفس ناطقہ یعنی

روح پر جونہایت سریع الانفعال ہے کس قدر اثر پیدا کرسکتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے ہر جزو میں ملکیت کا سرن ہوکر بندہ کامل حق سبحانہ کا آئینہ جمال ہوجاتا ہے۔ پھر یہاں نفس امارہ اور اس کی بدخواہشوں کا کیا ذکر اور اسی مرتبہ کو عصمت و محافظت سے تعبیر کیا جاتا ہے، یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ بیان کافی ہے۔

یا یوں کہو کہ بری عادتوں سے محفوظ رہنے کو تو لفظ متقین سے سمجھا دیا اور اعتقاد اور ایمان کو جو اعلیٰ جزو ہے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ میں بتلا دیا اور بدنی عبادت کو یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ سے واضح کر دیا اور مالی کو مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ سے منکشف فرمادیا، بس سعادت و شقاوت کو جوان کی برخلافی سے پیدا ہوتی ہے یعنی حکمت نظریہ اور عملیہ کو کہ جس کے اصول کے نجات کا دارومدار ہے، اس آیت میں واضح کر دیا۔

**تعلیقات:**...... یومنون لغت میں ایمان اور تصدیق کو کہتے ہیں یعنی کسی چیز کو سچ جاننا اور یقین کرنا اور یہ امن سے مشتق ہے کہ گویا ایمان لانے والے نے جس پر وہ ایمان لایا ہے، اس کو مخالفت اور تکذیب سے امن میں کر دیا ہے۔

**ایمان:**...... شرع میں ایمان ان چیزوں کا صدق دل سے یقین کرنا ہے کہ جن کا دینی ہونا قطعی طور پر ثابت ہو گیا ہو یعنی قرآن مجید کی ظاہری عبارت یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی سے جو بات ثابت ہو اس پر یقین کرنا جیسا کہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کریمہ، علم قدرت، اور ملائکہ اور آسمانی کتابیں اور انبیاء علیہم السلام اور مرنے کے بعد حساب و کتاب جزا اور سزا کو برحق ماننا۔

**ایمان اجمالی:**...... پھر اس ایمان کے دو مرتبے ہیں۔ ایک ایمان یا جمالی کے مجملاً بلا تفصیل جزیات دینی محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق سمجھنا اور جس کا خلاصہ صدق دل سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنا ہے۔

**ایمان تفصیلی:**...... دوسرا مرتبہ ایمان تفصیلی کہ جس قدر امور شرع سے یقینا ثابت ہے اور جو باتیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں ہر ایک کو برحق ماننا، جس چیز پر ایمان اجمالی تفصیلی میں ایمان لانا ضروری ہے۔ جو اس پر ایمان نہ لائے گا انکار یا تکذیب کرے گا کفر شرعی ثابت ہوگا۔ کہ جس کی سزا ابدی جہنم ہے، نعوذ باللہ منہا۔ دراصل ایمان حقیقی تصدیق قلبی کا نام ہے جیسا کہ دلائل عقلیہ سے ثابت ہے، کس لئے کہ ایمان کی ماہیت میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ صرف تصدیق ہے اور اس پر دلائل نقلیہ یہ ہیں، وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ۔ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ۔ وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ، ان آیات میں ایمان کو قلب سے متعلق کیا گیا ہے اور قلب کا عطف ایمان پر کیا گیا ہے اور معطوف علیہ اور معطوف میں، مغائرت ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ نفس ایمان کا جزء نہیں بلکہ وہ صرف تصدیق ہے اور بہت سی جگہ اہل معاصی کو مومن بھی کہا ہے وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا جس سے معلوم ہوا کہ برے اعمال سے نفس ایمان زائل نہیں ہوتا۔ البتہ ترتیب احکام شرعیہ کے لئے زبان سے اقرار کرنا بھی شرط ہے اور کامل ایمان کے لئے اعمال صالحہ بھی ضروری ہیں۔ پس جو شخص دل سے تصدیق بھی کرتا ہو اور زبان سے اقرار بھی اور اس کے ساتھ اعمال صالحہ بھی عمل میں لاتا ہو، وہ بالا اتفاق مؤمن کامل قرار دیا جائے گا، کیونکہ تصدیق بالقلب و اقرار باللسان عمل بالارکان سب پائے گئے اور جو دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرتا ہے مگر اعمال اس کے خراب ہیں تو وہ جمہور اہل سنت کے نزدیک مومن فاسق ہے اور خوارج کے نزدیک کافر ہے اور معتزلہ بلکہ شیعہ کے نزدیک کافر تو نہیں، ایمان سے خارج ہے کیونکہ اس کے نزدیک اعمال صالحہ نفس ایمان کا جزء ہیں۔ مگر یہ زیادتی اور تعصب ہے اور ادلہ شرعیہ کے مخالف، ہاں ایمان کامل کا جزء اعمال صالحہ ہیں۔ پس اگر اعمال صالحہ نہ ہوں گے تو ایمان کامل نہ ہوگا، نہ یہ کہ نفس ایمان بھی نہ ہوگا اور جس کے دل میں تصدیق نہ ہوگی تو وہ کافر ہے اور اگر دل میں تصدیق نہ ہونے پر ظاہری اقرار بھی ہے تو اس کافر کو عرف شرع میں منافق کہتے ہیں۔ اب یہ تصدیق خواہ اس کو تقلید سے حاصل ہو (اس کو ایمان تقلیدی کہتے ہیں) یا

تحقیقی سے (اور اس کو ایمان تحقیقی کہتے ہیں) اور خواہ یہ تحقیقی استدلالی ہو یا کشفی، سب صورتوں میں محققین کے نزدیک معتبر ہوگا۔
یہ بحث کہ ایمان کم وزیادہ بھی ہوتا ہے یا نہیں اور اس قسم کی دیگر ابحاث محض نزاع لفظ ہیں۔ ان کے بیان کرنے سے بجز اس کے کہ سامع کا دماغ پریشان ہو، اور اس کا نتیجہ نہیں۔

**غیب کی تفسیر:** ...... بالغیب۔ یہ غاب یغیب کا مصدر ہے، غائب کی جگہ اس کو مبالغۃً استعمال کیا گیا ہے، اس سے مراد وہ خفی چیز ہے کہ جو نہ حواس سے معلوم ہو، نہ بداہۃ عقل اس کی مقتضی ہو، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک [ف] وہ غیب کہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو جیسا کہ اس آیت میں مراد ہے: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ : کہ اللہ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ اس غیب کی قلب (محض حکم الٰہی کی وجہ سے اجمالاً) تصدیق کرسکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ جس کے لئے دلائل عقلیہ باآواز بلند گواہی دے رہے ہوں جیسا کہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات اور جزا وسزا کا دن وغیرہ ذٰلک۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پورا انقیاد اور کامل اطاعت بندہ کی جب ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے فرمانے سے ان چیزوں پر بھی ایمان لائے کہ جو اس کے مشاہدے سے باہر ہیں اور جن کے مشاہدے کی اس کو طاقت نہیں ورنہ آنکھ سے دیکھی ہوئی اور ہاتھ سے ٹٹولی ہوئی اور زبان سے چکھی ہوئی چیز کی تو ہر شخص تصدیق کرتا ہے اور یہی حکمت ہے کہ نزع کے وقت کا (جبکہ بندہ کو اس عالم غائب کی چیزیں ملائکہ اور دوزخ وجنت دکھائی دینے لگیں) ایمان قبول نہیں اور اس کو ایمان باس کہتے ہیں اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم آئندہ آنے والوں کے ایمان کی زیادہ قدر دانی کرتے تھے، چنانچہ مسند امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہے کہ ایک روز حارث بن قیسؒ نے جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں بیان کیا کہ اے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کو نہایت حسرت وافسوس ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف نہ ہوئے، ہائے اس دولت سے محروم رہ گئے۔
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ یہی صحیح مگر ایک نعمت سے ہم محروم رہ گئے۔ وہ تم کو نصیب ہے، وہ یہ کہ تم بے دیکھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، خدا تعالیٰ کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ سے دیکھ لیا، اس کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئی ایمان تمہارا ہے کہ بغیر دیکھے ایمان لائے۔ طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سفر میں صبح کے وقت ایک بار قافلہ میں وضو کا پانی نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھنڈوایا تو ایک آدمی کے پاس صرف ایک برتن میں قدرے پانی نکلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں انگلیاں ڈالیں تو وہ فوارے کی طرح جوش مارنے لگا۔ بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ پکارو سب آکر وضو کرلیں۔ سینکڑوں صحابہ نے وضو کیا اور خوب پیٹ بھر کر پانی پیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ تمام لوگوں میں سے کس کا ایمان عجب تر ہے لوگوں نے کہا ملائکہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے ایمان میں کیا تعجب ہے؟ وہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہیں اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں وہ کیونکر ایمان نہ لاتے لوگوں نے پھر عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ صدہا معجزات دیکھتے ہیں ان کے ایمان میں کیا تعجب ہے؟ البتہ عجیب تر ان کا ایمان ہوگا جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور میرا نام سن کر صدقِ دل سے ایمان لائیں گے وہ میرے بھائی

---

[ف]: غیب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اضافی بہ نسبت مخلوق یعنی بعض اشیاء بعض بندوں سے مخفی ہیں، وہی چیزیں بعض دوسروں کے سامنے ہیں، جیسا کہ ایک گھر یا شہر کے رہنے والے کے سامنے اس گھر یا شہر کی چیزیں حاضر اور دور دراز کے شخص کے نزدیک جس نے ان کو نہ کبھی دیکھا نہ سنا غیب یا غائب ہیں۔ اسی طرح عالم ملکوت کی اشیاء ملائکہ یا مجردات یا ارواح طیبات حضرات انبیاء علیہم السلام اولیاء کرام پر کسی وقت وہ اشیاء حاضر اوروں کی نسبت غیب۔ جن کے نزدیک یہ اشیاء غائب ہیں، عام ہے کہ کبھی اس عالم ناسوت میں وہ ظہور کریں گی، جیسا کہ آنے والے واقعات مخبر صادق کے فرمانے کے مطابق جس کو پیشین گوئی کہتے ہیں ان پر ایمان لانا واجب ہے اس حصہ میں غیب دانی سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے اتباع اولیاء کرام بمقتضائے مصلحت الٰہیہ بہرہ ور ہوتے ہیں۔ دوم غیب مطلق کہ جس کو غیب الغیب کہتے ہیں۔ جبروت ولاہوت کے اسرار ودیگر اشیاء ان کا خزانہ اس کے پاس ہے، اس میں سے جس مخصوص بندہ کو جس قدر چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے، حصہ دیتا ہے، اس پر بھی بقول مخبر صادق ایمان لانا واجب ہے۔

ہیں اور تم اصحاب۔ ابوداؤد طیالسی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابو عبدالرحمان تم نے ان آنکھوں سے جناب رسول ﷺ کو دیکھا ہے؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں پھر اس نے کہا۔ تم نے اپنی زبان سے حضور ﷺ سے کلام کیا ہے انہوں نے کہا: ہاں۔ پھر اس نے کہا: تم نے اپنے ہاتھوں کو حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ میں دے کر بیعت کی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ یہ سن کر وہ شخص حضور ﷺ کے شوق میں زار وزار رونے لگا اور ایک حالت وجد اس پر طاری ہوگئی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں تجھ کو ایک خوشخبری سناتا ہوں کہ جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنی تھی وہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: خوشحالی ہے اس کو جس نے مجھ کو دیکھا اور مجھ پہ ایمان لایا اور اس سے بھی زیادہ خوشحالی ہے اس کو کہ جو بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لایا۔ یہ روحانی جذبہ اب تک چلا آتا ہے، حضرت محمد ﷺ کا معجزہ ہے۔

**قیامِ نماز کا حکم اور اس کا طریقہ:**......یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ۔ اقامت سیدھا کھڑا ہونا یعنی تعدیل ارکان اور نہایت خشوع وخضوع اور حضور قلب سے نماز ادا کرنا اور ہر جگہ قرآن میں نماز کو بلفظ اقامت طلب کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ نماز پڑھنا اور چیز ہے اور اس کو قائم کرنا اور بات ہے۔ اس کا قائم کرنا یہ ہے کہ حدث اصغر واکبر سے کہ نجاست حکمی ہے، پیشاب و پاخانہ وغیرہ سے کہ نجاست حقیقی ہے، پاک ہو (کیونکہ اس سے روح کو صفائی حاصل ہوتی ہے اور خطرات دفع ہوتے ہیں) پھر اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو کر اللہ اکبر کہے اور ہاتھ اٹھائے تاکہ اس کی طرف اشارہ ہو کہ دین ودنیا، غیر اللہ سب سے ہاتھ اٹھا کر اس کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ پھر ثنا اور اس کی حمد کرے، پھر سورۃ الحمد پڑھے کہ جس میں اس کی ثنا اور اپنے لئے دعا ہے۔ اس کے بعد کسی قدر قرآن پڑھے تاکہ اس سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو۔ پھر زیادہ شوق میں آکر اس کے آگے جھکے اس کے بایں الفاظ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ نہایت حمد وثناء کرے۔ پھر کھڑا ہو کر اس کی حمد میں رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہے نہایت ادب اور محبت سے اس کے پاؤں میں (حالانکہ وہ ان پاؤں سے پاک ہے) سر رکھ کر عجز ونیاز سے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہے تاکہ نفس کا تمام کبر وغرور خاک میں مل جائے پھر اس تقرب کے شکریہ میں دوبارہ سجدہ کرے اور پھر دوسری رکعت اسی طرح ادا کرے۔ بعد اس کے باادب روبرو بیٹھ کر التحیات پڑھے۔ یعنی حمد وثناء اور شکریہ ادا کرے اور اپنے لئے دعا مانگے اور سلام پھیر دے کہ ایک سفر باطنی سے باز آنا ثابت ہو جائے۔ یہ مختصر سا حال اہل اسلام کی نماز کا ہے اور آگے صحابہ رضی اللہ عنہم اور کاملین کا سجدہ میں رونا اور تمام عاشقانہ ہیئت بنا کر ادب کے ساتھ اس کی جناب کبریائی میں جانا بیان سے باہر ہے۔ اب اس نماز کو عیسائیوں اور ہنود وغیرہ ہم مذاہب سے مقابلہ کر کے دیکھئے تو دین الٰہی اور دین واہی میں اسی وقت تمیز ہو جائے۔ ہنود ومجوس کے ہاں تو عناصر اور آفتاب وغیرہ مخلوقات کی پرستش اور حضرات عیسائی بلاطہارت گرجہ میں جا کر باجا بجا کر خود گاتے ہیں آج کل دہلی میں پادریوں نے ایک پریم سبھا قائم کی ہے جس میں طبلہ سارنگی اور آلات ولہو ولعب بجا کر حضرت مسیح علیہ السلام کے بھجن گائے جاتے ہیں جسے کان کے رسیہ دور دور سے سننے آتے اور مزے اڑاتے ہیں۔

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

**نکات:**......(۱) یؤمنون اور یقیمون اور ینفقون۔ متقین کی صفت میں تین جملے فعلیہ آئے ہیں کہ جو تجدد اور حدوث پر دلالت کرتے ہیں تاکہ یہ بات سمجھی جائے کی صرف ایک بار ان باتوں سے متصف ہو جانا متقی ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔ بلکہ وقتاً فوقتاً ان اوصاف کو بلااختیار کام میں لانا چاہئے، جیسا کہ جملہ فعلیہ تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے اور یہ اتقاء کسی کا ذاتی اور خاندانی حصہ نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ ایسی بات ہے کہ جو ایسے کام کرے گا وہ متقی ہوگا اور جو نہ کرے گا تو جناب کبریائی سے اس لقب سے محروم رہے

گا خواہ برہمن ہو، خواہ بنی اسرائیل ہو، خواہ کیانی ہو اخواہ نبی زادہ ہو، خواہ ولی زادہ یا پیرزادہ ہو۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے:

ذات بھانت پوچھے نا کو ☆ ہر کو بھجے سو ہر کا ہو

**عبادات ونیکیوں کی جڑ ایمان ہے:**......(۲) ان تینوں جملوں میں ترتیب طبعی کو ملحوظ رکھا ہے، وہ یہ کہ جس کا مرتبہ مقدم تھا، اس کو مقدم اور جس کا مؤخر تھا، اس کو پیچھے ذکر کیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ تمام عبادتوں اور سب نیکیوں کی جڑ ایمان ہے چند وجہ سے (۱) یوں کہ یہ فعل قلب ہے جو تمام بدن کا بادشاہ ہے (۲) قوت نظریہ سے متعلق ہے جو قوت عملیہ سے مقدم اور اشرف ہے کیونکہ موت کے بعد ادراکات انسان کے ساتھ باقی رہتے ہیں اور تکمیل نفس کرتے اور جہالت کی ظلمت سے آزادی بخشتے ہیں۔ (۳) تمام نیکیوں اور اعمال صالحہ پر جو چیز انسان کو حرکت دیتی اور متوجہ کرتی، وہ صرف ایمان ہے لہٰذا شرع نے ایمان والوں کو گو جس کے عمل خراب ہوں ابدی جہنم سے محفوظ رکھا ہے اور جس کو ایمان نصیب نہیں اس کے اعمال صالحہ کا کبھی اعتبار نہیں کیا۔ پس ایمان کو سب پر جملہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ میں مقدم کیا، پھر تمام اعمال میں نماز مقدم ہے۔ (۱) یہ اس کی جناب میں حضوری اور اس کے دربار عالیہ میں باریابی ہے۔ (۲) اس میں روزہ اور دیگر عبادات بھی شامل ہیں کہ جب تک مومن نماز میں رہتا ہے، نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، نہ جماع کرتا ہے اور زبان بھی اس میں غیر الٰہی سے بند رہتی ہے اور دل اور تمام حواس بلکہ ہاتھ، پاؤں، سر سب اعضاء بھی مصروف ہوجاتے ہیں اور نماز کے لئے کپڑے اور مکان یعنی مسجد وغیرہ میں اللہ کے نام مال صرف ہوتا ہے۔ (۳) یہ دن رات میں کم از کم پانچ بار ادا کرنی پڑتی ہے اور زکوۃ اور صدقہ کا تو کبھی کبھی اتفاق ہوتا ہے (۴) اس میں غنی اور فقیر سب شریک ہیں اس لئے اس کو زکوۃ اور صدقہ پر مقدم کیا۔

**اسراف وفضول خرچی کی ممانعت:**......(۳) مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ❶ میں مِنْ تبعیضیہ کو پہلے ذکر کرکے یہ جتلا دیا کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم اپنے تمام مال کو دے کر فقیر ہوجاؤ اور آپ مانگتے رہو پھر اور حیرانی اٹھاؤ کیونکہ یہ بات قانون شریعت کی برخلاف ہے، نہ عام طبائع اس کو قبول کرسکتی ہیں بلکہ یہ کہ کسی قدر خدا کی راہ میں دو اور باقی اپنے نفس اور اہل وعیال کے لئے رکھو۔ گویا کنایۃً اسراف اور فضول خرچیوں سے بھی منع کردیا ❷ اور اس فضولی سے روک دیا کہ بیاہ شادی یا کسی اور تفاخر اور نامداری کے کام میں یا لڑکوں کی بسم اللہ، ختنہ، عقیقہ، دودھ بڑھانے میں صرف کیا جائے تو پھر جن کے روبرو اتراتے تھے کل ان کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھرتے ہیں۔ اپنی جائیداد اور تنخواہ یا کسی اور آمدنی کو کسی سود خوار مہاجن کے پاس گروی رکھ کر تمام عمر کے لئے آپ کو اور اپنی اولاد کو اس کا غلام بنادیا جائے۔ ہم آج کل ہندوستان میں دیکھتے ہیں کہ ان فضول خرچیوں سے مسلمانوں کے باغ اور گاؤں اور مکانات ان ہندوؤں کے قبضہ میں آگئے جو ابتداء میں ان کے ملازم تھے اور اب وہ آقا ہیں اور یہ ان کے خدمت گار ہیں اور سود کی بلا میں گرفتار۔ خسر الدنیا والاٰخرۃ۔

**انفاق فی سبیل اللہ کا حکم:**......(۴) مال کا صرف کرنا اور خدا کی راہ میں دینا بڑی جوانمردی کا کام ہے۔ بہت سے لوگ ایسے کٹر ہیں کہ سینکڑوں روزے رکھوالو، بے شمار نمازیں پڑھوالو مگر دینے کا کچھ ذکر نہ کرو۔ چمڑے جائے مگر دمڑی نہ جائے۔ یہ بخل دنیا و آخرت میں مضر ہے۔ دنیا کا یہ ضرر ہے کہ جب اقارب اور ماں باپ پر سختی آتی ہے اور وہ اس کی طرف احتیاج لاتے ہیں اور یہ موذی ٹالتا ہے تو ان کو نہایت رنج بلکہ حسد اور کینہ ہوتا ہے جس سے اس کے ان کاروبار میں کہ جو عزیز اور دوستوں کی مدد اور اعانت سے متعلق ہیں فرق آتا ہے

---

❶ مارزقنا کا لفظ ہر قسم کی نعمت کو شامل ہے پس جس طرح اپنا مال اللہ تعالیٰ کے واسطے خرچ کرنے والے اس آیت کی فضیلت میں داخل ہیں اسی طرح یہ فضیلت ان افراد کے لئے بھی ثابت ہے جو اپنی زبان سے یا ہاتھ پاؤں سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ حقانی۔ ❷ کس لئے کہ خرچ کرنے سے مراد کار خیر میں خرچ کرنا ہے اور یہ بے ہودہ خرچ ممنوع ہے کار خیر میں خرچ نہ ہونے کے سبب۔ منہ۔

اور یہ سب کی آنکھوں میں حقیر اور مکروہ دکھلائی دیتا ہے اس کے مرنے کی لوگ آرزو کیا کرتے ہیں۔ الغرض ان ہی وجوہ سے اس پر بری مشکلیں پیش آتی ہیں اور حقداروں کی بددعائیں اس کے لئے مصائب بن جاتی ہیں۔ بخلاف اس کے کہ جب یہ عزیزوں اور دوستوں اور اپنے بیگانوں پر لطف وکرم کرتا ہے تو گویا ان کے دلوں میں اپنی محبت کا سکہ جما دیتا ہے اور ہزاروں دلوں کو مٹھی میں لے لیتا ہے۔ اسی لئے سخی کے ہزار سچے دوست اور بخیل کے اپنے عزیز واقارب بھی دشمن ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب غریبوں اور یتیموں اور بے کسوں کی پرورش کا دستور نہ رہے گا اور قوم کی درستی اور رفاہِ عالم کے لئے اور مخالفوں کے دفع کے لئے سب سے لے کر جمع کیا جائے گا اور لوگ نہ دیں گے تو یہ تمام قوم مصیبت میں گرفتار اور مخالفوں کی غلام اور تابعدار بن جائے گی اور یہ دولت شخصی بھی نہ رہے گی اور آخرت کی یہ قباحت ہے کہ جب دل پر مال کی محبت نقش ہو جاتی ہے تو جب روح اس جسم کو چھوڑ کر اس عالم میں جاتی ہے تو اس محبوب کی جدائی میں بڑے رنج اٹھاتی ہے اور یہ بے جا محبت اس عالم میں سانپ اور بچھو اور آگ کی صورت میں ظہور کر کے خوب ستاتی ہے۔ اس لئے اس اہم مقصود کی تعمیل آسان کرنے کو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں دو لفظ بڑھا دیئے کہ جس سے یہ کلفت عمل آسان ہوگئی۔

(۱) مِن تبعضیہ ذکر کر کے یہ جتلا دیا کہ کل یا اکثر نہیں بلکہ تھوڑا سا صرف کرو۔ (۲) رزقنا کہہ کر یہ بتلا دیا کہ جو کچھ تم دیتے ہو کچھ اپنے گھر کا نہیں دیتے ہو۔ یہ ہم نے دیا تھا۔ ہم پھر بھی دے سکتے ہیں۔ ہم پر توکل کر کے دو۔ اس میں ایک اور بھی نکتہ ہے وہ یہ کہ مال کے علاوہ اور جو علم وہنر، عقل وتدبیر ملک وقوم کے کارآمد ہو اس کو بھی مارزقنا شامل ہے اس کو بھی صرف کرنا چاہئے۔

فوائد: اس مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سے مراد عام ہے، خواہ صدقہ ہو، خواہ زکوٰۃ مفروضہ اور زکوٰۃ کا سر اور اس کے فضائل اور فوائد ہم آگے بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ﴿۴﴾

ترجمہ: ...اور ان کی (رہنما ہے) جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ کہ آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے، اس پر اور قیامت کے دن پر (بھی) ایمان لاتے ہیں﴿۴﴾

---

ترکیب: ......الذین موصول ثانی اور ما انزل الیک معطوف علیہ اور ما انزل من قبلک معطوف۔ یہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں جملے مفعول ہوئے، یؤمنون کے۔ یؤمنون اپنے فاعل ضمیر اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا الذین کا۔ الذین موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر معطوف ہوا، پہلے الذین پر یا متقین پر۔

تفسیر: ......چونکہ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے متبادر اور قریب الفہم خدا تعالیٰ کی ذات وصفات اور ملائکہ تھے اور کتب الٰہیہ اور قیامت کے دن پر بھی ایمان لانا ضروری تھا تو اس لئے اس عام بات میں سے ان کو خاص کر کے ذکر کیا اور یہ فصاحت اور بلاغت کی عمدہ بات ہے کہ کسی مطلب ضروری کو (گو وہ پہلی عبارت سے سمجھا جاتا ہو) جداگانہ بعد میں بھی خصوصیت کے طور پر ذکر کر دیا جائے۔ یا یوں کہو کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی (یعنی مدینہ میں) تو صاحب تقویٰ دو گروہ تھے، ایک قدیم عرب کہ جو پہلے شرک وکفر میں گرفتار تھے اور پھر اسلام لائے اور دوسرے اہل کتاب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ کہ جو پہلے مذہب یہودی یا نصرانی میں تھے اور پھر دولت اسلام سے مشرف ہوئے اور

دونوں گروہوں کو ان صفات میں شامل کرنا ضروری تھا، اس لئے اول جملہ تو اول فریق کے لئے اور دوسرا دوسرے کے لئے ذکر کیا گیا اور یہ بات بتلا دی گئی کہ تقوی بغیر اس کے تمام نہیں ہوتا کہ جب تک خدا تعالیٰ کے تمام صحیفوں پر ایمان نہ لائے، یعنی وہ متقی ہیں کہ جو تجھ پر نازل ہوئی اور جو کتابیں توراۃ و انجیل وغیرہ پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں، سب کو برحق مانتے ہیں۔

**متعلقات:**...... اُنْزِلَ اِلَيْكَ سے مراد عام ہے خواہ متلو ہو کہ جس کو جبرائیل علیہ السلام خدا کی طرف سے الفاظ مقررہ میں ادا کرتے تھے جس کو قرآن کہتے ہیں، خواہ وحی غیر متلو ہو کہ جو آنحضرت ﷺ پر بالا توسط جبرائیل علیہ السلام یا بغیر الفاظ مقررہ نازل ہوئی یو جو کچھ انکشاف روحانی کے طور پر آنحضرت ﷺ کو معلوم کرایا گیا اور پھر آپ ﷺ نے اس کو ارشاد فرمایا، سب پر ایمان لانا ضروری ہے، جو ایک بات پر بھی ایمان نہ لائے وہ کافر ہوگا۔

بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ سے، مراد پہلے انبیاء علیہم السلام کے صحیفے ہیں حضرت ابراہیم و موسیٰ اور داؤد اور عیسیٰ علیہم السلام وغیرہم انبیاء کی کتابیں جو کہ ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملی تھیں یا جو مضامین الہام ہوئے تھے، اپنی عبارتوں میں انہوں نے جمع کر کے لکھوا دیا تھا، عبارتیں بھی اب ویسی ہی عطا ہوئی تھیں ہر چہ باشد والعلم عند اللہ تعالیٰ، مگر سب کو برحق ماننا لازم ہے، وہ بہت سے صحیفے تھے، بہت سے ان میں ایسے ہیں کہ جن کے نام بھی باقی نہ رہے اور بعض کے نام اور کسی قدر صحیح اور الٹ پلٹ مضامین اب تک باقی ہیں۔ مشہور کتب سابقہ میں سے یہ ہیں: توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، زبور حضرت داؤد علیہ السلام کو عطاء ہوئی تھی اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صحیفے۔

## قرآنِ مجید اور کتب سابقہ پر ایمان:

**سوال:**...... یہ آخری جملہ عبداللہ بن سلام وغیرہ علماء بنی اسرائیل کی مدح میں واقع ہے کہ وہ قرآن پر بھی اور اس سے پہلی کتابوں پر بھی یقین رکھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ جن کتابوں پر وہ ایمان رکھتے تھے وہ برحق تھیں اور اس زمانہ تک موجود تھیں جس کے لئے اور مواضع قرآن میں بھی توراۃ و انجیل پر عمل کرنے کی تاکید اور ان کا محل نزاع میں طلب کرنا بیان ہوا ہے اور وہ جو اس وقت کتابیں اہل کتاب میں موجود تھیں، یہ وہی ہیں کہ جو اب ہیں جن کے مجموعہ کو بائبل اور اس کے دونوں حصوں کو عہدِ عتیق اور عہد جدید کہتے ہیں۔ پس اہل اسلام پر اسی وقت کی توراۃ و انجیل و زبور اور نامہ حواریوں اور پولوس کے نامجات کی تصدیق ضروری ہوئی اور ان میں کفارہ اور الوہیت مسیح علیہ السلام اور تثلیث موجود ہے۔ پس اس کا ماننا بھی مسلمانوں پر فرض ہوا اور پھر اس باوجود اس اقرار کے کیوں قرآن نے ان مسائل کو رد کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن آسمانی کتاب نہیں۔

**جواب:**...... اس سوال کا (کہ جس پر بہت سے پادری بڑے نازاں ہیں) یہ ہے کہ وہ کتابیں بے شک برحق تھیں۔ ہمارا ابھی یہی ایمان ہے، ہاں یہ بات کہ اس ❶ زمانہ میں وہ کتابیں موجود ہیں، غیر مسلم ہے کیونکہ انجیل کی نسبت تو تمام عیسائیوں کا بھی اقرار ہے اور خود انجیل موجودہ کو دیکھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ انجیل حضرت (عیسیٰ علیہ السلام) کی نہیں، نہ انہوں نے اس کو تصنیف فرمایا، نہ ان کے زمانہ میں تالیف ہوئی بلکہ سالہا سال بعد لوگوں نے سنے سنائے اور کسی قدر دیکھے ہوئے حالات حضرت عیسیٰ کی ابتدائے ولادت سے موت تک تاریخ کے طور پر جمع کر دیے ہیں اور بہت سے لوگوں نے جمع کئے تھے، چنانچہ بعض کا اب نام و نشان بھی نہیں جیسا کہ یوحنا کی انجیل کے اخیر سے ثابت ہے اور بہت سی انجیلیں (تاریخ کی کتابیں) اب بھی موجود ہیں جیسا کہ انجیل برنباس وغیرہ مگر بھیڑیا چال اکثر عیسائی ان

❶...... یعنی نزول قرآن کے زمانہ میں۔ منہ۔

ہی چاروں ❶ کو زیادہ ہی مانتے ہیں اور بہت سے عیسائیوں نے وقتاً فوقتاً انکار بھی کیا ہے۔ چنانچہ پولوس مقدس (کہ جن کو عیسائی بڑا رسول اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھ کر سمجھتے ہیں) اپنے اس خط میں کہ جو گلتیون کو لکھا ہے، اس کے پہلے باب میں یہ کہتا ہے کہ (لوگوں نے انجیل کو الٹ پلٹ کر دیا، اور اے لوگو! تم اور جعلی انجیلوں کی طرف کیوں مائل ہو گئے، اصل انجیل بلاتوسط کسی انسان کے حضرت مسیح سے مجھ کو ملی ہے۔ اس کے سوائے اور جو کوئی اور انجیل تم کو سنائے، اس پر لعنت۔) انتہیٰ ملخصاً اور یہ ظاہر ہے کہ چاروں انجیلوں میں پولوس کی وہ انجیل نہیں ہیں ❷۔

پس یہ بھی نامقبول مردود ہے، جو شخص پولوس کے کلام کو الہامی مانتا ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ انجیلوں کو ہاتھ نہ لگائے۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ پولوس اور برنباس اور شمعون اور پطرس وغیرہم اکابر عیسائی ان چاروں انجیلوں کو تسلیم نہیں کرتے، نہ حواریوں کے زمانے میں ان پر کچھ علمدار رہا ہے اور اسی طرح جس کو توراۃ کہتے ہیں، اس کے بھی صدہا مقامات سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدہا برس بعد کسی نے تاریخ کے طور پر جمع کی ہے، چنانچہ بہت سے محققین اہل کتاب بھی اس بات کے قائل ہیں اور زبور میں بھی ایسا اختلاف ہے اور یہی حال اور کتابوں کا ہے اور ان کا محل نزاع میں طلب کرنا اور ان پر عمل کی مدح، سو یہ اس لئے تھا کہ ان کتابوں میں بیشتر عمدہ اور اصلی کتابوں کے مضامین پائے جاتے تھے اور نیز مخاطبین ان کو تسلیم کرتے تھے، اور اگر یہ کہے کہ جب وہ اصلی کتابیں موجود نہ تھیں تو ان پر ایمان کیونکر لاسکتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگلے انبیاء علیہم السلام موجود نہیں، ان پر کس طرح ایمان لاتے تھے، اب ہم حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان رکھتے تھے حالانکہ وہ موجود نہیں ہیں۔ پھر کیا کوئی ایمان لانے یہ سے یہ کہہ سکتا ہے کہ عبدالحق مؤلف تفسیر حقانی کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام موجود تھے اگر آنحضرت ﷺ کے عہد میں اصلی توراۃ و انجیل موجود ہوتی تو آپ ﷺ حضرت عمر فاروق پر توراۃ کے اوراق پڑھنے سے ناخوش نہ ہوتے اور نہ لا تصدقوا اھل الکتاب و لا تکذبوھم فرماتے۔

پس جب اصلی کتابیں اس عہد میں موجود نہ تھیں بلکہ ان کے نام پر اور کتابیں لوگوں کی تصانیف تھیں کہ جن میں اصلی کتابوں کے مضامین مندرج تھے تو ان میں کفارہ و تثلیث و الوہیت مسیح علیہ السلام ہو بھی تو کب معتبر ہو سکتی ہے یہ ان پر ہم اہل اسلام کو ایمان لانا فرض ہے، بلکہ ایسے لغو مضامین سے احتراز واجب ہے۔ اگر قرآن نے ان کو رد کیا تو خوب کیا، ان کا اقرار کب کیا تھا، یہ قرآن کے حق ہونے کی دلیل قوی ہے، اس بحث کی تحقیق مقدمہ کتاب میں ہو چکی ہے، جو چاہے وہاں دیکھ لے۔

**نکات:**......(۱) ایمان کے بارے میں مبدء و معاد کو بترتیب اس آیت میں ذکر کیا ہے۔ اول یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے ذات و صفات باری کی طرف اشارہ کر دیا۔ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ میں قیامت کو بیان کر دیا اور اس عالم کی ابتداء و انتہا بھی اشارۃً بتلا دی۔

(۲) وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ میں صلہ کو مقدم کر کے اور یوقنون کو ھم پر مبنی کر کے اہل ❸ کتاب کی پشت پر ایک تازیانہ سا مار دیا کہ آخرت پر یقین کرنا انہیں کا حصہ ہے کہ جو قرآن کے ذریعے سے تمام تفاصیل آخرت پر مطلع ہو گئے ہیں اور پھر ہر امر میں ان کو آخرت ہی دکھائی دیتی ہے، دنیا اور اس کے منصب اور رسم کو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں سمجھتے، تعصب اور عناد کو بھی اس کے خوف سے کام میں نہیں لاتے، بخلاف تمہارے اول تو تمہاری کتب موجودہ میں آخرت اور اس عالم کی پوری کیفیت نہیں، اس توراۃ میں بنی اسرائیل کو دوزخ اور

---

❶......انجیل، متی، مرقس، یوحنا۔ ❷......کس لئے کہ مرقس اور لوقا تو خود پولوس کے شاگرد ہیں اور ان کی یہ تصنیف اس نامہ کے آگے موجود ہونا کسی معتبر ذریعہ سے ثابت بھی نہیں ہے، رہی متی کی انجیل اور یوحنا کی، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ پولوس کے اس خط لکھنے سے پہلے تصنیف ہو چکی تھیں اور شائع ہو کر پولوس تک بھی پہنچ گئیں تھیں تو ان کی نسبت یہ کیونکر صادق آسکتا ہے کہ وہ بغیر کسی انسانی واسطہ کے اس کو ملی تھیں۔ منہ۔ ❸......سو اعبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ م منہ۔

جنت اور دنیا کی ناکامی (موت، مرض، قحط وغیرہ سے) یا کامیابی بتلائی ہے اور جو پہلے حصہ میں کچھ ہے تو معما سا ہے اور اس دنیا کی محبت اور قوم ورسم کی پابندی سے بے انصافی کر کے اس نبی اور کتاب کو تم جھٹلاتے ہو کہ جو تمہارے انبیاء علیہم السلام اور کتب اصلیہ کی تصدیق اور مدح کرتے ہیں، جب یہ ہے تو تمہارا آخرت پر کیا خاک یقین ہے اگر آخرت آنکھوں کے سامنے ہوتی تو یہ باتیں نہ کرتے۔ جب خدا تعالیٰ متقیوں کے اوصاف بیان فرما چکا یعنی سعادت کی جب شرح ہو چکی کے اس نتیجہ کو ذکر کرتا ہے کہ جو اس پر مرتب ہوتا ہے تا کہ سامع کو رغبت پیدا ہو۔

أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑤

وہی لوگ اپنے خدا تعالیٰ کے رستہ پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں ⑤

**ترکیب:**...... أُولَٰٓئِكَ مبتداء اور عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ثابت کے متعلق ہو کر اس کی خبر مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔ واؤ حرف عطف اولئک ثانی مبتدا اور ھم المفلحون اس کی خبر یا ھم مبتداء المفلحون خبر دونوں مل کر اولئک کی خبر ہوئے۔ یہ مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا۔

## کامیابی پرہیزگاروں کے لئے ہے

**تفسیر:**...... پہلے کہا تھا کہ قرآن "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے، اس کے بعد پرہیزگاروں کے اوصاف بیان کردئے کہ وہ ایسے ایسے اوصاف حمیدہ رکھنے والے ہیں اور یہ اوصاف قرآن سے حاصل ہوتے ہیں کیونکہ طرح طرح کے پراثر بیانوں سے قرآن نے انسانوں کو ان اوصاف کا مشتاق کر دیا تھا اور جس میں یہ اوصاف ہوتے ہیں، وہ ہدایت پر ہوتا ہے، یہ بدیہی بات ہے، پس هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ایک دعویٰ تھا، اس کا ثبوت تقویٰ کے معنی بیان کر کے کر دیا، جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن سے پرہیزگاری حاصل ہوتی ہے اور پرہیزگاری خدا کی ہدایت ہے، یہاں تک سعادت کا بیان تمام ہوا اور کلام مدلل قرآن سے ہدایت حاصل ہوتی ہے، پھر ہدایت حاصل ہوتی ہے، پھر ہدایت کا ثمرہ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ سے بیان فرمادیا کہ جس کو ہدایت خدا تعالیٰ کی نصیب ہوتی وہ فلاح دارین پاتا ہے۔

**نکات:**...... ۱): پہلے الذین کے مقابلہ میں أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ لایا گیا اور جس طرح دوسرا الذین اس کا تتمہ تھا اسی طرح اس کے مقابلہ میں تتمہ کے طور پر وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ذکر کیا تا کہ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ کی جزاء وہاں کی فلاح سن کر سامع کا دل بشاش ہو جائے۔

۲): جس طرح وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ میں ایمانداری کا ان پر حصر کیا تھا، اسی کے بعد فلاح کا بھی هُمْ ضمیر مقدم کر کے ان پر ہی پر حصر کر دیا، جس سے معلوم ہو کہ فلاح بھی ان ہی کا حصہ ہے کہ جو ایسے لوگ اور ان اوصاف سے متصف ہیں، اور جو لوگ ایسے نہیں ہیں، وہ کیسی ہی ریاضت کریں چونکہ راہ راست پر نہیں، کبھی فلاح کو نہیں پہنچیں گے۔ پس ایسے جو راستے کہ اسلام کے مقابلے میں ہیں ان کے برخلاف ہیں، إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ اور راستہ چونکہ صراط مستقیم نہیں، ان سے وصول الی المطلوب بھی نہیں،

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی!
کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

۴): اس بات کے بتلانے کو (کہ اہل تقویٰ کو کامل ہدایت نصیب ہے اور وہ ہدایت خدا کی طرف سے ہے) لفظ علی بولا گیا تاکہ استعلاء اور تمکین پر دلالت کرے اور پھر ھدًی کو من ربھم کے ساتھ مقید کیا تاکہ خدا کی طرف سے ہدایت کا ہونا پایا جائے اور پھر اولئک اسم اشارہ لاکر اور خبر کو معرفہ بنا کر اور بیچ میں ھم فصل ذکر کر کے یہ بتلا دیا کہ یہ ہدایت اور فلاحؔ متقیوں کا حصہ خاص ہے کہ جن میں اوصاف مذکورہ پائے جاتے ہیں۔

**فوائد:** خوارج اور معتزلہ وغیرہ کہ جو کبیرہ کیا بلکہ صغیرہ سے بھی ابدی جہنم کا مستحق بناتے ہیں (عیسائیوں کا بھی اسی کے قریب عقیدہ ہے) اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ جنس فلاح کا موصفین مذکورین پر حصر کر دیا ہے، پس جو نماز نہ پڑھے گا، زکوۃ نہ دے گا، خارج از ایمان ہو کر ہمیشہ جہنم میں جائے گا۔ بعض ظاہری بھی ان ہی کے شریک ہیں۔ ان کا جمہور اہل اسلام کی طرف سے یہ جواب ہے کہ فلاح سے مراد بذریعہ الف لام فلاح کامل ہے پس جو ان اوصاف سے متصف نہ ہوگا تو اس کو فلاح کامل نصیب نہ ہوگی، نہ یہ کہ مطلقاً فلاح سے محروم ہوگا کیونکہ انتفاء فلاح کامل (یعنی مقید) سے انتفاء فلاح مطلق لازم نہیں آتا۔ علاوہ اس کے قرآن واحادیث سے متعدد مواضع سے گنہگاران اسلام کا فلاح پانا، جنت میں جانا ثابت ہے۔ جب کہ خدا تعالیٰ نے اہل سعادت کا حال اور مآل بیان فرمایا تو ضروری ہوا کہ اہل شقاوت کا بھی حال اور مآل بیان کیا جائے تاکہ بحکم تعرف الاشیاء باضدادھا سعادت کا مقام خوب سمجھ میں آجائے گا۔

سو اہل شقاوت دو طرح کے ہیں ایک وہ کہ جو ظاہراً و باطناً حق کے مخالف ہیں، ان کو زبان شرع میں کافر کہتے ہیں۔ دوم وہ کہ جو بظاہر موافق اور باطن میں حق کے سخت مخالف ہیں، ان کو منافق کہتے ہیں۔ چونکہ مؤمنوں کی پوری مضادت (یعنی ظاہراً اور باطناً مخالفت) کفار سے ہے، اس لئے خدا تعالیٰ پہلے کفار کا حال بیان فرماتا ہے۔

---

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ⑥

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ

عَذَابٌ عَظِیْمٌ ⑦ ع

---

بے شک جو لوگ انکار کر چکے ہیں ان کے لئے تو آپ کا ڈرسنانا (اور) نہ سنانا (دونوں) برابر ہیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے ⑥ (کیونکہ) اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کو بڑا عذاب ہونا ہے ⑦۔ ف

**ترکیب:**......اِن حرف مشبہ بفعل، الّذین موصول، کفروا اس کا صلہ۔ موصول اور صلہ دونوں مل کر اس کا اسم ہوئے اور سواء بمعنی استوا اس کی خبر ہے اور اس کے مابعد جو ہے، وہ اس مصدر کا فاعل بن کر مرفوع ہے گویا کلام یوں ہوا: ان الذین کفروا مستو علیھم انذارک وعدمہ۔ ختم فعل لفظ، اللہ فاعل، علی جار، قلوب مجرور مضاف، ھم مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ دونوں مل کر معطوف علیہ اور علی سمعھم معطوف۔ معطوف اور معطوف علیہ دونوں مجرور ہوئے جار کے، پھر متعلق ہوئے ختم سے ختم فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ غشاوۃ مبتداء مؤخر اور علی ابصارھم ثابت کے متعلق ہو کر اس کی خبر۔ مبتداء و خبر مل کر جملۂ اسمیہ ہوا اور جملہ سابقہ پر اس کا عطف ہوا۔ عذاب موصوف عظیم صفت، دونوں مل کر مبتداء مؤخر اور ولھم خبر مقدم جو متعلق ثابت کے

---

ف:......یعنی جو ازلی گمراہ اور سیاہ قلب ہیں ان کے لئے قرآن ہدایت نہیں بخشتا خواہ آپ ﷺ وعظ و نصیحت کریں یا نہ کریں، ان کے دلوں میں ایمان قبول کرنے کی قابلیت نہیں۔ ۱۲ منہ

ہے۔ مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر پہلے جملہ پر معطوف ہوا۔

**قرآن کفار کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے:**...... بیشتر خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ قرآن متقین کے لئے ہدایت ہے اور اس پر یہ خیال گزرتا تھا کہ کافروں کے لئے یہ کیوں ہدایت نہیں ہے حالانکہ ضروری ان ہی کے لئے ہدایت کا آنا تھا، کیونکہ متقی تو خود ہدایت پر تھے، اس کا اپنے کلام میں اشارۃً یہ جواب دیا کہ کافر و متقی سے مراد ازلی کافر اور ازلی متقی ہیں۔ گویا بالفعل ایک شخص طرح طرح کی برائیوں اور انواع واقسام کے کفر و شرک میں مبتلا ہے مگر وہ ازل میں انوار الٰہی سے حصہ پا چکا ہے تو اس کو ضرور قرآن سے ہدایت ہوگی اور وہ ایمان بھی لائے گا اور اچھے اعمال بھی کرے گا اور جو ازل میں اس نور سے محروم رہا۔ وہ انجام کار بھی محروم ہی رہے گا۔ اس کو قرآن اور حضور علیہ السلام کے وعظ و پند سے کچھ نفع نہ ہوگا، کس لئے کہ اس میں سرے سے صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اس عدم صلاحیت اور اس ازلی بدنصیبی کو جو ازل میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ظہور میں آئے، مہر اور پردہ سے تعبیر کیا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یہ عالم اور جس قدر اس عالم کی چیزیں ہیں بلکہ جس قدر اور صدہا عالم فرض کئے جائیں، سب خدا تعالیٰ کے وجود حقیقی کے اضلال اور پرتوے ہیں۔ اس عالم حسی میں جو کچھ وقتاً فوقتاً پایا جاتا ہے وہ اسی وقت موجود نہیں ہو جاتا بلکہ عالم مثالی میں موجود ہو چکا ہے، وہ ان سے وقتاً فوقتاً ظہور کرتا اور پردہ غیب سے باہر آتا ہے۔ گو وہ شی حادثات ذاتی یا زمانی سہی مگر اب پیدا نہیں ہوئی اور یہ بات تنزلات ستہ کے معانی میں غور کرنے سے بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ اس عالم حسی سے ہزار ہا سال پیشتر عالم مثالی میں خدائے تعالیٰ کی ایک تجلی ہوئی کہ جس میں تمام کائنات عالم حسی اس کے دربار فیض آثار میں اپنی استعداد کے موافق ہر چیز سے فیض یاب ہوئے:

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جو شخص بھی جس چیز کے قابل نظر آیا

اس جگہ حضرت آدم علیہ السلام ❶ سے تمام ذریت جو ہونہار تھی، چیونٹیوں کی طرح سے نکل پڑی اور اس کا آفتاب جمال ہر شخص پر نور فگن ہوا ہے۔ جن میں استعداد خداداد کی وجہ سے کچھ بھی صفائی تھی ان پر وہ نور پڑا اور چمکا اور جن کی اصل میں کدورت تھی، ان پر وہ نور نہ پڑا (جس طرح اس عالم میں آفتاب نکلتا ہے تو شفاف چیزیں منور ہو جاتی ہیں اور مکدر نہیں چمکتیں) اور ہر شخص نے اس کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ جن پر وہ نور پڑا تھا، وہ لوگ اس عالم حسی میں اہل سعادت یعنی مؤمن کہلائے اور جن پر وہ نور نہ پڑا، وہ اسی شقاوت کی تاریکی میں اس عالم میں آئے اور کافر و منافق کہلائے۔ قرآن حقائق اشیاء کو نہیں بدل سکتا۔ جو وہاں محروم رہا، اس کو یہاں کون منور کر سکتا ہے؟ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اللہ تعالیٰ نے کر دی اور جو لوگ در اصل اہل سعادت ہیں مگر عوارض وغیرہ سے تاریکی میں گرفتار ہیں ان کو ابھارتا ہے کہ ہمارے قرآن اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں اے نبی! کچھ قصور نہیں لیکن جو ازلی بدنصیب ہیں، ان کی تقدیر میں بھلائی نہیں۔

**ہدایت اور صلاحیت ازلی کے لحاظ سے لوگوں کی قسمیں:**...... واضح ہو کہ اس خداداد ہدایت اور صلاحیت ازلی کے لحاظ سے

---

❶ ... چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مخلوق کو ظلمت (طبیعت) میں پیدا کیا اور ان پر اپنا نور ڈالا پس جس شخص پر وہ نور پڑ گیا اس نے ہدایت پائی اور جس پر نہ پڑا وہ گمراہ ہوا اور میں اس لئے کہتا ہوں کہ احکام ازلیہ پر قلم خشک ہو گیا، رواہ الترمذی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے پشت آدم علیہ السلام سے بمقام نعمان عہد لیا۔ پس اس کی پشت سے تمام ذریت کو نکال کر اس کے سامنے پھیلا دیا اور غنی و فقیر سب کو دکھلا دیا اور انبیاء علیہم السلام چراغوں کی مانند چمکتے نظر آئے۔ پھر خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے روبرو سب سے عہد لیا کہ میں تمہارا رب ہوں، تم اس پر قائم رہنا۔ پھر اس کے یاد دلانے کو دنیا میں انبیاء بھیجوں گا تاکہ تم قیامت کو یہ عذر نہ کرو کہ ہم کو معلوم نہ تھا یا یہ کہ ہمارے آباء واجداد نے شرک کیا، ہم ان کے مقلد رہے، ہم پر کیا گناہ ہے، انتہی ملخصاً۔ (رواہ احمد)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص کا ٹھکانا جنت یا دوزخ میں پہلے ہی سے علم الٰہی میں قرار پا چکا ہے (متفق علیہ) اور فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میرے ہاتھ میں یہ دو کتابیں کیسی ہیں؟ لوگوں نے کہا: نہیں فرمایا کہ داہنے ہاتھ کی کتاب میں خدا تعالیٰ نے تمام اہل جنت کے نام لکھ دیے ہیں اور ان کی قوم اور باپ کے نام بھی مندرج ہیں اور بائیں ہاتھ میں تمام اہل دوزخ کے نام ہیں، (رواہ الترمذی)۔ حقانی۔

لوگوں کی سات قسمیں ہیں، کس لیے کہ بنص قرآنی یا لوگ شقی ہیں یا سعید "فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ" اور اشقیاء کو اصحاب الشمال یا اصحاب المشئمہ بھی کہتے ہیں۔ پھر ان اشقیاء کی دو قسمیں ہیں۔

## اہلِ شقاوت کی قسمیں:

اول: مطرودین کہ جن پر بہیمیت اور تاریکی ہیولانیت نے ایسا غلبہ کیا ہے کہ ان پر نور الٰہی پڑنے کی قابلیت ہی نہیں رہی اور چوطرفہ اندھیریوں اور ہر قسم کی تاریکیوں نے ان کو ایسا گھیر لیا کہ گو وہ بظاہر جنس انسان میں ہیں لیکن درحقیقت جانور ہیں، ان کو کافر بھی کہتے ہیں۔ دیوار اور مہر اور پردہ جو قرآن میں مذکور ہے، اس سے یہی ظلمات مراد ہیں۔ ان ہی کی نسبت فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝

سوال: صدہا کافروں کو ایمان لاتے دیکھا۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم پیشتر کافر تھے، پھر ایمان لائے۔ متقی اور ہادی اور مہدی کہلائے۔

جواب: جو لوگ مشرف با سلام ہوئے، وہ دراصل کافر نہ تھے اور ان کو جو اس وقت کافر کہا جاتا تھا تو بحکم حالت موجودہ، ورنہ وہ حقیقت میں متقی تھے جو ہدایت پر آگئے اور وہ ازلی کافر جیسا کہ ابوجہل وغیر ہرگز ایمان نہ لائے، نہ لائیں گے، نہ ان میں صلاحیت ہے۔ اس لئے ان کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۝ کہ ہم نے بہت سے جن اور آدمی جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کو دل ملے ہیں مگر سمجھتے نہیں، ان کو آنکھیں دی گئی ہیں مگر ان سے دیکھ نہیں سکتے، کان دیئے گئے ہیں مگر ان سے سن نہیں سکتے۔ وہ لوگ بمنزلہ چارپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ اور یہی غافل ہیں۔

دوم: وہ لوگ کہ جن میں کسی قدر استعداد ذاتی تو تھی کہ جو کبھی طبیعت کی تاریکیوں میں اس طرح چمکتے تھے جس طرح گھنگھور گھٹا میں بجلی۔ مگر ان لوگوں نے حب جاہ وجلال اور شکوک و شبہات اور پابندیٔ رسم ورواج سے اور شہوت پرستی اور بدمستی سے اس نور کو بجھا دیا اور اس ذاتی استعداد کو مٹا دیا۔ اس گروہ کو منافق کہتے ہیں۔ ان کا تفصیل سے پچھلی آیتوں میں ذکر آتا ہے۔

**اہلِ سعادت کی قسمیں:**......اور سعیدوں کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک قسم مقربین اور سابقین، دوسری اصحاب الیمین کہ جن کو اصحاب المیمنہ و مقتصدین بھی کہتے ہیں۔ پھر مقربین کی بھی دو قسمیں ہیں: اول۔ مجتبیٰ، دوم۔ منیب۔ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۔ مجتبیٰ کو اہل سلوک محبوب اور منیب کو محب بھی کہتے ہیں اور کبھی مجذوب و سالک بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام و صدیقین رضی اللہ عنہم ہیں اور اسی طرح اصحاب الیمین کی بھی کئی قسمیں ہیں۔

## اصحابِ یمین کی قسمیں:

**اوّل:** اہل فضل و ثواب کے خدا تعالیٰ کے فضل سے مقصود کو پہنچے ہیں اور اسی امید پر ایمان و اعمال صالحہ عمل میں لاتے ہیں۔

دوم: اہل عفو کہ جن کے اچھے اعمال ہیں کچھ برے بھی شامل ہیں مگر یا تو ان کی قوت ایمان اور نور معرفت اور رجاء صادق سے خدا تعالیٰ اس گناہ کو معاف کر دیتا ہے یا توبہ اور اس کے مقابلہ میں گریہ وزاری اور اعمال صالحہ سے وہ داغ مٹ جاتا ہے۔ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ کا یہی لوگ مصداق ہیں اور فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ان ہی کے حق میں فرماتا ہے۔

سوم: معذبین کہ بقدر گناہ ان کو عذاب ہوگا اور یہ عذاب کبھی تو دنیا ہی میں بصورت نقصان مال و جان و بیماری و خواری ظہور کرتا ہے اور گناہوں سے صاف کر جاتا ہے، جیسا کہ آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور کبھی مومن کی روح پر ایک عجیب دہشت و وحشت اور

سخت بے کلی اور تأسف لاحق حال ہوتا ہے، سو وہ بھی اس کا کفارہ ہو جاتا ہے اور کبھی آخرت میں وہ برے اعمال آگ اور سانپ بچھو کی صورت میں ظہور کر کے اس کی روح کو صدمہ پہنچاتے ہیں اور جب ایک مدت تک اس تکلیف کو پالیتا ہے تو پھر روح منور ہو جاتی ہے اور جنت میں آرام پاتی ہے اور کبھی انبیاء علیہم السلام اولیاء اور ملائکہ کی شفاعت سے خلاصی ہو جاتی ہے۔ ان پانچ گروہوں کا حال اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔۔۔ الخ میں ہو چکا ہے اور اشقیاء کے اول فریق کافر کا ان آیات میں بیان ہوا کہ قرآن سے ان کو ہدایت نہیں اور اشقیاء کے دوسرے فریق منافق کا اس کے بعد وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ۔۔۔ الخ میں خدا تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔

## دلوں پر پردہ پڑ جانا

**متعلقات:**...... خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ ہر چند ختم کا اسناد اللہ کی طرف اہل حق کے نزدیک اسناد حقیقی ❶ ہے لیکن مہر کرنے سے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہونے سے یہ مراد نہیں کہ درحقیقت خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر اس طرح سے مہر لگا دی ہے کہ جس طرح کسی برتن کا منہ بند کر کے اس پر لاکھ سے اس لئے مہر لگا دیتے ہیں کہ اس کے اندر اور کوئی چیز نہ جانے پائے نہ اندر کی چیز باہر آنے پائے اور سچ مچ کوئی ٹاٹ یا ترپال کا پردہ ان کی آنکھوں پر ڈال دیا ہے۔ شاید کسی کم فہم نے یہ بات سمجھ کر قرآن مجید پر اعتراض کیا ہو۔ بلکہ اس سے مراد وہ جبلی کجروی اور طبعی تاریکی ہے کہ جس کی وجہ سے کفر و معصیت کی طرف بے خود ہو کر دوڑتا ہے اور امور فطرت سے اس

❶...... معتزلہ کے نزدیک اسناد مجازی ہے۔ اہل حق کے نزدیک مجاز لغوی اعنی مسند معنی مجاز میں مستعمل ہے، باقی اسناد حقیقی ہے۔ معتزلہ اور عیسائی کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف کفر کا پیدا کرنا اور مہر اور گمراہی کو منسوب کرنا نہایت بے ادبی اور اس کی ذات مقدس میں عیب لگانا ہے لہٰذا اس قسم کی عبارتوں کو مجاز پر محمول کرنا چاہئے۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ یہ لوگ اس بات کو اچھی طرح نہ سمجھے، عقلاً یوں کہ جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اس عالم کا وہی خالق ہے تو اعیان و اعراض سب کچھ اسی کا مخلوق ہوگا۔ کس لئے کہ ممکن کو دوسرا ممکن پیدا کرنے کی خواہ وہ جوہر ہو خواہ عرض (کوئی کام وغیرہ) قدرت مستقلہ نہیں اور جو ہو تو دو خالق مستقل ماننے پڑیں، کہ جس کی تسلیم میں سب سے بڑھ کر بے ادبی ہے۔ پس جب یہ ثابت ہوا کہ بندہ کو اپنے افعال پر قدرت مستقلہ نہیں ورنہ کبھی کوئی ناکامیاب نہ ہوتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بندہ اپنے افعال ارادیہ میں پتھر اور لکڑی کی طرح مجبور نہیں، اس کے ارادی کاروبار اس طرح سے بے خود سرزد نہیں ہوتے کہ جس طرح رعشہ میں بے خود ہاتھ ہلا کرتا ہے تو ضرور یہ تسلیم کرنا پڑا کہ نہ جبر محض ہے نہ قدر محض بلکہ خالق ہر چیز کا اللہ تعالیٰ اور کسی قدر اختیار بندہ کو بھی دیا ہے خواہ وہ ارادہ ہو یا کچھ اور، جو کچھ ہو مگر اس کی وجہ سے بندہ کو کاسب کہا جاتا ہے، جس کی وجہ سے بھلائی برائی اس کی طرف منسوب ہوتی ہے اور جزا و سزا پاتا ہے۔

چلا عدم سے میں ہستی کو بول اٹھی تقدیر
بلا میں پڑنے کو کچھ اختیار لیتا جا

پس اس گمراہی وغیرہ افعال کو خالق ہونے کی وجہ سے خدا کی طرف بھی منسوب کر سکتے ہیں اور خالق ہونے میں کوئی برائی نہیں نہ اس برائی سے وہ متصف ہو سکتا ہے۔ مثلاً تلوار بنانے والے کا کوئی قصور نہیں نہ اس کو قاتل کہہ سکتے ہیں بلکہ جس نے تلوار سے مارا۔ اسی طرح رنگریز کو اسود نہ کہیں بلکہ کپڑے کو جس پر (سواد) سیاہی قائم ہوئی اور چونکہ بندہ کاسب ہے، بمقام ذم اس کی طرف بھی نسبت ہوگی جس کی وجہ سے وہ برائی بھلائی سے متصف ہوگا اور چونکہ شیطان یا کوئی اور گمراہ کرنے والا سبب ہوتا ہے تو مجازاً فعل کو سبب کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے جس طرح کہ شیطان کو اسی علاقہ سے مضل کہتے ہیں، اس طرح قرآن یا نبی ﷺ کو ہادی بتلایوں کہ قرآن و احادیث میں بکثرت یہ انتساب موجود ہے اور حقیقی معنی کو جب تک کوئی مانع نہ ہو چھوڑنا جائز نہیں اور بائبل میں بھی بہت سے مقامات پر ایسی عبارتیں پائی جاتی ہیں کہ جن میں ان امور کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ از انجملہ پولوس اپنے دوسرے خط کے چوتھے باب میں جو قرنتیون کو لکھا ہے، یوں کہتا ہے (۳) اور ہماری انجیل اگر پوشیدہ ہو تو انہیں پر پوشیدہ ہے جو ہلاک ہوتے ہیں۔ (۴) کہ اس جہاں کے خدا تعالیٰ نے ان کی عقلوں کو جو بے ایمان ہیں، تاریک کر دیا ہے تا کہ مسیح...... الخ کی جلال والی انجیل کی روشنی ان پر نہ چمکے۔ یہ عبارت صاف صاف ان آیات قرآنیہ کے مضمون کی تصدیق کر رہی ہے۔ اگلے فقرے میں قدرت کو بالکل خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے کہ قدرت کی بزرگی ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے، انتہیٰ۔ اور ایک جگہ کہتا ہے: کمہار سے برتن نہیں کہہ سکتا کہ تو نے مجھے ایسا کیوں بنایا، اسی طرح بندہ نہیں کہہ سکتا۔ اس پر بھی پادری صاحب اگر قرآن پر اعتراض کریں تو کمال بے انصافی ہے۔ منہ۔

کو دلی نفرت ہوتی ہے جس طرح کہ گوہ کے کیڑے کو خوشبودار پھول سے جبلی نفرت اور گندگی سے رغبت ہوتی ہے، تو گویا کہ خوشبو کی طرف رغبت کرنے سے اس کیڑے کے دل پر مہر ہوگئی ہے اور اس کی آنکھوں پر قضاء وقدر سے حجاب پڑا ہوا ہے۔ سو یہ ایک حالت ہے کہ جس کو خدا نے استعارہ کے طور پر ختم اور غشاوۃ سے تعبیر کیا ہے اور یہ کبھی اس حالت کو طبع سے تعبیر کیا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور کبھی اغفال سے وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا اور کبھی اقساء سے وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً اس حالت کا فاعل حقیقی خدا تعالیٰ ہے کیونکہ یہ جتنے امور جبلی ہیں، سب قضاء وقدر سے ہیں اور اسی لئے ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے منسوب کیا جاتا ہے اور اس میں اس کی ذات پاک پر کوئی عیب نہیں لگتا، کس لئے کہ اس کا سبب بندہ ہے، اس کو کسی قدر اس میں دخل ہے اس لئے اس کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں اور برائی کا بوجھ اس کے سر پر دھرتے ہیں اور اسی لئے اتمام حجت کو ان کے پاس بھی خدا تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام پیغام ہدایت لائے ہیں اور پھر وہ اپنی نافرمانی کی سزا دنیا و آخرت میں پاتے ہیں اب جس طرح یہ سوال بے جا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مختلف استعداد پر کیوں بنایا اور بعضوں کی جبلت میں یہ تاریکی کیوں رکھی ہے اور پھر ان کو عذاب کیوں دیا؟ کس لئے کہ یہ کسی قدر اختیار پر مبنی ہے اور مختلف استعداد اور رنگ برنگ کی قابلیت دینے میں وہ خود مختار ہے۔ جس کو جو کچھ دیا، اس کا فیض ہے اور جس کو نہیں دیا تو اس پر کچھ ظلم نہیں کیا، اسی طرح برتن کا کمہار سے یہ کہنا بے جا ہے کہ تو نے مجھ پر ظلم کیا کہ جو آبدست کرنے کی بدھنی بنایا، بادشاہوں اور معشوقوں کے پینے کا پیالہ نہ بنایا۔ اس مسئلہ جبر وقدر میں زیادہ گفتگو کرنے کی ممانعت[1] ہے کیونکہ اس کے اسرار پورے عقل میں مشکل سے آتے ہیں اس لئے ہم بھی قلم روکتے ہیں۔

**قلب اور روحِ حقیقی:**.....قلب: ایک گوشت صنوبری کو کہتے ہیں کہ جو بائیں جانب پہلو میں الٹا لٹکا ہوا ہے اور اسی لئے اس کو قلب کہتے ہیں اور اس میں جگر سے آ کر خون پکتا ہے اور پھر اس کے لطیف ابخرے روحانی بنتے ہیں اور شرائین کے ذریعہ تمام بدن میں دوڑتے ہیں اور حس وحرکت کا منشاء بھی یہی روح ہے۔ جس عضو میں وہ روح نہ جائے تو وہ بے حس وحرکت ہو کر مر جائے اور یہ روح ہوائی کہلاتی ہے اور اسی کو نسمہ بھی کہتے ہیں اور روح حقیقی یعنی نفس ناطقہ کا اصلی مرکب یہی ہے اور اس کا مرکب تمام جسم ہے۔ جب اس روح ہوائی میں (کہ جس کو روح حیوانی اور روح طبی بھی کہتے ہیں) سخت فساد آتا ہے تو روح حقیقی کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور قطع تعلق کا نام موت ہے اور اصطلاح شرع میں قلب لطیفہ انسانی کا نام ہے کہ جس سے انسانیت قائم ہے اور جس سے شوق ومحبت پیدا ہوتی ہے اور جس سے شرع کے امر ونواہی بجالاتے ہیں اور کبھی قلب سے عقل بھی مراد ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت میں اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اور کبھی نفس یا روح بھی مراد ہوتی ہے۔ اس آیت میں یہی لطیفہ مراد ہے کیونکہ استدلال کرنا اسی کا کام ہے اور یہی الہام الٰہی کی جگہ ہے اور یہی حق شناسی کی دوربین ہے۔ پس جب اس پر مہر ہوگئی تو یہ سب باتیں مفقود ہوگئیں۔

**نکات:**.....(۱) خَتَمَ اللّٰهُ ... الخ یہ اس دعویٰ کی (کہ ان پر ہدایت کا کچھ اثر نہ ہوگا، وعظ کرنا نہ کرنا برابر ہے) دلیل ہے اور یہ دلیل اس لئے بیان ہوئی ہے کہ بظاہر اس دعویٰ کا ثبوت سمجھ میں نہیں آتا تھا، اس کے ثبوت میں فرمایا کہ یہ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے یعنی ان کی جبلت میں تاریکی ہے اور بہیمیت کی اندھیریوں نے ان کو ہر طرف سے محیط ہو کر اس امر کے قابل ہی نہ رکھا۔

---

[1]:.....اہل سنت کا اعتقاد ہے کہ انسان کا ہدایت پانا یا گمراہ ہونا سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ انسان کے پیدا ہونے کے پہلے سب امور ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔ اس اعتقاد کو ایمان بالقدر کہتے ہیں۔ یہ مضمون قرآن مجید کی اس آیت میں ظاہر ہوگیا اور آئندہ بھی بہت سی آیتوں میں اس کا بیان آئے گا۔ علیٰ ہذا احادیث میں بھی اس کا بیان بڑی تفصیل سے ہے اس لئے علماء نے مسئلہ قدر کے بارے میں گفتگو کرنے سے منع کیا ہے۔ حقانی

(۲) کسی چیز کا دریافت کرنا تین طرح پر ہوتا ہے یا توحس سے، یا خبر صادق سے، یا خود عقل سے غور کر کے دریافت کرے۔ مگر امور آخرت اور خدا کی ذات وصفات حس سے تو معلوم نہیں ہوسکتی۔ اب ان کو یا خود عقل یقین کرے یا خبر صادق سے ان کی تصدیق ہو۔ پھر جبکہ ان کی ازلی گمراہی ثابت کرنی مقصود تھی تو اس لئے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ فرمایا جس سے ادراک عقلی اور خبر مخبر صادق سن کر ایمان لانے کی نفی ہوگئی اور یہ دونوں سبب مفقود ہو گئے یعنی ان کے دلوں پر مہر ہے، عقل سے ان امور کو کیونکر یقین کریں اور ان کے کانوں پر بھی مہر ہے، وہ مخبر صادق ﷺ کی خبر کیونکہ سنیں اور کس طرح ایمان لائیں۔ لیکن کسی قدر حس سے امور حسیہ پر ایمان لانے کا احتمال تھا، وہ یہ کہ نبی ﷺ کے معجزات دیکھ کر ایمان لائیں، سو یہ بھی بات ان کو نصیب نہیں۔ وہ ہر چند بے شمار معجزات دیکھتے ہیں لیکن بمنزلہ نابینا کے ہیں اس لئے امور حسیہ پر بھی ایمان نصیب نہ ہونے کے سبب عَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ فرمادیا کہ یہ جنم کے اندھے بھی ہیں۔ ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، کچھ دیکھتے ہی نہیں۔

(۳) مہر ایسی چیز پر کیا کرتے ہیں جس پر ہر طرف سے تصرف ہوسکے، پس مہر اس کو ہر طرف سے بند کردیتی ہے۔ چونکہ کان میں ہر طرف سے اور دل میں ہر طرف سے بات پڑ سکتی ہے، ان کے لئے کوئی جہت خاص نہیں اس لئے ان پر تو مہر لگانا فرمایا اور آنکھ چونکہ سامنے سے دیکھتی ہے اس لئے جہت خاص ہے تو اس پر پردہ پڑنا فرمایا کہ سامنے سے پردہ پڑ گیا، دیکھنا بھی جاتا رہا۔

جب خدا تعالیٰ دعویٰ اور اس کی دلیل بیان فرما چکا تو بعد میں اس پر جو اثر مرتب ہونے والا ہے، وہ فرماتا ہے کہ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ یہ عذاب خواہ آگ سے ہو، خواہ طوق وزنجیر سے، خواہ اور کسی طرح سے کہ جس کی کیفیت ہم کو معلوم نہیں، جو کچھ ہو وہ روح کی تاریکی اور اس کی جبلی کج روی کا اثر مرتب ہے۔ جس طرح پانی کا اثر برودت اور آگ کا اثر حرارت ہے، اسی طرح انسان کے برے اعمال کا اثر خاص ہے کہ جو مرنے کے بعد معلوم ہوگا، اعاذنا اللہ منہ۔ جب خدا تعالیٰ فریق اشقیاء کو بیان کر چکا تو اب دوسرے فریق منافقین کا حال بیان فرماتا ہے۔

## وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ⑧

وقف لازم

ترجمہ: اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو (زبان سے تو) کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے، حالانکہ وہ ایماندار نہیں ہیں⑧۔

ترکیب:......یقول فعل ضمیر ہو راجع من کی طرف اس کا فاعل اور امنا باللہ . . . الخ جملۂ فعلیہ اس کا مقولہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی مَنْ نکرہ موصوفہ کی۔ مِن جار، الناس مجرور۔ جار مجرور متعلق ثابت یا ثبت کے ہوا جو رافع ہے من کا۔ تقدیر کلام یوں ہوئی: ومن الناس ناس یقولون یہ جملہ خبریہ ہوا، اس کا عطف الذین یؤمنون . . . الخ پر یا قصہ کفار مصرین پر ہے اور ممکن ہے کہ من کو موصولہ مانا جانا۔ ھم، ما کا اسم اور بمومنین خبر۔ اسم وخبر مل جملہ خبریہ ہوا اور واؤ حالیہ کے ساتھ مل کر حال ہوا فاعل یقول سے جو من ہے۔ مَن لفظ مفرد ہے مگر معنی میں تثنیہ اور جمع کے بھی آتا ہے اسی لئے علم اصول میں اس کو عام گنا ہے۔ پس باعتبار لفظ کے یقول صیغہ واحد بولا گیا اور باعتبار معنی کے ھم اور امنا جمع کے صیغے بولے گئے ہیں۔ بعض یوں بھی کہتے ہیں کہ من یقول امنا باللہ . . . الخ مبتداء اور من الناس ثابت کے متعلق ہو کر اس کی خبر ہوئی۔ تنبیہ کفار کے حال کو بطور عطف کے اس لئے نہیں بیان کیا تھا کہ وہاں متقین کا حال بطور ضمن کتاب کے تھا، اس لئے مضادت مانع عطف ہوئی اور چونکہ کفار کا حال مستقلاً بیان کیا، دوسری قسم منافقین کا عطف اس پر زیبا ہوا۔

# منافقینِ مدینہ

**تفسیر:**......مدینہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جو بظاہر تو یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ اور قیامت پر ایمان لائے اور مسلمان ہوئے تاکہ مسلمانوں میں مل کر منافع دنیا حاصل کریں اور ہر قسم کی سختی سے جوان پر پیش آنے والی تھی، اسلام کو آڑ بنا کر بچیں۔ مگر یہ ایمان درحقیقت ایمان نہ تھا اور بغیر خلوص دل زبان سے کہنا، خدا تعالیٰ علام الغیوب کے آگے کچھ بھی وقعت نہیں رکھتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا کہ یہی لوگ فریبی ہیں ہرگز مومن نہیں۔ ان لوگوں کو شرع میں منافق کہتے ہیں۔ ان سب کا سرگردہ عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا۔ حضور ﷺ کے مدینہ میں تشریف لانے سے پہلے لوگوں نے چاہا تھا کہ اس کو سرداری کی پگڑی بندھوا دیں اور مدینہ کا سردار بنا دیں۔ لیکن جب حضور ﷺ تشریف لائے اور روح کو زندہ کرنے والی باتوں سے تمام جہالت کی تاریکیاں لوگوں میں سے دور ہو گئیں اور لوگوں کو ایک نئی زندگانی کا مزہ آ گیا تو پھر ان کے روبرو اس دنیا پرست کی کچھ وقعت نہ رہی۔ اس لئے اس شخص کو حضور ﷺ اور اہل اسلام سے حسد اور رنج پیدا ہوا مگر غلبۂ اسلام کی وجہ سے یہ خبث باطن کو ظاہر نہ کر سکا اور لوگوں کے ساتھ بظاہر آپ بھی اسلام میں شمار ہو گیا۔ لیکن یہ اور اس کے رفیق یہود جو مدینہ کے آس پاس بستے تھے اور دس پانچ اور اسی کے ہم قوم ہمیشہ در پردہ اسلام کی بیخ کنی کرتے رہے اور اس آفتاب عالم تاب پر گرد اڑاتے اور اس چراغ جاودانی کو بجھانے میں ہر طرح کی کوشش کرتے رہے۔ سورۂ برأت اور سورہ منافقون اور اس سورہ اور دیگر سورتوں میں ان کے اقوال و افعال ناشائستہ کا جواب مذکور ہے اور جو کچھ غزوات میں انہوں نے فتور برپا کئے ہیں، وہ بھی مسطور ہیں جس سے خدا تعالیٰ نے نفاق کی جڑ کو بالکل کاٹ دیا۔

**متعلقات:**

**نفاق کی چند قسمیں ہیں:**......اول: یہ کہ زبان سے اسلام اور ایمان ظاہر کرے مگر درپردہ صاف منکر ہو۔ دوم: یہ کہ درپردہ صاف منکر تو نہ ہو مگر یقین بھی نہ ہو بلکہ متردد اور مذبذب ہو۔ سوم: یہ کہ دل میں تصدیق تو ہو مگر کامل نہ ہو اور گناہوں اور حُبِ دنیا اور غلبۂ شہوات نے اس کو ایسا کر دیا ہو کہ یہ دنیا کے منافع کو ایمان پر مقدم سمجھتا ہو۔ دنیا کی خاطر لشکرِ اسلام کا مقابلہ اور اہل اسلام کی بربادی اور دین کی ہجو اس کے نزدیک کچھ مشکل نہ ہو۔ یہ تینوں خدا کے نزدیک سخت کافر ہیں اور جہنم کے سب سے اسفل طبقہ میں رہیں گے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ان تینوں قسموں کے منافق مدینہ میں موجود تھے۔

چہارم: یہ کہ قال، حال کے مطابق نہ ہو۔ زبان سے کچھ کہے، دل میں کچھ اور ہو جس کو تقیہ ● کہتے ہیں اگرچہ اس سے کافر نہیں ہوتا مگر یہ بھی انہیں منافقین کا شیوہ ہے اور سراسر ناراستی ہے۔ نورِ ایمان اور صداقت کی روشنی ذرا بھی مکر و فریب کو گوارا نہیں کرتی، چہ جائیکہ اس پاک مذہب کا رکن قرار دے کر اس کے نورانی چہرہ پر دھبہ لگایا جائے بلکہ نبی ﷺ کے فیض صحبت سے صحابہ رضی اللہ عنہم تو اپنی حالت قلبیہ میں

---

●......اہل اسلام میں اول صدی کے آخر میں جو کچھ خلافت کی بابت زیادہ نزاع ہوئی تو ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف داری کا یہاں تک دم بھرنے لگا کہ جس کو وہ خود بھی جائز نہ رکھتے تھے اور پھر رفتہ رفتہ وہ ایک فریق ہو گیا، جس کو شیعہ کہتے ہیں اور یہ فریق اکثر عراق و ایران میں پھیلا اور ایران میں مجوس کے ہاں یہ تقیہ ہمیشہ سے چلا آتا تھا۔ چنانچہ دساتیر نامۂ ساسان اوّل کے (۴۰) جملہ میں مرقوم ہے: ان کی تقلید سے یہ مسئلہ اس گروہ نے بھی اپنے مذہب میں جاری کیا اور جہاں کہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ اہل بیت سے خلفاء ثلثہ کی مدح منقول ہے اس کے جواب میں اس تقیہ سے کام لیا اور کہہ دیا کہ وہ تقیہ کرتے تھے۔ اس لغویات کو روشن دماغ شیعہ بھی ہرگز نہیں تسلیم کرتے اور ائمہ کبار علیہم السلام کی نسبت حق پوشی اور نفاق کا عیب لگانے سے ازحد ڈرتے ہیں۔ ہاں جو لوگ ملاؤں کی تقلید اور ان کے رطب و یابس روایات و حکایات پر غش ہیں وہ اس کو مانتے ہیں۔ منہ۔

ذرا بھی فرق آنے کو نفاق سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حنظلہ بن ربیع اُسیدی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ میں تو منافق ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: تو کیا کہتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گھر آتے ہیں اور بیوی بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ کیفیت جو وہاں ہوتی ہے، اس کو بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میرا بھی یہی حال ہے۔ تب دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حنظلہ رضی اللہ عنہ نے یہ حال بیان کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے حنظلہ! اگر تم اسی حالت مین رہو کہ جو میرے پاس ہوتی ہے اور یادِ الٰہی میں رہو تو ملائکہ تم سے گلی کوچوں میں اور بستروں پر مصافحہ کیا کرتے مگر یہ بات کبھی کبھی ہوتی ہے۔

## منافقین اپنے دعویٰ میں سچے نہیں

**نکات:**..... ① منافقین دعویٰ کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے بھی ان کے ادعاء کے موافق بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ کو خاص کیا تاکہ معلوم ہو کہ جس میں تم کو دعویٰ ہے اس میں بھی تم سچے نہیں کیونکہ خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے تو اس مکر اور فریب کو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جائز نہ رکھتے اور باتوں میں تو تمہارے ایمان کا کیا اعتبار ہے یعنی جہاں تم کو سچائی کا دعویٰ ہے، وہیں جھوٹے ہو چہ جائیکہ جہاں تم کو خود نفاق مقصود ہو۔

② اگرچہ سیاق کلام یہ چاہتا تھا کہ ان کے جواب میں مَا اٰمَنُوْا کہا جاتا تاکہ جواب مطابق ہوتا مگر برعکس اس کے مَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ فرمایا تاکہ ان سے ایمان کی نفی اچھی طرح سے ہو جائے، کس لئے کہ زمانہ ماضی میں ان کو ایمان سے باہر بیان کرنا جیسا کہ ما امنوا سے سمجھا جاتا، اس امر میں اتنا فائدہ نہیں بخشتا کہ جو ان کو ہمیشہ کے لئے مَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ سے ایمان سے باہر کر دینا بخشتا ہے۔ علاوہ اس کے ما امنوا میں بمقابلہ جواب صرف اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لانے کی نفی سمجھی جاتی اور جب کہ مَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ کہا اور نفی کو باء سے مؤکد کر دیا تو بالکل ایمان سے بے بہرہ ہونا ثابت کر دیا کہ ان کا ایمان نہ اللہ (عزوجل) پر ہے اور نہ قیامت پر، نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن اور اس کے معجزات پر۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے ان کے اس فعل سے جو غرض ہے، اس کو بیان فرماتا ہے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹

ترجمہ: وہ (اپنے نزدیک) اللہ اور ایمانداروں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں اور جانتے نہیں ⑨۔

**ترکیب:**..... یخادعون فعل با ضمیر ھم جو راجع ہے منافقین کی طرف، اس کا فاعل اور لفظ اللہ اور الذین امنوا موصول صلہ سے مل کر معطوف ہوا لفظ اللہ پر مفعول بہ اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملۂ فعلیہ بن کر کلام مستانف ہوا۔ یا یہ حال ہے فاعل یقول سے اور ومایخدعون فعل با فاعل احد مفعول محذوف مستثنیٰ منہ الا انفسھم مستثنیٰ فعل فاعل اور مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ سے مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر بذریعہ واؤ حال ہوا فاعل یخادعون سے اور مایشعرون جملۂ فعلیہ بذریعہ واؤ کے اس مایخدعون . . . الخ سے حال واقع ہے۔

## منافقین خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں

**تفسیر:**..... یعنی وہ منافقین جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے، اپنے زعم میں خدا تعالیٰ سے اور مسلمانوں سے فریب بازی کر رہے ہیں حالانکہ یہ فریب اپنے تئیں دے رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ علام الغیوب ہے، اس سے کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی اور وہ

مؤمنوں کو آگاہ کرتا رہے گا۔ سو ان پر تو کچھ بھی اس مخادعت (فریب بازی) کا اثر نہ پڑا، الٹا انہیں پر کہ دنیا میں بھی رسوائی ہوئی اور آخرت میں عذاب شدید میں مبتلا ہوں گے۔ مگر ان کے حواس سلیمہ میں فتور آ گیا کہ ان کو یہ موٹی سی بات بھی دکھائی نہیں دیتی کہ خدا تعالیٰ کو کوئی فریب نہیں دے سکتا۔ اس کا الٹا وبال ہم ہی پر پڑے گا۔

**متعلقات:**......خدع۔ لغت میں بری بات چھپانا اور اس کے برعکس دکھانا تاکہ کسی کو فریب دیا جائے۔

نفس۔ ذات شے کو کہتے ہیں، خواہ جوہر ہو یا عرض ہو یا دونوں سے بری جیسا کہ ذات باری تعالیٰ لقولہ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ...الأية اور روح کو بھی کہتے ہیں کیونکہ حی کا نفس اسی سے قائم ہے اور قلب کو بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ محل روح ہے اور خون کو بھی کہتے ہیں کیونکہ نفس کا قوام اسی سے ہے اور پانی کو بھی کیونکہ اسی کی طرف نفس کو زیادہ حاجت ہے اور رائے کو بھی کیونکہ یہ نفس سے پیدا ہوتی ہے۔

شعور۔ احساس کو کہتے ہیں اور انسان کے مشاعر اس کے حواس ہیں اور اصل اس شعر کی (بال) ہے اور جو لباس جلد کے بالوں سے ملا ہوتا ہے اس لئے عرب اس کو اشعار کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے پھر اور وسیع معانی میں بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

**نکات:**......(۱) چونکہ منافقین یہ فریب بازی ہمیشہ کرتے تھے اور آئندہ بھی ان سے یہ فعل متوقع تھا تو اس رمز کے لئے مضارع سے ان کے اس حال کو تعبیر کیا تاکہ تجدد اور حدوث پر اور آئندہ کے صدور پر دلالت کرے۔

(۲) ان کی پرلے درجے کی حماقت ثابت کرنے کو وَمَا یَشْعُرُوْنَ کہا، مَا یَعْلَمُوْنَ نہیں کہا، کیونکہ شعور محسوسات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور علم محسوسات، معقولات دونوں کے لئے۔ پس جب وَمَا یَشْعُرُوْنَ کہا تو گویا یہ ثابت کر دیا کہ اس مکر کی برائی ایک محسوس چیز ہے مگر چونکہ عَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ یعنی ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے، وہ دیکھ نہیں سکتے۔ اب اگلی آیت میں اس فعل کی وجہ سے بیان فرماتا ہے کہ وہ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟

---

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾

---

ان کے دلوں میں (شک کا) مرض ہے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کے مرض کو بڑھا دیا ہے اور ان کو (مرنے کے بعد) سخت عذاب ہے اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے ⑩۔

---

**ترکیب:**......مرض مبتداء مؤخر، فِیْ قُلُوْبِهِمْ خبر۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ زاد فعل اللہ فاعل ھُمْ مفعول اول مرضًا مفعول ثانی فعل فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔ عذاب موصوف، الیم اس کی صفت پھر بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ جملہ بتاویل مصدر کے ہو کر متعلق کائن کے ہوا اور الیم کی صفت ہوا۔ یہ موصوف اپنی صفات سے مل کر مبتداء لھم خبر مبتداء خبر مل کر جملۂ اسمیہ خبریہ ہوا اور اس کا عطف کلام سابق پر ہے۔

## منافقین کے دل کا روگ اور مرض

**تفسیر:**......یعنی ان کی فریب بازی اس لئے ہے کہ ان کی فطرت میں صحت و سلامتی نہیں اور دل پر مرض ناراستی عارض ہے۔ پس جوں

جوں فطرت کو درست کرنے والی اور روح کو صحت بخشنے والی باتیں نبی ﷺ پر نازل ہوتی گئیں، ان کی برخلافی سے اس اصلی مرض میں ترقی ہوتی گئی۔ ع ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' جس طرح جسمانی امراض کا نتیجہ موت ہے، اسی طرح روحانی امراض کا ثمرہ اس عالم میں عذاب الیم ہے۔ آسمانی پانی ہر درخت اور تخم کی بالیدگی کا باعث ہے مگر کسی درخت میں اسی پانی سے کانٹے اور کڑوے پھل آتے ہیں اور جس کا تخم اچھا ہوتا ہے، اس سے عمدہ اور خوشبودار پھول اور پھل نکلتے ہیں۔ اسی طرح قرآن جو تخم روح کے لئے آسمانی پانی ہے، اس سے مؤمنوں کو شفاء ہوتی ہے اور جن کی جبلت میں کجی ہے، ان کو زیادہ مرض پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ مرض اس عالم میں بصورت عذاب الیم ظاہر ہوتا ہے۔

## متعلقات مرض، الیم اور کذب

**مرض:** لغت میں بدن کی اس حالت غیر طبعی کو کہتے ہیں کہ جو افعال طبعیہ میں خلل انداز ہوتی ہے اور مجازاً ان اعراض نفسانیہ کو بھی کہتے ہیں کہ جو نفس کے کمالات میں مخل ہوتے ہیں، جیسا کہ جہل اور بدعقیدگی اور کینہ اور حسد اور شہوت اور حب دنیا اور جھوٹ اور ظلم وغیرہ کیونکہ جس طرح مرض سے کمال بدن یا حیات زائل ہو جاتی ہے اسی طرح ان سے حیات ابدی اور اس کے کمالات زائل ہو جاتے ہیں اور روح پر تاریکی پیدا ہوتی ہے۔

**الیم:** اے مولم (الم جس کو درد کہتے ہیں) ادراک نا ملائم ہے۔ ہر چند بدن میں نا ملائم حالت تفرق اتصال زخم و شگاف ہو مگر جب تک ادراک نہ ہوگا جیسا کہ دوا بیہوشی کلورافام میں ہوتا ہے کچھ دکھ نا معلوم ہوگا۔ اسی طرح اس عالم میں روح کو طلسم دنیا کی کلورافارم نے بیہوش کر رکھا ہے۔ جب موت کے بعد یہ بیہوشی دور ہوگی تو ہر شخص کو اپنے روحانی امراض کا دکھ معلوم ہوگا اور اس عالم کی ڈھٹ بندی کا راز معلوم ہوگا۔

باش تابند روئے بکشایند ☆ باش تابا تو در حدیث آیند
تاکیان را نشانده بردر ☆ تاکیان را گرفتہ دربر

**کذب:** یعنی جھوٹ اس خبر کو کہتے ہیں جو خلاف واقع ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ جو خلاف اعتقاد ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ جو اعتقاد اور واقعہ دونوں کے خلاف بیان ہو، اس کو کذب کہیں گے۔

**نکات:**......(۱) اس آیت میں بھی خدا تعالیٰ نے امر واقعی کی رعایت رکھی۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سے یہ بات بتلا دی کہ دنیا میں ہدایت اور گمراہی یا سعادت اور شقاوت جو کچھ پیش آتی ہے، وہ اصلی استعداد اور جبلی قابلیت کے موافق پیش آتا ہے۔ جو ازلی مریض ہیں اور ان کی روح کا مزاج فاسد ہے، ان سے اس عالم میں ویسے ہی افعال نا مطلوب سرزد ہوتے ہیں اور فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ان امور کا اصل خالق خدا تعالیٰ ہے گو مجازاً کسی اور کی طرف بھی اسناد ہو اور وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ سے یہ بات بتلا دی کہ اس کے افعال پر سزا و جزا مرتب ہوتی ہے۔

(۲) جس طرح اس آیت بِمَا كَانُوْا...... سے ان لوگوں کے خیال باطل کے رد کی طرف اشارہ ہے کہ جو کہتے ہیں کہ عالم محض توہمات و خیالات ہیں، کسی چیز کی کچھ اصل نہیں۔ نہ کوئی کرم (فعل) مؤثر ہے، نہ کوئی گیان (علم) آخرت میں نافع ہے، نہ مضر جیسا کہ حکماء سوفسطائیہ اور بیدانتیوں کا مذہب اور عیسائی بھی بموجب فتوئی پولوس شریعت سے آزاد ہیں، اسی طرح فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا سے اس فریق کے خیال باطل کی طرف اشارہ ہے کہ جو افعال (کرم) ہی کو مؤثر بالذات جانتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کے وجود و قدرت کے منکر ہیں جیسا کہ ''بودھ میمانسا'' اہل ہند میں سے اس کے معتقد ہیں۔

(۳) بِمَا کَانُوْا سے عذاب آخرت کی طرف اشارہ کر دیا تا کہ جو لوگ بطور تناسخ یا بطور ترقی مال و جاہ اسی عالم میں جزا و سزا کے قائل ہیں، ان کا خیال باطل رد ہو جائے۔

(۴) عذاب کو کذب سے متعلق کیا تا کہ اس سے جھوٹ کا حرام ہونا ثابت ہو اس لئے اسلام میں بالاتفاق جھوٹ بولنا حرام قرار دیا گیا۔ یہ وہ فعل ہے کہ جس کے قبح پر اکثر بنی آدم متفق ہیں۔ اب اگلی آیتوں میں خدا تعالیٰ ان کے مرض قلب کو ثابت کرتا ہے کہ وہ بری باتیں کرتے ہیں اور ان کو بھلی سمجھتے ہیں۔ جس طرح کوئی مریض کڑوی چیز کو میٹھی یا بالعکس تصور کرتا ہے اور یہ جہل مرکب ہے۔ حکماء کے نزدیک یہ مرض لاعلاج ہے۔ پس فرماتے ہیں:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫

ترجمہ: اور جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد نہ کیا کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں ⑪ دیکھو یہی تو مفسد ہیں لیکن ان کو خبر بھی نہیں ⑫۔

ترکیب: ......اذا حرف شرط، قِيْلَ لَهُمْ فعل؛ مجہول، لَهُمْ متعلق قیل کے. لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ مفعول، مالم یسم فاعلہ ہوا قیل کا۔ یہ دونوں مل کر شرط ہوئے اور قَالُوْٓا فعل، اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ جملہ اس کا مفعول فعل اپنے فاعل ضمیر ھم اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جواب ہوا شرط کا، شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ہوا یکذبون یا یقول پر ان مشبہ بفعل ھم اس کا اسم اور هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ مبتداء و خبر جملہ اسمیہ بن کر ان کی خبر۔ وَلٰكِنْ کلمہ استدراک، اس کا مابعد لَّا يَشْعُرُوْنَ جملہ استدراکیہ۔ الا حرف تنبیہ جو صدر جملہ پر تنبیہ مخاطب کے لئے آتا ہے۔ یہ جملہ خبریہ مستانفہ ہے جواب میں ان کے قول کے۔

## اہلِ فتنہ و فساد کی بے شعوری

تفسیر: ......یعنی مرض قلب ان پر یہاں تک غالب آ گیا ہے کہ ان کو نیک اور بد میں بھی تمیز نہیں۔ کس لئے کہ جب کوئی مومن یا رسول اللہ ﷺ یا خدا تعالیٰ ان سے یہ فرماتے ہیں کہ تم ملک میں فساد نہ ڈالو یعنی گناہ اور چغل خوری اور غمازی نہ کیا کرو تو اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو بھلائی کرتے ہیں۔ وہ اس گناہ اور غمازی کو بھلائی سمجھ گئے۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھو یہی لوگ مفسد ہیں مگر بے شعور ہیں کہ ان کو اپنے فساد اور صلاح میں تمیز نہیں۔ معاذ اللہ تعالیٰ جب انسان اپنے عیب کو عیب نہیں سمجھتا تو بڑی خرابی میں پڑتا ہے اور صدہا آدمی دنیا میں ایسے اندھے ہیں کہ ان کو حقیقت امر معلوم نہیں ۔

چشم باز و گوش باز و این ذکا
خیرہ ام از چشم بندی خدا

ایک عالم اس جہل مرکب میں گرفتار ہے۔ کوئی خدا تعالیٰ کا تقرب سمجھ کر بتوں کو پوجتا ہے۔ کوئی توحید سمجھ کر تثلیث کی دلدل میں گرفتار ہے۔ کوئی بامید سلطنت آگ کی دھونی رمائے بیٹھا ہے۔ کوئی حوسِ خام دل میں پختا کر کے دریا کے کنارے آسن جمائے بیٹھا ہے۔ ہزاروں لوگ گنگا میں غوطہ لگا کر گناہوں سے پاک سمجھ کر دور دراز سے آتے اور مشقت اٹھاتے ہیں۔ اہل دنیا شب و روز لین دین، بیع شراء میں غرق ہیں۔ نہ مرنے کی مہلت اور نہ جینے کی فرصت۔ صدہا دنیا پرست حکام کی خوشامد اور ترقی مناصب میں شب و روز سرگرم اور اس کو

فوز کبیر اور مقصد اصلی سمجھتے ہیں۔ الغرض

ہر کس بہ خیال خویش خبطے دارد

لیکن جب اس طرف سے آنکھ بند ہوگی اور اس عالم کی چیزیں دکھائی دیں گی تو حسرت و افسوس ہوگا۔

**متعلقات:**..... **فساد:** کسی شی کا اعتدال سے باہر ہونا اور جو نفع کہ اس سے مقصود ہو، اس کے قابل نہ رہنا۔ اس کی نقیض صلاح ہے یعنی جس طرح فساد میں بگڑنا ہے، ویسا ہی صلاح کے معنی سنورنا معتبر ہے۔ اس جگہ فساد سے مراد بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما و حسنؒ و قتادہؒ معاصی ہیں، کیونکہ جب دنیا میں گناہگاری، چوری، قتل، زنا، فتنہ انگیزی، شرک و کفر کی اشاعت ہوتی ہے تو انتظام عالم میں خلل آجاتا ہے اور قیل کے فاعل یعنی کہنے والے اس جگہ مؤمن یا رسول اللہ ﷺ یا خدا ہے نہ کے کفار و اشرار ❶۔

**نکات:**..... جس طرح منافقین نے بزعم فاسد اپنے فساد کو صلاح بنایا اور اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ میں صلاح کا انحصار اپنے ہی نفس پر کیا تھا، اسی طرح اس کے رد میں لفظ اَلَآ اور اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ کلمہ انحصار فرمایا کہ بلا شک یہی مفسد ہیں تا کہ کلام مقتضیٰ حال کے مطابق ہو جائے۔ یہ ان منافقوں کی دوسری حرکت ناشائستہ تھی، اب تیسری حرکت ناشائستہ یہ ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬

اور جب ان سے (یہ) کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ تم بھی جیسا کہ اور لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح احمق ایمان لے آئے۔ دیکھو یہی لوگ بے وقوف ہیں مگر (یہ) جانتے نہیں ⑬۔

**ترکیب:**..... اذا حرف شرط، قیل فعل مجہول، قول اس کا مفعول، مالم یسم فاعلہ محذوف اور لھم متعلق ہے قیل کے اور امنو فعل با فاعل، اس کی تفسیر كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ بتاویل امنو ایمانا مثل ایمان الناس مصدر محذوف کی صفت، قالو فعل با فاعل اور انؤ من... جملہ اس کا مفعول جواب ہوا شرط کا۔ الا حرف تنبیہ انھم..... اسم وخبر ان کی۔ مل کر جملہ مستانفہ ہوا اور لکن حرف استدراک، لا یعلمون جملہ استدراکیہ۔

## منافقین ہی بے وقوف ہیں

**تفسیر:**..... یعنی جب ناصح ان سے یہ کہتا ہے کہ ایمان حقیقی لاؤ کہ جس سے ترک فتنہ و فساد و نفرت دنیا و اغراض از لذات فانیہ حاصل ہو اور وہ ایمان مردان خدا کے ایمان کے مثل ہو کہ جو نفع و نقصان دنیا کو آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جانتے، اس عالم کو فانی سمجھ کر عالم

❶..... پس وہ جو تفسیر القرآن صفحہ ۲۲ میں نیچری مفسر کہتے ہیں (قولھم و اذا قیل لھم ان آیتوں میں اس گفتگو کا اشارہ ہے جو منافق اور کافر آپس میں کرتے تھے یعنی کافر سمجھتے تھے کہ منافقوں کا اس طرح ظاہر میں اپنے تئیں مسلمانوں جتانا فساد ڈالنا ہے وہ ان سے کہتے تھے کہ فساد مت ڈالو اور اپنے تئیں مسلمان مت جتاؤ، جس طرح اور لوگ سچ مچ مسلمان ہو گئے تم بھی ہو جاؤ الخ) سراسر غلط ہے چند وجوہات سے۔ اول تو یوں کہ کافر منافقوں کے اسی ایمان کو فساد نہیں سمجھتے تھے بلکہ عین صلاح کہ مسلمان سے فریب کر کے ان کے راز ہاتھ لگتے ہیں۔ دوم ان کے قول کی تصدیق کلام الٰہی میں آنا ان کی عظمت پر دال ہے حالانکہ یہ خلاف مقصود ہے۔ سوم کافروں کی یہ ہرگز مرضی نہ تھی کہ تم سچ مچ کے مسلمان ہو جاؤ۔ علاوہ اس کے کوئی مفسر اس کا قائل بلکہ تفسیر کبیر میں یوں لکھا ہے (قولہ صفحہ ۲۸۷ و لا یجوز ان یکون القائل بذالک من لا یختص بالدین و النصیحۃ الخ۔ خان صاحب کو جب اس قدر وقوف نہ تھا تو تفسیر لکھنے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔ منہ۔

باقی کے لئے جان و مال صرف کرنے میں کچھ دریغ نہیں کرتے اور درحقیقت یہی آدمی ہیں ورنہ جو لوگ کہ عالم باقی کے مقابلہ میں ان چند روزہ نعمتوں پر مفتون ہیں، مجنون ہیں۔ پس اس کے جواب میں وہ منافق کہتے ہیں: کیا ہم بیوقوفوں کی مانند ایمان لائیں۔ خیالی جنت و دوزخ کے لئے مطالب و مقاصد دنیا چھوڑ بیٹھیں؟ میاں! دنیا، دین سے مقدم ہے۔ عالم آخرت اور وہاں کے نعماء کس نے دیکھے ہیں۔ جس کو یہاں عیش و آرام ہے اس کو ہر جگہ آرام ہے۔ جس طرح ہو سکے دنیا ہاتھ آئے

خرس باش و خوک باش و یا سگ مردار باش
ہر چہ باشی باش عرفی اند کے زردا رباش

اور کسی نے کہا ہے:

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت واعظ
دل کے بہلانے کو لیکن یہ خیال اچھا ہے

یہ لطیف زندگانی اور یہ مزے اور یہ جلسے کون چھوڑے؟ ادھار پر نقد کو کون ہاتھ سے دے؟ اور کیا ہم ان لوگوں کی مانند ہو جائیں کہ جو دنیا اور ہر طرف کے عیش چھوڑ کر شب و روز خدا کی یاد میں مشغول ہیں، اپنے منافع پر بھی نظر نہیں کرتے۔ مناسب ہے کہ دنیا سازی کی جائے۔ اگر ان مسلمانوں کا دور دورہ رہا تو ان کے یار بنے رہیے اور در پردہ مخالفوں سے بھی سازش رہے کیونکہ اگر ان کا وقت آئے گا تو بھی ہمارا مدعا ہاتھ آئے گا۔ ایک طرفہ ہو جانا عقلمندوں کا کام نہیں۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: خبردار! یہی لوگ احمق اور بیوقوف ہیں کیونکہ ہر روز اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ کیسے کیسے نوجوان حسین اور کیسے کیسے با اقبال اور ذی اقتدار اور کیسے کیسے بادشاہ ہفت کشور اور کیسے کیسے عیش و آرام اٹھانے والے ہزاروں من مٹی کے تلے آتے جاتے ہیں

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم!
تو نے یہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

اب نہ ان کے وہ سامان عیش ہیں، نہ ارباب جلسہ ہیں، نہ وہ مال و زر ان کے پاس موجود ہے۔ پھر جب آخر کار ایک یہ عیش و آرام ہاتھ سے جانا ہے (غایۃ الامر دس بیس برس بعد)۔

اس چند روزہ حظ دنیا پر دل لگانا عبث ہے۔

قابو میں ہوں میں تیرے گر اب جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسی نے ٹک دم لیا تو پھر کیا

پس اس عالم بقاء کے مقابلہ میں کہ جس کا زمانہ غیر متناہی ہے، ان لذائذ حسیہ پر مفتون ہونا اور اس یقینی امر کے لئے کچھ بندوبست نہ کرنا حماقت اور پرلے درجے کی سفاہت ہے۔ جس طرح نادان بچے ذرا سی مٹھائی سے بہل جاتے ہیں اور عمدہ چیز کو ہاتھ سے دے دیتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ ہیں اور جب عالم آخرت حق ہے اور جانا بھی حق ہے اور اس کے ہادی بھی برحق ہیں اور ان کا وعدہ بھی سچا ہے تو پھر مذبذب رہنا اور بھی حماقت ہے۔ مگر وہ امراض قلب میں گرفتار ہیں، ان کو اس امر کی خبر نہیں۔

**متعلقات:**...... **سفہ:** ہلکا پن۔ عرب بولتے ہیں: سفہت الریح الشئ اڑا لے گئی اس چیز کو ہوا۔ پھر اس کا اطلاق بیوقوفی اور حماقت میں بسبب خفیف ہونے عقل کے آتا ہے۔ **سفیہ** بروزن فعیل اسم فاعل بمعنی بیوقوف۔ **سفہاء** اس کی جمع ہے۔ سفاہت کے مقابلہ میں

اناءت (کہ جس کو تانی بھی کہتے ہیں) اور حلم آتا ہے کہ جس کی معنی سوچ اور سمجھ کے ہیں۔

الناس ۔ میں الف لام جنس کے لئے ہے جس سے مراد کامل ہیں کیونکہ جنس بول کر فرد کامل ہیں کیونکہ جنس بول کر فرد کامل مراد لیا جاتا ہے۔ ہمارے محاورے میں بھی کہتے ہیں کہ فلاں انسان ہے اور فلاں آدمی نہیں۔ یعنی کامل انسان ہے اور کامل آدمی نہیں اور عرب میں بھی اس معنی کے لئے استعمال آیا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے

بلاد بها كنا و كنا نحبها

اذا الناس ناس والزمان زمان

یعنی ہمارا وطن عمدہ تھا، ہم وہاں رہا کرتے تھے اور اس سے محبت کرتے تھے۔ جب کہ آدمی، آدمی تھے اور زمانہ، زمانہ تھا۔ یعنی اچھا زمانہ اور اچھے لوگ تھے۔ پس اس تقدیر پر اہل ایمان ہی آدمی ہیں کیونکہ جو ایسے نہیں وہ آدمی نہیں۔ یا لام عہدی ہے جس سے اشخاص معہود مراد، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

**نکات:**...... ① فساد کے ذکر میں تو منافقین کو لا یشعرون کا لقب دیا اور ایمان نہ لانے کے بارے میں لا یعلمون فرمایا۔ اس میں ایک یہ نکتہ ہے کہ فساد امر محسوس ہے اور لا یشعرون بھی محسوسات میں بولا جاتا ہے، بخلاف ایمان کے اس پر مطلع ہونا از قسم علم ہے کہ جو نظر تأمل سے حاصل ہوتا ہے۔ دوم سفہ ایک قسم کا جہل ہے، اس کے مقابلہ میں علم کا لانا کمال بلاغت ہے۔

② منافقوں کے قبح بیان کرنے میں ایک اور نکتہ مرعی رکھا ہے، وہ یہ کہ لا یشعرون اور لا یعلمون کے مفعول کو ذکر نہیں کیا تا کہ ان کی بے شعوری اور جہالت عام طور پر ثابت ہو جائے۔ یعنی یہ بات نہیں کہ وہ فلاں بات نہیں جانتے، بلکہ کچھ بھی نہیں جانتے۔

③ نصیحت کو پورا کر دیا۔ اول جملہ میں لَا تُفْسِدُوْا اور دوسرے میں امنوا فرمایا، کیونکہ نیکی کے دو جز ہیں: بری باتوں سے بچنا اور اچھی باتوں کو عمل میں لانا۔ اب خدا تعالیٰ ان کی چوتھی خصلت ناز یبا بیان فرماتا ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ
اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮

اور جب ایمانداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیاطین کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو (ان سے) دل لگی کیا کرتے ہیں ⑭ (حالانکہ) اللہ تعالیٰ ان سے دل لگی کیا کرتا ہے اور ان کو ان کی گمراہی میں ڈھیل دے رہا ہے، وہ اندھے ہو رہے ہیں ⑮

**ترکیب:** ...... و او حرف عطف کہ جو کلام سابق پر ہے، اذا حرف شرط، لقوا کہ دراصل لقیوا تھا، فعل با فاعل اور الذین امنو ا موصول و صلہ جملہ اس کا مفعول، یہ اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شرط ہوا۔ قالو ا فعل با فاعل، امنا مفعول، سب مل کر جواب ہوا شرط کا اور جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ اذا حرف شرط، خلو ا فعل با فاعل، الی شیاطینهم متعلق ہوا خلوا کے، یہ سب شرط ہوئی اور قالو ا فعل با فاعل، انا معکم جملہ اسمیہ، اس کا مفعول انما نحن مستهزون جملہ اسمیہ اس کی تاکید یا بدل، سب مل کر جواب ہوا شرط کا اور جملہ شرطیہ بن کر عطف ہوا پہلے جملے پر۔ لفظ اللہ مبتداء یستهزی بهم جملہ، اس کی خبر معطوف علیہ، و حرف عطف، یمدهم جملہ فعلیہ معطوف، فی طغیانهم متعلق ہے یمد کے، یعمهون جملہ فعلیہ حال ہے، یمدهم کی ضمیر هم مفعول ہے۔

## منافقین کا مؤمنین سے استہزاء

**تفسیر:**......یعنی جب وہ منافق مسلمانوں سے ملتے تھے تو ان کو خوش کرنے کو کہتے تھے کہ ہم بھی ایمان لائے اور جب اپنے سرداروں کے پاس جاتے ہیں تو نہایت تاکید سے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ ہم تو مسلمانوں سے بطور دل لگی کے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیتے ہیں۔ وہ بیوقوف سیدھے سادھے لوگ ہیں، ہماری اس بات کو سچ جان کر ہمیں اپنے رازوں اور دلی ارادوں سے مطلع کرتے اور فوائد میں شریک بنا لیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے کیا دل لگی اور مسخرہ پن کر رہے ہیں، خدا تعالیٰ ان سے دل لگی کر رہا ہے کہ ان کو اس حالت خراب میں چھوڑ رکھا ہے کہ جس کا نتیجہ دین و دنیا میں خراب اور آخرت میں روح کو سخت عذاب ہے۔

**متعلقات استہزاء مکر اور خداع وغیرہ اوصاف کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب مجازاً ہے:**

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ۔ استہزاء اور مکر اور خداع وغیرہ اوصاف کو جو آیات قرآنیہ میں خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے تو مجازاً کیا گیا ہے، کس لئے کہ یہ اوصاف ذمیمہ ہیں، ان سے وہ پاک ہے۔ مگر محاورہ میں ایک فعل پر کسی مناسبت سے اکثر دوسرے فعل کا اطلاق آتا ہے، بولتے ہیں جس طرح تم پر کوئی ظلم کرے اسی قدر تم بھی اس پر ظلم کرو، حالانکہ ظلم کے مقابلہ میں جو کچھ جزائے مناسب دی جائے، وہ ظلم نہیں۔ مگر وہ دونوں فعل باہم مناسبت رکھتے ہیں، اس لئے اس پر بھی ظلم کا اطلاق آیا۔ قال تعالیٰ: و جزاء سيئة سيئة۔ پس وہ لوگ جو دینداروں کے ساتھ مکر اور ٹھٹھا کرتے ہیں، خدا تعالیٰ ان کو اس فعل بد کی جزاء دیتا ہے۔ لیکن اس جزاء پر ایک مناسبت مکر اور ٹھٹھے کا اطلاق آیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منسوب ہوا اور یہ ایک محاورے کی بات ہے، اس پر طعن کرنا سراسر بیوقوفی ہے۔ بعض پادری اور ہندو مسلمانوں کو ان آیات سے ان الزامات کا جواب دیا کرتے ہیں جو ان کی کتب دینیہ سے ثابت ہوتے ہیں جن میں خدا تعالیٰ کی ذات مقدس میں جسمانیت اور حدوث اور جہل وغیرہ امور کو ثابت کیا ہے۔ مگر یہ سراسر ناانصافی ہے یا ان آیات کے مطالب سے لاعلمی یا عمداً کجروی ہے۔

**طغیان:** بالضم والکسر ایک جگہ مقرر سے تجاوز کرنا، بولتے ہیں۔ طغی الماء جس وقت پانی اپنی حدود سے تجاوز کرتا ہے اور حد سے بڑھ جاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد سرکشی اور کفر میں حد سے بڑھ جانا ہے۔ لفظ شیطان کی تحقیق مقدمۂ کتاب میں ہو چکی ہے۔ یہاں اس سے مراد کفر کے سردار ہیں۔

**عمه:** اور عمی دونوں کے معنی اندھاپن اور نابینائی کے ہیں مگر عمیٰ کا اطلاق ظاہری آنکھوں کے اندھا ہونے پر اور عمه دل کی آنکھوں کے اندھا ہونے پر آتا ہے۔

**نکات:**......(۱)......منافقین اپنی چالاکی سے ایمانداروں کو ان کے بھولے پنے سے بیوقوف سمجھ کر اپنا ایمان جتلانے میں قسم اور کلام مؤکد کی ضرورت نہ سمجھتے تھے، اس کو تو خدا تعالیٰ نے اٰمَنَّا کے ساتھ تعبیر کیا اور کفار بالخصوص کفر کے سردار تو بڑے چلتے پرزے اور پرلے درجے کے ہوشیار تھے، وہ بغیر قسم اور کلام مؤکد کے کس لئے اعتبار کرتے اس لئے ان سے انا معکم بتاکید کہتے اور بجائے کفر کے ان سے معیت جتلاتے تھے۔

(۲)......خدا تعالیٰ کے مقدس لوگوں سے ہنسی کرنا خدا تعالیٰ سے ہنسی کرنا ہے اور ان کا ادب اور ان سے محبت کرنا خدا تعالیٰ کا ادب اور اس سے محبت کرنا ہے۔ اس بات کے بتلانے کو خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تم میرے بندوں سے ہنسی کرتے ہو، ان کی طرف سے میں تمہارے ساتھ ہنسی کرتا ہوں کہ تم کو گمراہی میں چھوڑ رکھا ہے جس کو تم بھلا سمجھتے ہو اور نتیجہ اس کا برا ہے۔

(۳)......اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ میں لفظ اللہ کو مقدم کر کے یہ بات جتلا دی کوئی اور نہیں بلکہ خدا تم سے ہنسی کر رہا ہے۔ پھر دیکھو اس کی ہنسی کیسی ہے۔ جس طرح بادشاہ اپنے نمک حلال نوکر کی طرف سے اس کے مخالف کو یوں کہے کہ تجھ سے بادشاہ مقابلہ کر رہا ہے تا کہ اس کو خوف پیدا ہو اور اپنی حرکت ناشائستہ سے باز آئے۔

(۴)......اللہ مستھزئ نہ کہا کہ جو ظاہر میں مطابق تھا مگر اس نکتہ کے لئے یستھزئ جملہ فعلیہ فرمایا کہ تجدد اور حدوث پر دلالت کرے اور وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے مصائب کا نازل ہونا ان کو معلوم ہو جائے۔ کما قال: اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ الآية۔ اب اگلی آیتوں میں خدا تعالیٰ منافقوں کے اس فعل بد کا نتیجہ بڑے لطف کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے عمر عزیز صرف کر کے کیا حاصل کیا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ:......یہ (منافق) وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہدایت دے کر گمراہی خریدی۔ سو ان کی تجارت سے کچھ بھی نفع نہ ہوا اور نہ وہ (تجارت کرنا ہی) جانتے تھے ﴿۱۶﴾

ترکیب:......اُولٰٓئِكَ مبتداء اَلَّذِيْنَ موصول۔ اشْتَرَوُا الخ جملہ فعلیہ، اس کا صلہ مجموعہ بن کر خبر ہوئی۔ فا تفریعیہ، ما حرف نفی، رَبِحَتْ فعل، تِجَارَتُهُمْ فاعل مجموعہ جملہ فعلیہ خبریہ معطوف علیہ اور وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ جملہ ہو کر اس پر معطوف۔

## گھاٹے کی تجارت

تفسیر:......یعنی وہ جو انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک فطری ہدایت ہے (کہ اگر اس کو کوئی عوارض و موانع پیش نہ آئیں تو اس کی وجہ سے نیکی اور حیات ابدی کے راستے پر چل سکے) ان منافقوں نے اپنے اندر اخلاق رزیلہ اور ملکات فاسدہ پیدا کر کے اس نور فطرت کو بجھا دیا (جس کو خدا تعالیٰ نے ہدایت کے بالعوض گمراہی خریدنے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے) ان لوگوں نے اپنے نزدیک بڑی عمدہ اور نفع دینے والی تجارت کی تھی کہ منہ سے کلمہ توحید کہہ دیا اور اس کی بدولت منافع دنیا کو حاصل کیا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس تجارت میں نفع نہ ہو کیونکہ عمر عزیز اور نور فطرت کہ جس کی کوئی قیمت نہیں، اس کو صرف کر کے دنیا چند روزہ اور شہوات نفسانیہ حاصل کرنا دُرِّ بے بہا دے کر مٹی کا کھلونا لینا ایسا ہے جیسا کہ احمق اور لڑکے کرتے ہیں

کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے
تہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے

اور نہ سرے سے ان لوگوں کو تجارت کرنی آئی کیونکہ تجارت یہ تھی کہ اپنی جان و مال خدا تعالیٰ کی راہ میں صرف کر کے حیات ابدی حاصل کرتے، جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾......اصل مال فطرت سلیمہ کو بھی برباد کر دیا اور نفع بھی نہ ملا۔ اب خدا تعالیٰ ان کی حالت کو اور زیادہ تشریح سے بیان فرماتا ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿١٨﴾

ان کی مثل اس شخص کی سی ہے کہ جس نے آگ سلگائی۔ پس جب اس کے آس پاس روشنی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی بجھادی اور ان کو اندھیریوں ❶ میں چھوڑ دیا کہ (کسی طرح) نہیں دیکھتے ﴿۱۷﴾ (وہ) گونگے، بہرے، اندھے ہیں پس وہ (کسی طرح) راہ پر نہ آئیں گے ﴿۱۸﴾۔

**ترکیب:**......مثلهم مبتداء، کمثل الخ موصول وصلہ سے مل کر اس کی خبر۔ کاف بمعنی مثل ہے اور ممکن ہے کہ محذوف کے متعلق ہو۔ لما حرف شرط، اضاءت فعل، نار اس کا فاعل، ما حوله ای حول المستوقد اس کا مفعول۔ ممکن ہے اضاءت لازمی ہو، پھر ما اس کا فاعل قرار دیا جائے اور تانیث اضاءت بالحاظ معنی ما ہو کہ جس سے مراد اشیاء یا اماکن ہے، اس تقدیر پر ما ظرف ہوگا۔ لفظ ما کی تین صورتیں ہیں: ایک بمعنی الذی، دوم نکرہ موصوفہ ای مکانا حوله سوم زائدہ۔ ذهب فعل، اللہ فاعل، بنورهم بواسطہ باء تعدیہ مفعول، هم ضمیر جمع راجع ہے طرف الذی کے جو بمعنی جمع ہے۔ یہ سب جملہ معطوف علیہ وترکهم فعل با فاعل مفعول اول، فی ظلمات مفعول ثانی۔ کس لئے کہ ترک متضمن بمعنی صیر ہے لا یُبْصِرُوْنَ جملہ فعلیہ حال ہے هم مفعول سے، یہ سب جملہ معطوف ہوا۔ معطوف علیہ ومعطوف مل کر جواب ہو الما کا۔ صم......خبر مبتداء محذوف کی جو هم ہے۔ فهم مبتداء لا یرجعون خبر جملہ مستأنفہ۔

## منافقین کی مثال

**تفسیر:**......یعنی ان منافقوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کہ کسی نے آگ جلائی اور جب اس کی روشنی چمکی تو فوراً گل ہوگئی اور وہ شخص ہکا بکا، حیران و پریشان رہ گیا۔ اسی طرح ان کا حال ہے کہ ان کا وہ نور فطرت (کہ جو خدا تعالیٰ نے ہر انسان میں ودیعت رکھا ہے) ذرا چمکا تھا یعنی ہر خیر وشر کے پہچاننے اور سعادت وشقاوت پر مطلع ہونے کا وقت آیا تھا تو اسی وقت خدا تعالیٰ نے بجھا دیا یعنی ان کے نفاق اور تعصب اور عناد اور حب مال وجاہ کی آندھی ظلمت خیز نے اس چراغ فطرت کو گل کر دیا۔ پس اب یہ بہرے ہیں، کسی ہادی کی بات سن نہیں سکتے اور گونگے بھی ہیں کہ اپنی بیماریٔ دل کو حکیم روحانی سے بیان کر کے علاج پذیر بھی نہیں ہو سکتے اور خود بھی اندھے ہیں کہ از خود خدا تعالیٰ کے آثار قدرت دیکھ کر راہ پر نہیں آسکتے۔ جب یہ ہے تو اب ان کے ہدایت پر آنے کی کیا صورت؟ یا یوں کہو کہ انہوں نے آگ جلائی اور اردگرد روشنی ہوئی یعنی دنیا میں کلمہ توحید کو آڑ بنا کر غنائم اور حفظ جان ومال وغیرہ فوائد حاصل کئے مگر مرتے ہی یہ چراغ گل ہو گیا تو افعال بد اور جہل مرکب اور قبر کی تاریکیوں ❷ میں ہاتھ ملتے رہ گئے۔ اب وہاں نہ اکتساب حسنات کا کوئی ذریعہ ہے، نہ وہاں سے رجوع کر کے دنیا میں آسکتے ہیں۔

**متعلقات:**......مثلهم: مثل لغت میں بمعنی مثل اور مانند ہے۔ بولتے ہیں: مثل اور مثل و مثیل جیسا کہ شبہ و شبہ و شبیہ ایک ہی

❶......ظلمات جمع کا صیغہ لایا گیا تا کہ معلوم ہو کہ ایک اندھیری نہ تھی بلکہ بہت سی جہل کی، حب جاہ کی، حب مال کی، حب لذات کی اور آخرت سے غفلت کی، خدا سے غفلت کی کہ جو سب ظلمتوں سے زیادہ ہے۔ حقانی۔ ❷......مدینہ کے لوگ اول تو سب آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے سے خوش ہوئے تھے اور اس ابتدائی حالت میں ان پر اسلامی انوار پرتو فگن ہوئے اور ظلمات جہل اور شہوات دور ہو گئے، نیک و بد کا امتیاز ہونے لگا۔ یہ تھی وہ روشنی جس کو خدا تعالیٰ نے روشن کیا تھا مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد بعض لوگ اغراض دنیا اور حب شہوات اور لذات فانیہ میں پھر مبتلا ہو گئے جس کو نفاق سے تعبیر کیا ہے تو وہ انوار بھی ان سے دور ہو گئے اور پھر اپنی ظلمت میں حیران و پریشان ہو گئے۔ ان کی اس حالت کو اس مثال میں بیان فرمایا۔ منہ

معنی کے لئے آتا ہے، پھر مثل اس کہاوت مشہور کو کہنے لگے کہ جس میں کسی کی غرابت (عمدگی) کی وجہ سے مواقع بیان کو اصلی حال کے ساتھ تشبیہ دینا منظور ہو۔ جس طرح ہمارے محاورے میں جہاں کوئی برعکس معاملہ ظہور میں آتا ہے تو یہ مثل کہتے ہیں ''بیل نہ کودا کودے کون'' ''یہ تماشہ دیکھے کون'' یعنی جس کا حق کرنے کا تھا اس نے یہ کام نہ کیا۔ اب اس اصلی موقع کو اس کی اصلی حال کے ساتھ جہاں گو نا گوں کو نافرض کیا گیا ہے، تشبیہ دی گئی ہے اور مثل میں یہ شرط ہے کہ کوئی نادر بات ہو اس لئے اصل کلام کو نہیں بدلتے۔

تشبیہ اور مثل میں علماء بلاغت کے نزدیک یہ فرق ہے کہ مثل کلام مرکب ہوتا ہے اور تشبیہ مفرد کو شامل ہے جیسا کہ زید کو شیر کہا جائے۔ امثال کے بیان کرنے سے دل میں معانی کا عمدہ طور پر جما دینا مقصود ہوتا ہے کیونکہ ایک خیالی اور معنوی بات کو محسوس بنا کر دکھا دیا جاتا ہے۔ دیکھئے اگر کسی کا ضعف یوں ہی بیان کیا جائے تو وہ اس قدر موثر نہیں ہوتا جس قدر کہ اس کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دے کر بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور اسی رمز کے لئے حکماء اور خطباء اپنے کلام میں اکثر امثال لاتے ہیں اور اسی غرض سے کلام الٰہی میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔ اب تک بائبل میں بھی بے شمار امثال ہیں۔ قرآن میں بھی ہیں۔

**نار:** آگ کو کہتے ہیں اور نور اسی سے متعلق ہے جس کے معنی روشنی کے ہیں۔

**ظلمات:** ظلمت کی جمع ہے جس کے معنی اندھیرہ ہے اور چونکہ نار کو نور لازم ہے اس لئے ایک کا دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

**نکات:**......استوقد نارا کے بعد جواب شرط میں ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ فرمانا اور نارھم نہ کہنا یہ بات بتلاتا ہے کہ آگ جلانے سے ان کا مقصود روشنی تھی، اس مقصود کو خدا تعالیٰ نے فوت کر دیا۔ انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم کو خوب ثابت کر دیا اور ذھب کو باء کے ساتھ متعدی کیا، نہ کہ ہمزہ کے ساتھ تا کہ اس کے بالکل بجھ جانے پر دلالت کرے۔ کہتے ہیں: ذھب السلطان بماله جب کہ بالکل کچھ نہ چھوڑے اور اسی لئے ضو کو ذکر نہ کیا۔ اگر ذَهَبَ اللّٰهُ بِضَوْءِهِمْ کہتے تو احتمال تھا کہ اصل نور باقی رہ گیا، ضوء جاتی رہی ہو۔

مثال میں نور کے گم ہو جانے کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا (ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ) یعنی خدا تعالیٰ نے ان آگ جلانے والوں کی آگ بجھا دی. حالانکہ اس موقع پر آگ یا چراغ جو بجھ جاتا ہے تو خود بخود دیا ہوا سے بجھتا ہے۔ اس میں یہ باریک نکتہ ہے کہ دنیا میں جس قدر چیزیں اپنے اسباب وعلل پر مرتب ہوتی ہیں۔ جن کی آنکھوں میں نور حقیقی نہیں، وہ تو اس چیز کا سرزد ہونا اسی سبب اور علت سے جانتے اور اسی کو فاعل حقیقی یا موجد سمجھتے ہیں۔ مگر جن کو چشم بصیرت عطا ہے، وہ اپنی نظر کو قاصر نہیں کرتے بلکہ جس پر ان اسباب وعلل کا سلسلہ تمام ہوتا ہے یعنی جو ان اسباب اور علتوں کا پیدا کرنے والا اور ان سب کی علت ہے، اس کی طرف نظر ڈالتے اور ان درمیانی اسباب وعلل کو واسطہ محض جان کر اس فعل کو اس مسبب الاسباب کی طرف منسوب کر دیتے ہیں پس اس سر کو بتلانے کے لئے خدا تعالیٰ نے ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ فرمایا اور اسی طرح دیگر مقامات پر بھی ان افعال کو جو بظاہر کسی اور فاعل سے سرزد ہوتے ہیں، اپنی طرف منسوب کیا۔ منجملہ ان کی وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ہے۔ کیا خوب کہا کسی نے ؎

گر گز مدت رسد زخلق مرنج ☆ کہ نہ راحت رسد زخلق نہ رنج
از خدا دان خلاف دشمن و دوست ☆ کہ دل ہر دو در تصرف اوست
گرچہ تیر از کمان ہے گزرد ☆ ازکمان دار بیند اہل خرد

**فوائد:**......بعض مفسرین یہ کہتے ہیں ذھب اللہ الخ الگ جملہ ہے۔ مثال اس سے اول تمام ہو چکی۔ یہ جملہ صرف منافقوں کی حالت بیان کرنے کے لئے آیا ہے۔ اب خدا تعالیٰ ان منافقوں کے لئے ایک اور مثال بیان کرتا ہے تا کہ اس حال کی اور بھی وضاحت اور توضیح

قباحت ہو جائے۔ پس فرماتے ہیں:

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ⑲

(ان کی مثال) آسمانی بارش کی ہے جس میں اندھیریاں اور کڑک اور بجلی بھی ہو (اور وہ) اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں موت کے ڈر سے ٹھونسے لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کافروں کے گھیرے ہوئے ہے ⑲۔

ترکیب:...... مثلھم مبتداء محذوف، کصیب اس کی خبر۔ تقدیر کلام یوں ہے: او مثلھم کمثل اصحاب صیب۔ عطف جملہ کا پہلے جملہ پر ہوا اور یہ کاف موضع رفع میں ہے، من السماء کائن کے متعلق ہو کر صیب کی صفت۔ ظلمات و رعد و برق بواو عاطفہ مبتداء مؤخر فیہ خبر مقدم اور ضمیر فیه کی راجع ہے صیب کی طرف یہ جملہ صیب کی صفت ہوا۔ یجعلون فعل با فاعل، اصابعھم مفعول فی اذانھم ظرف، من الصواعق متعلق یجعلون کے۔ حذر الموت مفعول لہ ہے یجعلون کا۔ یہ جملہ مستأنفہ ہے جو ان کا حال ظاہر کر رہا ہے اور ممکن ہے کہ حال ہو ضمیر فیہ سے۔ اللہ مبتداء، محیط بالکافرین خبر جملہ معترضہ ہے۔ محیط اصل میں محوط تھا۔ حاط یحوط سے کسرہ واؤ حاء کی طرف نقل ہوا تو واؤ یاء بن گیا۔

## منافقین کی دوسری مثال

تفسیر:...... یعنی منافقوں کی مثال آسمانی بارش کی ہے (کہ جس میں سراسر نفع ہے گو بظاہر اس میں بجلی اور کڑک اور بادلوں اور بارش اور رات کی اندھیریاں بھی ہوتی ہیں) یعنی مشقت اعمال مگر جس طرح انسانی طبائع اس کڑک اور بجلی کی چمک سے گھبراتی ہیں، کانوں میں انگلیاں کرتے ہیں، آنکھوں کو بند کر لیتے ہیں کہ مہیب آواز سنائی نہ دے، وہ چمک دکھائی نہ دے یعنی اس سے نفرت کرتے اور بھاگتے ہیں، اسی طرح منافق اس آسمانی بارش سے جو حیات ابدیہ کا پانی ہے یعنی اسلام اور قرآن مجید اور اس کے مواعظ حسنہ اور وعدہ وعید سے جن کی کڑک اور چمک بجلی کی چمک اور کڑک سے زیادہ ہے، دور بھاگتے ہیں، کانوں میں انگلیاں ڈالتے ہیں کہ وہ آیات اور حضور ﷺ کے مواعظ سننے میں نہ آئیں اور کوشش کرتے ہیں کہ آنے والی مصیبتوں سے جو دنیا و آخرت میں حب شہوات و لذات فانیہ سے پیش آنے والی ہیں، بچ جائیں مگر ہادیٔ برحق کی اس تلخ دوا پئے بغیر جس میں روحانی شفاء ہے، اس مرض الموت سے نجات نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کا جملہ مخلوق پر بالخصوص کفار پر قدرت کا پورا احاطہ ہے، کوئی کہاں بھاگ کر جا سکتا ہے اور کسی کی تدبیر کا بے بنیاد قلعہ کیا پناہ دے سکتا ہے؟ ذرا سی تلخ دوا یعنی مشقت پابندیٔ احکام الٰہی اور قدرے نفس کشی اور نفس کی مہار روکے بغیر جو اس کو لذات مال و جاہ کے عمیق گڑھے میں لئے جاتا ہے، دیگر تدابیر باطلہ سے شفا ڈھونڈھنا اور مصائب سے بچنا حمق ہے۔

متعلقات:...... او۔ اصل میں شک کے لئے وضع کیا گیا ہے کہ جہاں دو باتوں میں شک کے طور پر برابری ہو، وہاں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ پھر مطلقاً دو چیزوں کی برابری بیان کرنے میں استعمال ہونے لگا کہ جہاں شک مقصود نہیں۔ جیسا کہ بولتے ہیں: جالس الحسن او ابن سیرین کہ خواہ تو حسن کے پاس بیٹھ یا ابن سیرین کے، دونوں کے پاس بیٹھنا برابر ہے۔ اس مقام پر بھی یہ کلمہ اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے کہ منافقوں کو خواہ آگ جلانے والوں سے تشبیہ دو خواہ مینہ سے بھاگنے والوں سے، دونوں برابر ہیں۔

صیب۔ فیعل کے وزن پر صوب بمعنی نزول سے مشتق ہے جس کے معنی بارش اور بادل کے ہیں۔ مگر یہاں مراد بارش ہے۔

السَّمَاء۔ چند معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ افق کو بھی کہتے ہیں اور بادل کو بھی اور آسمان کو بھی۔ اصل میں سماء کا اطلاق اوپر والی چیز پر ہوتا ہے خواہ وہ بادل ہو خواہ وہ آسمان۔ اس جگہ بادل مراد ہے کیونکہ بارش وہیں سے نازل ہوئی ہے اور آسمان مراد لینا بھی ممکن ہے۔

رعد۔ اس آواز یا گرج کو کہتے ہیں کہ جو باہم بادلوں کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے جب کہ وہ ہوا سے چلتے ہیں۔

برق۔ وہ چمک اور روشنی ہے کہ جو بادلوں کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے جس کو بجلی کہتے ہیں۔ حکماء کہتے ہیں کہ جب قوائے فلکیہ عناصر میں تسخین وتبخیر کرتے ہیں تو عناصر باہم مخلوط ہو جاتے ہیں، پھر ان سے گوناگوں مخلوقات پیدا ہوتی ہیں۔

چنانچہ جب آفتاب کی گرمی پانی اور زمین پر پڑتی ہے تو دریا سے ابخرہ اور زمین سے دھواں سا اٹھ کر آسمان کی طرف جاتا ہے۔ پس دھواں کبھی کرۂ ہوا سے بھی گزر جاتا ہے اور کرۂ آتش تک پہنچتا ہے تو اس میں آگ لگ جاتی ہے پس وہ شعلہ ہو کر کبھی تو رات کو دم دار ستارہ سا نظر آتا اور کبھی نیزہ اور کبھی کوئی اور جانور یا درخت کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔

اگر وہ قدر قلیل ہے تو جلد جل کر تمام ہو جاتا ہے اور جو مادہ زیادہ ہوتا ہے تو مدت تک دکھائی دیتا ہے اور اس کی راکھ بھی بسا اوقات جھڑتی ہوئی لوگوں نے دیکھی ہے اور کبھی اس دھوئیں میں شعلہ نہیں پیدا ہوتا تو آسمان وزمین کے درمیان ایک عجیب سرخی نمودار ہوتی ہے اور وہ بخارات جو پانی سے اٹھتے ہیں، اگر وہ لطیف ہوتے ہیں اور اس قدر اونچے جاتے ہیں کہ جہاں تک زمین کی گرمی نہیں پہنچتی تو وہاں کی سردی سے منجمد ہو جاتے ہیں اور ان کو ابر یا بادل کہتے ہیں اور ان میں سے جو قطرات ٹپکتے ہیں، ان کو بارش اور کبھی وہ قطرات برودت کی وجہ سے منجمد ہو کر گرتے ہیں تو ان کو اولے کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ بخارات مجتمع پر سردی پہنچی تو برف بن کر زمین پر گرنے لگتے ہیں اور جو پہلے ہی سے سخت ٹھنڈک پہنچتی ہے تو اولے بن کر گرتے ہیں اور کبھی وہ بخارات طبقہ زمہریر ❶ تک نہیں پہنچتے بلکہ نیچے ہی کسی سرد جگہ میں برودت کی وجہ سے بادل بن جاتے ہیں جیسا کہ لوگوں نے بلند پہاڑوں پر دیکھا ہے کہ نیچے بخارات سے بادل بنا اور برسنے لگا اور جب وہ ابخرے بہت ہی کم ہوتے ہیں تو شب کی سردی سے شبنم بن کر ٹپکتے ہیں اور جب ان بخارات کے ساتھ زمین سے دھواں بھی مل کر اوپر چڑھتا ہے اور طبقہ زمہریر یہ میں بخارات تو سردی کی وجہ سے بادل بن جاتے ہیں اور وہ دھواں اپنی حرارت سے بادل کو توڑ کر اوپر یا نیچے جانا چاہتا تو ایک سخت آواز پیدا ❷ ہوتی ہے کہ جس کو رعد کہتے ہیں یعنی گرج اور کڑک اور جو اس دھوئیں میں دھنیت (چکنائی) کی وجہ اس کی حرکت عنیفہ سے شعلہ نکلتا ہے، وہ اگر لطیف ہے تو اس کو برق ❸ یعنی بجلی اور جو کثیف ہے تو اس کو صاعقہ کہتے ہیں جس کی جمع صواعق آتی ہے یعنی وہ بجلی کہ جو زمین پر گرتی اور آدمی کیا بلکہ درختوں کو بھی جلاتی اور پہاڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے اور اسی طرح زلزلہ اور چشموں کے جاری ہونے اور پہاڑوں میں سے آگ نکلنے اور دیگر عجائبات قدرت کے اسباب بھی بیان کرتے ہیں۔

لیکن غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں کے پیدا ہونے کے یہی اسباب نہیں بلکہ ان کے ساتھ اور بھی اسباب وعلل ہیں اور یہ کہ خدا تعالیٰ نے جو سبب وعلل کا پیدا کرنے والا ہے، مواد اور صورتوں پر ارواح مدبرہ موکل کر رکھی ہیں کہ جن کو زبان شرع میں ملائکہ کہتے

---

❶ ...... یہ ہوا کا وہ طبقہ ہے کہ جو نہایت ٹھنڈا ہے جہاں نہ زمین کی گرمی پہنچتی ہے نہ کرۂ آتش کی حرارت اثر کرتی ہے۔ منہ۔

❷ ...... ممکن ہے کہ برق اور رعد اور صاعقہ اس وجہ سے بھی ہوتی ہوں اور باہم بادلوں کی صرف رگڑ سے بھی۔ منہ۔

ہیں جن کو ان اشیاء کے وجود میں دخل ہے ورنہ صدہا بار ایسے بخارات اور ادخنہ اٹھتے ہیں، پھر کیا وجہ کہ یہ چیزیں نہیں ° پیدا ہوتیں؟ وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ ملائکہ بادلوں کو کھینچتے ہیں اور رعد فرشتے کا کوڑا ہے، ان سے یہی مراد ہے۔ لیکن عقل ناقص تو انہیں اسباب ظاہرہ تک پہنچ کر رہ جاتی ہے اور اس لئے سینکڑوں کم عقل خدا کے منکر دہریہ ہو گئے مگر عقل کامل ان اسباب وعلل کا سلسلہ جناب باری تعالیٰ تک پہنچا کر ہر ایک چیز کو اس کے ید قدرت سے جانتی ہے اور پھر ان عجائبات قدرت سے اس کی عظمت وجلال پر ایمان لاتی ہے، اس لئے انبیاء علیہم السلام اور حکماء میں فرق ہے۔ اب اس آیت میں خدا تعالیٰ اس مثال کی اور زیادہ تشریح کرتا ہے:

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑳ ع ۲

ترجمہ: بجلی ان کی بینائی کو اچکے لیتی ہے جب ان کو روشنی معلوم ہوتی ہے تو اس میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو ٹھہر جاتے ہیں اور اگر خدا تعالیٰ چاہے تو ان کی شنوائی اور بینائی کو کھو دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے⑳۔

ترکیب: ......یکاد فعل، البرق اسم یکاد۔ یخطف ابصارھم جملہ فعلیہ اس کی خبر۔ یہ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ مستانفہ ہوا۔ گویا کہ کوئی پوچھتا تھا کہ اس کڑک میں ان کا کیا حال ہے؟ فرمایا کہ گویا بجلی کی چمک سے اندھے ہی ہو جائیں گے۔ کلما کلمہ شرط، اضاء لھم بمعنی لمع لھم شرط مشوا فیہ جملہ جواب شرط۔ فیہ ای فی ضوء البرق یہ جملہ بھی مستانفہ ہے۔ گویا کوئی سوال کرتا تھا کہ اس چمکنے اور تھم جانے میں وہ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا: ذراسی روشنی ہوئی تو وہ چل پڑے ورنہ وہیں کھڑے رہے۔ اذا کلمہ شرط، اظلم علیھم جملہٗ شرط، قاموا جملہ فعلیہ جواب شرط، لو حرف شرط، شاء فعل، اللہ فاعل۔ لذھب...... جملہ اس کا جواب اور مفعول شاء کا، ان یذھب بسمعھم محذوف۔ کس لئے کہ جواب اس پر دلالت کرتا ہے۔ ان مشبہ بفعل، اللہ اس کا اسم اور علی کل شیٔ قدیر اس کی خبر۔

## منافقین کی آنکھیں نورِ ایمان وقرآن سے خیرہ ہو جاتی ہیں

تفسیر: ......یعنی جس طرح بارش میں بجلی کی چمک سے آنکھیں چندھیاتیں اور بند ہو جاتی ہیں اور جب بجلی کی چمک ہوتی ہے انسان چلنے لگتا ہے ورنہ خوف راہ سے اندھیرے میں ٹھہر جاتا ہے یہی حال ان منافقوں کا برق ایمان اور نور قرآن سے ہے کہ ان کی آنکھیں خیرہ اور چندھیائی جاتی ہیں اور اس روشنی حق کے دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی ہے۔ جب اسلام کی بجلی چمکتی ہے تو چلتے ہیں یعنی جب فوائد ظاہریہ غنیمت وغیرہا پیش آتے ہیں تو راہ اسلام پر چلنے لگتے ہیں ورنہ پھر اپنی جبلی کجری سے رک جاتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ جب آنحضرت ﷺ کے معجزات وآیات بینات کی برق چمکتی ہے تو اس وقت اضطرار دل سے تصدیق کر لیتے ہیں ورنہ پھر تاریکی شکوک وشبہات میں آ کر رک

° ......بعض حمقاء نے جو علم طبعیات کے دو چار رسالے پڑھ لئے ہیں، یہ کہا کہ خدا کی کیا ضرورت ہے؟ اگر توپ کے ہزار دو ہزار فائر کر دئے جائیں تو دھویں کا بادل بن کر برسنے لگے۔ چنانچہ امریکہ میں فلاں نے ایسا کیا اور بچہ ہونے کے لئے فلاں نے ایک آلہ تیار کیا ہے اگر اس میں منی ڈال دی جائے تو بچہ بن جاتا ہے الخ۔ افسوس کہ یورپ کی روشنی نے ان حمقاء کو اور بھی اندھا کر دیا۔ منہ۔

جاتے ہیں اور برق قرآن کی روشنی سے آنکھیں بند کرنا بے فائدہ ہے۔ اول تو اس سے بصیرت دور نہیں ہوتی اور جو خدا تعالیٰ چاہے تو یوں بھی ان کو اندھا اور بہرا کر سکتا ہے، کس لئے کہ وہ ہر بات پر قادر ہے۔

نکات:......۱)......لفظ لو سے یہ بات ثابت کر دی کہ ہر انسان کے آلات ادراک خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہیں مگر جب وہ ان کو اس کے حکم کے موافق استعمال میں نہیں لاتا تو خوف کرنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ ان کو معدوم نہ کر دے اور جتنی دیر وہ معدوم نہ ہوئے، اس میں غرہ نہ کرنا چاہئے۔ کس لئے کہ ہر گناہ کی سزا میں جو دیر ہو تو مغرور نہ ہونا چاہئے کیونکہ وہ سزا اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ یہ دیر کسی مصلحت یا رحمت سے ہے۔

۲)......اس جملہ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ......کو ذکر کے بعد میں اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کہنا دعویٰ کو دلیل سے ثابت کر دینا ہے اور اس کا لطف ارباب فہم سے مخفی نہیں ہے۔

۳)......اگرچہ کلما واذا کلمات شرط ہیں مگر تاہم باہم فرق ہے۔ کلما میں معنی شرط زائد ہیں اس لئے اس کو اضاء لھم کے ساتھ اور اذا کو اظلم کے ساتھ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس ابر رحمت سے بھاگنے کی نہایت حرص اور سخت رغبت تھی اور ذرا مینہ میں ٹھہرتے ہیں تو بجبر جابر اور قصر قاصر ورنہ بالطبع اس حیات ابدی کے مینہ سے بھاگتے ہیں۔

ربط:......سب سے پیشتر نبی کو یہ ضروری ہے کہ اپنی کتاب کا کتاب الٰہی ہونا ثابت کر دے اور جب اس کو محکم دلائل سے ثابت کر چکے اور یہ اول مرحلہ طے ہو چکے تو پھر جو کچھ مقصود اصلی ہو، اس کو بیان فرما دے کہ جس کے لئے وہ دنیا میں بھیجا گیا ہے اور جس لئے اس کی اطاعت بندگان خدا پر فرض ہوئی ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ الخ میں قرآن کا کتاب الٰہی ہونا بیان کیا اور اس کی یہ خاصیت بتلائی کہ اس سے ازلی نیک بختوں یعنی متقیوں کو ہدایت ہوتی ہے اور وہ ان اوصاف سے متصف ہوتے ہیں اور جب ان نیکوں یعنی متقیوں کا ذکر کیا تو ان کے مقابلہ میں بحکم تعرف الاشیاء باضدادھا بدبختوں کے دونوں گروہوں کفار اور منافقین کا بھی ذکر کیا تا کہ تقویٰ اور ہدایت کی بھلائی اور کفر و نفاق کی برائی مخاطب کے سامنے محسوس ہو جائے۔ پس جب یہ مرحلہ طے ہو چکا اور بندے کو سعادت اور ہدایت کا از بس مشتاق کر دیا تو مقصود اصلی یعنی عبادت کا ذکر کیا اور یہ بتلا دیا کہ اس عبادت سے وہ صفت تقویٰ کہ جس کے تم مشتاق ہو اور جو سعادت ابدی اور ہدایت قرآنی کا ذریعہ ہے، تم کو حاصل ہو جائے گا۔ پس فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو کہ جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تا کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ ﴿۲۱﴾ جس نے کہ تمہارے لئے زمین کا فرش اور آسمان کی چھت بنا دی اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل نکالے، پھر کسی کو بھی خدا کا شریک نہ بناؤ حالانکہ تم جانتے بھی ہو ﴿۲۲﴾۔

ترکیب:...... یا ءحرف نداء ایھا الناس منادیٰ، اعبدو افعل بافاعل، ربکم اس کا مفعول موصوف، الذی موصول، خلقکم صلہ موصول مل کر صلہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ، و الذین من قبلکم ای و الذین خلقھم من قبل۔ موصول صلہ جملہ ہو کر معطوف ہوا، معطوف علیہ اور معطوف مل کر دونوں صفت ہوئے۔ ربکم کی لعل مشبہ بفعل، کم اسم تتقون جملہ، اس کی خبر الذی موصول، جعل فعل بافاعل، لکم متعلق بہ، الارض مفعول اول، فراشامفعول ثانی، و او حرف عطف السماء معطوف بر الارض یعنی جعل السماء بناء مفعل ثانی۔ یہ سب جملہ صلہ ہوا الذی کا و انزل فعل بافاعل، من السماء من ابتدائیہ متعلق ہے انزل سے۔ ماء مفعول انزال کا، فاخرج فعل بافاعل، بہ ای بالماء متعلق ہے اخراج کے من الثمرات میں۔ من تبعیضیہ بمعنی بعض، الثمرات مفعول ہوا اخرج کا اور رزقاً لکم مفعول لہ ہوا یا رزقاً مفعول ہے اخرج کا اور من الثمرات اس کا بیان ہے۔ فلا تجعلوا فعل بافاعل للہ متعلق ہے لا تجعلوا کے انداداً مفعول ہے اور انتم تعلمون جملہ فعلیہ خبر یہ حال ہے ضمیر فاعل لا تجعلوا سے پس انزال مع جمیع متعلقات معطوف ہوا جعل پر اور صلہ میں داخل ہوا اور یہ موصول اور صلہ دوسری صفت ہے رب کی۔

## عبادت خالقِ حقیقی کی کی جائے

تفسیر:...... یعنی اے لوگو! رب کی عبادت کرو کہ جس نے تم کو اور تم سے جس قدر پہلے ہیں، سب کو معدوم سے موجود کر دیا پھر جو اس قدر قدرت و عظمت رکھتا ہے، وہی مستحق عبادت ہے نہ کہ تمہارے خیالی معبود اور وہی پروردگار اور عبادت اس لئے کرو کہ اس سے تم کو صفت تقویٰ حاصل ہو جائے گی کیونکہ عبادت ہمہ تن جناب باری تعالیٰ کی طرف بہ عجزہ و انکسار متوجہ ہونے کو کہتے ہیں۔ پس جب بندہ اپنی روح سے اور اپنے جسم سے اس کی طرف متوجہ ہوتا اور اس کے آگے سر عجز و نیاز رکھتا ہے تو اس کی روح پر انوار باری تعالیٰ کی ایسی چمک پڑتی ہے جیسی آفتاب کی آئینہ میں۔ جب یہ حال ہوگا تو بالضرور متقی ہو جائے گا اور سعادت ابدی کا حصہ پائے گا۔ دنیا میں دیکھئے جب گھڑی دو گھڑی لوہا آگ میں رہتا ہے تو اس کی صحبت سے گرم بلکہ انگارہ ہو جاتا ہے اور جب کسی پھول کو کسی کپڑے میں رکھتے ہیں تو وہ خوشبو سے بس جاتا ہے۔ الغرض ہر مؤثر کا متاثر میں اثر ہوتا ہے۔ پھر جناب باری تعالیٰ کا روح پر اثر نہ پڑنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ ضرور قوی اثر پڑتا ہے کہ جس سے کبھی کبھی بندہ سے برخلاف اسباب عادیہ وہ باتیں بھی سرزد ہونے لگتی ہیں جو فوق قدرتِ انسانیہ سمجھی جاتی ہیں اور چونکہ عبادت بندہ اور خالق میں ایک عجیب رابطہ اور نسبت شریفہ ہے تو اس لئے ضروری ہوا کہ یہ فعل کسی اور کے ساتھ نہ کیا جائے۔

معبود کی شناخت:...... لہٰذا معبود کی شناخت بھی بیان کر دی کہ وہ رب ہے کہ جس نے تم کو اور تم سے سب پہلوں کو پیدا کیا اور وہ ہے کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا یعنی اس کے ایک ٹکڑے کو چوطرفہ پانی سے باہر لایا اور پھر اس کو نہ ایسا نرم کیا جیسا کہ گارا یا ہوا، نہ ایسا سخت اور مدور کیا کہ جس پر انسان لڑھک پڑے بلکہ ایسا کہ اس پر تمام لوگ رہتے اور سوتے اور بیٹھتے اور چلتے پھرتے ہیں یہ بڑی بھاری نعمت ہے اور رب تعالیٰ وہ ہے کہ جس نے آسمان کو تم پر خیمہ بنا دیا، گویا زمین فرش اور آسمان اس کی چھت ہے اور پھر اس رب نے اس گھر میں رکھ کر تمہاری روزمرہ دعوت اور ضیافت کا بھی عجیب سامان کیا کہ اوپر سے پانی برسایا اور اس سے رنگ برنگ کے پھول اور پھل پیدا کئے کہ جن کو تم کھاتے اور آرام و راحت پاتے ہو اور جس میں یہ تین وصف نہیں، وہ حقیقی رب نہیں۔ اول: تمام مخلوقات کا پیدا کرنا۔ دوم: آسمان کو خیمہ اور زمین کو فرش بنا کے اس پُر تکلف مکان میں رکھنا۔ سوم: قسم قسم کے کھانے کھلانا اور جو رب نہیں، وہ عبادت کے قابل بھی نہیں۔ اس لطیف بات سے تمام خیالی معبودوں کی عبادت اور بتوں کی پرستش کو باطل کر دیا۔ فرمایا کہ باوجود اس علم کے جو ہر

انسان کو عطا ہوا ہے، خدا تعالیٰ کو کسی کا شریک نہ بناؤ۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشرکین ذرا بھی غور و تاویل کریں تو کسی کو شریک نہ بنائیں۔

**متعلقات: لعلّ، انداداً، لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ:**

**لَعَلَّ:** زبانِ عرب میں اس جگہ پر بولتے ہیں کہ جہاں کسی چیز کے حاصل ہونے کی توقع اور امید ہوتی ہے اور یقین نہیں ہوتا۔ گو اس لحاظ سے جناب باری تعالیٰ کا اس کلمہ کو استعمال میں لانا محال معلوم ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ کا استعمال جب محال ہوتا ہے کہ جب اس کو کسی چیز کے علم میں شک و تردد ہوتا۔ لیکن چونکہ وہ بندوں کے محاورہ میں کلام کرتا ہے اور جس موقع پر بندے اس کلمہ کو استعمال کرتے ہیں، وہ بھی کرتا ہے۔ جس طرح کہ رحمت و غضب، منہ و قدم وغیرہ الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ اب یہ تاویلات کرنا کہ لَعَلَّ بمعنی شک کے ہے یا توقع بحال مخاطب ہے، بے فائدہ ہے۔

**انداداً:** نِدّ کی جمع ہے اور نِد اس کو کہتے ہیں کہ جو برابر کا مخالف ہو۔ مشرکین گو کسی کو خدا کے برابر ذات نہیں سمجھتے تھے مگر جب عبادت و استعانت، نذر و نیاز، ادب و تعظیم ان کی بھی اسی طرح کرتے تھے کہ جس طرح خدا کی تو گویا انہوں نے اپنے معبودوں کو خدا تعالیٰ کے برابر سمجھا۔

**لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ:** اگرچہ بظاہر عبادت اور تقویٰ ایک چیز ہے اور اس تقدیر پر کلام کی یہ صورت ہو جائے گی: عبادت کرو تا کہ تم عبادت کرنے والے ہو جاؤ۔ لیکن ابتداء کے لحاظ سے تقویٰ اور عبادت دو چیزیں ہیں، کس لئے کہ عبادت کے معنی نسبت عبودیت کی تصحیح کرنا ہے اور اس کا درجۂ آخر تقویٰ ہے اور ممکن ہے کہ تقویٰ کے لغوی معنی مراد لئے جائیں یعنی عبادت کرو تا کہ روح کو قوت اور نفس بہیمیہ کو ضعف حاصل ہو جس سے گناہوں سے بچو اور غضب الٰہی سے مامون اور محفوظ رہو اور اسی لئے ارباب کشف نے فرمایا ہے کہ جس قدر ذکر الٰہی اور اس کی طرف توجہ کرنے سے روح کو صفائی اور گناہوں سے نفرت ہوتی ہے، وہ مہینوں کی ریاضت اور نفس کشی اور فاقہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ کلام ربانی میں بھی آیا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کہ نماز زنا اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ منجملہ اور فوائد عبادت کہ ایک بڑا فائدہ تصحیح اخلاق فاضلہ ہے۔

**نکات:**......(۱)......اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس آیت میں عبادت کا حکم دیا کہ جو خدا تعالیٰ اور بندہ میں نہایت عمدہ رابطہ ہے اور چونکہ عبادت نفس پر نہایت شاق اور سخت گراں گزرتی ہے اور علاوہ اس کے آنحضرت ﷺ کے عہد میں تمام عالم میں مخلوق پرستی کی اندھیریاں ابرسیاہ کی طرح محیط تھیں، بالخصوص مکہ میں عموماً بت پرستی تھی اور صدہا لوگ الحاد و دہریت کی وادیٔ ضلالت میں حیران و سرگرداں تھے۔ نہ عالم کی ابتداء، نہ انتہا مانتے تھے۔ نہ اس عالم کے بانی کا وجود تسلیم کرتے تھے، نہ عالم آخرت کا ثواب و عقاب اور جزاء اعمال کے معتقد تھے جیسا کہ آج کل یورپ میں ایسے ہزاروں آدمی ہیں۔ پس ان لوگوں کو مخاطب بنا کر بلا دفع شکوک عبادت کا حکم دینا، اپنی ذات و صفات کا ثبوت نہ کرنا مفید مدعیٰ نہ تھا اسی لئے خدا تعالیٰ نے اس آیت میں ان باتوں کا تدارک کر دیا۔ یعنی یوں نہ کہا کہ میری عبادت کرو یا خدا تعالیٰ کی عبادت کرو بلکہ یوں فرمایا کہ اپنے رب تعالیٰ یعنی ہر وقت پرورش کرنے والے کی عبادت کرو اور جبلی بات ہے کہ جب کسی شخص سے طاعت لینی مقصود ہوتی ہے تو اس کو اپنی نعمتوں اور بخششوں کو یاد دلاتے ہیں، اس وقت آقا و ولی النعمت کی اطاعت کرنے کو از خود دل چاہتا ہے۔ اس لئے اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ فرمایا۔ اس کے بعد نفس کو اور بھی نعماء بے حد یاد دلا کر عبادت کا مشتاق کیا اور مشقت عبادت کو آقائے نامدار کے بے حد احسانوں کے مقابلہ میں نہایت سبک کر دیا کہ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اس رب کی عبادت کرو کہ جس نے تم پر بے حد احسان کئے کہ تم کو اور تمہارے بزرگوں کو پیدا کیا نہ یہ کہ کچھ دام لے کر مول لیا جس حالت میں کہ چند روپیہ دے کر خرید

ید لینے سے غلام پر کیسے کچھ حقوق عبادت و طاعت فرض ہو جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ جس نے زندگی عطا فرمائی اور ہاتھ پاؤں ناک وغیرہ صدہا بے بہا نعمتیں عطا کیں اور یہ عنایت نہ صرف تم پر بلکہ تمہارے آباؤ اجداد پر بھی ہے یعنی تم قدیمی خانہ زاد اور پروردۂ نعمت ہو۔ جب بندہ ان معانی کا لحاظ کرے گا تو اس پر سو جان سے فدا ہوگا

اے خدا ! قربان احسانت شوم

این چہ احسان است قربانیت شوم

اس جملہ سے جس طرح نفس کو مشقت عبادت اٹھانے پر آمادہ کر دیا، اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ عبادت خاص اسی کی ذات پاک کا حق ہے۔ کس لئے کہ خدا کے سوائے جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو ان میں کسی نے بھی نہ تم کو پیدا کیا ہے، نہ تمہارے باپ دادا کو، نہ تمہاری پرورش کی ہے کیونکہ جس طرح تم محتاج ہو، اسی طرح وہ چیزیں بھی۔ پھر ان کو بلا وجہ کسی امر کا مالک سمجھ کر عبادت کرنا خیال باطل اور ظلمت ہیولانیہ کا مقتضی ہے۔ سینکڑوں جاہل حضرات الیاء و انبیاء ❶ و ملائکہ و دیگر غیر محسوس چیزوں اور ارواح غیر مرئیہ کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری حاجات کو پورا کرتے ہیں۔ اگر ہم ان کی پرستش نہ کریں تو ہمارے کاروبار میں فرق آ جائے اور وہ لوگ ہم کو مضرت پہنچائیں اور اس پر اتفاقاً مراد کا حاصل ہو جانا یا کسی عبادت میں اتفاقاً کوئی حادثہ پیش آنا ان کے خیال باطل کی اور بھی قوی دلیل ہو جاتا ہے۔ مگر درحقیقت یہ قوت وہمیہ کی کاریگری ہے، اور کچھ نہیں۔ جس طرح شب کو تنہا مکان میں عوام کو مردہ سے ڈراتی اور بلند مکان پر چلنے سے پاؤں لڑکھڑاتی ہیں، اسی طرح ان لوگوں سے نفع نقصان پہنچنے کا اعتقاد بھی یہی قوت متوہمہ دلاتی ہے ورنہ امکان اور احتیاج میں دونوں برابر، پھر عبادت ناحق ہے اور جس طرح اس برہان نے شرک کی جڑ کو کاٹ دیا، اسی طرح اس الحاد اور دہریت کے درخت کو بھی جڑ پیڑ سے اکھاڑ دیا کیونکہ اپنا حادث ہونا اور عالم کا نیست سے ہست میں آنا تو ایسا بدیہی امر ہے کہ جس میں کسی ملحد یا دہریہ کو کچھ بھی شک نہیں۔ جس دہریہ سے چاہے پوچھ دیکھئے کہ تمہاری کتنی عمر ہے؟ وہ ضرور بیس، تیس، چالیس پچاس کوئی عدد یقینی یا تخمینی بیان کرے گا جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم کو موجود ہوئے اتنے برس ہوئے۔ اب اس سے پوچھئے کہ آیا آپ خود بخود پیدا ہو گئے یا کسی نے تم کو پیدا کیا ہے اور پھر وہ پیدا کرنے والا ممکن ہے یا واجب؟ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ خود بخود پیدا نہیں ہوا ورنہ واجب الوجود ہو جاتا اور ہمیشہ سے پایا جاتا اور پھر معدوم نہ ہوتا کیونکہ جس کا وجود اپنا ہوتا ہے، وہ ہمیشہ رہتا ہے۔ یہی بدیہی بات ہے اور یہ بھی ظاہر بات ہے کہ پیدا کرنے والا ممکن نہیں ورنہ تسلسل لازم آئے گا اور پھر اس ممکن کے پیدا کرنے والے میں کلام کیا جائے گا اور یہ سلسلہ کسی واجب الوجود کی طرف منتہی مانا جائے گا۔ جس نے ہم کو اس خوبی اور محبوبی کی شان میں پیدا کیا وہ رب ہے جس کا ہر زبان میں ایک جدا نام ہے اور جب وہ خالق ہے تو اس میں علم و قدرت، حیات، ارادہ وغیرہ وغیرہ عمدہ صفات بھی ہیں خواہ وہ عین ذات ہوں یا غیر، خواہ لاعین ولاغیر۔

**وجود و صفات باری تعالیٰ کے ثبوت پر دلائل:**......(۲)......خدائے پاک نے منکر کے روبرو اس آیت میں چند دلائل سے اپنا وجود اور اپنی صفات کا ثبوت نہایت خوبی سے واضح کر دیا اور لطف یہ ہے کہ وہ دلیلیں بیان کیں کہ اس کے انعام بے حد اور لطف سرمد کو

---

❶......عیسائی اب تک حضرت مسیح السلام کو خدا جانتے ہیں اور ان سے استعانت کرتے ہیں، دعا مانگتے ہیں۔ یہودی بھی حضرت عزیز علیہ السلام اور بہت سے صلحاء و امراء کو قاضی الحاجات، دافع البلیات جانتے تھے۔ مشرکین عرب نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے نام سے بت خاص خانہ کعبہ میں پرستش کے لئے رکھ چھوڑے تھے اور لات و مناۃ وغیرہ اصنام کی پرستش جو صلحا تھے، عام دستور تھا۔ ہنود اب تک اپنی نام نہاد مورتوں کو پوجتے ہیں۔ مہادیو، بشن، کرشن، رام چندر، ہنومان وغیرہ کی مورتیں اب بھی مندروں، شوالوں میں نصب ہیں۔ ان پر قربانی کرتے ہیں، نذریں چڑھاتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں، ان کو نافع و ضار سمجھتے ہیں۔ یہی عبادت ہے، اسی کو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حق سبحانہ منع و حرام قرار دے کر اپنی ذات سے مخصوص فرماتا ہے۔ اسلام کے من جانب اللہ ہونے کی یہی ایک دلیل کافی ہے۔ منہ۔

بھی بیان کرتی ہیں اور وہ دلیلیں یہ ہیں (۱) مکلفین کا پیدا کرنا۔ (۲) ان کے بزرگوں کا بھی اور ان سے پہلے جس قدر چیزیں کہ جن کو اس کے وجود سے نہایت تعلق ہے اور جن کو جاہل خالق یا شریک خالق سمجھ بیٹھا ہے، پیدا کرنا۔ (۳) زمین کا اس ہیئت سے پیدا کرنا کہ جس پر لوگ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ (۴) آسمان کا پیدا کرنا کہ جس کی تاثیرات سے زمین کی چیزیں نشوونما پاتی ہیں۔ (۵) بارش سے ہر قسم کا غلہ اور پھل اور اناج کا پیدا کرنا کہ جو حیوانات کی زندگی کا سبب ہے۔

**مذکورہ دلائل میں ایک عجیب لطف:**.......(۳).......ان دلائل کے بیان کرنے میں بھی ایک عجیب لطف رکھا ہے اور وہ یہ کہ مخاطب کے ذہن میں جو چیز مقدم تر قابل استدلال تھی، اس کو مقدم کیا اور جو موخر تھی، اس کو بعد میں ذکر کیا۔ پس سب سے مقدم انسان اپنی ذات اور اپنے خیالات پر بخوبی غور کر سکتا ہے اور اسی لئے کسی عارف نے فرمایا: من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اس لئے سب سے پیشتر یہ فرمایا کہ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ انسان جب اپنے حالات پر غور کرے گا اور یہ دیکھے گا کہ میں ہمیشہ سے نہیں ہوں بلکہ آناً فاناً میرا وجود اور اس کے متعلق سب باتیں کہیں اور سے عطاء ہوئیں ہیں اور یہ سمجھے گا کہ وہ معطی نہ انسان ہے (کیونکہ انسان باہم برابر ہیں) نہ کوئی اور ممکن کیونکہ ہر ممکن محتاج ہے پھر اسی طرح جب اپنے قویٰ باطنہ اور ظاہرہ میں غور کرے گا تو بلاشک جہل کا پردہ اٹھ جائے گا اور اس کو چشم بصیرت سے ممکنات سے بالاتر ایک واجب الوجود نظر آئے گا جس کے وجود کے سامنے جملہ وجودات نیست ہیں۔

چہ جائیکہ کوئی ان کا شریک ہو ☆ بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست

اور وہ واجب الوجود جملہ صفات کمال سے آراستہ و پیراستہ بھی دکھائی دے گا اور جب وہ معبود حقیقی جو جمال و کمال ہے، اس طرح اور اس خوبی سے متجلی ہوگا تو پھر کس پر دنہ کی مجال ہے کہ اس پر فدا نہ ہو

سروی جنبد بصحن بوستان ☆ در ہوائے قامت دلجوئے تو

یہ ہیں معنی اس آیت کے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا اور الَّذِیْ خَلَقَکُمْ اور الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا:

پہلے الذی سے دلائل النفس شروع ہوتے ہیں کیونکہ اور مخلوق میں نظر و استدلال کر کے مقصود تک پہنچنے کی بہ نسبت اپنے اندرونی و بیرونی حالات اور ظاہر و باطن صفات میں غور کر کے شاہد مقصود کی بارگاہِ اقدس تک پہنچنا اسہل ہے، کس لئے کہ حضرت انسان بجائے خود ایک جہان ہے جس میں سینکڑوں ہزار ہا قدرت کے نمونے ہیں اور ہر ایک نمونہ قدرت جمال جہاں آرا کے لئے آئینہ ہے اور ہر ایک آئینہ نغور نظر کرنے کے بعد معبود حقیقی کا رونما ہے۔

**اقسام عالم صغیر:**.......پھر اس عالم صغیر کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک تو یہی غور کرنے والا خود ہی اس کی دلیل ہے۔ دوم اس کے ہم نوع و ہم جنس و ہم صنف دیگر لاکھوں کروڑوں قسم قسم کے انسان جو اس سے پہلے آئے اور چلے گئے۔ ان میں غور و نظر سے ایک تو وہی قدرت کے نمونے نظر آئیں گے، دوسرے ان کی وہ آمد و شد ایک دوسرا جلوۂ قدرت دکھائے گی کہ یا رب! یہ بیشمار مخلوق جن میں بڑے بڑے زور آور، قد آور، حسین و جمیل، والیٔ ملک، اہل کمال بھی تھے جن کی یادگاریں اب تک ان کے حال پر آیہ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ پڑھ کر اشک حسرت بہا رہی ہیں، کہاں سے آئے تھے اور کیوں آئے تھے کیوں چلے گئے اور کہاں گئے؟ اور اب جو آ رہے ہیں اور جا رہے ہیں، کہاں جاتے ہیں؟ کیا کوئی اور جہان ہے جہاں سب جمع ہوتے جاتے ہیں؟ کیا با اختیار خود آئے یا بے اختیار آئے اور بے اختیار ہی چل دیئے؟

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

تھوڑی دیر اس کتاب قدرت کے مطالعہ کے بعد قلب پر ایک عجیب نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور پردۂ راز کھل جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اکتساب حسنات وسعادات کے لئے آئے تھے جو اس جہاں کا توشہ اور حیات جاودانی کا ذریعہ ہے۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا کا حکم محکم اس قادر کریم کی عین رحمت ہے۔

**دلائل آفاق:**......اس کے بعد دلائل آفاق قائم کئے جن سے رب اور اس کی ربوبیت اور پھر اس کے لئے عبادت قائم کرنا اشیاءِ مذکورۂ ذیل میں نظر کرنے سے بخوبی منکشف ہو جاتا ہے۔ فقال: اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا یعنی اس رب کی عبادت کرو کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا۔ اس مقام پر اپنی قدرت و ربوبیت کے تین نشان بتائے: اول یہ کہ اس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا۔ زمین جو پانی یعنی سطح بحر سے منکشف ہے جس کا بہت سا حصہ خط استوائی سے شمالی طرف اور قدرے جنوبی طرف ہے جس کی تصریح جغرافیوں میں ہے، وہی مسکن حیوانات و اشجار بلکہ وطن بنی آدم ہے۔ یا یوں کہو کہ ان چلتے، پھرتے، ہنستے، بولتے،● دل لبھانے والے اشجار کا یہی کھیت ہے۔ اب خواہ اس کو ساکن کہو یا متحرک، کروی کہو یا بیضوی، اس تحقیق فلسفیانہ سے کوئی بحث نہیں مگر اس کو قابل سکونت بنی آدم کر دیا ہے۔ نہ پانی کی طرح نرم، نہ ایسی سخت کہ اس پر نباتات نہ اگیں، نہ اس کی کرویت بنی آدم کی بود و باش کے منافی ہے بلکہ اس پر رہ کر ہر طرح سے آرام پاتے اور اس کے منافع حاصل کرتے ہیں۔ یہ مراد ہے فرش بنانے سے۔ جو چیز کسی کے لئے مسخر ہوتی ہے، اس کو بھی محاورۂ عرب میں فرش سے بطور استعارہ کنایہ تعبیر کرتے ہیں۔ اب اس میں تھوڑی دیر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کرۂ ارض جس کی طبیعت ایک ہے، کس نے ان مقامات سے بلند کر دی۔ اگر یہ اس کا طبعی کام ہوتا تو ہر جگہ مساوی ہونا چاہئے تھا۔ پھر صرف بلند کر کے سطح بحر سے بالا ہی نہیں کیا بلکہ اس میں پہاڑ اور پہاڑوں میں سے چشمے اور انہار اور گونا گوں اشجار ایسے پیدا کئے جن کے بغیر انسانی تمدن باطل یا ناقص ہے اور یہ سب کچھ اتفاقی کام نہیں بلکہ ایک بڑے مدبر عاقبت اندیش کا ایسا حکیمانہ فعل ہے کہ جس میں عمیق نظر اور کامل غور کے بعد (صدہا باریکیاں واضح ہوتی جاتی ہیں) وہی رب نظر آتا ہے، اسی کو عقل ولی النعمۃ اور آقا اور وحدہ لاشریک مانتی ہے۔ پھر ایسا آقا جو بنی آدم کے لئے ایک ایسا مسکن ایسی حکمت سے بنائے، اگر وہ عبادت کے قابل نہیں تو اور کون ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد دوسرے نمونہ قدرت کا ذکر فرماتا ہے۔ اس میں اسفل سے اعلیٰ کی طرف رجوع ہے اور یہ مناسب بھی ہے، کس لئے کہ زمین کا فرش ہونا ہر ایک کے پیش نظر ہے جس میں کسی کو بھی شک نہیں۔ برخلاف اس دوسرے نمونے کے، وہ کیا ہے وَالسَّمَآءَ بِنَآءً کہ آسمان کو تمہارے لئے بنایا یعنی چھت بنا دیا۔ جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے: وَالسَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا اتنی بات کہ ہمارے اوپر ایک نیلگوں گنبد بنا ہوا ہے جس میں صدہا ثوابت و سیارے، چاند سورج کس صنعت سے دورے کرتے ہیں کہ جہاں عقل حیران ہوتی ہے، مسلم الکل ہے۔ اس قدر مضمون میں تو نئے فلسفہ کا اختلاف ہے نہ پرانے کا اور توراۃ و انجیل اور دیگر کتب سماویہ یا مذہبیہ میں جہاں خدا یا اس کے پیغمبروں نے خدا کے آثار قدرت و جبروت کا نشان دیا ہے اور آسمان کو نمونہ قدرت بتایا ہے، وہاں آسمان سے یہی معنی مراد ہیں جو عامہ بنی نوع انسان کے فہم میں آتے ہیں اور جس کو وہ اپنے محاورات میں مستعمل کرتے ہیں۔ مگر عقلاء نے جو حقائق الاشیاء دریافت کرنے میں موشگافی کی اور زمین کا مرحلہ طے کر کے آسمان تک پہنچے تو بالحاظ اختلاف پیدا ہوا اور ہونا بھی چاہئے تھا، کس لئے کہ حکمائے قدیم کا مدار استدلال پر تھا، اب کا اور ہے۔

جوں جوں علم و فنون ترقی کرتے گئے اور آلات تحقیقات نئے نئے ایجاد ہوتے گئے، ان پہلی تحقیقات کے خلاف باتیں ثابت ہوتی گئیں اور یہ سلسلہ نہ کسی حد پر جا کر منتہی ہوا ہے نہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ آج کل کی جدید تحقیقات آئندہ کسی زمانے میں غلط اور جاہلانہ خیالات

---

●......یعنی بنی آدم۔ منہ۔

ثابت ہو جائیں اس لئے اسلام اور الہام اور الہامی کتابوں کو ان حقائق سے کوئی بحث نہیں، نہ یہ ان کا فرض منصبی ہے۔ یہ ادنیٰ کام یہاں کے عقلاء وحکماء کے سپرد ہے۔ ان کا کام تو (علوم روحانیہ وتزکیہ نفس اور مرنے کے بعد آنے والی نئی زندگانی کے مفید کام اور سچا اعتقاد) بتانا ہے۔ حکمائے قدیم وجدید کا آسمانوں کی حقیقت میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ قدیم حکماء کرۂ ارضی۔ مائی۔ ہوائی۔ ناری کو یکے بعد دیگرے پیاز کے چھلکوں کی طرح باہم لپٹا ہوا بتلا کر ان کے اوپر یکے بعد دیگرے سات آسمانوں اور ان پر آٹھواں آسمان اور اس پر نواں فلک الافلاک بتلاتے ہیں اور ہمارے اکثر علماء آٹھویں کو عرش اور نویں کو کرسی کہتے ہیں اور تحقیق قدیم کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ حکمائے قدیم یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین ساکن ہے اور آسمان مع ان ثوابت وسیارات کے جو ان میں جڑے ہوئے ہیں زمین کے گرداگرد گھومتے ہیں قرآن اس سے ساکت ہے مگر بعض احادیث اس کی قدرے مؤید معلوم ہوتی ہیں۔

حکمائے جدید کہتے ہیں کہ آسمان محض فضا کا نام ہے، کوئی جسم نہیں۔ زمین بھی دیگر سیارات وثوابت کی طرح ایک تارا ہے۔ جس طرح اور تارے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں، زمین بھی ہے اور ستاروں میں لاکھوں کروڑوں کوس کا فاصلہ ہے اور ایک دوسرے سے لاکھوں ہزاروں حصہ بڑا ہے اور حرکت بھی ان کی ایسی تیز ہے کہ بعض ستارے ایک گھنٹہ میں بیس بیس ہزار میل سے زیادہ مسافت طے کر جاتے ہیں مگر ایک ایسے بالاتر مدبر نے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ وہ باہم ٹکرانے نہیں پاتے۔ عقلاء نے ریلوں کے کیا کیا انتظام کئے مگر پھر بھی باہم لڑ جاتی ہیں۔ یہ اس کی قدرت کاملہ کا بڑا نمونہ ہے۔ جو کچھ ہو، بہرطور آسمان قدرت الٰہیہ کا ایک بڑا نمونہ ہے اور قرآن مجید کا یہی مقصود ہے جس پر نہ حکمت قدیم حملہ کر سکتی ہے نہ نیا فلسفہ۔ اگر کسی ستارے اور اس کی بناوٹ اور اس کے نور کی طرف غور کیا جائے اور اس کروڑوں پدموں کوسوں کی فضا کو دیکھا جائے (جس میں زمین سے ہزاروں لاکھوں حصہ بڑھ کر کرہ ہے اور جس طرح یہ چھوٹا سا کرہ ایک عالم ہے اور اس میں کیا کیا حیوانات ونباتات ہیں۔ ان میں جو ہزاروں کروڑوں عالم ہیں، کیا کچھ ہوگا اور وہ اتنے ہیں کہ جن کی تعداد نہ فلسفہ قدیم بتلا سکتا ہے نہ جدید بلکہ کروڑوں کرات عظیمہ تو بعد مسافت کی وجہ سے نظر ہی نہیں آسکتے اب کوئی حکیم جدید وقدیم ان کے اندر کی کائنات اور وہاں کے اسباب تعیش اور وہاں کی سردی وگرمی، نور واندھیری کی کیفیت تامہ بتا سکتا ہے) تو اس کی عظمت ووسعت قدرت آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو جائے، اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔

**نمونۂ قدرت:**......تیسرا نمونہ قدرت وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ہے کہ اس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس سے انسانی خورش گوناگوں پیدا کیں جن میں درجات متفاوتہ رکھے اور اس گھر کا یہ دسترخوان الٰہی ہے جس پر دوست ودشمن سب کھاتے ہیں

ادیم زمین سفرۂ عام او ست ☆ چہ دشمن بریں خوان یغما چہ دوست

آسمان سے پانی اتارا یعنی ابر سے۔ اب ابر کی حقیقت (کہ وہ ابخرات ارضیہ ہیں جو اوپر جا کر برودت کی وجہ سے متکاثف ہو جاتے ہیں اور پھر ان سے پانی برستا ہے) خدا تعالیٰ نے بیان نہیں فرمائی۔ جو کچھ ہو مگر اس میں تامل اور غور کرنے سے عقل حیران ہو کر قدم قدم پر کھڑی ہو جاتی اور زبان حال سے پکار اٹھتی ہے کہ اے خدا! تو ہی ہے سب اسباب کا سلسلہ تیرے ہی ہاتھوں میں ہے۔ تو جب چاہتا ہے سلسلہ اسباب میں رخنہ ڈال دیتا ہے، اس پر اثر مرتب نہیں ہونے دیتا۔ ان سب باتوں کو بتا کر فرماتا ہے کہ اب تم کو اس کا جلال وکمال معلوم ہو گیا، اب جان بوجھ کر رسم وتقلید آبائی میں اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔

**مسئلہ:** شرک حرام ہے۔ خدا تعالیٰ کے سوا نہ کسی کی عبادت کرنی چاہئے نہ کسی کو اس کی ذات وصفات میں حصہ دار ٹھہرانا چاہئے۔

**فائدہ:** چونکہ اعمال صالحہ کے لئے ایمان شرط ہے اس لئے کفار ومشرکین پر صرف ایمان وتوحید فرض ہے، اس کے بعد دیگر احکام فرض

ہوں گے جس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ کفار و مشرکین صرف اپنے فریضۂ ایمان و توحید کے ترک کرنے کے عذاب میں معذوب ہوں گے، نہ کہ دیگر احکام کے۔ لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ دیگر احکام بھی ان پر فرض ہیں کس لئے کہ اس آیت میں لفظ الناس کافر اور مؤمن سب کو شامل ہے اور سب سے عبادت طلب ہے، حالانکہ عبادت اعمال و احکام میں داخل ہے اس لئے اول فریق نے جواب دیا کہ عبادت سے مراد توحید ہے۔ مگر یہ توجیہ بعید ہے بلکہ کفار سے بھی اعمال صالحہ مطلوب ہیں اور ان کا کفران عبادات ❶ سے مانع نہیں جس طرح کہ حدث وجوب صلوٰۃ سے مانع نہیں بلکہ یہ معنی کہ اے کفار! عبادت کرو ایمان لا کر نماز پڑھو یعنی وضو کر کے فان من لوازم وجوب الشیء وجوب مالا یتم الا بہ۔ ہاں یہ مسلم ہے کہ ایمان لانے کے بعد حالت کفر کی عبادات کی قضاء اس پر لازم نہیں آتی۔

## نبوت وقرآن کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت

ربط: اس سے پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے عبادت کا حکم دیا تھا اور عبادت مقبول عند اللہ اور غیر مقبول عند اللہ کا فرق صرف عقل سے نہیں ہو سکتا، اس مین نبی اور الہام کی سخت ضرورت ہے۔ جب تک نبی کا دامن ہاتھ میں نہ ہوگا، کوئی شخص اس دریائے بے کنار سے پار نہ ہو سکے گا۔

محال است سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

اس لئے ضروری ہوا کہ جناب نبی ﷺ کی نبوت بھی اس دلیل سے ثابت کی جائے کہ قرآن کا منجانب اللہ ہونا بھی ثابت کرے تا کہ نبی اور اس کی کتاب کی پابندی اور اتباع سے خدا تعالیٰ کی عبادت مرغوبہ سرزد ہو اور متقی ہو کر دارین میں صلاح و فلاح پائے۔ یا یوں کہو کہ حق سبحانہ مادہ اور مادیت سے پاک۔ بندہ مادی۔ یہ نہ اس کو دیکھ سکتا ہے، نہ اس سے بات کر سکتا ہے۔ اب اس کی مرضی اور غیر مرضی کا علم ہو تو کیونکر۔ رہا ادراک عقلی، اول تو عقول متفاوت، پھر قوت متوہمہ اور متخیلہ کا تعارض جن میں عادات و رسوم و رواج، صحت و مرض، جوانی و بڑھاپے، تجربہ اور غیر تجربہ کو بہت دخل ہے، اس لئے یہ جوہر نورانی ان اشیاء کے تلے ایسا دبا رہتا ہے جیسا کہ آفتاب سخت آندھیوں اور ابر کے تلے۔ اس لئے ادراک عقلیہ میں بنی آدم کے عقلاء کی آراء میں سخت مخالفت پیدا ہوتی ہے۔ کوئی ایک چیز کو پسندیدۂ خدا اور موجب ثواب جانتا ہے، دوسرا اسی کو موجب غضب الٰہی اور باعث عذاب تصور کرتا ہے۔ اس لئے ایک نفس قدس کی ضرورت ہوئی جس کی عقل ان چیزوں سے پاک ہو اور اس کو روحانی انکشاف ہو۔ اس کا مادہ اس کی روح پر غالب نہ ہو۔ اس پر وہ مؤید من اللہ بھی ہو جس کے کشف و ادراک کی صحت و درستی کا بندوں کی ہدایت کے لئے اس رحیم نے ذمہ بھی لے لیا ہو۔ ایسے شخص کو نبی یا رسول کہتے ہیں۔ یہی خدا کی مرضی اور عدم مرضی اور اس کی ذات و صفات اور دیگر راز سربستہ سے بندوں کو خبر دے سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بغیر نبی کی اتباع کے انسان اس وادیٔ پُرخار اور بحر ذخار سے پار نہیں ہو سکتا اور اقرار رسالت ❷ نجات کے لئے ضروری ثابت ہو گیا۔ اب ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنے

---

❶......عبادت عام ہے یا مالی زکوٰۃ صدقات بنی نوع انسان کی ہمدردی میں مال صرف کرنا یا بدنی عبادت نماز، روزہ، حج یاد عاء و استغفار اور اس کا مراقبہ اور اسی طرح نفس کو شہوات و لذات فانیہ سے روکنا حسنات و مبرات و اخلاق حمیدہ کا عادی کرنا، اس کی تکالیف شاقہ پر صبر کرنا، مردانہ مقابلہ سے پیش آنا جو ایک قسم کا جہاد ہے وغیرہ جس کی شرح پیغمبر اسلام ﷺ نے بہت کچھ فرمائی اور قولاً و فعلاً تعلیم دی، اس میں کسی قدر فرض سے کسی قدر مسنون و مستحب۔ اعبدوا صیغہ امر اگر وجوب کے لئے مانا جائے گا تو مراد وہی فرض و واجب عبادت ہوگی ورنہ عام۔ منہ۔

❷......کلکتہ میں عرصہ گزرا کہ ایک تیز طبع راجہ رام موہن رائے بنگالی اہل اسلام اور پادریوں کی کتابوں سے واقف ہو کر اپنے قدم مذہب بت پرستی اور عجائب پرستی سے بیزار ہوا مگر وہ شخص باخدانہ تھا اس لئے اس نے مذہب حقانی اسلام کو قبول کرنا اپنی قوم کے روبرو نہایت شاق جان کر ایک اور نیا مذہب اسلام سے اخذ کیا اور اس میں کسی قدر یورپ کے ملحدوں کے خیالات اور کچھ عیسائیوں کی عبادات کو بھی ملا کر ایک معجون مرکب بنایا اور برائے نام اس کو قدیم مذہب ہنود کا عطر کہہ کر "برہم و ہرم" نام رکھا اور حکیمانہ تقریروں پر اس کی شہرت اور شیوع کا دار و مدار رکھا۔ پھر اس کے بعد ایک شخص دیبندر ناتھ اس کے خلفاء میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) سے کھڑا ہوا اور اس مذہب کو فروغ دیتا رہا۔ اس کے ۱۸۵۷ء میں بابو کیشب چندر سین جو انگریزی میں خوب یدطولی رکھتے تھے اس مذہب
کے سرپرست بنے اور بعض یورپ کے شہروں میں اپنے خیالات حکیمانہ پھیلاتے پھرے۔ یورپ کے لوگ مذہب عیسوی کے بیہودہ عقائد سے از خود نفور ہیں، انہوں نے
شاید اس کو غنیمت جان کر قبول بھی کیا ہو۔ اس مذہب کے یہ اصول ہیں: آسمانی کتاب قرآن یا وید، توراۃ وغیرہ کوئی بھی نہیں بلکہ آسمانی کتابیں اول طبعی خیالات۔ وہ اصلی
صداقتیں جو اخلاق خدا اور بقاء کی بابت ہیں۔ انبیا علیہم السلام سے نہ معجزہ ممکن ہے نہ کبھی سرزد ہوا ہے اور نہ ان سے خدا تعالیٰ نے بطریق وحی یا الہام کلام کیا ہے نہ اس قسم کی نبوت
کی کچھ ضرورت ہے بلکہ عقل کافی ہے اور انبیا علیہم السلام اپنے وقت میں بزرگ اور ناصح اور امورات دینی میں فائدہ بخش تھے مگر وہ معصوم نہ تھے نہ ان پر دینی ترقی کا خاتمہ ہوگیا
بلکہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم و نانک و کبیر سب شریک ہیں یعنی نبوت کے جو معنی اہل اسلام اور اہل کتاب کے
ذہن میں ہیں، یہ اس کے منکر ہیں۔ اس مذہب میں ہندو، عیسائی، مجوسی جو ان باتوں کے معتقد ہیں، سب شریک ہیں۔ مرنے کے بعد صرف عمدہ کمالات کی خوشی کا نام جنت
اور برے کمالات سے تاسف کرنے کا نام جہنم۔ وسیلہ نجات عبادت ہے اور عبادت کے چار رکن ہیں: حمد الٰہی۔ روح الٰہی کا اپنی روح میں مراقبہ کرنا۔ خالق کا ہر دم شکرگزار
رہنا۔ اس سے دعا مانگنا۔ یہ برہمو سماج مذہب کا خلاصہ ہے اور جو تفصیل چاہے تو ان کے رسائل اور کتب کو دیکھئے بالخصوص رسالہ خلاصہ الاصول کو۔ اب چند روز ہوئے کہ بابو
کیشب چندر سین مر گئے مگر صدہا بنگالی اور بہت سے اور لوگ بھی اس کی فصاحت اور بلاغت سے ان کو اس زمانے کا نبی مانتے ہیں، نعوذ باللہ منہ۔ اس مذہب کی ایجاد سے
موجد کی دو غرض تھیں ایک یہ کہ یہ مذہب صلح کل ہے۔ رعایا اور گورنمنٹ میں جس قدر خرخشہ مخالف مذہبیہ سے پیش آتے ہیں وہ سب فرو ہو جائیں گے، گورنمنٹ کی خوشنودی
حاصل ہوگی۔ دوم یہ مذہب برائے نام تو وہی قدیم مذہب ہنود کہلائے گا مگر مخالفوں کے ان اعتراض سے کہ جو پیشتر اس مذہب پر پڑتے ہیں نجات حاصل ہو جائے گی،
کھانے پینے کی جو بے جا قیودات اس مذہب میں تھیں سب اٹھ جائیں گی۔ سفر یورپ اور وہاں سے تعلیم پانے کے مواقع جاتے رہیں گے۔

## مذہب نیچری

شہر دہلی جب شاہِ عالم بادشاہ کے عہد میں نہایت تنزل کو پہنچا اور وہاں کے علماء، شرفاء، اہل ہنر جو عہد سلطنت حضرت شاہجہاں سے آباد تھے ادھر ادھر پریشان ہو کر نکل گئے
تو اس زمانہ میں خاص کشمیر یا اس کی نواح کے کچھ لوگ یہاں آ بسے۔ فدا حسین رسول شاہی اور دیگر قلندر، بنگ نوش، شبلی ٹوپی والے آزاد اسی قوم میں گزرے ہیں۔ ان میں
سے بعض خان صاحب اور بعض مرزا اور بعض سید اور میر صاحب کہلاتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں نے اس اجڑی سلطنت میں کچھ رسوخ بھی حاصل کیا تھا اور کوئی معزز لقب
بھی خرید اتھا۔ اس کنبے میں ایک شخص سید احمد خان صاحب بہادر بھی پیدا ہوئے۔ یہ شخص ابتداء میں مولوی مخصوص اللہ صاحب نبیرۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خدمت میں
حاضر ہو کر کسی قدر صرف و نحو سے آشنا ہوئے اور تعویذ گنڈے بھی سیکھے لیکن جب یہ نسخہ نہ چلا تو گورنمنٹ برٹش کی طرف رجوع کیا اور اپنی لیاقت خداداد سے کوئی اچھا عہدہ بھی
پایا، پھر تو پکے وہابی متبع مولوی اسمٰعیل ہو گئے اور ایک کتاب آثار الصنادید ف لکھ کر شہر کے اہل علم و فضل میں عزت و شہرت حاصل کی۔ اس عرصہ میں غدر ہو گیا اور سید صاحب
اپنی خیر خواہی اور حکام رسی سے بڑی ترقی کر گئے اور اپنی خوش بیانی اور عالی دماغی سے انگریزوں میں بڑے فاضل یا فلاسفر یا رفارمر مانے گئے اور سی۔ ایس۔ آئی کا لقب
حاصل کیا اور کچھ عجب نہیں کہ گورنمنٹ برٹش ۱۸۵۷ء کے فساد سے (کہ جس کا منشاء صرف توہمات جاہلانہ تھے) پر حذر ہوا اور سید صاحب نے مسلمانوں کی طرف سے
گورنمنٹ کو نہ صرف اطمینان دلایا بلکہ خیالات مذہبیہ گرانے کا بھی بیڑا اٹھایا ہو، اپنی ترقی اور خیر خواہی کے لئے یہ خیال از خود سید صاحب نے پیدا کیا ہو اور غالباً یونہی ہوگا
کیونکہ گورنمنٹ کو ان باتوں کی طرف چنداں خیال نہیں۔ خیر ہر چہ باشد مگر اس شخص نے اس ارادہ سے ایک کتاب تبیین الکلام بائبل کی تفسیر میں لکھ کر عیسائیوں اور مسلمانوں
کو باہم ملانا اور ایک بنانا چاہا مگر اس امر محال کے وقوع میں سید صاحب ناکام رہے۔ اس عرصہ میں سید صاحب نے کلکتہ میں برہمو سماج مذہب کو ہونہار دیکھا اور اس کے
اصول کو یورپ کے فلاسفروں اور اشیاء کے معلموں کے مطابق خیال پا کر از حد مسند کیا اور جو دل میں مراد تھی اس کو بلا محنت و مشقت پا لیا۔ لیکن یہ بات نہ تنہا ان کے دلی مقصد بلکہ
ان کی شان کے بھی خلاف تھی کہ کھلم کھلا اسلام کو ترک کر کے ایک بنگالی بابو کے مرید اور امت کہلاتے مگر دل میں یہ سوچا کہ برائے نام تو اسلام ہو مگر اس کو برہمو سماج کے مطابق
کیجئے۔ لفظ نبی اور ملائکہ اور جبرئیل اور جنت و دوزخ و وحی و الہام و شیطان بلکہ سماء و جن کو تو بحال خود رہنے دیجئے اور ہر مسلمان سے کہئے کہ میں ان چیزوں پر ایمان رکھتا ہوں
تا کہ مسلمانوں کو مجال تکفیر نہ ہو اور ان الفاظ کے معنی بالکل پلٹ دیجئے۔ نبی صرف فارمر کہ جس میں بڑھئی لوہار کے کام کے مانند اس کو وعظ گوئی کا ملکہ ہو اور (باقی اگلے صفحہ پر)

ف: دراصل آثار الصنادید سید صاحب کی تالیف کردہ کتاب نہیں بلکہ مرزا سنگین بیگ شاہجہان آباد کے رہنے والے مرزا بخشی محمود کے پوتے نے بحکم سرجان چارلس
منکاف ایک کتاب موسوم بہ سیر المنازل لکھی جو دراصل فارسی میں ہے جس کو میں نے قلعہ کے عجائب خانہ میں داخل کر دیا ہے، جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے اور آثار الصنادید
سے مقابلہ کر لے حضرات اہل دہلی کے حالات جو کہ آخر کتاب آثار الصنادید میں مذکور ہیں، صاحب کی ذاتی تحقیق ہے۔ حقانی

نبی ﷺ کی نبوت عربوں کے مذاق کے مطابق ثابت کرتا ہے جس طرح کہ پہلی آیات میں اپنی توحید ثابت کی تھی، فقال:

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) نبوت ہر زمانہ میں پائی جاتی ہے بلکہ ہر قوم اور ہر پیشہ میں دیکھو، نظامی و جامی کو پیغمبران سخن کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں بابو کیشب چندر سین بھی نبی ہیں اور انگلینڈ میں فلاں فلاں شخص نبی ہیں۔ نبی کے لئے معاجزہ یا کرامت جس کو خرق عادات کہتے ہیں، شرط نہیں یہ صرف پرانے خیالات ہیں بلکہ خرق عادات ممکن ہی نہیں۔ الہام یا وحی خیالات فطری کا جوش ہے اور جبرئیل جو اس کو لاتا ہے کوئی شخص خاص نہیں، وہ اس نبی کی قوت ہے جو فطرت کے موافق فوارہ کی طرح اچھل کر اسی پر گرتی ہے اور یہی معنی نزول کے ہیں۔ ملائکہ اشخاص متحیر ہ بالذات نہیں، قرآن میں جو لفظ ملائکہ ملک یا جبرئیل آیا ہے اس سے انسان کی قوت ملکیہ مراد ہے جس طرح شیطان سے قوت بہیمیہ اور جن سے ایک جنگلی قوم کہ جو لوگوں سے پوشیدہ رہتے ہیں اور جنت و دوزخ صرف خوشی یا غمی کا نام ہے باقی حوریں نہریں اور میوے جو قرآن اور نبی ﷺ نے بیان فرمائی ہیں وہ محض رغبت اور خوف دلانے کو خوشی و غم کو ان چیزوں کے ساتھ تفسیر یا تشریح کر دی ہے ورنہ کچھ نہیں آسمان سے مراد بلندی اور جوّ ہے اور چونکہ یہ بعد غیر متناہی اور متصل یکے بعد دیگرے ہے اس لئے اس کو سبع سموات کے ساتھ تعبیر کیا، (وقس علی ہذا)۔ یہ باتیں سید صاحب کی تفسیر اور پرچہ تہذیب الاخلاق میں موجود ہیں مقدمہ تفسیر میں ان کے حوالے بقید وسطر و صفحہ مندرج ہیں اور آئندہ بھی ہم ان اقوال کو نقل کریں گے۔ اب یہ کچھ ضروری نہیں کہ صاحب حرف بہ حرف بنگالی بابو کے معتقد ہوں بلکہ ممکن ہے کہ ان سے بھی ترقی کر جائیں۔ کیونکہ اول تو سید صاحب دلی کے رہنے والے ہیں۔ دوم اس خاندان کے نونہال (یا اب شجر کہنہ) کہ جو مذاہب میں پیشوا ہونے کی جبلی لیاقت رکھتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ ایک بنگالی دال بھات کھانے والے سے کہ جس کا بڑا سرمایہ انگریزی دانی ہے، پیچھے رہ جائیں؟ اس لئے سید صاحب نے ایک جدید اسلام کی بنیاد ڈالی اور پرچہ تہذیب الاخلاق مطبوعہ ۱۲۹۶ھ ہجری صفحہ ۱۴ سے ۴۳، ۱۰۰ میں یوں تحریر فرمایا ہے: الاسلام ھو الفطرۃ و الفطرۃ ھو الاسلام یعنی اسلام جو ہے وہ فطرت ہے اور فطرت جو ہے وہ اسلام ہے اور فطرت، اسلام کا دوسرا نام ہے۔ لا مذہبی بھی درحقیقت اسلام ہے کیونکہ لامذہب بھی کوئی مذہب رکھتا ہے اور وہی اسلام ہے الخ اور وہی عین فطرت و نیچر ہے۔ جو آدمی نہ کسی نبی کو مانتا ہو اور نہ کسی اوتار کو اور نہ کسی کتاب الہامی کو اور نہ کسی حکم کو کہ مذاہب میں فرض اور واجب سے تعبیر کئے گئے ہیں بلکہ صرف خدائے واحد پر یقین رکھتا ہو وہ آدمی کسی مذہب میں نہیں مگر مسلمان ہے اور جو لوگ خدا تعالیٰ کے بھی قائل نہیں ہیں وہ بھی مسلمان ہیں کیونکہ الخ ان کے اہل جنت ہونے میں کیا شک باقی رہا، انتہٰی۔ اس کی تائید میں سید صاحب اس حدیث کو پیش کرتے ہیں: من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ و ان زنی و ان سرق علی رغم انف ابی ذر۔ سیّد صاحب کی تعریف اسلام جدید کے موجب تو جو شخص جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا منکر سخت مخالف ہو جیسا کہ ابوجہل وغیرہ وہ بھی مسلمان اور جنتی ہیں بلکہ کل بنی آدم اوّل سے آخر تک مسلمان اور جنتی ہیں خواہ وہ کیسا ہی عقیدہ رکھیں اور کچھ ہی کریں۔ اس اسلام جدید کی اس قدر حدود وسیع کرنے سے سید صاحب کے چند اغراض اور ایک وجہ ہے۔ اول یہ کہ نہ تنہا بنگالی بابو نے اپنے مذہب کو ایسا وسیع کیا کہ کسی طرح ہندو دھرم سے باہر ہی نہیں ہوتا خواہ گائے کا گوشت کھائے خواہ وید اور اوتاروں کا منکر ہو بلکہ سید صاحب نے تو اس سے بھی بڑھ کر اسلام جدید کو وسعت دی کہ کفر منصوص کو بھی اسلام کا مصداق بنا دیا تا کہ ان کے مریدوں کو ہر طرح کی آزادی حاصل رہے۔ دوم یہ کہ جو چیزیں اسلام حقیقی کے بالکل برخلاف ہیں اور ان پر پابندی کی سخت تاکید اور ان کی مخالفت پر بڑی تحدید ہے ان کے ترک و استعمال سے کچھ محذور لازم نہ آئے۔ پھر حکام کی خوشنودی یا نفس کی خواہش سے ان کو عمل میں لائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کوئی خانۂ کعبہ میں گرائے اور قرآن مجید اور اُس کی ہدایتوں پر قہقہہ ہی کیوں نہ اُڑائے نعوذ باللہ۔ آنحضرت ﷺ سے جس قدر چاہے دشمنی کرے شراب پئے تو بھی پکا مسلمان جنتی رہتا ہے، اس پر اور مسلمانوں کو کوئی اعتراض کا محل نہیں۔ سوم اس وقت جو جو عیسائی حاکم ہیں ان کو بھی غیر نہ جانیں نہ مخالفت مذہبی نہ ان کے تعصبات کو خیال میں لائیں کیونکہ وہ بھی مسلمان ہیں حقیقت میں حکام رسی کا یہ عمدہ ذریعہ سید صاحب کے ہاتھ آیا۔ صرف برائے نام مسلمان رہ کو جو چاہو سو کرو اور وجہ یہ ہے کہ جب سید صاحب بابو کیشب چندر سین کی تقلید میں لندن تشریف لے گئے اور وہاں خطبات احمدیہ ایک کتاب لکھ کر بابو صاحب کی طرح یورپین کو اپنا مرید بنانا چاہا تو لوگوں نے سید صاحب پر اعتراض کرنا شروع کیا کہ نیچر اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ بغیر اتباع نبی ﷺ عربی کوئی شخص مہذب اور نہایت علوم کا ماہر نجات نہ پائے اور باستثنائے اہل اسلام تمام یورپ بلکہ کل بنی آدم جہنم میں جائیں اس لئے سید صاحب نے اسلام جدید کو وسیع کیا۔ پھر سید صاحب نے اپنے خیالات کی ترقی کے لئے ایک مدرسہ علی گڑھ میں قائم کیا اور ایک اخبار تہذیب الاخلاق جاری کیا اور اس پر بس نہ کر کے قرآن مجید کی تفسیر اور قرآن مجید کو اپنے اسلام جدید کے مطابق بنانا چاہا۔ اس زمانہ کے امراء تو نام پر مرتے ہیں۔ جہاں ان کو سبز باغ دکھلایا (کہ اس مدرسہ سے اہل اسلام کو دینی و دنیوی ترقی ہوگی) جھٹ معین و مددگار ہو گئے اور گورنمنٹ برٹش میں ان کی معیت کو عمدہ ذریعہ تقرب سمجھا اور بعض وہ لوگ بھی کہ جن کو انگریزی خیالات نے بے قید کر دیا اور وہ برائے نام مسلمان ہونا کافی سمجھتے ہیں اس مذہب کے معین و مددگار بن گئے اور بعض تو صرف کوٹ پتلون پہن کر جنٹلمین کہلانے کے لئے سید صاحب کے دین میں آ گئے۔

ایک پادری اپنے ایک رسالہ تنقید الخیالات مطبوعہ الٰہ آباد مشن پریس ۱۸۸۲ء میں جناب صاحب کے اس ایجاد خاندانی کو اور بات پر محمول کرتے ہیں وہ یہ کہ سید صاحب کی نظروں میں پادریوں اور حکماء یورپ کی روشنی علم و تحقیقات سے اصول اسلام نہایت کمزور اور لغو معلوم ہوئے۔ لیکن سید صاحب نے اسلام کو ترک کرنا (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) مناسب نہ جانا، برائے نام اس کو قائم رکھ کر ایک نیا اسلام ایجاد کیا کہ جو اصول حکماء یورپ پر مبنی ہو اور جس پر کسی قسم کا اعتراض وارد نہ ہو اور نیز باعتبار مشقت عمل وقید حلال وحرام کے بھی بہت آسان ہو۔

میرے نزدیک پادری صاحب کا یہ خیال خام ہے کیونکہ سید صاحب کو مذہب عیسوی کی حقیقت معلوم ہے، شاید حکمائے یورپ ودہریان فرنگ کے ملمع کار خیالات نے پریشان کیا ہو تو کیا عجب مگر سید صاحب نہ علوم قدیم سے واقف نہ نئے علوم اور جدید فلسفہ سے بہرہ رکھتے ہیں۔ اپنی علمی کمزوری سے فلسفہ جدید سے اسلام کا شکست کھانا تسلیم کر بیٹھے اور اصول اسلام کی تاویلیں کرنے لگے حالانکہ اسلامی اصول پر فلسفہ جدید کا کوئی قوی اعتراض ہی نہیں پڑتا۔ دوم فلسفہ جدید اور سائنس کا یہ حال ہے کہ یوماً فیوماً اس میں تنسیخ ہوتی چلی جاتی ہے۔ جن بعض مسائل کو دس برس آگے یورپ میں حق سمجھا جاتا تھا، آج ان کے معتقد کو جاہل خیال کیا جاتا ہے پھر آئندہ کون ضمانت کرسکتا ہے کہ موجودہ مسائل غلط ثابت نہ ہوں گے جن کے زور پر اسلام پر اعتراض قائم کیا جاتا ہے۔

اب میں پادری صاحب کے باقی اقوال نقل کرتا ہوں تا کہ ناظرین کو میری رائے کی تصدیق ہو۔ قولہ سید صاحب تہذیب الاخلاق جمادی الاول ۱۲۹۶ھ صفحہ ۲۰ و ۱۲۹۷ھ صفحہ ۲۰۲ وغیرہ میں فرماتے ہیں کہ اسلام کی وہ حالت مجموعی جو تیرہ سو برس سے دنیا میں کہلایا، درحقیقت وہ اسلام نہ تھا، وہ تو علمائے محمد یہ ﷺ کا تراشا ہوا یا قرآن وحدیث کے درست مطلب نہ سمجھ کر نکالا ہوا اسلام تھا۔ اگرچہ اس میں درست بھی ہے تو اسی قدر درست ہے جہاں پر کچھ اعتراض نہ پڑتا ہو اور جتنی باتوں پر علوم سے یا غیر اشخاص سے اعتراض وارد ہوئے ہیں وہ سب نقصان کی باتیں ہمارے بزرگ عالموں کی غلطی سے اسلام میں قرار پکڑے ہوئے تھیں۔ وہ حقیقی خیالات اسلام کے نہ تھے، وہ گویا کاٹ کی ہنڈیا تھی جو اس وقت جل رہی ہے۔

مراد ان کی یہ ہے کہ جس کو آج تک امت محمد یہ ﷺ نے اسلام سمجھا وہ اسلام نہ تھا۔ اس لئے تو جو اعتراض دنیاوی علوم کی روشنی سے یا مخالفوں سے اس پر وارد ہوئے وہ سب برحق نکلے اور وہ اسلام پوری شکست کھا گیا۔ فی الحقیقت جو سچا اسلام ہے وہ درست ہے اور مضبوط گویا وہ اسپات کی ہنڈیا ہے اور وہ آج تک سب محمدی ﷺ علماء سے پوشیدہ رہا، اب ہم اس کو تیرہ سو برس بعد ظاہر کرتے ہیں اور اس کا خیال اس زمانہ میں صرف مجھ سید احمد خاں ہی کو آیا ہے اور میں اپنا فرض سمجھ کر ان خیالوں کو ظاہر کرتا ہوں ...... الخ۔

لیکن سید صاحب یہ نہیں بتا سکتے کہ کس عہد تک اس درست راہ پر مسلمان رہے تھے تا کہ ہم اس عہد کے خیالات مقابلہ سید احمد خان صاحب کے خیالات سے کریں، الخ۔

پس میں نے سید صاحب کے خیالات پر حتی المقدور بہت فکر کیا کہ وہ کیا کہتے ہیں مگر مجھے معلوم ہوا کہ سید صاحب کا خیال ہرگز درست نہیں، محض غلط بات ہے کہ اسلام قدیم اسلام نہ تھا اور اسلام جدید جو سید صاحب دکھاتے ہیں درست اسلام ہے۔

قدیم اسلام جس کو انہوں نے اس زمانہ میں نکالا اور اہل ہند کے سامنے پیش کیا ہے وہ ہرگز اسلام نہیں ہے بلکہ اس میں اکثر وہ خیالات بھرے گئے ہیں جو ہندوؤں کے ایک برہمو فرقہ کے ہیں اور وہ بھی چندروز سے شہر کلکتہ میں نکلے ہیں الخ یا ان لوگوں کے بعض خیالات اسلام میں داخل کئے ہیں جو قدیم زمانہ سے آج تک انبیائی سلسلہ کے مخالف ہیں جن کو دنیاوی عقلمند کہتے ہیں، ان خیالوں کو سید صاحب فقرات میں لپیٹ کر اسلام میں شامل کرنا چاہتے ہیں یہ دعویٰ سن کر شروع میں مجھے خیال آیا تھا کہ شاید سید صاحب اسلام کے وہ زوائد جو پیچھے سے اس میں پیدا ہو گئے ہیں، کاٹ چھانٹ کر دکھائیں گے لیکن اب جو کچھ کہ انہوں نے دکھلایا اس سے معلوم ہوا کہ وہ تو کہیں سے کہیں چلے گئے حقیقی اسلام ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور ایسا چھوٹا کہ بہت ہی دور رہ گیا۔ اس لئے علمائے محمد یہ ﷺ نے ان کی نسبت سخت فتوے لکھے ہیں۔ اسلام فی الحقیقت وہی:

کہ جس کو مسلمانوں نے حضرت محمد ﷺ سے پایا۔ یا یوں کہو کہ اسلام وہ ہے کہ جو قرآن وحدیث سے متبادر اہل زبان کے ذہن میں آیا اور ابتدائے دعویٰ نبوت سے۔ برس تک دنیا میں حضرت محمد ﷺ نے قولاً وفعلاً اس کی تعلیم دی ہے۔ یہ بات تو دیکھی جاتی ہے کہ کسی مرشد برحق کے خیالات پر اہل غرض اور بے احتیاط مفسر کبھی کبھی اپ خیالات کی قلعی چڑھا لیا کرتے ہیں الخ۔ مگر سید صاحب زوائد اسلام کو خارج کر کے خالص اسلام جو قرآن وحدیث میں ہے، دکھلاتے اور پھر ثابت کرتے ہیں کہ علوم کی روشنی اور مخالفوں کے اعتراض سے محفوظ ہے تو ان کی یہ کوشش قابل تحسین وتشکر تھی۔ لیکن سید صاحب نے ملحدوں اور لامذہبوں اور حکمائے مخالفین انبیاء کے اصول اور کلکتہ کے بنگالیوں کے خیالات جن کے دلوں میں سے بت پرستی کو انگریزی تعلیم نے نکالا اور ملحد انگریزوں کے اصولوں کو جمع کر کے قرآن وحدیث میں جمع کرنے کا پورا بندوبست کرلیا اور یہ بھی اس طرح کہ قرآن وحدیث کے صاف وصریح مطلب کو تحریف معنوی اور اجنبی تاویلوں سے دھکے دے کر وہاں سے نکالتے ہیں اور اپنے مرغوب خیالوں کو وہاں بٹھلاتے ہیں جو ہرگز بیٹھ نہیں سکتے اور یہ کام اس مراد سے ہے کہ اسلام قدیم کے اصول مخالفین سے شکست کھا چکے ہیں۔ لیکن جب وہ اس طرح الٹ پلٹ اس میں کریں گے تو پھر اس اسلام جدید پر یہ اعتراضات نہ ہوں گے کیونکہ سید صاحب کے گمان میں ملحدوں کے خیالات انبیائی خیالات سے مضبوط اور استوار ہیں۔ اس صورت میں سید صاحب کو ایک بڑی مشکل پیش آئی کہ تمام کتب مسلمہ کو اہل اسلام کو چھوڑنا پڑا اور بہت سے تواریخی باتوں کو بھی تبدیل کر کے اپنے دل سے نئی تواریخ تصنیف کرنی پڑیں، تاہم ایک سخت مشکل باقی رہ گئی کہ ان خیالات کی سند جن کو وہ دکھلاتے ہیں، حضور انور ﷺ تک نہ پہنچی گویا کہ قرآن کو حضرت محمد ﷺ نے دیا اور معنی اس میں تیرہ سو برس بعد سید صاحب نے ڈالے اور سند ان معنوں کی نہ حضور انور ﷺ تک مگر اہل الحاد تک پہنچی۔ اس کے علاوہ اسلام جدید میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور اگر تم کو اس چیز میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل ❶ کی ہے، شک ہو تو تم بھی اس کی مانند کوئی سورۃ بنا لاؤ اور خدا تعالیٰ کے سوا جس قدر تمہارے حمایتی ہوں (مدد کے لئے) بلا لو اگر تم سچے ہو ﴿۲۳﴾ پھر اگر تم نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو کہ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، جو کافروں کے لئے بنائی گئی ہے ﴿۲۴﴾۔

**ترکیب:**......ان کنتم فی ریب . . . الخ شرط، فاتوا بسورۃ من مثلہ جزاء یعنی جواب۔ مما نزلنا موضع جر میں صفت ہے ریب کی، اے ریب کائن مما نزلنا اور عائد محذوف ہے ای نزلنٰہ اور ما بمعنی الذی ہے۔ من مثلہ صفت ہے سورۃ کی۔ اے بسورۃ کائنۃ من مثلہ اور ضمیر مثلہ کی یا ما نزلنا کی طرف رجوع کرتی ہے اور من تبعیضیہ ہے یا بیانیہ۔ اے بسورۃ مماثلۃ القراٰن فی البلاغۃ یا ضمیر مثلہ کی عبدنا کی طرف رجوع کرتی ہے، پس اس وقت میں مِن ابتدائیہ ہے اب یہ معنی ہوئے کہ کوئی سورۃ مثل محمد ﷺ کی سی بنوا کر لاؤ کہ جو اُمّی ہو اور جس نے کبھی شعر و سخن کی مشاقی نہ کی ہو۔ وادعوا شھداء کم جملہ انشائیہ معطوف ہے فاتوا پر۔ من دون اللّٰہ موضع حال میں ہے شھداء سے یعنی شھداء کم منفردین عن اللّٰہ ان کنتم صادقین شرط۔ اس کا جواب محذوف ہے، اس پر کلام سابق دال ہے اعنی فاتوا وادعوا۔ فان لم تفعلوا شرط اور فاتقوا النار . . . الخ اس کا جواب اور لن تفعلوا جملہ معترضہ۔ اعدت للکافرین جملہ خبریہ موضع حال میں ہے النار سے اور عامل اس میں فاتقوا ہے۔

❶......اگر قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں شک ہے۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) اسلام قدیم کے برخلاف نیا الہام اور نئی وحی اور نیا خدا اور نیا نبی تجویز کرنا پڑا اور اسی طرح دوزخ اور بہشت اور اصولی باتوں میں بہت ہی بڑی تبدیلی کرنی پڑی، باوجود اس کے یہ اسلام جدید زیادہ تر محل اعتراض ہے۔ اپنی تصانیف میں جہاں تک سید صاحب نے علوم کی روشنی سے اسلام قدیم الہام و نبوت شکست نہیں کھا سکتا بلکہ وہ حکماء ہی طالبان حق کی نظروں میں حقیر ہیں اور رہیں گے۔ مثلاً خدا کا محالات عادیہ پر قادر ہونا حکیم نہیں مانتے۔ اسلام اس کا قائل ہے۔ اس مکروہ خیال سے اسلام کو شکست نہیں ہوئی بلکہ اس خیال مکروہ کو الخ انتہیٰ ملخصاً۔ پھر یہ پادری صاحب اپنے اس رسالے کے صفحہ ۴ میں یہ کہتے ہیں۔ قولہ ''پہلے سید صاحب نے ''تبیین الکلام'' ایک کتاب لکھی تھی اور اس میں خدا تعالیٰ کے کلام پر حق کی تفسیر اکثر مقامات میں کچھ اپنے طور سے کر کے عیسائیوں اور محمدیوں کو قریب قریب ایک حکمت سے لایا چاہتے تھے۔ لیکن جو تفسیر خلاف حق ہو وہ کب مقبول ہو سکتی ہے اس لئے انہوں نے اپنے پہلے خیال کو چھوڑ دیا اور اب وہ اسلام کی مرمت کے درپے ہیں مگر یہ بھی انہونی بات ہے کیونکہ نام تو مرمت کا لیا ہے مگر بنیاد اور ہی ڈالی ہے جس کو ہرگز اسلام نہیں کہہ سکتے۔ یہی سبب ہے کہ علمائے محمدیہ ﷺ ان کے برخلاف ہیں۔ ہاں بعض محمدیہ کہ جو اہل یورپ کے خیالات سے بہرہ یاب ہیں وہ سید صاحب کے موافق ہیں، نہ اس لئے کہ سید صاحب ٹھیک اسلام کے موافق بول رہے ہیں بلکہ اس لئے کہ انگریزی خیالات سے ان کے خیالات کچھ اور ہی طرح کے ہوں گے اور محمدی اسلام انہیں اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے اور کسی مذہب میں اس کو چھوڑ کر کسی وجہ سے شامل ہونا بھی نہیں چاہتے۔ ان کو تو صرف قومی آرام و آسائش دنیا اور آبائی نام اور اس کے لئے اسلام کا نام ہی کافی ہے۔ جس عقلی راہ پر ان کو چاہو لے چلو وہ تیار ہیں کیونکہ وہ اپنی اس طبیعت کے مطیع ہیں جو انگریزی خیالوں سے ان میں پیدا ہو گئی ہے۔ وہ ان خیالات کے کچھ درپے نہیں کہ جو ان کے آباء کو محمد صاحب دے گئے تھے'' انتہیٰ ملخصاً۔ منہ

## کلام اللہ ایک معجزہ ہے

تفسیر:.....یعنی اگر تم کو ہمارے کلام میں کہ جس کو ہم نے اپنے بندے محمد ﷺ پر نازل کیا ہے، کچھ شک ہو کہ آیا یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہیں اور یہ نبی برحق ہے یا نہیں تو قطع نظر اور معجزات اور آیات بینات کے کہ جن میں تمہارا عجز ظاہر ہے، تم خاص اس کلام ہی کا مقابلہ کر کے دیکھو کہ جس کی تعمیل (معجزات سے) مقصود بالذات ہے کیونکہ ہر قسم کے کلام مرکب کرنے میں تم آنحضرت ﷺ سے کسی بات میں کم نہیں۔ تم بھی اہل زبان ہو اور تم بھی نبی ﷺ کو ابتدائے عمر سے عبادت و ریاضت اور گوشۂ تنہائی میں ساکت وصامت دیکھتے ہو۔

دوم: ہر مجلس و میلہ اور ہر ایک قسم کے مجمع میں کہ جہاں اہل سخن جمع ہوا کرتے ہیں، اپنے اشعار کو جلا دیتے اور اس کی مشاقی بہم پہنچاتے ہو اور حضور ﷺ تو اس قسم کے مجامع میں مدت العمر میں ایک بار بھی تشریف نہیں لے گئے۔

سوم: تم کو مبالغہ اور زیادہ گوئی میں ہر قسم کی لفاظی میں کچھ بھی احتیاط نہیں اور یہ امور فصاحت و بلاغت کے سامان اور خوش بیانی کے مصالح ہیں۔

پس باوجود اس کے تم سے ایک سورۃ کے برابر بھی کلام مرکب نہیں کیا جاتا اور تم کو نہایت زور اور دعویٰ سے کہا جاتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی اجازت دی جاتی ہے کہ ایک نہیں بلکہ سب مل کر بنالاؤ اور اپنے ان معبودوں سے بھی مدد لو کہ جن کو تم ہر قسم کی قدرت اور اختیار کا مبدء اور ہر طرح کا حاجت روا جان کر پوجتے ہو۔ جب بھی تم سے ایک سورہ کے برابر کلام نہ بن سکا اور نہ کبھی بن سکے گا۔ تو یقین کر لو کہ یہ اس شخص کا کلام ہے کہ جو تمام لوگوں اور غیر اللہ سب معبودوں سے بڑھ کر ہے اور وہ خدائے تعالیٰ ہے کہ جو ہر بات میں سب سے نرالا ہے۔ جب یہ ہے تو خدائے قادر کا مقابلہ اور اس کے کلام کو جھٹلانا جہنم میں (کہ جس کی آگ یہاں کی آگ سے سخت اور تیز ہے جس میں پتھر اور آدمی جلتے ہیں) ٹھکانا بنانا ہے۔ اب تم کو لازم ہے کہ اس آگ سے بچنے کا سامان کرو یعنی اس کلام پر صدق دل سے ایمان لاؤ اور اس حیات بخش کلام کو اپنا دستور العمل بناؤ۔

**متعلقات: حقیقتِ معجزہ:**.....معجزہ: اس امر خارق عادت کو کہتے ہیں کہ جو مدعی نبوت سے سرزد ہو، خواہ وہ کلام ہو یا کوئی اور کام ہو اور چونکہ مخالف کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ویسے امر بنانے کی قدرت نہیں ہوتی بلکہ وہ عاجز ہوتا ہے، اس لئے اس کو معجزہ کہتے ہیں اور اسی لئے یہ معجزہ اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ جس کے ہاتھ سے یہ سرزد ہوا ہے، وہ مؤید من اللہ ہے یعنی اس عالم اسباب میں جس قدر امور واقع ہوتے ہیں، وہ اسباب پر مبنی ہوتے ہیں اور ان اسباب کا سلسلہ جناب باری تعالیٰ پر ختم ہوتا ہے اس لئے ان امور کو ظاہر اسباب پر نظر کر کے اسباب کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور جن کی چشم حق میں نور الہام روشن ہے، وہ ان اسباب سے قطع نظر کر کے اس مسبب الاسباب کی طرف اس فعل کو منسوب کر دیتے ہیں لیکن جب خدا تعالیٰ کو اپنے ہادی کی عام لوگوں کے روبرو تصدیق منظور ہوتی ہے تو وہ خلاف عادات ان اسباب کو درمیان سے اٹھا کر بغیر ان کے کوئی کام اس نبی کی معرفت سرزد کرا دیتا ہے۔ تاکہ اسباب کی طرف نظر نہ پڑے اور یہ فعل اسی کا معلوم ہو۔

مگر یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے، جب چاہے کرتا ہے۔ نبی گو چاہے اور وہ کسی مصلحت سے نہ چاہے تو نہیں کرتا۔ یورپ کے بہت سے حکماء کہ جن کو صرف ظاہر میں آنکھیں عطا ہوئی ہیں، اس امر خارق عادت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی تقلید سے فرقہ برہمو سماج بھی منکر ہے اور ان کی تقلید سے سید احمد خان وغیرہ ہم بھی اصول اسلام کے برخلاف اس کا انکار کرتے ہیں اور بلا دلیل ناممکن اور محال بتلاتے ہیں اور لطف

یہ کہ اب تک امکان اور وجوب اور محال کے معنی سے بھی بے خبر ہیں۔ یہ انکار اس لئے ہے کہ انہوں نے کبھی معجزہ یا خارق عادت بات دیکھی نہیں اور یہ طبائع عامہ کا جبلی خاصہ ہے کہ وہ جس چیز کو مدت العمر دیکھتے نہیں، اس کے وجود بلکہ امکان میں بھی شک کرتے ہیں۔ چنانچہ عرب کے ریگستان میں کہ جس نے مدت العمر کوئی ندی یا دریا نہ دیکھا تھا، دریا کا مفہوم سن کر بڑا تعجب کیا اور پھر سمندر کا حال سن کر تو دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر یہ کہہ دیا: واللہ! لایمکن ثم باللہ لایمکن۔

اہلِ ف اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے اور اس کی مانند بنانا طاقت بشریہ سے خارج ہے خواہ مضامین کی خوبی ہو یا اس کے ساتھ عبارت بھی حدِ اعجاز کو پہنچ گئی ہو یا کوئی اور سر ہو۔ مگر جمہور اہل اسلام یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن اپنی فصاحت و بلاغت میں بھی بے مثل ہے اور اس کا مثل بنانا بشر سے محال ہے اور یہ بات خدا تعالیٰ نے اس لئے قرآن میں رکھی کہ عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس میں ان کو عاجز کر کے اس کا منجانب اللہ ہونا بتلا دیا۞۔

## وجہ تسمیہ سورۃ

نکات: سورہ۔ شرع میں قرآن مجید کے اس حصہ کو کہتے ہیں کہ جس میں کم از کم تین آیتیں ہوں اور اس حصہ کا کوئی نام معین بھی ہو جیسا کہ سورۂ فاتحہ، بقرہ۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ اس کا واؤ اصلی ہے، اس بنا پر یہ سورۃ البلد (شہر پناہ) سے ماخوذ ہے اس مناسبت سے کہ سور البلد جس طرح شہر کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے، اسی طرح سورہ بھی چند آیات یا ہر قسم کے مضامین کو گھیرے ہوئے ہے۔ یا سورہ بمعنی رتبہ سے ماخوذ ہے کیونکہ ہر ایک سورہ کو اس خوبی خاص میں ایک فوقیت اور مرتبہ ہے یا ان کے باہم شرف اور طول وقصر میں مراتب

---

ف:...... بعض نادان، نافہم اپنی جہالت سے مسلمانوں کے مذہب پر اعتراض کرنے کا شوق رکھتے ہیں مگر ان کی بدنصیبی کہ مسلمانوں نے جو کچھ اسلام کے معارف کی بابت لکھا ہے ان کتابوں کو دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا۔ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن محمد ﷺ صاحب کے زمانہ میں تو لکھا نہیں گیا، برسوں بعد خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع کیا لہٰذا کیا ثبوت ہے کہ اس میں تغیر و تبدل نہ ہوا ہو؟ جواب صحیح تواریخ و روایات سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ تمام قرآن آنحضرت ﷺ کے عہد میں لکھا گیا تھا مگر اجزاء متفرق تھے، حفاظ موجود تھے آج کل کے حافظوں سے زیادہ ممکن نہیں ہے کہ ایک زیر وزبر کا بھی فرق ہو جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد کے قرآن سے چند نسخے لکھوا کر جابجا تمام ملک شام و مصر وغیرہ ممالک میں بھیجے تھے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ بڑے بڑے حافظوں کی نگرانی تھی، اس پر یہ احتمال کرنا کہ کہیں کم زیادہ نہ ہو گیا ہو گویا اپنی کتابوں پر قیاس ہے جن کا نہ ابتداء میں کوئی حافظ تھا نہ آج کل ہے۔ ان کتابوں میں جو درختوں کے پتوں پر لکھی ہوئی تھیں ممکن ہے کہ کسی حادثۂ عظیم سے پتے گم ہو گئے ہوں اور اصل کتاب میں کمی بیشی ہو گئی ہو، مگر قرآن مجید حافظوں کے سینہ میں تھا آنحضرت ﷺ کے روبرو بہت حافظ تھے، گر ایک حرف بھی نہ لکھواتے تو بھی وہ ویسا ہی محفوظ رہتا کہ حق ہے۔ یہ وصف خاص کتاب قرآن کو ہی حاصل ہے، دنیا میں یہ بات کبھی کسی کتاب کو حاصل ہوئی اور نہ ہوگی۔ قرآن کے حافظ ہر ملک میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ سات برس کا بچہ اور سو برس کا بوڑھا از اول تا آخر بغیر کسی تکان کے مجلس میں سناتا ہے اور کوئی کتاب کہ جس کے معتقد آسمانی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، کل تو کیا نصف حصہ بھی نہیں سنا سکتے۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے جس کا کوئی مخالف انکار نہیں کرسکتا۔ حقانی۔ ۞...... سید صاحب فرماتے ہیں: قولہ صفحہ ۳۳ مگر یہ بات کہ اس کی مثل کوئی نہیں کہہ سکتا اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ کسی کلام کی نظیر نہ ہونا اس بات کی تو بلاشبہ دلیل ہے کہ اس کی مانند دوسرا کلام موجود نہیں مگر اس کی دلیل نہیں کہ وہ خدا کی طرف سے ہے۔ بہت سے کلام انسانوں کے دنیا میں ایسے ہیں کہ ان کی مثل فصاحت و بلاغت میں دوسرا کلام نہیں ہوا مگر وہ من اللہ تسلیم نہیں ہوتے الخ۔ اول تو انسان کا کون سا ایسا کلام ہے جس کی مثل فصاحت و بلاغت میں آج تک باوجود تحدی کے دوسرا کلام نہیں ہو سکا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی نے کوئی عمدہ کتاب تصنیف کی مگر اس وقت کے تمام فصیحوں بلیغوں کو عار دلا کر اس کے مثل بنانے کا اشتہار نہ دیا۔ اتفاقاً مدت تک کسی نے اس بارے میں قلم نہ اٹھایا بلاشک اس وجہ سے یہ کتاب من اللہ تسلیم نہیں ہو سکتی اور جب کہ بڑے زور سے دعویٰ کیا ہو اور سب کو اس میں شریک ہونے کی اجازت دی ہو اور اپنے کلام کے ایک ٹکڑے کے برابر بنانے کی درخواست کی ہو اور لوگوں نے اس امر میں حوصلہ بھی کیا ہو اور پھر اپنے اپنے مسودات اور کلمات کو معیوب سمجھ کر پیش نہ کر سکے ہوں بلکہ خود انہیں کے لوگوں نے اس پر قہقہہ اڑایا ہو، یہ من اللہ ہونے کی صریح دلیل ہے۔ سوم اگر ہادی ہونے میں تحدی تھی تو یہ بھی کلام یعنی قرآن سے متعلق تھی، پھر اس کا مثل نہ بنانا وہی بات ہے کہ سر کے پیچھے سے ہاتھ پھرا کر ناک بتانی فضول ہے امر ہے۔

جداگانہ ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ واؤ اصلی نہیں بلکہ ہمزہ تھی، اس کو واؤ بنالیا ہے اور باہم مبادلہ ہوگیا ہے۔ اس تقدیر پر اس کی اصل سورہ ہے جس کے معنی کسی چیز کا بقیہ اور ٹکڑا ہے۔ یعنی یہ قرآن ایک ٹکڑا ہے اس لئے اس کو سورہ کہنے لگے یہاں تک وجہ تسمیہ کا بیان تھا۔ قرآن مجید کا سورتوں پر منقسم ہونا اس حکمت کے لئے ہے کہ ایک مضمون دوسرے مضمون سے جدا ہو جائے اور ایک قسم کی نظم جو باہم مناسبت رکھتی ہے، دوسری قسم سے علیحدہ شمار کی جائے اور پڑھنے والے کو سہولت اور فرحت پیدا ہوگی۔ جس طرح مسافر جب ایک منزل طے کر لیتا ہے تو دل میں خوش ہوتا ہے کہ اس مسافت کا اس قدر حصہ میں نے طے کرلیا، اس کے علاوہ اور بہت سی حکمتیں ہیں۔ سورتوں کے آنحضرت ﷺ کے عہد میں نام مقرر ہو چکے تھے۔

**معنی شہداء:**......شھداء۔ شہید کی جمع ہے جس کے معنی حاضر اور گواہی دینے والا اور مدد کرنے والا اور حاکم کے ہیں۔ اس کا سرّ یہ ہے کہ لفظ شہید یعنی اس ترکیب میں حاضر ہونے کے معنی ملحوظ ہیں خواہ یہ حضور بالذات ہو یا بالتصور۔ پس مدد کرنے والے اور حاکم اور حاضر میں تو بالذات حضور پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ حاضر تو موقع پر حاضر ہوتا ہی ہے مگر مدد کرنے والا بھی موقع پر حاضر ہوتا ہے اور حاکم کے حضور (روبرو) مقدمات فیصلہ ہوتے ہیں اور گواہی دینے والے میں حضور کے معنی بالتصور پائے جاتے ہیں یعنی جب وہ گواہی دیتا ہے تو اپنے خیال میں اس بات کو حاضر کرتا ہے اور جو شخص خدا کی راہ میں مارا جائے، اس کو بھی اس لئے شہید کہتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہوگیا اور اس کا بدلہ ثواب آخرت اور اس کے مصاحب ملائکہ اس کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں، ''اللّٰھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک'' اس مقام پر یہ چاروں معانی مراد ہو سکتے ہیں یعنی تم قرآن کی سورہ کے مثل بنانے میں جو لوگ اس وقت بڑے فصیح و بلیغ، حاضر اور موجود ہیں ان کو بلاؤ اور ان سے مدد لو اور جو تمہارے کلام پر سورہ کے مثل ہونے کی گواہی دیں، ان کو بھی بلاؤ اور جو لوگ تمہارے زعم میں تمہارے مددگار اور حاجت روا ہیں اور جن کے نام کی تم دہائی دیتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو، ان سے بھی مدد لے کر دیکھو۔ الغرض سب زور لگالو اور پھر حاکموں کے پاس اس منازعت کے فیصلہ کے لئے بھی چلو۔ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔

**تفسیر لفظِ دُوْنَ:**......دون اللہ۔ دون کے معنی پاس اور قریب جگہ کے ہیں اور اسی لئے کتابوں کے تصنیف کرنے کو تدوین کہتے ہیں کہ ایک مضمون کو دوسرے مضمون کے ساتھ متصل اور پاس کیا جاتا ہے۔ پھر بطور مجاز کے رتبہ میں بھی اس لفظ کا استعمال ہونے لگا۔ کہتے ہیں کہ زید دون عمرو یعنی زید، عمرو سے کم رتبہ ہے اور اسی لئے حقیر چیز کو دون یا دنی کہتے ہیں اور اسی لئے اس عالم کو کہ حقیر و ذلیل ہے، دنیا کہتے ہیں (مؤنث کا صیغہ) یا اس لئے کہ یہ قریب اور پاس اور وہ عالم بعید ہے۔ پھر اس میں بھی وسعت دی گئی ہے اور اس کلمہ کا ایک چیز کو چھوڑ کر دوسرے کے اختیار کرنے پر اطلاق ہوا اور لفظ غیر کے قریب المعنی ہوگیا۔ اس مقام پر اس کے معنی غیر کے ہیں یعنی خدا تعالیٰ کے غیر اور اس کے سوا جس قدر تمہارے مددگار ہیں، سب سے مدد لو۔

مما نزلنا۔ نزول اوپر سے نیچے کسی چیز کا اترنا۔ اس جگہ قرآن مجید مراد ہے کہ بواسطہ جبرئیل علیہ السلام[1] عالم بالا سے نبی ﷺ پر اترا۔

---

[1] تفسیر القرآن کے مؤلف نے اس مقام پر صفحہ ۳۶ سے لے کر ۴۱ تک اپنے خیالات فاسدہ کو بہت کچھ طول دیا ہے اور چند ابحاث لکھی ہیں۔ (۱) مما نزلنا پر جس کا خلاصہ امام رازی پر نزول وحی کے بارے میں اعتراض اور تمام علمائے اسلام پر طعن کے بعد یہ ہے کہ خدا اور پیغمبر میں جبرئیل وغیرہ کوئی واسطہ نہیں، صرف اسی کے خیالات جس طرح کہ مجنونوں کو مجسم نظر آیا کرتے ہیں اور کوئی باتیں کرتا معلوم ہوتا ہے آوازیں سنائی دیتی ہیں، اسی طرح اس نبی کو نظر آتے، باتیں کرتے ہیں۔ اس کے دل سے خیالات اٹھ کر دل پر فوارہ کی طرح اچھلتے ہیں اور یہی نزول وحی ہے۔ (۲) بحث نبوت کی بابت ہے کہ نبوت خدا کی طرف سے ایک ایسا عہدہ سمجھنا کہ وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ'' اہل اسلام کا غلط عقیدہ ہے بلکہ نبوت ایک فطری ملکہ ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

## تدریجاً قرآن کا نزول

**نکات:**......۱)......نزلنا فرمایا انزلنانہ کہا۔ اس لئے کہ تنزیل کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا اور انزال کے معنی ایک بار نازل کرنا ہے۔ گویا قرآن مجید لوح محفوظ سے بیت المعمور تک ایک بار نازل ہوا مگر وہاں سے دنیا میں آنحضرت ﷺ کے پاس حسب حاجت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوتا تھا اور اس بات سے بے وقوفوں کو شک پیدا ہوتا تھا کہ یہ تو شاعروں اور دیگر مصنفین کی طرح تھوڑا تھوڑا تصنیف کر کے سناتا ہے۔ اگر منجانب اللہ ہوتا تو تمام قرآن کو ایک بار ہی دکھلاتا بلکہ کاغذوں میں لکھا ہوا اور جلد بندھا ہوا لا کر سامنے دھر دیتا کہ دیکھو مجھ پر یہ کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ ''قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً'' چونکہ وہ جاہل اس پارہ پارہ نازل ہونے کے سرّ سے واقف نہ تھے اور یہ نہ جانتے تھے کہ کسی نبی پر آج تک اس طرح سے بنی بنائی کتاب نازل نہیں ہوئی ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اس امر سے درگذر فرما کر اسی تقدیر پر قائل کیا کہ اچھا یوں ہی سہی، تم بھی پوری کتاب نہیں بلکہ اس کے ایک ہی ٹکڑے کے برابر تو بنا لاؤ۔ اس لئے لفظ نَزَّلْنَا فرمایا انزلنانہ کہا۔

۲)......اس تحدی (معارضہ) کو خدائے تعالیٰ نے ایک نکتہ کے لئے کئی سورتوں میں مختلف طور سے بیان کیا۔ اس سورہ میں اور سورہ یونس میں تو اس طرح فرمایا اور سورہ ہود میں یوں فرمایا: ''فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ'' کہ اس کے دسویں حصہ ہی کے مانند بنا لاؤ اور خدا تعالیٰ کے سوا جس سے چاہو مدد لو اور سورۂ اسریٰ میں یوں فرمایا: ''قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا'' اگر تمام جن وانس اس قرآن کی مثل منانے پر متفق ہو جائیں اور ایک دوسرے کی مدد بھی کرے تب بھی اس کے مانند نہ بنا سکیں گے اور سورۂ قصص میں یوں فرمایا: ''قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ'' کہ ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو خدا تعالیٰ کے ہاں سے کوئی کتاب لا کر دکھاؤ کہ جو قرآن و توراۃ سے زیادہ ہادی ہو۔ میں بھی اس کو مانوں گا۔ پس ان سب آیات کو ملا کر یہ نکتہ پیدا ہوا کہ خواہ تم ایک سورۃ کے برابر خواہ دس کے، خواہ تمام قرآن کے برابر بنا کر دکھاؤ۔ یہ سخت معارضہ ہے گویا یوں فرمایا کہ اس کے برابر بناؤ یا اس کے نصف کے برابر یا اس کے ربع کے برابر، بناؤ تو سہی۔

---

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) کہ جس طرح انسان کے اندر اور صدہا فطری ملکات ہیں، یہ بھی ایک ملکہ ہے کہ جو جسم کے قوی اور ضعیف ہونے سے قوی وضعیف ہوتا ہے پس جس میں اخلاق انسانی کی تعلیم وتربیت کا ملکہ بمقتضائے اس کی فطرت کے خدا تعالیٰ سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے (پھر یہ پیغمبری کسی شخص اور کسی زمانہ میں منحصر نہیں بلکہ ہر ملک اور ہر زمانہ میں ایسے لوگ کہ جو رفارمر کہلاتے ہیں، نبی ہیں چنانچہ ہندوستان میں دیانند سرسوتی اور بنگالہ میں بابو کیشب چندر سین اور انگلستان میں فلاں فلاں صاحب اب بھی نبی ہیں۔ تہذیب الاخلاق مطبوعہ ۱۲۹۲ھ۔ (۳) لفظ اُعِدَّت سے دوزخ اور جنت کا بالفعل موجود ہونا خیال کرنا جیسا کہ جمہور اہل سنت والجماعۃ عقیدہ رکھتے ہیں، غلط ہے کیونکہ قطعی الوقوع چیز کو قرآن بلفظ ماضی تعبیر کرتا ہے۔ (۴) بحث دوزخ وجنت کی بابت ہے کہ جنت کی حقیقت کا بیان کرنا خدا کو بھی محال ہے۔ جنت ودوزخ صرف راحت وتکلیف کا نام ہے۔ موسیٰ نے اس کی تفسیر کثرت اولاد اور پیدائش مال کے ساتھ کی ہے اور دوزخ ان چیزوں کے نقصان اور ہیضہ وغیرہ مصائب کو بتلایا ہے۔ محمد ﷺ نے قرآن میں لوگوں کو رغبت اور خوف دلانے کی مصلحت سے اس کی تفسیر حور وقصور باغ اور نہریں اور شعلۂ آتش اور زقوم وحمیم کے ساتھ کر دی اور دراصل یہ چیزیں جنت اور دوزخ میں نہیں۔ اگر یہی جنت ہے تو اس سے ہماری خرابات بہتر ہیں...... اقول یہ ان کے اقوال کا خلاصہ مطلب ہے اب ناظرین دیکھ لیں کہ یہ باتیں بلا دلیل جو خان صاحب نے بیان کی ہیں، محض فرقہ برہموسماج کی تقلید ہے یا نہیں؟ اور ان خیالات کو تنہا اسلام بلکہ کل آسمانی مذاہب سے کس قدر مباینت ہے اور اس وقت جو الحاد یورپ کے دریائے ناپیدا کنار کی موجیں ہندوستان کو تہ وبالا کر رہی ہیں (جس سے ہزاروں کوڑھ مغز کہ جن کو نہ علوم اسلامیہ سے بہرہ نہ فنون عقلیہ سے حصہ نہ دینی برکتوں سے نصیبہ بلکہ پکے دنیادار، جاہ ومال کے بندے نفسانیت سے بھرے ہوئے، کسی قدر ثروت دنیا حاصل کر کے بانی مذہب جدید ہو گئے اور سینکڑوں بندگان خدا کو گمراہ کر دیا اور حیات ابدی سے محروم بنا دیا) ان سے کسی قدر مناسبت ہے، ان خیالات کا بطلان مقدمۂ کتاب میں ہو چکا ہے فمن شاء فلیرجع الیہا۔ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

**جہنم کا ایندھن:** ...... ۳) ... ''وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ'' فرمایا کہ آتش جہنم میں آدمی اور پتھر جلتے ہیں۔ اس میں یہ ارشارہ ہے کہ جولوگ غیر اللہ کو پوجتے ہیں اور ان کو حاجت روا سمجھتے ہیں اور ان کے نام کی دہائی دیتے اور نذر و نیاز دیتے ہیں، وہ عابد اور معبود دونوں خدائے جبار کے قہر میں مبتلا ہیں۔ خدا کا قہر آگ کی صورت میں متمثل ہو کر ان کو جلا دے گا اور جہنم کا ایندھن بنا دے گا اور عرب کے لوگ اکثر پتھر کے بت بنا کر پوجتے تھے اس لئے حجارہ کہا۔ الغرض اس لطف کے ساتھ ان کی بت پرستی کی سزا اور بتوں کی وقعت اور اقتدار کا اندازہ ظاہر کر دیا۔

**چند مقاصدِ ضروریہ:** ......اس تھوڑے سے کلام میں خدا تعالیٰ نے ان چند مقاصد ضروریہ کو کس خوبی کے ساتھ ادا کر دیا کہ جس کا کچھ بیان نہیں (۱) جس امر میں مخالفوں کو بڑا دعویٰ تھا، اسی میں ان کو عاجز بنا کر قرآن کا منجانب اللہ ہونا ثابت کر دیا۔ (۲) اس کے ضمن میں اس معجزہ قرآنیہ سے نبی ﷺ کی نبوت کو مخالفوں کے روبرو متیقن اور ثابت کر دیا حتیٰ کہ پھر جو کوئی انکار کرتا تو عناد سے کرتا تھا۔ ''لِاَنَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔ (۳) وَادْعُوْا[ف] شُهَدَآءَكُمْ سے خدا تعالیٰ کے سوا جس قدر معبود لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے اور ان کو حاجت روا یا قادر مطلق یا قادر مطلق کا مختار عام یا داروغہ با اختیار جانتے ہیں (جیسا کہ ہنود کالی، بھوانی، بھیروں، ہنومان، کرشن، بشن، مہادیو، راجہ، رام چندر۔ کو اکب و عناصر و ارواح وغیرہا اشیاء کو اب تک ایسا جانتے اور ان کے نام کے پتھر، تانبے، پیتل کے بت بنا کر پوجتے ہیں۔ جس کو یقین نہ آئے تو بنارس ❶ جا کر دیکھ لے۔ ان کا عاجز ہونا بھی ثابت کر دیا گویا یہ توحید کے لئے ایک برہان قاطع اور ابطال شرک کے لئے دلیل ساطع ہے۔ (۴) وَلَنْ تَفْعَلُوْا سے قیامت تک پیشین گوئی کر کے آنحضرت ﷺ کو کامل اطمینان دلا دیا جس سے آنحضرت ﷺ نے اس دعوے کو نہایت اطمینان سے لوگوں کو سنا کر اپنی نبوت کا ثابت کر دیا۔ (۵) فَاتَّقُوا النَّارَ سے عالم آخرت اور وہاں کے احوال عذاب و ثواب اور بت پرستی اور کفر کی سزا جہنم ابدی کو بیان اور نتیجہ اعمال کو عیاں کر دیا۔ (۶) الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ سے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ آگ یہاں کی آگ سے بہت تیز ہے۔ یہاں کی آگ لکڑیوں سے جلتی ہے، وہ آگ ارواح کفار اور سخت پتھروں سے سلگتی ہے اور یہ کہ وہ معبود کہ جن کو لوگ پوجتے ہیں، محض بے حقیقت ہیں۔ اور کا تو کیا بھلا کریں گے، اپنے ہی تئیں مؤاخذہ سے بری نہ کر سکیں گے۔ جب مکہ میں حضور ﷺ نے انوار توحید کو پھیلا اور آفتاب نبوت بلند ہوا تو بتوں میں سے آواز آیا کرتی تھیں کہ اب ہماری پرستش کا زمانہ ختم ہو گیا چنانچہ اسلام لانے سے تھوڑے دنوں بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ایک بت کے آگے قربانی لے کر گئے تو اس کے اندر سے نوحہ کی آواز آئی اور چند اشعار نبی ﷺ کی شوکت کی بابت سنائی دیئے اور اسی غیبی نے پھر کلمات الوداع پڑھ کر حسرت و افسوس ظاہر کیا۔ اس قصہ کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔ (۷) اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ سے یہ بات ثابت کر دی کہ جنت و دوزخ بلکہ جو کچھ عالم ظہور میں آنے والا ہے، وہ سب کچھ عالم مثال میں قائم ہو چکا ہے۔ یہ مسلم ہے کہ قرآن مجید میں آئندہ ہونے والی چیزوں کو کہ جو قطعاً واقع ہوں گی، ماضی کے صیغہ سے تعبیر کیا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس چیز کو اس لفظ سے بیان کیا ہو وہ ہنوز واقع نہ ہوئی، آئندہ ہو گی۔ پس ان دونوں چیزوں میں مساوات سمجھ کر یہ کہہ دینا کہ جنت و دوزخ ہنوز پیدا نہیں ہوئیں، بڑی غلطی ہے۔ اس لئے جمہور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دوزخ و جنت اب بھی موجود ہیں، نہ یہ کہ قیامت کو موجود ہوں گی جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کس لئے کہ اگر

---

ف: ...ادعوا شھداء کم فرمانے میں ایک اور نکتہ بھی ہے کہ ایام جاہلیت میں بعض کاہنوں سے جن مقفی و مسجع کلام کیا کرتے تھے اور اس کلام کو وہ جاہل بہت ہی بڑا فصیح و بلیغ سمجھ کر جامع میں پڑھتے تھے، اس آیت میں اس پر بھی تعریض فرما دی کہ یہ کسی جن کا کلام نہیں اور نہ حضور ﷺ کاہن ہیں۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو تم خود بھی زور لگا کر دیکھو اور اپنے بھوت دیوتاؤں سے بھی مدد لے دیکھو کہ تم اور وہ سب جمع ہو کر اس کے ایک ٹکڑے کے برابر بھی سنا سکتے ہیں، ہرگز نہیں۔ منہ ❶ ...... بنارس جانے کی کیا ضرورت ہے، ہر گاؤں اور ہر شہر میں یہی صورت ہے۔ منہ۔

یہ ہو تو جس قدر عہد آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک لوگ نیک اور متقی مرے ہیں، وہ جنت اور وہاں کے نعماء سے محروم ہیں اور برے لوگ جہنم سے بچے رہیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے عرصۂ دراز تک کیوں اعمال کی جزا وسزا نہیں ملتی ہے۔

علاوہ اس کے قرآن وحدیث اس پر گواہ صادق ہیں۔ خود حضرت آدم علیہ السلام جنت میں رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جنت ودوزخ کی سیر کی اور ایک بار نماز پڑھتے میں دوزخ وجنت کو دیکھا اور یوں بعض شخصوں کو دوزخ وجنت کو دیکھ کر خبر دی اور ان باتوں کو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نہیں بلکہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے اور کتب احادیث صحاح ستہ وغیرہا میں بہت سے طرق سے یہ روایات مروی ہیں۔

**تحقیق مسئلہ دارِ آخرت:**...... تحقیق اس مسئلہ دار آخرت کی یہ ہے کہ قدیم سے علماء بنی آدم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان صرف اس پیکر جسمانی کا نام نہیں، نہ حس وادراک کا کام ہے مثلاً کان نہیں سنتے بلکہ اس دریچہ سے کوئی اور سنتا ہے۔ آنکھ نہیں دیکھتی، اس کھڑکی سے کوئی اور دیکھتا ہے۔ اگر شنوائی یا بینائی کی قوتیں ہاتھ یا پاؤں یا پشت میں رکھی جاتیں تو وہ اصلی انسان جس کو روح یا نفس ناطقہ یا آتما کہتے ہیں، وہیں سے سنتا دیکھتا۔ اسی پر اور قوتوں تکلم وغیرہ کو قیاس کر لیجئے اور اصلی انسان کا یہ پیکر جسمانی اس عالم عنصری میں ایک آلہ ہے۔ جب وہ اس پیکر جسمانی کو چھوڑ دیتا ہے جس کو موت عرف عام میں کہتے تب وہ سننے میں اس کان کا، دیکھنے میں اس آنکھ کا، بات کرنے میں اس زبان کا محتاج نہیں۔ رنج وراحت بھی جو کچھ ہے، اس اصلی انسان کو ہے۔ جسمانی امراض سے جو الم ایک تعلق خاص کی وجہ سے پہنچتا ہے، اسی ادراکی قوت کے سبب سے پہنچتا ہے۔ اگر کسی دوا سے جیسا کہ کلوروفارم سے اس ادراک کو معطل کر دیا جائے تو کوئی الم ودرد نہیں ہوتا خواہ جسم کو پارہ پارہ کر دیجئے، یا اس تعلق کو قطع کر دیجئے، ہاتھ پاؤں کو کاٹ ڈالئے۔ گو قطع تعلق کے وقت درد ہوگا مگر اس کے بعد آنکھوں کے سامنے اس ہاتھ پاؤں بریدہ کو کاٹیے جلائیے، اصل انسان کو کچھ بھی درد والم نہیں ہوتا۔ دیکھئے خواب میں انسان چلتا ہے مگر نہ ان پاؤں سے، دیکھتا ہے مگر نہ ان آنکھوں سے سنتا ہے مگر نہ ان کانوں سے، کھاتا پیتا ہے، لذات والم اٹھاتا ہے نہ اس جسم سے۔ وہاں اس کے لئے اور ہی ہاتھ پاؤں اور اور ہی ناک، کان، آنکھ ہے اور اور ہی زبان ہے۔

**ایک شبہ اور اس کا جواب:**...... اس تمثیل پر فلاسفی کا ایک شبہ ہے کہ یہ جو خواب میں ہوتا ہے، صرف عالم بیداری کے تخیلات ہیں باقی کچھ نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ضرور خواب میں عالم بیداری کے خیالات بھی ہوتے ہیں۔ اس سے انکار نہیں مگر اس پر حصر کر دینا ایک بڑی نادانی ہے، کس لئے کہ بارہا خواب میں آنے والے واقعات ہوبہو دکھائی دیتے ہیں جو اب تک پیش نہیں آئے تھے، ان پر تخیلات بیداری کا اطلاق بے جا ہے۔ تخیلات گذشتہ واقعات ہو سکتے ہیں کہ جن کی تصویر خزانہ خیال میں گزر جانے کے بعد باقی رہتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم ایک شہر میں گئے کہ جس کو نہ کبھی دیکھا نہ سنا اور وہاں کے بازار ومکان دیکھے، وہاں کے آدمیوں سے ملے اور ان سے فلاں فلاں معاملات پیش آئے۔ پھر بیداری میں تھوڑے دنوں بعد یا ایک عرصہ بعد بعینہٖ وہی شہر اور وہی بازار اور وہی آدمی اور وہی معاملات اس عالم میں دیکھے گئے اب اس قسم کے رؤیا میں جو کچھ دیکھا، جو کچھ سنا، جو کچھ رنج وراحت اٹھایا، جو کچھ کھایا پیا اس جسم اور اس پیکر جسمانی سے تھی، ہرگز نہیں۔ یہ تو محل استراحت میں پڑا تھا۔ گو بیداری میں جب وہ چیزیں پیش آئیں یہ جسمانی پتلا بھی ساتھ ساتھ ہو لیا اور پھر رنج وراحت کا یہی آلہ بن گیا۔

**اصلی انسان اور پیکر انسانی میں باہم کیا تعلق ہے اور کیوں منقطع ہو جاتا ہے:**...... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس اصلی انسان اور پیکر انسانی میں باہم کیا تعلق ہے اور کیوں منقطع ہو جاتا ہے اور اس انقطاع کو موت کہا جاتا ہے اور دراصل وہ اصلی انسان کیا

ہے اور بعد انقطاع تعلق اس کی کیا حالت ہوتی ہے؟ ان تینوں سوالوں کا جواب ایک سرّ روحانی ہے جہاں اس فلسفہ اور حکمت کا گزر بھی نہیں۔ کیونکہ یہ فلسفہ جہاں تک اس کی وسعت تسلیم کی جائے، عالم محسوس سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھا یعنی اس کی تحقیقات کا دائرہ ان ہی چیزوں تک محدود ہے جو محسوس ہیں مثلاً جو اس آنکھ سے دکھائی دے سکتی ہیں، زمین، ستارے، حجر وشجر، بروبحر، معدنیات وغیرہ۔ فلسفہ نے ان چیزوں میں موشگافی کی ہے۔ انہیں کے متعلق حیرت انگیز کام لینا، اسٹیمر، ریل گاڑی وغیرہ، معدنیات کے آثار مخفیہ کا انکشاف یا نباتات کے آثار غریبہ کا انکشاف یا دوربینوں، خوردبینوں سے کرۂ ہوا کی عجائب مخلوق کا انکشاف وغیرہ وغیرہ جس نے عامہ عقول کو حیرت میں ڈال دیا اور ان فنون کے ماہر وموجد نے خود پسندی سے علم کا انحصار ان ہی پر کر دیا۔ جس طرح ایک لائق معمار کو باورچی کے کام سے بے خبری ہے یا ایک لائق پلیڈر قانون دان کو لوہار کے کام سے ناآشنائی ہے، اسی طرح اس فلسفی کو مسائل روحانیہ سے بے خبری ہے۔ مگر یہ ناچیز بندہ اس علم روحانی سے جو اس کو اس فن کے استادوں سے حاصل ہوا ہے مختصراً جواب دیتا ہے۔ تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

**تحقیقِ پیکر جسمانی:**......(۱) پیکر جسمانی دراصل انسان کے تعلق کا ایک بہت بڑا باریک مسئلہ ہے جس کی تصریح کے لئے نہ مجھے کوئی مثال ملتی ہے نہ اس کی تعبیر کے لئے میرے پاس الفاظ ہیں۔ اس مشکل پر جو کچھ بیان کیا جائے وہ کافی سمجھا جائے۔ پیکر انسان میں اغذیہ کے باقاعدہ تصرف میں لانے سے جو خون پیدا ہوتا ہے اور اس سے لطیف ابخرات پیدا ہو کر عروق وغیرہ کے ذریعہ سے تمام جسم میں علیٰ قدر ضرورت پہنچتے ہیں، اس کو عربی زبان میں نسمہ کہا جاتا ہے اور اسی کو روح طبی بھی کہتے ہیں۔ یہ نسمہ اس اصلی انسان یعنی نفس ناطقہ کا مرکب ہے۔ ان دونوں میں وہی تعلق ہے جو پھول اور اس کی خوشبو میں یا جو دہکتے کوئلوں اور آگ میں نفس ناطقہ اس نسمہ میں تدبیر اور تصرف کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے تمام بدن کا انصرام ہوتا ہے۔ جس طرح نفس ناطقہ کا مرکب نسمہ ہے، اسی طرح نسمہ کا مرکب خون ہے۔ اب ان اسباب تعلق میں سے جو کوئی سبب اپنی حالت پر باقی نہ رہے گا، وہ تعلق منقطع ہو جائے گا۔ جس طرح تیل نہ ہونے سے بتی کی لو جاتی رہے گی اور لو کے جانے سے وہ روشنی چلی جائے گی جس نے تمام مکان کو روشن کر رکھا تھا۔ اب تیل اور اس روشنی میں دیکھئے کیا نسبت ہے۔

الغرض اس تعلق کا انقطاع یا اس جسم کا کلاً یا جزءً فنا کر دینے سے جسم مر جاتا ہے، اسی طرح دم گھونٹ دینے یا گردن مار دینے سے، سمّی (زہریلی) دوا کھلا دینے سے، امراض شدیدہ سے یعنی ان چیزوں سے جو اس انتظام کو درہم وبرہم کر دینے والی ہوں۔ یہ تو عارضی انقطاع تعلق تھا اور طبعی بھی ہوتا ہے کہ اس کے جسم کے قویٰ یعنی چراغ اور اس کا تیل انحلال پذیر ہو جانے سے اس کو موت طبعی کہتے ہیں۔ پھر اس خول سے وہ اصلی انسان اس طرح باہر ہو جاتا ہے جس طرح چھلکے سے پھل۔ اس چھلکے اور اس کے اندر کے پھل میں جس طرح ایک قسم کی صورت میں مناسبت ہوتی ہے، اسی طرح اس پیکر اور اصل انسان میں۔ مگر کہاں یہ صورت، کہاں وہ شکل؟ اور یہ استحالہ اور انقلاب اس پیکر پر کوئی نئی بات نہیں۔ غذاؤں، اناج، گوشت وغیرہ نے معدہ میں جا کر کئی الٹی پلٹیوں کے بعد منی کی صورت اختیار کی تھی، پھر اس منی نے عورت کے جسم میں جا کر کیا کیا بہروپ بدلے۔ خون ہوئی، پھر گوشت کا لوتھڑا ہو گئی، پھر اس میں ہاتھ پاؤں اعضائے جسمانی نمودار ہو گئے پھر ایک زمانہ تک وہاں قدرے پختہ ہو کر انسانی پیکر بن کر رحم سے باہر آئی، پھر یہ پیکر بھی دن بدن کیا کیا روپ بدلتا رہا آخرکار انحطاط شروع ہوا اور ہوتے ہوتے اس میں سے انسان نکل جانے کے بعد گل سڑ گیا۔ مٹی میں مٹی مل گئی اور پھر وہی مٹی بن گئی جو ترکاری وغیرہ بن کر معدہ میں جا کر کیا کیا بنی تھی۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ کہاں چلے گئے اس پیکر یا اس خول میں سے جو انسان برآمد ہوتا ہے، اس کے حالات بیان فرمائیے۔ یہ بات کہ اس پیکر سے انسان برآمد ہوتا ہے، اس پر کوئی برہان ہندسی یا دلیل ریاضی وطبعی قائم نہیں ہو سکتی

ہے تو مجھے معلوم نہیں یہ ایک سر روحانی ہے جس کو فن روحانیات میں کچھ بھی دخل ہے، وہ اس کو دیکھ سکتا ہے مگر اطمینان منکر کے لئے اتنی بات کہے بغیر نہیں رک سکتا کہ جس قدر دنیا میں متمدن قومیں ہیں اور ان میں بزرگ گزرے ہیں، ہزاروں سینکڑوں برسوں سے اس کے قائل ہیں۔ ہندو، پارسی، یہودی، عیسائی، بودھ، مسلمان، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد ﷺ اور وہ اپنی قوموں سے یہ بات فرما بھی گئے ہیں۔ حکماء یونان بھی اس کے قائل ہیں۔ حال کے حکماء یورپ میں بھی اب اس طرف توجہ ہو رہی ہے اور بڑے بڑے سائنس دان، ڈاکٹر اس کے قائل ہوتے جاتے ہیں اور سالانہ جلوس میں جو اسی بابت منعقد ہوا کرتے ہیں، ہر ایک نے اپنے اپنے انکشاف کا حال مختلف تقریروں میں بیان کیا ہے (ملاحظہ ہو حدیقۃ الفکر، مصنفہ فرید آفندی، مطبوعہ مصر) دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ اصل انسان جو ایک جوہر نورانی ہے اس کے لئے جسم، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء بھی ہوتے ہیں، بات چیت بھی کرتا ہے مگر اس کے لئے جسم اور اس کے ہاتھ پاؤں اس جسم عنصری کے سے نہیں۔ وہ جسم بھی ایک طرح کا لطیف ہے بلحاظ اس مادہ کے اور اس تجرد کی وجہ سے اس کو رنج و آلام وغیرہ بھی لاحق نہیں ہوتیں جو اس حالت میں ہوتی ہیں۔ مگر اس حالت کے دکھ درد اور ہیں اور بڑے سخت مگر نہ اس قسم کے۔ اسی طرح لذات وعیش بھی ہیں اور یہاں سے کہیں زیادہ ہیں مگر نہ اس قسم کے۔

اب ہم تیسرے سوال کا جواب دیتے ہیں کہ اس انقطاع تعلق جسمانی کے بعد اس اصل انسان یا روح کی کیا حالت ہوتی ہے؟

اس مسئلہ میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض حکماء اور بعض اہل ہنود جو ویدوں کے ماننے والے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ اس کا پھر اسی طرح عالم حسی میں یہ مناسب اعمال واعتقاد (گیان و کرم) کسی دوسرے جسم سے بھی وہی تعلق پیدا ہوتا ہے اور یہ سلسلہ دور تک جاتا ہے، اس کو وہ (آ گوان یعنی) تناسخ کہتے ہیں۔ اس خیال کی اگر یہ تاویل نہ کی جائے (کہ دوسرے جسم سے تعلق پیدا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کو روحانی جسم دیا جاتا جس کا یہ جسم بمنزلہ پوست اور بمنزلہ مغز کے ہوتا ہے) تو یہ خیال بچند وجوہ غلط ہے جس کی تشریح مطولات میں ہے۔ بعض قوموں کا یہ خیال ہے کہ جسم عنصری سے تو تعلق نہیں رہتا مگر اس کا مسکن بھی یہی عالم عنصری رہتا ہے اور وہ جنوں کی طرح رہتے ہیں۔ اسی لئے وہ ارواح کبھی کسی پر مسلط ہو جاتے ہیں اور ان کے افعال حیرت انگیز بھی مشاہدہ ہوتے ہیں۔ یہ خیال بھی صحیح نہیں۔ ہاں یہ ہوتا ہے کہ کبھی ان کا اس عالم سفلی کی طرف بھی نزول ہوتا ہے اور وہ جس کو چاہتے ہیں، دکھائی دے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت انبیا علیہم السلام اور اولیائے کرام اور شہداء عظام۔ فرشتوں کی خاصیت ان میں ہوتی ہے۔ ہمارے رسول کریم ﷺ کا بعض ارواح طیبات سے اس عالم میں ملاقات کرنا اس کی دلیل ہے۔ فرمایا: رأیت یونس وھو یلبی رایت موسی وھو یصلی۔

اسی طرح بعض ارواح کسی مدت تک جن میں باعتبار تزکیہ کے بالاتر جانے کی صلاحیت نہ تھی، اسی عالم میں چندے قیام کرتی ہیں مگر محسوس نہیں ہوتیں اور کبھی بعض ارواح خبیثہ کو اسی عالم میں عذاب دیا جاتا ہے جس کو بعض ادراک بھی کہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ چند کہنہ قبروں کے پاس سے گزرے اور آپ ﷺ کا خچر یا یابو جس پر سوار تھے بدکا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہاں کن لوگوں کی قبریں ہیں؟ لوگوں نے کہا: مشرکین کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم مردے گاڑنا بند نہ کر دیتے تو میں ان کو جو عذاب ہو رہا ہے، تم کو دکھا دیتا جس کو جن وانس کے سوا سب دیکھ رہے ہیں۔ اسی لئے قبور صلحاء اور قبور فساق و کفار پر بھی نیک و بد آثار لوگوں کو محسوس ہوتے ہیں۔

مگر عام قاعدہ جس کا گروہ انبیاء علیہم السلام قائل ہے اور جس کی خبر دینے پر وہ مامور کئے گئے تھے، یہی ہے کہ نیک بندہ حسب اعمال وایمان اس پیکر کو چھوڑ کر عالم بالا تک پرواز کر جاتا ہے اور فرشتے اس کو نہایت عزت واحترام سے عالم بالا تک پہنچاتے ہیں اور وہیں کہیں اپنے مناسب مقام پر ارواح میں ملتے اور ہر قسم کا عیش و آرام پاتے ہیں۔ پھر اس میں درجات متفاوت ہیں اور اس مقام کو مقام علیین کہا جاتا

ہے اور بد اور بدکار اس کے برخلاف برے حالوں میں مبتلا ہو کر عالم سفلی میں معذب ہوتے ہیں جس کو سجین کہتے ہیں۔ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح بہت کچھ ہے مگر میں نصف کے قریب بنی آدم کی تسلی کے لئے ایک ایسے شخص کا قول نقل کرتا ہے کہ جس کو ایک عالم مانتا ہے یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کا اور ان پر روحانیت کا یہاں تک غلبہ بھی تھا کہ جس کی وجہ سے لوگ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگے یعنی صفت اشتباہ میں پڑ گئے، الوہیت اور ملکیت کے مراتب کا امتیاز نہ رہا۔

**انجیل میں درج ایک واقعہ:**...... اس قول کو لوقا نے اپنی انجیل کے سولہویں باب میں ذکر کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں: اگلے زمانے میں ایک دیندار مگر سخت مفلس اور بے کس شخص لعزر تھا جس کے زخموں کو کتے چاٹتے تھے اور اسی جگہ ایک دولت مند فاسق و فاجر عیش و نعیم میں سرشار رہتا تھا۔ لعزر کو تمنا تھی کہ کہیں اس کے دسترخوان کے بچے ہوئے ٹکڑے ہی مجھے مل جایا کریں قضارا دونوں مر گئے۔ اس دولت مند نے جہنم اور عذابوں میں سے ابراہیم علیہ السلام کو دور سے دیکھا کہ ان کے پاس لعزر بھی بیٹھا ہے۔ تب اس نے پکار کر کہا کہ اے باپ ابراہیم! مجھ پر رحم کر اور لعزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی سے بھگو کر میری زبان تر کرے کیونکہ میں اس لو میں تڑپتا ہوں۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے فرزند! تو اپنے مزے دنیا میں پا چکا، اب تیرے لئے کچھ نہیں۔ دوسرے ہمارے تمہارے درمیان ایک بڑا عمیق گڑھا حائل ہے جس سے نہ یہاں کا وہاں اور وہاں کا یہاں آ سکتا ہے۔ تب اس نے کہا کہ اے ابراہیم! میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو لعزر کو میرے باپ کے گھر بھیج کہ وہ جا کر خبر کرے اور شہادت دے تا کہ میرے پانچ بھائی جو وہاں ہیں، ایمان لائیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس عذاب کی جگہ میں آئیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا ان کے پاس موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء ہیں، ان کو چاہئے کہ ان کی سنیں۔ اس نے کہا: نہیں، اے باپ! اگر کوئی مردوں میں سے جا کر گواہی دے تو اس کو باور کریں گے اور توبہ کریں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: جب وہ موسیٰ علیہ السلام اور نبیوں کی نہیں سنتے تو مردوں میں سے اگر کوئی ان کے پاس جا کر خبر دے گا تو اس کی کب مانیں گے، انتہیٰ۔

اس بیان سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱)...... یہ کہ مرنے کے بعد ایک دوسرے عالم میں انسان جاتا ہے جہاں اس کے اعضائے بدن بھی ہوتے ہیں اور جسم اول کے مناسب ایک دوسرا جسم بھی ہوتا ہے جس سے ایک دوسرے کو پہچانتا ہے۔

۲)...... یہ کہ وہاں عذاب، لو، پیاس، گرمی وغیرہ بھی ہے اور ثواب بھی۔ جہاں سرد پانی وغیرہ اشیاء بھی ہیں۔ پھر جہاں اعضائے بدن انسانی بھی ہوں گے اور سرد پانی اور لو وغیرہ اشیاء بھی ہوں گی تو پھر کیا کھانا دانہ کچھ نہ ہوگا؟ ضرور ہوگا کیونکہ یہ بھی سامان راحت ہے۔ پھر کیا وہاں عمدہ مکان نہ ہوں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور پھر کیا وہاں ازواج مطہرات نہ ہوں گی؟ کیا مرد ہی راحت و ثواب کے مستحق ہوں گے عورتوں سے وہ جگہ بالکل خالی ہوگی؟ کیا عورتیں جہنم ہی کے قابل ہیں؟ ہرگز نہیں۔ وہ بھی مردوں کے قدم بقدم ثواب و عذاب میں ہوں گی۔ پھر جب ہر قسم کی راحت اور پانی اور عمدہ مکان اور عمدہ کھانے ہوں گے اور بیبیاں بھی ہوں گی اور جسم بھی ہوگا اور اس کے اعضاء اور صحت بھی ہوگی تو کیا مرد نامرد ہو جائیں گے؟ ہرگز نہیں۔ ان اسرار کو قرآن نے کھول کھول کر بیان فرمایا ہے۔ تو کیا یہ محل اعتراض ہے اور کس لئے ان نعماء کی بہ تقلید فلاسفہ تاویل کی جاتی ہے۔

۳)...... مرنے کے بعد دنیا کی سب باتیں یاد رہیں گی اور اپنے اعزہ کی محبت بھی باقی رہتی ہے۔

۴)...... بزرگوں کی صرف اولاد ہونا بغیر ایمان اور اعمال صالحہ کے کچھ بھی فائدہ مند نہیں۔

**قرآن مجید کی بلاغت و اعجاز:**...... واضح ہو کہ قرآن مجید کی بلاغت و اعجاز یہ بھی ہے کہ کسی مضمون کو ناتمام نہیں چھوڑا جاتا اور کس حسن

وخوبی سے تمام کیا جاتا ہے۔ ان ہی آیات میں غور کرو کہ اول عبادت کا حکم دیا اور معبود حقیقی کا نشان اس کے آثار قدرت سے بتلا دیا کہ وہ ہے جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو بنایا اور جس نے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسا کر تمہارے لئے رزق اور روزی کا سامان کیا۔ اب بتاؤ ان باتوں میں کون شریک ہے؟ اس میں ذات وصفات اور توحید اور ردشرک بیان ہو گیا۔ دلیل کے بعد خود ہی نتیجہ کے پیرائے میں بیان فرما دیا کہ پھر جان بوجھ کر کسی کو اس کا شریک نہ کرو یعنی اس عبادت کا وہی مستحق ہے۔ مگر عبادت مقبول اور غیر مقبول کا فیصلہ نبی کے بغیر ہو نہیں سکتا، اس لئے نبی کی صداقت اور قرآن کا کتاب الٰہی ہونا جو عبادات اور جملہ احکام الٰہی کا دفتر ہے، اس آیت اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ میں بیان فرمایا اور ضمن میں منکرین کا انجام جہنم بھی بیان کر دیا۔ اس کلام میں خدا کی توحید اور اس کی صفات اور نبوت اور قرآن کی حقانیت جو امہات المسائل تھے، یکے بعد دیگرے کس طرح مسلسل بیان ہوئے اور عالم آخرت کا بیان کس مناسبت سے شروع ہوا۔ اول دوزخ اور اس کی ہیبت ناک اجمالی کیفیت (کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں) منکرین کے خوف دلانے کے لئے اول یوں بیان فرمائی کہ جلب منفعت سے دفع مضرت مقدم اور اہم تر ہے۔ اس کے بعد عبادت اور خدا تعالیٰ اور اس کی صفات پر ایمان لانے کی اور اس کی توحید کی جزاء بھی بیان فرمانا ضروری ہوا تا کہ اس عالم باقی کی نعماء اور حیات ابدی کی بشارت سن کر نفوس بشریہ اس طرف متوجہ ہوں اور عبادت کی مشقت کو خیال میں نہ لائیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ دار آخرت کا بیان مژدہ اور خوش خبری کے پیرایہ سے شروع فرمایا اور مژدہ کا مدار اسی ایمان اور اعمال صالحہ پر رکھا جو اول دوسرے عنوان سے بیان ہوا تھا۔ فقال:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے، اس بات کا مژدہ دیجئے کہ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے بڑی نہریں بہ رہی ہوں گی۔ جب ان کو وہاں کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم پہلے بھی کھا چکے ہیں اور ان کو ہم شکل چیزیں دی جائیں گی، اور ان کے لئے وہاں پاکیزہ بیبیاں ہوں گی اور وہ وہاں سدا رہیں گے ﴿۲۵﴾۔

ترکیب: ......بشر فعل با فاعل۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ صلہ وموصول، جملہ اس کا مفعول۔ جنت اسم ہے اَنّ کا موصوف تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جملۂ فعلیہ، اس کی صفت، لھم خبر اَنّ کی پس یہ اَنّ اپنے اسم وخبر کے ساتھ مجرور ہے باء کا تقدیرہ بان اور متعلق ہے بشر کے کلما شرط رزقوا . . . الخ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ جملۂ فعلیہ اس کا جواب شرط جزا مل کر دوسری صفت ہوئی جنت کی یا نزمبتداء محذوف کی اے ھم او ھی یا یا جملہ مستانفہ ہے رزقًا مفعول بہ ہے رزقوا کا اور منھا من ثمرۃ میں مِنْ ابتدائیہ ہے دونوں حال ہیں رزقًا سے علیٰ سبیل تداخل یہ تمام جملہ عطف ہے جملۂ سابقہ پر وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا جملہ معترضہ ہے گویا اس کہنے کا سبب اس میں بیان ہے یعنی وہ یہ بات اس لئے کہیں گے کہ ان کو یہ پھل یکساں صورت کے دیئے جائیں گے۔ ضمیر بہ کی مارزقوا کی طرف راجع ہے متشابھا حال ہے ضمیر بہ سے ازواج موصوف مطھرۃ صفت دونوں مل کر مبتداء لھم خبر مقدم جملہ مستانفہ ہے ھم مبتداء خالدون خبر فیھا اس کے متعلق۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا حال لھم سے۔

# اہلِ ایمان کے لئے بشارت وانعامات

تفسیر: ...... کہ اے نبی ﷺ جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام عبادت اور سخاوت وغیرہا کئے ہیں ان کو یہ مژدہ سناؤ کہ ان کو مرنے کے بعد اس عالم میں ایسے باغ عنایت ہوں گے کہ جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں کے میووں میں عجب لطف ہوگا کہ رنگ و بو اور شکل وصورت یکساں اور مزے الگ الگ یہاں تک کہ جب کوئی میوہ ان کو ملے گا تو اس مشابہت سے یہ سمجھیں گے کہ یہ تو ہم ابھی کھا چکے ہیں۔ مگر جب کھائیں گے تو نیا لطف پائیں گے اور ان کو جس طرح مکانات اور کھانے عمدہ عنایت ہوں گے، اسی طرح انس وصحبت کے لئے پاکیزہ بیویاں ملیں گی کہ جو نفرت کی باتیں ہوتی ہیں وہ ان میں نہ ہوں گی، نہ صورت میں نہ سیرت میں۔ اس پر ان کو بڑھاپے اور موت یا افلاس کا غم نہ ہوگا بلکہ وہ اسی عیش وآرام کے ساتھ ہمیشہ رہیں گے۔

# علم مبدء، علم معاش، علم معاد

نکات: ...... ۱) ...... کتب الہامیہ کا زیادہ تر مقصود تین چیزوں کا بتلانا ہوتا ہے۔ (۱) علم مبدء کہ پیشتر کیا تھا اور اس عالم کو کس نے بنایا ہے اور میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں؟ (۲) علم معاش کہ بندہ یا اور چیزیں پیدا ہونے کے بعد خود مختار ہیں اور ہر چیز کی قدرت مستقلہ رکھتے ہیں یا ہر دم معاش میں بھی اسی کے محتاج ہیں۔ وہی اسباب معاش پیدا کرتا ہے اور ہماری سعی وکوشش تو صرف یہ ہے کہ ہم ان اسباب کو کام میں لاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ کسی وقت اس سے بے پروائی اور استغناء نہیں ہوسکتا۔ (۳) علم معاد کہ آخرکار میرا کیا ہونا ہے؟ مجھ کو یہاں سے کہیں اور جگہ بھی جانا ہے وہاں اپنے اعمال کا ثمرہ بھی پانا ہے۔ پس خدائے تعالیٰ نے اوصاف کتاب اور مراتب سعداء واشقیاء بیان فرما کر ان تینوں علوم کو بیان کر دیا۔ اول کو اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ میں اور پھر اس کو اور دوم کو اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً سے لے کر رِزْقًا لَّکُمْ تک اور سوم کو فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ سے لے کر خٰلِدُوْنَ﴿۲۵﴾ تک۔

۲) ...... انسان کی جبلی عادت ہے کہ جب وہ کسی چیز کی مضرت سے واقف ہوتا ہے تو اس سے ڈرتا ہے اور کسی منفعت کی طمع میں کوئی کام کرتا ہے، اس لئے خدا کے کفر کا نتیجہ فَاتَّقُوا النَّارَ ... الخ اور ایمان اور اعمال صالحہ کا ثمرہ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ ... الخ بیان کر دیا اور اسی حکمت سے جہاں ترہیب ہے، ترغیب بھی ہے۔ خوف ورجاء کے دونوں پلے مساوی رہیں۔

۳) ...... کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ میں عالم آخرت کے اسرار کی طرف اشارہ کیا، اس لئے کہ کُلَّمَا عموم کو چاہتا ہے۔ لیکن یہ بات جنت میں اوّل مرتبہ ثمرہ کھانے پر صادق نہیں آتی کیونکہ اس سے پہلے وہ کہاں پا چکے تھے؟ دنیا کے ثمرات اول تو صدہا مفلس اور غریب اہل جنت کو دنیا میں نصیب ہی نہ ہوئے تھے پھر ان کو جنت کے ثمرات سے کیا نسبت؟ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس عالم میں انسان کے معارف واعمال اپنی مناسب کسی شکل میں ظہور کریں گے، جس طرح کہ معانی خواب میں اپنے مناسب اشکال میں دکھائے جاتے ہیں۔ جنت کے ثمرات بھی دنیا کے معارف واعمال صالحہ ہیں، جب ان کو وہاں دیکھیں گے تو اصلی مناسبت کا ادراک یہاں تک کامل ہوگا کہ دونوں کو ایک جان کر یہ کہیں گے کہ یہ تو ہم پہلے پا چکے اور دنیا میں کھا چکے ہیں (واللہ اعلم بمرادہ) پس کفر الحاد اور انبیاء علیہم کی نافرمانی اور بدکاری، آگ اور جہنم مردم سوز کی صورت میں اور ایمان اور اچھے اعمال جنت وثمرات وازواج وانہار کی صورت میں ظہور کریں گے۔ واضح ہو کہ انسان کی رغبت تین چیزوں سے زیادہ ہوتی ہے اور ان ہی کی طرف زیادہ احتیاج پڑتی ہے۔ (۱) مکان عمدہ۔ (۲) اچھے سامان، عمدہ کھانا پینا۔ (۳) عورت حسین۔ پس اول کو تو لھم جنت میں اور دوسرے کو کُلَّمَا

رُزِقُوْا . . . الخ میں اور تیسرے کو وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ میں بیان کر دیا۔ اس پر ایک کھٹکا ان چیزوں کے فنا ہو جانے اور اپنے مرجانے کا بھی ہوتا ہے کہ جو تمام لذتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

**تحقیقات:......سوال:** انسان اور دیگر ابدان اجزاء متضادۃ الکیفیت سے مرکب ہیں کہ جن میں طرح طرح کے استحالات وانقلابات ہوتے رہتے ہیں کہ جن سے انجام کار انحلال وانفکاک ہوتا ہے اور اس مرکب کے اجزاء علیحدہ ہو کر یہ مرکب فنا ہو جاتا ہے۔ پس جب یہ ہے تو جنت میں ہمیشہ رہنا کس طرح ہو سکتا ہے؟۔

**جواب:** ہم پیشتر بھی جنت کی حقیقت بیان کر چکے ہیں اور اب پھر کہتے ہیں کہ جنت میں جسم عنصری تو کیا بلکہ جرم فلکی ⓿ کی قسم سے بھی کوئی جسم نہیں بلکہ وہ عالم اس عالم سے غیر ہے۔ اس عالم پر قیاس کر کے انفکاک وفساد ترکیب کا احتمال نکالنا قیاس مع الفارق ہے۔ قال تعالیٰ: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ کہ یہ زمین اور یہ آسمان اس روز نہ رہے گا بلکہ اس کے بدلے میں اور نئی زمین اور نیا آسمان ہوگا کہ جن کی جسمیت ان کی جسمیت سے بالکل مختلف الماہیۃ ہوگی۔ یوحنا بھی اپنے مکاشفات کے باب ۲۱ میں کہتے ہیں (پھر میں نے ایک نئے آسمان اور نئی زمین کو دیکھا کیونکہ اگلا آسمان اور اگلی زمین جاتی رہی تھی) انتہیٰ۔ وہاں کے اجسام لطافت میں روح کے ہم پلہ ہیں۔ پس جس طرح روح ہمیشہ رہ سکتی ہے، وہ بھی ہمیشہ رہیں گے۔ اس شبہ کی بنیاد ایک فلسفی وسوسہ پر ہے کہ جو نہایت کمزور اور بودا ہے۔

**سوال:** وہ عالم اگر تسلیم بھی کیا جائے تو وہ ایک عالم قدس ہوگا کہ جس میں کھانا پینا، عورتوں سے لذت اٹھانا، عمدہ عمدہ باغ اور نہریں اور خوبصورت عورتیں عیش اڑانے کو کہاں؟ جنت یہ ہے کہ نفس ناطقہ اپنے ادراکات سے حظ اٹھائے گا اور جہنم اور آگ یہ ہے کہ اپنے ملکاتِ رذیلہ اور حقائق الاشیاء کے نہ جاننے پر بڑا تأسف کرے گا، پچھتائے گا۔

**جواب:** یہ سب چیزیں عالم قدس میں موجود ہیں اور پھر عالم قدس کے تقدس میں کوئی بھی فرق لازم نہیں آتا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ عالم اس عالم کا دوسرا پہلو ہے۔ یہاں جو کچھ ہے وہ وہیں کا ظل ہے اور پھر یہاں کی چیزیں وہاں جا کر متمثل ہو جاتی ہیں۔ اس سر مکتوم کا اظہار نہ تحریر سے ہو سکتا ہے نہ تقریر سے انبیاء علیہم السلام یا ان کے متبعین پر کچھ کشف وشہود سے یہ راز کھلا، وہی خوب جانتے ہیں۔ البتہ سمجھانے کے لئے ایک مثال یا نظیر (کہ جس کو اصل مثل لہ سے ادنیٰ سی مناسبت ہے ورنہ زمین وآسمان کا فرق ہے) بیان کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آئینہ میں ہاتھی، گھوڑے، درخت، بڑے بڑے پہاڑ اپنی حقیقی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور جس طرح آئینہ سے بیرونی وجود میں باہم امتیاز ہے، اسی طرح آئینہ کے وجود میں بھی ان چیزوں میں حقیقی امتیاز ہے۔ گھوڑا جدا دکھائی دیتا ہے اور ہاتھ الگ پھر چلتا ہوا اور پہاڑ وقار سے زانو جمائے بیٹھا نظر آتا ہے۔ آسمان وزمین بھی باوجود اس وسعت کے آئینہ میں موجود ہیں، حالانکہ بالشت دو بالشت کا آئینہ ہے اور اس میں ایسی بڑی بڑی چیزیں موجود ہیں، پھر کیا بات کہ صرف یہ کہ یہ چیزیں تو وہی ہیں مگر یہاں اور حال ہے اور باہر اور۔ پس باہر کے حالات کو آئینہ فرض کر کے محال جاننا اور انکار کرنا کوتاہ فہمی ہے۔ ۱۵

اور سنئے! خواب میں جب کہ ہم لحاف میں منہ لپیٹ کر سوتے ہیں تو ہزاروں عجائبات دیکھتے ہیں۔ کبھی باغوں میں جاتے ہیں، کھانا کھاتے، جماع کرتے ہیں۔ انزال کا اثر صبح کپڑے پر پاتے ہیں۔ اسی طرح صدہا مصائب بھی دیکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ صورتیں صرف خیال میں ہوتی ہیں کہ جس میں ہاتھ بھر کی چیز بھی گنجائش نہیں، نہ اس میں عورت آسکتی ہے اور نہ اس میں درخت گھس سکتا ہے۔ پس ان چیزوں کی وجود خارجی کے حالات سے وجود خیالی کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ یہ اس کی وسعت کے مخالف ہے، جہل مرکب ہے۔ یہی حال اس

---

⓿......اور اجسام کا صرف انہیں میں انحصار ماننا دعوائے بلا دلیل بلکہ خیال خام ہے کہ جس کا سرمنشاء حکماء یونان کے توہمات فاسدہ ہیں۔ منہ۔

عالم کا ہے کہ وہاں سب کچھ ہے مگر یہاں جسم عنصری فانی اور وہاں لطیف باقی ۔۔اس رمز کی طرف اس آیت میں اشارہ کر دیا ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۔۔۔الایۃ اور اسی حدیث میں وارد ہے قال رسول اللہ ﷺ اعدت لعبادی الصالحین مالاعین رأت ولا اذن سمعت وما خطر علی قلب بشر (راوی البخاری ومسلم) یہ شبہ بھی بے بنیاد وسوسہ ہے۔

**واضح ہو کہ:**...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تھوڑے ہی دنوں بعد اس حقانی مذہب میں ایسا خلط ملط ہو گیا کہ کچھ کا کچھ ہو گیا۔ جھوٹی انجیلیں اور جھوٹے نامجات حواریوں کے نام سے تصنیف ہونے شروع ہو گئے۔ جس شخص کے جو جی میں آیا، اس نے روح القدس نازل ہونے کے پیرایہ میں لوگوں میں جاری کر دیا۔ چنانچہ پولوس کے خطوط سے بھی بات ثابت ہے (بلکہ پولوس بھی ان ہی میں سے ایک شخص تھا) پھر قوم گریک یعنی یونانی بھی اسی مذہب میں آئے تو انہوں نے اپنے خیالات حکیمانہ کو اس مذہب میں ملایا۔ ہوتے ہوتے پچھلی صدیوں ❶ میں مارٹین لوتھر اور اس کے شاگرد کالون وغیرہ فرقہ پراٹسٹنٹ کے پیشوا ہوئے تو اور بھی الحاد اور دہریت کو ترقی ہو گئی یہاں تک کہ سترہویں صدی میں فرانس اور جرمنی میں سینکڑوں ایسے لوگ صاحب تصنیف ظاہر ہوئے کہ جو صرف خدا کے قائل تھے باقی انبیاء اور ان کے معجزات اور امور آخرت اور جن وملائکہ وجود انسان کو قصہ کہانی جانتے تھے اور پھر تو انگلستان میں بھی اس کا چرچہ پھیلا اور لارڈ ہربرٹ اور مسٹر بلاونٹ اور ہوبس اور ارل شاف جیسے معز زلمحد ہو گئے اور اس بارے میں بہت سی کتابیں انہوں نے تصنیف کیں اور پھر تو امریکہ، ہسپانیہ وغیرہ جمیع بلاد یورپ میں بھی یہ بلا پھیل گئی اور ان نام کے عیسائیوں کی یہ بلا ہندوستان میں بھی آئی اور کلکتہ میں رام موہن نامی بنگالی نے ۱۸۴۰ء میں ان ہی اصول پر بت پرستی سے ناراض ہو کر ایک جدید مذہب کی بنیاد ڈالی اور اس کا برہموسماج نام رکھا۔ پھر اس کے شاگردوں نے انگریزی خواہ بنگالیوں میں اس کا بہت رواج دیا اور ان کی تقلید سے ایک شخص دہلی کے رہنے والے سید احمد خان نے بھی مذہب اسلام کو برائے نام قائم رکھ کر ایک جدید مذہب کی ان ہی اصول ملحدانہ پر بنیاد ڈالی اور قرآن مجید کو تفسیر کے پیرایہ میں اپنے خیالات ملحدانہ کے تابع بنایا۔ مگر یہ کب ہو سکتا ہے؟ اب ہم ان برائے نام عیسائیوں اور برہموسماج اور اس شخص کے ان اعتراضات کو سناتے ہیں کہ جو بہ تقلید حکمائے یونان انہوں نے بے سمجھے بوجھے جنت ودوزخ پر کئے ہیں۔

منجملہ ان کے پادری فنڈر اپنی کتاب میزان الحق کے باب ۳ کی فصل ۳ میں قرآن مجید کی ان آیات کا ترجمہ کر کے جن میں جنت کی جزئیات مذکور ہیں، جیسا کہ حورعین وغیرہ، یہ کہتا ہے: قولہ محمدیوں کا اعتقادی بہشت بالکل مجازی اور جسمانی ہے اس نہج پر کہ جو چیز آدمی کے خیال میں آئے سو وہ وہاں موجود ہے اور نفسانی وجسمانی ہر ایک لذت وعیش جس پر انسان کا دل مائل ہو، وہاں ملتی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ ایسے بہشت کا امیدوار کرنا آدمی کو دل کی پاکی اور نیک فکر سے روک کر نفسانی خواہشوں کو قدرت وقوت دیتا ہے، سو ایسا بہشت خدا کے تقدس کے لائق کیونکر ہو سکتا...... الخ اور اس سے پیشتر قرآن مجید کی آیات کو غلط ثابت کرنے کے لئے لوقا اور پولوس کے اقوال نقل کئے ہیں کہ جن کو اہل اسلام حضرت مسیح علیہ السلام کے دین کا مخرب سمجھتے ہیں، چنانچہ اس کا ثبوت مقدمۂ کتاب میں گزرا اور آئندہ بھی کچھ ہوگا۔ قولہ مسیح نے تو لوقا کے باب ۲۰ کی آیت ۳۴ سے ۳۶ تک یوں فرمایا کہ اس جہان کے لوگ یعنی بہشت کے لوگ نہ بیاہ کرتے ہیں نہ بیاہے جاتے ہیں کیونکہ وہ فرشتوں کی مانند ہے اور رومیوں کے باب ۱۴ کی آیت ۱۷ میں مرقوم ہے کہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت کھانا پینا نہیں بلکہ راستی اور سلامتی اور روح قدس سے خوش وقتی ہے مگر محمد ﷺ نے قرآن میں اس کے برخلاف فرمایا ہے کہ بہشت میں کھانا پینا اور

---

❶ سولہویں صدی مسیحی میں جب کہ پوپ لوگ جو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نائب کہلاتے تھے، ان کی سلطنت میں فتور آیا۔ ان پوپوں کو عیسائی پادری دجال اور شیطان بتلاتے ہیں حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے یہ لوگ سینکڑوں برس سے جانشین تھے۔ پس ان کا یہ حال تھا تو اوروں کا کیا ٹھکانا تھا۔ منہ۔

جوروؤں کے ساتھ رہنا ہے، انتہیٰ۔

**الزامی جواب......اقول:** آپ کی مجازیت و جسمانی کا جواب تحقیقی تو ابھی بیان ہو چکا اور الزامی یہ ہے کہ یہ تو آپ بھی مانتے ہیں کہ جنت میں ایک شخص دوسرے کو نظر آئے گا، کلام کرے گا۔ پس جب یہ ہے تو جسمانیت ثابت ہوئی خواہ وہ کسی قسم کی جسمانیت ہو عنصریت نہ ہو، نہ سہی جب ثابت ہے تو ہر جسم کو مکان کی ضرورت ہے اور دیگر اس کے لوازمات بھی ضروری ہیں لان الشی اذا ثبت ثبت بجمیع لوازمہ حکماء کا مقولہ ہے۔ جب یہ ہے تو ان لوازمات کا حسب مرضی ہونا (کہ جس کو جنت کے معنی چاہتے ہیں کہ بہشت آنجا کہ آزارے نباشد) کچھ خلاف عقل نہیں اور جو کہے تو کوئی دلیل پیش کرے اور آپ کے عقلی دلائل کا یہ جواب ہے کہ اول تو لوقا حضرت مسیح علیہ السلام کے قول کو نقل کرتا ہے اور یہ راوی معتبر نہیں اور نہ یہ شخص حواری ہے، نہ اس سے کبھی معجزہ و کرامت سرزد ہوا، نہ حواریوں میں اس کی قدر و منزلت تھی بلکہ یہ پولوس کا شاگرد ہے جو دینیات میں جھوٹ بولنا ثواب سمجھتا ہے، جیسا کہ مقدمۂ کتاب میں مذکور ہوا اور یہ خود کہتا کہ میں سن کر مسیح علیہ السلام کا حال لکھتا ہوں۔

دوم: اگر اس کو معتبر شخص بھی تسلیم کیا جائے تو ممکن ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ مراد ہو کہ دنیا کی طرح وہاں بکھیڑے نہ ہونگے۔ کس لئے کہ یہ بات، حضرت نے صدوقیوں کے جواب میں بیان فرمائی تھی کہ جو قیامت کے منکر تھے اور جنہوں نے ایک عورت چند شوہر دار کا سوال حضرت سے کیا تھا کہ وہ کس شوہر کو ملے گی۔

سوم: یوں بھی نہ ہو تو پھر خود حضرت مسیح علیہ السلام کے قول سے (انجیل متی کے باب ۲۶، ورس ۲۹) جنت میں انگور کا شیرہ پینا ثابت ہو تو جب وہاں پینا ہے وہاں کیا کھانا نہ ہوگا اور جب شراب ہے تو کیا عورتیں نہ ہونگی؟ ہاں یہ اور بات ہے کہ عیسائیوں کی جنت میں صرف انگور کا شیرہ ہو، نہ باغ ہو، نہ انیس ہو، نہ اور کچھ کھانا ہو جیسا کہ دنیا میں بھنگڑ کہا کرتے ہیں کہ بھنگ ہی کا مکان ہو، اسی کا اوڑھنا اسی کا بچھونا ہو۔ سچ ہے ”فکر ہر کس بقدر ہمت اوست“ علاوہ اس مکاشفات یوحنا کے باب ۷ اور ۲۱ و ۲۲ میں بھی اس قسم کا بیان ہے اور پولوس کے قول کا مسیح علیہ السلام کے قول کے مقابلہ میں کیا اعتبار ہے۔ علاوہ اس کے وہ دنیا کی نسبت یہ کہتا ہے جیسا کہ سیاق کلام سے معلوم ہوتا کیونکہ پیشتر وہ یہ کہتا ہے کہ دنیا میں حلال و حرام پاک و ناپاک چیز کی کوئی احتیاط نہیں بلکہ پاک لوگوں کو ہر چیز پاک ہے پس اس ملحدانہ اعتراض سے اسرار نبوت میں کیا دھبہ لگتا ہے؟ پھر ان کے مقلد برہمو سماج رسالہ خلاصۃ الاصول، مطبوعہ وکیل ہندوستان پریس امرتسر ۱۸۷۵ء کے صفحہ ۱۷ میں یہ لکھتے ہیں کہ صرف روح کا تقرب الٰہی میں مسرور ہونا بہشت ہے اور یہ تقریب الٰہی ابدالآباد بڑھتا جائے گا۔ اگرچہ یہ قول محققین اسلام سے لیا گیا ہے اور قرآن مجید بھی اس کی تائید کرتا ہے فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ۝ بلکہ قرآن و احادیث صحیحہ قاطعۂ اس بات پر متفق ہیں کہ خدائے عزوجل کا قرب اور روح کا اس کے دیدار فرحت آثار سے بشاش ہونا تمام نعماء جنت سے بڑھ کر ہے اور یہ کوئی بھی مسلمان نہیں کہتا کہ جنت صرف اس عالم شہوات و تکدارت میں کامیابی حاصل کرنا ہے۔ شاید کسی نے نافہمی سے یہ سمجھ کر یوں کہا تو کہا ہو بلکہ کل اہل اسلام اس پر متفق ہیں کہ وہ عالم قدس ہے وہاں موت، بیماری، دکھ، درد، بڑھاپا وغیرہ عوارضات جسم عنصری کچھ نہیں اور بالخصوص ابرار تو ہمیشہ مسرت دیدار الٰہی میں مستغرق رہیں گے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ انسان کے اعمال صالحہ و معارف عمدہ عمدہ شکلوں میں ظہور کریں گے اور ان حور اور باغ اور نہروں کا یہی سر ہے۔ پس ان چیزوں کو دنیا کی چیزیں سمجھ کر اعتراض کرنا اور اہل اسلام کا یہی جسمانی و مجازی بہشت قرار دینا بڑی غلطی ہے۔ مگر برہمو کا لفظ صرف اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اگر یہ ہے تو بڑے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔

خان صاحب بہادر نے تو اپنی تفسیر کے صفحہ ۳۶ میں ان دونوں کے مقلد ہو کر جوش و خروش میں آ کر علماء اسلام اور سلف کو بہت کچھ کہا

اور جنت کی نسبت بھی بڑی دریدہ دہنی کی ہے، پھکڑ اڑایا ہے تاکہ اہل اسلام خجل ہو کر اس عقیدہ سے نفرت کریں۔ سب سے پہلے میں خان صاحب کے قول کا مختصراً ملخص کر کے بیان کرتا ہوں اور پھر ان کی پھکڑ بازی کو۔

خان صاحب کہتے ہیں کہ جنت کی ماہیت جو خدا اور رسول نے آیت فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ اور حدیث اعدت لعبادی الصالحین ما لا عین رات و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر میں بتلائی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کو کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے کہ انسان اسی چیز کو جان سکتا ہے کہ جو اس کو حواس خمسہ محسوس ہو اور جنت کا کسی نے حواس خمسہ سے حس نہیں کیا۔ پس اس کا بیان کرنا (گو خدا تعالیٰ ہی چاہے) محال بلکہ محال سے بھی بڑھ کر ہے۔ کس لئے کہ انسان کی کیفیات دنیا رنج و خوشی کی بھی کوئی کیفیت نہیں بتا سکتا۔ اس پر تقدیر اگر جنت کی حقیت یہی باغ اور نہریں اور موتی اور چاندی اور سونے کی اینٹوں کے مکانات اور دودھ اور شراب اور شہد کے سمندر اور لذیذ میوے اور خوبصورت عورتیں اور لونڈی ہوں تو یہ آیت و حدیث کے برخلاف ہے کیونکہ انسان ان کو جان سکتا ہے۔ غایۃ الامر اس قسم کی عمدہ چیزوں کو حواس سے نہیں جانتا تو یہ کچھ بات نہیں کیونکہ عمدگی ایک امر اضافی ہے۔ اس کو جہاں تک ترقی دیتے جاؤ، انسان کا دل میں خیال گزر سکتا ہے۔

پس یہ چیزیں بقدرت طاقت بشری تمثیل کے طور پر سمجھانے کے لئے مذکور ہوئی ہیں ورنہ درحقیقت یہ بہشت میں نہیں اور بہشت و دوزخ راحتوں اور لذتوں اور رنج و تکلیف کا نام ہے مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کے واسطے مصلحتاً بہت سی باتوں سے منع کرنا اور بہت سی باتوں کو عمل میں لانا بیان کرنا پڑتا ہے اور آدمی کی جبلی بات ہے کہ وہ کسی کام سے جو باز رہتا ہے تو کسی خوف سے اور کرتا ہے تو کسی لالچ سے۔ پس اس رحمت و رنج کو ہر نبی نے لوگوں کے حسب حال تعبیر کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جنت کو فراخ دستی، کثرت اولاد و مال وصحت و فتح مندی کے ساتھ اور دوزخ کو قحط و بامغلوبی کے ساتھ تعبیر کیا ہے کیونکہ بنی اسرائیل ان ہی باتوں سے رغبت اور ان ہی چیزوں سے نفرت رکھتے تھے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی تشبیہوں میں بیان کیا ہے کہ جو تمام جہان کی طبیعتوں پر حاوی ہے۔ کس لئے کہ خواہ کوئی گرم و سرد ملک کا رہنے والا ہو، اس کا عمدہ مکان اور باغ اور خوبصورت عورت اور لذیذ کھانوں سے رغبت ہوتی ہے اور آگ میں جلنے اور لہو پیپ کھانے سے ڈر لگتا ہے اور رفارمر یعنی ناصحوں کا یہی کام ہے، انتہی ملخصاً۔

اس قول کا تفصیلی جواب تو ہم مقدمۂ کتاب میں دے چکے ہیں مگر اجمالاً یہاں اس قدر کہتا ہوں:

(۱)..... کہ آیت اور حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جنت کو کوئی نہیں جان سکتا، بلکہ یہ مطلب ہے کہ جنت میں جو کچھ جزئیات اور امور یوماً فیوماً پیش آئیں گے اور جو تفصیلی حالات ہیں، ان کو کوئی شخص نہیں جان سکتا اور نہ دل میں ان کا خیال آسکتا ہے، کس لئے کہ اس عالم کا اور ہی حال ہے۔ اسی عالم میں دیکھئے کہ جنہوں نے لندن اور پیرس کے مکانات اور دیگر لوازمات عیش نہیں دیکھے، نہ ان کا نقشہ دیکھا، نہ تفصیلاً حال سنا اور اس پر یہ شخص کسی گاؤں کا رہنے والا بھی ہو کہ جہاں چھپر اور کھپریل کے سوا اور کچھ نہ ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ جزئیات تفصیلاً اس کے خیال میں نہیں آسکتے باوجودیکہ اس سے وہاں کے اجمالی حالات بھی بیان کئے جائیں (کہ وہاں عمدہ عمدہ کمرے اور نفیس نفیس بلور و شیشے کے آلات و ظروف اور نہایت خوبصورت خدام اور نہایت عمدہ کھانے ہیں) مگر تب بھی باعتبار تفصیلی کے اس پر یہ صادق آتا ہے کہ اس نے نہ ان چیزوں کو آنکھ سے دیکھا ہے، نہ کانوں سے سنا ہے، نہ اس کے دل میں ان چیزوں کا خیال گزرا ہے۔

الغرض اجمالاً علم ہونا اور تفصیلاً اس علم کا سلب کرنا کچھ منافات نہیں رکھتا۔ جس نے "ایساغوجی" بھی پڑھی ہوگی، یہ تو وہ بھی جانتا ہوگا کہ تناقض میں اتحاد جہت شرط ہے۔ پس جنت میں حور اور باغ اور دیگر امور مذکورہ فی القرآن کا ہونا اس آیت و حدیث کے برخلاف نہیں۔

(۲)......اگر یہی مطلب تسلیم کیا جائے کہ آیت وحدیث سے جنت کی حقیقت کا مطلقاً علم ہونا ثابت ہے تو پھر خان صاحب کا یہ کہنا بھی (جنت ودوزخ کی حقیقت ہر طرح کا راحت ورنج اور یہ حور وآگ جو بیان ہوئے تو تمثیلاً نہ کہ حقیقۃ الخ) آیت وحدیث کے برخلاف ہے کیونکہ وہاں تھا کہ کوئی جانتا ہی نہیں۔ یہاں جانا تو سہی، اور نہیں اس قدر تو جنت کو جانا کہ وہ راحت ہے۔ وفیہ تناقض صریح لاینفروہ من لہ ادنی شعور۔

(۳)......اگر بفرض محال علم وادراک کا انحصار حواس خمسہ ہی پر تسلیم کیا جائے تو بندہ کے قصور سے خداوند تعالیٰ قادر میں کیوں عجز لازم آیا کہ جواس کو جنت کا بتلانا محال بلکہ محال سے بھی بڑھ کر ہو گیا باوجودیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ نے بلکہ آپ نے بیان کر دیا۔ اب عام ہے کہ حقیقت جنت کا علم بالکنہ یا بکنہ ہو بالوجہ ہو یا بوجہ ہو۔

(۴)......آپ کے نزدیک جنت اس راحت کا نام ہے کہ جس کو موسیٰ علیہ السلام نے ترقی رزق وغیرہ امور دنیا سے تعبیر کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس عالم میں آرام پانا جنت ہے وذلک فاسد لایقول بہ احد من اہل الکتاب واہل السلام۔

(۵)......آپ کے بیان سے ثابت ہوا کہ دراصل جنت ودوزخ کچھ نہیں۔ پیغمبروں یا رفارمروں کو جب لوگوں کو کسی فعل یا اس کے ترک پر آمادہ کرنا منظور ہوتا ہے تو وہ جنت ودوزخ کا اڑتلہ بنا کر بیان کرتے ہیں اور محض بے اصل بات کو (یعنی حور وقصور، باغ وانہار کو یا آگ وطوق کو) شاعروں کی طرح خیالات بندی کر کے دکھاتے ہیں۔ معاذ اللہ! اس سے بڑھ کر کیا الحاد ہو گا۔ چند روز صبر کیجئے، معلوم ہو جائے گا اور بالفرض آپ کا خیال صحیح نکلا تو ہمیں کیا فکر ہے۔ مگر جب آپ کا خیال غلط نکلا تو دیکھئے اس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ بہر طور آپ خطرہ میں ہیں نہ کہ ہم۔

خان صاحب کی پھکڑ بازی کے اقوال یہ ہیں۔ قولہ صفحہ ۳۸ یہ نہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے، اس میں سنگِ مرمر اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں، باغ ہیں، شاداب وسرسبز درخت ہیں۔ دودھ، شراب وشہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے۔ ساقی وساقنیں نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں گھوسنیں پہنتی ہیں، شراب پلا رہی ہیں۔ ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے۔ ایک نے ران پر سر دھرا ہے۔ ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے۔ ایک نے لب جاں بخش کا بوسہ لیا ہے۔ کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے۔ ایسا بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ ہمارے علماء اسلام نے...... الخ بسبب اپنی رقت طلبی کے...... الخ یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو ظاہر الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے، اسے تسلیم کر لیں...... الخ اس واسطے وہ بزرگ تمام ان چیزوں کو تسلیم کرتے ہیں کہ جن کو کوئی بھی تسلیم نہیں کر سکتا اور جو عقل ومذہب کی بزرگی اور تقدس کے برخلاف ہیں۔ وقولہ صفحہ ۴۰ اور ایک کوڑ مغز ملا یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت میں نہایت خوبصورت ان گنت حوریں ملیں گی، شرابیں پئیں گے، میوے کھائیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ

اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ
اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ
مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

**ترجمہ:**...... بے شک اللہ کسی کی مثال بیان کرنے سے نہیں شرماتا، مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر (کسی اور کمتر چیز کی) پھر جو ایماندار ہیں وہ تو اس کو اپنے رب کی طرف سے صحیح جانتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا کی اس سے کیا غرض ہے (اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے) وہ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو اس سے ہدایت کرتا ہے اور گمراہ تو اس سے بدکاروں ہی کو کیا کرتا ہے ﴿۲۶﴾ کہ جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو مضبوط باندھ کر توڑ دیتے ہیں اور جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو توڑ ڈالتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے پھرتے ہیں۔ یہی نقصان میں بھی پڑے ہوئے ہیں ﴿۲۷﴾۔

**ترکیب:**......اللہ اسم، ان۔ لا یستحی الخ اس کی خبر، جملہ اسمیہ مستأنفہ ہوا لایستحی بمعنی لا یترک فعل بافاعل۔ مثلا مفعول یضرب، ما ابہامیہ کہ جو نکرہ کو ابہام اور شیوع زیادہ دیتا ہے۔ کقولک اعطنی کتاباً ما ای ای کتاب کان۔ یا زائدہ ہے جیسا کہ اس قول میں فبما رحمۃ من اللہ ای برحمۃ من اللہ بعوضۃ عطف بیان ہے مثلاً کا اور ممکن ہے کہ ما نکرہ کو موصوفہ اور بعوضۃ کو اس کی صفت قرار دیا جائے۔ فما فا عطف کے لئے ہے اور ما نکرہ موصوفہ فوقہا اس کی صفت، بعوضۃ معطوف علیہ پس یضرب اپنے فاعل اور مفعول اور متعلقات سے مل کر ان مصدریہ کی وجہ سے تاویل مصدر میں ہو کر مفعول ہوا لا یستحی کا۔ فاما فائے تعقیبیہ ہے، کس لئے کہ مرتبہ تفصیل اجمال کے بعد ہے۔ اما وہ حرف ہے جو کسی امر مجمل کی تفصیل کے لئے آتا ہے، اور اس میں شرط کے معنی بھی ہیں اس لئے کہ اس کے جواب میں فا آتی ہے اس کے بعد جو اسم آتا ہے اس کا مبتداء اور جس پر فاء داخل ہوتی ہے اس کو خبر کہتے ہیں۔ پس الذین امنوا مبتداء اور فیعلمون الخ اس کی خبر اور اسی طرح واما الذین کفروا، ما استفہامیہ ذا بمعنی الذی اراد اللہ بھذا الخ اس کا صلہ مجموعہ خبر ما اور ممکن ہے کہ ماذا کل اسم ہے بمعنی ای شی اور یہ منصوب المحل ہوا اراد سے۔ مثلا حال ہے ھذا سے یا تمیز ہے یضل بہ ویھدی بہ الخ معطوف مل کر جملہ مستانفہ ہے یا جواب ہے ماذا کا یا ان دونوں جملوں کا کہ جن کے ابتداء میں اما ہے، بیان ہے۔ میثاقہ مصدر بمعنی الایثاق یا اسم لما یقع بہ الوثاقۃ۔ باقی ترکیب واضح ہے۔

## چھوٹی چیز کے ساتھ مثال بیان کرنے میں شرم و قباحت نہیں

**تفسیر:**......اس سے پیشتر جب کہ خدا تعالیٰ نے منافقوں کا حال آگ جلانے والوں اور مینہ والوں کے ساتھ مثال دے کر بیان کیا اور پھر اثبات نبوت میں آ کر یہ فرمایا کہ اگر تم قرآن کو خوبی میں ایسا اعلیٰ نہیں تسلیم کرتے کہ جو بشر کی طاقت سے باہر ہے یعنی اگر تم اس کو منجانب اللہ نہیں مانتے تو تم بھی اس کے برابر بنا کے دکھاؤ۔ پس جب وہ عاجز آئے (حالانکہ اس بارے میں انہوں نے مجلسیں بھی منعقد کیں، بڑے بڑے نامور شاعروں اور جادوگروں اور کاہنوں کو بھی شریک کیا مگر کسی جرأت نہ پڑی اور جو کسی نے کچھ جواب میں کہا جیسا کہ یمامہ کا ایک شخص مسیلمہ کذاب نے والنساء ذات الفروج الخ اور الفیل ما الفیل وما ادراک ما الفیل ذنبہ قلیل و خرطومہ طویل واللہ من خلقۃ ربک لقلیل وغیرہ وغیرہ خرافات بنا کر لایا تو قبل ازینکہ آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں پیش کیا جاتا، ان پر وہیں

اس کے ہم قوم اور ہم زبانوں نے قہقہہ ❶ اڑایا تو اور کوئی بات تو بن نہ آئی مگر یہ عیب نکالا کہ اگر یہ خدا کا کلام ہے تو تعجب کا مقام ہے کہ وہ ایسا جلیل القدر ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے ساتھ مثال دے کر بیان کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ خدا کو مچھر یا اس سے چھوٹی چیز کے ساتھ مثال دینے سے شرم نہیں آتی، کس لئے کہ مثال سے غرض ایک حال کا اظہار ہے اور امر معقول کو محسوس بنا کے دکھانا اور سمجھانا مقصود ہوتا ہے۔ جیسا حال ہوگا اسی قسم کی چیز کے ساتھ مثال دی جائے گی۔ یا یوں کہو کہ یہاں تک خدا تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات اور توحید کا اثبات دلائل آفاق وانفس سے کر کے مسئلہ نبوت وصداقت قرآن کو مستحکم دلیل سے ثابت کیا تھا کہ اگر یہ فوق القدرت کام نہیں تو تم بھی ایسی کتاب کوئی بنا لاؤ۔ یہ اس لئے کہ اس کے بعد عالم آخرت اور انسان کے انجام کار اس کی دنیاوی کوششوں نیک وبد نتائج کا بیان بطور تفصیلی نبی اور قرآن کے بتانے پر موقوف ہے۔ اس مسلسل بیان پر کور باطن اشخاص کو یہ شبہ پیدا ہوا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو بایں عظمت وجبروت وبایں استغناء وکبریاء عالم آخرت کے حالات اور اعمال کے نتائج انہار وحور نعماء یا جہنم اور اس کے عقوبات بیان کرنے سے کیا غرض؟ کہاں وہ اور اس کی عظمت اور کہاں بیان ازواج مطہرات اور جنت کے نعیم۔

اس کا جواب دیتا ہے کہ اس کی عظمت وشان کسی واقعی امر کو بیان کرنے کو نہیں روکتی خواہ وہ واقعی بیان بڑی چیز کا ہو یا چھوٹی چیز کا یہاں تک کہ اس کو مچھر یا اس سے بھی کمتر چیز کے ساتھ مثال دینے میں کوئی شرم نہیں۔ الہامی بیان کی مثال پانی کی ہے جس سے شور زمین میں خار وخس اور عمدہ زمین میں گل لالہ اگتے ہیں۔ بعض کو یہ بیان باعث ہدایت ہوتا ہے۔ ان کے رغبات دل دار آخرت کی طرف مائل ہوتے ہیں، ان کے روحانی جذبات عالم قدس اور ذات حق کی طرف جوش میں آتے ہیں اور بعض کو موجب ضلالت ہو جاتا ہے کیونکہ قوائے بہیمیہ کا غلبہ شہوات ولذات فانیہ کا انہماک ایسے بیان کی تکذیب پر آمادہ کر دیتا ہے، مگر کن کو؟ فاسقوں کو جو جادۂ انسانیت سے باہر نکل گئے ہیں، وہ کون ہیں؟ جن کی قوت نظریہ وعملیہ دونوں ہی بگڑ گئے۔ علم وعمل، گیان وکرم دونوں گئے گزرے۔ کس لئے کہ انسان جب اس عالم میں آتا ہے اور اس کے قوائے ملکوتیہ کے ساتھ قویٰ بہیمیہ کے جسمانی آثار ہیں، جوڑ بندھتا ہے تو اس سے نظری طور پر ایک عہد موثق لیا جاتا ہے کہ دیکھو دونوں کے اعتدال کے ذمہ دار ہو، ایسا نہ کرنا کہ لذائذ فانیہ پر فریفتہ ہو کر صفات ملکیہ کو کھو بیٹھو۔ مگر ازلی بے نصیب اس عالم حسی میں نفسانی خواہشوں پر ایسے ریجھتے ہیں کہ جن نیک اعمال واعتقاد کا حکم دیا تھا، ان کو نہیں کرتے۔ مواصلت کی جگہ ان سے مقاطعہ کرتے ہیں اور جن برے اعمال اور علوم سے مقاطعہ کرنے کا حکم دیا تھا، ان سے مواصلت کرتے ہیں۔ اس عالم حسی میں شتر بے مہار بن کر پھرتے ہیں گویا باغیانہ طور پر خدا تعالیٰ کے ملک میں رہتے ہیں مگر تا کہ آخر اس کے حکم قضاء وقدر سے مجبوری ہے، اب سزا کے سوا انعام کہاں؟ اس سے زیادہ کون زیاں کار ہو سکتا ہے؟

**متعلقات: حیاء، فسق، عہد:**...... حیاء۔ نفس انسان کا بدنامی اور برائی کے خوف سے منقبض اور متغیر ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کی وہ حالت متوسطہ ہے کہ جس کے نیچے خجالت ہے کہ جو نفس کو کسی کام سے بالکل باز رکھتی ہے اور اس کے اوپر وقاحت ہے یعنی بے شرمی کی باتوں پر جرأت کرنا۔ یہ حیات سے مشتق ہے، اس مناسبت سے کہ یہ حیاء قوائے حیوانیہ کو ان کے افعال سے روکتی ہے۔ پھر اس لفظ اور اس قسم کے

---

❶ ...... آج کل بعض پادریوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں قرآن مجید کے بے مثل نہ ہونے پر یہ حجت پیش کی کہ ایسی عبارت تو مسلیمہ کذاب نے بھی بنائی تھی، مقامات حریری کی بھی ایسی ہی عبارت ہے اور شیعہ کے علماء نے سورۂ فاطمہ اور سورۂ حسنین قرآن میں ایسی ہی بنا کر ملا دی ہے...... الخ۔ میں ان پادریوں کی سمجھ پر نہایت افسوس کرتا ہوں۔ بقول شخصے مدعی سست گواہ چست، ان کلاموں کے مؤلف تو خود قرآن کے مقابلہ میں لاتے ہوئے شرماتے ہیں اور پادری کہ جن کو عربیت سے کچھ بھی مس نہیں وہ سند بنا کر لاتے ہیں۔ منہ۔

دیگر الفاظ ❶ کا اطلاق جناب باری پر (کہ جو نفس اور انقباض سے پاک ہے) حقیقی طور پر نہیں بلکہ ان معانی کالازم مراد ہے۔ مثلاً حیاء کو لازم ہے کہ جس کام سے حیاء کرے، اس کو ترک کرے اور غضب کو لازم انتقام ہے۔ پس اس سے مراد ترک اور اس سے مراد انتقام اور رحمت سے مراد نفع پہنچانا ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے، اس کو اور ان مکامات پر بھی کہ جہاں ذات باری پر وہ الفاظ بولے گئے ہیں کہ جو بندوں کے اوصاف پر بولے جاتے ہیں، لحاظ رکھنا چاہئے۔ یُضِلُّ بِہٖ گمراہ کرنا اور دلوں پر مہر لگانا جو قرآن مجید میں مذکور ہے، اس سے بعض نہ سمجھ عیسائی اور دیگر نکتہ چین اسلام پر عیب لگایا کرتے ہیں مگر اس کا جواب اجمالی اور تفصیلی خَتَمَ اللّٰہُ کی تفسیر میں دے چکے، وہاں ملاحظہ کرلو۔

فَاسِقِیْنَ۔ فسق نکلنے کو کہتے ہیں۔ عرب بولتے ہیں: فسقت الرطبة عن قشرھا کہ چھوہارا اپنے پوست سے باہر ہو گیا اور عرف شرع میں فسق خدا کی فرمانبرداری سے گناہ کر کے خارج ہونے کو کہتے ہیں اور اس کے تین درجے ہیں: (۱) تغابی۔ باوجودیکہ گناہ کو برا سمجھتا ہے مگر کبھی خواہش نفسانی سے اس کا مرتکب ہو جاتا ہے (۲) انہماک یعنی گناہ کرنے کی عادت کر لے اور کچھ پرواہ نہ کرے۔ (۳) جحود۔ وہ یہ کہ گناہ کو اچھا جان کر عمل میں لائے اور خدا اور رسول ﷺ کے فرمان کی کچھ حقیقت نہ سمجھے۔ اس تیسرے درجے میں انسان کافر ہو جاتا ہے اور پہلے دونوں درجوں تک مؤمن رہتا ہے۔ اس لئے کہ جو تصدیق جو اصل ایمان ہے، اس کے دل میں باقی ہے اور دلیل اس بات پر کہ گناہ کرنے سے ایمان نہیں جاتا، آیات اور احادیث و اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ قال تعالیٰ: وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا . . . الایة اگر اہل ایمان کے دو گروہ باہم جنگ کریں الخ حالانکہ جنگ باہمی گناہ ہے مگر اس کے مرتکب کو بھی خدا تعالیٰ نے مؤمن کہا ہے۔

خوارج۔ چونکہ ایمان کا اعمال صالحہ کو جزو قرار دیتے ہیں تو گناہ کرنے والے کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ چونکہ تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان اور اعمال صالحہ کے مجموعۂ مرکب کو ایمان کہتے ہیں تو اس شخص کو مؤمن نہیں کہتے، کیونکہ مجموعہ میں سے ایک جزاء اعمال صالحہ نہیں پایا جاتا۔ مگر اس کو کافر بھی نہیں کہتے، کیونکہ کفر میں انکار حق شرط اور انکار پایا نہیں گیا۔ اس لئے ایمان و کفر میں وہ ایک تیسرا مرتبہ فرض کرتے ہیں۔ لازم ہے کہ اگر انسان سے بمقتضائے بشریت کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لے، دل میں نادم ہو، خدائے تعالیٰ سے بعجز و انکسار و بچشم اشکبار معافی چاہے اور استغفار کرے۔ وہ غفور رحیم ہے، معافی اس کا عام دستور ہے۔

عہد۔ لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس کے محافظت اور رعایت کی جاتی ہے، جیسا کہ وصیت اور قسم اور گھر کو بھی عرب اس لئے عہد بولتے ہیں کہ ہر پھر کے انسان وہاں وہاں آتا اور اس کی طرف خیال رکھتا ہے اور تاریخ کو بھی اس لئے عہد کہتے ہیں کہ اس کی محافظت ہوتی ہے اور عَھْدَ اللّٰہِ وہ ہے کہ جو روز ازل اس نے عالم روحانی میں تمام ارواح کو موجود کر کے باندھا تھا اور سب سے یہ اقرار کروایا تھا کہ میرے سوا کسی کو خدا نہ جاننا۔ جیسا کہ اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے: وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ . . . الایة پھر اس کی شرح اس حدیث میں ہے کہ جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے اس کی تمام اولاد کو نکال کر پھیلا دیا اور ان سے یہ کلام کیا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ کہ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا: بلٰی کہ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ تب خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر میں تمہارے باپ آدم اور آسمان و زمین کو گواہ کرتا ہوں تاکہ قیامت کو یوں نہ کہو کہ ہم کو اس کی خبر نہ تھی۔ اب تم جانو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، میرا کسی کو شریک نہ بنانا اور میں دنیا میں تمہارے پاس کتابیں دے کر اپنے رسول اس عہد کے یاد دلانے کو بھیجوں گا۔ (الحدیث)۔ یہ عہد ازلی ہے اور اس کا تذکرہ انسان کی عقل خدا داد اور

---

❶ ......غضب، رحمت وغیرہ۔ منہ

فطرت سلیمہ بھی کرتی ہے اور اسی عہد کو بار امانت بھی کہتے ہیں کہ جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ . . . الآیۃ پھر الہام الٰہی اور انبیاء علیہم السلام اور ان کے معجزات اور آیات و کتاب اس عہد کی توثیق و تذکیر کرتے ہیں۔ اس لئے جہاں انبیاء علیہم السلام نہیں آئے، وہاں صرف توحید پر قائم رہنا عہد الست کا قائم رکھنا ہے اگر شرک کریں گے تو جہنم میں بدعہدی کی سزا پائیں گے۔ جہاں انبیاء علیہم السلام کا فیض پہنچ چکا تو وہاں بموجب اس عہد کے نبوت اور احکام کا ماننا بھی ضرور ہو گیا۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس عہد سے مراد وہ عہد ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا اور اس کی مضبوطی دیگر انبیاء علیہم السلام کی معرفت کی گئی تھی کہ میرے انبیاء کو ماننا اور شرک نہ کرنا، قتل نہ کرنا، احکام عشرہ وغیرہا۔ اس تقدیر پر اس آیت کے مخاطب یہود یا نصاریٰ ہیں۔ پھر یہ عہد ہر شخص کے ساتھ اور بھی خصوصیت رکھتا ہے۔ بادشاہوں کے ساتھ یہ خصوصیت کہ وہ عدل کریں۔ علماء سے یہ کہ حق نہ چھپائیں، مداہنت نہ کریں۔ انبیاء علیہم السلام سے یہ کہ اس کے دین کو قائم کریں۔ کس چیز کے وصل یعنی ملانے کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا، وہ حقوق قرابت و حقوق محبت و حقوق وطن و حقوق ملت ہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ:......تم اللہ کا کیونکر انکار کر سکتے ہو؟ حالانکہ تم مردے (معدوم) تھے پس تم کو زندہ (موجود) کیا، پھر تم کو مارے گا، پھر تم کو زندہ کرے گا، پھر تم اسی کے پاس پھر کر جاؤ گے ﴿۲۸﴾۔

ترکیب:......کیف استفہام حال کے لئے ہے اور یہاں استفہام انکاری ہے۔ تکفرون باللہ جملہ استفہامیہ اور ضمیر انتم جو تکفرون کا فاعل ہے ذی الحال اور یہ جملے معطوف مع معطوف علیہ و کنتم امواتا الخ حال واقع ہوئے ہیں۔

## کفر کرنا خلاف عقل ہے

تفسیر:......جب مسئلہ توحید اور مسئلہ نبوت و مسئلہ معاد بخوبی مسلسل ثابت ہو چکے اور اس کے ضمن میں خطرات و شبہات کے جواب بھی گزر گئے تب ان معاندین کو جو اپنے انکار پر اڑے ہوئے ہیں، بالخصوص مخاطب کر کے ایک نئی دلیل نئے اسلوب سے بیان فرماتا ہے جو ان کے قوی انکار کا ازالہ کر دے! اس لئے کہ جب مرض قوی ہوتا ہے، دوا بھی ویسی ہی قوی دی جاتی ہے اور لطف بیان ہے کہ اپنے انعامات حال اور آئندہ کا بھی بضمن دلیل ذکر ہے تا کہ طبائع سرکش کا منعم حقیقی کی طرف میلان ہو دلوں میں ولولہ پیدا ہو۔

اقسام منکرین نزول قرآن:......نزول قرآن مجید کے وقت اور شاید اب بھی ہوں، چند قسم کے منکر تھے۔ اول وہ جو موجودات کے دائرہ کو محسوسات تک ہی محدود سمجھتے تھے۔ جس کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے تھے، کانوں سے نہیں سن سکتے تھے، ہاتھ سے ٹٹول نہ سکتے تھے، زبان سے چکھ نہ سکتے تھے، ناک سے سونگھ نہ سکتے تھے، نہیں مانتے تھے۔ اس لئے صانع عالم اور مجردات ملائکہ و روح کے مرنے کے بعد کی دوسری زندگی اور عالم برزخ اور حشر اور وہاں کے عقاب و ثواب سب کے منکر تھے اور ایسی چیزوں کے وجود کو وہم و خیال جانتے تھے جیسا کہ موجودہ حکماء یہ خیال اللہ تعالیٰ اور جزاء و سزا سے بے خوف کر کے لذات بہیمیہ پر مائل کرتا ہے۔ ہر قسم کے ظلم و عیاری کو اپنے حصول مطالب کے لئے

کام میں لینا عاقلہ زندگی سمجھتا ہے۔ مگر اس قسم کی زندگی ایسی ناپاک زندگانی ہے جس کے بدنتائج اس عالم میں پیش آتے اور بڑا مزہ چکھاتے ہیں۔ دوم وہ جو اللہ تعالیٰ اور مجردات ملائکہ وجن وارواح کے تو قائل تھے مگر مرنے کے بعد دوسری زندگی اور اعمال کے نیک و بدنتائج اخرویہ کے قائل نہ تھے بلکہ نیک و بدنتائج اسی زندگی میں کثرت اولاد و مال وصحت وفتح مندی یا افلاس وادبار اور موت اولاد و اموال کو خیال کرتے تھے۔ یہ گروہ بظاہر اللہ جل وعلا کا منکر نہیں مگر جب اس نے ایک نئی زندگانی اور حشر ونشر اور وہاں کے اعمال کے نتائج کا انکار کیا تو در حقیقت خدا ہی کا انکار کیا کیونکہ خدا نے ان چیزوں کی اپنے رسولوں کی معرفت خبر دی ہے اور نیز اس میں اس کی صفات حمیدہ کا بھی انکار ہے۔ یہ زندگانی بھی سخت ناپاک اور ظلماتی زندگی ہے۔ سوم وہ لوگ تھے کہ ان سب باتوں کے تو قائل تھے مگر رسالت کے منکر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ خدا اور بندہ میں مجرد اور مادی ہونے کے سبب کوئی مناسبت نہیں۔ پھر آدمی سے ہم کلامی اور اس کی پیغام رسانی ایک خیال باطل ہے، جیسا کہ حکماء اور ہنود کا فرقہ براہمہ۔ یہ گروہ بھی خدا کی عظمت اور اس کے اوصاف حمیدہ کا منکر ہے۔ یہ زندگی بھی شکی زندگی ہے۔

**منکرین سے خطاب:**......ان سب کو خدا کا منکر قرار دے کر ان سے یوں خطاب کیا جاتا ہے: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ۔ اس کے بعد بطور جملہ حالیہ ان کے اطمینان قلبی کے لئے یہ دلیل پیش ہوتی ہے: كُنْتُمْ اَمْوَاتًا کہ تم مردے تھے یعنی معدوم۔ اس مقدمے میں کسی کو شک نہیں۔ ایک جاہل اور بڑے فلسفی سے جب پوچھئے گا تو وہ اپنی عمر کی ایک ابتداء بتلا دے گا۔ دس، بیس، پچاس ساٹھ، سو برس جس سے یہ اقرار ہے کہ ہم اس سے پہلے معدوم تھے، دنیا میں نہ آئے تھے۔ فَاَحْيَاكُمْ پھر معدوم سے موجود ہوئے۔ کوئی زبردست قوت ہے جس کو ہمارے عدم اور وجود کا اختیار ہے۔ ہر حادث کے کوئی محدث ضروری ہے اور یہ زندگی بھی ہمارے ہاتھ میں نہیں بلکہ اس محدث قادر کے کہ وہ ہمارے بے اختیار ہم کو مردہ کرتا ہے۔ ہم لاکھ جتن کریں جس طرح لڑکپن کو جاتے ہوئے نہ روک سکے، اسی طرح جوانی جو ہر روز اپنے کارواں ہمارے سامنے روانہ کرتی ہے، اس کو بھی نہیں روک سکتے۔ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ آخر وہ قادر مطلق ایک روز پھر معدوم کر دیتا ہے، صفحہ ہستی پر نام ونشان بھی باقی نہیں رکھتا۔ خاک میں خاک مل جاتی ہے۔ یہ مقدمات بھی یقینی ہیں، ان میں بھی کسی بشر کو انکار نہیں پھر جس کے ہاتھ میں وجود اور عدم ہے، معدوم سے موجود اور موجود سے معدوم کرتا ہے جس کا بنی آدم ہر روز مشاہدہ کر رہے ہیں تو پھر وہ قادر مطلق اس عدم کے بعد کیا دوبارہ زندگی عطا نہیں کر سکتا؟ اور یقیناً کرے گا۔ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ اور یہ دوبارہ زندگی کس لئے عطا کرے گا؟ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ کہ تم اسکی بارگاہ کبریائی میں حاضر کئے جاؤ اور اپنی اس حیات دنیا کا نیک و بد بدلہ پاؤ۔ اس برہان میں غور کرنے سے پھر کسی منکر کو جائے انکار باقی نہیں رہتی۔

**فوائد:**......ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ کہ مر کر پھر زندہ ہونا ہے۔ اس دلیل سے ظاہر ہے کہ جس نے ابتداء میں زندہ کر دیا، دوبارہ زندہ کرنا اس کو کیا مشکل ہے؟ جب یہ ہے تو ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ میں، اس کے پاس حساب وکتاب کے لئے پھر جانا ہے، کیا شک ہے؟ گویا یوں کہنا چاہئے کہ انسان ملک عدم سے کوچ کر کے ملک ہستی میں آیا، پھر یہاں سے انتقال کر کے ایک اور عالم میں جائے گا کہ جس کو باعتبار اس حیات کے موت کہتے ہیں۔ لیکن چندے وہاں آلودگی جسمانی کے اثر میں مبتلا رہے گا، پھر اس سے پاک ہو کر ایک کامل حیات پائے گا اور جب یہ تکدر بالکل جاتا رہے گا تو خدا تعالیٰ کے روبرو ظہور کلی یعنی حشر کے روز حاضر ہوگا۔ اس تھوڑے سے کلام میں کس قدر مبدء و معاد کے احوال اجمالاً مذکور ہیں۔

**نکات:**......(۱) ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمام عالم بالخصوص انسان محض اس کے وجود کا ظل ہیں جس طرح کہ دھوپ آفتاب کا ظل ہے۔ پس جس طرح بہ تخصیص شیونات ہر چیز بالخصوص انسان اس مبدء سے چلا ہے، اسی طرح پھر اس کی طرف تجرد ہوتے

ہوتے ( کہ جو موت سے حاصل ہوتا ہے اور اسی لئے موت کو نعماء میں شمار کیا ہے ورنہ موت فی نفسہ رحمت نہیں ) وہیں جا کر منتہی ہوگا کیونکہ رجوع کے معنی یہ ہیں کہ جہاں سے جائے پھر وہیں ہٹ کر آئے۔ جس طرح کرہ میں جہاں سے ابتداء ہوتی ہے، وہیں آ کر انتہا ہوتی ہے، اسی لئے خدا تعالیٰ ہر شے پر محیط ہے (اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ) اسی سے ابتداء ہے پھر اسی کی طرف انتہاء ہے لیکن یہ احاطہ جسمانی نہیں۔ مگر کفر الحاد ہر طرح کی بے دینی شہوت پرستی روح کے لئے اس کی طرف رجوع ہونے میں چونکہ موانع اور عوائق ہیں جیسا سڑک پر چلنے والے کے لئے غار و دیوار یا اینٹ پتھر اس لئے انبیاء علیہم السلام اس سلوک کو تمام کرنے کے لئے ان چیزوں سے منع کرتے ہیں کیونکہ اس کے پاس پہنچنا کہ جو مرکز اصلی ہے، نجات ہے اور عوائق کے سبب دور رہنا ہلاکت ہے۔ مگر آیت میں رجوع کرنے سے مجبوراً بارگاہ کبریائی میں حساب و کتاب کے لئے حاضر کیا جانا مراد ہے۔

(۲) اگرچہ بظاہر فاعل تَکْفُرُوْنَ سے وَ کُنْتُمْ اَمْوَاتًا حال نہیں ہو سکتا! اس لئے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے اور اسی لئے جملۂ ماضیہ کو جو حال بناتے ہیں تو پہلے لفظ قد لاتے ہیں اور یہاں اتحاد زمانہ ہی نہیں کیونکہ انسان کے معدوم ہونے اور پھر موجود ہو کر کفر کرنے میں بڑا فاصلہ ہے پیدا ہو کر عاقل بالغ ہوگا تب کہیں اس کا انکار کرے گا لیکن اس رمز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حال بنایا کہ گو وہ زمانہ بعید ہے مگر ایام زندگی چونکہ باد صبا کی طرح یوں ہی گزر جاتے ہیں جس کی سو برس کی عمر ہوتی ہے وہ بھی ایام طفولیت کے وقائع کو کل کی بات کہا کرتا ہے۔ خواجہ درد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

گزروں ہوں جس خرابہ پر کہتے ہیں وہاں یہ لوگ
ہے کوئی دن کی بات یہ گھر تھا یہ باغ تھا

اور مرنے کے بعد تو ہزار ہا سال کے بعد کو یَوْمٌ اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ کہیں گے۔ اس لئے اس کو حال بنایا اور اس لئے بھی

(۳) گو اس تقدیر پر ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۲۸﴾ کا بظاہر عطف وَ کُنْتُمْ اَمْوَاتًا پر صحیح نہیں ہوتا کیونکہ یہ امور تو زمانہ آئندہ میں پیش آئیں گے۔ پس تَکْفُرُوْنَ سے بذریعہ عطف جو زمانہ حال کو چاہتا ہے حال نہیں بن سکتے۔ مگر یہاں بھی وہی نکتہ مرعی ہے کہ گویہ امور ایک عرصہ بعد پیش آئیں گے جیسا کہ لفظ ثم بآواز بلند کہہ رہا ہے مگر بقول عرب ما اقرب ماھو ات و ما ابعد ماھو فات آنے والی چیز گویا عاقل کے روبرو کھڑی ہے۔ پس اس نکتہ کے لئے اس زمانہ آئندہ کو حال بنایا گویا یہ بات بتلا دی کہ تمہارے بعد پیدا ہونے کا اور پھر مرنے کا زمانہ دونوں ملے ہوئے ہیں۔ پس جب یہ ہے تو اس وجود بین العدمین کالطھر بین الدمین پر پھول کر خدا کو بھولنا اور اس بے حقیقی ہستی کے گھمنڈ میں خدا تعالیٰ سے اکڑنا، کفر کرنا بڑی حماقت ہے۔ بلغاء کا عام دستور ہے کہ وہ وجود شی کو عدم اور عدم کو وجود اور بعد کو قرب اور قرب کو بعد (اعتبارات لطیفہ سے) قرار دے کر کلام کرتے ہیں۔

(۴) اس کو اس خوش اسلوبی سے بیان کیا اور اس کو اول کلام کا تتمہ یا نتیجہ اور اس کے بعد کے کلام کا توطیہ تمہید کہیں تو بجا ہے۔ پس اس کے بعد اس دوسری نعمت کو بیان کرتا ہے کہ جس کو وجود انسان از بس مقتضی ہے اور جس کے بغیر اس کو دم بھر بھی چارہ نہیں۔ پس فرماتا ہے:

هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ
فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾ ع

ترجمہ:...... اللہ وہ ہے کہ جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے پیدا کیا۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو سات آسمان بنا دیا اور وہ

ہر چیز (بنانا) جانتا ہے ۲۹۔

ترکیب:......ھو مبتداء۔ الذی موصول۔ خلق فعل با فاعل لکم متعلق ہے خلق کے۔ ماموصول ثانی ذی الحال فی الارض ثبت کے متعلق ہو کر اس کا صلہ ہوا۔ جمیعا بمعنی مجتمعا حال ہے۔ یہ ما اپنے صلہ اور حال سے مل کر مفعول ہوا خلق کا اور پھر خلق تمام جملہ میں مل کر صلہ ہوا الذی کا، پھر الذی خبر ہوئی ھو کی ثم کلمۂ تراخی استوی بمعنی قدس فعل با فاعل الی السماء متعلق ہے استوی کے فسوھن میں سوی بمعنی عدل و خلق فعل ضمیر اس کی فاعل ھن ضمیر جمع مؤنث راجع ہے السماء کی طرف اگر اس سے مراد اجرام لیا جائے ورنہ مبہم ہے۔ اس کی تفسیر سبع سموت ہے اور اول تقدیر پر بدل ہے اور ھو مبتداء بکل شیء علیم خبر۔

## نعمتِ خداوندی

تفسیر:...... یہ دوسری نعمت خدا تعالیٰ یاد دلاتا ہے کہ جو پہلی نعمت پر مترتب ہے۔ یعنی تم اس خدا سے کیونکر روگردانی کر سکتے ہو کہ جس نے تم کو معدوم سے موجود کر دیا اور پھر موجود کر کے یوں ہی پریشان اور بے سامان نہیں چھوڑا بلکہ تمہارے فائدہ کے لئے زمین کی ہر ایک چیز کو پیدا کیا ''ابرو باد ومہ خورشید وفلک درکارند'' پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ کی تو اس کے طبقے بنا دئے کیونکہ زمین کی چیزوں کا سرانجام پانا آسمانی اور علویات کی تاثیر بغیر نہیں ہو سکتا۔ اگر آفتاب نہ ہوتا یا مہتاب اور ستارے نہ ہوتے تو پھل پھول ہزاروں چیزیں نہ ہوتیں۔ الغرض زمین کی چیزوں کو آسمانوں اور آسمان کی چیزوں سے ایک عجیب ارتباط ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ رزق وروزی ہے، وہ آسمان سے اترتی ہے۔ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُوْنَ ۞ اور یہ اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ ہر چیز کی مصلحتیں اور اسرار اس کو معلوم ہیں۔

متعلقات:......استوی کے معنی لغت میں قصد کرنے کے ہیں۔ بولتے ہیں: استوی علیه کالسھم المرسل جب کہ کوئی کسی چیز کا قصد مصمم کرے اور ادھر ادھر نہ ہٹے اور اصلی استوی کی طلب مساوات ہے اور سیدھی چیز کو مستوی اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے اجزاء باہم مساوی یعنی برابر ہوتے ہیں، جیسا کہ سطح اور خط اور جسم۔ مگر یہ معنی جناب باری کے لئے تجویز کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ جسمیت سے پاک ہے اور جن لوگوں نے اس قسم کے الفاظ سے یہ بات نکالی (کہ وہ آسمان یا عرش پر سیدھا کھڑا ہوتا ہے یا بیٹھتا ہے جس طرح کوئی اپنی کرسی یا تخت پر بیٹھتا ہے اور پھر اس کی تائید میں کچھ احادیث لائے ہیں کہ جن میں بیشتر تیسری چوتھی صدیوں کے محدثین کی وہ احادیث ہیں جو رطب و یابس کا مجموعہ ہیں) بڑی غلطی کی ہے اور پھر اصرار اور غلو کر کے رسائل لکھنا اور عرشی فرشی کہلانا ایک سادہ لوحی اور تعصب بے جاہ ہے، اعاذنا اللہ منہ۔

**قرآن مجید میں آسمان کی تخلیق کا ذکر:**......السماء کی ہمزہ واو سے بدل گئی۔ پیشتر واو تھا اور جو واو کہ الف کے بعد زائد ہوتا ہے، بیشتر عرب اس کو ہمزہ سے بدل لیتے ہیں۔ لغت میں لفظ سماء کا چند معانی پر اطلاق ہوا ہے۔ بادل کو بھی کہتے ہیں اور افق کو بھی۔ ایک شاعر کہتا ہے:

| | | |
|---|---|---|
| فاواہ لذکر بھا اذا ما ذکرتھا | | ومن بعض ارض بیننا و سماء |

کہ جب میں اس محبوبہ کو اور پھر وہ جو مجھ میں اور اس میں زمین کے ٹکڑے اور ان کے اوپر کے آسمان فاصل ہیں، ان کو خیال کرتا ہوں تو دل سے ایک آہ نکلتی ہے۔

اور اوپر کی جانب کو بھی اور اس نیلی چھت کو بھی کہ جو ایک گول گنبد سا نظر آتا ہے۔ قرآن میں جو جا بجا سماء کا ذکر ہے کہ ہم نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ۔ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ﴿﴾ کہ ہم نے پہلے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ﴿﴾ کیا نہیں دیکھا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو کہ کس طرح بنایا ہم نے ان کو اور کیسی زینت دی اور ان میں کوئی درز بھی نہیں۔ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ﴿﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ﴿﴾ اس نے سات آسمانوں کو اوپر تلے بنایا۔ اے دیکھنے والے! تجھ کو خدا کی پیدائش میں کچھ تفاوت نہ معلوم ہوگا۔ دوبارہ نظر آسمانوں کی طرف پھرا، تیری نگاہ تھک کر خیرہ ہو کر رہ جائے گی وغیرہ من الآیت۔ پس اس سے وہی آخری معنی مراد ہیں کہ جس کو ہماری زبان میں آسمان اور ہندی میں اکاش اور انبر کہتے ہیں اور ہر زبان میں اس کا نام ہے اور جس کو تمام عرب و عجم، ہندو روم، اہل یورپ قدیم زمانہ سے اب تک ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ خدا نے آسمانوں کو بنایا ہے۔ ہم ان کو دیکھتے ہیں، ان میں کوئی شگاف اور درز نہیں کہ جو خدا کی صنعت، میں قصور ثابت کرے اور یہ ستارے آسمان پر لگے ہوئے ہیں۔ اگر کسی پڑھے ہوئے سے پوچھئے گا تو وہ بھی یہی کہے گا اور ان پڑھ بلکہ جنگل کے رہنے والے وحشیوں سے دریافت فرمایئے گا تو وہ بھی یوں ہی کہیں گے جس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ بھی منجملہ ان مسائل کے ہے کہ جس کا علم انسان کی فطرت اور جبلت میں یکساں رکھا گیا ہے اور اسی فطری علم پر خدا تعالیٰ اپنے کلام میں انسان کو مخاطب کر کے اپنے عجائبات قدرت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور تمام انبیاء علیہم بھی اس نہج پر کلام کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ توراۃ اول کے پہلے باب میں یہ لکھا ہے: ابتداء میں خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ (۸) اور خدا نے فضا کو آسمان کہا (۱۰) اور خدا نے خشکی کو زمین کہا۔ پھر اسی کتاب کے باب ۷ میں طوفان نوح علیہ السلام کے بیان میں یہ جملہ بھی ہے: جب نوح کی عمر چھ سو برس کی ہوئی، دوسرے مہینے کی سترہویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کی سب سوتیں پھوٹ کر نکلیں اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور باب ۸ میں یہ جملہ ہے: اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہو گئیں اور آسمان سے مینہ تھم گیا۔ پھر اسی کتاب کے باب ۱۹ میں قوم لوط علیہ السلام کی نسبت یہ ہے: تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر برسائی۔ انجیل متی کے باب ۳ میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے اصطباغ یعنی دریاء میں غوطہ لگا کر باہر آئے تو ان کے لئے آسمان کھل گیا۔ انجیل لوقا کے باب ۱۸ میں یہ جملہ ہے: پر اس محصول لینے والے نے دور سے کھڑا ہو کے اتنا بھی نہ چاہا کہ آسمان کی طرف آنکھ اٹھائے بلکہ چھاتی پیٹتا اور کہتا تھا کہ اے خدا! مجھ گنہگار پر رحم کر اور مکاشفات یوحنا کے باب ۸ اور دیگر ابواب سے صاف آسمان پر ستاروں کا ہونا اور ان کے دروازے کھلنا اور وہاں سے آواز آنا وغیرہ وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو قرآن و احادیث کے مطابق ہیں۔ اسی طرح ہنود کے وید اور پارسیوں کے دساتیر سے بھی آسمانوں کی بابت اس طرح کے مضامین مفہوم ہوتے ہیں۔

**کیا آسمان کا وجود ہے:**......الغرض ہزارہا برس سے الہامی اور غیر الہامی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں کا اس امر میں اتفاق ہے مگر گریک یعنی یونان کے فیلسوفوں نے جس طرح اور چیزوں کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے میں عقل کے گھوڑے دوڑائے اور جو باتیں ان کو اپنے قیاس اور تخمین یا تجربہ اور آلات رصد وغیرہا سے دریافت ہوئیں تو ان کو قلمبند کیا اور اس کا نام حکمت رکھا کہ جس کی شاخیں ہیئت اور طبعیات اور الٰہیات وغیرہا علوم ہیں کہ جن پر بہت سے کوتاہ بینوں کو ناز ہے۔ مگر آسمانوں کی تحقیق میں ان کے دو فریق ہو گئے۔ ایک گروہ کے پیشوا کا فیثاغورث نام ہے، وہ کہتے ہیں کہ آسمانوں کا وجود نہیں۔ یہ ستارے بذات خود قائم ہیں، کسی میں جڑے ہوئے نہیں۔ پھر خود اس فریق کے بھی دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ستارے اور ثوابت متحرک نہیں، صرف زمین حرکت کرتی ہے

اس کی وجہ سے یہ چیزیں حرکت کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ جس طرح کہ ریل گاڑی میں درخت اور پتھر حرکت کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ زمین بھی متحرک ہے اور ستارے بھی آفتاب کو مدار ٹھہرا کر اس کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ ہاں چھوٹے چھوٹے ستارے کہ جن کو ثوابت کہتے ہیں، وہ حرکت نہیں کرتے۔ ان کی حرکت زمین کی حرکت سے محسوس ہوتی ہے اور جس طرح ستارے آفتاب کے ایک فاصلۂ معین پر حرکت دوری کرتے ہیں، اسی طرح زمین بھی اپنے بعد معین پر اس کے اردگرد پھرتی ہے اور ستارے صرف یہ زحل، مشتری، مریخ، عطارد، زہرہ، شمس اور قمر ہی نہیں، ان کے سوا اور بھی رصد سے ثابت ہوئے ہیں۔ یہ مذہب فیثاغورث مدت تک تو حکماء کے نزدیک اس کے دیگر اقوال کی طرح مردود اور بے قدر رہا مگر اب چند عرصہ سے اس نے یورپ میں بڑا رواج پایا اور یورپ کے بڑے بڑے محقق اسی کے مقلد ہو کر ان ہی باتوں کو الہامی اور لوح محفوظ کی باتیں سمجھنے لگے بلکہ اپنی تحقیقات سے اس پر اور کچھ بڑھایا اور چاند اور سیاروں میں پہاڑ اور دیگر اجرام عنصری بلکہ حیوانات کے وجود کے بھی بعض لوگ قائل ہو گئے اور بہت سی عجیب و غریب باتیں پیدا کیں ❶۔

دوسرے گروہ کے سر دفتر حکیم بطلیموس ہیں، وہ کہتے ہیں کہ زمین میں گول کروی ہے۔ کسی قدر یعنی تخمیناً چوتھائی حصہ اس کا ناہمواری کی وجہ سے اونچا اٹھا ہوا ہے۔ باقی اس کے گرد پانی لپٹا ہوا ہے جس کو سمندر کہتے ہیں۔ پانی کے اردگرد کرۂ ہوا لپٹا ہوا ہے۔ اس کے اوپر آگ کوسوں تک ہر طرف سے لپٹی ہوئی ہے۔ یہ چار کرہ عناصر کے ہوئے۔ اب یہ جس قدر زمین پانی سے اٹھی ہوئی ہے، اس پر سب لوگ بستے ہیں۔ ان چاروں کروں کے چوطرف پہلا آسمان ہے جس کو فلک القمر بھی کہتے ہیں یعنی اس آسمان میں چاند ہے، جیسا کہ نیلے جسم پر ایک سفید نشان ہو جاتا ہے۔ اس کے اوپر فلک العطارد ہے، اس کے اوپر فلک زہرہ، اس کے اوپر فلک شمس ❷ ہے۔ یعنی چوتھا آسمان جہاں آفتاب ہے، اس کے اوپر فلک مریخ کہ جہاں مریخ ستارہ ہے، اس کے اوپر فلک مشتری کہ جہاں مشتری ستارہ ہے، اس کے اوپر فلک زحل کہ جہاں زحل ستارہ ہے، اس کے اوپر فلک الثوابت کہ جہاں یہ سینکڑوں ان گنت ستارے ہیں کہ جو از خود حرکت کرتے معلوم نہیں ہوتے یعنی ایک جگہ ہمیشہ ثابت رہتے ہیں۔ چونکہ نیچے کے آسمان بلکہ کل آسمان نہایت شفاف اور صاف ہیں، وہ اوپر کے ستارے سب نظر آتے ہیں۔ اس کے اوپر فلک الافلاک کہ جس کو فلک اطلس بھی کہتے ہیں یعنی سادہ، اس پر کوئی تارہ نہیں۔ وہ دن رات میں مشرق سے مغرب کی طرف ایک جگہ چرخہ کی طرح پھر کر دورہ تمام کرتا ہے اور اس کی وجہ سے سب آسمان اور

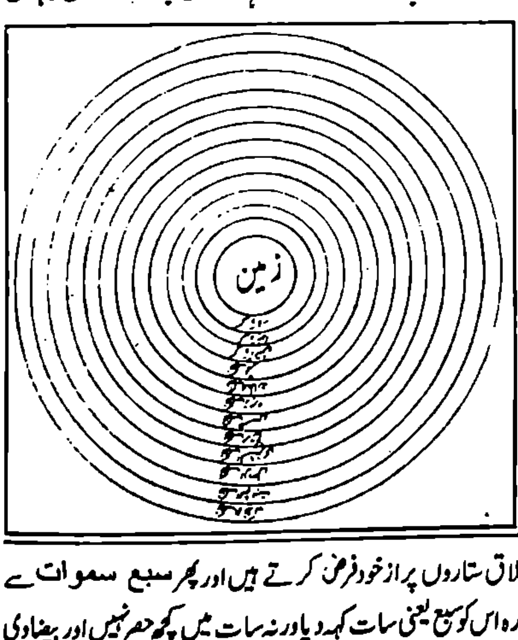


❶ منجملہ ان کے سید احمد خان صاحب ہیں کہ جو اپنی تفسیر کے صفحہ ۴۵ میں اول تو لفظ سماء کا اطلاق ستاروں پر از خود فرض کرتے ہیں اور پھر سبع سموات سے بتقلید حکماء یونان و یورپ وہ وسعت مراد لیتے ہیں کہ جو انسان کے اوپر دکھائی دیتی ہے۔ بقرینۂ سبع سیارہ اس کو سبع یعنی سات کہہ دیا ورنہ سات میں کچھ حصر نہیں اور بیضاوی نے عرش و کرسی ثابت کرنے کے لئے جو یہ کہہ دیا تھا کہ سات کہنے سے زائد کی نفی نہیں ہو سکتی، اس کو اپنے مدعاء کے لئے دلیل بنایا اور جہاں بیضاوی نے صرف لفظ السماء کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ اس لفظ سے مراد اجرام علویہ یا جہات علوم ہے حضرت یہ سمجھ گئے کہ بیضاوی اس آیت میں اس لفظ سے دونوں مراد لینا جائز رکھتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ الناس علماء اور مفسرین پر کہ جو تقلید حکماء نہیں کرتے، طعن کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ وسعت یعنی فضاء کوئی مجسم چیز نہیں، صرف بعد موہوم ہے حالانکہ قرآن مجید اور دیگر کتب الہامیہ کا آسمان سے مجسم ہونا ثابت ہے اور یہ کہ وہ قیامت کو پھٹ جائے گا۔ منہ۔ ❷......اور اسی کو فلک البروج بھی کہتے ہیں برج سے مراد قلعہ جات کے برج نہیں بلکہ دوائر کی وجہ سے آسمانوں کے بارہ حصہ اس طرح قائم کئے ہیں کہ جس طرح خربوزہ کی پھانکیں اور ستاروں کی ہیئت اجتماعی سے کہیں شیر کی صورت پیدا ہو گئی تو برج اسد کہنے لگے اور کہیں کیکڑے کی تو اس کو سرطان اور کہیں بچھو کی تو اس کو عقرب، وقس علیٰ ہذا۔ نزول قرآن کے زمانہ میں بھی عرب ان بروج سے واقف تھے، اسی لئے خدا تعالیٰ نے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ فرمایا۔ منہ۔

تارے دورہ تمام کرتے ہیں کہ جس سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں یعنی جہاں سامنے آفتاب آ گیا وہاں دن ہو گیا اور جہاں سامنے سے بالکل ہٹ گیا رات ہو گئی اور تمام ستارے از خود بھی ایک حرکت مغرب سے مشرق کی طرف کر کے دورہ تمام کرتے ہیں۔ چاند تو مہینہ بھر میں اس دورہ کو تمام کر لیتا ہے۔ دراصل گھٹتا بڑھتا نہیں بلکہ جس قدر وہ آفتاب کے مقابلہ میں آتا ہے اور اسی قدر اس پر روشنی پڑتی ہے، اتنا ہی ہم کو دکھائی دیتا ہے ورنہ وہ گول بڑا بھاری جسم ہے، زمین سے کہیں زائد ہے اور آفتاب اپنے دورہ کو دائرہ منطقۃ البروج پر برس میں تمام کرتا ہے اسی لئے مختلف فصلیں سردی اور گرمی کی پیدا ہوتی ہیں۔

یہ کل تیرہ کرے ہوئے جن میں نو آسمان ہیں۔ سات تو یہ کہ جن کو شرع نے سبع سمٰوٰت کہا اور دو وہ کہ جن کو عرش و کرسی کہا ہے۔

**آسمان کا رنگ کون سا ہے:**۔۔۔۔کرسی فلک الثوابت عرش فلک الافلاک ہے۔ اس صورت پر آسمانوں کا کوئی رنگ نہیں کیونکہ اگر رنگ ہوتا تو اوپر کی چیزیں دکھائی نہ دیتیں اور یہ جو نیلگوں معلوم ہوتا ہے، یہ آسمان کی شفافی اور غبارات کی تیرگی سے پیدا ہوا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب سفیدی اور سیاہی ملتی ہے تو نیلی رنگت پیدا ہو جاتی ہے۔ یا یوں کہو کہ اجزائے شفاف میں اجزائے غباری کہ جو سیاہ ہیں، ان کے ملنے سے یہ نیلگونی پیدا ہو گئی، یا یہ کہ ہوا کے اجزائے شفاف میں جب ان کو دیکھتے ہیں تو نظر میں ایک تیرگی پیدا ہوتی ہے۔ ان دونوں کے ملنے سے نیلگونی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ سمندر کا پانی نیلا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے مسائل اس حکیم اور اس جماعت کے ہیں اور چونکہ یہ مسائل کسی قدر الہامی کتابوں کے موافق ہیں اس لئے اس حکمت کا جس طرح حکمائے یونان میں رواج ہوا، اسی طرح جب حکمتِ یونانیہ عربی میں ترجمہ ہو کر آئی تو اہل اسلام نے بھی اس کو پسند کیا۔ چنانچہ اب تک شرح چغمینی اور تذکرہ وغیرہا اسی حکمت کی کتابیں درس میں داخل ہیں بلکہ ایشیائی ملکوں میں ہندو اور ایرانی وغیرہ سب لوگ اور قدیم عیسائی اور یہودی بھی انہیں مسائل کے معتقد ہیں۔ لیکن نہ اسلام کو اس ہیئت سے کچھ بحث ہے، نہ اس سے۔ اگر یہ غلط ہوا تو اسلام کی صداقت میں کیا نقصان ہوا؟ اور جو وہ سراسر غلط ہو تو کیا نقصان ہے؟ البتہ آسمانوں کی بابت علیٰ سبیل فکر آیات قدرت جو کچھ قرآن یا دیگر کتب الہامیہ میں مذکور ہے، اس کے تمام بنی آدم قائل ہیں۔ وہ علم فطری ہے۔ جب بطلیموس اور فیثاغورث نہ تھے جب بھی وہ لوگ ان باتوں کو مانتے تھے۔

اول تو یہ مسلم نہیں کہ اگر آسمانوں کا کوئی رنگ ہو تو نیچے کے آسمان کی وجہ سے اوپر کے آسمان کی چیزیں نظر نہ آئیں۔ باوجودیکہ پانی اور بلور اور آئینہ میں رنگت ہوتی ہے پھر بھی وہ نفوذ بصر کو مانع نہیں، اس کے پرلی طرف والی چیز برابر نظر آتی ہے۔ (دوم) ممکن ہے کہ نویں یا آٹھویں آسمان کی رنگت نیلگوں ہو۔ اگر اوپر کی چیز کے نظر آنے سے مانع ہوگا تو وہ ہوگا، باقی نیچے کے آسمان مانع نہ ہوں گے اور ان کے اوپر کوئی ستارہ نہیں اور ان کی رنگت اوپر تلے آئینوں میں جس طرح اوپر کے آئینہ کی رنگت دکھائی دیتی ہے اور نیلا رنگ کچھ ان ہی صورتوں میں کہ جن کو متدل نے ذکر کیا، منحصر نہیں اور یہ سب کچھ تسلیم بھی کیا جائے تو قرآن سے صرف یہ ثابت ہے کہ آسمان کی طرف نظر کر سکتے ہیں۔ اس تقدیر پر نیلا رنگ گو آسمان کا رنگ نہ ہو مگر جب یہ آسمان کے ساتھ وہ علاقہ رکھتا ہے جو کہ سمندر کے پانی کے ساتھ اس کا رنگ پھر جس طرح سمندر کا نیلا رنگ اس کی رویت اور نظر کرنے میں قادح نہیں، اسی طرح آسمان کی طرف نظر کرنے مین یہ مانع نہیں۔ یا یوں کہو کہ کسی جسم پر کپڑا لپیٹ کر دکھایا جائے تو وہ دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہم نے وہ جسم دیکھا۔ آدمی پاجامہ کرتا پہنے دکھائی دیتا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اس کو دیکھا۔ اسی طرح اگر آسمانوں کے نیچے خدا نے یہ قدرتی نیلگوں چھت گیری لگا دی ہے تو اس کے دیکھنے میں کوئی حرج پیدا نہیں کرتی اور یوں تو حقیقۃً کوئی بھی جسم دکھائی ہی نہیں دیتا۔ جب نظر پڑے گی تو اس کے عوارض پر ہی پڑے گی، **کما ھو الحق عند الحکماء۔**

**آسمان مجسم ہے یا غیر مجسم:**۔۔۔۔الہامی کتابوں بالخصوص قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کوئی مجسم چیز ہے کہ جو قیامت کو پھٹ

جائے گی عام ہے کہ وہ کوئی جسم اور کسی قسم کا ہو۔ قال اللہ تعالیٰ: اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۔ وقال: وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۔ وقال: اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۔ وقال: وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ... الاٰیۃ کیونکہ اگر آسمان فضا یا بُعد موہوم کا نام ہوتا جیسا کہ بعض مقلدین یورپ کا قول ہے تو وہ ایک عدمی چیز ہے، اس کا پھٹنا اور اس کے چھلکوں یعنی طبقات کا اکھڑنا اور اس کو پیدا کرنا اور بنانا جس طرح کہ زمین اور اس کی چیزیں بنائیں یا اس کی کھڑکیاں کھلنا جس کا کہ توراۃ میں ذکر ہے اور اس کو سقف محفوظ کہنا چہ معنی دارد؟ البتہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ اکابر سے جو کچھ آسمان کے باہمی فاصلہ کی نسبت مروی ہے اور یہ کہ فلاں آسمان چاندی کا اور فلاں زبرجد کا اور فلاں اس کا اور فلاں اس کا، اگر بسند صحیح ثابت ہے تو تشبیہ اور مجاز پر محمول ہے نہ کہ حقیقت پر۔ پھر اس پر اعتراض محض بے جا ہے۔

## تخلیق عالم سے متعلق مذاہب واقوال

**فوائد:** (۱) عالم کے پیدا ہونے میں لوگوں کے گونا گوں مذاہب اور مختلف اقوال ہیں۔ ہندو جو اپنی کتابوں بالخصوص چاروں وید اور پرانوں کو تمام دنیا کی کتابوں سے قدیم سمجھتے ہیں اور ان کے پنڈت اپنے علوم پر بڑے نازاں ہیں اور سوائے ہندوؤں کے کل عالم کو ملیچھ کہتے ہیں یعنی ناپاک اور کسی کو نجات اور سُرگ (بہشت) کا مستحق نہیں جانتے اس پر طرہ یہ کہ اپنے مذہب میں بھی ملانا روا نہیں سمجھتے، ان کے ابتدائے عالم اور آفرینش جہان کی بابت اس قدر مختلف اقوال ہیں کہ جن کے سننے میں عاقل کے سر میں درد ہوتا ہے۔

**قول اول:**..... چنانچہ رگ وید کے آتیریہ ارنیہ میں لکھا ہے کہ شروع میں یہ سنسار (عالم) صرف آتما یعنی روح تھا، اور کچھ نہ تھا۔ پس اس نے چاہا کہ میں جگت کو پیدا کروں پس اس نے پانی، روشنی، جاندار وغیرہ طرح طرح کے عالم پیدا کئے۔ پھر خیال کیا کہ ان کا نگہبان پیدا کروں تب اس نے ایک پرش یعنی شخص کو پانی سے نکالا اور اس میں غور سے نگاہ کی تو اس کا منہ انڈے کی طرح کھل گیا اور اس میں سے ایک شبد یعنی آواز نکلی اور اس آواز سے آگ پیدا ہوئی، پھر اس کے نتھنے کھل گئے اور سانس آنے لگی، اس سانس سے آکاش یعنی آسمان پیدا ہوئے۔ پھر آنکھ کھل گئی، ان سے جوت (روشنی) اور اس سے سورج پیدا ہوا اور کان کھل گئے، ان سے چاروں کونوں کا پھیلاؤ ہوا۔ پھر اس کے چمڑے سے بال نمودار ہوئے، ان سے نباتات پیدا ہوئے اور اس کی چھاتی کھل گئی، اس سے بدھ اور بدھ سے چاند پیدا ہوا۔ پھر ناف کھل گئی، اس سے اپان ہوا جس سے موت پیدا ہوئی۔ اس کے بعد لنگ (آلہ تناسل) کھل گیا، اس سے منی نکلی اور اس منی سے پانی پیدا ہوا۔ پھر وہ برہما یہ سوچا کہ یہ پرش مجھ بغیر کس طرح رہ سکے گا، اس لئے اس کے سر میں سما گیا الخ۔

اس بیان میں چند خرابیاں ہیں (۱) یہ کہ جب وہ خود لکھتا ہے کہ اس نے تمام عالم، پانی، روشنی، سب کچھ پیدا کر لیا تو ان کی محافظت کے لئے اس پرش کو پیدا کیا، پھر یہ کہنا کہ اس پرش کے منہ سے آگ اور آلہ تناسل سے پانی اور سانس سے آکاش اور آنکھ سے آفتاب پیدا ہوا، صریح غلط ہے۔ (۲) جب پانی اس کی منی سے پیدا ہوا تو پھر یہ کہنا کہ پرش کو پانی سے نکالا، بالکل غلط ہے کیونکہ اس سے پہلے پانی کہاں تھا اور تھا تو یوں کیوں کہا کہ اس کی منی سے پیدا ہوا؟ (۳) منی غذاؤں کے کھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سے تو تمام نباتات اور پانی پیدا ہوا، پھر اس سے پہلے کیا کھایا کہ منی پیدا ہوئی؟ (۴) اس قول کے بموجب اس پرش اور تمام عالم کو پیدا کرنے والا برہما ثابت ہوتا ہے حالانکہ اس کے برخلاف وید اور پرانوں سے ثابت ہوتا ہے۔

**قول دوم:**..... برمھ دیوت پران کے برہم کھنڈ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کرشن سرشٹ کرتا یعنی خالق ہے یعنی اس کے دائیں طرف سے

وشنو اور بائیں سے شیو اور ناف سے برہما پیدا ہوا اور ان تینوں نے اس کی پوجا کی۔ یہ قول اول اقوال کے صریح برخلاف ہے۔

**قول سوم:**...... بھاگوت اور شیو پران میں لکھا ہے کہ وشن کی ناف سے کنول کا پھول نکلا، اس سے برہما پیدا ہوا جس نے وشن سے جھگڑا کیا۔

**قول چہارم:**...... متسیہ پران میں لکھا ہے کہ برہما سے شیو پیدا ہوا یعنی مہادیو۔ یہ اول اور دوم اور سوم سب کے مخالف ہے۔

**قول پنجم:**...... لنگ پران میں لکھا ہے کہ شیو برہما انڈے سے نکلا اور صورت پکڑ کے اپنی بائیں طرف سے وشن اور لکھشمی کو اور دائیں طرف سے برہما اور سرتی کو پیدا کیا۔ یہ پہلے قول سے بالکل مخالف ہے۔

**قول ششم:**...... ویدانت اور سانکھ سار اور دیگر پرانوں سے ثابت ہے کہ سرشٹ کے وقت برمھ سے بدھ اور بدھ سے اہنکار اور اہنکار سے آکاش اور آکاش سے اگن اور اگن سے جل اور جل سے پرھتوی اور ان سے سب چیزین پیدا ہوئیں۔

**قول ہفتم:**...... یجر وید میں لکھا ہے کہ دراج پرش سے سرشٹ ہوئی اس طرح پر کہ اس نے مرد و عورت کی شکل ایک شخص کو پیدا کیا، پھر وہ دو شخص ایک مرد اور ایک عورت بن گئے اور جورو خصم بن گئے۔ وہ عورت مرد سے شرما کر گائے بن گئی تو مرد بیل بن گیا۔ اس سے بیل و گائے کی نسل جاری ہوئی۔ پھر وہ گھوڑی تو یہ گھوڑا بن گیا اور وہ گدھی اور یہ گدھا بن گیا اور وہ کتیا تو یہ کتا بن گیا۔ الغرض جس قدر کائنات عالم ہے، اس کی صورت مین وہ مرد و عورت آتے گئے اور وہ چیزیں عالم میں ظہور پاتی گئیں۔ اس قصہ کو سن کر ناظرین بے اختیار ہنسیں گے

**قول ہشتم:**...... منو کے شاستر میں کہ جس کو دھرم شاستر کہتے ہیں، یہ لکھا ہے کہ پہلے ایسا اندھیرا تھا کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا تب ایشر نے پرتھی ظاہر کرنے کے لئے مہاتت اور بھوت وغیرہ کی شکل میں ظہور کیا تب برہم نے خلقت کو پیدا کرنے کا ارادہ کر کے اول جل (پانی) کو پیدا کیا اور اس جل میں اپنی منی ڈالی جس سے سونے کا چمکتا ہوا انڈا پیدا ہوا۔ اس انڈے مین سب کا باپ آپ برہما ہو کے پیدا ہوئے۔ پھر کئی برس تک برہما اس انڈے کے خیال میں رہا، اس کے بعد اس کو توڑ کے دو ٹکڑے کر دئے اور ان میں سے آسمان و زمین بنایا الخ۔ یہ ہذیان بھی قابل گور ہے۔

**قول نہم:**...... کرم پران مین لکھا ہے کہ میں جو نارائن دیو ہوں، سرشٹ سے پہلے تھا پر میرے رہنے کو استھان (جگہ) نہ تھا۔ تب او نید ے ہو کر شیش ناگ کو پلنگ بنا کر آرام کیا۔ اس کے پیچھے میری مہربانی سے چومکھی برہما پیدا ہوا جو تمام دنیا کا دادا ہے۔ پھر برہما نے اپنے من سے پانچ شخص بنائے: سنک۔ سناتن۔ سنندن۔ رودر اور سنت کمار...... الخ۔ تب مہامنی وشنو نے اپنے پتر (پسر) برہما کو تسلی دی جس سے وہ عبادت کرنے لگا۔ لیکن جب اس کا کچھ پھل نہ ملا تو غصہ میں آ کر رونے لگا اور ان آنسوؤں سے مہادیو پیدا ہوا۔ پھر اس نے اور خلقت کو پیدا کیا...... الخ۔ ان سب کے علاوہ بیدانتی لوگ کچھ اور ہی کہتے ہیں، ان سے بڑھ کر یہ اقوال حیرت افزا ہیں۔ مارکنڈ اور سری مد بھاگوت مین لکھا ہے کہ کھاری پانی کا سمندر۔ ایکھ کے رس کا سمندر۔ شراب کا سمندر۔ گھی کا سمندر۔ دودھ کا سمندر۔ چھاچھ کا سمندر۔ میٹھے پانی کا سمندر، یہ ساتوں سمندر سمیر ① کے چاروں طرف بہتے ہیں۔ مگر نہ اس سمیر کا پتہ ہے، نہ ان سمندروں کا کہیں نشان ہے۔ بعض پرانوں میں ہے کہ زمین کچھوے کی پیٹھ پر ہے اور بعض میں ہے کہ نادیا بیل کے دونوں سینگوں پر زمین ہے۔ وہ بیل مچھلی پر کھڑا ہے اور جب وہ بیل سر ہلاتا ہے تو زلزلہ آتا ہے اور بعض میں ہے کہ شیش ناگ کے سر پر ہے۔ اس خیال سوداوی کا کچھ ٹھکانا ہے! وید

① ۔ سمیر ہندوؤں کے نزدیک ایک فرضی پہاڑ کا نام ہے جس طرح مانسرور ایک تالاب ہے کہ جس کے ہنس موتی کھاتے ہیں۔ شاید یہ باتیں عالم خیال میں ہوں تو ہوں برہمنوں کے تصور میں، ورنہ ان کا کہیں پتہ نہیں۔ منہ

اور شاستروں اور پرانوں مین یہ لکھا ہے کہ سمیر پربت زمین کے بیچوں بیچ ایک پہاڑ ہے جس کی بلندی تین لاکھ کوس ہے اور اس کلی جڑ کی موٹائی چونسٹھ ہزار کوس کی ہے اور اس کے اوپر مہادشن، شیو، اندر اور دیوتاؤں کا استھان ہے اور اس کے آس پاس اور بہت پہاڑ ہیں جن کے اوپر ایک ایک درخت چار چار ہزار کوس اونچا ہے۔ ہنود کی بعض کتابوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ کرم یعنی افعال خالق ہین اور بعض پر اکرت یعنی زمانہ کو خالق جانتے ہیں، خدائے تعالیٰ کے منکر ہیں۔ بعض مایا کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ خود اپنی صورتیں بدل کر عالم میں ظاہر ہوا۔ کبھی درخت بنا، کبھی پتھر بنا۔ اب میں حکمائے یونان کے اقوال اس بارے میں بیان کرتا ہوں۔

**حکماء متقدین ومتاخرین کے اقوال:**...... واضح ہو کہ حکماء کے دو گروہ ہیں: ایک گروہ متقدمین یعنی افلاطون سے پہلے اور خود افلاطون۔ ایک گروہ متاخرین ارسطاطالیس اور اس کے معاصر اور بعد کے حکمائے قدماء کے مختلف اقوال ہیں۔ چنانچہ ثالیس ملطی یہ کہتا ہے کہ ضرور کوئی نہ کوئی عالم کا مبدع ❶ ہے اور وہ پانی ہے کیونکہ یہ ہر قسم کی صورت قبول کرسکتا ہے۔ اسی سے آسمان وزمین، عناصر، مرکبات ہر چیز بنی ہے۔ پس جو پانی کہ منجمد ہوگیا یعنی جم گیا، وہ زمین میں ہے اور پانی کے تحلیل ہونے سے ہوا پیدا ہوئی ہے اور تموج بحر اور جھاگ سے آگ بنی اور پھر پانی اور آگ کے ابخرات اور دھوؤں سے آسمان بنا اور ان ارضیات میں جو اشتعال واقع ہوا اس سے ستارے، آفتاب و ماہتاب بنے۔ پس اسی لئے یہ آسمان کے پانی کے گرداگرد حرکت دوری کرتا ہے گویا کہ مسبب اپنے سبب اور عاشق اپنے معشوق پر قربان ہوتا ہے۔ شاید مبدع سے مراد مبدء ❷ ہے۔ اس تقدیر پر یہ مذہب توراۃ اور کتب الہامیہ سے کسی قدر مطابق ہوجائے گا اور کچھ عجب نہیں کہ ثالیس نے انبیاء علیہم السلام سے فیض حاصل کیا ہو۔

**حکیم انکیماس:**...... یہ بھی ملیطی ❸ ہے۔ یہ کہتا ہے کہ کل عالم کا پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہے۔ پس یہ جو کچھ موجود ہوا ہے، یہ سب اس کے علم ازلی میں تھا۔ سب سے اول اس نے عنصر کی صورت، پھر عقل کی صورت پیدا کی۔ پھر بقدر انوار وآثار عنصر نے عقل میں بیشمار دفعۃً صورتوں کے رنگ مرتب کردیئے جس طرح کہ صاف آئینہ میں صدہا صورتیں یکبارگی پیدا ہوجائیں۔ مگر ہیولی میں بغیر ترتیب وزمان کے یکبارگی سب صورتیں مرتب نہیں ہوسکتیں، پس اس لئے ہیولی ایک عالم سے دوسرے عالم میں صورتین بدل کر نمودار ہوتا گیا یہاں تک کہ جو صورتیں کہ ہیولی میں ہیں، ان کے اور خود ہیولی کے انوار کم ہوگئے اور خاص وہ رذیل صورت رہ گئی کہ جو نہ نفس روحانیہ، نہ نفس حیوانیہ، نہ نباتیہ قبول کرسکتی ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اس عالم کو اس عالم سے وہ نسبت ہے کہ جو چھلکے کو مغز سے یعنی یہ عالم اس عالم کا ظل ہے اور جب تک اس عالم کا نور اس عالم میں باقی ہے تو یہ قائم ہے اور اس سے یہ بھی منقول ہے کہ سب سے پیشتر جو اس عالم میں پیدا ہوا وہ ہوا ہے۔ پھر جس قدر اجرام علویہ اور سفلیہ ہیں، سب اسی سے ہوئے ہیں۔ پس جو چیز لطیف ہوا سے پیدا ہوئی ہے، وہ روحانی اور لطیف ہے نہ وہ بگڑے گی، نہ اس میں کچھ خرابی ظہور کرے گی اور جو کثیف ہوا سے پیدا ہوئی ہے، وہ کثیف اور جسمانی ہے یہ ایک روز خراب ہوگی۔ یہ حکیم ثالیس کے مذہب پر ہے۔ شاید اس نے موجودات جسمانی میں ہوا کو سب سے اول مانا جس طرح کہ موجودات روحانی میں عنصر کو مبدء اول قرار دیا جس طرح کہ ثالیس نے پانی کو مبدء اول مانا تھا اور یہ عنصر کو بمنزلۂ قلم کے اور عقل کو بمنزلۂ لوح کے قرار دیتا ہے کہ جو ہر طرح کی صورتیں قبول کرتی ہے۔

**حکیم انبیذ قلس:**...... یہ حضرت لقمان حکیم کے شاگرد ہیں، ان سے حکمت حاصل کرکے یونان میں آئے۔ یہ کہتے ہیں کہ تمام عالم کا پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہے۔ اس نے سب سے پیشتر ایک بسیط یعنی عنصر کو پیدا کیا۔ یہ عنصر جو معلول اول ہے، بالکل بسیط نہیں اس لئے کہ ہر

---

❶ ابتداء پیدا کرنے والا۔ منہ۔ ❷ یعنی وہ چیز کہ جس کو سب سے اول اللہ تعالیٰ نے بنایا اور پھر اس سے اور چیزیں بنائیں۔ منہ۔ ❸...... یعنی ملیطہ کا رہنے والا کہ جس کو مالٹا کہتے تھے۔ یہ ایک جزیرہ ہے، اس کو یونان سے پہلے بڑا تعلق تھا۔ منہ۔

معلول عقلاً یا حساً مرکب ہوتا ہے، پس عنصر بھی فی ذاتہٖ محبت اور غلبہ سے مرکب ہے۔ پھران دونوں سے سب چیزیں پیدا ہوئی ہیں اس طرح پر کہ تمام روحانیات پر محبت خالصہ منطبق ہے اور جسمانیات پر غلبہ اور جو دونوں سے مرکب ہے، اس پر یہ دونوں ہیں اور یہ باری تعالیٰ کے لئے ایک قسم کی حرکت وسکون بھی ثابت کرتا ہے۔ یہ مذہب فیثاغورس سے لے کر افلاطون تک حکماء میں مسلم رہا اور سب قدماء عالم کو حادث کہتے رہے مگر افلاطون کے شاگرد ارسطاطالیس کا جب زمانہ آیا وہ جو کچھ ریاضیات اور مکاشفات تھے، ان میں فرق آ گیا۔ پھر تو صرف تخمینی باتوں اور خیالی مقدمات سے مرکب دلیلوں پر حکمت کا دارومدار رہ گیا اس لئے اس گروہ کو مشائین کہنے لگے اور چونکہ یہ ارسطو سکندر رومی کا وزیر تھا کہ جس نے ایران کو فتح کر کے ایشیائی ملکوں میں بھی اپنا نام پیدا کیا تھا اس لئے ارسطو کے مذہب کو زیادہ شہرت ہوئی۔ اب میں قبل اس کے کہ ارسطو اور اس کے متبعین متاخرین کا مذہب اس باب میں بیان کروں، دو چار مقدمات گوش گزار کرتا ہوں کہ جن پر اس مذہب کی بنیاد ہے۔

**متاخرین حکماء کے مذہب کی بنیاد پر چار مقدمات:......** (۱) یہ کہ ایک شخص سے (کہ جو من کل الوجوہ واحد ہو جیسا کہ باری تعالیٰ) دو چیزیں صادر نہیں ہو سکتیں کیونکہ اگر دو صادر ہوں تو اس میں دو جہت ثابت ہو جائیں اور ترکیب آئے (۲) یہ کہ ستاروں کی مختلف حرکات سے نو آسمان ثابت ہوئے ہیں۔ (۳) یہ کہ ان آسمانوں کی حرکت دوری قدیم ہے اور ان کے محرک نفوس فلکیہ ہیں کہ جن کو عقل وشعور ہے۔ (۴) جو چیز حادث ہے یعنی جو معدوم ہو کر موجود ہو، ضروری ہے کہ پہلے سے اس کے لئے مادہ ہو ورنہ اس شی کی جو صفت امکان ہے، کس کے ساتھ قائم ہوگی؟ جب یہ مقدمات اپنے خیال میں ان لوگوں نے مضبوط کر لئے تو کہنے لگے کہ عالم قدیم ہے یعنی یہ آسمان وزمین اور کل بسائط سب ہمیشہ سے ہیں۔ ہاں یہ مرکبات حادث ہیں جیسا کہ حیوانات۔ نباتات۔ جمادات اور یہی فانی بھی ہیں کہ یہ ترکیب منحل ہو جاتی ہے۔ ہر عنصر اپنے اپنے حیز اصلی میں آملتا ہے اور کل عالم کا بانی خدا تعالیٰ ہے۔ جس سے وہ ہے تب ہی سے یہ عالم بھی ہے عالم کو حادث ذاتی کہہ سکتے ہیں اور اس کے صدور اس سے یوں ہوا ہے کہ سب سے اول اس نے عقل ❶ اول کو پیدا کیا اس لئے کہ وہ بسیط ہے، دو یا کئی چیزیں پیدا نہیں کر سکتا۔ اب عقل اول میں تین اعتبار ہیں: ایک وجود فی نفسہٖ۔ دوسرا وجوبہ بالغیر۔ تیسرا امکانہ لذاتہٖ۔ پس اس نے پہلے اعتبار سے کہ جو اشرف تھا، عقل دوم کو پیدا کیا۔ یہ بھی اشرف ہے اور دوسرے اعتبار یا لحاظ سے نفس کو کہ جس کو روح یا آتما کہتے ہیں، پیدا کیا اور تیسرے اعتبار سے جسم یعنی فلک اول کو پیدا کیا کہ جس کو ادھر کے لحاظ سے نواں آسمان اور فلک الافلاک بھی کہتے ہیں۔ پھر عقل دوم نے عقل سوم اور آسمان سوم یعنی فلک الثوابت اور ایک نفس کو پیدا کیا۔ علی ہذا القیاس نویں عقل نے نویں آسمان فلک القمر اور دسویں نفس کو پیدا کیا۔ پھر دسویں عقل نے بذریعہ حرکات فلکیہ بسائط اور سب چیزوں کو پیدا کیا اس لئے اس کو عقل فعال کہتے ہیں اور اسی خیال سے شعراء حوادث کو آسمان کی طرف منسوب کر کے اس کو بھلا برا کہا کرتے ہیں۔

اسی طرح اصول مرکبات میں بھی حکماء کا باہم اختلاف ہے۔ چنانچہ متاخرین حکماء آگ، پانی، خاک، ہوا۔ اربع عناصر کے قائل ہیں، بعض صرف ایک ہی عنصر کے قائل ہیں۔ بعض دو کے، بعض تین کے، بعض بہت سے عناصر کو مانتے ہیں۔ جو ایک کہتے ہیں، پھر ان کا بھی اختلاف ہے۔ کوئی آگ کو اصل مانتا ہے اور عناصر اسی سے پیدا ہونا کہتا ہے کہ آگ مستحیل ہو کر ہوا بنی اور ہوا مستحیل ہو کر پانی بن گیا اور پانی منجمد ہو کر زمین بن گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ہوا اصل ہے باقی سب چیزیں ہوا سے مستحیل ہو کر بنی ہیں۔ بعض پانی کو اصل کہتے ہیں، بعض مٹی کو اصل قرار دیتے ہیں، بعض اجزات کے قائل ہیں، اور بھی آفرینش عالم میں حکماء مصر اور فارس اور روم اور ہند وچین کے رجماً بالغیب بہت سے اقوال ہیں۔ یہاں بھی عقل کو بڑی حیرانی اور سرگردانی تھی۔ کس کو کون غلط کہے، کس کو صحیح؟ اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام

❶ ...... عقل سے مراد انسان کی عقل نہیں کہ جس کو ذہن اور فہم بھی کہتے ہیں بلکہ جوہر مجرد جیسا کہ ملائکہ جس کو عرف شرع میں قلم کہتے ہیں۔ منہ۔

کی معرفت راز سربستہ کو یوں کھول دیا۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ۝ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝

اس آیت کی تفسیر تو اس موقع پر ہوگی مگر حاصل مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے دو روز میں زمین کو پیدا کیا اور بموجب قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کے (کہ جس کو تفسیر مدارک وغیرہ میں نقل کیا ہے) مبدء اس کا ایک جوہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کی نظر ہیبت سے پانی ہو گیا۔ پس یہ پانی بحر ہستی میں موجزن تھا اور خدائے تعالیٰ کے احاطۂ قدرت و جبروت میں تھا، جیسا کہ فرماتا ہے: وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَي الْمَاۗءِ ❶ کہ اس کا تخت پانی پر تھا اور توراۃ، کتاب پیدائش کے اول باب، آیت ۲ میں بھی ہے کہ خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی، پھر اس پانی کی حرکت و تموج سے حرارت اور ابخرات اور دھوئیں پیدا ہوئے اور جھاگ بھی بیشمار اٹھے۔ وہ جھاگ وغیرہ جس قدر منجمد ہو گئے، وہ زمین ہو گئی اور ہر طرف سے پانی اس پر محیط ہو گیا مگر کسی قدر ارتفاع و انخفاض کی وجہ سے پانیوں کے اوپر بھی رہے کہ جس پر لوگ آباد ہیں اور پانی تحلیل ہو کر حرارت کی وجہ سے ہوا بن گئی اور ہوا تموج کی حرارت سے مستحیل ہو کر آگ بن گئی۔ مگر قرآن سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے دو روز میں زمین کو بنایا اور پھر وہ جو دھوئیں اور ابخرات مرتفع تھے، ان سے دو روز میں سات آسمان بنائے، جیسا کہ خود فرماتا ہے: ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ (اور وہ جو لطیف ابخرات تھے ان سے) ستارے بنا کر آسمان کو مزین کیا۔ پس جب آفتاب و ماہتاب اور رات دن ہو چکے (تو ان کی حرارت و برودت سے) زمین کے اوپر نباتات، پہاڑ و انہار وغیرہ وہ چیزیں پیدا کیں کہ جن کی طرف انسان و حیوانات کو اشد ضرورت ہے اور یہ بھی دو روز میں کیا، جیسا کہ فرماتا ہے: اَمِ السَّمَاۗءُ ۭ بَنٰىهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَاۗءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۝ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۝ کہ خدا تعالیٰ نے آسمان کو بنایا اور بلند کیا اور پھر ان کی درستی کی اور اس سے رات دن پیدا کر کے اس کے بعد زمین کو آراستہ کیا اور اس کے اوپر پہاڑوں کا دباؤ ڈالا۔ پھر حیوانات اور حضرت انسان کو بنایا، جیسا کہ ابھی آتا ہے۔ توراۃ میں بھی اسی کے موافق ہے مگر کسی قدر عبارت کا ایچ پیچ ہے، باقی مطلب صاف ہے۔

## زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی

**فوائد (۱)**: جمہور علماء صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد و حسن وغیرہ اس تفسیر پر متفق ہیں، کہ آسمان زمین کے بعد بنایا گیا ہے، جیسا کہ ابھی مذکور ہوا، لیکن بعض علماء جیسا کہ قتادہ رحمہ اللہ اور مقاتل رحمہ اللہ اور بیضاوی رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ آسمانوں کو پہلے پیدا کیا، اس آیت

---

❶ صحیح بخاری میں ہے قال کان اللہ ولم یکن شیء قبلہ و کان عرشہ علی الماء ثم خلق السموت والارض (الحدیث) کہ اللہ ہی تھا اس سے پہلے کچھ نہ تھا اور اس کا تخت ف پانی پہ تھا۔ اس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور ترمذی نے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے۔ حقانی۔

ف: ... ایک حدیث میں آیا ہے کہ اندھیرا تھا اور خدا کا تخت پانی پر تھا اس کے یہ معنی ہیں کہ اول مخلوق پانی پر تھا اور ابھی تک آفتاب و ستارے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے اندھیرا تھا اور ممکن ہے کہ عدم مراد ہو کہ اس کو بھی اندھیرے سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور جب کہ عالم حسی میں صرف پانی ہی پانی تھا تو وہ کرہ محاطہ تھا اور اس کے گردا گرد احاطۂ قدرت و کمال تھا جس کو تخت رب العالمین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس تقدیر پر پانی پر تخت رب العالمین کا ہونا بہت ٹھیک بات ہے۔ منہ)

سے وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا؈ اور ثم کو تراخی رتبی پر محمول کرتے ہیں، مگر یہ تکلف ہے۔ کلام الٰہی میں غور نہیں کیا۔ کیونکہ بعد ذٰلِكَ جو فرمایا ہے تو زمین کے دَحو کی نسبت فرمایا ہے نا کہ پیدا ہونے کی نسبت یعنی زمین آسمان سے پیدا تو پہلے ہو چکی ہے مگر اس کی آراستگی کہ جو دحو کا مفاد ہے، آسمانوں کے بعد ہے۔

## آسمان وزمین کی تخلیق وآرائش

فوائد (۲): زمین کو دو روز میں پیدا کیا اور دو روز میں اس کو آراستہ کیا اور دو روز میں آسمان بنایا۔ یہ کل چھے روز ہوئے جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ زمین کو اتوار اور پیر کے دن اور اس کی آراستگی اور اس کے پہاڑ وغیرہ چیزیں منگل اور بدھ کے روز اور جمعرات کے دن آسمانوں کو اور جمعہ کے دن ستاروں کو پیدا کیا۔ صحیح مسلم میں اور طرح پر آیا ہے، توراۃ سفر خروج کے باب ۳۱ ورس ۱۷ میں یہ بھی ہے: اس لئے کہ چھ دن میں خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا اور یہاں ساتواں دن ہفتہ کا دن ہے جس کو یہود سبت کہتے ہیں۔ لیکن آرام کرنا غلطی کاتب ہے، اس لئے کہ وہ فرماتا ہے: وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ کہ ہم پیدا کرنے میں کبھی بھی تھکے نہیں۔

فوائد (۳): اگر کوئی کہے کہ دن تو آفتاب کے طلوع وغروب سے ہوتا ہے، پھر ان کے پیدا ہونے سے پہلے دن کہاں؟ میں کہتا ہوں کہ جو کچھ عالم ظہور میں آتا ہے، وہ پہلے علم الٰہی میں ہو بہو قائم ہوتا ہے جس طرح آئینہ میں وہ دکھائی دیتا ہے جو پہلے موجود ہوتا ہے ہو بہو، پس جس طرح دن اور ان کے نام آفتاب پیدا ہونے سے پہلے عالم ظہور میں متعین ہوئے، اسی طرح اس کے علم میں تھے۔ پھر وہ اپنے علم کے لحاظ سے اس مقدار زمانہ کو ایام میں تعبیر کرتا ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ ہمارے نزدیک یہ تعین آفتاب کے بعد ہوئی، اس کے نزدیک پہلے بھی تھے۔

## ارض وسماء کی تخلیق چھ دن میں کیوں کی گئی؟

سوال: خدائے تعالیٰ قادر ہے، اس نے چھ روز کے عرصہ میں کیوں آسمان وزمین کو پیدا کیا؟ اس لئے ایک بار کُن کہتے ہی نہ کر دیا، اس کو کس سامان کا انتظار تھا؟

جواب: کسی کا بھی نہیں، بلکہ صرف اس لئے کہ عالم اسباب میں ہر کام بتدریج ہونا ثابت کیا جائے اور عالم کا حادث ہونا اور حادث ہو کر اس کا مخلوق اور محتاج اور فانی ہونا ثابت ہو جائے۔

فوائد (۴): اگرچہ ہم کو خوب معلوم نہ ہو مگر خدا نے دنیا کی سب چیزوں میں انسان کے لئے نفع رکھا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مصلحت سے بعض چیزوں کا کھانا پینا حرام ہے مگر نفع کچھ کھانے پینے پر موقوف نہیں اور اسی لئے جمہور علماء اس آیت خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا سے اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ جب تک ممانعت شرعیہ نہ معلوم ہو، ہر چیز مباح اور حلال ہے اصل اشیاء میں حلت ہے۔

فوائد (۵): وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ میں اس طرف اشارہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بابت جو لوگ کتاب الٰہی کے مخالف کہتے ہیں، وہ جانتے نہیں یونہی انکل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا

مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ

قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ:......اور جبکہ آپ کے رب نے (فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ وہ بولے کیا تو زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ کرنا چاہتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے اور خون ریزیاں کیا کرے، حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کہتے ہیں، اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا: میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے ﴿۳۰﴾۔

ترکیب:......اِذ مفعول بہ ہے اذکر محذوف کا۔ بعض کہتے ہیں کہ مبتداء محذوف کی خبر ہے تقدیرہ و ابتداء خلقی وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ بعض کہتے ہیں زائدہ ہے۔ قال فعل، ربک فاعل، لِلْمَلٰٓئِكَةِ متعلق ہے۔ فعل کے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۚ جملہ مقولہ ہے قول کا یعنی مفعول قال کا جاعل مستقبل کے معنی میں ہے اسی لئے عمل کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ بمعنی خالق ہو تو ایک مفعول چاہے گا جو خلیفہ ہے اور ممکن ہے کہ بمعنی مصیر ہو تو اس تقدیر پر فی الارض مفعول ثانی ہوگا۔ قالوا فعل ضمیر فاعل اَ ہمزۂ استفہام ارشاد کے لئے۔ تجعل فعل، انت فاعل، مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ سب اس کا مفعول، پھر یہ تمام جملہ مفعول ہوا قالوا کا۔ و نحن نسبح...... جملہ اسمیہ حال ہے فاعل تجعل سے، یہ حال جہت اشکال کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔ قال فعل بافاعل، انی اعلم...... جملہ اس کا مفعول۔ اعلم فعل مضارع، ما موصلہ، لا تعلمون صلہ اصلہ لا تعلمونہ ضمیر محذوف۔ بعض نے کہا کہ اعلم اسم ہے مثل افضل کے، پھر ما موضع جر میں ہے بہ سبب اضافت کے۔ (تبیان فی اعراب القرآن)

## آدم کی ملائکہ پر بزرگی کے اسباب

تفسیر:......یہ تیسری نعمت خدائے تعالیٰ یاد دلاتا ہے۔ پیشتر کہا تھا کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا اور اس نے تمہاری لئے زمین و آسمان اور ان کی سب چیزوں کو بنایا اور اس نے تمہارے دادا ابوالبشر آدم علیہ السلام کو وہ عزت و حرمت بخشی کہ فرشتوں کو ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی خبر کر دی تھی کہ ہم زمین پر اپنا نائب یعنی آدم علیہ السلام پیدا کرنا چاہتے ہیں، کہ اس کے اور اس کی اولاد انبیاء علیہم السلام کی معرفت ہم اپنے احکام جاری کریں گے۔ جب ملائکہ نے یہ سنا تو معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ ہوگا دو وجہ سے: ایک یہ کہ اس پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کی منادی کی گئی۔ دوم یہ کہ وہ خدا کا نائب ہو کر زمین پر حکومت کرے گا۔ مگر اس کے ساتھ جب ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ (اس کا خمیر اور مادہ ایسے اجسام مختلف الطبائع سے ہوگا کہ جن کو قوت شہویہ اور غضبیہ لازم ہے کہ جس سے خواہ مخواہ زنا وغیرہ فساد ظہور میں آتا ہے) تو بڑا تعجب ہوا کہ جس میں دو بری قوتیں اور ایک قوت عقلیہ عمدہ ہو، اس کا پیدا کرنا بھی مقتضی حکمت نہیں چہ جائیکہ اس کو خلیفہ بنا دیا جائے، پس اس لئے (نہ اعتراض و مباحثہ اور حسد کے طور پر بلکہ) نہایت عجز و انکساری سے یہ سوال کیا کہ الٰہی! جب اس کا یہ حال ہے تو اس کو خلیفہ بنانا، اس میں کیا حکمت ہے؟۔ رہی تیری تسبیح و تقدیس ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ'' کہنا، اس کے لئے ہم ملائکہ موجود ہیں۔ جن میں قوت غضبیہ و شہویہ کا مادہ ہی نہیں، خدا تعالیٰ نے مجملاً یہ جواب دیا کہ اس میں جو حکمت ہے، وہ تم کو معلوم نہیں کہ ان دونوں قوتوں یعنی غضبیہ اور شہویہ کو ترکیب دے کر جب مہذب کر لیا جائے تو ان سے انصاف اور شجاعت اور عفت اور مجاہدہ نفس وغیرہ صفاتِ حمیدہ پیدا ہوتی ہیں، اور جو کچھ ان کے باہم مرکب ہونے سے عمدگیاں پیدا ہوتی ہیں، وہ تنہا ایک صفت سے پیدا نہیں ہوتیں جیسا کہ

جزئیات امور کو احاطہ اور طرح طرح کی صنعتوں کا ایجاد کرنا اور منافع کائنات کو قوت کے مرتبہ سے فعلیّت کی طرف لانا، حالانکہ خلافت سے یہی باتیں مقصود ہوتی ہیں، سو یہ باتیں آدم میں ودیعت رکھی گئی ہیں، فرشتوں میں نہیں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کی فضیلت دکھا کر ان کو سجدہ کا حکم دیا اور فرشتے اپنے سوال پر نادم ہو کر سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا کہنے لگے۔ پس اس محسن خدا کی کیونکر نا فرمانی کرتے ہو اور اس کے احکام اور اس کے آخری نبی ﷺ سے کس طرح سرتابی کرتے ہو۔

**متعلقات:**...... وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ پیشتر مقدمۂ کتاب میں ملائکہ کی تحقیق ہو چکی اور جو کچھ نافہم لوگوں نے اس سوال کو مباحثہ اور اعتراض خیال کر کے ملحدوں کی تقلید میں آ کر زبان درازی کی اور پھر نہایت ضعیف تاویل کر کے کلام الٰہی کو بگاڑا ہے، سب کا مفصل جواب وہاں دیکھ لو۔ خلیفہ فعیل کے وزن پر ہے اور اس کی جمع خلفاء آتی ہے مگر مبالغہ کے لئے ت کو زیادہ کر دیا، اس کے معنی نائب کے ہیں، کہ جو پیچھے کام کرے، یہ خلف سے مشتق ہے، اگرچہ خدائے تعالیٰ ہر وقت موجود ہیں، اس کو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں مگر بندوں کو واسطہ کی ضرورت ہے۔ یسفک سفک کے معنی بہانے کے ہیں، سفک اور سبک اور سفح اور شن قریب المعنی ہیں، صرف فرق یہ ہے کہ سفک آنسو اور خون بہانے میں مستعمل ہوتا ہے اور سبک سونا چاندی وغیرہ پگھلانے میں اور سفح اونچے سے پانی وغیرہ ڈالنے میں اور شن مشکیزہ وغیرہ کے منہ سے پانی گرا دینے میں اور شن آہستہ آہستہ پانی ڈالنے میں مستعمل ہوتا ہے۔ تسبیح خدائے تعالیٰ کی جمیع عیوب سے پاکی بیان کرنا اور اسی طرح تقدیس خواہ زبان سے خواہ دل سے ہو، خواہ دلالت حال سے بیان کی جائے، اس میں تمام مخلوقات شریک ہیں، ہر چیز بزبان حال اپنے صانع کی خوبیوں اور پاکیزگیوں کو بیان کر رہی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ کہ ہر چیز خدا کی تسبیح کر رہی ہے۔

**نکتہ:**...... ملائکہ کو یہ معلوم تھا کہ انسان میں ضرور دو سری قوتیں ہوں گی: شہویہ کہ جس کا مقتضاء زناکاری وغیرہ فساد ہے کہ جس کو یفسد کے ساتھ تعبیر کیا، دوسری غضبیہ جس کا مقتضاء قتل و ضرب ہے جس کو یسفک الدماء کے ساتھ تعبیر کیا اور یہ بھی جانتے تھے کہ ہم میں یہ دو قوتیں موجود نہیں۔ پس بارگاہ کبریاء میں ادب کے مارے یہ تو نہ کہہ سکے کہ ہم یہ دونوں بد کام نہیں کرتے مگر ان کے مقابلہ میں دو اور باتیں خدا تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرنے والی کہیں اور ان سے اشارۃً ان دونوں عیبوں کی بھی نفی کر دی اس لئے نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ کو يُفْسِدُ فِيْهَا کے مقابلہ میں اور نقدس لک کو يَسْفِكُ الدِّمَاءَ کے مقابلہ میں ذکر کیا۔ ولطفہ لا یخفی اب آدم کی عظمت کو خدا بتلاتا ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾

**ترجمہ:**...... اور (خدا نے) آدم کو سب نام سکھائے، پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے (یہ) کہا کہ مجھ کو ان چیزوں کے نام تو بتلاؤ اگر تم سچے ہو ﴿۳۱﴾۔

---

**ترکیب:**...... عَلَّمَ فعل ضمیر راجع طرف اللہ کے فاعل۔ آدم مفعول اول۔ الاسماء کلھا تاکید و موکد مفعول ثانی، یہ جملہ مستانفہ ہوا۔ عرض فعل بافاعل، ھم ضمیر راجع طرف مسمیات کے کہ جو ضمناً سمجھی جاتی ہیں اس لئے کہ تقدیر کلام یہ ہے: اسماء المسمیات مضاف الیہ کو حذف کر دیا اس لئے کہ مضاف دلالت کر رہا ہے۔ علی الملائکۃ جار مجرور متعلق عرض کے ہوا اور قال فعل ضمیر راجع

طرف اللہ کے وہ فاعل انبئونی ..... الخ جملہ مقولہ ہے۔ ان کنتم صادقین جملہ شرطیہ اور انبئونی دال بر جزاء۔

## کیفیتِ پیدائش آدم علیہ السلام

تفسیر: ..... پس خدا تعالیٰ نے حسب تجویز حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس کے پیدا ہونے کی کیفیت احادیث میں یوں مرقوم ہیں کہ خدا نے فرشتہ کو حکم دیا کہ زمین سے تھوڑی مٹی ❶ لے کر اس کو خمیر کرے اور اس کا پتلا بنا دے۔ چنانچہ فرشتے نے حسب الحکم مکہ اور طائف کے بیچ میں بمقام نعمان اسی طرح پتلا بنایا اور خدا تعالیٰ نے اپنے یدقدرت سے اس کی صورت، ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ بنائی اور چندمدت تک اس خاک کے خشک پتلے کو اسی حالت میں رکھا اور وہ فرشتے بھی اس عجیب وغریب پتلے کو دیکھ کر حیران ہوتے اور تعجب کرتے کہ اس میں کیا سر ہے جو یہ خلیفہ بنایا جائے گا اور ابلیس اس کو دیکھ کر دل میں یہ کہتا کہ جانے یہ کیا سر ہے مگر جب قلب کو دیکھا تو حیران رہ گیا کہ عجب نہیں کہ اس میں کوئی لطیفۂ ربانی رکھا جائے۔ پس جب روح اس تنگ وتاریک پتلہ خاکی میں بحکم الٰہی آئی اور اسی وقت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی تو الہام الٰہی سے الحمد للہ کہا اور خدا کی طرف سے یرحمک اللہ کا جواب عطا ہوا۔ پھر آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تو جماعت فرشتوں کے پاس جا کر السلام علیکم کہہ، جو کچھ وہ جواب دیں گے، وہی تیرے لئے اور تیری اولاد کے لئے تحیہ مقرر ہوگا، انتہی۔

**تعلیمات اسماء وفضیلت آدم علیہ السلام:** ..... جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو فرشتوں نے ہر چند آدم علیہ السلام کی چھینک پر الحمد للہ کہنے اور جماعت ملائکہ کو السلام علیکم کہنے سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہ کوئی ہونہار ہے مگر ہنوز اسے استحقاقِ خلافت کی کوئی فضیلت خاص معلوم نہ ہوئی تھی، اس لئے خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے دل میں یہ القاء کر دیا کہ فلاں شے کا یہ نام ہے، فلاں کا یہ، یعنی آدم علیہ السلام کی سرشت میں وہ اجزائے مختلفہ اور قوائے متبائنہ رکھے کہ جس نے اس کو طرح طرح کے معقولات اور محسوسات و متخیلات و متوہمات اور حقائق اشیاء اور ان کے خواص اور نام اور اصول علم اور قوانین صنعت اور ان کے آلات کی کیفیت معلوم ہو سکے۔ پھر جب آدم علیہ السلام کو یہ فضیلت علم حاصل ہوگئی کہ جو تمام صفاتِ کمالیہ کا سرتاج ہے اور جس پر مدارِ خلافت ونیابت ہے، کس لئے کہ خلیفہ جب تک اشیاء کو نہ جانے گا تو حکم نہ کر سکے گا، تب خدا نے ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے دربار عام میں یہ پوچھا کہ تم مجھ کو ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر اپنے دعوے میں سچے ہو کہ ہم ہی تیری تسبیح وتقدیس کرتے ہیں (اور تسبیح وتقدیس کو علم اشیاء لازم ہے)۔

لیکن چونکہ فرشتوں میں وہ مادہ موجود نہ تھا کہ جس کی وجہ سے حقائق اشیاء اور ان کے جزئیات امور کا علم حاصل ہو، اس لئے نہ بتلا سکے پھر خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہا کہ تو ان کو بتلا دے۔ آدم علیہ السلام نے بتلا دیا تو ملائکہ تمام اس کی فضیلت علم کے قائل ہو گئے، اور اپنے قصور فہم اور نقصان علم کے قائل ہو کر سُبحٰنَکَ لَا عِلمَ لَنَا ..... کہنے لگے۔

**نیابتِ آدم:** ..... جب آدم علیہ السلام کی یہ فضیلت ثابت ہو چکی تو خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی نیابت عطا فرمائی اور سب کو اس تخت نشینی سے مطلع کر کے سجود وتعظیم کی نذ ونیاز کا حکم دیا۔ سب فرشتے حکم الٰہی بجا لائے اور سب نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ مگر ابلیس کو، کہ دراصل جن تھا، فرشتوں میں عبادت وریاضت کی وجہ سے جا ملا تھا، حسد ہوا اور آدم علیہ السلام کی فضیلت کا مقر نہ ہوا اور کہا، یہ خاک سے بنا ہے تو میں آگ سے بنا ہوں، میں اس سے بہتر ہوں، مجھ پر اس کی کیا فضیلت ہے، آخر الامر سجدہ نہ کیا اور عتاب میں دربار الٰہی سے نکالا گیا اور پھر آدم علیہ السلام کی خوشیٔ خاطر کے لئے ایک عورت جو حوا خدا تعالیٰ نے پیدا کی اور دونوں کو جنت میں رہنے کا حکم دیا اور ایک درخت کے کھانے سے کسی

---

❶ ..... اور اسی لئے اولاد آدم مختلف الاحوال ہوئی۔ کوئی، کالا، کوئی، گورا، کوئی نرم، کوئی سخت، اور اسی خاک مختلف کی وجہ سے آدمی کے حلات مختلف ہوتے ہیں۔ منہ۔

حکمت سے منع کر دیا تھا، شیطان وہاں سانپ کی صورت میں ہو کر پہنچا اور حضرت حواؑ کو بہکا کر اس درخت کے کھانے پر آمادہ کیا اور حواؑ کے کہنے سے حضرت آدم علیہ السلام نے بھی کھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں سے نکالے اور دنیا میں ڈالے گئے، اس سب طرح کی تکلیفات اٹھا کر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی زندگی تمام کی اور ان کی نسل دنیا میں پھیلی۔ پھر ہمیشہ سے بدلوگوں کو سمجھانے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے برگزیدہ لوگ کہ جن کو انبیاء علیہم السلام بھی کہتے ہیں، آتے اور سمجھاتے رہے، یہ مختصراً آدم علیہ السلام کی زرگزشت ہے کہ جس کو خدائے تعالیٰ نے اگلی آیات اور دیگر مقامات میں نئے عنوانات سے بیان فرمایا اور توراۃ میں بھی اسی طرح سے ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری بھی بلکہ جمیع انبیاء علیہم السلام یوں ہی سمجھاتے آئے ہیں، گو عنوان اور طرز بیان میں کہیں کچھ فرق ہو مگر بعض دہریوں نے اس کا انکار اور آیات کی تاویل کی ہے۔

سوال: عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے تمام محققین نے یہ مراد لی ہے کہ اسماء سے صرف مراد نام نہیں بلکہ اشیاء کی حقیقت اور خواص و اوصاف ہیں، کیونکہ نام پوچھنے میں کیا آدم علیہ السلام کی فوقیت ثابت ہوتی ہے، اس تقدیر پر یہ بحث کرنا (کہ لغات کا واضع خدا ہے یا کون وغیرہ ذلک من الابحاث) بے فائدہ ہے اور تعلیم کے معنی بھی الہام اور القاء کے ہیں، مگر كُلَّهَا سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر چیز کی حقیقت خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بتلادی تھی اور پھر ہر چیز کو فرشتوں کے روبرو لا کر سوال کرنا بھی سمجھ میں نہیں آتا۔

جواب: مراد یہ ہے کہ خدا نے آدم علیہ السلام میں ہر چیز کے جاننے کا مادہ اور قابلیت پیدا کر دی تھی کہ جب توجہ کرے، جان سکے اور پھر کل اشیاء کو اسی حیثیت سے پیش کیا تھا اور اسی حیثیت سے عَرَضَهُمْ میں هم کی ضمیر ان کی طرف پھرتی ہے۔

سوال: ضمیر هم مذکر کی طرف اور ذی عقل کی طرف پھرتی ہے اور اشیاء کی طرف ضمیر ها پھرانی چاہئے تھی، عرضها کہنا چاہئے تھا۔

جواب: چونکہ اشیاء میں عقلاء بھی تھے اس لئے بقاعدۂ تغلیب یہ ضمیر لائی گئی۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ:......(فرشتوں نے) کہا: تو پاک ہے ہم تو اسی قدر جانتے ہیں کہ جس قدر تو ہم کو نے بتلایا ہے۔ بے شک تو ہی بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿۳۲﴾۔ (تب خدا تعالیٰ نے) فرمایا: اے آدم! (فرشتوں کو ان چیزوں کے نام تم بتادو۔ پھر جب آدم نے (فرشتوں کو) ان کے نام بتادئے (تو خدا تعالیٰ) نے فرمایا کہ میں نے تم سے نہ کہہ دیا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور پوشیدہ رکھتے ہو، اسے بھی جانتا ہوں ﴿۳۳﴾۔

---

ترکیب:......قالو فعل ضمیر راجع ملائکہ کی طرف، اس کا فاعل سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا......الخ تمام جملہ مفعول ہے۔ سبحان اسم ہے، مصدر کی جگہ میں واقع ہے اور کبھی اس سے سبحت اور تسبیح مشتق کیا جاتا ہے اور یہ اکثر مضاف ہو کر مستعمل ہوتا ہے اور منصوب ہوتا ہے۔ فعل محذوف سے تقدیرہٗ سبحت اللہ تسبیحا جیسے کہ معاذ اللہ اور جب یہ اضافت سے مجرد ہوتا ہے تو علم تسبیح ہو کر عثمان کی طرح تعریف اور الف لام کی وجہ سے غیر منصرف ہوتا ہے۔ الا ما علمتنا۔ ما مصدر یہ ہے ای الا علما اور یہ موضع لا علم سے بدل ہو کر مرفوع

المحل ہے جیسا کہ لا الہ الا اللہ۔ انت مبتداء، العلیم اس کی خبر، الحکیم خبر ثانی۔ یہ سب جملہ خبر اِنَّ ہوا اور ممکن ہے کہ انت تاکید ہو کاف انک کی۔ باقی ترکیب واضح ہے۔

**تفسیر:**......تفسیر بھی اس کلام کی واضح ہے۔ لیکن اس کام کی تقدیر یوں ہے، جب فرشتے نہ بتا سکے تو معذرت کرنے لگے۔ پھر خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا ہے تو انے بتلا دیا۔ جب فرشتوں کا بخوبی عجز ثابت ہو گیا تو خدا تعالیٰ نے ان کو متنبہ کرنے کو فرمایا کہ تم اپنے دل میں کیا سمجھتے تھے؟ میں تو ہر چیز کی حکمت اور مصلحت اور ہر آسمان و زمین کی پوشیدہ بات جانتا ہوں اور تمہارے دلوں کے مطالب اور ظاہر حال سے بھی آگاہ ہوں۔ اب اس آیت اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی خوب تشریح ہو گئی۔ یعنی تمہارا استعجاب بے جا تھا، میں جو بھی کرتا ہوں اس میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔

## علم کی فوقیت

**فوائد:** اس آیت سے چند باتیں مستفاد ہوئیں: (۱) یہ کہ علم کو جمیع صفات پر فوقیت ہے یہاں تک کہ ملائکہ تسبیح و تقدیس میں ہمہ تن مصروف تھے اور آدم میں گناہ کا مادہ بھی رکھا تھا۔ مگر علم کی وجہ سے خلافت کا مستحق اور فرشتوں کا استاذ ہو گیا۔ قرآن اور احادیث اور کلام حکماء میں جس قدر علم کے فضائل ہیں، ان کے لئے ایک دفتر چاہئے

(۲) یہ کہ حکمت، علم سے زائد چیز ہیں ورنہ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ میں یہ لفظ مکرر گنا جاتا۔ اس لئے حکمت کی تعریف اور اقسام کو علم سے غیر طور پر بیان کیا گیا ہے، مگر حکمت الٰہی کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ اس چیز کو پیدا کرے کہ جس میں بالفعل اور آئندہ بندوں کی بھلائی ہو۔

واضح ہو کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا حق خلافت اور استاذ ہونا ثابت ہو گیا تو خدائے تعالیٰ نے ملائکہ کو اس کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا اور آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد پر احسان کیا۔ اس بات کا ائندہ آیت میں ذکر کرتا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

**ترجمہ:**......اور جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ تھا بھی کافروں میں کا ﴿۳۴﴾۔

---

**ترکیب:**......واؤ حرف عطف۔ اگر اس کو اذکر مضمر سے نصب دیا جائے گا۔ تو ظرف کا ظرف پر عطف ہوگا اور اگر قالوا یا انقادوا کے ساتھ متعلق کیا جائے گا تو جملہ کا جملہ پر عطف ہوگا، بلکہ ایک پورے قصہ کا دوسرے قصہ پر۔ قلنا فعل با فاعل للملئکۃ متعلق ہے فعل سے۔ اسجدوا......الخ یہ تمام جملہ مؤل ہو کر مقولہ ہوا قلنا کا۔ جو لوگ ابلیس ❶ کو ملائکہ ارضیہ میں سے کہتے ہیں اور عصمت سب فرشتوں کے لئے شرط نہیں کرتے بلکہ علوی اور آسمانیوں کے لئے تو وہ الا کا استثناء ملائکہ سے متصل جانتے ہیں اور جو اس کو غیر ملائکہ از قسم

---

❶......کیونکہ ممکن ہے کہ جن کا مادہ شعلۂ آتش ہے ان میں دو قسم کے لوگ ہوں نیک جو وہ بھی ایک قسم کے ملائکہ ارضیہ ہوں اور بد وہ شیاطین ہوں۔ پس اس اعتبار سے ابلیس کو فرشتوں میں بھی شمار کر سکتے ہیں اور شیطان بھی کہتے ہیں ہاں ان فرشتوں میں شمار نہ ہوگا جو اعلیٰ نوع کے ہیں اور اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ، کہ ابلیس جن تھا حکم الٰہی سے نافرمان ہو گیا۔ ملائکہ کے لئے جو عصمت شرط ہے تو اعلیٰ قسم کے لئے ہے۔ کذا فی تفسیر البیضاوی۔ منہ۔

جن بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنی آدم سے پیشتر دنیا پر جنوں کا تسلط تھا، پھر جب انہوں نے زمین کو گناہوں سے ناپاک کر دیا تو خدا تعالیٰ نے ان کی شوکت کو توڑ دیا۔ اکثر ملائکہ کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور جو کچھ بچ گئے، غاروں اور پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے۔ منجملہ ان کے ابلیس تھا۔ یہ تائب اور گریاں ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول ہوا۔ ملائکہ ارضیہ میں مل گیا، مگر خلافت کا امیدوار رہا۔ پھر جب آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا تو اس کو از حد حسد آیا۔ ملائکہ کے ساتھ اس کو بھی سجدہ کا حکم ہوا۔ اس نے تکبرانہ انکار کیا۔ اس لئے وہ غیر متصل کہتے ہیں اوّل حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے، دوسرا حسن رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمہ اللہ کا۔

## حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم

تفسیر:...... یہ چوتھی نعمت ہے تمام بنی آدم پر کہ ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو یہاں تک عزت دی گئی کہ ملائکہ کو (بعض کہتے ہیں کہ زمین کے ملائکہ کو، بعض کہتے ہیں سب کو) سجدہ کا حکم دیا، سب نے تعمیل کی، مگر ابلیس نے کہ جس کو شیطان کہتے ہیں، تکبر سے حکم عدولی کی اور دراصل وہ علم الٰہی میں کافروں میں شمار تھا۔

سجدہ۔ لغت میں سر جھکا کر عاجزی اور فرمانبرداری ظاہر کرنا ہے، کوئی شاعر عرب کہتا ہے۔

یجمع تضل البلق فی حجراته ☆ تری الا کم فیه سجدا للحوافر

ابو مکنف شاعر بنی عامر میں سے کہتا ہے کہ مجھ کو تم جب جانو گے کہ میں لشکر لے کر تم پر حملہ آور ہوں گا کہ جس کے اطراف میں ابلق گھوڑے کا پتہ نہ لگے گا اور جس کے گھوڑوں کی ٹاپوں کے آگے ٹیلے سجدہ کریں گے یعنی جھکیں گے۔ وقال۔

فقدن لها وهمابیا خطامه ☆ وقلن له اسجد لیلی فاسجدا

عورتیں ایک سخت منہ زور اونٹ کو لیلیٰ کے پاس کھینچ کر لائیں اور کہا کہ لیلیٰ کو سجدہ کرو، یعنی اس کے آگے جھک جا تو اس نے گردن جھکا دی۔

الغرض سجدہ کے معنی لغت میں جھکنا ہے اور شرع نے اس کو خاص کر لیا اور اس کے معنی زمین پر پیشانی رکھنا قرار دیا۔ اس میں نہایت درجہ کی تعظیم ہے، اس لئے شریعت نے اس کو غیر اللہ کے لئے حرام کر دیا۔

احادیث صحیحہ اس میں بکثرت ہیں۔ وقال تعالیٰ "لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ" کہ آفتاب کو نہ ماہتاب کو سجدہ کرو بلکہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے اس کو سجدہ کرو اور انجیل متی کے چوتھے باب میں یہ ہے کہ شیطان نے مسیح علیہ السلام کو کہا کہ تو مجھے سجدہ کرے تو میں تجھ کو سب کچھ دوں۔ (۱۰) تب مسیح نے اسے کہا کہ اے شیطان! دور رہو، کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اکیلے کے لئے بندگی کر، انتہیٰ۔

اس تقدیر پر خدا نے فرشتوں کو ایسا حکم کہ جو اس کی ذات مقدسہ کے لئے مخصوص ہے، دوسروں کے لئے کیوں دیا؟ جواب یہ ہے کہ سجدہ سے مراد لغوی معنی ہیں یعنی جھکنا اور تعظیم کرنا۔ سو یہ حکم مختص بعبودیت نہیں بلکہ چھوٹا بڑے کے آگے اور شاگرد استاد کے آگے تعظیم و تکریم سے پیش آتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اور باپ بھی اسی طرح سے پیش آتے تھے۔ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا اور جو سجدہ کے شرعی معنی مراد رکھے جائیں تو آدم علیہ السلام مسجود حقیقی نہ تھے بلکہ آدم علیہ السلام اس جہت سے (کہ تمام خدائی کا مجموعہ اور اسرار خدائی کا نمونہ اور اس کے جمال باکمال کا آئینہ تھے) قبلہ سجود تھے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منہ کر کے خدا کو سجدہ کرا۔ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ میں لام بمعنی الیٰ ہے یعنی لام کے معنی واسطے کے نہیں بلکہ طرف کے ہیں، جیسا کی اس شعر میں:

الیس اول من صلی لقبلتکم ☆ واعرف الناس بالقران والسنن

الاباء: باختیارِ خود کسی چیز سے انکار کرنا۔ تکبر اپنے آپ کو غیر سے بڑا سمجھنا۔ استکبار، کسی امر کو بہ تزئین اختیار کرنا۔

**وجود شیطان کا انکار:**......واضح ہو کہ جس طرح بعض دہریوں نے زمانہ قدیم میں وجود شیطان اور اس کے انکار سجود اور آدم علیہ السلام کے مبدء نوع انسانی ہونے کا انکار کیا ہے اور بخوف مناظرۂ اہلِ کتاب و اہلِ اسلام و اہلِ کتاب آیات قرآنیہ وعباراتِ عہد عتیق وجدید کی تاویل بھی کی ہے، جیسا کہ ملل ونحل اور دبستان المذاہب میں اس کا بیان ہے، اسی طرح اُن کے مقلدین نے بھی بذریعہ تفسیر آج کل یہ کام کر کے اپنے زعمِ فاسد میں بڑی لیاقت حاصل کی ہے۔ مگر اس ہذیان کا جواب مقدمۂ کتاب میں تفصیلاً مذکور ہے، وہاں مطالعہ کرلو۔

زیادہ تو قابل تعجب یہ بات ہے کہ بعض پادریوں نے بھی اپنے یورپی الحاد کے خمار میں اس قصۂ آدم علیہ السلام پر اعتراض کیا ہے۔ لیکن اس کا جواب بھی مقدمہ میں مذکور ہے، یہاں سے چند باتیں مستفاد ہوئیں: (۱) یہ کہ حسد سب گناہوں سے بڑا گناہ ہے، جس نے شیطان کا ستیاناس کیا۔ (۲) یہ کہ خدا کی رضا پر راضی رہنا چاہیے، شیطان چونکہ اس کی رضا پر راضی نہ ہوا، اس کی کہاں تک نوبت پہنچی۔ (۳) اپنے علم وعبادات وریاضت پر مغرور ہونا چاہیے۔ انجام کا اعتبار ہے۔ دیکھئے شیطان کا کیا انجام ہوا۔ (۴) خدائے تعالیٰ کے رو برو گستاخی کرنا سخت گناہ ہے۔

اس کے بعد خدائے تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی سرگزشت بیان کرتا ہے تاکہ ناظرین کو عبرت ہو اور خدا تعالیٰ کی کسی نعمت پر مغرور ہو کر نافرمانی نہ کریں، اور اگر بشریت سے کچھ خطا ہو جائے تو اپنے باپ آدم علیہ السلام کی طرح اس پر ہمیشہ تاسف اور ندامت اور توبہ واستغفار کیا کریں، تاکہ وہ غفور رحیم اپنی صفتِ مغفرت ظاہر کرے، تاکہ اپنے بزرگوں کے قدیم دشمن ابلیس کی پیروی کر کے اس پر اصرار کرے اور اسی طرح اس پر جمارہے ورنہ اس کی درگاہ سے راندہ ہو جائے گا اور پھر وہیں ٹھکانہ پائے گا۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٣٦﴾

ترجمہ:......اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں جا بسو اور وہاں دل بھر کر جہاں سے کھاؤ (پیو) اور اس درخت کے پاس بھی نہ پھٹکنا ورنہ برا خمیازہ بھگتو گے ﴿۳۵﴾ پھر شیطان نے ان کو وہاں سے ڈگمگایا، پھر جس عیش میں وہ تھے اس سے نکلوا کر رہا اور ہم نے حکم دیا کہ تم نیچے اترو کہ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تمہارا ایک وقت تک زمین پر ٹھکانہ اور سامان ہے ﴿۳۶﴾۔

ترکیب:......واؤ حرف عطف کہ عطف جملہ کا پہلے جملہ پر ہے۔ قلنا فعل ضمیر فاعل، یا حرف ندا، ادم منادیٰ، اسکن فعل ضمیر مستتر اس کی فاعل، انت اس کی تاکید تاکہ ضمیر مستتر پر عطف صحیح ہو جائے۔ وحرف عطف، زوجک معطوف بر انت الجنۃ مفعول بہ تمام جملہ معطوف علیہ۔ علیہ وکلا... الخ جملہ معطوف، رغدا صفت ہے مصدر محذوف کی ای اکلا رغدا ای طیبا ھنیئا۔ حیث ظرف مکان اور عامل

اس میں کلا ہے اور ممکن ہے کہ جنت سے بدل ہو کر مفعول بہ ہو جائے۔ ولا تقربا فعل نہی، انتما ضمیر اس کا فاعل۔ ھذہ، موصوف۔ الشجرۃ اس کی صفت، یہ دونوں مفعول بہ ہیں یعنی منہی عنہما۔ فتکونا جواب نہی ہے، اس لئے نون حالت جزمی میں گر پڑا۔ تقدیرہٗ ان تکونا۔ فازل مشدد زلت بمعنی لغزش اور بعض نے اس کو ازال زوال سے لیا ہے جس کے معنی اکھیڑ دینا ہے۔ یہ فعل ھما، مفعول بہ الشیطن، فاعل عنھا ای عن الجنۃ متعلق ہے ازل سے فاخر جھما جملہ معطوف مما میں ما بمعنی الذی ای من نعیم۔ اھبطوا فعل۔ ہبوط بمعنی نزول سے یعنی اترنا ہے۔ انتم اس کا فاعل جس سے مراد آدم علیہ السلام و حوا اور شیطان اور اس کی ذریت جو اس کی پشت میں تھی۔ بعضکم لبعضٍ عدو جملہ موضع حال میں ہے واؤ اھبطوا سے اور اسی طرح و لکم فی الارض مستقر ... الخ جملہ بھی اسی سے حال ہے اور ممکن ہے کہ جملہ مستانفہ ہو۔ مستقر مصدر میمی اور ظرف دونوں ہو سکتا ہے۔ حین کے معنی وقت یعنی وقت موت تک تمہارا زمین پر قرار ہے۔

## سرگزشت حضرت آدم علیہ السلام

تفسیر: ...... یعنی جب کہ آدم علیہ السلام کے سر پر دستار خلافت بندھ چکی اور ملائکہ نے نذرانہ سجود پیش کر دیا تو خدا فرماتا ہے: ہم نے آدم اور اس کی بیوی حوا کو حکم دیا کہ تم جنت میں رہا کرو اور وہاں تم پر کوئی روک ٹوک نہیں، جہاں سے جو جی چاہے خوب کھاؤ پیو مگر اس درخت (گندم۔ بعض کہتے ہیں انجیر۔ بعض کہتے ہیں کہ انگور کا درخت تھا بعض کہتے ہیں کہ کوئی اور قسم کا درخت تھا کہ جس کی تاثیر یہ تھی کہ جو اس کو کھاتا تھا، آلودگی جسم میں مبتلا ہو جاتا تھا اور اسی مصلحت سے منع کیا تھا۔) کے پاس نہ جانا چہ جائیکہ کھانا، اور جو ایسا کرو گے تو خرابی میں پڑ جاؤ گے (کیونکہ ظلم ایک چیز کا بے موقع رکھنے کا نام ہے اور یہاں غیر پر ظلم کرنا مراد نہیں بلکہ اپنی جان پر اور اسی لئے جو گناہگار گناہ کرتا ہے، اپنی جان پر آفت ڈھاتا ہے کہ اس کا بد نتیجہ دنیا و آخرت میں آپ ہی پاتا ہے) لیکن اس دشمن جانی یعنی شیطان نے وہاں جا کر یہ کہا: يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ (طٰہٰ) وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ (اعراف) کہ اے آدم! میں تجھ کو ایک ایسا درخت بتلاتا ہوں کہ جس کے کھانے سے تو ہمیشہ جیتا رہے گا اور تجھ کو ہمیشہ کی سلطنت ملے اور تمہارے رب نے جو اس کو کھانے سے منع کیا تو صرف اس خوف سے کہ تم فرشتہ نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہو اور میں قسم کھا کر تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ آخر الامر اس کے کہنے سے خدا تعالیٰ کے حکم کو بھول گئے۔ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ (اعراف) اور دونوں نے اس درخت کو چکھ لیا۔ پھر تو کیا تھا اس کے کھاتے ہی اس کی تاثیر یہ ظاہر ہوئی کہ آدم و حوا برہنہ ہو گئے اور شرم کے مارے درختوں کے پتے چپٹانے لگے اور عتاب الٰہی شروع ہوا کہ نکلو۔ یہ جگہ اب تمہارے رہنے کے قابل نہیں۔ چلو اترو، زمین پر جا کر رہو۔ وہاں باہمی عداوت کی تکلیف اٹھاؤ اور موت تک وہیں رہو اور اپنی معیشت کے سامان بہم پہنچاؤ۔ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ ۔ (اعراف) اور خدا تعالیٰ نے ان کو یہ کہا کہ میں نے تم کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور یہ نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا ظاہر دشمن ہے۔

**متعلقات: حضرت آدم علیہ السلام کون سی جنت میں رہے:** ...... اس مقام پر چند امور قابل غور ہیں، (۱) یہ کہ خدائے تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے کون سی جنت میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ جمہور اہل سنت کا یہ قول ہے کہ بہشت میں رہنے کا حکم دیا تھا اور وہ بنی آدم کے مخلوق ہونے سے پہلے قائم ہیں کیونکہ وہ لطف رحمانی کا مظہر ہے اور عالم حسی سے الگ ہے اور وہاں اس کے مناسب درخت اور میوے

سب کچھ ہیں۔ نہ یہ کہ درخت اور میوے کہ جو جسمانیت وتکدر سے آلودہ ہیں، بچند وجوہ۔

(درجہ اول) کہ گو حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کی بنیاد اس عالم عنصری سے قائم تھی، جیسا کہ احادیث صریحہ وآثار قویہ سے ثابت ہے اور نیز یہ کہ وہ مکہ اور طائف کے درمیان بنائی گئی ہے اور گو آدم علیہ السلام زمین کی خلافت کے لئے مقرر ہوئے تھے مگر انعامات الٰہی اور تقرب غیر متناہی سے حضرت آدم پر وہ روحانیت غالب آ گئی تھی کہ جس سے ملائکہ بلاتکلف ہر وقت ان کو دکھائی دیتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کے دربار عام میں نہایت عزت ومنزلت حاصل کر چکے تھے، پس جس طرح بعد مفارقت بدن ہر شخص پر اس کے عالم کا راز کھلا جاتا ہے اور وہاں کی چیزیں جنت اور دوزخ عیاناً دکھائی دیتی ہیں، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو اس جسم سے یہ بات نصیب ہو گئی تھی اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں، اکثر مقربان الٰہی پر یہ حالت طاری ہو جاتی ہے اور شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر تشریف لے جانا، اور جنت ودوزخ کی سیر کرنا ایک امر قرین فہم مستقیم ہے اور بائبل سے بعض بعض اور انبیاء علیہم السلام کے ایسے حالات ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت الیاس علیہ السلام کا ملائکہ اور روحانیت میں مل جانا ثابت ہے۔ پس قرین قیاس ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو عالم قدس میں چند روز کے لئے اس لئے جا کر رکھا کہ زمین کی خلافت میں ایسا مست ومدہوش نہ ہو جائے کہ ادھر کا خیال ہی نہ آئے اور اس مرکز اصلی کو بھول جائے بلکہ اس عالم میں اس عالم کے شوق میں ہر دم ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہے اور وہ اور اس کی ذریت اس عالم کے خیال میں ہر طرح کی نیکی کو عمل میں لائیں۔ دنیا اور اس کے مال وزر کی کچھ وقعت آنکھوں میں نہ رہے۔ اپنے کو مسافر تیز رو جانیں کیونکہ اگر یہ مضمون پیش نظر نہیں تو پھر صدہا فساد اور خون ریزیاں زمین پر ہوتی ہیں، خلافت کا نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔ مگر اس جگہ خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک درخت ایسا پیدا کیا تھا کہ جس کی تاثیر آلودگی تھی اور یہ کچھ تعجب نہیں، اس عالم میں نباتات کی عجائب تاثیرات ہیں، قضاء وقدر میں آدم علیہ السلام کا زمین پر اترنا اور اس کی اولاد سے زمین کا آباد ہونا لکھا تھا، کھالیا۔ اس کی تاثیر سے نکالے گئے، معتوب ہوئے۔

(وجہ دوم) علاوہ احادیث صحیحہ واقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کے خود قرآن مجید کے طرز تکلم اور بعض الفاظ سے جو اس مطلب کے بیان میں وارد ہیں، یہی مطلب سمجھا جاتا ہے۔ از انجملہ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ یہ کہہ رہا ہے کہ وہ جگہ زمین کے علاوہ اور جگہ تھی جس کی نسبت اهْبِطُوْا ابھی آیا ہے۔ ورنہ اس کے کیا معنی ہیں کہ یہاں سے نکل جاؤ اور زمین پر ایک مدت تک رہو اور گزران کرو؟ اس لئے کہ اگر وہ جنت میں نہ تھے تو خود وہاں بھی ارض موجود تھی اور بھی وجوہ ہیں، معتزلہ اور اسی قسم کے ظاہر پرست یہ کہتے ہیں کہ جنت سے مراد وہ جنت نہیں بلکہ زمین پر ایک باغ تھا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ کہاں تھا؟ بعض کہتے ہیں کہ کرمان کے متصل اور بعض کہتے ہیں کہ فلسطین میں تھا اور اہل کتاب عدن میں کہتے ہیں، چنانچہ توراۃ اول میں اس کی تصریح ہے (اگر عدن سے مراد جنت ہے تو ٹھیک ہے اور وہاں سے چاروں دریا نکلنے کی بھی توجیہ ہو سکتی ہے ورنہ وہ عدن کہ جو عرب میں سمندر کے کنارے پر واقع ہے، وہاں تو چاروں نہریں کیا حاجیوں کو میٹھا پانی بھی نہیں ملتا۔ کوئی اور عدن ہو تو معلوم نہیں)۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ خلیفہ جو زمین کے بنے تھے تو ضروری تھا کہ زمین پر رہتے۔ اس کا جواب ہو چکا۔ پھر کہتے ہیں: اهْبِطُوْا کے معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہے جیسا کہ اهْبِطُوْا مِصْرًا آیا ہے۔ پس اس باغ سے نکال کر اس کو سراندیپ میں ڈال دیا تھا۔

(۲) اکثر مؤرخین اس بات سے متفق ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکال کر سراندیپ میں ڈالے گئے کہ جہاں اب تک ان کے آثار وتبرکات پائے جاتے ہیں اور ہزارہا ہندو اور مسلمان اس پہاڑ کی زیارت کو آتے ہیں۔

(۳) حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔ انہوں نے یہ گناہ کیوں کیا؟

واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کے عقائد اور تبلیغ اور فتویٰ میں عمداً یا سہواً خطا واقع ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں، تمام اہل اسلام ان تینوں باتوں میں معصوم ہونے کے مقر ہیں، ہاں ان کے افعال وعادات میں کئی طرح کے اقوال ہیں چنانچہ شیعہ کہتے ہیں کہ نہ ان سے صغیرہ، نہ کبیرہ، نہ علیٰ سبیل قصد، نہ سہواً، نہ تاویلاً سرزد ہوا ہے۔ اکثر معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ عمداً کبائر کا سرزد ہونا انبیاء علیہم السلام سے ممتنع ہے، ہاں صغائر سرزد ہو سکتے ہیں۔ مگر جس میں رذالت ہے جیسا کہ کم تولنا، وہ بھی سرزد نہیں ہوا، ہاں سہواً یا خطا کوئی صغیرہ کہ جس سے شان نبوت میں فرق نہ آئے، اگر سرزد ہو گیا تو ممکن ہے کہ جس کو زلت یعنی لغزش کہتے ہیں، سوان لغزشوں پر عام مسلمین معاف ہیں۔ مگر چونکہ نبوت کی بڑی شان ہے، ان کو بھی اس پر چند در چند مصلحتوں سے عتاب ہوتا ہے جس پر روتے اور ہر دم خدا کی یاد میں سرگرم رہتے ہیں اور یہ بات جس پر عوام سے مؤاخذہ نہ ہو، خواص سے ہو کچھ عقلاً یا نقلاً بعید نہیں۔ حسنات الابرار سیئات المقربین مشہور ہے۔

**عصمت انبیاء علیہم السلام:**......اور دلائل عصمت انبیاء علیہم السلام کے آیات واحادیث صحیحہ میں کہ جو شرح مواقف وغیرہ کتب کلامیہ میں مذکور ہیں۔ پس وہ جو انبیاء علیہم السلام کی نسبت اس قسم کی روایات مذکور ہیں کہ جو شرک وکفر اور زنا اور جھوٹ بولنے پر دال ہیں یا کبائر پر مشعر ہیں، وہ جھوٹی ہیں یا مؤول، حاشا وکلا کبھی انبیاء علیہم السلام کی جناب میں یہ بدگمانی کرنا نہ چاہئے۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت آدم علیہ السلام نے جو یہ درخت کھایا اور گناہ کیا تو اول تو یہ قبل نبوت تھا، ولا کلام فیہ۔ دوم یہ کبیرہ نہ تھا محض آدم علیہ السلام کی بھلائی کے لئے خدا تعالیٰ نے ارشاد کیا تھا کہ جس کے خلاف انہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا فرمایا: سوم یہ سہواً سرزد ہوا تھا، جیسا کہ آدم علیہ السلام کو بروقت کھانے کی ممانعت یاد نہ رہی (کیونکہ خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا) پھر جنت سے جو وہ نکالے گئے تو اس درخت کی تاثیر تھی اور یوں بھی تسلیم کیا جائے تو اس بے احتیاطی اور لغزش کی سزا تھی۔

**فوائد:**......اَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ۔ یہاں پھسلانے کو جو شیطان کی طرف منسوب کیا ہے تو مجازاً کیونکہ شیطان اس پھسلنے کا سبب تھا، یہ اسناد مجازی ہیں۔

**ربط:**......اس کے بعد خدائے تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری اور توبہ معاف ہونا فرماتا ہے۔

---

## فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

---

**ترجمہ:**......آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی طرف سے چند کلمات حاصل کئے تب (خدا نے) آدم کو معاف کر دیا۔ بیشک وہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے ﴿۳۷﴾

---

**ترکیب:**......تلقی فعل، آدم فاعل، کلمات مفعول بہ، من ربہ کائنۃ محذوف کے متعلق ہو کر صفت کلمات کی مگر جب کہ اس کو مقدم کر دیا گیا تو حال کی صورت میں منصوب المحل ہوا، فتاب فعل ضمیر ہو راجع، رب کی طرف فاعل، علیہ متعلق تاب کے ہیں، انہ ہو ضمیر متصل کی تاکید، التواب الرحیم صفت وموصوف خبر۔

## حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری اور توبہ ومعافی

**تفسیر:**......جب آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے تو مدت تک زمین پر بحالت پریشانی اپنے گناہ پر روتے رہے۔

آخر کار خدا تعالیٰ کو اپنے بندہ کی آہ وزاری اور ندامت اور بے قراری پر رحم آیا۔

اے خوشا چشمے کہ آن گریان اوست ☆ وے ہمایوں دل کہ آن بریان اوست

درپے ہر گریہ آخر خندہ ایست ☆ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

اور یہ کلمات آدم علیہ السلام کے دل میں القاء کئے گئے: رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ جب انہوں نے ان کلمات سے دعا کرنی شروع کی تو خدا کو رحم آیا۔ آدم علیہ السلام کا گناہ معاف کر دیا، اس لئے کہ وہ توبہ قبول کرنے والا۔ بڑا مہربان ہیں، بعض احادیث میں کچھ اور کلمات اور آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری کے دیگر حالات بھی مرقوم ہیں۔

**متعلقات:** .....التقلی: ملنا، کسی چیز کا پانا، حاصل کرنا، یہ کلمات آدم علیہ السلام کو بطور الہام عطا ہوئے تھے۔ عام یہ ہے کہ فرشتے نے آ کر کہے تھے یا دل میں القاء ہوئے تھے۔ التوبہ۔ رجوع کرنا۔ لیکن جب یہ لفظ بندہ کی طرف منسوب ہوتا ہے تو لفظ الی کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ تبت الیک ، اور تاب الی اللّٰہ جس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ گناہ چھوڑ کر غفلت سے منہ موڑ کر بندہ خدا کی طرف رجوع ہوا۔ بندہ کو تائب اور تواب کہیں گے۔ اِنَّهٗ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ۔ مگر اس قدر فرق ہے کہ غفلت چھوڑ کر بندہ جب اس کی طرف رجوع ہوتا ہے تو اس کو تائب کہتے ہیں اور اواب بھی۔

**توبہ تین چیزوں سے مرکب ہے:** .....علم معصیت کہ گناہ کو برا اور جرم اور باعث خرابی، دنیا و آخرت جانے تا کہ دل میں بے قراری پیدا ہو اور ندامت دل میں آئے۔ ترک فی الحال یعنی اسی وقت اس کام کو چھوڑ دے، عزم مستقل یعنی آئندہ کے لئے دل میں مصمم ارادہ کر لے کہ میں اس کام کو ہرگز نہیں کروں گا۔ اور جو کچھ حقوق الٰہی یا حقوق عباد ہیں، ان کو ادا کرنے کا بھی قصد کرے، پس جب ان شرائط سے بندہ توبہ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بندے کے گناہ معاف کر دیتا ہے، احادیث صحیحہ اور آیات قرآنیہ اور کلام انبیاء علیہم السلام میں جس قدر توبہ کی تاکید اور فضائل اوصاف مذکور ہیں ان کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بندہ گناہ کر کے مقر اور تائب ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرتا ہے (رواہ البخاری ومسلم) اور جب توبہ کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں تو بلفظ علی اس کا استعمال آتا ہے، تاب اللّٰہ علیہ، تاب علیہ۔ بولتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ بندہ کی طرف رجوع کیا یعنی معاف کر دیا اور اس کے عذاب سے درگزر کیا، اس لئے خدا تعالیٰ کو صرف تواب کہتے ہیں نہ کہ تائب۔ الٰہی! تیری رحمت اور مغفرت پر بڑا بھروسہ ہے۔

**فوائد:** خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا توبہ کرنا بیان فرمایا حوا کا توبہ کرنا ذکر نہ کیا، اس لئے کہ عورت احکام میں تابع ہے مرد کے اور اسی لئے قرآن میں اکثر مرد مخاطب ہیں۔ اب اس کے بعد خدائے تعالیٰ بنی آدم کے زمین پر پھیلنے کا اور ان کے پاس انبیاء علیہم السلام کو حکم الٰہی لے کر آنے کا مجملاً ذکر کر کے اس تمام قصہ کا نتیجہ نکالتا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۸ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۳۹ ع

ترجمہ: .....ہم نے کہہ دیا تھا: تم سب یہاں سے اتر جاؤ، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے (تو اس پر عمل کرنا) جو میری

ہدایت پر چلیں گے، تو ان پر کچھ خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۳۸﴾ اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی جہنمی بھی ہوں گے جو اسی میں ہمیشہ رہا کریں گے ﴿۳۹﴾۔

**ترکیب:**......قلنا فعل ضمیر نحن اس کا فاعل اھبطوا منھا جمیعًا اس کا مقولہ۔ جمیعًا لفظًا تو اھبطوا سے حال ہے اور معنًا تاکید ہے یعنی سب اترو خواہ مجتمع ہو کر خواہ الگ الگ۔ فاما اصل میں انْ ماتھا ان حرف شرط اور ما اس کی تاکید ہے، ادغام ہو کر امّا ہو گیا۔ یاتینکم میں یاتین فعل مضارع، کم مفعول ھنی متعلق فعل نے، ھدی فاعل یہ سارا جملہ شرطیہ ہوا۔ فمن میں فاء تفریع کے لئے۔ من شرطیہ مبتداء محلًا مرفوع، تبع اس کی خبر اس کی ضمیر راجع ہے من کی طرف، یہ محلًا مجزوم فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ جملہ اسمیہ اس کا جواب۔ پس من شرطیہ اپنے جواب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ہوا امّا یاتینکم کا۔ والذین... الخ عطف ہے فمن تبع... الخ پر، یہ اس کا قسیم ہے۔ الذین موصول، کفروا و کذبوا بایٰتنا صلہ۔ یہ تمام مبتداء اولئک اصحاب النار جملہ اسمیہ اس کی خبر ھم فیھا خالدون مبتداء و خبر۔ یہ حال ہے اولئک اصحاب النار سے اور عامل اس میں معنی اضافت ہیں یا لام مقدرہ۔

## بنی آدم کا زمین پر پھیلنا اور انبیائے کرام کا مبعوث ہونا

**تفسیر:**......یعنی ہم نے کہا کہ تم سب اترو، جنت سے نکل کر زمین پر جاؤ، وہاں بھی تم پر میری نظر عنایت رہے گی۔ میں تمہارے پاس اپنی ہدایت (عقل سلیم و فکر عجائبات اور انبیاء علیہم السلام اور کتابیں اور پھر انبیاء علیہم السلام کے نائب) بھیجوں گا۔ دیکھو اب تو جو کے سوچ کے، آئندہ ایسا نہ کرنا، ہدایت کے بموجب چلنا۔ پس جو اس کے موافق عمل کرے گا تو اس کو نہ آئندہ کا خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی عمر گزشتہ سے غمگین ہوگا بلکہ اس عالم میں اور یہاں سے جا کر اس عالم میں بھی شاد و خرم رہے گا اور جو میری ہدایت کو نہ مانے گا اور کفر کرے اور ہماری کتاب کی آیات گویا ہماری نشانیوں کو کہ (جو ہمارے وجود انبیاء علیہم السلام کی صداقت اور عالم آخرت کے حق ہونے پر دلالت کر رہے ہیں حتیٰ کہ صاحب بصیرت کے سامنے نورانی قلم سے آسمان و زمین و حجر و شجر اور در و دیوار پر لکھی ہوئی ہیں) جھٹلا دے گا یا غور و تامل نہ کرے گا اور ان باتوں کا دل میں یقین نہ لائے گا بلکہ جانوروں کی طرح کھانے پینے اور دنیا کے مزے اڑانے ہی کو مقصود اصلی سمجھے گا تو وہ ہمیشہ آتش جہنم میں جلے گا۔ ان کے ملکات رذیلہ جو ان کے دل میں سرایت کر گئے ہیں اور جو ان سے کسی وقت جدا نہیں ہوتے، وہ وہاں آتش جہنم بن کر بار بار جلائیں گے۔ العیاذ باللہ۔

**متعلقات:**......خوف: کسی آئندہ چیز کے ڈر کو کہتے ہیں۔ حزن: کسی دل پسند چیز کے جاتے رہنے پر رنج کو کہتے ہیں۔

**نکات:** اگرچہ ایک بار اِهْبِطُوْا خدا تعالیٰ فرما چکا تھا مگر اس آیت میں پھر اس کلمہ کا اعادہ کیا تا کہ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ... الخ کا پورا پورا ارتباط اس کے ساتھ ہو جائے، یعنی ایک بار تو خدا تعالیٰ فرما چکا تھا کہ یہاں سے اترو مگر اس آیت میں پھر فرما دیا تا کہ وہ جو آدم کو خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجنے کا نتیجہ ہے، وہ واضح ہو جائے کہ یہاں سے نکل کر سب زمین پر جاؤ، وہاں تمہاری عداوت قائم ہوگی۔ شیطان جو سانپ بن کر بہکا نے گیا تھا، اس کے مظہر کو دنیا میں لوگ ماریں گے۔ وہ لوگوں کو کاٹے گا اور باہم بھی ایک دوسرے سے عداوت کرے گا۔ اس پر انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائب ہادی ہوں گے۔

**فوائد:** چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے، یقینا یہ نہیں کہہ سکتے کہ آدم علیہ السلام کس ملک میں آ کر رہے تھے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ایشیائی ملکوں میں رہے تھے، بعض عرب کہتے ہیں کہ عرب بالخصوص حجاز میں رہے تھے اور وہیں کہیں ان کی قبر ہے اور شہر جدہ

میں ان کی بیوی حواؑ کی قبر ہے کہ جس کا اب تک نشان باقی ہے اور مقامِ عرفات میں میاں بیوی دونوں کی فراق آسمانی کے بعد ملاقات ہوئی تھی، ایک دوسرے کو پہچانا تھا، اسی لئے عرفات کو ''عرفات'' کہتے ہیں، جس طرح دادی کی قبر کی وجہ سے شہر جدہ کو ''جدہ'' کہتے ہیں، چونکہ جدہ عرب میں دادی کو کہتے ہیں۔

اور کعبہ حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا، اس تقدیر پر روئے زمین پر سب مساجد سے پہلے یہ مسجد ہے اور یہ مسجد جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بعد طوفانِ نوح کے اسی لئے ملک شام سے آ کر پھر اس کو بنایا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زبان عربی تھی، پھر ان کی اولاد کی زبان بگڑ کر عبرانی ہوئی پھر اختلاف بلاد اور زمانہ سے اور زبانیں پیدا ہوتی گئیں۔ دیکھئے ایک ہی ملک میں پہلے کچھ اور زبان ہوتی ہے۔ پھر کچھ اور، ایران میں پہلے پاژندی پھر دری۔ پھر پہلوی زبان مروج ہوئی۔ ہندوستان میں پہلے کچھ اور زبان تھی، پھر آریہ لوگوں سے سنسکرت نے رواج پایا پھر بھاشا ہوئی، پھر خراب اردو، وہ منجھ کر اب صاف اردو ہوگئی۔ زمانہ کی گردش جس طرح اور چیزوں پر اثر کرتی ہے، اسی طرح زبان پر بھی اس کا اثر جلدی پڑتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شام یا فلسطین کے ملک میں آباد ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ بابل کے آس پاس۔ قدماء ایران اپنے ملک اور اہل ہند اپنے ملک میں آباد ہونا بیان کرتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں۔ بعض ملک مصر کو سب بنی آدم کا اصلی وطن کہتے ہیں، یہ بھی قابل اعتبار نہیں، والعلم عنداللہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد بہت کچھ پیدا ہوئی اور نو سو تیس برس کی عمر میں حضرت آدم علیہ السلام نے وفات پائی۔

**اہلِ جنت کے لئے خوف وحزن نہ ہوگا:......** (۲) جس طرح کفار کی نسبت ''اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ'' فرمایا تھا، اس کے مقابلہ میں اہل ایمان کی نسبت ''اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ'' کہنا چاہئے تھا۔ مگر یہ کمال بلاغت ہے کہ لازم بول کر ملزوم مراد لیا جائے اور کنایہ کے طور پر کسی مراد کو ظاہر کر دیا جائے۔ اس لئے کہ جنت میں ہمیشہ رہنے کو دو باتیں لازم ہیں۔ ایک یہ کہ وہاں سے نکلنے کا خوف نہ ہو۔ دوم یہ کہ کسی راحت مرغوب دل کے فوت ہونے پر حزن نہ ہو، اس لئے اس مراد کو اس عنوان اور عبارت سے بیان کیا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

(۳) فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ فرمایا یعنی خوف کی جو نفی کی تو جملہ اسمیہ سے جو حال اور استقبال سب زمانوں کو مستغرق ہے تا کہ یہ بات معلوم ہو کہ جو ہدایت کے تابع ہیں اب بھی ان کو کسی مصیبت کا خوف نہیں اور نہ آئندہ ہوگا۔ پورا اطمینان قلب حاصل ہے اور حزن کو جملہ فعلیہ بالخصوص مضارع کے صیغہ سے تعبیر کیا کہ جس سے بقرینۂ کلام استقبال سمجھا جاتا ہے۔ اس رمز کے لئے کہ اب کیا حزن ہے، حزن کا زمانہ تو آئندہ ہے کہ جب انسان کی آنکھ کھلے گی سو جب بھی ان لوگوں کو حزن نہ ہوگا۔

**فوائد:** (۱) خدائے تعالیٰ نے ابتداء سورۂ بقرہ سے لے کر یہاں تک کس خوبی کے ساتھ قرآن کا کتاب الٰہی ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی برحق ہونا بیان کیا کہ جو تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابوں کا لب لباب ہے اور روح خالص ہے۔

ازانجملہ یہ کہ سب سے پیشتر ازلی سعادت مندی اور ازلی بدبختی بیان کر دی اور مومن و کافر و منافق (ان ازلی سعادت مند اور ازلی بدبختوں) کی اقسام اور ان کے خواص بیان کر دئے کہ ان پر ناصح کی نصیحت کچھ کارگر نہیں ہوتی۔ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ ۔۔۔۔۔الخ

ازانجملہ اپنے عام احسانات کے ضمن میں انسان کے گزشتہ اور آئندہ حالات کا نقشہ کھینچ دیا تا کہ مرد دانا غافل نہ رہے۔

ازانجملہ ایسی تعلیم حمیدہ اور پندِ مفید اور بیان اعجاز قرآن اور صداقت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں عالم کی ابتداء و انتہاء آسمانوں زمینوں

اور بنی آدم کے پیدا ہونے کی وہ صحیح صحیح کیفیت بیان کر دی کہ جس کے ادراک سے عقل قاصر تھی اور حضرت آدم علیہ السلام کی ساری تاریخ اور ان کے حریف کی داستان اور پھر فرمانبرداری اور نافرمانی کے نتائج اور گناہ کے بعد توبہ، پھر رحمت الٰہی کا دستگیر ہونا نہایت عمدگی سے بیان کر دیا اور توراۃ موجودہ میں جو کچھ ہے اس بیان میں کمی زیادتی ہے، اس کی نہایت مہذبانہ طور پر اصلاح کر دی۔ کیونکہ کتاب توراۃ، کتاب پیدائش کے دوم اور سوم باب میں کسی یہودی عالم نے سن سنا کو یوں لکھ رکھا ہے کہ:

**توراۃ میں حضرت آدم علیہ السلام کی داستان حیات:** ۔۔۔۔۔۔خدائے تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو باغِ عدن میں رکھا کہ اس کی نگہبانی اور باغبانی کرے، اور خدا تعالیٰ نے اس باغ کے بیچ و بیچ دو درخت لگائے تھے، ایک حیات کا درخت (کہ جس کے کھانے سے ہمیشہ زندہ رہے، جس کو شیطان نے کھایا تھا) اور دوسرا نیک و بد کی پہچان کا درخت۔ خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کہا کہ اس باغ میں اس درخت کو نہ کھانا ورنہ تو مر جائے گا اور خدا تعالیٰ نے زمین کے ہر جانور اور آسمان کے ہر ایک پرندے کو آدم علیہ السلام کے پاس بھیجا تا کہ دیکھے کہ وہ ان کے کیا نام رکھتا ہے، سو آدم علیہ السلام کے ہر ایک جانور کو جو کہا، وہی اس کا نام ٹھہرا، وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ ۔۔۔۔۔ الخ قصہ کو الٹ پلٹ کے بیان کیا) اور خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی دلبستگی کے لئے آدم علیہ السلام کو سوتا پا کر اس کی ایک پسلی کو نکال کر اس کی عورت بنا کر آدم علیہ السلام کے پاس لایا۔ پس آدم علیہ السلام اور اس کی بیوی برہنہ رہتے تھے اور شرماتے نہ تھے، زمین کے سب جانوروں میں سب سے ہوشیار سانپ تھا، اس نے آ کر حوّا سے کہا سچ مچ خدا تعالیٰ نے تم کو اس درخت کے کھانے سے منع کیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، بلکہ یہ کہا ہے کہ اگر تم کھاؤ گے تو مر جاؤ گے، سانپ نے کہا تم ہرگز نہیں مرو گے، بلکہ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ جس دن تم اس کو کھاؤ گے نیک و بد کی پہچان میں خدا تعالیٰ کی مانند ہو جاؤ گے اور تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی، تب حوّا نے خوشنما اور خوش مزا جان کر اس درخت کو کھایا اور آدم علیہ السلام کو کھلا دیا۔ تب ان کی آنکھیں کھل گئی اور معلوم ہوا کہ ہم برہنہ ہیں۔ پس انجیر کے پتے بدن پر چپکانے لگے، ٹھنڈے وقت جو خدا باغ میں پھرتا تھا، اس کی آواز سن کر آدم علیہ السلام اپنے تئیں برہنگی سے شرما کر درختوں میں چھپایا، تب آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے پکارا کہ تو کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ میں آپ سے شرما کر درختوں میں چھپ گیا ہوں خدا نے فرمایا کہ تجھ کو کس نے بتایا کہ تو ننگا ہے؟ کیا تو نے اس درخت کو کھایا کہ جس سے میں نے تجھ کو منع کیا تھا؟ اس نے کہا: مجھ کو اس عورت نے دیا۔ عورت نے کہا: مجھ کو سانپ نے بہکایا۔ پس خدا تعالیٰ نے سانپ سے کہا کہ: تو ملعون ہوا، ہمیشہ پیٹ کے بل چلے گا، مٹی کھائے گا، اور عورت کی نسل میں اور تجھ میں عداوت ہوگی، وہ تیرا سر کچلیں گے اور تو ان کی ایڑی کاٹے گا اور عورت جننے میں درد زہ کی مصیبت اٹھائے گی اور خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا۔ وہ تجھ پر حکومت کرے گا اور اے آدم! تو زمین پر بڑی مشقت سے روزی پیدا کر کے کھائے گا، (۲۲) خدا کو فکر اور تشویش ہوئی کہ آدم نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ اب ایسا نہ ہو کہ حیات کے درخت سے بھی کھائے اور ہمیشہ جیتا رہے، اس لئے خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو باغ عدن سے باہر کر دیا، انتہیٰ ملخصاً۔

افسوس قصہ کو الٹ پلٹ کر دیا، اول تو خدا کو جھوٹ بولنے سے کیا کام تھا کہ تو اس درخت کو کھا کر مر جائے گا؟ دوم اس بخل سے کیا مقصد تھا، کیا ان کا رہنا پسند تھا؟ سوم سانپ مسخرے کو کیونکر اس درخت کی تاثیر اور خدا کا مکر معلوم ہو گیا۔ آدم علیہ السلام کو نہ معلوم ہوا؟ چہارم خدا کا باغ کیا، پھر ٹھنڈے وقت سیر کرنا اور آواز دینا چہ معنی دارد؟ پنجم خدا کا آدم علیہ السلام کے ہمیشہ زندہ رہنے سے اندیشہ کر کے باغ سے نکالنا سمجھ میں نہیں آتا۔ پس صحیح بات وہ ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن میں واضح کیا۔

**فوائد:** قرآن مجید میں اس قصہ کو مختلف عنوانوں سے آٹھ سورتوں میں نقل کیا ہے، کہیں اجمال سے کہیں تفصیل سے، سورۃ بقرہ، آل عمران،

اعراف، حجر، کہف، بنی اسرائیل، طٰهٰ، ص ۔ ان سب کے مجموعہ سے وہ بات نکلتی ہے کہ جس کو ہم نے تفسیر میں بیان کیا اور ان آیات کو جمع کرنا اور باہم ترتیب دینا محض تکلف لاحاصل ہے۔ کیونکہ ہر سورت میں بیان ناتمام نہیں ہے کہ جن کے ملانے سے تمام کیا جائے۔

ربط:......اس کے بعد خدا اپنے خاص انعامات کا ذکر کرتا ہے کہ جو بنی اسرائیل سے متعلق ہیں اور چونکہ دنیا میں یہ خاندان نبوت سب پر فائق تھا اس لئے اس کی طرف التفات بھی عام احسانات کے بعد ضروری تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ
بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا
تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝۴۱

ترجمہ:......بنی اسرائیل! میری وہ نعمتیں یاد کرو کہ جو میں نے تم کو بخشی تھیں اور میرے اقرار کو پورا کرو تو میں بھی تمہارے اقرار کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرا کرو۝۴۰ اور اس کتاب (یعنی قرآن) پر ایمان لاؤ کہ جس کو میں نے تمہارے اصول دین کی تصدیق کرتا ہوا نازل کیا اور سب سے پہلے تم اس کے منکر نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت لے کر نہ بیچو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو۝۴۱۔

ترکیب:......یا حرف ندا، بنی منادیٰ مضاف، اسرائیل مضاف الیہ، اذکروا فعل، انتم ضمیر فاعل، نعمتی مفعول، موصوف، التی انعمت، الخ، موصول وصلہ مل کر جملہ خبریہ بن کر اس کی صفت، واو حرف عطف بر اذکروا، اوفوا فعل، انتم ضمیر فاعل، بعهدی مفعول، اوف بعهدکم، جملہ جزاء ہے، جملہ اولیٰ کی جو شرطیہ کی خبر دے رہا ہے اور اسی لئے اوف میں سے یا حذف ہوگئی ایای منصوب ہے فعل محذوف سے کہ جس پر فارهبون دلالت کر رہا ہے تقدیرہ ایای فارهبوا اور فارهبون کی اصلی فارهبونی ہے، وقف آیت سے یا گر پڑی تو نون وقایہ باقی رہ گیا، مگر زیر اس پر رکھا تا کہ دلالت کرے۔ حذف ی پر وامنوا عطف ہے، وافوا، پر فعل بافاعل بما انزلت (تقدیرہ بما انزلتہ الخ) صلہ موصول مفعول۔ مصدق حال موکد ہے حال محذوفہ سے کہ جو انزلت میں ہے معکم منصوب ہے علی الظرف والعامل فیہ الاستقراء۔ ولا تکونو معطوف ہے امنوا، پر انتم، اس کا اسم، اول، کافر بہ، خبر اول فعل، اور اس کی ف اور ع کلمہ میں سیبویہ کے نزدیک واو ہے اور اس سے کوئی فعل نہیں بنا اور اس کی تانیث اولیٰ ہے۔ کافر لفظ میں واحد اور معنی میں جمع ہے ای اول الکفار کما یقول هو احسن رجل وقیل تقدیرہ اول فریق کافر۔

## بنی اسرائیل پر خصوصی انعامات ربانی اور ان کا تذکرہ

تفسیر:......جب کہ خدا تعالیٰ توحید اور نبوت اور معاد کے دلائل بیان کر چکا اور اس کی تائید میں عام نعمتوں کا ذکر فرما چکا تو اب بنی اسرائیل کو مخصوص نعمتیں یاد دلا کر اس کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ میں تمہارا قدیم منعم ہوں، میں تمہاری بہتری اور بھلائی ہمیشہ مدنظر رکھتے آیا ہوں۔ اب میں نے تمہارے دین کی اصلاح کرنے کے لئے (کہ جس کو حوادث زمانہ میں لوگوں کی افراط تفریط نے الٹ پلٹ کر دیا ہے) قرآن اور نبی آخر الزمان کو بھیجا ہے۔ تم میری مہربانیوں اور عنایتوں پر خیال کر کے جو وقتاً فوقتاً تمہارے ساتھ کی ہیں، میرے عہد کو پورا کرو (کہ جو تم نے بروز میثاق مجھ سے باندھا تھا کہ ہم تیری ہی اشاعت کریں گے اور تیرے پیغمبروں کا کہا مانے گیں، اور پھر وقتاً فوقتاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی زبانی بھی اس عہد کی تجدید کرتے چلے آئے ہو۔ میں بھی اپنے عہد کو پورا کروں گا کہ دنیا میں تمہاری عزت و

آبرو، شوکت وسلطنت بازرفتہ کو پھیر دوں اور آخرت میں تمہیں حیات ونجات کے ثمرات سے بہرہ اندوز کروں۔ اور اس عہد کا وفا کرنا یہ ہے کہ اس نبی آخر الزمان علیہ السلام اور قرآن پر ایمان لاؤ کہ جو تمہارے اصول دین اور مطالب توراۃ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کر رہا ہے اور ان کو سچ بتا رہا ہے۔ پس جب یہ ہے تو اب تم اہل علم میں سب سے اول منکر بن مطالب واغراض دنیائے دون اور اتباع نفس زبوں کے بدلہ میری آیات بینات کو نہ بیچو، یعنی دنیا کے لئے حق کو نہ چھوڑو، ایمان اور نعماء اخرویہ کھو کر چند روزہ دنیا مول نہ لو اور مجھ سے ڈرو۔

**متعلقات:**...... **بنی اسرائیل**۔ اسرائیل، حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کا لقب ہے جس کے معنی عبرانی میں صفوۃ اللہ یا عبد اللہ کے ہیں۔ بنی مخفف بنین جمع ابن کا ہے، نون اضافت سے گر گیا۔ اس لفظ کی جمع ابناء بھی آتی ہے۔ اگرچہ ابن کے معنی بیٹے کہ ہیں، مگر پوتے اور اس کی اولاد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے اس وقت کے لوگوں کو بھی بنی آدم کہتے ہیں، اور اس مقام پر بھی یہی مراد ہے، یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد، حران سے ہجرت کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک کنعان میں بمقام حبرون ❶ آبسے تھے، ان کے آٹھ بیٹے ❷ تھے، ان میں سے اسماعیل علیہ السلام عرب میں آ رہے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ اور دیگر قبائل کو کہ وہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، بنی اسماعیل کہتے ہیں، اور حضرت اسحٰق وہیں رہے ان کے دو بیٹے تھے، عیص علیہ السلام، ان کی بہت سی اولاد شام اور اس کے اطراف میں پھیلی، دوسرے یعقوب علیہ السلام، ان کے بارہ بیٹے تھے، روبن، شمعون، لاوی، یہوداہ، اشکار، زبلون، یوسف، بنیامین، دان، نفتالی، جد، آشر ان کے بارہ بیٹوں کے نام سے بارہ قبائل ان میں مشہور ہوئے۔ اور ہر ایک کو سبط کہتے ہیں۔ جس کی جمع اسباط آتی ہے حضرت موسیٰ اور ہارون اور داؤد اور سلیمان علیہم السلام وغیرہ بہت سے اولوالعزم انبیاء اس خاندان میں پیدا ہوئے، اس وجہ سے یہ خاندان روئے زمین پر متبرک اور مشہور ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مدینہ اور اس کے اطراف خیبر وغیرہ مقامات میں بنی اسرائیل رہا کرتے تھے، ان بارہ فرقوں میں سے آج کل چند باقی ہیں، ان کو یہود کہتے ہیں۔

**اَوْفُوْا بِعَهْدِیْ عہد:**...... باہمی قرارداد کو کہتے ہیں، خدائے تعالیٰ نے جب بندہ کو عقل سلیم عطا کی اور اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانیوں میں غور وفکر کرنے کی طاقت بخشی تو ایک بار امانت اس کے سر پر دھر دیا اور نیک عمل کرنے اور خدا تعالیٰ اور اس کی ذات وصفات وانبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کا اس سے ذمہ لے لیا اور بندہ نے اس کا اقرار کر لیا۔ اس کے صلہ میں اس نے دنیا وآخرت میں نیک نتیجہ مرتب کرنے کا اپنی رحمت سے ذمہ لے لیا۔ پس دونوں طرف سے یہ قول وقرار اور یہ عہد پایا، اسی کو عالم ارواح میں قائم کیا تھا اور اسی کو انبیاء علیہم السلام وقتاً فوقتاً یاد دلاتے اور تجدید کرتے رہے۔ اور اس عہد کو پورا کرنے کے بے شمار مراتب ہیں۔ بندہ کی طرف سے اوّل مرتبہ یہ ہے کہ توحید اور رسالت کا اقرار کرے، کلمہ لا الٰہ الا اللہ...... الخ صدق دل سے پڑھے، اس کی طرف سے اول مرتبہ یہ ہے کہ دنیا میں اس کی جان ومال کو آسمانی محاسبہ سے مامون اور آخرت میں عذاب ابدی سے محفوظ ومامون رکھے اور بندہ کی طرف سے آخری مرتبہ یہ ہے کہ اس کی یاد میں ہمہ تن غرق ہو جائے، کسی کی بھی خبر نہ رہے، اس کی طرف سے یہ کہ ان کو ہمیشہ دربار قدس میں اپنے دیدار فرحت آثار سے مسرور رکھے، جس نے یہ کہا کہ اس عہد سے مراد وہ عہد ہے کہ جو بنی اسرائیل سے نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کی بابت لیا گیا تھا، جیسا کہ بائبل سے اب تک سمجھا جاتا ہے تو وہ کوئی اور بات نہیں، وہ بھی اسی عہد کی شاخ ہے۔

❶ یہ بابل کے پاس کسدیوں میں رہتے تھے، (بلکہ شہر کا نام آر تھا، چنانچہ آج کل محکمہ آثار والوں نے اس کو برآمد کر لیا ہے) وہاں سے ابراہیم علیہ السلام کا باپ تارہ کہ جس کو آزر بھی کہتے ہیں، اپنے بیٹے ابراہیم، اور پوتے لوط علیہ السلام اور بہو سارہ کو لے کر جنوب کی طرف بمقام حران آبسے تھے، وہیں آزر نے وفات پائی۔ پھر وہاں سے ستر برس کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور لوط علیہ السلام کو لے کر ملک کنعان میں آئے اور حیتون میں بمقام حبرون قیام کیا۔ ❷ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سارہ بی بی سے اسحٰق علیہ السلام اور ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ سے اسماعیل علیہ السلام، جو سب سے بڑے تھے، زمران، یقسان، مدان، مدیان، اسباق اور سوخ۔ ۱۲ توراۃ۔

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ سے یہ مراد نہیں کہ یہود کے جمیع عقائد اور کل کتابوں کی تصدیق قرآن مجید کرتا ہے، بلکہ اصول مذہب اور مضامین کتب الہامیہ کہ جن کو اپنی کتابوں میں مخلوط کر رکھا تھا اور اس مجموعہ کو توراۃ کہتے تھے، یہاں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نزول قرآن کے وقت ان کے پاس بلاکم وکاست حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توراۃ تھی، بلکہ ایک مجموعہ کہ جس کو علماء یہود نے مرتب کیا تھا کہ جس کو وہ اپنی اصطلاح میں توراۃ کہتے تھے۔

نکات:...... ① ..... چونکہ مقصود یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو قرآن پر ایمان لانے کا حکم کیا جائے اور بنی اسرائیل کو نہایت شاق تھا کہ وہ غیر خاندان کے نبی پر ایمان لائیں۔ یہ انسان کا ایک جبلی خاصہ ہے کہ وہ دوسرے کے خاندان کو بمشکل مانتا ہے، بالخصوص جب کہ وہ جاہ و ریاست دل میں پیوست ہو، اس لئے خدا تعالیٰ نے اول تو بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلا کر نرم کیا، نعمتوں سے انسان کا مطیع ہونا طبعی بات ہے، اور اس میں اشارہ کر دیا کہ غیر خاندان پر حسد کرنا عبث ہے، تم کو کیا کم نعمتیں دی ہیں، اس بات پر خیال نہ کرو، قرآن پر ایمان لاؤ، دوم اپنا عہد یاد دلایا اور اس کے ثمرہ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ کی طرف اشارہ کر دیا، سوم اس نرمی کے ساتھ گرمی اور چشم نمائی بھی کر دی، وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ کہ مجھ سے ڈرو ورنہ پھر میں یوں بھی سیدھا کر دیتا ہوں، پس ان تینوں کے بعد مقصود اصلی وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ کو ادا کیا اور اس کے بعد بھی تین تاکید کر دیں۔ اول وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ، دوم: وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ... الخ۔ سوم: وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ، اس میں ان کی خراب عادتوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔

② ..... وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ کہ پہلے تو وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ فرمایا کیونکہ یہود میں جو خدا ترس تھے، ان کو راہب کہتے ہیں، یعنی پہلے تو اپنے دین پر قائم ہو جاؤ، اس کے بعد وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ فرمایا، اس لئے کہ امت محمدیہ علیہ السلام میں خدا ترس کو متقی کہتے ہیں، اور جب قرآن پر ایمان لائیں تو امت محمدیہ میں داخل ہو جائیں گے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ:..... اور سچ میں جھوٹ نہ ملایا کرو، اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپایا کرو ﴿۴۲﴾ اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ دیا کرو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ مل کر رکوع کرتے رہو ﴿۴۳﴾۔

ترکیب:...... وحرف عطف بر کلام سابق اذکروا، لا تلبسوا الحق جملہ فعل وفاعل ومفعول سے مرکب۔ بالباطل متعلق ہے فعل مذکور سے، وتکتموا فعل ضمیر، انتم، فاعل عطف ہے، تلبسوا پر مجزوم ہے لا نھی، سے الحق اس کا مفعول، وانتم تعلمون جملہ اسمیہ حال ہے۔ اقیموا الصلوۃ جملہ انشائیہ معطوف اور معطوف علیہ واتوا الزکوۃ معطوف اور معطوف علیہ وارکعوا معطوف، مع الراکعین ظرف متعلق ہے ارکعوا سے۔

## علمائے یہود کا احکامات خداوندی میں تغیر و تبدل کرنا

تفسیر:..... جب کہ خدائے تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اصول ایمان یعنی نظریات سے مخاطب کیا اور ایمان لانے کا حکم دیا تو اس کے بعد عملیات کا بھی حکم دے دیا اور جو بری باتیں تھیں، پیشتر ان سے منع کر دیا۔ علمائے یہود کا قدیم دستور اور جبلی عادت تھی کہ وہ کتب انبیاء میں

کبھی عمداً کسی عقیدہ اور غرض ثابت کرنے کے لئے کچھ گھٹا بڑھا دیتے تھے اور حوادث میں جو کتابیں تلف ہوگئی تھیں یا ان میں کچھ نقصان ہوتا تھا' ان ہی کے نام سے اپنے طور پر تصنیف کر کے ان میں ملا دیتے تھے، اور کبھی شرح کے طور پر ان میں کچھ لکھ دیتے تھے، اور لطف یہ کہ متن اور شرح مزیداور مزید علیہ اور قدیم وجدید کتاب میں امتیاز کے لئے کوئی نشانی بھی نہ کرتے تھے، اور قوم بھر میں اصلی کتابوں کا حافظ نہ ہوتا تھا، نہ کوئی حفظ سنانے کا دستور تھا، اس پر کاغذ اور کتابت کی قلت سے نہ کوئی ایسا کتب خانہ تھا کہ جس میں کل دینی کتابیں محفوظ رہتی تھیں، نہ کوئی سوسائٹی تھی بلکہ ہر ہر کاہن یا راہب کے پاس جو کچھ تھا، سو تھا۔ اس کو مقابلہ سے کیا غرض؟ چنانچہ آج تک یہ بات مجموعہ عہد عتیق وجدید سے پائی جاتی ہے، محققین اہلِ کتاب اس کے مقر ہیں، پس ان وجوہ سے کتاب میں گھٹانا بڑھانا یا کچھ کا کچھ پڑھ دینا، بالخصوص مقابلہ میں کسی دنیاوی غرض کے لئے ایک آسان سی بات تھی، جب تک آنحضرت ﷺ ظاہر نہ ہوئے تھے تو کتب انبیاء میں آپ ﷺ کی بشارتیں دیکھ کر آپ ﷺ کے آنے کے منتظر اور آپ ﷺ کے محامد بیان کیا کرتے تھے، پھر جب آپ ﷺ ظاہر ہوئے اور مدینہ منورہ تشریف لائے تو رشک خاندانی اور دیگر اغراض دنیویہ سے آپ ﷺ سے حسد کرنے لگے اور ان بشارتوں کو الٹ پلٹ کرنے لگے اور کچھ کا کچھ کہنا شروع کر دیا اور اپنے تقویٰ اور طہارت کے مسائل میں بھی تاویلات اور توجیہات کر کے ٹالنے لگے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق میں باطل اپنی طرف سے نہ ملایا کرو اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپایا کرو، کیونکہ تمہاری گمراہی سے اور ہزاروں ان پڑھ گمراہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد تقویٰ وطہارت کا حکم دیتا ہے کہ نماز کو اچھی طرح قائم کرو تا کہ تمہارے دل ملائم ہوں اور دلوں کی سیاہی دور ہو، پھر خدا ترسی کر کے اپنے مال میں سے کوئی حصہ معین بھی فقراء اور غرباء کو دیا کرو، اس لئے پہلے نماز کا ذکر کیا، پھر زکوٰۃ کا، اس میں بدنی اور مالی دونوں عبادتیں آگئیں، اور اکیلے اپنے گھروں میں نماز پر بس نہ کرو، بلکہ خدا کی جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھو، رکوع کرو تا کہ دین کی تمام برکات وانوار حاصل ہوں۔

**متعلقات: نماز وزکوٰۃ کا حکم:** .....وَارْكَعُوْا۔ رکوع کے معنی جھکنا ہیں چونکہ نماز کا یہ ایک جزو ہے تو کل کو بھی اس جزو کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اور کبھی سجدہ کے ساتھ اور یہاں اس کے جزء کے ساتھ تعبیر کرنے میں ایک نکتہ ہے، یہود کی نماز میں صرف رکوع ہے اس لئے بھی صرف ارْكَعُوْا فرمایا۔

زکوٰۃ کے معنی زیادہ ہونے اور بڑھنے کے ہیں، بولتے ہیں: زکا الزرع جب کھیتی بڑھتی ہے تو چونکہ خدا کے نام پر دینے سے مال میں برکت ہوتی ہے اور اس عمل کی تاثیر سے مال بڑھتا ہے، اس لئے مال میں سے حصہ معین سال تمام پر دینے کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ زکاء سے مشتق ہے جس کے معنی پاکی کے ہیں، چونکہ زکوٰۃ سے مال پاک ہو جاتا ہے، اس لئے اس کو زکوٰۃ کہنے لگے اور اسی لئے ذبح کرنے سے نجس خون نکل جاتا ہے، مذبوح جانور کو مزکی کہتے ہیں، یہود میں جس طرح نمازیں فرض تھیں، اسی طرح زکوٰۃ بھی۔ مگر ان کی نماز اور زکوٰۃ کا قاعدہ کچھ اور تھا۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۴۴ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝۴۵ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۴۶ ع

ترجمہ: کیا لوگوں کو تم (اے بنی اسرائیل) نیکی کرنا بتلاتے ہو اور اپنی خبر بھی نہیں رکھتے حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، پھر کیوں نہیں سمجھتے؟ ۝۴۴ اور

صبر کرنے اور نماز پڑھنے سے مدد لیا کرو بلاشبہ نماز مشکل ہے مگر ان پر جو عاجزی کرتے ہیں ﴿۴۵﴾ (اور) جو یہ سمجھتے ہیں کہ ضرور ہم کو اپنے پروردگار سے ملنا ہے اور ہم کو اس کے پاس پھر کر جانا ہے (پس یہ نماز کچھ بھی ان پر مشکل نہیں) ﴿۴۶﴾

ترکیب:......ا، استفہامیہ داخل ہے جملہ تامرون الناس... الخ پر اور یہ استفہام انکاری ہے، یعنی ایسا نہ کر، تأمرون الناس... الخ جملہ معطوف علیہ، وتنسون... الخ، دوسرا جملہ اس پر معطوف۔ وانتم تتلون الکتاب جملہ اسمیہ حال ہے ضمیر فاعل تنسون سے افلا تعقلون، جملہ استفہامیہ بمعنی توبیخ۔ یہاں تک یہ جملہ معترضہ سا تھا۔

شانِ نزول:......اس کا شان نزول ابن عباس ❶ ﷻ سے یوں منقول ہے کہ علمائے یہود اپنے اقارب سے جو مسلمان ہو گئے تھے، یہ کہتے تھے کہ اسی دین پر قائم رہو، کیونکہ یہ حق ہے، اور از خود اسلام میں داخل نہیں ہوتے تھے (جلالین)، بعض کہتے ہیں کہ اوروں کو صدقہ اور خیرات کا حکم دیتے تھے اور خود نہ کرتے تھے، (بیضاوی)

واستعینوا... الخ معطوف ہے اذکروا پر یاامنوا پر، بالصبر والصلوٰۃ معطوف علیہ اور معطوف ہیں استعینوا سے، وانھا لکبیرۃ الصلوٰۃ لکبیرۃ جملہ مستثنیٰ منہ الاحرف استثنیٰ۔ علی الخاشعین موصوف، الذین... الخ صلہ وموصول اس کی صفت، یہ سب مستثنیٰ۔

## تبلیغ کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے

تفسیر:......اے بنی اسرائیل: باوجودیکہ تم کتاب توراۃ پڑھتے ہو اور خود اعمال صالحہ کرنے کی تاکید اور کلام انبیاء میں آپ عمل نہ کرنے اور دوسروں کو نصیحت کرنے پر بڑی تہدید ہے۔ تم خود عمل نہیں کرتے، اور لوگوں کو وعظ و تدریس کرنے کے لئے آمادہ رہتے ہو، تمہارے نفس سرکش ہیں کہ ان اعمال صالحہ اور قید شریعت اور روحانی صفائی کو اختیار نہیں کرتے، سو اس کا علاج روحانی طور پر یہ ہے کہ تم روزہ اور نماز سے مدد لو، نفس کو مشقت کشی کا عادی بناؤ، اس لئے کہ روزہ میں باوجود ہر طرح کے سامان اکل و شرب و جماع مہیا ہونے کے صبر کرنا اور اس کی خواہش سے رکنا ہوتا ہے اور پھر نماز میں مشغول ہو کر ہاتھ پاؤں تمام جسم کو اس کی عبادت میں مصروف کرنا، زبان اور روح کو اس کی طرف متوجہ کرنا اور تسبیح و تقدیس کرنا۔ قرآن پڑھنا ہے۔ ان سب کا مجموعہ روح کو نہایت تازہ کرتا ہے، جس سے نفس کی تیزی ٹوٹ جاتی ہے اور حب مال و جاہ اور ہر قسم کی نفسانی خواہش کہ جو عمل سے مانع آتی ہے، پژمردہ ہو جاتی ہیں۔

صبر اور نماز سے مدد لینا:......صبر و نماز سے مدد لینے کہ یہ معنی ہیں، (اور واقعی جسمانی ریاضت سے کہ جو تزکیۂ نفس سالہا سال میں حاصل نہیں ہوتا، وہ روحانی تقرب سے دم بھر میں حاصل ہو جاتا ہے تھوڑی سی دیر اس کی طرف مراقب اور متوجہ ہونے سے کسی قدر نفس کو پژمردگی اور روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔) اور یہ نماز بھی فی نفسہ ایک بھاری عبادت ہے، اس کے بھی وہی متحمل ❷ ہوتے ہیں کہ جو خدا کے آگے عاجزی کرتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو اس کے پاس جانا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کو جب کبھی رنج و غم لاحق ہوتا تھا تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے، اس سر کے

---

❶ ...... اس کے شان نزول کے معنی یہ ہیں کہ یہ آیت ان علمائے یہود پر صادق آتی ہے یا اس میں ان کی طرف تعریض اور اشارہ ہے کہ جو خود اچھے کام نہیں کرتے تھے، اوروں کو وعظ و پند کرتے تھے، جیسا کہ علمائے یہود بے عمل کیا کرتے تھے، ورنہ خاص اس آیت کا ان لوگوں کے لئے اور اس حال پر متنبہ کرنے کے لئے جداگانہ نازل ہونا جب تسلیم کیا جائے گا کہ جب سند صحیح سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ آیت الگ ہو کر نازل ہوئی ہے اور اس سے اگلا پچھلا کلام جداگانہ نازل ہوا ہے۔ فتأمل۔ حقانی۔

❷ ...... اور جو ملحد ہیں نہ ثواب کے قائل، نہ خدا تعالیٰ کے مقر، وہ تو اس کو عبث سمجھتے ہیں، اس لئے ان پر بھاری ہے اور کیسا ہی بھاری کام ہو، جب انسان اس کا نتیجہ یقین کر لیتا ہے تو اس کو اس امید میں سب تلخیاں شیریں معلوم ہوتی ہیں۔ منہ۔

لئے امت محمدیہ ﷺ پر پنج وقتہ نماز فرض ہوئی اور اس لئے اس کی نسبت فرمایا ''اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ'' کہ نماز ہر قسم کی برائی اور گناہ سے روکتی ہے، نماز کے فضائل اور اس کے تارک پر جو کچھ تہدید احادیث صحیحہ میں وارد ہیں، اس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔

## واعظ کا باعمل ہونا

فوائد: اس آیت سے اس شخص کی برائی ثابت ہوتی ہے کہ جو اوروں کو نصیحت کرتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا، کس لئے کہ اس کا یہ فعل ایسا ہے کہ جیسا کوئی جاہل یا احمق کرتا ہے اور جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کلام کا اس کو اعتقاد نہیں ورنہ خود بھی عمل کرتا، اس لئے صحاح ستہ میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے لوگوں کی زبان کو جہنمی فرشتوں کو آگ کی مقراضوں (قینچیوں) سے کاٹتے دیکھا تو جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا: کہ یہ کیا ہے؟ کہا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جو خود عمل نہ کرتے تھے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے، مگر اس سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ فاسق کو وعظ کہنا منع ہے، کس لئے کہ انسان پر جس طرح عمل کرنا فرض ہے، دوسروں کو سمجھانا بھی فرض ہے، ایک فرض کو ترک کرنے والے کو کیا ضروری ہے کہ دوسرے فرض کو بھی ترک کرے۔

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو کہ جو میں نے تم کو دی تھیں اور میں نے تم کو جہان پر فضیلت دی ﴿۴۷﴾ اور اس دن سے بھی ڈرو کہ جس دن کوئی شخص کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کے لئے کوئی سفارش قبول ہوگی اور نہ اس کے عوض میں کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿۴۸﴾۔

---

**ترکیب:**......یا حرف ندا، بنی اسرائیل مضاف اور مضاف الیہ، منادیٰ، اذکرو فعل ضمیر، انتم فاعل، نعمتی التی انعمت علیکم صفت وموصوف معطوف علیہ، وانی فضلتکم علی العلمین تمام جملہ اسمیہ معطوف۔ یہ دونوں اذکروا کے مفعول، یہ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوکر ندا ہوا۔ واتقوا فعل انتم ضمیر فاعل، یوما مفعول یہ موصوف، لاتجری نفس...الخ، اور لا یقبل...الخ اور لا یوخذ...الخ اور ولا ھم...الخ چاروں جملے معطوف بر یکے دیگر اس کی صفت اور سب میں عائد محذوف ہے، ای لا تجزی فیه وقس علیه البواقی، اس جملہ اتقوا کا عطف اذکروا پر ہوا۔ عن نفس موضع نصب میں تجزی سے اور ممکن ہے کہ حال ہوکر موضع نصب میں ہو، تقدیرہ شیئا عن نفس منھا دونوں جگہ میں ممکن ہے کہ یقبل اور یوخذ کے متعلق ہو کہ شفاعۃ اور عدل کی صفت ہو۔

## بنی اسرائیل پر دنیا میں عزت دے کر احسان کرنا

تفسیر:......یہاں سے نصائح وامر ونواہی سابقہ ذکر فرما کر بنی اسرائیل کو اپنے انعام واحسان جو وقتاً فوقتاً ان پر اور ان کے بزرگوں پر ہوئے، یاد دلاتا ہے، یہ پہلا احسان ہے کہ ان کو دنیا میں فضیلت دی تھی، مگر بنی اسرائیل کو اپنے علم اور انبیاء زادے ہونے کی وجہ سے دو

چند غرور اور تعصب تھا، اس لئے خدا تعالیٰ اپنی نعمتوں کو اور ان واقعات کو کہ جن میں ان پر وقتاً فوقتاً انعام الٰہی ہوئے، یکے بعد دیگرے بیان فرماتا ہے۔ اول یہ نعمت و انعام ذکر فرماتا ہے کہ تم کو دنیا پر فوقیت دی تھی، نبوت اور سلطنت دونوں تمہارے خاندان میں تھیں، جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے: اِذۡ جَعَلَ فِیۡكُمۡ اَنۡۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمۡ مَّا لَمۡ يُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ۝ اس پر شکر کرو، تکبر اور سرکشی سے باز آؤ۔ ہماری اطاعت کرو نہ کہ الٹا تکبر اور سرکشی کرو، اگر تم اپنی سرکشی اور تعصب سے باز نہیں آتے اور ہماری نعمتوں کا حق ادا نہیں کرتے اور تم کو اس بات پر بھی عبرت نہیں، (کہ میں نے تمہارے فسق و فجور) پر حسب وعدہ اپنا قہر نازل کیا تھا۔ بخت نصر اور انتیو کس وغیرہ بادشاہوں نے تمہاری عزت و شوکت خاک میں ملا دی، تم کو اپنا غلام بنالیا۔ تو آخر ایک روز مرنا ہے، قیامت میں ہمارے پاس آنا اور حساب دینا ہے، اس دن سے ہی ڈرو کہ وہاں کوئی وجہ عذاب الٰہی کے دفع کی نہیں، اس لئے کہ مخلصی کا طریق یا تو یہ ہے کہ دوسرا شخص اس کی جگہ آپ ذمہ دار ہو جائے اور اس کے جمیع حقوق اور محاسبہ کو اپنے سر پر لے لے، سو وہاں پر یہ بھی نہیں، لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔـا ، اس دن کی سختی ایسی ہوگی کہ ہر کوئی نفسی نفسی پکارتا رہے گا، کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، يَوۡمَ يَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِيۡهِ۝ ... الایۃ۔ یا کسی کی وَجہ وجاہت سے مفت چھوڑ دیا جائے، تم کو اپنے باپ دادا انبیاء علیہم السلام پر بڑا بھروسہ ہے اور سمجھتے ہو کہ وہ تم کو چھوڑا لیں گے، سو وہاں یہ بھی نہیں کیونکہ وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ اس روز یہ سفارش بھی کام نہ آئے گی، اس کی مرضی بغیر کوئی نبی یا بزرگ کسی کے لئے لب کشائی نہیں کرسکتا۔ یا اپنا مال دے کر معاوضہ یا جرمانہ بھگت کر نجات پا جائے تو وہاں یہ بھی نہیں ہے، کس لئے کہ وَّلَا يُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ خدا کو مال و دولت کی کچھ پروا نہیں اور اس روز کسی کے پاس ہوگا کیا؟ نہ مال و دولت، کسی سے مالی معاوضہ نہ لیا جائے گا، یا یہ کہ یار و انصار، برادری و اقارب اپنے زور سے چھڑا لیں، سو وہاں یہ بھی نہیں کیونکہ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ خدا تعالیٰ سے مقابلہ کرنے کی کس کی مجال ہے۔

## بنی اسرائیل کی فضیلت کا مطلب

متعلقات:...... فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ، عالم کا اطلاق اگرچہ ماسوائے اللہ، جمیع مخلوقات پر ہوتا ہے اور جب بلفظ عالمین اس کو جمع کر لیا جاتا ہے تو اور بھی شمول اور عموم کا فائدہ دیتا ہے، مگر جس طرح ہمارے عرف میں دنیا بول کر اکثر لوگ مراد لیا کرتے ہیں، اور جس طرح ہمارے عرف میں لفظ کل بول کر اکثر مراد لیا کرتے ہیں اسی طرح عرب میں محاورہ تھا بلقیس کی نسبت وارد ہے: وَاُوۡتِيَتۡ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ کہ اس کو ہر چیز سے حصہ ملا تھا، حالانکہ بہت سی چیزیں اس کو نہ ملی تھیں، پس اس توجیہ پر مطلب آیت کا بہت صاف ہے کہ بنی اسرائیل کو خدا نے ایک زمانہ میں اکثر لوگوں پر فضیلت دی تھی اور یہ واقعی بات ہے۔

بعض مفسرین نے عجب موشگافی کی ہے، عالمین سے جمیع مخلوقات مراد رکھی ہے، پھر دیکھا کہ اس سے ملائکہ اور جمیع انبیاء علیہم السلام اور جناب حضرت محمد علیہ السلام پر فضیلت ثابت ہوتی ہے تو آنحضرت ﷺ کو دیگر دلائل سے مستثنیٰ کیا اور بے سرو پا دلائل سے ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے، اسی طرح بنی اسرائیل سے ہر فرد و بشر مراد لے کر الجھاوے میں پڑ گئے کہ بنی اسرائیل کے فساق اور کفار کو جمیع عالم پر کیونکر فضیلت تھی؟ اسی طرح اکثر مقامات پر عرب اور محاورہ عرب سے غافل ہو کر الفاظ کے لغویہ یا علمائے کلام و علمائے اصول کے مقرر کردہ معنی مراد لے کر سیدھی بات کو مشکل کر دیتے ہیں۔

شفاعت۔ شفع بمعنی جفت ہے یعنی طاق کا خلاف، گویا کہ شفاعت کرنے والا اپنے آپ کو اس کے ساتھ (کہ جس کی یہ شفاعت کرتا ہے) ملا کر اس اکیلے کو جوڑا کرتا ہے، معتزلہ اس آیت اور اس آیت مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ سے استدلال کرتے ہیں، کہ قیامت کو انبیاء علیہم السلام گناہگاروں کی شفاعت نہ کریں گے، مگر ان کا یہ قول صحیح نہیں، اس لئے کہ ان آیات کا منشاء ہے کہ اس کی مرضی کے

خلاف اپنی وجاہت سے کوئی سفارش نہ کر سکے گا اور چونکہ اس کی مرضی کفار اور مشرکین کی نسبت نہ ہوگی تو ان کے لئے کوئی شفاعت نہ کرے گا، جیسا کہ ان آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے اور لفظ اِلَّا بِاِذْنِہٖ با آواز بلند بتلا رہا ہے کہ گناہ گار مسلمانوں کے لئے رحمت الٰہی انبیاء علیہم السلام اور اولیاءؒ اور صلحاءؒ کے دل میں ان کی شفاعت کا شوق پیدا کرے گی، اور وہ نہایت عجز وانکسار سے اس کی جانب میں عرض کریں گے: شفاعتی لاھل الکبائر من امتی اور احادیث صحیحہ میں آنحضرت ﷺ کی شفاعت کبریٰ کی تفصیل ہے، آنحضرت ﷺ تمام عالم کے شفیع اعظم ہیں، ﷺ اور یہ آیات کفار کے ساتھ مخصوص ہیں، کس لئے کہ کلام یہود سے چلا آتا ہے۔

عدل کے معنی برابری کے ہیں، چونکہ معاوضہ اور فدیہ دے کر دونوں برابر ہوجاتے ہیں، اس لئے معاوضہ اور فدیہ اور بدل کو بھی عدل کہنے لگے اور اسی لئے انصاف کو بھی عدل کہتے ہیں۔

نکات: (۱) جونکرہ حیز نفی میں ہوتا ہے تو وہاں بھی کثرت سمجھی جایا کرتی ہے اور لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ سے نفس نکرہ مراد ہے، معرفہ نہیں اور ال نفی کے پیچھے آیا ہے تو یہاں بھی عموم مراد ہے۔ پس یہ کثرت جو یہاں مفہوم ہوتی تھی اس کو وَّلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ میں اس نکتہ کے لئے ظاہر کردیا کہ عادتاً جب کسی ایسے شخص کے پنجے سے چھڑاتے ہیں کہ وہ نہ وجاہت اور لحاظ کو خیال میں لاتا ہے تاکہ سفارش قبول کرے، نہ وہ معاوضہ سے راضی ہوتا ہے، نہ کسی دوسرے شخص کی ضمانت مانتا ہے تو وہاں ایک جماعت اور جمعیت سے کام لیا جاتا ہے جبکہ ایک جماعت بزور چھڑا لیتی ہے، پس لفظ ھُم میں ان کی کثرت کے فائدہ مند نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد:...... خدا تعالیٰ اپنی نعمتوں کی تفصیل بیان کرتا ہے اور ہر ایک واقعہ کو یاد دلاتا ہے تاکہ سن کر عبرت اور رغبت ہو اور بنی اسرائیل کے دل ملائم ہوں، اور وہ راہ راست پر آئیں، مگر یہ واضح رہے کہ ان واقعات کے بیان کرنے سے مقصود صرف اپنی نعمتوں اور نافرمانیوں پر عقوبتوں کا یاد دلانا ہے نہ کہ بترتیب تاریخ آدم اور تاریخ بنی اسرائیل بیان کرنا، جیسا کہ اہل کتاب کی توارۃ وغیرہ کتب تاریخ میں ہے کہ جن کو وہ الہامی کہتے ہیں، اس لئے کبھی مقدم واقعہ کو مؤخر اور کبھی بالعکس اور کبھی بطور اجمال اور کبھی بطور تفصیل بیان کرتا ہے، اور کچھ عہد موسیٰ علیہ السلام کے واقعات ہی بیان نہیں ہوئے بلکہ ان سے پہلے اور پچھلے واقعات بھی ہیں، بلکہ ملک مصر کے واقعات اور وہاں سے نکل کر ملک کنعان میں آتے وقت اور وہاں پہنچ کر جو کچھ گزرا، سب کا بیان ہے نہ بترتیب بلکہ جس واقعہ کے ذکر کا مناسب مقام تھا، اس کا ذکر کیا۔

وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ﴿۴۹﴾

ترجمہ:...... اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) کہ جب ہم نے تم کو فرعونیوں سے نجات دی، وہ تم کو بری طرح عذاب دیا کرتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی ﴿۴۹﴾۔

ترکیب:...... واذ موضع نصب میں ہے، معطوف اذکروا نعمتی پر اور اسی طرح و اذ فرقنا، و اذ وعدنا، اور اذ قلتم یا موسیٰ وغیرہ، نجینا فعل بافاعل، کم مفعول، من ال فرعون متعلق ہے، نجینکم سے، یسومون فعل، ھم، ضمیر راجع ال فرعون کی طرف، کم مفعول اول سوء العذاب مفعول ثانی، یہ تمام جملہ حال ہے ال فرعون سے یا ضمیر نجینا کم سے یا دونوں سے، یذبحون ابنائکم اور یستحیون... الخ دونوں جملے بیان ہیں، یسومونکم کے اور اسی لئے عطف نہ ہوا، بلاء موصوف، من ربکم اور عظیم صفت مبتداء

موخر، فی ذلکم خبر۔

## بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم ومصائب سے نجات دینا

**تفسیر:**...... یہ دوسرا انعام یاد دلاتا ہے، اسرائیلیوں پر جو فرعون مصر اور اس کی قوم کی طرف سے ہر روز ایک تازہ مصیبت کا سامان تھا یہاں تک کہ لڑکے قتل کئے جاتے اور لڑکیاں باقی چھوڑی جاتی تھیں، اس میں بنی اسرائیل پر بڑی سخت مصیبت تھی۔ اور نسل اور قوم کا گم ہونا۔ پھر لڑکیوں کا غیر اقوام کے استعمال میں آنا، پھر زندہ اولاد کا قتل دیکھنا۔ ان سب مصائب سے خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سبب سے نجات دی۔ یہ کس قدر احسان اور کیسی نعمت الٰہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام ان کی اولاد کنعان میں ہی آباد رہی، پھر بھائیوں کے حسد اور بغض کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام غلام بن کر مصر آئے۔ یہاں ان کا بادشاہ مصر کے پاس بڑا عروج ہوا، جب کنعان میں بڑا سخت قحط پڑا تو حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی تمام اولاد مصر میں آ رہی اور ان کو خدا تعالیٰ نے بہت بڑھایا اور کئی سو برس تک مصر میں ان کے لاکھوں آدمی ہو گئے۔ اور اس عرصہ میں یوسف علیہ السلام اور وہ فرعون سب مر کھپ گئے دوسرا فرعون تخت نشین ہوا جس کا نام مصعب یا ولید تھا۔ اس کو بنی اسرائیل سے سخت عداوت تھی اور دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ مبادا یہ لوگ ہماری سلطنت پر قابض ہو جائیں، اس لئے اس نے ان کو سخت سخت تکلیفیں دینی شروع کیں، ان پر خراج کے محصل بٹھا دیئے اور مصریوں نے خدمتیں کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی اور انہوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سب قسم کی خدمت کھیت کی کروا کے ان کی زندگی تلخ کی۔ ان کی ساری خدمتیں، جو وہ ان سے کرواتے تھے، مشقت کی تھیں، (۲۲) اور فرعون نے اپنی قوم کے لوگوں کو تاکید کر کے کہا کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہو، اسے مار ڈالو، اور جو بیٹی پیدا ہو، اسے جینے دو۔ (توراۃ) خدا تعالیٰ کو بنی اسرائیل کی مصیبت پر رحم آیا، ان میں عمران کے گھر میں ایک حسین بیٹا پیدا کیا جس کی پرورش اور سرگزشت عبرت کا باعث ہے، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ انہوں نے طرح طرح کے معجزے فرعون کو دکھائے اور تمام بنی اسرائیل کو مع یوسف علیہ السلام کی ہڈیوں کے ان کے قدیم ملک کنعان لے گئے، ان کے پیچھے جو فرعون پکڑنے چلا تھا، دریائے قلزم میں مع لشکر ڈوب مرا اور بنی اسرائیل دریا میں سے خشک نکل گئے، مصر سے کنعان یعنی ملک شام تخمیناً چالیس روز کا رستہ شمال کی جانب ہے۔ مگر رستہ میں جو بنی اسرائیل نے خدا کی نافرمانیاں کیں، چالیس برس ٹکراتے پھرے، اس عرصہ میں منّ وسلویٰ ان پر نازل ہوا اور دھوپ سے ابر نے سایہ کیا اور دیگر ذبح بقرہ وغیرہ کے واقعات پیش آئے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور جو جوان مصر سے نکلے تھے، سب اسی رستہ میں مر گئے، پھر موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ یوشع بن نون نے ملک کنعان فتح کیا اور وہاں بنی اسرائیل کی سلطنت قائم ہوئی۔ اس قصہ کو مجملاً خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے اور آئندہ قصوں کو ذکر کرتا ہے۔

---

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۵۰

---

ترجمہ: اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) کہ جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا، پس تم کو تو بچا لیا اور تمہارے دیکھتے دیکھتے فرعونیوں کو ڈبو دیا۝

**ترکیب:**...... فرقنا فعل با فاعل، بکم موضع نصب میں مفعول ثانی ہے اور البحر مفعول اول ہے اور ب بمعنی لام ہے۔ فانجینا کم جملہ فعلیہ معطوف علیہ، واغرقنا... الخ جملہ فعلیہ معطوف، والتم تنظرون حال ہے اغرقنا سے۔

## بنی اسرائیل کو سمندر میں راستہ دیا جانا

**تفسیر:**...... یہ تیسرا انعام ہے کہ جو خروج مصر کے بعد بنی اسرائیل پر خدا تعالیٰ نے کیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو فرعونیوں

کی قید سے چھڑا کر کنعان کی طرف روانہ ہوئے، تو فرعون اور اس کے لشکر نے قلزم کے پاس تعاقب کر کے بنی اسرائیل کو آلیا۔ اب پیچھے تو فرعون اور اس کا خون خوار لشکر کہ جس کی ہیبت نے بنی اسرائیل کو ہوش باختہ کر دیا اور سامنے سمندر۔ نہ آگے جا سکتے ہیں نہ پیچھے پھر سکتے ہیں، اس وقت بنی اسرائیل کی عجب ہوش ربا حالت تھی۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنا فضل کیا، بنی اسرائیل کے لئے دریا میں خشک راستہ کر دیا۔ دونوں طرف پانی کی دیواریں بن کر کھڑی ہوگئیں۔ جب بنی اسرائیل سوکھے پار اتر گئے، ان کے پیچھے جو فرعون اور اس کا لشکر نکلنے لگا تو پانی مل گیا، سب ان کی آنکھوں کے سامنے ڈوب مرے۔ بنی اسرائیل یہ تماشہ پرلے کنارے پر کھڑے دیکھ رہے تھے، ادھر اپنا ایسی خوفناک حالت سے نجات پانا، دوسرے اپنے دشمن کو کہ جس کی تباہی کا خیال بھی نہ جاتا تھا، مع ساز و سامان غرق ہوتے دیکھنا، کیسی خوشی اور کیسا انعام الٰہی ہے۔

**بنی اسرائیل کا بحر قلزم کو عبور کرنا:**...... تفصیل اس کہ یہ ہے جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر ملک شام کی طرف چلے تو بحیرہ قلزم کی طرف راہ پڑ لئے۔ ان کے پیچھے فرعون بھی مور و ملخ کی طرح لشکر لے کر گرفتار کرنے کو پہنچا۔ بنی اسرائیل نے کہا: اے موسیٰ! اب ہم کیا کریں،؟ سامنے سمندر کی ایک شاخ ہے کہ جس کو قلزم کہتے ہیں اور پیچھے فرعون کا لشکر چلا آتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں التجا کی۔ حکم ہوا کہ اپنے عصا کو دریا پر مار۔ اس کی وجہ سے یہ معجزہ ظہور میں آیا کہ سمندر پھٹ گیا اور جس طرح پہاڑ میں گھاٹیاں ہوتی ہیں، اسی طرح پانی کے بستہ ہونے سے خدا تعالیٰ نے گھاٹیاں کر دیں جن میں سے بنی اسرائیل بخوبی مع اپنے جانوروں اور اسباب کے نکل گئے اور چونکہ پانی ایک لطیف جسم ہے، اس کی گھاٹیوں میں سے ایک طرف کا آدمی دوسری طرف کو نظر آتا تھا۔ فرعون نے ان کے پیچھے اسی راستہ سے عبور کرنا چاہا تو پھر سمندر اپنی اصلی حالت پر آگیا اور فرعون اور اس کا لشکر ڈوب مرا اور پرلے کنارے پر بنی اسرائیل کھڑے ہوئے فرعونیوں کو ڈوبتے ہوئے دیکھتے رہے۔

**متعلقات:**...... اصل آل کی اہل ہے، اس لئے کہ اس کی تصغیر اُھیل آتی ہے اب اس کے معنی گھر والے کی ہیں کہ جن کو عرب میں کنبہ کہتے ہیں یا خاندان، ہاں اس قدر فرق ہے کہ لفظ آل کا اطلاق اس خاندان پر آتا ہے کہ جن کو دینی یا دنیاوی عزت و شرف حاصل ہوا اور کبھی اس لفظ سے مطیع و متبع مراد ہوا کرتے ہیں، اول تقدیر پر آل نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کنبہ، بیٹی، نواسے، چچا، بیویاں وغیرہم۔ دوسری تقدیر پر تمام صحابہ مراد ہوتے ہیں اور کبھی یہ لفظ زائد آتا ہے۔ آل فلاں میں وہ فلاں ہی مراد ہوا کرتا ہے۔

ہم پیشتر ابتداء سے انتہاء تک مختصر طور پر حضرت موسیٰ ❶ علیہ السلام کی تاریخ بیان کرتے ہیں، اور توراۃ اور قرآن کو مدنظر رکھے ہیں تاکہ خوب بترتیب وقوع سمجھ میں آجائے۔

## تاریخ بنی اسرائیل

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں عمران کے گھر میں (جو قہات کا بیٹا، لاوی بن یعقوب علیہ السلام کا پوتا تھا) حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً پندرہ سو اُلہتر برس پیشتر منوچہر شاہ ایران کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اس زمانہ میں فرعون نے بنی اسرائیل پر سختی کر رکھی تھی، بڑے سخت کام لیتا اور

---

❶ ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو بیس سورتوں میں کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ سورۃ بقرہ، نساء، مائدہ، انعام، اعراف، یونس، ہود، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، مؤمنین، شعراء، نمل، قصص، صافات، مؤمن، زخرف، دخان، نازعات۔ بعض واقعات توراۃ میں ہیں، قرآن نے ان کو بیان نہیں کیا، بعض قرآن میں ہیں، تورات میں نہیں، اور کچھ تعجب کی بات نہیں، گو مصنف توارۃ ابتداء سے انتہا تک بہ ترتیب قصہ لکھتا ہے مگر عادتاً ہر مؤرخ سے اس شخص کے کہ جس کی وہ تاریخ لکھتا ہے، رہ جایا کرتے ہیں۔ پس اگر وہ کسی دوسری جگہ ہوں یا ان کو کوئی اور بیان کرے تو وہ جھوٹ نہیں ہو سکتا، اور قرآن کی غرض تاریخ بیان کرنا نہیں، بلکہ نصیحت و عبرت مقصود ہے۔ منہ۔

بیگار میں رکھتا تھا اور یہ عام حکم تھا کہ جو اُن کے خاندان میں بیٹا پیدا ہو، اس کو قتل کر ڈالو، اور لڑکی کو جیتے رہنے دو، کیونکہ اس کو بنی اسرائیل کی کثرت سے خوف تھا، یہ ان کو مٹانا چاہتا تھا، یہ لوگ اپنی مصیبت پر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر آہ و زاری کرتے اور درد سے روتے تھے مگر اس موذی کو رحم نہ آتا تھا، خدائے ارحم الراحمین کو رحم آیا، اس نے اس کے پنجے سے چھڑانے کے لئے بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا، جب یہ پیدا ہوئے تو کئی مہینے تک ان کی والدہ ماجدہ نے ان کو چھپا کر رکھا، جب دیکھا کہ راز فاش ہو جاتا ہے، کوئی دم میں فرعونی جلاد آتے اور اس معصوم کو ذبح کرتے ہیں تو بالہام الٰہی یہ تدبیر سوچی کہ اس کو کسی صندوق میں کہ جس میں پانی اثر نہ کرے، ڈال کر دریائے نیل میں چھوڑ دیجئے، جہاں اس کی تقدیر ہوگی، چلا جائے گا۔ پس ایک صندوق میں چوطرفہ رال لگا کر اور خوب مضبوط کر کے اس چاند سی صورت کو چھپا دیا اور خدا کے نام پر دریا میں ڈال دیا۔ ڈال تو دیا، مگر دل کا اللہ ہی مالک ہے، زار و زار روتی اور کہتی تھی۔

میروی و میرود جانم بتو ☆ خوش برد فاللہ خیر حافظا

مگر اپنی بیٹی سے یہ کہہ دیا کہ کنارے کنارے تو بھی دیکھتی جا کہ صندوق کا جاتا ہے وہ صندوق کے ساتھ اس طرح جاتی تھی کہ کوئی نہ جانے کہ یہ ایسی صندوق کے ساتھ ہے وہ صندوق جب فرعون کے محل کے پاس بہہ کر آیا تو اس کی بیوی آسیہ (کہ جو بڑی خدا ترس اور پاکباز عورت تھی، دیکھا کہ ایک صندوق بہا چلا آتا ہے، اس کے ساتھ اس کی بیٹی اور خواصیں بھی تھیں، سب اس امر عجیب کے دریافت کرنے کی طالب ہوئیں، حکم دیا کہ صندوق نکالا جائے، نکال کر کھولا گیا تو اس میں کیا دیکھتی ہیں کہ ایک چاند سی صورت کا بچہ سو رہا ہے اور ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور انگوٹھے چوستا جاتا ہے، دیکھتے ہی سب کا دل بھر آیا، خدا کی قدرت دیکھئے کہ وہ دشمن کے گھر میں پرورش کراتا ہے، ؟ فرعون کی بیٹی نے کہا، اس کو بیٹا بنالو اور ابا جان کو بھی اس کی خبر کر دو، فرعون کی بیوی نے بچہ دیکھا اور اپنا مطلب ظاہر کیا۔ مگر موذی نے کہا: غالباً یہ کسی کنعانی کا بچہ ہے، ہمارے خوف سے دریا میں ڈال دیا ہے، اس کو قتل کر ڈالو۔ فرعون کی بیوی اوپر گر پڑی، اور کہا کہ اس کو نہ مارو، اس کو بیٹا بنالو۔ شاید یہ کسی وقت کام آجائے، پھر موسیٰ علیہ السلام کے لئے انا کی تلاش ہوئی، دو ایک انائیں آئیں، مگر موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا بھی دودھ نہ پیا، اس کے رونے سے سب بے چین ہو گئے،، تب موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جو فرعون کی بیوی اور بیٹی کے پاس جایا کرتی تھی، یہ کہا کہ میں تم کو ایک ایسی انا بتاؤں کہ جو اس کو نہایت دردمندی اور خیر خواہی سے دودھ پلائے گی اور اپنے گھر میں لے جا کر پرورش کرے لے، انہوں نے کہا: ہاں لا۔ ادھر موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا حال سنئے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی ہر ایک چیز کو دیکھ کر زار و زار روتی اس کی صورت یاد کر کے دل میں دھواں اٹھتا۔ قریب تھا کہ چیخیں مار مار کر روئے اور راز کھل جائے، مگر خدا تعالیٰ نے اس کے دل کو صبر دیا اور وعدہ کیا رنج نہ کر، ہم اس کو پھر تیرے پاس پہنچائیں گے، اتنے میں پھر بیٹی دوڑتی ہوئی آئی کہ اماں جان! مبارک ہو، بھائی کو فرعون کی بیوی نے بیٹا بنالیا چلو تم کو دودھ پلانے کو بلاتے ہیں، وہ خوشی کے مارے جامہ میں نہ سماتی تھی، وہاں جا کر بیٹے کو دیکھ کر دل بے تاب قابو سے نکل چلا تھا، مگر سنبھالا اور اس کو دودھ پلایا، فرعون کی بیوی نے ان کی تنخواہ اور مصارف پرورش مقرر کر کے موسیٰ علیہ السلام کو دے دیا۔

**حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی کا قتل:**...... پس ایک مدت تک موسیٰ علیہ السلام ایوان شاہی میں پرورش پاتے اور شہزادہ کہلاتے رہے جب موسیٰ علیہ السلام خوب جوان ہو گئے تو فرعون کی زیادتیوں اور اپنی قوم کی پریشانی دیکھ کر نہایت غمگین رہتے تھے، آخر ایک روز بازار میں ایک قبطی کسی بنی اسرائیلی کو بیگار پر سخت مار رہا تھا، اس نے موسیٰ علیہ السلام کو سامنے سے آتا دیکھ کر پکارا۔ اور دہائی دی، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ارے! کیوں مارتا ہے اس پر اس نے نہ مانا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو مکا مارا، وہ اتفاقاً مر گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اور اس اسرائیلی نے اس کو ریت میں دبا دیا۔ اگلے روز حسب اتفاق جب موسیٰ علیہ السلام بازار میں گئے تو اسی اسرائیلی کو پھر کسی قبطی سے لڑتے دیکھا۔ پھر اس نے موسیٰ

علیہ السلام کو دیکھ کر چلانا اور دہائی دینا شروع کیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے خفا ہو کر فرمایا کہ تو بڑا بیہودہ ہے اور اس کے دشمن کو ہٹانے کے لئے ہاتھ بڑھایا، یہ احمق اسرائیلی یہ سمجھ کر کہ مجھے مارتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا: لو صاحب! جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر چکے ہیں اسی طرح آج مجھ کو بھی مارنا چاہتے ہیں، اے موسیٰ تو بڑا سرکش اور مفسد ہوا چاہتا ہے، اس سے وہ راز فاش ہو گیا، آخر فرعون کے دربار میں بھی خبر پہنچی کہ لیجئے جس کو تم نے فرزند بنایا ہے، آخر اپنی قوم کا حامی بنا، اور ہمارے ایک آدمی کو مار ڈالا، ہر چند بعض وجوہ سے فرعون پہلے ہی سے موسیٰ علیہ السلام سے بدگمان تھا، مگر اب تو جوش میں آ کر قتل کا حکم دے دیا۔

**حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین کی جانب ہجرت:**...... کسی نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس راز سے مطلع کیا، موسیٰ علیہ السلام اول ہی قتل سے ہراساں تھے، اب تو بہت ڈر گئے، اور مصر سے مشرق کی طرف بھاگ کر چلے گئے۔

بحر قلزم کے پاس مدین ایک شہر تھا، وہاں پہنچے، بھوکے پیاسے ایک درخت کے سایہ میں بیٹھے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ الٰہی! میں تیرا فقیر بندہ ہوں، کچھ مجھ کو عطا کر، وہاں ایک کنواں تھا، دیکھا کہ چرواہے چرس کھینچ کر اپنی بکریوں اور جانوروں کو پانی پلاتے ہیں، اور دو لڑکیاں آنکھیں نیچی کئے کھڑی ہیں۔ ان سے موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تم کیوں نہیں پلاتیں؟ وہ بولیں کہ ہمارے والد بوڑھے ہیں، ہم سے چرس کھیچ نہیں سکتا، جب یہ پلا کر چلے جاتے ہیں تو بچا بچایا پانی ہم بھی اپنی بکریوں کو پلا لیتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کو رحم آیا، بفضل الٰہی شہ زور نو جوان تھے، جس ڈول کو کئی شخص مل کر کھینچتے تھے، اکیلے نے کھینچ کر ان بکریوں کو پانی پلا دیا، اور پھر نیچی نگاہ کر کے درخت کے سایہ میں آ بیٹھے۔

ان لڑکیوں نے جا کر اپنے بوڑھے باپ حضرت شعیب علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام کا حال بیان کیا، اس نے اپنی ایک بیٹی کو بھیجا کہ جاؤ اس مسافر کو بلا لاؤ۔ وہ آئی اور نہایت شرم سے یہ کہا کہ چلئے! آپ کو ہمارے ابا جان بلاتے ہیں، تاکہ آپ کو اس پانی پلانے کا بدلہ دیں، موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے اور سب قصہ بیان فرمایا، انہوں نے سن کر فرمایا: بیٹا! کچھ خوف نہ کر تو ظالموں کے پنجے سے بچ گیا، ان میں سے ایک بولی کہ ابا جان آپ ان کو نوکر رکھ لیں، اس لئے کہ آپ کو قوی اور امانتدار آدمی درکار ہے، شعیب علیہ السلام نے (کہ جس کو یترو ❶ بھی کہتے ہیں) کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں میں سے ایک کا تمہارے ساتھ نکاح کر دوں بشرطیکہ تم ہمارے ہاں آٹھ برس تک رہو اور دس پورے کر دو تو تمہاری مہربانی اور خدا تعالیٰ چاہے تو میں تم کو تکلیف نہ دوں گا، تم مجھ کو بہت اچھا پاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ بہتر، مگر جب میں ان دو مدتوں میں سے کوئی پوری کر دوں گا تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو، جو کچھ میں کہتا ہوں، خدا اس کا گواہ ہے۔ آخر موسیٰ علیہ السلام کا ان میں سے ایک کے ساتھ کہ جس کا نام صفورا تھا، نکاح ہو گیا اور مدت مقررہ تک اپنے خسر کی بکریاں چراتے رہے، اس عرصہ میں ان کے ایک بیٹا بھی پیدا ہوا کہ جس کا نام جیرسوم تھا۔

**حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف:**...... ایک بار موسیٰ علیہ السلام کو وطن کا خیال آیا، اپنی بیوی اور بیٹے کو لے کر چلے، سردی کا موسم تھا، شب میں بیوی کو سردی معلوم ہوئی، موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور ❷ کی طرف آگ کا شعلہ سا دیکھا موسیٰ علیہ السلام نے بیوی سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو، میں جا کر آگ لاتا ہوں، جب وہاں آئے تو کیا دیکھتے ہیں، کہ ایک درخت آگ کا شعلہ بن رہا ہے، مگر جلتا نہیں، (اس پر خدا تعالیٰ کی تجلی تھی، وہ درحقیقت آگ نہ تھی) جب موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس آئے تو اس پاک درخت سے یہ آواز آئی، کہ جو اس آگ

---

❶ عبرانی محاورہ ہے۔ ❷ یہ جگہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آ کر رہے تھے، ملک عرب کے شمالی و مغربی کنارے میں واقع ہے، کیونکہ ملک عرب و مصر کے بیچ میں بحیرہ قلزم فاصل ہے، اس کے مشرق کی جانب عرب کا پرلا کنارہ ملک مصر ہے اور عرب ہی میں ملک مدین اور کوہ طور اور کوہ حوریب ہے، چنانچہ جب مصر سے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو ادھر سے گزرے تھے، منہ۔

کے پاس اور جو اس کے اندر ہے وہ مبارک ہے، اے موسیٰ علیہ السلام! میں اللہ رب العالمین ہوں، میں تیرا خدا ہوں، تو جوتا اتار دے، اس لئے کہ یہ جگہ مقدس ہے (درخت نہیں بولا اور نہ وہ آواز حروف وصوت کے ساتھ تھی، دراصل وہاں تجلی ذاتی ہو کر اس حالت میں موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے۔)

اے موسیٰ علیہ السلام! میں نے بنی اسرائیل کی آواز دردناک سنی اور ان کی آہ وزاری پر مجھ کو رحم آیا، تو ان کے پاس جا اور فرعون سے کہہ تو ان کے ملک میں جانے دے، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: الٰہی میری کون سنے گا؟ فرعون مجھ کو کب مانے گا، خدا تعالیٰ نے فرمایا: تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا: مرا عصا ہے جس سے میں بکریاں ہانکتا ہوں اور بہت سے کام لیتا ہوں، فرمایا: اس کو زمین پر تو ڈال، موسیٰ علیہ السلام نے ڈال دیا، ڈالتے ہی سانپ بن کر پھن پھنانے لگا، موسیٰ علیہ السلام ڈر کے بھاگے، خدا تعالیٰ نے فرمایا، مت ڈر، تجھ کو اس سے خوف نہیں، رسول میرے پاس خوف نہیں کھاتے، تو اس کو پکڑ لے، موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ لگایا، وہ وہیں عصا بن گیا، پھر فرمایا: اپنے ہاتھ کرتے کے گریبان میں ڈال کر باہر لا، وہ باہر لائے تو نہایت سفید ❶ اور روشن ہو کر چمکنے لگا۔ کہا: پھر اس کو گریبان میں ڈال۔ ڈال کر نکالا تو پھر اصلی حالت پر آ گیا، خدا تعالیٰ نے فرمایا، جا میں نے تجھ کو یہ دو معجزے دیئے ہیں، تو فرعون کو اور بنی اسرائیل کو دکھانا کہ وہ تیری تصدیق کریں۔

**حضرت ہارون علیہ السلام کی تشکیل اور فرعون سے مکالمہ:**..... پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: الٰہی مجھ سے ایک فرعونی مارا گیا، میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھ کو اس کے قصاص میں نہ مار ڈالیں، دوم میری زبان میں لکنت ہے، میں اچھی طرح سے بات نہیں کر سکتا، میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو مقرر کر، وہ مجھ سے فصیح ہے، خدا تعالیٰ نے فرمایا: تیرے بھائی کو تیرا قوتِ بازو بنائیں گے، اور ہم تم کو غلبہ دیں گے، تمہارے پاس کوئی آنے نہیں پائے گا، جاؤ، تم کو اور تمہارے تابعداروں کو میں غالب کروں گا، وہاں سے موسیٰ علیہ السلام چلے، راستہ میں ان کے بھائی ہارون علیہ السلام جو ان کی پیشوائی کو کھڑے تھے، ملے۔

پھر بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام نے یہ دونوں معجزے دکھائے، خدا تعالیٰ کا پیغام بشارت القیام سنایا، سب سن کر سجدے میں گر پڑے، نہایت خوش ہوئے، پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بڑی کوشش کر کے فرعون کے دربار میں گئے، اور کہا: ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغام لائے ہیں، آپ مانئے اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر راہ راست پر آیئے، اور بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دیجئے، ان بے کسوں کو تکلیف نہ دیجئے، فرعون نے کہا: خداوند عالم کون ہے؟ میں اس کو نہیں جانتا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا وہ ہے کہ جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا، فرعون کو تعجب ہوا، اور اپنے درباریوں سے کہا: ذرا اپنے رسول کی بات تو سنئے، کیا محال بات کہتے ہیں۔ یہ دیوانہ ہے، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ تم سب کا اور تمہارے باپ دادوں کا رب ہے، یہ سن کر فرعون نے کہا: یہ دیوانہ ہے، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا: بلکہ مشرق اور مغرب کے درمیان جو کچھ ہے، سب کا رب ہے، اس پر فرعون نے نہایت ناراض ہو کر یہ کہا، اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو خدا کہا تو حبس دوام کر دوں گا، اور درباریوں سے کہا: دیکھو! میرے سوا اور بھی کوئی تمہارا خدا ہے؟ اے ہامان! پکی اینٹوں کا ایک بڑا برج بنا، میں اس پر چڑھ کے موسیٰ کے خدا کو دیکھوں گا کہ وہ ہے کہاں؟ اور میں تو اس کو سرے سے جھوٹا اور جادو کا مارا ہوا ہی جانتا ہوں، پھر موسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر یہ کہنے لگا کہ تو وہی ہے نہ کہ جو مدت تک میری روٹیاں کھا کر بڑا ہوا اور میرے ہاں رہا، اور پھر وہ کام کر کے یہاں سے بھاگا کہ جس کو تو خود جانتا ہے۔ میں تجھ پر اے ذلیل! ایمان لاؤں اور تیری قوم ہمیشہ سے ہماری غلامی کرتی رہتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کہ یہ کیا

---

❶..... ید بیضا اسی کو کہتے ہیں، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھا۔ منہ۔

احسان جتلاتے ہو کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے، خیر اچھا! اگر میں آپ کو کوئی معجزہ دکھاؤں تب آپ تصدیق کریں گے۔ اس نے کہا: وہ معجزہ کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو زمین پر ڈال دیا۔ پھر وہ اژدھا بن کر فرعون کی طرف لپکا، فرعون اور اس کے تمام ارکان دولت پریشان ہو کر بھاگنے لگے، موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا۔ وہ پھر عصا ہو گیا۔

**حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے درمیان مقابلہ:**...... فرعون اور اس کے مصاحب پھر بدستور بیٹھے تو موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ آفتاب کی طرح چمکنے لگا، پھر ڈالا تو بدستور سابق ہو گیا۔ یہ دیکھ کر فرعون نے اپنے اہلکاروں اور امیروں سے مخاطب ہو کر کہا، یہ بڑا جادوگر ہے، اس حیلہ سے چاہتا ہے کہ تم کو اس ملک سے باہر کر دے، تمہاری کیا صلاح ہے؟ انہوں نے کہا: آپ بھی اپنے ملک کے بڑے جادوگروں کو جمع کیجئے اور ایک روز مقرر کر کے مقابلہ کرا دیجئے، اور ان کو بھی ایسا ہی کرشمہ دکھا دیجئے، تب فرعون نے ہر ایک شہر میں اشتہار بھیج دیا اور جادوگروں کو بلایا۔ وہ سب روز مقررہ پر جمع ہوئے، اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون علیہما السلام بھی مقابلہ میں آئے اور ایک خلقِ خدا تماشائیوں کی جمع ہوئی، جادوگروں نے فرعون سے عرض کیا کہ اگر ہم غالب آ جائیں تو آپ ہم کو کیا انعام دیں گے؟ اس نے کہا: تم کو اپنا مقرب بناؤں گا۔ تب جادوگروں نے موسیٰؑ علیہ السلام سے کہا: آپ پہلے کرشمہ دکھائیے گا یا ہم دکھائیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: پہلے تم ہی کچھ دکھاؤ۔ جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں اور جو کچھ اسباب طلسم تھا، فرعون کا نام لے کر زمین پر ڈال دیا۔ ہر طرف سے سانپ ہی سانپ دکھائی دینے لگے[1]۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی جھجکے، خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ کیا دیکھا ہے، تو بھی اپنے عصا کو ڈال دے، وہ ڈالتے ہی اژدھا بن گیا اور ان کے سانپوں کو لقمہ کر گیا، تمام تماشائی اور فرعون ڈر کے مارے تر بتر ہو گئے، اور ایک غل مچ گیا، موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا، وہ پھر عصا ہو گیا۔

**جادوگروں کا اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لانا:**...... جادوگروں نے جب دیکھا کہ یہ کام جادو کی طاقت سے بڑھ کر ہے، وہ صدا سے دل میں ڈر گئے، اور سجدہ میں زمین پر گر گئے، اور کہنے لگے: ہم رب العالمین پر کہ جو موسیٰؑ اور ہارون علیہما السلام کا رب ہے، ایمان لائے۔ فرعون کو اس معاملہ سے بڑی خجلت ہوئی، غصہ میں آ کر جادوگروں سے کہا: تم میری اجازت سے پیشتر کیوں ایمان لائے؟ بیشک یہ (موسیٰ علیہ السلام) جادو میں تمہارا استاذ ہے۔ تم نے باہم اتفاق کر کے یہ مکر بنایا تا کہ یہاں کے باشندوں کو باہر نکال دو۔ اب دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں، تمہارا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ کر درختوں پر لٹکاتا ہوں تا کہ تم کو معلوم ہو ہم میں سے کون زیادہ اور دائمی عذاب کر سکتا ہے۔ وہ بولے: کچھ پرواہ نہیں، آخر ہم کو اس کے پاس جانا ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اس وجہ سے کہ، سب سے پہلے ہم ایمان لائے، گناہ معاف کر دے گا، اور ہم تجھ کو اس سے کہ جس نے تم کو پیدا کیا اور جس نے ہم کو اپنی نشانیاں دکھائیں، عزیز نہیں جانتے، فرعون نے ان ایمانداروں کو بڑی تکلیف سے قتل کیا، مگر وہ بڑی ثابت قدمی سے اپنے ایمان پر قائم رہے، اور یہ دعا کرتے رہے: الٰہی! ہم کو صبر دے اور ایمان سے ہمارا خاتمہ کرنا۔

**بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم ومصائب میں اضافہ اور اہل مصر پر آزمائشوں کا نزول:**...... اس کے بعد فرعون نے

---

[1]: ...... رسیوں اور عصا کا سانپ بن جانا اور لہرانا خلاف عقل بات معلوم ہوتی ہے مگر ہزار ہا اسرار قدرت ایسے ہیں کہ جن کے اسباب خفیہ تک عقول عام کو رسائی نہیں اس لئے حیرت خیز معلوم ہوتے ہیں، انکار کی کوئی بات نہیں، لطف یہ ہے کہ جیسا ساحروں کا فعل تھا ان کے مقابلہ میں اسی قسم کا مگر ان سے بڑھ کر قوت روحانیہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کام کیا اور یہ حق و باطل میں امتیاز کرنے کی غرض سے تھا۔ منہ

غصہ میں آ کر اور بھی بنی اسرائیل کو تکلیفیں دینی شروع کیں، پہلے تو اینٹوں کے لئے بھس بھی ملتا تھا، اب تو یہ بھی موقوف کیا، اور کہا: کہ جاؤ تم خود کہیں سے بھس تلاش کر کے لاؤ اور اسی قدر اینٹیں بنا کر دو۔

بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا: اے موسیٰ! ہم کو تیرے آنے سے پیشتر ہی بہت کچھ ایذائیں دی جاتی تھیں، اب تو اور بھی مصیبت میں پڑ گئے، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: صبر کرو، ملک اللہ کا ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور انجام کار خدا ترس فلاح پاتے ہیں۔ عنقریب تمہارا رب تم کو وہ زمین عطا کرے گا کہ جس میں برکت ہے اور طرح طرح کے میوے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر فرعون سے کہا: دیکھ! بنی اسرائیل کو جانے دے، اور انہیں تکلیف نہ دے، ورنہ خدا تعالیٰ مصر کے پانی کو خون کر دے گا، تو اور تیری رعیت بڑی تکلیف پائے گی، اس نے نہ مانا، اور موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو فرمایا کہ دریائے نیل پر اور ہر ایک نہر اور تالاب پر عصا مار۔ انہوں نے مارا تو وہ سب پانی خون ہو گیا، اور دریا کی مچھلیاں مر گئیں، اور سات روز تک یہی تکلیف جاری رہی، مگر اس سنگدل پر اثر نہ ہوا، اور اس کے بعد پھر بحکم تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو پیغام بھیجا کہ دیکھ! اب بھی بنی اسرائیل کو چھوڑ دے، خدا تعالیٰ پر ایمان لا، ورنہ خدا مینڈکوں کی مصیبت تم پر بھیجے گا، اس نے اس کو بھی نہ مانا تو موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو کہا کہ دریا، نہروں اور تالابوں پر اپنا عصا مار، انہوں نے مارا، تو بے شمار مینڈک چڑھ آئے، اور مصر کی زمین چھپا دی۔ کھانے، پینے، بستر، ہر جگہ مینڈک ہی مینڈک دکھائی دیتے تھے، فرعون نے تنگ ہو کر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بلا کر منت کی کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اس بلا کو دفع کر دے، اگر ایسا ہوا تو میں بنی اسرائیل کو جانے دوں گا۔ اور خدا تعالیٰ پر ایمان لاؤں گا۔

**اہلِ مصر پر جوؤں کے ذریعے عذاب:**...... پس موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، وہ سب مر گئے، اور ان کے تودے لگا دئے گئے، اور زمین سڑ گئی، جب فرعوم کو مہلت ملی، تو وہ پھر برگشتہ ہو گیا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خدا ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنا عصا زمین پر مار۔ انہوں نے مارا تو تمام جگہ جوئیں ہی جوئیں ہو گئیں، سب لوگ عاجز آ گئے، مگر اس سنگدل نے پھر بھی نہ مانا، پھر خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ کل صبح فرعون دریا پر آئے گا، تو راستہ میں اس سے مل کر یہ کہہ کہ خدا فرماتا ہے میرے بندوں کو چھوڑ دے ورنہ میں تیرے ملک میں مچھروں کو مسلط کروں گا اور سوائے زمین جشن کہ جہاں بنی اسرائیل رہتے ہیں، سب تکلیف پائیں گے، اس نے نہ مانا اور خدا تعالیٰ نے یونہی کیا، جس سے فرعون اور اس کے گھر والے اور تمام اہل مصر چیخ اٹھے، تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بلا کر کہا کہ اچھا! باہر جا کر کیا کرو گے، جس کے لئے تم باہر جانا چاہتے ہو، یعنی قربانی، سو تم اپنے خدا کے لئے یہیں کرلو، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا، کس لئے کہ اہل مصر گائے اور بیل کو پوجتے ہیں، اگر ہم اسی جگہ ان کے اپنے خدا کے لئے قربانی کریں گے تو وہ ہم پر پتھراؤ کر ڈالیں گے، ہم تین دن کی راہ بیاباں میں جا کر جس طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے، قربانی کریں گے، تب فرعون نے کہا: اچھا یونہی سہی، مگر بہت دور نہ جانا، اور میرے لئے اپنے خدا سے دعا کرو، کہ وہ اس بلا کو ٹالے، موسیٰ علیہ السلام نے دعاء کی، وہ سب دفع ہو گئے، فرعون مہلت پا کر پھر پھر گیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے بحکم الٰہی پھر فرعون سے درخواست کی اور کہا: اگر نہ مانے گا تو خدا تعالیٰ تمہارے مویشی میں موت بھیجے گا، چنانچہ اس نے نہ مانا، تو خدا تعالیٰ نے ایسی مری بھیجی کہ مصریوں کے تمام جانور مر گئے، گھوڑا، گدھا، اونٹ، بیل، کچھ نہ بچا۔ مگر بنی اسرائیل کا ایک جانور بھی نہ مرا۔ اس پر بھی فرعون نہ مانا۔ پھر خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بھٹی کی تھوڑی سی آگ لے کر آسمان کی طرف اڑا دو، انہوں نے اڑا دی جس سے ملک مصر میں تمام آدمیوں اور جانوروں کے بدن پر پھوڑے اور پھنسیاں اس کثرت سے پیدا ہوئیں، کہ الامان، مگر پھر بھی فرعون نہ مانا، پھر خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ فرعون کو جا کر کہہ، وہ تجھے راستہ میں ملے گا، کہ بنی اسرائیل کا خدا تعالیٰ تجھ کو فرماتا

ہے کہ تو ایمان لا اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دے ورنہ میں سخت وبا بھیجوں گا، اب تو اپنے تکبر سے باز نہیں آتا، دیکھ کل میں بڑے بڑے اولے برساؤں گا، کہ آج تک ابتداء مصر سے کبھی نہ برسے، اے موسیٰ! اپنے لوگوں کو خبر کردے کہ میدان میں جو کچھ ان کا مال اور جانور ہیں، ان کو گھر میں لے آئیں، پس وہ لائے، اور فرعون کے نوکروں میں سے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے تھے، وہ بھی لائے، پھر موسیٰ علیہ السلام نے بحکم الٰہی اپنا عصا آسمان کی طرف اٹھایا، تو ابر نمودار ہوا، اور ہیبت ناک کڑک اور بجلی پیدا ہوئی اور ایسے بڑے بڑے اولے پڑے کہ جس سے چرند و پرند، انسان وحیوان، درخت اور کھیتی سب کا ستیاناس ہوگیا، مگر جشن میں اولے نہ پڑے، تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بلا کر کہا: بیشک میں نے گناہ کیا، خدا عادل ہے، تم دعا کرو کہ پھر اس طرح نہ گرجے اور اولے برسیں، تب میں تمہیں جانے دوں گا۔

**اہل مصر پر ٹڈیوں کے ذریعہ عذاب:**......پس موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، وہ بلا دفع ہوگئی، مگر فرعون سرکش ہوگیا، پھر خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ فرعون کو کہہ کہ دیکھ کہ اب بھی باز آ اور میرے بندوں کو جانے دے، اور میرے آگے عاجزی کر، ورنہ میں تمام مملکت مصر میں ٹڈیاں بھیجوں گا اور جو کچھ اولوں میں باقی رہ گیا ہے، اس کو بھی چاٹ جائیں گی، جب وہ یہ کہہ کر وہاں سے نکلے، تو وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ فرعون کی قوم اور نوکروں میں سے بعض لوگوں نے فرعون کو سمجھایا، کہ جانے دیجئے، دیکھئے مصر اجڑ گیا، بالخصوص ایک دین دار نے کہ جو اپنا ایمان مخفی رکھتا تھا، یہ کہا کہ تم ایسے شخص کو (کہ جس کے بہت سے معجزات دیکھ چکے ہو) اس گناہ پر قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کو اپنا رب کہتا ہے، صاحبو! اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا وبال اس پر پڑے گا، ورنہ جو وہ کہہ رہا ہے، وہ بلا تم پر نازل ہوگی، اور آج تم کو خدا تعالیٰ نے ملک اور زور دے رکھا ہے، اگر تم پر کوئی عذاب نازل ہوگیا تو مجھ کو اس کا رفع کرنے والا بھی دکھائی نہیں دیتا، فرعون نے کہا: جو کچھ میری رائے میں آتا ہے وہی صواب ہے اور میں تم کو بھلائی کا راستہ بتاتا ہوں، اس دین دار نے کہا کہ مجھ کو تو اس قوم کی بربادی دکھلائی دے رہی ہے، جس طرح کہ عاد و ثمود اور قوم نوح وغیرہ ہم تباہ ہوگئے، تم بھی ہوجاؤ گے، اور خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا، اور مجھ کو ایک شدنی بربادی کا خوف ہے جس دن کہ تم پسپا ہو کر بھاگو گے۔ پھر کوئی خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے بچانے والا نہیں اور تمہاری سمجھ میں میری نصیحت نہیں آتی، اس لئے کہ جن کو خدا برباد کرنا چاہے تو پھر ان کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اسی طرح فرعون کی بیوی دیندار، فرعون کی حرکات سے نالاں تھی، آخر اس نے دعا کی کہ الٰہی! مجھ کو فرعون اور اس کی تکلیف سے نجات دے اور اپنے پاس بلا کر جنت میں رکھ۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس کی دعاء قبول کی۔

القصہ فرعون نے کہا اچھا! مرد چلے جائیں اور جا کر قربانیاں کریں، اور سب کچھ یہیں رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، یوں نہیں، بلکہ سب کچھ لے کر جائیں گے، اس پر فرعون خفا ہوا اور دھکے دے کر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو دربار سے نکلوا دیا، تو موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خدا تعالیٰ اپنا عصا اٹھایا تو خدا نے تمام دن اور رات پروا آندھی چلائی اور اگلے روز صبح ہوتے ہی بے شمار ٹڈیاں آئیں اور تمام روئے زمین کو ڈھانک لیا اور تمام ملک مصر میں کسی درخت پر اور کسی میدان کی گھاس میں سبزی نہ چھوڑی، تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو جلد بلایا اور کہا کہ میں تمہارے خدا کا اور تمہارا گناہ گار ہوں، سو میں منت کرتا ہوں اس مرتبہ میرا گناہ بخشوا دو اور اپنے خدا سے دعاء کرو کہ اس بلا کی سے نجات دے۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور تمام ملک میں ایک ٹڈی نہ رہی، لیکن فرعون پھر سرکش ہوگیا۔

**حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے بد دعا:**......پھر خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف لمبا کر تا کہ ملک مصر میں تاریکی ہو ایسی تاریکی کہ ایک کو دوسرا نظر نہ آئے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کیا اور تین روز تک ملک مصر میں ہمیشہ اندھیرا رہا تب فرعون

موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کو بلا کر کہا کہ تم اور تمہارے بچے جائیں اور گلے اور گائے بھینسیں سب یہیں رہیں، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہ مجھے منظور نہیں، بلکہ ایک جانور بھی یہاں نہ چھوڑا جائے گا۔ اس پر فرعون بہت خفا ہوا اور کہا: میرے سامنے سے چلا جا، پھر کبھی مجھے اپنا منہ نہ دکھانا، ورنہ مارا جائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: بہتر، اب میں تیرا منہ نہ دیکھوں گا۔

پھر خدا تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: الہ العالمین! آپ نے تو فرعون اور کی قوم کو مال و زینت دنیا میں دے رکھی ہے کہ جس سے وہ اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، الٰہی ان کے مال کو تباہ کر دے اور ان کے دلوں پر سخت صدمہ پہنچا، یہ بغیر اس بات کہ کوئی عذاب الیم دیکھیں، ہرگز ایمان نہ لائیں گے، خدا نے فرمایا: تمہاری دعاء قبول ہوئی، اس نے بہت سے معجزے دیکھے اور ایمان نہ لایا۔ دیکھ! اب میں ان پر ایک ایسی بلا نازل کرتا ہوں کہ جس سے کلیجہ تھام کر رہ جائیں اور اس کے بعد خود بخود تمہیں یہاں سے نکالیں گے، مگر تم اس مہینے کی دسویں تاریخ اپنے گھروں کو قبلہ ➊ بناؤ اور فی گھر ایک بکرا بے عیب لے کر چودھویں تک رکھ چھوڑنا اور شام کو اس کو ذبح کر کے خدا کے نام پر بھون کر کھا جانا، یہ تمہاری عبادت اور عید فسح ہے۔ اور اس بکرے کے خون سے دروازوں کو نشان کر دینا اور اس سے پیشتر ہر ایک شخص اور ہر ایک عورت چاندی اور سونے کے برتن اور زیور عاریۃ لے اور میں مصریوں کی آنکھوں میں تم کو عزیز کر دوں گا، وہ تمہیں دیں گے۔ پس اس رات کو خدا تعالیٰ کا فرشتہ مصر میں گزرے گا۔ جس کا گھر قبلہ نہ ہوگا یعنی عید فسح کا نشان خون نہ ہوگا، اس گھر میں ہر ایک انسان اور حیوان کا پہلوٹھا مرے گا۔ چنانچہ جب سب بنی اسرائیل نے ایسا کیا تو آدھی رات کو خدا تعالیٰ کا فرشتہ ملک الموت مصر میں آیا، جس سے امیر سے لے کر فقیر تک اور انسان سے لے کر حیوان تک سب کا پہلا بچہ مر گیا۔ اور مصر میں گھر گھر میں ایک سخت کہرام برپا ہو گیا کہ نہ ایسا کبھی ہوا تھا اور نہ ہوا گا۔ تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بلایا اور کہا کہ اٹھو اور میرے لوگوں میں سے نکل جاؤ اور تمام بنی اسرائیل جائیں اور اپنے گلے اور مواشی بھی ساتھ لے جائیں، اور اپنے خدا کی قربانی کریں اور میرے لئے بھی برکت چاہیں اور مصری یہ سمجھ کر کہ یہ یہاں سے نہ جائیں گے تو ہم سب مر جائیں گے ان لوگوں کے نکالنے میں بڑی سختی کرتے تھے، اس لئے ان لوگوں نے آٹا گندھا ہوا پیشتر اس سے کہ وہ خمیر ہو، آٹے کو لگنوں سمیت کپڑوں میں باندھ کر اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔

**فصل ۲: ......بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی:** ......اور یوسف علیہ السلام کی ہڈیوں کو بھی ساتھ لیا، کیونکہ انہوں نے تاکید کر دی تھی، کہ میری ہڈیوں کو بھی ساتھ لے جانا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کی اسی اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کی تراسی برس کی عمر تھی۔ پس بنی اسرائیل نے رعمیس سے سکات ➋ تک اول منزل کی اور سیدھا راستہ فلسطین کا کہ مشرق و شمال کی طرف سے تھا، چھوڑ دیا اور قلزم کی طرف مشرق کے رخ بیابان میں پڑ گئے، بنی اسرائیل مرد و زن کئی لاکھ آدمی تھے، پھر سکات سے روانہ ہوئے اور ایتام میں اتر پڑے۔ اور وہاں سے کوچ کر کے فی ہخیروت میں بعل صفون کے مقابل کہ جو بحیرہ قلزم پر واقع تھا۔ مقام کیا۔ اس عرصہ میں شاہ مصر کو خبر کر دی گئی کہ وہ لوگ بھاگ گئے ہیں، تب اس نے اپنی گاڑیاں جوتیں جو چھ سو تھیں اور مصر کی عمدہ گاڑیاں لیں اور اس پر سرداروں کو بٹھایا اور لشکر پیادہ و سوار بیشمار لے کر ان کے پیچھے دوڑا، اور بنی اسرائیل کو خیمے کھڑے کرتے ہوئے جا لیا۔ جب بنی اسرائیل نے دیکھا تو بڑے ہراساں ہوئے، اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا: کیا مصر میں قبروں میں جگہ نہیں تھی جو تو وہاں سے ہم کو بیابان میں مرنے کے لئے لایا؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: خوف نہ کرو خدا تمہارے

---

➊ ...... واجعلوا بیوتکم قبلۃ کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اس کے یہی معنی کرتے ہیں کہ بکروں کے خون سے دروازں کو رنگ دو، جیسا کہ توراۃ میں ہے، اس تقدیر پر قبلہ کے معنی علامت ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اپنے گھروں کو ایک دوسرے کے سامنے قائم کرو تا کہ خدا پرستوں کی جماعت کی یک جہتی معلوم ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ: اس تاریخ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیں۔ کس لیے کہ باہر نکل کر مجتمع ہو کر عبادت کرنے میں فرعونیوں کے حملہ کا اندیشہ ہے۔ واللہ اعلم۔ ➋ ...... یہ قدیم شہر تھا کہ جہاں بنی اسرائیل اور فرعون رہتے تھے۔ آج کل یہ برباد ہے، کچھ نشان باقی ہیں۔ منہ۔

ساتھ ہے۔ تب خداوند نے کہا: اے موسیٰ! تو کیوں میرے آگے نالہ کرتا ہے؟ بنی اسرائیل سے کہہ کہ وہ آگے چلیں۔ تو اپنا عصا اٹھا اور دریا پر مار اور اس کو دو حصہ کر۔ بنی اسرائیل دریا کے بیچوں بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہو کر گزر جائیں گے۔ اور فرعون کے لشکر اور بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ایک بدلی بھیجی کہ جس سے اندھیری ہو گئی، ایک لشکر دوسرے لشکر کے نزدیک نہ آیا اور موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا، کیا اور دریائے قلزم کے دو حصہ ہو گئے، اور بنی اسرائیل دریائے قلزم کے بیچ سے سوکھی زمین پر ہو کر گزرے اور پانی کی ان کے دائیں بائیں بڑی دیوار تھی اور فرعون اور اس کا لشکر پیادہ اور سوار پیچھا کئے ہوئے دریا کے بیچوں بیچ تک آئے اور خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا پھر دریا پر اپنا عصا مار۔ انہوں نے مارا تو پھر دریا اپنی اصلی حالت میں آ گیا اور پانی نے سب کو چھپا لیا اور سب ڈوب مرے (توراۃ) ڈوبتے ہوئے فرعون نے کہا: میں خدائے بنی اسرائیل پر ایمان لایا، (فرشتہ نے کہا: اب ایمان لاتا ہے؟) فرعون اور اس کے لشکر کی لاش بحیرہ قلزم کے کنارے پر بنی اسرائیل نے دیکھی۔

**بنی اسرائیل کے فرعون سے نجات پانے کے بعد کے مختصر حالات:**...... واضح ہو کہ ملک مصر اور عرب کے بیچ میں سمندر کی ایک شاخ سی ہے، جس کو بحیرہ قلزم کہتے ہیں، اس کے مشرق کی طرف جو ملک ہے، اس کو عرب کہتے ہیں، اور جس مغرب کی طرف ہے، اس کو مصر اور افریقہ کہتے ہیں، یہ شاخ شمال کی طرف دور تک چلی گئی ہے، جدہ اور مکلہ اور ینبوع وغیرہ بندر اسی کے مشرقی کنارہ پر ہیں۔ آخر میں جا کر پھر اس کی دو شاخیں ہو گئیں ہیں، ایک مغرب کی طرف جھک گئی ہے اور وہ لمبی ہے اور اس کے آخر پر سوئیز اور اسکندریہ وغیرہ شہر آباد ہیں دوسری شاخ مشرق کی طرف مائل ہے، وہ چھوٹی ہے، بڑی شاخ کو کھود کر شمال کی طرف جو ایک اور سمندر ہے جس کو بحیرہ روم کہتے ہیں، اس میں ملا دیا گیا ہے۔ اس کو نہرہ سوئز کہتے ہیں۔ بنی اسرائیل اگر شمال کی طرف سیدھے جا کر پھر گوشۂ مشرق و شمال کی طرف ہو لیتے تو قلزم راستہ میں نہ ملتا، مہینہ دو مہینہ میں ملک کنعان میں پہنچ جاتے مگر خدا تعالیٰ کو تو کوہِ طور پر اپنا جلوہ دکھانا اور توراۃ دینا منظور تھا۔ اسی لئے بنی اسرائیل نے اس کی طرف رخ کیا۔ القصہ بنی اسرائیل قلزم عبور کر کے اس بیابان میں پڑ گئے کہ جو مثلث کے طور پر آپ کو نقشہ میں دکھائی دیتا ہے۔ اس میں حوریب اور طور سینا پہاڑ ہیں اور یہ جنگل لق و دق بیابان تھا۔ پس قلزم سے کوچ کر کے تین دن تک شور کے میدان میں چلے اور پانی نہ ملا اور جب وہ مارہ میں آئے تو وہاں کا پانی تلخ تھا۔ اس کو پی نہ سکے، سب مضطرب ہو گئے۔ تب خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک درخت بتایا کہ اس کو پانی میں ڈال دے، یہ شیریں ہو جائے گا۔ چنانچہ شیریں ہو گیا۔ اور ایک قوم کو بت پرستی کرتے ہوئے انہوں نے دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہا: جس طرح ان کے معبود ہیں، ہمارے بھی بنا۔ موسیٰ علیہ السلام نے خفا ہو کر فرمایا: تم بڑے نادان ہو۔

**بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کھانے کا مطالبہ:**...... پھر وہاں سے کوچ کر کے ایلیم میں آئے جہاں پانی کے بارہ چشمے اور ستر درخت کھجور کے تھے۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر خروج سے دوسرے مہینے کی پندرہویں تاریخ کو سین کے بیابان میں اور بنی اسرائیل بھوک کے مارے چلائے کہ اس سے تو بہتر یہی تھا کہ ہم مصر ہی میں مارے جاتے جہاں گوشت کی ہانڈیوں کے پاس بیٹھتے تھے اور من بھر کے روٹیاں کھاتے تھے۔

تب خدا تعالیٰ نے بٹیریں بھیجیں کہ جن کو سلویٰ کہتے تھے وہ ان کے خیموں کے پاس بے شمار آ پڑیں اور صبح کو اوس پڑی جس سے گول گول سفید برف کی مانند چھوٹے دانے پڑے ہوئے نظر آئے کہ جو کھانے میں نہایت شیریں تھے کہ جن کو مَن کہتے ہیں، خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارے لئے روٹیاں ہیں اور وہ گوشت ہے۔ ہر شخص اپنے روز کی خوراک جمع کرے اور جمعہ کو دو دن کی کیونکہ ہفتہ کے روز کہ جس کو سبت کہتے ہیں، کوئی جمع نہ کرے۔ اس دن کی تعظیم واجب جانے مگر بنی اسرائیل نے نہ مانا۔ اس پر خدا ناراض ہوا۔ یہ من وسلویٰ

بنی اسرائیل چالیس برس تک کہ جب تک ملک کنعان میں نہ بسے، کھاتے رہے۔ اور خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایک مرتبان میں کچھ من بھر کر ایک صندوق میں رکھ چھوڑے تاکہ پچھلی نسلوں کے لئے یادگار رہے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

**بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا مطالبہ:**...... پھر وہاں سے کوچ کر کے رفیدیم میں ڈیرہ کیا۔ وہاں لوگوں کے پینے کو پانی نہ تھا۔ لوگ موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑنے لگے کہ تو نے ہمیں لاکر کیوں خراب کیا؟ تب موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے فریاد کی۔ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ حوریب پہاڑ کی ایک چٹان پر اپنا عصا مار۔ چنانچہ سب لوگوں کے روبرو اپنا عصا اس چٹان پر مارا تو بارہ چشمے بہ تعداد اسباط بنی اسرائیل اس سے بہہ نکلے۔ اس جگہ قوم عمالیق ❶ بنی اسرائیل پر چڑھ آئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خدا یوشع کو حکم دیا کہ تو بنی اسرائیل کے مردان جنگی کو لے کر مقابلہ میں جا اور خود ہارون علیہ السلام کو لے کر دعاء کرنے پہاڑ پر چڑھے۔ جب تک دعا میں ہاتھ اٹھے رہتے تھے تو بنی اسرائیل فتح پاتے تھے اور جب لٹکا دیتے تھے تو عمالیق غالب ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ بھاری ہو گئے۔ آخر بنی اسرائیل نے فتح پائی اور موسیٰ علیہ السلام نے وہاں ایک قربان گاہ بنائی۔ موسیٰ علیہ السلام کے سسر یترو کو کہ جن کو شعیب اور عوایل بھی کہتے ہیں، یہ خبر ملی تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی بیوی صفورا اور دونوں بیٹوں جیرسم اور الیعذر کو ساتھ لے کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔ موسیٰ علیہ السلام استقبال کو گئے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو صلاح دی کہ تم جو دن بھر بنی اسرائیل کی عدالت کرتے ہو، تھک جاؤ گے۔ اس لئے اپنے نائب مقرر نہیں کر دیتے؟ اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے ویسا ہی کیا۔ تب موسیٰ علیہ السلام کے سسر چلے گئے پھر خروج سے تیسرے مہینے میں بنی اسرائیل سینا کے بیابان میں آئے جہاں کہ کوہ طور کہ جس کو کوہ سینا اور طور سین بھی کہتے ہیں اور پہاڑ کے آگے خیمہ کھڑا کیا گیا اور موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر بلائے گئے۔ وہاں خدا نے ان سے کلام کیا کہ تم بنی اسرائیل سے کہو کہ تم نے دیکھا کہ میں تم کو کس طرح ظالم کے پنجے سے نکال لایا اور میں نے مصریوں کے ساتھ کیا کیا۔ اگر تم میرے حکموں کو مانو گے اور میرے عہد پر ثابت رہو گے تو میں تمہیں برکت دوں گا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے آکر یوں ہی لوگوں سے کہا۔ انہوں نے کہا کہ جب تک ہم عیاناً خدا کو نہیں دیکھ لیں گے، کبھی اس پر ایمان نہ لائیں گے تب خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ دو روز تک نہائیں دھوئیں، پاک و صاف بنیں۔

تیسرے روز میں کوہ طور پر تجلی کروں گا، مگر کوئی شخص پہاڑ پر نہ چڑھے اور اپنی سرحد کو نہ چھوڑے ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔ تیسرے روز پہاڑ پر کالی گھٹا اُمڈی اور اس زور و شور سے کڑک ہوئی اور بجلی آئی کہ سینکڑوں دم فنا ہو گئے اور جلال الٰہی شعلہ کی صورت میں نمودار ہوا۔ لوگوں نے ڈر کر عاجزی کی کہ اے موسیٰ! تو جو کچھ خدا کے احکام لائے گا، ہم مانیں گے۔ خدا تعالیٰ نے ان مردوں یا بیہوش کو زندہ یا ہوشیار کر دیا، اپنا فضل کیا۔

**بنی اسرائیل کے لئے دس احکامات:**...... پھر موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر گئے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھ! میں تجھ کو دس احکام دیتا ہوں۔ (۱) کسی جاندار کی صورت نہ بنانا، نہ اس کو سجدہ کرنا۔ (۲) خدا تعالیٰ کے نام کی تعظیم کرو، بے فائدہ نام نہ لو۔ (۳) سبت کے دن کی تعظیم کرو۔ چھ روز کام کرنا مگر ساتویں روز کوئی کام نہ کرنا۔ (۴) ماں باپ کی تعظیم کرنا۔ (۵) خون نہ کرنا۔ (۶) زنا نہ کرنا۔ (۷) چوری نہ کرنا۔ (۸) اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی نہ دینا۔ (۹) اپنے ہمسایہ کے گھر کا لالچ نہ کرنا۔ (۱۰)

اپنے ہمسایہ کی جورو اور اس کی لونڈی اور اس کے مواشی اور دیگر چیز کا لالچ نہ کرنا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے احکام عبادت و سیاست دے کر موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے بھیجا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ پہاڑ پر ستر آدمی لے کر آئے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام ہارون اور ندب اور

---

❶ ...... عمالیق، الیفز کا بیٹا اور عیسیٰ کا پوتا تھا اور حضرت اسحٰق کا پڑپوتا ہے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ عمالیق اور دیگر اولاد ابراہیم علیہ السلام ملک کنعان اور اس کے اطراف میں بڑے شہ زور تھے۔ عمالیق کی نسل بھی جنگجو تھی، جن کو عمالقہ کہتے ہیں۔

ابیہو وغیرہ ستر بزرگ اسرائیلیوں کو خدا تعالیٰ کے ملانے کو پہاڑ پر گئے اور وہاں پر انہوں نے تجلی الٰہی کو ملاحظہ کیا جس سے ان کا دل یقین اور ایمان سے منور ہو گیا اور اسرائیل سے آ کر انہوں نے بیان کیا۔

---

اس نقشہ نمبر (۱) میں بحر قلزم کی جو آخر پر جا کر دو شاخیں ہو گئی ہیں ان کے درمیان کوہ طور ہے اور بڑی شاخ کو عبور کر کے بنی اسرائیل گزرے ہیں۔ اور پھر اسی میدان میں چالیس برس تک ٹکراتے پھرے ہیں۔ جہاں اب قاہرہ ہیں۔ پہلے اس کے قریب شہر عمسیس تھا جہاں سے بنی اسرائیل نے کوچ کیا اگر وہ کنارہ کنارہ بحر روم کے ملک فلسطین سے ہو کر یروشلم وغیرہ بلاد شام میں آتے تو جلد آ سکتے تھے۔ مگر منظور الٰہی یوں ہی تھا۔ ہم نے نقشہ نمبر (۲) میں اس میدان کو جدا دکھایا ہے اور جہاں سے بنی اسرائیل گزرے ہیں وہاں نقطے لگا دئے ہیں۔

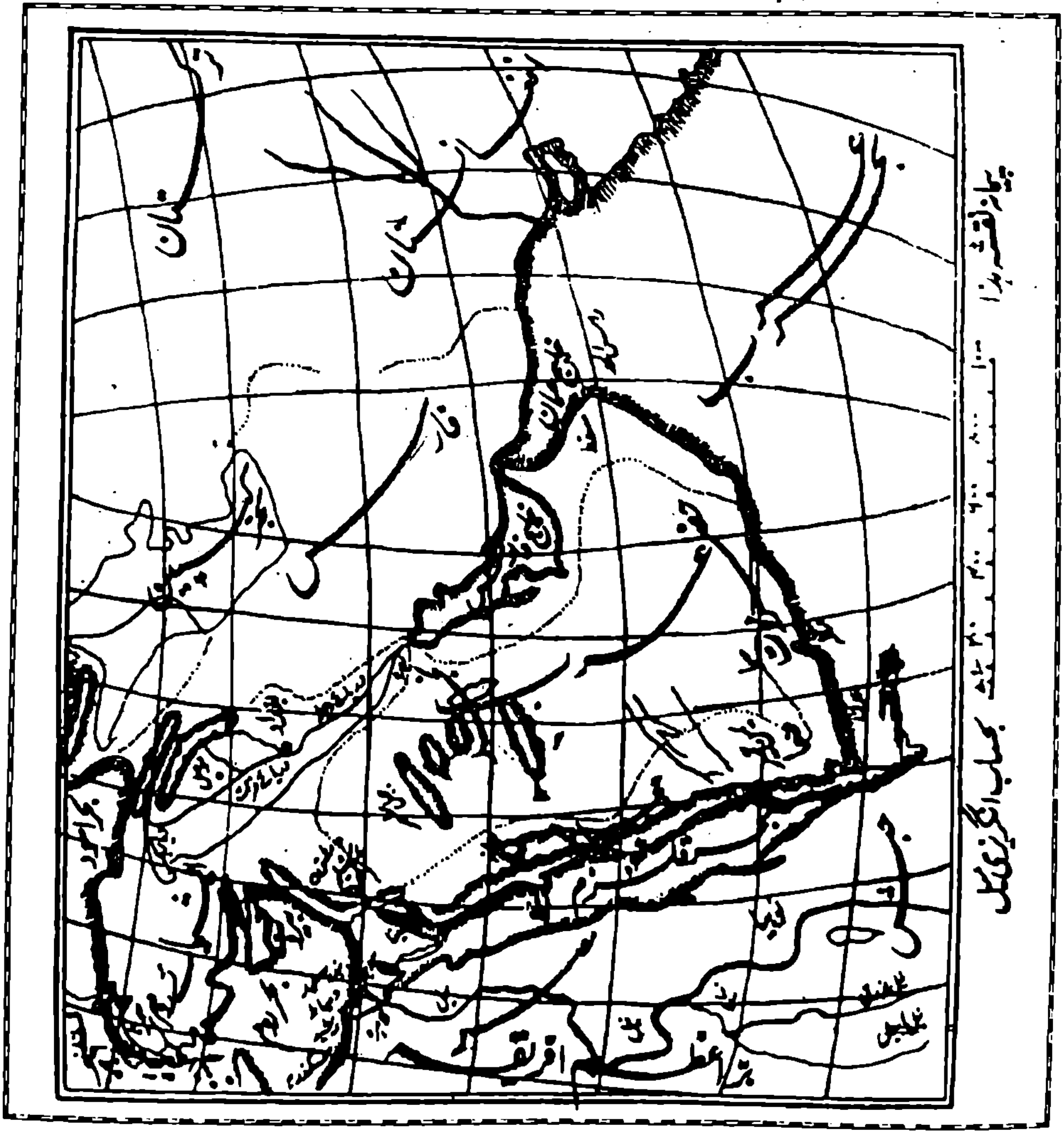

**حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار خداوندی کا مطالبہ:** ......اور خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ پہاڑ پر مجھ پاس آ اور تیس روز یہاں آ کر گزار۔ ہم تجھ کو توراۃ عنایت کریں گے۔ تب موسیٰ علیہ السلام وہاں گئے اور ہارون علیہ السلام کو کہہ گئے کہ میرے بعد میری طرف سے نیابتاً سب کام کرنا۔ وہاں موسیٰ علیہ السلام کو چالیس رات رہنے کا اتفاق ہوا۔ ان چالیس روز میں جب تمام ظلمات ہیولانی دور ہو گئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے دیدار کا سوال کیا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا: مجھے تُو ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ میں اس پہاڑ پر اپنی تجلی کرتا ہوں، اگر وہ قائم رہا تو تُو مجھ کو دیکھے گا۔ پھر جب خدا تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی کی تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو کہا: الٰہی! تو بہ، تو

بحر روم

پاک ہے اور سب سے پہلے میں تجھ پر ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے لوحیں ملیں کہ جن میں احکام الٰہی تھے یا خاص احکام عشرہ یا اور بھی اور اس کے ساتھ جانوروں کی حلت اور حرمت اور قربانی کے دستورات اور ہارون علیہ السلام کے لئے امامت اور لباس کے قیودات اور سونے کے چمچے وغیرہ لوازمات کا تیار کرنا اور دیگر احکامات عطا ہوئے اور یہ مجموعہ ایک کتاب الٰہی تھی کہ جس کو توراۃ کہتے ہیں، دراصل یہی توراۃ تھی اور اب جو کچھ ہے وہ کسی مؤرخ کی تاریخ معلوم ہوتی ہے جس میں بعض باتیں غلطی سے خلاف عقل و نقل بھی مندرج ہیں۔ یہ نہیں معلوم کہ توراۃ کس چیز پر لکھی ہوئی تھی۔ کچھ تعجب نہیں کہ کپڑے یا کسی اور چیز کاغذ وغیرہ نرم چیز پر تھی کہ جس کو تہہ کر کے صندوق شہادت میں رکھ دیا تھا والعلم عند اللہ۔

**بنی اسرائیل کا گؤ سالہ کی پرستش کرنا:**...... ادھر تو پہاڑ پر موسیٰ علیہ السلام کو یہ کچھ ملا، ادھر ایک شخص نے کہ جس کا نام سامری تھا، لوگوں سے سونے کا زیور مانگ کر ایک بچھڑا ڈھالا اور چونکہ مصر کے لوگ بیل اور بلی وغیرہ جانوروں کی پرستش کرتے تھے اور اس کو اپنی زبان میں ایبس کہتے تھے، اس خیال سے بنی اسرائیل بھی اس بچھڑے کو پوجنے لگے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں گانے بجانے کہ جو بچھڑا کے آگے گایا جارہا تھا، غل وشور تھا۔ یہ دیکھ کر غصہ میں آگ ہو گئے اور لوحیں ڈال دیں اور ہارون علیہ السلام کی داڑھی پکڑ لی اور کہا: تم نے یہ کیا خرابی کی، ان کو کیوں منع نہیں کیا؟ ہارون علیہ السلام نے عذر کیا کہ یہ ساری بدعت سامری بدبخت کی ہے اور میں کچھ بولتا تو لوگ مجھے مار ڈالتے۔ جب غصہ فرو ہوا تو ان لوحوں کو لیا اور بچھڑے کو ریتوا کر دریا میں پھینکوا دیا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ توبہ ان کے لئے مقرر ہوئی کہ باہم ایک دوسرے کو قتل کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پھر موسیٰ علیہ السلام کا دل بھر آیا۔ خدا تعالیٰ کے پاس پہاڑ پر جا کر دعا کی کہ معاف کرے۔ اس کے بعد سخت وباء بنی اسرائیل پر آئی جس سے صدہا مر گئے۔ اس کے بعد ایک بڑا خیمہ اور اس کے سامان تیار ہوئے۔

**بنی اسرائیل کا ترکاری وغیرہ کا مطالبہ:**...... دوسرے سال کے اول مہینے میں پھر وہاں سے بنی اسرائیل نے کوچ کیا۔ دن کو ایک بادل سایہ کرتا اور رات کو روشنی بن جاتا تھا۔ دوسرے برس کے دوسرے مہینے کی بیسویں تاریخ کو بدلی مسکن شہادت سے اٹھی تو بنی اسرائیل نے بیابان سینا سے کوچ کر کے دشت فاران میں مقام کیا اور وہیں بدلی جا کر ٹھہر گئی اور کوہِ سینا سے تین دن کی راہ دور جا پڑے۔ وہاں جا کر بنی اسرائیل نے اپنے اپنے خیموں میں رونا شروع کیا کہ ہم سے ایک کھانے یعنی من پر صبر نہیں ہوسکتا، ہم کو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو مفت مصر میں کھاتے تھے اور وہ کھیرے اور خربوزے اور وہ گندنا اور وہ پیاز ولہسن وغیرہ۔ اے موسیٰ! خدا تعالیٰ سے کہہ کہ ہم کو ترکاریاں اور گیہوں اور کھیرے اور ککڑیاں دلوا، پیاز دلوا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نہایت غصہ اور غمگین ہو کر خدا تعالیٰ سے کہنے لگے کہ تو اپنے بندہ کو کیوں دکھ دے رہا ہے؟ اور تو نے کیوں مجھ پر مہربانی نہ کی جو ان سب کا بوجھ مجھ پر ڈال دیا؟ کیا یہ سب لوگ میرے پیٹ میں پڑے تھے یا میں ان کا باپ ہوں؟ تب خدا تعالیٰ نے فرمایا: ان سے کہہ دے کہ آگے کسی شہر میں چلو، تم کو سب کچھ ملے گا اور کل تم کو گوشت ملے گا۔ تب خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ہوا اٹھی اور دریا سے بٹیریں اس قدر اڑا لائی کہ خیمے کے اردگرد ایک دن کی راہ تک ڈھیر لگ گیا۔ بس وہ گوشت کھا ہی رہے تھے کہ خدا تعالیٰ کا غصہ ان پر بھڑکا اور ان کو بڑی مری سے مارا اور اس مقام کا نام اس لئے قبروت ہتاوہ رکھا گیا۔ پھر وہ وہاں سے کوچ کر کے حصیرات میں آئے، اس جگہ پر کچھ لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کے گلے شکوے کر کے ان کو ایذاء دی، فبرأه الله مما قالوا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو ان کے الزام سے بری کر دیا۔

**بنی اسرائیل کا جہاد سے انکار:**...... پھر دشت فاران سے موسیٰ علیہ السلام نے ملک کنعان کی جاسوسی کے لئے ہر ایک قوم بنی اسرائیل سے ایک آدمی تیار کیا، و بعث اثنا عشر نقیبًا اور بارہ شخصوں کو روانہ کیا جن میں کالب اور یوشع بن نون تھے۔ یہ قادس کے میدان سے روانہ ہو کر ملک کنعان میں آئے اور وہاں کے سب احوال دریافت کر کے اور انگور وغیرہ میوہ جات لے کر چالیس روز بعد پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور سب حال بیان کیا اور اس زمین کی بڑی خوبی بیان کی۔ مگر سوائے کالب اور یوشع کے سب نے یہ کہا کہ وہاں کے باشندے بڑے قد آور اور جنگجو ہیں، ان سے مقابلہ کرنا سخت مشکل ہے جب بنی اسرائیل نے یہ سنا تو گھبرائے اور روئے پیٹے، بہت چلائے اور کہا کہ جب تک وہ لوگ وہاں سے خارج نہ ہوں گے ہم ہرگز نہ جائیں گے۔ اگر وہ نہ جائیں گے تو ہم وہاں داخل نہ ہوں گے۔ اے موسیٰ! تو اور تیرا خدا جا کر لڑے، ہم تو یہیں ٹھہرے رہیں گے۔ کالب اور یوشع نے تسلی دی کہ ان لوگوں کا اقبال جا چکا۔ وہ زمین کہ جس کا تم سے اور

تمہارے بزرگوں سے خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے، نہایت عمدہ ہے۔ خدا تعالیٰ پر توکل کر کے جاؤ فتح پاؤ گے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے کہا: الٰہی! میں اور میرا بھائی تیری بندگی کو حاضر ہیں اور باقی اس فاسق قوم سے مجھ کو کچھ سروکار نہیں۔ ہم کو ان سے جدائی نصیب کر۔

**بنی اسرائیل پر قہر الٰہی:**......تب قہر الٰہی نمودار ہوا اور فرمایا کہ مجھے اپنی حیات کی قسم، جس طرح اس قوم نے باوجودیکہ ہزارہا معجزات دیکھ چکے ہیں، میری نافرمانی کی ہے۔ ان کو اسی بیان میں ہلاک کروں گا۔ وقت خروج سے جس کی عمر بیس برس کی تھی یا اس سے اوپر، ان میں سوائے کالب اور یوشع کے کوئی بھی ملک کنعان میں نہیں پہنچا۔ وہ تمام لوگ چالیس برس تک فاران کے جنگل میں مقام اور کوچ کرتے رہے۔ تخمیناً بیس بار کوچ کیا، کئی کئی برس ایک جگہ گزار دیئے۔ جب یہ سب مر چکے تو نئی نسل بنی اسرائیل نے ملک کنعان کو لیا۔

**تذکرۂ قارون:**......توراۃ، سفر عدد کے باب ۱۶ میں یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک شخص قارح کہ جس کو قارون بھی کہتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کا قرابتی تھا یعنی چچا زاد بھائی تھا، قہات کا پوتا۔ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۤ۔ خدا تعالیٰ نے اس قدر اس کو مال و دولت دیا تھا کہ چند قوی آدمی اس کی کنجیاں اٹھایا کرتے تھے۔ اس کو موسیٰ علیہ السلام پر رشک آیا اور بہت سے بنی اسرائیل کے سرداروں کو موسیٰ علیہ السلام مقابلہ میں اٹھایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بلایا، وہ نہ آیا۔ آخر یہ ہوا کہ بڑے تجمل کے ساتھ اپنی قوم کے روبرو جماعت کے خیمہ کے پاس آیا۔ پس غضب الٰہی بھڑکا۔ جو ان کے نیچے کی زمین تھی، پھٹی اور زمین نے اپنا منہ کھولا اور انہیں اور ان کے گھروں اور ان سب آدمیوں کو جو قارح کے تھے اور ان کے سب مال کو نگل گئی۔ (ورس ۳۲)۔ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ ...الاٰیۃ۔ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۣ...الاٰیۃ۔ اس واقعہ عبرت خیز سے تمام لوگ ڈر گئے اور جو اس کے مال و جاہ کی حسرت کرتے تھے، حذر کر گئے۔ اس کے بعد بھی بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی شکایت کی اور ان کے مارنے کا الزام لگایا تو ان پر وباء آئی جس میں چودہ ہزار بنی اسرائیل مر گئے اور پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے دور ہوئی۔

**واقعہ ذبح بقرہ:**......توراۃ، سفر عدد کے باب ۱۹ میں یہ قصہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ کہ خدا تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے کو ذبح کرو (بعد حجت بسیار قرار پایا کہ) وہ سرخ رنگ، بے داغ، بے عیب ہو جس پر جوانہ رکھا گیا ہو (۲) اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ ... الاٰیۃ۔ مگر توراۃ میں صرف یہ ہے: اس گائے کو ذبح کرنے سے یہ مقصود تھا کہ جلا کر راکھ کریں اور دستور بنی اسرائیل کے موافق یہ راکھ خیمہ گاہ کے باہر رکھی جائے کہ جو بنی اسرائیل پر کاہن یعنی امام چھڑکتا تھا اور قرآن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس گائے کا ایک ٹکڑا لے کر اس میت کے بدن پر مارا جائے کہ جس کو اس کے وارثوں نے قتل کیا تھا اور قاتل کا پتہ نہ ملتا تھا کہ یہ شخص زندہ ہو کر قاتل کو بتا دے۔ چنانچہ ایسا ہوا۔ یہ اختلاف قلیل ہے، غالباً مشائخ یہود کے سہو سے ظہور میں آیا۔

**بنی اسرائیل کی نافرمانیاں وزیادتیاں:**......اس کے بعد بنی اسرائیل نے قادس میں قیام کیا۔ ہارون علیہ السلام کی بہن مریم کا یہیں انتقال ہوا۔ چونکہ یہاں پانی نہ ملتا تھا اس لئے پھر بنی اسرائیل نے غل مچایا اور کفر بکنا شروع کیا۔ تب خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اس چٹان کو جو ان کے سامنے ہے، اپنا عصا مار۔ چنانچہ انہوں نے عصا مارا۔ پانی چٹان سے نکلا کہ سب نے پیا اور ان کے چارپائے بھی سیراب ہو گئے۔ لیکن خدا تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہوا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے ادوم کے بادشاہ کے پاس ایلچی بھیجا کہ آپ کے ملک میں سے ہمارا راستہ ہے۔ ہم راہ راست چلے جائیں گے، گھاس اور باغوں اور کھیتوں کو ہرگز نہ چھوئیں گے اور جو کچھ لیں گے تو قیمۃً لیں گے۔ مگر

اس نے منظور نہ کیا۔ تب ساری جماعت بنی اسرائیل کوہ حور پر آئی اور اس کے ملک کو چھوڑ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم آیا کہ اس پہاڑ پر ہارون کا انتقال ہوگا تو اس کے کپڑے اس کے بیٹے الیعذر کو پہنا دے۔ چنانچہ ہارون علیہ السلام نے پہاڑ کی چوٹی پر رحلت کی اور بنی اسرائیل نے تین روز تک ماتم کیا۔

خروج کے چالیسویں سال بنی اسرائیل ملک ادوم کے کنارے سفر کرتے ہوئے ملک کنعان کے قریب پہنچے تو وہاں کے بادشاہ عراد نے جس کا پایۂ تخت دکھن کی طرف تھا، یہ سنا تو آمادۂ جنگ ہوا اور بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو گرفتار کر کے لے گیا۔ بنی اسرائیل نے خداتعالیٰ سے عاجزی کر کے منت مانی اور اس سے پھر لڑائی کی تو کنعانیوں کو گرفتار کر لیا اور ان کی بستیوں کو نابود کر دیا۔ وہاں سے کوچ کرتے کرتے موآب میں پہنچے اور وہاں حسبوں کے رہنے والے سیحوں نامی بادشاہ سے کہلا بھیجا کہ ہم کو اپنے ملک کی سرحد سے گزر جانے دے آخر اس نے نہ مانا، لڑائی ہوئی۔ بنی اسرائیل نے فتح پائی اور حسبوں اور ان کے گردونواح کے سب شہر قبضہ میں آئے (اس ملک شام میں طوائف الملوکی تھی، چھوٹے چھوٹے رئیس تھے) وہاں سے بنی اسرائیل یعزیر کو فتح کرتے ہوئے بسن میں پہنچے۔ وہاں بمقام ادرعی وہاں کے بادشاہ عوج سے سخت مقابلہ ہوا (اس کا قد لمبا ہوگا جو یہود میں مشہور ہوا اور پھر قارون کے مال اور رستم کی شجاعت، حاتم کی سخاوت کی طرح عام میں شہرت ہوگئی اور قصہ گویوں نے مبالغہ کرنے شروع کر دیئے) انجام کار بنی اسرائیل نے ان کو مع زن و فرزند قتل کر کے اس کا ملک لے لیا اور اب بنی اسرائیل پھیلتے چلے۔ یہاں سے بڑھ کر نہر یزدن کے پاس شہر یریحو کے مقابلہ میں جس کو اریحا بھی کہتے ہیں، مقام کیا۔ وہاں کے بادشاہ بلق بن صفور کو بڑا خوف پیدا ہوا اور تمام موآبی ڈر گئے اور اس نے شہر فتور میں بلعم باعور کے پاس جو اس زمانہ میں ایک بڑا بابرکت شخص مشہور تھا، پیغام بھیجا کہ مصر سے ایک قوم مورو ملخ کی مانند آئی ہے اور سب ملکوں پر پھیلتی جاتی ہے۔ آپ آیئے اور ان کے حق میں بددعاء کیجئے۔ خیر وہ بڑی حیل و حجت کے بعد آئے مگر راستہ میں ان کی سواری کا خچر بیٹھ گیا۔ بہت مارا پیٹا مگر نہ اُٹھا۔ پھر خدا نے خچر کا منہ کھول دیا۔ اس نے کہا: تُو مجھ کو کیوں مارتا ہے؟ خدا کا حکم نہیں۔ تُو فرشتہ کو نہیں دیکھتا جو مانع آ رہا ہے۔ الغرض بلعم بادشاہ کے پاس آئے اور بددعاء کرنے سے عذر کیا، مگر بادشاہ نے نہ مانا۔ بددعاء کی جگہ دعاء منہ سے نکلتی تھی۔ آخر بادشاہ ناراض ہوا۔ بلعم واپس پھر گیا۔ آخر بنی اسرائیل سے مقابلہ کر کے شکست فاش پائی۔ اس ملک پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہوگیا۔

**بنی اسرائیل کی بدکاریاں اور ان پر وبا کا نزول:**...... اس کے بعد بنی اسرائیل نے سطیم پر خیمہ قائم کیا۔ بنی اسرائیل کی شکست کا ایک سامان پیدا ہوا کہ انہوں نے موآبی عورتوں سے حرام کاری اور ان کے بت پوجنے شروع کیے جس سے ان پر سخت وباء آئی کہ چوبیس ہزار آدمی مر گئے۔ مگر ہارون علیہ السلام کے پوتے فینحاس نے بڑی ہوشیاری کی کہ کزبی کو کہ جس کے خیمہ میں وہ فاحشہ تھی اور اس فاحشہ کو قتل کر دیا وباء دفع ہوگئی۔ بنی اسرائیل کی شکست کی یہ تدبیر مدیانی لوگوں نے نکالی تھی۔ اس لیے بارہ ہزار لشکر بنی اسرائیل پر جا چڑھا۔ مدیان کے بچوں اور عورتوں کو اسیر کیا اور بلعم باعور کو بھی قتل کیا (غالباً جب دعا کا اثر نہ ہوا بلعم نے زنا کی تدبیر بتائی ہوگی)

**حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال:**...... اس کے بعد خداتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تیری وفات کے دن قریب آ پہنچے تُو اباریم کے اس پہاڑ پر چڑھ۔ میں تجھ کو وہ ملک دکھاؤں جو میں نے بنی اسرائیل کو عنایت کیا ہے۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون کو اپنا قائم مقام کیا اور الیعذر ہارون علیہ السلام کی جگہ امام ہوا اور صندوق شہادت کہ جس کو تابوت سکینہ کہتے ہیں اور جس میں مَن کا مرتبان اور ہارون علیہ السلام کی چھڑی اور توراۃ رکھی تھی۔ بنی لاوی کو سپرد کیا اور بہت کچھ بنی اسرائیل کو وصیت اور نصیحت کی اور سب کچھ ذکر کر کے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد آنے والا یاد دلایا کہ میری مانند ایک اور نبی اولوالعزم آئے گا، ایسا نہ ہو کہ اس کی نافرمانی کر کے مصیبت ابدی میں گرفتار اور ہمیشہ کے

لئے لوگوں کی نظروں میں ذلیل وخوار ہو جاؤ۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سب سے رخصت ہو کر نبو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے اور دریائے یردن کے پرلے پار جو کچھ ملک خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دینا کیا تھا، دیکھا اور وہیں جان بحق ہو کر اپنے لوگوں میں مل گئے۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس برس تھی۔ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے لیے موآب کے میدانوں میں تیس دن تک رویا کیے۔

**فصل ۳: وصال موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے مختصر احوال:**...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں یردن پار کا ملک فتح نہ ہوا تھا۔ یردن شام میں ایک دریا جاری ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام نے غوطہ لگایا تھا۔ پس یوشع نے بنی اسرائیل کو آمادہ کیا اور اس وقت بنی اسرائیل کے ان لوگوں میں سے جو مصر سے بیس برس کی عمر میں نکلے تھے، کوئی باقی نہ رہا سوائے کالب اور یوشع کے۔ اس زمانہ میں دریائے یردن کا پل نہ تھا۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے قلزم سے لوگوں کو پار کیا تھا، اسی طرح دریا بیچ سے خشک ہو گیا اور تمام بنی اسرائیل اُتر گئے اور جا کر شہر یریحو پر حملہ کیا۔ رفتہ رفتہ وہ تمام ملک فتح کر کے بنی اسرائیل کو تقسیم کر دیا اور نابلس کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیوں کو دفنا دیا۔ یہیں پر حضرت یوسف علیہ السلام کی بیع بھی ہوئی تھی۔ یہ (یوشع) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے اٹھائیسویں برس وفات کر گئے۔ ان کے بعد فینحاس، ہارون علیہ السلام کے پوتے تخت حکومت پر بیٹھے اور کالب بھی سرداری کرتے رہے۔ سترہ برس تک یہی معاملہ رہا پھر بنی اسرائیل نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی تو ان پر کوشاں جزیرۂ قبرص یا ارمان کا بادشاہ چڑھ آیا، جو عیص کی نسل سے تھا، پس آٹھ برس تک اس کی حکومت رہی۔ تب بنی اسرائیل نے گریہ وزاری کی تو خدا تعالیٰ نے کالب کے بھائی غُتنی ایل کو ہمت عطا کی، اس نے بنی اسرائیل کو کوشان کے پنجہ سے چھڑایا۔ اس کی چالیس برس تک حکومت قائم رہی۔ پھر یہ سن بانوے موسوی میں مر گئے۔ ان کے بعد پھر بنی اسرائیل نے بت پرستی شروع کی تو خدا تعالیٰ نے عجلون بادشاہ موآب کو مسلط کیا۔ یہ نسل لوط سے تھا۔ پھر جب بنی اسرائیل نے گریہ وزاری کی تو آہوذ کو بنی اسرائیل میں سے قائم کیا۔ اس نے پھر بنی اسرائیل کی حکومت قائم کی۔ اور اسی برس تک اس کی حکومت رہی۔ پس جب یہ شخص ایک سو نوے موسوی میں مر گیا تو شمجر بادشاہ ہوا اور ایک سال کامل بھی اس کی حکومت نہ رہی کہ یہ مر گیا۔ اس کے بعد پھر بنی اسرائیل نے بُت پرستی اور گنہگاری کی جس لیے ان پر ملک شام کا بادشاہ یابین نامی مسلط ہوا۔ بیس برس اس کی حکومت بنی اسرائیل پر رہی۔ پھر جب وہ تائب ہوئے تو بنی اسرائیل میں سے ایک شخص باراق نامی اور ایک عورت جس کا نام دبورا تھا، دو سو گیارہ موسوی میں قائم ہوئے اور انہوں نے یابین سے بنی اسرائیل کو چھڑایا اور چالیس برس تک خوب حکومت کر کے مر گئے۔ ان کے بعد پھر بنی اسرائیل نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی تب ان پر سات برس تک ان کے دشمن اہل مدیان کا قبضہ رہا۔

پھر جب تائب ہوئے تو خدا تعالیٰ نے دو سو اٹھاون موسوی میں بنی اسرائیل میں سے جدعون کو بادشاہ کیا۔ اس نے ان کو مخلصی دی اور چالیس برس تک خوب انتظام بنی اسرائیل کیا۔ پھر اس کی وفات کے بعد دو سو اٹھانوے موسوی میں اس کا بیٹا ابی ملک تخت نشین ہوا اور تین برس حکومت کر کے مر گیا۔ سنہ ۲۴۴م میں اس کے بعد پھر بنی اسرائیل نے سرکشی کی تو ان پر موآبیوں میں سے بنو عمون کا بادشاہ اٹھارہ برس تک مسلط رہا۔ پھر بنی اسرائیل خدا تعالیٰ کی طرف ملتجی ہوئے اور روئے تو ان میں سے یفتح جرشی سنہ ۱۴۱م میں کھڑا ہو گیا اور اس نے اس کے ہاتھ سے چھڑایا اور بے شمار موآبیوں کو قتل کیا۔ آخر چھ برس حکومت کر کے مر گیا۔ اس کے بعد ابصان بادشاہ ہوا اور سات برس حکومت کر کے سنہ ۵۴م میں مر گیا۔ اس کے بعد الون حاکم ہوا اور دس برس کے بعد مر گیا۔ اس کے بعد عبدون آٹھ برس تک حکومت کرتا رہا اور سنہ ۲۷م موسوی میں مر گیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل نے بے دینی اختیار کی تو خدا تعالیٰ نے ان پر فلسطین والوں کو چالیس برس تک مسلط رکھا۔ تب بنی اسرائیل روئے چلائے تو خدا تعالیٰ نے ان میں سے شمسون جبار کو قائم کیا۔ اس نے بنی اسرائیل کو سنہ ۱۲م میں ان کے ہاتھ

سے رہائی دی اور بیس برس تک حکومت کی۔ پھر اس پر اہل فلسطین غالب آئے اور اس کو پکڑ لے گئے اور اپنے کنیسہ کی ستون سے باندھ دیا۔ چونکہ یہ بڑا زور آور تھا اس نے جو زور کیا تو وہ ستون اکھڑ گیا اور چھت گر پڑی۔ وہ بھی اور بڑے بڑے سردار اہل فلسطین سب دب کر مر گئے اس کے بعد دس برس تک بنی اسرائیل بے سردار رہے۔

پھر ۴۲ ہم میں ایک شخص جس کا نام عالی تھا، بنی اسرائیل میں بادشاہ ہوا۔ یہ بڑا نیک بادشاہ ہوا۔ اس کی تخت نشینی کے اوّل سال حضرت سموئیل علیہ السلام موضع شیلو میں پیدا ہوئے جو قدس کے قریب تھا۔ انیسویں سال حضرت داؤد علیہ السلام پیدا ہوئے اور چالیس برس اس کی حکومت رہی۔ یہ پیشتر بنی اسرائیل کا کاہن یعنی امام تھا۔ یہ ۸۲ ہم میں مر گیا اور اس کے بعد سموئیل علیہ السلام گیارہ برس تک بنی اسرائیل کا انتظار کرتے رہے۔ اب تک بنی اسرائیل کے جو حاکم یا بادشاہ تھے تو بمنزلہ قاضیوں کے تھے۔ جس طرح قوم یا بستی کے چودھری اور سردار فیصلہ جات اور سب کاروبار کرتے ہیں، یہ لوگ کرتے تھے۔ یہ زمانہ ۹۳ ہم تک رہا۔ اس کے بعد سلطنت کا طور قائم ہوا اور اس کا یہ بیان ہے۔

**فصل ۴: حضرت سموئیل علیہ السلام، طالوت اور بنی اسرائیل:**......بنی اسرائیل نے حضرت سموئیل علیہ السلام سے یہ کہا کہ آپ ہم میں کوئی بادشاہ قائم کر دیجئے کہ ہم اس کی مدد سے اپنے مخالفوں سے جنگ کریں۔ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ انہوں نے ساؤل کو کہ جنہیں طالوت کہتے ہیں، بادشاہ مقرر کیا۔ یہ بنیامین کی اولاد میں سے تھا۔ چونکہ یہ شخص خاندانی نہ تھا تو بنی اسرائیل نے کہا: قَالُوْٓا اَنّٰى یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ کہ اس کو مال و دولت میں کچھ وسعت نہیں، اس سے تو ہم مستحق زیادہ ہیں کہ بادشاہ بنائے جائیں۔ سموئیل علیہ السلام نے فرمایا: خدا تعالیٰ نے اس کو علم اور جسم میں وسعت دی ہے اور اس کی سلطنت کی یہ علامت ہے کہ صندوق شہادت کہ جس کو اہل فلسطین لڑائی میں لوٹ کر لے گئے تھے، از خود واپس آ جائے گا۔ چنانچہ وہ تابوت سکینہ کہ جس میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے تبرکات اور الواح اور مَن کا مرتبان تھا، انہوں نے از خود واپس کر دیا۔ ملائکہ نے بنی اسرائیل میں لا کر دھر دیا اور ساؤل چونکہ خوبصورت اور دانا بھی تھا، پس ان وجوہ سے بنی اسرائیل نے ان کو بادشاہ بنا لیا۔ پھر طالوت نے عمالیق پر فتح پائی اور کئی شہر اپنے قبضہ میں لایا اور فلسطینیوں سے بھی مقابلہ ٹھہرائی۔ ان کا سردار جالوت بڑا قد آور اور بہادر تھا، اس کے مقابلہ میں کسی کی طاقت نہ پڑی۔

**حضرت داؤد علیہ السلام اور جالوت:**......پھر سموئیل علیہ السلام نے فرمایا: اس کو ایک شخص قتل کرے گا کہ جس کی خدا تعالیٰ نے علامات مجھے بتائی ہیں۔

چنانچہ سموئیل علیہ السلام نے موضع بیت لحم میں جا کر یسّی بن عوبید بن عزا ابن سلمون سے کہا کہ تو اپنے بیٹوں کو دکھا۔ اس نے سات بیٹے علاوہ داؤد کے بلائے مگر سموئیل علیہ السلام کو پسند نہ آئے۔ کہا کہ کوئی اور بھی بیٹا ہے؟ کہا: ہے باہر بکریاں چراتا ہوگا۔ اس کو بلایا تو سموئیل علیہ السلام نے اس کو پسند فرمایا اور اس کے سر پر تیل ڈالا۔ پھر داؤد بھی لشکر میں شریک ہوئے اور لشکر میں یہ حکم دیا کہ جو کوئی اس ندی سے جو راستہ میں حائل ہے، ایک چلو سے سوا پانی پئے گا وہ میرا نہ ہوگا اور جو نہ پئے گا وہ میرے ساتھ آئے۔ چنانچہ بہت نے پیاس کا صبر نہ کیا اور پانی پی لیا ان بے صبروں کو دور کیا اور چند خاصان خدا تعالیٰ کو ساتھ لے کر مقابلہ ہوا۔ اور جب جالوت کا لشکر اور شوکت دیکھی تو لوگ گھبرا اٹھے مگر داؤد نے سب کو تسلی دی اور جالوت سے مقابل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جو گوپیے میں دھر کر ایک پتھر مارا تو جالوت کے سر پر پڑا۔ وہ برج دھم سے زمین پر گر گیا۔ پھر اسی کا تیغہ لے کر سر قلم کر دیا۔ تمام بنی اسرائیل میں اس جوانمردی کی دھوم ہوگئی اور بادشاہ طالوت نے

اپنی بیٹی حسب وعدہ داؤد علیہ السلام سے بیاہ دی، مگر دل میں اس کی شہرت پر رشک وحسد ہوا۔ کئی بار داؤد علیہ السلام کو قتل کروانا چاہا مگر کامیاب نہ ہوا۔ آخر یہ بادشاہ مع اپنے کئی لڑکوں کے فلسطینیوں کی جنگ میں مارا گیا۔ داؤد علیہ السلام بادشاہ ہو گئے مگر بنی اسرائیل کے گیارہ فرقوں پر طالوت کے بیٹے اپش بوست (انسبت) کی حکومت ہوگئی۔ چھ برس کے بعد اپش بوست نے وفات پائی۔ تمام حکومت حضرت داؤد علیہ السلام کے حصے میں آئی۔ اس وقت ان کی عمر چھتیس برس کی تھی۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے فلسطین اور گان اور موآب اور ارمن وغیرہ بہت سے ملک فتح کئے۔ مصر تک اور ادھر دمشق تک ملک کو وسعت دی اور ان کی حیات میں ان کے بیٹے امیشلوم نے ان پر بغاوت کی مگر وہ ناکام رہا۔ انہوں نے اپنی حیات میں شہر یروشلم میں خدا تعالیٰ کے لئے مسجد یعنی بیت المقدس بنانے کی تیاری کی مگر اتمام نہ ہوسکا۔

**حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی:**......آخر ساٹھ برس کی عمر میں ۵۳۵ ق م میں وفات پائی اور ان کی جگہ ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام تخت نشین ہوئے اور سات برس تک اپنے باپ کی وصیت کے بموجب بیت المقدس کی تعمیر میں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے اس کو نہایت شان وشوکت سے تیار کیا۔ اس مسجد کا طول ساٹھ گز، عرض بیس گز اور بلندی ❶ تیس گز تھی اور اس کو اہل کتاب ہیکل کہتے ہیں۔ اس کے تمام مکانات کی کیفیت کتاب تاریخ میں بہ تفصیل مذکور ہے اور سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا ایسا شہرہ دنیا میں پھیلا کہ روئے زمین کے بادشاہ ان سے ڈرنے لگے۔ ملک یمن کی بیگم بلقیس ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ چالیس برس سلطنت کر کے باون برس کی عمر میں ۵۷۵ ق م میں جاں بحق ہوئے۔ ان کے بعد ان کا بیٹا رجعام جو بدشکل اور بے وقوف تھا، تختِ نشین ہوا۔ اس کی سختی سے بنی اسرائیل کے دس اسباط اس کی اطاعت سے نکل گئے، صرف سبط یہودا اور سبط بینامین پر حکومت باقی رہ گئی اور ان دس اسباط کا بادشاہ یربعام ہو گیا۔ یہ شخص کافر بدکیش تھا۔ اس زمانہ میں سلطنت بنی اسرائیل کے دو حصے ہو گئے۔ اس بڑے حصہ کی سلطنت کا پایہ تخت شہر حبرون ہوا اور اسرائیلی سلطنت نام ہوا۔ دوسرے حصہ کا پایہ تخت یروشلم قرار پایا۔ ان دونوں سلطنتوں میں باہم جنگ وجدال اور حرب وقتال ہوا کرتے تھے اور ان میں سے کوئی بادشاہ دیندار ہوا کرتا تھا تو شریعت اور توراۃ کی پابندی کرتا تھا۔ دوسرا بت پرستی اور معصیت کو رواج دیتا، علماء اور انبیاء کو چن چن کر قتل کرتا تھا۔

سلطنت اسرائیلی کے دوسو اکسٹھ برس میں یکے بعد دیگرے سترہ بادشاہ ہوئے۔ پھر ۷۸۳ ق م میں یہ سلطنت حزقیا بادشاہ پر تمام ہوگئی۔ اس نے صرف چھ برس سلطنت کی۔

**انبیاء بنی اسرائیل: حضرت عزریاہ، حضرت الیاس، حضرت میکیاہ، حضرت الیسع، حضرت زکریا، اور حضرت یونس علیہم السلام:**......رجعام کے بعد اس کا بیٹا ابیاہ تخت پر بیٹھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا آسا تخت پر بیٹھا، یہ بھی دیندار تھا۔ اس کے عہد میں عزریاہ علیہ السلام نبی تھے۔ اس کے بعد یہوسفط اس کا بیٹا بادشاہ ہوا، یہ بھی دیندار تھا۔ اس کے عہد میں ایلیاہ اعنی حضرت الیاس علیہ السلام تھے جو آسمان پر چلے گئے اور میکیاہ علیہ السلام کا بھی یہی زمانہ ہے جس نے اخی اب کے حق میں قتل کی خبر دی تھی۔ الیاس علیہ السلام کے شاگرد الیسع علیہ السلام نبی تھے اور زکریا علیہ السلام کے بیٹے یعزی ایل بھی اسی عہد میں تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یہورام تخت پر بیٹھا، یہ بے دین تھا۔ اس کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا اخزیاہ تخت پر بیٹھا، یہ بھی بے دین تھا۔ جس طرح اس کے باپ کو فلسطینیوں اور عربوں نے غارت کیا تھا۔ اس کو بھی دشمن نے قتل کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یوآس بادشاہ ہوا۔ خوب سلطنت کی، بیت المقدس کی مرمت از سرِ نو کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا امصیاہ بادشاہ

❶......کتاب تاریخ میں ایک سو بیس ہاتھ بلندی لکھی ہے۔ منہ

ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عزیاہ بادشاہ ہوا۔ اس نے حضرت زکریا علیہ السلام کے قول پر عمل کر کے بڑی مراد پائی، سلطنت کو نہایت قوت دی۔ آخر بگڑ گیا اور ۷۹۹ ءم میں مر گیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا یوتام تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی ملک کو ترقی دی اور دیندار تھا۔ یونس علیہ السلام اسی کے عہد میں تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا آخز تخت نشین ہوا۔ یہ بت پرست اور بدکار تھا، اس لئے اس پر مصیبتیں آئیں۔ بیت المقدس میں اس نے بت پرستی کرائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا حزقیاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے بیت المقدس کو نجاستوں سے اور بتوں سے پاک کیا اور خدا پرستی کو رواج دیا۔ یہ بڑا نیک بادشاہ اور با اقبال تھا۔ حضرت یسعیاہ علیہ السلام جو عاموص کے بیٹے ہیں، اسی کے عہد میں تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا منسی تخت نشین ہوا۔ یہ بڑا بے دین اور بت پرست تھا۔ اس نے پھر بیت المقدس میں بت پرستی کو رواج دیا۔ مگر جب وہ اس کی شامت سے بابل میں گرفتار ہو کر گیا تو تائب ہوا، جس سے پھر اپنے ملک میں آیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا آمون بادشاہ ہوا تو یہ سب سے زیادہ نالائق ہوا۔ بت پرست تھا، چنانچہ اسی کی نحوست سے مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یوسیاہ تخت نشین ہوا۔ بڑا دیندار اور با اقبال تھا۔ اس نے پھر بیت المقدس کو پاک وصاف کیا، بتوں کو توڑا، توراۃ کو تلاش کیا۔ تخمیناً اٹھارہ برس تک کہیں پتہ نہ ملا، کیونکہ وہ بے شمار حوادث میں تلف ہو چکی تھی۔ مگر خلقیاہ کاہن نے کہیں سے توراۃ کو بہم پہنچایا۔ غالباً یادداشت کے طور پر احکام وقصص جمع کر کے ان کا نام توراۃ رکھا ہوگا، واللّٰہ اعلم۔ اس پر شاہِ مصر نے چڑھائی کی، یہ اس معرکہ میں مارا گیا اور اس کے عہد میں ارمیاہ علیہ السلام تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یہوآخز تخت پر بیٹھا لیکن تیسرے مہینے میں شاہِ مصر نے اس کو معزول کر کے اس کے بھائی الیاقیم کو اپنی طرف سے تخت پر بٹھایا اور بدل کر اس کا نام یہویقیم رکھا۔ یہ بڑا بدکار اور بت پرست تھا۔ اس کی تخت نشینی کے چوتھے سال ملک عراق میں جو شہر بابل ہے، وہاں بخت نصر ۹۵۲م میں تخت پر بیٹھا اور ملک شام پر حملہ آور ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ۹۷۸م میں تھا اور مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے چھ سو دس برس پہلے ہوا ہے پس بخت نصر اس کو قید کر کے لے گیا اور اس کے ساتھ بہت سے مشائخ یہود بھی گرفتار ہو کر گئے۔ پھر اس کے بعد یہویکین اس کے ہشت سالہ لڑکے کو لوگوں نے تخت پر بٹھایا۔ سوا تین مہینے گزرنے نہ پائے تھے کہ بخت نصر نے اس کو بھی گرفتار کروا کر منگایا اور بیت المقدس سے وہ سونے چاندی کے اسباب وظروف سب لوٹ کر لے گئے اور کچھ بھی اس میں نہ چھوڑ گئے اور اس لڑکے کی جگہ اس کے چچا صدقیاہ کو قائم کر گئے اور اب کے حملہ میں دانیال اور حزقیل علیہ السلام کو بھی ان لوگوں کے ساتھ مقید کر کے لے گئے۔ صدقیاہ بڑا بے دین اور سرکش نکلا۔ اس کو برمیاہ علیہ السلام بہت کچھ احکام الٰہی سناتے اور ڈراتے رہے مگر اس نے ہر قسم کی بدکاریاں کیں اور نبیوں کو ٹھٹھے میں اڑایا اور خدا تعالیٰ کے گھر کو ناپاک کر دیا اور بخت نصر سے بھی بغاوت کی۔

**بنی اسرائیل کی سلطنت کا خاتمہ:**...... پھر تو بخت نصر بڑے غصہ میں آکر چڑھ آیا۔ بیت المقدس کو جلا کر مسمار کر دیا اور شہر کو بھی ڈھا دیا۔ توراۃ کا نسخہ جو بیت المقدس میں دھرا تھا، اس کو بھی آگ لگا کر پھونک دیا اور ہزار ہا بنی اسرائیل کو تہ تیغ کیا۔

پس آج بنی اسرائیل کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور یہ حادثہ ۹۹۹م میں گزرا اور ہزار ہا بنی اسرائیل کو غلام بنا کر لے گیا اور ستر برس تک یہ ہیکل اور شہر اُجاڑ پڑا رہا اور ستر برس تک بنی اسرائیل بابل میں مقید رہے۔

**حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ:**...... اس عرصہ میں بخت نصر مر گیا اور ایران کا بادشاہ جس کا نام خورس تھا (یہ دارا سے پیشتر تھا غالباً یہ خسرو ہے یا کوئی اور) ملک بابل پر قابض ہوا اور یہودیوں کو مع سامان بیت المقدس ایک پروانہ دے کر ان کے ملک میں بسنے کے لیے روانہ کر دیا۔ ان میں عزرا یعنی عزیر علیہ السلام بھی تھے۔ بنی اسرائیل کے چالیس ہزار سے زیادہ آدمی تھے جو اپنے ملک میں آئے اور بیت المقدس اور یروشلم کو برباد دیکھ کر آنسو بھر لائے اور ارمیاہ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ مقید ہو کر نہ گئے تھے، پیچھے ان کو حکم ہوا کہ بیت المقدس کو آباد

کر د اور انہوں نے متعجب ہو کر کہا: اَنّٰی یُحۡیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ۚ کہ اب یہ کیونکر آباد ہوگا اس وقت وہ سو ❶ گئے اور گدھے کو باندھ دیا اور ایک زنبیل میں کھانا پینا بھی تھا۔ اس میں سو برس گزر گئے اور خدا تعالیٰ نے ان کو بیدار کیا تو کھانا پانی ویسا ہی تھا اور گدھے کی ہڈیاں پڑی ہوئی نظر آئیں فرشتے نے پوچھا: کس قدر سوئے؟ کہا: ایک دن یا اس سے کم۔ کہا: سو برس تجھ پر گذر گئے۔ پس ان کے روبرو وہ گدھا زندہ ہوا۔ انہوں نے کہا: مجھ کو یقین کامل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ اتنے عرصہ میں بیت المقدس آباد ہو چکا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ صاحب قصہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے، واللہ اعلم۔

**بیت المقدس کی تعمیر نو:**..... الغرض حجی اور زکریا بن عدو علیہما السلام کی اعانت سے دوبارہ داراشاہِ ایران کے عہد میں بہت المقدس بنایا گیا۔ جب بنیاد چنی جانے لگی تو نوجوانوں نے بڑی خوشی کا نعرہ مارا اور جو بڑھے تھے جنہوں نے بیت المقدس کو پہلے دیکھا تھا، وہ چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ پس جب بن چکا تو شمعون صادق کو سردار بنایا اور حضرت عزیر علیہ السلام نے ان انبیاء کو جمع کر کے یادداشت کے طور پر توراۃ کے احکام اور دیگر قصص جمع کر کے گویا توراۃ کو تعمیر کیا اور پھر یہود کو یہ وعظ و پند کرتے رہے، مگر حکومت بنی اسرائیل جاتی رہی۔ ایرانیوں کا صوبہ دار وہاں رہا کرتا تھا۔ چند سال کے بعد یونان کے لوگوں نے زور کیا اور سکندر بڑی فوج لے کر ایران پر چڑھ آیا تب ملک شام ان کی حکومت میں چلا گیا۔ پھر یونان کی عمل داری کے کئی حصے ہو گئے۔ اس کے بڑے حصے کا پایۂ تخت شہر رومہ ❷ تھا۔

یہاں کے بادشاہ کی سلطنت نہایت وسیع تھی۔ اس ملک میں جو نائب رہتا تھا اس کو ہیرودوس کہتے تھے اور بادشاہ کو قیصر۔

**حضرت زکریا علیہ السلام و حضرت مریمؑ کا قصہ:**..... حضرت زکریا علیہ السلام ان دنوں بیت المقدس کے اماموں میں تھے۔ ان کی بیوی الیسباع کے (کہ جس کو الیسابات ❸ بھی کہتے ہیں) کوئی اولاد نہ تھی اور الیسباع کی بہن حنہ تھی انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرے ہاں بیٹا پیدا ہوگا تو میں بیت المقدس کی خدمت کے لیے چڑھا دوں گی، کیونکہ یہود میں یہ دستور تھا۔ لیکن قدرت خدا تعالیٰ سے لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام مریم رکھا اور نذر پورا کرنے کے لیے ہیکل میں بھیج دیا۔ وہاں کے اماموں میں گفتگو ہوئی۔ ایک کہتا تھا: میں اس کی پرورش کروں گا۔ دوسرا کہتا تھا: میں اس کو لوں گا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کہ جوان کے خالو تھے، بسبب قرعہ اندازی کے اس کے مستحق ٹھہرے۔ پس حضرت زکریا علیہ السلام نے بیت المقدس میں اس کے لیے ایک جدا جگہ مقرر کر دی کہ سوائے ان کے وہاں اور کوئی نہ جاتا تھا۔ وہاں ایک بار کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام بے موسم کے پھل کھا رہی ہیں۔ پوچھا: یہ کہاں سے آیا؟ کہا خدا تعالیٰ کی طرف سے۔ پس اس وقت ان کے دل میں خیال آیا کہ جو بے موسم پھل کھلا سکتا ہے مجھ بوڑھے کو بے موسم اولاد بھی دے سکتا ہے۔ اس لیے دعا مانگی اور تین روز تک بحکم الٰہی کسی سے کلام نہ کیا) اور فرشتے نے بشارت دی کہ تیرے گھر لڑکا پیدا ہوگا تو اس کا نام یوحنا یعنی یحییٰ رکھنا۔ چنانچہ اس بشارت کے مطابق حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

**حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش:**..... یہ رشتہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماموں تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ ایک روز حضرت مریم علیہا السلام حیض سے پاک ہو کر غسل سے فراغت کر کے بیٹھی تھیں کہ آدمی کی شکل میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کو دکھائی دیئے۔ انہوں نے دیکھا اور خدا تعالیٰ کی پناہ چاہی اور کہا: تو کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں جبرئیل ہوں، خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں کہ تجھ کو بیٹا دوں۔ وہ بولیں: نہ تو میں بدکار ہوں نہ آج تک کسی مرد کے پاس گئی ہوں پھر بیٹا ہونے کی کیا صورت؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: تجھ

---

❶ سونے سے مراد مرنا ہے جس کو قرآن نے صاف لفظوں میں کھول دیا۔ اہل کتاب کی الہامی کتابوں میں سونا مذکور ہے۔ منہ۔ ❷ یہ شہر اٹلی ہے۔ پوپ جو نائب عیسیٰ کہلاتے ہیں، یہیں رہا کرتے تھے قسطنطنیہ اس کے بعد آباد ہوا۔ ہرقل شاہ روم کا یہی پایۂ تخت تھا۔ ۱۲ منہ۔ ❸ ..... جس کا مخفف الزبتھ ہے ۱۲ منہ۔

کو یوں ہی بیٹا دے گا۔ پس جبرئیل علیہ السلام نے پاس جا کر ان کے کُرتے کے گریبان میں پھونک دیا۔ وہ حاملہ ہو گئیں اور بیت لحم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہود ان کے مارنے کو آئے کہ تو نے حرام کا بچہ جنا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں کلام کرنا شروع کیا تو لوگ ڈر کر چلے گئے۔ یہود کو مریم علیہا السلام کے بارے۔ حضرت زکریا علیہ السلام پر بدگمانی ہوئی۔ ان کو مارنے کو دوڑے۔ یہ بے چارے ایک درخت گنجان میں جا چھپے۔ یہود نے آرے سے درخت کو چیرا جس سے یہ چر کر دو ٹکڑے ہو گئے۔ اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا نکاح ان کے چچا زاد بھائی یوسف بن یعقوب بن متان سے ہوا تھا کہ جو بڑھئی تھے اور جب مریم علیہا السلام ان کے پاس آئیں تو حمل دیکھ کر گھبرائے مگر خواب میں فرشتہ نے ان کو مطلع کر دیا تو یہ ان کی پاک دامنی کے مقر ہوئے (شاید یہ بھی ہوا ہو) مگر یوسف مریم علیہا السلام کے پاس نہ گیا تھا اور یوسف اس بچی اور ماں کو لے کر مصر میں چلے گئے۔ ایک عرصہ تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وہاں پرورش پائی۔ پھر جب یہ سنا کہ یہ بادشاہ مر گیا تو پھر یوسف اپنے وطن میں آیا اور اپنے گاؤں ناصرہ میں رہا، اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لوگوں کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوشیار ہوئے اور طرح طرح کے معجزات یہود کو دکھا کر راہِ راست پر آنے کی ہدایت کرتے تھے مگر وہ سیاہ دل اُلٹے ان کے بدخواہ ہو جاتے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اُون کے کپڑے پہنے جنگلوں میں رہتے اور نصیحت کرتے پھرتے تھے۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شاگردی میں آنا اور ان کی شہادت کے بعد وعظ و نصیحت کرنا:......

دریائے یردن پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شاگردی کی اور ان کے ہاتھ سے غوطہ لیا، جس کو نصاریٰ بپتسمہ کہتے ہیں اور اصطباغ بھی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ہیرودوس نے اس لیے قید کر لیا تھا کہ وہ ان کو ایک عورت کے گھر میں رہنے سے (کہ جس کا رکھنا اس کو جائز نہ تھا) منع کرتے تھے۔ آخر ہیرودوس نے سالگرہ کا جلسہ کیا اور اس جلسہ میں اس عورت کی بیٹی نے ناچ کر سب کو خوش کیا۔ ہیرودوس نے کہا: مانگ کیا مانگتی ہے۔ اس نے بادشاہ سے پکا وعدہ کرا کے اپنی ماں سے پوچھا۔ اس نے کہا یحییٰ کا سر مانگ۔ بادشاہ نے جلاد کو بھیجا اور وہ ایک لگن میں یحییٰ علیہ السلام کا سر کاٹ کر لایا اور اس قحبہ کو دیا؛ دراس نے اپنی ماں کو دیا، جس سے وہ بہت خوش ہوئی۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بارہ حواریوں کے ساتھ جا بجا وعظ کہتے پھرتے تھے، اور یہود کو ملامت کرتے تھے جس سے یہود کو ان سے سخت عداوت پیدا ہوئی اور ان کے قتل کی تدبیر کرتے رہے۔

**واقعہ سولی چڑھانے کی حقیقت:**...... آخر یہاں کے بادشاہ پلاطوس کو آمادہ کیا اور ایک جگہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے لے گئے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کہ ان میں سے ایک کو خدا تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کی صورت میں کر دیا اور ان کو صحیح سلامت آسمان پر بلا لیا۔ وہ شخص یہود کے ہاتھ سے بڑی اذیت کے ساتھ مارا گیا اور سولی چڑھتے وقت اس نے بڑی جزع و فزع کی۔ عام لوگ بلکہ کل یہود و عیسائی یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی دیئے گئے۔ اس واقعہ کے وقت حضرت مسیح علیہ السلام کی عمر تینتیس برس کی تھی۔

یہ واقعہ غلبۂ سکندر کے تین سو چھتیس برس بعد ہوا ہے۔ اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اپنے حواریوں کو دکھلائی دیئے اور ان کو اپنے دین کی اشاعت کی اور جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دی، جیسا کہ انجیل برنباس میں مصرحاً مذکور ہے اور دیگر اناجیل میں لفظ فارقلیط ہے۔ ان کے بعد حواریوں نے ملک شام اور یونان اور افریقہ میں دین الٰہی کو رواج دیا اور اس جگہ سے نہ تنہا یہود بلکہ شاہِ روم جو وہاں کا حاکم اور بت پرست تھا اور جس کو قیصر کہتے تھے حواریوں کا دشمن جانی ہو گیا اور بہت کو شہید کیا اور تکلیف دے کر مارا۔ یروشلم میں سب سے اوّل استیفان کو شہید کیا۔ مگر جوں جوں لوگ ان پر سختیاں کرتے تھے اسی قدر ان کے خوارق عادات سے دین حق پھیلتا جاتا تھا۔

**حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے دعویٰ اُلوہیت:**......لیکن ایک یہودی نے عجیب فریب کیا کہ لوگوں میں مشہور کر دیا کہ مجھ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دیدار ہوا ہے انہوں نے مجھ کو ایک کتاب بھی دی ہے۔ اس لیے وہ حواریوں میں مل گیا اور چونکہ وہ بڑا منہ زور تھا، سب کو دبانے لگا اور سب کے برخلاف اس نے یہ مسئلہ جاری کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تھے، خدا آدمی کی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ وہ سب کے گناہ اُٹھا کر لے گئے، بس اس بات پر ایمان کافی ہے۔ شریعت کچھ نہیں، بلکہ شریعت پر عمل کرنے سے لعنتی ہوتا ہے۔ اگرچہ اس بات پر شہر انطاکیہ میں حواریوں نے بحث بھی کی مگر اس کے مرید زیادہ ہو گئے تھے، اس نے غلبہ پایا۔ قصہ مختصر اس نے دین عیسوی کو بالکل پلٹ دیا۔ اس کا نام پولوس ہے۔ تین سو برس تک عیسائیوں کو کہیں امن نہ ملتا تھا۔ اس میں بارہا وہ حملے ان پر ہوئے کہ چن چن کر لوگ قتل کئے گئے، کتابیں جلائی گئیں۔ چنانچہ انہیں حوادث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصلی انجیل بھی جاتی رہی۔ لیکن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات تاریخ کے طور پر لکھنے شروع کیے عیسائی ان کتابوں کو اپنی اصطلاح میں انجیل کہتے ہیں۔ چنانچہ اسی سے زیادہ جھوٹی سچی انجیلیں مشہور ہوئیں۔

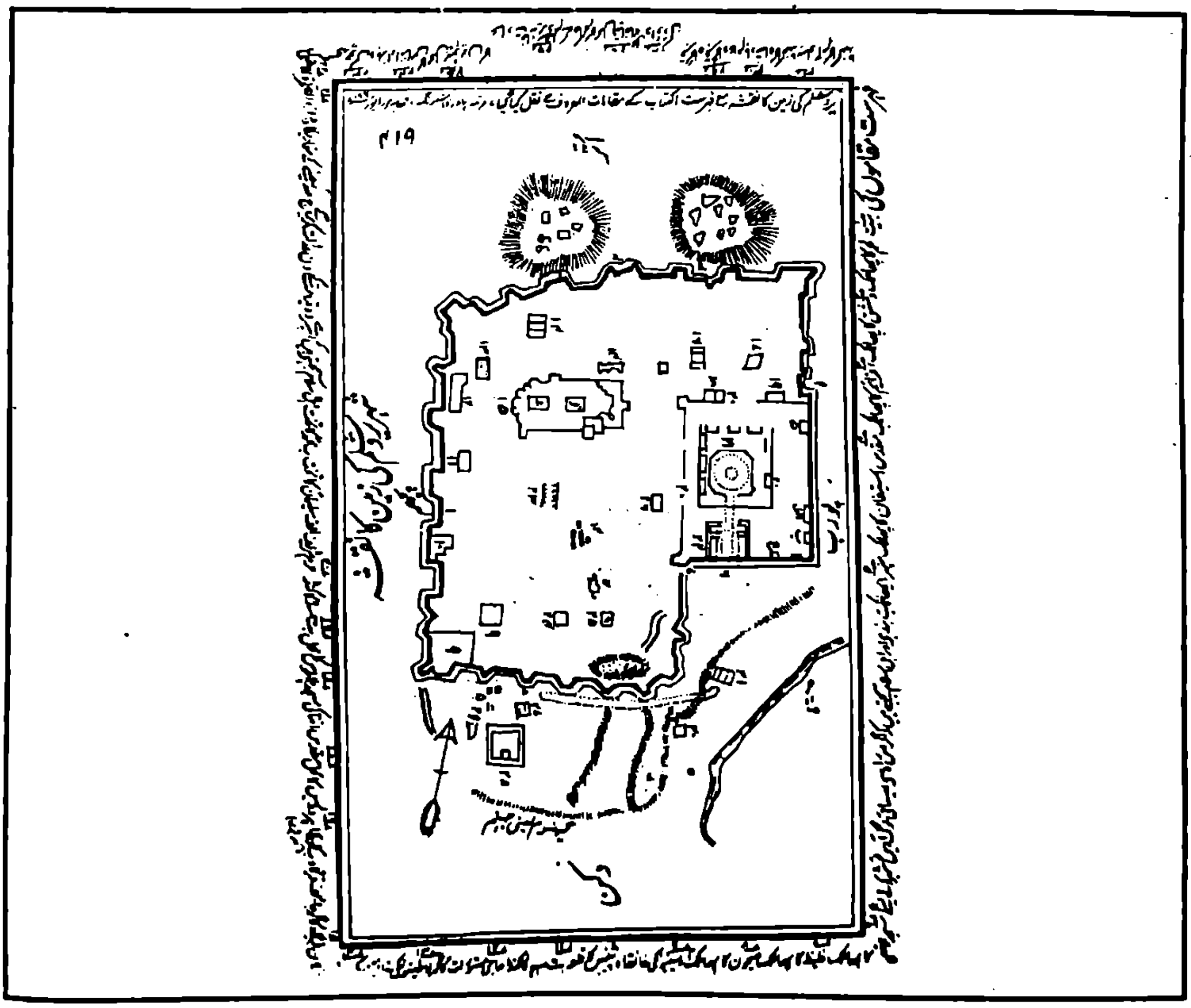

**اناجیل اربعہ:**......لیکن ان میں سے اب عیسائیوں کے نزدیک چار کتابیں زیادہ معتبر ہوئیں: انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل متی، انجیل یوحنا۔ بلکہ ان پولوس اور دیگر اشخاص کے خطوط کو بھی جمع کر لیا ہے اور سب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل کہتے ہیں۔ جس طرح کہ بیت

المقدس کی بربادی کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خبر دی تھی، اسی طرح ظہور میں آیا۔ تخمیناً اس کے چالیس برس بعد طیطوس ● نے یہود کی سرکشی سے ان پر چڑھائی کی اور بیت المقدس کو جلا دیا اور شہر کو بالکل مسمار کر دیا اور ان کی تمام کتابیں جلا دیں اور تلاش کر کے یہودیوں کو قتل کیا۔ اس کے بعد پولوس کا مذہب رواج پا گیا۔ روم کا بادشاہ قسطنطین کہ جو بڑا ظالم تھا، اسی امید پر کہ میرے سب ظلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھالیں گے، چوتھی صدی عیسوی میں عیسائی ہوا اور بزور لوگوں کو عیسائی بنایا اور بڑے سخت قانون جاری کیے جس سے روم اور اٹلی میں اس مذہب کی زیادہ شہرت ہوگئی اور پھر رفتہ رفتہ اور ملکوں میں بھی یہ مذہب پھیلا۔ تخمیناً آٹھ سو، نو سو برس سے انگلستان کے لوگ بھی کہ جو بت پرست تھے، عیسائی ہوئے اور روس و جرمن وغیرہ ملکوں میں بھی یہ مذہب رواج پا گیا، لیکن سینکڑوں فرقے پیدا ہو گئے سب سے زیادہ دو گروہ ہیں۔

اوّل رومن کیتھولک جس میں روس اور فرانس وغیرہ ہیں۔ یہ مذہب پولوس کے قدم بقدم پرانے خیالات پر ہے۔ روم میں پوپ ایک پادری یا امام ہوتا ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نائب کہلاتا ہے۔ پولوس کی حکومت اور شوکت اوّل تو سب عیسائی سلاطین تسلیم کرتے تھے مگر بعد میں وہ شوکت جاتی رہی۔ پوپ ہر عیسائی سے اس کے گناہوں کا اقرار کرا کے خواہ مفت، خواہ روپیہ لے کر اس کے لیے جنت کی چٹھی بھی دیا کرتے تھے اور جو جو وہ حکم جاری کیا کرتے تھے وہ خدا کا حکم خیال کیا جاتا تھا۔ عیسائیوں کی کنواری لڑکیاں بھی جو اپنے نفس کو خدمات مذہبیہ کے لیے وقف کر دیتی تھیں، پولوس اور ان کے خادموں کے پاس جلوت اور خلوت میں ساتھ رہتی تھیں۔ پولوس کی بدعتیں اور بیہودہ باتیں اس قابل نہیں کہ اس تفسیر میں بیان کر سکوں۔ تخمیناً تین سو برس ہوئے کہ ایک شخص مارٹین لوتھر اس وقت کے پوپ سے برگشتہ ہو گیا اور اس کے شاگرد جان کالون وغیرہ اس کے مددگار ہو گئے اور اس نے مذہب کی ترمیم کی، ان کو پراٹسٹنٹ کہتے ہیں۔ یہ مذہب انگلستان اور جرمن اور دیگر بلاد یورپ کا ہے۔

**بیت المقدس کا حال:**......اب بیت المقدس کا حال سنئے۔ وہ یہ کہ طیطوس کے بعد پھر لوگوں نے کسی قدر بیت المقدس کو آباد کیا اور اس کا نام ایلیاء رکھا (یعنی خانۂ خدا) مگر قسطنطین کی والدہ ہلانہ کو کسی پادری نے یہ پٹی پڑھائی کہ جس سولی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام لٹکائے گئے تھے، وہ لاؤ گی تو حیات ابدی پاؤ گی۔ وہ شام میں آئی اور آ کر اس رہے سہے بیت المقدس کو بھی خراب کر گئی ● اور یہ حکم دے گئی کہ تمام شہر کا پاخانہ اور قاذورات یہیں پڑا کرے۔ سالہا سال تک یہی نوبت رہی اور کسی کی جرأت تعمیر کرنے کی نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو از سر نو تعمیر کیا۔ پھر ان کے بعد قدیم بنیادوں پر ولید بن عبدالملک نے تعمیر مستحکم کا حکم دیا۔ بہت سے قبے بنائے، کسی کا نام قبہ میزان اور کسی کا نام قبہ معراج رکھا اور یہ بناء اب تک قائم ہے (ہدایۃ القدماء۔ ہدایۃ الحکماء)

مگر سلاطین عثمانیہ کے عہد میں اس کی پھر تعمیر ہوئی۔ یہ مسجد خاص اہل اسلام کے قبضہ میں ہے اور اس کے آس پاس یہود و نصاریٰ کے کئی قبے بنے ہوئے ہیں، جیسا کہ نقشے سے معلوم ہوتا ہے۔ گویا تمام عیسائیوں نے پیٹر ہرمٹ کے اغوا سے بیت المقدس کے لینے کا قصد کیا اور کئی صدیوں تک لڑائیاں رہیں مگر آخر کار صلاح الدین مصری کو خدا تعالیٰ نے غالب رکھ کر اپنا قدیم گھر سچے مذہب والوں کو دلایا۔ بحمد اللہ اہل کتاب کے تمام معابد آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں، والحمد للہ۔ یہ مختصر سا حال بنی اسرائیل کا ہے کہ جس کے جاننے پر قرآن مجید کا سمجھنا موقوف ہے اور تفصیلاً کتب تاریخ میں مذکور ہے۔ قرآن مجید میں مختلف اغراض سے ان قصوں کی طرف بلا لحاظ تقدیم و تاخیر اشارہ ہوا ہے۔ پس ناظر کو چاہئے کہ سب کو اس کے مقامات پر چسپاں کرلے۔

---

● ...... یہ شاہان قیاصرہ میں سے ایک بادشاہ تھا۔ منہ۔ ● ......حضرت مسیح علیہ السلام نے بیت المقدس کے خراب اور برباد ہونے کی پیشین گوئی کی تھی۔ عیسائیوں کے نزدیک اس کا آباد ہونا اس پیشین گوئی کے خلاف تھا اس لیے ہلانہ نئی دین دار نے اس مقام مقدس کو اور بھی خراب کرنا اور قاذورات اس پر ڈالنا کار ثواب اور موجب نجات سمجھا۔ منہ۔

**معجزہ بنی اسرائیل کے عبور بحر قلزم کا انکار اور اس کا جواب:**...... واضح ہو کہ بعض ملحدوں نے جس طرح اور معجزات کا انکار کیا ہے اسی طرح بنی اسرائیل کے عبور قلزم کا بھی انکار کیا ہے اور یہ توجیہ کی ہے کہ جزر و مد تھا یعنی جب سمندر کا پانی اترا ہوا تھا اس وقت بنی اسرائیل کا گزر ہوا اور ان کے پیچھے فرعون اور اس کا لشکر آیا تو اس وقت دریا کا چڑھاؤ تھا، وہ لوگ سب ڈوب مرے۔ نہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی عصا زنی سے سمندر کے دو ٹکڑے ہوئے تھے۔ جیسا کہ اہل کتاب اور اہل اسلام کا عقیدہ ہے اور اپنے اس دعوے پر اس نے ایک دلیل عقلی اور ایک نقلی پیش کی ہے۔ عقلی دلیل یہ ہے: قولہ

انفلق ماضی کا صیغہ ہے اور عربی زبان کا یہ عقیدہ ہے کہ جب ماضی جزا میں واقع ہوتی ہے تو اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ اگر ماضی اپنے معنوں پر نہیں رہتی بلکہ شرط کی معلول ہوتی ہے تو اس وقت ان پر ف نہیں لاتے اور جب کہ وہ اپنے معنوں پر باقی رہتی ہے اور جزا کی معلول نہیں ہوتی تب اس پر ف لاتے ہیں۔ جیسے کہ اس مثال میں ہے ان اکرمتنی فاکرمتک امس۔ اس مثال میں جزاء (یعنی گزشتہ کل میں تعظیم کرنا) شرط کا معلول نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے پہلے ہو چکی تھی۔ اسی طرح اس آیت میں سمندر کا پھٹ جانا یا زمین کا کھل جانا ضرب کا معلول نہیں ہو سکتا۔''

اقول: اس کا جواب یہ ہے (۱) تو زبان عرب کا یہ قاعدہ نہیں، اگر ہے تو کسی اہل زبان یا کتاب کا حوالہ دیجئے۔

(۲) بلکہ وہ قاعدہ یہ ہے کہ ماضی جزا میں واقع ہو تو اگر استقبال کے معنی میں ہے، جیسا کہ درصورت نہ ہونے لفظ قد کے ہوتا ہے تو ف کا لانا لازم نہیں ورنہ ف اس پر داخل کرتے ہیں۔ واذا کان الجزاء ماضیا بغیر قد لفظا او معنی لم تجز الفاء (کافیہ) والضابطة مدار اتیان الفاء و ترکہ لتاثیر المعنوی اعنی قلب الجزاء الی الاستقبال فانھا فیہ اثر تاثیر اتاما فلا حاجة الی الفاء ان اثر تاثیر انا قصا فالو جھان وان لم یوثر فیہ اصلاً فالفاء تکملة۔ اب کہاں یہ قاعدہ، کہاں وہ قاعدہ۔ اس ناواقفیت کا کچھ ٹھکانا ہے؟۔

(۳) نہ یہاں شرط ہے، نہ جزاء، نہ کوئی کلمہ شرط ہے نہ کسی مفسر نے اس کو جزاء قرار دیا ہے۔ صرف ''ف'' آنے سے معترض نے جزاء سمجھ کر ایک منصوبہ باندھ لیا اور ف جزاء کے سوا اور جگہ بھی آتی ہے بالخصوص تعقیب اور تفریع کے لئے اکثر مستعمل ہوتی ہے جیسا کہ سبب اور مسبب اور علت اور معلول کے درمیان واقع ہوتی ہے جیسا کہ کسرتہ فانکسر اور قتلتہ فمات اور اس جملہ کی بھی جلالین وغیرہ تفاسیر میں یوں تقدیر کلام کی ہے اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَضَرَبَهٗ فَانْفَلَقَ (جلالین) جس طرح کہ ہماری زبان میں لفظ پس کا استعمال ہوتا ہے اور مسبب پر بیشتر اس کا استعمال آتا ہے جیسا کہ میں نے اس کو مارا، وہ مر گیا۔ مارنا سبب اور مر جانا مسبب ہے۔ اسی طرح اس آیت میں ضرب عصٰی سبب اور پھٹ جانا مسبب ہے۔ افسوس کہ معترض کو زبان عربی سے کچھ واقفیت نہیں۔ ناحق زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔

**دوسری دلیل نقلی:**...... وہ یہ کہ گلاڈیس ٹالمی جس کو حکیم بطلیموس ❶ کہتے ہیں، جو سنہ عیسوی کی دوسری صدی میں تھا اور مصر میں رہا کرتا تھا اس لئے وہ بحر احمر کے حال سے زیادہ واقف تھا، اس نے بحر احمر کا نقشہ لکھا تھا۔ اصل زبان یونانی ہے مگر اس کا ترجمہ لٹین، جو ۱۶۱۸ء میں لوئیس سیزدہم شاہ فرانس کے زمانہ میں چھاپا گیا تھا، خوش قسمتی سے ہمارے پاس موجود ہے۔ اس میں تیس جزیرے بحر احمر کے مع نام

---

❶ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بطلیموس میں تخمیناً دو ہزار برس کا فاصلہ ہے۔ اگر اس نے بحر احمر کا نقشہ بنایا ہوگا تو اپنے عہد کا نہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد کا۔ پھر اس عرصہ دراز میں جیولوجی کے اصول سے اس ماول نے یہ کیونکر ثابت کر لیا کہ کوئی بھی بحر احمر میں تغیر یا انقلاب پیدا نہیں ہوا اور بطلیموس کے عہد تک بحر احمر اسی صورت میں ٹھہرا رہا جو موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں تھا۔ پھر یہ مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے۔ منہ۔

بتلائے ہیں اور اب وہ جزائر نہیں (کیونکہ علم جیولوجی سے یہ بات ثابت ہے کہ جزائر بعض اسباب سے غرقاب ہو جایا کرتے ہیں اور کبھی دفعۃً نکل آتے ہیں) اس سے ثابت ہوا کہ بحر احمر کا اس زمانہ میں یہ زور وشور نہ تھا کہ جو اہل اسلام کے زمانہ میں بارہ سو برس سے ہے۔ اس سے یہ یقین کامل ہو جاتا ہے کہ وہ مقام جہاں سے بنی اسرائیل اترے، بلاشبہ جوار بھاٹے کے سبب رات کو پایاب اور دن کو عمیق ہو جاتا ہوگا اور موسیٰ علیہ السلام کو پایاب ترجانے کا راستہ معلوم تھا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سمیت بحر احمر کی بڑی شاخ کی نوک میں سے یہاں ہم نے نکتوں کا نشان دیا ہے پار اتر گئے۔ صبح ہوتے جو فرعون نے دیکھا کہ بنی اسرائیل پار اتر گئے اس نے بھی ان کا تعاقب کیا اور لشکر کو غلط راستہ سے دریا میں ڈال دیا پانی بڑھ گیا جس سے وہ سب ڈوب مرے یہودیوں کی تقلید سے مفسرین نے ایک سیدھی سی بات کو ایک معجزہ خارج از قانون بنا دیا حالانکہ قرآن میں ایسا ثابت نہیں۔

جواب: اول تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ نقشہ بطلیموس کے نقشہ کے موافق اور مطابق ہے۔

(دوم) یہ کیا ضروری ہے کہ بطلیموس کے زمانہ میں جو موسیٰ علیہ السلام کے سیکڑوں برس بعد کا ہے، بحر قلزم بدستور ہو۔ ممکن ہے کہ باقوائد جیولوجی اس وقت یہ نئی حالت پیدا ہوئی ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں نہ تھی اور اب پھر ویسی ہی ہو گی۔

(سوم) اب بھی بحر احمر میں جزائر موجود ہیں اس تقدیر پر زمانہ بطلیموس میں اور زمانہ حال میں فرق ثابت کرنا مدعی کے ذمہ ہے۔

(چہارم) یہ سب کچھ تسلیم بھی کیا جائے تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ بنی اسرائیل بحر قلزم کی نوک پر سے گزرے تھے جہاں کہ ایسا کنارہ تھا کہ پانی خشک ہو جاتا تھا جہاں کہ مدعی نے نقطے لگائے ہیں۔

(پنجم) اگر یہ تھا تو فرعون کو اس کنارہ کا علم نہ تھا اور جب کہ اس کے ساتھ سینکڑوں اس ملک کے واقف تھے مقتضائے قانون فطرت یہ تھا کہ وہ کنارے سے بھی دو چار کوس ہٹ کر گاڑیوں کو خشک زمین سے لے کر نکلتا۔

(ششم) اگر کنارہ پاس تھا تو سینکڑوں بنی اسرائیل پر کیا مصیبت پڑی تھی کہ وہ اس مقام سے گزرتے کہ جہاں پانی پایاب ہو گیا تھا، اس لئے کہ گارا اور کیچڑ تو پھر بھی باقی رہتا ہے کہ جس میں چلنا بالخصوص بھاگنے اور خوف کے وقت مشکل ہوتا ہے بلکہ مقتضائے عقل یہ تھا کہ اس نوک سے دو ایک کوس کے فاصلہ سے خشک زمین سے گزرتے مدعی کہاں تک تاویل کرے گا۔

علاوہ اس کے قرآن مجید کے الفاظ سے پانی کا پھٹنا ثابت ہے۔ آیات فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے عصا کو دریا پر مارے، اس نے مارا۔ پس دریا پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا بڑے پہاڑ کی مانند ہو گیا۔ اور لائے ہم اس جگہ دوسروں کو (شعراء) یہاں ضرب کے معنی چلنے کہنا اور فی مقدر ماننا اور اضْرِبْ بِّعَصَاكَ فِي الْبَحْرَ عبارت بنانا نہایت نادانی ہے۔ اول تو بحر مفعول بہ ہے، اس کو مفعول فیہ کہنا پڑے گا۔ دوم: پھر بھی اقرار لازم آئے گا کہ موسیٰ علیہ السلام عصا کے ذریعہ دریا میں سے گزرے۔ سو یہ بھی خلاف قانون قدرت ہے۔ تیسرے فَانْفَلَقَ... الخ کے کیا معنی ہوں گے؟ ایک آیت دوم فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ اے موسیٰ! بنی اسرائیل کے لئے دریا کے بیچ میں سے خشک راستہ نکال (طٰہٰ)۔

آیت سوم وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا کہ دریا کو خشک چھوڑ دو (دخان) وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ (بقرہ) اور ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا۔ اسی طرح تمام کتب تاریخیہ بالخصوص توراۃ، سفر خراج کے باب ۱۴ میں ہے کہ (۲۲) اور بنی اسرائیل دریا کے بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہو کر گزرے اور پانی کی ان کے دائیں اور بائیں دیوار تھی (۱۶) تو اپنا عصا اٹھا، دریا پر مار اور اسے دو حصہ کر۔ بنی اسرائیل دریا

کے بیچوں بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہو کے گزر جائیں گے۔ تعجب ہے کہ مدعی کے نزدیک توریت میں تحریف نہیں ہوئی، وہ تو معتبر نہ ہو اور لیٹن کا نقشہ معتبر مانا جائے۔ واللہ الھادی۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۝۵۱ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۵۲ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝۵۳

ترجمہ:......اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب کہ ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا، پھر اس کے بعد تم نے بچھڑا بنا لیا حالانکہ تم ستم کر رہے تھے۝۵۱۔ پھر اس کے بعد بھی ہم نے تم کو معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو۝۵۲ اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب (توراۃ) اور قانون شریعت دیا تاکہ تم ہدایت پاؤ۝۵۳۔

---

ترکیب:......واذ وعدنا فعل با فاعل، موسیٰ مفعول اول، اربعین لیلۃ مفعول ثانی، اتخذتم فعل، انتم فاعل، العجل مفعول اول، الٰھا مفعول ثانی محذوف، وانتم ظالمون جملۂ اسمیہ حال ہے فاعل اتخذتم سے۔ عفونا فعل با فاعل، من بعد ذلک متعلق ہے فعل سے۔ اٰتینا فعل ضمیر نحن فاعل، موسیٰ مفعول اول، الکتاب معطوف علیہ، والفرقان معطوف، دونوں مفعول ثانی۔ لعل قرآن میں اکثر مفسرین کے نزدیک بمعنی کی آتا ہے جس کے معنی ہیں ''تاکہ'' بعض کہتے ہیں ترجی کے لئے مگر لوگوں کے محاورہ کے موافق خدا تعالیٰ بھی کلام کرتا ہے ورنہ اس کو ہر چیز کی ابتداء و انتہا معلوم ہے اور اسی طرح اذ جو ظرف ہے، ہر جگہ اکثر کے نزدیک اذکر کے متعلق ہے، والقول ماقلنافی المقدمۃ۔

## بنی اسرائیل پر چوتھا انعام

تفسیر:......ان آیتوں میں خدا تعالیٰ اپنا چوتھا انعام یاد دلاتا ہے کہ جو دریائے قلزم کے پار اترنے کے بعد ظہور میں آیا کیونکہ خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر انعام و عنایت کے لئے بلایا اور چالیس رات ان کو وہاں ٹھہرنا پڑا مگر بجائے شکر گزاری کے بنی اسرائیل نے بعد میں ایک بچھڑا سامری کا ڈھالا ہوا بجائے حقیقی خدا کے اپنا خدا بنا لیا۔ اس کی سزا میں اگر سب ہلاک کئے جاتے تو کوئی بڑی بات نہ تھی مگر اس پر بھی خدا تعالیٰ نے ان کو معافی دی۔ یہ کس قدر انعام و عنایت ہے۔ تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے قلزم کو عبور کیا اور کوہ طور کے پاس پہنچے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ چالیس رات تک تم ہماری جناب میں پہاڑ پر عبادت کرو تاکہ تم کو کلام اور احکامِ شریعت ملیں۔ یہ اس لئے کہ اس عرصہ میں جسمانی تعلقات کم ہو کر ملکیت کو ظہور ہو تو خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی صلاحیت ہو جائے اور اسی لئے اہل باطن چالیس روز کا چلہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر تشریف لے گئے اور بنی اسرائیل سے تیس رات کا وعدہ کر گئے، کیونکہ اول میں یہی حکم ہوا تھا۔ پھر دس رات وہاں اور رہنا پڑا تو بنی اسرائیل میں کھلبلی مچ گئی کہ موسیٰ علیہ السلام مر گئے۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص سامری نامی تھا، اس نے کیا مکر کیا کہ بنی اسرائیل سے کہا: اب تو موسیٰ مر گئے اور تمہارے لئے خدا کا ہونا ضروری ہے۔ تم مجھ کو زیور دو کہ میں تمہارے لئے خدا بنا دوں، چونکہ مصر کے لوگ گائے، بیل اور بلی کو پوجتے تھے، یہ بنی اسرائیل بھی ان کی صحبت

کے خوگر تھے۔اس لئے اس نے ایک بچھڑا بنایا۔سب بنی اسرائیل اس کو سجدہ کرنے لگے۔اسی اثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جو پہاڑ سے لوحیں، کہ جن میں احکام الٰہی لکھتے تھے، لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل کی یہ حالت دیکھ کر بڑے ناراض ہوئے اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام پر خفا ہوئے کہ میں تم کو اپنا نائب بنا کر گیا تھا، تو نے کیوں منع نہ کیا؟ انہوں نے عذر کیا کہ میں منع کرتا تو لوگ مجھ کو مار ڈالتے۔یہ قصہ آگے بھی آئے گا اور ہم بیان بھی کر آئے ہیں۔پس خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آیا کہ اس بچھڑے کو ریت کر دریا میں ڈالوا دو اور لوگ اپنی توبہ میں اپنے آپ کو قتل کریں۔چنانچہ ایسا کیا۔تب موسیٰ علیہ السلام نے رو کر التجا کی۔تب یہ حکم معاف ہوا اور خدا تعالیٰ نے درگزر کیا اور پھر موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر گئے تو بہت سے احکام لائے اور غالباً یہی مجموعہ توراۃ تھا کہ تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔اس بچھڑا پوجنے کی کیفیت اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے۔

متعلقات:......(۱) الکتاب سے مراد تو قطعاً توراۃ ہے مگر فرقان کو جو بروزن غفران ہے جس کی معنی فرق کرنے والی چیز کے ہیں، اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ اس سے بھی توراۃ مراد ہے۔یہ توراۃ کا وصف ہے کہ حق و باطل میں فرق کرتی تھی۔بعض کہتے ہیں: اس سے حجۃ معجزات مراد ہیں، واللہ اعلم۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَٰقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِٱتِّخَاذِكُمُ ٱلْعِجْلَ فَتُوبُوٓا۟ إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَٱقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾

ترجمہ:......اور (یاد کرو) جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو! بلاشک تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کرلیا، پس اپنے پروردگار کے آگے توبہ کرو (اور وہ یہ ہے) کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرے۔پس یہ تمہارے لئے تمہارے پروردگار کے نزدیک بہت بہتر ہے۔پھر تم کو خدا تعالیٰ نے معاف کیا۔بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے ﴿۵۴﴾۔

ترکیب:......و اذقال فعل، موسیٰ فاعل۔لقومہ متعلق ہے قال کے۔یا قوم...الخ یہ سب مقولہ ہے۔یا حرف ندا، قوم منادیٰ مضاف، یٰ متکلم مضاف الیہ محذوف کسرۂ میم اس کے قائم مقام ہے۔انکم...الخ نداء، باقی جملے صاف ہیں۔

## بنی اسرائیل پر پانچواں انعام

تفسیر:......یہ پانچواں انعام یاد دلاتا ہے کہ اس گوسالہ پرستی کی سزا میں تم کو اس سرے سے اس سرے تک ہلاک کیا جاتا تو کوئی بات نہ تھی مگر توبہ میں قتل کا حکم دے کر پھر اس کو بھی معاف کر دیا۔اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے تشریف لائے اور یہ حال دیکھا تو ان کو ملامت کی کہ تم نے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کیا۔اب تم توبہ کرو اور تمہاری توبہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو قتل کرو اور ہر شخص اپنے قرابتی کو مارے کہ وہ اپنے نفس کا قتل کرنا ہے۔چنانچہ ایسا ❶ ہوا جیسا کہ توراۃ سفر خروج کے بتیسویں باب میں لکھا ہے (۲۷) اور اس نے انہیں

❶ اس مقام پر بھی محرف قرآن کا یہ کہنا کہ۔قولہ اس بات سے یہ بات نہیں پائی جاتی کہ بنی اسرائیل میں کسی نے اپنے آپ کو مار ڈالا تھا......الخ نہ تنہا قرآن بلکہ توراۃ اور کتب تاریخ کا انکار بلا دلیل ہے جس کو کوئی عاقل پسند نہیں کرتا۔منہ۔

کہا کہ اسرائیل کے خدا نے فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر مرد اپنی قمر پر تلوار باندھے......الخ اور ہر ایک آدمی اپنے دوست کو اور ہر ایک آدمی اپنے قریب کو قتل کرے (۲۸) اور بنی لاوی نے موسیٰ علیہ السلام کے کہنے کے موافق کیا۔ چنانچہ اس روز تین ہزار مرد مارے گئے۔ (۳۰) پھر دوسرے روز موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو کہا کہ تم نے بڑا گناہ کیا......اور سر اس میں یہ تھا کہ شرک کر کے ان لوگوں نے اپنی حیات ابدی کو مٹایا، پس اس کے کفارہ میں یہ حیات مستعار مٹانی چاہئے۔ الغرض موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی اس حالت پر رحم آیا اور خدا تعالیٰ سے سفارش کی۔ اس نے ان کو معاف کیا، کس لئے کہ وہ بڑا مہربان اور معاف کرنے والا ہے۔

متعلقات:......لفظ بری جو باری کا مادہ ہے، ایک چیز سے الگ ہونے کے لئے موضوع ہے یا کسی تنگی سے الگ ہونا، جیسا کہ بولتے ہیں: بری المریض من مرضہ والمدیون من دینہ کہ مریض نے مرض سے اور قرضدار نے قرض سے خلاصی پائی۔ یا ابتداءً کوئی کام کرنا، جیسا کہ بولتے ہیں: بری اللہ الادم من الطین یعنی آدم علیہ السلام کو ابتداءً مٹی کی آلودگی سے ممتاز کر کے پیدا کیا۔ (بیضاوی وحاشیہ عصام وغیرہ) اس مقام پر لفظ بارئکم لانے میں یہ نکتہ ہے کہ بنی اسرائیل کو اس درجہ کی جہالت نے گھیرا تھا کہ اپنے خالق کی پہچان بھی نہ رہی تھی یہاں تک کہ اپنے ہاتھ کے بچھڑے کو خدا سمجھ کر عبادت کرنے لگے اور ایک اور بھی باریکی ہے، وہ یہ کہ جس نے اپنے باری تعالیٰ یعنی خالق کا انکار کیا اس کی سزا اس نعمت کا واپس لینا ہے، یعنی موت۔ تاکہ وہ باری تعالیٰ پھر زندگی جاودانی عطا کرے اور اسی لئے دوبار لفظ بارئکم بولا گیا۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۵۶﴾

ترجمہ:......اور جب کہ تم (تمہارے بزرگوں نے) کہا: اے موسیٰ! جب تک کہ ہم خدا کو علانیہ نہ دیکھ لیں گے آپ کا ہرگز یقین نہ کریں گے۔ تب بجلی نے تم کو دیکھتے دیکھتے آ لیا﴿۵۵﴾۔ پھر ہم نے تم کو تمہارے مرنے کے بعد جلا اٹھایا تاکہ تم شکر کرو﴿۵۶﴾۔

ترکیب:......واذ قلتم فعل، انتم فاعل محذوف۔ یاموسیٰ......اس کا مقولہ لن نؤمن لک ای لاجلک اولن نقر لک۔ نری فعل بافاعل لفظ اللہ مفعول ذی الحال، جھرۃ حال اور ممکن ہے کہ فاعل سے حال ہو اور ممکن ہے کہ یہ مفعول مطلق ہو کر منصوب ہو (بیضاوی)۔

## بنی اسرائیل پر چھٹا انعام

تفسیر:......یہ چھٹا انعام ہے جو ان کو معافیوں کے بعد بنی اسرائیل کے جرم جدید پر وقوع میں آیا جس کی تفصیل یہ ہے۔ علماء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ کہاں کا واقعہ ہے۔ محمد بن اسحٰق جو فن سیرت کے امام ہیں، یہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب گوسالہ پرستی کی سزا میں بنی اسرائیل پر قتل نفس کی توبہ مقرر ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ستر شخصوں کو لے کر کوہ طور پر معذرت کے لئے گئے اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تو اپنے رب سے کلام کر، ہم سنتے ہیں اور اس ہم کلامی کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ ایسا منور ہوا کہ جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ قوم نے کہا: ہم نے صرف باتیں سنی ہیں مگر ہم جب تک خدا تعالیٰ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں گے، ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ تب ان پر بجلی پڑی اور سب مر گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا: الٰہی! میں ان کو بنی اسرائیل کی گواہی کے لئے ساتھ لایا تھا۔ اب یہ تو مر گئے، میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا؟ تب خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے ان کو زندہ کر دیا اور سدی رحمہ اللہ نے کچھ اور طرح پر بیان کیا ہے کہ جب قتل نفس کے بعد خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ تو ستر شخصوں کو لے کر پہاڑ پر ہمارے پاس آ۔ جب وہ آئے تو کہنے لگے کہ

جب تک خدا تعالیٰ کو ہم عیاناً نہ دیکھیں گے، تیری بات پر یقین نہ کریں گے۔ پس بجلی پڑی اور سب مر گئے۔

تب موسیٰ علیہ السلام نے رو کر عرض کی کہ اول تو قتل کا حکم ہو چکا ہے، پھر جو کچھ باقی رہے تھے ان میں سے ستر آدمی لے کر آپ کے پاس آیا اب یہ بھی مر گئے تو بنی اسرائیل سے کیا کہوں گا؟ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ستر لوگ وہ ہیں جو بچھڑا پوجنے میں شریک تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کی آزمائش ہے۔ جس کو چاہتے ہیں آپ گمراہ کرتے ہیں، جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اگر یہی تھا تو مجھ کو اور ان کو پہلے ہی ہلاک کر دینا تھا۔ پس خدا تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا اور ان کو نبی بھی بنایا (تفسیر کبیر ملخصاً)

ان دونوں قولوں میں کچھ بڑا تفاوت نہیں ہے۔ اول قول کے مضامین توراۃ، سفر عدد کے باب ۱۱ اور سفر خروج کے باب ۳۴ سے سمجھے جاتے ہیں۔ شاید اسی قصہ کو خدا تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں ذکر کیا ہے:

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۭ

کہ موسیٰ نے ہمارے وعدے کے لئے ستر شخص پسند کئے۔ پھر ان کو جب زلزلہ نے آلیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا۔ کیا بیوقوفوں کے فعل سے آپ ہم کو ہلاک کرتے ہیں؟ یہ تو صرف تیری آزمائش ہے......الخ میری رائے میں سورۂ بقرہ کا واقعہ وہ ہے جو سفر خروج کے باب ۱۹ سے اشارۃً سمجھا جاتا ہے اور سورۂ اعراف کا قصہ وہ ہے کہ جو سفر خراج کے باب ۲۴ سے سمجھا جاتا ہے۔ بعض ماوّل واقعہ سورۂ بقرہ کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ ستر شخص مرے نہ تھے بلکہ بجلی کے صدمہ سے بیہوش ہو گئے تھے، اس بیہوشی کو موت سے تعبیر کیا ہے۔ جس طرح کہ خواب کو موت کہتے ہیں اور اس سے بیدار ہونے کو زندگی سے تعبیر کیا ہے، اسی طرح کوہ طور کے لرزنے اور وہاں عجائبات قدرت کے ظاہر ہونے کو بھی اس بات پر محمول کیا ہے کہ وہ پہاڑ آتش فشاں تھا۔ یہ تاویلات ملحدانہ خیالات کے ثمرات ہیں کہ جس پر اس کی تفسیر کا مدار ہے، فقط۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا
ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ
سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا
مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع ۶

ترجمہ:......اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا (اور اجازت دی کہ) جو کچھ ہم نے تم کو پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں، ان میں سے کھاؤ (پیو) اور انہوں نے ہمارا تو کچھ بھی نہیں بگاڑا بلکہ اپنا کچھ بگاڑتے رہے ﴿۵۷﴾ اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے کہا کہ اس شہر میں جاؤ پھر وہاں دل بھر

کر جہاں سے چاہو کھاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گھسنا اور معافی مانگتے ہوئے جانا تو ہم بھی تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور اچھے لوگوں کو اور زیادہ بھی دیں گے ﴿۵۸﴾۔ پھر ظالم اس بات کے سوائے جوان سے کہی گئی تھی، اور (بات) کہنے لگے پھر تو ہم نے بھی ان شریروں پر ان کی اس بدکاری کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے، آسمان سے ایک بڑی بلا نازل کی ﴿۵۹﴾۔

**ترکیب:**...... ظللنا فعل بافاعل، علیکم متعلق ہے فعل سے۔ الغمام مفعول اور یہ جنس ہے اور جب واحد مراد ہوتا ہے تو ت زیادہ کرتے ہیں، غمامۃ بولتے ہیں۔ کلو افعل بافاعل، شیئاً مفعول محذوف، من بیان ہے اس محذوف کا۔ طیبات مضاف ما رزقناکم مضاف الیہ۔ انفسہم مفعول ہے یظلمون کا ای کانوا یظلمون انفسہم۔ و اذ قلنا فعل، نحن فاعل، ادخلوا فعل، انتم فاعل، ھذا موصوف، القریۃ صفت۔ یہ مجموعہ مفعول فیہ ہوا ادخلوا کا اور کل مقولہ ہوا قلنا کا۔ رغداً منصوب ہے یا اس وجہ سے کہ فعل مطلق ہے ای اکلاواسعاً۔ یا حال ہے فاعل کلوا ہے۔ سجداً جمع ساجد حال ہے فاعل ادخلوا سے ای متواضعین۔ حطۃ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای سوالنا حطۃ۔ پھر یہ مجموعہ مقولہ ہے قولوا کا۔ نغفر لکم جواب امر ہے اور اسی لئے مجزوم ہے۔ فبدل فعل، الذین ظلموا جملہ فاعل، الذین قیل لھم مفعول اول محذوف، قولاً موصوف، غیر الذی ... الخ اس کی صفت مجموعہ مفعول ثانی (تبیان) من السماء متعلق محذوف ہو کر صفت ہے جزاً کی۔

## بنی اسرائیل پر ساتواں اور آٹھواں انعام

**تفسیر:**...... یہ ساتواں اور آٹھواں انعام ہے جس کی تفصیل یہ ہے: بنی اسرائیل جب دریائے قلزم عبور کر کے بیابانوں میں آئے تو وہاں گرمی کی بڑی شدت تھی۔ خدا تعالیٰ نے اپنا فضل کیا کہ ایک بادل کا سایہ بنا کر ان کو دھوپ کی شدت سے بچایا۔ یہ ساتواں انعام ہے۔ پھر کھانے کا یہ سامان کیا کہ من ❶ وسلویٰ یعنی بٹیریں نازل کرتا تھا کہ ان کے خیموں کے گرد بٹیریں جمع ہو جاتی تھیں۔ رات کو اندھیرے میں یہ لوگ پکڑ لیتے تھے اور پھر گوشت پکا کر کھاتے تھے، جیسا کہ توراۃ میں مشرحاً مذکور ہے۔ یہ آٹھواں انعام ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ یاد دلاتا ہے اور تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مشقت سفر سے گھبرائے تو خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریائے یردن کے اس کنارے تک پہنچا کر کنعان کی تمام سرزمین دکھائی اور خبر دی کہ تو اس ملک میں نہ جانے پائے گا بلکہ تیری موت یہیں ہوگی۔ مگر بنی اسرائیل کو کہہ دیجئے کہ میں تم کو یہ ملک دیتا ہوں اور عنقریب تم اس شہر یریحو کو (کہ جس کو اریحا کہتے ہیں) فتح کرو گے پس جب تم ان شہروں میں جا داخل ہو تو خدا تعالیٰ کی نعمتیں اور طرح طرح کے میوے کھانا، مگر اس کے شکریے میں یہ بات ضروری ہے کہ جب دروازے میں سے گزرو تو اپنی فتح اور بہادری پر نہ اترانا بلکہ سجدہ کرتے ہوئے یعنی عاجزی کرتے ہوئے اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے جانا۔ اس پر ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور جو تم میں نیک ہیں، ان کو اس کے معاوضہ میں ہم اور زیادہ عطا کریں گے۔

❶ ...... من، دھنیے کے دانوں کی طرح اوس جو بڑی شیریں ہوتی تھی جیسا کہ ترنجبین، بنی اسرائیل کے خیموں کے آس پاس جم جاتی تھی۔ اس کو اٹھا لیتے اور توے پر روٹیوں کی طرح پکا پکا کر کھاتے تھے (توریت) چونکہ وہ بے مشقت ملتی تھی اس لئے مفت اور بے مشقت چیز کو لوگ من وسلویٰ کہتے ہیں اور شیریں اور لذیذ بھی تھی اس لئے عمدہ غذا کو بھی من وسلویٰ سے تعبیر کرتے ہیں مگر بنی اسرائیل لذیذ اور بے محنت چیز کو ہر روز اور مسلسل کھاتے کھاتے گھبرا گئے اور خرمستی میں پیاز اور ترکاریاں موسیٰ علیہ السلام سے مانگنے لگے۔ گویا وہ فرعون کی قید سے کیا نکلے تھے، خدا تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام پر احسان جتلاتے تھے۔ آرام طلب، مفت خور قوموں کا یہی حال ہو جایا کرتا ہے۔ ان پر خرمستی سوار ہو جاتی ہے، فسق و فجور اور فحش گوئی اور کاہلی ان کا شیوہ ہو جاتا ہے اس لئے اس کفران نعمت کا عذاب ان پر نازل ہوتا ہے۔ ان میں اولوالعزمی، غیرت، جفاکشی کا مادہ باقی نہیں رہتا اور غیر اقوام کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسی بگڑی قوم کی اصلاح سے موسیٰ علیہ السلام بھی عاجز آ گئے تھے۔ ایسے لوگوں کے قول و فعل کا اعتبار نہیں، نہ ان میں اخوت اور وطنیت کا پاس رہتا ہے۔ یہ امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا جاتا ہے۔ حقانی۔

پھر جب حضرت یوشع بن نون کے عہد میں بنی اسرائیل نے یہ ملک اور یہ شہر فتح کئے تو بجائے تواضع اور استغفار کے سرکش اور بدکار بن گئے اور بت پرستی کرنے لگے۔ خدا تعالیٰ نے ان پر آسمانی بلا نازل کی کہ وباء سے ہزاروں ہلاک ہوئے۔ اپنے افعال بد کا نتیجہ پایا۔

فائدہ: یہ قصہ سورۂ اعراف میں بھی یاد دلایا ہے، اس عنوان سے وَاِذۡ قِيۡلَ لَهُمُ اسۡكُنُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ وَكُلُوۡا مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ وَقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا نَّغۡفِرۡ لَـكُمۡ خَطِيْٓـٰٔتِكُمۡ‌ؕ سَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ قَوۡلًا غَيۡرَ الَّذِىۡ قِيۡلَ لَهُمۡ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا يَظۡلِمُوۡنَ۝۔ اب یہ نکات کہ اس سورۃ میں اسکنو فرمایا اور بقرہ میں ادخلو اکہا اور وہاں یظلمون اور بقرہ میں یفسقون فرمایا (وغیر ذلک) تفسیر کبیر وغیرہ کتب میں ملاحظہ کرنے چاہئیں۔

وَاِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ‌ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا‌ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ‌ؕ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ۝۶۰

ترجمہ:......اور (یاد کرو کہ) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی درخواست کی تو ہم نے کہا (اے موسیٰ!) اپنے عصا کو پتھر پر مارو (انہوں نے مارا) تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر ہر شخص نے اپنا گھاٹ جان لیا (اجازت دی گئی کہ) خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۝۶۰۔

ترکیب:......واذ استقی فعل، موسیٰ فاعل، لقومہ متعلق فعل سے۔ ف تعقیب، قلنا فعل، نحن فاعل، اضرب فعل، انت فاعل، بعصاک میں باء استعانت کے لئے جار مجرور متعلق اضرب کے ہوا۔ الحجر مفعول، یہ سب جملہ مقولہ ہوا قلنا کا۔ انفجرت فعل، اثنتاعشرۃ فاعل ممیز، عینا تمیز ای ضرب فانفجرت۔ قد علم فعل، کل اناس فاعل، مشربھم مفعول۔ مفسدین حال مؤکدہ ہے لا تعثوا سے۔ العشی فساد کرنا، الانفجار پھوٹ نکلنا پانی کا۔

## بنی اسرائیل پر نواں انعام: پانی کے بارہ چشمے

تفسیر:......نواں انعام ہے۔ یہ اس میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں خدا تعالیٰ بنی اسرائیل پر یہ بڑا احسان کیا تھا ''جب بنی اسرائیل سین کا بیابان طے کر کے رفیدیم میں پہنچے تو اس ریگستان میں پانی نہ تھا۔ لوگ موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑا کرنے لگے کہ ہم کو پانی دے کہ پئیں......الخ۔ موسیٰ علیہ السلام نے خداوند سے دریافت کی اور کہا کہ میں ان لوگوں کا کیا کروں......الخ۔ خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ لوگوں کے آگے جا اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کو اپنے ساتھ لے اور اپنا عصا جو تو دریا پر مارتا تھا......الخ۔ اس چٹان پر مارنا، اس سے پانی نکلے گا تاکہ لوگ پئیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے یہی کیا'' (سفر خروج، باب ۱۷) تب اس چٹان سے بارہ چشمے بعدد اسباط بنی اسرائیل بہہ نکلے اور ہر سبط نے ایک چشمے کو اپنے لئے معین کر کے خوب پانی پیا اور خدا تعالیٰ نے فرمایا: میری نعمتیں کھاؤ پیو اور اس کا شکر یہ ادا کرو۔ نہ یہ کہ بغاوت اور سرکشی اور بدکاری کر کے ملک میں فساد مچاؤ۔ یہ واقعہ کئی بار بنی اسرائیل پر گزرا۔ ایک بار تو یہاں پھر جب ایلیم میں آئے، وہاں بارہ چشمے پانی کے اور ستر درخت کھجور کے ملے (سفر خروج، باب ۱۵) اور پھر جب بنی اسرائیل قادس میں گئے اور پانی نہ ملا تو یہی واقعہ پیش آیا۔ چنانچہ سفر عدد کے باب ۲۰ میں یہ جملہ ہے۔ ''تب موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اس چٹان کو دوبارہ اپنی لاٹھی سے مارا تو

بہت پانی نکلا۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو عصا مار کر پتھر میں سے پانی نکالا تھا کہ جو بسا اوقات خود بھی نکلا کرتا ہے۔ ہزاروں چشمے پتھروں سے نکلتے ہیں۔ مگر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انگلیوں سے اس قدر پانی نکالا کہ جس کو سینکڑوں آدمیوں اور جانوروں نے شکم سیر ہو کر پیا، جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کتب میں ہے اور کئی بار ایسا ہوا۔ لیکن اس سورۃ میں جو ذکر ہے تو رفیدیم اور قادس کے واقعہ کا ہے۔

واضح ہو کہ قدیم سے ظاہر بین لوگ معجزات انبیاء علیہم السلام اور امور خوارق عادات کا انکار کرتے چلے آئے ہیں کیونکہ ان کا سرّ ان کی عقل کوتاہ بین میں جب نہیں آتا تو سوائے انکار کے اور کوئی بھی تدبیر نہ سوجھی، سو اس مقام پر بھی یہی تعجب کیا کہ لاٹھی کے مارنے سے اس قدر پانی نکلنا کہ جس کو لاکھوں آدمی پی کر سیراب ہوں، قانون قدرت کے خلاف ہے حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ پتھروں میں عجیب و غریب تاثیرات خدا تعالیٰ نے رکھی ہیں۔ کیا ممکن نہیں کہ وہ پتھر پانی کو زمین سے جذب کر کے نکالے یا ہوا کو ہر طرف سے جذب کر کے اپنی قوت تبرید سے پانی کر کے بہا دے۔ مگر بعض مقلدین دہریہ نے یہ دیکھا کہ قرآن اور توراۃ میں یہ واقعہ موجود ہے تو ان کی یہ تاویل کی۔ اضرب کے معنی چلنے کے ہوتے ہیں اور حجر سے مراد پہاڑی حصہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ سہارے سے پہاڑ پر چڑھ۔ یہ غلط ہے۔ یہ اول تو بقول مأول ضرب کے معنی جہاں چلنے کے ہوتے ہیں تو فی آتا ہے، وہ یہاں نہیں۔ دوم اس کا کوئی قائل نہیں۔ سوم فانفجرت کے پھر کیا معنی؟ اور توراۃ کا جو حوالہ دیا، وہ غلطی ہے کیونکہ جس مقام کا حوالہ دیا ہے وہ ایلیم ہے اور یہاں رفیدیم کا ماجرا بیان ہو رہا ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع

ترجمہ:.....اور (یاد کرو) جب کہ تم نے موسیٰ سے کہا کہ ہم تو ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے پس ہمارے لئے اپنے رب سے مانگئے کہ وہ ہمارے لئے زمین کی پیداوار میں سے ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کر دے۔ (موسیٰ نے) کہا: کیا تم بری چیز کو اچھی چیز کے بدلے میں لینا چاہتے ہو؟ کسی شہر میں اتر پڑو، بے شک جو تم مانگتے ہو تم کو ملے گا اور (ان کی باتوں سے) ان پر ذلت اور کنگالا پن ڈالا گیا اور انہوں نے غضب الٰہی کمایا۔ یہ اسلئے کہ وہ خدا کی نشانیوں کا انکار کرتے رہتے تھے اور ناحق نبیوں کو قتل کیا کرتے تھے (اور نیز) یہ (غضب الٰہی) اس لئے ہوا کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے ﴿۶۱﴾

ترکیب:.....واذ قلتم فعل، انتم فاعل، یاموسیٰ الٰی، بصلھا اس کا مقولہ، یہ تمام جملہ معطوف ہوا اگلے جملہ پر۔ یخرج فعل، ربک فاعل شیئا مفعول محذوف، من بیانیہ، ماموصلہ، تنبت الارض جملہ اس کا صلہ، من بقلھا . . . الخ اس کا بیان اور موضوع ان کا نصب

ہے حال ہونے کی وجہ سے ضمیر محذوف سے تقدیرہٗ مما تنبتہ الارض کائنا من بقلھا۔ پس یہ تمام جملہ بیان ہوا شیئا کا اور یخرج جواب امر ہے۔ یعنی اذع کا جواب ہے اس لئے مجزوم ہوا۔ قال فعل، موسیٰ فاعل، أاستفہامیہ، تستبدلون فعل، انتم فاعل، الذی ھو ادنی اسے حقیر یہ مفعول بالذی میں بائے مقابلہ پس تمام جملہ استفہام انکاریہ ہوکر مقولہ ہوا قال کا۔ اھبطوا مصرًا جملہ انشائیہ، فان لکم خبر ہے ان کی اور ماموصولہ سالتم جملہ صلہ یہ جملہ مجموعہ اسم ان۔ وضربت جملہ مستأنفہ، من اللہ موضع جر میں صفت ہے غضب کی۔ ذلک اشارۃ الی ماسبق من ضرب الذلۃ والمسکنۃ۔ وباء وبغضب مبتداء بانھم......الخ اس کی خبر۔ بغیر الحق موضع نصب میں ہے بسبب حال ہونے کے ضمیر یقتلون سے، تقدیرہ، یقتلونھم مبطلین۔ ذلک اشارہ ہے جمیع امور مذکورہ کی طرف بتاویل ما ذکر ذلک مبتداء، بما عصوا...الخ خبر۔

## بنی اسرائیل پر دسواں انعام، زمین کی پیداوار کا حصول

تفسیر:......اس بڑی آیت میں اِذْ قُلْتُمْ سے لے کر مَاسَاَلْتُمْ تک یہود پر اپنا دسواں انعام جتلا کر وَضُرِبَتْ سے آخر آیت تک ان پر ان کی بدکاری وظلم پر سرزنش فرماتا اور ان کے افعال بد کا بدنتیجہ بتلاتا ہے۔ یہ بھی ایام تیہ کا عہد موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ ہے۔ جب بنی اسرائیل پر اس دشت پرُخار میں کہ جہاں کوئی سامان خورش نہ تھا، خدا تعالیٰ کی طرف سے منّ وسلویٰ اترنے لگا تو بجائے شکر گذاری کے اس جنگل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لڑنے لگے کہ تو نے ہمیں مصر سے نکال کر اس وادی میں لا ڈالا کہ جہاں بجز من وسلویٰ کے اور کچھ نہیں۔ ہم مصر میں زمین کی ہر قسم کی پیداوار کھاتے پیتے تھے۔ ساگ، بھاجی، ککڑی، گیہوں، مسور، پیاز، لہسن۔ اب تُو اپنے رب سے کہہ کہ اس جنگل میں ہم کو یہ چیزیں دے۔ اس گستاخی پر ان کا ہلاک ہو جانا بعید نہ تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے درگذر کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی معرفت فرمادیا کہ اس جنگل کو طے کر کے کسی آبادی میں چلو، وہاں تم کو یہ سب چیزیں ملیں گی۔ کیونکہ مقصود ان کو حسب وعدہ ملک کنعان کا مالک کرنا تھا اور وہ آگے دشمنوں کے خوف سے پاؤں اٹھانا نہیں چاہتے تھے، سب کچھ ان ہی جنگلوں میں مانگتے تھے (یہ توراۃ، سفر عدد کے دسویں باب میں مذکور ہے) اِھْبِطُوْا مِصْرًا اس لئے فرمایا کہ وادی جہاں بنی اسرائیل تھے، اس آبادی کے حصہ سے جہاں ان کو جانا تھا، بلندی پر تھی۔ مصر سے کوئی معین شہر یا گاؤں مراد نہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ شہر اریحا مراد ہے جو سب سے اول بنی اسرائیل نے یوشع علیہ السلام کے عہد میں فتح کیا۔ کیونکہ وہ شاداب جگہ ہے اور ہر قسم کی پیداوار وہاں ہے۔

## بنی اسرائیل پر دائمی ذلت

فائدہ: انسان کی عجیب طبیعت ہے۔ آئندہ آنے والی بڑی سے بڑی نعمت کو جو قدرے کوشش اور عمل پر موقوف ہو، موجودہ زائل نعمت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں سمجھتا، اسی پر قانع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حیات دنیا اور اس کی نعماء فانیہ بمقابلہ دار آخرت کچھ بھی نہیں۔ اس آباد شہر کی طرف قدم نہیں اٹھاتا، یہی رہنا پسند کرتا ہے اور سب کچھ اسی دنیا کے دشت پرخار میں مانگتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں کہ اس کے آگے چلنے کی تاکید فرما رہے ہیں، وہاں کی نعماء کی رغبت دلا رہے ہیں۔ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ ھُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ، یہ جملہ نہ صرف بنی اسرائیل کی نادانی پر سرزنش ہے بلکہ انسانی حالت اور اس کی دنیاوی فریفتگی اور آخرت سے غفلت پر ایک تازیانہ ہے اور یہ جملہ ضرب المثل ہو گیا ہے۔

ان دس انعامات کے بعد جو احکام عشرہ کی تعداد ہے، خدائے تعالیٰ کی بنی اسرائیل پر جو سرزنش ہوئی (اور ہونی بھی چاہئے، کیونکہ جو ایک محسن کے متعدد انعام پا کر بھی پھر قریب آنے والی نعمتوں کی طرف پر رغبت نہ کرے اور موجودہ حالت ذلت میں مسرور و مغرور ہو، اس کے لئے

قضاوقدر سے ایسا ہی مناسب سلوک ہوا کرتا ہے) اس کو بیان فرماتا ہے وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ بنی اسرائیل پر ذلت وخواری ڈالی گئی۔ ایسے خسیس طبائع، نفس پرست، عاقبت نااندیش اسی کے مستحق ہوا کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی ذلت، طبیعت کی دنائت، شکم پروری اور شہوت پرستی نے ان کو ہمیشہ کے لئے ذلیل وخوار کردیا۔ اس وقت سے اب تک خوار ہیں اور خوار ہی رہیں گے۔ آنے والے مسیح کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں، مگر وہ بھی آچکا۔ ذلیل اس کی اطاعت کے سبب عزیز ہوچکے۔ بقول شاعر:

آئے بھی لوگ، بیٹھے بھی، اٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا

اور نہ صرف دنیا کی ذلت نصیب ہوئی، سلطنت وشوکت جاتی رہی بلکہ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ اللہ کا قہر اور اس کی ناراضی بھی انہوں نے حاصل کی جس کی سزا ابدی جہنم ہے اور یہ کیوں ہوا؟ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ آیات الٰہی کا انکار کرتے تھے۔ کتب منزلہ کو بھی نہیں مانتے تھے، نہ آیات قدرت میں غور کرتے تھے۔ سب کو لغو جانتے تھے۔ قوت نظریہ بالکل خراب ہوچکی تھی اور قوت عملیہ بھی بگاڑ چکے تھے کیونکہ يَقْتُلُوْنَ... الخ انبیاء علیہم السلام کو بھی ناحق قتل کرڈالتے تھے اور یہ دونوں قصور عصیان اور حد سے متجاوز ہونے کی وجہ سے سرزد ہوئے۔

**فوائد:** فوم جس کے معنی گیہوں کے ہیں، بعض اہل لغت اس کے معنی لہسن کہتے ہیں اور بعض روایت میں ثوم بھی آیا ہے اور توراۃ میں بھی لہسن لکھا ہے۔

**فوائد:** مصر سے مراد کوئی معین شہر ہے نہ مصر فرعون۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

**ترجمہ:**..... جو کوئی مسلمان اور یہودی اور نصرانی اور صابی اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام بھی کرتا رہے تو ان کا اجران کے رب کے ہاں موجود ہے اور نہ ان پر کچھ خوف طاری ہوگا اور نہ وہ کچھ غم کریں گے ﴿۶۲﴾۔

**ترکیب:**..... ان حرف مشبہ بفعل، الذین امنوا... الخ صلہ موصول اس کا اسم۔ من شرطیہ، فی موضع ابتداء، امن باللہ... الخ اس کی خبر، فلھم اجرھم... الخ جملہ جواب۔ پھر یہ تمام جملہ خبر ہوا ان کی اور عائد محذوف ہے، تقدیرہ من امن منھم۔ لفظ من مفرد ہے مگر معنی جمع کے دیتا ہے۔ پس امن میں لفظ کی رعایت کر کے صیغہ واحد لایا گیا اور معنی کی رعایت کر کے فلھم اجرھم... الخ میں ضمیر جمع لائی گئی۔ اجرھم مبتداء، فلھم خبر اور اخفش کے نزدیک اجرھم جاری کی وجہ سے مرفوع ہے اور عند ظرف ہے اور عامل اس میں معنی استقرار ہے۔

## کامیابی ونجات کا دارومدار ایمان واعمال پر ہے

**تفسیر:**..... گزشتہ آیت میں یہود کی ذلت اور ان پر قہر الٰہی کا نازل ہونا بیان ہوا تھا، جس سے یہود کو مایوسی ہوسکتی تھی اس لئے خدائے تعالیٰ نے اس آیت میں اس مایوسی کو مٹایا کہ ہمارے ہاں کسی شخص کی ذات سے عداوت نہیں، صرف ایمان اور اعمال پر دارومدار ہے۔

خواہ کوئی مسلمان ہو، خواہ یہودی، خواہ عیسائی، خواہ صابی ❶ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لا کر اچھے کام کرے گا، اس کا اجر ضرور خدا تعالیٰ کے پاس ملے گا اور نہ اس کو خوف عذاب رہے گا (دنیا میں) نہ مرنے کے بعد اس کو یہ رنج ہوگا کہ ہائے ہم نے کیوں عمر ضائع کی اور غلط مذاہب اور لغو خیالات کی پابندی کو نجات کا رستہ سمجھ کر جہنم کو پہنچے، اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ یہود اپنے دل میں غرہ نہ ہوں کہ ہمیں سے خدا کو کچھ رتباط خاص ہے، کیونکہ اس کے سب بندے برابر ہیں۔ جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے گا، درجہ پائے گا۔ کوئی اپنے بزرگوں کی عظمت پر گھمنڈ نہ کرے۔

**ہدایت کا دروازہ سب کے لئے کشادہ ہے:**...... اِنَّ الَّذِیْنَ سے یہ نیا بیان شروع ہوتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہدایت کا دروازہ سب کے لئے کشادہ ہے۔ کسی قوم اور کسی شخص کی کوئی خصوصیت نہیں۔ جو ایمان لائے اور نیک کام کرے، وہی دار آخرت اور حیات ابدی کا مستحق ہے۔ بنی اسرائیل کا کوئی خاص حصہ نہیں۔ انہوں نے بھی ایک وقت ایمان اور نیکوکاری سے دنیا پر فضیلت حاصل کی تھی، پھر وہی قوم بے ایمانی اور بدکاری کے سبب ذلیل اور مغضوب ہوگئی۔ بنی اسرائیل کی ترقی اور تنزلی کے بعد یہ بیان ایک طبعی مناسبت رکھتا ہے جو ماہر سے مخفی نہیں۔

**متعلقات:**......(۱) اس مقام پر اکثر لوگ یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے تو ایمان سمجھا گیا، پھر مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ کہنا کیا معنی رکھتا؟ اس کا جواب بعض یہ دیتے ہیں کہ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے وہ مراد ہیں کہ جو صرف زبان سے ایمان ظاہر کر چکے ہیں۔ منافقین یعنی خواہ یہود ہو خواہ وہ ہو جو ظاہری ایمان رکھتا ہے، ان میں سے جو حقیقی ایمان لا کر اعمال صالحہ کرے گا، خدا کے ہاں اجر پائے گا۔ مگر اصلی جواب یہ ہے کہ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے حقیقی اہل ایمان مراد ہیں کہ جو زمانۂ ماضی میں ایمان لا چکے اور اٰمَنَ سے زمانہ آئندہ پر ایمان ثابت قدمی مقصود ہے۔ یعنی خواہ یہودی ہو خواہ حقیقی مؤمن، ان میں سے جو ایمان پر قائم رہے گا......الخ (تفسیر کبیر) مگر یہاں ایک اور نکتہ ہے اور وہ یہ کہ یہ بات تو سب کے نزدیک مسلم تھی کہ جو ایمان لا کر عمدہ کام کرے گا اجر پائے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ اس وصف کو علی العموم بلا تعین قوم و شخص سب کے لئے ثابت کرتا ہے یعنی خواہ کوئی ہو، جو ایسا کرے گا اجر پائے گا، خواہ وہ مسلمان وہ خواہ یہودی یا نصرانی تا کہ مسلمانوں کا راہِ راست پر ہونا برہان سے ثابت ہو جائے۔ ولطفہ لا یخفی علی صاحب الذوق السلیم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ:......اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے عہد لیا تم سے اور تم پر کوہ طور بلند کیا (اور کہا) جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے، اس کو مضبوط ہو کر لو اور جو کچھ اس میں ہے، اس کو یاد رکھو تا کہ تم پرہیزگار بنو﴿۶۳﴾۔ پھر تم اس کے بعد بھی پھر گئے۔ پھر اگر تم پر خدا تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم تباہ ہو جاتے﴿۶۴﴾۔

❶......صابی ایک قدیم فرقہ تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں اس فرقہ کا بڑا زور شور تھا۔ شہر بابل اور نینوا کے لوگ بھی یہی مذہب رکھتے تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس گروہ کی ابتداء کب سے ہوئی۔ اس کا اعتقاد تھا کہ خدا تعالیٰ سے جو مجرد محض ہے، بندہ کی جو مادی ہے، کسی طرح رسائی ممکن نہیں۔ اس کی پرستش اس کے مظاہر نیرات کی پرستش ہے۔ پھر اس کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک وہ جو ستاروں اور آفتاب و ماہتاب اور عناصر کی پرستش کرتے تھے۔ دوم وہ جو اصنام کو نیرات سمجھ کر پوجتے تھے۔ اسی لئے یونان میں زہرہ وغیرہ ستاروں کے نام سے معبد بنے ہوئے تھے۔ پھر آگے چل کر اور بہت سی شاخیں ہو گئیں۔ ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے قدماء، وید ماننے والے بھی اسی گروہ کی شاخ ہیں۔ پھر ہر ملک میں اور ہر زمانہ میں اس مذہب نے نیا رنگ اور نیا نام پیدا کیا۔ منہ۔

ترکیب :...... اخذنا فعل، نحن فاعل، میثاقکم مفعول، و حالیہ، رفعنا فعل، نحن فاعل، الطور مفعول، فوقکم ظرف متعلق ہے فعل سے۔ قلنا محذوف، خذوا ما اٰتینا کم... الخ مقولہ بقوۃ حال ہے ضمیر خذوا سے، ای خذوا عازمین۔ فضل اللہ... الخ مبتداء خبر محذوف، ای لو لا فضل اللہ حاضر۔ کوفیوں کے نزدیک لو لا کے بعد اس کا اسم ہے۔

## بنی اسرائیل پر گیارہواں انعام: کوہِ طور پر عہد الٰہی

تفسیر۔ یہ گیارہواں انعام ہے جس کا کسی قدر ذکر قانون ہدایت میں بیان فرمانے کے بعد یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ ہم نے اے بنی اسرائیل! تم پر یہاں تک عنایت کی تھی کہ جس طرح احمق مریض کو شفیق حکیم زبردستی دوا پلاتا ہے، اسی طرح ہم نے تم سے کیا۔ تم میں از خود تو اس قانون ہدایت لینے کی تو صلاحیت تھی نہیں، ہم نے تم کو زبردستی سے اس عہد الٰہی پر تم پر کوہِ طور اٹھا کر اس کے لینے اور یاد کرنے پر مامور کیا۔ مگر باوجود اس عہد کے تم نے اس کو بھی توڑ دیا اگر اس کی رحمت اور فضل نہ ہوتا تو اس عہد شکنی پر تم کو ہلاک کر دیا جاتا۔ یہ سفر خروج کے باب ۱۹ میں بھی ہے۔ لیکن باوجود اس کے پھر بھی بنی اسرائیل پھر گئے اور طرح طرح کی بدکاری اور بت پرستی میں مصروف ہوئے، جیسا کہ زمانہ سلاطین اور قضاۃ میں واقع ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ رحیم ہے، اس نے اپنے فضل و رحمت سے پھر وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام بھیجے کہ جو بنی اسرائیل کو ہر طرح کی بلا کی اور بربادی سے بچاتے رہے ورنہ نیست و نابود ہو جاتے۔

فوائد: سورۂ اعراف میں بھی خدائے تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۔ پس ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے پہاڑ کو ان پر اٹھا کر خوف دلایا تھا۔ وہ قادر ہے اور بعض ماول اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ پہاڑ کا اوپر اٹھانا ثابت نہیں بلکہ اس پہاڑ کی جڑ میں یہود [1] کھڑے تھے اور پہاڑ کے لرزنے سے ڈرتے تھے کہ اوپر نہ آ پڑے اس خوف کے وقت ان سے کہا گیا کہ اس عہد یعنی توریت کو لو اور اس کو یاد رکھو اور اس پر عمل کیا کرو۔ اس خوف سے انہوں نے عہد کر لیا مگر پھر توڑ دیا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ:...... اور بے شک تم کو وہ لوگ بھی معلوم ہیں کہ جنہوں نے تم میں سے سبت کے دن زیادتی کی تھی۔ پھر ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ذلیل پھٹکارے ہوئے بندر ہو جاؤ ﴿۶۵﴾۔ پس ہم نے اس واقعہ کو اس زمانہ کے لوگوں کے لئے اور ان سے پچھلوں کے لئے عبرت اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت بنا دیا ﴿۶۶﴾۔

ترکیب :...... علمتم بمعنی عرفتم فعل، انتم فاعل، الذین اعتدوا... الخ جملہ مفعول۔ منکم حال ہے ضمیر اعتدوا سے ای المعتدین کائنین منکم۔ فی السبت متعلق ہے اعتدوا سے۔ خاسئین جو مشتق ہے خسأ، اذا ذل سے صفت ہے قردۃ کی اور ممکن ہے کہ خبر ثانی ہو یا کونوا فاعل سے حال ہو۔ ف جعلناھا ای العقوبۃ۔ نکالا مفعول ثانی ہے۔

[1] یہود کے معنی تو ظاہر ہیں کہ بنی اسرائیل کو کہتے ہیں مگر وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے کہ یہودا حضرت یعقوب کے بیٹے کا نام ہے، ان کے نام سے یہ قوم نامزد ہوگئی اور نصاریٰ عیسائیوں کو کہتے ہیں اس لئے ناصرہ شام میں ایک گاؤں ہے، وہاں آ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام رہے تھے اور یہ لفظ عیسائیوں میں سے ایک فریق خاص کے لئے بھی بولا جاتا ہے اپنی کلیسائے عرب کے لئے۔ منہ۔

## بنی اسرائیل پر طاعون اور مسخ صورت وغیرہ کے ذریعہ عذاب

**تفسیر:**......جب خدائے تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنے انعام یاد دلا چکا تو اس کے بعد جو کچھ نافرمانی اور انعام پر ناشکری کرنے سے برے نتیجے پیدا ہوتے ہیں، وہ یاد دلاتا ہے کہ لوگوں کو عبرت ونصیحت ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ اس قسم کے واقعات پر سوائے اس شخص کے (کہ توراۃ کیا بلکہ مجموعہ عہد عتیق کا بڑا حاوی ہو) اور کوئی شخص عادتاً واقف نہیں ہوسکتا۔ بالخصوص وہ شخص کہ جو امی ہو اور جس نے یہود کے ملک میں پرورش بھی نہ پائی ہو چہ جائیکہ ان کی تعلیم وصحبت، پھر یہ حالت بیان کرنا صریح اس بات کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ علام الغیوب اس شخص کو دے رہا ہے اور یہ اس کا سچا نبی ہے۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد یہود پر گزرا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں سمندر کے کنارے پر ملک شام میں کوئی شہر یا قصبہ تھا (جس کو بعض نے ایلہ کہا ہے) ہفتہ کے روز کہ جس کو سبت کہتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے دین میں شکار کھیلنے یا اور کاروبار دنیاوی کرنے کی سخت ممانعت تھی، جیسا کہ توراۃ میں مذکور ہے۔ وہاں کے لوگوں نے کیا حیلہ کیا کہ پانی کی نالیاں حوضوں میں ڈال دیں ہفتہ کے روز ان نالیوں کے ذریعہ حوضوں اور تالابوں میں مچھلیاں جمع ہو جاتی تھیں اور وہ نالیوں کو بند کر دیتے تھے، پھر اتوار کو پکڑ کر کھاتے تھے۔ جب یہ پشت گزر گئی تو نئی پشت کے لوگ تو خاص ہفتہ کے روز بھی مچھلیاں پکڑنے لگے۔ ہر چند انبیاء علیہم السلام اور صلحاء سمجھاتے تھے مگر وہ نہ مانتے تھے۔ تب خدا تعالیٰ نے ان پر قہر نازل کیا کہ طاعون میں مبتلا ہوئے اور شدت ورم سے ان کی شکلیں بگڑ کر بندروں کی سی ہوگئیں اور تین روز میں ہزاروں آدمی مر گئے۔ چنانچہ سموئیل کی دوسری کتاب کے باب ❶ ۲۴ میں مجملاً اس قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہود میں یہ واقعہ عبرت انگیز ہر شخص کی زبان زد تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر یہود مدینہ بھی اس کو خوب جانتے تھے، اس لئے فرمایا وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ۔ اس واقعہ کو سورۂ اعراف میں خدائے تعالیٰ یاد دلاتا ہے وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ ...الآیۃ۔ مجاہد رحمہ اللہ نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو سچ مچ بندر ہونے کا حکم نہ دیا تھا۔ جس طرح احمق اور بے شرم کو گدھا اور کتا کہتے ہیں، اسی طرح ان کو بندر فرمادیا۔ مگر اس کلام کے حقیقی معنی جو ہم نے بیان کئے ہیں، صحیح ہو سکتے ہیں تو مجاز کی طرف رجوع ہونے کی کیا ضرورت؟

**فوائد:** ان بندروں کو ان کی نسل سمجھنا بے وقوفی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا
هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ
لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ
فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ
يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

❶......کیونکہ اس باب کے اول درس میں ہے۔ بعد اس کے خداوند کا غصہ اسرائیل پر بھڑکا......الخ اور پھر آخر میں وبا کی بھی تشریح ہے۔ منہ۔

يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝۷۰

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ

ع لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۱

ترجمہ:......اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم کو خدا تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کر ڈالو۔ وہ بولے: کیا آپ ہم سے دل لگی کرتے ہیں؟ (موسیٰ نے) کہا: خدا کی پناہ کہ میں (دل لگی کر کے) جاہلوں میں شامل ہو جاؤں ۝۶۷۔ (بنی اسرائیل نے) کہا: اپنے خدا سے پوچھو تا کہ وہ ہم کو بتائے کہ وہ کیسا ہو؟ (موسیٰ نے) کہا: وہ یہ فرماتا ہے کہ وہ ایک بیل ایسا ہو کہ جو نہ بڈھا ہو نہ بچھڑا، اس کے بیچ کی راس ہو۔ پھر اب تو جو تم کو حکم دیا گیا ہے، کرو ۝۶۸۔ وہ بولے: اپنے رب سے پوچھو کہ وہ ہم کو بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ (موسیٰ نے) کہا: وہ فرماتا ہے کہ وہ ایسے زرد ڈھڈ ہاتے رنگ کا بیل ہو کہ جو دیکھنے والوں کو خوش معلوم ہو ۝۶۹۔ وہ بولے کہ اپنے رب سے پوچھو کہ وہ ہم کو بتائے کہ وہ کیسا ہو؟ اس لئے کہ ہم کو تو بیلوں میں (چنداں) امتیاز نہیں معلوم ہوتا اور اگر خدا نے چاہا تو ہم ٹھیک پتہ لگا لیں گے۔ (موسیٰ نے) کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسا بیل ہو کہ جو نہ ہلوں میں جتا ہوا اور نہ لاؤ کشی کی ہو، عمدہ ہو، اس میں کوئی داغ دھبہ بھی نہ ہو۔ وہ بولے: اب آپ نے ٹھیک بات بتائی۔ پس اس کو ذبح تو کر دیا مگر کرنے والے نہ تھے ۝۷۱۔

---

ترکیب:......قال فعل، موسیٰ فاعل، لقومہ متعلق ہے ان اللہ یامرکم......الخ کے مقولہ۔ ان تذبحوا بقرۃ نزع خافض کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ قالو فعل۔ ھم فاعل، أ استفہامیہ، تتخذ فعل انت فاعل، نا مفعول اول، ھزوا ای مھزوا بہ مفعول ثانی اور جواب استفہام معنی اعوذ باللہ ... الخ کے ہیں، اس لئے کہ ٹھٹھا کرنا جاہلوں کا کام ہے۔ مراد یہ کہ میں دل لگی نہیں کرتا۔ ما مبتدا ھی خبر جملہ مفعول یبین کا، قال فعل با فاعل، انہ یقول ... الخ مقولہ، انھا میں ھا اسم، بقرۃ خبر موصوف، لا فارض و لا بکر عوان تینوں اس کی صفت۔ ما موصولہ، تومرون صلہ جملہ مفعول فافعلوا کا۔ صفراء صفت اول بقرۃ کی۔ فاقع اسم فاعل، لونھا اس کا فاعل مجموعہ صفت دوم۔ تسر الناظرین جملہ صفت سوم، انشاءاللہ شرط، تقدیرہ انشاء اللہ ھدایتنا اھتدینا، جواب اس کا لمھتدون۔ شرط بیچ میں آ گئی اور مبرد کے نزدیک اس کا جواب محذوف ہے۔ بقرۃ موصوف، لا ذلول صفت، تثیر الارض حال ہے ضمیر ذلول سے تقدیرہ لا تزل فی حال اثارتھا اور ممکن ہے کہ صفت بقرۃ کی ہو۔ ولا تسقی الحرث صفت بقرۃ اور مبتداء محذوف کی خبر بھی ہو سکتی ہے اور اسی طرح مسلمۃ اور لا شیۃ فیھا وشی یشی سے مشتق ہے۔ اصل شیۃ کی وشیۃ ہے، واؤ حذف ہوا۔ الان میں الف لام زائد ہے۔ زجاج کے نزدیک مبنی ہے، اس لئے کہ اس کے معنی اشارہ کے ہیں جس کے معنی ہیں ھٰذا۔ الوقت مبتداء، جئت ... الخ خبر، بالحق جائز ہے کہ مفعول بہ جئت کا ہو۔ والتقدیر ذکرت الحق اور جئت کی ت سے حال بھی ہو سکتا ہے، ای جئت ومعک الحق۔

## بنی اسرائیل کا نقضِ عہد اور سرکشی کا دوسرا نتیجہ

تفسیر:......یہ نقض عہد اور عدول حکمی اور سرکشی کا دوسرا نتیجہ بیان ہوتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ بار بار انعام اور سرکشیوں پر درگزر کر کے اور عہد موثق کرنے کے بعد بنی اسرائیل خود موسیٰ علیہ السلام سے ایسی ایسی سرتابیاں اور معمولی حکم میں نکتہ چینیاں کر کے خود مشقت میں پڑتے تھے۔

ایک بیل ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا، فوراً کسی گائے یا بیل کو ذبح کر دیتے، ہو جاتا۔ مگر بار بار شقیں نکالتے گئے اور پوچھتے گئے کہ اے موسیٰ! اپنے رب سے پوچھ کہ کیسا ہو؟ رنگت کیا ہو؟ ویسی ہی قیدیں لگتی گئیں۔ پھر ان قیود کا بیل تلاش کیا گیا تو بڑی گراں قیمت کو مشکل سے ملا جس کا ذبح کرنا ان پر مشکل ہو گیا (وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ) اس لئے آنحضرت ﷺ بھی ان لوگوں سے جو احکام میں ایسی ایسی کرید کرتے تھے، سخت ناراض ہوتے تھے۔ اس واقعہ سے یہ بھی بتلا دیا جاتا ہے کہ ان اہل کتاب کی اس پیغمبر سے کہ جس کو مانتے تھے اور جس کی صدہا معجزات دیکھ چکے تھے، یہ سرتابی تھی۔ اب اگر نبی آخر الزمان ﷺ سے جس قدر وہ سرتابی کریں اور ایمان لانے میں حیلہ بہانہ پیدا کریں، کچھ بھی بعید نہیں۔ ان کی جبلت ہی ایسی ہے۔

**مقدمہ قتل اور ذبح بقرہ کا حکم:**...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں کسی شخص نے اپنے مورث مالدار کو قتل کر کے خود ڈال دیا اور خون کا دعویٰ اوروں پر کیا۔ یہ مقدمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روبرو پیش ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ ایک بیل کو ذبح کر کے اس کا کوئی پارچہ اس میت پر رکھ دو، یہ آپ بول اٹھے گا اور اپنے قاتل کو ظاہر کرے گا۔ لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا اور یہ سمجھے کہ موسیٰ علیہ السلام دل لگی کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: استغفر اللہ! دل لگی جاہلوں کا کام ہے۔ پھر وہ یہ سمجھے کہ جانے وہ بیل کس کام کا ہے کہ جس کے پارچہ رکھنے سے مردہ بول اٹھے گا (حالانکہ یہ بات معجزہ سے تھی نہ کہ بیل کی تاثیر سے) اس لئے موسیٰ علیہ السلام سے اتے پتے پوچھنے لگے۔ آخر اس صفت کا ایک بیل بڑی گراں قیمت سے خرید کر ذبح کیا اور اس کا ایک ٹکڑا میت پر رکھا۔ اس نے اپنا قاتل بیان کر دیا کہ جو قصاص میں مارا گیا اور حصہ سے بھی محروم رہا۔ اس جگہ صرف بیل ذبح کرنے کا قصہ ہے اور اگلی آیت وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا میں میت کے بدن پر گوشت مارنے [1] کا ذکر ہے۔

ہر چند یہ دونوں باتیں ایک ہی قصہ سے متعلق ہیں مگر چونکہ دونوں میں ایک جداگانہ نکتہ ہے، اس لئے دونوں کو جدا جدا بیان کیا۔ اول میں یہ نکتہ ہے کہ بنی اسرائیل کو چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے قول میں تردد ہوا اور زیادہ نکتہ چینیاں کیں تو وہاں سے قیدیں لگتی گئیں۔ آخر یہ دشواری ان اوصاف کا بیل نہایت گراں قیمت سے دستیاب ہوا۔ چاہئے کہ جس بات کا نبی حکم دے، اس کو بے تامل عمل میں لائے۔ اس لئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر جس بیل کو چاہتے بنی اسرائیل ذبح کر دیتے، کافی تھا۔ مگر انہوں نے تشدد کیا تو ان پر تشدد ہوتا گیا (راوہ مسلم وغیرہ)۔

اس لئے احکام الٰہی میں زیادہ تر استفسار کرنے کو برا سمجھتے تھے، کیونکہ لوگ پوچھیں گے تو اس پر قید شرعی لگ جائے گی۔ مطلق قید ہو کر خواہ مخواہ دقت واقع ہو گی۔ بلکہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے بھی اس بات کو منع کر دیا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ فرمایا اور یہ بھی اس میں اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل، اولاد ابراہیم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ کر کے زبردستی جنت اور نجات کے وارث بنتے ہیں اور ان کے بزرگوں کی یہ حالت تھی کہ نبی کے فرمانے سے ایک بیل بھی بمشکل ذبح کیا اور وہ خود ایسے فرمانبردار تھے کہ خواب میں اشارہ پا کر قربانی پر آمادہ ہو گئے۔ پھر جب بزرگوں کی پیروی نہیں تو بزرگ زادہ ہونے سے کیا فائدہ؟

دوسرے قصہ میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے اس مردہ کو زندہ کر دیا کہ جس کے بنی اسرائیل مقر ہیں تو اے عرب کے مشرکو! تم کو قیامت کے روز مر کر زندہ ہونے میں کیوں شک ہے؟

## توکل، فرمانبرداری واطاعت کا ثمرہ

**فوائد اول:** علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بیل ایک ایسے شخص کا تھا کہ جس نے مرتے وقت ایک لڑکا یتیم اور یہ بیل چھوڑا اور خدائے

---

[1] ...... مفسر نیچری نے بیل کے کسی ٹکڑے کو میت پر مارنے سے زندہ ہو جانے کو خلاف قانون قدرت سمجھ کر اس آیت کی تاویل کی اور اس پر جو عربی قاعدہ سے اعتراضات ہونے لگے، آپ ہی ان کا جواب دینا شروع کر دیا۔ ان جوابوں کو اس مفسر نے غلط ثابت کر دیا اور مو ل کی تاویل پر اعتراضات قائم رکھے جس سے وہ تاویل ہو گئی اور پھر مو ل نے جو جمہور کی مراد پر اعتراض کیا تھا اس کو بھی اس مفسر نے اٹھا دیا جس سے جمہور کے معنی ہی صحیح ثابت ہوئے۔ حقانی۔

تعالیٰ سے عرض کیا کہ میں آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ لڑکا اپنی والدہ کا نہایت فرمانبردار تھا۔ پھر جب بنی اسرائیل میں یہ قصہ پیش آیا تو یہ تمام صفات اس ہی بیل میں پائی گئیں۔ بنی اسرائیل نے اس سے خریدنا چاہا۔ اس نے اپنی والدہ کی اجازت پر منحصر رکھا۔ اس کی والدہ نے اس قدر قیمت لی کہ جو مدت العمر اس فرزند سعادت مند اور اس بیوہ کو کافی ہوگئی خدا تعالیٰ نے اس نیک مرد کے توکل کا اور اس فرمانبردار فرزند کی اطاعت کا ثمرہ دکھایا۔

**فوائد دوم:** بیل کے ذبح کرنے میں ایک تو یہی سر تھا اور دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل اس کی پرستش کرتے تھے اس لئے اس کی قربانی سے ان کے دلوں میں اس جانور کی عظمت کا دور کرنا بھی مقصود تھا۔

**فوائد سوم:** علماء نے یہاں بہت کچھ موشگافی کی ہے کہ آیا ابتداء بیل معین تھا یا غیر معین۔ پھر ماھی کیوں کہا اور کیف ھی کیوں نہ کہا؟ وغیرہ ذالک۔ اب خدا تعالیٰ اس دوسری بات کو جداگانہ بیان فرماتا ہے جس سے حشر اور مرکر بار دیگر جینے کے مسئلے پر شہادت پیش کی جاتی ہے۔

**وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾**

ترجمہ:......اور (یاد کرو) جب کہ تم نے ایک شخص کو قتل کر کے اس میں جھگڑنے لگے اور اللہ تعالیٰ تو اس چیز کو جس کو تم چھپاتے تھے، ظاہر کرتا تھا﴿۷۲﴾۔ پھر ہم نے حکم دیا کہ اس (میت پر اس بیل) کا کوئی ٹکڑا رکھ دو اور اللہ تعالیٰ یونہی مردوں کو زندہ کر دیا کرتا ہے اور تم کو اپنی نشانیاں دکھایا کرتا ہے تاکہ تم سمجھو﴿۷۳﴾۔

---

**ترکیب:**......واؤ حرف عطف، ایک جملہ کا پہلے جملہ پر عطف ہوتا چلا آتا ہے۔ اذکرو المحذوف عامل، اللہ مبتداء، مخرج... الخ جملہ، اس کی خبر ماموضع میں ہے بسبب مخرج کے اور یہ الذی کے معنی میں ہے اور عائد محذوف ہے۔ کذلک کاف موضع نصب میں ہے۔ کس لئے کہ نعت ہے مصدر محذوف کی۔ تقدیرہ یحیی اللہ الموتی احیاء مثل ذلک ادر ءتم کی اصل تدار ءتم ہے بروزن تفاعلتم۔ تخفیف کے لئے ت کو دال سے بدل کر دال کو دال میں ساکن کر کے ادغام کر دیا۔ چونکہ ابتداء بسکون معتذر تھی، ہمزۂ وصل اول میں لائے ادر ءتم ہوگیا۔

## مردوں کا زندہ کیا جانا

**تفسیر:**...... یہ اسی پہلے قصہ کا باقی ٹکڑا ہے جس میں خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک معجزہ دکھایا، وہ یہ کہ حکم دیا کہ اس بیل کا پارچہ (بعض کہتے ہیں زبان، بعض کہتے ہیں دُم) اس میت پر رکھ دو یہ جی اٹھے گا۔ چنانچہ ایسا کیا اور اس نے زندہ ہو کر اپنا قاتل بتا دیا۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مُردوں کو اس طرح زندہ کر دیا کرتے ہیں اور تم کو اپنی نشانیاں دکھایا کرتے ہیں تاکہ تم ایمان لاؤ اور خدا تعالیٰ کو قادر مطلق سمجھو۔ یہ تو سِرّ مخفی ہے کہ بیل کے ذبح کرنے کی کیوں مشقت ڈالی، یوں ہی اس کو کیوں زندہ نہ کر دیا۔ اس کو وہی جانتا ہے۔ مگر دو فائدے اس کے ظاہری ہیں۔ اول حشر کا ثبوت، دوم ان کی سرکشی پر تازیانہ۔

**خوارق عادت امور کے منکرین کا اعتراض اور جواب**...... واضح ہو کہ دہریے ایسے خوارق کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اہل ادیان بالخصوص مسلمان بھی منکر ہو جائیں۔ اس لئے بعض نے ان آیات کے معانی کو بدلا اور بے تُک بہت سی باتیں بنائیں اور پھر

اپنی توجیہ باطل پر آپ ہی اعتراضات کر کے ان کو اٹھانا چاہا مگر اٹھا نہ سکا۔ اول شبہ کا جواب یہ دیا کہ اِضْرِبُوْا کی ضمیر میت کی طرف بِبَعْضِهَا کی ضمیر مؤنث نفس کی طرح پھرتی ہے۔ سو یہ جواب غلط ہے، اس لئے کہ نفس کا اطلاق جسم مردہ پر نہیں ہوتا بلکہ زندہ کو کہتے ہیں اور ٹکڑا بھی نفس کا نہیں ہوتا بلکہ جسم کا، پھر اس کی طرف ضمیر راجع کس طرح ہو سکتی ہے؟ دوسرا شبہ موتٰی اور یحیی کے معنی پر ہے کیونکہ موتی کے معنی نامعلوم اور یحیی کے معنی ظاہر کرنے کے مأول کے لئے ہیں۔ اس کا خوب جواب دیتے ہیں کہ آیت وَ کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ میں بھی یہی معنی مراد ہیں اور لفظ مُخْرِجٌ اور تَکْتُمُوْنَ جو مقابلہ میں پڑا ہے، اس معنی کے لئے قرینہ ہے۔ یہ جواب بھی غلط ہے۔ اول تو یہ آیت مذکورہ میں یہ معنی مراد نہیں اور جو ہوں تو ایک جگہ مجاز تسلیم کرنے سے ہر جگہ حقیقی معنی متروک نہیں ہو سکتے اور نہ یہ قرائن اس معنی کے لئے ہو سکتے ہیں۔ (دوم) مُخْرِجٌ اور تَکْتُمُوْنَ تو یہی چاہتا ہے کہ یُحْیِیْ کے معنی زندہ کرنا اور مَوْتٰی میت کی جمع کے معنی مردے کے لئے جائیں تاکہ ان کی خفیہ خیانت کا اظہار پایا جائے۔ تیسرا شبہ کَذٰلِكَ کے معنی درست نہیں ہوتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ مقدر مان کر تشبیہ درست ہو جائے گی اور مقدر ماننا نہ خلاف عقل ہے نہ نقل۔ یہ جواب بھی غلط ہے۔ کیونکہ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ کہ وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، صریح دلیل ہے کہ یہ فعل خارق عادت ہے کہ غیر محسوس خدائے تعالیٰ کے وجود کامل کی دلیل بنایا گیا ہے ورنہ اس طرح کے ٹوٹکے اور شعبدے آیات الٰہی نہیں ہو سکتے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: ۔۔۔۔ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا کہ وہ پتھر ہیں یا سختی میں ان سے بھی زیادہ تر اور بعض پتھر تو ایسے بھی ہیں کہ جن سے نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں، پھر ان سے پانی جھرتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کے خوف سے نیچے گرتے ہیں اور اللہ تمہارے کام سے بے خبر نہیں ہے ﴿۷۴﴾۔

ترکیب: ۔۔۔۔ ثم استبعاد قسوۃ کے لئے نہ کہ تراخی کے لئے، قست فعل، قلوبکم فاعل، من بعد ذلک متعلق ہے فعل سے۔ ھی مبتداء، کالحجارۃ مستقرۃ کے متعلق ہو کر خبر اور ممکن ہے کہ کاف اسمیہ بمعنی مثل ہو اور متعلق نہ ہو اور بمنزلہ اس او کے ہو کہ جو او کصیب میں ہے۔ اشد معطوف ہے کاف پر تقدیرہ او ھی اشد۔ قسوۃ تمیز ہے، لما میں ل تاکید اور ما موصولہ موضع نصب میں ہے کیونکہ اسم ان ہے اور یتفجر منه الانهار جملہ فعلیہ اس کا صلہ اور من الحجارۃ خبر انّ ہے اور اسی پر و ان منها لما یشقق کو قیاس کرنا چاہئے۔ من خشیۃ اللہ موضع نصب میں ہے یهبط سے کما تقول یهبط بخشیۃ اللہ باقی صاف ہے۔

## یہود کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں

تفسیر: ۔۔۔ خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کو فرماتا ہے کہ ان واقعات اور عجائبات قدرت کے دیکھنے کے بعد تم کو مساوات ہو گئی اور چکنے گھڑے کی طرح ہو گئے اور گناہ کرتے کرتے تمہارے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے جس طرح پتھر پر اثر نہیں ہوتا، اسی طرح تمہارے دلوں میں انبیاء علیہم السلام کی نصیحت اثر نہیں کرتی۔ بلکہ پتھروں کے تو کچھ فائدے بھی ہیں اور وہ کچھ اثر بھی قبول کرتے ہیں، اس لئے کہ بعض

میں سے تو پانی کے چشمے پھوٹ کر نکلتے ہیں کہ جن سے خلق خدا فیض پاتی ہے اور بعض میں سے پانی جھرتا ہے جب کہ وہ ابخرات کے زور سے پھٹ جاتے ہیں اور بعض پتھر پہاڑ کی چوٹی سے زمین پر گرتے ہیں گویا کہ ہیبت الٰہی سے لرز کر سجدہ میں گرتے ہیں اور تمہارے دلوں میں تو یہ بھی وصف نہیں، پس وہ پتھروں سے بھی سخت تر ہیں۔ اگر یہ لوگ خاتم النبیین ﷺ کو نہ مانیں یا ان کے معجزات اور پر اثر وعظ پر قہقہہ اڑائیں تو ان سے کچھ تعجب نہیں اس سے کوئی عرب اور کوئی قوم یہ نہ سمجھے کہ نبی ﷺ کی نبوت اور فیض ہدایت کا قصور ہے، بلکہ ان کی استعداد میں فتور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہود کی سخت دلی کی مذمت فرمائی اور ان کو سانپوں کے بچے کہا۔

متعلقات:......قساوۃ۔ غلظت اور سختی کو کہتے ہیں، جیسے کہ پتھر میں ہوتی ہے اور دل کی قساوۃ یہ ہے کہ اس میں خوف و عبرت کی جگہ نہ رہے۔

فجر۔ کھل جانا، پھوٹ پڑنا۔ چونکہ پہاڑوں میں تو بعض جگہ بڑے زور سے پانی نکل کر اس سے دریا اور نہریں بہتی ہیں، جیسا کہ گنگا اور جمنا کا منبع اور بعض پہاڑوں میں ابخرات کی شدت سے پتھر پھٹ کر ان سے تھوڑا تھوڑا پانی رسنے لگتا ہے، اس لئے ان دونوں کو جدا جدا بیان فرمایا اور جو دونوں کو ایک سمجھ کر کلام الٰہی پر اعتراض کرتا ہے، وہ جاہل ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ۝۷۵ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ قَالُوْۤا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝۷۶ اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۝۷۷

ترجمہ:......(مسلمانو!) کیا تم کو یہ توقع ہے کہ (یہود) تمہیں مانیں گے حالانکہ ان میں سے ایک ایسا گروہ بھی ہو گذرا ہے کہ جو کلام خدا سنتا تھا، پھر اس کو سمجھنے کے بعد دیدہ دانستہ بدل ڈالتا تھا۝۷۵ اور جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے اور جب ایک دوسرے سے تنہا ملتا ہے تو کہتے ہیں کہ کیا تم مسلمانوں کو وہ بات کہہ دیتے ہو کہ جو خدا تعالیٰ نے تم پر ظاہر کی ہے تاکہ وہ اس سے تم کو تمہارے رب کے روبرو الزام دینے لگیں، کیا تم نہیں سمجھتے؟۝۷۶ کیا وہ (یہودی) نہیں جانتے کہ جو کچھ وہ پوشیدہ اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۝۷۷۔

ترکیب:......ان یومنوا میں حرف جر محذوف ہے، تقدیرہ فی ان یؤمنوا، وقد کان جملہ حالیہ ہے، تقدیرہ افتطمعون فی ایمانھم وشانھم الکذب والتحریف۔ منھم موضع رفع میں ہے، صفت ہے فریق کی اور یسمعون... الخ جملہ کان کی خبر اور فریق اسم ہے اذا حرف شرط، لقوا......الخ شرط، قالوا امنا جواب شرط اور اسی طرح اذا خلا بعضھم......الخ شرط قالوا......الخ جواب شرط۔ بما فتح اللہ میں ما موصولہ ہے اور ممکن ہے کہ موصوفہ اور مصدریہ ہو۔

## مسلمانوں کو رب تعالیٰ کی طرف سے تسلی

تفسیر:......خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی دیتا کہ تم ان یہودیوں سے کیا امید رکھتے ہو کہ وہ دین اسلام قبول کریں گے۔ ان سے یہ

امید نہ رکھو، اس لئے کہ وہ شریر قوم ہے جس میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جو کلام خدا تعالیٰ سن کر اور خوب سمجھ کر پھر اپنی خواہش نفسانی سے بدل ڈالتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ یہ فعل سخت گناہ ہے۔ پس جس کلام کو یہ برحق سمجھتے تھے اور جس نبی پر یہ ایمان لائے ہوئے تھے، اس کی نسبت ان کی یہ کاروائی تھی تو اور کا کیا ذکر ہے؟

**یہودیوں کا توراۃ کو سن کر اس کے برخلاف عمل کرنا:**......علماء کے اس میں مختلف قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روبرو یہود یہ حرکت کرتے تھے کہ توراۃ کو سن کر اور سمجھ کر پھر اس کے برخلاف عمل کرتے تھے اور کلام الٰہی کو نہ مانتے تھے۔ یہی ان کی تحریف تھی بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد علماء یہود نے اپنے اغراض نفسانیہ سے توراۃ میں تحریف کی چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کو تاویلات اور الفاظ کی کمی زیادتی کر کے بدل دیا۔ اس لئے حواری عہد عتیق کے حوالے دیتے ہیں حالانکہ ان میں وہ حوالے نہیں پائے جاتے۔ کسی کتاب عہد عتیق میں نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ناصری کہلائے گا، حالانکہ حواری کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام یہ بات فرما گئے ہیں اور بہت سے شواہد ہیں اور اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات میں تصرف بے جا کیا اور یہی قول صحیح ہے اور اس بات کا ثبوت علمائے اسلام نے کتب مناظرہ میں بڑی شدومد سے کر دیا ہے۔

**رب تعالیٰ کی جانب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:**......اب خدا تعالیٰ یہود کی بدخصلتوں سے مطلع کر کے نبی علیہ السلام کو تسلی دیتا ہے۔ فرماتا ہے کہ ان یہود کی بے دینی یہاں تک ہے کہ ایمان اور کفر کو ایک سرسری بات سمجھ رکھا ہے۔ پس جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لائے اور جب آپس میں اکیلے ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو اس بات پر ملامت کرتا ہے کہ تم توراۃ اور دیگر کتب انبیاء علیہم السلام سے مسلمانوں کے روبرو وہ باتیں کیوں پیش کیا کرتے ہو کہ جن سے ان کے دین کا برحق ہونا پایا جاتا ہے کہ جس طرح وہ تم کو اور باتوں سے الزام دیتے ہیں اسی طرح عند اللہ بھی تم کو ملزم کریں گے اور خدا تعالیٰ کے سامنے تمہارے پاس کوئی حجت اسلام قبول کرنے کی نہ رہے گی۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں، خواہ وہ ظاہر کریں خواہ وہ چھپائیں، بہرحال وہ ہر بات جانتا ہے۔ وہ خود اپنے نبی کی زبانی اور اس کے علماء کی معرفت ان باتوں کو ظاہر کر دے گا۔ وہ ہر حال میں خدا تعالیٰ کے نزدیک اسلام قبول نہ کرنے پر ملزم ٹھہریں گے۔ کیا وہ اس بات کو نہیں جانتے؟ عِنْدَ رَبِّكُمْ کے معنی میں علماء کی مختلف توجیہات ہیں، مگر قوی اور صاف یہ ہے ای فی حکمہ اس کے بعد خدائے تعالیٰ عام یہود کی بے دینی اور جہالت ظاہر کرتا ہے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ فَوَيْلٌ
لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۖ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا
بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝
وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا
فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ كَسَبَ

سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

ع وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: ...... اور بعض ان میں سے ان پڑھ بھی ہیں جن کو اپنے دلی منصوبوں کے سوائے کتاب کا علم ہی نہیں اور وہ محض انکل پچو بنایا کرتے ہیں ﴿۷۸﴾۔ سو افسوس ہے ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تا کہ اس سے کچھ زرد پیہ کمائیں ■۔ پھر تف ہے اور ان کے ہاتھوں کے لکھنے پر اور تف ہے ان کی کمائی پر ﴿۷۹﴾ اور وہ (یہ بھی) کہا کرتے ہیں کہ بجز چند گنتی کے دنوں کے ہم کو آگ (دوزخ کی) نہ چھوئے گی۔ (اے نبی!) ان سے پوچھو: کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد کرا لیا ہے کہ پھر وہ اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہ کرے گا؟ یا تم اللہ پٹ وہ باتیں بناتے ہو کہ جن کو تم خود بھی نہیں جانتے ﴿۸۰﴾۔ ہاں جس کسی نے برائی کمائی ہوگی اور اس کو گناہوں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہوگا وہی دوزخی ہیں، وہی اس میں ہمیشہ رہا کریں گے ﴿۸۱﴾ اور جنہوں نے ایمان لا کر اچھے کام بھی کئے ہوں گے وہی جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے ﴿۸۲﴾۔

ترکیب: ...... امیون مبتداء موصوف، لایعلمون الکتاب صفت، منہم خبر مقدم، الّا امانی استثناء منقطع ہے بمعنیٰ لکن۔ امانی، امنیۃ کی جمع ہے جس کے معنیٰ دلی منصوبہ ہیں اور اس لئے اس کا اطلاق جھوٹ اور آرزو اور جو پڑھنے میں آتا ہے اس پر ہوتا ہے۔ ان بمعنیٰ ما بقرینہ الّا و التقدیر و ان ھم الّا قوم یظنّون۔ فویل ❶ للذین یکتبون مبتداء و خبر ہیں۔ الکتاب مفعول بہ ہے بمعنیٰ مکتوب اور جس نے مصدر سمجھا ضعیف کو اختیار کیا۔ بایدیھم، ید کی جمع ہے جس کی اصل یدی کفلس ہے اور جمع قلّت ہے۔ باوجودیکہ ہاتھوں سے لکھتے ہیں نہ کہ پاؤں سے، پھر اس کو جو ذکر کیا تو تاکید کے لئے جیسا کہ بولتے ہیں اپنی آنکھ سے دیکھا۔ لِیَشْتَرُوْنَ میں لام یَقُوْلُوْنَ کے متعلق ہے۔ ممّا کتبت میں ما بمعنیٰ الذی یا نکرۂ موصوفہ یا مصدریہ ہے اور اسی طرح ممّا یکسبون میں۔ قالو فعل ھم ضمیر فاعل، لن تمسنا . . . الخ جملہ مفعول بہ۔ الا ایام میں ایام کو بوجہ ظرف ہونے کے نصب ہے نہ کہ الّا کی وجہ سے، اس لئے کہ فعل اس ظرف سے پہلے کسی اور ظرف کی طرف متعدّی نہیں ہوا۔ (تبیان) ایام اصل ایوام، یوم کی جمع تھا، واؤ کو یا بنا لیا اور ی کو ادغام کر دیا۔ اتخذتم ہمزہ واسطے استفہام کے ہے اور ہمزہ وصل محذوف ہے بلیٰ کلمہ ایجاب ہے۔ من بمعنیٰ الذین اور ممکن ہے کہ شرطیہ اور دونو تقدیر پر یہ مبتداء۔ اصحاب النار خبر جملہ جواب شرط یا خبر من۔ ام ہمزۂ استفہام کے معنیٰ میں ہے۔ ای الامرین کائن یعنی ام متصلہ یا اس کو منقطہ کہا جائے بمعنیٰ بل ہے۔

## یہود کی بے دینی اور جہالت

تفسیر: ...... یعنی ان کے حامیوں کی یہ کیفیت ہے کہ توریت یا کسی اور کتاب کو تو جانتے نہیں۔ صرف خیالی ڈھکوسلے اپنی دل میں جما رکھے ہیں۔ اوّل یہ کہ تمام مخلوق علیحدہ خدا تعالیٰ کو ہم سے ایک اختصاص خاص ہے، کیوں کہ اس نے ہم کو پیدا کیا ہے اور مجبور بنایا ہے، پس ہمارا ہر گناہ معاف ہے۔ دوم یہ کہ ہمارے باپ دادا انبیاء تھے، ان کو قدرت ہے کہ بغیر مرضیٔ خدا تعالیٰ ہم کو دوزخ سے چھڑا لیں گے (جیسا کہ آج کل جاہل پیرزادوں کے خیالاتِ فاسدہ ہیں)۔ سوم یہ کہ یہود کو اگر عذاب بھی ہوا تو چند روز کا ہوگا۔ چہارم استحقاق نبوّت

■: ...... اس آیت سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید کی اجرت کتابت اور لکھ کر بیچنا جائز نہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ جائز ہے اور اسی پر علماء کا فتویٰ ہے (تفسیر عزیزی) ❶ ...... ویل زبان عربی میں ناراضی کے موقع پر استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ہماری زبان میں تف اور پھٹے منہ بولتے ہیں پس جو امام احمدؒ اور ترمذیؒ اور ابو یعلیٰؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ ویل جہنم میں ایک کنواں ہے اور ابن جریرؒ نے روایت کیا ہے کہ وہ جہنم میں پہاڑ ہے۔ سو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ چیزیں خدا تعالیٰ کے کلمۂ ویل کے مظہر ہے یعنی اس کی ناراضی ان صورتوں میں ظہور کرے گی۔ سو یہ سب ٹھیک ہے۔

ہمارے خاندان کو حاصل ہے اور کسی خاندان کا نبی نہیں ہو سکتا (جیسے ہندوؤں اور برہمنوں کے خیالات فاسدہ ہیں)۔

**احکاماتِ خداوندی میں علمائے یہود کی تحریف:**......خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بے اصل خیالات ہیں۔ان کے علماء کا یہ حال ہے کہ غلط مسائل اور امراء کی خواہش کے موافق روپیہ لینے کے لئے اپنے ہاتھوں سے جھوٹی روایات لکھ کر پیش کر دیا کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، یعنی تورات کی عبارت ہے۔اگر کسی پرانے نوشتے کو حسن ظن سے من جانب اللہ کہہ دیتے تو ایک بات تھی، غضب یہ کہ اپنے ہاتھوں کے نوشتہ کو من جانب اللہ کہہ دیتے ہیں۔اس لئے یَکْتُبُوْنَ بِاَیْدِیْہِمْ کی قید لگائی ورنہ لکھا تو ہاتھوں سے ہی کرتے ہیں، آنکھوں اور کانوں سے کون لکھتا ہے۔

**یہود کے خیالی منصوبوں کا رد:**......فرماتا ہے تُف ہے اس لکھنے پر اور تف ہے اس کمائی پر۔اس کے بعد وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ... الخ ان کے امانی اور خیالی منصوبوں کو بیان فرما کر اس کا رد کرتا ہے کہ کیا خدا نے تم سے اس کا کوئی عہد کر لیا ہے کہ وہ تمہارے گناہوں پر عذاب بھی دے گا تو چند روز کے لئے؟ ہرگز نہیں۔جزا اور سزا کا عام قاعدہ ہے کہ کوئی ہو جو ہر طرح کے گناہوں میں آلودہ ہوگا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور جو ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا ہمیشہ جنت میں رہے گا۔

---

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ قف وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ط ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

---

**ترجمہ:**......اور جب کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ خدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ سے اور قرابت داروں اور یتیموں اور بے کسوں سے سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔پھر بجز چند آدمیوں کے تم میں سے منہ موڑ کر سب پھر گئے ﴿۸۳﴾۔

**ترکیب:**......اذ ظرف متعلق ہے اذکر کے، اخذنا فعل با فاعل، میثاق بمعنیٰ عہد مفعول لاتعبدون الیٰ آخرہ جواب قسم ہے جو اخذنا سے مستفاد ■ ہے۔ای احلفناھم او قلنا لھم باللہ لاتعبدون۔دوم یہ کہ ان مقدر ہو والتقدیر اخذنا میثاق بنی اسرائیل علیٰ ان لا تعبدوا الا اللہ۔پس حرف جر حذف ہوا، پھر ان حذف ہو گیا، پھر مضارع مرفوع ہو گیا، جیسا کہ اس مصرع میں الا ایھذا الزّاجری احضر الوغی اور بعض قراءت میں ان لاتعبدوا بھی آیا ہے، پس اس تقدیر پر میثاق سے بدل جائے گا، یا بحذف جار اس کا معمول بن جائے گا۔نافع اور ابن عامر اور ابو عمرو اور عاصم اور یعقوب نے لاتعبدون ت کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی لوگوں نے ی کے ساتھ۔اور بالوالدین احسانًا۔وذی القربیٰ اس کا عطف الذین پر ہے۔قولوا ای قلنا لھم قولاً حسناً بضمّ الحاء و سکون السین و بفتحھما جیسا کہ حزن اور حزن دونوں درست ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ ثانی صورت میں دونوں صفت ہیں مصدر محذوف کی اور اوّل میں مضاف محذوف ہے ای ذا حسن۔وانتم معرضون جملہ حال مؤکد ہے۔فاعل تولّیتم سے۔

## یہود کو تاکید شدہ احکامات اور ان کی قسمیں

**تفسیر:**......یہود کو جو خدا تعالیٰ نے بتاکید شدید احکامات دئے تھے جن پر عمل کرنے سے ان کو دنیا کی فضیلت دی گئی تھی اور ان پر کیا

---

■:......بعض علماء لاتعبدون کو خبر بمعنیٰ انشاء کہتے ہیں اور خبر کے پیرایہ میں حکم مؤکد ہوتا ہے۔منہ

منحصر ہے، جو کوئی ان احکام پر عمل کرے گا فضیلت اور سیادت کا مرتبہ پائے گا۔ ان احکام کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل وہ جو خود عامل کے لئے مکارم اخلاق اور ذاتی خوبی ہو جاتے ہیں۔ دوم وہ جو تمدن کی اصلاح اور قومیت کے قیام کے باعث۔ قسم اوّل کی بھی دو قسمیں ہیں۔ خدا تعالیٰ کی تعظیم، اس کی مخلوق پر رحم کرنا۔ فقال: لَا تَعْبُدُوْنَ... الخ اوّل تو تعظیم الٰہی کا ذکر فرمایا، یہ اس لئے کہ تمام حسنات کی بنیاد توحید ہے اور یہ توحید دراصل منعم حقیقی کا شکر بھی ہے اس لئے اس کے ساتھ شکر منعم مجازی بھی تاکیداً ذکر فرمایا۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا کہ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، گویا توحید کے بعد ماں باپ کی تعظیم و حرمت دوسرے درجہ کا حکم ہے اور صرف ماں باپ ہی نہیں بلکہ ان کے سبب سے جو رشتۂ قرابت پیدا ہوا ہے، ان اہلِ قرابت کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنا خواہ وہ ماں کے اہل قرابت ہوں یا باپ کے۔ چچا، پھوپھی، دادا، دادی، چچا اور پھوپھیوں کی اولاد، خالہ ماموں اور ان کی اولاد، یہ قرابت نسبی ہے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ قرابت سببی اور رضاعت و قرابت، صحبت و محبت بھی موجب آیت ملحوظ رکھی جائے۔ اب جس طرح ماں باپ کی تعظیم کا جزء اہل قرابت کی تعظیم تھی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا جزء اس کی مخلوق پر رحم کھانا ہے۔ گویا یہ اس کے عیال ہیں، بالخصوص ان سے دو گروہ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ سے سلوک کرنا، عام ہے کہ قرابت دار ہوں یا نہ ہوں۔ اگر قرابت دار ہیں تو اور زیادہ قابل ترحم ہیں اور زیادہ ثواب ہوگا۔ یتیم اس نابالغ کو کہتے ہیں کہ جس کا باپ مر جائے مسکین و مفلس وہ ہے جو صاحب زکوٰۃ نہ ہو، عام ہے کہ تندرست ہو یا بیمار اور عموماً بنی نوع کے لئے عمدہ بات کہنا وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا عمدہ بات، اچھی صلاح دینا، کوئی دنیاوی و اُخروی تعلیم دینا فحش اور بدکاموں سے بہ نرمی و اخلاق منع کرنا اور کم سے کم میٹھی بات اخلاق سے بولنا، ترش روئی اور کج ادائی سے پیش نہ آنا۔

**بدنی اور مالی عبادت:**...... اس کے بعد خدا تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کا حکم فرمایا اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کہ اس کے لئے نماز پڑھنا، دعا کرنا، سجدہ کرنا، مصائب میں اسی سے التجاء کرنا، یہ بھی نماز کا جزء ہے اور دل میں اسی کا تصور کرنا، یہ نماز ہے۔ مگر یہ ہیئت مخصوصہ جو نماز جملہ شرائط کے ساتھ ہو، ان سب کو شامل ہے اس لئے وہ فرض ہے۔ مسلمانوں پر رات دن میں پانچ وقت، یہود پر جو نماز جس ہیئت میں فرض تھی، اس کی تشریح ان کتابوں میں ہے۔ اب فرائض و نوافل سب اس میں آ گئے۔ یہ بدنی اور روحانی عبادت تھی۔ اس کے بعد وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ مالی عبادت کا حکم صادر فرمایا۔ مال کی جڑ بنی آدم کے دل پر ہوتی ہے جب تک منعم حقیقی کی راہ میں اس کو صرف نہ کرے گا، نماز بھی ایک رسمی عبادت سمجھی جائے گی اور اگر زکوٰۃ دے گا تو یتامیٰ اور مساکین کا بھی حق ادا ہوتا رہے گا، ورنہ ماں باپ اور اقارب کے ساتھ سلوک تو شائستہ انسانوں کا فطری شیوہ ہے۔ اسلام میں زکوٰۃ فرض ہے مال کی، سال بھر کے بعد چالیسواں حصہ اس کے مستحقوں کو دینا چاہئے اور جو زیادہ دے، ثواب ہے۔ یہود میں بھی یہی زکوٰۃ فرض تھی، ان کی مقدار اور دیگر احکام اسلام میں بھی ہیں۔ کیونکہ توریت کے جس قدر احکام قرآن میں نقل کئے گئے ہیں، اگر منسوخ ہونا ثابت نہ ہو تو ان کا حکم باقی ہے۔ مگر بجز چند لوگوں کے یہود نے اس سے منہ موڑ لیا۔ اس پر یہ دعویٰ کہ ہم خدا تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ قسم دوم کے احکام اگلی آیت میں بیان فرماتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٨٤﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ

وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۚ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰۤی اَشَدِّ الْعَذَابِ ۚ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع

ترجمہ:......اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں خون ریزی نہ کرنا اور نہ اپنے لوگو کو جلاوطن کرنا، پھر تم نے اقرار کرلیا اور (تم) اس کی شہادت بھی دیتے ہو﴿۸۴﴾۔ پھر تم ہی تو ہو جو اپنے لوگوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ایک گروہ کو ان کے گھر سے باہر نکالتے ہو، ان پر گناہ اور زیادتی سے چڑھائی کرتے ہو اور اگر (وہی لوگ غیر قوموں) کے ہوتے قیدی ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں تو تم ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے، حالانکہ ان کا نکال دینا ہی ان پر حرام تھا۔ پھر کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو؟ پھر جو تم میں سے ایسا کرے اس کی یہی سزا ہے کہ دنیا میں بھی رسوا ہو اور قیامت کے روز بھی سخت عذاب میں ڈالا جائے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کام سے غافل نہیں﴿۸۵﴾۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو خرید لیا، پس نہ ان کے عذاب میں کمی ہوگی اور نہ ان کی مدد کو کوئی پہنچے گا﴿۸۶﴾۔

**ترکیب:**...... وعطف کے لئے جو کہ ایک جملے کا دوسرے جملے پر چلا آتا ہے۔ اخذنا فعل بافاعل، میثاقکم مفعول، لا تسفکون... الخ، بدل ہے میثاق سے انتم مبتداء، ھٰؤلآء علیٰ حذف مضاف خبر ای مثل ھٰؤلآء اور تقولون اور تخرجون حال ہیں اور عامل ان میں معنیٰ تشبیہ۔ تظاھرون... الخ جملہ موضع نصب میں ہے، اس لئے کہ یہ حال ہے فاعل تخرجون سے۔ تظاھرون اصل میں تتظاھرون تھا، ایک ت حذف ہوگئی اور بعض ت ثانی کو ط سے بدل کر ظ کو ظ میں اغام کر کے مشدد پڑھتے ہیں۔ عدوان مصدر ہے بروزن کفران بمعنیٰ ظلم۔ اساری جمع اسیر ہے فاعل یأتو سے اور بعض نے اس کو اسریٰ بھی پڑھا ہے۔ تفادوھم جواب شرط ہے وھو ضمیر شان مبتداء، محرم خبر، اخراجھم مرفوع بسبب محرم کے اور یوں بھی ہوسکتا ہے کہ اخراجھم مبتداء اور محرم خبر مقدم اور جملہ خبر ہو اور ھو اخراج کی طرف بھی رجوع ہوسکتا ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے ما نافیہ، جزاء... الخ اسم خزی خبر، فی الحیٰوۃ الدنیا صفت وموصوف کا مجموعہ، خزی کی صفت ہے اور ممکن ہے کہ ظرف ہو۔

## یہود کو ظلم وزیادتی اور خون ریزی سے رکنے کا حکم

**تفسیر:**...... یہ قسم دوم کے احکام ہیں، ان کو بھی بتاکید شاید یہود پر فرض کیا تھا جن کو بلفظ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ اور پہلے بلفظ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ذکر کیا فرمایا تھا۔ اس عنوان کے بدلنے میں نکتہ یہ ہے کہ اوّل آیت میں بنی اسرائیل کا ذکر کیا تھا اور اس میں موجود یہود کی طرف خطاب ہے اگرچہ یہ دونوں قسم کے احکام فرض تو اگلے بنی اسرائیل کے عہد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت ہوئے تھے جیسا کہ توریت میں ذکر ہے۔ گذشتہ آیت میں قسم اوّل کے پانچ احکام تھے خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ماں باپ سے، اہل قرابت سے، یتیموں سے، مسکینوں سے سلوک کرنا۔ لوگوں سے عمدہ بات کہنا، نماز قایم رکھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ اسی طرح اس آیت میں قسم دوم کے احکام ذکر فرمائے۔

آپس میں خون ریزی نہ کرنا۔ اپنی قوم کو ناحق باہر نہ نکال دینا، یعنی جلاوطن ظلم و زیادتی سے نہ کرنا۔ اس لئے کہ تمدن خراب ہو جائے گا، قومیت کا قوام باطل ہو جائے گا۔ قوت اجتماعیہ زائل ہو جانے سے مخالفوں کو تم پر حملہ کرنے کی جرأت ہو جائے گی۔ ہو تمہارے ملک کے بادشاہ ہو جائیں گے۔ تم کو محکوم اور غلام بنالیں گے۔ تمہارا ناموس؛ تمہارا مذہب بھی تمہارے ہاتھ میں نہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ احکام مسلمانوں پر بھی باقاعدۂ مذکورہ فرض ہیں۔ ان پر بھی آپس میں لڑائی، مار دھاڑ، جلاوطن کر دینے سے جو مصائب نازل ہوئے اور اب تک ہیں، کسی تاریخ دان پر مخفی نہیں۔ ان دونوں حکموں کو بنی اسرائیل نے خیمۂ شہادت کے پاس حاضر ہو کر قبول کیا تھا۔ اب اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے زمانے کے یہود اور ان کے بزرگ سے خطاب کر کے الزام دیا جاتا ہے۔ بقولہ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ کہ پھر تم وہ ہو کہ باوجود اس اقرار کے آپس میں خون ریزی بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو جلاوطن بھی کرتا ہے اور عجب تر یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے اگر کوئی دوسری قوم کے ہاتھ میں اسیر ہو جاتے ہیں تو اسرائیلی کا آزاد کرنا کار ثواب جان کر مال دیکر انہیں اسیری سے رہا کرواتے ہیں۔ حالانکہ جلاوطن کرنا ہی حرام تھا جس کے سبب وہ اسیر ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: کیا توریت کے ایک جزء پر تو ایمان رکھتے ہو کہ اسیروں کو رہا کرواتے ہو۔ اور ایک جز جلاوطن نہ کرنے اور ناحق چڑھائی نہ کرنے کے حکم سے انکار ہے؟ یہ خوب ایمان ہے۔ پھر ایسی نفس پرست قوم کی یہی سزا ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں اشد عذاب ہو۔ تاریخ بنی اسرائیل میں معلوم ہوا ہوگا کہ بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد کیسا اختلاف ہوا اور باہم کیا کیا خون ریزیاں ہوئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی حکومت برباد ہو گئی۔ لوگوں کے ہاتھوں میں ذلیل رعایا بن کر رہتے رہے۔

مدینے کے قریب یہود کے دو گروہ بنی نظیر و بنی قریظہ رہتے تھے، وہ بھی آپس میں اپنے اپنے حلیفوں انصار مدینہ کی دو قوموں بنی اوس اور بنی خزرج کے ساتھ ہو کر لڑتے تھے۔ ان انصاری قبیلوں میں سو برس سے شعلہ جنگ مشتعل تھا، باہم لڑا کرتے تھے۔ یہ شعلہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں آکر بجھا دیا اور سب کو برادر دینی بنا دیا۔ مدینہ کے یہود آخر اپنی نالائق حرکات سے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے، جلاوطن کئے گئے۔ اس سے زیادہ اور کیا دنیا کی رسوائی ہوگی؟ اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے جو بہت جلد صادق ہوئی آخر کار عذاب اور ابدی جہنم تو ان کے لئے باقی ہے۔ یہ دونوں احکام گویا احکام خمسہ کا تتمہ ہیں، اس لئے کہ اہل قرابت پر چڑھائی کرنا، قتل کرنا جلاوطن کر دینا، اس سلوک اور احسان کے منافی ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے آخرت کی کچھ پروا نہ کی اس جہان کے عیش و آرام کے بدلہ میں دنیاء فانی کو حاصل کرنا مقدم سمجھا۔ سو یہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی، نہ کوئی ان کی مدد کر سکے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ:......اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب (توراۃ) دی اور اس کے بعد بھی پے در پے رسول بھیجتے رہے اور ہم نے عیسیٰ، مریم کے بیٹے کو نشانیاں دیں اور روح القدس سے ان کی تائید کی تھی۔ کیا (یہی کرنا تھا کہ) جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ حکم لائے کہ جس کو تمہارا دل نہ چاہے تو تم اکڑتے جاؤ؟ پس ایک گروہ کو جھٹلانے اور ایک گروہ کو قتل کرنے لگو۸۷۔

ترکیب:......اٰتینا فعل با فاعل، موسیٰ مفعول اوّل، الکتاب مفعول ثانی۔ قفینا میں ی واؤ سے بدل گئی۔ بولتے ہیں: قفا یقفو اذا اتبعہٗ۔ چونکہ واؤ چوتھے مرتبہ میں واقع ہوا، ی سے بدل گیا۔ بالرسول بذریعہ ب مفعول قفینا۔ کلّما حرف شرط، استکبر تم جواب شرط، فریقاً مفعول مقدم، کذّبتم اسی طرح تقولون کا فریقاً مفعول مقدم ہے۔

## بنی اسرائیل کا رسولوں کے ساتھ برتاؤ

تفسیر:......اب جو کچھ بنی اسرائیل نے رسولوں کے ساتھ سلوک کیا تھا اور کر رہے ہیں، اس کا ذکر ان آیات میں اور اگلی آیت میں بیان فرماتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ نہ صرف قوت عملیہ ہی ان کی خراب ہو گئی تھی بلکہ قوت نظریہ بھی جاتی رہی تھی اور انسان کی نجات ان دونوں قوتوں کی اصلاح پر موقوف ہے۔ پھر ان خرابیوں پر یہ دعویٰ کہ ہم خدا کے دوست اور اس کے بیٹے ہیں۔ چند روزہ جہنم کے بعد ہماری نجات یقینی ہے اور جب اپنے خاندان کے اس قدر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کا یہ برتاؤ رہا ہے تو نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو کچھ ان کی بدسلوکی ہو، متوقع ہے۔ فقال: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی۔ اس میں اہل اسلام اور اور اہل کتاب کا اتفاق ہے کہ اس کتاب سے مراد توریت ہے، گو اہل کتاب موسیٰ علیہ السلام کی طرف اور کتابیں بھی منسوب کرتے ہیں، جیسا کہ توریت موجودہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس فرمانے سے یہ مطلب ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مرنے سے دین موسوی نہیں مر گیا تھا تاکہ بنی اسرائیل کو اپنی بد عہدیوں اور بداعتقادیوں کی نسبت کوئی عذر ہو سکے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب موجود تھی اور اس کتاب کی ترویج اور تعلیم کے لئے وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ان کے بعد پے در پے رسول بھی بھیجے اور ان سب کے بعد وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو معجزات دے کر بھیجا اور روح القدس کے ساتھ ان کی تائید کی اس لئے وہ مُردوں کو زندہ، بیماروں کو تندرست، اندھوں کو آنکھوں والا کر کے دکھا دیتے تھے جس سے تمام بنی اسرائیل میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ حاصل یہ کہ وہ ہدایت کا مدرسہ موسیٰ علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک قائم رہا۔ بڑے بڑے معلمین آئے مگر بنی اسرائیل کی ازلی بدبختیوں نے یہ کیا اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ کہ جب کوئی رسول ان کی خواہش کے برخلاف کوئی حکم لایا تو اس سے اکڑ گئے، منہ پھیر لئے۔ پھر اس پر بس نہیں کیا بلکہ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ بہت کو تو صاف صاف جھٹلا دیا اور بڑی بے عزتی سے پیش آئے اور بہت کو قتل کر ڈالا۔ پھر ایسے بیمار جو خلاف مرضی نسخہ نہ پئیں، طبیبوں کو جھٹلائیں اور مار ڈالیں، شفاء پا سکتے ہیں؟ پھر اس روحانی مرض کی سزا موت ابدی یعنی دائمی جہنم نہیں تو اور کیا۔

## موجودہ توراۃ کی حقیقت

فوائد: (۱) موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اب جو کتاب اہل کتاب میں نام نہاد توریت موجود ہے جس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی اور شخص نے موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ لکھی ہے، اصل توریت نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل جو انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا کرتے تھے، انھوں نے توریت کو بھی قتل کر دیا، اس کو کھو بیٹھے۔

## روح القدس سے مراد کون ہیں

فوائد: (۲) روح القدس سے مراد بعض علماء کے نزدیک جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام کے سوا ایک اور فرشتہ ہے جس کو روح الاعظم کہتے ہیں۔ عیسائی روح القدس کو بھی خدا اور مجموعۂ خدائی کا ایک جزء یا رکن کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا ایک اقنوم، اس کو

باپ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ بیٹا یعنی عیسیٰ علیہ السلام جس کو یسوع کہتے ہیں دوسرا اقنوم، روح القدس تیسرا اقنوم۔ تینوں خدا پھر تینوں مل کر ایک خدا نہ کہ تین۔ اس کو وہ تثلیث فی التوحید کہتے ہیں اور اس اعتقاد باطل پر نجات کا مدار ٹھہراتے ہیں۔ یہ غلط خیال عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کئی سو برس بعد پیدا ہوا ہے۔ اس کا قرآن اور عقل کریم نے ابطال کر دیا۔ قدیم اور جدید فلسفہ بھی اس کو ایک جاہلانہ خیال بتلاتا ہے اور دراصل ہے بھی یہی۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ:......اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں (نہیں) بلکہ ان پر ان کے کفر کے سبب اللہ نے لعنت کر دی ہے، سو بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں﴿۸۸﴾ اور جب کہ ان کے پاس خدا کی طرف سے کتاب ان کے اصول مذہب کی تصدیق کرتی ہوئی آئی، حالانکہ اس سے پیشتر (اس کی برکت سے) کافروں پر فتحیابی بھی چاہا کرتے تھے تو جب پھر ان کے پاس وہ (قرآن) کہ جس کو پہچان لیا، آیا تو اس کے منکر ہو گئے، سو منکروں پر اللہ کی مار ہے﴿۸۹﴾۔

ترکیب:......قالو فعل، ہم ضمیر فاعل، قلوبنا مبتداء، غلف بضم لام جمع غلاف اور لام کا سکون بھی ہو سکتا ہے کیونکہ مضموم کو ساکن بعض مواقع میں عرب کر دیتے ہیں (جیسا کہ کُتُب اور کُتْب) خبر جملہ مقولہ ہے۔ بل اضراب کے لئے بکفرھم کی ب لعن سے متعلق ہے۔ فقیلا منصوب ہے اس لئے کہ صفت ہے مصدر محذوف کی اور ما زائدہ ہے ای فایمانا قلیلا یؤمنون۔ لما حرف شرط، جاء فعل، ھم مفعول، کتب موصوف، من عند اللہ صفت اوّل، مصدق صفت دوم اور بعض نے مصدقا بھی پڑھا ہے، اس تقدیر پر یہ حال ہے پس یہ مجموعہ فاعل جواب شرط انکروہ محذوف ہے۔ و کانو فعل ضمیر فاعل، من قبل متعلق ہے فعل سے۔ یستفتحون... الخ جملہ خبر کانوا، یہ سب جملہ حال ہے ضمیر ھم سے یا جملہ معترضہ ہے۔ فلما جاءھم... الخ شرط، کفروا جواب شرط ہے۔

## یہود کا نبی کریم ﷺ اور قرآن مجید کے ساتھ برتاؤ

تفسیر:......اس سے پہلے تک تو بنی اسرائیل کا وہ معاملہ جو بنی اسرائیل انبیاء علیہم السلام اور ان پر منزل کتابوں کے ساتھ تھا، بیان ہوا۔ اب یہاں سے جو کچھ ان بدبختوں کا معاملہ نبی آخر الزمان ﷺ اور قرآن کے ساتھ تھا، اس کو بیان فرمایا جاتا ہے۔ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ آنحضرت ﷺ کے عہد کے یہود قرآن مجید اور نبوت نبی ﷺ کے قبول نہ کرنے کا یہ سبب بیان کرتے تھے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں یعنی وہ جو کچھ ہم کو اپنے بزرگوں سے پہنچا ہے اسی پر ہم مستحکم ہیں، نئی بات قبول نہیں کر سکتے۔

یہ ایک محاورہ ہے نئی بات قبول نہ کرنے کی بابت یعنی ہم جس بات پر ہیں، بڑے پکے ہیں۔ اپنی خوبی بیان کرتے ہیں حالانکہ حق کی روشنی قبول نہ کرنا کوئی خوبی اور استحکام نہیں بلکہ دلوں میں زنگ اور آلودگی اس قدر ہے کہ ان پر انوار ہدایت کا اثر نمایاں نہیں ہوتا۔ جس طرح زنگ آلود آئینہ پر نور آفتاب نہیں نمایاں ہوتا، اسی بات کو بطور استعارہ کے خدا تعالیٰ اس جملہ میں بیان فرماتا ہے بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ

بِکُفۡرِھِمۡ فَقَلِیۡلًا مَّا یُؤۡمِنُوۡنَ کہ ان کے کفر و ضلالت کے سبب جو ان کے انبیاء علیہم السلام اور کتابوں سے سرکشی و انکار سے پیدا ہوئی ہے، خدا تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی ہے۔ اس قدیم لعنت کا زنگ چڑھا ہوا ہے اس لئے بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں، جس طرح زنگ آلود آئینہ میں بہت ہی کم نور تاباں ہوتا ہے۔ ہاں کبھی کچھ دھندلی سی روشنی کا عکس دکھائی دے جاتا ہے اور جو کچھ انکار اور سرکشی ہے تو عمداً ہے اور جان بوجھ کر ہے، اس لئے کہ قرآن اور نبی آخر الزمان ﷺ کے ظاہر ہونے سے پہلے ان بشارات کی وجہ سے جو ان کی کتابوں میں ایک آنے والے اولوالعزم نبی اور ایک نئے قانون آسمانی کی بابت تھیں۔ ان کو اشد انتظار تھا۔ اپنے مقاصد دینی و دنیاوی اسی پر سمجھے بیٹھے تھے، کس لئے کہ بموجب بشارت توراۃ، سفر استثناء۔ باب ۸ اور دیگر کتب انبیاء مثل سموئیل علیہ السلام و حزاقیل علیہ السلام و دانیال علیہ السلام کے ان کو ایک نبیٔ آخر الزمان ﷺ کا انتظار تھا جس پر مخالفوں کے مقابلے میں اپنی ترقی اور فتح مندی کو منحصر جانتے تھے اور مدینہ کے یہود بنی اسد اور بنی غطفان وغیرہ قبائل عرب سے جب شکست کھا کر عاجز ہوتے تو اپنے علماء کی تعلیم سے دعا کیا کرتے تھے اللّٰھم ربنا انا نسئلک بحق احمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجہ لنا فی آخر الزمان وبکتابک الذی تنزل علیہ آخر ماینزل ان تنصرنا علیٰ اعدائنا کہ اے الٰہی! ہم کو بہ برکت نبی آخر الزمان محمد ﷺ کے اور بہ برکت قرآن مجید کے ہمارے دشمنوں پر فتحیاب کر (رواہ الحاکم والبیہقی)۔

امام احمد اور طبرانی نے سلمہ بن قیس سے روایت کی ہے کہ ہمارے محلہ بنی عبدالاشہل میں ایک یہودی رہتا تھا۔ اس نے ہم سے عالم آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر کیا تو ہم نے اس سے دلیل پوچھی۔ اس نے کہا: عنقریب مکہ کی طرف سے ایک نبی مبعوث ہوگا، وہ اس بات کو ثابت کردے گا۔ ہم نے پوچھا: وہ کب ظاہر ہوگا؟ اس نے میری طرف نظر کر کے کہا: اگر یہ لڑکا عمر طبعی تک جیتا رہے گا تو دیکھ لے گا۔ سلمہ کہتے ہیں کہ چند روز بعد آنحضرت ﷺ کی خبر مشہور ہوئی۔ پھر جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے اس یہودی سے کہا: اب تو ان پر کیوں ایمان نہیں لاتا؟ اس نے خجل ہو کر کہا: یہ وہ شخص نہیں۔ وَلَمَّا جَآءَھُمۡ کِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب آئی یعنی قرآن مجید اور کتاب بھی وہ کہ جو مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمۡ ان کے اصول مذہب کی تصدیق کرتی ہوئی تھی۔ کیونکہ جو کچھ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے واقعات فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا ماجرا بعد کے واقعات اور اسی طرح احکام اخلاقی اور روحانی اور دیگر عقائد بابت ذات و صفات اور دوزخ و جنت و انبیاء علیہم السلام و ملائکہ بیان کئے، اب وہی تو ہیں کہ جن کو مانتے اور ان کے معتقد تھے۔ بجز حذف زوائد و اتمام بعض نقصانات ہو بہو وہی ہیں اور ان کے آنے کے بعد یہود نے جان بھی لیا کہ یہ وہی کتاب اور یہ وہی نبی ہے کہ جس کے ہم منتظر تھے مگر بجائے ایمان لانے کے کیا کیا، کَفَرُوۡا بِہٖ منکر ہو گئے۔ فَلَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ان منکروں پر اللہ کی لعنت ہے۔

بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا بِہٖۤ اَنۡفُسَھُمۡ اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بَغۡیًا اَنۡ یُّنَزِّلَ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ۚ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ ؕ وَلِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ مُّھِیۡنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِیۡلَ لَھُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا وَیَکۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَہٗ ٭ وَھُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمۡ ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِیَآءَ اللّٰہِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدۡ جَآءَکُمۡ مُّوۡسٰی

بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: ...... انہوں نے اپنی جانوں کو بہت ہی بری چیز کے لئے بیچ ڈالا (وہ یہ) کہ اللہ کی نازل کی ہوئی چیزوں کا اس ضد میں آ کر انکار کرنے لگے کہ وہ اپنے فضل (وحی) کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، کیوں نازل کر دیتا ہے؟ پس انہوں نے غصہ پر غصہ کمایا اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہے ﴿۹۰﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو خدا تعالیٰ نے نازل کیا ہے، اس پر ایمان لے آ ؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس کے سوا سب کے منکر ہیں۔ حالانکہ (جس کے وہ منکر ہیں یعنی قرآن) وہ برحق جو ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرتا ہے۔ (اے محمد ﷺ!) ان سے پوچھو: اگر تم ایماندار تھے تو خدا تعالیٰ کے رسولوں کو کیوں پہلے قتل کیا کرتے تھے؟ ﴿۹۱﴾ اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ معجزے لے کر آئے پھر اس کے بعد بھی تم نے بچھڑا بنالیا۔ حالانکہ تم بڑا ستم کر رہے تھے ﴿۹۲﴾۔

ترکیب: ...... بئس فعل ذم، مانکرہ موصوفہ، اشترو بہ انفسھم جملہ اس کی صفت، یہ سب اسم بئس۔ ان یکفروا ... الخ بتاویل مصدر خبر مبتداء محذوف جملہ مخصوص بالذم (یہاں اور بھی احتمالات ہیں) بغیاً مفعول لہٗ ہے یکفروا کا۔ ان ینزل ... الخ ای لان ینزل ... الخ یہ جملہ بغیاً کا مفعول لہٗ ہے یعنی ان کی ضد اس لئے ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے جس پر چاہتا ہے کیوں نازل کر دیتا ہے، بنی اسرائیل کا مقید کیوں نہیں رہتا۔ اذا قیل ... الخ شرط، قالوا ... الخ جواب شرط۔ ویکفرون ... الخ جملہ حال ہے اس ضمیر سے جو قالوا میں ہے۔ وراءہ ضمیر ما کی طرف رجوع ہے وراء کی ہمزہ، ی سے بدل گئی ہے لانہ یقال توراۃ اور ابن جنی کے نزدیک ہمزہ اصلی ہے۔ وراء اصل میں مصدر ہے، ظرف بنایا گیا۔ مصدقاً حال مؤکد ہے اور عامل اس میں معنیٰ حق ہے اور اس میں ضمیر مستتر ذوالحال ہے ان کنتم ... الخ شرط جواب محذوف دلالت کرتا ہے اس پر جملۂ ماقبل و انتم ظالمون حال ہے فاعل اتخذتم سے یا الگ جملہ۔

## یہود کا بوجہ ضد و عناد قرآن مجید کا انکار

تفسیر: ...... یہ پہلی آیت کا تتمہ ہے یعنی یہود نے جو قرآن مجید کا انکار کیا ہے تو اس ضد سے کہ خدا تعالیٰ کیوں جس پر چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے وحی نازل کر دیتا ہے، کس واسطے کہ ہمارے ہی خاندان میں سے نبیٔ آخر الزمان مبعوث نہ کیا۔ ان کے اس انکار اور ضد کو تجارت سے تشبیہ دی جاتی ہے، کس لئے کہ انسان جو دنیا میں آیا ہے گویا ایک تاجر ہے جس کا رأس المال اس کی عمر ہے اور جو کچھ نیک و بد کر رہا ہے، یہ وہ مال ہے جس کو عمر گراں مایہ دے کر لے رہا ہے۔ یہود نے جو اپنی جانیں یعنی حیات دنیا کے مال سے جو کچھ خریدا یا کھویا، حیات ابدی برباد کر کے جو کچھ کمایا، وہ یہی کہ خدا کی منزل چیزوں کا انکار کیا، سو یہ بہت برا سودا ہے اور بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کا انکار اس میں ضد اور عناد سے کیا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے کیوں وحی نازل کر دیتا ہے؟ کیوں بنی اسمٰعیل یعنی محمد ﷺ پر قرآن نازل کر دیا؟ ہم کو خدا تعالیٰ کے نازل کئے سے انکار نہیں بلکہ اس تعیم سے۔ حالانکہ ان کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے، کس لئے کہ جب خدا تعالیٰ کسی کی معرفت کوئی چیز نازل کرے تو باوجود حق ہونے کے اس کے انکار کی کیا وجہ؟ بالخصوص جب وہ منزل ان کے پاس جو کچھ ہے، اس کی تصدیق کر رہا ہو۔ ان کا یہ دعویٰ بھی کہ جو کچھ ہم پر یعنی ہمارے نبیوں پر نازل ہوا ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں، غلط ہے۔ کس لئے کہ انبیاء بنی اسرائیل کا قتل کرنا ان کے دعویٰ ایمان کے منافی ہے اور خود موسیٰ علیہ السلام پر توریت میں غیر اللہ کی پرستش کی ممانعت تھی مگر اس پر بھی بچھڑا بنا کر پوجا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ

وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ
قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ
الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾
وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُ
هُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ
بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ع ۱۰

ترجمہ:......اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہ طور اٹھایا کہ جو تم کو ہم نے دیا ہے (تورات) اس کو مضبوط ہو کر لو اور سنو۔ انہوں نے کہا: سن تو لیا لیکن مانیں گے نہیں اور ان کے دلوں میں تو ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑا سرایت کر گیا تھا۔ (اے نبی ﷺ!) کہہ دو کہ اگر تم ایماندار ہو تو تمہارا ایمان تم کو بہت ہی برا حکم دے رہا ہے ﴿۹۳﴾۔ کہہ دو: اگر آخرت کا گھر خدا تعالیٰ کے نزدیک سب کے علاوہ خاص تمہارے ہی لئے ہے تو موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو ﴿۹۴﴾ اور وہ تو اس کی ہرگز ہرگز آرزو بھی نہ کریں گے اپنے ان اعمال کے سبب سے جو ان کے ہاتھوں نے کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿۹۵﴾ اور آپ ان کو زندگی کا سب لوگوں سے زیادہ (خاص کر) مشرکوں سے بھی زیادہ حریص پائیں گے۔ ان میں سے ہر ایک آرزو کرتا ہے کہ کاش! ہزار برس ❶ کی عمر دی جائے اور اگر (اتنی) عمر بھی دی جائے تو بھی وہ عذاب سے نہیں بچ سکتا اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں، اللہ اس کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿۹۶﴾۔

ترکیب:......قالوا فعل بافاعل، سمعنا و عصینا مفعول، واشربوا فی قلوبہم العجل اے حب العجل۔ بکفرہم اے بسبب کفرہم۔ یہ جملہ بتقدیر قد حال ہے ضمیر قالوا سے۔ قل بئسما یامرکم . . . الخ جواب ہے ان کے قول سمعنا و عصینا کا۔ قل فعل بافاعل، ان کانت . . . الخ جملہ شرطیہ مقولہ، الدار موصوف، الآخرۃ صفت مجموعہ اسم کانت۔ لکم متعلق ہے کانت سے خلصۃ خبر کانت۔ عند اللہ ظرف خالصۃ ہے۔ من دون النّاس بسبب خالصۃ کے موضوع نصب میں ہے۔ کہتے ہیں: خلص کذا من کذا یہ

❶......حیات دنیا ہر چند انسان کو طبعاً مرغوب ہے، موت کے نام سے کوسوں دور بھاگتا ہے مگر ایک وقت یہی موت مرغوب ہو جاتی ہے کبھی دنیاوی مصائب سے، عام ہے کہ امراض شدیدہ ہوں یا اقارب کی موت ہو یا افلاس ہو یا عزت و آبرو جانے کا غم ہو اس لئے اکثر نادان خودکشی کر لیا کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مر کر اس مصیبت سے چھوٹ جائیں گے مگر یہ معلوم نہیں کہ روح نہیں مرتی۔ وہاں اس پر اس سے زیادہ مصائب ہیں اور پھر وہاں موت بھی نہیں اور کبھی اعضاء جسمانی کبرسنی کی وجہ سے بیکار ہو جانے سے موت کی آرزو کیا کرتے ہیں۔ اس لئے ہادیٔ برحق، معلم روحانی حضرت نبی آخر الزمان ﷺ نے سب صورتوں میں موت کی آرزو اور دعا مانگنے سے بھی منع فرمایا ہے چہ جائیکہ خودکشی، لا یتمنین احدکم الموت بضر نزل بہ اور کبھی موت کی آرزو آخرت کے نعیم اور عالم روحانی کے شوق میں کیا کرتے ہیں، چاہتے ہیں کہ یہ بند قفس ٹوٹ جائے اور یہ طائر قدس اس عالم روحانی کے باغ بے خزاں میں چلا جائے۔ اس کو وہاں کے طائران خوش الحان کی صدائیں بھی کبھی سنائی دیتی ہیں اور وہاں کے نعیم اس کو دکھائے جاتے ہیں۔ یہ آرزو ابرار و صلحاء کی آرزو ہے۔ چونکہ یہود ابرار نہ تھے اس لئے وہ اس کی آرزو نہ کرتے تھے۔

سب جملہ شرط اور فتمنوا الموت شرط اوّل اور ان کنتم صدقین شرط ثانی (دونوں کا جواب ہے) (جلالین) ابداً ظرف ہے بما قدمت کا۔ ومن الّذین ❶ اشرکوا میں دو وجہ ہیں: ایک یہ کہ یہ بمعنیٰ الناس پر معطوف ہے ای احرص من الناس ای الّذین فی زمانھم، واحرص من الّذین اشرکوا یعنی بہ المجوس۔ دوم یہ کہ جملہ مستأنفہ مانا جائے ای من الّذین اشرکوا اقوم یود احدھم لو یعمر میں لو بمعنیٰ ان ہے۔ ماھو بمزحزحہ، ما نافیہ، ھو ضمیر راجع احد کی طرف اور بمزحزحہ خبر ما، ای وما ذلک المتمنی بمزحزحہ۔ من العذاب متعلق ہے مزحزحہ سے۔ ان یعمر موضع رفع میں ہے بسبب مزحزحہ کے، ای وما الرجل بمزحزحہ تعمیرہ سنۃ کی اصل سنو ہے جس کے معنیٰ سال اور برس کے ہیں۔ الزحزحۃ بمعنی دور کرنا۔

## یہود کے دعویٰ کا بطلان

تفسیر:......اب یہاں یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ تمہارا دعویٰ نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا بھی صریح غلط ہے۔ اوّل تو تم نے خود موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بینات کا انکار کیا اور انبیاء کو قتل کیا۔ دوم جس کتاب کو تم اپنا سمجھتے ہو اس کو بھی تو تم نے نہ مانا، حالانکہ جب وہ تم کو دی گئی تھی تو اس وقت کوہِ طور کو تم پر بلند کیا تھا اور تم نے یہ جان لیا تھا کہ اگر اب اس کو نہیں لیتے ہیں تو ہم پر پہاڑ آ پڑے گا اس وقت بھی تمہارا یہ حال تھا کہ زبان سے تو تم نے سَمِعْنَا کہا یعنی مان لیا اور دل میں عَصَیْنَا یعنی نہیں مانا۔ اس کا باعث یہ تھا کہ باوجود معجزات وکرامات بے شمار دیکھنے کے تم نے بچھڑا بنا کر پوجا۔ وہ خباثت تمہارے دلوں میں اس طرح رچ گئی تھی کہ جس طرح زمین پانی کو پی لیتی ہے، پھر حسب استعداد نباتات اگاتی ہے۔ اسی طرح تمہارے دل کی زمین میں خدا کی نافرمانی اور انبیاء علیہم السلام کا قتل کرنا اور دل میں عَصَیْنَا کہنا اور خدا کی منزل کتابوں کا انکار کرنا اور نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کو حق جان کر معاندانہ انکار کرنا اور خدا کی عبادت وصلۂ رحمی وغیرہ کو توڑنا وغیرہ وغیرہ خبیث اور ناپاک خاردار اور پرزہر جڑی بوٹیاں اگتی ہیں جن کا کڑوا پھل تم کو دنیا اور آخرت میں اٹھانا پڑے گا اور اگر تمہارے ایمان کا یہی فتویٰ ہے کہ تم ایسی باتیں کرو، تو اے نبی! ان سے کہہ دو کہ یہ بہت برا فتویٰ ہے

منجملہ اور امانی باطلہ کے یہود کو ایک یہ بھی سودائے خام تھا کہ جنت خاص ہمارے لئے ہے، بہرحال ہم اس میں جائیں گے۔ اس کے رد میں فرماتا ہے کہ اگر دار آخرت تمہارے لئے ہے تو موت کی آرزو کرو کہ اس کے وسیلہ سے دار آخرت میں اپنے درجات حاصل کرو۔ کس لئے کہ جن کو وہاں کے ثواب اور نعماء کا یقین کامل یا روحانی مشاہدہ ہو جاتا ہے تو وہ اس عالم کا از بس مشتاق ہو کر آرزو کیا کرتا ہے۔ مگر یہود اپنے اعمال بد کی سزا سے ڈر کر موت سے بھاگتے ہیں اور ہزار برس کی عمر چاہتے ہیں کہ اعمال بد کا نتیجہ پیش نہ آئے اور وہ ضرور آتا ہے معلوم ہوا کہ ان کا دعویٰ غلط ہے۔

## اعمال وافعال اور ان کا بدلہ

فوائد: بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ ۔ کے لفظی معنیٰ یہ ہیں: بسبب اس چیز کے کہ جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجی۔ مگر مراد یہ ہے کہ کچھ اعمال انہوں نے کئے، اس کے سبب سے۔ زبان عرب میں انسان کے افعال کو اس کے ہاتھوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، کس لئے کہ غالباً اعمال وافعال کا ذریعہ انسان کے ہاتھ میں ہے اور اسی طرح انسان کو اس کے جزو اعظم سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ رقبۃ یعنی گردن بول انسان مراد رکھتے ہیں۔

❶ ...... وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا کے دو معنی ہیں۔ اوّل یہ جو تفسیر میں بیان ہیں۔ دوم یہ کہ اے نبی! تم ان کو سب سے زیادہ حیات دنیا کا حریص پاؤ گے حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی زیادہ۔

یہاں اس بات سے بھی بتلا دیا کہ انسان پر آخرت میں جو کچھ مصیبتیں نازل ہوں گی طوق، زنجیر اور گرز، آتشیں آگ میں جلنا، یہ سب اس کے اعمال بد ہیں کہ جو اپنی مناسب صورتوں میں ظہور کریں گے اور متشکل ہو کر ایذا پہنچائیں گے، جس طرح کہ عالم خواب میں انسان کے خیالات اور دیگر معانی اپنی مناسب صورتوں میں متشکل ہو کر دکھائی دیتے ہیں اور یہ کچھ تعجب نہیں اس عالم حسی میں کس درجہ کے انقلابات واستحالات ہوتے ہیں کہ بیان سے باہر ہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ:......کہہ دیجئے: جو کوئی جبریل کا دشمن ہے (وہ خدا کا دشمن ہے) کس لئے کہ اس نے تو اس (قرآن) کو آپ ﷺ کے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے، وہ اپنی پہلی باتوں کی تصدیق کر رہا ہے اور وہ مؤمنوں کو ہدایت اور خوشخبری دے رہا ہے ﴿۹۷﴾ اور جو کوئی اللہ کا اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل کا اور میکائیل کا دشمن ہے، تو اللہ بھی کافروں کا دشمن ہے ﴿۹۸﴾ اور بے شک ہم نے آپ ﷺ کے پاس کھلی ہوئی آیتیں بھیج دی ہیں اور ان کا بدکار لوگ ہی انکار کیا کرتے ہیں ﴿۹۹﴾۔

---

ترکیب:......قل من کان، مَن شرطیہ اور جواب اس کا فھو عدو اللہ وغیرہ محذوف باذن اللہ موضع حال میں ہے ضمیر فاعل نزل سے جو جبریل کی طرف پھرتی ہے، والتقدیر نزولہ ومعہ الاذن او ھو ماذو نا بہ۔ مصدقا حال ہے نزلہ' کے ھاء سے اور اسی طرح ھدًی و بشریٰ۔

## یہود کی حضرت جبریل علیہ السلام سے عداوت ودشمنی

تفسیر:......منجملہ یہود کے قبائح کے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کہتے تھے: قرآن بہت ٹھیک ہے، اس میں جو کچھ ہے وہ بھی صحیح ہے، مگر جو اس کو لے آتا ہے یعنی جبرئیل علیہ السلام، ہم کو اس سے عداوت ہے۔ عداوت کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہود کو بے حد عداوت تھی اور وہ روح القدس سے مؤید تھے۔ حق سبحانہٗ ان کے ایمان کی بے وقعتی بیان فرماتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا، کتب منزلہ جو عہد موثق کے ساتھ دی گئی تھیں ان کو پس پشت ڈال دیا، ان کے احکام کو چھوڑ دیا، ان میں اپنی طرف سے ملا کر لوگوں کو دنیا کمانے کے لئے دھوکے دئے۔ اب رہے ملائکہ مقدسین، جن پر ایمان لانا ضروری ہے، ان سے دشمنی۔ اب یہ کیا ایمان ہے؟ اس پر دار آخرت کا استحقاق ہے۔ بعض مفسرین نے ان آیات کی بابت یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے اور یہود کو ہدایت کرنی شروع کی تو یہود نے اپنے چند علماء کو (جن کا سرغنہ عبداللہ بن صوریا ساکن فدک تھا) آپ ﷺ کے پاس بھیجا۔ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ سے چند باتیں پوچھتے ہیں کہ جن کو سوائے انبیاء علیہم السلام کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اگر آپ نے صحیح جواب دیا تو آپ قطعی وہ نبی ہیں کہ جن کی خبر موسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔ چنانچہ انہوں نے سوال کئے اور آپ ﷺ نے صحیح جواب دئے اور ان علمائے یہود نے وہ جواب تسلیم بھی کئے۔ تب آپ

ﷺ نے پوچھا کہ اب کیوں مجھ پر ایمان نہیں لاتے؟ انہوں نے کہا: ایک وجہ یہ ہے کہ آپ کے پاس جو وحی لاتا ہے، وہ جبرئیل فرشتہ ہے۔ اس سے ہم کو سخت دشمنی ہے کیونکہ اس نے کئی بار ہم پر عذاب الٰہی پہنچایا ہے (رواہ ابن جریر و حاتم و طبرانی و احمد وغیرہم)۔

**جو حضرت جبریل علیہ السلام کا دشمن وہ خدا کا دشمن:**..... خدائے تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ جبرئیل جو کچھ کرتا ہے حکم الٰہی سے کرتا ہے۔ اس نے یہ قرآن جو حضور ﷺ کے قلب پر نازل کیا ہے تو ہمارے حکم سے۔ اب جو اس کا دشمن ہے، وہ خدا کا دشمن ہے۔ دوم تم خود اس قرآن میں غور کرو کہ یہ کیسا ہے؟ اس سے کوئی صاحب عقل سلیم انکار نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ جو لوگ اگلے انبیاء علیہم السلام کے مقلد ہیں تو یہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ہے کہ سب اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کے اصول اور عمدہ مطالب حرف بحرف ان کے مطابق ہیں۔ اس صورت میں اس کا انکار اُن کا انکار ہے اور جو کسی سابق نبی یا کتاب کا مقلد نہیں بلکہ جو کتاب دلائل عقل سلیم کے موافق ہو اور جس میں تمام باتیں مصالح دین و دنیا ہوں، اس کو مانتے ہیں تو ان کو بھی اس سے انکار نہ کرنا چاہئے۔ یہ ہُدًی یعنی ہدایت ہے۔

(۳) اور صاحبان قلب سلیم ہیں، خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے شوق اور تسلی بخش باتوں کے طالب ہیں، ان کو بھی اس کا ماننا ضروری ہے کیونکہ یہ بُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِيْنَ ہے کہ اہل ایمان کو تسلی اور خوشخبری اس سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ تین اوصاف جب اس قرآن میں ہیں تو پھر اس وجہ سے انکار کرنا کہ اس کو جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں محض حماقت ہے۔ یہ بات کہ جبرئیل علیہ السلام ہمارے دشمن ہیں، کل یہود کا مقولہ نہ تھا بلکہ ان کا کہ جو مدینہ اور اس کے اطراف میں رہتے تھے۔ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ ہم مقدمہ کتاب میں بیان کر چکے ہیں کہ بندہ کو علاقہ جسمانی کی وجہ سے ہر وقت خدا تعالیٰ سے وہ اتصال روحانی نہیں رہتا کہ جو بسبب تجرد کے ملائکہ بالخصوص اخص المقربین حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ہے، اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے الفاظ مخصوصہ میں جبرئیل علیہ السلام حضرت نبی ﷺ کے قلب پر وحی القا کرنے کے لئے مامور تھے۔ عام دستور تو یہ ہے کہ پیشتر کوئی مضمون کانوں تک پہنچتا ہے، پھر اس کے بعد قلب میں جاتا ہے۔ مگر خاصان خدا کے قلب میں بلا ذریعہ سماعت کلام کی رسائی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بڑی بڑی صورتوں کو جبرئیل سے سن کر نہ بھولتے تھے۔ باقی وحی کی اقسام اور اس کے اسرار ہم مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ یہود کو الزام دیتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور ملائکہ بالخصوص جبرئیل علیہ السلام کا دشمن ہے، وہ خدا تعالیٰ کا دشمن ہے۔ یہ بات علماء یہود بھی مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں کہ ملائکہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس بناء پر جو ملائکہ بالخصوص اعظم ملائکہ جبرئیل و میکائیل علیہم السلام کا دشمن ہے قطعی کافر ہے۔ یہود کے اقرار سے ان کا کفر ثابت ہوگیا۔ ملائکہ کے بعد جبرئیل و میکائیل علیہم السلام کا نام لینا تخصیص بعد تعمیم ہے کہ جو ان کے شرف و فضل کی دلیل اور یہ تخصیص فصحاء و بلغاء کے کلام میں بلکہ ہر زبان میں بکثرت مستعمل ہے۔ پس وہ بعض ناسمجھ پادریوں نے اس پر اعتراض کر کے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر عیب لگایا ہے۔ یہ ان کی نادانی ہے۔

**فوائد:** بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہود سے اس بارے میں کچھ کلام ہوا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود سے کہا کہ جبرئیل علیہ السلام جو کچھ کرتے ہیں، خدا تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں۔ پھر جو ان کا دشمن ہے وہ خدا تعالیٰ کا دشمن ہے۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے حضور حاضر ہوئے تو اسی مضمون کی آیت نازل ہوئی۔ اس پر بعض ناسمجھ پادری یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جملہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سن کر قرآن میں درج کیا۔ اوّل تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سن کر یہ جملہ نہیں پڑھا۔ دوم اگر کسی جملہ میں اتفاقاً چند لفظوں میں موافقت ہو جائے تو اس سے کیا شاگردی یا مساوات ثابت ہو سکتی ہے؟ سو مقدمہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ کبھی مرشد کا فیض صحبت شاگردوں میں اثر کر جاتا ہے کہ جو بات استاد کہنا چاہتا ہے، وہی شاگرد کے منہ سے پیشتر نکل جاتی ہے۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ وَلَمَّا

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ

اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾

ترجمہ: اور کیا (یہ نہیں کیا کہ) جب انہوں نے کوئی عہد باندھا تو انہیں میں سے ایک فریق نے اس کو (توڑ کر) پھینک دیا، بلکہ ان میں سے اکثر تو اس کا اعتبار ہی نہیں کرتے تھے ﴿۱۰۰﴾ اور جب کہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ رسول آیا کہ جو ان کے پاس ہے، اس کی تصدیق کرتا ہے تو اہل کتاب کے ایک فریق نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ایسا پھینکا کہ اس کو جانتے ہی نہیں ﴿۱۰۱﴾۔

ترکیب: ۔۔۔۔۔او واؤ عطف کے لئے اور ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے اور یہ عطف کلام مقدم کے لئے ہے یعنی افکلما جاء کم رسول۔ بعض کہتے ہیں کہ واؤ زائدہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اَوْ ہے، واؤ کو متحرک کر دیا۔ عھدًا مفعول مطلق من غیر لفظ فعل مذکور ہے اور ممکن ہے مفعول بہ ہو۔ نبذہ۔۔۔ الخ جملہ جواب کلما۔ اسی طرح لما جاء جملہ شرط، مصدق صفت رسول، نبذ فعل، فریق۔۔۔ الخ فاعل، کتاب اللہ مفعول، وراء ظرف، یہ سب جملہ جواب شرط۔ کانھم۔۔۔ الخ موضوع حال میں ہے۔

## یہود کا بوجہ عناد توریت سے انحراف

تفسیر: ۔۔۔۔۔یعنی یہ عذر کہ اس قرآن کو جبریل علیہ السلام لائے ہیں اس لئے ہم اس پر ایمان نہیں لاتے، بیہودہ عذر ہے۔ کس لئے کہ فی نفسہ اس کی آیت واضح اور روشن ہیں۔ ان میں کوئی ایسی بات نہیں کہ جس کو عقل سلیم نہ مانے۔ پس اس کا انکار کرنا نافرمانوں کا کام ہے کہ جن کی عادت ہمیشہ سے نافرمانی چلی آتی ہے۔ اس لئے کہ ان یہود نے جب کوئی عہد خدا تعالیٰ سے رسول کی معرفت باندھا یا لوگوں سے عہد کیا ہے تو ان میں سے ایک فریق نے جھٹ اس کو توڑ دیا اور ہلکا سمجھ کر پھینک دیا اور ایک فریق کی کیا خصوصیت، بلکہ ان میں سے اکثر کا تو اس پر اعتبار ہی نہ تھا نہ اس پر ایمان تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اب جو ان کے پاس خدا تعالیٰ کا وہ رسول آیا (محمد ﷺ) کہ جو توراۃ و زبور و انجیل کی تصدیق کرتا ہے اور جس کی خبر توراۃ میں ہے تو ان اہل کتاب نے اس کتاب پر بھی عمل نہ کیا بلکہ اس کو پس پشت ڈال دیا کہ گویا اس سے خبر ہی نہیں ہے۔ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل کتاب نے کتاب الٰہی یعنی توریت کو سچ مچ پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا تھا، بلکہ اس سے مراد بے التفاتی ہے۔ یہ عرب کا محاورہ ہے کہ جس چیز کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا تو کہتے ہیں کہ اس نے اس کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ

الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ

هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا

تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ

بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۛ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ:......اور یہود اس چیز کے پیچھے پڑ گئے کہ شیاطین سلیمان علیہ السلام کے عہد میں پڑھا کرتے تھے ❶ اور سلیمان علیہ السلام تو کافر نہیں ہوئے تھے، بلکہ خود وہ شیاطین ہی کافر تھے جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور اس کے بھی (پیچھے پڑ گئے) کہ جو شہر بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا اور وہ کسی کو سکھاتے نہ تھے جب تک کہ یہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف آزمائش کے لئے ہیں، تو کافر نہ بن۔ پس ان سے لوگ وہ بات سیکھتے تھے کہ جس سے خاوند اور بیوی میں جدائی ڈالیں۔ حالانکہ وہ اس سے کسی کو بجز حکم خدا کے کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے اور (یہود) سیکھتے تھے کہ جو ان کو ضرر دیتی تھی، نہ کہ نفع اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جس نے جادو خریدا، اس کے لئے آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں اور جس کو انہوں نے اپنی جانوں سے خریدا، وہ بہت ہی بد تھا۔ کاش! وہ جانتے بھی تو ﴿۱۰۲﴾۔

ترکیب:......واتبعوا عطف ہے اشربوا پر یا نبذہ پر۔ علیٰ ملک ای علیٰ زمن ملک فحذف المضاف والمعنیٰ فی زمن ولکن مشدد۔ شیاطین اس کا اسم، کفروا خبر۔ بعض نے مخفف پڑھا ہے، اس تقدیر پر اسم مرفوع ہوگا۔ علی الابتداء یعلمون... الخ جملہ موضع نصب میں ہے، کس لئے کہ یہ حال ہے ضمیر کفروا سے۔ وما انزل معطوف ہے ماتتلوا پر اور بعض کہتے ہیں کہ السحر پر، ان صورتوں میں ماموضع نصب میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ما نافیہ معطوف ہے ما کفروا پر (اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ نہ سلیمان علیہ السلام کافر ہوئے، نہ بابل میں کچھ سحر ہاروت و ماروت پر نازل ہوا، جیسا کہ یہود گمان کرتے ہیں) ملکین کو جمہور نے بفتح لام پڑھا ہے اور بعض نے بکسر لام، جس کے معنی بادشاہ کے ہیں۔ ببابل ظرف ہے انزل کا۔ ہاروت و ماروت عطف بیان ہے ملکین سے۔ حتیٰ بمعنی الیٰ ان۔ فیتعلمون معطوف ہے یعلمان پر اور نفی میں شامل نہیں۔ منہا کی ضمیر ملکین کی طرف پھرتی ہے۔ لمن اشترٰہ... الخ جملہ مفعول علموا۔ ولبئس جملہ جواب قسم محذوف لو کانوا کا جواب محذوف ہے۔ ماعلموہ وغیرہ اگرچہ وہ جانتے تھے مگر جب کہ انہوں نے اپنے علم پر عمل نہ کیا تو ان کو جاہل بنا کر لو کانوا یعلمون سے خطاب کیا۔ یہ کمال بلاغت ہے، اس میں مقتضیٰ حال کی پوری رعایت ہے۔

## یہود کا ہاروت و ماروت سے علمِ سحر سیکھنا

تفسیر:......ان آیات میں کتاب اللہ کو پس پشت پھینک دینے کی مزید توضیح ہے کہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر واہیات کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ یعنی وہ جو شیاطین سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں جادو سکھایا کرتے تھے اور اس کو سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے (اور دراصل سلیمان علیہ السلام اس کفر کے مرتکب نہ ہوئے تھے، بلکہ وہ ہی شیاطین اس کفر کے مرتکب ہوئے کہ جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے) یہ لوگ اس کے تابع اور معتقد ہو گئے اور اس پر بھی بس نہ کی بلکہ جب بخت نصر کے عہد میں یہ لوگ بابل گئے تو وہاں بجائے اس کے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے نادم ہوتے، شریعت کو یاد کرتے، اُلٹے وہاں کی شعبدہ بازیوں میں مصروف ہو گئے۔ یعنی وہ جو وہاں ہاروت ماروت دو شخصوں کو سحر معلوم تھا، اس کے سر ہو گئے اور اسی کو سیکھ کر اپنی دینی و دنیوی ترقی کا باعث سمجھنے لگے۔ حالانکہ وہ جس کو سکھاتے تھے، پیشتر یہ کہہ دیتے تھے کہ یہ کفر کا کام ہے، اس کو سیکھ کر کافر نہ ہو۔ اس پر بھی وہ اس کو سیکھتے تھے اور اس سے سوا اس کے میاں بیوی میں

❶......یعنی صرف سلیمان علیہ السلام کے عہد میں جو شیاطین پڑھا کرتے تھے، اس کے تابع نہ ہوئے بلکہ شہر بابل میں جو کچھ ہاروت ماروت دو فرشتوں پر اترا تھا، اس کے بھی تابع ہو گئے تھے۔ منہ۔

مخالفت پیدا ہو، اور کوئی بڑی بات حاصل نہ ہوتی تھی اور جادوگر بغیر حکم الٰہی کے کسی کو کیا ضرر دے سکتے ہیں؟ اور لطف یہ کہ یہود یہ بھی جانتے تھے کہ جو کوئی اس جادو کو سیکھے گا، آخرت کی نعمتوں سے محروم رہے گا۔ کیونکہ (توراۃ میں جادو کی ممانعت مذکور ہے) باوجود اس کے کہ ایک مضر چیز کو سیکھتے تھے کہ جس کا کچھ بھی نفع نہ ہوا، سو اس سحر کو جو انہوں نے اپنی جان کو دے کر (یعنی حیات ابدی کے بالعوض) خریدا تھا، بہت ہی بری چیز تھی۔ کاش! ان کو علم ہوتا۔ یعنی علم پر عمل نہ تھا۔ وہ علم، علم نہ رہا۔

## سحر، اس کی حقیقت اور اثرات

ابحاث:......(۱) سحر کیا چیز ہے؟ اس کا اثر بھی ہے کہ نہیں؟ سحر اسباب خفیہ سے بے توسل جناب الٰہی افعالِ عجیبہ پر قدرت حاصل کرنے کو کہتے ہیں اور وہ اسباب خفیہ یا تاثیر روحانیات ہے یا جسمانیات۔ پھر روحانیات یا کلیہ مطلقہ ہیں جیسا کہ کواکب و افلاک و عناصر کے روحانیات یا جزئیہ خاصہ، جیسا کہ امراض و جن و شیاطین ونفوس مفارقہ بنی آدم کہ جن کو ہندی میں ''بیر'' کہتے ہیں۔ پھر جسمانیات کی تاثیر بسبب ترکیب واجماع کیفیات کے کہ جس سے عجیب وغریب باتیں ظہور کرتی ہیں، جیسا کہ خصوصیات صورت نوعیہ سے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔ پھر ان روحانیات کی تاثیر حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ بعض شرائط کو ملحوظ رکھ کر ان کے نام پڑھتے ہیں۔ بعض ان کی تصویریں بنا کر ان کے سامنے نذر بھینٹ ان کے مرغوب کام کرتے تھے، شراب چڑھاتے تھے مینڈھا بکرا ذبح کرتے تھے۔ یا کوئی کلام ایسا مع شرائط پڑھتے ہیں کہ جن میں ان روحانیات کی ازحد ثناوصفت مذکور ہوتی ہے، جیسا کہ رگوید کے منتر اندر وغیرہ کی مدح میں ہیں۔ اسی لئے قدماءِ ہنود مصائب کے وقت پنڈتوں کو بٹھا کر جگ اور پاٹ کراتے تھے۔ دراصل رگوید کی سنگھتا کو جادو کے لئے جمع کیا گیا تھا ورنہ اس میں کوئی ہدایت اور تلقین کی بات نہیں۔ اب رہی یہ بحث کہ اس میں فی نفسہٖ کچھ تاثیر بھی ہے یا محض توہمات فاسدہ اور خیالات باطلہ ہیں اور کچھ اثر محسوس ہوتا ہے تو یہ وہ قوت وہمیہ کا مغلوب ہو جانا ہے جو رسی کا سانپ بنا کر دکھاتی اور چوہیا کے گزند سے سانپ کا اثر پہنچاتی ہے۔

(۲) متکلمین کی ایک جماعت کا یہی عقیدہ ❶ ہے، مگر دیگر علماء یہ کہتے ہیں کہ بیشک فی نفسہٖ ان اسباب خفیہ سے ایک تاثیر پیدا ہوتی ہے اور انکار بدیہیات کا انکار ہے۔ آنحضرت ﷺ پر بھی مدینہ میں ایک یہودی نے جادو کیا تھا جس سے آنحضرت ﷺ کسی قدر علیل ❷ ہوئے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔ توراۃ، سفر خروج کے ساتویں باب میں جادوگروں کی لاٹھیوں کا سانپ بن جانا مذکور ہے (چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ ہو گیا الخ) اس کا جواب بھی اوّل گروہ کے نزدیک یہ دیا ہے کہ قرآن مجید نے اس راز کو کھول دیا۔ یُخَیَّلُ اِلَیْھِمْ کا لفظ بتا رہا ہے کہ وہ بھی ڈھٹ بندی تھی۔

سحر کرنا حرام وکفر ہے:......(۳) سحر کرنا شروع میں حرام بلکہ کفر ہے، جیسا کہ وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ کَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ سے مفہوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں غیر اللہ سے استمداد اور اس کی نذر ونیاز پائی جاتی ہے کہ جو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ کے منافی ہے۔ علاوہ اس کے یہ فعل عبث ہے۔ نہ اس سے سلطنت کے کاموں میں خلل واقع ہوتا ہے، نہ انسان کے معاد ومعاش کی کوئی بھلائی پیدا ہوتی ہے اور نہ کسی کی ذات کے لئے کوئی ضرر یا نفع ہے اور جو کبھی کسی پر کوئی اثر نمایاں بھی ہوا تو وہ ہر وقت جادو کے بس میں نہیں۔ بغیر اذن الٰہی پتا بھی حرکت نہیں کرسکتا۔ اب اس آیت کے متعلق دو اور بحث باقی ہیں۔

---

❶ ...یعنی سحر کا فی نفسہٖ کوئی بھی اثر نہیں۔ صرف یہی کہ مسحور کی قوت وہمیہ مغلوب ہو جاتی ہے اور جو خیال ساحر اس میں نقش کرنا چاہتا ہے وہ اس کو قبول کر لیتی ہے۔ منہ۔ ❷ گروہ اوّل اس کا یہ جواب دیتا کہ اگر یہ خبر احادیث بھی مان لی جائے تو اس یہودی کے سحر سے آنحضرت ﷺ کا بیمار ہونا ثابت نہیں ہوا بلکہ جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کو کر کر بھول جایا کرتے تھے گویا کہ نہیں کیا، اس کو خیال کرتے تھے کہ کر چکا ہوں۔ یہی تو وہ قعت موہومہ پر اثر ہوا ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں اور یہ بھی تو ہوتا ہے کہ کبھی انسان کسی خیال کو پکا کر لیتا ہے تو اس کا اثر جسم پر بھی نمایاں ہونے لگتا ہے اور اگر اس سبب سے مرض پیدا ہو جائے تو ممکن ہے۔ منہ۔

اوّل یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں شیاطین جادو پڑھتے اور لوگوں کو سکھاتے تھے۔ دوم یہ کہ ہاروت ماروت کون تھے؟ اور ان پر سحر نازل ہونے کے کیا معنیٰ؟

**حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سلطنت میں جادو کی تقسیم:**......شیاطین سے مراد جنوں کے بدلوگ ہیں۔ جنوں کی عادت تھی کہ ادھراُدھر کی خبریں لاکر کاہنوں کو دیا کرتے تھے۔ وہ ان باتوں کو کتابوں میں جمع کر لیتے تھے اور پھر لوگوں کو سکھایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہد عروج سلطنت آیا تو یہود ان کو نبی تو جانتے نہ تھے، اپنے اس فن کے رواج دینے کے لئے ان لوگوں نے یہ مشہور کیا کہ سلیمان علیہ السلام کی دولت وحشمت کا یہی باعث ہے اور ان کے پاس ایک انگشتری ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے تمام جن وانس ان کے تابع ہیں (اور نقش سلیمانی بھی آج تک اسی بناء پر مشہور ہے) اسی طمع میں آکر یہود نے توراۃ کو پس پشت ڈال دیا اور اس کفریات کی تعلیم وتعلم میں سرگرم ہوگئے۔ پھر سلیمان علیہ السلام کے بعد شہرت کے لئے ہر سحر وہر عمل ان کی طرف منسوب ہونے لگا۔ جس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام ساحر وکافر نہ تھا بلکہ وہ شیاطین جو جادو لوگوں کو سکھاتے تھے اور اس تقریر پر شیاطین سے شیاطین انس یعنی معلمین سحر مراد لئے جائیں تو ممکن ہے۔ ایک زمانہ تو تعلیم سحر کا یہ تھا، دوسرا وہ جو ہاروت ماروت کے عہد میں واقع ہوا۔

**ہاروت وماروت اور ان پر سحر کا نزول:**......ہاروت ماروت شہر بابل میں دو اشخاص تھے کہ جن کو ان کے عجائب افعال اور نیک چلنی کی وجہ سے فرشتہ کہتے تھے اور ان کا یہ لقب مشہور ہو گیا تھا (اور اس بات کی وہ قراءۃ مؤید کہ جس میں ملکین کو بکسر لام پڑھا ہے اور حسن بصریؒ کا بھی یہی قول ہے)۔ (بیضاوی وتفسیر کبیر)

یہ شخص اس فن سے واقف تھے مگر اس کو برا سمجھتے تھے یہاں تک کہ جو ان کے پاس سیکھنے آتا، اس سے یہ کہہ دیتے تھے کہ بھائی! خدا تعالیٰ نے یہ علم ہم کو تمہاری آزمائش کے لئے دیا ہے کہ تم ایمان پر ثابت قدم رہتے ہو یا نہیں۔ اس کو نہ سیکھو ورنہ ایمان جاتا رہے گا۔ مگر یہود ایمان کی کیا پروا کرتے تھے، سیکھنے سے باز نہ آتے تھے۔ پس ان پر نازل ہونے سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اس فن میں ماہر وعالم ہونے کی قدرت عطا کی تھی، نہ یہ کہ کتاب آسمانی کی طرح ان پر خدا تعالیٰ نے جادو نازل کیا تھا کہ وہ اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ بعض مفسرین نے لفظ اُنْزِلَ سے یہ سمجھ لیا کہ وہ دو فرشتے تھے جو حضرت ادریس علیہ السلام کے عہد میں زمین شہر بابل میں آئے تھے، پھر ایک حسین عورت زہرہ پر عاشق ہو گئے تھے۔ اس کے کہنے سے شراب پی کر اس کے خاوند کو قتل کیا اور بت کو سجدہ کیا اور زہرہ نے اسم اعظم ان سے سیکھ لیا، جس سے وہ تو آسمان پر چلی گئی اور یہ بابل کے کنوئیں میں الٹے لٹکتے ہیں ❶ اور وہاں آگ سے ان کو عذاب ہوتا ہے۔ پھر جو کوئی ان کے پاس جادو سیکھنے جاتا ہے، پہلے اس کو سمجھا دیتے ہیں پھر سکھا دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص عبدالملک بن مروان کے پاس ان سے مل کر آیا تھا......الخ۔ یہ بے اصل کہانیاں ہیں۔

---

❶...... جب کہ وَمَآ اُنْزِلَ میں لفظ ما کو نفی کے لئے تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے تو معنی الٹ جائیں گے، کس لئے کہ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ وہ جو یہود کو یہ خیال تھا کہ بابل میں ہاروت ماروت سے جادو سیکھ کر آتے ہیں اور ان پر جادو نازل ہوا تھا یہ خیال غلط ہے کس لئے کہ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ۔ بابل میں فرشتہ خصال دو شخصوں پر جادو وادو نازل ہی نہیں ہوا تھا اور خود ان کو جو اس علم میں دخل تھا وہ بھی کسی کو بغیر انجام کار بتائے نہ سکھاتے تھے کہ اس سے انسان کافر ہو جاتا ہے، اس کو قضاء وقدر کے مقابلہ میں اپنے کام پر اعتماد ہو جاتا ہے اور وہ جاننے لگتا ہے کہ میں بھی ایک فاعل مستقل ہوں، یہ کفر ہے۔ مگر یہود پر ادبار کی گھٹا میں چھائی ہوئی تھیں۔ بابل کی اسیری میں سوجھا تو یہ سوجھا کہ، نہ توبہ نہ توسل الی اللہ جس قدر جاہل اور مدبر قومیں ہیں ان میں رہتے ہیں بجائے ترقی علوم وفنون کے اسی جادو کا بڑا زور وشور ہے اور ان کے مدبر فرمان روا بجائے تدبیر مناسب کے ان ہی جادوں پر تکیہ کئے بیٹھے رہتے ہیں، وقت پر ندامت اٹھاتے ہیں۔ مسلمانوں کو خدا تعالیٰ یہود کا حال بیان کر کے متنبہ فرماتا ہے مگر وہ جادو اور بابل اور ہاروت اور ماروت کا لفظ سن کر منہ میں پانی بھر لاتے ہیں۔ افسوس یہ کتاب امت سے جہل کا سبب ہے۔ جہاں علم آیا یہ جاہلانہ خیال کافور ہوئے۔ اب بھی ہندوستان میں بعض جاہل اور کمینہ اقوام میں اس کا بڑا رواج ہے۔ حقانی۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع۱۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ

يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ

مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ:......اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو البتہ خدا کے یہاں کا اجر ان کے لئے بہتر تھا۔ کاش ان کو علم بھی ہوتا﴿۱۰۳﴾۔ مسلمانو! (نبی ﷺ سے لفظ) راعنا نہ کہا کرو بلکہ اُنْظُرْنَا کہا کرو اور سنا کرو اور کافروں کو دکھ دینے والا عذاب ہے﴿۱۰۴﴾۔ اہل کتاب کے کافر و مشرکین نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھی اچھی بات نازل ہو اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل و کرم والا ہے﴿۱۰۵﴾۔ ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر لاتے ہیں۔ کیا آپ ﷺ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے﴿۱۰۶﴾۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست ہے، نہ مددگار﴿۱۰۷﴾۔

ترکیب:......لو کلمہ شرط، انھم، اَن اور جس میں کہ اس نے عمل کیا، مصدر ہے موضع رفع میں بسبب فعل محذوف کے، کس لئے کہ لَو کے بعد فعل آتا ہے تو تقدیرہ لو وقع منھم انھم اٰمنوا سب جملہ شرط۔ لمثوبۃ مبتداء موصوف، من عند اللہ صفت، خیر خبر جملہ جواب لو۔ راعنا فعل امر ہے لیکن موضع نصب میں ہے، کس لئے کہ یہ مفعول ہے لاتقولوا کا۔ یود فعل، الذین... الخ فاعل، ولا المشرکین موضع جر میں ہے، کس لئے کہ یہ معطوف ہے۔ لفظ اہل پر ان ینزل جملہ مفعول یود۔ من خیر میں من زائدہ ہے، من ربکم میں من ابتدائیہ ہے۔ ما ننسخ میں ما شرطیہ جازمہ مگر محلاً منصوب ہے۔ نأت بخیر... الخ جملہ جواب شرط، ننسھا معطوف ہے ننسخ پر، لہ ملک السمٰوٰت مبتداء و خبر جملہ خبر ہے اَنَّ کی۔ من ولی میں من زائد ہے اور ولی موضع رفع میں ہے بسبب مبتداء ہونے کے اور لکم خبر اور نصیر معطوف ہے لفظ ولی پر اور من دون اللہ بسبب حال ہونے کے ولی سے محل نصب میں ہے، والتقدیر من ولی دون اللہ۔

تفسیر:......خدائے تعالیٰ یہود کے افعال ذمیمہ بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ اب بھی ان کے لئے وقت باقی ہے۔ اگر وہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لائیں اور اچھے کام کریں تو آخرت میں بہت کچھ اجر ملے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لفظ راعنا کہہ کر مخاطب کرنے کی ممانعت:......اس کے بعد مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ یہود کی یہ حالت ہوگئی، تم ان کی صحبت اور ان کے رویہ سے پرحذر رہا کرو۔ منجملہ اور باتوں کے ایک یہ کہ یہود جب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے

تو اپنی جبلت شرارت سے اثناء کلام میں آنحضرت ﷺ سے رَاعِنَا کہتے، جیسا کہ ہماری بول چال میں کہتے ہیں: ذرا ادھر متوجہ ہو جایئے، یا ادھر خیال فرمایئے اور اس کلمہ میں اپنے نزدیک وہ یہ مراد رکھتے تھے کہ ہم آنحضرت ﷺ کو احمق اور چرواہا کہہ آتے ہیں۔ کس لئے کہ رَاعِنَا ظاہر میں تو مراعات سے مشتق ہے اور وہ اس کو رعونت سے لحاظ کر کے یا راعی بمعنی چرواہے سے خیال کر کے حضور ﷺ کو گالی دے جاتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع کر دیا کہ تقلید کر کے تم یہ کلمہ نہ کہا کرو۔ اگر ضرورت پڑے تو اس کی جگہ اُنْظُرْنَا کہہ دیا کرو کہ ہماری طرف خیال کیجئے، کیونکہ یہ کلمہ ذو معنیین نہیں ہے اور اس کی بھی کیا ضرورت ہے، تم اوّل ہی سے حضور ﷺ کی بات کان لگا کر سنا کرو،

(۳) اس کے بعد ان کا اتباع نہ کرنے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ یہود اور مشرکین تمہارے دلی دشمن ہیں، وہ یہ نہیں چاہتے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت (وحی) تم پر نازل ہو۔ مگر خدا تعالیٰ کا چاہا ہوتا ہے، جس پر وہ چاہتا ہے اپنی رحمت خاصہ کو نازل کرتا ہے۔ اس کا فضل بے نہایت ہے۔ اس کو کسی خاندان قوم کی پابندی نہیں کہ خواہ مخواہ ہمیشہ سلطنت یا نبوت اسی خاندان میں رکھے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ یہود کے شکوک وشبہات کا جواب دیتا ہے جو وہ اہل اسلام پر پیش کر کے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر تم پر خدا کی طرف سے خبر یعنی (وحی) اور شریعت نازل ہوتی ہے تو خبر کے منسوخ کرنے کے کیا معنی؟ خدا تعالیٰ کے احکامات اور شریعت ہمیشہ یکساں رہتے ہیں، ان میں سے ایک شوشہ بھی بدل نہیں سکتا۔ پھر اگر یہ قرآن اور شریعت منجانب اللہ ہے تو احکام توراۃ کو کیوں منسوخ کیا اور پھر خود اس شریعت ہی میں بعض احکام کو ایک وقت قائم رکھ کر موقوف (منسوخ) کر دیا۔ کیا خدا تعالیٰ کو پیشتر اس حکم کی قباحت کا علم نہ تھا۔ آج کل کے پادری بھی ان یہود کے مقلد ہو کر مسلمانوں سے یہی شبہ پیش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض نے تو اس بارے میں رسالے اور کتابیں لکھ ڈالیں۔ اس شبہ کا جواب خدا تعالیٰ نے اشارۃً تو مَایَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا میں دے دیا تھا کہ یہ لوگ یہ سب باتیں رشک وحسد سے کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے خاندان میں نبوت کو کیوں ختم نہیں کر دیا، اس لئے تم کو شبہات میں ڈالتے ہیں تاکہ تم اس فیض نبوت سے محروم رہو۔ مگر اس جگہ اس شبہ کو خوب کھول کر رد کر دیا کہ اگر ہم کسی حکم کو کسی مصلحت سے موقوف کرتے ہیں یا مؤخر کرتے ہیں تو اس میں بندوں کے لئے سراسر بہتری ہوتی ہے۔ ہم اس سے بہتر یا اس کے مانند اور سہل العمل اور کوئی حکم دیتے ہیں۔

**احکام خداوندی میں نسخ:**......واضح ہو کہ نسخ[ف] لغت میں ایک شے کے مٹانے پر یا نقل وتحویل پر (عند القفال) اطلاق ہوتا ہے۔ بولتے ہیں "نسخت الریح آثار القوم" کہ ہوا نے لوگوں کے پاؤں کے نشان مٹا دیئے اور اسی طرح بولتے ہیں "نسخ الکتاب الی الکتاب" آخر کہ ایک جگہ سے کتاب کو دوسری طرف نقل کیا اور اصطلاح علماء میں نسخ ایک ایسے حکم شرعی کا قائم کرنا ہے کہ جس کے بعد اس

---

[ف]:......بعض مفسرین آیت مَانَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ یہ آیت کلام سابق کا تتمہ ہے اس سے پہلی آیت میں یہود کے خصائل بد کی تشریح تھی جو ان کی تنزل کا باعث ہوئیں۔ آخر ہر مرض کا موت ہے۔ ان کا اقبال ان کی آئندہ ترقی سب کا خاتمہ ہوا۔ ایک نئی قوم اور نئے ملک میں خاتم الانبیاء پیدا ہوا۔ جس پر یہود کو رشک وحسد ہونا ایک معمولی بات تھی۔ جس کا جواب دیا گیا کہ خدا کی رحمت کسی قوم کے لئے مخصوص نہیں۔ اس پر خیال پیدا ہوتا کہ خدا تعالیٰ ایک قوم کو رفعت میں آسمان تک پہنچا کر پھر جلد یا دیر میں کیوں ذلت وادبار کے عمیق گڑھے میں پھینک دیا کرتا ہے۔ اس خیال کا دفعیہ اس آیت مَانَنْسَخْ میں کر دیا گیا۔ لفظ آیت سے قرآن مراد نہیں نہ اس کا کوئی محل وقوع ہے نہ سیاق نہ سباق مقتضی ہے۔ جب آیات قرآن مراد نہیں بلکہ آیات قدرت، قوموں کی بلندی وپستی، کسی کا طلوع، کسی کا غروب تو نسخ سے مراد بھی اصطلاحی نہیں بلکہ یہ معنی کہ اگر عالم میں ہم کوئی اپنا آثار قدرت (جیسا کہ کسی رفیع قوم کی پستی) مٹا ڈالتے یا اس کو نسیا منسیا کر دیتے ہیں کہ صفحہ ہستی پر اس کا کوئی نشان باقیہ نہیں چھوڑتے تو ایسی ہی یا اس سے بہتر کوئی اور آیت قدرت ظاہر کر دیتے ہیں۔ مخاطب! کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہمارے لئے ہے اور ہم ہر چیز پر قادر ہیں۔ بنی اسرائیل کو مٹایا جو ان کی ایک بڑی آیت قدرت تھی تو اس سے بڑھ کر قوم عرب کو جو ایک بڑی آیت قدرت ہے، ظاہر کر دیا جن میں صدہا ملوک اور لاکھوں حکیم پیدا ہوئے۔ منہ

سے پیشتر کا حکم شرعی جو موقت تھا، اٹھ جائے۔ اول حکم کو منسوخ، دوسرے کو ناسخ کہتے ہیں۔ یہود اور عیسائی نسخ کے مطلقاً منکر ہیں اور یہ انکار صرف اس لئے ہے کہ قرآن مجید کا حکم نہ ماننا پڑے اور دین اسلام پر اعتراض کی گنجائش رہے۔ مگر ان کا یہ انکار بالکل بے جا ہے۔

**احکام توراۃ میں نسخ:**.....(۱) اس لئے کہ توراۃ میں بہت سے احکام ایسے ہیں کہ جن میں نسخ پایا جاتا ہے اور عیسائیوں نے ختنہ اور سبت اور دیگر احکام مؤکدہ توراۃ کو منسوخ کر دیا بلکہ بفتوائے پولوس تمام شریعت موسوی کو بالائے طاق رکھ دیا اور اس پر عمل کرنے کو موجب لعنت قرار دیا۔ چنانچہ اس کی تشریح معہ حوالہ فصل و باب مقدمہ میں ہو چکی ہے۔ اب اس سے بڑھ کر کیا نسخ ہوگا؟ (۲) اس لئے بھی کہ عقلاً بھی اس قسم کے نسخ میں کوئی قباحت یا جناب باری تعالیٰ کی نسبت کوئی عیب نہیں کیونکہ اعتقادات اور اخبار کی نسبت تو کوئی مسلمان بھی نسخ کا قائل نہیں۔ توراۃ و انجیل و دیگر کتب انبیاء علیہم السلام کو اس بارے میں کوئی منسوخ نہیں کہتا۔ باقی رہے احکام، سو ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اصول شرائع جیسا کہ عبادات بت پرستی کی ممانعت، صلہ رحمی و عدل و انصاف، ظلم و تکبر اور بدخصائل کی حرمت وغیرہا، سو اس قسم کے احکام میں بھی ہم نسخ کے قائل نہیں۔ تمام شریعتوں اور کل انبیاء علیہم السلام کے احکام ابدی ہیں۔ دوم فرد عات شرعیہ کہ چوری پہ یہ سزا اور زانی پر اس قدر تہدید اور پاکی اور ناپاکی کی طہارت، اس طور پر نماز اور اس مکان میں اور اس طرف منہ کر کے وغیرہ ذلک سو اس قسم کے احکام میں نسخ واقع ہوا ہے اور ضرور ہونا چاہئے کیونکہ خدا تعالیٰ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ کا مقصد شریعت سے اپنے بندوں کی بھلائی اور اس کے حال پر رحمت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ زمانہ میں اقوام اور بلاد کا ہمیشہ ایک طور نہیں، وقتاً فوقتاً مصلحتوں میں انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً جب قوم شراب کی عادی ہو تو اس کی رسم مٹانے کے لئے نہ تنہا شراب کو حرام کیا جائے بلکہ اس کی دواعی اور یاد لانے والی باتوں کو منع کر دیا جائے اور شراب کے برتنوں کا مطلقاً استعمال ہی ناجائز کر دیا جائے۔ پھر جب ان کی عادت جاتی رہے تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے کر ان پر سہولت کر دینی ضروری ہے۔ اب اس میں خدا کے علم میں کیا قصور لازم آتا ہے؟ اس پر بھی اعتراض کرنا اور پھر مواقع استدلال میں اول قسم کے احکام کو پیش کرنا یا اعتقادات کو لانا انصاف کر گردن پر چھری پھیرنا ہے۔ معاذ اللہ من ذلک۔

**نسخ فی القرآن: منسوخ التلاوۃ و منسوخ الحکم:**.....اب رہا نسخ قرآنی کہ آیا اس کی آیات میں نسخ تلاوت یا نسخ حکم یا دونوں کا نسخ خواہ دوسری آیت یا کسی حدیث سے واقع ہوا ہے یا نہیں ابو مسلم بن بحر وغیرہ اس کا مطلقاً انکار کرتے ہیں اور اکثر علماء اس کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض آیات کا آنحضرت ﷺ کے عہد میں صرف حکم منسوخ ہوا، جیسا کہ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا۔ اس آیت میں سال بھر کی عدت وفات تھی، پھر چار مہینے دس روز رہ گئی، وغیرہا من الآیات۔ اس کو منسوخ الحکم کہتے ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ جن کے الفاظ منسوخ التلاوۃ اور حکم باقی ہے۔ جیسا کہ الشیخ و الشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ و اللہ عزیز حکیم۔ وغیرہ ذلک۔ یہ تنسیخ میں داخل ہیں اور بعض آیات ایسی بھی تھیں کہ جو حضور ﷺ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل سے بھلا دی گئیں۔ چنانچہ بیہقی اور ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ شب کو تہجد پڑھنے کھڑے ہوا اور ایک سورۃ کو پڑھنا چاہا، ہر چند یاد کیا مگر ایک حرف بھی یاد نہ رہا۔ صبح کو خود حضور ﷺ سے اور دیگر اشخاص سے بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ منسوخ التلاوۃ ہو گئی ہے۔ سب لوگوں کے دلوں سے بھلا دی گئی اور اس کے نقوش بھی مٹا دیئے گئے اور اسی طرح صحیح البخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ یہ آیت "عشر رضعات معلومات یحرمن" قرآن میں پڑھی جاتی تھی مگر اس کا ماقبل اور مابعد اور اس کا محل بالکل نسیاً منسیاً کر دیا اور اسی طرح کی بہت سی روایات ہیں۔ یہ سب نُنْسِهَا کا مصداق ہیں مگر اس سے قرآن میں کوئی تحریف و تغیر نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ سب باتیں مصلحت الٰہیہ سے

آنحضرت ﷺ کے عہد میں ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ کے بعد ایک حرف کی کمی زیادتی ظہور میں نہ آئی اور دلیل اس مذہب جمہور پر آیت مَانَنْسَخْ الآیۃ ودیگر آیات ہیں۔

ابو مسلم کہتے ہیں کہ نہ احکام میں نسخ ہوا ہے، کس لئے کہ جس کو تم منسوخ کہتے ہو، وہ اور جہت سے تھا اور جو ناسخ ہے وہ اور جہت سے ہے اور نسخ میں اتحاد جہت شرط ہے اور نہ تلاوت آیات میں۔ جن آیات کو تم منسوخ التلاوۃ کہتے ہو یہ دراصل قرآن مجید کی آیات نہ تھیں۔ کیونکہ قرآن منقول بہ نقل متواتر ہے اور یہ روایات خبر آحاد ہیں اور بعض تو موضوع یا ضعیف اور وجہ اشتباہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے تفسیر کے طور پر یہ جملہ کہ جن کو لوگ منسوخ التلاوۃ سمجھ گئے ہیں اثناء تلاوت میں پڑھے اور حاضرین نے ان کو آیت سمجھ لیا، مقدس سمجھ کر اپنے مصاحف میں لکھ لیا مگر جب آنحضرت ﷺ نے تمام قرآن شریف حفاظ کو یاد کرایا اور متفرق اجزاء میں کاتبوں سے لکھوایا اور ان راویوں نے ان جملوں کو قرآن میں نہ پایا تو منسوخ التلاوۃ سمجھ لیا اور اس آیت سے استدلال صحیح نہیں، کس لئے کہ اس سے مراد توریت وانجیل کے احکام ہیں اور لفظ آیت کچھ آیات قرآنیہ کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ احکام پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، اسی طرح اور آیات سے بھی استدلال صحیح نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝١٠٨ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٠٩

ترجمہ:......کیا تم بھی (اے مسلمانو! یہ) چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر سے ویسے ہی سوال کیا کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے تھے اور جس نے کفر کو ایمان سے بدلا تو وہ سیدھے رستے سے بہکا۝۱۰۸۔ اکثر اہل کتاب تو اپنے حسد سے حق ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح سے تم کو بھی ایمان لانے کے بعد (بھی) پھر کفر کی طرف لوٹا کر لے جائیں۔ پس تم اس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے، معاف کرو اور درگزر کرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۝۱۰۹۔

ترکیب:......ام، اس جگہ منقطع ہے، والتقدیر بل تریدون ان تسألوا کما میں کاف موضع نصب میں ہے، مصدر محذوف کی صفت ہے ای سوالا کما اور ما مصدریہ ہے۔ سواء السبیل بمعنی وسط السبیل ظرف ہے ضل کا۔ ودّ فعل کثیر من اهل الکتاب فاعل، لو مصدریہ، یردونکم جملہ بتاویل مصدر مفعول۔ کفارا حال ہے کم سے۔ جو یردکم میں ہے۔ اور ممکن ہے کہ مفعول ثانی ہو، کس لئے کہ یرد بمعنی یصیر ہے۔ حسدا مفعول لہٗ ہے فاعل ود سے یا یردونکم سے۔ من عند انفسهم کائن کے متعلق ہو کر صفت ہوا حسدا کی۔

## اہلِ ایمان کو یہودیوں کی طرح سوال کرنے کی ممانعت

تفسیر:......یہودی اہل اسلام کو طرح طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا کیا کرتے تھے تاکہ یہ لوگ دین سے برگشتہ ہو جائیں اور باوجودیکہ ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کا بشارات کتب انبیاء علیہم السلام و معجزات سے یقین ہو چکا تھا، مگر حسد کے مارے پھر بھی یہ باتیں کرتے تھے۔ جس پر بعض سیدھے سادھے مسلمان آنحضرت ﷺ سے الٹے سیدھے سوالات کیا کرتے تھے، کوئی یہ سمجھ کر کہ نسخ احکام تو ہوتا ہی ہے، یہ سوال کرتا تھا کہ فلاں احکام قائم ہونے چاہئیں۔ بعض پوچھتے تھے کہ اس حاملہ کے پیٹ میں بیٹا ہے یا بیٹی؟ اور اسی قسم کی لغو اور محال باتوں کو پیش کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ کر دیا کہ کیا تم بھی اپنے رسول سے ایسے ہی سوالات کیا چاہئے ہو کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام سے ان یہود کے بزرگوں نے کر کے غضب الٰہی اپنے اوپر ڈھایا تھا؟ سو تم ایسا نہ کرو، کیونکہ یہ کفر ہے اور جو ایمان چھوڑ کر کفر میں پڑتا ہے وہ نجات اور حیات ابدی کے سیدھے رستے سے بھٹکتا ہے اور یہ یہودی تو اپنے جبلی حسد سے تم کو پھر کفر میں لانا چاہتے ہیں، حالانکہ اسلام کا حق ہونا ان پر ظاہر ہو چکا ہے۔ اس حسد کے مقابلہ میں تم ان سے حتی المقدور در گزر کرو۔ یہاں تک کہ دنیا یا آخرت میں جو کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب مقرر ہے وہ نازل ہو جائے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ:......اور تم نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور جو کچھ نیکی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس موجود پاؤ گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے کام دیکھ رہا ہے ﴿۱۱۰﴾۔

ترکیب:......واقیموا... الخ جملہ انشائیہ معطوف ہے فاعفوا پر۔ ماتقدموا میں ما شرطیہ من خیر بیان ہے ما کا، یہ سب جملہ شرط تجدوہ... الخ جواب شرط۔

## قیام نماز اور ادائیگی زکوٰۃ کا حکم

تفسیر:......یہ کلام سابق کا تتمہ ہے یعنی تم کسی مشکک اور مغوی کے بہکانے میں نہ آؤ۔ ایمان پر ثابت قدم رہ کر عالم آخرت کے لئے کہ جہاں تک تم کو ہمیشہ رہنا ہے، روح کو منور کرو۔ بدنی عبادتوں میں سب سے اعلیٰ نماز ہے، اس کو ادا کرتے رہو۔ اور مالی عبادتوں سے بھی غافل نہ رہو، زکوٰۃ دو اور علاوہ زکوٰۃ کے ہر قسم کی نیکی کرو۔ خلق خدا سے بھلائی اور اپنے بیگانوں کے ساتھ نیک سلوک سے پیش آؤ جو کچھ کرو گے ضائع نہ جائیگا۔ انسان کے سب اعمال عالم مثال میں موجود رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد سب کو وہاں جا کر ضرور پائے گا۔ کسی عمل کی جزا سے خدا تعالیٰ غافل نہیں۔ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ سب دیکھ رہا ہے

فوائد:......(۱) اَمْ تُرِيْدُوْنَ سے لے کر اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ تک ایک مضمون متصل تھا۔ اس کا اصل شان نزول تو وہی ہے کہ جو ہم نے بیان کیا کہ لوگ یہودیوں کے بہکانے سے آنحضرت ﷺ سے بے جا سوالات کرتے تھے، جن میں نہ نفع دنیا نہ نفع آخرت بلکہ ضرر ایمان تھا، اس لئے منع کر دیا گیا۔ مگر بعض مفسرین نے اَنْ تَسْئَلُوْا کے متعلق مختلف روایتیں بیان کی ہیں۔

مشرکین مکہ کے آپ علیہ السلام سے بے جا سوالات:......ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہدؒ بیان فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن امیہ مخزومی نے مع

چند قریش حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ کہا کہ ہم آپ پر جب ایمان لائیں گے کہ آپ ہمارے لئے مکہ کے خشک پہاڑوں پر چشمہ جاری کردیں یا کوئی وہاں انگور یا کھجور کا باغ پیدا کردیں یا کوئی سونے کا گھر بنادیں یا آپ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں۔ یا ہم پر کوئی خدا کی کتاب اترے کہ جس میں یوں لکھا ہوا کہ اے عبداللہ! تو محمد پر ایمان لا۔ اصم اور جبائی اور ابومسلم کہتے ہیں کہ یہ خطاب اہل اسلام کے ان لوگوں سے ہے جو بے جا سوالات کرتے تھے، اور یہی صحیح ہے۔

**حسد اور غبطہ کی حقیقت اور حکم:**......(۲) حسد۔ کسی کی نعمت خدادادکا زوال چاہنا، خواہ وہ نعمت اپنے لئے چاہے جیسا کہ کسی کا باغ یا مکان یا روپیہ یا عورت اپنے لئے چاہے یا اپنے لئے نہ چاہے، یہ حسد حرام ہے اس آیت و دیگر آیات و احادیث سے۔ یہ وہ مرض بد ہے کہ جو انسان کی تمام برائیوں کا سرچشمہ اور نیکیوں کو جلانے والا شعلہ ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا کہ حسد نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے کہ جس طرح آگ لکڑیوں کو۔ ابلیس کو اسی مرض نے ہلاک کیا تھا اور غبطہ حلال ہے، وہ یہ کہ کسی کی برائی تو نہ چاہے مگر خدا تعالیٰ سے اس طرح کی نعمت اپنے لئے بھی مانگے اور اسی کو منافسہ بھی کہتے ہیں اور اس پر بھی مجازاً کبھی اطلاق حسد ہوتا ہے، جیسا کہ صحیحین میں آتا ہے:

لاحسد الا فی الاثنین رجل اتاہ اللہ مالا۔ الحدیث

**پادریوں کی تعلیم گاہوں میں جانا اور ان گفتگو سننے کا حکم:**......(۳) یہاں ❶ سے یہ معلوم ہوا کہ جن باتوں سے مسلمانوں کے عقائد میں شبہ پڑے، ان کا سننا بھی حرام ہے۔ اس بنا پر مستورات کا پادریوں کے مدارس میں تعلیم کے لئے جانا اور ان کے مدارس کی ملازمت کرنا یا ان کی ان امور میں اعانت کرنا حرام ہے، بلکہ تبدیل کفر بالایمان اور یہی حال دیگر مذاہب کا ہے، نعوذ باللہ منہ

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ
هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ
ع ۱۳ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَیْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ
الْيَهُوْدُ عَلٰى شَیْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ
مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ:......اور (اہل کتاب کہتے ہیں کہ بجز یہود یا نصاریٰ کے اور کوئی ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا۔ یہ ان کے ڈھکوسلے ہیں۔ (اے محمد! ان سے) کہہ دو کہ تم (اس بات پر) اپنی دلیل تو لاؤ اگر تم سچے ہو ﴿۱۱۱﴾۔ ہاں، جس کسی نے اللہ کے سامنے اپنا منہ جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا بھی ہو تو اس کے لئے اس کا بدلہ اس کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۱۲﴾۔ اور یہود کہتے ہیں عیسائی ٹھیک راہ پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہود راہ حق پر نہیں، حالانکہ وہ سب کتاب بھی پڑھتے ہیں۔ ایسی ہی باتیں وہ لوگ بھی کہتے ہیں جو بے علم ہیں (بعض مشرکین عرب)

❶......پادریوں کے مدرسہ میں مسلمانوں کی مستورات واطفال کا جانا حرام ہے۔ منہ۔

پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان باتوں کا کہ جن میں وہ جھگڑ رہے ہیں، خود فیصلہ کردے گا(۱۱۳)۔

ترکیب:.....قالوا فعل با فاعل، لن یدخل الجنة . . . الخ جملہ مفعول۔ فعل اپنے فاعل سے اور مفعول مل کر جملہ تامہ خبریہ ہوکر معطوف ہوا و د پر۔ الا محل رفع میں ہے بسبب یدخل کے۔ ھود جمع ہاید کی ہے جیسا کہ عاید کی عوذ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس جمع کا مفرد نہیں وفیہ ما فیہ ۔ نصاریٰ جمع نصران کی ہے جیسا کہ سکاریٰ جمع سکران کی۔ تلک مبتدا، امانیھم خبر، قل فعل انت ضمیر فاعل، ھاتوا امر حاضر معروف معتل اللام۔ تصریفہ ھاتا یھاتی مھاتاة مثل رامی یرامی مراماة و ھاتوا مثل راموا اور اصل اس کی ھاتیوا تھی، تعلیل ہوگئی۔ برھان مضاف کم مضاف الیہ مجموعہ مفعول ہوا ھاتوا کا پھر یہ سب جملہ مقولہ ہوا قل کا۔ من شرطیہ اسلم فعل ضمیر راجع من کی طرف، وہ فاعل ذوالحال۔ وجھہ مفعول، للہ متعلق فعل، وھو محسن جملہ اسمیہ حال، یہ تمام جملہ شرطیہ فلہ اجرہ . . . الخ تمام جملہ اسمیہ جواب شرط۔ وقالت فعل، الیھود فاعل لیست النصاریٰ . . . الخ جملہ اس کا مقولہ وقس علیہ۔ وھم یتلون . . . الخ جملہ خبریہ حال ہے قالت سے۔ کذلک کاف موضع نصب میں ہے کیونکہ صفت ہے مصدر محذوف کی۔ مثل قولھم یا بدل ہے محل کاف سے یا مفعول ہے لایعلمون کا۔

## یہود و نصاریٰ کا باہم طعن و تشنیع اور تفاخر کرنا

تفسیر:.....پہلی آیتوں میں مذکور تھا کہ اہل کتاب دلی آرزو کرتے ہیں کہ کسی طرح پھر تم مسلمانوں کو کفر میں مبتلا کردیں اور اسی لئے تمہارے دل میں شکوک و شبہات ڈالتے ہیں۔ یہاں تک تو یہود کی کجرویوں کا بیان ہے۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ دونوں کی کج رویوں کا بیان ہوتا ہے کہ وہ کسی کو جنت کا مستحق نہیں سمجھتے۔ یہود کو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہونے کا تفاخر تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام اور اس کی نسل کے لئے مغفرت کا وعدہ ہو چکا ہے۔ آتش جہنم ان پر حرام ہے، خواہ وہ کچھ ہی کریں۔ عیسائی کہتے تھے کہ ہمارے اگلے پچھلے سب گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اوپر لے لئے اور ہماری طرف سے وہ کفارہ ہوگئے۔ اب ہم پر آتش جہنم حرام ہے اور جنت ہمارا مقام ہے۔ مسلمانوں کے روبرو ایسی باتیں اس لئے کرتے تھے کہ وہ اسلام کو باعث نجات اور تسلی بخش نہ سمجھ کر اسلام میں داخل ہونے سے احتراز کریں۔ یہ نادان عربوں کے خیالات میں لغزش پیدا کرنے والا شبہ تھا۔ اس کو خدا تعالیٰ رد کرتا ہے۔ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ کہ یہ ان کے دلی منصوبے یعنی بے اصل خیالات ہیں اور اگر کوئی اصل ہے تو قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اے نبی! ان سے کہہ دو کہ ان پر کوئی دلیل تو پیش کرو، عقلی یا نقلی۔ حالانکہ کوئی بھی دلیل نہیں۔ کہیں توریت یا انجیل میں یہ بات نہیں اور عقل کے بھی خلاف ہے، کیونکہ خداوند عالم جملہ بنی آدم کا خدا ہے۔ ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک سے اس کی یکساں نسبت ہے۔ بلکہ معیار نجات جس کو عقل سلیم تسلیم کرتی ہے، یہ ہے۔ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ ، کہ جو کوئی یہودی، نصرانی عجم، ہندی، حبشی جس نے اپنا سر خدا کے آگے جھکا دیا ہو۔ جن چیزوں پر اس نے ایمان لانے کو فرمایا ہو، بے چوں و چرا ان چیزوں کو مان لیا ہو، اس پر ایمان لے آیا ہو۔ (اس سے تکمیل قوت نظریہ ہوگئی) مگر اس کے ساتھ وَهُوَ مُحْسِنٌ وہ نیکوکار بھی ہو۔ جن چیزوں کا اس نے حکم دیا ہو، ان کو بجا لاتا ہو اور جن سے اس نے منع کیا ہے ان سے دور رہتا ہو (یہ تکمیل قوت عملیہ ہے) فلہ اجرہ اس کا بدلہ اس کو ضرور ملے گا۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں افزائش مال اولاد و تندرستی و اقبال اس کا بدلہ ہے۔ جس کو یہ حاصل نہ ہو وہ بد اعتقاد ہو جائے گا کیونکہ یہ سب چیزیں فانی ہیں، ایسا بدلہ پورا بدلہ نہیں۔ بلکہ عِنْدَ رَبِّهٖ اس کے خدا کے پاس عالم باقی میں مرنے کے بعد جہاں سدا رہنا ہے وہ کیا ہے؟ جنت اور وہاں کے نعیم باقیہ جن میں سے ایک بات یہ ہے وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

کہ وہاں ان کو کسی آنے والی مصیبت کا خوف ہی نہ رہے گا۔ نہ اپنے مرنے کا، نہ اپنے دنیاوی اقارب واحباب مغفور کے مرنے کا، نہ ان کی جدائی کا، نہ ان کے بڑھاپے کا اور نہ امراض کا، نہ کسی کے افلاس کا، نہ جنت سے باہر نکالے جانے کا، نہ کسی دشمن یا بادشاہ کا، خود خدا تعالیٰ کی ناراضی کی۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ نہ ان کی دنیا میں عمر رائیگاں کرنے کا غم ہوگا کہ ہائے کچھ نہ کیا۔ لذات وشہوات فانیہ میں عمر گنوائی، جواب خواب وخیال ہیں۔ ہائے رات دن مال ودولت جمع کرنے میں، عمدہ مکان اور باغ بنانے میں سرگرداں رہا وجاہت وعزت کا طالب رہا، جن میں سے اب کچھ بھی ساتھ نہیں۔ نہ اس کا کہ غلط مذاہب کی پابندی سے کیا کیا محنتیں اٹھائیں، خدا کی حلال نعمتیں چھوڑ دیں۔ گنگا، جمنا میں سالہائے دراز غسل کرتا رہا، دھونی رمائی، بتوں کو سجدہ کیا، کسی قبر اور معابد کو نہ چھوڑا کہ جن پر سجدہ نہ کیا ہو۔ ہزاروں روپیہ تقرب الی اللہ سمجھ کر برباد کیا، جن کا نتیجہ برعکس پایا۔ ثواب کے بدلے عذاب۔

**یہود ونصاریٰ کے قول ودعویٰ بطلان:**...... الغرض اس کا ان کو کوئی غم بھی نہ ہوگا۔ یہ ہے وہ نجات اور یہ ہے وہ تسلی بخش مذہب۔ اس کے بعد یہود ونصاریٰ کے قول کو ایک عجیب برہان سے باطل کیا جاتا ہے فقال: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ . . . الخ کہ اہل کتاب کے بڑے بھائی یہود کہتے ہیں: نصاریٰ کا کوئی بھی دین ومذہب نہیں۔ چند ڈھکوسلے ہیں جو ان کے پیشواؤں کے بنائے ہوئے ہیں۔ توریت میں خدا تعالیٰ کو واحد لاشریک لہ بتایا ہے۔ یہ خدا کی تجزی کرتے ہیں، تین اجزاء سے ملا کر معجون مرکب کی طرح ایک خدا کہتے ہیں اور اس کو تفاخر میں آکر سرروحانی اور باعث حیات جاودانی بتلاتے ہیں حالانکہ (حضرت) مسیح علیہ السلام سے پہلے صدہا رسول آئے، کسی نے بھی ان کی تعلیم تو کیا اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ یہ ان کی تثلیث ہے اور اسی طرح کفارہ مسیح بھی ایک جاہلانہ خیال ہے۔ توریت اور صحف انبیاء علیہم السلام میں صدہا آنے والی چیزوں کی خبریں دی گئی ہیں مگر اس کا کہیں ذکر تک نہیں اور بھلا خدا کے ہاں یہ کیا اندھیر ہے کہ گناہ تو کرے کوئی اور اس کے عوض میں عذاب پائے اور لعنت اٹھائے کوئی؟ یہ دوسرا عقیدہ تھا۔ اب رہا مسیح علیہ السلام کا خدا کا بیٹا ہونا، خدا کا تقدس اس سے بری ہے کہ وہ کسی کو جورو بنائے اور بیٹا جنائے اور پھر وہ بیٹا ہمارے ہاتھ سے کس بے کسی سے صلیب پر چڑھا دیا جائے اور اس سے کچھ بھی نہ ہو سکے۔ اگر بیٹے کا لفظ محبت اور تعظیم کی راہ سے ان پر اطلاق کرتے تو عہد نامہ قدیم میں بہت لوگوں پر اس کا اطلاق ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مذہب باطل ہے۔ نصاریٰ کہتے ہیں: یہود نے پچھلے آنے والے نبی کو نہیں مانا اور توریت میں دھرا کیا ہے؟ احکام عشرہ اور دیگر رسمی احکام کے سوا روحانی کوئی بھی حکم نہیں۔ بقول پولوس مقدس توریت ظلمت کا پردہ ہے اور موسیٰ (علیہ السلام) جلادوں کا استاد تھا۔ ہم کو اس سے کوئی کام نہیں، یہ رسمی مذہب مسیح کے آنے سے بیکار ہو گیا وغیرہ۔ الغرض یہود کے نزدیک نصاریٰ کا مذہب باطل اور نصاریٰ کے نزدیک یہود کا مذہب غلط۔ دونوں سچے اذا تعارضا تساقطا دونوں غلط اور باطل اور عجب تر یہ کہ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ دونوں گروہ توراۃ اور صحف انبیاء علیہم السلام کو پڑھتے ہیں اور مانتے ہیں، پھر ان کی کس بات کا اعتبار کیا جائے۔؟ ذرا ٹھہریں، قیامت کے دن خدا تعالیٰ اپنی عدالت میں ان کے مقدمہ کا فیصلہ کردے گا۔ ہر ایک گروہ کو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

باش تابند روی بکشایند ☆ باش تابا تو در حدیث آیند
تاکیان را نشانہ دربر ☆ تاکیان را گرفتہ دربو

پھر بھی یہ فرمایا کہ ان پر کیا موقوف، اس قسم کی باتیں ان سے پہلے کے جاہل بھی کہا کرتے تھے۔ مذہب صابی کے لوگوں کا یہی دعویٰ تھا۔ ہنود جو اپنا زمانہ لاکھوں کروڑوں برس کا بتاتے ہیں، وہ بھی چار برن برہمن، چھتری، بیش، شودر کے سوا سب مخلوق کو ملکش اور ناپاک کہتے تھے۔ اب بھی آریہ فریق کے نزدیک نجات کا مدار ایک تقویم پارینہ ہے یعنی وید پر ہے اور دنیا بھر کی ہدایت وتعلیم اس میں بھری

ہوئی ہے حتیٰ کہ دنیاوی صنائع اور علوم کا بھی یہی مخزن ہے۔ حالانکہ چند لوگوں کے پرانی زبان میں مضامین کے اشعار ہیں جن کا وزن بھی اس نے مضامین کی طرح وہی جاہلانہ کہ جہاں تمدن نے جنم بھی نہ لیا ہو اور بیشتر تو ارذل غیر مرئیہ دیوتاؤں اور عناصر کی مدح میں ہیں جو ان کے مصنفوں نے ان کی تسخیر کے لئے بنائے تھے اور چھومنتر میں کام آتے تھے جن کی آنکھ کھینچ تان کر آریہ تلاوت کرتے ہیں مگر چول جب بھی ٹھیک نہیں بیٹھتی۔

## مدار نجات خدا کی فرمانبرداری ہے

**متعلقات:**......(۱) خدا تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کے جھوٹے دعوے کو رد کر دیا اور اس کے بعد معیار نجات بتلا دیا اور یہ نہ کہا کہ خاص مسلمان جنت میں جائیں گے کیوں کہ اس کے مقابلہ میں دوسرا شخص کہہ سکتا تھا کہ تمہارا بھی یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ہر شخص اپنے مذہب وملت کے مقابلہ میں دوسرے مذہب کو غلط سمجھا کرتا ہے۔ بلکہ ایک ایسی بات کہی کہ جس کا کوئی بھی اہل عقل انکار نہیں کر سکتا اور جس کو ہر ملک اور مذہب کے لوگ باتفاق مانتے ہوں، وہ یہ کہ نجات خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نیکوکاری پر منحصر ہے اور اسی کو اسلام کہتے ہیں۔ اس قسم کے کلام کو کہ مخالف کا دعویٰ رد کر کے اپنا دعویٰ مسلمہ مقدمات خصم سے ثابت کر دے۔ کلام مدلل کہتے ہیں جو نہایت بلاغت کا کلام ہے۔

(۲) اسلام لغت میں جھکنے اور مطیع ہونے کو کہتے ہیں اور جہاں زیادہ اطاعت اور فرمانبرداری مطلوب ہوتی ہے تو منہ جھکانا اور سر جھکانا بولتے ہیں اور چونکہ مذہب اسلام میں خدائے تعالیٰ کی بے حد فرمانبرداری ہے جان سے، مال سے تو اس لئے اس مذہب کا نام بھی اسلام قرار پایا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ط اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ط لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ:......اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا کہ جس نے اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے کی بھی ممانعت کر دی اور اس کے اجاڑ دینے کی کوشش کی ہو۔ ان کو تو یہی لائق تھا کہ ان میں ڈرتے ہوئے جاتے۔ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور ان کو آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے ﴿۱۱۴﴾ اور مشرق ومغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ پھر جدھر پھر جاؤ، ادھر اللہ تعالیٰ کا رخ ہے۔ اللہ تعالیٰ وسعت والا دانا ہے ﴿۱۱۵﴾

---

**ترکیب:**......من استفہامیہ انکاریہ محل فرع میں ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور اظلم اس کی خبر ہے یعنی اس سے کوئی زیادہ ظالم نہیں۔ ممن میں من نکرہ موصوفہ یا بمعنی الذی ہے۔ ان یذکر موضع نصب میں ہے اس لئے کہ یہ مساجد مفعول منع ہے بدل الاشتمال تقدیرہ ذکر اسمہ فیھا۔ خراب بمعنی تخریب، اولئک مبتدا، ما کان لھم... الخ۔ جملہ اس کی خبر الا خائفین حال ہے ضمیر یدخلوھا سے۔ للہ خبر مقدم، المشرق، والمغرب مبتدا موخر جملہ مستانفہ فاینما کلمہ شرط، تولوا مجزوم بشرط فثم وجہ اللہ جملہ خبریہ جواب شرط۔

## کفار ومشرکین کو تنبیہ

تفسیر:.....عرب میں یہود ونصاریٰ پڑھے ہوئے اور باعلم خیال کیے جاتے تھے۔قریش مکہ اور دیگر بت پرست قومیں اسلام کے مقابلہ میں انہیں سے مدد لیتی تھیں۔یہ بزرگوار بھی ان کے ورغلانے اور نکتہ چینیاں سکھانے میں کوئی کمی نہ کرتے تھے اور لطف یہ کہ اسلام کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے ان ان کے مذہب بت پرست کو صحیح کہہ دیا کرتے اور ان کو ان ظلم وزیادتیوں کی وجہ سے جو وقتاً فوقتاً غریب ایمان داروں پر کیا کرتے تھے، جنت اور نجات کا مستحق بھی بنا دیا کرتے تھے۔اس لئے یہود ونصاریٰ کی گمراہیاں بیان کر کے ان آیات میں روئے سخن ان جاہل اور بت پرست عربوں کی طرف کیا جاتا ہے اور ان کو بھی انہیں کے مسلمات سے الزام دیا جاتا ہے۔

قریش مکہ خانہ کعبہ کی ایام جاہلیت میں بڑی تعظیم کیا کرتے تھے اور قبائل عرب بھی کعبہ کا احترام بجالاتے تھے مگر جب اسلام کا نور کوہ فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا تو ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔اسلامیوں کو کعبہ میں جا کر خدا پرستی اور اس کے نام لینے سے منع کر دیا۔ جو ان کے اصول مسلمہ کے نزدیک بھی بہت ہی برا کام تھا، جس سے ثابت ہوا کہ یہ بھی بڑے ظالم اور بدکار ہیں۔فقال:۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۔کہ تم ہی بتاؤ اے قریش مکہ جو اپنے مذہب بت پرستی کو حق سمجھتے ہو کہ اس سے بڑھ کر کوئی ظالم ہے کہ جو خدا کی مسجدوں میں اس کے نام لینے سے منع کرے؟ بظاہر نزول آیت کے وقت عرب بالخصوص مکہ میں ایک ہی مسجد ابراہیمی یعنی کعبہ تھا، پھر جمع کا صیغہ لانے سے یا تو یہ غرض ہے کہ جس نے کعبہ میں یاد الٰہی کرنے سے منع کیا تو اس کو اور مسجدوں میں منع کرنے سے کیا تامل ہوگا، گو یا وہ ایک مسجد سے منع نہیں کرتا بلکہ بہت سی مسجدوں سے روکتا ہے اگر وہ پائی جائیں۔یا کعبہ سے ممنوع ہونے کے بعد ایمان داروں نے اپنے گھروں میں نماز کے لئے چبوترے بنالئے تھے۔یہ کمبخت وہاں بھی یاد الٰہی کرنے سے روکتے تھے۔وہ بھی مساجد اللہ ہی تھیں۔

### کفار ومشرکین کا لوگوں کو مساجد میں جانے سے روکنا اور نماز وعبادات میں خلل ڈالنا:

.....مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے قریب نماز کے لئے ایک چبوترا بنالیا تھا۔وہیں نماز ادا کرتے اور پرسوز لب ولہجہ میں قرآن کی وہ آیات پڑھتے تھے کہ جو روح پر بشرطیکہ اس میں حیات کا کوئی حصہ باقی ہو، کوڑے مارتی تھیں۔وہی آنے جانے والوں کا راستہ تھا۔جانے والے کھڑے ہو جاتے تھے اور سن کر سر دُھنتے تھے جس سے مکہ میں ایک نیا جوش برپا ہو گیا۔اس لئے قریش مکہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وہاں بھی نماز اور قرآن پڑھنے سے روک دیا۔کعبہ کی تعمیر اور مرمت کو قریش بڑا کار خیر سمجھتے تھے۔وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا ۔حالانکہ مساجد کی آبادی میں نمازیوں کا جمع ہونا ہے۔ان کو منع کرنا، مساجد کو برباد کرنا ہے۔مسجد گو چونا پتھر سے لاکھ آراستہ ہو کر مگر جب نمازی نہیں تو اس کو اجاڑ ہی کہا جاتا ہے۔یہ ایک فعل قریش کا کعبہ کی نسبت تھا۔دوسرا یہ تھا کہ خود جو وہاں جاتے، بجائے نماز کے تالیاں اور سیٹیاں بجا کے بتوں کے آگے ناچتے کودتے۔یہ بھی مسجد کی بڑی بے ادبی ہے بلکہ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآىِٕفِیْنَ ۔وہاں خدا تعالیٰ سے ڈر کر ادب سے جانا چاہئے۔جب یہاں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نمازیوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرنا حرام ہے۔اسی طرح مساجد میں عبادت کے سوا اور لہو ولعب کے اشغال بھی حرام ہیں۔جو مساجد اللہ کے ساتھ ایسی بے ادبی کرے گا۔ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور ذلت ہے، جیسا کہ قریش کو بدر وغیرہ معارک میں ہوئی۔اور آخرت میں بھی ایسے لوگوں کے لئے عذاب عظیم ہے۔اب اس پر قریش مکہ اپنے آپ کو حق پرست اور مستحق نجات سمجھتے ہیں۔؛ ہرگز نہیں۔ان دنوں میں مسلمانوں کو کعبہ سے روکے جانے

کا کا غم تھا، اس لئے کہ جہت عبادت اور محل عبادت کعبہ ہی کو سمجھتے تھے۔ اس کی بابت تسلی کر دی کہ مشرق و مغرب سب خدا تعالیٰ کا ہے، وہ کافر تمہاری عبادت نہیں روک سکتے۔ جدھر جا ہو ادھر منہ کر کے نماز پڑھا کرو وہیں وجہ اللہ خدا حاضر و ناظر ہے، ہر سو اس کی ذات کا جلوہ ہے۔

## مذہب اسلام میں کعبہ پرستی کا نہیں خدا پرستی کا حکم

فائدہ: اس وقت کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ضروری نہ رہا تھا اور اب بھی کعبہ کا رخ معلوم نہ ہو، یا کسی عذر کی وجہ سے اس طرف منہ کر کے نہ پڑھ سکے تو تکبیر کے وقت ادھر منہ کر لے، اگر ہو سکے۔ باقی نماز فرض و نوافل جس طرح چاہے پڑھے، کس لئے کہ اسلام میں کعبہ پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی ہے۔ اس آیت کے بعد کعبہ کی طرف منہ کرنا شرط قدرت واجب ہو گیا، کس لئے کہ یہ مسجد محل قبولیت ہے۔ اگر وہاں نہ جا سکے تو اس طرف منہ کر کے ہی نماز پڑھا کرے۔

**آیت کا شانِ نزول:**...... مفسرین کے نزدیک اس کے شان نزول میں متعدد اقوال ہیں۔ عبداللہ بن عامر نے روایت کیا ہے کہ ہم جہاد میں ایک اندھیری رات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز میں مشغول ہوئے۔ اندھیرے کی وجہ سے قبلہ نہ معلوم ہوا کسی نے کسی طرف، کسی نے طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ پھر صبح کو معلوم ہوا کہ قبلہ رخ نماز نہ پڑھی گئی اور ہم نے یہ بات آنحضرت ﷺ سے ذکر کی، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ مشرق و مغرب سب خدا تعالیٰ کے لئے ہے، ہر طرف میں اس کا جلوہ ہے، ایسے عوارض میں تعلق جہت شرط نہیں (تفسیر کبیر)۔ ترمذی و ابن ماجہ نے بھی ایسا ہی مضمون نقل کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نماز سفر کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ سفر میں جو شخص سواری میں بیٹھ کر نوافل پڑھنا چاہے اور اس کی سواری کا منہ قبلہ کی طرف نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ اس کو بھی ترمذی اور نسائی اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حسن اور قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا یہ سبب ہوا تھا کہ جب آنحضرت ﷺ کو بیت المقدس کی طرف سے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو یہود نے طعن کیا۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ ہر طرف اسی کا جلوہ ہے اور مشرق اور مغرب اسی کا ہے۔ کچھ وہ مجسم نہیں کہ مشرق کی طرف ہے یا مغرب کی طرف یا جنوب یا شمال کی طرف۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آیت تحویل قبلہ کے لئے تمہید ہے۔ جس کا بیان آگے آتا ہے۔

فائدہ: فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کے یہ معنی نہیں کہ وہاں خدا تعالیٰ منہ مصلی کی طرف کئے بیٹھا ہے، بلکہ ادھر سے اس کی ذات اور اس کی توجہ اور تجلی ہے، وہ مکان بھی پاک ہے۔

---

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

---

ترجمہ:......اور کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنایا ہے، حالانکہ وہ پاک ہے۔ بلکہ جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کا ہے۔ سب اسی کے فرمانبردار ہیں ﴿۱۱۶﴾۔ (وہ) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جب کوئی چیز کرنا چاہتا ہے تو صرف یہی کہہ دیتا ہے کہ ہو جا! سو وہ ہو جاتی ہے ﴿۱۱۷﴾۔

ترکیب:......وقالوا فعل، ھم ضمیر فاعل، اتخذ فعل، اللہ فاعل، ولدًا مفعول بہ جملہ مل کر مقولہ ہوا۔ سبحانہ جملہ معترضہ، بدیع بمعنی مبدع مضاف، السموات والارض مضاف الیہ مجموعہ خبر مبتدا محذوف کی، ای ھو بدیع... الخ۔ واذا قضی... الخ۔ شرط،

فانمایقول...الخ جواب شرط۔

## نصاریٰ کے خیالات فاسدہ کا رد و بطلان

تفسیر:......یہاں سے عیسائیوں کے خیالات فاسدہ کا رد شروع ہوتا ہے۔ عیسائیوں کا اول عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے فرزند ہیں۔ یہ خیال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روبرو حواریوں میں نہ تھا بلکہ بعد میں پیدا ہوا۔ قدیم عہد نامہ میں یہ لفظ محبت اور پیار کی راہ سے بعض اور بندوں پر بھی اطلاق ہوا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جو خدا تعالیٰ کو محبت میں باپ کہہ دیا تو نادان عیسائیوں نے ان کے ظاہری باپ نہ ہونے سے سچ مچ خدا کا بیٹا ہی سمجھ لیا۔ اس بات کو خدا تعالیٰ کس دل پسند تقریر سے رد کرتا ہے۔ اول تو یوں کہ سبحانہ وہ توالد و تناسل سے جو ممکنات اور حیوانات و نباتات کی صفت ہے، پاک ہے۔ دوم بیٹا بنانے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ وقت پر کام آئے، سو نہیں یہ بھی نہیں۔ اس لئے لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اس کے آگے سرنگوں ہیں۔ اس کو کسی کی حاجت کیا ہے؟ اس میں اس دلیل کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بیٹا باپ کا ہم جنس ہوتا ہے اور جملہ کائنات کہ جس میں عیسیٰ بھی داخل ہیں، اس کے مملوک ہیں نہ کہ مالک، پھر مخالفت کہاں رہی؟ تیسرے وہ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ بتاؤ عیسیٰ علیہ السلام نے اس مخلوق میں سے کون سی چیز بنائی ہے؟ باپ سے زائد نہیں تو برابر ہی بناتا۔ چہارم اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا...الخ جس کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف اس کہنے سے کہ ہو جا وہ ہو جاتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام میں یہ قدرت کہاں تھی، تو وہ اپنی جان بھی یہود سے نہ بچا سکے۔ دشمنوں پر غلبہ نہ پا سکے۔ الغرض عیسیٰ علیہ السلام میں امکان محض اور خدا تعالیٰ سراسر واجب الوجود جس کے لئے یہ جملے بیان کئے گئے۔ واجب الوجود اور ممکن الوجود میں کون سی شرکت ہے؟ کوئی بھی نہیں۔ پھر جب بیٹا باپ کے کسی وصف میں بھی شریک نہیں تو بیٹا کیسا؟ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معمولی توالد ہوا، نو مہینے پیٹ میں رہے، پھر دودھ پیتے رہے، رفتہ رفتہ جوان ہوئے۔ خدائے قادر کو ان باتوں کی کیا حاجت؟ وہ تو فی الفور کرتا ہے۔ کُن کہتے ہی ہر چیز ہو جاتی ہے۔ پھر اور بھی ان مدعیوں کے لغو اعتقاد بیان فرما کر ان کو شرماتا ہے کہ ان مدعیوں نے یہ بھی اعتقاد کر رکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بیٹا جنا ہے۔ اگرچہ تمام یہود اس کے قائل نہیں اور نہ تھے، مگر مدینہ کے یہود میں کعب بن اشرف اور کعب ابن اسد اور وہب ابن یہودا یہ کہتے تھے کہ عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔

**اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات توالد و تناسل سے پاک ہے:**......(وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ) اور نصاریٰ تو باستثناء چند فریق، تمام کلیسیا حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے اور اب بھی اس نجس اعتقاد کو موجب نجات جانتے ہیں اور پولوس نے اس کا رواج دیا ہے۔ اس پولوس اور اس کے شاگردوں کی کتابوں میں، کہ جن کو عیسائی انجیل اور کلام خدا کہہ کر دل خوش کرتے ہیں، یہ کفر اب تک موجود ہے اور عرب کے مشرک فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ (اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾)

**باپ اور بیٹے میں مجانست و مماثلت کا پایا جانا:**......(۱) باپ بیٹے میں مجانست اور مماثلت تو ضروری ہے۔ لائق بیٹے تو باپ کے کمالات و صفات میں برابر حصہ دار ہوتے ہیں اور نالائق کم اور خدا تعالیٰ میں تین باتیں سب کے نزدیک مسلم الثبوت ہیں۔ اول: آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا جو بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ میں مذکور ہے۔ دوم: اس کے احکام تکوینی کا ہر چیز پر نافذ ہونا، ہر بات پر قادر مستقل ہونا جو وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ سے سمجھا جاتا ہے۔ سوم: مخلوقات میں سے ہر ایک چیز کا اس کے لئے مسخر ہونا جو كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ میں مذکور ہے۔ حالانکہ یہ تینوں باتیں اس کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتوں نے آسمان و زمین تو کیا ایک پہاڑ کے پتھر کو بھی پیدا نہیں کیا۔ اور ہر بات پر ان کی قدرت نہ تھی۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام بقول

نصاریٰ دار پر کھینچے جانے کے وقت کس آہ وزاری کے ساتھ چلاتے رہے مگر مخالفوں سے نجات نہ پا سکے۔ اسی طرح عزیر علیہ السلام بخت نصر کا کچھ نہ کر سکے اور ایران کے بادشاہوں کی مدد وحکم کے بغیر بیت المقدس کی مرمت نہ کر سکے۔ یہی حال فرشتوں کا ہے اور اسی طرح عالم کی ہر چیز ان کے آگے مسخر نہیں۔ وہ خود اپنے ہی وجود عدم اور صحت ومرض پر حکمران نہیں۔ یا یوں کہو:

(۲) عالم میں دو قسم کے تصرفات ہیں۔ ایک یہ کہ ابتداء کسی چیز کا پیدا کرنا، سو یہ کامل تصرف ہے یا پیدا کی ہوئی چیز میں الٹ پھیر کر کے ایک نئی صورت پیدا کر دینا، یہ تصرف ناقص ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو یہ دونوں تصرف خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہیں۔ اول میں کسی کو کچھ بھی حصہ نہیں مگر دوسری قسم میں کسی قدر مشابہت سی پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ معمار اور بڑائی اینٹوں اور لکڑیوں میں تصرف کر کے ایک مکان یا تخت بنا دیا ہے، یا کمہار مٹی اور گارے میں تصرف کر کے عمدہ عمدہ برتن بنا تا ہے اور باپ بیٹے جو کچھ تصرف ہے تو از قسم ثانی ہے بلکہ وہ بھی از حد ناقص، اس لیے باپ کا صرف یہی کام ہے کہ وہ بچے کی ماں کے رحم میں منی ڈالتا ہے جس سے پھر بتدریج بچہ پیدا ہوتا ہے۔ سو جس کو اول اور دوم قسم کی قدرت کاملہ حاصل ہو، وہ اس تیسری قسم ارذل کی طرف کیوں محتاج ہونے لگا، بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ہے کہ ہر ایک آسمان وزمین کو ابتداء پیدا کر دیا۔

(۳) علاوہ اس کے جو کوئی بیٹے کا خواستگار ہوتا ہے تو دو باتوں کے لئے۔ ایک یہ کہ کوئی اس کا اپنا اور حکم بردار ہو، سو لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کی مخلوق ومملوک ہے بیٹا تو مخلوق ومملوک بھی نہیں ہوسکتا اور ہر چیز اس کی فرمانبردار اور اس کے آگے مسخر ہے، پھر ایک یا دو یا دس پانچ کو بیٹا بنا کر فرمانبردار کرنا کیا فائدہ؟

دوم یہ کہ بوقت ضرورت کام آئے اور اس کی پیری میں اس کا نائب بن کر کام کرے، سو یہ بھی نہیں۔ اس لئے کہ وہ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ہے، ایسا قادر ہے کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کر دیا۔ اس کو ضرورت اور پیری کب لاحق ہوسکتی ہے؟ وہ ازلی ابدی ہے، اس پر ضعف اور ناتوانی کو کیا دخل ہے اور نائب بنا کر اس کو کام لینے کی کیا حاجت ہے؟ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اس کے حکم سے فوراً ہر چیز موجود ہو جاتی ہے اور ایک دلیل بیٹا نہ ہونے کی یہ بھی ہے کہ ولد اور والد میں مجانست ضروری ہے اور خدا تعالیٰ کے لئے اگر کوئی ولد ہو تو مجانست لازم آئے اور یہ محال ہے تو ولد کا ہونا بھی محال ہے۔ مجانست کا محال ہونا اس طرح پر ہے کہ جب دو چیزیں باہم ہم جنس ہوتی ہیں تو ان میں ایک فصل ممیز بھی ضرور ہوتی ہے تو ہر ایک کے لئے دو جز حقیقت قرار پائیں گے۔ ایک جنس اور دوسری فصل اور جو مرکب ہوتا ہے تو حادث ہوتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کا حادث ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اور یہ محال ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس دلیل کے دوسرے مقدمہ کے بطلان پر (یعنی مجانست کے بطلان پر) اس آیت میں اشارہ کر دیا کہ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۔ کہ خدا تعالیٰ کی ہر چیز مملوک ومخلوق ومسخر ہے، پھر اس کا ہم جنس کون ہے؟ پھر اس آیت بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ میں اور بھی مباینت کلی بیان کر دی کہ کوئی مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ سے یہ نہ سمجھ لے کہ خود آسمان وزمین قدیم اور واجب الوجود ہوں بلکہ یہ آسمان اور زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے سب حادث اور ممکن ہے۔ سب کا وہ خالق ہے، پس ولدیت کیسی اور مجانست کیسی؟ اس کے بعد صفات میں بھی تفاوت صریحہ بیان کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اس کو یہ قدرت ہے کہ جو کسی دوسرے میں نہیں یعنی جب وہ کن کہتا ہے، اسی وقت وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص اس آیت سے اور بھی دلائل نفی ولدیت پر مستنبط ہو سکتے ہیں۔

**فوائد:**......(۱) بعض عیسائی جب ان دلائل سے عاجز ہو جاتے ہیں تو لاچار ہو کر یہ کہتے ہیں کہ ہماری مراد بیٹے ہونے سے اس قسم کا بیٹا نہیں یعنی اس کے حقیقی معنی مراد نہیں، مسلمان حقیقی معنی خیال کر کے اعتراضات کرتے ہیں۔ مگر جب ان سے دریافت کیا جاتا ہے کہ

آیا مجازی معنی لیتے ہو یا کچھ اور؟ اول شق میں تو اس کے معنی محبوب اور معزز ہونے کے ہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت، اور انبیاء علیہم السلام پر بائبل میں لفظ ابن اس معنی سے بولا گیا ہے، مگر اد با شریعت محمدیہ میں اس کی ممانعت ہوگئی ہے اور اگر کچھ اور مراد ہے تو اس کو بیان کرو۔ مگر الوہیت میں شریک کرو گے تو پھر انہیں دلائل سے رد کیا جائے گا، اس لئے کہ دو الہ نہیں ہو سکتے۔ بعض پادری لاچار ہو کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ سر الٰہی ہے۔، ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے جیسا کہ آیات متشابہات مگر یہ عذر بدتر از گناہ ہے، کس لئے کہ ہم آیات متشابہات کے ایک خاص معنی تجویز کر کے اس کے ماننے کو باعث نجات تو نہیں کہتے بلکہ مجملاً تسلیم کرنے پر بس کرتے ہیں اور تم لفظ ابن اور اب کی نسبت ایسا نہیں کرتے بلکہ اس کے معنی باپ اور بیٹا قرار دے کے سب کو سمجھاتے اور اسی کو موجب نجات ٹھہراتے ہو، پھر اس قیاس کرنا بڑی غلطی ہے۔ فی الحقیقت یہ ایسا لغو اور غلط عقیدہ ہے کہ جس سے ہر دانشمند کو تنفر طبعی ہے اس لئے آج کل یورپ میں لاکھوں آدمی اس عقیدے سے بلکہ مذہب عیسوی سے نفرت کر کے کچھ اسلام کی طرف اور کچھ الحاد کی طرف مائل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ صرف پادری اور مشن کے ملازم یا چند سادہ لوح عیسائی باقی ہیں۔ جو ان باتوں کو مانتے ہیں۔ واللہ الھادی و بیدہ ازمۃ المقاصد و المبادی۔

(۲) ابداع، لغت میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جو نئی ہو اور اسی سے بدعت ہے، یعنی دین میں کوئی نئی بات نکالنا اور اسی لئے قرآن میں مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ آیا کہ میں انوکھا رسول نہیں ہوں۔ اس جگہ جو بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ کہا مُوْجِدُ السَّمٰوٰتِ نہ کہا، اس میں اشارہ ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے اور آدم علیہ السلام کو بے ماں باپ کے اس نے پیدا کیا تو اس وجہ سے وہ خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے۔ ہمیشہ سے خدا تعالیٰ نئی نئی اور طرح طرح کی چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ:......اور بے علم (مشرکین عرب) کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ ان سے پہلے لوگ بھی ایسی ہی باتیں کہہ چکے ہیں۔ ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے ہیں۔ یقین کرنے والوں کے لیے تو ہم آیتیں بیان کر چکے ہیں ﴿۱۱۸﴾ ہم نے تم کو (اے نبی!) دین حق دے کر خوشی اور ڈر سنانے کو بھیجا ہے اور تم سے (اے نبی!) جہنمیوں کی کوئی پرسش نہ ہوگی ﴿۱۱۹﴾۔

ترکیب:......قال فعل، الذین موصول، لایعلمون صلہ۔ مجموعہ، فاعل، لولا کلمہ تحضیض، یکلمنا اللہ جملہ معطوف علیہ اور تأتینا ایۃ معطوف مجموعہ مقولہ ہوا۔ قال فعل، الذین من قبلھم صلہ و موصول فاعل، کذلک مفعول مقدم، مثل مضاف، قولھم مضاف الیہ مجموعہ بدل یا بیان ہے کذلک سے۔ تشابھت فعل، قلوبھم فاعل جملہ محل حال میں ہے بحذف قد الذین سے بالحق جار مجرور موضع حال میں ہے، تقدیرہ ارسلناک و معک الحق، بشیرا و نذیرا حال ہیں۔ کاف ارسلناک سے۔

## مشرکین عرب کے بے جا اعتراضات کا جواب

تفسیر:......عیسائیوں کا جاہلانہ اعتقاد بیان کر کے عرب کے جاہلوں کے اقوال نقل کرتا ہے جو ان کی تعلیم سے رسول کریم ﷺ

اور قرآن مجید کے بارے میں کیا کرتے تھے تا کہ معلوم ہو کہ پیر اور مرید دونوں ہدایت اور علم سے کس قدر دور پڑے ہوئے تھے۔ اور دنیا کی میں کس قدر جہل اور گمراہی کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اہل کتاب جو اہل علم و کمال تھے جن کو اگلے انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابوں کا خزانہ دار سمجھا جاتا تھا، ان کی تو یہ حالت اور عرب کے جاہلوں کی یہ کیفیت تھی۔ قریش مکہ آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں اعتراض کیا کرتے تھے۔ ایک یہ کہ خود ہم سے اللہ تعالیٰ کیوں کلام نہیں کرتا اور کیوں بالمشافہ نہیں کہہ دیتا کہ ہم نے فلاں کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ لَوْ لَا یُكَلِّمُنَا اللهُ ۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر ایسا نہیں کرتا تو کیوں کوئی آیت یعنی نشانی ہمارے پاس نہیں بھیج دیتا جس سے رسالت کی صداقت ہو جاتی، اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ ۔ پہلے اعتراض کا جواب بلکہ دوسرے کا بھی یہ دیتا ہے۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ . . . الخ کہ یہ ان کی نادانی ہے اگر ہر شخص میں خدا تعالیٰ سے کلام کرنے کی صلاحیت و قابلیت ہوتی تو دنیا میں انبیاء علیہم السلام بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہر شخص خدا تعالیٰ سے پوچھ کر حرام و حلال، عبادت و ریاضت کے امور طے کر لیا کرتا۔ خدا تعالیٰ نور ہے جہاں مادہ کا ذکر بھی نہیں۔ انسان مادی ہے جس کی ہیولانیت کے ظلمات اس پر ہر طرف سے محیط ہیں۔ ہاں انہیں انسانوں میں سے وہ جس کو چاہتا ہے ان ظلمات سے نورانی عالم میں لاتا اور اس سے بواسطہ ملائکہ یا بلا واسطہ ہزاروں نورانی پردوں کے اندر سے کلام کرتا ہے۔ دنیاوی معاملات میں کیا ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ مجھے حکیم کی کیا ضرورت؟ ہر ایک کیوں نہیں حکیم ہو جاتا۔ یا بادشاہ اور حکمران کی کیا ضرورت ہے؟ ہر شخص بادشاہ یا حکمران کیوں نہیں بن جاتا۔ یہ نادانی اور جہل ہے۔ پہلے جاہل بھی انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں ایسی باتیں کیا کرتے تھے ان کے اور ان کے دل جہل میں یکساں ہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب دیتا ہے: قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ کہ ایک نشانی نہیں ہم بہت سی نشانیاں بیان کر چکے ہیں مگر کس لئے لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ یقین کرنے والوں کے لئے۔ جن میں قضا و قدر نے یقین کا مادہ نہیں رکھا، ان کے روبرو ہزاروں معجزات دکھاؤ، سینکڑوں نشان قدرت رات دن ان کے سامنے پیش آئیں اور آتے ہیں مگر ان کو ان سے کوئی بھی نفع نہیں۔ بہرے کے سامنے ہزاروں نغمات دل کش گائے جائیں مگر اس کو کیا؟

**فائدہ:**......لفظ آیت سے اس مقام پر آیت قرآنی مراد نہیں۔ اس لئے کہ ایک آیت قرآنی کیا، بہت سی ان کے پاس آ چکی تھی، پھر کسی ایک آیت کی کیا درخواست کرتے؟ بلکہ آیت سے نشان قدرت یعنی معجزات وغیرہا مراد ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی روحانی طاقت سے اس قسم کے سینکڑوں حیرت خیز کام ظہور میں آئے جن کا فلسفہ انکار کرتا ہے۔ یہ اس لئے کہ ہنوز فلسفہ کی تکمیل نہیں ہوئی ہے۔ وجدانی خوارق و معجزات تو ایسے روحانی بزرگوں سے سینکڑوں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ دل کی کشش قلبی لذت جس کا انکار نہیں ہو سکتا، آنحضرت ﷺ میں وہ تھی اور اب بھی ہے، جس کے مقابلہ میں لوگوں نے جان و مال فدا کر دی، شہوات لذات ترک کر دیئے۔ مگر اس کا احساس تو لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ہی کو تھا اور اب ہے۔

اس کے بعد ان کے شبہات کو لاشے بنا کر ارشاد ہوتا ہے: اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۙ کہ خود ہم نے نہ کسی اور نے، آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے تا کہ ماننے والوں کو بشارت دے اور منکروں کو آنے والی مصیبت سے خوف دلائے اور اے نبی (ﷺ!) اگر کسی بدبخت، بدنصیب نے تمہاری بات کو نہ مانا تو آپ (ﷺ) کے فرض منصبی میں کوئی قصور نہیں۔ آپ (ﷺ) سے ان جہنمیوں کی بابت کوئی پرسش نہ ہوگی۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى

اللّٰهِ هُوَالْهُدٰى ط وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ لا مَا
لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ
ع تِلَاوَتِهٖ ط اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ط وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ:.....اور یہود آپ سے ہرگز خوش نہ ہوں گے اور نہ نصاریٰ ہی راضی ہوں گے تاوقتیکہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہوں گے۔ کہہ دو ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے اور اگر آپ اس کے بعد بھی کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے، اس کی خواہشوں پر چلے تو آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ مددگار ﴿۱۲۰﴾۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (قرآن) وہ تو اس کو جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے، ویسا ہی پڑھتے ہیں۔ وہی اس پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور جو اس کے منکر ہیں، سو وہی نقصان پانے والے ہیں ﴿۱۲۱﴾۔

---

ترکیب:.....ولن ترضی فعل، عنک اس کے متعلق، الیھود والنصاری فاعل، حتی تتبع فعل، انت فاعل ملتھم مفعول جملہ غایۃ۔ قل فعل انت فاعل، ان ھدی اللہ اسم ان۔ ھو ضمیر فصل، الھدی خبر جملہ مقولہ۔ ولئن میں لام تاکید، ان شرطیہ، اتبعت... الخ شرط، مالک... الخ جواب شرط، الذین موصول، اٰتینھم الکتاب جملہ خبریہ صلہ، یتلونہ حق تلاوتہ حال مقدرہ ھم سے یا کتاب سے، حق منصوب بوجہ مفعول مطلق ہونے کے تقدیرہٗ یتلونہ تلاوۃ حقاً۔ اولئک مبتدا، یؤمنون بہ جملہ خبریہ، مجموعہ خبر الذین۔ ومن شرطیہ، یکفر بہ، جملہ شرط، فاولئک ھم الخاسرون جواب شرط۔

## اسلام دین برحق ہے

تفسیر:.....اس جگہ خدا تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو یہ بات بتلاتا ہے کہ گو یہ دین حق ہے اور اس کی اندرونی و بیرونی خوبیاں اس کی حقانیت کی روشن دلیلیں ہیں جن سے دل میں مخالف بھی قائل ہیں اور اگر ضد اور تعصب سے یہود و نصاریٰ آپ ﷺ سے اس وقت تک کہ آپ خود ان کی جہالت و ضلالت کے، جس کو انہوں نے مذہب و ملت بنا رکھا ہے، تابع نہ ہو جائیں گے، دین حق ماننا تو درکنار آپ سے خوش بھی نہ ہوں گے۔ آپ ﷺ ان ازلی بے نصیبوں سے کوئی طمع ہدایت پر آنے کی نہ رکھیں اور ان کی ملمع کاریوں کو ہدایت نہ سمجھیں۔ اس لئے کہ ہدایت تو وہی ہے جو منجانب اللہ ہے، نہ کہ ان کے تراشیدہ خیالات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے مشائخ و علماء نے پیدا کئے ہیں۔ آپ ہرگز ان کی خواہشوں پر نہ چلیں۔ آپ سے یہود درخواستیں کیا کرتے تھے کہ اگر آپ فلاں امر میں ہمارا کہنا مان لیں تو ہمارا آپ کا اختلاف جاتا رہے۔ کبھی تحویل قبلہ کی درخواست ہوتی تھی، کبھی جانوروں کی حلت و حرمت میں اتفاق چاہتے تھے، کبھی اور احکام میں تبدل و تغیر کی درخواست کرتے تھے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کو گمراہوں کی ہدایت پر آنے کی از حد حرص تھی، ممکن تھا کہ آپ مصلحت وقت کا لحاظ کر کے جزئیات احکام میں ان کا کہنا مان لیتے کہ وہ اصول مذہب میں آپ ﷺ کی پیروی کرتے۔ مگر اس بات سے بھی خدا تعالیٰ نے بہت مؤکد پیرایہ میں آپ کو منع کر دیا کہ آپ ہرگز ایسا نہ کریں کیونکہ آپ کے پاس علم آچکا، حقائق الامور منکشف ہو گئے۔ اگر ایسا کرو گے تو تم پر سے سایہ فضل الٰہی اٹھ جائے گا۔ وہی زہر تم میں بھی سرایت کر جائے گا۔ پھر تمہارے لئے جو ولایت اور حمایت الٰہی غیب سے مقرر ہو چکی ہے، باقی نہ رہے گی۔ حقیقت میں بد بخت قوموں کے ساتھ اختلاط اور ان کی رسوم میں شرکت زوال

برکات اور عتاب الٰہی کا سبب ہوتی ہے۔ اسی لئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب کہ لشکر اسلام ممالک عجم پر غالب آیا، ایک نامہ لکھا جس میں مفتوح قوموں سے اختلاط کرنے اور اپنے عربی خواص چھوڑنے سے سخت ممانعت کی۔ جب تک مسلمانوں میں یہ بات رہی، فتح و نصرت، ہیبت و شوکت، اقبال و دولت بھی ان کے قدموں کے ساتھ لگی رہی اور جب یہ بات باقی نہ رہی تو ان کا اقبال بلکہ مذہب بھی مدبر قوموں سے ساتھ پامال ہوگیا۔ اس کے بعد اہل کتاب کی طرف روئے سخن متوجہ کر کے فرمایا جاتا ہے کہ جو اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے ہیں اور تفاخر کرتے ہیں، یعنی موجودہ یہود و نصاریٰ، وہ کیا اہل کتاب ہیں۔ ان کا نہ اپنی کتاب پر ایمان ہے اور نہ اس کو پڑھتے ہیں، پس پشت ڈال رکھا ہے اگر اپنی کتاب کو پڑھتے ہوتے اور اس پر ایمان رکھتے تو نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لاتے اور ان کی ہدایت قبول کرتے، جیسا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور نجاشی رضی اللہ عنہ وغیرہ باانصاف یہود و نصاری نے کیا کیونکہ ان کی کتابوں میں بہت سی بشارات نبی آخر الزمان ﷺ کی بابت موجود ہیں۔ گویا یہ اہل کتاب نہیں، اگر ہوتے تو اس کا جو حق تلاوۃ ہے اس طرح پڑھتے، معانی میں غور کرتے، اس پر عمل کرتے۔

**کتاب سے کون سی کتاب مراد ہے:**...... بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یَتْلُوْنَہٗ اور مَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ کی ضمیریں اہل کتاب کی طرف پھرتی ہیں، جس سے مراد قرآن مجید ہے۔ اب آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جن کو ہم کتاب یعنی قرآن دیا ہے (یعنی مؤمن) وہی اس کو خوب پڑھتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ سعادت انہیں کو نصیب ہے اور جو اس کے منکر ہیں، جیسا کہ یہود و نصاری، وہ زیاں کار دنیا و آخرت میں بے نصیب ہیں۔ گویا اہل کتاب کے خطاب کے مسلمان مستحق ہیں، نہ کہ وہ۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ الکتاب سے مراد توریت وغیرہا ہی ہیں، مگر یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ کی ضمیر بطور صفت استخدام قرآن کی طرف پھرتی ہے کیونکہ اس پر شروع الم میں کتاب کا اطلاق ہوا ہے یعنی اصلی اور سچے اہل کتاب قرآن پر ایمان لاتے ہیں اس کے مطالب عالیہ کو موافق پا کر، مگر بدبخت نام کے اہل کتاب رہبان اور قسیسوں کے بندے، وہ منکر ہیں اس لئے زیاں کار ہیں۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

**ترجمہ:**...... اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو تو یاد کرو کہ جو میں نے تم کو دی تھی اور یہ بھی کہ میں نے تم کو جہاں پر فضیلت دی تھی ﴿۱۲۲﴾ اور اس دن سے ڈرو کہ جس دن کوئی بھی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے بدلہ قبول ہوگا اور نہ سفارش فائدہ دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿۱۲۳﴾۔

**ترکیب:**...... یا حرف ندا، بنی مضاف، اصل میں بنین جمع ابن بمعنی پسر تھا ن اضافت سے ساقط ہوگیا۔ اسرائیل مضاف الیہ مجموعہ منادی، اذکروا فعل امر حاضر معروف ضمیر، انتم فاعل، نعمتی موصوف، التی موصول، انعمت علیکم جملہ صلہ عائد محذوف مجموعہ معطوف علیہ، وانی فضلتکم علی العالمین جملہ اسمیہ معطوف، پھر سب مل کر مفعول ہوا اذکروا کا اذکروا اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ ندائیہ ہوا۔ واتقوا... الخ اس کی ترکیب بیان ہو چکی، وہاں دیکھ لو۔

## بنی اسرائیل پر رب تعالیٰ کے احسانات کی یاد دہانی

**تفسیر:**...... اس سورت میں خدا تعالیٰ نے جب اسرائیل سے کلام شروع کیا تھا وہاں بھی یہی فرمایا تھا کہ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا

نِعْمَتِیَ الْاٰیۃ اور پھر جب ان کی نصیحت اور ان کے مکائد پر فضیحت سے فراغت پائی تو پھر کلام کو تمام کرتے وقت بھی یہی فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! تم احسانات کو یاد کرو کہ میں نے تمہارے ساتھ مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں کیا کیا احسان کئے۔ یہاں تک کہ تمہارے خاندان کو ایک وقت میں دنیا کے تمام خاندانوں سے افضل اور اشرف کر دیا تھا اور تم نے پھر جس قدر نافرنیاں کی، ان کے برے نتائج دنیا میں بھگتے۔ اب گر تم اپنی نافرمانی اور سرکشی سے باز نہیں آتے تو یہ بھی یاد رہے کہ میں جس طرح کریم و رحیم، غصہ کا دھیما ہوں، اسی طرح قہار و جبار بھی ہوں۔ پھر تم روز قیامت سے ڈرتے رہو کہ جہاں نہ کسی کی سفارش کام آتی ہے نہ کچھ معاوضہ لیا جاتا ہے، نہ کوئی مددگار مدد کر کے چھڑا سکتا ہے۔ یہ کمال بلاغت ہے کہ اول میں مورد نزاع کو قائم کر کے اس پر بہت کچھ دلائل لائے جائیں اور پھر نتیجہ میں وہی دعویٰ ذکر کیا جائے۔ اور نیز نصیحت قبول کرانے کے حق میں یہ بات (کہ منافع اور رحمت سے امید دلائی جائے اور پھر انجام کا خوف بھی دلائے جائے) اکسیر کا اثر رکھتی ہے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کسی قدر حالات بیان فرماتا ہے کہ جن کی نسل سے ہونے پر یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کو بڑا ناز تھا کہ خود ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کی کیفیت معلوم ہو جائے اور انہیں کے بیان سے نبی آخر الزماں ﷺ کا برحق ہونا ثابت ہو جائے اور خود ان کا ابراہیم علیہ السلام کے عہدہ نبوت سے محروم ہونا معلوم ہو جائے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ:......اور (یاد کرو) جب کہ ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے ان کو پورا کر دیا۔ (خدا تعالیٰ نے) کہا کہ ہم تم کو لوگوں کا پیشوا کیا چاہیے ہیں۔ (وہ) بولے: میری اولاد میں سے بھی۔ (خدا نے) فرمایا: میرا اقرار ظالموں تک نہیں پہنچتا ﴿۱۲۴﴾۔

ترکیب:......و اذ محل نصب میں ہے اذکر محذوف سے۔ ابتلی فعل، ابراھیم مفعول، ربہ فاعل، بکلمات متعلق ہے ابتلی کے فاتمہ فعل ضمیر ھو راجع ابراھیم کی طرف فاعل ھن مفعول راجع کلمات کی طرف۔ قال فعل ضمیر، ھو راجع رب کی طرف فاعل انی ... الخ جملہ مقولہ۔ انی میں ی اسم ان۔ جاعلک... الخ جملہ خبر ک مفعول اول، جاعل کا اماماً مفعول ثانی۔ للناس متعلق جاعل کے، یہ تمام جملہ ابتلی کا بیان ہے یا جملہ مستانفہ ہے۔ و من ذریتی اس کا عطف کاف ہے ای و جاعل بعض ذریتی کما تقول و زیداً فی جواب سا کرمک ای و اجعل فریقاً من ذریتی اماماً۔ لا ینال فعل عھدی فاعل، الظالمین مفعول، سب جملہ مقولہ ہو اقال کا جو جواب ہے سوال ابراھیم کا۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش

تفسیر:......مکہ بلکہ تمام عرب کے لوگ اور یہود و نصاریٰ سب حضرت ابرہیم علیہ السلام کو مانتے تھے۔ (بلکہ اب بھی مانتے ہیں) ہر فریق کو اس بات پر بڑا غرور تھا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہیں اور ان کے طریقے کے پیرو۔ خدا تعالیٰ نے ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے برکت کا وعدہ کر لیا ہے، سو وہ ہم کو ہر حال میں کافی ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم ابراہیم علیہ السلام کے طریق پر نہیں۔ وہ ہمارا نہایت فرمانبردار تھا۔ ہم نے اس کو کئی باتوں میں آزمایا، وہ سچے نکلے۔ بیٹے کی قربانی کا حکم دیا، وہ ہمہ تن آمادہ ہو گئے اور ستارہ

پرستوں کی محبت اور برادری بلکہ وطن چھوڑنے کو کہا، انہوں نے ویسا ہی کیا۔ سب کچھ چھوڑ کر ملک شام میں آرہے۔ ریگستان عرب میں خداتعالیٰ کے لئے عبادت خانہ بنانے اور اس کی محافظت کے لئے اپنی اولاد بسانے کو کہا، اس نے اپنے پیارے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو وہاں پر بسایا اور خانہ کعبہ بنایا۔ نمرود نے آگ میں ڈالا، ایمان پر قائم رہ کر اس میں گرنا منظور کیا۔ یہ تھیں وہ باتیں کہ جن میں خداتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی تھی۔ حسنؒ کہتے ہیں کہ وہ باتیں توحید پر قائم رہنا، نماز و زکوٰۃ و طہارت ظاہریہ و باطنیہ و ختنہ وغیرہ دس باتیں تھیں۔ اس کے صلہ میں ہم نے ان سے کہا کہ ہم تم کو عالم کا پیشوا یعنی نبی بنانا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا: الٰہی! میری اولاد میں سے بھی انبیاء اور بابرکت لوگ پیدا کرنا تاکہ تیری خدمت گزاری اور فرمانبرداری ہمیشہ میرے خاندان میں رہے۔ ہم نے کہا: البتہ ایک گروہ تیری اولاد میں ایسا ہوگا جو بدکار ہوں گے، ان کے لئے میرا اقرار نہیں۔ ان کو یہ برکت نصیب نہ ہوگی۔ پس اے بنی اسرائیل اور اے عرب کے مشرکو! تم کو لازم ہے کہ اپنے مسلم الثبوت بزرگ کی پیروی کرو خداتعالیٰ کی اور اس کے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بجالاؤ جس کے لئے خود ابراہیم علیہ السلام نے دعاء کی وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ۔ اگر تم دل سے دین ابراہیمی کے مطیع ہو تو تم کو لازم ہے کہ اس نبیٔ ابراہیمی کا اتباع کرو اور اے اہل کتاب! تم اس بات کا خیال نہ کرو کہ نبی ہمارے خاندان سے کیوں نہیں۔ کس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام نے صرف اپنے بیٹے اسحٰق علیہ السلام ہی کے خاندان کے لئے برکت نہ چاہی تھی بلکہ اسماعیل علیہ السلام کے لئے بھی۔ چنانچہ سفر پیدائش کے سترہویں باب میں ہے: اور اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے آبرومند کروں گا اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔ اگر تم اطاعت نہ کرو گے تو تم کو ابراہیم علیہ السلام کی برکت سے کچھ حصہ نہ ملے گا۔

**فوائد:**......(۱) بکلمات کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ قوی وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ مگر کلمات سے عجائب صنع باری اس جگہ مراد لینا خلاف عقل نقل ہے۔

**امام کے معنی اور شرح:**......(۲) امام کے معنی پیشوا کے ہیں جس کا فرد کامل نبی ہے اور خلیفہ اور قاضی اور جماعت کے امام پر بھی صادق آتا ہے، مگر یہاں نبی مراد ہے توراۃ، سفر پیدائش کے بارہویں باب میں بھی اس کا ذکر ہے، اور خداوند تعالیٰ نے ابراہام کو کہا تھا کہ تو اپنے ملک اور اپنے قرابتوں کے درمیان سے اور اپنے باپ کے گھر سے اس ملک میں جو میں تجھے دکھاؤں گا، نکل جا اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا اور تو ایک بابرکت ہوگا اور ان کے جو تجھے برکت دیتے ہیں، برکت دوں گا۔ اور اس کو جو تجھ پر لعنت کرتے ہیں، لعنتی کروں گا اور دنیا کے سب گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے۔ بلاشک یہود اور عیسائی اور مسلمان اور مجوس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیشوا جانتے ہیں۔

**انبیاء کرام علیہم السلام کا فسق و فجور سے بری ہونا:**......(۳) ذریت بمعنی نسل بوزن فیعلہ ذر بمعنی خلق مشتق ہے اور ممکن ہے کہ ذرء بمعنی تفریق سے مشتق کرو کیوں کہ انسان کی نسل مخلوق ہے اور پھیلتی بھی ہے۔

(۴) لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ سے انبیاء علیہم السلام کا فسق و فجور سے بری ہونا ثابت ہوتا ہے دو وجہ سے۔ وجہ اول یہ کہ عہد سے مراد امامت ہے اور ہر نبی امام ہے اور امام فاسق نہیں ہوتا، جیسا کہ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ پس نبی بھی فاسق نہ ہوگا۔

وجہ دوم اگر عہد سے مراد نبوت ہے تو کوئی ظالم یا فاسق نبی نہ ہونا چاہئے اور اگر امامت ہے تو ہر نبی امام ہے اور امامت فاسق کو پہنچتی نہیں۔ رہی یہ بات کہ فاسق کیوں ظالم ہے، سو اس کا ثبوت یہ ہے کہ ظلم وضع الشئی فی غیر محلہ یعنی بے جا کرنا، سو وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے کہ جو گناہوں کی وجہ سے اس کو سعادت اخرویہ سے محروم رکھتا ہے، اس نے بے جا حرکت کی وہ ظالم ہے۔ خلاصہ یہ کہ کچھ حقو

العباد ہی میں تعدی کرنے کا نام ظلم نہیں بلکہ حقوق الٰہی میں تعدی کرنا بھی ظلم ہے۔ اس جگہ پر شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ نہیں تو پھر انبیاء علیہم السلام نے کیوں اپنے آپ کو ظالم کہا، جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کہتے ہیں رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس ظلم سے مراد وہ معصیت ہے کہ جو منافی عصمت انبیاء ہے اور کبھی اچھے لوگ ذرا سی لغزش اور بھول چوک کو بھی عاجزی اور استغفار کے موقع میں ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس مقام پر انبیاء علیہم السلام اس زلت کو ظلم کہہ رہے ہیں۔ یہ وہ ظلم نہیں جو منافی عصمت ہو۔ شیعہ اس آیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ کی امامت یا خلافت کا ابطال اس طرح پر کیا کرتے ہیں کہ بقول اہلسنت بھی یہ لوگ معصوم نہ تھے، پس فاسق ہوئے اور فاسق کے لئے امامت پہنچتی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عصمت شرط ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ فاسق یا ظالم ہو۔ صدہا مؤمن صالح ہیں کہ جو فاسق اور ظالم نہیں، حالانکہ ان کے معصوم ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں اسی طرح یہ بزرگوار تھے اور جن روایتوں میں ان کی نسبت معصیت مذکور ہے، وہ سب غلط اور متعصب لوگوں کی بندش ہیں۔ ایسے بے بنیاد شبہ پر شیعہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے بعض لوگوں کو معصوم مان کر نبوت بلکہ خدائی کے درجہ پر پہنچادیا ہے جس پر محققین شیعہ سخت تاسف کرتے ہیں۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ:.....اور جب کہ ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے مرجع اور امن کی جگہ بنایا اور (حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے عہد لیا کہ میرے گھر کا طواف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھیں ﴿۱۲۵﴾۔

ترکیب:.....واذ فعل معمول ہے عامل محذوف کا، البیت مفعول اول جعلنا کا، مثابۃ مفعول ثانی، وامنا اس پر معطوف، اتخذوا امر حاضر معروف، التم فاعل من بمعنی فی ویجوز ان یکون للتبعیض ویجوز ان یکون زائدۃ مصلی ظرف مفعول ہے اتخذوا کا۔ وعهدنا فعل بافاعل، الی ابراهیم واسمعیل متعلق ہے عهدنا سے۔ ان طهرا... الخ میں ان مفسرہ ہے بمعنی ای اس تقدیر پر یہ عهدنا کی تفسیر ہے اور ممکن ہے کہ مصدر یہ ہوای بان رکع راکع کی جمع اور السجود ساجد کی۔

## مقام ابراہیم کو مصلی بنانے اور بیت اللہ کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم

تفسیر:.....پہلی آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو کئی باتوں میں آزمایا تو پورا پایا۔ چونکہ اور باتوں کو اہل کتاب بھی تسلیم کرتے تھے، مگر منجملہ ان کے ایک بڑی بھاری بات کعبہ کی تعمیر اور اس کا حج مقرر کرنا تھا، اس کے اہل کتاب منکر تھے اور حج کو ایک لغو حرکت جانتے تھے کہ یہ صرف عرب کے جاہلوں کا طریقہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ نہیں اور نہ اس کو ابراہیم علیہ السلام نے بنایا ہے، نہ حاجیوں اور طواف کرنے والوں کے لئے مقرر کیا ہے، سو اس کو جہت عبادت اور قبلہ بنانا بھی رسم مشرکین ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی رسم کو حب ملک اور حب قوم سے نباہ رہے ہیں اور اس لئے دل سے چاہ رہے ہیں۔

پس ان آیات میں خدا تعالیٰ ان کے اس خیال باطل کو رد کرتا ہے کہ خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے ثواب حاصل ہونے کی جگہ اور مرجع اور امن کی جگہ ہم ہی نے بنایا ہے۔ ہم حکم دیتے ہیں کہ سب لوگ مقام ابراہیم کو مصلی بنائیں یعنی وہاں نماز پڑھیں اور ہم ہی نے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے پہلوٹھے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو بڑی تاکید سے یہ کہا تھا کہ تم میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور نمازیوں کے لئے پاک اور صاف رکھنا، یعنی یہ بھی منجملہ ان باتوں کے ہے کہ جن میں ابراہیم علیہ السلام آزمائے گئے تھے۔ اس میں مشرکین عرب پر بھی تعریض ہے کہ تم باوجودیکہ ملت ابراہیمی کی پابندی کا دعویٰ کرتے ہو اور خانہ کعبہ کی تعظیم بھی کرتے ہو مگر تم ملت ابراہیمی کے برخلاف ہو۔ اس لئے کہ ہم نے جو اس گھر کے بنانے کا حکم دیا تھا تو نماز و طواف و اعتکاف و عبادت الٰہی کے لئے حکم دیا تھا، نہ یہ کہ اس میں بت رکھ کر اس کی پرستش کی جائے اور تعظیم میں بھی تم پورے نہیں کیونکہ یہ جگہ جائے امن ہے، تم مسلمانوں کو یہاں امن سے آنے نہیں دیتے اور نیز پاک رکھنے کا حکم دیا تھا تم نے بت رکھ کر ناپاک بنا رکھا ہے۔ اس مقام پر چند تحقیقات قابل غور ہیں۔

**چند تحقیقات:**......(تحقیق اول) مثابۃ، ثاب یثوب مثابۃ سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع کرنا یا رجوع کی جگہ۔ عرب بولتے ہیں: ثاب الماء جب کہ وہ پھر نہر میں آ کر مجتمع ہو جائے اور اسی سے ثواب ہے یعنی نیکی کرنے والے کی نیکی لوٹ کر آتی ہے کیونکہ وہ اس کا اجر پاتا ہے اس مقام پر مثابۃ ظرف ہے ت زائد ہے، جیسا کہ مقام و مقامۃ میں۔ یہ قول فراء اور زجاج کا ہے اور قفال کہتا ہے کہ ت مبالغہ کے لئے ہے جیسا کہ نسابۃ اور علامۃ میں مثابۃ کے معنی مرجع کے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اہل ایمان کے دل میں خانہ کعبہ کا شوق جذب مقناطیسی کی طرح ڈال دیا ہے اس لئے لاکھوں آدمی دور دراز سے وہاں آتے ہیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر ہے فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ۔ مگر یہاں آ کر ثواب آخرت نصیب ہوتا ہے اس لئے اس لفظ کے معنی ثواب پانے کی جگہ کے ہیں۔ البیت سے مراد خانہ کعبہ ہے۔ (٢) واتخذوا کو نافع اور ابن عامرؒ نے بفتح خاء بلفظ ماضی پڑھا ہے۔ اس کا عطف جعلنا پر قرار دیا ہے۔ یعنی لوگوں نے مقام ابراہیم کو مصلی بنایا اور جمہور بلفظ امر پڑھتے ہیں۔ مقام ظرف کا صیغہ ہے یعنی کھڑے ہونے کی جگہ۔ مقام ابراہیم بقول ابن عباس وہ پتھر ہے کہ جس پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں چنتے تھے اور جوں جوں دیواریں بلند ہوتی جاتی تھیں اور وہ پتھر بلند ہوتا جاتا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نیچے سے پتھر اور گارا دیتے اور یہ دعا کرتے تھے: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (تفسیر کبیر)

**مقام ابراہیم:**......اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کا نشان بھی تھا جو لوگوں کے کثرت سے ہاتھ پھیرنے سے اب بخوبی معلوم نہیں ہوتا۔

بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ یہ پتھر جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کعبہ سے متصل تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو سیلاب آیا کہ جس کو ام نہشل کہتے ہیں، یہ پتھر بہہ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو منگا کر کعبہ کے پاس ایک جگہ رکھ دیا اور اس کے گرد پتھروں کی دیوار چن دی، چنانچہ اب تک وہ پتھر وہیں ہے اور اس کے گرد اگرد جالیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس تقدیر پر آیت کے یہ معنی ہیں کہ اس پتھر کو نماز کی جگہ بناؤ۔ اس لئے امام اعظم اور امام شافعیؒ وغیرہما علماء یہ فرماتے ہیں کہ طواف کعبہ کے بعد دو رکعت نماز اس پتھر کے سامنے پڑھنی چاہئے کہ یہ بمنزلہ امام کے آگے ہو اور جو اژدہام ہو تو اس کے متصل پڑھ لے۔ چنانچہ صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کعبہ کا طواف کر کے مقام ابراہیم کا قصد کیا اور اس کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ آیت پڑھی وَاَمْنًا ۚ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۚ اور کتب صحاح ستہ میں یہ بھی ہے کہ اس امر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے استدعا کی تھی: سو یہ آیت نازل ہوئی۔ چونکہ یہ پتھر متبرک ہے، اسلئے ایسے مقامات پر یا اس کے متصل عبادت الٰہی کرنا باعث قبولیت ہے یہ دو رکعت نماز

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سنت یا فرض کہتے ہیں، مگر استحباب مؤکد میں سب کا اجماع ہے۔ (تفسیر کبیر) مجاہد وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم سے مراد کل حرم ہے اور مصلی بنانے سے مراد دعا کرنا ہے، کچھ اس پتھر کی خصوصیت نہیں۔

(۳) یہ جگہ خدا تعالیٰ کی تجلیات اور برکات کا مظہر ہے۔ ایسے مقامات کی محبت اور عظمت اس کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں پڑ جاتی ہے علاوہ اس کے کبھی غیرت الٰہی ایسے مقامات مقدسہ کی گستاخی کرنے والوں کو سزا بھی دیتی ہے کہ جس سے لوگوں کے دلوں میں ہیبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک بلکہ اب تک لوگوں نے بارہا ان باتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ اساف اور نائلہ دو مرد و عورت تھے، انہوں نے اس جگہ حرکت بے جا کی، اس کی شامت سے پتھر ہو گئے۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں ان کی صورت مسخ شدہ کعبہ کے دروازے پر عبرت کے لئے کھڑی کر رکھی تھی۔ اسی طرح ابرہہ ہاتھی لے کر کعبہ کو گرانے آیا تھا، بلکہ شہر مکہ کی بھی عزت و حرمت کرتے تھے۔ اس لئے اس جگہ کو خدا تعالیٰ نے امن کی جگہ فرمایا۔ اور مثابة کے بعد امنا کا لفظ آیا۔ کیونکہ جو زیارت گاہ ہے تو وہاں امن بھی ضرور ہے۔

(۴) اگرچہ دنیا کے سب گھر خدا تعالیٰ کی ملک ہیں اور وہ گھر امکان سے پاک ہے مگر اس وجہ سے کہ گھر خاص اس کی عبادت کے لئے بنایا گیا اور اس کے حکم سے اس کا دربار اور محل تجلیات قرار پایا، تو اپنی طرف مضاف کر کے بَیْتِیَ یعنی میرا گھر فرمایا۔

**خدا تعالیٰ نے انسان میں دو قوتیں ودیعت رکھی ہیں:**..... ایک عقل، دوسرے شوق و محبت۔ یہ دونوں قوتیں ان کے لئے بمنزلہ دو پاؤں کے ہیں جو اس کو منزل مقصود تک پہنچاتی ہیں نہ تنہا عقل کافی ہے، نہ تنہا شوق۔ طریق انبیاء علیہم السلام اور طریق حکماء میں یہی فرق تو ہے کہ حکماء صرف عقل کے پابند ہیں، انبیاء علیہم السلام عقل کے ساتھ شوق سے بھی کام لیتے ہیں۔ جو منازل عقل سے سالہا سال میں طے نہیں ہوتیں، ان کو شوق یا عشق دم بھر میں طے کرا دیتا ہے۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب میں جس قدر عقل کو معتبر رکھا ہے (اس لئے کوئی حکم شرعی خلاف عقل نہیں، بخلاف اور ادیان کے) اسی طرح عشق پر بھی مدار رکھا ہے۔ اگر آپ بغور دیکھیں گے تو ہر عبادت اسلامیہ کو دونوں جزوں سے مرکب پائیں گے۔ نماز میں اس کی ثنا و صفت، سوال استعانت عقل کے متعلق ہے۔ اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا، دست بستہ کھڑا ہونا شوق کے متعلق ہے۔ اسی طرح حج میں اس کی ثنا و صفت و استغفار عقل کے متعلق ہے۔ عاشقانہ ہیئت بنا کر جس کو احرام کہتے ہیں اس کے گھر کے ارد گرد قربان ہونا منیٰ اور عرفات وغیرہ مقامات میں باآواز بلند لبیک پکارنا سب حضرت عشق کا جلوہ ہے۔ مگر کلام اس میں ہے کہ اس مکان کو حج و جہت نماز کے لئے کیوں مخصوص کیا، سو اس کی چند وجوہ ہیں۔

**کعبۃ اللہ کو حج اور جہت نماز کے لئے کیوں مخصوص کیا ہے؟:**..... (وجہ اول) یہ ہے کہ یہ مسجد ان بزرگوں کے ہاتھ سے خدا تعالیٰ نے تعمیر کرائی ہے جو تمام بنی آدم اور کل موحدین کے پیشوا ہیں، یعنی حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام۔ پس جو یہاں آ سکے اس کو ضروری ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی عبادت اور اس سے دعا و استغفار کرے کیونکہ ایسے معابد کا مشاہدہ ان بزرگوں کے وقائع گزشتہ کی یادگاری کے لئے بڑا بھاری وسیلہ ہے اور ان واقعات کا دل پر نقش حجر ہونا، ان کی پیروی کرنے کا سبب ہے، بالخصوص جب کہ ہزارہا آدمیوں کا مجمع ہو اور اگر وہاں نہیں آ سکے تو حتی المقدور اس طرف منہ کر کے ہی عبادت کرے کیونکہ عبادت کے وقت اس طرف منہ کرنا بھی اس معبد اور ان بزرگوں کے خلوص کو یاد دلاتا ہے جس سے نفس کو عبادت کی طرف کامل توجہ ہوتی ہے۔

(وجہ دوم) ہر جگہ کی ایک خاصیت ہوتی ہے۔ دیکھئے جس جگہ خدا تعالیٰ کے نافرمانوں کا مجمع ہوتا ہے، وہاں مدتوں تک قہر کے آثار نمایاں رہتے ہیں۔ اور فرمانبرداروں کی جگہ میں آثار رحمت نمایاں رہتے ہیں۔ اسی لئے جنگ تبوک میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ان بستیوں

کے پاس سے گزر ہوا کہ جن کو خدا تعالیٰ نے برباد کر دیا تھا تو فرمایا کہ یہاں سے جلدی نکل چلو۔ پس جس جگہ اس کے مقدس لوگوں نے اس پر جان فدا کی ہو اور وہاں اس کی تجلیات اور نزول برکات کا بھی از حد ظہور ہو۔

چنانچہ توراۃ سفر استثناء کے باب ۳۳ میں یہ ہے: خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ اور فاران مکہ معظمہ کو کہتے ہیں، جیسا کہ توراۃ سفر پیدائش کے کے اکیسویں باب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسبت لکھا ہے۔ اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہو گیا اور وہ فاران کے بیابان میں رہا۔

اور یہ متفق علیہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ میں رہتے تھے (پس جب فاران مکہ ہے اور وہاں خداوند تعالیٰ جلوہ گر ہوا) تو خدا تعالیٰ کے طالبوں اور اس کے عاشق صادقوں پر لازم ہے کہ ایک بار تو ہیئت عاشقانہ بنا کر اس کے دربار میں باریاب ہوں اور جو وہاں نہ جا سکیں تو وہ اپنا شوق ظاہر کریں، اس تجلی گاہ کی طرف بوقت عبادت منہ کریں تاکہ انوار و برکات کا حصہ پائیں۔

(وجہ سوم) کعبہ چونکہ اسلام کا مبداء ہے اور ملت اسلامیہ کا حیز طبعی اور ہر چیز کا اپنے مبداء اور حیز طبعی کی طرف میلان طبعی امر ہے (ارضی چیزیں خود بخود اوپر سے نیچے آیا کرتی ہیں) پس اسلام کا ادھر رجوع کرنا ضروری ہو۔ منجملہ اور دینیات کے حج اور نماز اسلام کے رکن ظاہر ہیں، بخلاف روزہ اور کلمہ کہنے اور زکوۃ دینے کے اور زیادہ تر ہر مذہب سے امتیاز انہیں دو باتوں سے ہوتا ہے، اسی لئے ان دونوں چیزوں کا کعبہ کی طرف رجوع ہونا ضروری ہوا۔ مگر چونکہ پانچ وقت نماز کعبہ کے پاس پڑھنا نہایت مشکل امر تھا اس لئے اس میں حتی المقدور اس کی طرف منہ کرنا ہی کافی سمجھا گیا اور حج چونکہ عمر میں ایک بار ہوتا ہے تو یہ بغیر کعبہ کے جائز قرار نہ دیا گیا۔

**تحقیق پانچویں کعبہ کی تاریخ میں:......** بیہقی نے شعب الایمان میں اور ازرقی نے وہب بن منبہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر آئے تو وحشتِ تنہائی سے گھبرا کر عرض کی کہ بار خدایا! اس جگہ نہ کوئی مسقف مکان ہے نہ مل کر عبادت کرنے کا سامان۔ وہاں سے حکم ہوا کہ تو ہماری عبادت کے لئے ایک گھر بنا کہ سب گھروں سے اول گھر ہو، کس لئے کہ اس کے بعد تو تیری اولاد بہت سے مکانات بنائے گی۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: کس جگہ؟ جبرئیل علیہ السلام نے کعبہ کی جگہ بتائی۔ آدم علیہ السلام نے پتھروں کی بنیاد زمین تک چنی۔ اس پر ایک خیمہ نورانی (جو ملاء اعلیٰ میں ملائکہ کا طواف گاہ ہے اور جس کو بیت المعمور کہتے ہیں) رکھا۔ پس آدم علیہ السلام وہاں طواف کرتے اور اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ طوفان نوح علیہ السلام میں وہ سب مفقود ہو گیا اور اب ایک سرخ ٹیلہ سا بعد طوفان کے باقی رہا۔ لیکن اچھے لوگ وہاں آ کر اکثر عبادت کرتے اور دعا کرتے تھے تو آثار قبولیت پاتے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام عرب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ملنے آئے تو انہوں نے اسی بنیاد پر بحکم الٰہی اس مکان کو بنایا اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ طوفان نوح کے بعد جب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد پھیلی تو مسیح علیہ السلام سے تخمیناً دو ہزار دو سو سینتالیس برس پیشتر شہر بابل اور اس کے برج کی بنیاد ڈالی گئی۔ یہ شہر ملک عراق میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان دوآب میں بلکہ بقول بعض فرات کے کنارہ پر تھا اور اس کے قریب دریائے دجلہ کے کنارے پر شہر نینوا تھا جہاں حضرت یونس علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ اس شہر کو نینوس بادشاہ نے آ کر آباد کیا تھا۔ یہ بھی بابل کی طرح بڑا شہر تھا۔ پچیس فرسخ کے دور میں اس کی شہر پناہ تھی۔ اسی طرح بابل تھا، اس کی شہر پناہ تیس گز چوڑی اور سو گز بلند تھی۔ بخت نصر بھی اسی شہر کا بادشاہ تھا۔ ان لوگوں کو کلدانی اور کسدی بھی کہتے ہیں۔ طوفان کے بعد یہیں سے مختلف زبانیں پیدا ہوئی ہیں اور یہاں کے لوگوں میں بڑے علوم و فنون تھے۔ مگر اب یہ شہر بالکل اجاڑ ہے، سیاحوں کو بجز ٹیلوں کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ آج کل یورپ کی کمپنیوں نے باجازت حضرت سلطان کھود کر عجائب آثار قدیمہ برآمد کئے ہیں جو یورپ کے عجائب خانوں میں رکھے جا رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تارخ کے بیٹے ہیں جن کو آزر بھی کہتے ہیں۔ اور آزر ناحور کے بیٹے ہیں اور ناحور ساروغ کے جن کو سروغ بھی کہتے ہیں اور سروغ رعو کے بیٹے ہیں اور رعو فالغ کے جن کو فلج بھی کہتے ہیں اور فلج عابر (عبر) کے اور عابر شالح (سلخ) کے اور شالح ارفکشذ (ارفکسد) کے اور یہ سام کے بیٹے ہیں اور سام حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے ہیں (تورات، سفر پیدائش، باب ۱۱) مگر صحیح یہ ہے کہ شالح کا باپ قینان اور قینان کا باپ ارفخشذ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام قصبہ ہواز میں پیدا ہوئے تھے جو عراق میں ہے بعض کہتے ہیں کہ خاص بابل میں پیدا ہوئے تھے، واللعلم عنداللہ۔ کلدانی لوگ عموماً مذہب صابی رکھتے تھے، بت پرست تھے۔ وہ لوگ آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کو بھی پوجتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ابتدائے عمر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نور نبوت سے منور کیا تھا۔ انہوں نے بت پرستی اور ستارہ پرستی سے انکار کیا کہ یہ نہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان، یہ قابل پرستش نہیں۔

اسی طرح ستارے طلوع و غروب کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ یہ متغیر اور مخلوق ہیں، نہ کہ خالق۔ اس امر میں بہت کچھ جھگڑے ہوتے رہے۔ آخرالامر نمرود نے، جو شاہ ضحاک کی طرف سے عراق کا حاکم تھا، بعض کہتے ہیں کہ مستقل بادشاہ تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلتی آگ میں ڈال دیا لیکن وہ فضل خدا سے صحیح سلامت آگ سے نکل آئے۔ پھر تو چند آدمی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے اور خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بی بی حضرت سارہ اور اپنے بھتیجے لوط بن حاران کو لے کر ملک فلسطین میں ائے اور حران میں ٹھہرے۔ پھر جب قحط پڑا تو وہاں سے مصر گئے۔ مصر کے بادشاہ نے جو حضرت سارہ کے حسن و جمال کا شہرہ سنا، اس کو اپنے پاس بلایا مگر جب قصد کیا تو خدا تعالیٰ نے اس کو شل کر دیا۔ آخر اس نے حضرت سارہ کو مع ساز و سامان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیج دیا اور ان کے ساتھ اپنی خواصوں میں سے ایک نوجوان عورت ہاجرہ بھی دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے لوٹ کر پھر ملک فلسطین میں آئے اور حبرون کے پاس مقام کیا۔ حضرت سارہ کے اولاد نہ ہوئی تھی، اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تم ہاجرہ کے پاس جاؤ، شاید اس سے میرا گھر آباد ہو۔ پس جب حضرت ہاجرہ حاملہ ہوئیں تو رشک سے حضرت سارہ نے اس پر سختی کی۔ حضرت ہاجرہ بھاگ کر اور جگہ چلی گئیں۔ وہاں فرشتے نے ظاہر ہو کر بشارت دی کہ غم نہ کر، تو ایک بیٹا جنے گی۔ اس کا نام اسمٰعیل رکھنا۔ سو حضرت ہاجرہ نے اسمٰعیل کو جنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت چھیاسی برس کی تھی۔ پھر ننانوے برس کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم الٰہی اپنا اور اپنے تمام نوکروں کا اور اسماعیل علیہ السلام کا کہ اس وقت انکی تیرہ برس کی عمر تھی، ختنہ کیا اور سو برس کی عمر میں خود حضرت سارہ کے پیٹ سے بھی ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام اسحٰق رکھا اور ان کے دودھ بڑھنے کی شادی میں کسی بات پر خفا ہو کر حضرت سارہ نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ لونڈی اور اس کا بیٹا میرے بیٹے کے ساتھ ہرگز وارث نہ ہوگا۔ اس کو اور اس کی ماں کو کسی جنگل میں چھوڑ آ۔ مگر یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہایت بری معلوم ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تو اس بات سے برا نہ مان۔ آخرالامر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو لے کر منزل بہ منزل اس جگہ پہنچے کہ جہاں اب کعبہ ہے۔ جس جگہ اب چاہ زمزم ہے، وہاں ایک درخت تھا۔ وہاں حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو بٹھا دیا اور ایک مشک پانی کی بھر کر اور کچھ کھجوریں اور روٹیاں ان کے پاس رکھ کر چلے۔ مگر دل اس صدمے سے چور تھا، مجبوراً آنکھوں میں آنسو اور دل میں آہ و نالہ لے کر واپس پھرے اور جب ان کی نظر سے غائب ہو گئے تو ایک جگہ ٹھہر کر گریہ و زاری کے ساتھ خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی: رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ . . . الخ کہ اے الٰہی! میں نے تیرے گھر کے پاس کہ جہاں کھیتی نہیں، اپنی اولاد کو آباد کیا تاکہ تیری عبادت کریں۔ پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر اور ان کو ہر طرح کے سامان خورد و نوش بہم پہنچا اور اب جو کچھ میرے دل کا حال ہے تجھ کو خوب

معلوم ہے۔اس وقت وہاں نہ آبادی تھی، نہ پانی نہ کوئی سبزہ وتر کاری بلکہ دو خشک پہاڑوں میں چٹیل میدان تھا۔

**حضرت ہاجرہؑ کی صفا مروہ کے درمیان سعی:**......حضرت ہاجرہ آسمان کی طرف دیکھ کر کہتی تھیں کہ الٰہی! اگر تیرے حکم سے میں اس بیابان میں ڈالی گئی ہوں تو مجھ ضعیفہ اور بے کس کا تو ہی والی ہے (روایات صحیحہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت شیر خوار تھے) پس حضرت ابراہیم علیہ السلام تو چلے آئے، ادھر جب تک مشک میں پانی رہا تو یہ حضرت ہاجرہ اس کو پی کر اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں۔پس جب پانی ختم ہو چکا اور پیاس کا سخت غلبہ ہوا اور بچہ بھی پیاس کے مارے زمین پر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا تو حضرت ہاجرہ بے قرار ہو کر پانی کی تلاش میں اٹھیں اور قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی کہ جس کو صفا کہتے ہیں، اس پر پانی دیکھنے کو چڑھیں کہ کہیں کوئی آدمی دکھائی دے تو اس سے پانی مانگیں۔پہاڑی پر اس قدر چڑھیں کہ لڑکا نظر سے غائب نہ ہو۔وہاں ادھر ادھر بہت کچھ دیکھا، کچھ نظر نہ آیا۔مایوس ہو کر وہاں سے اتریں اور اس کے محاذی دوسری پہاڑی کی طرف متوجہ ہوئیں اور راستہ میں خیال آیا کہ مبادا کوئی درندہ آکر میرے بچے کو نہ لے جائے، اس خیال سے اس میدان کے نشیب میں، کہ جس کو بطن الوادی کہتے ہیں، جلدی جلدی دوڑنا شروع کیا اور دامن اٹھا کر تیزی سے چلیں جب کہ نشیب سے کہ جو اس پہاڑی کے نیچے تھا، نکل کر ہموار جگہ پر آئیں تو دوڑنا موقوف کیا، کس لئے کہ اس جگہ لڑکا نظر آتا تھا

پس جب مروہ پہاڑی پر پہنچیں تو اسی قدر بلندی پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا مگر کچھ نظر نہ آیا۔پھر صفا کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسی نشیب میں پھر اسی طرح دوڑ کر چلیں۔اسی طرح صفا سے مروہ تک سات بار اس بیقراری کے ساتھ آمد ورفت کا اتفاق ہوا۔اس مقام پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حج میں جو صفا مروہ پر سات بار سعی کرنے کا حکم ہے اس لئے کہ لوگ حضرت ہاجرہ کی بے کسی اور اضطراب اور خدا تعالیٰ کی فریاد رسی کو یاد کریں اور اپنے تئیں خدا تعالیٰ کے آگے ایسی حالت بیچارگی میں پیش کریں کہ رحمت نازل ہو۔

**گریہ وزاری نزول رحمت کا باعث ہے:**......یہ ظاہر ہے کہ بے کسوں کی صورت بنانی اور ان کی طرح گریہ وزاری کرنی بھی نزول رحمت کا باعث ہے۔اس لئے بوقت مصائب، استسقاء وغیرہ میں امراء اور بادشاہوں کا فقیرانہ حالت بنا کر دعا کرنا باعث حل مشکلات ہوتا ہے اور یہ تمام خدا پرست قوموں کا دستور ہے، اس پر طعن کرنا عقل کا قصور ہے۔

آخر جب مروہ پر آواز آئی کہ کچھ اندیشہ نہ کر۔پھر یہی آواز سنی تو لوٹ کر بچہ کے پاس آئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ بچہ کے پاس ایک پانی کا چشمہ جاری ہے۔زمین میں سے پانی نکل رہا ہے۔حضرت ہاجرہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور اس پانی کے اردگرد مٹی اور پتھروں سے آڑ بنا کر حوض کی طرح اس کو جمع کر لیا اور اپنی مشک کو بھر لیا کہ مبادا یہ پانی تمام نہ ہو جائے اور ہم پھر پیاسے مرنے لگیں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہاجرہ پر رحم کرے، اگر وہ اس وقت بند نہ لگاتیں تو زمزم جاری چشمہ ہو جاتا۔) اس کے بعد فرشتے نے ان کو تسلی دی کہ تم خاطر جمع رکھو۔یہاں خانہ خدا ہے، اس کو یہ لڑکا جوان ہو کر باپ کے ساتھ تعمیر کرے گا۔اور اس جگہ رہنے والوں کو خدا تعالیٰ ضائع نہیں کرتا۔اس جگہ ایک ٹیلا تھا، اس کے آس پاس برساتی پانی کے نالے بہا کرتے تھے۔اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ تنہا وہاں رہنے لگے۔

اتفاقاً قوم جرہم کا ایک قافلہ ملک یمن سے ادھر آنکلا۔دور سے دیکھتا ہے کہ ایک جگہ بہت سے پرندے اڑ رہے ہیں۔آپس میں کہنے لگے کہ جہاں یہ جانور اڑ رہے ہیں، یہاں ضرور پانی ہوگا۔ہم کئی بار ادھر سے آئے گئے ہیں، پہلے تو کبھی یہ بات دیکھی نہ تھی۔ایک شخص کو بھیجا۔دیکھتا ہے کہ ایک عورت اور اس کا بچہ بیٹھا ہے اور پانی کا چشمہ زمین سے جاری ہے۔قافلہ وہاں آیا اور حضرت ہاجرہ سے وہاں رہنے کی

اجازت مانگی۔ انہوں نے تنہائی سے بچنے کے لئے ان کے رہنے کو غنیمت جانا مگر یہ شرط کی کہ اس پانی میں تمہارا کوئی حق اور حصہ نہ ہوگا۔ انہوں نے اس شرط کو تسلیم کرلیا اور وہیں رہنے لگے اور اب ایک چھوٹا سا گاؤں بس گیا اور کچھ لوگ اور بھی آرہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے ان لوگوں سے عربی زبان سیکھی اور نوعمری میں اپنی لیاقت اور کرامت موروثی کو لوگوں کے دلوں میں تہہ نشین کردیا کہ جس سے وہاں کے کے سردار نے نہایت آرزو سے اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کیا۔ اس عرصہ میں حضرت ہاجرہ کا انتقال ہوگیا۔ اس زمانہ میں حضرت سارہ کے ہاں اسحٰق علیہ السلام جو پیدا ہوئے تھے، بڑے ہوئے تو ان کا کچھ رشک کم ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی اجازت سے اسماعیل علیہ السلام کے دیکھنے کو عرب آئے اور شرط یہ تھی کہ اسماعیل علیہ السلام کے گھر میں شب باش نہ ہوں۔ پس جب آئے اور پوچھا تو معلوم ہوا کہ ان کی والدہ انتقال کرگئیں اور وہ باہر شکار کو گئے ہیں، کیونکہ ان کی یہی گزراوقات تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر پر آئے، ان کی بیوی سے حال پوچھا۔ اس نے اثنائے کلام میں تنگی معاش کا بھی ذکر کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، یہ سمجھ کر کہ اب اور ٹھہرتا ہوں تو شب باش ہونا پڑے گا، وہاں سے واپس آئے اور چلتے ہوئے یہ کہہ آئے کہ اپنے خاوند سے میرا سلام کہنا اور کہا کہ تمہارے گھر کا سرول اچھا نہیں اس کو بدل دو۔ جب شام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو حال معلوم ہوا، سمجھ گئے کہ میرے والد ابراہیم علیہ السلام تھے۔ عورت نے پیغام ادا کیا۔ انہوں نے فی الفور اس عورت کو چھوڑ دیا اور دوسری عورت سے نکاح کیا۔ دوبارہ پھر اسی شرط پر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے ملنے کو آئے۔ دوسری بیوی نے نہایت خاطر تواضع کی، معاش کے بارے میں شکرگزاری کی اور ان سے کہا کہ حضرت! آپ ٹھہرئے۔ انہوں نے عذر کیا اور چلتے وقت یہ کہا اپنے خاوند سے میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ یہ سرول اچھا ہے، اس کو رہنے دو۔ شام کو اسماعیل علیہ السلام آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تھے اور اس معمہ کے معنی بتلائے کہ تجھ کو میں ہمیشہ رکھوں گا۔ تیسری بار کچھ عرصہ تک رہنے کی اجازت لے کر پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے اور گھر میں ٹھہرے اور اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور باپ بیٹے گلے مل کر بڑی دیر تک روتے رہے۔

**کعبۃ اللہ کی تعمیر:**......ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ خداتعالیٰ نے مجھ کو کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا ہے، اگر تو مجھ کو مدد دے تو بہتر۔ انہوں نے عرض کیا: بسروچشم۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعیین اس جگہ کی معلوم نہ تھی۔ خداتعالیٰ کی طرف سے ایک ابر اسی مقدار کا، کہ جس قدر تعمیر کعبہ مقصود الٰہی تھی، نمودار ہوا اور وہ ایک جگہ پر ٹھہر گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی مقدار پر کعبہ بنایا یعنی ایک لمبا چوکھونٹا مکان بنایا جس کا چوڑان مشرقی جانب سے یعنی حجراسود سے رکن یمانی تک بیس گز تھا اور مغربی جانب رکن یمانی سے لے کر رکن غربی تک بائیس گز اور طول میں شمالی دیوار حجراسود سے رکن شامی تینتیس گز لمبی اور جنوبی دیوار رکن غربی سے لے کر رکن یمانی تک اکتیس گز تھی۔ سب ہیئت مجموعی یہ شکل مستطیل مگر نہ عرض کے دونوں سرے برابر نہ طول کی دونوں دیواریں برابر تھیں۔ اور بلندی اس مکان کی نو گز تھی اور دروازے کی کچھ کرسی نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اور گارا دیتے تھے اور یہ پتھر کہ جس کو مقام ابراہیم کہتے ہیں، بطور پہاڑ کے تھا۔ اس پر چڑھ کر چنتے تھے اور یہ شکل تھی۔

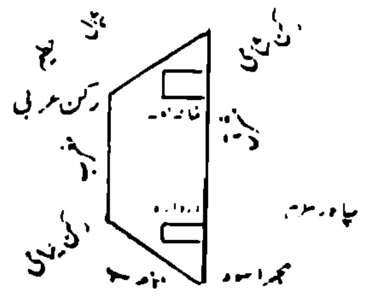

واضح ہو کہ رکن کعبہ کے گوشوں کا نام ہے اس چوکھونٹے مکان کے چار گوشے ہیں اور ہر ایک گوشہ یا گوشے یا کونہ کا ایک نام ہے۔ جنوب و مشرق کے رخ باہر کی جانب دو ڈیڑھ گز بلندی پر کونہ میں ایک سیاہ پتھر مدور توے کے برابر لگا ہوا ہے، اس کو حجر اسود کہتے ہیں۔ اور جنوب و غرب میں بلندی قد آدم پر ایک سرخی نما پتھر کا ٹکڑا ہے، اس کو رکن یمانی کہتے ہیں اور مشرقی و شمالی کونہ کا نام رکن شامی ہے۔ اس لئے کہ بجانب ملک شام ہے اور دوسرے کو غربی کہتے ہیں۔ جب ایک مدت بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا مکان پہاڑی نکے سبب سے گر گیا تو بنی جرہم نے پھر اس کو اسی طور سے تعمیر کیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد یہ عمارت گر گئی تو عمالیق نے اس کو پھر تعمیر کیا (عمالیق بنی حمیر کا ایک قبیلہ تھا) اس کے بعد جب یہ عمارت ٹوٹ پھوٹ گئی تھی تو قصی بن کلاب نے اس کو بنایا اور اس کی چھت لکڑیوں سے پاٹ دی اور اس پر غلاف سیاہ ڈال دیا۔ یہ عمارت مدت تک رہی یہاں تک کہ نبی ﷺ کی عمر دو یا بارہ برس کی ہوگی کہ ایک عورت نے پردہ کعبہ کے پاس بخور روشن کرنا چاہا تو پردہ میں آگ لگ گئی اور تمام عمارت جل گئی۔ پھر قریش نے چاہا کہ اس عمارت کو پھر تعمیر کریں۔ ان دنوں میں قحط سالی تھی۔ قریش نے کعبہ تو بنایا مگر کئی تصرف اس میں کر دیئے۔

اوّل یہ کہ حطیم کی جانب سے کئی گز زمین چھوڑ کر کعبہ کی دیوار ❶ غربی اٹھائی۔

دوم یہ کہ کعبہ کے اندر کی چوکھٹ تخمیناً دو گز اونچی کر کے لگائی تا کہ ان کی مرضی کے بغیر ہر شخص اچھی طرح نہ داخل ہو سکے۔

سوم یہ کہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو صف قائم کیں، ہر ہر صف میں تین تین ستون تھے۔ چنانچہ جب مکہ کو آنحضرت ﷺ نے فتح کیا اور کعبہ کے اندر جا کر نماز پڑھی تو انہیں ستونوں کے بیچ میں پڑھی۔

چہارم یہ کہ دیواروں کو دو چند بلند کر دیا۔

پنجم یہ کہ رکن شامی کے قریب کعبہ کی چھت پر چڑھنے کے لئے زینہ بھی بنایا۔ جب نبی ﷺ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ میں غلبہ و شوکت کے ساتھ تشریف لائے تو جس قدر اہل مکہ نے کعبہ کے اندر اور اس کے آس پاس ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام اور دیگر اشخاص کی مورتیں رکھ چھوڑی تھیں، سب کو نکال کر پھینک دیا اور توڑ دیا۔ یہ بت ہمیشہ سے نہ تھے بلکہ عمرو بن لحی کے عہد سے جو آنحضرت ﷺ سے تخمیناً تین سو سال پیشتر تھا اور اس وقت کعبہ بنائے قریش پر قائم تھا۔ ایک بات رہ گئی، وہ یہ کہ جب قریش کعبہ کی تعمیر کر چکے اور حجر اسود کو لگانا چاہا تو باہم اختلاف ہوا۔ ہر شخص کہتا تھا کہ میں اس کو اپنے ہاتھ سے قائم کروں۔ سب نے متفق ہو کر یہ امر آنحضرت ﷺ کے سپرد کیا۔ آپ ﷺ نے کہا کہ اس کو ایک چادر پر رکھ لو اور اس کو ہر رئیس ہاتھ سے اٹھائے۔ چنانچہ سب اس بات پر بڑے راضی ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک بار عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کعبہ کو پھر قدیم بنیاد ابراہیم پر بناؤں اور دروازہ زمین سے لادوں اور دو دروازے رکھوں۔ ایک سے لوگ داخل ہوا کریں، دوسرے سے خارج۔ اس عرصہ میں آنحضرت ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔ پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے یہ حدیث اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی تو حضور ﷺ کے ارادہ کو پورا کر دیا۔ یعنی بدستور قدیم کعبہ کو از سر نو بنایا اور دو دروازے رکھے۔ ستائیسویں رجب سنہ چونسٹھ ہجری میں اس تعمیر سے فراغت پائی۔ اس کے تھوڑے دنوں کے بعد بنی امیہ کا دور دورہ ہو گیا۔

حجاج بن یوسف نائب عبدالملک بن مروان کو تعمیر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ناپسند ہوئی۔ کعبہ کو گرا کر پھر بنیاد قریش پر بنایا اور صرف ایک دروازہ مشرقی جانب میں رکھا اور اندر سے قد آدم بھرت کر کے اونچا دروازہ لگایا اور ایک ٹکڑا طولانی جانب میں اس طرح باہر رکھا کہ جس کو

---

❶ ۔۔۔ یہ مصنف کا سہو ہے، صحیح دیوار شمالی ہے۔ منہ۔

حطیم کہتے ہیں۔ یہ تعمیر ۷۴ھ ہجری میں ہوئی۔ (بعضے کہتے ہیں کہ حجاج نے کل کو نہیں گرایا بلکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے تصرفات میں تصرف کیا تھا) پھر بنی عباس کے عہد میں ہارون رشید نے قصد کیا کہ بنائے عبداللہ بن زبیر پر کعبہ کو بنائے مگر علماء نے منع کیا کہ بار بار بنانا اور گرانا کھیل ہو جائے گا۔ بنائے حجاج سلطان مراد بن احمد خان سلطان قسطنطنیہ کے عہد تک قائم رہی اور شاہان اسلام اسی عمارت کی مرمت کراتے رہے۔ مگر یہ عمارت جب بہت کہنہ ہو گئی تو ۱۰۴۰ھ ہجری میں سلطان مراد نے کعبہ کی تعمیر کا ارادہ کیا اور سوا اس کونہ کے جس میں حجر اسود لگا ہوا ہے، سب کو گرا کر پھر نئے سرے سے بنیاد حجاج کے موافق اسی طور سے کعبہ کو بنایا اور اندر سنگ مرمر کا فرش بچھایا اور اندر کی دیواروں میں بھی اکثر سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور کسی عمدہ لکڑی کے دو صف ستونوں کے ہیں۔ ایک ایک صف میں تین تین ستون ہیں اور اندر سے چھت پر نفیس مخملی چھت گیری ہے اور اوپر سے گچ ہے اور باہر کی دیواریں سنگ خارا سے چونے میں چنی ہوئی ہے۔ ان کی لپائی نہیں ہوئی ہے مگر نہایت نفیس ریشمی سیاہ پردہ تمام کعبہ پر پڑا رہتا ہے جس پر بخط ثلث کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہوتا ہے اور نصف طول سے اوپر کئی بالشت چوڑا پٹکا کارچوبی حرف سے لکھا ہوا ہے، اس میں سلطان وقت کا نام بھی ہوتا ہے۔ یہ پردہ ہزارہا روپیہ کی تیاری سے مصر میں بنتا ہے اور ہر سال بڑے تجمّل کے ساتھ آتا ہے جو دیکھنے سے متعلق ہے اور سال گزشتہ کا پردہ شریف مکہ اور دیگر اراکین کو مل جاتا ہے ان سے اہل اسلام تبرکاً لاتے ہیں۔ کعبہ کا وہ ٹکڑا جو تعمیر میں قریش نے چھوڑ دیا تھا، اب تک چھٹا ہوا ہے اور ایک قوسی شکل سے سنگ مرمر کی دیوار تخمیناً گز بھر اونچی بطور نمونہ بنیاد قدیم پر بنی ہوئی ہے اور اس کو لوگ حطیم کہتے ہیں۔ یہ تھوڑی سی جگہ ہے۔ اسی طرف کعبہ کا سنہری پرنالہ پڑتا ہے کہ جس کو میزاب کہتے ہیں۔ یہاں انسان کی دعا اکثر قبول ہوتی ہے۔ اور اس میں ایک سر ہے کہ جس کے بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں۔ چونکہ زمین اکثر بلند ہو جایا کرتی ہے، بالخصوص آبادیوں میں جس لئے سو دو سو سال بعد بہت سی کرسی دینے کی ضرورت پڑتی ہے مگر کعبہ کو اب تک اسی قدیم زمانہ کی زمین پر قائم رکھا ہے۔

کعبہ کے آس پاس دس بارہ قدم کے فاصلہ تک ہموار زمین ہے، اس پر بھی سنگ مرمر کا فرش ہے۔ اس کو مطاف کہتے ہیں یعنی اس فرش پر لوگ کعبہ کے اردگرد طواف کرتے ہیں اور اس کے آخر میں بے شمار ہانڈیوں کا حلقہ ہے، وہ رات کو روشن کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد چوطرفہ بڑا صحن کشادہ ہے اور اس میں سیاہ کنکریوں کا فرش ہے۔ مگر یہ زمین گاؤدم ہے یعنی جوں جوں یہ صحن پھیلتا ہے، اتنا ہی اونچا ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے آخر میں چوطرفہ کئی کئی درجہ کے دالان بنے ہوئے ہیں۔ جن کے سنگ مرمر کے ستون ہیں اور اوپر چھوٹے قبے بنے ہوئے ہیں۔ پھر ان دالانوں کے باہر کی دیواریں اور دروازے بازار کی طرف بھی ہیں مگر باہر کے دروازے سے جو اندر کی طرف دیکھو تو تمام حرم ایک حوض یا تالاب سا پستی میں معلوم ہوتا ہے۔ اس تمام عمارت کو حرم کعبہ کہتے ہیں۔ یہ لاکھوں روپیہ کی عمارت سب سلطان مراد کی بنائی ہوئی ہے۔ مع خانہ کعبہ کے جو لوگ اس عمارت کعبہ کو عمارت حجاج سمجھ گئے ہیں، وہ تاریخ کعبہ سے بے خبر ہیں۔ اب ہم کعبہ کے ان مقامات مشہورہ کو بیان کرتے ہیں کہ جن کے جاننے پر بہت سے مسائل شرعیہ موقوف ہیں۔

**(۱) میقات:** ...... وہ مقامات ہیں کہ جب کوئی باہر سے وہاں آئے اور مکہ میں حج وغیرہ کے لئے آنا چاہے (شافعی ❶) یا اس کی بھی قید نہیں بلکہ کسی کام کے لئے آئے (ابوحنیفہؒ) تو بغیر احرام باندھے نہ آئے۔ یہ اس لئے کہ بیت اللہ کی تعظیم و عظمت مدنظر رہے کیونکہ جب دنیا کے

❶ ...... امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاهل المدينة ذالحليفة الخ فهن لهن ولمن اتى عليهن لمن كان يريد الحج والعمرة۔ رواہ البخاری ومسلم کہ جو ان مقامات سے گزر کر مکہ میں حج وعمرہ کے لئے جائے۔ امام اعظمؒ کی دلیل یہ حدیث ہے لايجاوز احد الميقات الا محرما کہ ان مقامات سے بغیر احرام باندھے کوئی تجاوز نہ کرے، اس میں حج وغیرہ کی قید نہیں۔ لمعات ۱۲ منہ۔

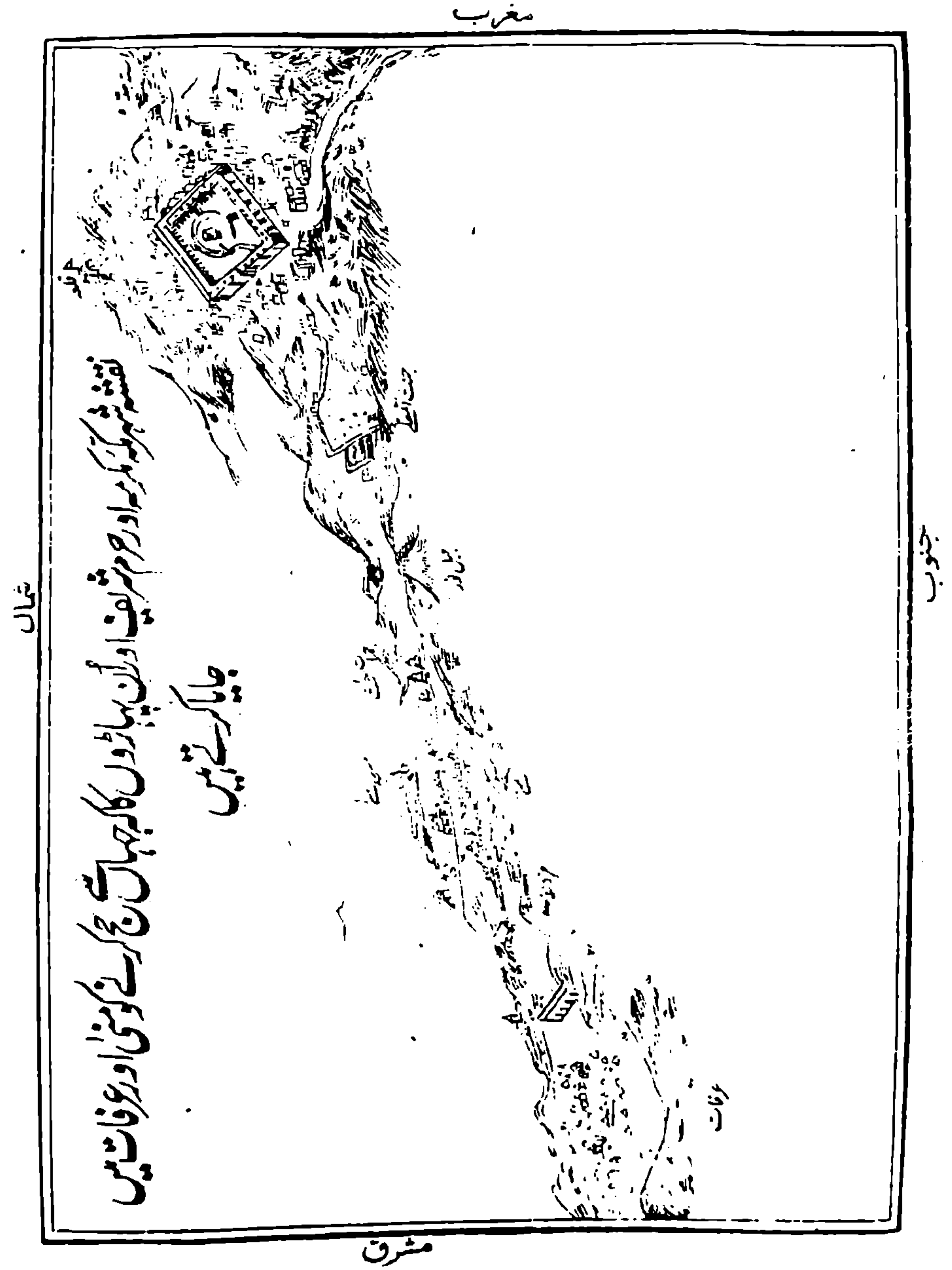
مغرب
شمال
جنوب
مشرق
نقشہ شہر مکہ مکرمہ اور حرم شریف اور اُن پہاڑوں کا کہ جہاں سے حج کرنے کو منیٰ اور عرفات میں جایا کرتے ہیں
جنت المعلیٰ
عرفات

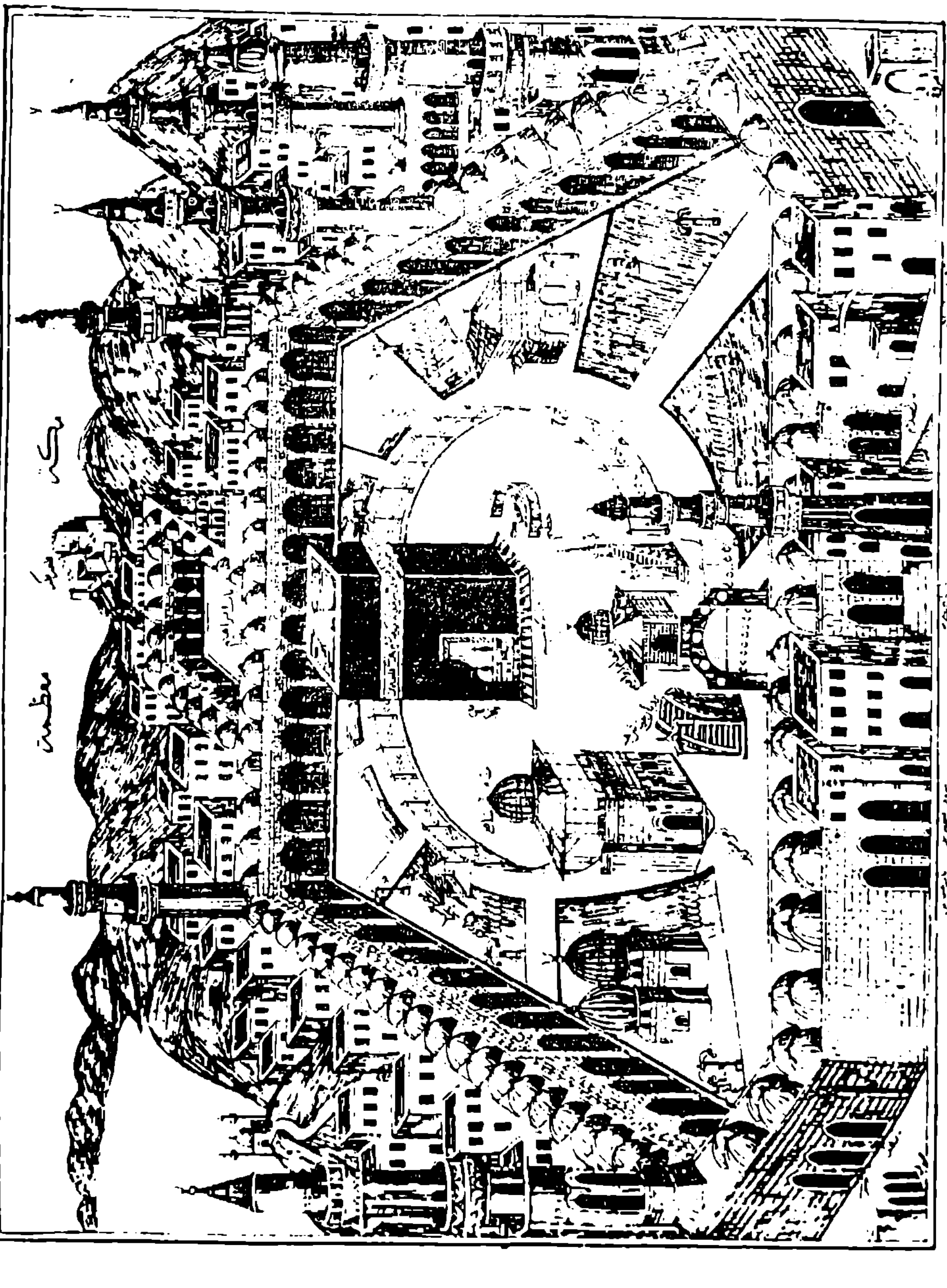

بادشاہوں کے دربار میں بغیر عجز وانکساری وآداب نہیں آسکتا تو اللہ جل جلالہ کا دربار عام ہے، وہاں کے آداب ضرور ملحوظ ہونے چاہئیں اور وہ مقامات یہ ہیں: **ذوالحلیفہ** ان کے لئے جو مدینہ سے مکہ معظمہ میں آنا چاہیں، عام ہے کہ اہل مدینہ ہوں یا نہ ہوں۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف دو فرسخ ہے۔ **جحفہ** (کہ جو ذوالحلیفہ کے محاذی ہے) ان کے لئے جو شام کے راستے سے آنا چاہیں۔ **قرن** نجد، کے رستہ پر ہے، ان کے لئے کہ جو اس رستہ سے آنا چاہیں۔ **یلملم** یمن کے راستہ پر ہے۔ یہ سمندر کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ جو لوگ کہ ہندوستان یا ایران سے عدن ہو کر جدہ میں جاتے ہیں تو جدہ یا عدن کے بیچ میں یہ پہاڑی مشرقی کنارہ پر دکھائی دیتی ہے۔ ان کو بھی وہیں سے احرام باندھنا پڑتا ہے جیسا کہ اہل یمن کے لئے۔ **ذات عرق**۔ یہ ایک جگہ مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ اہل عراق کے لئے ہے اور جو اس راستہ سے آئیں۔ ان مقامات کی تصریح نبی ﷺ نے بالہام الٰہی فرمائی ہے۔

**عن جابر عن رسول اللہ ﷺ قال مهل اهل المدينة من ذی الحليفة والطريق الآخر الجحفة ولاهل الشام الجحفة** (بخاری) **ومهل اهل العراق من ذات عرق ومهل اهل النجد قرن ومهل اهل اليمن يلملم، رواه مسلم۔**

مہل یعنی تلبیہ کہنے اور احرام باندھنے کی جگہ۔

(۲) حرم مکہ:...... شہر مکہ کے چوطرفہ کئی کئی میل تک کی جگہ کا نام ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں صرف ٹیلوں کے نشان تھے، اب سلاطین نے اس کے ہر حدود پر مینار اور دروازے بنائے ہیں۔ جدہ کی طرف بھی مکہ سے کئی میل کے فاصلہ پر ایک بڑا دوازہ بنا ہوا ہے۔ اسی طرح مدینہ کے رستہ میں بمقام تنعیم دروازے بنے ہوئے ہیں۔ ان حدود کو پیغمبر ﷺ نے مقرر کیا ہے کہ ان کے اندر نہ کوئی شکار کھیلے، نہ کوئی کسی کو قتل کرے، نہ لکڑی کاٹے، نہ گھاس اکھاڑے۔ یہ امور تعظیم بیت اللہ کے لئے ہیں۔ ایام جاہلیت میں بھی عرب ادب کرتے تھے۔ ان حدود کے باہر جو زمین ہے، اس کو حل کہتے ہیں کہ یہاں یہ امور حلال ہیں۔ اور کعبہ اور اس کے اردگرد جتنے مکانات ہیں، ان کو حرم کعبہ کہتے ہیں جو مسجد کا حکم رکھتا ہے یعنی ناپاک مرد اور عورت کو اس میں داخل نہ ہونا چاہئے، نہ اس حالت میں خانہ کعبہ کا طواف کرے۔

(۳) حجر اسود:...... یعنی سیاہ پتھر۔ یہ گول پتھر تخمیناً دو ڈیڑھ فٹ کے دور میں ہے۔ اس کا رنگ نہایت سیاہ ہے، اس کو عقیق سیاہ تصور کرنا چاہئے۔ یہ کعبہ کے شرقی وجنوبی گوشہ میں باہر کی جانب گز بھر کی بلندی سے چاندی کے حلقہ میں جڑا ہوا ہے خدا جانے کسی صدمہ سے اس کے کئی ٹکڑے ہو گئے تھے۔ جن کو ملا کر ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اس پتھر کو نہ کوئی مسلمان پوجتا ہے نہ اس کو حاجت روا سمجھتا ہے، مگر اس لئے کہ یہ پتھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قائم کیا ہوا ہے اس لئے اس کو مقدس سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ جناب خاتم الانبیاء ﷺ نے اس کو ان دو بزرگوں کی یادگار سمجھ کر محبت سے بوسہ دیا تھا (جیسا کہ ہم جب اپنے محبوب کی کسی چیز کو پاتے ہیں تو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں) اور یہ چومنا اور آنکھوں سے لگانا دراصل اس شخص کی محبت وعظمت کا اظہار ہے کہ جس کی یہ نشانی ہے۔ بالخصوص طواف کے وقت حج وعمرہ میں کہ جو نہایت دنیا سے نفرت اور خدا تعالیٰ اور اس کے برگزیدوں سے محبت کا وقت ہوتا ہے، اس لئے تمام اہل اسلام میں اسی غرض سے طواف کے وقت بالخصوص ایام حج میں اس کا بوسہ دینا دستور ہو گیا اور اژدحام کی وجہ سے بوسہ نہ دے تو اشارہ ہی کر دے۔ یہ دستور ایک عمدہ طریقہ اور اچھی سنت ہے کیوں کہ اس میں نبی ﷺ کا اتباع اور اس کے بزرگوں کے ساتھ محبت اور اس کے طریقہ کو دل سے پسند کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ ایسی حالت میں خدا تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی کی امید بھی بجا ہے جس کا ثمرہ بندہ کے گناہوں کی معافی ہے وہ جو اس بارے میں احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ وہ سب برحق ہیں۔ ان پر اعتراض کرنا حماقت اور تعصب جاہلانہ ہے۔ عقل سلیم کے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی بے وقوف اس کو بت پرستی سمجھے۔ یا خدائے غیر محسوس کا اس کو نشان حسی

قرار دے کر برگزیدوں پر اعتراض کرے۔

(۴) زم زم:...... یہ وہی چشمہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے اپنی قدرت کاملہ سے ظاہر کیا تھا۔ یہ چشمہ چند مدت کے بعد خشک ہو گیا۔ لیکن اس کے انعام کی یادگاری اور تبرک کے لئے پھر اسی مقام پر کنواں کھودا گیا۔ یہ کنواں حوادث دہر سے کئی بار کھلا بند ہوا مگر اب اس زمانہ میں نہایت عمدہ کنواں کعبہ کے متصل حرم میں بنا ہوا ہے اس پر سنگ مرمر کا قبہ ہے اور ارد گرد جالیاں ہیں ایک دروازہ ہے، اس میں سے جا کر لوگ پانی بھرتے ہیں۔ شب و روز پانی کھینچا جاتا ہے مگر ٹوٹتا نہیں۔ یہ پانی ذرا کھاری ہے، مگر شہر مکہ میں عام استعمال کے لئے نہر زبیدہ کا پانی استعمال ہوتا ہے۔ یہ نہر زبیدہ ہارون الرشید کی بیوی نے بنائی تھی۔ کہیں دور سے اس کا پانی آ کر مکہ میں بڑے بڑے حوضوں کو بھرتا اور ایک عالم کو سیراب کرتا ہے۔ یہ بہت چھوٹی نہر ہے ہمیشہ جاری ہے۔ اہل اسلام زمزم کے پانی کو اسی علاقہ سے متبرک سمجھتے ہیں۔ بخلاف عیسائیوں اور ہنود کے کہ وہ دریائے گنگ و جمن و یردون میں غوطہ لگانے اور بپتسمہ پانے کو معافی گناہ کے لئے صابن سمجھتے ہیں۔

(۵) مقام ابراہیم:...... بقول جمہور وہ پتھر ہے کہ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر کعبہ چنا تھا۔ اس پر نشان قدم بھی ہیں اور بقول بعض تمام حرم مسجد ہے۔

(۶) صفا:...... حرم کے متصل جنوب و شرق میں ایک پہاڑی ہے۔ اب اس کے اوپر ارد گرد آبادی ہو گئی ہے اور چند سیڑھیاں بنا دی گئی ہیں۔

(۷) مروہ:...... یہ اس کے مقابلہ میں حرم سے مشرق و شمال کی جانب چھوٹی سی پہاڑی ہے اب یہاں بھی آبادی ہے اور ان دونوں پہاڑیوں کے بیچ میں جس جگہ کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام دوڑ کر چلی تھیں اور پہلے وہاں جنگل اور کنکر تھے، اب نہایت عمدہ بازار ہے اور اس دوڑ کر چلنے کی جگہ دو منارہ سبز بنا دیئے گئے ہیں جن کو میلین اخضرین کہتے ہیں۔

(۸) منٰی:...... شہر مکہ کے دو پہاڑوں کے بیچ میں بسا ہے پھر یہی سلسلہ پہاڑوں کا مشرق و شمال کی طرف دور تک چلا گیا ہے۔ مکہ معظمہ سے تین میل پر اسی سلسلہ کے میدان میں یہ مقام ہے۔ یہاں اب بہت سے مکانات تعمیر ہو گئے ہیں۔ ایام حج میں تین روز تمام لوگ یہیں رہتے ہیں۔ اسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا قصد کیا تھا اور یہیں شیطان نے مجسم دکھائی دے کر ان کو تین جگہ بہکانا چاہا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر کنکریاں ماریں تھیں۔ ان تینوں مقامات پر نشان کے لئے تین چھوٹے چھوٹے مینارے بنا دیئے ہیں، ان کو جمرات کہتے ہیں۔ ایک کو جمرہ اولیٰ، دوسرے کو جمرہ وسطیٰ، تیسرے کو جمرہ عقبیٰ۔ اب ایام حج میں مسلمان بھی دستور ابراہیم علیہ السلام کو جاری رکھنے کے لئے ان کو سات سات کنکریاں مارتے ہیں تاکہ اس حالت کو یاد کر کے ہمیشہ نفس کے مقہور کرنے کا عہد کیا جائے اور اسی مقام پر لوگ حج میں عرفات سے لوٹ کر دسویں تاریخ احرام کھولتے اور قربانیاں کرتے ہیں۔

(۹) مزدلفہ:...... یہ اسی مشرقی و شمالی سمت میں منٰی سے دو تین میل آگے بڑھ کر ایک میدان ہے، پھر اس سے دو تین میل آگے عرفات ہے۔ عرفات سے لوٹتے وقت شب کو یہاں ٹھہرتے ہیں۔

(۱۰) عرفات:...... اسی سمت میں آگے بڑھ کر ایک بڑا لمبا چوڑا پہاڑوں کے بیچ میں میدان ہے۔ نویں ذی الحجہ کو جہاں سب حاجی آتے ہیں اور غروب تک اسی میدان میں خیموں اور غیر خیموں میں رہتے ہیں۔ یہاں دعا مانگتے ہیں اور شام کے وقت امام ایک پہاڑی پر چڑھ کر خطبہ پڑھتا ہے جس میں خدا تعالیٰ کی توحید و تقدیس اور گناہوں سے معافی اور اس کی حمد و ثنا اور احکام حج کا بیان ہوتا ہے۔ دن

غروب ہوتے ہی یہاں سے تمام خلق خدا چل پڑتی ہے اور مغرب وعشا کی نماز لوٹ کر مزدلفہ میں پڑھتے ہیں اور پھر صبح کو یہاں سے اٹھ کر منیٰ میں آ کر قربانی کرتے ہیں۔شیعہ دسویں کو بھی عرفات میں رہتے ہیں۔

آگے چل کر ہم اسرار واحکام بیان کریں گے۔اب ان آیات کی تفسیر کرتے ہیں کہ جن میں حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کا تعمیر کعبہ کرنا مذکور ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ:...... اور جب کہ ابراہیم نے کہا: اے رب! اس کو امن کا شہر کر دے اور یہاں کے باشندوں کو میووں کی روزی دینا (اور) اس کو کہ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لائے۔(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ جو کافر ہوگا، اس کو بھی میں کسی قدر فائدہ مند کروں گا، پھر اس کو کھینچ کر آگ کے عذاب میں ڈالوں گا اور وہ بہت بری جگہ ہے﴿۱۲۶﴾۔

ترکیب:......وعطف جملہ بر کلام سابق، قال فعل، ابراهیم فاعل، رب اجعل... الخ جملہ مقولہ، اجعل بمعنی صیر۔ هذا مفعول اوّل، بلدا مفعول ثانی موصوف، امنا صفت جملہ معطوف علیہ، وارزق معطوف براجعل، انت اس کا فاعل، اهله مفعول، من الثمرات متعلق ہے ارزق سے، من... الخ جملہ سے بدل بعض ہے۔من موصول، امن منهم بالله واليوم الاخر جملہ اس کا صلہ، قال فعل، الله کا فاعل، ومن كفر... الخ جملہ اس کا مقولہ، من بمعنی الذی کفر اے یکفر اس کا یہ صلہ محلاً منصوب ہے، تقدیرہ، قال وارزق من کفر۔پس ارزق فعل محذوف ہے۔اس پر فامتعه دلالت کرتا ہے۔

## کفار سے بھی رزق کا وعدہ

تفسیر:......خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ خیر وبرکات اور یہ امن وعافیت چونکہ کافروں کو بھی حاصل ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے، جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بنائے کعبہ سے فارغ ہوئے تو ہم سے دعا کی کہ الٰہی! تو نے کعبہ کو مثابہ اور امن بنایا ہے تو اس جگہ ایک شہر دارالامن بھی بنا (تاکہ آنے والوں کے لئے ہر قسم کا آرام رہے اور یہ لوگ ہمیشہ اس گھر کی خبر گیری کیا کریں) اور یہاں کے رہنے والوں کو جو کہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں، میوے بھی کھلانا۔کیونکہ یہ خشک پہاڑ ہے، اگر ایسا نہ ہوگا تو یہاں قیام مشکل ہوگا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اول عہدۂ امامت کے بارے میں اپنی ذرّیت کے لئے دعا کی تھی۔بلالحاظ مؤمن وکافر۔اس پر خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ کافر اس کے مستحق نہیں۔یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خیال سے رزق وروزی کے بارے میں سرے سے ایمانداروں کو دعا میں مخصوص کیا۔مگر امامت جو اعلیٰ کرامت ہے۔اس میں اور روزی میں فرق ہے۔اہل بیت کا ہر شخص سزاوار نہیں، بخلاف رزق وروزی کے کہ وہ سب نیک وبد کو ملتی ہے، اسی لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ چند روز کافروں کو بھی دنیا میں سے بہرہ مند کروں گا، یعنی تا حیات دنیا۔پھر اس کے بعد تو وہ کھینچ کر عذاب جہنم میں ڈالے جائیں گے کہ جو نہایت بری جگہ ہے۔

فائدہ: خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول کرلی کہ شہر کو دارالامن بھی کر دیا۔ ہمیشہ یہاں کا ہر کوئی ادب کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہے۔ جس طرح بیت المقدس پر بادشاہوں کے ہاتھ سے مصائب پیش آئے، یہاں نہیں آئے۔ حرب صلیب اور چنگیز خانیوں کے جہاں سوز حملوں میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مخالفوں کے ہاتھوں سے محفوظ و مامون رہا۔ اور ان شاء اللہ ہمیشہ رہے گا اور ثمرات کی یہ تدبیر کی کہ طائف میں جو مکہ سے قریب ہے، وہ وہ میوے اور ترکاریاں پیدا کیں، جو اور جگہ کم ملتی ہیں۔ اس ذکر سے قریش مکہ کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے فائدہ اٹھا رہے ہو اور اس مسجد کے طفیل عزت پا رہے ہو، اس پر مذہب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مخالفت اور اس مسجد میں آنے والے پر یہ تشدد۔ مگر یہ راحت و برکت چند روزہ ہے۔ دائمی برکت تو خاص ایمان داروں کا حصہ ہے۔ اولاد ابراہیم علیہ السلام ہونے کا پھل تمہارے لیے یہی چند روزہ فائدہ ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵

ترجمہ:...... اور (یاد کرو) جبکہ ابراہیم کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیل بھی (اور وہ یہ کہتے جاتے تھے) اے رب! ہم سے (یہ خدمت) قبول کر۔ بے شک تو ہی سنتا جانتا ہے ﴿۱۲۷﴾۔ اے ہمارے رب! اور ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار رکھنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا فرمانبردار رکھنا اور ہم کو عبادت کرنے کے دستور بتا اور ہم پر مہربانی رکھ، تو ہی معاف کرنے والا، مہربان ہے ﴿۱۲۸﴾۔ اے ہمارے رب! اور ان کے لئے انہیں میں سے ایک رسول بھی مبعوث کرنا کہ ان کو تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور پاک بنائے۔ تو ہی زبردست، حکمت والا ہے ﴿۱۲۹﴾۔

ترکیب:...... یرفع، فعل، ابراھیم فاعل، القواعد، جمع قاعدۃ بمعنی مفعول من البیت کائنۃ کے متعلق ہو کر حال ہے قواعد سے۔ واسماعیل، معطوف ہے ابراھیم پر، یہ دونوں ذی الحال اور یقولان محذوف فعل با فاعل ربنا تقبل من... الخ اس کا مفعول، یرفع اپنے فاعلوں اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اجعلنا میں نا مفعول اول، مسلمین مفعول ثانی، لک متعلق مسلمین سے۔ و حرف عطف، ذریتنا مفعول اول، امۃ موصوف، مسلمۃ صفت لک، متعلق مسلمۃ سے، یہ سب مفعول ثانی۔ یتلو اور یعلمھم اور یزکیھم سب رسولاً کی صفت واقع ہوئے ہیں۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کے خلوص و دعا کا تذکرہ اور آنحضرت علیہ السلام کے نبی ہونے کی طرف اشارہ

تفسیر:......اس جگہ خدائے تعالیٰ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے خلوص اور ان کی دعا کا ذکر کرتا ہے کہ جس میں حج کے احکام کی طرف اور نبی آخر الزمان ﷺ کی نبوت کی طرف مجملاً اشارہ ہے۔ فرماتا ہے کہ اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی دیواریں چنتے جاتے اور نہایت عجز و انکسار سے دعا کرتے جاتے تھے۔ کہ الٰہی! ہماری اس سعی کو قبول کرنا کیونکہ جو کچھ ہم زبان سے دعا کرتے ہیں، تو خوب سنتا ہے اور دل کے حال سے بھی خوب واقف ہے۔ اے پروردگار! ہم کو ہمیشہ اپنی فرمانبرداری میں رکھنا۔ کبھی کوئی کام تیری مرضی کے خلاف ہم سے سرزد نہ ہو اور ہمارے بعد بھی ہماری اولاد میں سے اپنے فرمانبردار لوگ پیدا کرنا تاکہ تیری غلامی ہم میں ہمیشہ پائی جائے اور اس گھر کی خدمتگاری میری نسل میں رہے۔ اور ہم کو ہمارے لئے جو کچھ آپ نے عبادت اور حج کے دستور قائم کئے ہیں، وہ بھی تعلیم کردے کہ اس کے مطابق ہم کریں اور جو کچھ بمقتضائے بشریت ہم سے اس میں فروگذاشت ہو جائے تو معاف کردینا اور ہمیشہ مہربانی رکھنا۔ کس لئے کہ تو ہی بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے اور اے پروردگار! ہماری نسل میں سے ایک ایسا رسول مبعوث کرنا جو لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنایا کرے اور اس پر بس نہ کرے بلکہ اس سلسلہ کے جاری رکھنے کے لئے لوگوں تیری کتاب تعلیم بھی کرے اور تعلیم کے بعد حکمت یعنی اسرار شریعت اور رموز احکام بھی بتلادے تاکہ لوگوں کو پر جبر معلوم نہ ہو اور وہ اپنے فیض نبوت اور انوار معرفت سے لوگوں کو آراستہ بھی کرے کہ پھر وہ باطنی برکتوں کے لئے نبی کا نمونہ اور ہدایت کا سرچشمہ رہیں کیونکہ اس کی مصلحت اور فوائد کو تو ہی جانتا ہے اور ہر چیز پر تو ہی قادر بھی ہے۔

# فوائد، مناسک حج کی وضاحت

(۱) مناسک، منسک کی جمع ہے اور منسک بفتح سین بمعنی فعل اور بکسر سین بمعنی موضع کے ہے۔ نسک کے معنی عبادت کرنا اور اسی لئے عابد کو ناسک کہتے ہیں۔ پھر خدا تعالیٰ کے نام پر قربانی کرنے کو بھی عبادت ہونے کی وجہ سے نسک کہنے لگے۔ اور ذبیحہ کون سی کہ اور اسی وجہ سے افعال حج کو مناسک کہتے ہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ فرماتے ہیں۔ خذوا عنی مناسککم لعلی لا القاکم بعد عامی هذا اور اس لئے جہاں اور جن مقامات میں افعال حج ادا کئے جاتے ہیں، ان کو مناسک بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ۔ اس جگہ بعض مفسرین مناسب سے شرائع حج مراد رکھتے ہیں اور بعض عموماً عبادت مراد رکھتے ہیں، والعلم عند اللہ۔

(۲) اس آیت میں خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا کو یاد دلایا تا کہ یہ بات معلوم ہو

(۱) یہ کہ کعبہ کی تعمیر کوئی معمولی کام یا کردنیا نہ تھا بلکہ نہایت دینی کام تھا جس کے بعد وہ اپنی سعی کے مقبول ہونے کی دعا کرتے تھے۔

(۲) یہ کہ وہ خود اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے خدا تعالیٰ کا فرمانبردار اور اس گھر کا خدمت گزار ہونا اور شرائع حج و اسلام کا برپا اور قائم رکھنا دل سے چاہتے اور وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ، وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا کہہ کے دعا کرتے تھے۔

(۳) ان کی دلی آرزو اور خدا تعالیٰ سے بڑی دعا یہ تھی کہ وہ ان کی نسل میں سے ایک رسول نہایت اولوالعزم پیدا کرے، جس کا مصداق سوائے محمد ﷺ کے اور کوئی نہیں۔ کس لئے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی نسل میں سے اور کوئی ایسا شخص نہیں ہوا ہے کہ جو تعلیم کتاب اور حکمت کرتا اور تزکیہ کرتا ہو اور آیات الٰہی پڑھ کر سناتا ہو۔ توراۃ میں جو اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں برکت کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور فاران سے خدا تعالیٰ کا جلوہ گر ہونا فرمایا ہے۔ اس کا مصداق بجز ذات بابرکات کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ سے پیشتر کیسی بت پرستی اور ظلم و جہل کی تاریکیاں عرب پر عموماً محیط تھیں اور نسل اسماعیل علیہ السلام میں مکہ یا اس کے اطراف میں ایسا کوئی نہیں گزرا کہ جس کی بدولت لوگوں نے علم و حکمت و تزکیہ حاصل کیا ہو۔ اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

**انی عند الله فی ام الکتاب لخاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینه و ساخبرکم عن بدء امری انا دعوة ابراهیم وهو یرفع القواعد من البیت ربنا وابعث فیهم رسولا منهم وبشری عیسیٰ ورؤیا امی التی رات حین وضعتنی رأت انه یخرج**

منہانور اضاءت لہ قصور الشام ببصری، (رواہ احمد والبیہقی عن کثیر من الصحابۃ)۔

ترجمہ: کہ میں علم الٰہی میں اس وقت خاتم النبیین تھا کہ جب آدم علیہ السلام کی سرشت بھی نہ ہوئی تھی اور میں تم کو اپنی ابتداء حالت سے مطلع کرتا ہوں، وہ یہ کہ میرے لئے ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ جب وہ کعبہ چن رہے تھے اور میرے لئے عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور میرے حق میں میری والدہ ماجدہ نے بوقت ولادت یہ دیکھا تھا کہ ان سے ایک ایسا نور پھیلتا ہے کہ جس سے شام کے محل روشن ہوگئے۔ پس جو شخص کعبہ اور حج اور اس کے شرائع کا انکار کرتا ہے اور وہ جو خاتم النبیین کو نہیں مانتا، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے برگشتہ ہے گو ان کی نسل میں سے ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں یہود و عرب بلکہ عیسائیوں پر ایک لطیف انداز ہ سے تعریض ہے۔

**رسول کے تین اوصاف:**۔۔۔۔۔(۳) جس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین دعائیں کعبہ کے بناتے وقت کی تھیں رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ... الخ۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ... الخ۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا ۔ اسی طرح تیسری دعا میں رسول کے لئے تین اوصاف کی بھی استدعا کی ۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۚ اور اس کا سر یہ ہے کہ رسول کی امت میں مختلف استعداد کے لوگ ہوتے ہیں جن کے چار مرتبے ہیں (۱) عام لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ کی آیات اور اس کا کلام مقدس پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ اس لئے يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ کہا۔ (۲) مرتبہ خاص لوگوں کا ہے کہ ان کو وہ کتاب سکھائی جاتی ہے۔ یہ عام علماء کا مرتبہ ہے۔ (۳) اور بعض کو حکمت یعنی شریعت کے اسرار بتائے جاتے ہیں۔ یہ مرتبہ علماء مجتہدین کا ہے۔ ان دونوں گروہوں کے لئے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ فرمایا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ نبی کی امت میں یہ دو گروہ نہ ہوں تو اس کی ہدایت کا سلسلہ بعد اس کے منقطع ہوجائے اور چونکہ جس رسول کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں، وہ خاتم النبیین ہے۔ اس کے بعد اور نبی کے آنے کی حاجت نہیں، اور اسی لئے اس کے علوم کے وارث علماء اور ائمہ مجتہدین ہونے چاہئیں کہ آپ کے بعد اس سلسلہ ہدایت کو قائم رکھیں اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔

**فائدہ:** یہاں سے معلوم ہوا کہ ظاہر الفاظ قرآن کے معانی کے علاوہ اور بھی کچھ اسرار قرآن میں ہیں کہ جو خاص لوگوں کا حصہ ہیں اور یہ امر بدیہی ہے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے اس دین کے حاصل کرنے میں مختلف حالات ہیں الخ (رواہ البخاری)۔ پس وہ جو بعض جہلاء صرف ظاہری مطلب پر انحصار کر کے ان لوگوں کی فضیلت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کے سمجھنے کے لئے کیا چاہئے الخ وہ بے خبر ہیں۔

(۴) مرتبہ اخص الخواص لوگوں کا ہے کہ جن کا جوہر روح آئینہ کی طرح برکت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پاک اور صاف ہے اور اس میں پورا پورا انوار نبوت کا انعکاس ہوتا ہے، جس طرح کہ آئینہ میں ہو بہو باہر کی چیز دکھائی دیتی ہے۔ یہ لوگ نبی کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ ان کو اولیاء اللہ کہتے ہیں، سو ان کے لئے وَيُزَكِّيْهِمْ کہا۔ اس مرتبہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم تو اکثر تھے، شام کے یہود و نصاریٰ نے سینکڑوں کرامات ان لوگوں کی مشاہدہ کی ہیں۔ اگر میں ایک ایک صحابی رضی اللہ عنہ اور تابعین رحمہم اللہ کا حال لکھوں تو کتاب دراز ہوجائے۔ شواہد النبوۃ اور حلیۃ الاولیاء وغیرہما کتب محققین عیسائیوں کی کتاب اعمال حوارین سے بدرجہا فوقیت رکھتے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ وہ اس کو انجیل مسیح کہہ کر لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے ہیں۔ ہم ان کو قرآن نہیں کہتے مگر بعد میں بھی بہت سے پائے گئے اور پائے جائیں گے۔ پس جو شخص کعبہ اور اس کے حج و شرائع اور خاتم النبیین کا منکر ہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منکر اور ان کے دین سے برگشتہ ہے۔ اس لئے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي

الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۙ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَا إِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ؕ

ترجمہ:......اور کون ملت ابراہیم سے منہ پھیر سکتا ہے، مگر وہ کہ جو احمق بن گیا ہو اور ہم نے تو ان کو دنیا میں بھی بزرگی دی تھی اور (وہ) آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہوں گے ﴿۱۳۰﴾۔ جب ان کو ان کے رب نے کہا کہ فرمانبردار ہو جاؤ (تو ابراہیم نے) عرض کیا کہ میں تمام جہان کے پروردگار کے آگے سر نیاز خم کر چکا ﴿۱۳۱﴾ اور اسی کی ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اے لڑکو! یہ دین پسند کیا ہے، پھر تم مرو تو مسلمان ہی ہو کر مرنا ﴿۱۳۲﴾۔

ترکیب:......ومن استفہام انکاری مبتدا، یرغب عن ملۃ ابراھیم جملہ اس کی خبر۔ الامن میں من محلا منصوب ہے بجہت استثناء کے اور ممکن ہے کہ مرفوع ہو ضمیر یرغب سے بدل ہو کر پس یہ موصولہ ہے اور سفہ فعل ضمیر ھو مستتر اس کا فاعل نفسہ مفعول، یہ جملہ صلہ فی الاخرۃ متعلق ہے صالحین سے۔ اذ ظرف ہے اصطفینا کا اور اس کی علت ہے یا منصوب ہے باضمار اذکر۔ وصٰی فعل، بھا ای بالملۃ ابراھیم فاعل، بنیہ مفعول، ویعقوب معطوف ہے ابراھیم پر ای واوصی یعقوب بنیہ یابنی... الخ یہ جملہ بیان ہے اس وصیت کا وانتم مسلمون حال ہے فلاتموتن سے، والتقدیر لاتفارقوا الاسلام حتی تموتوا وانتم مسلمون۔

## ملتِ ابراہیمیہ کا انکار

تفسیر:......یعنی جو امور مذکورہ بالا کا انکار کرتے ہو تو درحقیقت ملت ابراہیمیہ کا انکار کرتے ہو۔ (اس لئے کہ یہ امور جو اسلام کے اصول قرار دیئے گئے ہیں، ملت ابراہیمیہ کی اصل ہیں) اور ملت ابراہیم کا بجز اس شخص کے کہ جو از خود نادان اور احمق ہو جائے، اور کون انکار کر سکتا ہے۔ کس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام وہ شخص ہیں کہ جن کو خدا تعالیٰ نے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا ہے، سب موحدین ان کو پیشوا جانتے ہیں اور ہر جگہ ذکر خیر ان کا جاری ہے۔ اور آخرت میں بھی خدائے تعالیٰ کے پاس ان کے لئے مراتب ہیں اور ان کی یہ بزرگی اس لئے ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے ان سے یہ فرمایا کہ ہمارے حکم بردار ہو جاؤ، تو انہوں نے فوراً عرض کیا کہ میں اپنے جان و دل سے تابعدار ہوں۔ پھر اے یہود اور اے عرب اور اے نصاریٰ! تم کیوں ملت ابراہیمیہ سے انکار کرتے ہو؟ حالانکہ خود ابراہیم علیہ السلام نے، پھر ان کے بعد یعقوب علیہ السلام نے بھی بوقت وفات اپنی اولاد کو یہ وصیت کی تھی کہ ہمیشہ اس دین پر قائم رہنا، ایسا نہ ہو کہ اس کے برخلاف ہو کر مرو۔

لفظ رغب اور سفہ کی تحقیق:......(۱) رغب: کے بعد جب لفظ عن آتا ہے تو اس کے معنی نفرت اور کراہت کے ہو جاتے ہیں اور جب اس کے بعد فی یا الی آتا ہے تو اس کے معنی رغبت کے ہوتے ہیں۔

(۲) سفہ: کہ جس کو سفاہت بھی کہتے ہیں، لغت میں ہلکا پن اور خفت کا نام ہے۔ چونکہ احمق خفیف الحرکات ہوتا ہے اس لئے اس کو سفیہ کہتے ہیں۔ یہ لفظ لازمی اور متعدی دونوں طرح سے مستعمل ہوتا ہے۔ اور از خود بے وقوف ہونے سے یہ مراد ہے کہ سب باتیں جان کر پھر غور نہ کرے۔ اور عقل سلیم کے برخلاف عمل میں لائے۔ عقل سلیم حکم کرتی ہے کہ ضرور اس گونا گوں عالم کا کوئی خالق و مالک ہے اور اسی لئے جہاں بھر کے شائستہ اور غیر شائستہ انسان خدا تعالیٰ کے وجود کو بغیر آنکھ کے دیکھے تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی عقل کا فتویٰ ہے کہ

خدا تعالیٰ نے جس طرح انسان کو امور دنیا میں سب حیوانات سے اشرف پیدا کیا اور اسی کے تمام مہمات دنیویہ کا سرانجام فرمایا، اسی طرح اس نے ان کے لئے آخرت کے رہنما بھی بھیجے ہیں کہ جنہوں نے دنیا کے وہ عقائد اور وہ اعمال جو اس کے مرنے کے بعد نفع دیتے ہیں یا ضرر پہنچاتے ہیں، بیان کر دیئے اور اس کے لئے ایک دستور العمل دے گئے جس کو ملت کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب عقل چاروں طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتی ہے کہ وہ کون کون سے لوگ ہیں کہ جن کو معرفت خدا تعالیٰ نے اس مہم کا اہتمام کیا ہے تو ان سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نظر پڑتی ہے، کس لئے کہ باستثناء چند اقوام غیر مہذب، تمام روئے زمین کے خدا پرست ان کو دینی بزرگ بلکہ تمام دینی بزرگوں اور مقدسوں کا جد امجد جانتے ہیں۔ (وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ کا یہ محصل ہے) اور ان کو عالم آخرت میں ہر طرح سے فائز المرام بھی مانتے ہیں۔ (وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ کا یہی مطلب ہے) پس جو شخص باوجود علم ان امور کے پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے سے روگردانی کرتا ہے تو از خود احمق بنتا ہے اور یہ بات پیشتر بیان ہو چکی ہے کہ اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کی اور ملت ابراہیم کے مہتمم ہونے کی خود ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے دعا کی تھی کہ جس کے ظہور کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی توراۃ میں خبر دی ہے۔ پھر جو ان کا انکار کرتا ہے وہ ملت ابراہیمیہ کا منکر ہے۔

**اسمائے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی اولاد:.....** (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے اسماعیل علیہ السلام، ان سے چھوٹے اسحٰق علیہ السلام، یہ نبی ہیں اور قتورہ کنعانیہ کے پیٹ سے زمران، یقسان، مدان، مدیان، اسباق، سوخ پیدا ہوئے۔ مدیان کی اولاد میں سے حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور یقسان سے صبا اور ددان پیدا ہوئے تھے۔ اسماعیل علیہ السلام مکہ میں اور اسحٰق علیہ السلام شام میں رہے اور دوسرے بیٹے دیگر اطراف و جوانب میں آباد ہوئے۔ پھر اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے بڑے سے چھوٹے قیدار تھے کہ جن کی نسل سے جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اسحٰق علیہ السلام کے بڑے بیٹے عیص اور جو ان کے عقب میں پیدا ہوئے، یعقوب علیہ السلام ہیں۔ ان کو اسرائیل بھی کہتے ہیں۔ یہ تمام انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل کے جد امجد ہیں۔ ان کے بارہ بیٹے تھے۔ لیاہ کے پیٹ سے روبن، شمعون، لاوی، یہودا پیدا ہوئے۔ اس کے بعد اشکار اور زبلون پیدا ہوئے۔ پھر بلہ، راحیل کی لونڈی سے دان، نفتالی پیدا ہوئے۔ پھر لیاہ کی لونڈی زلفہ سے جد، آشر پیدا ہوئے۔ پھر خود راحیل کے پیٹ سے جو لیاہ کی چھوٹی بہن تھی، یوسف اور بنیامین پیدا ہوئے۔

خاتمۂ کلام میں خدا تعالیٰ عرب اور تمام اہل کتاب کو فرماتا ہے کہ اگر تم ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کو مانتے ہو تو انہوں نے مرنے کے قریب بڑی تاکید سے اس ملت پر قائم رہنے کی اپنی اولاد کو وصیت کی تھی، اب تم ان کی وصیت سے کیوں اعراض کرتے ہو؟

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ:.....(اے بنی اسرائیل!) کیا تم اس وقت موجود تھے کہ جب یعقوب علیہ السلام کا وقت آخر آیا۔ جب کہ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کا خدا ہے اور آپ کے بزرگوں ابراہیم و اسماعیل

اور اسحٰق کا خدائے واحد ہے اور ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں۔ یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی۔ وہ جو کچھ کر گئے تو اپنے لئے اور تم نے جو کچھ کیا تو اپنے لئے اور ان کے عمل کی تم سے کچھ پرسش نہ ہوگی۔

ترکیب: ...... ام منقطعہ اے بل اکنتم علی جھة التوبیخ۔ شھداء خبر کان، اذ ظرف شھداء کا، حضر فعل، یعقوب مفعول، الموت فاعل وقریٰ بالعکس اذ بدل ہے اذ سابق سے قال فعل ضمیر ھو راجع یعقوب کی طرف فاعل لبنیه متعلق قال سے ما معنی من استفہامیہ معمول تعبدون۔ قالوا کا فاعل بنین۔ الھک واله أبائک مفعول۔ ابراھیم ... الخ بدل أباء سے الھا واحدا صفت وموصوف بدل ہے الا اول سے اور ممکن ہے کہ حال موطئہ ہو کقولک رأیت زیدًا رجلاً صالحًا، یہ سب جملہ ہوا اذ قال لبنیه کا۔ یہ اذ اپنے جواب سے مل کر بدل ہوا اذ اوّل کا اور پھر تمام جملہ استفہامیہ توبیخی ہوا۔ ونحن له مسلمون جملہ حال ہے فاعل نعبد سے یا معطوف ہے نعبد پر۔ تلک مبتدا، امة موصوف، قد خلت صفت لھا ما کسبت صفت ثانیہ مجموعہ خبر ولا تسئلون ... الخ جملہ مستأنفہ۔

## ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار اور جوابدہ ہے

تفسیر: ...... پہلی آیت میں ذکر تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اس ملت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ اس پر یہود نے کہا کہ ہرگز یعقوب علیہ السلام نے یہ وصیت نہ کی تھی بلکہ یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ اس پر خدا تعالیٰ ان سے بطور توبیخ کے پوچھتا ہے کہ تم یہ جھوٹا دعویٰ کرتے ہو۔ کیا وصیت کے وقت، کہ موت کا قریب زمانہ ہوتا ہے۔ تم حاضر تھے جب کہ یعقوب علیہ السلام نے مصر میں جا کر لوگوں کو بت اور ستارے اور بیل اور بلی وغیرہ اشیاء کو پوجتے دیکھا اور اس کا خوف پیدا ہوا کہ مبادا میرے بعد یہ بھی کہیں ان کی صحبت میں بت پرست نہ ہو جائیں۔ تو سب اولاد کو بلا کر پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ آپ کے خدا تعالیٰ کی جو آپ کے باپ دادا ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق کا خدا واحد ہے اور ہم تو ہمیشہ سے اسی کے فرمانبردار ہیں اور رہیں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ تم اس وقت موجود نہ تھے، پھر کس لئے انکار کرتے ہو؟ اور اس بات پر ناحق مغرور ہو کہ ہم ان بزرگوں کی اولاد ہیں۔ ہم پورے پورے ان کے متبع ہیں، ہمارے اعمال سے باز پرس ہوگی تو ہم ان کے اعمال کو پیش کر دیں گے۔ اس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے: تم کو ان سے کیا علاقہ، وہ پاکباز لوگ تھے، گزر گئے۔ ان کے اعمال نے ان کو نفع ہوگا اور تم کو اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی پڑے گی۔ ان کے اعمال کے تم جوابدہ نہ ہوگے۔

## حضرت یعقوب علیہ السلام کے حوالے سے اعتراض اور اس کا جواب

فوائد: ...... ۱) ...... اس مقام پر بعض ناسمجھ ایک سوال کرتے ہیں، وہ یہ کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا وقت موت آیا تو اس وقت وہ ملک کنعان میں تھے۔ کیونکہ مرنے سے پیشتر ان کو حکم ہوا تھا کہ اس ناپاک جگہ سے چل دے اور تیری وفات کا وقت قریب آ گیا ہے۔ تو اپنے باپ دادا کے ملک میں جا اور ان میں جا کر مل جانا۔ چنانچہ وہ تمام اولاد سے رخصت ہو کر ملک کنعان میں آئے اور وہیں جاں بحق ہو گئے۔ پس وہاں اولاد کہاں تھی کہ جو ان سے وصیت کرتے، وہ تو ملک مصر میں تھی۔ اس کا جواب بہت آسان ہے، وہ یہ کہ جب فرشتے نے مصر میں ان کو پیام موت دیا تھا، جب ہی موت کے حاضر ہونے کا زمانہ سمجھا گیا۔ سو اس وقت ان کی تمام اولاد موجود تھی، ان سے وصیت کی اور ممکن ہے کہ کچھ لوگ ان کے ساتھ بھی آئے ہوں۔

۲) جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو ان کو مناسب تھا کہ یوں کہتے: اللہ تعالیٰ کی یا جس نے آسمان و زمین پیدا کیا ہے، اس کی۔ یہ کیوں کہا کہ تیرے خدا اور تیرے بزرگوں ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق کے خدا کی عبادت

کریں گے۔ اس میں یہ نکتہ ہے (۱) کہ وہاں کے لوگ عناصر اور ستاروں کو خالق مانتے اور ان کو الٰہ کہتے تھے۔ اگر یہ بھی الٰہ یا آسمان وزمین پیدا کرنے والا کہتے تو صاف معلوم نہ ہوتا کہ ان کی اس سے کون شخص مراد ہے، جب کہا تیرا اور تیرے باپ دادوں کا خدا تو وہ احتمال جاتا رہا۔

ثبوتِ تقلید: ...... ۳) ...... اس سے دینی بزرگوں کی پیروی اور ان کی تقلید کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہم بے چوں وچرا ان بزرگوں کے طریقہ پر چلیں گے۔ بلاشک ازخود ٹکریں مارنے سے کسی کامل اور رسیدہ کا دامن پکڑ لینا اور اس کی تقلید کرنا باعث امن ہے۔ اسی طرح جزئیات مسائل میں ائمہ مجتہدین کی پیروی اور تقلید کرنا خود شترے بے مہار ہونے سے بہتر ہے۔ تقلید مشرکین وجاہلین پر (کہ جس کی مذمت قرآن وحدیث میں ہے) اس تقلید کو محمول کرنا سخت ناانصافی ہے۔

۴) ...... حضرت اسماعیل علیہ السلام گو حضرت یعقوب علیہ السلام کے باپ نہ تھے مگر چونکہ حقیقی چچا تھے اور اس کو عرب میں باپ کہتے ہیں، اس لئے آباء میں ان کا بھی ذکر کیا۔ یا یوں کہو کہ اٰباء کے معنی حقیقی باپ مراد نہیں بلکہ بزرگ سو اس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام بدرجہ اولیٰ ہیں۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ
اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: ...... اور وہ کہتے ہیں کہ یہودی یا نصاری ہو جاؤ تب راہ پاؤ گے۔ کہہ دو نہیں، بلکہ ہم ملت ابراہیم کے پابند ہیں جو خالص اللہ تعالیٰ کے ہو رہے تھے۔ اور وہ مشرک نہ تھے ﴿۱۳۵﴾ کہہ دو: ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا (قرآن) اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل ہوا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو کچھ نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا، سب پر ایمان لائے۔ ہم ان میں سے کسی میں بھی کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں ﴿۱۳۶﴾۔

---

ترکیب: ...... قالوا فعل ضمیر ھو راجع یہود ونصاری کی طرف فاعل کونوا فعل انتم فاعل ھودا اور نصارٰی خبر جملہ مفعول قالوا ای قال الیھود کونوا ھودا وقالت النصارٰی کونوا نصاری۔ تھتدوا جواب امر ملۃ منصوب ہے بتقدیر نتبع۔ حنیفا حال ہے ابراھیم سے اور ممکن ہے کہ فاعل نتبع سے ہو۔ وما کان من المشرکین جملہ مستانفہ قالوا فعل با فاعل امنا باللہ ... الخ جملہ مفعول وما انزل معطوف ہے اللہ پر وقس علیہ احد چونکہ چیز نفی میں ہے اس لئے جمع کے معنی دیتا ہے اس لئے لفظ بین کی اضافت احد کی طرف درست ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ احد بمعنی فریق ہے اور بین ہمیشہ غیر واحد کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

تفسیر: ...... پہلے انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہدایت چھوڑ کر یہود ونصاری نے نیا مذہب بنا رکھا تھا۔ اس پر ان کو بڑا ناز تھا۔ اسی کو نجات کا راستہ جان کر یہودی کہتے تھے: قدیم مذہب ہمارا ہے، بغیر اس کے ہدایت ممکن نہیں۔ اسی طرح عیسائی کہتے تھے: نجات ہمارے مذہب کے بغیر ممکن نہیں۔ خدا تعالیٰ ان کے جواب میں تعلیم فرماتا ہے کہ ان بزرگوں میں سب کے پیشرو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہ

دو کہ ہم خالص ملت ابراہیم علیہ السلام پر ہیں اور وہ مشرک نہ تھے۔ تمہارے مذہب میں شرک کی آلائش ہے اور اس بزرگ کا طریقہ اسلام تھا۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ان کا شیوہ تھا۔ اس سے قطع نظر صحیح اور ٹھیک راستہ ہدایت کا یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ پر اور بلا تفریق سب انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے۔ یہی اسلام ہے جس میں بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل کی کوئی بھی تفریق نہیں۔ برخلاف ملت یہود و نصاریٰ و دیگر مذاہب کے کہ وہ اور انبیاء علیہم السلام کو نہیں مانتے، پھر بتاؤ کہ قدیم اور حق مذہب اسلام ہے یا کہ تمہارے مذاہب جن پر نجات و ہدایت کا تم انحصار کرتے ہو اور لوگوں کو ان پر چلنے کا حکم دیتے ہو۔

**متعلقات۔ حنیف اور اسباط کی تحقیق:**...... حنیفا۔ حنیف بمعنی مستقیم۔ جس طرح تفاؤلاً اندھے کو بصیر اور سانپ اور بچھو کے ڈسے کو سلیم کہتے ہیں، اسی طرح لنگڑے کو بھی حنیف کہتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مستقیم ہو، ادھر ادھر نہ بھٹکے، وہ حنیف ہے۔ بعض کہتے ہیں: حنیف لغت میں میلان کرنے والے کو کہتے ہیں اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جمیع ادیان سے خدا تعالیٰ کی طرف میلان کیا تھا، اس لئے ان کا لقب حنیف ہوا اور اسی لئے موحد کا یہ لقب ہے (تفسیر کبیر)۔

**الاسباط:**...... سبط کی جمع ہے۔ لغت میں سبط شاخ دار درخت کو کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے اس کا اطلاق خاندان اور قبیلہ پر ہوا (سبط پوتے اور اس کی اولاد کو کہتے ہیں اور چونکہ امام حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ قبیلہ سادات حسنی اور حسینی کا سرمنشاء ہیں، اس لئے ان کو سبط رسول کہتے ہیں (کبیر) جس طرح عرب میں لفظ قبیلہ کا استعمال تھا، اسی طرح بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو اسباط کہتے ہیں۔ سبط فلان سبط فلان۔ اس جگہ مراد وہ انبیاء علیہم السلام ہیں کہ جو ان بارہ قبیلوں میں گزرے ہیں جیسا کہ عزیر و شیاہ و یرمیاہ اور صموئیل علیہم السلام۔

**ہر دین میں تین باتیں ہوا کرتی ہیں:**...... واضح ہو کہ ہر دین میں تین باتیں ہوتی ہیں۔ اول اصول عقائد، جیسا کہ خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جاننا اور اس کی تمام صفات کمالیہ پر ایمان لانا، اس کے انبیاء علیہم السلام کو برحق سمجھنا، قیامت کا اعتقاد کرنا وغیرہ۔

دوم قواعد کلیہ شریعت کہ جن کی طرف جزئیات احکام اور فروع مسائل رجوع کرتے ہیں اور ہر حکم میں ان کلیات کا ضرور لحاظ ہوتا ہے، گویا کہ وہ کلیات مقصود اصلی ہوتے ہیں اور یہ فروعیات اس کے محافظ ہیں، مثلاً نماز اور زکوٰۃ ایک حکم اصلی ہے، کیونکہ یہ بدنی اور مالی عبادت ہے، مگر نماز کی یہ صورت ہے کہ پہلے اس طرح سے وضو کرے اور اتنی رکعت نماز پڑھے اور ان میں یہ اذکار ہوں۔ یہ سب باتیں اس حکم اصلی کی محافظ ہیں، اس پر اور سب باتوں کو قیاس کر لیجئے۔ اگرچہ شارع کا حکم دونوں کے بجالانے کا برابر ہے، مگر اصل شریعت انہی قواعد اصلیہ کا نام ہے اور ان کے محافظات کے تغیر کا بھی نبی کے سوا اور کسی کو اختیار نہیں۔

سوم یہ احکام جزئیہ کہ جن کو محافظ شریعت کہتے ہیں۔ اول قسم میں تمام انبیاء علیہم السلام اور کل خدا تعالیٰ کے برگزیدہ متفق ہیں بلکہ جس قدر مذاہب دنیا میں پائے جاتے ہیں، اگرچہ ان کے بانی انبیاء علیہم السلام تھے۔ لوگوں کی افراط و تفریط سے اس دین کی شکل بالکل بگڑ گئی ہو۔ مگر جب اس افراط و تفریط کے تودے کو کھود کر دیکھو گے تو بلاشک اس کے نیچے سے بھی وہ جواہرات دبے ہوئے ملیں گے۔ یہ احکام نہ کبھی منسوخ ہوتے ہیں، نہ زمانہ کی رفتار سے بدلتے ہیں۔ ان میں سے ایک پچھلا نبی پہلے انبیاء کا متبع سمجھا جائے گا۔ اسی لئے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ کہ اگلے انبیاء علیہم السلام کی ہدایت کا اقتداء کر اسی لئے فرمایا: قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ . . . الخ۔ تمام بزرگوں کا ماننا دین اسلام میں فرض ہے، یہ اس کی صداقت کی دلیل ہے۔ قسم دوم کو ملت کہتے ہیں۔ ان میں بھی تفاوت اور اختلاف بہت کم ہوتا ہے، مگر بعض امور کسی قوم اور کسی زمانے کے لائق نہیں ہوتے،

ان میں تغیر وتبدل ہوتا ہے۔ مثلاً حج کہ شریعت موسوی میں فرض نہ تھا، اس لئے کہ یہودی استعداد میں قصور تھا۔ وہ صرف اہل ظاہر تھے، اسرار باطنیہ سے بے بہرہ بالخصوص محبت وفا کے رستے سے ناواقف تھے۔ سوا خوف وطمع کے اور کچھ نہ جانتے تھے۔ اس لئے ان کے لئے اسی قسم کے احکام صادر ہوئے۔ پھر جب اہل کمال پیدا ہوئے جو ظاہر وباطن میں منور تھے اور ان کے قلوب میں محبت اور وجد وشوق کی استعداد تھی تو پھر وہی احکام کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں تھے، قائم ہوئے۔ منجملہ ان کے حج ہے۔ چونکہ ان امور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نہایت متشابہ ہیں، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا کہ ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرو۔ قسم سوم۔ ہر زمانے میں یکساں نہیں رہتی۔ ان کو ہمیشہ قائم رکھنا حکیم مطلق کی شان سے نہایت بعید ہے۔ اس قسم کو شریعت کہتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد جس قدر انبیاء بنی اسرائیل تھے، شریعت موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے۔ مگر جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اس امر میں کسی کی شریعت کے متبع نہ تھے بلکہ آپ علیہ السلام کی شریعت اس جلوہ کمال کے زمانے میں مستقل تھی، فاحفظ هذا التحقيق۔ اس کے بعد بھی جو کوئی بے سمجھ پادری یا کوئی اور مخالف اسلام نسخ شریعت پر اعتراض کرے تو استعداد فہم کا قصور ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ* مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ:.....پھر اگر وہ بھی اس طرح سے ایمان لے آئیں جس طرح کہ تم لائے ہو تو انہوں نے بھی ہدایت پائی اور اگر وہ نہ مانیں تو ضد میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر تم کو خدا تعالیٰ (ان کے شر سے بچانے میں) کافی ہے اور وہ سننے والا، جاننے والا ہے ﴿۱۳۷﴾ اللہ کے رنگ (میں رنگو) اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے؟ اور (کہو) ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں ﴿۱۳۸﴾۔

ترکیب:.....فان شرطیہ امنوا فعل بافاعل بمثل میں ب زائدہ ہے مثل صفت ہے مصدر محذوف کی ما مصدریہ ہے، تقدیرہ ان امنوا ایمانا مثل ایمانکم۔ پس یہ جملہ شرطیہ ہے اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ مثل زائد ہو، جیسا کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ میں ک زائد ہے، جس سے مراد قرآن ہے اور بہ کی ضمیر اس کی طرف پھرتی ہے، تقدیرہ ان امنوا بما امنتم بہ یعنی جس چیز پر تم ایمان لائے ہو اگر اس پر یہ لوگ بھی ایمان لائے تو راہ پالیں گے۔ فَقَدِ اهْتَدَوْا جواب شرط اور اسی طرح وان تولوا۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ منصوب ہے فعل محذوف سے ای الزموا صبغۃ اللہ۔ ومن استفہام انکاری کے لئے مبتدا احسن ممیز صبغۃ تمیز مجموعہ خبر۔

## کامیابی وہدایت اسلام میں ہے لہٰذا اللہ کے رنگ میں رنگ جاؤ

تفسیر:.....یہود ونصاریٰ کے دعوی کا الزامی اور تحقیقی جواب دے کر خدا تعالیٰ یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہدایت اسلام میں ہے جیسا کہ اوپر کی آیات میں بیان ہوا۔ پس اگر یہ لوگ مسلمانوں کی طرح ایمان لائیں گے تو ہدایت پائیں گے ورنہ ضدی ہیں۔ سو اب اے مسلمانو! ان کی ضد اور دشمنی سے امر حق کے ظاہر کرنے میں کچھ تردد نہ کرو۔ خدا تعالیٰ تم کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ وہ دانا وبینا ہے

* ایک پادری نے غلط فہمی سے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے جس سے لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ کے مثل پر ایمان لانا چاہیے حالانکہ اس کا کوئی مثل نہیں۔ یہ پادری اگر کچھ بھی صرف ونحو پڑھ لیتا تو کبھی اس قسم کا بے جا اعتراض نہ کرتا۔ ۱۲ منہ

(چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا کیا، مسلمانوں اور حضور ﷺ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ یہ پیشین گوئی صادق ہوئی)۔ عیسائیوں میں قدیم دستور ہے کہ جب کسی کو اپنے مذہب میں داخل کرتے ہیں یا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو حوض میں غوطہ دیتے ہیں۔ بعض عیسائی، جیسا کہ کلیسائے عرب، اس پانی میں کچھ زردی وغیرہ رنگ کا بھی استعمال کرتے ہیں اور بجائے غوطہ کے صرف رنگین کرنے ہی پر بس کرتے تھے۔ اس کو اصطباغ یعنی بپتسمہ کہتے ہیں۔

اس ظاہری رنگ پر ان کو بڑا اعتماد تھا اور اس کو نجات کی کنجی سمجھتے تھے۔ اس کے حق میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس ظاہری رنگ سے کیا دل رنگین ہوسکتا ہے؟ کوئی کسی حوض میں ہزار غوطے لگائے اور سر سے پاؤں تک رنگ میں رنگا جائے مگر کیا فائدہ؟ رنگ تو خدائی رنگ ہے یعنی کلمہ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ جو انسان کی روح اور دل کو رنگین کردیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے اس رنگ باطنی سے کونسا رنگ اچھا ہوسکتا ہے۔ انسان اس رنگ میں رنگین ہوکر ہمیشہ اسی کی عبادت میں مستغرق رہتا ہے۔

فائدہ: یہودیوں اور عیسائیوں کے دعوے کا براہین مسلمہ سے ابطال کر کے اس کے برخلاف دعویٰ کو (کہ نجات اور حقیقی ہدایت دین اسلام میں ہے)۔ نہایت پراثر اور عمدہ دلائل سے ثابت کردیا اور بات جتلادی کہ اسلام کے مقابلہ میں اصطباغ وغیرہ رسوم ظاہر یہ کچھ فائدہ مند نہیں۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع

ترجمہ: ...... (اے نبی! ان سے) کہو! کیا اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال اور ہم تو اس کے مخلص بھی ہیں ﴿۱۳۹﴾۔ کیا اب یہ کہوگے کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اسباط (قبائل) یہودی یا نصرانی تھے؟ ان سے پوچھو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ! اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے کہ جس کے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے شہادۃ بھی ہو اور وہ اس کو چھپائے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کام سے بے خبر نہیں ﴿۱۴۰﴾۔ یہ ایک امت تھی جو گزر گئی۔ وہ جو کچھ کر گئے ان کے لئے اور جو کچھ تم نے کیا تمہارے لئے اور تم سے ان کے اعمال کی پرسش نہ ہوگی ﴿۱۴۱﴾۔

ترکیب: ...... قل فعل بافاعل، اُ استفہام انکاری اتحاجوننا . . . الخ جملہ استفہامیہ اس کا مقولہ ام۔ معادلۃ للھمزۃ فی قولہ تعالٰی اتحاجوننا۔ یعنی ان دونوں باتوں میں سے کون سی کرتے ہو۔ ہم سے خدا میں جھگڑا کرتے ہو کہ وہ خاص ہمارا ہی خدا ہے، بغیر یہودی یا نصرانی ہونے کے نجات ممکن نہیں۔ اس پر کوئی دلیل یا برہان بھی رکھتے ہو یا محض تقلید اور افترا سے کام لیتے ہو؟ یا یہ کہو کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور اسباط یہودی یا نصرانی تھے اور ہم ان کے پیرو ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں غلط

ہیں۔ ام اللہ مبتدا و الخبر محذوف ای ام اللہ اعلم۔ ام متصلہ ہے ای ایکم اعلم استفہام انکاری ہے۔ شھادۃ موصوف عندہ ثابت کے متعلق ہو کر صفت اول من اللہ کائنۃ کے متعلق ہو کر صفت ثانی ہوئی، ای لا احد اظلم ممن فعل کذا۔

## یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ ہدایت کا مدار یہودیت و نصرانیت پر ہے، اس کا ردّ

تفسیر:......یعنی یہود جو کہتے ہیں کہ ہدایت کا مدار یہودیت پر ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مدار ہدایت عیسائیت پر ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ جنت میں یہودی ہی جائیں گے۔ نصرانی کہتے ہیں کہ ہم ہی اسی کے مستحق ہیں۔ تو اے نبی! (ﷺ) ان سے یہ کہو کہ تمہارا ہی خدا ہے کہ جس میں تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو اور اس سے اپنی جداگانہ خصوصیت جتلاتے ہو؟ حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا سب کا رب ہے اور ہر شخص اپنے اعمال کی جزا و سزا پاتا ہے۔ باوجود اس کے کہ تم اس سے ناز و تکبر سے پیش آتے ہو اور ہم سراسر اس سے عجز و نیاز اور دلی اخلاص بھی رکھتے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ تمہارے خانہ ساز ڈھکوسلوں پر (کہ جن کو نہ عقل سلیم تسلیم کرتی ہے نہ نقل) نجات اور ہدایت کا انحصار ہو اور اگر وہ اپنے دعوے کی دلیل سے عاجز ہو کر یہ کہیں کہ اس لئے یہودیت یا عیسائیت پر مدار نجات ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور اسباط بزرگان دین یہودی یا عیسائی تھے تو یہ بھی غلط ہے۔ صدہا ہزار سال کی بات وہ جانتے ہیں یا خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے حالانکہ وہ ہی خوب جانتا ہے بلکہ یہ لوگ خود بھی واقف ہیں کہ ان بزرگوں سے صدہا بلکہ ہزارہا سال بعد یہ مذہب قرار پائے ہیں۔ بھلا ان بزرگوں کے عہد میں سبت وغیرہ رسوم اور عقیدہ تجسم و تشکل الٰہی کا کہ جو مذہب یہود میں ہے کہاں تھا۔ اسی طرح الوہیت مسیح علیہ السلام اور تثلیث اور کفارہ اور عشاء ربانی اور بپتسمہ کو کہ جو مذہب عیسوی کے اصول ہیں، کون جانتا تھا اور ان بزرگوں میں سے کس کا عقیدہ ایسا تھا۔ پھر اس پر یہ لطف ہے کہ یہ لوگ اس بات کا بھی یقین رکھتے ہیں اور ان کی کتابوں اور روایتوں میں بھی ہے کہ ان بزرگوں نے نجات حاصل کی تھی اور وہ راہ ہدایت پر تھے، پھر کس طرح اس شہادت کو چھپا کر کہتے ہیں کہ مدار نجات اور انحصار ہدایت یہودیت یا نصرانیت میں ہے۔ اس پر اس شہادت کو جو یہ چھپائے، اس سے کون زیادہ ظالم ہے؟ خدا تعالیٰ ان کے تعصب و عناد اور شر و فساد سے بے خبر نہیں، ان کو سزا دے گا۔ ان بزرگوں کا نام یہ لوگ عبث لیتے ہیں وہ اچھے لوگ تھے، گزر گئے۔ ان کے لئے ان کے اعمال ہیں، ان کے لئے ان کے اعمال۔

# پارہ (۲) سَیَقُوْلُ

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ:...... بے وقوف ابھی کہنے لگیں گے کہ مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے کہ جس پر وہ تھے، کس نے پھیر دیا (سوائے نبی! ان سے) کہہ دو کہ مشرق اور مغرب (سب) اللہ ہی کا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے ﴿۱۴۲﴾۔

ترکیب: سَيَقُوْلُ فعل، السُّفَهَآءُ فاعل، من الناس اس کا بیان، ما ولٰھم مبتدا اور خبر مل کر موضع نصب میں ہے بسبب قول کے، عن جار، قبلۃ مجرور مضاف، ھم مضاف الیہ سب متعلق التی کانوا علیھا ای علی توجھھا و علی اعتقادھا جملہ صفت عن متعلق ولی کے ہے۔

## تحویلِ قبلہ پر اعتراض کے جوابات:

تفسیر:......اس سے پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے یہود اور ان کے مقلد منافقین کی ان نکتہ چینیوں کو (کہ وہ جو اسلام اور نبی ﷺ کی شان میں کرتے تھے) ذکر فرما کر جواب دیا تھا۔ منجملہ ان نکتہ چینیوں کے ایک بڑا بھاری اعتراض اسلام پر اور آنحضرت ﷺ پر تحویل قبلہ کے بارے میں کرتے تھے۔ سو خدا تعالیٰ اس کا جواب اس آیت میں دیتا ہے

جب نبی ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے اور اسی کو قبلہ بناتے تھے۔ مؤرخین کی روایات میں تفاوت ہے کہ کوئی کہتا ہے نو یا دس مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، کوئی سولہ یا سترہ مہینے تک کہتا ہے۔ واقدیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ربیع الاول کی اول تاریخوں میں مدینہ میں تشریف لائے، پھر دوسرے سال کے رجب میں پندرہویں تاریخ پیر کے روز کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ اس تقدیر پر یہ مدت تخمیناً سترہ مہینے کی ہوتی ہے۔ اور یہی ٹھیک ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جس وقت مکہ میں تھے، جب بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور کعبہ کو سامنے رکھتے تھے، جیسا کہ بیہقی نے سنن میں اور ابوداؤد نے ناسخ و منسوخ میں اور ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ: کان رسول اللہ ﷺ یصلی و ھو بمکۃ نحو بیت المقدس و الکعبۃ بین یدیہ و بعد ما تحول الی المدینۃ ستۃ عشر شھر ا ثم صرف الی الکعبۃ اور اسی لئے بعض مؤرخین کو شبہ ہوگیا کہ تحویل قبلہ دوبار واقع ہوئی، حالانکہ یہ غلط ہے۔

وجہ تعین قبلہ:......قصہ مختصر آنحضرت ﷺ نے ایک سرّ الٰہی کی وجہ سے چند مدت بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور پھر حکمت الٰہی کا مقتضی ہوا کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں اور اس کا شوق آنحضرت ﷺ کے دل میں ڈالا گیا کہ جس کے حکم کی آرزو میں بار بار آسمان کی طرف منہ کر کے دیکھا کرتے تھے۔ پس خدا تعالیٰ قبل اس کے کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دے، مخالفوں کے طعن کو بیان کر کے اس کا جواب دیتا ہے کہ عنقریب بے وقوف لوگ کہ جو نہ سرّ الٰہی سے واقف ہیں نہ خاصان خدا پر ان کا اعتقاد ہے

کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے حکم پر یہ اعتراض کریں گے کہ ان مسلمانوں کو کس چیز نے ان کے قبلہ بیت المقدس سے پھیر دیا جس کی طرف وہ مدت تک منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

یہ طعن یہود مدینہ اور منافقین اور مشرکین عرب کی طرف سے ہوا تھا۔ یہود نے تو اس بناء پر کیا کہ خدا تعالیٰ اپنے احکام کو کیوں منسوخ کرتا ہے؟ کیا اس کو پیشتر مصلحت معلوم نہ تھی، بعد میں سوجھی؟ خدا تعالیٰ ایسا نہیں کر سکتا اور نیز ان کو یہ امر ناگوار گزرا کہ باوجود اتباع سلسلہ انبیاء علیہم السلام کے یہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس کعبہ انبیاء علیہم السلام کو چھوڑ کر جاہلوں کے کعبہ کی طرف منہ کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ نبی نہیں کہ جس کی توراۃ میں موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے (آج کل کے پادری اور ان کے مقلد بھی یہود مدینہ کے پیرو بن کر اسلام پر اس لغو اعتراض کو وارد کیا کرتے ہیں) اور منافقین کے نزدیک کوئی جہت مرجح نہ تھی، وہ اس کو سرے سے لغو سمجھتے تھے اور مشرکین کہتے تھے کہ دیکھو آخر کار ہمارے کعبہ کی طرف منہ کیا۔ خدا تعالیٰ اس شبہ کا جواب دیتا ہے کہ اے نبی! ان سے کہہ دو کہ مشرق اور مغرب یعنی ہر جانب اور ہر سمت خدا تعالیٰ کے نزدیک یکساں ہے، ہر جگہ اس کا ظہور ہے مگر وہ کسی سِرّ کی وجہ سے ایک جہت کو عبادت کرنے والوں کے لئے مخصوص کر دیتا ہے اور اس سر کو ہر شخص نہیں سمجھتا۔ ہاں وہ جس کو چاہتا ہے، اس کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

**متعلقات:**......قبلة بروزن فِعلة۔ سامنے کی جہت کو کہتے ہیں، یا اس حالت کو جو کسی چیز کے سامنے ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ مقابلہ سے مشتق ہے، او من الاستقبال اور قبلہ کو اس لئے قبلہ کہتے ہیں کہ وہ نمازی کے سامنے ہوتا ہے (تفسیر کبیر وغیرہ)

**نماز کے لیے قبلہ کو معین کرنے میں کیا راز ہے؟:**......سو یہ قبلہ کبھی بیت المقدس اور پھر خانہ کعبہ قرار پایا۔ اس مقام پر دو باتیں قابل غور ہیں۔ اول یہ کہ نماز کے لئے قبلہ معین کرنے میں کیا سر الٰہی ہے؟ اس کی تحقیق یہ کہ اس میں چند حکمتیں ہیں۔

**وجہ اول:**......(۱) مقدمہ خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک قوت عقلیہ کہ جو مجردات کا ادراک کرتی ہے، دوسری قوت خیالیہ، کہ جو محسوسات میں تصرف کرتی ہے۔ بسا اوقات یہ قوت، قوت عقلیہ کو معانی مجردہ کے ادراک میں مدد دیا کرتی ہے اور اسی لئے آپ نے دیکھا ہوگا کہ مہندس جب مقادیر کا کوئی حکم کلی دریافت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے کوئی صورت معینہ اور شکل معین فرض کر لیتے ہیں تاکہ حس اور خیال اس کی اُس ادراک میں اعانت کرے۔ پس جب بندہ کو خدا تعالیٰ کے حضور میں بوقت عبادت حاضر ہونا پڑا تو اس ذات مقدسہ کے لئے کہ جو جسم اور اس کے تمام عوارض سے پاک اور احاطہ حس و خیال سے باہر ہے، کوئی آلہ حسی ❶ ضرور تھا کہ جو اس کی تجلیات کا مظہر اور اس کے جمال باکمال کا آئینہ ہو اور یہ بھی ضروری تھا کہ اس آئینہ میں کوئی صنمیت ❷ وغیرہ کا رنگ نہ ہو۔ (یعنی وہ جگہ کسی کی تصویر نہ ہو ورنہ پھر توجہ عبودیت اس صاحب تصویر کی طرف رجوع کرے گی) تاکہ عمدہ طرح سے نظر آئے اور یہ جگہ خانہ کعبہ ہے کہ جو عالم ملکوت میں بیت المعمور کا نمونہ اور عالم ناسوت میں ابوالانبیاء اور رئیس الموحدین حضرت آدم و حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معبد اور خداوند تعالیٰ کے جلوہ کی کرسی ہے۔ (جیسا کہ توراۃ، سفر استثناء میں ہے خدا فاران یعنی مکہ کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا) اور آفتاب دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلع اور اہل اسلام کی دولت و حشمت کا منبع ہے اور اس کے بعد دوم درجہ میں بیت المقدس ہے جہاں سے نبوت بنی اسرائیل کا دریا بہا ہے۔

**وجہ دوم:**......(۲) یہ امر تو ظاہر ہے کہ حالت اجتماعیہ، حالت وحدانیہ سے قوی ہوتی ہے۔ دیکھئے ایک یا دو بال میں وہ قوت نہیں کہ جو دس

❶......یعنی اس کی مشق کے لئے خاکہ۔ ۱۲۔ ❷......بت پرست اور عناصر پرستوں کی سمجھ میں جبکہ یہ نکتہ نہ آیا اور سونے اور پیتل میں تمیز نہ رہی تو ان چیزوں کو جہت عبادت کی آڑ بنا کر پوجا۔ ۱۲ منہ۔

،بیس پچاس، ملا کر سی بٹنے سے ہوتی ہے۔ پس جب نباتات و جمادات کا یہ حال ہے تو پھر انسان، بالخصوص اہل ایمان کی حالت اجتماعیہ کا تعاکس انوار تجلیات میں بوقت عبادت کیا کہنا ہے؟ اس اتفاق کی بدولت اسلام شرقاً غرباً تھوڑے سے دنوں میں ابر رحمت کی طرح دنیا میں پھیل گیا۔ اسی کی برکت سے خدا تعالیٰ کے نافرمان بادشاہوں کی سرسبز سلطنتیں دینداروں کے ہاتھ میں آئیں اس لئے نماز جماعت مقرر ہوئی کہ اہل محلہ میں اتفاق پیدا کرے اور جمعہ اور حج اس لئے مقرر ہوا کہ اہل شہر اور روئے زمین کے اہل اسلام کا باہمی میل جول ہو۔ پس جب نماز میں حالت اتفاقیہ شریعت کے نزدیک ایک امر ضروری تھا تو اس کے لئے ایک جہت کا مقرر ہونا بھی ضروری تھا کیونکہ اختلاف ظاہری، اختلاف باطنی کی دلیل ہے اور وہ جہت خانہ کعبہ ہونی چاہیے کیونکہ اسلام اور توحید کا یہی منبع ہے اور اکیلے کی نماز جماعت کے تابع ہے جو اس کو ضروری ہے، اس کو بھی ضروری ہے اور یہی اسرار ہیں، اختصاراً اسی پر بس کرتا ہوں۔

دوسری بات قابل غور ہے کہ دو قبلہ کیوں ہوئے؟ چند روز بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کے بعد پھر خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا کیوں حکم ہوا؟ اس میں بھی اسرار ہیں۔

**اسرار تحویل قبلہ:......** (۱) یہ جناب رسول اللہ ﷺ کا دین، تمام انبیاء علیہم السلام کے اصول دین پر مبنی اور اسی لئے آنحضرت ﷺ کا ماننا موسیٰ و عیسیٰ و دیگر انبیاء علیہم السلام کا ماننا اور قرآن مجید پر ایمان لانا تمام کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ہے۔ گویا اخیر زمانہ میں خدا تعالیٰ نے اختلاف جزئیات کو (کہ جو مصالح قوم اور زمانے کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں تھا) حذف کر کے ایک اصلی مذہب بنایا۔ یا یوں کہو کہ تمام پھولوں کا عطر کھینچ کر ایک جگہ جمع کر دیا اور انبیاء علیہم السلام کے دو معبد روئے زمین پر ایسے معظم و مکرم تھے کہ جن کی عزت و عظمت تمام خدا پرست قوموں کے دلوں میں مرسوخ تھی: ایک کعبہ، دوسرا بیت المقدس۔ پس ضروری ہوا کہ ان دونوں گھروں کو قبلہ نما بنایا جائے تا کہ مرتبہ جامعیت پایا جائے۔ مگر چونکہ نور نبوت اولاً کعبہ ہی سے چمکا ہے تو پیشتر صرف اس کی رعایت یا اس کے ساتھ دوسرے گھر کی بھی رعایت کرنا مناسب ہوا، جیسا کہ بیہقی وغیرہ کی روایت سے ثابت ہے۔ پھر جب اس آفتاب نبوت نے مدینہ میں جا کر عروج پایا اور آن واحد میں دونوں قبلوں کی طرف متوجہ ہونا مشکل پڑ گیا تو اس رتبہ ترقی کے موافق بیت المقدس کی طرف نماز میں منہ کرنا پڑا۔ مگر جب تھوڑے سے ہی دنوں کے بعد دائرہ کمالات نبوت نہایت وسیع ہوا تو جس نقطہ سے شروع ہوا تھا، وہیں آ رہا یعنی پھر خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا۔

(۲) یہ کہ مکہ سے مدینہ کی طرف آنحضرت ﷺ کا ہجرت کر کے آنا اس طرف اشارہ تھا کہ آپ ﷺ انبیائے بنی اسرائیل کی طرف ملتفت ہیں کیونکہ مدینہ، مکہ سے شام کی جانب ہے جو انبیاء بنی اسرائیل کا مرکز ہے تا کہ انبیائے بنی اسرائیل کے پیروؤں، اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو، یہ معلوم ہو جائے کہ یہ نبی عربی ﷺ سلسلہ انبیائے بنی اسرائیل موسیٰ و عیسیٰ و داؤد علیہم السلام کے برخلاف نہیں بلکہ انہیں کا مذہب و ملت کا مہتمم و مصلح ہے۔ جیسا کہ توریت وغیرہ کتب انبیاء میں خبر دی گئی تھی اور جس لئے اہل کتاب ایک ایسے مصلح و مجدد کے آنے کے منتظر بیٹھے تھے۔ اس لئے مدینہ میں تشریف لا کر ضروری ہوا کہ اتحاد انبیائے بنی اسرائیل کا اظہار کیا جائے تا کہ اہل کتاب کو نفرت نہ ہو (اسی بات کو بعض مفسرین نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی وجہ تالیفاللیھود بتائی ہے اور اظہار اتحاد دلی کے لئے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے زیادہ اور کوئی بات ہو نہیں سکتی تھی، اس لئے اس طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا مگر بیت المقدس اور اس کے بانی اور اس کے انبیاء علیہم السلام در اصل ملت ابراہیمی کے تابع ہیں اور آنحضرت ﷺ ملت ابراہیمیہ کے اصلی مہتمم و مصلح کر کے بھیجے گئے ہیں اس لئے مسجد ابراہیمی یعنی خانہ کعبہ کی طرف ہمیشہ کے لئے منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دینا اس بات

کا اظہار ہے کہ آپ ﷺ کو اصلی و دائمی خصوصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے کیونکہ ان کے بڑے فرزند اسمعیل علیہ السلام کی اولاد کو اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے خصوصیت خاصہ اور حق اکبریت فوقیت کے ساتھ حاصل ہے اور نیز اسلام کا ظہور بھی مکہ سے ہوا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معبد کعبہ کا شہر ہے اور اسلام کی اشاعت اور جہان بھر میں پھیلنے کا ذریعہ بھی۔ عرب کی قومیں نوشتہ ازلی میں قرار پا چکی تھیں اور ان سب کی عبادت گاہ کعبہ تھا اور اسی کی عظمت ان کے دلوں میں جاگزیں تھی اور اسی کی طرف منسوب ہونے کو وہ ابراہیمیت کی علامت خاص جانتے تھے، اس لئے ہمیشہ کے لئے کعبہ ہی جہت نماز قرار پایا۔

(۳) اور اس میں یہ بھی سر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو وصف جامعیت حاصل ہو جائے، امام القبلتین کا مرتبہ ملے۔

(۴) نیز اس میں مخلصین و غیر مخلصین کا امتحان بھی ہے۔ رسم پرست ہمیشہ اپنی رسوم و مالوفات ہی پر چلتے ہیں، مخلصین فوراً حکم کی تکمیل کرتے ہیں۔ جدھر ہادی نے موڑ دیا، مڑ جاتے ہیں اور اسی کا نام اتباع حقیقی ہے اور یہی محمدی ہونے کی سچی علامت اور محبت صادق کا خاص نشان ہے ورنہ دراصل مشرق و مغرب یعنی ہر سمت خدا تعالیٰ کی ہے، اس کا ہر سمت جلوہ ہے

کافراں سجدہ کہ در پیش بتاں می کردند
ہمہ روسوئے تو بود و ہمہ سوروئے تو بود

نہ کعبہ ہی میں خدا تعالیٰ رہتا ہے اور نہ بیت المقدس میں ہی بستا ہے، وہ ہر مکان و ہر زمان سے پاک ہے۔

**چند اعتراضات:**...... واضح ہو کہ بعض خبطیوں نے اس مقام پر وہ بے سر و پا اعتراض کئے ہیں کہ جن کو قرآن سے کچھ بھی علاقہ نہیں۔ منجملہ ان کے یہ کہ اہل کتاب کے لئے کوئی جہت قبلہ ہی نہیں، پھر ان کے لئے مشرق و مغرب کو کیوں جہت کہا؟ از انجملہ یہ کہ کعبہ دیواروں کا نام ہے اور جب دیواریں نہ رہیں گی تو کیا ہوگا، وغیر ذلک من الخرافات۔ اس لئے اس کے بعد خدا تعالیٰ نے وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ فرمایا کہ یہ اسرار جس کو ہم چاہتے ہیں، تلقین کرتے ہیں ورنہ بعض تو وادیٔ ضلالت و جہالت میں سر ٹکراتے ہی مر جاتے ہیں اس آیت سے جس طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ احکام الٰہی کا چھپانا حرام ہے اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ کفار ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ یہاں تک حکم تحویل قبلہ کہ تمہید تھی، اگلی آیات میں حکم دیا جاتا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤٣﴾

ترجمہ:...... اور (جس طرح کہ ہم نے قبلہ کے امر میں ہدایت کی) اسی طرح تم کو امت وسط بنایا، تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے اور وہ قبلہ کہ جس پر (اے نبی!) تم تھے (بیت المقدس) ہم نے اس لئے بنایا تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون (تحویل قبلہ کے وقت) رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے اور قبلہ کا بدلنا بیشک بہت شاق تھا، مگر جن کو خدا تعالیٰ نے ہدایت دی (ان پر کچھ بھی شاق نہیں) اور خدا تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کر دیتا۔ بیشک اللہ تعالیٰ (ان) لوگوں کے ساتھ شفیق اور مہربان ہے ﴿۱۴۳﴾۔

ترکیب :......وکذلک میں کاف موضع نصب میں ہے۔صفت ہے مصدر محذوف کی ،تقدیرہ و مثل ھدایتنامن نشاء جعلناکم اور جعلنا بمنزلہ صیرنا۔علی الناس متعلق ہے شھداء ، سے قبلۃ مفعول اول ہے جعلنا کا اور مفعول ثانی محذوف ہے اور التی مع صلہ اس محذوف کی صفت ہے، تقدیرہ و ماجعلنا القبلۃ ... الخ من یتبع میں من بمعنی الذی موضع نصب میں ہے نعلم سے۔ممن ینقلب میں من متعلق ہے نعلم سے ، أی لیفصل المتبع من المنقلب۔علی عقبیہ موضع نصب میں ہے بوجہ حال ہونے کے، أی راجعاً۔ وان کانت میں ان مخففہ ہے مثقلہ سے اور اسم اس کا محذوف ہے، اس پر سیاق دلالت کرتا ہے، أی وان کانت التولیۃ الیھا۔الا علی الذین میں علی، کبیرۃ سے متعلق ہے اور الّا نے صرف معنی میں عمل کیا ہے۔وماکان اللہ لیضیع خبر کان محذوف اور لام اس کا محذوف کے ساتھ متعلق ہے، تقدیرہ وماکان اللہ مریداًلان یضیع ایمانکم۔کوفیوں کے نزدیک لیضیع خبر ہے اور لام تاکیدی اس پر داخل ہوگیا وفیہ نظر لان اللام لام الجر وان بعدھا مرادۃ۔

## اُمتِ وسط کا اعزاز

تفسیر :......یعنی جس طرح ہم نے اے امت محمد ﷺ ! تم کو اور باتوں میں برگزیدہ کیا (ازانجملہ یہ کہ یہود اور نصاریٰ کسی نبی کو مانتے ، کسی کو نہیں اور تم سب کو مانتے ہو اور یہ کہ تم اپنے نبی ﷺ کے سچے اور حقیقی فرمانبردار ہو۔جس چیز کا حکم ہوتا ہے، بلا چوں و چرا اس کو تسلیم کرتے ہو اور نیز یہ کہ تمہارا قبلہ کعبہ قرار دیا گیا ہے کہ جو ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے ہے، بخلاف یہود اور نصاریٰ کے قبلہ کے کہ وہ بعد میں بنا ہے ) اسی طرح ہر بات میں تم کو امت وسط یعنی پورا اور کامل بنایا تا کہ سب لوگوں کے لئے تم شہید یعنی ہر امر خیر میں ہادی بنو کہ جس بات کو تم اچھا یا برا کہو، اس میں تم خداوند کے گواہ مانے جاؤ اور رسول ﷺ تمہارا ہادی اور گواہ بنے یعنی جو کچھ خدا تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے دل میں القاء کرے ، اس کو تم اوروں کو تعلیم کرو اور تحویل قبلہ کے بارے میں جو لوگ تم سے جھگڑتے اور طرح طرح کے شکوک پیش کرتے ہیں، وہ بے وقوف اس رمز سے ( کہ جس کا پہلے بیان ہوا ) ناواقف ہیں مجملہ اور اسرار کے چند روز بیت المقدس کی طرف منہ کرنے میں ایک یہ بھی سر تھا کہ پیغمبر ﷺ کے سچے فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں باہم امتیاز ہو جائے ، اس لئے کہ جو اپنے معبود حقیقی اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں، وہ تو (جس طرح دانشمند مریض اس حکیم حاذق کے نسخہ کی تبدیلی کو بلا حجت و تکرار قبول کر کے اس کی دوا کو پی لیتا ہے کہ جس کو دل سے حکیم حاذق مفید جانتا ہے ) بے کھٹکے رسول ﷺ کے حکم کو قبول کر لیتے ہیں، خواہ ان کی رسم و حمیت ملکی کے خلاف ہو خواہ موافق۔وہ ہر وقت یہی کہتے ہیں۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اور جو رسم و مذہب و ملت آبائی اور حب جاہ و مال کے جال میں گرفتار ہیں، وہ سینکڑوں نکتہ چینیاں کر کے اس سعادت سے محروم رہتے ہیں اور ہر چند یہ بڑی بھاری بات ہے کہ کسی کے کہنے سے اپنے شعائر مذہبیہ کو چھوڑ دے اور جن کو وہ شعائر بتائے ، ان کو تسلیم کر لے۔ مگر جن کو خدا تعالیٰ ہدایت کرتا ہے اور ان کے دلوں سے حجاب اٹھا لیتا ہے، وہ رسول کے حکم کو سب پر مقدم رکھتے ہیں۔اور اگر خدا تعالیٰ مسلمانوں کو یہ توفیق عطا نہ کرتا تو وہ نافرمانی اور سرکشی سے بالخصوص اس تحویل قبلہ کے امر میں نکتہ چینی کرنے سے ایمان زائل کر دیتے۔ مگر خدا تعالیٰ چونکہ بڑا مہربان اور شفیق ہے، وہ کس لئے مسلمانوں کے ایمان ضائع ہونے دیتا، لہٰذا اس نے ان کو توفیق عطا فرمائی۔

متعلقات :......امت وسط۔وسط کے معنی عدل کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی بہتر کے ہیں، جیسا کہ آیا ہے کنتم خیر امۃ

لتکونوا شھداء۔ شہادت سے مراد گواہی ہے، خواہ یہ گواہی دنیا میں ہو خواہ آخرت میں۔ چنانچہ ایک بار آنحضرت ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ گیا، لوگوں نے اس کی مذمت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: وجبت وجبت ○ پھر دوسرا جنازہ آیا، لوگوں نے اس کی مدح کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: وجبت وجبت۔ صحابہ ؓ نے عرض کیا کہ آپ نے دونوں کے لئے ایک ہی کلمہ فرمایا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ تم نے مذمت کی، اس کے لئے آتش دوزخ واجب ہوئی اور جس کی تم نے مدح کی، اس کے لئے جنت واجب ہوئی۔ تم خدا تعالیٰ کے دنیا میں گواہ ہو جس کو تم اچھا کہو وہ اچھا ہے اور جس کو تم برا کہو وہ برا ہے (ترمذی)۔

**فائدہ: اجماع:**...... خلاصۂ کلام یہ کہ امت مرحومہ بحیثیت اجتماعیہ نبی ﷺ کے کمالات کا آئینہ ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **لن تجمع امة محمد علی الضلالة** کہ امت محمدیہ گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی۔ یہاں سے اجماع امت کا برحق ہونا پایا گیا اور اسی لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا: وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا کہ جو مسلمانوں سے علیحدہ راہ اختیار کرے گا، جہنم میں جائے گا۔

**گواہ کی دو صفت:**...... واضح ہو کہ گواہ میں دو باتیں ضروری ہیں اول یہ کہ وہ عادل ہو کیونکہ جھوٹے بدکار کی گواہی کا کیا اعتبار ہے۔ دوم اس کو علم بھی ہو کیونکہ جس چیز کو جب تک نہ جانے گا، اس کی بابت کیا گواہی دے گا۔ پس جب امت محمدیہ کا شاہد ہونا ثابت ہوا تو نیک اور ذی علم ہونا بھی پایا گیا اسی لئے لفظ وسطاً امت کی صفت میں لایا گیا۔

پہلے جو خدا تعالیٰ نے وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ فرمایا تھا تو وہ ایک عام بات تھی، اب اس آیت میں اس کی تشریح کر دی کہ جن کو خدا تعالیٰ نے صراط مستقیم کی ہدایت کی ہے، ان میں سے امت محمدیہ اور خود حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اس میں اشارہ کر دیا کہ اے مسلمانو! تم کو ان یہود و نصاریٰ و دیگر اقوام کی طعن و طنز کی طرف التفات بھی نہ کرنا چاہیے کیونکہ تم خدا تعالیٰ کے شاہد ہو۔ ہر امر میں ان لوگوں کو تمہارا اقتداء کرنا چاہیے، نہ کہ تم ان کا اقتداء کرو۔ تمہیں صرف اپنے رسول ﷺ کا اتباع کافی ہے۔

**فائدہ:** وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ کی تفسیر میں بعض محدثین نے یوں نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چند صحابہ ؓ جیسا کہ ابوامامہ اور سعد بن زرارہ اور براء بن عازب اور براء بن معرور وغیرہم کا انتقال اس زمانہ میں ہوا جب کہ آنحضرت ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ پس جب کہ قبلہ کعبہ بنایا گیا تو ان کے وارثوں نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ وہ لوگ تو اس حالت میں مرے کہ جو منسوخ ہوگئی، اب ان کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ

○...... واجب ہوئی۔ ۱۲ منہ۔

بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ

مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِينَ ﴿۱۴۵﴾ الَّذِينَ آتَيْنٰهُمُ

الْكِتٰبَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۗ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ

ع الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ:……تمہارا (انتظار حکم میں) آسمان کی طرف پھر پھر کر منہ کرنا ہم دیکھ رہے ہیں (غم نہ کرو) جس قبلہ کو تم پسند کرتے ہو، اسی کی طرف منہ کرنے کا حکم دیئے دیتے ہیں۔ پس (نماز میں مسجد الحرام (کعبہ) کی طرف منہ کرلیا کرو اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں ہوا کرو (نماز میں) اسی کی طرف اپنا منہ کرلیا کرو اور بے شک جن کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے برحق ہے اور جو کچھ وہ کررہے ہیں اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے ﴿۱۴۴﴾ اور اگر آپ اہل کتاب کے لئے سب نشانیاں بھی لے آئیں تو بھی وہ آپ کے قبلہ کو نہ مانیں گے اور آپ بھی ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں اور ان میں سے کوئی بھی کسی کے قبلہ کو نہیں مانتا ہے اور اگر آپ نے علم حاصل ہوجانے کے بعد بھی ان کی خواہشوں کی پیروی کی (یا ان کے کہنے پر چلے) تو بیشک اس وقت آپ ﷺ بھی ستمگاروں میں سے ہوں گے۔ ﴿۱۴۵﴾ جن کو کہ ہم نے کتاب دی ہے، وہ تو اس کو ❶ اس طرح جانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک فریق ایسا بھی ہے کہ جو جان کر حق کو چھپاتے ہیں ﴿۱۴۶﴾ حق تو آپ کے رب ہی کی طرف سے ہے، پس آپ شک میں نہ پڑیں ﴿۱۴۷﴾۔

ترکیب:……نری فعل مضارع ضمیر نحن اس کا فاعل، تقلب… الخ مفعول، فی السماء متعلق ہے تقلب کے۔ نولین فعل فاعل، ک مفعول اول، قبلۃ موصوف، ترضھا صفت مجموعہ مفعول ثانی۔ ولِ فعل انت ضمیر فاعل کی، اس میں مستتر اس کا فاعل۔ وجھک مفعول اول شطر… الخ مفعول ثانی، حیث ظرف ہے فولوا… الخ کا، من ربھم موضع نصب میں بوجہ حال ہونے کے۔

تفسیر:……جب خدا تعالیٰ قبلہ کے بارے میں مخالفوں کے شکوک و شبہات رد کرچکا اور یہ بات بھی بتلا چکا کہ چند روز بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا ایک امتحان اور سر باطنی کے لئے تھا اور اصل ہمیشہ کے لئے قبلہ کعبہ ہی ہونا چاہیے تھا (ان اسرار کی وجہ سے جن کا ذکر اوپر ہوا) تو اب اس آیت سے پیشتر آنحضرت ﷺ کی اس رغبت کا اظہار کرتا ہے کہ جو بوجہ ترقی مراتب کعبہ کے قبلہ بنانے میں تھے۔ اس کے بعد آپ سے وعدہ کرتا ہے کہ ہم تم کو اس قبلہ کا حکم دیں گے کہ جس کو آپ کا دل چاہتا ہے۔ پھر آپ کو اور آپ کے ساتھ آپ کی امت کو عام حکم دیتا ہے کہ کچھ مکہ اور اس کے نواح کی خصوصیت نہیں بلکہ تم جہاں کہیں ہو اور نماز پڑھنا چاہو تو کعبہ کی طرف جس کو مسجد الحرام کہتے ہیں، منہ کرلیا کرو۔ پھر اس کے بعد اہل کتاب کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اب جو کچھ اس بارے میں تم پر اعتراض کرتے ہیں یا کریں گے، یہ ان کی محض حق سے چشم پوشی ہے کیونکہ وہ اپنی ان روایات سے کہ جو بطور تواتر نسل در نسل ان میں چلی آتی ہیں، کعبہ کی بزرگی اور اس کا برحق ہونا خوب جانتے تھے۔ اس کے بعد ان کو متنبہ کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ تمہاری اس مکاری اور حق پوشی سے غافل نہیں، وہ ضرور تم کو اس کا بدلہ دے گا۔

**فوائد: کعبہ سے متعلق آنحضرت ﷺ کی دلی آرزو:……(۱) قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ سے مراد دلی آرزو ہے۔**

❶……یعنی نبی آخر الزمان ﷺ کو۔

عام ہے کہ سچ مچ آسمان کی طرف منہ اٹھا اٹھا کر آپ دیکھتے تھے، جیسا کہ اہل اللہ حالت انتظار میں دیکھا کرتے ہیں یا نہ دیکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی دلی آرزو کہ قبلہ کعبہ ہو، حب وطن یا مشرکین مکہ کی خوشی کے لئے نہ تھی بلکہ ان اسرار کی وجہ سے کہ جن کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں اور جو نفوس کاملہ ہوتے ہیں، ان کو ہمیشہ کمالات کی طرف از حد شوق ہوا کرتا ہے اور کعبہ کا قبلہ ہونا آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے بڑا ● کمال تھا۔

(۲) مسجد الحرام کعبے کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی حرمت خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے، یا اس لئے کہ یہاں معاصی اور قتل و ظلم کی اشد حرمت اور ممانعت ہے۔ جو کعبہ کو مسجد الحرام کے ساتھ بیان کیا تو اس میں یہ نکتہ ہے کہ یہود جو حق پوشی کر کے اعتراض کرتے تھے کہ کعبہ میں کیا فضیلت ہے؟ یہ مشرکین عرب کا معبد ہے اس سے باز آئیں اور کعبہ کی حرمت و عظمت کی طرف خیال کریں کہ جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا معبد ہے۔ کعبہ کہنے میں یہ بات حاصل نہ تھی۔

(۳) شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ شطر کے معنی یہاں جانب اور طرف کے ہیں، گو جز کے بھی ہیں مگر کعبہ کی طرف منہ کرنے سے مراد یہاں نماز میں منہ کرنا ہے اور طرف اور سمت حقیقی کچھ ضروری نہیں بلکہ تخمینی بھی کافی ہے یہاں تک کہ اگر ایک خط جنوب و شمال میں کعبہ سے نکالا جائے اور دوسرے نمازی کے سامنے سے کھینچا جائے جب کہ وہ کعبہ سے مغربی یا مشرقی جہت میں ہو اور پھر دونوں خطوں میں تقاطع ہو جائے تو کافی ہے اور جو اندھیری رات میں یا کسی اور وجہ سے قبلہ معلوم نہ ہو تو نمازی غور کرے اور جدھر ظن غالب قبلہ کا ہوا، اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے گو بعد میں غلطی معلوم ہو، کیوں کہ یہ امر سہولت پر مبنی ہے ورنہ دقت ہو جائے۔

ترکیب:...... ولئن میں لام موطئہ ہے قسم کے لئے، پھر یہ تمام جملہ شرط ہے اور مَا تَبِعُوْا قِبْلَتَکَ جواب مابلحاظ لفظ ماضی داخل ہے ورنہ تبعو بمعنی مستقبل ہے اور ما بمعنی لا اور اسی لئے جواب میں فاء نہیں آیا اور اسی طرح وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ...... شرط انک جواب اذا حرف ہے اور نون اس میں اصل ہے اور یہ خاص جواب میں مستعمل ہوتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ...... الخ مبتدا یَعْرِفُوْنَ...... الخ اس کی خبر کما صفت ہے مصدر محذوف کی اور ما مصدریہ الحق مبتدا من ربک خبر۔

## استقبال کعبہ کا حکم

تفسیر:...... چونکہ نبی ﷺ کو مخالفین کے حق پر آنے کی نہایت آرزو تھی کہ یہ کسی طرح وادیٔ ضلالت سے نجات پائیں اور کاش آیات و معجزات ہی سے راہ پر آئیں، بالخصوص تحویل قبلہ کے بارے میں۔ مگر ان کا انکار ان کی شقاوت ازلی کی وجہ سے حد سے تجاوز کر گیا تھا۔ اسی لئے اپنے نبی ﷺ کو فرماتا ہے کہ اگر آپ ان سے اہل کتاب کو سینکڑوں معجزات و آیات بھی دکھائیں گے تب بھی یہ آپ کے قبلہ کو نہ مانیں گے اور اس پر کیا منحصر ہے، ان کی باہم بھی یہاں تک ضد و کد ہے کہ ایک دوسرے کے قبلہ کو نہیں تسلیم کرتے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے سینکڑوں معجزے دکھائے مگر یہود نے ان کو نہ مانا۔ پھر نصاریٰ میں پولوس ● نے حق پوشی کے لئے اور نصاریٰ کو ابدا حق سے محروم کرنے کے لئے یہ کہہ دیا کہ میرے خلاف اگر کوئی آسمان کا فرشتہ بھی کہے تب بھی نہ ماننا۔ پھر اگر آپ باوجود امر حق ظاہر ہونے کے بفرض محال ان کی خواہشوں کے تابع ہوں گے تو برابر کریں گے (جیسا کہ حق سے انکار میں ان کا اصرار تھا، اتنا ہی آپ ﷺ کے لئے ان کے اتباع سے منع کرنے میں اصرار کر دیا) اور آنحضرت ﷺ کی امت کو کنایہ متنبہ کر دیا •

---

● ...... آمد کی ترقیاں اسی پر مبنی تھیں۔ منہ۔ ● ...... چنانچہ پولوس اس خط میں جو گلتیوں کو لکھا ہے، اس کے پہلے باب کے درس ۸ میں یہ لکھتا ہے: "لیکن اگر ہم یا آسمان سے کوئی فرشتہ سوائے انجیل کے جو ہم نے تمہیں سنائی، دوسری انجیل تمہیں سنائے سو ملعون ہوئے"۔ منہ۔

خوشتر آں باشد کہ سردلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اوران کا یہ انکار عمداً ہے کیوں کہ وہ آپ ﷺ کی نبیٔ برحق ان علامات کے کہ جوان کی کتابوں میں ہیں اور سینہ بہ سینہ ان کے احبار اور رہبان میں چلے آتے ہیں، اسی طرح سے جانتے ہیں کہ کہ جس طرح اپنی اولاد کو سینکڑوں لڑکوں میں دیکھ کر پہچان لیتے ہیں اور بالکل اشتباہ نہیں ہوتا۔ اگر چہ ان کے عوام نہ جانتے ہوں مگر ایک فریق یعنی علماء تو عمداً جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ مگر ان کے اس خلاف حق ظاہر کرنے سے کیا ہوتا ہے، حق تو وہ ہی ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ ظاہر کرتا ہے۔ پس اب اے مخاطب! تو کسی شک وشبہ میں نہ پڑنا۔

**فوائد:**......(۱) وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۔ گو تمام عیسائیوں اور یہود کے لئے نماز میں کوئی جہت خاص قبلہ نہ ہو مگر عرب کے یہود عموماً بیت المقدس کو نماز میں قبلہ بناتے تھے اور نصاریٰ جہت شرق کو اس لئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بیت لحم میں پیدا ہوئے تھے کہ جو یروشلم سے بجہت شرق واقع تھا اور ممکن ہے کہ قبلہ سے ہر مذہب کے رسوم وشعار مراد ہوں اور ہر ایک دوسرے رسوم کو نہیں مانتا، یہ طبعی بات ہے۔

(۲) فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت ﷺ کو کچھ شک تھا بلکہ اوروں کے سنانے کو حضور ﷺ سے یہ اور وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ فرمایا۔

(۳) ہم نے قیود کی رعایت رکھ کر تفسیر کی ہے۔ اس تقریر پر وہ سوال وجواب جو خلاف معنی لے کر بعض مفسر کرتے ہیں، تضیع اوقات ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾

(وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ:......اور ہر ایک کے لئے ایک طرف ہے کہ وہ ادھر ہی جھکتا ہے، پس تم تو نیکیوں کی طرف دوڑا کرو۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے، تم سب کو اللہ تعالیٰ سمیٹ کر لے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۴۸﴾ اور آپ کہیں سے بھی نہ نکلیں تو اپنا منہ (نماز میں) مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور یہی حق بھی ہے آپ ﷺ کے رب تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کام سے غافل نہیں ﴿۱۴۹﴾ اور آپ جہاں کہیں سے نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور (مسلمانو!) تم بھی جہاں کہیں ہوا کرو تو اپنا منہ (نماز میں) اس کی طرف کیا کرو۔ (بار بار اس لئے حکم دیا گیا) کہ لوگوں کو تم پر کوئی الزام نہ رہے مگر ان میں سے جو ہٹ دھرم ہیں تو تم بھی ان سے نہ ڈرو۔ اور ہم سے ڈرتے رہا کرو اور اس لئے بھی کہ ہم اپنی نعمت تم پر پوری کر دیں اور اس لئے بھی کہ تم سیدھے راستہ پر آجاؤ ﴿۱۵۰﴾۔

ترکیب :......وجهه مبتدا، لکل اس کی خبر۔ لفظ وجهة میں قیاس چاہتا تھا کہ جهة ہو مثل عدة اور زنة کے۔ هو (اے اللہ [1]) مبتدا مولیها بکسر اللام اس کی خبر تقدیرہ اللہ مولی تلک الجهة ذلک الفریق، اے یامرہ بها امراً تکوینیا فحذف المفعول الثانی اور احتمال ہے کہ ضمیر ھو کل کی طرف رجوع کرے، ای ذلک الفریق مولی الوجهة نفسه یہ تمام جملہ صفت وجهة کی ہوگا۔ اینما ظرف ہے تکونوا کا ومن حیث خرجت اس جگہ شرط کے لئے نہیں، پس من متعلق فوَل کے ساتھ ہے وحیث ما کنتم۔ میں دونوں احتمال ہیں لئلا میں لام محذوف کے ساتھ متعلق ہے، تقدیرہ فعلنا ذلک لئلا حجة اسم کان اور للناس اس کی خبر اور علیکم صفت جهة اصل میں مؤخر تھی مگر چونکہ مقدم ہوگئی تو حال ہونے کی وجہ سے منصوب المحل ہوئی اور یہ جائز ہے کہ اس کو جهة کے متعلق کیا جائے، لئلا تتقدم صلة المصدر علیه۔ الا الذین ظلموا استثناء ہے الناس سے، ای لئلا یکون لاحد من الناس حجة الا للمعاندین منهم اور ممکن ہے کہ استثناء مبالغہ کے لئے ہو جیسا کہ اس شعر میں ہے۔

ـــہ ولا عیب فیهم غیران سیوفهم
بهن فلول من قراع الكتائب

وَلِاُتِمَّ معطوف ہے لام سابق پر علیکم متعلق ہے لاتم سے۔

## ہر اُمت کا ایک قبلہ / وجہت ہے:

تفسیر :......خدا تعالیٰ اس آیت میں یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ جب امر حق دلائل قطعیہ سے ثابت ہو جائے تو پھر اس کے اختیار کرنے میں کسی کی مخالفت وموافقت کا کچھ بھی پاس نہ کرنا چاہئے اور کیونکر انسان ہر ایک کو بالخصوص دینی امور میں موافق کر سکتا ہے، حالانکہ ہر ایک شخص کی رائے اور عقیدت اور میل قلبی جداگانہ ہے ع

ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے

خلاصہ یہ کہ ہر ایک شخص اور قوم اور ملک کا ایک بات کی طرف رجحان ہوتا ہے۔ پس تم اس خیال موافقت کو دل سے نکال دو اور جو نیک باتیں کہ مقصود بالذات ہوں، جیسا کہ نماز اور روزہ و ذکر اور خلق خدا کے ساتھ نیکی کرنا اور خواہش نفسانی اور مقتضیات ہیولانیہ سے بری رہنا، ان میں سرگرم رہو اور استقبال کعبہ تو امر مقصود بالذات نہیں بلکہ نماز میں متبع ملت ابراہیمیہ کا غیر متبع سے امتیاز ہونے کے لئے جہت قرار دی گئی ہے۔ اور یہ اختلاف جہات اور باہمی تباعد اسی عالم میں ہے ورنہ آخرت میں تو سب کو اللہ تعالیٰ ایک ہی جہت اور ایک ہی روش پر جمع کر کے ہر کہیں سے لے آئے گا۔ ہر حالت خوف ورجاء میں دربار الٰہی میں سب اس کی طرف متوجہ اور اسی کے تخت کو قبلہ بنائے کھڑے ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور ممکن ہے کہ اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا......الخ کا خطاب خاص اہل اسلام سے ہو، اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ اے مسلمانو! ہر قوم کے لئے ایک جہت خاص ہے اور تمہارے لئے حصول قرب وسعادت کے لئے ہر جہت ہے۔ تمہارے لئے میدان سعادت بڑا وسیع ہے، پس تم اس میدان میں دوڑو اور یہ خیال نہ کرو کہ تم اس میدان میں ادھر ادھر چلے جاؤ گے باہمی اتفاق وتعاکس انوار نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ تم کو بارگاہ قرب میں جمع کر دے گا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ان اسرار ورموز کے بعد پھر اسی حکم کی تاکید کرتا ہے کہ بلاشبہ تم نماز میں منہ کعبہ کی طرف کیا کرو تاکہ پھر کسی کا اعتراض باقی نہ رہے کہ باوجود اتباع ملت ابراہیمیہ کے اس نبی

---

[1]:...... ھو مبتدا راجع لکل مولیها خبر ضمیر ھا راجع وجهة کی طرف یا ضمیر ھو راجع الی اللہ کریں۔ پس تقدیرہ عبارت یوں ہے اللہ مولیها ایاہ ھو مولیها ای اللہ مولی تلک الجهة المولیها بہر حال معنی یہ ہیں ولکل امة قبلة ھو جهة الیها منکم من ظهر کم۔ ۱۲ حقانی

ﷺ نے مسجد الحرام کو کیوں قبلہ بنایا اور نیز اس میں تمہارے لئے اے اہل اسلام خدا تعالیٰ کی پوری نعمت ہے (کیونکہ اس میں وہ خوبیاں ہیں کہ جن کا بیان نہیں ہوسکتا، چنانچہ کسی قدر ہم نے بیان کی ہیں) اور نیز اس میں تمہارے لئے راہ راست کی رہنمائی بھی ہے۔ اس کے بعد جو کوئی تم پر اعتراض کرے تو وہ ناانصاف ہے اس کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہئے بلکہ خاص خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔

## تحویلِ قبلہ کے حکم میں تکرار کی وجہ:

فائدہ: اس حکم کو ایک بار تو خدا تعالیٰ ذکر کر چکا تھا، مگر پھر تین بار اس آیت میں کیوں اس کا ذکر کیا؟ بظاہر یہ بات بلاغت وفصاحت کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول بار تعمیم احوال کے لئے ہے۔ اور دوم تعمیم امکنہ کے لئے۔ سوم تعمیم ازمنہ کے لئے تاکہ اس حکم میں کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے اور یہ بھی ہے کہ جب بلیغ کسی دعویٰ کو کسی دلیل سے ثابت کیا کرتے ہیں تو دوبارہ جب اس پر اور دلیل لاتے ہیں تو پھر اس دعویٰ کو دلیل کے ساتھ ربط دینے کے لئے ذکر کر دیتے ہیں اور یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے اور یہ بھی ہے کہ جب کسی امر اہم کو بیان کرتے ہیں تو اس کی تاکید بھی ضرور کرتے ہیں۔ اور تاکید تین بار کہنے سے حاصل ہوتی ہے، مگر لطف یہ ہے کہ نیا عنوان مدنظر رکھا ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾
فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ ع ۵ ۲

معانقۃ ۲۱ عند المتاخرین

ترجمہ:......جیسا❶ کہ ہم نے تم میں ایک رسول تمہیں میں سے بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں سناتا اور تم کو پاک کرتا اور تم کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور (نیز) تم کو وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے ﴿۱۵۱﴾۔ پس مجھے یاد کرو کہ میں تم کو یاد کروں اور میرا شکریہ ادا کرتے رہو اور ناشکری نہ کیا کرو ﴿۱۵۲﴾

ترکیب:...... کما میں کاف موضع نصب میں ہے، صفت ہے مصدر محذوف کی تقدیرہ تهتدون هداية كما ارسلنا او اتماما كارسالنا اور بعض محققین کہتے ہیں کہ فاذكرونی كما ارسلنا فعلی هذا يكون منصوبا صفة المذكرای ذكرا مثل ارسالی اور ما مصدریہ ہے۔ منکم رسول کی صفت اور يَتْلُوْا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمْ حال ہے۔

## دینِ محمدی کے منجانب اللہ تعالیٰ ہونے کے چند وجوہ:

تفسیر:......خدا تعالیٰ نے دین محمد ﷺ کے منجانب اللہ ہونے پر چند وجوہ بیان فرمائیں۔ بعض ان میں سے الزامیہ ہیں کہ یہ دین ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، پس اس کا قبول کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ تھا: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ......الخ اور بعض ان میں سے برہانیہ ہیں اور وہ یہ آیت ہے: قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے مخالفین کے دو شبہے ذکر فرما کر ان کا جواب شافی دیا ہے۔ اول وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا۔ دوسرا نسخ کے بارے میں تھا کہ شریعت محمدیہ ﷺ میں نسخ ہوتا ہے، بالخصوص قبلہ کی بابت ہوا جس سے معلوم ہوا کہ یہ شریعت منجانب اللہ نہیں۔ سو یہ شبہ ان کا قوی تھا، اس لئے اس کا جواب سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ ...... سے شروع

❶ یعنی قبلہ کی رہنمائی بھی ہمارا ایک ایسا ہی احسان ہے جیسا کہ رسول کا بھیجنا احسان تھا۔ ۱۲ منہ۔

کر کے وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ پر ختم کر دیا۔

**آنحضرت ﷺ کی بعثت کے مقاصد:**......اور چونکہ تحویل قبلہ کو اتمام نعمت فرمایا تو اس کے ساتھ دوسری نعمت کو بھی یاد دلایا کہ ہم نے جس طرح کعبہ کو قبلہ بنانے میں تمہاری حال پر نعمت نازل کی ہے اور مخالف اس کی حقیقت سے ناواقف اعتراض کرتے ہیں، اسی طرح ہم نے تم کو بڑی نعمت یہ دی کہ تمہارے پاس تمہیں میں کا ایک ایسا رسول بھیجا کہ جس نے نہ صرف کلام الٰہی لوگوں کو پڑھ کر سنایا بلکہ اس نے تزکیہ نفوس اور تہذیب ارواح کی اور حکمت نظریہ اور علیہ اور کتاب سکھائی اور بہت سی باتیں تم کو بتائیں جس کا اثر تم نے دیکھ لیا ۔عرب کی کیسی خراب حالت تھی، پھر کیسی درست ہوئی۔ پس جس طرح اس پر مخالفوں کے شبہات بے جا تھے، اسی طرح اس امر میں بھی شبہات بے جا ہیں۔ اب تم میری طرف اپنا دھیان دھرو اور مجھے یاد کرو، میں بھی تم پر اپنی رحمت کروں گا اور میری ان نعمتوں کو مدنظر رکھ کر شکریہ کرتے رہو۔ کبھی ناشکری نہ کرنا اور کسی کے بہکانے میں آ کر نافرمانی نہ کرنا۔

**فائدہ: اقسام ذکر:**......ذکر کی تین قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ زبان سے اس کی حمد اور تسبیح اور تمجید اور تہلیل و تکبیر پڑھی جائے اور اس کی کتاب پڑھی جائے۔ دوم ذکر قلبی اور وہ یہ کہ اپنے لطائف باطنیہ کو اور اپنے جمیع قویٰ ادراکیہ کو اس کی طرف متوجہ کر دے اور یہاں تک محویت حاصل ہو کہ اپنے تئیں بھی بھول جائے، خواہ نفی و اثبات کر کے، خواہ مراقبہ سے، خواہ توجہ اور ہمت شیخ سے[1] یہ بات حاصل ہو۔ جب انسان کو یہ حالت نصیب ہوتی ہے تو جس طرح ممکنات میں ایک دوسرے کے اثر سے حال بدلتا ہے، مٹی پھول کی صحبت سے معطر اور لوہا آگ میں رہنے سے اخگر ہو جاتا ہے، اسی طرح انسان پر آثار تقدس فائض ہوتے ہیں۔ پھر تو اس کی زبان اور اس کی آنکھ خدا تعالیٰ کی زبان اور اس کی آنکھ اور اُس کے ہاتھ پاؤں اس کے ہاتھ پاؤں ہو جاتے ہیں (حالانکہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے) جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے اور پھر اس بندہ سے آثار عجیبہ بھی سرزد ہونے لگتے ہیں کہ جن کو معجزات و کرامات کہتے ہیں اور یہ بھی ذکر قلبی کی شاخ ہے کہ اس کی مخلوقات میں جو کچھ اسرار رکھے ہیں ان میں غور و فکر کرے تاکہ اس عالم کا ہر ذرہ اس کے جمال جہاں آرا کے لئے آئینہ ہو جائے۔ اس لئے کہ عارف نے فرمایا ہے (ما رأیت شیئاً الا رأیت الله فیه) کہ میں جب کسی چیز کو دیکھتا ہوں تو اس میں خدا تعالیٰ ہی نظر آتا ہے، ہر چیز اس کی وحدانیت اور صفات کمالیہ کے لئے شاہد عدل بن کر سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اسی لئے قرآن اور احادیث صحیحہ میں اس ذکر کی بڑی تاکید آئی ہے اور ایک جگہ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ فرمایا ہے۔ قبل اس کے کہ اس ذاکر کی روح اس خاک کے پتلے سے مفارقت کرے، اسی عالم میں یہ شخص عالم قدس کے لوگوں میں شریک ہو جاتا ہے۔ سوم قسم ذکر جوارح یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ ان اعضاء کا ذکر، سو وہ ان اعضاء کو اس کے حکم میں مستعمل کرنا اور منہیات سے روکنا اور اس لئے اس آیت میں نماز کو بھی ذکر کہا ہے فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

[1]......ہرگز اس شخص کا قالب قابل انعکاس تجلیات الٰہی و تنویر ضیاء نامتناہی نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کا قلب لذائذ دنیوی و حظ نفسانی سے پاک و صاف نہ ہو اس کے لئے ہمت و توجہ شیخ کی ضرورت لاحق ہے تاکہ ذکر قلبی سے سالک کے لطائف باطنیہ کو اس کی طرف متوجہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلم کی جز اول اسلام، دوم ایمان، سوم احسان ہے۔ صحابہ ؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! احسان کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کو حاضر جان کر کہ میں اس کو دیکھتا ہوں اور اگر یہ تجھے حاصل نہیں تو خیال کر کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہا ہے، بلکہ ہر عبادت اور ذکر الٰہی میں خواہ نفسانی ہو یا قلبی غرض کہ اپنی ہستی کو ذات باری میں فنا کر دے، اسی کا نام عارف ہے۔ ۱۲ حقانی۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ:......اے ایمان والو! صبر اور نماز سے (ہر ایک سختی میں) مدد لیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۱۵۳﴾ اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، ان کو مرا ہوا نہ کہا کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے ﴿۱۵۴﴾ اور ضرور ہم تم کو کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں سے اور پیداوار کے نقصان سے آزمائیں گے اور (اے نبی!) ان صبر کرنے والوں کو مژدہ دے دو ﴿۱۵۵﴾ کہ جن پر جب کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور ہم کو اس ہی کے پاس جانا ہے ﴿۱۵۶﴾۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر خدا تعالیٰ کی طرف سے (صد) آفریں اور رحمت ہے اور یہی ہدایت پائے ہوئے ہیں ﴿۱۵۷﴾۔

ترکیب:......بالصبر متعلق ہے استعینوا سے لاتقولوا فعل انتم اس کا فاعل لمن یقتل الخ جملہ مفعول من چونکہ معنی جمع ہے اس لئے اموات میت کی جمع خبر میں لانا مناسب ہوا، احیاء خبر مبتدا محذوف کی، اے ھم احیاء، ولنبلونکم جواب ہے قسم محذوف کا من الخوف موضع جر میں ہے کس لئے کہ یہ صفت ہے شئی کی من الاموال موضع نصب میں ہے کس لئے کہ یہ صفت ہے محذوف کی، تقدیرہ، ونقص شیئا من الاموال لان النقص مصدر ھو متعدا الی مفعول وقد حذف المفعول۔ الذین اذا اصابتھم موضع نصب میں ہے کس لئے کہ یہ صفت ہے صابرین کی۔ قالوا انا للہ جواب ہے شرط کا، اولئک مبتدا اول و صلوات مبتدا ثانی، اور علیھم اس کی خبر پھر یہ مجموعہ خبر ہے مبتدا اوّل کی اولئک مبتدا ھم المھتدون۔ جملہ اس کی خبر اور ممکن ہے کہ ھم ضمیر فصل ہو اور المھتدون تنہا خبر ہو۔

## صبر اور نماز سے مدد لینے کا حکم

تفسیر:......خدا تعالیٰ نے پہلی آیت میں اپنے ذکر اور شکر اور عدم کفران کا حکم دیا تھا کہ جو تمام عبادتوں اور ہر قسم کی اوامر و نواہی کا لب لباب تھا اور اس قسم کے بارگراں کے تحمل کے لئے کوئی سہارا بھی ضروری ہے کہ جس کی اعانت اور وجہ سے یہ بارگراں آسان ہو جائے اور نیز اگلی آیات میں جہاد اور اشاعت خیر کا بھی حکم دینا منظور تھا کہ جس پر قوم اور ملت کی عزت آبرو کا مدار کار ہے، اسی لئے اس نے بطور تمہید کے اس جگہ وہ آیت نازل فرمائی کہ جو دونوں مقصدوں کو خوب پورا کر سکے اور جس کو دونوں سے کامل درجے کا ارتباط ہو۔ پس فرمایا کہ اے ایمان والو! اس بارگران کی سہولت کے لئے صبر اور نماز پڑھنے سے کام لو۔ اس لئے کہ صبر اور نماز ایسے آلے ہیں کہ جس سے یہ کام بلکہ جہاد فی سبیل اللہ دونوں سہل ہو جاتے ہیں اور یہ اس لئے کہ صبر، عقل کا تابع کر کے نفس کو غضب اور شہوت سے روکنے کو کہتے ہیں اس لئے جس میں یہ دونوں چیزیں ہوں گی، صبر اسی کو نصیب ہوگا۔ ملائکہ میں چونکہ غضب اور شہوت نہیں بلکہ صرف عقل ہے تو اس لئے ان کو بھی یہ نعمت نصیب نہیں اور دیگر حیوانات میں عقل نہیں، غضب اور شہوت ہے اسی لئے وہ بھی اس سعادت سے فیضیاب نہیں۔ ان کی قوت جماعیہ جس جانور سے چاہتی ہے، جماع کرنے کا حکم دیتی ہے اور جس چیز کے کھانے پینے کو چاہتی ہے، حکم دیتی ہے اور جس پر چاہتی ہے، حملہ کرنے

لئے آمادہ کردیتی ہے۔ سو وہ اس کے کہنے سے ویسا ہی کرتا ہے۔ عقل اس کا ہاتھ نہیں پکڑتی کہ ارے ظالم! کیا کرتا ہے؟ بخلاف انسان کے کہ اس کو عقل مانع آتی ہے۔ اور اس کے کہنے سے نفس کو روکتا ہے تو نفس پر پژمردگی اور روح پر تازگی اور نورانیت طاری ہوتی ہے۔

**اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے:**......اور جب روح پر نورانیت آئی تو اس آئینہ میں جمال جہاں آرا کا جلوہ ہوا، خدا تعالیٰ کا قرب نصیب ہو گیا۔ اسی لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔ اور جب کہ قرب مبدأ فیاض نصیب ہوا تو اس کے اثر صحبت سے تمام کام دنیا و آخرت کے انجام پا گئے۔ اسی لئے کسی نے فرمایا: الصبر مفتاح الفرج۔ کہ صبر فتوحات کی کنجی ہے۔ دیکھئے جنگ وقتال میں جب ہر طرح کی تکلیف پر آدمی صبر کرتا ہے تو اپنے دشمن پر فتح پاتا ہے اور عزت و دولت و راحت اس کو آکر سلام کرتی ہے۔ کاشتکار جب گرمی اور بھوک و پیاس کی تکلیف اٹھا کر محنت کرتا ہے تو غلہ کاٹتا ہے۔ الغرض دنیا و آخرت کے تمام کاروبار کا صبر پر مدار ہے۔

**فوائد: اقسام صبر:**......واضح ہو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں: بدنی اور نفسانی۔ پھر بدنی کی بھی دو قسمیں ہیں: فعلی، جیسا کہ بڑے بھاری اور مشقت کے کاموں کو کرنا۔ انفعالی، درد اور تکلیف کو برداشت کرنا۔ گو اس تکلیف کے آثار بے خود طبعی سے ظاہر ہو جائیں مگر یہ شخص اسی حالت میں خلاف قانون عقل و شرع کوئی حرکت نہ کرے اور صبر نفسانی یہ ہے کہ نفس کو اس کی خواہشوں سے روکے۔ اگر خواہش شکم و آلت تناسل کو روکے گا تو اس کو عفت کہیں گے اور اگر فضول چیزوں کی خواہش سے روکے گا تو اس کو زہد و قناعت کہیں گے اگر غصہ کی حالت میں اپنے دشمن سے درگزر کرے گا اور نفس کو انتقام لینے سے روکے گا تو اس کو حلم کہیں گے۔ اگر کسی کے راز افشاء کرنے سے زبان بند کرے گا تو اس کو راز داری کہیں گے۔ اور جو زبان کو بیہودہ بکواس سے اور اپنے اعضاء کو بے جا حرکت سے بند کرے گا تو اس کو متانت کہیں گے۔

صبر کے فضائل قرآن و احادیث میں بکثرت ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا ۔ جس کسی نے ترقی حاصل کی ہے، اس صبر ہی کی بدولت کی ہے اور اسلام نے امت مرحومہ کے لئے صبر کی ایک شاخ روزہ کو بھی فرض کر دیا تاکہ نفس کو بھوک اور پیاس کی تکلیف اٹھانے کی عادت پڑے اور جماع جیسی مرغوب چیز کو باوجود سامان ہونے کے ترک کرنے کا خوگر ہو۔

**فوائد: فضائل نماز:**......اور نماز تو ایک عجیب تریاق مجرب ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور دعا اور اس کے آگے سر کے بل جھکنا ہے۔ اس میں خواہ مخواہ بندے کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور یہ روح کو منور کرنے کا اعلیٰ طریقہ ہے اور اسی لئے اس کی نسبت وارد ہے اِنَّ ❶ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۔ پس جب بندے کو مولیٰ سے تقرب و توصل ہوا تو اس کے سب کام انجام کو پہنچے اور چونکہ خدا تعالیٰ تمام کائنات کی اصل ہے تو ہر چیز جب اس کو موانع پیش نہیں آتے تو اپنی اصل کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے یہی معنی ہیں: کان النبی ﷺ اذا حزبہ امر فزع الی الصلوۃ (جامع الاصول) اور جب کہ خدا تعالیٰ نے صبر کی فضیلت میں یہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ صابرین کو معیت اور تقرب نصیب ہوتا ہے اور صبر کا اعلیٰ موقع قتال فی سبیل اللہ تھا' اس لئے کہ جان کے آگے مال یا کسی اور منفعت کی کچھ بھی وقعت نہیں۔ نقل مشہور ہے" گر جان ہے تو جہان ہے" پس جس قدر صبر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کرنے میں ہے، اس قدر اور چیز کے صرف کرنے میں نہیں اور نیز اگلی آیت میں جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کا حکم ہونے والا تھا اسی لئے اس صبر کا اور بھی ذکر کرنا مناسب ہوا اور سب اجروں میں بڑا اجر یہ ہے کہ اس کے عوض میں بندے کو حیات ابدی عطا ہو۔ پس فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاتے ہیں تم ان کو مردے نہ کہو کیونکہ

---

❶......نماز بے شک بری اور بے حیائی کی باتوں سے روکتی ہے۔ ۱۲۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

بلکہ وہ زندہ ہیں، کس لئے کہ

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جانے دیگر است

صرف یہ بات ہے کہ وہ تم کو نظر نہیں آتے۔

**روح و جسم کا تعلق:**......واضح ہو کہ انسان روح یا نفس ناطقہ ہے اور یہ جسم خاکی کہ جو ہم کو دکھائی دیتا ہے، اس نفس ناطقہ یعنی روح ہوائی کا (کہ جس کو نسمہ کہتے ہیں) مرکب ہے اعنی نفس ناطقہ کا تعلق روح ہوائی سے ہے کہ جو لطیف خون کے ابخرات سے پیدا ہوتی ہے اور روح ہوائی کا مرکب یہ جسم ہے۔ جب کسی سبب سے اس جسم خاکی سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے (اور اس ترک تعلق کا نام موت عرفی ہے) تو نفس ناطقہ کو جو جو ہر نورانی باقی ہے، باقی رہتا ہے اور نہایت عمدہ طرح سے حس و ادراک اور شعور و تمیز بھی باقی رہتے ہیں۔ اس میں کافر و مومن، شہید، غیر شہید سب برابر ہیں۔ پس اس معنی سے موت ہے تو جسم کو اور حیات ہے تو نفس ناطقہ کو۔ لیکن کبھی پاک روحوں کا اثر جسم خاکی تک بھی پہنچتا ہے اور یہ جسم سڑتا گلتا نہیں، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور شہدائے عظام کے اجساد سے ظاہر ہوا ہے، اسی طرح اس موت عرفی میں بھی سب انسان شریک ہیں۔ اس معنی سے شہید اور غیر شہید، انبیاء و غیر انبیاء سب کو موت ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ❶ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ❷ اور اس لئے اس کے بعد ان پر احکام موت جاری ہوتے ہیں، مال میں حصے لگ جاتے ہیں۔

**شہداء و انبیاء کرام علیہم السلام کا زندہ ہونا:**......اب حیات شہداء و انبیاء کے یہ معنی ہیں اور آیت میں وہی مراد بھی ہیں کہ جسم سے روح جدا ہو جانے کے بعد روح کو اس عالم قدس میں ہر قسم کا آرام اور عزت نصیب ہو اور چونکہ روح بھی ایک جسم لطیف ہے، اس جسمانی خول کے آثار بھی اس میں منطبع ہوتے ہیں اور اس کی نورانی صورت کو اس جسمانی صورت سے بھی ایک ایسی مناسبت ہوتی ہے کہ روح کو وہی شخص روحانی عالم میں کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے اس عالم میں کہ جس کو اس عالم سے وہی نسبت ہے جو عالم خواب کو عالم بیداری سے ہے، ہر قسم کے لذات میوے اور عمدہ مکان، انہار و حور و قصور میسر آتے اور ان سے لذت پاتے ہیں۔ بالخصوص شہداء کہ ان کو نسمہ سابق سے ایک عجیب تعلق باقی رہتا ہے جس لئے عالم برزخ میں ان کے لئے ایک نہایت عمدہ پیکر عطا ہوتا ہے اور وہ اس پیکر نورانی سے مستفید ہوتے ہیں جس کی طرف آیت میں اشارہ ہے اور اس حدیث میں بھی کہ جس کو شیخین ❸ نے روایت کیا ہے کہ شہداء سبز طیور کے قوالب میں آ کر آشیانہ عرش میں رہتے ہیں اور جہاں سے جی چاہتا ہے کھاتے ہیں، اسی طرف ایماء ہے۔ اسی طرح وہ جب چاہتے ہیں اس عالم کی طرف بھی نزول کرتے ہیں۔ کبھی لوگوں کو عیاناً بھی دکھائی دیئے جاتے ہیں مگر ان کے اس حیات جاودانی کو یہ آنکھیں اور یہ حواس نہیں محسوس کر سکتے کہ جو اجسام کثیفہ کے احساس کے لئے مخصوص ہیں اور اسی سے یک انچ آگے بھی ان کا ادراک نہیں۔

یہ کامرانی دراصل وہ حیات ابدی ہے کہ جس کا آیت میں ذکر ہے۔ اس کے برخلاف کفار و فجار کا اس عالم میں معذب ہونا موت ہے۔ ایک شخص طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہے، دوسرا قسم قسم کی نعمتوں میں ہے۔ گو دونوں زندہ ہیں، مگر اول الذکر کی زندگی کیا زندگی ہے؟

---

❶......آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک روز مرنے والے اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔ ۱۲۔ ❷......ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ ۱۲۔ ❸......اس حدیث کے یہ معنی سمجھ کر (شہید طوطے یعنی حیوان بن کر درختوں پر اڑائیاں مارتے پھریں گے، انسانیت سے حیوانیت میں آ جائیں گے) یہ اعتراض کرنا اور قہقہہ اڑانا ایک سخت کوڑ مغزی ہے۔ ۱۲ منہ۔

وہ تو موت سے بھی بدتر ہے۔ زندگی تو دوسرے شخص کی ہی ہے، اس لئے شہیدوں کو زندہ کہا جاتا ہے۔ اور اسی تعلق خاص کے سبب ان کے اعمال حسنہ کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، اور لوگوں کی طرح منقطع نہیں ہو جاتا جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے کل ابن بنی آدم یختم علی عمله اذا مات الا المجاهد فی سبیل الله فانه ینمیٰ له عمله الی یوم القیمة ❶ لیکن اس حیات میں انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام بھی شریک ہیں اور اس کے درجات بھی متفاوت ہیں مگر شہیدوں کو تلذذات حاصل کرنے میں ایک خصوصیت خاصہ ہے اور اس لئے جناب نبی اکرم ﷺ نے شہادت کی آرزو کی ہے اور کیوں نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کو اپنی حیات مستعار سپرد کرتا ہے، وہ اس کے بالعوض اس کو حیات ابدی ❷ عطا کرتا ہے، گو وہ لوگ ہم کو نظر نہیں آتے اور اسی لئے خدا تعالیٰ نے لاتشعرون فرمایا لاتعلمون نہ فرمایا۔

جب خدا تعالیٰ نتائج صبر اور اس کے فوائد بیان فرما چکا اس کے بعد مطلع کرتا ہے کہ ضرور تم کو دولت صبر سے بہرہ ور کریں گے جس کے لئے تم پر گونا گوں مصائب پیش آئیں گے، مخالفوں کا خوف اور بھوک اور نقصان مالی و جانی اور نقصان ثمرات یعنی مرگ اولاد اور باغ اور کھیت سے بے بہرہ رہنا اور اپنی کوششوں میں ناکامیاب ہونا، ان برائیوں میں سے تم کو آزمائیں گے۔ پھر جو اس تپاؤ کے بعد کھرا نکلا، اس کو حیات جاودانی اور دنیا میں بھی ہر طرح کی کامیابی، فتح و ظفر نیکو نامی نصیب ہے۔ ان آیات میں ایمانداروں کو ثابت قدمی اور استقامت فی الدین اور ہر قسم کی تکالیف برداشت کر کے دین پر قائم رہنے کی تعلیم ہے اور دراصل انسان کی ترقی و دنیا و دین کی یہی برداشت و استقبال اور جانکاہی کی عمدہ سیڑھی ہے۔ جس نے اس پر چڑھنے سے انکار کیا، وہ ہر طرح سے محروم رہا اور جو اس پر چڑھ گیا، وہ مراد کو پہنچا۔ اس آیت کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم بلکہ خود رسالت مآب ﷺ پر طرح طرح کے مصائب پیش آئے جن کے ذکر کرنے سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے، مگر صد آفریں ہے ان صادقوں پر کہ انہوں نے اس تلخ جام کو کس استقلال سے پیا اور دم نہ مارا۔ یہ کوچہ عشق ہے، اس کی جانبازی سیر کرتے ہیں۔

سرمد غم عشق بوالہوس را نہ دہند
سوز دل پروانہ مگس را نہ دہند

ابتدائے اسلام میں یہ صبر و استقلال اور اس کے ذریعہ سے بے حد کامیابی نبوت کا صریح معجزہ ہے۔ آخر وہ کیا لذت روحانی تھی کہ جس کے لئے لوگوں نے یہ مصائب اٹھائے؟

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ:......البتہ صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان کے درمیان طواف کرے اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ قدردان ہے جاننے والا ﴿۱۵۸﴾۔

ترکیب:...... صفا اور مروۃ دونوں اسم ان۔ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اس کی خبر۔ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ ... شرط فَلَا جُنَاحَ ...... جواب شرط اسی طرح من تطوع...... شرط فان اللہ...... جواب۔

❶ ...... ہر انسان جب مر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر مجاہد فی سبیل اللہ کے اعمال ہمیشہ جاری رہتے ہیں۔ ۱۲ منہ۔ ❷ ...... مفسر نیچر نے جو اپنی تفسیر میں اس مقام پر معتزلہ کی تقلید کر کے حیات کے معنی حیات فی الدین لئے ہیں اور کبھی آئندہ زندہ ہو جانا مراد رکھا ہے، سو یہ محض ان کی کم فہمی ہے۔ ۱۲ منہ۔

## صفاومروہ پر دُعا کی قبولیت

تفسیر:......اول آیت میں صابرین کی مدح اور صبر کے فضائل تھے (جس طرح کہ اس سے پہلی آیت میں ذکر اور شکر کا ذکر تھا۔ کس لئے کہ انسان کی دو حالتیں ہیں۔ نعمت ومصیبت۔ اول میں شکر اور دوسرے میں صبر کرنا مقتضی ایمان ہے۔ یہاں خدا تعالیٰ صابرین کے صبر کا نتیجہ ذکر کرتا ہے کہ صفا اور مروہ جو خانہ کعبہ کی متصل دو چھوٹی سی پہاڑیاں ہیں وہ حضرت ہاجرہ، والدۂ حضرت اسمٰعیل کے صبر کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی نشانیاں اور مقدس ومتبرک جگہ ہوگئیں۔ جب حضرت ہاجرہ اپنے معصوم بچے اسماعیل علیہ السلام کو لے کر اس خشک میدان میں آرہیں اور مشک کا پانی ختم ہو چکا اور دھوپ کی گرمی اور پیاس کی شدت اور بچے کے تڑپنے میں بے قرار ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف ملتجی ہوئیں اور اس حالت میں کبھی اس پہاڑی پر اور کبھی اُس پہاڑی پر ظہور رحمت الٰہی کی امید میں آئیں گئیں تو خدا تعالیٰ نے انہیں پہاڑوں پر سے تجلّیٔ رحمت فرمائی اور حضرت ہاجرہ کی دعا قبول کی اور خدا تعالیٰ کے فرشتہ نے آواز دی کہ دیکھ! خدا تعالیٰ نے تیرے اور تیرے بچے کے لئے چشمہ جاری کر دیا۔ سو جب سے یہ جگہ محل اجابت دعا قرار پاگئی پس جو کوئی حج یا عمرہ کے لئے جائے تو اس عارضی وجہ سے، کہ ایام جاہلیت میں اساف اور نائلہ کے بت (جو دو مرد دو عورتیں تھیں اور انہوں نے خانہ کعبہ کے پاس عین طواف میں زنا کا ارادہ کیا تھا جس سے ان کی صورتیں مسخ ہوگئی تھیں) مشرکین نے رکھ لئے تھے اور ان کے گرد طواف کرتے تھے۔ ان مقامات مقدسہ کی بزرگی میں کوئی فرق نہ خیال کرے۔ اگر ان پہاڑیوں کے میدان میں اسی طرح سے کہ جس طرح حضرت ہاجرہ اجابت دعا کے لئے طواف کرتی پھریں تھیں، کوئی طواف کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں بلکہ اس کے لئے در اجابت مفتوح ہوتا ہے۔ یہ نیک بات ہے اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس کو رائیگاں نہیں کرتا بلکہ اس کی قدردانی کرتا ہے کیونکہ وہ شکور بھی ہے یعنی قدردان اور واقف بھی، دنیا کے امراء اور سلاطین کی طرح غافل نہیں کہ مخلصوں کی خیر خواہی اور خدمت گزاری ان تک نہیں پہنچتی۔

**صفاومروہ کا محلِ وقوع:**......صفا اور مروہ خانہ کعبہ سے شرقی جانب دو پہاڑیاں ہیں۔ صفا تو جنوبی جانب ہے اور مروہ شمالی جانب میں۔ ان کے بیچ میں تخمیناً سات سو ستر گز کی مسافت ہے۔ صفا تو کوہ ابوقبیس کی جڑ میں ہے اور مروہ کوہ قعیقعان کے آگے ناک کی طرح سے ہے۔ اب ان دونوں پہاڑیوں پر آبادی ہے بلکہ کسی قدر ان پہاڑوں پر بھی اور صفا ومروہ پر صرف سیڑھیوں کے نشان بنا دیئے ہیں اور ان کے درمیان جو فاصلہ ہے، پہلے وہاں نشیب اور ناہموار زمین تھی۔ اب تو حرم کی دیوار سے ملا ہوا ایک بازار وسط شہر میں ہے، وہیں حاجی سعی کرتے ہیں اور طواف بھی۔

**شعائرِ اسلام:**......شعائر۔ شعیرہ یا شعارہ کی جمع ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں اور شعائر اللہ عرف شریعت میں عبادت کے مکانات اور زمانوں اور علامات کو کہتے ہیں۔ مکانات عبادت جیسا کہ کعبہ اور عرفہ اور مزدلفہ وجمرات ثلث وصفا ومروہ ومنیٰ وجمیع مساجد اور اوقات جیسا کہ رمضان اور اشہر حج وعیدین وجمعہ اور علامات جیسا کہ آذان واقامت ونماز با جماعت اور اسی طرح دینی بزرگوں کے وہ مقامات کہ جہاں ان پر افضال الٰہی نے ظہور کیا تھا، حج کے شعائر کہلاتے ہیں۔

حج کے لغوی معنی قصد وغیرہ کے ہیں مگر شرع میں ارکانِ مخصوصہ کا نام ہے اور حج وعمرہ میں یہ فرق ہے کہ حج میں نویں ذی الحجہ کو عرفات میں جانا اور پھر وہاں سے آکر طواف کعبہ کرنا ہوتا ہے اور عمرہ میں یہ نہیں۔ باقی احرام باندھنے اور طواف اور سعی صفا اور مروہ میں دونوں شریک ہیں اور عمرہ کے لئے مہینہ اور دن خاص نہیں۔

**صفاومروہ کی سعی کا حکم:**......ہر چند لفظ لا جناح سے صفا ومروہ کی سعی واجب یا فرض نہیں معلوم ہوتی بلکہ یہ بات کہ جو سعی کرے تو اس

پر کچھ گناہ نہیں لیکن دلائل شرعیہ سے ان کا کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پھر امام شافعیؒ فرض کہتے ہیں کہ بغیر اس کے حج و عمرہ نہیں ہوتا نہ کوئی قربانی اس کے قائم مقام ہوتی ہے اور امام ابوحنیفہؒ واجب کہتے ہیں۔ کہ اس کے نہ کرنے سے حج و عمرہ فوت نہیں ہوتا بلکہ قربانی سے بدل مافات ہو سکتا ہے۔

یہ ایک باریک سا فرق ہے اور دلائل ہر فریق کے ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ مگر جو لوگ اس کو ضروری نہیں کہتے ہیں جیسا کہ مجاہدؒ اور عطاءؒ تو ان کا قول صحیح نہیں۔ کس لئے کہ بہت سی احادیث صحیحہ اس کے وجوب کو ثابت کرتی ہیں۔ بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث کہ جس کو امام بخاریؒ و مسلمؒ و مالکؒ نے روایت کیا ہے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو صفا و مروہ کے درمیان طواف نہ کرے تو اس پر کچھ حرج نہیں۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تو سمجھتا نہیں، اگر یوں ہوتا تو ان لا یطوف بھما فرماتا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

ترجمہ:...... بے شک لوگ ان کی کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو کہ جس کو ہم نے نازل کر دیا ہے، اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے اس کو لوگوں کے لئے کتاب میں بھی بیان کر دیا ہے (سو) انہیں پر خدا تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی۱۵۹۔ مگر وہ کہ جنہوں نے توبہ کی اور نیکی اختیار کی اور صاف ظاہر کر دیا تو ہم بھی ان کو معاف کر دیتے ہیں اور ہم تو بڑے ہی معاف کرنے والے مہربان ہیں۱۶۰۔ بے شک جو منکر ہو گئے اور انکار ہی کی حالت میں مر بھی گئے تو انہی پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور فرشتوں اور سب لوگوں کی بھی۱۶۱ وہ سدا اسی میں رہیں گے، نہ تو ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ ان کے لئے چھٹکارا ہی ہوگا۱۶۲۔

ترکیب:...... الذین موصول یکتمون فعل با فاعل ما انزلنا اس کا مفعول من البینت و الھدی بیان ما۔ من بعد ما متعلق ہے یکتمون سے۔ فی الکتاب متعلق ہے بیناہ سے یہ سب مجموعہ صلہ ہوا۔ پھر موصول و صلہ اسم ان اور اولٰئک مبتدا یلعنھم...... الخ جملہ اس کی خبر پھر یہ مجموعہ خبر ہے ان کی۔ الا الذین...... الخ استثناء متصل موضع نصب میں ہے اور مستثنیٰ منہ ضمیر ہے یلعنھم میں۔ الذین کفروا...... الخ اسم ان۔ اولٰئک مبتدا علیھم لعنۃ اللہ...... خبر جملہ خبر ان خالدین حال ہے ضمیر علیھم سے اور لا یخفف حال ہے ضمیر خالدین سے۔

## اہلِ کتاب حق کی باتیں چھپانے پر لعنت کے مستحق ٹھہرے

**تفسیر:......** اول تحویل قبلہ کے بارے میں گفتگو تھی اور اس کے ضمن میں کعبہ کی فضیلت اور یہود و نصاریٰ کے شکوک و شبہات کا جواب

تھا کیونکہ وہ کعبہ اور حج وغیرہ امور کی نسبت یہ کہتے تھے کہ یہ جاہلیت کی باتیں ہیں، یہ پیغمبر برحق ہوتے تو ان باتوں کو نہ کرتے۔ پھر اس کلام کو عمدہ نصیحت اور یادالٰہی اور شکر اور صبر کی تاکید اور اس کے عمدہ نتائج پر ختم کر کے اصل مدعا کی طرف رجوع کرتا ہے کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کی شریعت اور جس قدر اس کے اصول ہیں وہ سب کتب انبیاء علیہم السلام توراۃ وغیرہا میں مذکور ہیں اور نیز اس نبی ﷺ کی بشارتیں اور فاران سے خدا تعالیٰ کا جلوہ گر ہونا اور بنی قیدار میں خدا تعالیٰ کا فضل و رحمت کا وعدہ سب کچھ ان کتب میں خدا تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے مگر تعصب و عناد سے اہلِ کتاب ان باتوں کو چھپاتے اور عرب کے جاہلوں اور اپنے عامیوں کو شبہات میں ڈال کر گمراہ کرتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ ان چیزوں کو کہ جن کو ہم نے لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر دیا ہے، چھپاتے ہیں اور ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت پر پردہ ڈالتے ہیں اور عالم کی روشنی کو بجھاتے ہیں تو ان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے اور تمام عالم کی طرف سے لعنت برستی ہے جس کا نتیجہ دنیا کی رسوائی اور بے برکتی اور عالمِ آخرت کا عذاب ہے۔ مگر جو لوگ اس فعل بد سے توبہ کر کے نیک بختی اور خدا تعالیٰ کی امانت کا اظہار اختیار کرتے ہیں تو ہم بھی ان کو معاف کر دیتے ہیں۔ ہاں جو اسی کفر میں دم آخر تک رہتے ہیں اور اسی حالت میں اس عالم سے جاتے ہیں تو ان پر ہمیشہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اور ملأ اعلیٰ کی طرف سے بلکہ عالم سفلی کی طرف سے لعنت برستی ہے کہ جس سے وہ اس عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں کہ کبھی ان سے کم نہ ہوگا اور نہ کوئی ان کو اس سے مہلت دلا سکے گا۔

---

ع ۱۱ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٣﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ
النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿١٦٤﴾

---

ترجمہ: ... اور تمہارا خدا تو خدائے واحد ہے، جس کے سوائے کوئی معبود نہیں، وہ بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے ﴿١٦٣﴾۔ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلنے میں اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کی نفع دینے والی چیزیں لے کر چلتے ہیں اور اس پانی میں کہ جس کو خدا آسمان سے برساتا ہے، پھر اس سے مری ● ہوئی زمین کو زندہ کرتا ہے اور اس میں ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلاتا ہے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادلوں میں کہ جو آسمان اور زمین میں ادھر رکھے ہوئے ہیں، البتہ عقلمندوں کے لئے بہت سے نشان (قدرت) ہیں ﴿١٦٤﴾۔

---

ترکیب: ...... الٰهکم مبتداء الله واحد موصوف صفت خبر۔ الا هو مستثنیٰ موضع رفع میں ہے اس لئے کہ یہ بدل ہے موضع لا اله سے کیونکہ محل لا کا اور جس میں کہ یہ عمل کرتا ہے رفع ہے بسبب مبتداء ہونے کے اور اگر مستثنیٰ موضع نسب میں ہوتا تو الا ایاہ ہوتا، الرحمٰن بدل ہے ھو سے یا خبر مبتدا ہے اور یہ جائز نہیں کہ ھو کی صفت ہو لان الضمیر لا یوصف اور نہ یہ کہ ھو کی خبر ہو لان المستثنیٰ ھنا لیس

---

● یعنی خشک زمین کو جو مردہ کے مشابہ ہے زندہ یعنی ہرا کرتا ہے۔ خشک ہونے کو بیکار ہونے کے سبب مردگی سے اور تازہ ہونے اور نباتات اگانے کو کارآمد ہونے کے سبب اس کی زندگی سے بطور استعارہ کے تعبیر کیا اور یہ کلام عرب میں بڑی فصاحت ہے۔ ۱۲ منہ۔

بجملة فی خلق السّمٰوٰتِ . . . سب جملے کے بعد دیگر خبر ہیں اِنّ کی اور لاٰیات......اسم ہے اِنَّ کا۔

## واحدنیت کا درس

تفسیر:......جب کہ خدا تعالیٰ کے نافرمانوں اور اس کے احکام چھپانے والوں اور کفر پر مرنے والوں کو یہ حکم سنایا گیا کہ ان پر خدا تعالیٰ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے تو اس جگہ یہ خطرۂ شیطانی پیدا ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ سرے سے غلط ہے اس لئے کہ اور بھی شخص ایسے ہیں کہ جن کو خدائی اختیارات ہیں یا وہ خدائی کے حصہ دار ہیں، اگر ایک نے نکالا تو دوسرے کی طرف ملتجی ہو جائیں گے۔ چنانچہ عموماً عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی کا حصہ دار جانتے ہیں اور ان کو بیٹا کہتے ہیں اور مشرکین قدیم وحال تو عناصر وآسمان وارواح وغیرہ سینکڑوں چیزوں کو خدائی میں شریک جانتے تھے اور جانتے ہیں اور مدینہ کے بعض بے وقوف یہود بھی عزیر علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے وسوسۂ شیطانی کو باطل کر دیا۔ اے بنی آدم! تم سب کا ایک ہی معبود ہے پس:

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت
بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

**توحید اور اس کے دلائل:**......اور یہ اس لئے کہ اس کے سوا عرصۂ وجود میں اور کوئی معبود ہی نہیں۔ پھر اس دعویٰ کے ثبوت میں خدا تعالیٰ نے آٹھ وہ دلیلیں بیان فرمائیں کہ جن سے خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور دیگر صفات کمالیہ اور نیز ان کا وجود معلوم ہو جاتا اور لطف یہ ہے کہ یہ دلیلیں اس کی انعام اور بخشش کے لیے آئینہ بھی ہیں اور یہ آٹھوں چیزیں امور مذکورہ پر ایک وجہ سے نہیں بلکہ مختلف وجوہ سے دلالت کرتی ہیں۔ وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں:

۱)......**آسمان وزمین کی پیدائش:**......سو یہ چند طور پر دلالت کرتی ہے از انجملہ یہ کہ افلاک متعدد ہیں اور ان میں ستارے بھی متعدد ہیں اور باوجود یہ کہ طبیعت جرم علوی سب میں مشترک ہے مگر ہر ایک مختلف ہے۔ کوئی آسمان بڑا، کوئی چھوٹا ہے۔ اسی طرح کوئی ستارہ بڑا، کوئی چھوٹا ہے اور کسی کا رنگ مائل بسرخی ہے، کسی کا مائل بسفیدی اور کسی کی حرکت کسی طرف ہے اور کسی کی کسی طرف كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کسی قادر مختار کے قبضۂ قدرت میں ہیں کہ وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر یہ چیزیں از خود ہوتیں تو پھر باوجود اتحاد مقتضی کے یہ اختلاف کیسے؟۔ از انجملہ یہ کہ افلاک اور ستارے اجسام ہیں اور ہر ایک مرکب ہے اور ہر مرکب حادث ہے یعنی پہلے نہ تھا، پھر ہوا اور ہر حادث کے لئے ایک محدث قدیم وقدیر ضروری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور زمین کے مختلف حالات سے تو زیادہ تر یہ بات ثابت ہے کہ یہ کسی قادر مختار کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

۲)......**دنوں اور راتوں کا اختلاف:**......کہ رات جاتی اور دن آتا ہے اور کبھی راتیں چھوٹی اور بڑی ہوتی ہیں اور اسی طرح دنوں کا حال ہے اور ایک ہی وقت میں کہیں رات ہے، کہیں دن ہے۔ آج جو ہماری رات دس یا بارہ گھنٹہ کی ہے وہی بلاد شمالیہ میں دو مہینے کی بلکہ قطب کے نیچے رہنے والوں کے لئے چھ مہینے کے برابر۔ پس یہ عجائب از خود نہیں بلکہ اس کے ہاتھ میں ہیں کہ جس کے ہاتھ میں آسمان اور آفتاب کی ڈوری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

۳)......**کشتی، جہاز اور آگھنبوٹ کی روانگی ہے:**......تمام زمین پر کرۂ ماء محیط ہے یعنی ہر طرف پانی ہے جس کو عربی میں بحر اور اردو میں سمندر کہتے ہیں۔ اور پانی کی بارش اور زمین کے چشموں یا برف کے پگھلنے سے بہتے ہیں تو ان کو عربی میں نہر کہتے ہیں پس اس

سمندر میں سے بقدر چوتھائی زمین اُٹھی ہوئی ہے کہ جس پر یہ تمام ممالک یورپ، افریقہ، ایشیا وغیرہ آباد ہیں اور کہیں کہیں اور بھی بڑے بڑے جزیرے یعنی ٹاپو ہیں کہ جن میں ملک بستے ہیں جیسا کہ امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ اور کہیں کہیں سینکڑوں کوسوں تک زمین میں سمندر کی کوئی شاخ چلی گئی ہے جس کو خلیج کہتے ہیں۔ پس ان دور دراز ملکوں میں جو لوگ جاتے اور تجارت کے عمدہ عمدہ کارآمد اسباب لے جاتے ہیں تو بذریعہ ہوائی اور دخانی کشتیوں کے لے جاتے ہیں۔ اب اس بے انتہا دریا میں اس طرح سے کشتی کا چلنا اور اس کے متعلق انسان کو عمدہ عمدہ علوم اور آلات تعلیم کرنا خاص اسی خداوند تعالیٰ وتقدیس کا کام ہے اور پھر اس کو پہاڑ سی موجوں سے بچانا اور ہوا کا موافق رکھنا سب اس کے ید قدرت میں ہے۔

۴)......**آسمانوں میں سے مینہ کا اترنا:**......یعنی بادلوں سے بارش کا نازل کرنا، یہ بھی اس کے وجود قدرت کاملہ کی دلیل ہے۔ ہزاروں من پانی بادلوں میں بھرا ہوا ہوا کی گاڑی پر لدا ہوا ہے، اس کو فرشتے اِدھر اُدھر لیے پھرتے ہیں۔ جہاں جس قدر ضرورت ہوتی ہے اسی قدر اس کے حکم سے نہایت سہولت سے برساتے ہیں۔

۵)......**اس (بارش کے) پانی سے زمین مُردہ کو زندہ کرنا:**......یعنی اس سے ہزاروں جڑی بوٹیاں، اناج، گھاس، عمدہ عمدہ پھل پھول کے درخت اُگانا، یہ اسی کا کام ہے۔ باوجود یہ کہ ایک زمین ہے اور وہی پانی اوپر سے برستا ہے مگر ایک درخت شیریں ہے تو دوسرا تلخ بلکہ ایک ہی درخت میں کہیں سرخ پھول ہیں تو کہیں سفید۔ پھر نباتات میں جو کچھ ید قدرت نے گل کاریاں کی ہیں، اس کی تو نقل کرنے میں بھی بڑے بڑے نقاش حیران وسرگرداں ہیں۔ باوجود یہ کہ ایک مادہ ایک پانی، ایک ہوا، ایک آفتاب و ماہتاب کی شعاع، اس پر نباتات میں یہ کچھ اختلافات! پس اگر یہ سب نیرنگیاں اس قادرِ مطلق کے ید قدرت کی نہیں ہیں کہ جو پردۂ حسن کے پیچھے جلوہ گر ہے تو اور کیا ہے؟ سچ تو یوں ہے کہ ہر ہر شجر بلکہ ہر برگ و بر اسی کی خداوندی کا اقرار کر رہا ہے۔

ہر گیاہے کہ از زمین روید ☆ وحدہٗ لا شریک لہٗ گوید

۶)......**زمین پر حیوانات کا پھیلانا:**......حیوان کی ہزار ہا انواع واقسام ہیں، ان کی گنتی اور شمار بشر کی قدرت سے باہر ہے۔ ان کی دو اقسام عام ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ جو توالد اور تناسل کے طریقے پر پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ آدمی، گھوڑا، وغیرہ۔ دوسری قسم وہ ہیں کہ جو بطریق تولید پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ برساتی پانی سے سینکڑوں مینڈک اور ہزار ہا جھینگر اور دیگر حشرات الارض مٹی سے پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اب ان میں جو اعلیٰ اور اشرف حضرت انسان ہیں، انہیں ملاحظہ فرمائیں۔ نطفہ جو اس کی اصل ہے، اس کو غور کیجئے کہ وہ ایک متشابہ الاجزاء چیز ہے۔ پھر کون ہے جو اس نطفہ کی تقسیم کرتا ہے، کسی قدر کا قلب اور کسی قدر کی ہڈی وغیرہ اعضاء بناتا ہے؟ اگر کہے کہ یہ خود اس انسان کا فعل ہے تو یہ ہنوز بنا ہی نہیں، فعل کیا کرے گا اور جب یہ کامل بن کر باہر آتے اور پھر علوم وفنون میں استاد ہو جاتے ہیں تب تو ان سے ایک بال بھی بن نہیں سکتا نہ ہڈی نہ چمڑا بنا سکتے ہیں تو اس حالت میں کیا کر سکتے ہیں؟ اگر کہو کہ یہ طبیعت نطفہ کا فعل ہے تو وہ ہر جزو میں مساوی ہے، اس کا فعل بھی ہر جزو میں مساوی ہونا چاہئے تھا۔ غایۃ الامر اس کی شکل گول مول ہوتی ہے جیسا کہ بسائط کی شکل کروی ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ کاری گری اسی قادر مطلق کی ہے کہ جو پانی پر تصویر کھینچتا ہے۔ اب اس کی پرورش اور قوئی ظاہریہ و باطنیہ کو جو لحاظ کیجئے گا تو اس کو اسرار الٰہی کا مجموعہ اور اس کے جمال باکمال کا آئینہ کہیے گا۔

۷)......**ہوا کا بدلنا:**......کہ جس پر اہلِ دنیا کی زندگانی کا مدار ہے۔

۸)......**ہزار من پانی کے بادلوں کو زمین وآسمان میں معلق کر کے رکھنا:**......باوجود یہ کہ پانی کا مقتضیٰ طبعی نیچے آنا ہے مگر اس

کے حکم سے متعلق ہے۔ پھر ان دلائل میں ایک عجیب تر ترتیب طبعی ہے۔ اوّل آسمان اور زمین کو ذکر کیا اس کے بعد رات دن کے اختلافات کو کہ جو علویات سے متعلق ہے۔ اس کے بعد عناصر، دریا اور ہوا اور بادلوں میں جو کچھ اس کی صنعت ہے اس کا اظہار کیا۔ اس کے بعد موالید ثلثہ نباتات، حیوانات، جمادات کی طرف اشارہ کیا سبحان اللہ! عجب کلام ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ
لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا
لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ
حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع

ترجمہ:......اور ایسے بھی لوگ ہیں کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ سے رکھنی چاہئے اور ایمان والوں کو تو خدا تعالیٰ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور کاش ظالموں کو (آج) معلوم ہو جائے (جیسا کہ جب معلوم ہوگا) جب کہ عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت تر ہے ﴿۱۶۵﴾۔ جب کہ پیشوا اپنے پیروؤں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور عذاب دیکھیں گے اور آپس کے علاقے ٹوٹ جائیں گے ﴿۱۶۶﴾ اور پیرو کہیں گے اے کاش پھر ایک بار ہم کو (دنیا میں) جانا ملے تو ہم بھی ان سے اسی طرح دست برداری کریں جیسی کہ انہوں نے ہم سے کی ہے۔ اللہ یوں ان کے اعمال کو ان پر حسرتیں بنا کر دکھائے گا حالانکہ (اس پر بھی) ان کو جہنم سے خلاصی نہیں ہونے کی ﴿۱۶۷﴾۔

---

ترکیب:......من یتخذ۔ من نکرہ موصوفہ اور جائز ہے کہ بمعنی الذی ھو یحبونھم موضع نسب میں ہے، صفت ہے انداداً کی اور جائز ہے کہ موضع رفع میں ہو صفت من کی۔ کحب اللہ کاف موضع نصب میں ہے، صفت ہے مصدر محذوف کی ای حبًّا کحب اللہ۔ اشدّ کا متعلق محذوف ہے تقدیرہٗ اشد حبا للہ من حب ھؤلاء للانداد، لو حرف شرط، یری فعل، احد اس کا فاعل محذوف اور ممکن ہے کہ الذین ...الخ فاعل قرار دیا جائے اور یری بمعنی علم ہو ای لو عرف الذین ظلموا اور ممکن ہے کہ الذین......الخ فاعل ہو اور یری بمعنی البصر ای لو شاھد الذین ظلموا۔ ان القوۃ......الخ مفعول یری کا اذ یرون العذاب اس کا ظرف ہے اور اذ تبرّا الّذین میں جو اذ ہے وہ بدل ہے اس پہلے اذ سے۔ ورأوا العذاب وتقطعت، وقال الذین کے بعد دیگرے معطوف ہیں تبرا پر، پس مجموعہ شرط اور جواب اس کا لما اتخذوا من دونہ انداداً محذوف۔ کذلک موضع رفع میں ہے ای الامر کذلک اور جائز ہے کہ موضع نصب میں ہو صفت مصدر محذوف کی ای یریھم رویۃ کذلک۔ یریھم، رؤیۃ العین سے ہے اور ھم مفعول اوّل، اعمالھم مفعول ثانی حسرات حال ہے اور ممکن ہے کہ بمعنی یعلمھم ہو اور حسرات مفعول ثالث ہو۔

## معبودانِ باطلہ سے محبت

**تفسیر:**......یعنی باوجودیکہ ہم (اللہ) اپنے وجود اور وحدۂ لاشریک ہونے اور اپنے صفات کمالیہ اور آٹھ وہ دلیل بیان کر چکے ہیں کہ جن سے نعمتوں اور کل بھلائیوں کا خدا تعالیٰ کی طرف سے پہنچنا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ مینہ برسانا، اس سے اناج اُگانا وغیرہ وغیرہ۔ مگر بعض ایسے بھی بے وقوف ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا اس کی مخلوق میں سے عناصر اور فلکیات اور ارواح وملائکہ وغیرہم کو بھی اس کی خدائی میں شریک اور نفع اور ضرر کا مبدأ تصور کر کے ان سے بھی ویسی ہی محبت کرتے ہیں کہ جیسی خدا تعالیٰ سے کرنی چاہئے تھی۔ سو یہ انہیں لوگوں کا کام ہے کہ جنہوں نے خدا تعالیٰ کو خدا ہی نہیں جانا اور سچے دل سے اس پر ایمان نہیں لائے اور ان پر نور ایمان کا آفتاب نہیں چمکا ورنہ جو اس پر ایمان لا چکے ہیں وہ تو اس پر فدا ہیں۔ اپنی جان اور مال بلکہ اگر تمام عالم میسر آئے تو اس کو بھی اس پر قربان کرنے میں تأمل نہ کریں۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

پس وہ خاص اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور یہ بے وقوف جو غیر اللہ سے جس اُمید پر محبت کرتے ہیں، ان کو اصل حال معلوم نہیں کیونکہ اس امید کا انتظار شدت کے وقت ہوتا ہے اور شدت اور تکلیف کا وقت قیامت سے زیادہ کوئی نہیں۔ پس اگر ان کو وہاں کا حال معلوم ہو اور پھر ان کے خیالی معبودوں کا ان سے بیزار ہونا اور تبرا کرنا اور پھر یہ ان کا حسرت کرنا کہ اگر ہم پھر دنیا میں جائیں تو کبھی ان سے ایسی محبت نہ کریں بلکہ کنارہ کریں اور پھر وہاں ہر طرح کی امید وار باہمی علاقہ کا منقطع ہو جانا معلوم ہو تو کبھی بھی یہ کام نہ کریں۔

**محبت کیا ہے؟:**...... محبت علمائے ظاہر کے نزدیک ایک قسم کا ارادہ اور خواہش ہے جو ممکن الوجود چیز کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ چونکہ ممکن نہیں بلکہ واجب ہے تو اس کی محبت کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت وطاعت یا ثواب ورضا کو محبوب جانے مگر محققین کے نزدیک یہ ایک کیفیت اضطراری ہے یعنی روح کا میلان از خود خواہ کوئی غرض ہو یا نہ ہو اور یہ کیفیت ارادے کے علاوہ ہے اور سر اس میں یہ ہے کہ روح کو جمال وکمال کے ساتھ میل طبعی ہے، جس طرح کہ لوہے کو مقناطیس سے اور یہ میل عالم کے ہر جزو میں رکھا ہوا ہے اس لئے کواکب وافلاک سرگرداں ہیں۔ پس جس قدر جمال وکمال ہوتا ہے، اتنا ہی دل اسی کی طرف از خود کھنچتا ہے۔ جسمانی چیزوں میں جب کوئی حسین صورت پر نظر پڑتی ہے از خود اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور آواز میں جب اعتدال طبعی پیدا ہو کر حسن آتا ہے تو دل اسی کی طرف کھنچتا ہے۔ جب حسن اور جمال ظاہری کی یہ کیفیت ہے تو جمال وکمال حقیقی کہ جس کے جمال وکمال کا ایک ادنیٰ ظل یہ تمام جمال وکمال ہیں اعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا جمال تو اس کی طرف روح کو جس قدر میل طبعی ہو، کم ہے اور جب اجسام کا یہ حال ہے کہ ہر شئی اپنی اصل چیز طبعی کی طرف بغیر ارادہ بے قرار ہو کر آتی ہے تو اس اصل کل کی طرف روح کیونکر بے قرار نہ ہو۔ ہاں جب کفر والحاد ومعصیت کے حجاب درمیان آ جاتے ہیں تو جمال حقیقی دکھائی نہیں دیتا اسی لئے ان لوگوں کو اس کی محبت کم ہوتی ہے اور چونکہ مؤمنوں کے دل میں یہ حجاب مرتفع ہیں اس لئے وہ اس پر فدا ہیں اور پھر ان میں بھی درجات متفاوت ہیں۔ اولیاء، انبیاء، سب کے پیشرو ہیں۔ جب محبت میں محویت ہو جاتی ہے تو پھر فنافی اللہ اور بقاباللہ کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے اور عشق بھی محبت کے ایک مرتبہ کا نام ہے۔

**بیان محبت:**...... جناب سرور کائنات ﷺ نے جس طرح دینی ودنیاوی خوبیوں کی تعلیم فرمائی، اسی طرح بنی آدم میں سب سے پیشتر عشق الٰہی کا مدرسہ بھی جاری کیا۔ اس لئے اولیاء اللہ جس قدر اس اُمت میں گذرے، کسی اُمت میں نہیں۔ پس بعض شوخ چشم عیسائیوں کا

یہ کہنا کہ قرآن میں محبت الٰہی نہیں، نہ حضور ﷺ کی تعلیم سے ثابت ہے، بڑی ہٹ دھرمی ہے۔ بلکہ محبت الٰہی کا جس قدر وجود اسلام میں آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے دیرپا اثر کے ساتھ پایا جاتا ہے اس کی کسی قسم بلکہ کسی مذہب میں نظیر بھی نہیں پائی جاتی، جس کا نمونہ بدر کی لڑائی ہے اس بات کو دیکھ کر ایک عیسائی مورخ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں تو بہت بہتر ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری جو بہت سے معجزات دیکھ چکے تھے، جس وقت کہ ان کے ہادی کو یہودی پکڑ کر پھانسی دینے لائے تو سب تتر بتر ہو گئے، ان کا دینی نشہ اُتر گیا بلکہ شمعون پطرس نے تو شناسائی کا بھی بلفظ لعنت انکار کر دیا۔ برخلاف محمد (ﷺ) کے پیروؤں کے کہ انہوں نے اپنی جان کو اپنے مظلوم پیغمبر کے لئے تہلکہ میں ڈال دیا۔ جو نشہ کہ محمد (ﷺ) نے ان پر چڑھایا تھا، اس کو زمانہ کی کوئی ترشی بھی آخر عمر تک نہ اُتار سکی۔

---

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖؗ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (۱۶۸) اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۱۶۹) وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ
اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ (۱۷۰)
وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ* بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ
صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (۱۷۱)

---

ترجمہ:......لوگو زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ کیونکہ وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے (۱۶۸)۔ وہ تو تم کو بری اور بے حیائی کی باتیں ہی بتایا کرتا ہے اور یہ بھی کہ تم اللہ تعالیٰ پر نادانستہ باتیں بناؤ (۱۶۹) اور جب ان (کفار) سے کہا جاتا ہے کہ جو خدا تعالیٰ نے نازل کیا ہے، اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں (کہ ہم اس کی پیروی نہ کریں گے) بلکہ ہم تو اسی پر چلیں گے کہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، بھلا اگر ان کے باپ دادا محض بے عقل اور گمراہ ہوں تو بھی (ان کی راہ پر چلیں گے) (۱۷۰) اور کافروں کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی ان جانوروں کو پکارے کہ جو بجز پکار اور آواز کے اور کچھ نہیں سنتے۔ بہرے، اندھے، گونگے ہیں، اسی لئے سمجھتے نہیں (۱۷۱)۔

---

**ترکیب:**...... حلالاً مفعول ہے کلوا کا اور من متعلق ہے کلوا سے اور یہ ابتداء غایۃ کے لئے ہے اور ممکن ہے کہ من محذوف سے متعلق ہو اور حلالاً سے حال ہو اور طیبًا صفت ہے حلالاً کی۔ خطوات، خطوۃ کی جمع ہے اور خطوۃ کہ خ کو بالفتح پڑھیں تو اس کے معنی مصدر کے ہیں اور جو ضمہ سے تو فاصلہ بین القدمین کے۔ وان تقولوا موضوع جر میں ہے کس لئے کہ اس کا عطف بالسوء پر ہے بل اس جگہ اضراب کے لئے ہے۔ اَو عطف کے لئے اور ہمزہ استفہام کے لئے بمعنی توبیخ اور جواب لو محذوف ہے، تقدیرہٗ او کالوا یتبعونھم۔ مثل الذین... الخ مبتداء کمثل الذی ینعق خبر، وفی الکلام حذف تقدیرہٗ مثل داعی الذین کفروا ای مثل داعیھم

---

*......نعق ینعق چرواہے کا بکریوں کو پکارنا۔ اسی طرح نعقان بالتحریک ونعاق بالضم۔ ۱۲ حقانی

کمثل الناعق بالغنم۔ الادعاء منصوب بے یسمع ہے۔

## حلال اور پاکیزہ اشیاء کھانے کا حکم

تفسیر:.....عرب کی قوموں نے بہت سے خیالی معبود اور تقرب الٰہی اور قضائے حاجات کے لئے بتوں اور دیگر چیزوں کو وسائل بنا رکھا تھا جن سے وہ محبت زائد رکھتے تھے (انداد سے یہی چیزیں مراد ہیں) اور پھر جس طرح ہنود کی قومیں کہیں کسی چیز کا کھانا پینا، کہیں کسی چیز کا استعمال کرنا اپنے معبودوں کے لئے ترک کر دیتے ہیں، اسی طرح انہوں نے بھی کیا تھا۔ پس خدا تعالیٰ اپنی واحدانیت اور خاص اپنی ذات سے محبت ذاتیہ رکھنے کے دلائل بیان فرما کر اور ان کی ان خیالی امیدوں کو جو ان کو اپنے معبودوں سے تھیں، باطل کر کے فرماتا ہے کہ جس طرح تمہاری ان سے محبت باطل ہے، اسی طرح اس محبت کے وسائل کہ ناحق خدا تعالیٰ کی پاک چیزوں کو حرام کر رکھا ہے، بے سود ہیں۔ تم خدا تعالیٰ کی پاک اور حلال چیزیں کھاؤ اور شیطانی دھوکے میں نہ آؤ۔ وہ تو بے سود اور بُری باتیں دل میں ڈالا کرتا ہے، کس لئے کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

**مشرکینِ عرب چوپایوں کی مانند ہیں:**.....اس کے بعد ان کی بلادت اور نورِ فطرت کے زائل ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب ان سے کوئی تمام حجتیں ختم کر کے احکام الٰہی کے اتباع کو کہتا ہے تو اس کو جہالت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے طریق پر چلیں گے۔ فرماتا ہے کہ کیا باپ دادا احمق اور گمراہ ہوں جب بھی ان کے طریق پر چلیں گے۔ پھر ان کی اس تاریکیٔ باطن کی مثال دیتا ہے کہ ان کو ہدایت کی طرف بلانے کی مثال ویسی ہے کہ جیسے کوئی بھیڑ بکریوں کو پکارتا ہے کہ وہ اس کی آواز تو سنتے ہیں مگر کچھ سمجھتے نہیں۔ اسی طرح یہ لوگ چار پایوں کی مانند ہیں کہ کلام کو سنتے ہیں مگر کلام الٰہی ان کے دلوں میں نہیں اُترتا۔ یہ اس لئے کہ جو مبدأ فیض سے قویٰ باطنیہ عطا ہوئے تھے ان کو انہوں نے معطل کر دیا۔ اب گویا بہرے گونگے ہیں اس لئے ہدایت پر نہیں آتے۔

---

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

---

ترجمہ:.....ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں، کھاؤ (پیو) اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو ﴿۱۷۲﴾۔ خدا تعالیٰ نے تو تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور اس چیز کو کہ جو اللہ کے سوائے اور کے نام سے پکاری گئی ہو، حرام ہے۔ پس جو کوئی ناچار ہو جائے، عدل حکمی کرنے والا، حد سے بڑھ جانے والا بھی نہ ہو تو اس پر (ان چیزوں کے کھانے میں (بھی) کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے ﴿۱۷۳﴾۔

---

ترکیب:.....یا حرف ندا۔ ایھا.....الخ منادی، کلوا کا مفعول محذوف ہے ای کلوا رزقکم اور من اخفش کے نزدیک زائدہ ہے۔ انما کلمۂ حصر، حرم فعل ضمیر راجع طرف اللہ کے، اس کا فاعل میتۃ والدم ولحم الخنزیر۔ وما اھلّ بہ لغیر اللہ معطوف کے بعد دیگرے اس کا مفعول، فمن شرطیہ، غیر باغ حال، ولا عاد اس پر معطوف، فلا اثم علیہ جواب شرط۔

تفسیر:......اول آیت میں خدا تعالیٰ نے عام لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ہماری پاک اور حلال چیزیں کھاؤ، یہاں خاص مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ تم ان احمقوں کی باتوں میں نہ آؤ۔ ہماری پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے پاک چیزیں شوق سے کھاؤ پیو اور ہماری نعمت کا شکر کرو کہ ہم نے ان چیزوں کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔ مگر جن چیزوں کو وہ لوگ پاک سمجھتے ہیں ان میں سے یہ صرف چار چیزیں حرام و ناپاک ہیں، اُن کو نہ کھاؤ۔ اوّل مُردار، دوم خون، سوم سور کا گوشت، چہارم وہ جو غیر اللہ یعنی بُتوں کے نام زد ہو جائے یا اس کے نام سے ذبح کیا جائے اور جب کوئی اس طرح بھوک کے مارے ناچار ہو جائے تو اس وقت ان چیزوں کے کھانے میں بھی گناہ نہیں بشرطیکہ سدِ رمق ہو، حد سے متجاوز نہ ہو اور خدا تعالیٰ کی عدول حکمی اور سرکشی بھی مقصود نہ ہو۔ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے، اگر تم سے کھانے میں بشریت سے کچھ زیادتی ہو گئی تو معاف کر دے گا۔ اب ہم آیت کا مطلب بیان کر کے چند ابحاث بیان کرتے ہیں کہ جو الفاظ قرآن سے متعلق ہیں اور جن پر بہت سی مسائل فقہیہ متفرع ہیں:

## چند مسائل

بحث اول:...... کلوا یعنی کھاؤ۔ یہ امر اباحت کے لئے ہے یعنی طیبات کا کھانا جو فرمایا تو اس سے مقصود اجازت اور پروانگی ہے فرض نہیں ہے۔ لیکن کھانا اس وقت میں کہ خوف ہلاک ہو، حفظِ جان کے لئے واجب ہو جاتا ہے اور کبھی نعماء الٰہی کا کھانا مہمانوں کا ساتھ دینے کے لئے مستحب ہوتا ہے اور اسی طرح افطاری اور ولیمہ اور مریض وغیرہ کے لئے اگر کوئی تکلف کا کھانا پکائے تو مستحب ہے، جیسا کہ حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ البتہ نفس تازہ کرنے کے لئے ایسے امور کا ہونا مذموم ہے، اسی لئے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ ان لذائذ سے حتی المقدور دور رہتے تھے۔

بحث دوم: (حلال و پاکیزہ)......طیبات طیبہ کی جمع ہے اور طیب کے معنی پاک اور مزہ دار کے ہیں کہ جس میں کچھ مضرت نہ ہو اور حلال وہ کہ جس کو شرع نے ممنوع نہ کیا ہو۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ شریعت نے ان ہی چیزوں کو حرام و ممنوع کیا ہے کہ جن میں انسان کے لئے مضرت ہے خواہ یہ مضرت اس کے بدمزہ اور ردی الکیفیت ہونے کی وجہ سے ہو کہ جس کو طبیعت قبول نہیں کرتی جیسا کہ مردار وغیرہ اشیاء یا اس وجہ سے کہ اس کے اخلاق اور عادات میں نقصان اور بُرائی پیدا کرتے ہیں جیسا کہ سور اور دیگر درندوں اور شکاری جانوروں کا گوشت۔ کیونکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایسی چیزوں کے کھانے سے بے حیائی اور سخت دلی پیدا ہوتی ہے اور یہ اس لئے کہ غذا جزو بدن ہوتی ہے اور اپنے اثر کھانے والے میں پورا پورا پیدا کرتی ہے اور اسی وجہ سے سود اور چوری اور غصب اور دیگر ناجائز پیشوں کی کمائی حرام کی گئی کہ ان سے اخلاق انسانی میں فتور پڑتا ہے۔ دیکھئے سور خور کس درجہ کے بے رحم ہوتے ہیں کہ مفلس بھائی سے ایک کے سو لے کر بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ یا اس وجہ سے کہ اس کے حواس سلیمہ اور عقل میں فتور برپا کرتے ہیں جیسا کہ شراب وغیرہ مسکرات اور جب طیب کے یہ معنی ہوئے تو اس لئے نبی ﷺ نے اس کی ہر ایک صورت کی مختلف عبارتوں سے تفسیر فرمائی۔ کبھی طیب اس کے کسب حلال کو قرار دیا اور کہیں اشیاء غیر مضرہ کو فرمایا۔

یہ باتیں ظاہر ہے کہ طیب کے معنی میں ہر قوم اور ہر ملک بلکہ ہر شخص کا جداگانہ خیال ہے جن چیزوں کو بہت سے اہلِ عقل سلیم ناپاک اور مضر اور نفرت کے قابل جانتے ہیں سینکڑوں ان کو اچھا سمجھتے ہیں۔ بعض کو یہ افراط ہے کہ کوئی بھی نہیں چھوڑتے حتیٰ کے مردار کے کیڑے بھی بڑے مزے سے کھاتے ہیں چہ جائیکہ برانڈی، شراب اور موٹے تازے سور اور اسی طرح سود اور زناکاری کی کمائی کو بھی رفاہِ قوم اور ترقی دولت اور لوگوں کی حاجت برداری کا باعث جان کا نہایت اچھی کمائی جانتے ہیں اور بعض کو اس تفریط نے گھیر کر صدہا پاک اور عمدہ

چیزیں بھی حرام کر رکھی ہیں جیسا کہ گوشت بالخصوص گائے کا گوشت اور ان کے پیشواؤں نے تو عمدہ کھانے اور سرد پانی اور اچھا کپڑا اور بیوی کے پاس جانا بھی حرام کر دیا۔ پس جب یہ حال تھا تو خدا تعالیٰ نے طیب کی تشریح بھی الہام ربانی کے اختیار میں رکھ کر پہلی آیت میں طیب کو حلال کے ساتھ مقید کیا اور یہاں من تبعیضیہ لا کر آگاہ کر دیا جن کو عوام کالانعام طیب سمجھتے ہیں، وہ سب نہیں بلکہ اس میں سے وہ کہ جو دراصل طیب ہے اور اس نے اس کو تمہارے کھانے کے لئے پیدا کیا ہے۔ مَارَزَقْنٰکُمْ (اس پر دال ہے) اور اس سے پہلے آیت میں جس طرح اس قوم اہل تفریط کا ردّ ہے کہ جس نے اپنے اوپر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو از خود حرام کر رکھا تھا، اسی طرح اس آیت میں اس قوم اہلِ افراط کا ردّ ہے کہ جو شتر بے مہار ہو گئے تھے اور جو لوگ پاک چیزوں کو عبادت سمجھ کر نہ کھاتے تھے ان کی یوں تسلی کی کہ تم ان نعمتوں کو کھا کر میرا شکر کرو۔ ایسے مزے کے وقت خدا تعالیٰ کو یاد کرنا اور اس کا تہ دل سے شکریہ بجالانا بڑی سعادت ہے۔ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ۔

بحث سوم: (مردار کا حکم):...... اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ...... الخ لفظ انما حصر کے لئے آتا ہے جس کے معنی ''صرف'' یا ''فقط'' کے ہیں۔ اب یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں اور نیز سورۂ انعام میں (قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُہٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَۃً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ) انہیں چند چیزوں کا ذکر ہوا ہے یعنی مردار، خون سور کا گوشت اور جو کہ غیر اللہ کے نام سے ذبح کی جائے یا ان کے نام سے پکاری جائے حالانکہ ان کے سوا اور بھی چیزیں حرام ہیں جیسے شیر، بھیڑیا، ریچھ، کتا وغیرہ درندے اور باز، چیل، کوا وغیرہ شکاری پرندے اور اسی طرح حشرات الارض سانپ، بچھو، نیولا، چوہا وغیرہ اور اسی طرح مردار خوار اور نجاست کھانے والے جانور کہ گدھ اور لم ڈھینک وغیرہ اور اسی طرح قرآن مجید میں بھی ان چار چیزوں کے علاوہ اور حرام چیزیں مذکور ہیں جیسا کہ خمر یعنی شراب۔ اس کا جواب بعض کے نزدیک یہ ہے کہ کلمۂ انما اس جگہ حصر کے لیے نہیں آیا اور ایسا اکثر زبان عرب میں مستعمل ہوا ہے۔ محققین یہ جواب دیتے ہیں کہ حصر اضافی ہے نہ کہ مطلق یعنی ان چیزوں میں سے کہ جن کو تم نے از خود اپنے لئے حرام کر رکھا ہے، صرف یہ چیزیں حرام ہیں۔ المیتۃ بروزن فعیلۃ اور اس کی اصل میوتۃ ہے۔ پس جب کہ واو ری جمع ہوئی اور اوّل ساکن تھا تو وکوی سے بدل دیا پھر ی کوی میں ادغام کر دیا لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے اس کو بالتخفیف پڑھنے لگے ورنہ دراصل مشدد ہے جیسا کہ سیّد اور ہین۔

میتہ کی لغوی و شرعی تعریف:...... لغت میں میتہ اس جانور کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح مر جائے جس کو مردار کہتے ہیں اور اسی لئے عرب مقتول اور میت کے معنی میں فرق کرتے ہیں اور شرع میں عام معنی مراد لئے گئے ہیں یعنی جو کہ بطور معمولی ذبح نہ کیا جائے خواہ خود بخود مر جائے، خواہ ذبح معمولی نہ ہو یعنی غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو یا حلقوم نہ کاٹا گیا یا حلقوم بغیر نام اللہ کے کاٹا ہو، مشرک نے کاٹا ہو یا پہاڑ یا دیوار پر سے گر کر مر گیا ہو یا اس کو کسی درندے نے پھاڑ کر کھایا ہو یا اس کا گلا گھونٹ کر مارا ہو ان سب کو عرف شرع میں میتہ یعنی مردار کہتے ہیں اور اس لئے سورۂ مائدہ میں لفظ میتہ کے اور چیزیں بھی جو اس کا مصداق تھیں، بطور تفسیر مذکور ہوئی ہیں۔ قال تعالیٰ: حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَۃُ وَالْمَوْقُوْذَۃُ وَالْمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیْحَۃُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ الآیۃ اور دلیل اس پر سورۂ انعام کی یہ آیت ہے: وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاِنَّہٗ لَفِسْقٌ الآیۃ کہ جو خدا تعالیٰ کے نام سے نہ ذبح کیا جائے اس کو مت کھاؤ اس لئے کہ اس کا کھانا بدکاری ہے۔ یہاں کچھ استثناء نہیں کہ اہل کتاب کا گلا گھونٹا جانور یا ان کا جھٹکا کیا ہوا یا یوں ہی بندوق سے مارا ہوا درست ہے بلکہ وہ سب مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ میں داخل ہیں پس جو اس کو درست کہتا ہے وہ غلطی پر ہے اور اجماع جمہور کے بھی سراسر خلاف ہے۔

مردار کو حرام قرار دینے کی حکمت:..... حکمت مردار کے حرام کرنے میں یہ ہے کہ اس میں ایک قسم کی سمیت پیدا ہو جاتی ہے۔ گو وہ سمیت فی الفور اپنا اثر نہیں دکھاتی مگر بار ہا تجربہ میں آیا ہے اور اسی لئے ایسا گوشت بدمزہ ہوتا ہے اور بالخاصیت روح کی تاریکی میں بھی ایسی چیزوں کو اثر ہے اس لئے دونوں کے لئے دو باتیں مقرر ہوئیں ذبح، باسم اللہ۔ جو حمقاء اس سر سے واقف نہیں وہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی ماری حرام اور بندے کی ماری حلال، یہ عجیب مسئلہ ہے۔

فوائد۔ احکام مُردار:..... (اول) نص قرآن سے میتہ کی حرمت ثابت ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ البتہ اس کے متعلق اور بہت سے مسائل ہیں کہ جو علمائے دین نے احادیث یا اجتہاد سے پیدا کئے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ مچھلی اور ٹڈی اس حکم سے بحکم حدیث صحیح مستثنیٰ ہیں احلت لنا میتتان و الدمان اما المیتان فالسمک و الجراد و اما الدمان فالکبد و الطحال ❶ اور سر اس کا یہ ہے کہ مچھلی کا بیشتر مادہ پانی ہے کہ بالطبع پاک ہے اور نیز اسی لئے اس میں خون نہیں کہ جس کے نکالنے کی ضرورت ہو اور ٹڈی بے توالد وتناسل خود بخود پیدا ہوتی ہے اور نہ اس میں خون رواں ہے باوجودیکہ اس میں وہ مضرتیں بھی نہیں کہ جو اور جانوروں میں ہیں اسی لئے ان کا ذبح کرنا ضروری نہ ہوا۔ مگر جو مچھلی کہ پانی میں خود مر کر اوپر تیر آئے کہ جس ''طافی'' کہتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ ابن عدیؒ نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ازانجملہ یہ کہ مردار کا صرف کھانا حرام ہے، باقی اس کی کھال اور بالوں اور ہڈیوں سے نفع لینا درست ہے۔ اسی طرح مردا کو کتے وغیرہ جانوروں کو کھلانا درست ہے۔ ہاتھی دانت کی چیزیں اور سمور وغیرہ پوستین اور مردار جانوروں کے چمڑے بعد دباغت کے آنحضرت ﷺ کے سامنے مستعمل ہوئے تھے، آپ ﷺ نے منع نہ فرمایا۔

ازانجملہ یہ کہ جب کوئی جانور ذبح کیا جائے اور اس کے شکم سے مردہ نکلے تو اس میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ میتہ ہے اس کا کھانا درست نہیں۔ ہاں اگر زندہ نکلتا اور ذبح کیا جاتا تو درست ہوتا۔ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمد کہتے ہیں کہ اس کا کھانا درست ہے، کس لئے کہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس کا ذبح کرنا ہے۔ (تفسیر کبیر)

فائدہ۔ احکام دَم:..... (دَم) سے مراد امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دم مسفوح ہے یعنی خون رواں اور امام شافعیؒ کے نزدیک مطلق ہے کس لئے کہ اس آیت میں کوئی قید نہیں۔ پس ان کے نزدیک جو خون گوشت پر جما ہو، وہ بھی اور جو بہتا ہو وہ بھی سب حرام ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں: چونکہ دوسری جگہ دَم مقید ہے بقید منسوخ (اَوْدَمًا مَّسْفُوْحًا) تو اس جگہ وہی مراد ہے۔

عرب خون کو جما لیتے تھے، پھر اس کو توے وغیرہ پر بھون کر کھاتے تھے اور یہ اخلاقِ انسانی کو فاسد کرتا ہے۔ علاوہ جسمانی امراض کے یہ نجس چیز کہ جس کی نجاست بالذات انسان کو سخت دل کرتی ہے اس لئے طبائعِ سلیمہ اس سے نفرت کلی رکھتے ہیں۔ مگر کلیجی اور تلی اگرچہ بظاہر خون بستہ ہیں مگر بحکم حدیث مذکور مستثنیٰ ہیں، اس لئے ان کا کھانا درست ہے۔

خنزیر کے گوشت وغیرہ کا حکم:..... (وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ) تمام اُمت محمدیہ ﷺ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سور کی کل چیزیں گوشت چربی وغیرہ حرام ہیں ان کا کھانا درست نہیں۔ مگر اس میں گوشت جو ذکر کیا تو اس لئے کہ بیشتر اسی کو کھایا کرتے تھے (کل کو بعض اجزاء کے ساتھ تعبیر کرنا عرب کی زبان میں مروج ہے، نماز کو رکوع کے ساتھ تعبیر کیا کرتے تھے) نہ اس لئے کہ خاص گوشت حرام اور چیزیں حلال ہیں۔ اس جانور کے گوشت میں جس قدر کیڑے خوردبینوں سے حکمائے حال نے معلوم کئے ہیں ان کے بیان کی کچھ ضرورت نہیں اور نیز بعد تحقیقات اس کے گوشت میں بے شمار مضرتیں ثابت ہوئی ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس جانور میں بے حیائی اور حرص اور

❶..... ترجمہ: ہمارے لئے دو طرح کے مردے اور دو خون حلال کئے گئے ہیں۔ دو مردے تو مچھلی اور ٹڈی اور دو خون کلیجی اور تلی ہے۔ ۱۲۔

نجاست خوری از حد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ غذا کا اثر انسان کے اخلاق تک ضرور پہنچتا ہے، چنانچہ حکماء نے اس مسئلہ کو خوب ثابت کیا ہے۔ پس ان چیزوں کا حرام کرنا عین مصلحت اور اس حکیم مطلق کی رحمت وحکمت و مقتضی ہے۔

**فائدہ: بحث وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ : غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا:**......(وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ) اہلال آواز کا بلند کرنا، پس ہر پکارنے والے کو مہل کہتے ہیں اور محرم چونکہ احرام باندھتے وقت پکار کر تکبیر کہتا ہے اسی لئے اس کو بھی مہل کہتے ہیں اور اسی لئے ذبح کرنے والے کو مہل کہتے ہیں۔ کیونکہ عرب جب جانور ذبح کرتے تھے تو اپنے بتوں کے نام پکار لیتے تھے اور اسی سے ہے استھل الصبی کیونکہ وہ بوقت ولادت چلاتا ہے اور اسی لئے چاند دیکھنے والے کو مستہل کہتے ہیں۔ اب گفتگو اس میں ہے کہ اس جگہ پکارنے سے کیا مراد ہے؟ ضحاکؒ اور مجاہدؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارنا مراد ہے اور جمہور مفسرین کا اسی طرف میلان ہے اور اسی لئے وہ عند الذبح کی قید لگاتے ہیں۔ اس تقدیر پر آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جو چیز غیر اللہ کے نام سے ذبح کی جائے وہ حرام ہے جیسا کہ دوسری آیت میں مفصلاً مذکور ہے۔ لیکن ربیع وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ کوئی قید آیت میں نہیں بلکہ غیر اللہ کے نام سے کسی جانور کا نامزد کر دینا، یہی حرمت کے لئے کافی ہے جیسا کہ ہندوستان میں شیخ سدو کا بکرا اور سید احمد کبیر کے نام سے گائے پکاری جاتی ہے اور ہندوستان میں دستور ہے کہ کالی، بھوانی وغیرہ کے نام سے سانڈ چھوڑے جاتے ہیں۔ عرب میں بتوں کے نام سے چھوڑے جاتے ہیں۔ پس جب یہ جانور غیر اللہ کے لئے نامزد ہو گئے یعنی بطور تقرب ان کو ان کے نام سے پکارا گیا تو ان میں شرکت کی خباثت سرایت کر گئی اور خبث باطنی اس جانور کے رگ وپے میں دوڑ گیا۔ پس جس طرح کہ سور وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کرنا کچھ فائدہ نہیں بخشتا بلکہ حرام ہی رہتا ہے، اسی طرح ان جانوروں کو بھی خدا تعالیٰ کے نام سے ذبح کرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا بلکہ حرام ہی رہتا ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ اپنی تفسیر میں اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں احتیاط بھی اسی میں ہے اور قطع شرک کے لئے یہی قول مناسب مقام ہے۔

**فائدہ: آیت حلت وحرمت پر اعتراض کا جواب:**......بعض پادری پولوس کے فتوے بموجب کہ پاکوں کو ہر چیز پاک ہے الخ قرآن مجید پر اس قسم کے احکام سے جو حلت وحرمت اشیاء کے متعلق ہیں، اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ باتیں جسمانی شریعت کی ہیں اور ہیچ۔ حالانکہ خود توراۃ کی کتاب احبار وغیرہ میں اس سے کہیں زیادہ چیزیں ہیں کہ جن کو حرام بتاتا ہے، بالخصوص سود و مردار و شراب کو اور پھر تمام انبیاء بنی اسرائیل حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان حرام چیزوں سے جو ہمیشہ پرہیز کرتے چلے آئے ہیں، پھر کیا وہ پاک نہ تھے؟ ان کے لئے یہ چیزیں کیوں پاک نہ ہو گئیں؟ دراصل یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ پھر نفس پرست لوگوں نے اس کو اور بھی جلا دے دی ورنہ حقائق الاشیاء کبھی نہیں بدلتیں۔

(۳) فَمَنِ اضْطُرَّ۔ اضطرار، بے بسی اور ناچاری کو کہتے ہیں۔ یہ ناچاری کئی طور سے ہوتی ہے۔

اوّل: کوئی حلال چیز اس کے پاس (بسبب بے مقدوری کے یا بسبب نایاب ہو جانے کے جیسا کہ بیابانوں اور ایام قحط اور سفر دریا میں ہوتا ہے) نہ رہے اور یہ شخص بھوک کے مارے چل پھر نہ سکے۔

دوم: کسی مرض شدید میں گرفتار ہو جائے اور سوائے ان چیزوں کے نہ پائے یا طبیب متدین اس کے لئے خاص انہیں چیزوں میں سے کوئی چیز بتائے۔

سوم: کوئی ظالم ان چیزوں کے کھانے پر مجبور کرے اور کہے کہ اگر تو نہیں کھاتا تو میں تجھ کو مار ڈالتا ہوں یا تیرے کسی عزیز، بیٹے، بھائی وغیرہ کو مار ڈالتا ہوں یا ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالتا ہوں اور اس شخص کو یقین کامل ہوئے کہ اگر میں نہ کھاؤں گا تو یہ شخص ایسا کرے گا۔

پس ان سب صورتوں میں خدا تعالیٰ اپنی مہربانی سے بندہ کو ان چیزوں کے کھانے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ سوا ایسی صورت میں اس کے لئے مردار اور سور، خون اور مذبوح لغیر اللہ بلکہ شراب مباح ہے بقدر رفع ضرورت۔ مگر یہ شرط ہے کہ یہ شخص باغی اور عادی نہ ہو یعنی اس کے کھانے میں نہ اس کو لذت مطلوب ہو نہ حد سے زیادہ تجاوز کرے۔ ایسے وقت میں بھی یہ چیزیں ناپاک اور گندہ ہیں اور ان کی حرمت بدستور ہے مگر اس مخمصہ کی وجہ سے اجازت ہے۔ کھانے والے پر کچھ گناہ نہیں اور جو کچھ کھانے میں اس سے کسی قدر بے اعتدالی ہو جائے تو خدا تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ سے مراد یہ ہے کہ یہ شخص سرکش اور باغی نہ ہو جب اس کے لئے یہ چیزیں مخمصہ میں مباح ہیں ورنہ غیر مباح۔ اس پر یہ بات متفرع ہوئی کہ جو شخص امام سے باغی ہو اس کے لئے امام شافعیؒ کے نزدیک یہ اجازت نہ ہوگی اور امام اعظمؒ کے نزدیک ہوگی۔ پس جو امام المسلمین یعنی شاہِ اسلام سے بغاوت کر کے کہیں جائے یا قزاقی اور راہ زنی کے لئے سفر کرے یا کسی کو ناحق قتل کرنے کے لئے سفر کرے یا چوری کے لئے جائے اور اسی کو حالتِ مخمصہ پیش آئے تو اس کے لئے امام شافعیؒ کے نزدیک یہ رخصت نہیں۔ ادلہ ہر ایک کی کتابوں میں مشرح مذکور ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع

ترجمہ:..... بیشک جو لوگ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے اور اس کے بدلہ میں کچھ تھوڑی سی دنیا لیتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے پیٹوں میں اور کچھ نہیں مگر انگارے بھرتے ہیں اور ان سے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کلام بھی نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے عذاب الیم (تیار) ہے ۞ یہ وہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی مول لی اور بخشش کے بدلہ میں عذاب' سو ان کو دوزخ کی (کیا ہی بڑی) برداشت ہے ۞ یہ اسی لئے کہ اللہ ہی نے کتاب برحق نازل کی تھی اور جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا البتہ وہ بڑی ضد میں پڑے ہوئے ہیں ۞

ترکیب:..... الذین موصول، یکتمون..... الخ جملہ صلہ مجموعہ اسم ان۔ اولئک مبتداء' یاکلون ..... الخ خبر' مجموعہ خبر ان۔ اولئک مبتداء الذین..... الخ موصول وصلہ خبر۔ فما موضع رفع میں ہے اور یہ کلام تعجب ہے جس سے خدا تعالیٰ مسلمانوں کو تعجب دلاتا ہے۔ اصبر میں ضمیر عائد ہے طرف ما کے، وہ فاعل ہے۔ ذالک مبتداء' بان اللہ..... الخ خبر والتقدیر ذالک العذاب مستحق بما نزل اللہ فی القرآن من استحقاق عقوبۃ الکافر' فالباء متعلقہ بمحذوف۔

## یہود کا مال کے عوض احکام الٰہی میں ردّ و بدل کرنا

تفسیر:..... مدینہ کے یہود جانوروں کی حلت و حرمت اور ان کے کھانے یا نہ کھانے میں بڑی پرہیزگاری جتلایا کرتے اور مسلمانوں

پر منہ آیا کرتے تھے حالانکہ خود ایسے حرام کھانے میں بڑے مشتاق تھے کہ جو کسی حالتِ مخمصہ میں بھی مباح نہیں۔ وہ یہ کہ احکام الٰہی کو چھپاتے اور کچھ روپیہ پیسہ لے کر سائل کے حسب مرضی فتویٰ دیدیتے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ وہ احکام کہ جن کو ہم نے نازل کیا' چھپاتے اور اس سے کچھ قیمت لے کر کھاتے ہیں۔ سو یہ کھانا ان کے لئے جہنم کی آگ ہو جائے گا اور قیامت کے دن خدا تعالیٰ مہربانی کے ساتھ ان سے کلام بھی نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک اور بری کرے گا اور ان کے لئے عذاب الیم ہوگا۔ یہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہدایت فطری کھو کے گمراہی خریدی اور مغفرت الٰہی جو بندوں کے لئے موعود ہے زائل کر کے عذاب مول لیا۔ جب انہوں نے عمداً اس قدر اسباب دوزخ کو اختیار کیا تو گویا عمداً دوزخ کو اختیار یا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس آتش جہنم کی بڑی برداشت ہے حالانکہ اس کی کسی کو بھی برداشت نہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ بطور تعجب کے فرماتا ہے کہ ان کو اس کی کیا ہی برداشت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ باتیں محض ڈرانے کے لئے نہیں بلکہ دراصل یوں ہی ہیں' اس لئے کہ ہم نے کتاب برحق بھیج دی اور اس میں جو کچھ موعود ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا اور جو لوگ اس کتاب میں اختلاف کرتے ہیں اور انکل پچو تاویلیں کرتے ہیں وہ راہِ راست سے کوسوں دور جا پڑے ہیں۔

**فوائد:**......(۱) ہر چیز پیٹ ہی میں کھاتے ہیں' پھر یہاں پیٹ کا ذکر کیا فائدہ دیتا ہے؟

جواب: کبھی کھانا مجازی معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ سردی کھانا' گرمی کھانا اس لئے توہم کے دفع کے لئے فِیْ بُطُوْنِہِمْ فرمایا۔

(۲) قرآن میں یوں بھی آیا ہے کہ سب سے سوال ہوگا فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور یہاں کہا ان سے کلام نہ ہوگا؟۔

جواب: وہاں جو سب کفار سے کلام کرنا فرمایا ہے تو اس کے معنی ہیں باز پرس کے اور جو یہاں نفی کی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ مہربانی کے طور سے کلام نہ کیا جائے گا اور ہم کلامی کا شرف عطا نہ ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ علم دین چھپانا اور کتاب اللہ میں تاویلات کے اڑنگے لگانا حرام ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ:...... نیکی یہ نہیں کہ اپنے منہ مشرق و مغرب کی طرف کرلیا کرو بلکہ نیکی وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب اور (سب) نبیوں پر ایمان لانے اور اس کی محبت میں مال کو قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو اور غلاموں کے آزاد کرانے میں دے اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ دیا کرے اور جب کوئی عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں اور تنگ دستی اور تکلیف اور جنگ میں ثابت قدم

رہیں یہی راست باز ہیں اور یہ سچے پرہیز گار بھی ہیں۔

ترکیب:......البرّ منصوب ہے اس لئے کہ یہ خبر ہے لیس کی۔ اوران تولوا ... الخ جملہ چونکہ اس سے اعرف ہے اس لئے کہ مضمر کسی کی طرح وصف کیا نہیں جاتا۔ بخلاف البرّ کے یہ اسم ہے لیس کا اور بعض نے البرّ کو مرفوع پڑھا ہے فاعل لیس کا مان کر۔ ولکن مشدد مشبہ بفعل البرّ اسم فاعل من بر یبرّ ویجوز ان یکون مصدرا وصف به مثل عدل یہ اسم لکن من اٰمن......اس کی خبر علیٰ حبه فی موضع نصب علی الحال ای اٰتی المال محبا والضمیر یرجع الی اللّٰہ ویمکن ان یرجع الی المال۔ والموفون معطوف ہے من اٰمن پر والتقدیر ولکن البر المؤمنون والموفون۔ والصّٰبرین منصوب علی المدح ہے معطوف ہے ماقبل پر۔

## یہود و نصاریٰ کا بعض مباحات کو ممنوع سمجھ کر ترک کرنا

تفسیر:......پہلی آیت میں تھا یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ ... وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ کہ خدا تعالیٰ کی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شکر بجالاؤ مگر شیطان کی پیروی نہ کرو کہ بعض چیزوں کو از خود حرام ٹھہرا کر ان سے پرہیز کرنے کے باعث تقرب الٰہی سمجھو بلکہ سب سے بڑھ کر حرام خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے احکام کا چھپانا ہے۔ اب یہاں یہ بتلایا جاتا ہے کہ جس طرح عوام کا خیال ہے کہ بعض مباحات کو ممنوع سمجھ کر ان کے ترک کو خدا تعالیٰ کی رضامندی کا باعث سمجھا جائے اسی طرح عوام کا یہ خیال بھی باطل ہے کہ بعض رسوم کو جو اُصول مذہب و ملت نہیں حصولِ حسنات اور باعث نیکوکاری سمجھا جائے۔ اسی طرح یہ عوام کا خیال بھی باطل ہے کہ بعض رسوم کو جو اصول مذاہب و ملت اصول حسنات اور باعث نیکوکاری سمجھا جائے۔ عیسائی اور یہودیوں میں صرف رسوم کی پابندی باقی رہ گئی تھی' اصول حسنات چھوڑ بیٹھے تھے۔ ان کے سوا اور مذہب میں بھی صدہا خیالات باطلہ ہیں کہ جن کی پابندی کو اصول حسنات و باعث نجات موجب رفعت درجات خیال کئے بیٹھے ہیں اور بعض مباحات کے ترک کو باعث رضاء الٰہی و موجب نجات سمجھ کر ان کے ترک کرنے میں بڑی بڑی مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ ایک جہان اس بادیہ ضلالت میں سرگرداں ہے۔

اصولِ حسنات:......اس کا تصفیہ کہ دراصل کون کون سے امور باعث نجات و موجب ترقی درجات ہیں اور کون کون سے افعال باعث ہلاکت ہیں' ان سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ نبوت اور الہام انبیاء علیہم السلام ہی کا کام ہے جن کے ادراک میں کسی قسم کی غلطی بھی راہ نہیں پاتی۔ اس لئے ان آیات میں اہم مسئلہ کو حل کر دیا۔

قوتِ نظریہ:......واضح ہو کہ انسان کو دو قوتیں عطا ہوئی ہیں جو اس کے کمالات تک اڑ کر جانے کے دو بازو ہیں۔ اول قوتِ نظریہ یعنی تصحیح عقائد جس کو معرفت علم اور ہندی میں گمان کہتے ہیں۔ یہ سب میں اعلیٰ و اشرف ہے، زیادہ تر نجات و حیات ابدی کا اسی پر مدار ہے اس لئے اول اسی کو بیان فرمایا۔ اس میں مقدم مبدء یعنی ذات باری اور اس کے انعامات حمیدہ کا جاننا اور جائز اعتقاد رکھنا ہے۔ اسی کو شرع میں ایمان کہتے ہیں' اس لئے فرمایا مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ کہ جو خدا تعالیٰ پر ایمان لائے۔ دوم معاد یعنی اس تمام کائنات کا فنا ہو جانا۔ جس طرح وہ اپنے وجود ابتدائے طرف میں یکتا ہے جس سے اس کا خالق و مالک ہونا اور جملہ موجودات کا مخلوق و مملوک ہونا عیاں ہوتا ہے' اسی طرف میں یکتا ہے۔ ایک روز سب کا وجود ظلی سلب ہو جائے گا، وہی رہے گا۔ اسی لئے فرمایا: والیوم الاٰخر کہ پچھلے دن پر ایمان لائے۔ مگر خدا تعالیٰ اور اس کی صفاعت غیر محسوس ہیں' ان کے ادراک میں نہ حواس خمسہ مدد دیتے ہیں نہ آلات جدیدکار آمد ہو سکتے ہیں اس لئے ان کے بتانے کے لئے روحانی لوگ درکار ہیں اور خدائے مجرد اور انسان مادی میں ایسے واسطہ کی ضرورت ہے اور وہ لوگ نورانی و روحانی ملائکہ ہیں یعنی فرشتے' اس لئے اس کے بعد فرمایا: والملٰئکة فرشتوں پر بھی ایمان لائے اور فرشتے چونکہ روحانی ہیں، وہ ہر ایک انسان کو جو آلائش

جسمانی میں آلودہ ہے نہ نظر ہی آتے ہیں نہ ان کو عالمِ غیب کے اسرار و حالات ہی بتاتے ہیں بلکہ وہ مخصوص بندوں کے پاس آتے ہیں جو اپنی قوت روحانی کے سبب وہ بھی فرشتوں جیسا تجرد رکھتے ہوں اور اس گروہ خاص کو انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں اسی لئے وہ ان کے پاس وہاں کے علوم لاتے ہیں جس کو الہام اور وحی کہتے ہیں۔ اور جب یہ الہامات ایک جا مرتب کر لئے جاتے ہیں تو ان کو آسمانی کتاب کہتے ہیں اور دنیا سے اٹھ جانے کے بعد انبیاء علیہم السلام کا یہ فیض باقی رہتا ہے اسی لئے ان دونوں میں اسی کو مقدم کر کے فرمایا: والکتٰب والنبیّٖن کہ وہ اسمانی کتابوں پر اور نبیوں پر بھی ایمان لائے۔ اگرچہ انبیاء علیہم السلام پر متعدد کتابیں مختلف فرمانوں اور مختلف زبانوں میں نازل ہوئی ہیں چونکہ وہ علوم نظریہ ہیں سب ایک ہی ہیں اس لئے کُتب جمع کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ کتاب مفرد لفظ کا جو بوجہ اسم جنس ہونے کے سب کو شامل ہے اور اس قدر میں اجمالاً ان سب چیزوں پر ایمان لانے کی طرف اشارہ بھی ہو گیا جو ان برگزیدہ لوگوں نے بیان فرمائی ہیں۔

**قوتِ عملیہ:**......دوسری قوت عملیہ ہے جو اعمال صالح اور ''کرم'' کے نام سے موسوم ہے۔ ایمان لانے کے بعد اس کے مقتضٰی اور ہدایت کو عمل میں نہ لانا گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص کو بات کا یقین ہی نہیں جو اس کو عمل میں لاتا۔ نیک کاموں میں بڑا نیک کام خدا تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کھانا ان کے ساتھ سلوک کرنا ہے۔ زبانی اور بدنی سلوک میں سے خاص بڑے بھاری مالی سلوک کو لے لیا اور مخلوق میں سے بھی بنی نوع کو اور بنی نوع میں سے اہل قرابت کو اور ان کے بعد درجہ بدرجہ دیگر اہل حاجات کو مخصوص کیا اس لئے فرماتا ہے: وَاٰتَی الْمَالَ کہ اس نے مال بھی دیا ہو مگر نہ ریا کاری اور نمود و شہرت کے لئے کس لئے کہ ایسی ہمدردی دیرپا نہیں ہوا کرتی بلکہ علیٰ حبّہٖ بلکہ خدا تعالیٰ کی محبت میں اور نیز حبّہٖ کی ضمیر مال کی طرف بھی رجوع کر سکتے ہیں تب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مال کی خواہش خود کو بھی ہو اس پر اوروں کو دے اور یہ حقیقت میں ایک بڑا مردانہ کام ہے ورنہ جب اپنے آپ کو کسی وجہ سے مال کی خواہش نہ رہے تب اس کا دینا کوئی بڑی بات نہیں اور مال دینے کے بڑے عمدہ یہ چھ مواقع ہیں۔

## مال خرچ کرنے اور دینے کے عمدہ مواقع

اوّل: ذَوِي الْقُرْبٰی: اہل قرابت ہیں درجہ بدرجہ۔ قرابت نسبی قرابت سببی اور قرابت صحبت سے مقدم ہے۔

(۲) الْيَتٰمٰی: یتیموں کو دے۔ یتیم اس نابالغ کو کہتے ہیں جس کا باپ مرجائے۔ اہل قرابت کے یتیم غیر یتیموں سے مستحق تر ہیں۔

(۳) اور مسکینوں یعنی فقیروں کو دے جو کمانے سے بسبب پیری یا بیماری سے معذور ہوں یا مصیبت پڑ جانے سے نان شبینہ کو بھی محتاج ہو گئے ہوں اور جو تندرست و جوان ایسے ہوں کہ انہوں نے بھیک مانگنا پیشہ بنالیا ہو وہ مساکین نہیں۔ مگر افسوس کہ خیرات کا زیادہ حصہ یہی گروہ زبردستی لے جاتا ہے کیونکہ نہ مانگنے میں ان کو شرم مانع ہے نہ غیرت دینی۔

(۴) وَابْنَ السَّبِيْلِ: مسافر کو دے بشرطیکہ وہ محتاج ہو کس لئے کہ وہ سفر میں بعض اوقات گھر کے بھی پیسے تک کے مالک نہیں رہتے

(۵) السَّآئِلِيْنَ: سائلوں کو دے مگر وہی سائل جو بوقت ضرورت مانگتے ہوں خواہ اپنے لئے خواہ قومی کاموں کے لئے۔

(۶) وَفِي الرِّقَابِ: غلاموں کی آزادی میں صرف کرے۔ یہ بھی ایک بڑی نیکی ہے کہ بنی نوع کو بنی نوع کی دائمی قید سے رہا کرایا جائے۔ مخلوق کے ساتھ رحم کرنے کے ساتھ خالق کے نعماء کا بھی جان سے مال سے شکر گزار عبادت کناں رہنا اصول حسنات سے ہے اس لئے اس کا بھی ذکر فرمایا۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ: کہ وہ نماز بھی ادا کرتا رہا ہے۔ یہ عبادت اسلام میں روح اور جسم دونوں سے مرکب ہے۔ زبان سے وہ آیات پڑھی

جاتی ہیں جن میں خدا تعالیٰ کی ثناء وصفت اور اس کی نعمتوں کا شکر یہ اور اس سے دعاء وغیرہ سے سر جھکایا جاتا ہے۔ روح سے اس کا حضور تصور کر کے دلی نیازمندی وانکساری ادا کی جاتی ہے۔

وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ: یہ مالی عبادت ہے۔ ایک میں حصۂ مال کا سال بھر میں اللہ دینا اسلام کا فرض ہے۔

عہد کی پاسداری:......ان سب باتوں کے ساتھ معاملات میں لوگوں کے ساتھ پورا رہنا بھی اصولِ حسنات میں سے ہے اس لئے یہ فرمایا: وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا کہ حقیقی نیک وہ لوگ ہیں جو عہد باندھ کر اس کو پورا بھی کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا جامع جملہ ہے کہ جو جملہ معاملات کو حاوی ہے۔ بیع‘ لین دین‘ امانت‘ اجارہ وغیرہ کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ جس میں گونہ معاہدہ نہ ہو اور نیز جملہ شریعت کی پابندی کا بھی اسلام لانے کے ساتھ ضمناً معاہدہ خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ ان تمام حسنات کے بعد انسان کا اپنے آپ کو اپنے قویٰ غضبانیہ وشہوانیہ ونفسانیہ کو قابو میں رکھنا بھی بڑی نیکی ہے۔ ذرا سی بات سے آپے سے باہر ہو جانا بری ذلیل حالت اور اکتساب سعادت سے مانع ہے‘ اس کو شرع میں صبر کہتے ہیں۔

صبر کے مواقع:......صبر کے مواقع میں سے تین موقع کا ذکر کر کے جملہ مواقع کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور وہ تین مواقع یہ ہیں۔ اوّل تنگدستی‘ دوم مرض وغیرہ کی تکلیف‘ سوم دشمنوں کی جنگ۔ ان مواقع میں بڑے بڑے مستقل مزاج بھی بے اختیار ہو جاتے ہیں اس لئے صبر کو بھی اصول حسنات میں داخل کیا۔ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ کہ نیکوکار وہ ہیں جو ان تینوں حالتوں میں بھی صبر کرتے ہیں۔ اصول حسنات بیان فرمایا کر ان کی پابندی کرنے والوں کی مدح فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کو صادق کہتے ہیں۔ اس میں امور نظریہ کی طرف اشارہ ہے۔ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ اور یہی حقیقی پرہیزگار بھی ہیں۔ یہ عملیات کی طرف اشارہ ہے یعنی قوت نظریہ کی اصلاح سے صادق ہوتا ہے اور قوت عملیہ کی اصلاح تہذیب سے متقی ہوتا ہے۔ یہ ہیں اصول حسنات۔ صرف رسوم مذہب وملت کی پابندی میں کیا دھرا ہے؟ نہ مشرق کی طرف منہ کرنے سے صادق بن جاتا ہے نہ مغرب کی طرف منہ کرنے سے متقی ہو جاتا ہے۔ کیا جامع کلام ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ* بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَۃٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ** حَیٰوۃٌ یّٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

* ......خدا پاک نے اوّل حر کو ذکر کیا اس لئے کہ حر تمام ان ذلتوں سے بری ہے کہ جو عبد کے ساتھ متعلق ہوتی ہیں۔ پھر عبد کو بیان کیا جو حر سے درجہ میں کم ہے مگر انثیٰ سے باعتبار اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ فائق ہے عبد کے بعد۔ پھر انثیٰ کو ذکر کیا جو لائق تاخیر ہے۔ ۱۲ منہ۔

** ......قصاص یعنی بدلہ لینے کا حکم مسلمانوں کو دیا جاتا ہے‘ جان کے بدلہ قتل عمد میں جان ہے۔ پھر مقتول کے وارثوں سے کوئی اپنی مہربانی سے اپنے بھائی مسلمان قاتل کی جان لینا معاف کر دے اور خون بہا پر کفایت کرے اور قتل شبہ بالعمد یا خطا میں اپنی مہربانی سے رقم کا بھی کوئی حصہ معاف کر دے تو بعد میں سختی سے مطالبہ نہ کرنا چاہئے بلکہ رواج ودستور کے موافق اور قاتل کو بھی اس کی رقم خوش معاملگی سے ادا کر دینی چاہئے۔ خون کے بدلہ خون بہا لینے کا اور خون بہا میں سے بھی رقم کم کر دینے کا مسئلہ خدا کی بڑی مہربانی اور آسانی ہے کہ ایک جان تو ضائع ہوئی تھی‘ اب دوسری بھی ضائع ہو جاتی اور قصاص میں بڑی زندگی ہے‘ قتل کرنے والے کی زندگی اس لئے کہ وہ اس قانون کے خوف سے قصد قتل نہ کر کے اپنی جان بھی بچائے گا اور مقتول کی جان بھی اور نیز بدلہ لینے سے قوموں کا فتنہ فرو ہو جائے گا‘ یہ نہیں ہوگا کہ طرفین سے چڑھائی ہو کر طرفین سے بہت سے مارے جائیں۔ ۱۲ منہ

ترجمہ:...... مسلمانو! (یہ) مقتولوں کے بارے میں تم پر بدلہ لینا مقرر کیا گیا' آزاد کے بدلے میں آزاد اور غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت۔ پھر جس کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کیا جائے تو دستور کے موافق مطالبہ کرنا چاہئے اور عمدگی سے اس کے پاس (خوں بہا) پہنچانا چاہئے۔ یہ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے تم پر آسانی اور مہربانی ہے۔ پھر اس کے بعد جو کوئی زیادتی کرے تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے ⑰۸ اور تمہارے لئے قصاص میں (بڑی) زندگی ہے اے عقل والو تا کہ تم (خونریزی سے) بچو ⑰۹۔

ترکیب:...... یا حرف ندا' الذین امنوا منادیٰ' کتب فعل مجہول القصاص مفعول مالم یسم فاعلہ۔ علیکم متعلق ہے کتب سے' یہ جملہ مفسر اور الحر مبتدا' بالحر خبر ای الحر ماخوذ بالحر یہ اس کی تفسیر' پھر مجموعہ ندا۔ من موضع رفع میں ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور جائز ہے کہ شرطیہ ہو اور فاتباع اس کی خبر والتقدیر فعلیہ اتباع۔ باحسان موضع نصب میں ہے بسبب اداء کے اور یہی حال ہے بالمعروف کا اور جائز ہے کہ حال ہو ھاء سے ای فعلیہ اتباعہ عادلا و محسنا اور عامل اس میں معنی استقرار ہیں۔ فمن اعتدیٰ شرط فلہ عذاب الیم اس کی جزاء۔

## احکام قتل اور قصاص میں برابری کا حکم

تفسیر:...... اس سے پہلی آیت میں صبر کی ترغیب تھی اور تنگدستی اور مرض اور جنگ میں صبر کرنے والوں کی خوبی مذکور تھی۔ اب منجملہ مواقع صبر کے ایک بڑا موقع بیان فرمایا جاتا ہے کہ جہاں صبر نہ کرنے سے ایک فساد عظیم اور سخت خونریزی پیدا ہونے کا احتمال ہے اور وہ قتل کا موقع ہے۔ جاہل قوموں میں جب کوئی ان کی قوم کے آدمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو جوش اور غصہ میں آ کر نہ صرف قاتل ہی پر بس کرتے تھے بلکہ جو کوئی اس کی قوم کا ملتا تھا' خواہ قصوروار ہو یا نہ ہو' سب کو قتل کر ڈالتے تھے اور نیز بڑے آدمی کے معاوضہ میں صرف قاتل کا مارنا اس کی شان کے خلاف جانتے تھے بلکہ اس کے بدلہ میں دس بیس پر بھی بس نہ کرتے تھے۔ اسی لئے ان آیات میں صبر کے مسئلہ کے بعد قتل کے احکام بیان کر دینا' اس مسئلہ سے نتیجہ حاصل کرنا ہے کہ ایسے وقت جوش میں جب آ و' بلکہ جو کچھ انسانیت کے حقوق ملحوظ کر کے ہم نے حکم دیا ہے' اس کی پابندی کرو اور فرمایا مؤمنو! تمہارے لئے ہم نے مقتولوں کے بارے میں قصاص مقرر کر دیا ہے یعنی برابری کا حکم دیا ہے۔ تم کو لازم ہے کہ ایسے وقت بھی صبر کرو اور عدالت کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ جو کوئی کسی کو قتل کرے' اس کے بدلے میں اسی کو قتل کرو اور اگر حُر کو قتل کرے تو اس کے بدلے میں اس حُر یعنی آزاد کو قتل کرو۔ اس کی شرافت' حسب ونسب وحسن و مالداری پر نظر نہ کرو' اس لئے کہ حریت میں دونوں برابر ہیں اور جو غلام کسی کو قتل کرے تو اس کے عوض میں اسی غلام کو قتل کرو' اس کے ساتھ اس کے آقا کو نہ مارو اور جو عورت قتل کرے تو خاص اسی کو قتل کرو' اس کے شوہر اور فرزند اور بھائی بندوں سے کچھ سروکار نہ رکھو اور جو مقتول کے وارث اپنے مسلمان بھائی قاتل کو قصاص معاف کر دیں اور کسی قدر مال پر راضی ہو جائیں اور دیت لینا قبول کر لیں تو چاہئے کہ سہولت اور دستور کو ملحوظ رکھیں۔ یہ نہ ہو کہ اس پر باوجود تنگدستی کے معاوضہ میں کوئی بات طلب کریں کہ ہم کو شراب دے یا اپنی جورو یا بیٹی کو حوالہ کر دے یا تو اپنے بیٹے کو ہماری غلامی میں دے یا تو ہمیشہ کو ہمارا غلام ہو کر رہ اور اسی طرح قاتل کو بھی لازم ہے کہ ان کے احسانوں کو فراموش نہ کرے' جو رقم قرار پا گئی ہو اس کو بلا حیلہ و بہانہ عمدہ طور سے ادا کرے اور جو کوئی اس قرارداد کے بعد بھی تعدی کرے کہ دیت لے کر قاتل کو مار ڈالے تو اس کے لئے عذاب الیم ہے اور اس قصاص میں اے مؤمنو! تمہارے لئے زندگی ہے کیونکہ جب رسم قصاص جاری ہو گی تو وہ سفا کی جو ایام جاہلیت میں تھی' جاتی رہے گی اور نیز لوگوں کو عبرت ہو گی' پھر آئندہ ہر ایک قتل سے ہاتھ روکے گا۔

ابحاث:...... (۱) قصاص کے معنی پورا پورا بدلہ لینا یعنی جیسا کہ اس نے کیا' ویسا ہی اس کے ساتھ کیا جائے۔ عرب بولتے ہیں: اقص

فلان اثر فلان اذا فعل مثل ما فعل' قال تعالٰی فارتدا علی آثارهما قصصاً۔ وقالت لاخته قصيه ای اتبع اثره اور قصہ کو بھی اسی لئے قصہ کہتے ہیں کہ حکایت محکی عنہ کے مساوی ہوتی ہے' یہاں مراد مساوات ہے۔ پھر اس مماثلت اور مساوات میں اختلاف ہے۔

**جہت قتل وقصاص اور پھانسی دینے کا حکم:** ...... امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جہتِ قتل میں بھی مساوات کرنی چاہئے۔ پس اگر کسی نے پانی میں ڈبو کر مارا ہے تو اس کو بھی ڈبو کر مارنا چاہئے اور جس نے جلا کر مارا ہے تو اس کو بھی اسی طرح مارنا چاہئے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مساوات سے مراد دم نکالنا ہے جس سے عادتاً جلدی سے دم نکلتا ہے اور وہ خالص تلوار سے مارنا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے: لاقود الا بالسيف (اخرجہ ابن ماجہ فی سننہ) پس یہ جو نصرانیوں میں پھانسی دینا مروج ہے' نہایت غیر مہذب طریق ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اس قوم کے عقلاء اس کی اصلاح کریں۔

**قصاص میں مساوات کی وضاحت:** ...... (۲) الحر ❶ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ حُر حُر کے بدلے میں مارا جائے نہ کہ غلام کے بدلے میں اور اسی طرح ظاہر آیت یہ چاہتی ہے کہ غلام کو خاص غلام کے بدلے میں قتل کرنا چاہئے نہ کہ حُر کے اور عورت کو بھی خاص عورت ہی کے مقابلہ میں قتل کرنا چاہئے نہ کہ مرد کے اور عورت یعنی عورت اگر مرد کو قتل کرے یا مرد عورت کو قتل کرے تو باہم قصاص جاری نہ ہو لیکن ان سب صورتوں میں قصاص جاری ہوگا اور اس پر امت کا اتفاق ہے۔ کس لئے کہ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ ایک مستقل جملہ ہے اور پھر اس کے بعد اس عام حکم کی بعض جزئیات کو اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى میں ذکر کر دیا ہے' اس سے اور صورتوں کی نفی نہ سمجھی گئی۔ پس ان نصوص کے عموم پر لحاظ کر کے عام حکم دیا جائے گا یعنی حُر' حُر کے بدلے میں بھی اور غلام اور کافر ذمی ❷ کے اور عورت اور لڑکے اور بیمار اور مقطوع الاعضاء کے بدلے میں بھی اور غلام اور عورت اور کافر کے بدلے میں بھی۔ کس لئے کہ مماثلت اور مساوات عصمت میں ملحوظ ہونی چاہئے یعنی معصوم الدم ہونے میں اور یہ بات دین یا دار سے ثابت ہو جاتی ہے' باقی اور تفاوتوں پر نظر نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو قصاص کا دروازہ بند ہو جائے اور فساد کا دروازہ کھل جائے جیسا کہ ایام جاہلیت میں تھا اور یہی امام اعظمؒ کا قول ہے۔

**قصاص لینے کا اختیار کس کو ہوگا؟:** ...... واضح ہو کہ یہ قصاص لینا حاکم کے اختیار میں ہے نہ یہ کہ ہر شخص بطور خود آپ اس پر عمل کرے جس سے فتنہ اور فساد زیادہ قائم ہو جانے کا اندیشہ ہے اور یہ قصاص اس صورت میں ہے جب کہ قاتل نے عمداً قتل کیا ہو اور جو خطایا شبہ بالعمد وغیرہ سے گولی شکار پر لگاتا تھا' اتفاقاً کسی آدمی کو جا لگی' یہ قتل عمداً نہیں بلکہ خطأً ہے۔ اس صورت میں قصاص نہیں مگر خون بہا کہ جس کو دیت کہتے ہیں ضرور دینی پڑتی ہے جس کی تعداد کی پوری تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

اس آیت میں دو حکم ہیں۔ اوّل قصاص کہ برابر بدلہ لیا جائے۔ ایام جاہلیت کی طرح ایک کے عوض دو چار یا زیادہ کو قتل نہ کیا جائے' نہ غلام سمجھ کر اس کا بدلہ کسی اشراف سے ترک کرنا چاہئے نہ امیر و غریب' شریف و رذیل کی کچھ رعایت کرنی چاہئے۔ زمانہ جاہلیت میں اگر شریف قوم کا غلام' رذیل قوم کے غلام سے مارا جاتا تھا تو اس کے بدلے میں ان کے حُر کو قتل کرتے تھے۔ اسی طرح شریف اور وضیع میں بھی

---

❶ ...... حر اس مرد آزاد کو کہتے ہیں کہ جو کسی کا غلام شرعی نہ ہو۔ ۱۲ منہ۔ ❷ ...... ذمی وہ کہ جو مسلمانوں کے ذمہ میں رعیت بن کر رہتا ہو' کس لئے کہ جو قومیں کہ ذمی نہیں ہیں اور ان میں باہمی جنگ وجدال کا دروازہ کشادہ ہے تو وہاں قصاص نہیں مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ کافروں کے ملک میں امن لے کافر جائے یا کوئی کافر دار اسلام میں امن لے کر آئے یا جس قوم سے باہمی معاہدہ یا مصالحت تجارت وغیرہ جاری ہو وہاں کسی کافر کو قتل کر دے اور اس فعل شنیع سے جنت کا مستحق بنے۔ یہ بھی حرام اور سخت گناہ ہے' اسلام اس کو ہرگز جائز نہیں رکھتا۔ ہاں حالت جنگ میں جو باہم قتال کی رخصت ملت اور قوم کی بھلائی اور فساد کے بند کرنے کے لئے ہے تو وہ جائز ہے' سو وہ اور بات ہے۔ ۱۲ عبدالحق غفرلہ حقانی۔

باہم مساوات نہ سمجھتے تھے نہ عورت مرد میں۔ آیت نے ان سب میں انصافاً مساوات قصاص میں قائم کردی۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر قاتل کو وارثان مقتول بالکل معاف کردیں یا چند وارثوں میں سے بعض بالکل معاف کردیں یا کل یا بعض کسی قدر روپیہ یا پوری دیت لے کر اس کے قصاص سے درگزر کریں تو قصاص ساقط ہے مگر سختی اور خلاف دستور کوئی بات نہ کرنی چاہئے بلکہ اتباع بالمعروف اور اس قاتل کو بھی چاہئے کہ ان کا شکریہ ادا کرے اور جو کچھ مقرر کیا گیا ہے اس کو بخوشی خاطر ادا کرے' اداء الیہ باحسان۔ پہلا حکم كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ... الخ میں مذکور ہے اور دوسرا فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ میں مذکور ہے۔

**نیچری مفسر کی آیتِ مذکورہ میں باطل توجیہ:**...... نیچری مفسر نے دیکھا کہ آج کل عیسائیوں میں اولیاء مقتول کے معاف کرنے سے بھی قصاص معاف نہیں ہوتا' ضرور اس کو پھانسی دینی ہوتی ہے اور اس بات کو ان کی اور سب باتوں کی طرح از حد پسند کیا اور موافق عقل سلیم جانا تو اس آیت کی توجیہ کردی کہ یہ بات ایام جاہلیت کے خونوں کی بابت ہے اور لطف یہ کہ اس کے برخلاف آیت کا سیاق اور نیز قرینہ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ موجود ہے اور امت کا اجماع بھی ہے اور بے شمار احادیث صحیحہ بھی ہیں مگر اس نے بلا دلیل اتنا بڑا دعویٰ کرلیا۔ شاید شرط میں عفی ماضی کا صیغہ ہے اور اس کو ایام جاہلیت پر محمول کیا ہو جو خلاف قانون نحو ہے۔ قتل کا گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا اور قصاص محض سیاست دنیا کے لئے ہے اور نیز ورثاء کے معاف کرنے سے بھی دنیاوی حق معاف ہوتا ہے نہ کہ حق آخرت۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ
وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ
اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ
جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع

ترجمہ:...... تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آئے (علامات موت معلوم ہوں) تو اگر کچھ مال چھوڑے تو ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے دستور کے موافق وصیت ▪ کرنی چاہیے خدا ترسوں پر لازمی بات ہے ﴿۱۸۰﴾ پھر جس نے اس وصیت کو سن کر بدل دیا تو اس کا گناہ اسی پر ہے کہ جو اس کو بدلتے ہیں البتہ اللہ تعالیٰ تو (خوب) سنتا جانتا ہے ﴿۱۸۱﴾۔ پھر جس کو وصیت کرنے والے کی طرف داری یا ناانصافی کا اندیشہ ہو سو اس نے ان میں صلح کرادی تو اس پر کچھ بھی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے ﴿۱۸۲﴾۔

**ترکیب:**...... کتب فعل مجہول الوصیة للوالدین الخ جملہ مفعول مالم یسم فاعلہ۔ اذا حضر متعلق ہے الوصیة سے حضور موت سے مراد حضور اسباب موت ہے۔ ان ترک خیرا شرط اس کا جواب جملہ اولیٰ سے سمجھا جاتا ہے ای فلیوص۔ حقا مفعول مطلق ہے ای

▪:...... جب تک آیت میراث نازل نہیں ہوئی تھی' والدین اور اقارب کے لئے صاحب مال پر وصیت فرض تھی' آیت میراث کے بعد یہ حکم غیر وارث کے لئے ثلث میں مستحب ہے۔ وصیت کے بعد جو لوگ اس میں کمی زیادتی کریں گے وہ گناہ ان پر ہوگا نہ کہ میت پر اور اگر موصی سے کسی کی طرف داری یا کسی کے محروم کردینے کا اندیشہ ہو تو باہم مصالحت کرا دینا کوئی گناہ نہیں۔ ۱۲ منہ

حق ذالک حقًا ہے اور ممکن ہے کہ وصف ہو مصدر محذوف کی ای ایصاء حقا۔ فمن بدلہ ای الایصاء۔ من شرطیہ ہے مبتدا کی جگہ فانما اثمہ اس کی خبر فمن خاف فعل با فاعل من موص متعلق ہے خاف سے شرط فلا اثم علیہ جواب شرط۔

## وصیت کی فرضیت اور اس کا حکم

تفسیر:...... پہلے سے اصول حسنات کا ذکر چلا آتا ہے اس کے ضمن میں اشد منہیات قتل اور کتمان حق کا بھی ذکر آ گیا تھا گویا کہ نیکی انسان کو جب نصیب ہوتی ہے جب کہ وہ ایسی ایسی بری باتوں سے بھی بچے اور چونکہ قصاص انسان کی زندگی باقی رہنے کا باعث تھا اور قتل بند کرتا تھا جیسا کہ فرمایا وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ اس کے بعد وصیت کا مسئلہ ذکر کیا اس لئے کہ باوجود مال واسباب ہونے کے اپنے اقارب کو محروم رکھنا گویا ان کو قتل کر دینا ہے۔ جس طرح قصاص حقیقی قتل کی دوا ہے اسی طرح وصیت اس مجازی قتل کی دوا ہے۔ اس لئے فرماتا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے وصیت مقرر کر دی ہے پس جب علامات موت نظر آئیں اور مال موجود ہو تو متقی پر یہ حق ضروری ہے کہ ماں باپ اور دیگر اقارب کے لئے وصیت کر دے ہاں اب جو کوئی قابض مال یا گواہ خبردار ہونے کے بعد اس کو بدلے گا تو یہ گناہ اس کی گردن پر رہے گا خدا تعالیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں اور جو کسی کو یہ معلوم ہو کہ موصی انصاف کے طور پر وصیت نہ کرے گا یا وصیت میں بے انصافی کر کے مر گیا تو اس نے محض نیک نیتی سے موصی وصیت کو بدلنے کی صلاح دی یا اس کے وارثوں میں جن کے لئے وصیت خلاف انصاف کر کے مر گیا ہے اور جھگڑا پیدا ہو گیا ہو وصیت میں کچھ کمی زیادتی کر کے باہم صلاح کرا دی تو اس تبدیل وتغیر میں بھی کچھ گناہ نہیں اور اس اصلاح میں کچھ خلاف وصیت اس سے سرزد ہو گئی ہے تو خدا تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا وہ غفور ورحیم ہے۔

**آیت وصیت کا نسخ اور اس کی وضاحت:**...... جمہور مفسرین کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے یعنی وصیت کرنے کا حکم والدین اور اقارب کے لئے جب تک ضروری تھا کہ جب تک آیات میراث نازل نہ ہوئی تھی اور اسی لئے نبی ﷺ نے فرمادیا تھا کہ مسلمان کو لائق نہیں کہ اس پر تین شب گذریں اور اس کے پاس وصیت نامہ لکھا ہوا نہ ہو (صحیحین) اس لئے کہ تمام مال کے وارث میت کے اہل وفرزند ہو جایا کرتے تھے ماں باپ اور دیگر اقارب محروم رہ جاتے تھے۔ جب آیۃ میراث نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اس لئے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ہر حقدار کا حق مقرر کر دیا اب کسی وارث کے لئے وصیت نہیں (صحیحین) مگر حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ اور علاء بن زیاد اور مسروق اور مسلم بن یسار وغیرہ علماء کبار یہ فرماتے ہیں کہ آیت منسوخ نہیں اس لئے کہ آیت میراث میں جن قرابتوں کا حق اور حصہ ہے اور ان کے لئے وصیت نہیں اور جو محروم الارث ہیں جیسا کہ بیٹوں کی موجودگی میں یتیم پوتا یا چچازاد بھائیوں کی موجودگی میں نواسا یا اور مساکین فقراء تو ان کے لئے بدستور وصیت مستحب ہے مگر تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہ ہو جیسا کہ حدیث سے مفہوم ہوتا ہے اور یہ قول صحیح ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۸۳ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَي الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ

تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾

ترجمہ:.....ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ ﴿۱۸۳﴾ گنتی کے چند روزوں تک (اس پر بھی) جو کوئی تم میں سے بیمار ہو جائے یا سفر میں ہو تو اور دنوں سے گنتی پوری کر دے اور جن کو اس کی طاقت ہو تو اس کے بدلے میں ایک محتاج کو کھانا دینا چاہئے' پھر جو (اپنی امنگ سے) نیکی کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ﴿۱۸۴﴾۔

ترکیب:.....یا حرف ندا' الذین امنو اصلہ و موصول منادیٰ' کتب فعل مجہول' الصیام مفعول مالم یسم فاعلہ۔ کما موضع نصب میں ہے' صفت ہے کتب کی ای کتبا کما کتب۔ ایاما موصوف' معدو دات صفت' یہ منصوب ہے صوموا مقدر سے یا الصیام سے۔ فمن شرطیہ کان کا اسم ضمیر ہے جو من کی طرف پھرتی ہے اور مریضا اس کی خبر معطوف علیہ' او علی سفر معطوف موضع نصب میں ای او کان مسافرا۔ فعدۃ مبتدا و الخبر محذوف ای فعلیہ عدۃ من ایام اخر صفت ہے عدۃ کی' پس یہ مجموعہ جواب شرط ہے۔ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ جملہ خبر' فِدْيَةٌ مبدل منہ' طَعَامُ مِسْكِيْنٍ بدل مجموعہ مبتدا جملہ معطوف بر جملہ سابقہ۔

## روزہ کی فرضیت اور اس کا حکم

تفسیر:.....قصاص اور وصیت حیات دنیاوی کا سبب تھا اور کلام الٰہی میں جس طرح حیات دنیا کی اصلاح فرمائی گئی' اسی طرح حیات ابدی کی بھی ضرور رعایت ہونی چاہئے اس لئے یہاں اس چیز کا حکم دیا کہ جو حیات ابدی کا عمدہ ذریعہ ہے یعنی روزہ۔ کس لئے کہ انسان جب صبح سے شام تک نفس کی تینوں خواہشوں کھانے' پینے' جماع سے رکے گا (اور اسی کو صوم شرعی کہتے ہیں) اور پھر اس کے ساتھ اپنے دل کو ذکر الٰہی تلاوت اور نماز اور مراقبہ اور اعتکاف میں لگا دے گا تو بیشک اس کی روح کو قوت ہو گی اور اس جسم کو چھوڑنے کے بعد بھی حیات ابدی اور عالم قدس میں زندہ رہنے کا سبب ہو گا اور نیز احکام مذکورہ بالا کی تعمیل جسمانی خواہشوں کے خلاف کیے اور جب تک انسان اپنی نفسانی خواہشوں سے مقابلہ کرنے کا خوگر نہیں ہوتا تو اصول حسنات اور صبر پر بھی قادر نہیں ہوتا بلکہ دنیاوی ترقی کے لئے بھی مصائب برداشت نہیں کر سکتا اس لئے روزے کا حکم دیا تا کہ روح قوی ہو جائے۔ جسم کی خواہش اور تیزی توڑنے کے لئے آسمانی ہدایت میں قدیم سے ریاضت کا حکم ہے' اسی لئے فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تم پر روزے فرض ہوئے جس طرح کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض ہوئے تا کہ تم نفس کشی کے عادی ہو کر متقی ہو جاؤ اور یہ روزہ تم پر ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ چند روز اور اس پر بھی تمہارے لئے یہ آسانی ہے کہ کوئی بیمار یا مسافر ہو اور روزہ کی طاقت نہ رکھے تو اس کے بدلہ میں اور دنوں میں گن کر روزہ رکھ لے اور اس پر بھی تمہارے لئے یہ رخصت ہے کہ جو لوگ تم میں سے بڑی مشقت کے ساتھ روزہ رکھ سکتے ہوں جیسا کی بوڑھا تو وہ ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کا کھانا کہ جو اس کو دو وقت کافی ہو دے اور جو اپنی طرف سے زیادہ دو تو بہتر ہے اور جو تکلیف اٹھا کر بھی روزہ رکھ لو تو بہتر ہے۔

فوائد:..... كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ سے کیا مراد ہے؟:.....(۱) رمضان کے روزے یا اور روزے۔ معاذؓ اور قتادہؓ اور عطاءؒ وغیرہم علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس سے مراد علاوہ رمضان کے روزے ہیں جو رمضان کی فرضیت سے پیشتر فرض تھے' پھر رمضان کے فرض ہونے سے جیسا کہ آیت آئندہ میں ہے' ان کی فرضیت جاتی رہی اور وہ ہر مہینہ میں تین روزے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان میں محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ بھی تھا اور دلیل ان کی یہ ہے کہ اس آیت میں جس کو طاقت روزہ رکھنے کی ہے' اس کو فدیہ دینے کی رخصت ہے حالانکہ رمضان کے روزوں کی نسبت یہ حکم نہیں کہ فدیہ دے کر روزہ نہ رکھے اور نیز اس آیت میں مسافر اور مریض کا حکم ہے

اور اس سے پچھلی آیت میں بھی کہ جس میں رمضان کے روزے میں مسافر اور مریض کا حکم مذکور ہے۔ پس اگر یہاں صیام سے مراد رمضان ہو تو تب فائدہ عبارت مکرر ہو جائے۔ جمہور محققین کہ جن میں ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں' یہ کہتے ہیں کہ اس جگہ صیام سے مراد رمضان ہی کے روزے ہیں مگر اولاً اللہ تعالیٰ نے کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ فرمایا' پھر اس کے بعد اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ اس کی تشریح کی' پھر اگلی آیت شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ میں تو خوب تعیین کر دی جس طرح کہ اس نے اولاً کَمَا كُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ کہہ کر اطمینان دلایا تھا کہ یہ سلف صالحین کا قدیم دستور ہے۔ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ کہہ کر یہ تسلی کر دی کہ ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ چند روز کے لئے' پھر مسافر اور مریض کو رخصت دی اور جس سے نہایت مشقت سے ادا ہوتے ہوں' اس کو فدیہ کی اجازت دی اور ان کی دلیل کا یہ جواب ہے کہ یطیقونہ کے یہ معنی ہیں کہ بہ تکلف و بمشقت روزہ رکھ سکتے ہوں۔ چنانچہ عکرمہؒ اور ایوبؒ اور عطاءؒ کی قرأت میں یطوّقونہ آیا ہے اے یجشمونہ یعنی یکلفونہ اور یہ اس لئے کہ وسعت طاقت کے اوپر ایک اور شئے ہے۔

**شیخ فانی، حاملہ اور مرضعہ کے لئے روزوں کا حکم:**......اس صورت میں اب بھی رمضان کے روزوں کی نسبت اس شخص کے لئے کہ جو مشقت سے روزہ رکھ سکے' یہی حکم ہے کہ وہ ہر روزے کے بدلے میں فدیہ دے' یہ شیخ فانی کے لئے ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی جب روزہ رکھنے میں عاجز ہو تو ان کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دودھ پلانے والی اور حاملہ کے لئے فدیہ دینے کا حکم اس لئے نہیں کہ یہ پھر قضاء کے روزے رکھ سکتے ہیں' بخلاف شیخ فانی کے یہ فدیہ کا حکم خاص اسی کے لئے ہے۔ پس آیت یطیقونہ کو آیت فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡکُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ سے منسوخ قرار دینا بے فائدہ ہے اور اسی طرح لا مقدر ماننا اور ہمزہ کو سلب کے لئے کہنا بھی لا حاصل ہے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الَّذِیۡنَ یُطِیۡقُوۡنَهٗ سے مراد مسافر اور بیمار ہیں اور ان کی دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ روزے کی طاقت نہیں رکھتے' اس کا حکم تو خدا تعالیٰ نے فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ میں ظاہر کر دیا کہ اور دنوں میں روزہ رمضان کی قضاء ادا کر لیں۔ دوسری حالت طاقت کی ہے' سو اس میں ان کے لئے یہ حکم ہے فِدۡیَةٌ طَعَامُ مِسۡکِیۡنٍ کہ فدیہ دے کر چاہیں روزہ نہ رکھیں یعنی دونوں باتوں میں اختیار ہے (کبیر)۔ تیسرا ایک اور جواب ہے کہ رمضان میں ابتدائے اسلام میں مقیم صحیح کو بھی کہ روزے کی طاقت رکھتے تھے' اختیار تھا خواہ روزہ رکھیں خواہ فدیہ دے دیں مگر اگلی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا اور مکرر ہونے کا یہ جواب ہے کہ ابتداء میں چونکہ تندرست مقیم کے لئے فدیہ اور روزے کا اختیار تھا اور مسافر اور مریض کے لئے افطار کی رخصت تھی تو یہاں سے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ مسافر و مریض پر قضاء اور فدیہ نہیں کیونکہ یہ مشقت میں ہیں' اس لئے خدا تعالیٰ نے مسافر اور مریض کا حال بھی بیان فرما دیا کہ ان پر قضاء واجب ہے۔

**حکم روزہ میں تشبیہ نہ عدد میں ہے اور نہ ہی وقت میں:**......(۲) کَمَا كُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ میں تشبیہ نہ عدد میں ہے نہ وقت میں بلکہ صرف ایجاب میں یعنی جس طرح تم پر روزے واجب ہوئے' اسی طرح تم سے پہلے لوگوں پر بھی واجب ہوئے تھے' نہ یہ کہ جس طرح تم پر تیس روزے رمضان کے واجب ہوئے ان پر بھی تیس روزے رمضان کے واجب تھے اور من قبلکم سے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

(جواب): اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل کتاب کے ہاں بھی روزے واجب تھے' چنانچہ توراۃ کی تیسری کتاب کے باب ۶' ورس ۲۹ اور باب ۲۳' ورس ۲۷' ۲۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں پر ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارہ کا روزہ رکھنا واجب تھا کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ جو کوئی اس روز روزہ نہ رکھے گا اپنی قوم سے منقطع ہو جائے گا اور اعمال حواریان کے باب ۹' ورس ۹ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

عیسائی بھی یہ روزے رکھا کرتے تھے۔ علاوہ اس کے چالیس روز تک کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزے رکھے جیسا کہ کتاب خروج کے باب ۳۴ سے معلوم ہوتا ہے اور کتاب دانیال کے باب ۱۰ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام نے تین ہفتے کے روزے رکھے تھے اور اوّل کتاب السلاطین کے باب ۱۹' ورس ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت الیاس علیہ السلام کوہ ریب کو گئے تھے تو انہوں نے چالیس دن رات روزے رکھے تھے۔

اور انجیل متی کے باب ۴ اور انجیل لوقا کے باب ۴' ورس ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی جب کہ وہ بیابان میں تھے' چالیس دن رات کے روزے رکھے تھے۔ علاوہ اس کے بائبل کے مختلف مقامات سے اور بھی روزے رکھنا اہل کتاب کا ثابت ہے اور اسی لئے اب بھی یہود اور متدین نصاریٰ میں روزہ رکھنے کا دستور ہے۔

**نیچری مفسر کا روزے کے متعلق باطل نظریہ:**..... ہاں اب جو یورپ کا الحاد جوش زن ہے البتہ اس کی وجہ سے رسم روزہ و نماز عیسائیوں میں سے اٹھ گئی اور یوماً فیوماً اٹھتی جاتی ہے۔ بلکہ ان کی تقلید میں نیچری مفسر بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۱ میں روزے کی اہانت کر رہے ہیں جس کا ایک فقرہ یہ ہے ''عرب کے لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھتے تھے کہ خدا کو خوش کرنے کے خیال سے اور اپنے پیغمبر کی پیروی کی نظر سے روزہ رکھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس رسم کو جاری رکھنے کی اجازت دی'' انتہی ملخصاً۔ اور اس سے پیشتر اس صفحہ میں روزے کو بدنی ریاضت کہہ آئے ہیں اور جملہ بدنی ریاضتوں کی نسبت صفحہ ۲۳۰ میں یہ کہتے ہیں: قولہ غرض کہ تمام جسمانی ریاضتوں کا اسی غلط خیال پر رواج ہوا ہے' وہ یہ کہ انسان کی زندگی آسائش سے بسر کرنی خدا کو پسند نہیں اور یہ ایک عجیب خیال تھا' انتہی ملخصاً۔

**مرض و سفر کی وجہ سے روزوں میں رخصت:**..... (۳) فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ جس مرض سے روزہ کا افطار کرنا درست ہے' جمہور محققین کے نزدیک وہ ہے کہ جس میں روزہ رکھنے سے ضرر جان یا زیادتی مرض متصور ہو' نہ کہ ہر مرض کیونکہ اس مقام پر جو لفظ مریض بولا گیا ہے تو اہل زبان اپنے قرائن سے اس سے وہی مرض سمجھتے ہیں کہ جس کا ہم نے ذکر کیا' نہ کہ عام مرض، سفر کے معنی لغت میں کشف کے ہیں یعنی کھل جانا اور چونکہ سفر سے لوگوں اور ملکوں اور زمین کا حال کھلتا ہے اس لئے اس کو سفر کہتے ہیں اور سفیر چونکہ دو شخصوں کی پیچیدگی کھول دیتا ہے اس لئے بھی اس کو سفیر کہتے ہیں اور اسی لئے کہتے ہیں اسفار الصبح کی روشنی میں آنا۔

**سفر شرعی اور اس کی مسافت:**..... مگر شرع میں اس جگہ سفر سے مراد اقل مرتبہ تین منزل کا سفر ہے' اس لئے کہ نبی ﷺ نے مسح کے بارے میں فرمایا کہ مقیم ایک رات دن مسح کرے اور مسافر تین رات دن۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر اقل تین مرتبہ تین رات دن کے فاصلہ سے ہوتا ہے' اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے سفر کو علت مسح قرار دیا اور مسح کو معلول بنایا اور معلول علت سے زیادہ نہیں ہوتا۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ سولہ فرسخ کا فاصلہ ضروری ہے اور ہر فرسخ تین میل کا اور ہر میل بارہ ہزار قدم کا ہے کیونکہ ہاشم' جد رسول اللہ ﷺ نے جب جنگل ناپا تو میل کو بارہ ہزار قدم قرار دیا اور امام مالکؒ' احمد و اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔

مگر داؤد ظاہریؒ نے مطلق سفر مراد رکھا ہے اور اس کی تقلید سے قاضی شوکانیؒ نے درر بہیہ میں یہی فتویٰ دیا ہے۔ پس ان کے مذہب میں تو کوس کیا آدھے کوس تک جانے میں بھی روزہ نہ رکھے' اور یہ بالکل غلط ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ:......رمضان کا وہ مہینہ کہ جس میں قرآن لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے (اور جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور وہ حق و باطل میں فرق کر دیتا ہے' پھر جو تم میں سے کوئی اس مہینے کو پائے اس میں روزہ رکھے' اور بیمار یا مسافر ہو تو اور دنوں میں گنتی پوری کر دے۔ اللہ تعالیٰ تو تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا اور (یہ اس لئے) تا کہ تم گنتی پوری کر لو اور تا کہ تم کو جو خدا تعالیٰ نے رہنمائی کی ہے اس پر اس کی بڑائی بیان کر و اور تا کہ تم (اس کی نعمت کا) شکر کرو ﴿۱۸۵﴾

ترکیب:......شهر رمضان مبتدا' انزل فيه القرأن خبر اور ممکن ہے کہ فمن شهد جملہ شرطیہ اس کی خبر اور ممکن ہے کہ شهر رمضان مبتدا محذوف کی خبر ہو' تقدیرہٗ هي شهر یعنی الايام المعدودات اور بعض نے شہر کو بالنصب پڑھا ہے' بدل بنایا ہے ايام معدودات سے۔ هدی حال ہے قرأن سے اور بعض نے کہا ہے کہ مفعول لہٗ انزل کا۔ و بينت ای أيات و اضحات معطوف ہے هدی پر اور و الفرقان معطوف ہے الهدی پر ای حال كونه هادياً للناس و حال كونه بيّنات من الهداية و الفرقان ای ممايفرق بين الحق و الباطل۔ فمن شرطیہ مبتدا اور اس کے بعد اس کی خبر منکم حال ہے ضمیر فاعل سے اور مفعول شهد کا محذوف ہے ای شهد المصر اور الشهر ظرف ہے۔ فليصمه جواب شرط، ولتكملوا معطوف ہے اليسر پر اور لام زائد ہے۔

## صیامِ رمضان اور نزولِ قرآن

تفسیر:......یہ پہلی آیت کا تتمہ ہے۔ اوّل فرمایا تھا: تم پر چند روز کے روزے فرض ہوئے۔ اب اس آیت میں ان چند روزوں کی تشریح کر دی کہ وہ چند دن کہ جن میں تم پر روزے فرض ہوئے' رمضان کا مہینہ ہے۔ یہ وہ مبارک مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل ہوا ہے کہ جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور حق و باطل میں تمیز کرنے کے بارے میں کھلی نشانی بھی ہے۔ پس جو اس مہینے کو پائے تو چاہئے کہ روزہ رکھے اور جو مسافر اور بیمار ہو تو اور دنوں اتنے ہی رکھ لے۔ اس سے خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے آسانی کر دی اور نیز تعداد رمضان کی بھی پوری ہو جاتی ہے اور اس لئے کہ تم خدا تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے ہم کو ہدایت کی اور ہمیشہ اس کی شکر گزاری کرتے رہو اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ▪۔ اس میں کوئی بھی شبہ نہیں انوار الٰہی ہمیشہ چمکتے رہتے ہیں مگر علائق بشریہ ان کو ارواح بشریہ پر ظاہر ہونے میں حجاب ہو جاتے ہیں اور ان کا نزول ماہ رمضان قرار پایا اور یہی حکمت تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب کہ کوہ طور پر ان کو توراۃ ملی اور خدا تعالیٰ نے ان سے کلام کیا تو اول ان سے چالیس روزے رکھوائے اور اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیابان میں چالیس روزے رکھے غالباً ان کو اسی وقت انجیل عطا ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے بھی غار حرا میں روزے رکھے' ان پر وہاں قرآن نازل ہوا۔ رمضان کے مہینہ میں شب قدر میں جو تجلی الٰہی کا وقت ہے' قرآن مجید تمام و کمال لوح محفوظ سے نقل ہو کر آسمان دنیا میں بیت المعمور ایک جگہ ہے' وہاں نازل ہوا اور پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا دنیا میں آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا۔ پس اب اس آیت میں اور اس میں اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ① ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ کچھ بھی تعارض نہ رہا۔

● ......امام شافعی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عیدین کے روز تکبیر کہنا ہے۔ ۱۲ ▪:...... بعض کہتے ہیں انزل فيه القرأن سے مراد یہ نہیں کہ رمضان میں قرآن اترا بلکہ رمضان کی شان میں قرآن اترنا مراد ہے جیسا کہ کہتے ہیں انزل فی علی و انزل فی عمر۔ ۱۲ منہ ❶ ...... کس لئے لیلۃ مبارکہ بھی رمضان ہی میں تھی اور نہ اس قول مشہور میں کہ قرآن شوال کے مہینے میں نازل ہونا شروع ہوا اور نہ اس آیت میں کچھ تعارض باقی رہا۔ ۱۲۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ:......اور جب آپ سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں تو تمہارے پاس ہی ہوں' جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں جواب دیتا ہوں' پھر لوگوں کو بھی ہمارا حکم ماننا چاہئے اور مجھ پر ایمان لانا چاہئے تا کہ وہ ہدایت پائیں ﴿۱۸۶﴾۔

ترکیب:......واذا سالک فعل' عبادی فاعل' ک مفعول' عنی متعلق ہے فعل سے' یہ تمام جملہ شرط۔ فانی قریب ای فقل لھم انی قریب جواب شرط' اجیب خبر ثانی۔

## اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کے قریب ہیں

تفسیر:......پہلی آیت میں تکبیر اور یاد الٰہی اور اس کی شکر گزاری کا حکم تھا جس سے احتمال تھا کہ ہم تو اس کو یاد اور اس کی شکر گزاری کرتے ہیں' آیا وہ بھی ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے یا کہ دنیا کے امراء وشہنشاہوں کی طرح وہاں تک رسائی اور کسی کی شنوائی ہی نہیں ہوتی۔ قطعہ:

رُوئے بر خاک عجز مے مالم ☆ ہر سحر گہ کہ باد مے آید

اے کہ ہرگز فرامشت نہ کنم ☆ ہیچت از بندہ یاد مے آید

اس آیت میں اس شبہ کو زائل کر دیا کہ جب میرے بندے' اے نبی ﷺ میرا حال آپ سے پوچھیں تو کہہ دو کہ میں تو ان سے بہت ہی قریب ہوں۔ جو کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں اس کو سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ جو مجھ سے دعاء کرتا ہے قبول کرتا ہوں۔ پس میرے بندوں کو بھی لازم ہے کہ میری اطاعت کریں۔ گو میں اس کی نظر سے غائب ہوں لیکن وہ مجھ پر ایمان لائیں تا کہ مجھ تک پہنچنے کا راستہ پائیں۔

شانِ نزول:......اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک بدوی نے آکر آنحضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ ہمارا رب قریب ہو تو ہم اس سے آہستہ مناجات کریں اور اگر بعید ہو تو پکاریں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کسی جہاد میں تشریف لے گئے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بلند آواز سے تکبیر وتہلیل پکارنی شروع کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا رب بہرا اور دور نہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

قربِ خداوندی کی وضاحت:......خدا تعالیٰ کا قرب اپنے بندوں سے قرب جسمانی نہیں کیونکہ وہ جسم سے پاک ہے۔ علاوہ اس کے جسمانی چیز سب سے مساوی درجہ پر قریب نہیں ہوتی بلکہ ان دو شخصوں میں سے (جو فاصلہ پر ہیں) جس سے جس قدر قربت ہوگی دوسرے سے اتنی ہی دوری ہوگی۔ بلکہ یہ قرب علاوہ اس کے اور قرب ہے کہ جس کو کہیں وَنَحْنُ ❶ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ اور کہیں هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کو اہل ظاہر قرب علمی کہتے ہیں۔ وہ ہم سے شہ رگ سے تو کیا ہماری ذات اور ہمارے وجود سے بھی زیادہ قریب ہے مگر اس حجاب جسمانی کی وجہ سے وہ ہم کو دکھائی نہیں دیتا۔

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں۔ کبھی جو دعاء کا اثر ظاہر نہیں ہوتا تو اس میں کوئی حکمت الٰہی ہوتا ہے۔ ملحدانہ خیال کے لوگ دعاء اور اس کے اثر کے منکر ہیں جس سے تمرد پایا جاتا ہے۔ بندہ کو لازم ہے کہ ہر حاجت میں اسی کی طرف رجوع کرے۔ دعاء

❶......اور ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔ ۱۲۔

کے فضائل بے شمار ہیں۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْـَٔـٰنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ:......روزوں کی راتوں میں اپنی بی بیوں سے اختلاط کرنا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے' وہ تمہاری پوشش اور تم ان کی پوشش ہو۔ خدا تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم آپس میں مخفی طور سے ملتے تھے' سو اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگزر کی۔ پس (اب رات میں) ان سے ہم بستر ہولیا کرو اور جو کچھ تمہارے لئے (اس ہم بستری سے) خدا تعالیٰ نے مقدر کر رکھا ہے (اولاد) اس کو حاصل کرو اور جب تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے ممیز نہ ہو اس وقت تک کھا پی لیا کرو' پھر روزہ کو رات تک پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف کے لئے بیٹھے ہوا کرو تو اپنی بیویوں سے اختلاط نہ کرو (یعنی رات میں بھی اختلاط نہ کرو) یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں' سو ان کے پاس بھی نہ جانا۔ یوں اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے اپنے احکام کھول کھول کر بیان فرماتا ہے کہ وہ پرہیزگار ہو جائیں ﴿۱۸۷﴾۔

ترکیب:......احلّ فعل مجہول' الرفث الخ مفعول مالم یسم فاعلہ۔ لیلۃ الصیام ظرف ہے الرفث کا اور بعض کہتے ہیں احل کا و فیہ نظر۔ چونکہ رفث میں افضاء کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے اس کے صلہ میں الیٰ آیا ب نہیں آئی۔ علم فعل' اللہ فاعل' انکم الخ جملہ مفعول۔ باشروا امر ضمیر' انتم اس کا فاعل' ھن مفعول اور پھر وابتغوا اور کلوا واشربوا جملہ اس پر معطوف الآن ان سب کا ظرف من الفجر' الخیط کا بیان ہے۔ وانتم عاکفون الخ حال ہے لاتباشروھن سے۔

## رمضان کی راتوں میں افطار وغیرہ کی اجازت

تفسیر:......یہ آیت احکام صیام کا تتمہ ہے۔ اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں روزہ دار کو افطار کے بعد جب تک کہ عشاء نہ پڑھے اور نہ سوئے کھانا' پینا' جماع کرنا درست تھا اور جب وہ عشاء پڑھ چکے یا افطار کے بعد سو جائے تو پھر اس کے لئے یہ چیزیں ممنوع ہو جاتی تھیں' جس طرح کہ اب صبح صادق سے ممنوع ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس آیت کی شان نزول میں مروی ہے کہ ایک انصاری (کہ جس کے نام میں اختلاف ہے۔ معاذ کہتے ہیں: ابوصرمہ اور براء کہتے ہیں: قیس بن صرمہ) دن کے کام سے ہارا تھکا شام کو گھر میں آیا۔ افطار کر کے کھانا کھانے میں کچھ دیر تھی' سو گیا۔ پھر اس کو بیدار کیا تو اس نے اس لئے کہ بعد خواب کے کھانا منع تھا' نہ کھایا۔ اسی طرح روزہ پر روزہ رکھ لیا جس سے اگلے روز ضعف کے مارے اس کا حال تباہ ہوا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی اور اس عرصہ میں حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے عشاء کے بعد اپنی بیوی سے صحبت کی۔ اسی طرح اور لوگوں نے بھی ایسے ایسے واقعات بیان کئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر کبیر)۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے وسعت دے کر صبح صادق تک کھانے پینے جماع کرنے کی اجازت دے دی خواہ نماز عشاء پڑھ کر یا سو کر ان چیزوں کو استعمال میں لائے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ کی شب میں تمہارے لئے اپنی بیویوں کے پاس جانا مباح ہے کس لئے کہ ان سے تم سے باہم نہایت رغبت طبعی ہے اور ہم کو اپنے علم ازلی سے یہ بات معلوم تھی کہ تم سے صبر نہ ہو سکے گا۔ پس ہم نے تم کو اجازت دے دی کہ تم ان سے صبح صادق تک مباشرت کر سکتے اور کھا پی سکتے ہو۔ مگر جب اعتکاف کے لئے مسجدوں میں بیٹھو تب ان سے رات میں بھی مباشرت نہ کرو۔

**چند تفسیری نکات:**...... رفث لغت میں فحش باتوں کو کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ پھر اس سے مراد وہ باتیں ہیں جو بوقت جماع کی جاتی ہیں یہاں جماع مراد ہے۔

**مرد و عورت کو ایک دوسرے کا لباس قرار دینا:**...... هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ عورت کو مرد کا اور مرد کو عورت کا لباس کہا اس وجہ سے کہ یہ باہم اس طرح لپٹتے اور چمٹتے ہیں کہ جس طرح لباس بدن سے لپٹا ہوتا ہے یا اس وجہ سے کہ ایک دوسرے کو ناجائز باتوں سے روکنے میں لباس کی طرح ستر ہو جاتا ہے یا اس لئے کہ جس طرح لباس مخصوص ہوتا ہے اسی طرح ان میں خصوصیت ہوتی ہے یا اس لئے کہ لباس کی طرف انسان کو رغبت طبعی ہوتی ہے اور وہ باعث زیب و زینت ہوتا ہے ایسا ہی معاملہ عورت کا ہے۔

**خیانت کی تفسیر:**...... اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ خیانت سے مراد وہ افعال ہیں کہ جو اس آیت کے نازل ہونے سے پیشتر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے ظہور میں آئے کہ کسی نے رات کو جماع کیا کسی نے کھایا پیا۔ اَبْتَغُوْا...... الخ سے بعض نے یہ مراد لی ہے کہ جماع سے غرض اولاد ہے سو اس کو طلب کرو محض قضائے شہوت مقصود نہ رکھو۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد ہے کہ جو چیز جماع میں تمہارے لئے جائز کی گئی ہے وہ لو یعنی دُبر سے جماع نہ کرو اور خاص بیوی یا لونڈی سے یہ نفع لو۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسی فعل میں شب کو تیر نہ کرو بلکہ بقدر ضرورت فارغ ہو کر لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔

**آسمان پر سفید و سیاہ دھاریاں:**...... الْخَيْطُ ۞ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ اور مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ سے مراد ہے رات اور صبح صادق۔ صبح صادق سے پہلے سفید ستون سا آسمان کے کنارہ سے مشرق کی جانب نمودار ہوتا ہے اس کے بعد سیاہی چھا جاتی ہے۔ اس کو صبح کاذب کہتے ہیں اس وقت تک کھانا پینا درست ہے۔ اس کے بعد اسی سیاہی میں سے ایک سفید دھاری الٹ کر اوپر تک پھیل جاتی ہے یہاں تک کہ پھر آفتاب طلوع کرتا ہے۔ اس سفید دھاری کو صبح صادق کہتے ہیں۔ پس جب یہ دونوں دھاریاں باہم ممتاز ہو جائیں جب سے کھانا پینا جماع کرنا ممنوع ہے کیونکہ صبح صادق سے دن شمار ہوتا ہے اور یہ ممانعت بموجب ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ غروب آفتاب تک ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب تک سرخی غائب نہ ہو جائے تب تک۔ بعض کہتے ہیں کہ ستاروں کے برآمد ہونے تک ممانعت ہے جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں۔ مگر جب کہ لیل عرب عرب میں غروب آفتاب سے گنی جاتی ہے اور نیز احادیث صحیحہ میں بھی بعد غروب کے متصلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا افطار کرنا ثابت ہو گیا ہے تو پھر دیر کرنا تکلیف بے فائدہ ہے۔

**اعتکاف کی چند شرطیں:**...... وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ۔ اعتکاف لغت میں کسی شئی پر اپنے آپ کو مقید کرنا خواہ

---

۞ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم نے ڈورے سیاہ اور سفید لے کر اپنے تکیہ کے نیچے رکھ چھوڑے۔ پس جب تک ان میں فرق معلوم نہ ہوتا تب تک کھاتے پیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اطلاع کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور فرمایا کہ تیرے پاس بڑے لمبے چوڑے ڈورے ڈورے ہیں اے صاحب: ان سے مراد رات دن کے ڈورے ہیں ھکذا فی صحیح البخاری۔ ۱۲ منہ۔

بھلی ہو یا بری بات پر' جیسا کہ يَعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ میں وارد ہے۔ لیکن شرع میں اعتکاف مسجد میں بہ نیت تقرب الٰہی بیٹھنے کا نام ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اس میں دو قیدیں ٹھہراتے ہیں۔ ایک یہ کہ مسجد میں روزہ کے ساتھ بیٹھنا۔ دوسری یہ کہ کم سے کم پورے ایک دن تک بیٹھے۔ پس بغیر روزہ کے مسجد میں بیٹھنا' اسی طرح روزہ بھی ہو تو دن بھر سے کم بیٹھنا' اعتکاف شرعی نہ سمجھا جائے گا۔ کس لئے کہ احادیث اور فعل صحابہ رضی اللہ عنہم سے اعتکاف اسی طور سے پایا گیا ہے۔ مگر امام شافعیؒ ان دونوں قیدوں کو شرط نہیں خیال کرتے کہ ان کے بغیر اعتکاف نہ سمجھا جائے گا' ہاں جو ان قیود کو مرعی رکھے تو اولیٰ ہے۔

دلائل فریقین کے ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اعتکاف میں بھی اپنی بیوی سے جماع کرنا درست نہیں۔ بغیر شہوت کے اگر ہاتھ لگ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ معتکف سوائے حاجت ضروری پیشاب' پاخانہ یا نماز جمعہ کے مسجد سے باہر نہ نکلے۔ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا مسنون ہے۔

**رمضان کی راتوں میں افطار وغیرہ کی رخصت دینے کی وجہ:**......امام ابومسلم اس آیت کے معنی میں یہ جو کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں روزہ کی کوئی تشریح نہ تھی کہ کب تک کھائے پئے اور یہود بلکہ عیسائی اس سبب سے (کہ جہاں کہیں ان کی کتابوں میں روزہ کا حکم ہے' وہاں رات دن کا روزہ سمجھا جاتا ہے) دن رات کا روزہ رکھتے تھے۔ ان کے رویہ سے مسلمان بھی یہی کرنے لگے تھے کہ رات کو بھی کچھ کھاتے پیتے نہ تھے۔ مگر اس میں مشقت تھی اور نیز وہ آسانی کہ جو اس شریعت میں رکھی گئی ہے' اس کے بھی منافی تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے صریح اجازت دے دی کہ صبح صادق تک شوق سے کھاؤ پیو یعنی رات کا روزہ نہیں۔ سو یہ سمجھنا کہ یہ آیت پہلے حکم کے لئے ناسخ ہے' غلط ہے۔ درحقیقت روزہ روح کی تازگی اور جسم کی پژمردگی کے لئے ایک عجیب نسخہ ہے اور نیز مشقت کشی کے عادی ہونے کے لئے اور تنقیہ جسمیہ کے لئے بھی اس کے فوائد بیشمار ہیں اور اس لئے ہر ملت و مذہب میں اس کا دستور قدیم ہے اور ریاضت جسمانی کا مسئلہ اسلام میں ایک مہذب طریقہ پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو متوسط طریقہ پر مبعوث کیا ہے اس لئے سحر تک کھانے پینے سے جسم کو پژمردگی سے محفوظ رکھا کس لئے کہ افراط میں آکر بالکل جسم کو ہلاک کرنا روح کو اس کے کمالات حاصل کرنے سے محروم کر دینا ہے اور لیکن پہلی امتوں کے نفوس چونکہ زیادہ سرکش تھے اور ان کے قویٰ بہیمیہ بھی تیز تھے اس لئے بقاعدہ ''دوا بقدر مرض'' ان کو دن رات کے روزے کی ضرورت تھی۔ اسی طرح شتر بے مہار ہو کر ہر طرح کی لذات میں مستغرق رہنے سے بھی منع کر دیا۔ اسی لئے اسلام میں سحری کھانا مسنون قرار پایا۔ تسحروا فان فی السحور برکۃ کہ سحری کھاؤ اس میں برکت ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا

فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

ترجمہ:......اور آپس میں ایک دوسرے کے [ف] مال ناروا طور پر نہ کھا جایا کرو اور نہ اس کو حکام رسی کا ذریعہ بناؤ (رشوت میں دے کر) تاکہ لوگوں

[ف]:......اَمْوَالَكُمْ کے بظاہر معنی اپنا مال ہے۔ پھر مال کو بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ سے کھانے کے کیا معنی؟ اس کے دو جواب ہیں: اوّل یہ کہ اموالکم سے مراد اپنے لوگوں کا مال ہے جو ایک معنی سے اپنے بھائیوں کا مال اپنا ہی سمجھا جاتا ہے اموالکم کے ساتھ تعبیر کرنے میں شفقت دلانا مقصود ہے کہ یہ بھی تمہارا ہی مال ہے' اس کو بے دریغ ناجائز حیلوں سے نہ کھایا کرو۔ دوم اپنا مال بھی باطل طریقوں سے کھانا درست نہیں۔ اسراف' فضول خرچی' عیاشی' کھیل تماشے' لہو و لعب میں خرچ کرنا ناجائز طریقوں سے کھانا ہے۔ پہلی صورت میں ناجائز طریقہ سے کھانے کی یہ صورتیں ہیں: فریب دے کر کھانا' رشوت اور سود میں دینا لینا' رمل جفر' نجوم وغیرہ شعبدوں سے مال لینا' جھوٹے ٹونے ٹوٹکے' فال وغیرہ سے حاصل کر لینا' فتووں میں رشوت دینا' حکام اور اہل عدالت کا رشوت لینا سب باطل مال کھانا ہے جو اس آیت سے حرام ہے۔

کے مال کا کوئی حصہ ناجائز طور پر جان بوجھ کر کھانے لگو۔

ترکیب:......لاتأکلوا فعل انتم فاعل اموالکم مفعول بینکم ظرف ہے تأکلوا کا لان المعنی لا تتناقلوھا فیما بینکم۔ بالباطل موضع نصب میں ہے بسبب تأکلوا کے وتدلوا مجزوم ہے بسبب معطوف ہونے کے تأکلوا پر۔ لتأکلوا کا لام تدلوا سے متعلق ہے۔ فریقاً مفعول تأکلوا کا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ اس کا بیان وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ جملہ حال ہے تأکلوا کے فاعل سے۔

## حکم روزۂ معنوی یعنی مالِ ناحق ورشوت کی ممانعت

تفسیر:......گزشتہ آیات میں روزہ کا حکم اور اس میں مباح چیزوں کے بھی وقت معین تک کھانے پینے کی ممانعت تھی جو نفس سرکش کے زیر کرنے کے لئے بڑی عمدہ ریاضت ہے۔ ان آیات میں معنوی روزہ کا حکم دیا جاتا ہے کہ لوگوں کے ناجائز طور پر مال نہ کھا جایا کرو۔ وہ گناہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں کسی کا غصب، رشوت، چوری، دغابازی، خیانت، حیلہ سازی یا معصیت کے ذرائع سے پیدا کردہ مال کھانا اور مال کو حکام رسی کا رشوت دے کر ذریعہ بنا کر لوگوں کے مال اڑا جانا مخل تمدن اور روسیاہی کا باعث ہے۔ ان گناہوں سے خصوصاً پرہیز کرنا بھی ایک قسم کا روزہ ہے اور نیز روزوں کی راتوں میں کھانے کی اجازت تھی۔ اس جگہ بتا دیا کہ کھاؤ تو مال حرام نہ کھایا کرو۔ اس مناسبت سے اس مسئلہ کا بھی ذکر ہوا اور اس کے بعد اور بھی ممنوع چیزوں کا ذکر ہوتا ہے اور مفید اعمال کی تاکید فرمائی جاتی ہے تاکہ معنوی روزہ کی تکمیل ہو جائے

تدلوا، ادلاء سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کنویں میں ڈول ڈالنا۔ قال تعالیٰ: فادلی دلوہ مگر اس سے مراد بذریعۂ رشوت حکام سے ربط پیدا کرنا تاکہ لوگوں کے مال ناحق مارے۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ:......(اے نبی ﷺ!) آپ سے ہلالوں (چاندوں) کی حقیقت پوچھتے ہیں (ان سے) کہہ دو کہ یہ تو لوگوں کے معاملات اور حج کے اوقات بتلانے کے لئے ہیں، اور یہ تو کچھ بھی نیکی نہیں کہ گھروں میں ان کے پیچھے سے آیا کرو لیکن نیکی تو اس کی ہے کہ جو پرہیزگاری کرتا ہے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ترکیب:......یسئلون فعل بافاعل ک مفعول عن الاھلۃ متعلق ہے۔ ھی مبتدا مواقیت للناس معطوف علیہ والحج معطوف مجموعہ خبر البر اسم لیس بان تاتوا البیوت اس کی خبر۔

## رویتِ ہلال اور اس کے فوائد

تفسیر:......جب کہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو چاند کے حساب سے رمضان اور شوال اور نیز حج کے مہینوں کا حساب وشمار عرب کی قدیم عادت کے موافق ایک ضروری بات ہو گئی۔ اس لئے بعض لوگوں نے رسول کریم ﷺ سے ہلالوں کے متعلق سوال کیا کہ

اس میں کیا سِرّ ہے کہ اوّل راتوں میں چاند باریک خم دار ہوتا ہے' پھر بڑھتے بڑھتے بڑھ جاتا ہے اور پورا ہو جاتا ہے اور پھر گھٹنے لگتا ہے' آخر وہی باریک خم دار رہ جاتا ہے؟ چونکہ مسئلہ علم ہیئت سے متعلق تھا جس کے سمجھنے کی ان اَن پڑھ لوگوں کو لیاقت نہ تھی' مفت الجھن میں پڑ جاتے اس لئے اس سے اعراض کر کے جو فائدہ تھا وہ بتا دیا کہ یہ لوگوں کے معاملات اور اوقات بتاتے ہیں۔ چاندوں سے مہینے اور مہینوں سے سال و برس بنتے ہیں۔ عرب کے نزدیک صاف اور موٹا حساب جس کو ہر ایک سمجھ سکے' چاند ہی سے تھا اور اب بھی ہے۔ اس جواب سے دو باتوں کی تعلیم ہوگئی۔ اوّل یہ کہ جن اشیاء کے حقائق و اسرار سمجھنے کی لیاقت نہ ہو اُن کی بابت سوال کر کے اپنا اور مجیب کا ضائع نہ کرنا چاہئے۔ بے کار باتوں میں مصروف ہونا تضیع اوقات ہے۔ دوم یہ کہ اگر کوئی اس قسم کا سوال کرے بھی تو جہاں تو اس کے مفید مدعاء ہو بتلا دینا چاہئے۔ زجر و توبیخ کرنا خلاف اخلاق ہے۔

ہلال اوّل رات کے چاند کو کہتے ہیں' اس کی جمع اھلۃ آتی ہے۔ چونکہ یہ ذکر جواب میں آچکا کہ حج کا وقت بھی بتلاتے ہیں' اس مناسبت سے حج جیسی عمدہ عبادت میں جو کچھ عرب کے جاہلوں نے تحریف کر رکھی تھی اور لطف یہ کہ اس کو نیکی سمجھے ہوئے تھے اور اصل نیکی سے بے خبر تھے اس لئے اس کی تعریف اور جملہ نیکیوں کے اصل الاصول کو بتا دیا۔

**گھروں میں دروازے سے داخل ہونے کا حکم:**......احرام باندھنے کے بعد جو عرب کے لوگوں کو گھر میں آنے کی ضرورت پڑتی تھی تو پسِ پشت سے آتے تھے تاکہ دروازے سے آنے میں حج سے اعراض نہ پایا جائے۔ فرمایا: یہ کچھ بھی نیکی نہیں آؤ تو دروازوں سے آیا کرو وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا حکمت ؂ کا اک بیش بہا گوہر ہے جس میں اشارہ ہے کہ جس کام کو کرو اس کے رستے سے کرو۔ اسباب عادی کو اور اس کے مناسب تدابیر کو عمل میں لاؤ یہ دنیا و دین کے سب کاموں کو حاوی ہے۔ اصلی نیکی کیا ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ خدا تعالیٰ سے ڈرنا اور پرہیزگاری کرنا' جملہ ممنوع امور سے الگ رہنا خواہ از قسم عقائد ہوں یا از قسم اعمال ہوں اور اسی پر فلاح دارین وابستہ ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ سعادت کے گھر کا یہی دروازہ ہے۔ یہ بھی معنوی روزہ کا تتمہ بیان تھا۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

ترجمہ:......اور (اے مسلمانو!) جو تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے اللہ کی راہ میں لڑو اور زیادتی نہ کرو۔ خدا تعالیٰ ہرگز زیادتی کرنے والوں کو پسند

؂......وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا کلام حکمت ہے جو بہت سے معانی جلیلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ از الجملہ یہ کہ جو کام کرو اس کے قاعدہ اور دستور سے کرو' خلاف قاعدہ کام کرنا گھر میں پس پشت سے آنا ہے۔ گھر سے مقصود کی طرف اور دروازہ سے اس کے رستہ اور قاعدہ کی طرف استعارہ ہے۔ ۱۲ حقانی

نہیں کرتا⑩ اور ان کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور ان کو وہاں سے نکال دو کہ جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے (مکہ سے) اور ❶ فساد تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے' اور ان سے خانۂ کعبہ کے پاس نہ لڑو جب تک کہ وہ تم سے یہاں نہ لڑیں' پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان کو قتل کرو' کافروں کی ایسی ہی سزا ہے⑪۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو خدا تعالیٰ غفور و رحیم ہے⑫ اور ان سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ (وفساد) باقی نہ رہے' اور سب ❷ اللہ کا دین ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر زیادتی جائز نہیں⑬۔

---

ترکیب:...... قاتلو فعل' انتم اس کا فاعل' فی سبیل اللہ اس کے متعلق' الذین یقاتلونکم جملہ مفعول' و لا تعتدوا معطوف ہے قاتلوا پر۔ اللہ اسم' ان اللہ لا یحب الخ خبر' و اقتلوا فعل' انتم فاعل' ھم مفعول' حیث متعلق ہے اقتلوا سے و قس علیہ اخر جوھم۔ و الفتنة مبتدا' اشد...... الخ خبر' حتی بمعنی کہ اور ممکن ہے کہ بمعنی الی ان ہو۔ لا تکون۔ کان تامہ اور یکون میں بھی کان تامہ اور جو دونوں کو ناقصہ کیا جائے تو للہ خبر عدوان اسم لا۔ الا علی الظالمین خبر لا۔

## قتال فی سبیل اللہ کا حکم

تفسیر:...... پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ نیکی گھروں میں پیچھے سے آنے میں نہیں بلکہ نیکی تقویٰ ہے اور تقویٰ کی بڑی شاخ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے لڑ کر زمین کو کفر و معاصی اور دیگر فساد سے پاک کرنا ہے جس کی بھلائی اور جس کا عام فائدہ آئندہ نسلوں تک باقی رہتا ہے' اس لئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قتل فی سبیل اللہ یعنی جہاد کا حکم دیا۔ نبی ﷺ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے ساتھ بارادۂ حج مدینہ منورہ سے کوچ کر کے مکہ معظمہ کی طرف چلے اور جب مقام حدیبیہ ❸ آئے تو کفار قریش نے آپ ﷺ کو روک دیا اور کئی روز تک آپ ﷺ وہاں ٹھہرے رہے اور آخر واپس چلے آئے۔ پھر اگلے سال حج کی تیاری کی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو خوف ہوا کہ قریش بجنگ پیش آئیں گے اور ان مہینوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم جنگ کرنے کو نہایت مکروہ جانتے تھے۔

طریقۂ قتال:...... اس کشمکش میں تھے کہ یہ آیت نازل ہوگئی جس میں خدا تعالیٰ نے ان سے جنگ کرنے کی رخصت دی اور بوقت ضرورت تلوار اٹھانے کی اجازت دی کہ اے مسلمانو! خدا کی راہ میں جنگ کرو مگر زیادتی نہ کرو، بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں کو نہ مارو' سبز درختوں کو نہ کاٹو' عہد شکنی نہ کرو۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ کو زیادتی کرنے والے پسند نہیں۔

فتنہ انگیزی قتل سے بڑا گناہ ہے:...... اور جب تم میں اور ان میں کوئی عہد قائم نہ ہو تو ان کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور جس طرح انہوں نے تم کو مکہ معظمہ سے باہر نکال دیا ہے' تم بھی ان کو وہاں سے نکال دو اور یہ خیال نہ کرو کہ ہم نے ان کو مقام مقدس میں قتل کیا اور وہاں سے نکالا کیونکہ وہ وہاں فتنہ اور فساد کرتے ہیں اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے جس کا نتیجہ خرابی بلاد اور پریشانی عباد ہے۔

حرم میں قتال کی اجازت:...... مگر مسجد الحرام کے پاس ان سے جنگ نہ کرو جب تک کہ وہ وہاں تم سے جنگ نہ کریں اور اگر وہ وہاں حرمت خانۂ کعبہ کو ملحوظ نہ رکھیں اور تم سے جنگ کریں تو تم وہاں ان کو قتل کرو' کس لئے کہ خدا تعالیٰ کے دشمنوں کی یہی سزا ہے اور جو وہ باز آجائیں اور توبہ کر لیں تو خدا تعالیٰ بھی غفور و رحیم ہے اور کفار سے لڑتے رہو جب تک کہ دنیا میں فتنہ و فساد باقی نہ رہے اور احکام الٰہی پر بے روک ٹوک عمل درآمد ہونے لگے۔

---

❶...... یعنی اگر وہ تم پر مسجد الحرام کے پاس قتال کرنے کا الزام لگا کر بے ادبی کعبہ کا طعنہ دیں تو وہ خود اس کے مرتکب ہیں کیونکہ مسجد الحرام میں فتنہ اٹھا رکھا ہے جو قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ ۱۲ منہ۔ ❷...... یعنی دنیا پر سب احکام الٰہی چلنے لگیں' رکاوٹ اٹھ جائے سرکشوں کے قتل اور مغلوب کرنے سے۔ ۱۲ منہ۔ ❸...... مکہ کے قریب ایک جگہ ہے۔ ۱۲ منہ۔

**متعلقات:**......فتنہ کے لغوی معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں اسی لئے نعمت اور مصیبت کو بھی فتنہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں صبر و شکر کے بارے میں آزمائش ہوتی ہے۔ مگر اس جگہ مراد ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک کفر و شرک ہے کیونکہ اس سے زمین پر فساد اور خرابی پھیلتی ہے جس سے ظلم اور باہمی قتال و جدال پیدا ہوتا ہے جو موضع آزمائش ہے اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فساد اور ظلم وغیرہ قبائح ہیں اور شرک و کفر بھی اس میں شامل ہے۔

**زمین کو ہر قسم کی بُرائی اور جور و ظلم سے پاک کرنا:**......اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اوّلاً یوں فرمایا کہ جو تم سے لڑے تو تم بھی اس سے لڑو اور مسجد الحرام کے پاس حتی المقدور جنگ سے ادبا باز رہو۔ گویا یہ جنگ بحالت مدافعت ہے مگر زمین کا ہر قسم کی برائی اور جور و ظلم سے پاک کرنا عالم بالا کا اصل منشاء تھا اور اس لئے خدا تعالیٰ نے عرب کے ملک میں وہ نبی برپا کیا کہ جس کی اجمالی خبر کتب مقدسہ بالخصوص ۵۰ زبور ❶ میں ہے اور جس کی معرفت زمین پر آسمانی سلطنت کا ظاہر ہونا مقدر تھا اور ان شریر لوگوں کی گوشمالی اور سزا علم الٰہی میں ٹھہر چکی تھی کہ جن سے توراۃ و دیگر صحائف ❷ میں خطاب کر کے فرمایا گیا تھا کہ وہ بدوں کی بھوسی ❸ کی طرح چھانٹے گا اور آتشی شریعت سے بت پرستی اور شرارت کو مٹا دے گا اور یہ کام بعد موسیٰ علیہ السلام کے پورا پورا سرانجام پانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مقدر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے نائب بن کر زمین پر ہر قسم کی نیکی پھیلا دیں۔

اسی لئے حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فرما کر حکم دے دیا وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ قرآن مجید میں یہ اوّل آیت ہے کہ جس میں جہاد و قتل کا حکم دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے تو کفار قریش نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت ظلم و ستم کئے تھے یہاں تک کہ مکہ سے نکال دیا اور بہت لوگ ملک حبش میں چلے گئے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو ادائے فرض اور عبادت الٰہی سے روک دیا تھا۔ ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد و قتال کی اجازت دی۔ مخالفین اسلام تعصب و عناد سے جہاد کے بارے میں یہ اعتراض کر کے اسلام پر دھبہ لگایا کرتے تھے۔

**مخالفین اسلام کے جہاد پر اعتراضات اور ان کے جوابات:**......(۱) یہ کہ بردباری اور فروتنی اور باہمی محبت اور عفو کا مسئلہ اور جو اور کتب انبیاء علیہم السلام بالخصوص انجیل میں ہے (کہ جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو اس کی طرف دوسرا گال کر دے اور جو تیرے لئے برا چاہے تو اس کی بھلائی چاہ) قرآن و اسلام اس سے خالی ہے بلکہ برخلاف ہے۔

(۲) برخلاف تمام انبیاء سابقین کے لوگوں پر بزور شمشیر اسلام میں لانے کی تاکید ہے اور جو اسلام نہ لائے اس کو بے رحمی سے قتل کرنا اور اس کی جورو اور معصوم بچوں کو لونڈی و غلام بنانا اور اس کے گھر بار کو لوٹنا عام دستور اہل اسلام کا ہے۔

(۳) اس جہاد کے مسئلہ نے مسلمانوں کو ہر ایک قسم کے ظلم و زیادتی کی غیر مذہب والوں کے ساتھ اجازت دے دی یہاں تک کہ جو مسلمان غیر مذہب بادشاہوں کے ملک میں امن پا کر رہتے اور ان کے سایۂ حفاظت میں پرورش پاتے ہیں ان کے ساتھ بدعہدی کرنا اور

---

❶ ...... زبور میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے لکھا ہے کہ اے پہلوان اتو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت اور بزرگواری ہے حمائل کر کے اپنی ران پر لٹکا۔ ۱۲۔

❷ ...... ہمارا بادشاہ آئے گا چپ چاپ نہ رہے گا آگ اس کے آگے آگے فنا کرتی جائے گی اور اس کے گرداگرد شدت سے طوفان ہوگا۔ وہ اوپر آسمان کو طلب کرتا اور زمین کو بھی تاکہ اپنے لوگوں کی عدالت کرے۔ ۱۲ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہیبت اور شوکت سے ظہور ہوا اور دنیا میں کامل عدالت بھی کی۔ ۱۲ منہ۔

❸ ...... انجیل متی کے باب ۳ میں ہے کہ توبہ کرو کیونکہ آسمانی بادشاہت نزدیک ہے۔ (۱۱) وہ جو میرے بعد آتا ہے، مجھ سے زور آور ہے کہ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے قابل نہیں۔ اس کا چھاج اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو کھتے میں جمع کرے گا، پھر بھوسی کو اس آگ میں جو کبھی نہیں بجھتی (دوزخ) میں جلا دے گا۔ ۱۲ منہ۔

جس غیر مذہب والے پر قابو پانا' اس کو مار ڈالنا اور بادشاہ کے ساتھ بغاوت کرنا' بدخواہی کرنا اسلام میں باعث ثواب ہے۔ حالانکہ یہ وہ باتیں ہیں کہ جن کو نہ الہام قبول کرتا ہے نہ عقل تسلیم کرتی ہے بلکہ یہ امور تمدن کے بھی صریح برخلاف ہیں' پھر ایسی باتوں کے مروج کو کیونکر نبی کہا جائے؟ اور اسی لئے اس وقت کے جس قدر روشن دماغ ہیں' وہ بھی انتظام مملکت میں شریعت کو دخل نہیں دیتے اور جو اس پرانے وحشیانہ قانون پر چلتے ہیں تو ان کے ملک بھی برباد اور تنزل پذیر ہیں۔

**جوابات:**......مخالفین بالخصوص یورپ کے ملحد اور ان کے مرید مشنری ان اعتراضات پر بڑے نازاں ہیں (۱) واضح ہو کہ علم اخلاق کے احکام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ کہ جن کی پابندی ہر شخص کے لئے ہے۔ دوسرے وہ کہ جن کی پابندی کے مستحق خاص خاص لوگ بوجہ حصول مزید درجات ہیں' عام لوگوں سے ان پر عمل ہو نہیں سکتا۔ مثلاً جو کوئی کسی کو قتل کرے یا چوری یا غصب سے کسی کا مال لے لے یا اور کسی قسم کی تعدی کرے' اس کا معاف کر دینا خاص لوگوں کا کام ہے لیکن کوئی شریعت اور کوئی نبی اس حکم کو عام نہیں کر سکتا کیونکہ اگر ایسا ہو تو دنیا میں ظلم و ستم کا دروازہ کھل جائے۔ کبھی ایسی باتوں پر عمل کیا ہے، ہرگز نہیں بلکہ یہ مکارم اخلاق لوگوں کا خاص وقت میں دستور العمل ہو سکتا ہے، قانون عام نہیں ہو سکتا۔

ہندو اپنے مذہب کو بڑا ہی رحیم کہتے ہیں' آدمی تو کیا کسی جاندار کا قتل کرنا بھی روا نہیں رکھتے۔ پھر کوئی دھرماتما ہندو یہ بتلا سکتا ہے کہ اس قانون کا فائدہ اور اثر سوا اس کے کہ صرف زبانی جمع خرچ ہو' اور بھی کچھ کسی زمانہ میں ہوا ہے؟ جن زمانوں کو یہ ست جگ اور دوا پر کہہ کے ان کے متبرک ہونے پر بڑی خوشی ظاہر کرتے ہیں' کیا ان میں ان کے انہیں بزرگوں کے ہاتھوں سے کہ جن کے یہ مقولے ہیں' سینکڑوں آدمیوں کی جانیں تلف نہیں ہوئیں؟ مہابھارت سے کوئی ہندو ناآشنا نہیں۔ اس سے بخوبی ثابت ہوا کہ ایسے عفو و رحم دلی کی باتیں جس مذہب میں ہیں وہ خاص لوگوں کے لئے ہیں' نہ یہ کہ عموماً قوم کے لئے۔

قرآن مجید میں بھی یہ مکارم اخلاق بہت کچھ مذکور ہیں۔ سورۂ حٰم سجدہ میں فرماتا ہے: وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۔ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں۔ تو برائی کے جواب میں بھلائی کر' پھر جو تیرا دشمن بھی ہے وہ بھی نہایت دوست ہو جائے گا۔ یہ خصلت صابرین اور بڑے نصیب والوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اب دیکھئے اس میں بلالحاظ مؤمن و کافر' ہم قوم و غیر ہم قوم و بلاقید یگانہ و بیگانہ کس قدر رحم دلی و بردباری اور عفو کی تعلیم ہے کہ جو دوسرے گال پھیر دینے کے اندر نہیں۔ کیونکہ اس میں تو دشمن کے ساتھ بجائے صبر کے نیک سلوک کی بھی تعلیم ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الآیۃ. خدا تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم عدل و انصاف کرو اور اسی پر بس نہ کرو بلکہ بلاقید مؤمن و کافر' یگانہ و بیگانہ سب کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ پھر نیک سلوک میں کوئی قید نہیں بلکہ عام رکھا ہے' ایک جگہ فرمایا: وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ اس آیت میں بلاقید مؤمن و کافر' اپنے بیگانوں سب کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم ہے' ایک جگہ فرماتا ہے: وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ اور اسی طرح بے شمار آیات ہیں اور احادیث صحیحہ اس بارے میں بکثرت ہیں۔

علاوہ اس کے جناب پیغمبر ﷺ کی رحم دلی اور فروتنی اور بردباری اور مخالفوں کے ساتھ قدرت پا کر نیک سلوک کرنا ضرب المثل ہو گیا ہے۔ ایسے صدہا واقعات فن سیرت میں موجود ہیں کہ جن سے ثابت ہے کہ اسلامی رحم دلی اور خود پیغمبر ﷺ کی نرم دلی، بردباری' تواضع' عفو کا کچھ انتہا نہ تھا۔ آپ ﷺ کے جانشینوں کے اخلاق و عادات بھی باوجودیکہ وہ بڑی بڑی سرسبز اور عالیشان سلطنتوں کے مالک ہو گئے

تھے نہایت رحیمانہ عفو و حلم کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی بے نظیر فتوحات کا جوان کو قرن اوّل میں نصیب ہوئیں یہ بھی ایک بڑا سبب تھا۔ الحاصل جس نے قرآن و احادیث کو پڑھا ہے وہ مکارم اخلاق سے جو اعلیٰ پیمانہ پر ہو قرآن اور اسلام کو خالی رہنے کا الزام نہیں لگا سکتا۔ مگر اس کے ساتھ قوانین معدلت اور سرکشوں اور گمراہوں اور گمراہ کنندوں کے سرنگوں کرنے کا مسئلہ بھی ضرور قرآن میں ہے جس کا سلسلۂ انبیاء ہمیشہ سے خوشخبری دیتا آیا ہے اور جس کی بلحاظ ادا کرنے فرض منصبی مذہب کو از حد ضرورت ہے۔

(۲) اسلام میں کہیں بزور شمشیر مسلمان کرنے کا حکم بھی نہیں چہ جائیکہ تاکید بلکہ اس کے برعکس حکم ہے تاکید نہیں۔ بلکہ اعلانیہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ یعنی دین میں کسی پر کچھ زبردستی نہیں گمراہی اور ہدایت میں فرق ظاہر ہو گیا۔

**فوائد: جہاد کے مواضع:......** اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ زبردستی مسلمان ہو جائے ❶ زنا، شراب خواری، قمار بازی وغیرہ رسوم کو کیوں بزور مٹایا اور کیوں بت پرستی کو جرم قرار دیا؟ تو یہ محض بیہودہ اعتراض ہے۔ کیا اس وقت کے روشن دماغ جرائم کو بزور نہیں مٹاتے؟ اور بعد جنگ کے مخالفوں کے مال و اسباب ضبط نہیں کرتے ان کو قید میں نہیں ڈالتے، اسی طرح اسلام آسمانی باغیوں کے ساتھ کرتا ہے اور ان کو قید غلامی کی سزا دیتا ہے۔ اگر اس پر اعتراض ہے تو پھر دیندار عیسائی انبیائے بنی اسرائیل پر بھی اعتراض کریں کہ جنہوں نے زن و بچہ بلکہ جانوروں تک بھی مخالفوں کا زندہ نہ چھوڑا تورات اور کتاب یوشع وغیرہ کو ملاحظہ فرمائے۔

(۳) اسلام نے غیر مذہب والوں کے ساتھ ظلم و زیادتی، قتل و بدعہدی کی ہرگز اجازت نہیں دی، نہ جس بادشاہ کے امن میں آرام پائیں اور فرائض مذہبی کو بہ آزادی ادا کریں اس کے ساتھ بدعہدی اور بدخواہی کی رخصت دی ہے بلکہ عہد پورا کرنے کی نہایت تاکید ہے وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ ابھی آیت سابقہ میں آ چکا ہے اور متعدد مواضع میں آیا ہے اور احادیث میں بکثرت وارد ہے۔ ہرقل شاہ روم اور دیگر مخالفین اسلام شاہوں کے ملک میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم تجارت یا کسی کام کو گئے، انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا اور جو یہ اعتراض کرتا ہے وہ اسلام اور قرآن مجید پر بہتان باندھتا ہے یا ناواقف ہے۔

اسلام صرف ان چند صورتوں میں جہاد کی اجازت دیتا ہے اور حسب ضرورت تاکید بھی فرتا ہے۔ اوّل یہ کہ مخالفین اسلام مسلمانوں کے ملک اور معابد پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے حملہ آور ہوں اور مسلمانوں پر چڑھائی کریں جیسا کہ احزاب کا واقعہ۔

دوسرے یہ کہ کسی جگہ مسلمان اور کافر قدیم سے ملے جلے رہتے ہیں اور پھر کفار ان کو ادائے مراسم مذہبیہ سے منع کریں اور جلاوطنی پر مجبور کریں اور محض اسلام کی وجہ سے ظلم و تعدی کرنا شروع کریں جیسا کہ کفار قریش نے مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا اس صورت میں اگر وہاں کے لوگوں کو مقابلہ کی طاقت نہیں تو اسلام کو مخفی نہ کریں اور مراسم اسلامیہ سے باز رہنا اختیار نہ کریں بلکہ وطن چھوڑ کر کسی دار اسلام میں چلے جائیں اور اس کو ہجرت کہتے ہیں۔ یہ ایسی حالت میں فرض ہے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اس صورت میں باہر جا کر جمعیت بہم پہنچا کر ضرور مخالفین کو مغلوب کریں جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے آ کر مکہ مکرمہ فتح کیا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مسلمان اپنی قوت و شوکت اور سامان حرب و قتال بہم پہنچا کر اپنے آس پاس کے بادشاہوں اور قریب و بعید کے ملکوں کو دین حق کی منادی کریں اور بت پرستی اور دیگر رسوم قبیحہ ترک کرنے اور امور فطرت کے اختیار کرنے کا حکم دیں (کس لئے کہ

---

❶ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جانشینوں نے مصلحت ملکی و مذہبی کے لحاظ سے اس بات کی ضرور کوشش کی کہ غیر مذہب ہر عرب میں رہنے نہ پائے، باہر چلا جائے۔ اس کے سوا اور ممالک میں مسلمان اور مشرک وغیر مذاہب کے لوگ سلطنت کے مطیع رہ کر مساوی درجوں پر بود و باش کے مجاز تھے مگر عرب سے باہر کرنے کو اگر کسی نے بزور شمشیر اسلام لانے پر مجبور کرنا سمجھ لیا ہے تو یہ اس کی خوش فہمی ہے، اسلام بے قصور ہے۔ حقانی رحمہ اللہ۔

دنیا میں خدا تعالیٰ نے راستی اور آسمانی سلطنت قائم کرنے کے لئے جناب نبی ﷺ کو بھیجا ہے جیسا کہ کتب مقدسہ سے بھی ثابت ہے اور آپ ﷺ کے بعد الیٰ یوم القیامۃ آپ کے جانشین اس کام پر مامور رہیں۔ اگر وہ لوگ امر حق اختیار کرلیں اور فساد سے باز آئیں تو ان سے کچھ نہ کہیں ورنہ ان کو ماتحتِ اسلام پر مجبور کریں اور اگر یہ بھی نہ مانیں تو آخری درجہ جس طرح آج کل مذہب گورنمنٹیں دفع فساد کے لئے فوج کشی کرتی ہیں' شاہ اسلام لشکر کشی کرے جیسا کہ شام وایران وغیرہ بلاد پر صحابہ ﷺ نے لشکر کشی کی مگر لڑکوں' عورتوں' بوڑھوں کو نہ مارا' کھیتیاں نہ اجاڑیں۔ پس ان صورتوں میں جب کہ طرفین سے جنگ قائم ہوئی ہے تو سوائے وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ اور وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ کے اور کیا ہوتا ہے؟ جس قدر کفار پر سختی اور قتل میں سعی کرنے اور ثابت قدم رہنے کی تاکید ہے سو وہ خاص ان صورتوں میں ہے اور انہیں کے لئے قرآن میں جابجا تاکید ہے اور انہیں میں مارے جانے سے شہادت ملتی ہے اور انہیں کے اجر وثواب قرآن مجید میں جابجا مذکور ہیں۔ باقی اور سب صورتوں میں وہی رحم دلی اور عفو ورنہ عدل ذوانصاف۔ اب فرمائیے کون سا اعتراض ہے؟ ❶

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

مع عند المتقدمین

❶ ......اور جو نا انصاف یہود ونصاریٰ اب بھی اعتراض سے باز نہ آئیں اور ملحدانہ طور سے کہیں ''قرآن نے ریلیجس لبرٹی اور کانشنس کا ستیاناس کردیا اور مذہبی آزادی کو باقی نہ رکھا اور آسمانی حقوق کے لئے کیوں تلوار اٹھائی اور کیوں کافروں پر قہر وغضب ظاہر کیا'' تو اس سے پیشتر وہ بائبل اور اپنے دینی پیشواؤں پر بھی اعتراض جمادیں کہ جنہوں نے مذہبی جنگ قائم کی اور جنہوں نے کفار سے عہد باندھنے کی بھی سخت ممانعت کردی۔ چنانچہ توراۃ' سفر خروج کے باب ۲۲' درس ۱۸ میں ہے تو جادوگرنی کو جینے مت دے۔ جو کوئی چار پائے سے مباشرت کرے مارا جائے' جو کوئی خدا کے سوا اور معبود کے لئے قربانی کرے مارا جائے عذاب دے کر۔ پھر باب ۱۷ میں قوم عمالیق سے جنگ کی اور نسل درنسل ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ پھر باب ۲۳ میں خدا کا کفار سے دشمنی رکھنا اور تمام کفار کی ہلاکت کا وعدہ کرنا اور ان سے معاہدہ کرنے کی سخت ممانعت مذکور ہے۔ پھر باب ۳۲ میں بسبب گوسالہ پرستی کے بھائی کو بھائی اور دوست کو دوست کے ہاتھ سے قتل کرنے کا حکم اور نیز ہزاروں کا قتل ہونا بھی مندرج ہے۔ پھر کتاب استثناء کے باب ۲ میں حسبون کے بادشاہ اموری سے جنگ کرنے کا حکم ہے۔ پھر باب ۳ میں عوج کو اس کی تمام قوم سمیت قتل کرنا مذکور ہے جس میں ان کی عورتوں اور معصوم بچے بھی بحکم خدا قتل کئے گئے۔ اسی طرح سینکڑوں مقامات ہیں۔ پھر کتاب یشوع کو دیکھئے کہ اس میں کافروں کے ساتھ کیا بے رحمی کا برتاؤ لکھا ہے اور زن ومرد' جانداروں تک کو نبی نے تہ تیغ بے دریغ کیا ہے۔ اب عیسائیوں کے بزرگوں کی طرف آیئے' قسطنطین اعظم نے چوتھی عیسوی صدی میں مذہبی قتل عام کیا' پھر ایرین چرچ نے مقلدین اتنانسیس کو کس بے رحمی سے افریقہ میں قتل کیا اور روی چرچ نے جرمن وبرطانیہ وفرانس اور اٹلی کے شمال میں الپس کے پہاڑوں میں دریائے خون خاص مذہب کے لئے بہائے۔ آسٹریا میں تیس برس تک مذہبی جنگ رہی۔ ملک فرانس میں چارلس نہم عیسائی نے تین لاکھ پراسٹنٹ کو بے رحمی سے قتل کیا بلکہ کوئین میری اور لوئیس چہاردہم نے کیسا قتل عام مذہب کے لئے کیا اور ہنری ششم شاہ انگلستان نے کیتھولک لوگوں کو قتل کرکے پراسٹنٹ مذہب پھیلایا۔ پھر انگلستان میں ایک سو تیس برس تک پراسٹنٹوں نے اپنا مذہب جاری کرنے کے لئے کیسے کیسے ظلم وستم کئے۔ پھر جان کالون نے شاہ سروینس کو ترغیب دی کہ جو ہمارے مذہب کو نہ مانے' قتل کیا جائے۔ پھر اسپین میں مسلمانوں پر پادریوں نے کیا کچھ جور وستم نہ کئے۔ ہندوؤں میں ویدیوں اور بدھ مذہب والوں میں سالہا سال تک کیسے کیسے قتل عام ہوئے؟ پس اگر مذہبی آزادی خدائی حکم ہے تو یہ ان رحم دل لوگوں نے کیوں کیا؟ اور اب روشن دماغ گورنمنٹیں دنیاوی حقوق کے لئے اور محض انسانی آزادی مٹانے اور بنی نوع کو غلامی کی قید میں لانے کے لئے کیسی کیسی خونریزی کیا کرتی ہیں اور کیسے کیسے مکر وفریب اور بدعہدی وبے رحمی کا استعمال کرتی ہیں جو انسانی سیرت کے لئے بڑا بدنما دھبہ ہے۔ ۱۲ حقانی۔

ترجمہ:......حرمت ❶ والے مہینے کا بدلہ حرمت والا ہے' اور سب قابل تعظیم باتوں کا بدلہ ہے۔ پھر جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر (اسی قدر) زیادتی کرو جس قدر کہ اس نے تم پر کی' اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ خدا تعالیٰ پرہیزگاروں کا ساتھی ہے ﴿۱۹۴﴾ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ (ڈالو اور نیکی سے پیش آؤ۔ بیشک خدا تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے ﴿۱۹۵﴾۔

ترکیب:......الشهر الحرام مبتدا' بالشهر الحرام ای مقابل بالشهر الحرام خبر' والحرمات جمع حرمة ماامنع من انتها۔ والقصاص المساوات' فمن اعتدی شرط' فاعتدوا...... جواب۔ بمثل میں بعض کہتے ہیں ب زائد ہے' بعض کہتے ہیں بلکہ فعل سے متعلق ہے۔ تهلكة۔ تفعلة من الهلاک۔

## حرمت والے مہینے

تفسیر:......عرب میں قدیم سے دستور تھا کہ ذی القعدہ اور ذی الحجہ وغیرہا مہینوں کی تعظیم و حرمت کرتے تھے۔ ان مہینوں میں باہمی قتال و جدال کو بھی سخت مکروہ جان کر ترک کرتے تھے اور اس لئے ان مہینوں کو اشہر الحرام کہتے تھے۔ پس جب کہ مسلمانوں کو کفار سے لڑنے کی اجازت ہوئی اور آنحضرت ﷺ مع لشکر ہجرت کے ساتویں سال ذی القعدہ میں مکہ مکرمہ حج وغیرہ کے لئے چلے اور سال گزشتہ میں بمقام حدیبیہ کفار نے روک دیا تھا تو صحابہ ؓ کو جنگ کا یقین ہو گیا مگر شہر حرام کی وجہ سے دل میں خیال پیدا ہوا' اس لئے اس آیت کو خدا تعالیٰ نے نازل فرما کر شبہ حل کر دیا کہ جس طرح انہوں نے شہر حرام میں اگلے سال تم کو روک دیا تھا' اسی طرح تم بھی اس سال شہر حرام میں ان پر چڑھے' دونوں برابر ہو گئے (ابن عباس ؓ)۔

یا یوں کہو کہ اگر وہ شہر حرام کا اور حرمات یعنی تعظیم کی چیزوں کا (جیسا کہ مہینہ حج اور شہر مکہ اور مسجد حرام) لحاظ اور ادب کریں اور تم سے نہ لڑیں تو تم بھی لحاظ و ادب کر کے ان سے نہ لڑو۔ خلاصہ یہ کہ ان دنوں میں اور ان مقامات میں تم پیش دستی نہ کرو۔ ہاں اگر وہ ابتداء کریں تو تم بھی ان پر اسی قدر تعدی کرو لیکن حد سے زیادہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کو خوب سمجھ رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا ساتھی ہے۔ اگر تم پرہیزگاری کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو گا' تم فتح پاؤ گے۔ پھر دفع شر و فساد کے لئے جہاد کا حکم دیا تو اس کے ساز و سامان بہم پہنچانے کا بھی حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال صرف کرو اور اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارے دشمن تم پر غالب آ جائیں گے۔ اس صورت میں گویا تم نے آپ اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالا' سو ایسا نہ کرو۔ یا یہ معنی کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں صرف کرو نہ ایسا کہ بالکل محتاج ہو جاؤ اور ہلاکت میں پڑ جاؤ کیونکہ اس سے مقصود شرع جو دفع فساد ہے' حاصل نہیں ہوتا۔ ایک سورما کیا کر سکتا ہے! جہاد کے حکم کو احسان کے ساتھ ختم کیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ قتال و جہاد اپنے موقع پر ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ہمہ وقت خونخوار بنے رہو بلکہ نیکی اور احسان کی عادت پیدا کرو۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ

❶......یعنی اگر وہ حرمت والے قابل تعظیم مہینے کا لحاظ اور پاس کریں تو اسلام کی طرف سے بھی ادب اور لحاظ ہے' قتال ممنوع ہے۔ اسی طرح اور جس قدر قابل تعظیم چیزیں ہیں جیسا کہ حرم اور مسجد الحرام' ان کا بھی اگر وہ ادب ملحوظ رکھیں اور قتال و جدال نہ کریں تو مسلمانوں کو بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے اور اگر وہ ادب نہ کریں تو اس مہینے اور ان قابل تعظیم چیزوں کو آڑ بنا کر مسلمانوں پر ظلم اور قتال کا وہ موقعہ حاصل نہیں کر سکتے۔ ۱۲ حرمت والا مہینہ حج کا مہینہ ہے' اس کی تعظیم ایام جاہلیت میں بھی عرب کرتے تھے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی یہ بات ان میں باقی تھی۔ ۱۲ منہ

اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۗ فَمَنْ
تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ
اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ
ع اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

ترجمہ:......اور حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔ پس اگر تم روکے جاؤ (راستہ میں) تو جو کچھ قربانی میسر آئے (ذبح کردو) اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے۔ پس جو کوئی تم میں سے بیمار ہو جائے یا اس کے سر میں کوئی بیماری ہو (اور وہ سر منڈا دے) تو اس کے بدلے میں روزے یا صدقہ یا قربانی لازم ہے' پھر جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو کوئی عمرہ کو حج سے ملا کر فائدہ اٹھائے تو اس کو جو کچھ میسر ہو قربانی کرنی چاہئے' اور جو (قربانی) نہ پائے تو اس کو تین روزے ایام حج میں رکھنے چاہئیں اور سات جب (کہ وطن میں) واپس آؤ' یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ اس لئے ہے کہ جس کا گھر بار مکہ میں نہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو' اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا بھی ہے﴿۱۹۶﴾۔

---

ترکیب:......اتموا امر' انتم اس کا فاعل' الحج والعمرۃ مفعول' للّٰہ کا لام متعلق ہے اتموا سے۔ فإن أحصرتم شرط' فما استیسر موضع رفع میں ہے بسبب ابتداء کے اور خبر محذوف ہے ای فعلیکم یہ تمام جملہ جواب شرط ہے۔ محلہ ظرف مکان اور زمان دونوں ہو سکتا ہے۔ فمن کان......الخ شرط، ففدیۃ......الخ جملہ جواب فاذا موضع نصب میں ہے۔ فمن تمتع شرط موضع ابتداء میں فما استیسر جواب، پس فمن اور اس کا جواب جملہ شرطیہ جواب ہے اذا کا' فمن شرط' فصیام......الخ جملہ جواب۔

## حج وعمرہ کے احکام

تفسیر:......اگلی (سابقہ) آیت میں جہاد و قتال کا حکم نازل ہوا تھا تو اُس کے شان نزول میں آپ جان چکے ہیں کہ یہ حکم جب نازل ہوا تھا کہ جب آنحضرت ﷺ حج وعمرہ کے لئے مکہ میں آنا چاہتے تھے۔ کفار نے بمقام حدیبیہ آپ ﷺ کو روک دیا تھا۔ پھر اگلے سال آپ نے عمرہ ادا کیا۔ پس چونکہ حج وعمرہ کا بیان تھا تو اس کے مانع کو دفع کرنے کے بعد احکام حج وعمرہ کا بیان شروع فرمایا' اس لئے کہ یہ بھی ایک بڑی عمدہ عبادت ہے۔ چنانچہ اس کے اسرار اور فوائد ہم آگے چل کر بیان کرتے ہیں ان شاء اللہ۔

حج وعمرہ کے بارے میں یہ سب سے اوّل آیت ہے:......اور پھر دیگر مقامات میں بھی اس کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ میں اسی مقام پر اور پھر سورۂ آل عمران میں: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ......الخ اس آیت میں حج کی فرضیت ہے۔ پھر سورۂ مائدہ کے اول میں فرماتا ہے: اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ......الآیۃ کہ تمہارے لئے وہ مواشی حلال کئے گئے کہ جو حرام ہونے سے مستثنیٰ ہیں مگر حالت احرام میں شکار نہ کرو اور خدا تعالیٰ کی نشانیوں اور ہدی اور قلادہ پڑی ہوئی قربانیوں کو اور حج کرنے والوں کو بے حرمت نہ کرو۔ پھر سورۂ مائدہ کے تیرہویں رکوع میں یہ فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ھَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَاۗىِٕدَ...الآیۃ۔

اس آیت میں احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت ہے اور جو کوئی شکار کرے تو اس کے بالعوض اور جانور ویسا ہی کعبہ کو قربانی کے لئے بھیجے یا مسکین کو کھانا کھلائے ورنہ (اگر گنجائش وغیرہ نہ ہو تو) روزہ رکھے اور دریائی جانوروں کے شکار کی اجازت دی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ کعبہ کو بیت الحرام ہمیں نے بنایا ہے اور ہدی اور قلادہ پڑی ہوئی قربانیاں جو کعبہ جا کر ذبح ہوتی ہیں اور حرمت کا مہینہ ہمارے حکم سے مقرر ہوا ہے۔ پھر سورۂ حج کے چوتھے و پانچویں رکوع میں حج اور قربانی اور خانۂ کعبہ کی نسبت یہ ارشاد ہے:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ الْفَقِيْرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ ذٰلِكَ ۤ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ الآیۃ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ.....الخ۔ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ڰ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَاۗفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰي مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، پھر تمہارے پاس ہر جانب سے لوگ حاضر ہوں گے۔ (چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرفات کی ایک پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی) تاکہ وہ دنیا و آخرت اپنے منافع دیکھیں اور ایام تشریق تک خدا تعالیٰ کے لئے تکبیر کہیں کہ اس نے ان کے لئے چوپائے بنائے۔ ان چوپایوں کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی دو۔ پھر اس قربانی کے بعد (جو دسویں تاریخ منیٰ میں ہوتی ہے) اپنا احرام کھول کر میل کچیل دور کرو اور اپنی نذریں پوری کرو (قربانی مانی ہو تو جانور کی قربانی کرو) اور کعبہ کا طواف کرو (اس کو طواف زیارت کہتے ہیں) الخ۔ ہم نے تمہارے لئے مویشیوں میں منافع رکھے ہیں، ان سے ہر طرح کا کام لو۔ پھر آخیر یہ کہ اس کو کعبہ کی قربانی کے لئے بھیجتے ہیں الخ اور اونٹوں میں ہم نے تمہارے لئے بہتیرے اور فوائد رکھے ہیں' وہ ہماری قدرت کا نمونہ ہیں۔ اس کے پاؤں باندھ کر تکبیر کہو' پھر جب وہ زمین پر گر پڑے تو اس کو خود بھی کھاؤ اور محتاج بے سوال کو اور سوالی کو بھی دو الخ اور خدا تعالیٰ کے پاس نہ اس کا خون جاتا ہے نہ گوشت بلکہ صرف تمہارا تقویٰ۔

**تکمیل حج و عمرہ کا حکم:**.....اب ہم آپ کو سورۂ بقرہ کی اس آیت کا جس کی ہم تفسیر لکھ رہے ہیں' پیشتر صاف صاف مطلب سمجھاتے ہیں پھر اور ابحاث شروع کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: اے مسلمانو! خدا تعالیٰ کے لئے حج و عمرہ پورا کرو یعنی شروع کر کے ناتمام نہ چھوڑو اور ان کے شروط و ارکان میں بھی کچھ کمی نہ کرو اور نیت بھی اس کے لئے کرو اور جو احرام باندھنے کے بعد راستہ میں روکے جاؤ خواہ وہ رکنا مرض کے سبب ہو یا دشمن کے سبب، جیسا کہ اُس زمانہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بمقام حدیبیہ قریش نے روک دیا تھا یا کوئی اور سبب پیش آئے'

جیسا کہ دریائی سفر میں جہاز والوں کو پیش آتا ہے تو ان صورتوں (یعنی محصر ہو جانے کی صورت) میں ایک قربانی خواہ بکری خواہ اونٹ جو میسر آئے' کعبہ کو بھیج دو۔ جب جان لو کہ وہاں ذبح ہو گئی تو احرام کھول دو اور سر منڈالو۔ اس حج و عمرہ کو آئندہ برسوں میں ادا (قضا) کرو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قربانی کو وہیں ذبح کرے جہاں وہ روکا گیا ہے اور احرام کھول دے۔ کیونکہ محل کے معنی ان کے نزدیک یہی ہیں اور اگر احرام کے بعد کوئی مرض لاحق ہو، یا سر میں جوئیں اس طرح سے پڑ جائیں کہ بہت تکلیف ہو یا اور کوئی وجہ ایسی پیش آئے کہ جس میں سر منڈانے کی ضرورت پڑے تو سر منڈا دے لیکن اس کے بدلہ میں قربانی کرے ❶ ورنہ (یا) مساکین کو کھانا کھلائے اور جو مقدور (قربانی یا مسکین کو کھانا کھلانے کی قدرت) نہ ہو تو روزہ رکھ لے اور جو کوئی حج کو عمرہ کے ساتھ ملائے تو اس کو جو قربانی میسر آئے' ذبح کرنی چاہئے اور جس کو مقدور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو وہ اس کے بدلہ میں دس روزے رکھ لے تین تو ایام حج میں دسویں تاریخ تک اور سات حج سے فارغ ہو کر۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سات روزے اپنے گھر جا کر رکھے' اِذَا رَجَعْتُمْ کے ان کے نزدیک یہی معنی ہیں۔ یہ حج کا عمرہ سے ملانا اس شخص کے لئے درست ہے کہ جو مکہ مکرمہ یا میقات کے اندر کا رہنے والا نہ ہو بلکہ باہر کا رہنے والا ہو' اس لئے کہ اہل مکہ یا جو اس کے آس پاس رہتے ہیں' پھر جب چاہیں عمرہ جداگانہ کر سکتے ہیں' ایام حج میں اس کو ساتھ ملانے کی کیا ضرورت ؟ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ذلک یعنی یہ قربانی یا اس کے بدلہ میں روزہ رکھنے کا حکم اس کے لئے ہے جو اہل مکہ نہ ہو یا اس کے آس پاس کا نہ ہو کیونکہ یہاں کے لوگوں پر تمتع میں نہ قربانی لازم ہے نہ روزہ' پس ذلک اشارہ اس کی طرف ہوا۔ یہ آیت کا خلاصہ مطلب ہوا۔ اس میں یہ چار احکام تھے۔

متعلقات:...... وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ۔ حج لغت میں قصد کرنے کو کہتے ہیں اور حجة بالکسر برس کو' ثَمَانِيَةَ حِجَجٍ (آٹھ برس) اور شرع میں افعال مخصوصہ کو (حج) کہتے ہیں جن میں ارکان اور واجبات اور مستحبات ہیں جن کی تشریح ہم سب آیات حج کے ذکر کے بعد کریں گے۔

عمرہ صرف طواف کعبہ اور سعی بین الصفا والمروہ کا نام ہے یعنی حل سے احرام باندھ کر طواف اور سعی کرنا' پھر سر منڈا کر احرام کھولنا اور عمرہ میں یہ قید نہیں کہ حج کے ایام میں ہو بلکہ تمام سال عمرہ جائز ہے' البتہ عرفہ (۹ ذی الحجہ) کے دن اور دسویں تاریخ اور ایام تشریق میں مکروہ ہے۔ اتموا کے معنی یہ ہیں کہ جس نے حج و عمرہ شروع کیا ہو تو اس کو پورا کرنا چاہئے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک حج و عمرہ دونوں واجب ہیں۔ حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک حج واجب ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ الاٰية سے اور عمرہ سنت ہے فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ حصر کے معنی رکنے اور بند ہو جانے کے ہیں۔ عام ہے کہ مرض کی وجہ سے راستہ میں حاجی احرام باندھنے کے بعد رک جائے' جیسا کہ ابوعبیدہ اور ابن السکیت اور زجاج وغیرہ ہم اہل لغت کہتے ہیں اور خواہ کسی دشمن نے روک دیا ہو۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ دشمن نے اس کو روکا ہو کیونکہ احصار سے مراد یہاں یہی ہے۔ الهدی جمع هدية۔ كما تقول تمر و تمرة لیکن اہل حجاز اس کو بغیر تشدید اور بنوتمیم بالتشدید پڑھتے ہیں۔ ہدی میں اعلیٰ اونٹ اور ادنیٰ درجہ میں بکری ہے۔ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ محل ظرف زمان و مکان دونوں کے لئے آتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: یہاں مراد مکان ہے یعنی حرم اور امام شافعیؒ کہتے ہیں: زمان' خواہ حرم میں ذبح کیا جائے خواہ حل ❷ میں۔

---

❶ ......اگرچہ آیت میں روزہ اور طعام مساکین کی کچھ تشریح نہیں مگر حدیث کعب بن عجرہؓ میں ہے کہ جس کو اہل صحاح ستہ نے روایت کیا ہے' تصریح آ گئی ہے' وہ یہ کہ نبی ﷺ کعبؓ کے پاس سے گزرے اور وہ احرام باندھے ہوئے ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور سر میں سے جوئیں گزر رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تجھ کو یہ جوئیں تکلیف دے رہی ہیں؟ عرض کیا ہاں' فرمایا: اچھا تو سر منڈا دے اور تین روزے رکھ لے ورنہ تین صاع کا ایک فرق یعنی ٹوکرا چھواروں کا چھ مسکینوں کو دے ورنہ ایک بکری ذبح کر دے۔ ان تینوں میں اختیار ہے جو چاہے کرے۔ ۱۲ منہ۔ ❷......مکہ مکرمہ کے آس پاس کو حرم کہتے ہیں کہ وہاں شکار کھیلنا' درخت کاٹنا حرام ہے اور اس کے علاوہ سب کو حل کہتے ہیں اور کبھی حرم سے خاص خانہ کعبہ اور اس کے مکانات مراد ہوتے ہیں یعنی مسجد الحرام۔ ۱۲ منہ۔

پس آیت کا مطلب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہوا کہ جو کوئی احرام باندھنے کے بعد دشمن یا مرض سے راستہ میں رک جائے اور حج کو نہ آسکے تو اس پر لازم ہے کہ ایک قربانی (ہدی) مکہ روانہ کردے۔ جب جان لے کہ وہاں پہنچ گئی اور ذبح ہوگئی تو سر منڈا کر احرام کھول دے اس کی قضاء پھر (آئندہ) ادا کرے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس کو دشمن کی وجہ سے یہ حالت پیش آئے تو جہاں رک گیا ہے وہیں ہدی ذبح کر کے احرام کھول دے اور آئندہ قضاء پوری کرے۔ ہدی کو حرم میں بھیجنا کچھ ضروری نہیں اور جو وقت پر ہدی میسر نہ آئے تو قیمت ہدی مساکین کو دینا کافی ہے جیسا کہ امام احمدؒ وغیرہ فرماتے ہیں۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا جمہور مفسرین کے نزدیک یہ جدا جملہ ہے جس کا حکم محصر وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اسی طرح احرام کے بعد اگر کسی کو مرض کی وجہ سے خوشبو لگانے یا احرام کے برخلاف کپڑوں کے پہننے کی ضرورت پڑے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کے فدیہ میں قربانی کرے یا (مساکین) کھانا کھلائے یا تین روزے رکھے۔ سر میں جوئیں یا مرض کی صورت میں سر منڈانے کا فدیہ دینے کی اجازت پر یہ بھی قیاس کئے گئے ہیں۔ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ۔ واضح ہو کہ حج کی تین قسمیں ہیں۔

## حج کی تین قسمیں

**اوّل افراد:** یعنی ایام حج میں مواقیت یا حل سے صرف حج کی نیت کر کے احرام باندھے اور مکہ میں پہنچ کر پہلے طواف قدوم کرے یعنی سات بار کعبہ کے گرد پھرے اور فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے متصل دو رکعت نماز پڑھ کر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اور پھر احرام نہ کھولے یہاں تک کہ آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو مقام منیٰ میں شب باش ہو اور پھر نویں کی صبح کو بمقام عرفات جائے اور شام تک وہاں رہے اور غروب کے بعد وہاں سے چل کر مزدلفہ میں آرہے اور بڑے تڑکے (صبح سویرے) اٹھ کر دس ذی الحجہ کو پھر منیٰ آئے اور تینوں جمروں میں سے پہلے اس جمرہ کو کہ جو مکہ مکرمہ کی طرف ہے سات کنکریاں مار کر قربانی کرے اور سر منڈا کر احرام کھول دے اور عورتیں کسی قدر سر کی لٹ کتریں۔ اس کے بعد سوائے جماع کے سب باتیں حلال ہوگئیں۔ پھر اس روز یا اگلے روز یا تیسرے روز کعبہ کا جا کر طواف کرے اور اس کو طوافِ زیارت کہتے ہیں۔ اب (یعنی طوافِ زیارت کے بعد) اس کے جماع بھی حلال ہوگیا۔ اگر اسی روز طواف زیارت کے گیا تھا تو لوٹ کر پھر منیٰ جائے اور اقل مرتبہ دو روز تک بعد زوالِ آفتاب تینوں جمروں کو سات سات کنکریاں مارے اور اب (رمی اُس جمرہ سے) شروع سے کرے کہ جو عرفات کی جانب ہے پس حج تمام ہوگیا۔

**دوم: قِران:** یہ کہ حج و عمرہ دونوں کی نیت کرے اور مکہ میں آکر پہلے عمرہ کرلے مگر احرام نہ کھولے اور پھر آٹھویں تاریخ سے حج کے افعال شروع کرے باقی سب باتیں (اعمال) وہی ہیں مگر اس پر قربانی واجب ہے ❶ اور اس قربانی کو دمِ قران کہتے ہیں اور اگر قربانی کرنے کی قدرت نہ ہو تو دس روزے رکھے تین نویں تک اور سات حج سے فارغ ہو کر۔

**سوم: تمتع۔** کہ حج عمرہ دونوں کی جداگانہ نیت کرے اور پہلے عمرہ تمام کر کے احرام کھول دے پھر آٹھویں تاریخ کو کہ جس کو یوم الترویہ کہتے ہیں مسجد الحرام یا حرم کی عام جگہ سے احرام باندھ کر حج کے تمام افعال ادا کرے اور اس پر بھی نویں تاریخ قربانی کرنی واجب ہے ❷ اور اگر قدرت نہ ہو تو دس روزے رکھے۔ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ اس آیت میں خدا تعالیٰ حج اور عمرہ دونوں سے ثواب حاصل کرنے والوں کو قربانی اور روزے کا حکم دیتا ہے۔ یہ قران اور تمتع دونوں کو شامل ہے۔ اونٹ سے لے کر گائے

❶، ❷ ......واضح رہے کہ دس ذی الحجہ کو قربانی ذبح کی جائے گی حضرت مفسر نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے چند صفحات کے بعد حج کے ارکان، واجبات اور سنن کے تحت دیکھ لیا جائے۔ از مصحح احقر العباد محمد عابد قریشی غفر اللہ لہ

بیل' دنبہ' بکری جو میسر آئے' اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کردے بمقام منیٰ۔ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے مراد امام مالکؒ کے نزدیک خاص اہل مکہ ہیں اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں: بلکہ وہ لوگ کہ جو مواقیت کے اندر رہتے ہیں' واللہ اعلم۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ اس لئے فرمایا کہ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ سے یہ نہ سمجھ لے کہ وجمع کے لئے نہیں بلکہ تخییر کے لئے' جیسا کہ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں ہے کہ خواہ کوئی تین روز ایام حج میں روزہ رکھ لے یا سات حج کے بعد رکھ لے۔ پس جب تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ کہا کہ یہ پورے دس ہوئے تو یہ احتمال جاتا رہا' کس لئے کہ جب تک سات کو تین کے ساتھ ملایا نہ جائے گنتی میں دس پورے نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ اور بھی اس میں حکمتیں ہیں۔ اب ہم دوسری آیت حج کی تفسیر کرتے ہیں تاکہ پھر سب کے بعد مجموعہ حج کی صورتیں بیان کر کے اسرار بیان کریں۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا
جِدَالَ فِى الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ
التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا — وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم
مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪
وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا
مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا
قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ — النصف
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِىْۤ
اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِىْ يَوْمَيْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ
اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

ترجمہ:...... حج کے معلوم مہینے ہیں' پس جو کوئی ان میں حج کا قصد کرے تو (احرام باندھنے کے بعد سے آخر حج تک) نہ اس کو فحش بات کرنی چاہئے نہ بدکاری نہ حج میں لڑائی کرنی چاہئے' اور جو کچھ نیکی کرو گے تو خدا تعالیٰ کو معلوم ہو جائے گی' اور (حج میں) توشہ بھی ساتھ لیا کرو پھر بہتر توشہ تو پرہیز

گاری ہے' اور اے عقلمندو! ⑩ مجھ ہی سے ڈرا کرو (یہ بڑی پرہیزگاری اور عمدہ توشہ ہے) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ (ایام حج میں) اپنے پروردگار کا فضل (یعنی روزی) تلاش کرو' پھر جب تم عرفات سے پھر[1] تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو مشعر الحرام کے پاس' اور اس کی یاد اس طرح کرو کہ جس طرح اس نے تم کو بتائی ہے' اور اس سے پہلے تو تم گمراہوں میں سے تھے ⑩ پھر [1] تم بھی وہیں سے لوٹ کر آیا کرو کہ جہاں سے سب لوٹ کر آتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے بخشش مانگو' بے شک وہ غفور و رحیم ہے ⑩۔ پھر جب تم ارکان حج سے فارغ ہو چکو تو اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرو کہ جس طرح اپنے باپ دادوں کو یاد کیا کرتے ہو یا اس سے بھی بڑھ کر۔ پھر بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو تو جو کچھ دیتا ہے دنیا میں دے چکا حالانکہ ان کے لئے آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں ⑩ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھی بہتری دے اور آخرت میں بھی نعمت عطا کر اور ہم کو آتش دوزخ کے عذاب سے بچانا ⑩۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کو ان کی کمائی کا حصہ ملنا ہے' اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ⑩ اور اللہ تعالیٰ کو گنتی کے دنوں میں یاد کیا کرو (ایام تشریق میں تکبیر کہا کرو) پھر جس نے کوچ کرنے میں جلدی کی دو دن کے اندر تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں، اور جس نے تاخیر کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں، یہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے والے کے لئے ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے ⑩۔

---

**ترکیب:**......الحج مبتدا، اشهر معلومات خبر والتقدیر الحج حج اشهر ویمکن ان یقال اشهر الحج اشهر۔ فمن فرض مبتدا متضمن شرط فلا رفث......الخ والعائد محذوف ای فلا رفث ولا فسوق بعدہ۔ وما تفعلوا......الخ قد مر ترکیبه فی ما ننسخ من اٰیة... ان تبتغوا موضع نصب میں ہے علیٰ تقدیر فی ان تبتغوا اور ممکن ہے کہ موضع رفع میں ہو جناح کی صفت ہو کر۔ من ربکم متعلق ہے تبتغوا سے' پس یہ مفعول بہ ہوگا اور فضل کی صفت بھی ہو سکتا ہے۔ فاذا شرط ' فاذکروا اللّٰہ......الخ جملہ جواب' عند المشعر الحرام ظرف ہے اذکروا کا۔ کما ھدٰکم کا کاف موضع نصب میں ہے نعت ہے مصدر محذوف کی اور ممکن ہے کہ کاف بمعنی علیٰ ہو تقدیرہ فاذکروا اللّٰہ علیٰ ما ھدٰکم۔ وان کنتم میں ان مخففہ ہے مثقلة سے والتقدیر انه کنتم من قبله ضالین۔ اواس جگہ تخییر یا اباحت کے لئے۔ اشد ذکرا میں اگرچہ لوگوں نے بہت قیل و قال کی ہے مگر صاف قول یہ ہے کہ اشد منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے اور یہ حال ذکرا سے ہے اور ممکن ہے کہ اس کی صفت ہو اور ذکر تمیز ہے اشد کی۔ یہاں ایک اشکال ہے اور اس کا جواب ہے جس کا ذکر باعث تکدر فہم سامع ہے۔

## حج کے مہینے اور ایام

**تفسیر:**......یعنی حج کے چند مہینے مقرر ہیں شوال، ذی القعدہ، دس دن ذی الحجہ کے۔ پس جو کوئی ان دنوں میں حج کرنے کے لئے احرام باندھے تو اس کے بعد نہ اپنی بیوی سے اختلاط کرے اور نہ کوئی فحش بات اور نہ شہوت انگیز کام کرے اور نہ کسی سے لڑائی تکرار کرے اور جو کچھ نیکی ہو سکے نہایت کوشش کر کے عمل میں لائے، اس لئے یہ کہ ایام تقرب ہیں۔ ملأ اعلیٰ کو ان ایام میں بندہ کی طرف سے نہایت التفات ہوتا ہے۔ یَعْلَمْہُ اللّٰہُ اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ حج میں جس طرح سفر ظاہری اور ایک دن ایک جگہ اجتماع عام ہوتا ہے اس سے سفر آخرت اور وہاں قیامت کے روز خدا[2] تعالیٰ کے پاس جمع ہونے کی طرف اشارہ ہے' پس اس سفر کے لئے بھی توشہ لو اور عمدہ توشہ

---

[1]...... مکہ سے عرفات کا میدان جہاں کہ نویں ذی الحجہ میں جانا اور دعاء کرنا حج میں فرض ہے' تقریباً سات میل شمال مشرق کے رخ ہے۔ ایام جاہلیت میں قریش اس خیال سے کہ ہم کعبہ کے خادم ہیں' وہاں تک نہ جاتے تھے' رستہ ہی سے واپس آ جاتے تھے۔ اس بات کو اس آیت میں منع کر کے حکم دیتا ہے کہ شب کو عرفات میں ٹھہر کر وہاں سے مزدلفہ اور منیٰ اور مکہ کی طرف واپس آنا چاہئے۔ ۱۲ منہ۔ (واضح رہے کہ مزدلفہ میں رات گذارنا روایات و سنت سے ثابت ہے۔ از مصحح: احقر العباد محمد عابد قریشی غفراللہ)

[2]......الیہ تحشرون میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ۔

پرہیزگاری ہے اور ممکن ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ سفر حج کے لئے کچھ زادِ راہ لے کر چلا کرو اور اس قدر زادِ راہ بہتر ہے کہ جس سے سوال سے بچو۔ چنانچہ اس آیت کے شانِ نزول میں منقول ہے کہ یمن کے لوگ بغیر زادِ راہ سفر حج کرتے تھے اور خرچ ساتھ لینا مکروہ جانتے تھے' پھر لوگوں سے سوال کر کے حاجیوں کو دق (تنگ) کرتے تھے جیسا کہ ہندوؤں میں دستور ہے کہ بعض قومیں تیرتھ بھیک مانگ کر کرنا ثواب جانتے ہیں۔ اس لئے اس کو خدا تعالیٰ نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ ان دونوں مطلبوں کے لئے وَاتَّقُوْنِ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ۞ نہایت چسپاں ہے توشۂ آخرت میں بھی خدا تعالیٰ کا خوف بڑی پونجی ہے اور سوال بندوں سے کرنا اور اس پر توکل نہ کرنا یا توشۂ راہ ناجائز کمائی کا لینا بھی محلِ خوفِ خدا ہے۔

**ایامِ حج میں تجارت کا حکم:**......عرب کی قومیں ایام حج میں تجارت کو برا سمجھتی تھیں' حالانکہ یہ کچھ برائی نہیں بلکہ ایسے مجامع میں کاروبار خرید وفروخت ❶ بند ہونا ایک طرح کی مسافران باخدا کے لئے تکلیف ہے اور نیز بقول شخصے، دست بکار دل بہ یار اسلام کا شیوۂ خاص ہے' اس لئے فرمایا کہ اگر تم ان ایام میں روزی کہ فضل ربی ہے' تلاش کرو یعنی تجارت کے لئے کچھ مال لاؤ تو کچھ مضائقہ نہیں اور یہ توشہ سفر حج کا ایک عمدہ ذریعہ ہے اس لئے اس کو بھی اس کے ساتھ بیان فرمادیا۔ محققین کہتے ہیں کہ اس سے فضائل ومحامد حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ جو ایسے پاکبازوں کے مجمع سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اہل اسلام کے باہمی میل جول اور ترقی علوم وفنون اور برکات باطنیہ حاصل ہونے کا یہ عمدہ سبب ہے۔ اس کے بعد پھر بترتیب حج کو بیان فرماتا ہے کہ جب تم عرفات کو لوٹ کر مزدلفہ آکر شب کو رہو اور صبح کو منیٰ جانے لگو تو مشعر الحرام کے پاس کہ جو مزدلفہ میں ایک مقدس پہاڑ ہے کہ جس کو قزح بھی کہتے ہیں' تکبیر وتہلیل کے ساتھ خدا تعالیٰ کو یاد کرو کیونکہ مقامات متبرکہ میں یاد الٰہی باعث نورانیت روح ہے (اور اس میں ایک سرّ روحانی ہے کہ جس کو ہم اکثر جگہ بیان کر آئے ہیں)۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس جگہ کھڑے ہو کر بڑی دیر تک ذکر الٰہی کیا اور دعاء مانگی یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

اس کے بعد قریش کی اس تحریف کو اللہ تبارک وتعالیٰ مٹاتے ہیں کہ جو انہوں نے ملت ابراہیمیہ میں کر رکھی تھی' وہ یہ کہ یہ لوگ اور بعض دیگر قبائل کہ جن کو حمس کہتے تھے' اس خیال سے کہ ہم تو کعبہ کے زیر سایہ رہتے ہیں' ہم کو عرفات جانا کیا ضروری ہے؟ مزدلفہ ہی تک آیا کرتے تھے اور پھر وہاں سے لوٹ کر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے' اور ان کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جہاں سے اور لوگ لوٹ کر آتے ہیں اعنی عرفات سے' تم بھی وہیں جا کر آیا کرو اور اپنے گناہوں کی خدا تعالیٰ سے معافی مانگو کیونکہ وہ غفور ورحیم ہے اور یہ تحریف ایک گناہ ہے۔

**تلبیہ کا حکم:**......پھر اصل مطلب کو ذکر کرتا ہے کہ تم جب منیٰ میں آکر اپنے تمام ارکان حج پورے کر چکو تو جس طرح کہ ایام جاہلیت میں تین روز تک منیٰ میں عرب کی قومیں بعد فراغ حج اپنے باپ دادا کے محامدوں کے شعر پڑھتے اور فخر کیا کرتے تھے اور مجمعوں میں بڑے زور کے قصائد پڑھتے تھے' اسی طرح تم اے مسلمانو! اپنے خدا تعالیٰ کی یاد کرو بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ تم اسی کی خاص جماعت ہو۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ ایسے مواضع میں بعض لوگ کوتاہ نظر خاص دنیا ہی کے لئے دعاء کرتے ہیں اور اسی کو مدنظر رکھتے ہیں دار آخرت پر ان کو یقین نہیں۔ لیکن جن پاکبازوں کے سامنے آخرت کھڑی ہے وہ جس طرح اپنے حوائج دنیا کے لئے دعاء کرتے ہیں، اسی طرح اس

---

❶......مسلمانوں کی اصلاح دنیا کا بھی حج ایک ایسا ذریعہ ہے کہ جس سے دنیا بھر کے مسلمان باہمی اتفاق اور خاص تجاویز پر عمل کرنے کا باہمی معاہدہ کر سکتے ہیں۔ دنیا بھر میں اس سے بڑھ کر اور کوئی انجمن ہو نہیں سکتی جہاں مشرق ومغرب کے مسلمان ہر طبقہ کے موجود ہوتے ہیں اور دینی برادری کا کمال ظاہر ہوتا ہے مگر مسلمانوں نے اس قومی آلہ کو بے کار کر رکھا ہے' صرف ادائے فریضہ کا کام لیتے ہیں۔ ۱۲ منہ۔

جہاں کی خوبیاں بھی اپنے پروردگار سے مانگتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کی کوشش اور سعی کارگر ہوتی ہے اور ان کو دونوں جہاں میں بھلائی کا حصہ پہنچتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ منیٰ میں جس نے دو ہی روز تک رمی جمار کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں' جو تین روز تک ٹھہرے تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں جیسا کہ (لوگ) ایام جاہلیت میں سمجھتے تھے۔

**متعلقات: ادائیگی حج کے ایام:......** اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ۔ اس آیت کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ حج کے لئے چند مہینے معلوم ہیں۔ مگر اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ ان مہینوں میں جب چاہئے حج کے تمام ارکان ادا کر کے خواہ شوال میں' خواہ ذی القعدہ میں' خواہ چوتھی پانچویں ذی الحجہ ہی کو فارغ ہو جائے' بلکہ یہ مراد ہے کہ جن مہینوں میں حج شروع کیا جائے اور پھر وہ تمام کیا جائے اس کے لئے ایک موسم اور وقت مقرر ہے کہ اس سے پہلے اور پیچھے کوئی کام حج کا نہ کرنا چاہئے۔ جیسا کہ ہمارے محاورہ میں بولتے ہیں' آم کے چار مہینے ہیں' یعنی اس کا موسم یہ ہے کہ مور آنے سے لے کر انتہاء تک یہ دن ہیں نہ یہ کہ ان چار مہینوں میں سے اول مہینے کے اول ہی روز آم موجود ہو جاتے ہیں۔ پس حج کا احرام باندھ کر جب تک اس کو ختم کیا جائے اس کے لئے شوال' ذی القعدہ' ذی الحجہ کے دس روز ہیں۔ پس اول تاریخ شوال سے افعال حج شروع ہوتے ہیں اور دسویں ذی الحجہ کو تمام ہو جاتے ہیں۔

اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ میں باتفاق جمہور مفسرین شوال اور ذی القعدہ تو پورے پورے داخل ہیں مگر ذی الحجہ میں اختلاف ہے۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سارا مہینہ اشہر حج میں شمار ہے اور یہی امام مالکؒ کا مذہب ہے۔ ان کے قول پر اگر کوئی طواف زیارت کو آخر مہینے ذی الحجہ میں بھی کرے گا تو درست ہوگا اور اور دلیل ان کی یہ ہے یہ کہ لفظ اشہر جمع ہے اور عرب کی زبان میں جمع کے لئے کم سے کم تین ہونے چاہئیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ اور نخعیؒ اور شعبیؒ اوّل عشرہ یعنی دس روز لیتے ہیں اور اور یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے' اس لئے کہ تمام ارکان حج طواف زیارت وغیرہ آج ہی تمام ہو چکتے ہیں اور عرب میں جز کو کل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس تقدیر پر دس روز کو مہینہ قرار دے کر لفظ جمع بولا گیا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ نو دن اور دسویں تاریخ کی رات' نہ کہ دسواں دن مراد ہے' کس لئے کہ عرفات میں ٹھہرنا جو بڑا رکن اعظم ہے اسی دن ہوتا ہے۔ مگر ہنوز آیت کے معنی میں ایک اشکال باقی رہ گیا' وہ یہ کہ اس آیت سے تو مدت حج دو مہینے دس روز مراد لئے گئے' حالانکہ خدا تعالیٰ چاندوں کو فرماتا ہے قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ اور نیز صحابہ رضی اللہ عنہم میں مشہور تھا کہ عمدہ حج وہ ہے کہ جس کے لئے گھر سے احرام باندھ کر چلے اور بعض لوگوں کے گھر چار یا چھ مہینے کی راہ ہوتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ کے معنی یہ نہیں کہ ہر چاند میں حج کے افعال درست ہیں بلکہ یہ کہ ہر چاند کو سلسلہ وار حساب میں دخل ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول غالباً ان عرب کی نسبت ہے کہ جن کے گھر دو مہینوں کی راہ سے کم ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ جو اشہر حج سے پیشتر احرام باندھنے کو ان وجوہ اشکال کو تسلیم کر کے جائز قرار دیتے ہیں' یہ جواب دیتے ہیں کہ احرام تو صرف التزام حج ہے جیسا کہ نیت۔ پس جس طرح نیت حج کی اشہر حج سے پیشتر کرنی درست ہے' اسی طرح احرام کا بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ ہاں جو امور مہتم ❶ بالشان حج کے ہیں وہ اشہر حج ہی میں ادا ہونے چاہئیں اور گو موسم حج یہی ہے مگر بعض باتیں بفرط شوق قبل موسم ہو گئیں تو مضائقہ نہیں وفیہ نظر۔

**حج کے ارکان، واجبات اور سنن وغیرہ:......** اب ہم پیشتر حج کے ارکان و ہیئت بیان کر کے پھر ان کے اسرار اور مخالفوں کے طعن کا جواب ذکر کرتے ہیں۔ احرام میقات سے باندھنا' پھر مکہ میں آ کر قدوم کرنا' پھر سعی بین الصفا و مروہ کرنا' پھر اس کے بعد آٹھویں تاریخ کو منیٰ میں جانا' پھر نویں کو عرفات میں ٹھہرنا پھر شام کو وہاں سے لوٹ کر شب کو مزدلفہ میں رہنا، پھر صبح کو وہاں سے اٹھ کر دسویں کو منیٰ سے

❶ ...... کہ جن کے فوت ہونے سے دم یعنی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ ۱۲۔

واپس آ کر رمی جمار یعنی منارہ کو کنکریاں مارنا' قربانی کر کے سر منڈانا یا بال کتروانا پھر خانۂ کعبہ کا طواف کرنا کہ جس کو طواف زیارت ❶ کہتے ہیں' پھر وہاں سے منٰی میں آ کر دو روز یا تین روز تک رمی جمار کرنا' ان چیزوں میں سے بعض رکن ہیں اور بعض واجب اور باقی سنت ہیں۔ احرام اور عرفات میں ٹھہرنا (دعاء کے لئے) اور طواف زیارت بالاتفاق رکن ہیں' ان کے فوت ہونے سے حج نہیں ہوتا اور سعی بین الصفا والمروہ اور حلق وقصر یعنی سر منڈوانا یا کتروانا اور رمی جمار اور مزدلفہ میں شب کو دعاء کے لئے قیام کرنا اور ایام تشریق تک منٰی میں رہنا اور رمی جمار کرنا اور ان ارکان کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا واجب ہے' باقی چیزیں سنت ہیں یا کفارہ ہیں۔ احرام اور طواف اور دیگر امور حج کی تشریح' پھر ان کے کفارات کی تشریح کتب فقہ میں مذکور ہے۔ کعبہ سے ہر طرف چند مقامات مقرر ہیں کہ جو ادھر سے اندر آئے تو کعبہ کی تعظیم کے لئے احرام باندھ کر آئے' خواہ نیت حج وعمرہ سے آئے' خواہ تجارت کی یا کسی اور ضروری کام سے آئے۔ یہ صرف امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اس حدیث سے لا یجاوز احد المیقات الا محرمًا' رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی۔

**میقات کا بیان:**...... امام شافعیؒ وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ احرام خاص اس وقت باندھنا لازم ہے کہ جب حج وعمرہ کی نیت سے آنا چاہے ورنہ نہیں' جیسا کہ ان مقامات کے رہنے والوں کے لئے بالاتفاق اس صورت میں احرام کی کچھ ضرورت نہیں۔ میقات کہ جہاں سے احرام باندھنا ضروری ہے یہ ہیں: اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ اور اہل عراق کے لئے ذات العرق اور اہل شام کے لئے جحفہ اور نجد کی طرف سے آنے والوں کے لئے قرن سے اور یمن والوں کے لئے اور جو اس راستے سے آئیں' جیسا کہ ہندوستان کے لوگ تو ان کے لئے یلملم ہے۔

**احرام کا بیان:**...... احرام یہ ہے کہ جب ان مقامات کی حد پر پہنچے تو غسل یا صرف وضو کر کے دو کپڑے' ایک تہبند اور دوسری چادر بے سلی پہنے اور دو رکعت نفل پڑھ کر یہ کہے: اللّٰھم انی ارید الحج فیسرہ لی بعد اس کے لبیک پکار کر پڑھے لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ. لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔ اس کے بعد سے یہ محرم ہو گیا اس کے لئے شکار کرنا اور لڑنا جھگڑنا' عورتوں سے مخالطت کرنا سب ممنوع ہو گیا' کما مرّ۔

**اعمالِ حج کا قرآن سے ثبوت:**...... یہ احرام قرآن سے ثابت ہے۔ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ الآیہ۔ وَلَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اور ان مقامات کو نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے اور اس کی ہیئت اور سلا کپڑا نہ پہننا اور سر نہ ڈھانکنا' پستی و بلندی پر تہلیل وتکبیر کہنا' تلبیہ پکارنا سب باتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ گو ان میں سے کوئی کوئی بات ایام جاہلیت میں بھی رہ گئی ہو مگر آنحضرت ﷺ نے اس سنت ابراہیمیہ کو از سر نو زندہ کیا اور اس میں جو تحریفات ہو گئی تھیں' سب کو دور کر دیا۔ احرام میں سر منڈانے کی ممانعت بھی قرآن سے ثابت ہے وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ۔ طواف بھی قرآن سے ثابت ہے: وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۔ سات بار پھرنا اور حجر اسود کو بوسہ دینا اور اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا سب احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔

سعی بین الصفا والمروہ کرنا بھی قرآن سے سمجھی جاتی ہے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۔ عرفات میں جانا اور وہاں سے لوٹ کر شب کو مزدلفہ میں رہنا اور مشعر الحرام کے پاس یاد الٰہی کرنا بھی قرآن سے ثابت ہے فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۔ منٰی میں رہنا بھی قرآن سے ثابت ہے وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۔ رمی جمار احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ حج میں جو قربانی کی جاتی ہے' وہ تین طرح کی ہے۔ ایک حج وعمرہ ملانے پر ہوتی ہے۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ یہ

❶......اور طواف افاضہ بھی کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ۔

واجب ہے۔دوسری وہ کہ جب حج کو چلتے ہیں تو قربانی کو ساتھ لے جایا کرتے ہیں کہ وہاں جا کر ذبح کریں گے۔اس قسم کی قربانیوں کو ہدی اور قلائد کہتے ہیں۔ان کے گلے میں کچھ ڈالتے تھے کہ راستے میں کوئی تعرض نہ کرے یا کچھ خفیف خراش سا اس کے کوہان پر کر دیتے تھے اور وہیں سے خرید کر بھی نیت تقرب ذبح کرتے تھے۔اس کا ذکر بھی قرآن میں ہے وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا الآیۃ۔تیسری قسم وہ کہ جو کفارات میں ذبح ہوتی ہیں جن کو دم جنایات کہتے ہیں۔ان کا ذکر احادیث میں ہے۔

**فوائد: حج کے بارے میں مخالفین کا اعتراض:......** مخالفین اسلام یہود اور عیسائی اور ہندو حج کے بارے میں اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ عرب کے جاہلوں کا میلہ ہے جو بغرض تجارت قائم ہوا تھا۔چنانچہ نیچری مفسر بھی ۲۴۹ میں کہتے ہیں کہ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بغرض آبادی مکہ اور ترقی تجارت کے لئے لوگوں کو جمع (ہونے) کی ترغیب دی۔پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رسمیات کو (کہ جو بعید از عقل ہیں اور صرف جسمانی باتیں ہیں کہ ننگا سر کر کے ایک چوکھونٹے مکان کے گرد گھومو اور وحشیانہ وضع بناؤ تہبند باندھو' پھر دو پہاڑیوں کے درمیاں دیوانوں کی طرح ہیرے پھیرے کرو' بے فائدہ منیٰ اور عرفات میں رہو' پتھر کے مناروں کو کنکریاں مارو' سر منڈواؤ۔ناحق جانوروں کو ذبح کر کے جنگل کو سڑاؤ) فرض واجب بنا دیا ہے''۔ ❶

**فوائد: جواب الزامی:......** اس کا جواب بہت سہل ہے۔اہل کتاب کو جو توراۃ کو مانتے ہیں' ان کے لئے تو یہ اعتراض کرنا شیشہ کے گھر میں بیٹھ کر مخالف پر پتھر پھینکنا ہے کیونکہ بائبل بالخصوص توراۃ سفر احبار میں متعدد مقامات پر بنی اسرئیل کے لئے خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت وہ احکام فرض کئے ہیں کہ جو بظاہر عقل میں نہیں آتے بلکہ صریح فضول معلوم ہوتے ہیں۔پھر جو ان پر اعتراض کرے' حج کے بارے میں بھی منہ کھولے۔دیکھئے کتاب خروج کے باب ۳۵ میں موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ خداوند کے لئے سونا اور چاندی اور رنگ کی چیزیں لائیں جس سے بصلی ایل اور اہلیات جو برے کاریگر تھے خداوند کے لئے۔(۱۱) مسکن اور خیمہ اس کا' گھٹا ٹوپ اس کا اور آنکڑے اس کے اور تختے اس کے اور ستون اس کے اور پاؤں اس کے' صندوق اور چوبیں اس کی اور سرپوش اس کا اور پردہ اس کا' میز اور چوبیں اس کی اور سب برتن اس کے اور نذر کی روٹیاں' شمعدان روشنی کے لئے اور اس کے سرانجام اور اس کے چراغ اور جلانے کا تیل اور قربان گاہ بخور کے لئے اور چوبیں اس کی اور ملنے کا تیل اور بخور خوشبو مصالح کا اور پردہ مسکن کے دروازہ کا اور مذبح سوختنی قربانی کا اور اس کے لئے پیتل کا آتش دان اور چوبیں اس کی اور حوض و کرسی اور پردہ صحن کے دروازہ کا اور میخیں مسکن کی اور صحن کی میخیں اور ڈوریاں ان دونوں کی اور خدمت کا لباس مقدس میں عبادت کے لئے اور مقدس لباس ہارون کاہن کے لئے اور لباس اس کے بیٹوں کا کاہنوں کے لئے بنایا۔

اور پھر ہر ایک کے اندر جو قیدیں لگیں کہ ایسا رنگ ہو اور اتنا طویل اور اتنا عرض اور ایسا خیمہ اور ایسی کروبیوں کی تصویریں پیتل کی اور کاہن کا لباس ایسا اور ایسا چناں اور چنیں' پھر ان احکام کی ایسی سخت تاکید کہ جو کوئی ذرا بھی سرتابی یا خلاف کرے تو بیچارا مارا جائے۔اب اگر حج کے ارکان کہ جن کی وجہ ہم بھی بیان کرتے ہیں' فضول ہیں تو یہ بکھیڑا کیا معقول ہے؟ پھر اگر اس سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور توراۃ کے کتاب الٰہی ہونے میں کچھ فرق نہیں آیا تو قرآن اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کیوں نکتہ چینیاں ہوتی ہیں؟ لطف یہ کہ ارکان حج میں تو اسرار روحانیت ہے اور ان میں محض جسمانیت' پھر ان سے اعراض کر کے ان پر منہ مارنا عجب بات ہے۔علاوہ اس کے اور جو کچھ سوختنی قربانی اور اس کا

---

❶ ...... نیچری مفسر کا یہ کہنا (ص ۲۵۵ حج میں قربانی کی کوئی مذہبی اصل قرآن مجید سے نہیں پائی جاتی' خشک بیابان تھا' اناج غلہ کم تھا اس سے خوراک کے لئے لوگ جانور ساتھ لے جاتے تھے الخ) قرآن سے ناواقفیت پر دلیل صریح ہے۔۱۲ منہ۔

خون چھڑکنا اور تیل کا پکوان پکانا وغیرہ احکام مندرج توراۃ عجب حیرت انگیزی ہیں۔ طرفہ یہ کہ عیسائیوں کے ہاں باوجودیکہ شریعت سے مطلقاً آزادی ہے مگر عشائے ربانی کہ جس میں خمیری روٹیاں مسیح کا گوشت تصور کر کے کھائی جاتی ہیں اور پھر بپتسمہ کے حوض میں تمام گناہوں سے پاک ہونے کے لئے غوطہ دلایا جاتا ہے' کیا نامعقول چیز ہے اور پھر اس کو دین کا اصول قرار دینا کیا امر فضول ہے۔

پادری صاحب! ان باتوں کی کوئی معقول وجہ بیاں فرمائیں ورنہ غیروں پر طعن کرنا تو کچھ بڑی بات نہیں اور وید اور شاستر اور پوران تو پوجا پاٹ سے بھرے ہیں جن میں عناصر آفتاب و ماہتاب اور اندر دیوتا اور دیگر لوگوں کی پرستش کے عجائب طریقے لکھے ہیں اور بلدان اور یگ کا دستور کہ یوں آگ جلائیں اور کڑچھی میں فلاں چیز کا عرق چوائیں اور صبح و شام یوں کریں اور سینکڑوں باتیں بعید از عقل سلیم ان کی کتب مسلمہ میں موجود ہیں اور عام دستور گنگا جمنا کا اشنان اور ایک تھیلے میں پوجا کے آلات' کہیں چھوٹی چھوٹی پیالیاں اور صندل گھسنے کا پتھر اور پتوں کو پانی پلانے کے چھوٹے پیتل اور تانبے کے چمچے اور بجانے کا سنکھ' ہر مہاراج کی بغل میں بھان متی کا پٹارا دبا ہوا ہوتا ہے۔ آریہ جو آج کل نئے محقق نکلے ہیں' اور اپنے پوچ مذہب کو عقل کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اور جو نہیں مطابق ہوتا تو اس کا انکار کرتے ہیں' یا بایں معنی تاویل کرتے ہیں۔ وہ اپنی وید اور اس کے انپشدوں اور شاستروں کی تو خبر لیں' مگر بیچارے ناواقف ہیں۔ کسی قدر انگریزی پڑھ لی' چلو شوامی جی مہاراج کی تقریریں سن کر وید اور شاستروں کو عام خیال میں کچھ اور ہی سمجھ بیٹھے۔ ڈھٹائی کے زور سے مقدس اور پاک مذہب پر منہ آنے لگے۔ اب ہم ملحدوں کے مقابلہ میں اسرار ارکان حج بیان کرتے ہیں۔ اگر عقل سلیم کے تابع ہیں تو ضرور ہمارے قول کی تصدیق کریں گے ورنہ تعصب کا کچھ علاج نہیں۔

**اسرار حج:**......ہم اوّل بیان کر چکے ہیں کہ خانہ کعبہ اس خدائے پاک کی تجلی اور ظہور انوار کی جگہ ہے کہ جو جسم اور مکان سے پاک ہے۔ نہ وہاں کسی کی صورت ہے' نہ کسی دیوی دیوتا کا استھان ہے بلکہ ایک چوکھونٹا (چوکور) اونچا سا مکان ہے گویا اس کے نشان نے اپنے عاشقوں کے لئے دنیا میں اپنا ایک نشان قائم کر دیا ہے اور اس کو اپنے دیدار فیض آثار کی کھڑکی قرار دیا ہے اور جمال باکمال کا آئینہ بنایا ہے (اور ثبوت اس کا پہلے بدلائل ہو چکا ہے) اور نیز اس معبد کو رئیس الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی عبادت خاص کے لئے اپنے ہاتھ سے تعمیر کیا ہے (جیسا کہ تواریخ مخالفین سے بھی ثابت ہے) اور تمام روئے زمین پر اکثر اسی بابرکت کی نسل سے انبیاء علیہم السلام پھیلے ہیں۔ اس وقت کیا بلکہ ہر زمانہ کی خدا پرست قومیں انہیں کا سر دفتر توحید تسلیم کرتی چلی آئی ہیں۔ بالخصوص آخر زمانہ میں جناب محمد ﷺ انہیں کی نسل سے ہیں جو تمام بنی آدم کے ہادی اور سب کے رہنما ہو کر اس باخدا کے اصول مذہب کو از سر نو زندہ کرنے کے لئے دنیا میں تشریف لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بمقام عرفات خدا پرست لوگوں کو توحید کا جلوہ دکھانے کے لئے آواز دے کر بلایا۔

**وجہ اوّل:**......اس لئے کہ تمام خدا پرستوں پر فرض ہوا کہ عمر بھر میں بشرط استطاعت فرمان والا شان کو قبول کر کے دربار خاص میں آئیں اور ایک مجمع خدا پرستوں کا ایک خاص دن میں (کہ جس روز اس نے تجلیٔ باطنی اور برکت و مغفرت کا وعدہ کیا ہے) اس معبد میں حاضر ہو کر اپنی فرمانبرداری اور ملت ابراہیمی کی پابندی کا اظہار کریں اور حسب استعداد باطنی اس کے جمال باکمال سے بہرہ یاب بھی ہوں اور اس معشوق حقیقی کے انوار اور عجائبات قدرت کا مشاہدہ کریں۔

**وجہ دوم:**......اور یہ بھی ہے کہ جس طرح دنیا میں بت پرستوں کے میلے اور غیر اللہ کے لئے مجمعے ان کی عظمت شان کے لئے ہوتے ہیں جس سے ان کی عظمت و عزت لوگوں کے دلوں میں مرسوخ ہو جاتی ہے اور ان کی پرستش و نذر و نیاز کا بازار گرم ہوتا ہے' اسی طرح حکمت الٰہی میں (جب کہ خدا پرستی اور نور توحید عالم پر ظاہر کرنے کا منشاء تھا) ضروری ہوا کہ خاص موحدین کا بھی ایک مجمع عام روئے زمین کے

لوگوں کا اژدحام خاص خدا کے لئے اور اس کے لئے اس کی تہلیل و تکبیر و تقدیس و نیز یہ ظاہر کرنے کے لئے ہوتا کہ لوگوں میں خدا پرستی کی شوکت ظاہر ہو اور ہر ایک خدا پرست اور دوسرے سے مل کر اکتساب خیر و برکت بھی کرے اور روئے زمین کے خدا پرستوں میں ایک میل جول اور اتحاد قلبی قائم ہو جائے اور اس کے ضمن میں علوم و فنون اور تجارت و صنعت کے متعلق فوائد اور تبادلہ خیالات بھی ہو۔ چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ الآیۃ۔

وجہ سوم:......اور یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ دنیا میں توحید پھیلانے والے اور موحدین کے بزرگ مانے گئے ہیں پس اس بزرگ کی یادگاری پر کوئی مجمع توحید کی ترقی کے لئے ہونا بالخصوص اس مقام پر کہ جہاں اس کی بیوی اور معصوم بچے کے ہاتھ سے بھی اس خدا پرستی کی بدولت خرق عادات کا ظہور ہوا ہو اور جہاں اس کا پوتا آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوا خصوصاً ان مقامات پر کہ جہاں حضرت آدم علیہ السلام نے بھی سب سے پیشتر خدا تعالیٰ کی یاد کی ہو اور جن پہاڑوں اور میدانوں میں اس کی قدرت کے عجائب ظاہر ہوئے ہوں اور جس جگہ سے کہ اسلام کی روشنی نکل کر دنیا کے پرلے کناروں تک پھیلی ہو۔ ضرور اور پر ضرور ہے اور یہی حج ہے۔

فوائد: اسرار ارکان حج:......اس لئے ان دنوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لباس پہن کر کہ جو احرام ہے اور نیز تکلفات و تزئینات دور کر کے اس کے دربار میں فطرتی حالت اور عاشقانہ ہیئت بنا کر حاضر ہونا اور ایک فاصلہ معین سے اس گھر کا ادب ملحوظ رکھ کر یہ ہیئت بنانا اور اسی وقت سے اس کی تہلیل و تکبیر و لبیک پکارنا اور اس گھر کا ادب اور اس حالت کا لحاظ رکھنا' شکار نہ کرنا' فحش اور لڑائی جھگڑوں سے باز رہنا' پھر جب خاص اس مسجد کے پاس آئیں تو اس کے شوق میں اس کے گرد قربان [1] ہونا کیونکہ اس سے دل پر ایک عجیب اثر پیدا ہوتا ہے۔ پھر جس طرح کہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا دو پہاڑوں کے درمیاں دوڑتی پھری تھیں' اس حالت کے یاد کرنے کے لئے ویسا ہی کرنا اور پھر عرفاف میں جس میدان میں کہ حضرت آدم علیہ السلام پر خدا تعالیٰ کی تجلی ہوئی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو وہاں سے بلایا تھا' جا کر دن بھر خدا تعالیٰ کی تکبیر و تہلیل کرنا' پھر منیٰ میں آ کر جہاں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے لئے اپنے پیارے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا چاہا تھا' قربانی کرنا اور جس طرح تین بار شیطان نے نمودار ہو کر انہیں بہکانا چاہا تھا اور انہوں نے اس کو کنکریاں مار کر بھگایا تھا' اسی طرح ان مقامات پر جو منارے ہیں' ان پر کنکریاں مارنا جس سے نفس بد پر تین بار خاک ڈالنے کی طرف اشارہ ہے۔ پھر وہاں سے آ کر اس مقدس مسجد میں وہی نماز عاشقانہ یعنی طواف کرنا سراسر معقول اور اسلام میں رئیس الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عاشقانہ جذبات کا اظہار ہے جس میں کوئی بات بھی خلاف عقل نہیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ قوم کو بری و بحری سفر کا تجربہ کرنا اور محنت کش اور پختہ بنانا اور ایسے متبرک مقام کو دکھانا جو ہمیشہ سے توحید و حق پرستی کا سرچشمہ رہا ہے اور نیز ان خدا پرستوں کی عظمت بھی دلوں میں مرسوخ کرانا اور اس ملک کے باشندوں کو مالی فائدہ پہنچانا بھی مقصود ہے جس کی وہ سلف صالحین کی یادگار و متوکل قوم ہر طرح سے مستحق بھی ہے اور بھی بے شمار اسرار ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ

[1] ــ یہ کہنا قول (صفحہ ۲۵۱ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے' یہ ان کی خام خیالی ہے الخ' اس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے' اس کے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں تو وہ کبھی حاجی نہیں ہوتے انتہیٰ) صریح رندانہ پن ہے اور نیز قرآن و حدیث بلکہ حقیقت حج سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ بیچارے اپنی خو سے ناچار ہیں۔ جبلی اور ابتدائے عمر کا الحاد اور بے دینی اور دنیا پرستی' نخوت و غرور دل میں بھرا ہوا ہے' وہ بے ساختہ منہ سے اگل پڑتا ہے۔ سینکڑوں رندوں کو ہم نے دیکھا ہے وہ خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر امر دین سے تمسخر کرتے ہیں اور زبان میں لگام نہیں رکھتے۔ بعد مردن (مرنے کے بعد) حقیقت معلوم ہو جائے گی' نعوذ باللہ۔ ۱۲ منہ۔

قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿٢٠٤﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ
الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿٢٠٥﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ
الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٢٠٦﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ
نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠٧﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا
فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٠٨﴾
فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٠٩﴾
هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ الْاَمْرُ ؕ
وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٢١٠﴾ سَلْ بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ ع
وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾

ترجمہ:......اور بعض ایسے ❶ بھی ہیں جن کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنی دل کی باتوں پر خدا تعالیٰ کو گواہ بھی کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ (سخت دشمن) جھگڑالو ہے ﴿٢٠٤﴾ اور جب پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو ملک میں فساد ڈالنے اور کھیتی اور مواشی کو برباد کرنے کے لئے کوشش کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کو فساد پسند نہیں آتا ﴿٢٠٥﴾ اور جب اس کو کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے ڈر تو شیخی میں آ کر اور بھی گناہ کرتا ہے سو اس کو جہنم کافی ہے' اور وہ بہت بری جگہ ہے ﴿٢٠٦﴾ اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان بھی بیچ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت رکھتا ہے ﴿٢٠٧﴾۔ مسلمانو! اسلام میں پورے پورے آ جاؤ' اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو' کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے ﴿٢٠٨﴾۔ پھر اگر تم کھلی کھلی نشانیاں آ جانے کے بعد بھی پھسل گئے تو جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بھی زبردست حکمت والا ہے ﴿٢٠٩﴾۔ کیا وہ اسی کے منتظر ہیں کہ ان کے سامنے خدا تعالیٰ بدلیوں کے سایہ میں آ موجود ہو اور فرشتے بھی آ جائیں اور کام پورا ہو جائے (یعنی کیا قیامت برپا ہو جانے کے منتظر ہیں) اور سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں ﴿٢١٠﴾ بنی اسرئیل سے پوچھ دیکھو کہ ہم نے ان کو کس قدر کھلے کھلے معجزات دیئے تھے' اور جو کوئی خدا کی نعمت ❷ پا کر اس کو بدل ڈالے تو اللہ تعالیٰ بھی سخت عذاب دیتا ہے ﴿٢١١﴾۔

---

ترکیب:......من یعجبک میں من نکرہ موصوفہ ہے' فی الحیوۃ الدنیا متعلق ہے قول سے و التقدیر فی امور الدنیا اور ممکن ہے کہ یعجبک کے ساتھ متعلق ہو۔ ویشھد اللہ جملہ حال ہے ضمیر یعجبک سے۔ الخصام جمع خصم ہے اور ممکن ہے کہ مصدر ہو بمعنی اسم فاعل اور افعل اس جگہ مفاضلہ کے لئے ہے تقدیرہ وھو شدید الخصومۃ۔ لیفسد لام متعلق سعی سے ہے' اخذت فعل' ہ مفعول'

---

❶......منافق۔ ۱۲۔ ❷......نعمت سے مراد یا توریت اور صحف انبیاء علیہم السلام ہیں کہ اہل کتاب نے ان کو حاصل کرنے بعد بدل دیا' یا ہر ایک نعمت الٰہی مراد ہے۔ ناشکرے بندے اس کی قدر نہیں کرتے اور اس کو ناشکری سے بدلتے ہیں۔ ۱۲ منہ

العزة فاعل' بالاثم میں ب سببیہ ہے ای اخذتہ العزة بسبب الاثم فحسبہ مبتدا' جھنم حسب کا فاعل۔

## بعض لوگوں کا ظاہر اچھا اور باطن بُرا ہوتا ہے

تفسیر:......اوّل آیت میں ذکر تھا کہ بعض ایسے بھی ہیں کہ جو حج کے ایام اور ایسے مواضع میں صرف دنیا خدا تعالیٰ سے مانگتے ہیں' اس لئے کہ آخرت اور وہاں کی نعمتوں کا ان کو یقین ہی نہیں اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو دنیا و آخرت دونوں کا سوال کرتے ہیں۔ اب یہاں ان دونوں گروہوں کی تشریح فرماتا ہے کہ وہ جو دنیا ہی مانگتے ہیں وہ لوگ ہیں کہ جو بڑے شیریں کلام' خوش گو' بڑی باتیں بناتے' بات بات پر خدا تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں اور باطن ان کا خراب ہے۔ قابو پائیں تو فساد مچائیں اور جو کوئی منع کرے تو غرور اور تکبر میں آ کر اور بھی گناہ میں اڑ جائیں' سو ان کے لئے جہنم کافی ہے اور جو دنیا و آخرت کو مانگتے ہیں کہ جنہوں نے اپنی جان کو خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے فروخت کر دیا ہے' سو ان پر خدا تعالیٰ بھی مہربانی کرتا ہے۔

وضاحت:......بعض مفسرین قرآن کے ایسے عام الفاظ سے اشخاص خاص مراد لیا کرتے ہیں اور پھر ان کے حال بیان کرنے کو شان نزول کہتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کی عبارت مربوط ہے، اس میں قصداً اس طرح سے ٹکڑے کرنا بے ضرورت بات ہے مگر اس میں بھی کوئی تعجب نہیں کہ ان عبارات کا مصداق اس وقت پایا گیا ہے چنانچہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ کی تفسیر میں چند اقوال منقول ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ کی تفسیر میں چند اقوال:......از انجملہ یہ کہ اس سے مراد اخنس ابن شریق منافق ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر بڑی باتیں بناتا تھا کہ واللہ! میں سچا مسلمان' خدا ترس آپ ﷺ سے دلی محبت رکھنے والا ہوں اور ایک روز جو آپ ﷺ کے پاس سے گیا تو باہر جا کر غریب دینداروں کی کھیتی جلا دی اور ضد اور تکبر میں آ کر مویشی ہلاک کر دیئے' اور مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ سے مراد صہیب ابن سنان ؓ اور عمار بن یاسر ؓ اور بلال ؓ اور خباب بن ارت ؓ اور ابوذر ؓ وغیرہم مہاجرین ہیں۔ ان لوگوں کو مشرکین نے قید کر لیا تھا اور ان سے کفر اور بے دینی کرانا چاہتے تھے کہ تم اسلام سے نہ پھرو گے تو ہم قتل کر دیں گے اور عذاب دے کر ماریں گے۔ لیکن ان حضرات نے نہ مانا' سب مصیبتیں سہیں' جو کچھ اپنے پاس تھا دیا' مار کھائی' فاقے کھینچے مگر اسلام پر قائم رہے اور ان کے ہاتھ سے خلاصی پا کر مدینہ میں آئے۔ پس ان کے حق میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی جان کو رضائے الٰہی کے لئے فروخت کر دیا ہے' یہ اس کے انعام و فضل کے مستحق ہیں۔ الغرض بدوں اور نیکوں کی مع نتیجہ تصویر کھینچ دی۔

ترکیب:......کافة۔ من الکف کانھم کفوا ان یخرج منھم احد باجتماعھم حال ہے فاعل ادخلوا فی السلم سے ای فی السلم من جمیع وجوھہ۔ فان زللتم شرط' فاعلموا......الخ جملہ جواب۔ فی ظلل جمع ظلة یہ ظرف ہے اور ممکن ہے کہ حال ہو۔ من الغمام صفت ہے ظلل کی۔ سل فعل' انت فاعل' بنی اسرائیل مفعول اوّل' کم استفہامیہ' اتینا فعل با فاعل' ھم مفعول اوّل اور کم من ایة بینة اس کی تمیز مجموعہ مفعول ثانی۔ پھر یہ تمام جملہ مفعول ثانی ہوا سل کا محلاً یہ جملہ منصوب ہے اور یہ سوال بطور تہدید کے ہے۔ یہ خطاب صرف آنحضرت ﷺ کو نہیں بلکہ ہر مخاطب کو ہے۔

## اسلام پر پورا پورا عمل کرو

تفسیر:......اگلی آیت میں ذکر تھا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن کا ظاہر حال اچھا معلوم ہوتا ہے مگر در پردہ برے ہیں۔ اب اس آیت میں خدا تعالیٰ خطاب تو مومنوں سے کر رہا ہے مگر سب کو سنا رہا ہے کہ یہ دورنگی کچھ نہیں' ہماری اطاعت میں پورے پورے آؤ' ظاہراً و باطناً

خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ یہ نہیں کہ جس کو دل نے چاہا مانا ورنہ نہیں کیونکہ یہ شیطان کی پیروی ہے‘ تم اس دشمن کی پیروی نہ کرو۔

**احکام شریعت سے انحراف موجب عذاب ہے:**......اس کے بعد امر حق پر ثابت رہنے کی تاکید فرماتا ہے کہ ہماری آیات عقلیہ و معجزات نبویہ اور دیگر آثار قدرت کے دیکھنے اور غور کرنے کے بعد بھی اگر تم پھسل گئے تو ہمارا کچھ نقصان نہ کرو گے۔ ہم تم کو تمہارے افعال کی سزا دے سکتے ہیں‘ زبردست ہیں اور اگر عذاب میں دیر ہو تو دلیر مت بنو اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے کیونکہ ہم حکیم ہیں۔

**بنی اسرائیل کے حالات سے استدلال:**......پھر فرماتا ہے کہ اے کفارو! وا ے سخت دل یہود و نصاریٰ! باوجودیکہ تم سب کچھ آیات دیکھ چکے ہو اور پھر ہماری طرف رجوع کرنے میں حیلہ و بہانہ کرتے ہو‘ سو اب اور کیا باقی ہے مگر یہ کہ خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتے تمہارے اعتقاد کے موافق روبرو آئیں تب تم مانو‘ جیسا کہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بادلوں میں سے دھواں اور کڑک اور شعلہ معلوم ہوا اور خدا تعالیٰ کا جلوہ دکھائی دیا‘ سو تم اسی بات کے منتظر ہو؟ ہم قادر مطلق ہیں۔ بنی اسرائیل کے علماء سے پوچھو کہ ہم نے کیا کچھ نشانیاں دکھائی ہیں مگر انہوں نے ان کے بعد اس نعمت الٰہی کی ناشکری کی ہے جس پر ہم نے ان کو ہلاک کیا اور جو ہماری نعمتوں کی قدردانی نہیں کرتا ہم اس کو سخت عذاب دیتے ہیں۔

رکوع ۲۶

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

ترجمہ:......کافر دنیا کی زندگانی پر ریجھ گئے ہیں اور وہ ایمانداروں سے تمسخر کرتے ہیں حالانکہ قیامت کے دن پرہیزگاران سے بالاتر ہوں گے‘ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ۞۔ (ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی گروہ تھے (بعدہٗ اختلاف ہوا) تو خدا تعالیٰ نے نبی بھیجے جو خوشخبری دیتے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق بھی نازل کی تاکہ اختلافی باتوں میں لوگوں کے لئے فیصلہ کر دیا کریں (پر) جن کو کہ کتاب دی گئی تھی وہی اپنے پاس کھلے کھلے احکام آنے کے بعد آپس کی ضد سے اس میں اختلاف کر بیٹھے‘ پھر دین حق کی کہ جس میں وہ اختلاف کر چکے ہیں‘ خدا تعالیٰ نے اپنی عنایت سے مسلمانوں کو رہنمائی دی‘ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے ۞۔

ترکیب:......زین فعل مجہول‘ للذین کفروا متعلق ہے زین کے۔ الحیوۃ الدنیا صفت و موصوف مفعول مالم یسم فاعلہ اور زین کہا

زینت نہ کہا کس لئے کہ زین اور الحیوٰۃ......الخ میں فاصلہ آ گیا' دوم یہ مؤنث حقیقی نہیں ہے۔ ویسخرون معطوف ہے زین پر، والذین اتقوا مبتدا' فوقھم خبر' یوم القیامۃ ظرف' مبشرین ومنذرین حال ہیں النبیین سے۔ وانزل معھم موضع حال میں ہے الکتاب سے' بالحق بھی ہے ای مشتملاً علی الحق۔ لیحکم ای الکتاب اور لام متعلق ہے انزل سے فیہ ای الحق' او توہ ای الکتاب۔ من بعد...... جملہ متعلقہ ہے اختلف سے بغیًا مفعول لہٗ ہے اختلف کا، من الحق حال ہے ضمیر فیہ یا ما سے' باذنہ حال ہے الذین اٰمنوا سے ای ماذونا لھم۔

## دنیا اور اس کی خدا تعالیٰ کے نزدیک بے وقعتی

تفسیر:......پہلی آیت میں اشارہ تھا کہ کفار دلائل ومعجزات پر ایمان نہیں لاتے بلکہ عیاناً خدا اور فرشتوں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ پھر اس کے سبب کی طرف اشارہ تھا کہ یہ ساری باتیں دنیا اور دیگر نعماء (نعمتوں) کے نشے کی وجہ سے ہیں۔ انہوں نے نعمتوں کے بدلے شکر کی جگہ کفر کیا۔ اب یہاں دنیا اور اس کی نعمتوں کی بے وقعتی اہل ایمان کے سامنے دکھاتا ہے کہ دنیا اور اس کی نعمتیں بے ثبات ہیں' ان پر کافر ہی ریجھتے ہیں اور انہی کی آزمائش کے لئے خدا تعالیٰ نے بے حد سامان دیئے کہ جن کا عالم آخرت پر یقین نہیں اور دنیا کو مدنظر رکھتے ہیں اس لئے وہ ایمان والوں پر کہ عالم آخرت کی وجہ سے دنیا پوری حاصل نہیں کرتے اور یادالٰہی میں رہتے ہیں' ان کو بیوقوف سمجھ کر قہقہے مارتے ہیں حالانکہ یہ اہل اللہ قیامت کے دن ان سے بالاتر ہوں گے اور اس فراخ دستی پر ان کا غرور بے جا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی حکمت سے جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق وروزی عطا کرتا ہے اس میں کافر ومؤمن ہونے کو کچھ دخل نہیں۔ پھر دنیا کی افزودگی سے یہ سمجھنا کہ ہم خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب ہیں محض غلط ہے اور یہ کفر جب دنیا کی وجہ سے انسان کے لئے ایک عارضی بات ہے۔ اس لئے کہ یہ سب لوگ بدء الخلقۃ میں فطری طور پر خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کے لاشریک ہونے کے قائل تھے۔ پھر جب نوع انسانی پھیلی اور ان پر طبیعت ولذات کے حجاب پڑتے گئے حقیقی نور کم ہوتا گیا اس لئے گمراہی کے رستوں پر بھی چلنے لگے۔ ان کے وہم وخیال نے ان کی کمزور عقل کو ڈگمگانا شروع کر دیا۔ ادہام پرستی وشہوت رانی شروع ہوگئی تو اس رحیم وکریم نے انبیاء علیہم السلام بھیجنے شروع کر دیئے۔ وہ حقائق الاشیاء کے واقف تھے' ہر ایک نیک وبد کے نتیجہ کی خوشخبری اور ڈر سنایا کرتے اور ان کے ساتھ کتاب اتاری کہ ہر اختلافی بات میں وہ کتاب آسمانی فیصلہ کر دیا کرے۔ لیکن جن پر گمراہی اور نفسانیت کا رنگ غالب تھا، وہ اس کتاب میں بھی آیات وبینات (معجزات ودلائل) دیکھنے کے بعد بھی مخالف رہے اور اختلاف کرتے رہے۔ مگر اس نے اپنے فضل وکرم سے ایمانداروں کو اختلافی باتوں میں امرحق کی ہدایت کر دی اور وہ مختار ہے جس کو چاہے ہدایت کرے، اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ پس کفار یہ سمجھ کر خوش نہ ہوں کہ ہمارا طریق قدیم ہے اور پیغامبروں کی باتیں باہم مختلف اور نئی ہیں۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ﴿۲۱۴﴾

ترجمہ:......(مسلمانو!) کیا تم خیال کر بیٹھے کہ (مفت) بہشت میں چلے جاؤ گے حالانکہ (ابھی تک) تم پر ان لوگوں کی سی حالت نہیں پہنچی ہے کہ جو

تم سے پہلے ہوگزرے ہیں ان پر ایسی سختیاں اور مصیبتیں پڑی تھیں کہ وہ ہلا دیئے گئے تھے یہاں تک کہ خود رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے کہہ اٹھے کہ خدا تعالیٰ کی مدد کا کونسا وقت ہے؟ (جس پر ان کو تسلی دی گئی کہ) سنبھلو خدا تعالیٰ کی مدد بہت ہی قریب ہے۔

ترکیب: ......ام بمنزلہ بل اور ہمزہ استفہام یعنی منقطعہ حسبتم فعل با فاعل ان تدخلوا الجنة سارا جملہ قائم مقام دو مفعولوں کے۔ ولما...... الخ جملہ مستانفہ ہے شرح احوال کے لئے اور ممکن ہے کہ قد مضمر مان کر حال قرار دیا جائے۔ الرسول فاعل یقول والذین امنوا اس پر معطوف معہ متعلق ہے یقول ہے اور ممکن ہے کہ امنوا کے ہو۔ متی نصر اللہ جملہ مقولہ۔

## اہلِ اسلام کو صبر توکل اور ثابت قدمی کی ترغیب

تفسیر: ......پہلی آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ دنیا اور اس کی زینت کفار کو دی گئی اور وہ مسلمانوں سے ہنسی اور تمسخر کرتے ہیں یہاں مسلمانوں کو صبر اور توکل اور ثابت قدمی کی ترغیب دیتا ہے تاکہ اسلام میں جس قدر مصیبتیں اور تکالیف اور تنگدستی اور ناامیدی اور دنیا کی ناکامی اور دشمنوں سے ہر قسم کی تکلیفیں پیش آئیں ان پر ثابت قدم رہیں کس لئے کہ امر حق اور طلب مولی اور استحقاق دار آخرت بغیر برداشت کرے شدائد کے نصیب نہیں ہوتا اور بالخصوص صحابہ کو ہمت بندھاتا ہے جب کہ وہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ آرہے اور ان پر طرح طرح کی مشکلیں پیش آئیں خصوصاً جنگ احد میں کہ جس کی نسبت فرماتا ہے: وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ کہ اے مسلمانو! صرف ایمان لانا ہی بس نہیں کرتا بلکہ تم کو ہر قسم کی مصیبتوں کو برداشت کرنا چاہئے اور تم سے پہلے انبیاء علیہم السلام اور ان کے مطیع ایمان دار کیا کچھ مصیبتیں نہ اٹھا چکے ہیں۔ آروں سے چیرے گئے جلتی آگ میں ڈالے گئے ان گھر بار لوٹ لئے گئے ہیں مگر تب بھی وہ دین حق پر ثابت قدم رہے ہیں بلکہ ان پر یہاں تک مصیبت پڑی ہے کہ رسول اور مؤمنوں کو باوجودیکہ مدد غیبی کے آنے کا یقین کامل تھا مگر بے قرار ہوکر پکار اٹھے کہ وہ کب آئے گی؟ جس پر غیب سے ان کو مژدہ دیا گیا کہ مدد الٰہی عنقریب آتی ہے۔

انسان کا مقتضی طبعی ہے کہ وہ نہایت سختی کے وقت بے قرار ہوجاتا ہے اور باوجودیکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ مشکل کشائی ہوگی مگر پھر بھی ایک قسم کی مایوسی ہوجاتی ہے کما قال اللہ حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا الآیۃ مگر اس سے یہ سمجھنا کہ رسول کو وعدۂ الٰہی میں شک ہوگیا غلطی ہے کیونکہ اگر یہ ہوتا تو مدد الٰہی کا وقت دریافت نہ کرتے بلکہ یوں کہتے کہ آیا مدد آئے گی یا نہیں؟

---

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۲۱۵

---

ترجمہ: ......آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کے لئے) کیا دیا کریں؟ کہہ دو کہ جو کچھ بہتر چیز خرچ کرو تو ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور فقیروں اور مسافروں کو دیا کرو اور جو کچھ نیکی کرو گے سو وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

---

ترکیب: ......یسئلون فعل با فاعل ک مفعول ینفقون فعل با فاعل ماذا اس کا مفعول اور ممکن ہے کہ ما استفہام کے لئے ہو بمعنی ای شیء اور ذا بمعنی الذی اور ینفقون اس کا صلہ اور عائد محذوف پس ما مبتدا اور ذا مع صلہ کے اس کی خبر پھر یہ تمام جملہ مفعول ثانی ہوگا یسئلون کا وقیل لتفسیرہ ما شرطیہ انفقتم ...... الخ شرط فَلِلْوَالِدَيْنِ ...... الخ جواب شرط پھر یہ تمام جملہ محلاً منصوب ہے قل کا مفعول ہوکر اور ممکن ہے ما بمعنی الذی ہو اور مبتدا قرار دیا جائے اور من خیر حال ہو محذوف سے فَلِلْوَالِدَيْنِ خبر۔

## چند احکام

تفسیر:...... جب کہ خدا تعالیٰ مؤمنوں کو دنیا کی بے ثباتی بتا چکا اور آخرت کے لئے صبر اور استقلال کی تاکید فرما چکا کہ اس کے لئے جان و مال سے بھی دریغ نہ کرنا چاہئے' پھر اس کے بعد چند احکام بیان فرماتا ہے اس آیت سے لے کر اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ تک' کس لئے کہ قرآن مجید کی عادت ہے کہ وہ توحید کے ساتھ پند و نصائح اور احکام ملا کر بیان فرماتا ہے تاکہ مخاطب کے دل پر ملال نہ آئے اور ایک کو دوسرے سے تقویت ہو جائے۔ لیکن ان احکام میں بھی باہم ایک عجیب ربط ہے۔

**مال خرچ کرنے کے مصارف اور حسنِ سلوک کا حکم:**...... پہلا حکم اس آیت میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کا شان نزول یہ ہے کہ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو جو احد کی لڑائی میں مقتول ہوا' ایک نہایت عمر رسیدہ اور بڑا مالدار شخص تھا۔ اس نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اپنا مال کس قدر للہ دیں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ سب سے اول ماں باپ کا حق ہے' پھر اور اقارب پھر یتیم اور فقیر اور مسافر کو للہ دینا اور ان کے ساتھ سلوک کرنا چاہئے۔ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ کے معنی میں بعض علماء یہ کہتے ہیں کونسا مال خرچ کریں؟ یہ سوال تھا' خدائے پاک نے اس کا جواب بھی ضمناً مِنْ خَيْرٍ کے ساتھ دے دیا کہ فائدہ کی چیز ہو' خواہ کپڑا ہو خواہ اناج ہو خواہ نقد ہو اور اس کے ساتھ مال کے مصارف (یعنی وہ لوگ کہ جن کو دینا چاہئے) اور جن کو پوچھنا سائل کو ضروری تھا' بیان کر دیئے اور آخر میں عموماً ہر کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کے لئے ایک جملہ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ایسا کہہ دیا کہ جو سب کو شامل ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس آیت کا حکم آیت میراث سے کہ جو آگے آتی ہے' منسوخ ہو گیا یعنی یہ حکم والدین اور اقارب کے دینے کا جب تک تھا جب تک ان کے حصے اور میراث قائم نہ ہوئے تھے۔

جمہور محققینؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول غلط ہے' کس لئے کہ یہ حکم اپنی زندگی میں بطور خیرات کے دینے کے ہے اس کو میراث سے کیا علاقہ ؟ اور نیز جس طرح مسافروں اور یتیموں کو تبرعاً اب دینے کا حکم ہے' اسی طرح اپنی زندگی میں ماں باپ اور اقارب کے ساتھ ہر ایک قسم کے سلوک کرنے کا حکم بھی ہنوز باقی ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۗ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۗ وَصَدٌّ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ
اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ
عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۗ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ
وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

ترجمہ:......(مسلمانو!) تم پر جہاد فرض کیا گیا اور تم کو برا معلوم ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم کو بری معلوم ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم کو پسند ہو اور وہ تمہارے لئے بدتر ہو اور اللہ تعالیٰ ہی (ہر چیز کا انجام) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿۲۱۶﴾۔ (اے نبی ﷺ!) آپ سے حرمت کے مہینے میں لڑائی کرنے کو پوچھتے ہیں۔ کہہ دو اس میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے اور خدا تعالیٰ کی راہ سے روک دینا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام سے باز رکھنا اور وہاں سے نکال دینا تو خدا تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ برپا کرنا تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ (کفار) تو تم سے سدا لڑتے ہی رہیں گے تاوقتیکہ اگر قابو پائیں تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر کے رہیں اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہوگا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرے گا تو ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت جائیں گے اور وہ دوزخی ہوں گے اس میں سدا رہا کریں گے ﴿۲۱۷﴾۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت بھی کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے بھی رہے سو وہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ﴿۲۱۸﴾

ترکیب:...... کتب فعل مجہول القتال ذی الحال وھو کرہ لکم جملہ حال مجموعہ مفعول مالم یسم فاعلہ۔ عسٰی فعل ان تکرھوا جملہ بتاویل مصدر اس کا فاعل وھو خیر لکم صفت شیئاً اور ممکن ہے کہ حال ہو۔ قتال فیہ بدل ہے الشھر سے بدل الاشتمال لان القتال یقع فیہ اور فیہ قتال کے متعلق ہے اور جائز ہے کہ اس کی صفت ہو۔ قتال فیہ مبتدا کبیر خبر صدّ مبتدا عن سبیل اللہ اس کے متعلق یا صفت وکفر بہ۔ صدّ پر معطوف۔ والمسجد الحرام مجرور معطوف ہے سبیل اللہ پر مدخول ہے عن کا ای یصدون عن المسجد الحرام۔ واخراج اھلہ منہ معطوف ہے صدّ پر ان تینوں کی خبر اکبر عند اللہ۔ ان استطاعوا شرط و لا یزالون دال بر جزاء و من یرتد شرط منکم موضع حال میں ہے من سے۔ فیمت معطوف ہے یرتد پر فاولئک جزاء۔

## جہاد کی فرضیت اور اس کی مصلحتیں

تفسیر:...... (سابقہ آیت میں) خرچ کرنے کا حکم تھا مگر مال کے خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان خرچ کرنے کا بڑا درجہ ہے اور نیز قوام ملت وقوم کے لئے ان دونوں عزیز چیزوں کا خرچ کرنا اصل الاصول ہے اس لئے موجب رضائے الٰہی بھی ہے اس لئے اس کا بھی حکم دیا گیا۔ آنحضرت ﷺ کو مکہ معظمہ میں صرف صبر وبرداشت کا حکم تھا پھر جب کفار کے ظلم سے مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو اجازت ہوئی کہ جو تم سے لڑے اور تم پر ظلم کرے تو تم اس سے بدلہ لو۔ پھر اس پر بھی مخالفین جور وظلم سے باز نہ آئے اور ایمان والوں کو ہر جگہ ستانا شروع کیا تو بموجب انہیں بشارات کتب مقدسہ کے اس فتنہ وفساد اور شر والحاد کے دفع کرنے کو عموماً جنگ کی اجازت دی بلکہ حکم دیا کہ یہ تم پر فرض ہو گیا اور چونکہ اپنی جان کو ہاتھ پر رکھنا اور اپنے بیگانہ کا کچھ لحاظ نہ رکھنا البتہ انسان کی طبیعت کو ناگوار اور شاق معلوم ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ اس کی مصلحتیں تم نہیں جانتے خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ تم بعض باتوں کو شاق اور مکروہ جانتے ہو مگر ان کے نتائج اچھے ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کج طبع شریر لوگوں کو کتنا ہی وعظ و پند کرو کتنی ہی خرق عادات معجزات دکھاؤ مگر وہ کبھی فساد اور فتنہ سے باز نہیں آتے جب تک کہ سیاست سے کام نہ لیا جائے۔ دنیاوی سلطنتوں کی بھی یہی سیاست باعث رونق ہے۔ ہر چند آدمیوں کا گھر میں بیٹھا رہنا عورتوں سے مخالطت کرنا ہر قسم کا عیش کرنا سفر اور جنگ کی مصیبتوں سے بچنا بھلا معلوم ہوتا ہے مگر اس کے نتائج بربادی ملک و دولت دشمنوں کا

غالب آ کر مقہور کرنا' دین وملت کو خراب کرنا وغیرہ برے پیدا ہوتے ہیں اور اس طرح جفاکشی اور مخالفوں کی مصائب پر برداشت کرنے بھی نتائج بہت عمدہ تجربہ میں آتے ہیں' اس کے بعد پھر ایک قسم کی راحت وعزت نصیب ہوتی ہے۔ آج کل جو اہل اسلام کا تنزل اور یورپ کے لوگوں کا عروج دنیاوی ہے تو اسی وجہ سے ہے۔ باقی علم وہنر سب اقبال کے تابع ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے نظیر فتوحات کا یہی سبب تھا۔

**اشہر حج میں قتال کا حکم:** ......عرب کا دستور تھا کہ وہ رجب اور ذی القعدہ اور ذی الحجہ اور محرم میں باہم جنگ وجدال نہ کرتے تھے اور ان میں کوئی کسی پر چڑھائی نہ کرتا تھا ❶ چونکہ اس کو سخت معیوب جانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے یہ دستور چلا آتا تھا اس لئے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ان مہینوں میں بھی قتال وجہاد جائز ہے؟ جواب آیا کہ ہر چند ان مہینوں میں لڑائی سخت بری بات ہے مگر ان مہینوں میں لوگوں کو خدا تعالیٰ کی راہ سے روکنا جیسا کہ کفار کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے انکار کرنا اور مسجد الحرام سے روکنا اور وہاں کے باشندوں کو ناحق نکال دینا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو نکال دیا تھا' اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے اور ان کا فتنہ کہ وہ ہر جگہ ایمان والوں کو ستاتے پھرتے ہیں' قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ پس جب انہوں نے ان مہینوں کی رعایت نہ کی تو تم پر بدلہ لینے میں کیا گناہ ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے دو مہینے پہلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو چند آدمیوں کے ساتھ بمقام بطن نخلہ کہ جو طائف کے قریب ہے کفار قریش کے قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا' سو انہوں نے جا کر ان کو گرفتار کر لیا۔ لیکن اسی روز جمادی الثانی کو تیسویں تاریخ تھی مگر انتیسویں کا چاند ہو گیا تھا مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو معلوم نہ تھا۔ اس پر کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو طعنہ دینا شروع کیا کہ یہ لوگ شہر حرام میں بھی لڑتے ہیں۔ اس کا جواب بھی اس آیت میں دیا گیا (کبیر)۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ شہر حرام کا حکم اس آیت وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ سے منسوخ ہو گیا۔ اسلام نے ہر زمانہ میں دفع فساد کے لئے کفار سے جنگ کی اجازت دے دی۔ بعض کہتے ہیں کہ ابتداء نہ کرے اور جو کفار چڑھ کر آئیں تو مدافعت ضروری ہے' کس لئے کہ ظلم ہر مہینہ میں ممنوع ہے اور بدلہ لینا درست ہے خواہ شہر حرام میں خواہ مسجد الحرام کے پاس۔ یہ دوسرا سوال اور دوسرا حکم تھا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ

ترجمہ: ......(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے: ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدہ بھی ہے اور ان کا گناہ ان کے فائدہ سے بڑھ کر ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کس قدر دیا کریں؟ کہہ دیجئے: جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔ خدا تعالیٰ یوں احکام تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں غور (وفکر) کرو۔

**ترکیب:** ......یسئلون فعل بافاعل' ک مفعول' عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ متعلق فعل سے' اثم کبیر مبتدا' فیھما خبر۔ ومنافع للناس معطوف ہے اثم پر' اے فیھما منافع للناس۔ العفو منصوب ہے بفعل مضمر تقدیرہٗ انفقوا العفو۔ کذلک موضع نصب میں ہے' نعت ہے مصدر محذوف کی' ای یبین مثل ھذا التبین۔

❶......اس لئے ان کو شہر حرام کہتے تھے۔ ۱۲ منہ

## شراب او جوئے کی ممانعت

تفسیر: ......قوام ملت وقومیت بیان فرما کر قوم ومذہب کو برباد کرنے والے کام بھی جواب سوال کے پیرایہ میں بیان کئے جاتے ہیں تا کہ قانون سعادت کی تکمیل ہو جائے۔ ازانجملہ جوا اور شراب ہے۔ عرب میں شراب نوشی کا مدت سے دستور تھا جس چیز کو شریعت نے منع کیا تھا' صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو اپنے دستور کے موافق استعمال میں لاتے تھے چنانچہ مکہ میں اس کا استعمال ہوتا رہا۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو بتدریج ❶ شراب اور قمار کو حرام کر دیا بلکہ ایک مدت تک شراب کے برتنوں کا بھی استعمال منع رہا۔ الخمر یعنی شراب اس کی ماہیت میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جو چیز نشہ پیدا کرے وہ خمر ہے۔ مُسکِر اور خمر دونوں الفاظ کے ایک ہی معنی لئے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زبان عرب میں خمر اس شراب کو کہتے ہیں جو انگور سے بنتی ہے یعنی انگور کا شراب گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ اٹھنے لگے۔ دلائل دونوں کی کتابوں میں مندرج ہیں۔ اس اختلاف کا یہ ثمر (نتیجہ) ہوگا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر ایک مسکر کو حرام قطعی کہا جائے گا اور اس کے تھوڑے بہت کا استعمال کرنا ممنوع ہوگا۔ امام اعظمؒ کے نزدیک وہ خاص شراب تو قطعی حرام ہوگی اور اس کا ایک قطرہ بھی۔ مگر اور مسکرات کو جو حرام کیا جائے گا تو اس پر قیاس کر کے اور ان مسکرات کا اس حد میں استعمال منع ہوگا کہ جس قدر (مقدار) سے نشہ پیدا ہو۔

**قمار اور اس کی صورتیں:** ... المیسر یعنی قمار یا جوا۔ یہ یسر کا مصدر ہے جیسا کہ موعد اور مرجع اور اس کا ماخذ یسر ہے یعنی جوئے میں چونکہ آسانی سے مال حاصل ہوتا ہے اس لئے اس کو میسر کہنے لگے (کبیر)۔ بعض کہتے ہیں کہ حصہ مقرر کرنے کے معنی اس میں ملحوظ ❷ ہیں ایام جاہلیت میں دستور تھا کہ کسی جانور کو بالاشتراک لے کر ذبح کرتے اور اس کا گوشت یوں تقسیم کرتے تھے۔ دس تیر لے رکھے تھے اور ان کے نام مقرر کر رکھے تھے' ان کو ازلام اور اقلام بھی کہتے تھے مسبل' معلی' نافس' منیح' سفیح' وغد' فذ' توام' رقیب' حلس۔ ہر ایک کے متفاوت حصہ لگے ہوئے تھے' بعض میں خالی لکھا ہوا ہوتا تھا۔ سب کو جمع کر کے ایک تھیلی میں بند کر دیتے اور ہاتھ ڈال کر نکالتے۔ جس کے نام سے جو نکل آتا اور جو جیت جاتا تو وہ گوشت فقیروں کو دیتا اور بڑا خوش ہوتا تھا۔ شراب اور جوئے کا نفع تو یہی ہے کہ مفت مال ہاتھ آتا ہے اور بدن فربہ ہوتا ہے مگر نقصان عقل جو جوہر لطیف ہے اور باہمی عداوت زیادہ تر ہے اس لئے ان کو منع کیا اور پھر مال خرچ کرنے کا لوگوں نے سوال کیا کہ کس قدر دیں؟ فرمایا: جو حاجت سے زیادہ ہو دو۔ اس سے صدقہ نافلہ مراد ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ

❶ یہ چار آیتیں اس کی تحریم میں نازل ہوئیں۔ اول میں ذرا سا ممانعت کی طرف اشارہ ہوا' پھر دوسری میں کچھ اور' تیسری میں کچھ اور چوتھی میں صاف ممانعت کر دی۔ اول آیت وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ ... الآیۃ۔ دوسری فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ تیسری لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى۔ چوتھی اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ... الآیۃ۔ ۱۲ منہ۔ ❷ شروع میں انہیں پر منحصر نہیں رکھا بلکہ جس میں دو طرفہ شرط ہو جیسا کہ نرد اور کعبتین وغیرہ سب کو حرام کر دیا۔ ۱۲ منہ۔

مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى
الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع

ترجمہ:......اور (پھر) آپ سے یتیموں کی بابت سوال کرتے ہیں کہہ دو کہ جس میں ان کی بھلائی ہو وہ بہتر ہے اور اگر ان کو اپنے شریک رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ تو مفسد کو مصلح سے الگ جانتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم پر دشواری ڈال دیتا۔ اللہ تعالیٰ غالب تدبیر والا ہے ﴿۲۲۰﴾ اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں ان سے نکاح نہ کرو، اور مشرکہ عورتوں سے تو ایماندار لونڈی بہتر ہے گو تم کو بھلی معلوم ہوا کرے اور مشرک مردوں کے نکاح میں (مسلمان عورتیں) نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور ایماندار غلام بہتر ہے مشرک سے اگر چہ وہ تم کو بھلا ہی معلوم ہو۔ یہ (مشرک) تو تم کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے تم کو بہشت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور اپنا حکم لوگوں کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ یاد رکھیں ﴿۲۲۱﴾۔

ترکیب:......اصلاح مبتدا لھم اس کی صفت خیر خبر وان تخالطوھم شرط فھم اخوانکم جزا ولو شرط شاء فعل اللہ فاعل مفعول اعنتکم محذوف لاعنتکم جواب شرط ولو بمعنی ان۔

## یتیموں کے حقوق کا بیان اور کافروں سے نکاح کی ممانعت

تفسیر:......ازانجملہ یتیموں کی حق تلفی ہے۔ اس کے متعلق اول آیت میں بیان۔ ازانجملہ مشرکوں سے مناکحت ہے کیونکہ اس سے زہر آلود اختلاف ہوتا ہے۔ مشرکوں کی عادت اور خصائل رواج پاکر نہ قومیت باقی رہتی ہے نہ دین خالص جس کی نظیر ہندوستان کے مسلمان ہیں۔

دوسری آیت میں اس کی ممانعت کی گئی۔ جب خدا تعالیٰ نے یتیموں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ تو لوگوں نے احتیاطاً یتیموں کا کھانا پانی گھر الگ رکھنا شروع کیا اور ان کے مال کو تجارت وغیرہ منافع میں بھی لگانے سے دست کشی کی یہاں تک کہ جو کھانا یتیم کا بچ رہتا تو وہ سڑ بُس کر خراب ہو جاتا۔ اس میں یتیموں کا حرج تھا اور یتیموں کی پرورش کرنے والوں کو بھی دقت تھی۔ اس لئے یہ آیت نازل فرمائی اور چند کلمات جامع کہہ کر تمام باتیں ختم کر دیں۔ فرمایا کہ یتیموں کی اصلاح خواہ مال کے معاملہ میں خواہ ان کی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں بہتر ہے ان کے لئے بھی اور دنیا و آخرت میں تمہارے لئے بھی۔ پھر فرمایا: اگر ان کو ملا لو خواہ ان کا کھانا پینا خواہ تجارت میں مال خواہ ان سے نکاح بیاہ کر کے تو وہ تمہارے بھائی واجب الرحم ہیں۔

فوائد: مشقت:......اس کے بعد ظاہراً و باطناً خدا ترسی اور دلی نیک نیتی کی طرف اشارہ کیا کہ خدا تعالیٰ کو بھلائی چاہنے والا اور برائی کرنے والا معلوم ہے۔ پھر جتلاتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو سخت احکام کی مشقت میں تم کو ڈال دیتے مگر نہ ڈالا اور آسانی ملحوظ رکھی۔ یتیموں کی پرورش اور اصلاح اور خدا ترسی زیادہ گھر کی بیویوں سے متعلق ہے کیونکہ مرد اپنے کاروبار میں اندر باہر جاتا ہے اور نیز جزئیات امور پر اس کی نظر بھی نہیں رہتی اس لئے خانہ داری کی اصلاح بھی ضروری ہوئی۔ پس فرمایا کہ مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، اس لئے کہ اس میں دیانت نہیں۔ پھر خدا ترسی اور حقوق پر نظر کہاں؟ اور نیز تمہاری معاش اور معاد میں بھی خلل پڑے گا۔ زن و شوہر کا ایک نازک معاملہ ہے جو باہمی محبت پر مبنی ہے۔ اگر اختلاف مذہب کی وجہ سے محبت نہ ہوئی تو روز کے جھگڑے پیدا ہوئے اور جو محبت ہوئی تو اس کی رسوم شرک

وکفر پر چشم پوشی کرنی پڑی جس سے دین برباد ❶ ہوا اور اسی طرح سے مسلمان عورتوں کے مشرک مردوں سے نکاح کی ممانعت کر دی اور فرمایا کہ مشرک سے غلام بہتر ہے اور مشرکہ سے لونڈی افضل ہے۔ نکاح سے یہاں مراد عقد ہے مگر اس لفظ کے معنی میں اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ کہتے ہیں کہ اس کے اصلی معنی وطی ❷ کے ہیں اور مجازاً عقد پر اطلاق ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ اس کے برعکس کہتے ہیں۔ اَلْمُشْرِکٰتِ سے مراد سوائے اہل کتاب اور بت پرست عورتیں ہیں یا جو خدا تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی اور کو حصہ دار سمجھتے ہیں اور اہل کتاب بحکم آیت سورۂ مائدہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ . . . الخ حلال ہیں مگر المشرکین سے بالاجماع اہل کتاب وغیرہ سب کافر مراد ہیں۔ پس مسلمان عورتوں کا کسی کافر سے نکاح درست نہیں۔ اس آیت سے پہلے مسلمانوں اور کافروں میں بیاہ شادی کا عام دستور تھا' اس کے بعد ممانعت ہوگئی۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

ترجمہ: ......اور (اے رسول ﷺ) وہ آپ سے حیض کی بابت سوال کرتے ہیں، کہہ دو: وہ نجاست ہے' پس عورتوں سے حیض میں الگ رہو' اور ان کے پاس نہ جاؤ جب تک کہ وہ پاک نہ ہولیں۔ پھر جب وہ خوب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جس جگہ سے خدا تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے۔ ضرور خدا تعالیٰ پسند رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتا ہے ستھرائی والوں کو ﴿۲۲۲﴾ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں' پھر اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لئے آئندہ (یعنی عاقبت) کی بھی تیاری کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم کو اس کے پاس حاضر ہونا ہے' اور خوشخبری سنا دو ایمانداروں کو ﴿۲۲۳﴾۔

ترکیب: ......المحیض موضع الحیض و یحتمل ان یکون نفس الحیض و التقدیر یسئلونک عن الوطی فی زمن الحیض ۔ من حیث امر کم۔ من اس جگہ ابتدائے غایۃ کے لئے ہے اور ممکن ہے بمعنی فی ہو۔ پس یسئلون فعل ہم خبر فاعل'ک مفعول عن المحیض فعل کے متعلق ہو کر جملہ خبریہ ہوا۔ ھو مبتدا' اذی خبر جملہ مقولہ ہوا قل کا' فاعتزلوا امر حاضر معروف' انتم اس کا فاعل' النساء مفعول بہ۔ فی المحیض متعلق ہے فعل سے جملہ انشائیہ معطوف علیہ و لا تقربوا......الخ اس پر معطوف' فاذا حرف شرط' تطھرن مخفف اور مثقل دونوں طرح پڑھا ہے۔ اس کی اصل تتطھرن تھا' ت کو ساکن کر کے ط سے بدلا اور دوسری ط میں ادغام کر دیا۔ یہ جملہ شرط فاتوھن جواب شرط، من حیث متعلق ہے فاتوھن سے۔ نساء کم مبتدا، حرث لکم خبر، انی شئتم ای کیف شئتم۔

## حیض کے احکام

تفسیر: ......از انجملہ معاشرت کے طریقوں میں خرابی ہے اور اس میں اپنی عورت سے خلاف فطرت پیش آنا یعنی حیض میں صحبت کرنا

❶ ...... اولئک یدعون الی النار سے اسی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ۔ ❷ ...... جماع یعنی صحبت کرنا۔ ۱۲ منہ۔

جو طرفین کی تندرستی کو بھی مضر ہے اور انسانی پاکیزگی کے بھی۔ ان آیات میں اس مسئلہ کا بیان ہے۔ اس مسئلہ میں بعض اقوام افراط' بعض تفریط کرتی ہیں۔ اسلام نے درمیانی طریقہ ارشاد فرمایا۔ یہودیوں میں دستور تھا کہ وہ حیض والی عورت کو جدا مکان میں رکھتے تھے' نہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھاتے تھے نہ کسی چیز کو ہاتھ لگانے دیتے۔ برخلاف اس کے عیسائیوں میں کوئی بھی قید نہ تھی' مجامعت سے بھی چنداں حذر نہ کرتے تھے۔ مدینہ طیبہ میں ہر ایک قوم کے لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس مجتمع تھے' وہ اپنی عادات کے موافق کیا کرتے تھے۔ اس لئے اس مسئلہ میں لوگوں کو خلجان پیدا ہوا تو آنحضرت ﷺ سے سوال کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ فرمایا: حیض ایک ناپاکی ہے اس لئے عورتوں کے پاس نہ جاؤ یعنی ان سے جماع نہ کرو جب تک کہ وہ خوب پاک نہ ہو جائیں' ان سے صحبت نہ کرو۔ پاک ہو جانے کے بعد تمہیں ہر طرح سے فائدہ حاصل کرنے کا اختیار ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ لذتوں ہی میں مستغرق نہ رہو' کچھ آگے کی بھی فکر کرو کیونکہ تم کو خدا تعالیٰ سے ملنا ہے۔ سو تقویٰ اور پرہیزگاری کرو' خدا تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرا کرو۔ حیض کے لغوی معنی سیلان کے ہیں اور حوض میں چونکہ پانی ادھر ادھر سے بہہ کر آتا ہے اس لئے اس کو حوض کہتے ہیں اور واؤ۔ ی ایک دوسرے کی جگہ کلام عرب میں آیا کرتا ہے۔ لفظ محیض مصدر بھی ہے اور اس سے ظرف بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی حیض کی جگہ۔ حیض عورتوں کے رحم سے ہر مہینے میں خون فاسد برآمد ہونے کو کہتے ہیں۔ اس کی رنگت سیاہی مائل ہوتی ہے اور بدبودار اور گاڑھا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حیض میں عورتوں کے پاس نہ جانے کی علت ناپاکی بیان کی ہے' سو یہ اس خون میں نہیں پائی جاتی کہ جو بیماری سے عورتوں کو آیا کرتا ہے جس کو استحاضہ کہتے ہیں' اس لئے اس میں جماع منع نہیں۔ قرآن میں حیض کی کوئی مدت بیان نہیں کی کہ کب سے کب تک رہتا ہے' عرف عام پر چھوڑ دیا۔

**مدتِ حیض اور اس کے احکام:**......لیکن علماء نے احادیث' اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر دلائل اور قرائن سے مدت مقرر کی ہے۔ سو وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس روز ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم از کم ایک رات اور زیادہ سے زیادہ پندرہ روز ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کوئی حد مقرر نہیں۔ قرآن مجید حیض کے ایام میں صرف جماع کی ممانعت ہے' باقی اور احکام کہ حیض میں نماز نہ پڑھے' روزہ نہ رکھے' مسجد میں نہ جائے' قرآن مجید کو نہ چھوئے' طواف نہ کرے اور نیز نفاس ❶ کے احکام اور اس کی مدت اور یہ کہ نماز کی قضاء لازم نہیں روزہ کی ہے' احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ تطھرن کو جو تشدید سے پڑھا جائے تو اس کے معنی نہا دھو کر پاک ہونا اور جو بغیر تشدید کے پڑھا جائے تو صرف حیض سے پاک ہونا۔ اس پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکم دیا کہ اگر دس روز سے پہلے حیض منقطع ہوا ہے تو جب تک وہ غسل نہ کرے یا اتنا عرصہ نہ گزر جائے کہ جس میں غسل کر سکے' اس سے صحبت نہ کرے اور جو بعد دس روز کے خون بند ہوا ہے تو اسی وقت جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہر حال بغیر غسل کئے صحبت درست نہیں بلحاظ قرأت تشدید۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے عورت کے پاس جانے کی اجازت دی اور عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی کہ جس طرح زمین میں تخم ڈالتے ہیں اور اس سے کوئی چیز اگتی ہے' اسی طرح عورت کا رحم بمنزلہ زمین کے اور منی بمنزلہ تخم کے ہے اور اولاد درخت ہے۔ اس سے نہایت تہذیب کے ساتھ اس طرف اشارہ کر دیا کہ پاخانہ کی راہ سے جماع نہ کرو اور اس لئے مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ اللّٰهُ کہا اور یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ فرمایا۔ بعض کہتے ہیں: درست ہے کیونکہ عام اجازت ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ

❶......بچہ جننے کی حالت۔ ۱۲۔

النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ
یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ
نِّسَآئِہِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَۃِ اَشْہُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ
عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۲۷﴾

ترجمہ:......اور اللہ کے نام کو اپنی قسموں میں آڑ نہ بناؤ (کہ اللہ کے نام کی قسم کا بہانہ کر کے) نیکی اور پرہیزگاری اور لوگوں میں اصلاح نہ کرو۔ اور اللہ (خوب) سنتا' جانتا ہے ﴿۲۲۴﴾۔ اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری قسموں میں بیہودہ گوئی پر نہیں پکڑتا ہے لیکن تم سے ان قسموں پر مواخذہ کرتا ہے کہ جو تمہارے دل سے سرزد ہوئی ہیں (پورا نہ کرنے کی صورت میں) اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے ﴿۲۲۵﴾۔ جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے سے قسم کھا بیٹھے ہیں ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ (اسی عرصہ میں) اگر وہ ملاپ کر لیں تو اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے ﴿۲۲۶﴾ اور اگر طلاق کا ارادہ کر لیا تو بے شک اللہ (خوب) سنتا' جانتا ہے ﴿۲۲۷﴾۔

ترکیب:......ان تبروا موضع نصب میں ہے ای مخافۃ ان تبروا اور اہل مکہ کوفہ کہتے ہیں لئلا تبروا، تقدیرہ فی ان تبروا۔ فی ایمانکم متعلق ہے باللغو سے اور جائز ہے کہ حال ہو اس سے تقدیرہ باللغو کائنا فی ایمانکم۔ بما کسبت۔ ما مصدریہ ہے' للذین صلہ و موصول ثابت کے متعلق ہو کر خبر ہے تربص......کی۔ فان فاؤ ای رجعوا شرط، فان اللہ......جواب شرط و قس علیہ۔

## لغو قسم اُٹھانا

تفسیر:......از انجملہ بے موقع قسم کھانا ہے اور قسم کو نیکی سے باز رہنے کے لئے آڑ بنانا اور بیوی جیسی جلیس سے جس پر معاشرت و تمدن مربوط ہے' کسی بات پر خفا ہو کر اس کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھنا بہت مروج ہے۔ اس لئے اس مسئلہ کو بھی مسئلہ مناکحت کے بعد طے کر دیا۔ لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ جب کسی بات پر خدا تعالیٰ کی قسم کھائی جائے خواہ وہ اچھی ہو یا بری یا کسی چیز کے ترک پر خواہ اچھی ہو یا بری تو ضرور اس پر قائم رہنا چاہئے۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک قسم کھا بیٹھے تھے کہ میں اپنے بھانجے مسطح کو اب کچھ نہ دیا کروں گا، اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا اور اسی طرح اور لوگ بھی قسم کھا بیٹھے تھے کہ میں اپنے باپ سے یا ماں سے نہ ملوں گا یا فلاں شخص میں صلاح نہ کروں گا۔ اس بات سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا کہ میرے نام کو کیوں آڑ بناتے ہو؟ اس کے ساتھ سمیع فرمایا یعنی اگر قسم کھاؤ گے تو وہ سنتا ہے اور جو اس کے نام کی عزت کر کے ترک کرو گے تو وہ علیم یعنی جانتا ہے۔

مسئلہ یمین:......اس کے بعد قسم کا مسئلہ بیان فرمایا کہ تم سے لغو قسموں پر کچھ مواخذہ نہ کرے گا۔ عرضۃ بروزن فعلۃ بمعنی المفعول کالقبضۃ و الغرفۃ۔ پس یہ اس چیز کا اسم ہے کہ جو روکنے والی ہو جس کو ہندی میں آڑ اور اڑتلہ کہتے ہیں۔ ایمان یمین کی جمع ہے جس کے معنی قوت اور مضبوطی کے ہیں اور عرف شرع میں اس قسم کو کہتے ہیں کہ جو اللہ کے نام سے یا اس کی کسی صفت سے کھائی جائے جیسا کہ واللہ' باللہ' تاللہ عربی میں اور اللہ کی قسم یا بخدا اردو میں اسی کو حلف کہتے ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ کے نام سے قسم میں قوت اور تاکید ہو جاتی ہے اس لئے اس کو یمین کہتے ہیں۔

**فوائد: قسم کے مسائل:**...... یمین تین طرح پر ہوتی ہے۔ ایک غموس ❶ یہ وہ کہ کسی گزری ہوئی بات پر عمداً جھوٹی قسم کھائی جائے جیسا کہ واللہ فلاں شخص آیا تھا اور جانتا ہے کہ وہ نہیں آیا۔ اس میں بڑا گناہ ہے' اس پر بحکم وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ آخرت کا مواخذہ ہے' دنیا میں اس کا علاج توبہ واستغفار ہے یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا بھی ہے۔ مگر امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ یہ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ میں داخل ہے اور پھر سورۂ مائدہ میں اس کو بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ سے تعبیر کیا ہے اور وہاں اس مواخذہ کی تشریح ہے کہ کفارہ دینا ہوگا۔

دوسری منعقدہ وہ یہ کہ آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر خدا تعالیٰ کی قسم کھائے کہ واللہ! میں فلاں کام کروں گا یا خدا کی قسم اس کے گھر نہ جاؤں گا۔ پس جو کسی گناہ کی بات پر قسم کھا بیٹھے کہ واللہ! میں نماز نہ پڑھوں گا یا فلاں شخص کو قتل کروں گا یا اللہ نہ دوں گا یا اپنے باپ سے کلام نہ کروں گا تو اس پر لازم ہے کہ قسم کو توڑ دے اور کفارہ دیدے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: من حلف علی یمین ورای غیرھا خیر أمنها فلیات بالذی هو خیر ثم لیکفر عن یمینه (رواہ البخاری) کہ جو کسی بات پر قسم کھا بیٹھے اور اس کے خلاف کرنے میں بہتری جانے تو اس کو کرلے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کردے اور اس آیت میں بھی اسی قسم کا ذکر ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے نام کو نیکی سے باز رہنے میں اڑ حلہ نہ بناؤ اور جو ایسی باتوں پر قسم نہیں تو اس کو پورا کرنا چاہئے اور اگر خلاف کرے گا پھر عام ہے کہ اچھی بات پر قسم تھی یا بری بات پر تو اس کو بالاتفاق کفارہ دینا ہوگا جس کا اشارہ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ میں ہے اور تشریح سورۂ مائدہ میں ہے وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ الآیۃ کہ خدا تعالیٰ تم سے ان قسموں پر کہ جن کو تم نے منعقد کیا ہے' مواخذہ کرتا ہے سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ ❷ کا کھانا کھلانا یا کپڑا ❸ پہنانا یا غلام آزاد کرنا ہے اور مقدور نہ ہو تو تین روزے ❹ رکھنا۔

تیسری یمین لغو۔ اس کی تفسیر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حسن بصریؒ اور مجاہدؒ اور نخعیؒ اور زہریؒ اور سلیمان بن یسارؒ اور قتادہؒ اور سدیؒ اور مکحولؒ اور امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ یمین لغو یہ ہے کہ کسی گزشتہ بات پر یہ جان کر کہ یوں ہے' قسم کھائے اور دراصل وہ یوں نہ ہو۔ جیسا کہ کوئی کہے واللہ! پرسوں بارش ہوئی تھی اور اس کا گمان غالب (یہی) ہے کہ ہوئی تھی اور دراصل یہ غلطی پر تھا یا کہے کہ واللہ! یہ فلاں چیز ہے اور دراصل اس کا خیال غلط ہے۔ چونکہ اس نے عمداً جھوٹ نہیں بولا' یہ معاف ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور شعبیؒ اور عکرمہؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ یہ یمین لغو نہیں کیونکہ اس میں قصد پایا گیا' اس کا کفارہ لازم ہے بلکہ یہ ہے کہ بلا قصد یوں ہی بات بات پر واللہ باللہ کا استعمال کیا جائے۔ چونکہ اس میں قصد نہیں' یہ لغویت معاف ہے۔ اللہ دل کو دیکھتا ہے۔

**ایلاء کا مسئلہ:**...... عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ بیوی سے خفا ہو کر قسم کھا بیٹھتے تھے کہ اب تیرے پاس نہ آؤں گا۔ سو وہ قسم کے مارے نہ اس کے پاس آتے تھے نہ طلاق دیتے تھے۔ اس میں عورت کو بڑی دقت پیش آتی تھی۔ اس قسم کی قسم کو شرع میں ایلاء کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ایلاء کے لئے مدت چار مہینے کی مقرر کردی' پس اگر چار مہینے کے اندر اندر پھر ملاپ ہوگیا تو صرف اس قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ کفارہ بھی نہ دینا پڑے گا' کس لئے اللہ غفور ورحیم ہے۔ مگر یہ قول ٹھیک نہیں کیونکہ ہر قسم میں جو اللہ کے نام سے کھائی جائے، حانث ہونے پر یعنی پورا نہ کرنے پر کفارہ لازم ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قسم ہے۔ دوسری غفور ورحیم باعتبار عذاب آخرت کے

---

❶ غمس کہتے ہیں ڈوبنے کو' چونکہ ایسی قسم کھانے والا گناہ میں ڈوبتا ہے اس لئے اس کو غموس کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ۔ ❷ ...... دو وقت ورنہ ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں دے اور صاع چھوارے اور جو وغیرہ اور صاع وزن تقریباً ساڑھے چار سیر ہے۔ ۱۲۔ ❸ ...... کپڑا ہر شخص کو ادنیٰ مرتبہ اس قدر پہنا دے کہ جس سے نماز ادا کر سکے اور زیادہ کا اختیار ہے۔ ۱۲۔ ❹ ...... روزہ امام اعظم کے نزدیک پے در پے رکھے اور ائمہ کے نزدیک یہ قید نہیں۔ ۱۲ منہ۔

ہے اور جو چار مہینے گزر گئے اور باہم ملاپ نہ ہوا تو ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خود بخود طلاق مدت گزرنے پر نہ ہوگی بلکہ عورت کو مجاز ہوگا کہ حاکم کی طرف رجوع کرے اور حکم ملاپ کرا دے یا طلاق دلا دے۔ محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایلاء جب پایا جائے گا کہ جب شوہر چار مہینے یا زیادہ مدت لگا کر قسم کھائے گا یا مطلق کہے گا یا ہمیشہ لفظ بولے گا' مگر چار مہینے سے کم کی مدت پر قسم کھانے میں ایلاء نہ ہوگا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع

ترجمہ:......اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے نفس کو تین حیض ❶ تک روکے رکھیں' اور ان کو حلال نہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے پیٹ میں پیدا کر رکھا ہے (حمل) اس کو چھپائیں بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتی ہوں، اور ان کے خاوند اگر اچھی طرح رکھنا چاہیں تو وہ اس (عرصہ) میں ان کو واپس لے لینے کے زیادہ مستحق ہیں' اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسا کہ دستور کے موافق مردوں کے حق ان پر ہیں اور مردوں کو عورتوں پر فوقیت بھی ہے' اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ﴿۲۲۸﴾۔

ترکیب:......والمطلقات مبتدا، یتربصن خبر معنی امر ہے۔ ثلثۃ قروء ظرف ہے یتربصن کا۔ لا یحل فعل، لھن اس کے متعلق، ان یکتمن جملہ بتاویل مصدر فاعل، ان کن شرط جملہ، لا یحل دال بر جزاء، بعولتھن مبتداء، احق......خبر۔ بردھن متعلق ہے احق کے فی ذلک ای وقت التربص۔

## احکامِ طلاق وعدت

تفسیر:......چونکہ ایلاء کا حکم آ چکا تھا، جو ایک قسم کی طلاق یا طلاق کے مبادی میں سے ہے اور معاملات کے مسائل کا بیان فرمانا سعادت انسانی کی تکمیل ہے اس لئے طلاق کا مسئلہ ان آیات اور اگلی آیات میں بیان فرمایا۔ ایام جاہلیت میں عدۃ کے بارے میں بھی بڑا جھمیلا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی شخص طلاق دے کر برس چھ مہینے کے بعد بھی پھر اس عورت پر دعویدار ہو جاتا تھا اس لئے اس سے اور شخص نکاح نہ کرتا تھا نہ وہ خود اس کے نان ونفقہ کی خبر گیری کرتا تھا۔ اس میں عورت پر بڑا ظلم ہوتا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے طلاق کی عدت بیان کی اور اس عدت میں مرد کو پھر اس عورت سے ملاپ کرنے کی اجازت دی بشرط نیتِ اصلاح اور عورتوں کو بھی تاکید کر دی کہ عدت میں کمی زیادتی کرنے کی غرض سے یا اول خاوند سے ناراض ہو کر اپنا حمل یا حیض نہ چھپائیں، اس لئے کہ اس میں بڑی خرابی ہے اور ایک کی اولاد دوسرے کے پاس جاتی اور نسب میں فرق پڑتا ہے اور یہ بھی جتلا دیا کہ عورت و مرد کے ایک دوسرے پر حقوق مساوی ہیں، البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور بزرگی ہے۔

❶......یعنی تین حیض تک عدت طلاق ہے' اگر کسی سے نکاح کریں تو اس کے بعد کریں۔ ۱۲ منہ۔

تحقیقات:......(۱) مطلقہ عرفِ شرع میں اس عورت کو کہتے ہیں جو کسی کے نکاح میں ہو اور پھر اس کو طلاق دی گئی ہو۔ اگر یہ عورت ایسی ہے کہ صرف نکاح ہوا ہے مگر اس سے صحبت کا اتفاق نہیں ہوا تو اس کے لئے عدت نہیں۔ کما قال تعالٰی اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا الآیۃ اور اگر اس سے صحبت ہو چکی ہے تو وہ یا حاملہ ہے یا غیر حاملہ۔ اگر اس کو حمل ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے یعنی جب تک حمل ہے عدت باقی ہے، کوئی اور شخص اس سے نکاح نہیں کر سکتا یَحِضْنَ ۔ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَھُنَّ الآیۃ اور اگر حمل نہیں اور صغرسنی کی وجہ سے اس کو حیض نہیں آتا ہے تو اس کی عدت صرف تین مہینے ہیں۔ وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ الآیۃ'' اور جو اس کو حیض بھی آتا ہے لیکن وہ لونڈی ہے تو اس کی عدت دو حیض ہیں۔ احادیث صحیحہ وآثار قویہ سے اور جو لونڈی نہیں تو اس کی عدت اس آیت میں ہے یعنی تین حیض یا تین طہر۔

(۲) قروء قرء کی جمع ہے جس کے معنی حیض اور طہر دونوں کے ہیں۔ امام ابوحنیفہ حیض (مراد) لیتے ہیں، امام شافعیؒ طہر۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ ؕ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۲۹

ترجمہ:......وہ طلاق (کہ جس کے بعد رجوع کر سکتے ہو) دو ہی ہیں (اس میں) یا تو دستور کے موافق زوجیت میں رکھے یا اچھی طرح سے چھوڑ دے، اور جو کچھ ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی، واپس لینا تم کو حلال نہیں مگر جب کہ دونوں کو ڈر ہو کہ ہم احکام الٰہی پر قائم نہ رہ سکیں گے، سو اگر تم کو (اے حکام!) یہ خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالٰی کے حکموں پر قائم نہ رہیں گے تو اس بات میں ان پر بھی گناہ نہیں کہ عورت مرد کو کچھ واپس دے کر پیچھا چھڑالے۔ یہ اللہ تعالٰی کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو ان سے تجاوز نہ کرو، اور جو اللہ تعالٰی کی حدوں سے آگے بڑھتے ہیں سو وہی ظالم ہیں ۝۲۲۹

ترکیب:......الطلاق ای عدد الطلاق (الذی یجوز معہ الرجعۃ) مبتدا' مرتان خبر' امساک موصوف' بمعروف صفت' دونوں مبتدا' علیکم اس کی خبر محذوف' او تسریح معطوف ہے امساک پر۔ لا یحل فعل' ان تأخذوا بتاویل مفرد فاعل' شیئا مفعول' مما اس کی صفت مقدم' من تبعیضیہ کے لئے اور ما بمعنی الذی۔ اٰتیتمو فعل' ھن مفعول اول' ایاہ مفعول ثانی محذوف۔ الا ان یخافا۔ ان اور فعل دونوں موضع نصب میں ہیں حال ہونے کی وجہ سے والتقدیر الا خائفین۔ الا یقیما موضع نصب میں ہے یخافا سے۔

## دستور کے مطابق رجوع کا حق

تفسیر: پہلی آیت میں رجوع کرنے کا ذکر تھا' اس آیت میں اس کو کھول دیا کہ کب تک خاوند کو رجوع (کا حق) پہنچتا ہے۔ فرمایا دو طلاق تک' پھر تیسری طلاق کے بعد بالکل علاقہ ❶ منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر جاہلیت میں مرد کے رجوع کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ تین بلکہ دس

❶......دو طلاق تک مرد کو زوجیت میں رکھنے کا اختیار رہتا ہے' تیسری طلاق کے بعد اختیار نہیں۔ اس کا حکم بعد میں بیان ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ۔

بیں طلاق دینے کے بعد بھی ایک عرصۂ دراز تک مرد کا عورت پر دعویٰ رہتا تھا۔ اس میں عورت کو بڑی دقت پیش آتی تھی۔ چنانچہ ایک عورت نے آ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہی شکایت کی تب یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ دو طلاق تک رجوع کرنے کا اختیار ہے' پھر اس کے بعد یا تو رجوع کر لے اور حسن معاشرت سے میاں بیوی مل کر رہیں ورنہ اچھی طرح سے چھوڑ دے یعنی پھر رجوع نہ کرے۔ عدت گزر جانے کے بعد عورت جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ یا تیسری طلاق دے کر منقطع ہی کر دے۔ جو کچھ ہو خوش معاملگی سے ہو۔ عورت کو دق نہ کرے، نہ اس کے عیوب بیان کرتا پھرے نہ جو کچھ مہر اور زیور اور کپڑا وغیرہ اس کو بخش دیا ہے' اس کو واپس لے مگر ایک صورت میں اور وہ خلع ہے یعنی جب یہ معلوم ہو کہ اب میاں بیوی کی ہرگز نہ بنے گی اور بیوی اپنے آپ کو اس کے نکاح میں رکھنا نہیں چاہتی تو بیوی ❶ مہر یا جو کچھ لیا ہے' اس کو سب یا قدرے دے کر طلاق لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ ان کے باہم ساتھ رہنے میں روزہ مرہ کی تکا فضیحتی اور اللہ اور رسول کی نافرمانی ہے۔

**فوائد: اسلام میں سب سے پہلا خلع:** ......(۱) مدینہ طیبہ میں ایک عورت جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی شکیلہ تھی اور اس کا خاوند ثابت بن قیس بن شماس بدشکل تھا۔ جس قدر یہ اس کو چاہتا تھا' اسی قدر اس عورت کو اس سے نفرت تھی اس لئے ہر روز باہم بدمزگی اور رنجش رہتی تھی آخر الامر جمیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا دل اس سے از حد نفرت کرتا ہے اور خوف ہے کہ حقوق شوہر میں کمی کرنے سے مجھ سے مواخذہ ہو اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اس سے جدا کر دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کچھ فہمائش کی' مگر جب دیکھا کہ باہم اتفاق مشکل ہے تو ثابت سے کہا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ بہتر' مگر میں نے اس کو باغ دیا ہے یہ اس (باغ) کو واپس کر دے جمیلہ نے کہا: باغ کے ساتھ کچھ اور بھی لے کر مجھے چھوڑ دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، بلکہ صرف باغ لے کر چھوڑ دے۔ سو اس نے باغ واپس لے کر اس کو چھوڑ دیا۔ یہ اوّل خلع ہے جو اسلام میں واقع ہوا۔ سنن ابی داؤد سے ثابت ہے کہ اس عورت کا نام حفصہ بنت سہل تھا۔

**خلع کب درست:** ......(۲) ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلع جب درست ہے کہ جب مرد و عورت کو خوف ہو کہ ہم سے حقوق زوجیت ادا نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ زہریؒ اور نخعیؒ اور داؤد ظاہریؒ کا یہی مذہب ہے۔ مگر جمہور مجتہدین حالت خوف اور غیر خوف دونوں میں درست کہتے ہیں' بدلیل قولہ تعالیٰ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا کہ جو کچھ اپنی خوشی سے مہر میں سے وہ عورتیں تم کو دے دیں تو تم کو درست ہے۔ پس جب بلا معاوضہ دینا درست تھا تو خلع کی صورت میں کہ اس کے بدلے میں آزادی حاصل ہوتی ہے' بدرجہ اولیٰ جائز ہے اور اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ میں استثناء متصل نہیں بلکہ منقطع ہے جیسا کہ اس آیت میں وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ...... ای لکن ان کان خطا فدیۃ۔

**فائدہ:** ......خوف اگر عورت کی جانب سے ہو کہ وہ سرکشی اور نافرمانی کرتی ہے تو اس صورت میں بالاتفاق مال لے کر چھوڑ دینا درست ہے اور اگر صرف خاوند کی طرف سے ہو کہ وہ عورت کو مارتا پیٹتا' بری طرح سے پیش آتا ہے اور تنگ کر کے اس کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اس سے طلاق لے اور مہر جو کچھ دیا ہے' واپس دے۔ سو یہ بالاتفاق حرام ہے جیسا کہ سورۂ نساء میں فرماتا ہے: وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اور اگر دونوں جانب سے خوف ہے تو بھی عنداللہ مرد کو یہ مال لینا درست نہیں گو بظاہر عدالت شریعت

---

❶ ...... یعنی مہر میں یا جہاوے میں جو کچھ مرد نے دیا ہے وہ عورت کا مال ہو چکا' طلاق کے سبب مرد کو جائز نہیں کہ اس میں سے کچھ واپس لے۔ صرف خلع کی صورت میں جائز ہے اور وہ یہ کہ قرائن سے معلوم ہو جائے کہ اب ان دونوں میں سلوک سے نہ گزرے گی۔ مرد کو دو طلاق کے بعد بھی زوجیت میں رکھنے کا اختیار ہے بشرطیکہ عدت نہ گزر گئی ہو۔ ایسی حالت میں مرد کو عورت اس کے عطیہ میں سے کل یا جز و واپس دے کر پیچھا چھڑا لے تو مضائقہ نہیں۔ اس کو شرع میں خلع کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ۔

دلوادے اور اگر دونوں جانب سے نہیں تو یہ وہی صورت اختلافی ہے کہ جس میں زہریؒ وغیرہ ایک طرف اور اکثر مجتہدین ایک طرف ہیں۔

**تسریح باحسان کی وضاحت:**......(۳) فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ دو طلاق کے بعد رجوع کر لے یا رجوع نہ کرے عدت گزر جانے دے اور یہی تسریح باحسان ہے یعنی اچھی طرح سے چھوڑ دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ تسریح سے مراد تیسری طلاق ہے کہ پھر بالکل ہی جھگڑا پاک ہو جائے۔ چنانچہ اگلی آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا میں اس کا بیان ہے۔

**یکبارگی دو یا تین طلاقیں دینا:**......(۴) مرتان دو دفعہ کر کے طلاق دینا ہے۔ اثنان میں یہ بات نہیں بلکہ صرف دو طلاق عام ہے کہ ایک بار دی گئیں یا دو بار۔ بطریق اولیٰ مرتان کا اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ گو حالت مجبوری میں طلاق بغیر چارہ نہیں مگر جہاں تک ہو سکے اس رشتہ کو قائم رکھے اس لئے ایک بار دو طلاق دینا شارع علیہ السلام نے مذموم قرار دیا ہے۔ یہ اس لئے کہ ایک طلاق کے بعد شاید مرد کا غصہ یا رنج جو باعث طلاق ہوا جاتا رہے اور مہر و محبت اور خانہ داری کی مصلحت معلوم ہو جائے تو پھر مل سکتے ہیں۔ داؤد ابن حزم وغیرہ ظاہری تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر دو یا تین طلاق ایک بار دے گا تو ایک ہی واقع ہوگی کیونکہ اس سے شارع علیہ السلام نے منع کیا ہے اور ممنوع کا وجود شرعاً معتبر نہیں مگر ائمہ اربعہ و جمہور اہل سنت و جماعت اس کے برخلاف ہیں وہ کہتے ہیں: ممنوع فعل کے وجود کا انکار کرنا محسوس کا انکار کرنا ہے۔ زنا اور چوری ہر چند ممنوع ہے مگر جو ان کو عمل میں لائے گا اس پر زنا اور چوری کی ضرور سزا شرعاً واقع ہوگی۔ احادیث صحیحہ سے پایا گیا ہے کہ تین طلاق ایک بار دینے سے وہ تین ہی سمجھی گئیں اور حلالہ بغیر چارہ نہ ہوا اور لفظ فان طلقها مرتان کے بعد اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

**(۵) خلع کا حکم: خلع یعنی مال لے کر طلاق دینا کیا ہے؟:**...... حضرت علی رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہ و حسن بصریؒ و نخعیؒ و عطاءؒ و ابن مسیبؒ و شریحؒ و مجاہدؒ و مکحولؒ و زہریؒ و سفیان ثوریؒ و امام ابو حنیفہؒ اور ایک قول امام شافعیؒ کا بھی یہی ہے کہ یہ طلاق بائن ہے اور اس کو طلاق علی المال کہیں گے اس میں پوری عدت لازم ہوگی۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہ اور طاؤسؒ اور عکرمہؒ اور امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ خلع فسخ ہے یعنی نکاح کو ادھیڑ دینا۔ اس میں ایک حیض تک عورت کو روکنا لازم ہے تا کہ حمل کا حال معلوم ہو جائے پھر نکاح کرنے کا اختیار ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ
يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۚ وَّاذْكُرُوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ع

فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

ترجمہ:.....پھر اگر اس نے اس کو (تیسری) طلاق بھی دے دی تو اب وہ عورت اس کو حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے گی۔ پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دیدے تو پہلے خاوند اور اس پر باہم ملاپ کرنے میں کچھ بھی گناہ نہیں اگر وہ (یہ) جانیں کہ ہم حقوق زوجیت ادا کرسکیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں وہ ان کو سمجھنے والوں کے لئے بیان کرتا ہے ﴿۲۳۰﴾ اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دواور وہ اپنی عدت پوری کرنے کو ہوں تو ان کو یا تو دستور کے موافق رکھ لو یا اچھی طرح چھوڑ دو' اور ان کو ضرر پہنچانے کے لئے نہ روک رکھو کہ ان پر زیادتی کرنے لگو اور جس نے ایسا کیا تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا' اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے مسخراپن نہ کرو' اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جو تم پر ہیں اور یہ (احسان بھی یاد کرو) کہ اس نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی کہ جس سے تم کو سمجھایا جاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے ﴿۲۳۱﴾ اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو (اور) وہ اپنی عدت تمام کرچکیں تو اب ان کو اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ باہم دستور کے موافق راضی ہوجائیں۔ تم میں سے یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی اور بڑی صفائی کی بات ہے' اور (اس کی مصلحت) اللہ ہی جانتا ہے' تم نہیں جانتے ﴿۲۳۲﴾۔

ترکیب:.....فان طلقها شرط' فلا تحل فعل ضمیر هی راجع عورت کی طرف' فاعل لهٗ متعلق لا یحل۔ من بعد متعلق فعل مذکور' حتی غایۃ لا تحل۔ تنکح فعل ضمیر' هی فاعل' زوجا موصوف' غیرہ صفت' یہ تمام جملہ جواب شرط فان طلقها ای الزوج الثانی جملہ شرط فلا جناح علیهما ای المرأۃ والزوج الاول۔ ان یتراجعا' فی محذوف جملہ جواب شرط' ان شرطیہ' ظنا فعل' الزوجان فاعل' ان یقیما.....الخ جملہ مفعول' پھر یہ سب شرط اور فلا جناح حوال برجزاء۔ تلک مبتدا' حدود اللّٰہ خبر موصوف' بینها.....الخ جملہ صفت' و اذا طلقتم النساء شرط' امسکوھن.....جواب شرط' ضرارا مفعول لهٗ تمسکوھن۔ و ما معطوف ہے نعمت اللّٰہ پر ان ینکحن ای من ان ینکحن۔

## تیسری طلاق کے بعد رجعت کے آداب (حلالہ کا حکم)

تفسیر:.....اس آیت میں طلاق کے متعلق پانچواں حکم بیان فرماتا ہے' وہ یہ کہ اگر اس نے تیسری طلاق بھی دے دی تو اب رجوع کرنے کا حق اوّل خاوند کو باقی نہ رہا' بالکل اس کے اختیار سے باہر ہوگئی۔ اب جو یہ شخص اس عورت سے ملاپ کرنا چاہے تو اس کو یہ اس وقت حلال ہوگی کہ جب اور شخص سے نکاح کرے گی اور وہ اس سے صحبت کرکے (جیسا کہ صحیحین میں حدیث ❶ زن رفاعہ سے ثابت ہے) طلاق دے۔ سو اب اگر ان کو یہ گمان ہو کہ ہم باہم سلوک و محبت سے گزران کریں گے اور حقوق زوجیت پر قائم رہیں گے تب رجوع کرنا یعنی بعد عدت کے پھر نکاح کرنا درست ہے۔ مگر یہ شخص جس سے کہ حلالہ کے لئے نکاح ہوا ہے' شرط نہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے ایسی صورت میں دونوں پر لعنت کی ہے بلکہ اس شخص کو اختیار ہے طلاق دے یا نہ دے۔ اس میں سرّ یہ ہے تاکہ خاوند اوّل تین طلاق

❶.....بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس رفاعہ کی بیوی نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! رفاعہ نے مجھ کو طلاق دی تھی' پھر میں نے عبدالرحمن ابن زبیر سے نکاح کرلیا مگر یہ سست نکلا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو یہ چاہتی ہے کہ پھر رفاعہ کے پاس جائے؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ نہیں ہوگا جب تک کہ تیرے مزے سے وہ اور تو اس کے مزے سے واقف نہ ہولے یعنی باہم جماع نہ ہولے۔ ۱۲ منہ۔

دینے کی پوری سزا پا کر پھر کبھی ایسی لغو حرکت کا قصد نہ کرے۔

واضح ہو کہ دو طلاق دینے کے بعد عورت کے تین حال ہیں (۱) یہ کہ مرد اس سے رجوع کرے یعنی عدت کے اندر ملاپ کر لے سو اس کو فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ میں بیان فرمایا۔ (۲) یہ کہ رجوع نہ کرے یہاں تک کہ عدت تمام ہو جائے اور بالکل جدائی ہو جائے' اس کو تسریح باحسان میں ظاہر فرمایا۔ (۳) یہ کہ تیسری اور طلاق دے کر بالکل انقطاع کر دے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا فَاِنْ طَلَّقَهَا......الخ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کے بعد فان طلاقھا متصل ہے اور ان دونوں آیتوں کے بیچ میں وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ......الخ آیت خلع بطور جملہ معترضہ آ گئی ہے۔

اس کی شان نزول میں یوں منقول ہے کہ معقل بن یسارؓ کی بہن کو اس کے خاوند جمیل بن عبداللہ بن عاصم نے طلاق دی اور عدت کے بعد پھر پشیمان ہو کر اس سے نکاح کی درخواست کی' عورت نے منظور کر لی۔ معقل بن یسارؓ نے خفا ہو کر روک دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تب معقل نے کہا: میں خدا تعالیٰ کے حکم پر راضی ہوں (رواہ الحاکم)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب عورت ایک مرد کے پاس رہ کر معاشرت کر چکی ہو' گو کسی سبب سے باہم طلاق کی نوبت پہنچ گئی ہو مگر باہم ایک تعلق باقی رہتا ہے اس لئے اول خاوند کے ساتھ نکاح کرنے کا اشارہ ہوا اور اس کی حکمت کو اشارتاً ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ میں بیان فرمایا۔ پھر وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ میں اور بھی توضیح کر دی۔

**طلاق مباح ہے پسندیدہ نہیں:**......مخالفین اسلام طلاق کے بارے میں بھی اعتراض کیا کرتے ہیں کہ شریعت نے ایسے مکروہ مسئلہ کو جائز رکھا کہ جو باہمی محبت اور تمدن کے برخلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طلاق مکروہ چیز ہے اور اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ خدا تعالیٰ کے نزدیک نہایت ناپسند ہے اور جو عورت بغیر کسی لاعلاج ضرورت کے طلاق لے گی اس پر جنت کی بو بھی حرام ہو گی۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میاں بیوی کو تمام عمر مل کر گزارنی پڑتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خود خصلت کا موافق آنا ضروری بات نہیں۔ علاوہ اس کے سینکڑوں ایسی سخت ضرورتیں درپیش ہو جاتی ہیں کہ جن کا علاج بجز طلاق کے اور کچھ نہیں ہوتا اس لئے اس شریعت نے نہ یہود کی طرح افراط کو دخل دیا کہ خواہ مخواہ بھی ذرا سی بات پر طلاق ❶ دینے کی اجازت دی ہو بلکہ اوّل یوں فرمایا کہ عورتوں کی کج خلقی پر صبر کیا کرو' ان کے ساتھ نہایت سلوک و احسان کے ساتھ پیش آیا کرو اور عورتوں کو سمجھایا کرو کہ تم پر مردوں کی اطاعت اور حفظ ناموس اور خیر خواہی ضروری ہے۔ اس کے بعد اشد ضرورت کے لئے طلاق کی اجازت دی مگر اس کے ساتھ یہ باتیں ملحوظ رکھیں تا کہ پھر ملاپ ہو جائے۔ اوّل یہ کہ طہر میں طلاق دے' شاید حیض کے وقت کسی بات سے دل پر نفرت آ گئی ہو۔ دوم ایک بار تین طلاق نہ دے' شاید پھر بیچ میں ملاپ ہو جائے اور غصہ فرو ہو کر سمجھ آ جائے۔ سوم عدت کے بعد بھی ملاپ کا راستہ رکھا اور نہ عیسائیوں کی طرح تفریط کو کام فرمایا کہ عورت کیا ہوئی بلائے جان ہو گئی' کچھ ہی کرے بغیر زنا کے اور سب سے طلاق ہی نہ دے سکے جس کے برے نتائج مشاہدہ میں رات دن آتے رہتے ہیں۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ

❶ — اسی بات کو حضرت مسیح علیہ السلام نے مذموم فرمایا ہے۔ ۱۲ منہ

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

ترجمہ:......اور ماؤں کو چاہئے کہ اپنی اولاد کو کامل دو برس تک دودھ پلائیں اور اس شخص کی اولاد کے لئے جو (تین طلاق کے بعد بھی) اسی عورت سے پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے، اور باپ پر دودھ پلانے والیوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے موافق لازم ہے۔ کسی کو تکلیف نہ دی جائے مگر اسی قدر کہ اس کی گنجائش ہو، نہ تو ماں ہی کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر دیا جائے اور نہ باپ ہی کو اس کی اولاد کی وجہ سے، اور اسی قدر اس کے وارث پر بھی ہے۔ پھر اگر دونوں اپنی رضامندی اور مشورہ سے (اس مدت سے پہلے) دودھ بڑھانا چاہیں تو ان پر کچھ بھی گناہ نہیں، اور اگر کسی اور سے اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ جو کچھ تم نے دینا کیا ہے اس کو دستور کے موافق دے دیا کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس کو (خوب) دیکھ رہا ہے ﴿۲۳۳﴾۔

ترکیب:......والوالدات مبتدا' یرضعن الخ خبر' اولادھن مفعول یرضعن۔ حولین موصوف' کاملین صفت' یہ ظرف لمن اراد الخ ثابت کے متعلق ہو کر خبر ہے مبتدا محذوف کی ای ذٰلک لمن اراد۔ رزقھن معطوف علیہ' وکسوتھن معطوف' دونوں ذی الحال' بالمعروف حال اور عامل اس میں معنی استقرار ہیں۔ یہ سب مبتدا علی المولود لہ موصول وصلہ خبر پھر یہ جملہ معطوف ہے اول جملہ' اسمیہ پر۔ لاتکلف فعل مجہول' نفس مفعول مالم یسم فاعلہ۔ الا وسعھا مفعول ثانی' لاتضار فعل مجہول اصل میں لاتضار صیغۂ نہی اور ر کو متحرک التقاء ساکنین کی وجہ سے کیا اور فتح مجانست الف کی وجہ سے دیا اور بعض نے را کو مرفوع بھی پڑھا ہے۔ والدۃ مفعول مالم یسم فاعلہ۔ بولدھا اے بسبب ولدھا۔ ولامولود لہ معطوف ہے والدۃ پر اے لایضار مولود لہ بولدہ۔

## احکامِ رضاعت

تفسیر:......یہ دسواں حکم رضاعت کا ہے۔ طلاق کے بعد میاں بیوی میں ایک قسم کی دشمنی اور نفرت پیدا ہو جایا کرتی ہے اور ایسی حالت میں بالخصوص جب کہ عورت کو کسی اور سے نکاح کرنا مدنظر ہوتا ہے تو خواہ مخواہ بچہ سے بے التفاتی ہوتی ہے اور اس کے دودھ پلانے میں بھی تکرار کرتی ہے' خصوصاً اس لئے بھی کہ پہلے شوہر کو بچہ کی پرورش میں دشواری ہو اور کبھی مرد یہ چاہا کرتا ہے کہ اس سے اپنا بچہ چھین کر کسی اور سے دودھ پلوائے اور بیچاری کو اس کے فراق سے تڑپائے۔ اس لئے اس کے بعد اس امر میں بھی بچہ پر رحم کھا کر فیصلہ کر دیا کہ بچہ کی مائیں کامل دو برس تک اپنے بچہ کو دودھ پلائیں اور ان کا باپ اس کے معاوضہ میں دستور کے موافق ان کو روٹی' کپڑا یا نقد تنخواہ دے حسب مقدور۔ نہ ماں کو کسی نوع بچہ کی وجہ سے تکلیف دی جائے کہ اس سے بچہ چھین لیا جائے یا دستور سے کم اس کو نان ونفقہ دیا جائے اور نہ باپ کو تکلیف دی جائے کہ اس کے مقدور سے زیادہ اس سے طلب کیا جائے اور بچہ کو اس کے پاس پھینک کر چلی جائے اور جو باپ نہ ہو تو اس کے بعد اس کے وارثوں پر بھی نان ونفقہ اسی طرح لازم ہے اور جو باہمی مشورہ کر کے اور مصلحت سمجھ کر دو برس سے پیشتر دودھ بڑھانا❶ چاہیں تو کچھ مضائقہ نہیں اور جو کسی مصلحت سے یہ منظور ہو کہ اور عورت سے بچہ کو دودھ پلوائیں تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ مگر جو کچھ تنخواہ مقرر ہو جائے تو اس کو دے دینا چاہئے۔

فوائد: رضاعت کا حکم عام ہے......(۱) بظاہر یہ حکم طلاق دی ہوئی عورت کے لئے ہے کہ اس قدر مدت دودھ پلائے اور اس کو روٹی

❶......دودھ بڑھانا یعنی بچہ کا دودھ چھڑانا۔ ۱۲ منہ۔

کپڑا دیا جائے۔ مگر حکم عام ہے' بیوی کو بھی یہی حکم ہے اور دودھ پلانے کی وجہ سے اس کو کچھ دیا جائے تو اس کو حق زوجیت مانع نہیں۔

**مدتِ رضاعت:**......(۲) حولین کاملین یعنی پورے دو برس کی مدت تک دودھ پلانا کوئی ضروری بات نہیں بلکہ اگر ضرورت پیش آئے تو اس سے پہلے ▣ بھی فطام ہو سکتا ہے یعنی دودھ بڑھ سکتا ہے جس کو فصال کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور دو برس کی مدت اس لئے مقرر ہوئی ہے کہ اگر اس سے پہلے باہمی مشورہ کے بغیر مرد یا عورت دودھ بڑھائے تو نہ بڑھا سکے اور یہ بھی ہے کہ جو احکام رضاعت کے متعلق ہیں کہ دودھ سے بھائی بہن ہو جاتے ہیں وہ اسی مدت کے اندر معتبر ہیں' اس سے باہر نہیں۔ پس ظاہر آیت سے امام شافعیؒ اور علقمہؒ اور شعبیؒ اور زہریؒ نے دو برس کی رضاعت کی مدت قرار دی ہے اور یہی رائے حضرت علی اور ابن مسعود اور ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہے اور صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ ڈھائی برس کی مدت ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا کہ حمل ❶ اور فصال کی مدت ڈھائی برس ہے اور اس آیت میں جو دو برس کامل مذکور ہیں تو صرف اجرت رضاعت کے لئے اور ائمہ کے نزدیک اس آیت کا جواب دیتے ہیں کہ اس میں ہر ایک کی مستقل مدت نہیں بیان کی بلکہ دونوں کی مجموعی مدت جس سے حمل کی ادنیٰ مدت چھ مہینے اور رضاعت کی دو برس۔

**ماں پر بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے:**......(۳) عورت پر بچہ کا دودھ پلانا عموماً واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور یرضعن سے بھی یہی مراد ہے اور اس لئے دوسری جگہ اس کی تصریح آ گئی ہے فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ یعنی اگر وہ تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو تم ان کو اجرت دو۔ وان تعاسرتم فاسترضع لہٗ اخری اور جو تنگ دستی ہو تو اور سے دودھ پلوا لو۔ مگر بچے کے حق میں بہتری یہ ہے کہ وہ اپنی ماں کا دودھ پیئے اس لئے کہ جو شفقت اس کو ہوگی وہ اور کو کب ہو سکتی ہے؟ اور نیز اس کا دودھ زیادہ تر موافق پڑتا ہے اور اسی لئے ماں کو بچہ پر رحم دلانے کے لئے اَوْلَادَهُنَّ فرمایا کہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اور باپ کو شفقت دلانے کے لئے مولود لہٗ کہا اور جب بچہ سوائے ماں کے اور کا دودھ نہیں پیتا یا والد کو اور سے دودھ پلانے کی بالکل طاقت نہیں تب ماں کو ہی پلانا واجب ہے۔

**اجرتِ رضاعت کی سپردگی کا حکم:**......(۴) اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَيْتُمْ پلائی کی اجرت اسی وقت سپرد کرنی واجب نہیں بلکہ جو قرارداد ہو جائے اور جس طرح سے ہو جائے' مدت تمام ہونے کے بعد دی جائے' لیکن اُسی وقت دینے سے دل خوش ہو جاتا ہے اس لیے یہ لفظ آیا سب کے بعد خدا تعالیٰ ان حقوق کی رعایت رکھنے کے لئے ایک ایسا کلمہ ذکر کیا کہ جس سے ہر ایماندار کے دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے' وہ یہ کہ اول فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اس کے بعد یہ فرمایا وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ حقیقت میں ان باہمی حقوق کی رعایت بغیر خدا ترسی کے ممکن نہیں' عدالت دنیاوی اور احکام کہاں تک بندوبست کر سکتے ہیں اور اسی لئے جب تک دنیا میں خدا ترسی اور انبیاء علیہم السلام اور ان کے جانشینوں کے ذریعہ سے تنفیذ احکام ہوتی رہیں' انتظامِ عالم بھی صداقت سے ہوتا رہا مگر جب صرف قانون حکومت رہ گیا تو بدمعاشی اور جعل سازی نے ظہور پکڑا۔

---

▣:......یعنی طلاق کے بعد اگر کوئی مطلقہ کے لئے بچے کو اس سے پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو عورت کو انکار نہ کرنا چاہئے۔ کس لئے کہ بہ نسبت اور عورت کے اس کو بچہ پر جو اس کے پیٹ کا ہے' نہایت شفقت ہوتی ہے۔ مگر بچہ کے باپ پر دستور کے موافق نہ بہت زیادہ نہ بہت کم دودھ پلانے والی کا خواہ یہ مطلقہ ہو یا کوئی اور ہو' روٹی کپڑا یا اس کے اندازہ سے کوئی تنخواہ دینی ضروری ہے اور اگر باہمی مصلحت سے دو برس سے پہلے ہی دودھ بڑھا دینا (چھڑانا) چاہیں تو اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں اور اگر بچہ کا باپ مر جائے تو اس کے وارثوں پر یہ تنخواہ لازم ہوگی۔ ۱۲ منہ ❶......حمل سے مراد امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حمل شکمی نہیں ہے بلکہ رضاعت کے ایام ہیں' بچہ کا گود میں اٹھانا اور کبھی الگ کر دینا گویا حمل وفصال رضاعت ہے۔ اگر حمل سے مراد حمل شکمی اور فصال سے مراد دودھ بڑھانا (چھڑانا) لیا جائے تو ہر واحد کی خبر ثلثون شہرا ہوگی یعنی اڑھائی برس انتہاء مدت حمل کی ہے اور اڑھائی برس انتہائی رضاعت کی ہے' یہ نہیں کہ دونوں کی مدت اڑھائی برس ہے۔ کلام کی صاف دلالت اسی معنی پر ہے۔ ۱۲ منہ۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ
وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ
بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ
سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ؕ
وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
ع يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

ترجمہ:.....اور جو تم میں سے مرجائیں اور وہ بیویاں چھوڑ مریں تو ان بیویوں کو چار مہینے دس روز تک اپنے نفس کو روکنا چاہئے (یعنی عدت کرنا چاہئے) پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو (اے وارثو!) تم پر اس کام میں جو وہ اپنے لئے دستور کے موافق کرلیں کچھ بھی برائی نہیں (یعنی نکاح کرنے میں) اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خبردار ہے ﴿۲۳۴﴾ ورنہ تم پر اس بات میں کچھ گناہ ہے کہ تم ان عورتوں کو اشارتاً نکاح کا پیغام بھیجو یا (اس کو) دل میں پوشیدہ رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ تم کو ان عورتوں کا خیال پیدا ہوگا (سو اس کا مضائقہ نہیں) لیکن مخفی طور سے ان سے نکاح کا وعدہ نہ کرو ہاں اگر کوئی دستور کے موافق کہو (تو حرج نہیں) اور جب تک کہ (اللہ کی طرف سے) میعاد نوشتہ (یعنی عدت) پوری نہ ہو لے اس وقت تک نکاح کا قصد بھی نہ کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا بردبار (بھی) ہے ﴿۲۳۵﴾۔

---

ترکیب:.....والذین.....الخ مبتدا یتربّصن خبر من خطبة النساء یہ جار مجرور موضع حال میں ہے۔ بہ سے سرًّا مفعول بہ ہے کیونکہ یہ بمعنی نکاح ہے اَی لاتواعدوھن نکاحاً اور ممکن ہے کہ مفعول مطلق ہو ای مواعدة وقیل التقدیر فی سرّ سو یہ ظرف ہے۔ الا ان تقولوا استثناء مفرغ ہے مدلول نہی ہے ای لاتواعدوھن مواعدة ما الا مواعدة معروفة۔

## احکامِ عدتِ وفات

تفسیر:.....پہلی آیتوں میں عدت طلاق مذکور تھی اس لئے عدت ❶ وفات کا بھی حکم بیان کردیا۔ یہ گیارہواں حکم ہے۔ فرمایا ہے کہ جو لوگ بیویاں چھوڑ کر مریں تو ان کی بیویوں کو چار مہینے دس روز تک چاہئے کہ نکاح نہ کریں' نہ جو چیزیں نکاح کے اسباب ہیں ان کو عمل میں

---

❶.....یعنی عدت وفات چار مہینے دس روز تک خاوند کے مرجانے کے بعد اتنے عرصہ تک عورت نکاح نہ کرے اگر اس کے بعد دستور کے موافق کرے تو کچھ گناہ نہیں' وارثوں کو اس سے ان کو منع نہ کرنا چاہئے اور ایام عدت میں ان سے نکاح کا پیغام دینا یا وعدہ کرنا کہ ہم تم سے بعد عدت نکاح کریں گے' ممنوع ہے۔ اس لئے کہ عدت حرمت نکاح کے لئے قائم ہوئی ہے' پیغام دینے یا عملی طور سے پکی کر لینے میں اس احترام نکاح میں فرق آتا ہے گویا یہ عورت بیوفا اس کا مرنا ہی چاہتی تھی۔ ہاں مرد کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا کہ عدت کے بعد اس سے ہم نکاح کریں گے یا یہ کہلا بھیجنا کہ مجھے نکاح کی طرف رغبت ہے یعنی اشارتاً منشاء ظاہر کرنا بعض مصلحتوں کے سبب کچھ ممنوع نہیں۔ ۱۲ منہ۔

لائیں' زیب وزینت' سرمہ' کاجل وغیرہ اور نہ بغیر ضرورت اس گھر سے باہر جائیں۔ یہ سب باتیں یتربصن سے سمجھی جاتی ہیں اور خود نبی ﷺ نے تشریح کردی ہے۔ اگر بیوہ کو حمل ہے تو اس صورت میں جب تک ہے' عدت ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے **و اولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن** اور عدۃ کے بعد جو کچھ وہ دستور کے موافق کریں خواہ نکاح ثانی کریں یا زیب وزینت تو ان کو منع نہ کرو' اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔ عورتوں کو نکاح اور اس کے داعی سے روکا تو مردوں کو بھی منع کیا کہ عدت سے پہلے تم نہ ان کو صراحتاً نکاح کا پیغام دو اور نہ خفیۃً نکاح کا وعدہ کرو کیونکہ اس قسم کی تحریک اور لگاوٹ سے عورت کے دل میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے جس سے عدت میں فرق پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہے اور قیام عدۃ نکاحِ سابق کی عزت وحرمت کا ملحوظ رکھنا' عورت کو بے وفائی اور بیگانوں کی آشنائی سے محفوظ رکھنا ہے جو تمدن کے لئے ضروری ہے۔ اس کا مضائقہ نہیں کہ اشارتاً اپنا ارادۂ نکاح ظاہر کر دیا جائے کہ میرا ارادہ نکاح کرنے کا ہے۔ ان سب باتوں کے بعد فرمایا کہ وہ تمہارے دلوں کی باتیں جانتا ہے' اس سے ڈرتا رہا کرو۔

خِطبة بالکسر منگنی اور پیغام نکاح کو کہتے ہیں اور بالضم خُطبہ پڑھنا یعنی کوئی ترغیب وترہیب کا مضمون بیان کرنا' جیسا کہ جمعہ وعیدین اور دیگر اوقات میں ہوتا ہے۔ آگے ایک آیت ہے کہ جس میں عدۃ وفات برس روز کی ہے' اس کا حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔ عدت عظمت نکاح اوّل کے لئے اور نیز حمل اور نسب کی تمیز کے لئے مقرر ہوئی ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٢٣٦﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٧﴾

ترجمہ:......تم پر اس بات سے (بھی کوئی) گناہ نہیں کہ تم عورتوں کو ہاتھ لگانے یا ان کے لئے مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو (ہاں اس صورت میں) ان کو کچھ سامان دینا چاہئے' مقدور والا اپنی حیثیت سے اور تنگدست اپنے مقدور کے موافق دے (جو کچھ بھی ہو) دستور کے موافق سامان دینا نیک لوگوں پر (ایک لازمی حق) ہے ﴿٢٣٦﴾ اور اگر تم نے ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہے اور ان کے لئے مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو تم پر آدھا مہر معین دینا لازم ہے مگر اس صورت میں کہ خود وہ عورتیں معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے کہ جس کے اختیار میں نکاح باندھنا تھا' اور تمہارا معاف کر دینا پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے (یعنی بہتر ہے) اور آپس کی لڑائی کو مت بھولو۔ کیونکہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے ﴿٢٣٧﴾۔

ترکیب:......مالم تمسوهن۔ ما مصدر یہ اور زمان اس کے ساتھ محذوف ہے تقدیرہ فی زمن ترک مسهن اور بعض کہتے ہیں

ماشرطیہ ہے ای ان تمسوھن۔ فریضۃ فعیلۃ بمعنی مفعولۃ مفعول بہ ہے۔ ومتعوھن معطوف ہے محذوف پر تقدیرہ فطلقوھن ومتعوھن۔ علی الموسع خبر ہے مبتدا محذوف کی مَتِّعُوْھُنَّ علی الْموسِعِ پھر یہ جملہ موضع حال میں ہے فاعل سے اور ممکن ہے کہ مستانفہ ہو۔ متاعاً اسم مصدر ہے اور مصدر تمتیع ہے۔ حقاً مفعول مطلق ای حق ذٰلک حقاً۔ وقد فرضتم موضع حال میں ہے' الا ان یعفون۔ ان اور فعل موضع نصب میں ہے والتقدیر فعلیکم نصف مَافرضتم الافی حال العفو۔

## مہر وغیرہ کا بیان

تفسیر:...... یہ بارھواں حکم ہے۔ واضح ہو کہ جن عورتوں کو طلاق دی جاتی ہے ان کی چار قسمیں ہیں۔ قسم اوّل: یہ کہ ان کا مہر بھی معین ہو اور پھر ان کو خلوت کر کے طلاق دی گئی ہو۔ ان کا حکم پہلی آیتوں میں بیان ہو چکا کہ ان کو پورا مہر دینا چاہئے اور تنگ کر کے ان سے کچھ واپس لینا نہ چاہئے اور ان کی عدۃ تین حیض ہے۔ قسم دوم: وہ کہ ان کے لئے مہر معین نہ ہوا اور نہ ہنوز ان سے خلوت ہوئی ہو بلکہ صرف نکاح کر کے طلاق دے دی ہو۔ ان کا حکم اس آیت میں لَاجُنَاحَ سے لے کر حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ تک بیان ہے' وہ یہ کہ ان کے لئے مہر نہیں بلکہ دستور کے موافق متعہ یعنی خرچ دینا چاہئے' کم سے کم کپڑوں کا ایک جوڑا اور زیادہ سے زیادہ نصف مہر۔ قسم سوم: وہ عورتیں ہیں کہ جن کا مہر تو معین ہو مگر خلوت نہیں ہوئی ہو اور طلاق دی گئی ہو۔ ان کا حکم اس آیت میں ہے وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ الآیۃ وہ یہ کہ ان کو آدھا مہر دے۔ ان دونوں قسموں میں عورت پر عدت لازم نہیں آتی جیسا کہ سورۂ احزاب میں فرماتا ہے اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ...... الخ چوتھی قسم: یہ کہ عورت سے نکاح کر کے صحبت بھی کی ہو لیکن اس کا مہر معین نہ کیا ہو' پھر اس کو طلاق دے دی تو اس کا حکم اس آیت میں ہے فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ کہ ان کو مہر مثل دینا چاہئے یعنی جو مہر کہ اس عورت کے کنبہ کی عورتوں کا ہے وہ ملے گا ❶۔ متعہ اور متاع لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس سے فائدہ حاصل ہو اور اسی لئے دنیا کو متاع کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہاں خرچ ہے جس کی تعداد کچھ نہیں۔ ادنیٰ مرتبہ عورت کے کپڑے اور زیادہ مقدار نصف مہر اور یہ واجب ہے۔ الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ اور بہت سے تابعینؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت کا میاں ہے کہ اس کے ہاتھ میں نکاح ہے' پس اگر یہ معاف کرے یعنی آدھا اور بھی دیدے تو پورا ہو سکتا ہے اور امام شافعیؒ اور حسنؒ اور مجاہد اور علقمہؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ولی ہے یعنی عورت کا سرپرست' اس لئے کہ نکاح کرنا اس کے ہاتھ میں تھا۔ پس یا عورت معاف کر دے یا اس کی اجازت سے ولی معاف کر دے تو نصف بھی ساقط ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ

❶...... ان آیات میں دو قسم کی طلاق کا حکم بیان فرماتا ہے کیونکہ عورت کو ہاتھ لگانے یعنی خلوت کرنے سے پہلے طلاق دی جائے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو ان کے لئے کچھ بھی مہر معین نہ ہوا تھا، ایسی صورت میں متعہ دینا یعنی ضروری سامان حسب مقدور مرد پر لازم ہے جس کی کوئی تعداد بیان نہیں ہوئی مگر کم سے کم ایک جوڑا کپڑوں کا اور زیادہ سے زیادہ نصف مہر معین ہو چکا تھا تو نصف لازم ہے ہاں اگر عورت کم سن ہے تو اس کے ولی معاف کر دیں اور معاف کر دینا بہتر ہے کیونکہ اس سے طرفین سے کوئی متمتع نہیں ہوا ہے، آپس کی فضیلت عورت کے والی کا اختیار قائم رکھنا ہے کہ جو کچھ اس نے کر لیا ہے، عورت منظور کر لے، سرکشی نہ کرے۔ ان دونوں صورتوں میں عورت پر عدۃ بھی لازم نہیں۔ ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دینے کا مسئلہ پہلی آیتوں میں آ چکا ہے کہ اگر مہر معین تھا تو کل اور اگر معین نہ ہوا تھا مہر مثل لازم ہے اور اس عورت کو عدۃ لازم ہے اور اس کے لئے ایک سے لے کر تین طلاق دی جا سکتی ہے۔ ۱۲ منہ۔

تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً

لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ

مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع

ترجمہ:......نمازوں کی محافظت کیا کرو (اور خاص کر) بیچ کی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے نیاز مندی سے کھڑے ہوا کرو ﴿۲۳۸﴾ پھر اگر تم کو (دشمن کا) ڈر ہو تو پیادہ پڑھ لیا کرو یا سوار ہو کر (جس طرح ہو سکے نماز ادا کر لیا کرو) پھر جب تم امن پاؤ تو اللہ کو (اس طرح سے) یاد کیا کرو جس طرح اس نے تم کو (وہ طریقہ) بتایا جس کو تم نہیں جانتے تھے ﴿۲۳۹﴾ اور جو تم میں سے مرنے کو ہوں اور بیویاں بھی چھوڑ مریں (تو) ان کو اپنی بیویوں کے لئے سال بھر کے گزارہ کے لئے وصیت کرنی چاہئے گھر سے باہر کئے بغیر۔ پھر اگر وہ خود نکل کھڑی ہوں تو تم پر اس بات میں کہ جو وہ اپنے لئے دستور کے موافق کر لیں کچھ بھی گناہ نہیں' اور اللہ تعالیٰ زبردست، حکمت والا ہے ﴿۲۴۰﴾ اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے خرچ دینا دستور کے موافق پرہیزگاروں پر لازم ہے ﴿۲۴۱﴾۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام یوں صاف بیان کرتا ہے تا کہ تم سمجھو ﴿۲۴۲﴾

ترکیب:......رجالاً حال محذوف سے تقدیرہ فصلوا رجالاً جمع راجل۔ کما علّمکم کاف موضع نصب میں ہے ای ذکراً مثل ما علّمکم۔ والذین یتوفون مبتدا خبر محذوف ای یوصون۔ متاعاً مصدر اس لئے کہ یوصون بمعنی یمتعون ای یمتعون متاعاً۔ غیر اخراج حال ہے' وللمطلقات خبر' متاع مبتدا' حقاً مفعول مطلق۔

## نمازوں کی محافظت اور ادائیگی کا حکم

تفسیر:......پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے تقویٰ اور احسان کا ذکر کیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ آپس کی بزرگی کا لحاظ رکھو۔ اس موقع پر بطور جملہ معترضہ خدا تعالیٰ اپنی بزرگی ملحوظ رکھنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ وہ سب سے بڑا ہے۔ خدا تعالیٰ کی بزرگی کرنے کا مسئلہ بھی ذکر فرما دیا کہ نمازوں کی محافظت کرو یعنی نہایت خشوع وخضوع اور حضور قلب سے ادا کرو' بالخصوص بیچ کی نماز کی محافظت کرو اور خدا تعالیٰ کے روبرو ادب سے کھڑے ہوا کرو' نماز میں باہم اشارہ اور کلام نہ کرو' اس آیت سے پہلے اہل کتاب کی طرح مسلمان بھی نماز میں اشارہ یا بات کر لیتے تھے' اس کے بعد ممانعت ہوگئی (وہ جو بعض احادیث میں ہے کہ نماز میں صحابہ رضی اللہ عنہم یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اشارہ کیا یا بات کی یا چلے' سو یہ سب اس آیت سے پہلے کی باتیں ہیں)

صلوٰۃ الخوف:......پھر فرماتا ہے کہ اگر تم کو دشمن کے مقابلہ میں خوف ہو کہ اگر ہم نماز پڑھیں تو ہم پر حملہ کر دے گا تو تم سوار یا پیدل جس حال میں ہو' بلا لحاظ رکوع وسجود کے اور بلا لحاظ جہت کعبہ کی طرف منہ کیوں نہ ہو' نماز پڑھو اس کو نہ چھوڑو۔ پھر جب امن ہو تو جس طرح تم کو خدا تعالیٰ نے نماز کی تعلیم کی ہے' اس طرح پڑھو۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسے وقت نماز کی تاخیر کر دے' دوسرے وقت میں ادا کرے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب میں کیا تھا۔

**وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى کی تعیین میں مختلف اقوال:**...... ہیں۔بعض ظہر' بعض نمازِ صبح کہتے ہیں۔مگر احادیثِ قویہ سے عصر کی نماز معلوم ہوتی ہے' جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے کہ مشرکوں نے ہم کو صلوٰۃ وسطیٰ سے روک دیا' خدا تعالیٰ ان کی قبر کو آگ سے بھر دے' اور یہ واقعہ جنگ احزاب میں نمازِ عصر کا ہے۔صلوٰۃ خوف کہ جس کا ذکر سورۂ نساء میں ہے وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ الآية وہ اس فَرِجَالًا اور رُكْبَانًا سے غیر ہے۔

**احکامِ عدت میراث اور وصیت:**......اس کے بعد پھر احکامِ عدت اور طلاق کو ذکر فرماتا ہے۔وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ سے جمہور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ ابتدائے اسلام میں بیوہ عورت کی عدۃ ایک ❶ برس تک تھی اور جب اس کے لئے میراث بھی نہ تھی تو خاوند کو حکم تھا کہ مرض الموت میں برس بھر کے خرچ اور مکان کی وصیت کر جائے۔پھر یہ حکم اس آیت سے جو پہلے آئی ہے اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا منسوخ ہو گیا۔دو باتیں تھیں: ایک خرچ سال بھر کا' دوسرے مکان سال بھر رہنے کے لئے۔اب آیت میراث نے جبکہ بیوہ کا حق آٹھواں یا چوتھا حصہ مقرر کر دیا' وصیت کرنا بھی جاتا رہا اور اسی ❷ طرح مکان دینا بھی امام ابوحنیفہؒ ❸ کے نزدیک ضروری نہ رہا۔امام شافعیؒ ❹ کے نزدیک مکان دینا چاہئے۔ابومسلم اصفہانیؒ اور مجاہدؒ وغیرہما کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص مرض الموت میں اپنی بیویوں کے لئے برس بھر کے خرچ اور مکان میں رہنے کی وصیت کر مرے اور عورت برس سے پہلے نکل کر (بشرطیکہ چار مہینے دس دن کی عدت پوری ہو چکی ہو) برخلاف وصیت شوہر دستور کے موافق نکاح کر لے تو اس پر کچھ گناہ نہیں یعنی یہ وصیت لازم نہیں' جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لازم تھی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

ترجمہ:......(اے نبی!) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا کہ جو موت سے ڈر کر باوجود یکہ وہ ہزاروں تھے' اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ مر جاؤ' پھر ان کو زندہ کر دیا۔بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے لیکن بہت سے لوگ (اس کا) شکر نہیں کرتے ﴿۲۴۳﴾۔

**ترکیب:**......الم استفہام تقریری کے لئے' تر فعل اصل میں ترای مثل ترعی کے تھا مگر عرب مستقبل میں ہمزہ حذف کر دیتے ہیں۔جب ہمزہ حذف ہوئی تو الف منقلبہ آخر میں باقی رہ گیا جو جزم کے وقت حذف ہو گیا ضمیر انت اس کا فاعل الی الذین متعلق ہے فعل سے۔وهم الوف جملہ حال ہے فاعل خرجوا سے' حذر الموت مفعول لہٗ خرجوا سے۔

---

❶......سال بھر خاوند کے گھر میں رہے اور کسی سے نکاح نہ کرے مگر اس کو اختیار تھا چاہے خاوند کے گھر میں عدت گزارے خواہ نکل کر اور جگہ لیکن جب وہ گھر سے نکلتی تھی تو اس کو خرچ نہ ملتا تھا۔۱۲ کبیر منہ۔ ❷......مطلقہ کے لئے عدۃ میں خواہ طلاق بائن ہو خواہ رجعی نفقہ اور مکان ملنا چاہئے جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے وللمطلقات متاع بالمعروف اگر مطلقہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک اور حمل نہیں تو تین حیض تک۔امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ طلاق بائن میں نفقہ نہیں بدلیل حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا قالت طلقنی زوجی ثلثا فلم يفرض لی رسول اللہ ﷺ سكنى و النفقة (اخرجہ الجماعۃ الا البخاری) مگر یہ استدلال صحیح نہیں۔اس لئے کہ اس حدیث کو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رد کر دیا کہ ایک عورت کے کہنے سے ہم کیونکر کتاب اللہ و سنت نبوی ﷺ کو چھوڑ دیں گے۔کیا معلوم سچی ہے یا جھوٹی' بھول گئی ہے یا یاد ہے (رواہ ابوداؤد و مسلم والترمذی والنسائی وغیرہ)۔
❸......حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور مزنیؒ وغیرہم کا بھی یہی قول ہے۔۱۲ منہ۔ ❹......حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہ قول ہے۔۱۲ منہ۔

## بنی اسرائیل کا ایک عبرت خیز واقعہ

**تفسیر:**......پیشتر خدا تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ مخالفوں سے خدا تعالیٰ کی جماعت بن کر جہاد کرنا باہمی اتفاق پر مبنی ہے اور زیادہ تر اتفاق میں خلل ڈالنے والی باتیں جو روزمرہ پیش آتی ہیں' میاں بیوی کا جھگڑا اور میراث و وصیت کے متعلق امور ہیں اس لئے بیچ میں چند احکام ان جھگڑوں کے دفع کرنے والے ذکر فرما کر پھر جہاد کی ترغیب دلاتا ہے اور اس سے پیشتر بنی اسرائیل کے ایک واقعہ عبرت خیز کو یاد دلاتا ہے، وہ یہ کہ ایک نبی کے عہد میں مخالفوں سے ڈر کر سینکڑوں ہزاروں بنی اسرائیل ملک چھوڑ کر بھاگ نکلے اور نبی کے برخلاف ہو گئے' جنگ میں ثابت قدم نہ رہے۔ آخر ان پر دشمن غالب آئے جس سے وہ سب مارے گئے۔ پھر نبی کی دعاء سے زندہ ہوئے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے' کوئی حیلہ کرو وہ ٹلتی نہیں' پھر نامردی اور بزدلی کرنا عبث ہے۔ دوم بزدلی اور بھی جان کو ہلاکت میں ڈالتی ہے۔ آدمی جانتا ہے کہ میں بزدلی سے بچ جاؤں گا مگر اس سے دشمن کو اور بھی قتل کرنے میں جرأت ہوتی ہے۔ سوم اس سے خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار مقصود ہے کہ وہ قادر مردہ کو زندہ کر سکتا ہے' حشر اجساد بھی اس کے نزدیک کوئی بات نہیں۔ پھر جب مر کر وہاں جانا اور جزا و سزا پانا ہے تو کیوں خدائے قادر پر توکل کر کے مخالفوں سے جنگ نہیں کرتے' اسباب ظاہر پر کیوں سہارا کرتے ہو؟

**متعلقات:**......قرآن مجید سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ واقعہ کس زمانہ میں اور کس نبی کے عہد میں گزرا ہے؟ اور گھر سے موت سے ڈر کر دشمن کی وجہ سے نکلے تھے یا دباؤ کی وجہ سے؟ علماء مفسرین کے اس میں مختلف اقوال ہیں مگر صحیح اور قابل اعتماد یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل پر گزرا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور کتاب حزقیل' سینتیسویں فصل سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے بنی اسرائیل پر فلسطین کے لوگ غالب آ گئے تھے اور کچھ عجب نہیں کہ ایسے موقع میں کسی نبی نے ان کو جنگ کرنے پر آمادہ کیا ہو اور وہ ڈر کر گھر بار چھوڑ کر بھاگ نکلے، پھر قتل کئے گئے ہوں جس کو فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا سے تعبیر کیا ہے اور پھر وہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعاء سے زندہ ہو گئے ہوں جس کو کہ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ سے تعبیر کیا ہے اور اس بات کا ذکر کتاب حزقیل کے فصل مذکور میں صاف مذکور ہے' چنانچہ اس کے بعض فقرات یہ ہیں:

''اور وادی میں جو ہڈیوں سے بھرپور تھی مجھے اتار دیا اور مجھے ان کے آس پاس چوگرد پھرایا اور وے وادی کے میدان میں بہت تھیں (وہم الوف) اور نہایت سوکھی تھیں اور اس نے مجھ سے کہا: اے آدمی زاد کیا ہڈیاں جی سکتی ہیں؟ میں نے جواب میں کہا کہ اے خداوند یہوداہ تو ہی جانتا ہے۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ تو ان ہڈیوں کے اوپر نبوت کر اور ان سے کہہ: اے سوکھی ہڈیو تم خدا کا کلام سنو۔ خداوند یہوداان ہڈیوں سے یوں فرماتا ہے کہ دیکھو میں تمہارے اندر روح داخل کروں گا اور تم جیو گی......الخ سو میں نے حکم کے بموجب نبوت کی اور جب میں نبوت کرتا تھا تو ایک شور ہوا......الخ اور ان مقتولوں پر پھونک کہ جی اٹھیں' سو میں نے حکم کے بموجب نبوت کی اور ان میں روح آئی اور وہ جی اٹھے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے ایک نہایت بڑا لشکر۔

**مخالفین کے اعتراض اور ان کا جواب:**......(۲) مخالفین اس مقام پر دو اعتراض کرتے ہیں۔ پہلا یہ کہا اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ استفہام تقریری ہے جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے' حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ ان میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سینکڑوں برس کا زمانہ فاصل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تری کے ساتھ جب الیٰ ملا دیتے ہیں تو اس سے اکثر رؤیت قلبی مراد لیا کرتے ہیں یعنی علم' سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم یقینی تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ یہود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک ایسا مشہور تھا کہ گویا آنکھوں کے سامنے تھا اور فصیح بلیغ ایسے واقعات کو بمنزلہ محسوسات کے قرار دے کر کلام

کیا کرتے ہیں' سو وہ آنحضرت ﷺ کیا بلکہ اس زمانہ کے سب لوگ اس واقعہ کو اور ان لوگوں کو دیکھ رہے تھے اور اسی لئے عبرت کے لئے اس واقعہ کا بیان کرنا مناسب حال ہوا۔

**دوسرا یہ کہ مردہ کا زندہ کر دینا ناممکن بات ہے؟:**......یہ باتیں بعید از قیاس ہیں' الہامی باتوں میں ایسی باتوں کا ہونا تعجب کی بات ہے۔ اس کا جواب بہت سے مقامات میں ہم دے آئے ہیں اور دہریوں کو ساکت کر آئے ہیں کہ یہ چیزیں محال عقلی نہیں اور جو دعویٰ کرے تو پیش کرے اور جب ممکن ہیں تو ان کے وقوع میں بطور خرق عادت کیا تعجب ہے؟ بالخصوص مخبر صادق ﷺ نے خبر دی تو پھر کیا تردد ہے؟ رہا خلاف عادت ہونا' سو اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس لئے اس کو معجزہ کہتے ہیں۔ معتزلہ اور ان کے بھائی نیچریہ یہ جواب دیتے ہیں کہ موت سے نامردی اور بزدلاپن مراد ہے اور احیاء کے لفظ سے ان کے دل میں قوت آنا اور لڑنے پر آمادہ ہو جانا مراد ہے۔ چونکہ مدیانیوں کے ہاتھ سے بنی اسرائیل نے سخت شکست پائی تھی اور اپنا گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگ گئے تھے۔ آخر جدعون سے نے ان کو جنگ پر آمادہ کیا اور اس ذلت سے رہائی دی۔ پس خدا تعالیٰ مسلمانوں کو بتلاتا ہے کہ جو لوگ لڑائی میں موت کے ڈر سے بھاگ گئے تھے جو موت کے برابر تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمت و جرأت سے زندہ کیا۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی موت کے ڈر سے بزدلی اور نامردی جو موت کے برابر ہے، نہ کرنی چاہئے اور قصہ حزقیل علیہ السلام فرضی اور غلط ہے' ہمارے مفسروں نے غلطی سے آیت کو اس پر چسپاں کر دیا ہے۔

---

# وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

---

**ترجمہ:**......اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سنتا' جانتا ہے ﴿۲۴۴﴾۔ کوئی ❶ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو خوش دلی سے قرض دے تاکہ اللہ تعالیٰ کئی گنا کر کے بہت بڑھا کر اس کو (واپس) دے اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی اور فراخی دیتا ہے اور تم اسی کی طرف چلے جا رہے ہو ﴿۲۴۵﴾۔

**ترکیب:**......وقاتلوا معطوف ہے محذوف پر تقدیرہ فاطیعوا وقاتلوا۔ من استفہامیہ موضع رفع میں ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور ذا اس کی خبر ہے اور الذی اس کی نعت یا بدل ہے یقرض جملہ الذی کا صلہ قرضاً مفعول مطلق حسناً یہ اسم مصدر ہے اور وہ اقراض ہے۔ فیضاعفہ معطوف ہے یقرض پر یا جملہ مستأنفہ ہے۔ اضعافاً جمع ضعف اور ضعف بضمہ عین مصدر نہیں کیونکہ مصدر اضعاف ہے یا مضاعفۃ۔ اس تقدیر پر یہ یضاعفہ کی ہاء سے حال ہو سکتا ہے اور معنی مفعول ثانی بھی ہو سکتا ہے۔

---

❶......یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا خدا تعالیٰ کو دینا ہے۔ خدا تعالیٰ قرض لینے سے پاک اور غنی ہے مگر دینے والے کی ترغیب اور اس کے اطمینان کے لئے کہ اس کا جزا کئی گنا ضرور ملے گا' اس سے دینے کو اللہ تعالیٰ کے قرض دینے سے بطور استعارہ کے تعبیر کیا کیونکہ جو کوئی غنی اور صادق الوعد کو دیتا ہے تو اصل اور فائدہ کے حاصل ہونے کا اطمینان ہوتا ہے' اس سے یہ سمجھنا کہ خدا تعالیٰ محتاج ہے اور بندوں سے قرض مانگتا ہے' صریح بدفہمی ہے جس کا کوئی اب تک قائل نہیں۔ ۱۲ منہ۔

## انفاقِ مال کی ترغیب اور فضائل

تفسیر:......ان تمام مسائل کے بعد پھر خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے اور مال دینے کی تاکید شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی قوم، قوم نہیں رہ سکتی تاوقتیکہ اس قوم میں اپنے ناموس اور مذہب رکھنے کی قدرت نہ ہو' خاص کر وہ مذہب کہ جو تمام دنیا پر پھیلنے والا ہو جس کی توحید اور روشن احکام دنیا بھر کے شریروں کے خلاف ہوں' جس سے نہ صرف یہ احتمال بلکہ یقین ہو کہ اس مذہب کے لئے اس کے گھر اور ملک میں سخت سخت رکاوٹیں پیش آنی شروع ہوں گی بلکہ ہوگئیں' پھر آگے چل کر تو کیا کچھ نہ ہوگا اس لئے حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو۔ جو رکاوٹ پیش آئے' اس کو تلوار کی دھاروں سے مٹادو مگر نیت نیک اور دلی اخلاص بھی ملحوظ رکھو۔ صرف خونریزی اور بنی نوع کا قتل کرانا ہی مقصود نہیں بلکہ یہ جہاد ایسا ہے جیسا کہ مریض کے لئے فصد اور فاسد مادہ کا اخراج و قطع برید۔ ایسے معاملات میں دلی اخلاص و نیک نیتی ضروری ہے' اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ دشمنوں سے لڑائی اور ان پر چڑھائی بے ساز و سامان کے عادتاً مشکل ہے' اس کے لئے روپیہ پیسہ بھی ضروری ہے اس لئے اپنے بندوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں مال صرف کرنے کی بھی کس عمدہ طور سے ترغیب دی'' کہ کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے تاکہ اس کے بالعوض دنیا و آخرت میں خدا تعالیٰ اس کو دگنا تگنا بلکہ بے شمار عنایت فرمادے''۔ اللہ تعالیٰ قرض مانگنے سے پاک ہے' اس کو کوئی حاجت اور ضرورت نہیں۔ وہ غنی اور حمید ہے اور اسی کے قبضہ میں آسمان و زمین کے خزانے ہیں۔ وہی بندوں کو فراغ دستی دیا کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرنے کو بطور استعارہ کے قرض دینے سے تعبیر کیا اس بات کو جتانے کے لئے کہ جس طرح غنی اور خوش معاملہ کو قرض دینا موجب اطمینان اور نتائج و منافع کا باعث ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا، رائیگاں نہیں جاتا' وہ مع نفع چند در چند ملتا ہے۔ ہم اس کے ضامن ہیں' گویا وہ ہم کو دیتا ہے اور اس کے بعد یہ بھی سنا دیا کریں کہ تنگ دستی و فراخ دستی سب ہمارے قبضہ میں ہے۔ جو ہماری راہ میں صرف نہیں کرتے' وہ اس بات پر گھمنڈ نہ کریں کہ ہماری دولت باقی رہے گی' خدا تعالیٰ ہزاروں مصیبتیں بھیج کر تنگ دست کرسکتا ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بلا نازل ہوگی کہ مخالفین غالب آکر تمام ملک و دولت چھین لیں گے اور جو صرف کرتا ہے وہ تنگ دستی سے نہ ڈرے' دنیا میں غنائم اور فتوحات ملک ان کے حصہ میں آئیں گے۔ آخرت میں کہ جو سامنے کھڑی ہے جس کو ایسے ترجعون سے تعبیر کیا' بے شمار نعمتیں ملیں گی جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملیں۔

نصف حزب

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ
ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ
الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا
مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۞ وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ
مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ یُؤْتَ

سَعَةً* مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

ترجمہ:......(اے نبی!) کیا آپ نے بنی اسرائیل کے سرداروں کی طرف غور نہیں کیا کہ موسیٰ کے بعد اپنے (سموئیل) سے کہا کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم (اس کے زیر حکم ہو کر) اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں۔ نبی نے کہا کہ اگر تم پر جہاد فرض کیا جائے تو تم سے کچھ بھی بعید نہیں کہ تم نہ لڑو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہ لڑیں' حالانکہ ہم اپنے وطن اور بال بچوں سے بھی دور کئے گئے ہیں۔ پھر جب ان کو لڑائی کا حکم ہوا تو سوائے چند آدمیوں کے سب کے سب پھر گئے' اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو (خوب) جانتا ہے ﴿۲۴۶﴾ اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے (تمہاری درخواست کے موافق) تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا۔ کہنے لگے کہ اس کے لئے ہم پر کیونکر بادشاہی ہو سکتی ہے' حالانکہ ہم خود اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں اور اس کو تو کچھ مال میں بھی کوئی فراخ دستی نہیں دی گئی ہے۔ (نبی نے) کہا: بیشک اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر سرداری کے لئے منتخب کیا ہے اور علم اور صورت میں بھی اس کو فوقیت دی ہے' اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ وسعت دینے والا' جاننے والا ہے ﴿۲۴۷﴾۔

ترکیب:......من بنی اسرائیل محذوف سے متعلق ہے' اس لئے کہ یہ حال ہے ای کائنامن بنی اسرائیل۔ من بعد متعلق ہے ثابت کے' اذ بدل ہے من بعد سے' اس لئے کہ دونوں زمانہ کے لئے ہیں۔ نقاتل جمہور اس کو جزم سے پڑھتے ہیں جواب امر قرار دے کر۔ عسیتم فعل' الا تقاتلوا اس کی خبر۔ ان کتب......الخ شرط جملہ معترضہ درمیان میں آ گیا۔ ما استفہام کے لئے محل رفع میں ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے' لنا اس کی خبر اور واؤ ربط ماقبل کے لئے آیا ہے۔ وقد خرجنا جملہ موضع حال میں اور عامل اس میں نقاتل ہے۔ وابنائنا معطوف ہے دیارنا پر تقدیرہ ومن بین ابنائنا۔

## واقعۂ طالوت اور ثابت قدمی وصبر کی ترغیب

تفسیر:......ان آیات میں خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کا دوسرا قصہ سناتا ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تخمیناً گیارہ سو برس پہلے گزرا ہے۔ اس قصہ میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد میں ثابت قدمی اور استقلال اور مصائب برداشت کرنے کی رغبت دلاتا ہے اور خالص ایمانداروں کا توکل پھر ان پر ان کی امداد غیبی کرنا سناتا ہے۔ اس قصہ میں چھ باتیں بیان ہوئی ہیں (۱) بنی اسرائیل کا اپنے نبی سے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کرنا' پھر اس پر سموئیل علیہ السلام کا بنی اسرائیل پر ساؤل کو کہ جس کو طالوت ❶ کہتے ہیں' بادشاہ مقرر کرنا۔ (۲) بعض لوگوں کا طالوت کا افلاس اور ظاہری حال کی وجہ سے انکار کرنا کہ یہ بادشاہی کا مستحق نہیں اور پھر نبی کا اس کی بادشاہی کی علامت صندوق

---

*......سعۃ کی اصل وسعۃ بفتح واؤ ہے اور حق اس کا کسرہ ہے لیکن چونکہ مستقبل میں حذف کیا گیا' مصدر میں بھی حذف ہوا اور مستقبل میں اصل کسرہ تھا لیکن حرف حلق کی رعایت سے فتح دیا گیا ورنہ وَعَدَ یَعِدُ عِدَۃ کے طور پر کسرہ تھا۔ ۱۲ منہ ❶......طالوت اس کا لقب تھا۔ ۱۲ منہ۔ فائدہ: طالوت کے ساتھ بنی اسرائیل کی ایک بہت بھیڑ بھاڑ دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلی۔ طالوت نے آگے جو پانی کا نالہ آنے والا تھا' اس سے ان کے صبر و برداشت کی آزمائش کرنی چاہی کہ جو اس پیاس کی تاب نہ لائے گا وہ آب شمشیر کی کیونکر تاب لائے گا۔ اس پر بھی ہاتھ سے چلو میں لے کر پینے کی اجازت دے دی تھی مگر جب وہ بھیڑ بھاڑ اس نہر پر پہنچی تو بجز چند لوگوں کے سب نے پانی پی لیا' پھر جب یہ بھیڑ آئی اور انبوہ جالوت فلسطین کے بڑے قدآور بادشاہ اور اس کے لشکر کے مقابلہ میں آئے تو ڈر گئے اور کہنے لگے کہ کیا ہم میں ان سے مقابلہ کی طاقت ہے؟ لیکن ان چند صبر کرنے والوں نے ڈھارس بندھائی کہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ فتح و شکست ہے' قلت و کثرت پر موقوف نہیں' بارہا خدا تعالیٰ کے حکم سے چند لوگوں نے بڑے لشکروں کو شکست دے دی ہے۔ پھر یہی جماعت مقابلہ میں سامنے آئی اور خدا تعالیٰ سے صبر و استقلال اور نصرت کی دعا کی اور ان سپاہیوں میں داؤد علیہ السلام بھی تھے' ان کے ہاتھ سے جالوت مارا گیا' بنی اسرائیل میں ان کی شہرت ہو گئی اور طالوت کی حکمت نے ان سے اپنی بیٹی بیاہ دی اور طالوت کے بعد یہی بنی اسرائیل کے بادشاہ ہوئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شہادت کا کہ جس کو تابوت سکینہ کہتے ہیں' دشمنوں کے ہاں سے خود بخود آ جانا، معین کرنا۔ (۳) طالوت کا لشکر عظیم لے کر فلسطینیوں کے مقابلہ میں نکلنا اور آگے چل کر ان میں سے دریائے شورق پر بہادروں اور غیر بہادروں کا امتحان کرنا کہ جو اس کا پانی نہ پئے وہ میرے ساتھ آئے اور جو سوائے چلّو کے پئے حملۂ دشمن کی برداشت نہ کرے گا' میرے ساتھ نہ آئے۔ پھر پیاس کے غلبہ میں بجز تخمیناً کئی سو آدمیوں کے ہزاروں بنی اسرائیل کا پانی پینا۔ (۴) طالوت کے لشکر کا جالوت کے مقابلہ میں جا کر خدا تعالیٰ سے دعاء کرنا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ ع
اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ
مِنِّىْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ
هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ
اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۣ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا
يَشَاۗءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ
لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) اور خدا تعالیٰ نے ان کو الہام اور نبوت عطا کی' حکمت کے اسرار تعلیم فرمائے۔ یہ تمام قصہ بنی اسرائیل کا مسلمانوں کو جہاد پر قائم رہنے کے لئے سنا کر جہاد کی حکمت بھی ظاہر فرماتا ہے کہ انتظام عالم ہی خدا تعالیٰ نے اس پر مربوط کیا ہے کہ وہ بعض کی شوکت بعض سے برباد کرا دیتا ہے۔ ظالم قوموں کو دوسری قوموں سے غارت نہ کرے تو انتظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ ۱۲ منہ۔

ترجمہ:......اوران کے نبی نے ان سے کہا: طالوت کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا کہ جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں کہ جن کو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام چھوڑ گئے ہیں' اس کو فرشتے اٹھا لائیں گے۔ بیشک اس میں تو تمہارے واسطے (پوری) نشانی ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔ پھر جب طالوت (سردار قرار پا کر) جنگ کے لئے لشکر لے کر چلا تو کہہ دیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کیا چاہتا ہے' پھر جس نے اس (نہر) کا پانی پیا تو وہ میرا نہیں' اور جو کوئی اس کو نہ چکھے تو وہ میرا ہے۔ ہاں اگر کسی نے اپنے ہاتھ سے چلو بھر کر پی لیا (تو کچھ مضائقہ نہیں) سو ان میں سے سوائے چند لوگوں کے سب نے پی لیا۔ پھر طالوت اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اس (نہر) سے پار ہوئے تو لوگوں نے کہا کہ آج ہم کو جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ لیکن جن کو یقین تھا کہ ضرور ہم کو اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے' وہ بولے کہ (ایسا) بہت (دفعہ) ہوا ہے کہ تھوڑے سے لوگ بڑی جماعت پر حکم اللہ تعالیٰ سے غالب آ گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ میں آئے تو دعاء کرنے لگے کہ اے رب! ہم کو استقلال عطا کر اور ہمارے پاؤں جما دے اور ہم کو کافروں کی قوم پر غالب کر۔ پھر انہوں نے ان کو (دشمنوں کو) اللہ تعالیٰ کے حکم سے شکست دی اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ تعالیٰ نے داؤد کو بادشاہی اور حکمت عطا کی اور جو کچھ وہ چاہتا تھا اس کو سکھایا' اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے توسل سے بعض کو پست نہ کرتا رہے تو ملک کا انتظام بگڑ جائے' لیکن اللہ تعالیٰ تو مخلوق پر فضل کرنے والا ہے (اے نبی!) یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو صحیح صحیح پڑھ کر سناتے ہیں اور بیشک آپ بھی رسولوں میں سے ہیں۔

---

ترکیب:......ان یاتیکم خبر انّ۔ التابوت اصل وزن اس کا فاعول ہے۔ فیه سکینة جملہ موضع حال میں ہے اور اسی طرح تحمله الملائکة۔ من ربکم صفت ہے سکینہ کی۔ و بقیة اصل اس کی بقیية ہے' لام کلمہ ی ہے۔ الّا من اغترف استثناء ہے جنس سے اور ممکن ہے کہ اول من سے ہو اور یہ محل نصب میں ہے۔ غرفة غین کے فتحہ اور ضمہ دونوں سے جائز ہے یہ مصدر ہے' اور بعض کہتے ہیں کہ بالفتح کے معنی ایک بار چلو بھرنا اور بالضم کے معنی چلو۔ الّا قلیلا منصوب ہے کیونکہ استثناء ہے موجب سے لا کا اسم۔ طاقة اس کا عین کلمہ واؤ ہے لانه من الطوق و هو القدرة۔ لنا اس کی خبر الیوم اور جالوت میں عامل معنی استقرار ہے۔ کم من فئة۔ کم اس جگہ خبریہ ہے اور موضع اس کا رفع ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور غلبت اس کی خبر اور من زائدہ ہے۔ باذن اللہ موضع حال میں ہے' والتقدیر باذن اللہ لھم۔ ولو لا دفع اللہ الناس۔ دفع مصدر مبنی للفاعل مضاف ہے فاعل کی طرف اور الناس مفعول اور بعضھم بدل ہے الناس سے بدل بعض۔ ببعض مفعول ثانی ہے اس کی طرف فعل بواسطۂ جر متعدی ہوا ہے۔ تلک اٰیات اللہ مبتدا' نتلوھا علیک خبر اور نتلو حال ہے۔

## لشکر طالوت فتح پانا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت کا قتل ہونا اور بادشاہت پانا

تفسیر:......(۵) لشکر طالوت کا لشکر جالوت پر فتح پانا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت فلسطی کا قتل ہونا۔ (۶) داؤد علیہ السلام کو بادشاہی اور علم و حکمت عطا کرنا۔ یہ باتیں توراۃ کی اوّل کتاب سموئیل میں نہایت مشرحاً مذکور ہیں لیکن مجملاً بیان ان کا یہ ہے:

حضرت سموئیل علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل میں کوئی بادشاہ نہ ہوتا تھا بلکہ کاہن یعنی امام یا اس کے نائب قاضیوں کے طور پر فیصلہ کیا کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے تھے' وہ شریعت موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کے موافق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل آس پاس کی مشرک قوموں کی طرح جب بت پرستی اور زنا کاری کرنی شروع کرتے تھے تو قہر خدا ان پر نازل ہوتا تھا جس سے وہ ان قوموں سے شکست کھا کر ان کی رعیت ہو جاتے تھے اور طرح طرح کی ذلت و پریشانی اٹھاتے تھے۔ پھر جب توبہ کرتے تو خدا تعالیٰ ان پر اپنا فضل کرتا تھا۔ چنانچہ جب عہدون سردار اسرائیلی تین سو بہتر سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مر گیا تو بنی اسرائیل نے پھر بت پرستی اور

بے دینی اختیار کی جس سے ان پر فلسطین ❶ کے لوگ غالب آ گئے اور چالیس برس تک ان کی حکومت رہی۔ پھر شمسون کے عہد میں خلاصی ملی۔ شمسون بیس برس تک سلطنت کرتا رہا۔ آخر اس پر پھر اہل فلسطین غالب آ گئے اور اس کو پکڑ کر لے گئے اور بنی اسرائیل کا بڑا ابتر حال ہو گیا۔ پھر تخمیناً چار سو بیالیس برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل میں ایک شخص عیلی نام کا کاہن ہوا' اور اس کے عہد میں کوہستان افرائیم میں القانہ ایک شخص ہر سال سیلا میں قربانی اور سجدہ کرانے آتا تھا۔ اس کی دو بیویاں تھیں' ایک کا نام فننہ اور دوسری کا نام حنہ تھا۔ مگر حنہ کے اولاد نہ ہوتی تھی اس لئے وہ غمگین رہتی تھی۔ ایک بار اس نے (جب ہیکل میں قربانی کرنے آئی تو) رو کر خدا تعالیٰ سے دعاء مانگی کہ مجھ کو فرزند عطا کرے تو میں اس کو تیرے لئے نذر گزاروں گی۔ سو خدا تعالیٰ نے اس کی مراد دی۔ اس کے پیٹ سے ایک لڑکا پیدا ہوا' اس کا نام سموئیل رکھا جس کے معنی عبرانی میں خدا تعالیٰ سے مانگا ہوا یا ''اللہ دیا'' ہوتے ہیں۔

جب سموئیل کا دودھ بڑھ چکا ❷ تو اس کی ماں اور باپ اس کو اپنے شہر رامہ سے سیلا میں خداوند کے گھر لائے اور وہ لڑکا بہت ہی چھوٹا تھا' تب انہوں نے ایک جوان بیل کو ذبح کیا اور لڑکے کو عیلی کے پاس لائے اور وہ عیلی کاہن کے آگے خداوند کی خدمت کرتا رہا۔ عیلی کے بیٹے بدچلن تھے جن سے عموماً بنی اسرائیل ناراض تھے اور سموئیل علیہ السلام خداوند اور آدمیوں کے آگے مقبول ہوتا چلا گیا۔ اس عرصہ میں سموئیل نے عیلی کے بیٹوں کی بابت رات کو خواب میں دیکھا کہ جس میں خدا تعالیٰ نے عیلی کے خاندان برباد کرنے کی خبر سموئیل کو دی۔ صبح کو یہ خبر عیلی اور بنی اسرائیل نے سنی اور سموئیل علیہ السلام کی تمام بنی اسرائیل میں نبوت اور بزرگی تسلیم ہونے لگی۔ پھر بنی اسرائیل فلسطینیوں سے لڑنے نکلے اور ابن عزر کے پاس خیمے لگائے اور فلسطینیوں نے افیق میں اپنے خیمے قائم کئے اور باہم صف بندیاں ہو کر مقابلہ شروع ہوا تو بنی اسرائیل نے شکست کھائی اور قریب چار ہزار آدمی مارے گئے۔

**تابوتِ سکینہ:**...... پھر لشکر گاہ میں بنی اسرائیل نے آ کر یہ تجویز کی کہ آؤ ہم خدا تعالیٰ کے عہد کا صندوق سیلا سے اپنے پاس لائیں کہ اس کی برکت سے فتح پائیں اور جب وہ صندوق لشکر گاہ میں آ پہنچا اور اس کے ساتھ عیلی کے دونوں بیٹے فینحاس اور حُفنی بھی آئے تو بنی اسرائیل نے اس زور سے للکارا کہ زمین لرز گئی۔ جب فلسطینیوں کو حال معلوم ہوا تو آپس میں عہد کیا کہ مردانگی اور مضبوطی سے جنگ کریں گے۔ سو فلسطینی لڑے اور بنی اسرائیل نے شکست کھائی اور تیس ہزار بنی اسرائیلی مارے گئے اور وہ خداوند کے صندوق کو بھی لوٹ کر لے گئے اور عیلی کے دونوں بیٹے بھی مارے گئے۔ تب بنی بنیامین میں کا ایک شخص کپڑے پھاڑ کر سر پر خاک اڑاتا ہوا اسی روز سیلا میں پہنچا اور عیلی کرسی پر بیٹھا ہوا انتظار کر رہا تھا اور اس کا دل صندوق شہادت کے لئے کانپ رہا تھا اور جوں ہی اس شخص نے شہر میں پہنچ کر خبر دی تو سارا شہر چلایا اور عیلی نے جو شور کی آواز سنی تو کہا: یہ شور کیا ہے؟ سو اس شخص نے عیلی سے سب ماجرا کہا اور جوں ہی اس نے یہ خبر سنی تو کرسی پر سے پچھاڑ کھا کر گر گیا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا کہ وہ بوڑھا تھا۔ یہ چالیس برس بنی اسرائیل کا قاضی رہا (اوّل کتاب سموئیل' باب ۴)۔

یہ واقعہ ہے کہ جس میں تابوت سکینہ بنی اسرائیل کے ہاتھ سے جاتا رہا اور فلسطینی لوگ اس کو اپنے ملک میں لے گئے۔ اس وقت بنی اسرائیل میں سموئیل علیہ السلام بزرگ مانے جاتے تھے۔ ان کی نصیحت سے بنی اسرائیل نے بت پرستی اور بدفعلی ترک کی اور اس حادثہ کے تخمیناً بائیس برس بعد بمقام مصفاہ سموئیل علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے فلسطینیوں کے مقابلہ پر آمادہ کیا۔ آخر الامر بنی اسرائیل نے فتح پائی اور عقرون سے لے کر جات تک جس قدر بستیاں ان کے قبضہ میں آ گئی تھیں' پھر بنی اسرائیل کے قبضہ میں آئیں (باب ۷) پھر جب سموئیل علیہ السلام

---

❶ ...... فلسطین ملک شام کا وہ ٹکڑا ہے کہ جو مغرب اور جنوب کی طرف بحر روم سے ملا ہوا ہے جیسا کہ ہم نے نقشہ میں دکھایا ہے۔ یہاں کے لوگ مشرک اور بت پرست تھے۔ یہ لوگ ہمیشہ بنی اسرائیل سے جنگ وجدال کیا کرتے تھے' کبھی غالب کبھی مغلوب ہو جاتے تھے۔ آخر حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عہد میں بالکل مغلوب ہو گئے تھے۔ ۱۲ منہ۔

❷ ...... مدت رضاعت ختم ہو گئی اور اس کا دودھ چھڑوا دیا گیا۔

بوڑھے ہو گئے تو لوگوں نے رامہ میں جمع ہو کر سموئیل علیہ السلام سے کہا: دیکھ تو بوڑھا ہوا اور تیرے بیٹے یوایل اور ابیاہ تیری راہ پر نہیں چلتے بلکہ نفع کی پیروی کرتے اور رشوت لیتے اور عدالت میں طرفداری کرتے ہیں۔ اب تو کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر کہ جو ہم پر حکومت کیا کرے اور ہمارے آگے آگے چلے اور ہمارے لئے لڑائی کرے (باب ۸) تب سموئیل علیہ السلام نے مصفاہ میں خداوند کے حضور لوگوں کو بلایا اور کہا: خداوند اسرائیل کا ایسا فرماتا ہے کہ میں اسرائیل کو مصر سے نکال لایا۔ اب تم نے بادشاہ کی درخواست کی' سو ایک ایک فرقہ کر کے ہزار ہزار سب کے سب خداوند کے آگے حاضر ہو جاؤ اور جب سب حاضر ہوئے تو قرعہ بنیامین کے فرقہ کے نام پر پڑا' پھر ان میں سے مطری کے گھرانے کا نام نکلا اور قیس کے بیٹے ساؤل کا نام نکلا جو خوب جوان تھا اور بنی اسرائیل میں اس سے خوب صورت کوئی شخص نہ تھا۔ یہ ساری قوم میں کاندھے سے لے کر اوپر تک ہر ایک سے اونچا اور شہر جبعہ کا رہنے والا تھا۔ مگر بنی بلعال نے اس کی تحقیر کی کہ یہ کس طرح ہم کو بچائے گا؟ سموئیل علیہ السلام نے کہا کہ اس کی سلطنت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق شہادت آ جائے گا۔ پس ساؤل کی بادشاہت قائم ہوگئی اور سموئیل علیہ السلام کی صلاح سے فلسطیوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں اور فلسطی روز بروز دبتے چلے گئے اور وہ صندوق جو لوٹ کر لے گئے تھے' جہاں اس کو رکھا وہیں ان پر بیماری وغیرہ سخت بلائیں نازل ہوئیں اور یہ بھی سمجھے کہ بنی اسرائیل کی لڑائی ہم سے جب تک کہ یہ صندوق ہمارے ہاں رہے گا' موقوف نہ ہوگی اس لئے انہوں نے اس کو ایک گاڑی میں رکھا اور اس کے ساتھ ایک صندوقچہ میں کچھ سونے کی تصویریں بھی بند کر کے رکھ دیں اور اس گاڑی کو بیت شمس کی طرف جو کہ بنی اسرائیل کا شہر' ان کی حد سے ملتا تھا' چھوڑ دیا۔ اس گاڑی کو فرشتے ہانک کر بیت شمس میں ایک شخص یشوع کے کھیت میں لے آئے۔ ان لوگوں نے بڑی خوشی کی اور صندوق کو گاڑی سے اتار لیا اور پھر قریہ یعاریم کے لوگوں کو کہلا بھیجا' وہ آ کر اس کو اپنے ہاں لے گئے۔ اس کے واپس آنے سے بنی اسرائیل میں نہایت خوشی پیدا ہوئی۔ اس عرصہ میں کئی باتوں میں ساؤل یعنی طالوت نے سموئیل علیہ السلام کی نافرمانی کی جس سے وہ ناخوش ہوئے جس پر خدا تعالیٰ نے سموئیل علیہ السلام کو کہا کہ تو کب تک ساؤل کی بابت غم کھاتا رہے گا۔ تو بیت لحم میں جا اور یسیٰ کے بیٹوں کو بلا ان میں سے جس کو میں بتلاؤں اس کو منتخب کر چنانچہ سموئیل علیہ السلام وہاں گئے اور یسیٰ کے بیٹوں کو بلایا کسی کو بھی پسند نہ کیا، پھر پوچھا کہ تیرے یہی لڑکے ہیں؟ اس نے کہا سب سے چھوٹا ایک اور ہے اور وہ بھیڑ بکریاں چراتا ہے۔ سموئیل علیہ السلام نے کہا اسے بلا بھیج۔ سو اس نے بلایا، وہ سرخ رنگ اور خوش چشم اور دیکھنے میں اچھا تھا۔ تب سموئیل علیہ السلام نے تیل لے کر داؤد علیہ السلام پر ملا اور پھر سموئیل علیہ السلام رامہ چلے گئے۔ اس کے بعد فلسطینیوں نے جنگ کے ارادہ سے اپنی فوجیں جمع کیں اور یہوداہ کے شہر شوکہ میں فراہم ہوئے اور شوکہ اور عزیقہ کے درمیان افسدمیم میں خیمہ زن ہوئے۔ ان کے مقابلہ میں طالوت نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے ایلہ کے قریب خیمے لگائے (یہ وہ لڑائی ہے کہ جو قرآن مجید کی ان آیات میں بیان ہوئی ہے)۔ ان دونوں لشکروں کے درمیان دریائے شورق واقع تھا۔ فلسطی اس کے جنوبی طرف میں تھے اور بنی اسرائیل شمالی طرف میں۔

چونکہ متواتر فتوحات سے بنی اسرائیل کا حوصلہ بڑھ گیا تھا اس لئے بنی اسرئیل کے عام وخواص' بہادر وغیر بہادر سب نکل کھڑے ہوئے تھے اور تجربہ کاروں کے نزدیک عام بھیڑ بھاڑ لڑائی میں اکثر شکست کا باعث ہو جایا کرتی ہے۔ اس خیال سے طالوت نے دریا پر پہنچ کر جب کہ لشکر میں گرمی اور تشنگی تھی' انتخاب کرنا چاہا اور ان سے پیشتر مدیانیوں کے مقابلہ جدعون اسی طرح کا انتخاب کر چکا تھا اور حکم دیا کہ جو اس کا پانی پی لے میرے ساتھ نہ آئے' مگر چلو بھر کے زبان تر کر لینے کا کچھ مضائقہ نہیں۔ سو اس عام بھیڑ میں سے انہیں دل چلوں اور بہادروں نے نہ پیا کہ جو اپنے جوش اور حمیت سے جنگ میں شریک ہوئے تھے' ورنہ سب نے پی لیا۔ پھر جب ان بہادروں کا فلسطینیوں سے آمنا سامنا ہوا تو ان میں سے ایک شخص جالوت نام کا جو بڑا قد آور تھا اور پیتل کی زرہ پہنے ہوئے اور سر پر پیتل کا بڑا بھاری خود دھرے ہوئے تھا' سب سے پہلے صف میں سے نکل کر اپنا مقابلہ مانگنے لگا۔ بنی اسرائیل میں سے کسی کی جرأت اس کے مقابلہ کے لئے نہ ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے بادشاہ نے بڑے انعام واکرام کا وعدہ کیا تو داؤد علیہ السلام اس کے مقابلہ کو چلے اور اپنا لٹھ ہاتھ میں لیا

اور پانچ پتھر چکنے چکنے اپنے واسطے چن لئے اور جھولے میں ڈالے اور فلاخن لے کر اس کی طرف قدم بڑھائے۔ جالوت نے داؤد علیہ السلام کو حقیر جان کر کہا: کیا میں کتا ہوں جو تو لٹھ لے کر مجھ پر آیا ہے؟ داؤد علیہ السلام نے کہا: تو تلوار' ڈھال' برچھا لے کر میرے پاس آیا ہے' میں رب الافواج کے نام سے تیری طرف آیا ہوں۔ جالوت نے حملہ کیا۔ داؤد علیہ السلام نے پھرتی کر کے ایک پتھر فلاخن میں دھر کر جالوت کے ماتھے پر ایسا مارا کہ وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور اسی کی تلوار سے اس کا سر کاٹ لیا۔ یہ حال دیکھ کر فلسطی بھاگ نکلے اور ہزاروں مارے گئے۔ تب داؤد علیہ السلام اس کا سر لے کر یروشلم میں آئے جس سے بنی اسرائیل میں ان کی دھوم ہوگئی اور طالوت نے اپنی چھوٹی بیٹی میکل کا داؤد علیہ السلام سے بیاہ کر دیا مگر دل میں رشک اور حسد پیدا ہو گیا۔ داؤد علیہ السلام کے قتل کی بہت سی تدبیریں کیں مگر کوئی پیش نہ چلی۔ آخر الامر طالوت اور اس کے بیٹے ایک عرصہ کے بعد فلسطیوں کی لڑائی میں مارے گئے اور بنی اسرائیل کی تمام سلطنت داؤد علیہ السلام کو ملی (کتاب اوّل سموئیل)

**عیسائی مؤرخین کے اعتراضات:**......عیسائی مؤرخ ان آیات پر دو اعتراض کیا کرتے ہیں (۱) یہ کہ تابوت سکینہ طالوت کے بادشاہ مقرر ہونے سے پہلے آ گیا تھا' جیسا کہ کتاب سموئیل سے ثابت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب سموئیل میں خود تعارض ہے۔ اس کے ۱۵ باب ۲۹ ورس میں ہے "یعنی خدا وہ انسان نہیں ہے کہ پچھتائے" پھر اسی باب کے ورس ۳۵ میں ہے "خداوند بھی پچھتایا کہ اس نے ساؤل کو بنی اسرائیل کا بادشاہ کیا"۔ پھر اسی کتاب کے باب ۱۶' ورس ۲۱ میں ہے کہ "داؤد علیہ السلام کو ساؤل نے اپنے پاس بلایا وہ آیا اور اس نے پیار کیا اور اپنا اسلحہ بردار کیا" جس سے معلوم ہوا کہ ساؤل' داؤد علیہ السلام اور ان کے باپ سے خوب واقف تھا۔ پھر باب ۱۷' ورس ۳۱ سے ۳۹ تک یہ ثابت ہے کہ "ساؤل' داؤد علیہ السلام سے واقف نہ تھا"۔ اس وجہ سے خود عیسائی مؤرخ یہ قصہ کہتے ہیں قصہ الٹ پلٹ ہو گیا۔ بلکہ بعض اس باب کو الحاقی کہتے ہیں۔ علاوہ اس کے یہ بھی تحقیق نہیں کہ یہ کتاب کس کی تصنیف ہے۔ کوئی خود سموئیل کی کہتا ہے' کوئی ناتن نبی کی' کوئی یرمیاہ کی۔ پھر جب اس کے لکھنے والے مختلف لوگ ہوں تو الٹ پلٹ ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں جس سے یہ یقین ہو سکتا ہے کہ جس طرح قرآن میں بیان ہے' وہی صحیح ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ کتاب سموئیل میں لشکر کا پانی سے آزمایا جانا نہیں پایا جاتا اور نہ بوقت مقابلہ دعاء کرنا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب سموئیل میں نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ باتیں واقع نہیں ہوئیں۔ کوئی عیسائی کہہ سکتا ہے کہ تمام باتیں کتاب سموئیل میں مندرج ہوگئی ہیں:

تابوت سکینہ کہ جس کو خداوند کا صندوق کہتے ہیں' اس میں کچھ من اور وہ لوحیں کہ جو موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر ملی تھیں اور ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے بعض کپڑے اور عصا رکھا ہوا تھا۔

# پارہ (۳) تِلْكَ الرُّسُلُ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ ع ۱

ترجمہ:......ان رسولوں میں بھی ہم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جن سے اللہ نے کلام کیا اور بعض کے درجے بلند کئے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے کھلے ہوئے معجزات عطا کئے اور روح القدس * سے ان کو مدد بھی دی، اور اگر اللہ چاہتا تو ان (انبیاء) کے بعد والے اپنے پاس کھلے کھلے احکام آئے پیچھے ❶ آپس میں نہ لڑتے لیکن آپس میں اختلاف کر بیٹھے، پھر بعض تو ان میں سے ایمان لے آئے اور بعض ان میں سے منکر ہو گئے اور اگر اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے مرتے۔ لیکن اللہ جو چاہتا ہے (سو) کرتا ہے۔﴿۲۵۳﴾

ترکیب:......تلک مبتدا الرسل خبر اور ممکن ہے تلک الرسل مبتدا فضلنا خبر ہو۔ من کلم اللہ بدل ہے محل فضلنا سے درجات حال ہے بعضهم سے اور ممکن ہے کہ فی مقدر ہو من بعد......الخ بدل ہے مِنْۢ بَعْدِهِمْ سے مع اعادۃ حرف جر و لکن استدراک ہے مضمون ماقبل سے۔

## انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت

تفسیر:......اس سے پہلے خدا تعالیٰ نے طالوت و جالوت اور ان کے باہم مقابلہ اور ایمان داروں کے استقلال کا ذکر کر کے جہاد کے مشروع ہونے کی وجہ بیان فرمائی تھی کہ اس سے خدا مفسدوں کے شر کو دفع کرتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو مفسد لوگ ملک کو ویران کر دیا کریں۔ اور یہ انبیاء اولو العزم کا قدیم معمول ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض بے جا ہے کہ نبیوں کا کام لڑائی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انھیں رسولوں میں سے ہیں جو ایسا کام کرتے آئے ہیں، اور اس لئے طالوت و جالوت کا قصہ بیان کیا گیا۔ اب یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ شر کے دفع کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں جو درجات میں مختلف ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل میں اول سرگروہ موسیٰ علیہ السلام تھے جن کی طرف

*......روح القدس سے بعض کہتے ہیں جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ روح کہ جو حضرت عیسیٰ اور حواریوں پر نازل ہوئی تھی، جس کی وجہ سے معجزات و کرامات دکھاتے تھے اور یہی ان کی موید تھی۔ ❶......یعنی واضح احکام آنے کے بعد آپس میں لڑتے۔ از مصحح محمد عابد قریشی غفر اللہ لہ۔

مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ ① کے ساتھ اشارہ کیا اور آخر بنی اسرائیل میں بڑے اولوالعزم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کے فضائل وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ کے ساتھ بیان ہوئے۔ اور ان کے درمیان حضرت سموئیل اور داؤد اور الیاس اور نحمیاہ اور یرمیاہ اور دانیال وغیرہم علیہم السلام موسیٰ کی شریعت کی اصلاح کرنے والے گزرے ہیں۔ اور اے محمد! آپ بھی رسول برحق ہیں اس بات کی طرف تلك آیات اللہ میں اشارہ کیا یعنی باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح صحیح اور جزئیات احوال کا اس طرح بیان کرنا (کہ جو مطابق واقع ہوں، حالانکہ بائبل کے علماء بھی اس طرح بیان نہیں کر سکتے۔ خود بائبل میں تعارض اور غلطیاں ہیں) آپ کا کام نہیں بلکہ ہم آپ کو یہ باتیں ٹھیک ٹھیک جبرائیل کی معرفت سناتے ہیں۔

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دی گئی ہے کہ پہلے زمانوں میں موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے متبعین کو بنی اسرائیل کے سرکشوں نے نہ مانا اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر انکار کیا، اگر آپ کا انکار اور آپ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں تو کچھ نئی اور تعجب کی بات نہیں نہ یہ رسالت کا قصور ہے۔ اس کے بعد مفسد اور سرکشوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ الآیہ، کہ یہ ان کا راہِ حق میں اختلاف تقدیر الٰہی کی وجہ سے ہے۔ اس میں اُن نادانوں کے اعتراض کا بھی جواب ہے جو کہتے ہیں خدا کیوں لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا اور کیوں انبیاء بھیج کر ہدایت پر مجبور کرتا ہے، کہ جو کچھ ہوتا ہے ہماری تقدیر سے ہوتا ہے لیکن ہم ہر حال میں اتمامِ حجت کرنے کے لئے اسباب ہدایت دکھاتے ہیں۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

ترجمہ:......ایمان والو! اُس دن کے آنے سے پہلے کہ جس میں نہ کچھ خرید و فروخت ہوگی نہ یاری اور نہ سفارش (کام آئے گی) ہمارے دیے میں سے دے لو اور کافر ہی ظالم ہیں ﴿۲۵۴﴾ اللہ کے سوا کوئی (بھی) معبود نہیں وہ (ہمیشہ) زندہ قائم ہے نہ اُس کو اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور میں (کسی کی) سفارش کر سکے۔ اس کے اگلے اور پچھلے

① کوئی یہ شبہ نہ کرے (کہ یہاں تو خدا تعالیٰ کلم اللہ فرماتا ہے کہ خدا نے کلام رسولوں سے کیا اور سورہ شوریٰ میں یہ فرمایا وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا، الآیہ کہ کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ خدا اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی کے یا حجاب سے یا فرشتے کے ذریعہ سے پس تعارض پایا گیا) کس لئے کہ یہاں جو کلام کرنا فرمایا ہے اس سے مراد اسی طرح کا کلام کرنا ہے جو سورہ شوریٰ میں بیان ہوا یعنی بذریعہ وحی یا حجاب یا فرشتے کے ذریعہ سے کس لئے کہ رو برو بالمشافہ جیسا کہ انسان باہم کلام کرتے ہیں اس طرح اس سے کوئی نہیں کر سکتا، پس تعارض نہ رہا۔

سب حالات کو وہی جانتا ہے اور اس کے علم کا کوئی بھی احاطہ نہیں کر سکتا مگر جس قدر کہ (اس نے) چاہا اس کی کرسی (حکومت) نے آسمانوں اور زمین کو گھیر لیا ہے اور وہ ان کی حفاظت کرنے سے نہیں تھکتا اور وہ عالی شان (بڑی) عظمت والا ہے۔

**ترکیب:**...... انفقوا، اس کا مفعول شیئاً محذوف ہے مما میں ما بمعنی الذی اور عائد محذوف ہے ای رزقنا کموہ لا بیع فیہ جملہ صفت یوم ۔ ولا خلۃ ولا شفاعۃ معطوف ہے بیع پر اللہ مبتدا لا الٰہ الا ھو جملہ خبر الحی القیوم خبر ثانی، لا تاخذہ جملہ مستانفہ اور ممکن ہے کہ خبر ہو حی کی ۔ سنۃ اصل میں وسن مثل وعد یعد عدۃ

## آیۃ الکرسی میں خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کا ذکر

**تفسیر:**... پہلے خدا تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا تھا اور قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فرمایا تھا جس طرح اس کی تائید اور فوائد ظاہر کرنے کے لئے طالوت کا قصہ سنایا تاکہ ترقی دارین دل پر جم جائے۔ اس کے بعد اللہ کی راہ میں صرف کرنے کی تاکید کی تھی کہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا اسی طرح اس حکم کی تائید کے لئے پھر یہ آیت اَنْفِقُوْا... نازل فرمائی کیونکہ جان و مال کا صرف کرنا نفس پر گراں گزرتا ہے اور یہ بات بتلا دی کہ آج جو کچھ نیکی کرنی ہو سو کر لو کل یعنی روز حشر نہ کوئی عمل مول مل سکتا ہے نہ وہاں کسی کی دوستی کام آسکتی ہے نہ سفارش۔ پھر جو کچھ کافروں پر عذاب اور سختی ہوگی وہ انھیں کے ہاتھوں سے ہوگی کہ انہوں نے دنیا میں سعادت حاصل نہ کی سو یہ ظلم اُن کے نفسوں پر انھیں کی طرف سے ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ اپنی صفات کے متعلق مسائل بیان فرماتا ہے کس لئے کہ قرآن مجید ہے کہ وہ علم توحید اور علم احکام اور علم قصص کو بڑی خوبی سے ملا کر بیان کرتا ہے۔ ہر ایک قصہ یا واقعہ کو ایسے موقع پر لا کر بیان کرتا ہے کہ جس سے اس کی توحید وصفات کاملہ کا ثبوت ہوتا ہے یا احکام پر نفس کو رغبت ہوتی ہے اور یہ بیان کا نہایت عمدہ طریق ہے تاکہ طبیعتِ سامع کو ملال نہ ہو اور جب وہ ایک بیان سے دوسرے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو گویا ایک باغ کی سیر کر کے دوسرے کی سیر کرتا ہے جس سے دل پر فرحت پیدا ہوتی ہے سو اس سے اُس نے یہ آیت اَللّٰہُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہ جس کو آیۃ الکرسی کہتے ہیں نازل فرمائی اس میں ان جملہ عیوب و اعتراضات کی کہ جو جہاد کے بارے میں جاہل لوگ خدا پر کرتے ہیں نفی کر دی گئی۔ اس آیت کے مضامین کی خوبی بیان سے باہر ہے تمام کتب الہامیہ میں اس قدر مطالب اس کی ذات وصفات کے متعلق نہیں ہیں اسی لئے احادیث صحیحہ میں اس کے فضائل بے شمار آئے ہیں جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں جو چاہے مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ کتابوں میں دیکھ لے۔

**متعلقات:**......(۱) اَللّٰہُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ منصب نبوت کا یہ پہلا کام ہے کہ اس کی ذات کا ثبوت کر کے جس قدر بے وقوفوں نے اس کے ساتھ شریک بنا رکھے ہیں ان کی نفی کر کے اس کی صفاتِ کاملہ کا ثبوت کرے اور جو کچھ قوتِ متوہمہ نے مخلوقات اور محسوسات پر قیاس کر کے اُس بے چون و بے چگوں میں عیوب ثابت کر رکھے ہیں ان کو مٹا دے اس لئے سب سے مقدم لفظ اللہ کو ذکر کیا کہ جو ایسی ذات کا نام ہے کہ جس میں محتاجی نہ ہو اور پھر سب نقصان کی باتوں سے پاک ہو۔ سو جب عاقل اس مضمون کو خیال کر کے تمام کائنات کی طرف دیکھے گا تو سب کو حادث اور فانی اور مستعار الوجود جان کر ضرور یقین کرے گا کہ اس عالمِ حسّی کے پردے میں ضرور کوئی ایسا شخص ہے کہ جس کی طرف سب کے وجودات کے سلسلے منتہی ہوتے ہیں اور جس کے ہاتھ میں سب کی ڈوریاں ہیں یا جس کے نور کی سب شعاعیں ہیں اس کے بعد اَللّٰہُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے اس کی وحدانیت ثابت کی اور عالم وجود میں اُس کے وجود کے آگے سب کو پست کر دیا۔

**حَیُّ الْقَیُّوْمُ کے معنی:**...... اس کے بعد اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کہہ کر اس کی حیات حقیقی اور اس کا واجب الوجود ہونا ثابت کر دیا۔ اَلْقَیُّوْمُ بروزن فیعول من قام یقوم پھر جب واو، ی جمع ہوئے اور اول ساکن تھا تو واو کو ی کر کے ی میں ادغام کر دیا۔ مجاہدؒ کہتے ہیں اس کے معنی ہر چیز پر قائم کے

ہیں یعنی ہر شخص کے رزق و روزی وغیرہ امور کی تدبیر کرنے والا۔ ضحاک کہتے ہیں: دائم الوجود۔ قوی یہ ہے کہ اس کے معنی واجب الوجود کے ہیں۔ سو یہ لفظ تمام صفات کمالیہ کا سرچشمہ ہے اور تمام عیوب و نقائص سے پاک ہونے کا منبع۔ اس کے بعد پھر کسی صفت کی تشریح اجمال کی تفصیل ہے اس کے بعد لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ سے یہ بات ثابت کر دی کہ وہ جمیع خصائص ممکنات سے بری ہے پھر جب ایسا ہے تو لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کہ تمام آسمان و زمین اُسی کے ہیں اس کے آگے اور کون ہے جو ہمسری کا دعویٰ کرے یا اپنی وجاہت اور دھمکی کسی کی سفارش کر سکے، مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ جب تمام ممکنات اس کی معلول اور وہ سب کی علت ہے تو ہر چیز کا علم اس کو حاضر ہے يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ بخلاف اور ممکنات کے کہ ان کو دوسری ممکنات سے یہ علاقہ نہیں۔ پھر کون ہے کہ جن چیزوں کو وہ جانتا ہے وہ بھی جانے، وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ ہاں جس قدر چیزیں اُس نے اپنے بندوں کو خواہ بذریعہ حواس خواہ بذریعہ الہام وحی بتلائی ہیں اُسی قدر بندے جان سکتے ہیں اِلَّا بِمَا شَآءَ۔

**رب تعالیٰ کے لیے کرسی کے ثبوت کی وضاحت:......(۲)......** وَسِعَ كُرْسِيُّهُ کرسی کے لغوی معنی ایک چیز کا دوسرے سے ملنا (والکرس ابوال الدواب و ابعارها يتلبد بعضها فوق بعض و منه الكراسة لتركب بعض او راقها على بعض۔ تفسیر کبیر) اور کرسی کو بھی اسی لئے کرسی کہتے ہیں کہ اس کی لکڑیاں باہم ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ علماء محققین کہتے ہیں وہ کرسی اور تخت پر بیٹھنے سے پاک ہے یہ الفاظ بطور استعارات اس کی ذاتِ مقدسہ کے لئے قرآن میں مستعمل ہوئے ہیں اس جگہ اس کے معنی سلطنت اور قدرت کے ہیں کہ جو ہر چیز کی ایجاد کے لئے اصل ہے۔ والعرب یسمون اصل کل شئی الکرسی اس تقدیر پر آیت کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی قدرت آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے کوئی چیز اُس سے باہر نہیں اور یہ قرینِ قیاس ہے کیونکہ خدا تعالیٰ بندوں سے ان کی عادات و عرف کے موافق کلام کرتا ہے سو جس طرح بندے بادشاہ کے لئے تخت اور کرسی تصور کرتے ہیں اسی طرح یہ الفاظ اُس نے اپنی ذاتِ پاک کے لئے بولے اس سے ظاہری معنی مراد نہیں۔ اہلِ حدیث یہ کہتے ہیں کہ ان الفاظ کے جو معنی ہیں اس کی ذات کے لئے ثابت ہیں مگر ہم اس کی حقیقت و کیفیت نہیں جانتے۔ اور ظاہریہ اور اُن کے مقلد نہایت غلو کر کے اُس کے لئے عرش پر بیٹھنا اور دیگر خواص جسمانیہ صرف خبر آحاد اور ظاہر الفاظ کے زور پر ثابت کرتے ہیں، اور یہ نہیں جانتے کہ قرآن میں جس طرح حقیقت کا استعمال ہوا ہے اُسی طرح مجاز اور کنایہ اور استعارہ اور تشبیہ کا بھی۔

**شفاعت کا ثبوت:......(۳)......** مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اس سے معتزلہ نے شفاعت کا انکار کیا ہے مگر یہ اُن کی غلط فہمی ہے اس سے تو شفاعت کا ثبوت ہوتا ہے۔ غایۃ الامر یہ کہ شفاعت اُس کے اِذن پر موقوف ہے سو اُس نے اپنے حبیب ﷺ کو دے دیا ہے اور پھر قیامت کو اس کو تازہ کرے گا اس لئے آنحضرت علیہ السلام شافع اکبر ہیں۔ بنی آدم حضرت ﷺ کے دامن تلے پناہ لیں گے، آپ ﷺ ایمان داروں کو پناہ دیں گے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۥ وَالَّذِيْنَ

كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

ع اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

ترجمہ:...... دین میں (کوئی) زبردستی نہیں گمراہی سے ہدایت (خود) متمیز ہو چکی ہے پھر جس نے جھوٹے معبودوں کا انکار کر دیا اور اللہ کو مان لیا تو اُس نے ایسا مضبوط سہارا پکڑ لیا کہ جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سُنتا جانتا ہے ﴿۲۵۶﴾ اللہ ایمانداروں کا مددگار ہے اُن کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لا رہا ہے اور جو منکر ہیں ان کے دوست شیاطین ہیں (وہ) ان کو نور سے نکال کر اندھیروں میں لا رہے ہیں یہی دوزخی بھی ہیں وہ دوزخ میں سدا رہیں گے ﴿۲۵۷﴾۔

---

ترکیب:...... اکراہ اسم لا فی الدین خبر تبین اے تمیز فعل الرشد فاعل من الغی موضوع نصب میں مفعول ہو کر تمام جملہ علت ہے لا اکراہ کی فمن یکفر... شرط طاغوت اس کی اصل طغیوت ہے کیونکہ یہ طغیت تطغی کا مصدر ہے مثل ملکوت اور رھبوت کے، یہ مذکر مؤنث دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے فقد استمسک...... الخ جزا الوثقی مؤنث ہے اوثق کا مثل اوسط ووسطیٰ لا انفصام لھا جملہ حال ہے ضمیر وثقی سے یا عروۃ سے اللہ مبتدا ولی الذین...... الخ خبر یخرجھم جملہ حال ہے اللہ سے وقس علیہ الباقی۔

## دینِ اسلام میں جبر نہیں ہے

تفسیر:...... اگرچہ پہلی آیات میں خدا تعالیٰ جہاد کی علت فرما چکا تھا وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ الآیہ اور معترضوں کو جواب شافی دے چکا تھا مگر وہ جواب اشارۃً تھا اس لئے اس کی تشریح اور تفسیر کر دی کہ جہاد سے یہ غرض نہیں کہ کسی کو زبردستی مسلمان کیا جاوے اور بزورِ شمشیر اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے جیسا کہ مخالفین اسلام کج فہمی سے یہ تصور کر کے اسلام پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور یہ اس لئے کہ خدا نے اپنی نبی برحق ﷺ کی معرفت وہ معجزات و آیات بینات ظاہر کئے کہ جن سے حق و باطل میں رات دن کی طرح امتیاز ہو گیا پھر اب جو کوئی غیر اللہ کی عبادت و شانِ الوہیت کا انکار کر کے خدائے واحد پر ایمان لاتا ہے تو وہ ایک ایسے قوی وسیلہ کو پکڑتا ہے کہ جو کبھی نہیں ٹوٹے گا اور اللہ خلوص دل اور زبانی باتیں سب کو سُنتا اور جانتا ہے۔

ایمان ایسی عمدہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ بندہ سے محبت کرتا ہے اور اس کو کفر اور طبیعت اور رسوم کی اندھیریوں سے نکال کر نور میں داخل کرتا ہے اور جو اُس پر ایمان نہیں رکھتے ان کے محب اور مددگار شیاطین ہیں کہ جو اُن کو نورِ فطرت سے نکال کر کفر اور اخلاق رذیلہ اور شہوات وحبِ جاہ و مال کی اندھیریوں میں ڈالتے ہیں جو موت کے بعد جہنم کی صورت میں ظاہر ہوں گی اور جس طرح ان اندھیریوں سے ان کو عمر بھر رستگاری نہ ہوئی وہاں بھی نہ ہو گی اس لئے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

فائدہ: جہاد کی غرض زبردستی اسلام پھیلانا نہیں:...... پس جہاد سے یہ غرض نہیں جو مخالفین سمجھتے ہیں بلکہ دنیا سے شر و فساد کا دفع کرنا اور قبیحات کا مٹانا اور دنیا کے ناپاک کرنے والوں کی شوکت کا توڑنا سو یہ عین مقتضی رسالت اور نتیجہ سلطنت آسمانی ہے جس کے ظہور کی حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہم السلام خبر دیتے آئے ہیں اس پر اعتراض کرنا عقل سلیم پر پتھر پھینکنا ہے۔ طاغوت سے مراد سرکش ہیں جن کا مصداق بعض نے شیاطین جن و انس کو قرار دیا ہے یعنی ان کے گروہ اور سرگروہ جو کفریات کی تعلیم کرتے تھے بعض نے بت مراد رکھے ہیں، واللہ اعلم۔ عروہ اس کی جمع عُرا آتی ہے اس کے معنی دستہ وغیرہ کے ہوتے ہیں جیسا کہ لوٹے اور پیالی سے لگا ہوا ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح ایک استعارہ ہے کہ جو امر معقول کو محسوسات کے پیرایہ میں بیان کیا کرتے ہیں۔ جو شخص دین الٰہی قبول کرتا ہے گویا ایک

نہایت مضبوط دستہ غیبی کو پکڑتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾ وقف لازم

ترجمہ:...... اے (نبی!) کیا آپ نے اس کو بھی ❶ دیکھا کہ جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے معاملہ میں حجت کی تھی (اس غرور میں آکر کہ) اس کو خدا نے سلطنت دی تھی جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے (اُس نے) کہا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں ابراہیم علیہ السلام نے کہا (اچھا) اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالا کرتا ہے سو تُو اُس کو مغرب کی طرف سے نکال دے تب تو کافر حیران رہ گیا۔ اور خدا نا انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ﴿۲۵۸﴾

ترکیب:...... ان أتاه اللہ یہ جملہ موضع نصب میں ہے سیبویہ کے نزدیک، اور خلیل کے نزدیک موضع جر میں ہے تقدیرہ لان آتاہ اللہ۔ من المشرق اور من المغرب فعل سے متعلق ہیں۔

تفسیر ......: جب کہ خدا تعالیٰ نے اپنی ذات صفات کا ذکر آیۃ الکرسی میں کیا اور علم التوحید کی بحث شروع فرمائی تو اس کے بعد تین قصے اس کے مناسب اور موید ذکر کئے جن کو فی الجملہ جہاد اور قتال فی سبیل اللہ سے بھی ایک لطیف مناسبت ہے۔

۱)...... قصہ ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا ہے جو خدا تعالیٰ کے وجود کے اثبات کے لئے برہانِ قاطع ہے۔

۲)... اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ سے شروع ہوتا ہے۔

۳)...... وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى سے شروع ہوتا ہے۔

یہ دونوں قصے اثباتِ حشر کے لئے ذکر ہوئے ہیں تا کہ مبداء و معاد کا مل یقین ہو جائے۔

**حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مکالمہ:**...... حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر بابل کے قریب پیدا ہوئے جب وہاں ان کی خدا پرستی کا شہرہ ہوا اور بت پرستی کی مذمت لوگوں میں مشہور ہوئی تو وہاں کے بادشاہ نمرود ❷ ابن کوش نے کہ جو جبار ❸ اور سخت بے دین اور ملحد تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر پوچھا کہ رب کون ہے اور کہاں ہے؟ اگر ہے تو مجھ کو دکھا بلکہ دنیا میں ہر ایک چیز اپنے اسباب کے پیدا ہونے سے پیدا ہو جاتی ہے پھر آپ ہی فنا ہو جاتی ہے (یہ سب باتیں اس کی بادشاہی اور دولت کے نشہ سے تھیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے موجود ہونے پر دلیل بیان کی کہ ہم دنیا میں ایک ایسا فعل پاتے ہیں کہ جو کسی کے قبضۂ قدرت میں نہیں جس سے معلوم ہوا کہ اس فعل کا فاعل قوی اور قادر ہے جو اپنی لطافت ❹ کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتا اور وہ فعل مارنا اور جلانا ہے جس طرح کوئی شخص کسی تخت یا

❶ ...... یعنی اس کے معاملہ کو بھی دیکھا۔ ❷ ...... بعض کہتے ہیں کہ یہ ضحاک کی طرف سے حاکم تھا ۱۲۔

❸ ...... جیسا کہ تورات کتاب پیدائش کے باب ۱۰ میں مذکور ہے۔

❹ ...... دیکھیے ہوا باوجود یکہ جسم ہے مگر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی اور جو جسم کی کثافت سے بھی بری ہے تو وہ کیونکر محسوس ہو سکے؟ ۱۲

صندوقچہ کے اس کاریگر کا وجود کہ جواب ہم کو دکھائی نہیں دیتا یوں ثابت کرے کہ آخری کوئی ہے کہ جس نے ان لکڑیوں میں تصرف کیا ہے اور چھیل تراش کر ایک طور پر جمع کر دیا اسی طرح مارنا جلانا تمام مخلوقات میں ایک قوی تصرف ہے جو کسی کے قبضہ میں نہیں نہ کوئی از خود زندہ ہوسکتا ہے، نہ کسی کو زندہ کر سکتا ہے، نہ مار سکتا ہے۔ اس کے جواب میں نمرود نے کہا اگر یہ فعل بلا توسط اسباب ہے تو میں اس کا قائل نہیں اور اگر اسباب کے ذریعہ سے ہے تو میں بھی بذریعہ اسباب مار سکتا جلا سکتا ہوں۔ ہم جماع کرتے ہیں اُس نطفہ کے سبب سے آدمی بن جاتا ہے اور زہر کھلانے، تلوار مارنے سے مرجاتا ہے اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ اس کی طرف اشارہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ گو دنیا میں اس کے کاروبار عادتاً اسباب پر مبنی ہیں مگر وہ اسباب کس کے قبضہ میں ہیں من جملہ اسباب عالم کے گردش افلاک اور آفتاب کا وتیرہ خاص طور پر طلوع وغروب کرنا ہے اچھا آپ اُس میں تو کوئی تصرف کر دیجئے۔ آفتاب کو مغرب کی طرف سے تو نکال کر دکھایئے یہ سُن کر وہ حیران اور بھونچکا ہو گیا مگر ایسے بے انصاف راہ پر نہیں آتے بلکہ شرمندہ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈلوا دیا جس میں خدا نے ابراہیم علیہ السلام کو سلامت رکھا۔ اور پھر ابراہیم علیہ السلام وہاں سے ہجرت کر کے ملک شام آئے۔ پادری اور ان کے مقلد اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ قصہ توراۃ میں نہیں اس لئے غلط ہے۔ اُن سے کوئی پوچھے کہ کیا توراۃ کے دس بارہ ورق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تمام وقائع عمریہ مندرج ہیں، بلکہ ہزاروں باتیں نہیں۔ پھر کیا وہ سب غلط ہیں، اور خدا کا بیان فرمانا ان کی صداقت کے لئے کیا کافی نہیں!

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

ترجمہ:......یا جیسا کہ وہ شخص جو ایک ایسے شہر پر سے گزرا جو چھتوں سمیت ڈھا پڑا تھا اس نے (دیکھ کر) کہا کہ اس کی ویرانی کے بعد اس کو خدا کیوں کر آباد کرے گا تب اس کو خدا نے سو برس تک مردہ پڑا رہنے دیا پھر اس کو اٹھا کر پوچھا کہ تو کب تک پڑا رہا؟ اُس نے کہا ایک دن یا اس سے بھی کم پڑا رہا ہوں گا۔ (خدا نے) کہا (نہیں) بلکہ تُو سو برس پڑا رہا پھر تُو اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ ابھی تک بُسا بھی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ (کہ بالکل گل گیا) اور ہم تجھ کو لوگوں کے لئے قدرت کا نمونہ کیا چاہتے ہیں اور تُو (گدھے کی) ہڈیوں کو (بھی) دیکھ کہ کس طرح سے ہم ان کو جوڑتے ہیں پھر (دیکھ) ان کو گوشت پہناتے ہیں پھر جب اس کو (یہ قدرت) معلوم ہوئی تو کہہ اٹھا کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب:......او تفصیل کے لئے کالذی میں کاف زائد ہے جیسا کہ کمثلہ میں۔ بعض نے کہا زائد نہیں تب اس کا موضع نصب ہے واتقدیر اورایت مثل الذی وھی خاویۃ جملہ موضع جر میں ہے صفت قریۃ کی علی عروشہا متعلق ہے خاویۃ سے الی بمعنی کیف یا

بمعنی متیٰ موضع نصب میں ہے یحیی سے مائۃ عام ظرف ہے اماتہ کا کم ظرف ہے لبثت کا لَمْ یَتَسَنَّهْ اس میں ہا زائدہ ہے۔ وقف میں اصل فعل یتسنن جیسا کہ حماء مسنون آیا ہے چونکہ تین نون جمع ہو گئے تھے اخیر کوی سے بدلا پھری کو الف سے اور الف جزم کی وجہ سے حذف ہو گیا۔ بعض ہا کو اصلی کہتے ہیں۔ ولنجعلک محذوف پر معطوف ہے تقدیرہ اریناک ذلک لتعلم قدر قدر تنا و لنجعلک میں بعض کہتے ہیں و زائد ہے۔

## حضرت یرمیا علیہ السلام کا عجیب قصہ

**تفسیر:** ...... یہ دوسرا قصہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تخمیناً چھ سو برس پیشتر ملک شام میں بمقام ایلیا گزرا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ پچھلے حملہ میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ہزار ہا بنی اسرائیل کو قتل کیا اور شہر یروشلم کو جلا کر برباد کر دیا بیت المقدس کو ڈھا کر اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا اور ستر ہزار یہودیوں کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا اور ستر برس تک بنی اسرائیل وہاں اس کی قید میں رہے مگر حضرت یرمیا علیہ السلام یہیں رہے تھے۔ ایک بار وہ اس شہر کے پاس سے گزرے، اس کی یہ حالت اور ملک اور قوم کی بربادی دیکھ کر دل بھر آیا حسرت کے طور سے کہنے لگے کہ اب اس شہر کو خدا کیوں کر آباد کرے گا۔ خدا نے ان کو اپنی قدرت کاملہ کا تماشہ دکھایا وہ یہ کہ حضرت یرمیا نے اپنی سواری کا گدھا زیتون کے درخت سے باندھ دیا اور انگور کے شیرہ کا برتن اور روٹیوں کا تھیلہ درخت سے لٹکا کر سو رہے۔ خدا نے ان کی روح قبض کر لی یہاں تک کہ سو برس کا عرصہ ان پر گزر گیا گدھے کی ہڈیاں بھی خشک ہو گئیں اس عرصہ میں بخت نصر مر گیا اور ایران کے بادشاہوں کا دور دورہ ہو گیا۔ ارتخششتا نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اپنے ملک میں واپس ہو جاویں اور پھر بیت المقدس اور شہر کو آباد کریں سو تخمیناً بیالیس ہزار بنی اسرائیل کہ جن میں حضرت عزیز علیہ السلام اور یرمیا علیہ السلام بھی تھے ملک شام آئے اور بیت المقدس اور شہر کو از سر نو تعمیر کرنا شروع کیا۔ پھر کسی نے بادشاہ کو بہکا دیا اور لوگ بھی مانع آئے آخر دارا شاہ کے عہد میں بنی اسرائیل کی واپسی کے بیس برس بعد یروشلم اور بیت المقدس پھر از سر نو تعمیر ہوا جیسا کہ دوم کتاب تاریخ اور کتاب عزرا اور کتاب نحمیا سے ثابت ہے۔ اس عرصہ میں خدا نے حضرت یرمیا علیہ السلام کو زندہ کیا اور ان سے بطور الہام پوچھا کہ تم کتنی دیر تک پڑے رہے؟ چونکہ وہ صبح کو سوئے تھے عصر کے وقت زندہ ہوئے، یہ کہا کہ ایک دن یا کم پڑا رہا ہوں۔ وہاں سے جواب آیا کہ سو برس تک پڑا رہا ہے گدھے کو دیکھ! دیکھا تو اس کی ہڈیاں سفید پڑی چمک رہی تھی اور کھانے پینے کو دیکھا تو ویسا ہی تھا، پھر خدا نے اُن کے روبرو گدھے کو زندہ کیا اور شہر میں آ کر سب شہر اور بیت المقدس کو آباد دیکھ کر کہا کہ مجھے یقین ہے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے، مُردے کو بھی زندہ کر سکتا ہے سو حشر اور بعد مُردن تمام خلق کو (مرنے کے بعد تمام مخلوق) زندہ کر کے حساب لینا بھی اس کی قدرت میں ہے۔ ❶

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع

❶ ...... بعض روایات و تفاسیر میں اس واقعہ کی نسبت حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں تفسیر عثمانی سورۂ بقرہ تفسیر آیت ۲۵۹۔ از مصحح محمد عابد قریشی غفر اللہ لہ ولوالدیہ ولاساتذہ۔

ترجمہ:......اور (اے نبی اُس واقعہ کو بھی یاد کرو کہ) جب ابراہیم نے کہا کہ اے رب مجھے بھی تو دکھا کہ تو مُردوں کو کیوں کر زندہ کرے گا۔ (خدا نے) فرمایا کیا تجھے یقین نہیں آتا؟ (ابراہیم نے) کہا کہ کیوں نہیں لیکن اپنے دل کا اطمینان کرنا چاہتا ہوں (خدانے) فرمایا (اچھا) چار پرندے لو پھران کو اپنے ساتھ ہلالو پھراُن میں سے ہر ایک کا ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو پھراُن کو بُلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان لو کہ بے شک خدا زبردست حکمت والا ہے۞۔

---

ترکیب:...... اذ کا عامل محذوف ہے تقدیرہ اذکر پس یہ مفعول بہ ہے نہ کہ مفعول فیہ قال فعل ابراهيم فاعل رب ارنی، جملہ مقولہ کیف تحی الموتیٰ جملہ مفعول ہے ارنی کا ای کیفیة احیاء الموتی۔ لیطمئن کا لام محذوف سے متعلق ہے تقدیرہ سئلتک لیطمئن من الطیر صفۃ ہے اربعۃ کی منھن حال جزءً سے سعیا مصدر موضع حال میں اور مفعول مطلق بھی ہوسکتا ہے۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مُردہ پرندوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنا

تفسیر:...... یہ تیسرا واقعہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بابل سے ہجرت کر کے ملک شام آنے کے بعد گزرا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہر چند خدا کے فرمانے کے وجہ سے یقین تھا کہ آدمی مر کر گو اُس کے اجزا مخلوط ہو جائیں ہوا میں ہوا اور خاک میں خاک اور پانی میں پانی آگ میں آگ مل جائے مگر خدا اس کو زندہ کرے گا اور اس کے اجزاء کو جمع کرے گا۔ لیکن بمقضائے بشریت یہ بات گونہ عجب معلوم ہوتی تھی اس لئے خدا سے سوال کیا کہ مجھ کو دکھا تو کس طرح سے مُردوں کو زندہ کرے گا۔ خدا نے فرمایا تجھ کو یقین نہیں؟ عرض کیا یقین تو ہے لیکن اطمینان قلبی کے لئے سوال کرتا ہوں کہ اس امر کا مشاہدہ بھی کرلوں تا کہ عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔ خدا نے فرمایا تو چار پرندے لے کر چندروز ان کو اپنے پاس رکھ۔ پھر سب کا قیمہ کر کے تھوڑا تھوڑا پہاڑ کے مختلف ٹیلوں پر رکھ دے اور پھر ہر ایک کو بُلا تیرے پاس ہر ایک جانور دوڑ کر چلا آوے گا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مور اور کبوتر اور مرغ اور کوّا لیا اور اسی طرح کیا پھر جس کو پکارا اس کے اجزاء مجتمع ہو کر زندہ ہوا اور ابراہیم علیہ السلام کے پاس دوڑتا ہوا چلا آیا۔ اس امر کے مشاہدہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یقین کامل ہو گیا۔

چار مختلف قسم کے پرندوں کی تخصیص کی وجہ کیا ہے:...... اگرچہ ان چار پرندوں کے لینے کی وجہ اور ان کے نام کسی صحیح حدیث سے معلوم نہیں ہوتے مگر علماء کے اقوال سے یہ نام جو اوپر گزرے ثابت ہوتے ہیں اور چار پرندوں کے لینے اور اُن کے بلانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بیشتر انسان کے جسم کے لئے چار عنصر آگ، پانی، ہوا، مٹی جزوِ غالب ہیں اور دنیا میں یہ چاروں پرند کہ جو ہر ایک دوڑ کر اپنے حیزِ اصلی کی طرف اڑ جانا چاہتا ہے آپس میں ملے ملے رہتے ہیں اور ایک روز یہ پھر جدا ہو جاویں گے اور قیامت کو اس قادرِ مطلق کے حکم سے پھر ملیں گے ہر ایک دوڑتا چلا آوے گا اس امر کے مشاہدہ کے لئے اِن کا نمونہ اور ان کے مناسب چار پرند جانور مختلف الطبائع لینے کو کہا اور ان کو ہلانے کو فرمایا تا کہ پہچان رہے اور یہ شبہ نہ ہو کہ یہ اور جانور ہیں۔

فوائد اول:...... قصہ میں چونکہ حضرت یرمیاہ نے ادب ملحوظ نہ رکھا اور اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا کہا تو خدا نے قرآن میں اُن کا نام نہ لیا اور خود انھیں پر امتحان ہوا برخلاف اس کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے رَبِّ اَرِنِیْ کہا اور کیفیت احیاء موتی پوچھی اُن کا ذکر آیا۔

فوائد دوم:...... نیچری مفسر نے ان دونوں قصوں کا انکار کیا ہے اور اپنی عادت قدیمہ کے موافق مفسرین پر اعتراض بیہودہ کر کے ایک لغو توجیہ کی ہے کہ کالذی سے مراد کالہ مرعلی قریۃ یعنی خواب میں یہ واقعہ گزرا ہے۔ اور اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بھی خواب کا ہے۔ چونکہ بجز تقلید ملحدین اور کوئی دلیل عقلی یا نقلی اس شخص نے اپنے دعوے پر قائم نہیں کی اور اس توجیہ کو کوئی نحوی یا اہل زبان تسلیم نہیں

کرتا۔ اور نیز اُن کے کلام میں باہم تعارض بھی ہے۔ اس لئے میں لفظ بہ لفظ جواب دینا مناسب نہیں جانتا۔

بعض عیسائیوں کا یہ اعتراض کہ مُردے دنیا میں زندہ نہیں ہوتے خود بائبل کے برخلاف ہے۔ دیکھو کتاب حزقیل میں سینکڑوں مُردوں کا زندہ ہونا مذکور ہے۔ ❶

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۶۱ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۲۶۲ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝۲۶۳

ترجمہ:......مثال ان کی جو اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس دانے کی سی ہے کہ جو سات بالیں نکالے (اور) ہر بال میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے دو چند کر دیتا ہے اور اللہ وسعت والا خبردار ہے ۝۲۶۱ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کر کے نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں انھیں کے لئے ان کا بدلہ خدا کے پاس ملے گا اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی رنجیدہ ہوں گے ۝۲۶۲۔ اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا ایسی خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے (سائل کو) ایذا پہنچے اور اللہ بے نیاز، بردبار ہے ۝۲۶۳۔

ترکیب:......مثل الذین......الخ جملہ مبتدا ای مثل انفاق الذین......الخ کمثل حبة......الخ خبر۔ لخ انبتت سبع......الخ جملہ موضع جر میں صفت ہے حبة کی مائة حبة مبتدا فی کل سنبلة خبر یہ جملہ صفت ہے سنابل کی، الذین ینفقون صلہ وموصول مبتدا الھم اجرھم......الخ خبر قول معروف موصوف وصفت مبتدا خیر......الخ خبر یتبعھا اذی جملہ صفت ہے صدقة کی۔

## مال خرچ کرنے کے فضائل

تفسیر:......جب کہ خدا تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ اور عالم آخرت کا ثبوت قطعی کر چکا تو اب عالم آخرت کے لئے ساز و سامان کی ترغیب دیتا ہے کہ وہاں کے لئے کچھ دیا کرو، وہ ضائع نہیں جاتا۔ وہ خدائے قادر کہ جو مردہ کو زندہ کرتا ہے اور جس کے اوصاف مذکور ہوئے اس خیرات کے اجر کو عالم مثالی میں قائم کرتا ہے جس طرح کوئی یہاں ایک دانہ زمین میں ڈالے اور اس سے گیہوں یا باجرہ وغیرہ کا کوئی پیڑ اُگے اور اس میں سات خوشے پیدا ہو ویں اور ہر خوشہ میں سو دانے ہوں تو ایک دانے کے سات سو دانے زمین میں مخفی کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کو پانی دیا جاوے اور آفات سے محفوظ رکھا جاوے۔ اسی طرح جو کوئی خدا کی راہ میں صرف کرتا ہے تو اُس کو عالمِ مثالی کی زمین میں مخفی کرتا ہے اس کا وہاں ایسا درخت اُگتا ہے اور ایسے ثمرات پیدا ہوتے ہیں بشرطیکہ ایمان اور خلوص کا پانی دیا جاوے

❶...... اور ۲ کتاب سلاطین کے تیرھویں باب ۲۱ ورس میں ہے کہ یسع نبی کی قبر میں لوگوں نے ایک مردہ کو ڈال دیا اور جب وہ شخص گر گیا اور الیسع کی ہڈیوں سے لگا تو وہ جی اٹھا اور پاؤں پر کھڑا ہوا، انتہی۔ دراصل ایسی باتیں ملحد بنایا کرتے ہیں، جو کہ سوا محسوسات کے معقولات کے منکر ہیں۔ خدا تعالیٰ اور اس کی قدرت اور اس کے افعال، خوارق عادت سب کے منکر ہیں۔ یا اُلٹ پلٹ کر وہاں سے نقل کئے گئے ہیں، خیال خام ہے۔ اس کا جواب ہم بار ہا دے چکے ہیں۔

اور احسان جتلانے اور سائل کو ایذاء دینے کی بلاؤں سے بچایا جاوے۔ ورنہ سائل کو زبان سے نیک بات کہنی اور اس کے الحاح پر درگزر کرنا یا عموماً ہر شخص سے نیک بات کہنی اور درگزر کرنا ایسی خیرات سے بہتر ہے۔

فائدہ ا:...... یہ مثال ایک ذہنی الوجود چیز کے ساتھ ہے اس کے لئے یہ کچھ ضرور نہیں کہ خارج میں کوئی ایسا پیڑ بھی پایا جاوے کہ جس کے ساتھ خوشے ہوں اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں۔

فائدہ ۲:...... لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ میں تعمیم ہے۔ نہ دنیا میں ایسے لوگوں کو افلاس کا خوف و غم ہوگا نہ آخرت میں۔

فائدہ ۳:...... مال، انسان کو بہت عزیز ہے اس کے صرف کرنے والے کے لئے وَاسِعٌ عَلِيْمٌ فرمایا کہ ہم وسعت اور فراخی عطا کرتے ہیں اور خلوص دل سے آگاہ ہیں۔ اور موذی ریاکاروں کے لئے غَنِيٌّ حَلِيْمٌ فرمایا کہ ہم کو کچھ پروا نہیں اور سزا دینے میں جلدی نہیں کرتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَا
لَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ
تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٢٦٤ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ
مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ
اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٢٦٥

ترجمہ:...... ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتلا کر اور ایذا دے کر اُس شخص کی طرح برباد مت کرو کہ جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ قیامت کے دن پر سو اُس کی مثال ایسے چکنے پتھر کی سی ہے کہ جس پر کچھ مٹی پڑی ہو پھر اس پر زور کا مینہ پڑ جائے اور اس کو صاف کر جائے جو کچھ انہوں نے کمایا تھا۔ سب گیا گزرا ہوا۔ اور اللہ (ازلی) کافروں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۝ اور اُن لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اور اپنے دلی اعتقاد سے خرچ کرتے ہیں ایک ایسے باغ کی سی ہے جو نرم زمین پر ہو اُس پر زور کا مینہ برسے تو دو چند پھل لائے، پھر اگر اس پر مینہ نہ پڑے تو شبنم ہی کافی ہو جائے اور جو کچھ تم کر رہے ہو وہ خدا خوب دیکھ رہا ہے۝

ترکیب:...... کالذی کا کاف موضع نصب میں ہے نعت ہے مصدر محذوف کی تقدیرہ ابطالا کابطال الذی ینفق۔ رئاء الناس مفعول لہٗ ہے ینفق کا رئاء کا پہلی ہمزہ نفس کلمہ ہے کہ یہ راءی سے ہے اور اخیر بدل ہے ی سے صفوان جنس ہے وقیل جمع صفوانة علیہ تراب جملہ موضع جر میں صفت ہے صفوان کی ابتغاء مفعول لہ ہے ینفقون کا اور تثبیتا پر معطوف ہے اور یہ مصدر ہے فعل متعدی کا اے یثبتون اعمالھم باخلاص النیة اور ممکن ہے کہ بمعنی تثبت ہو ربوة بضم الراء وفتحہا بلندی یا پھولی ہوئی نرم زمین۔ اصابھا وابل جملہ صفت ہے جنة کی وابل وبل سے مشتق ہے یقال وبل فھو موبل۔ اکل سکون کاف اور ضمہ دونوں طرح جائز ہے یہ جمع ہے واحد اس کا اکلتہ ہے بمعنی ماکول ضعفین حال ہے ای مضاعفا۔ فطل خبر ہے مبتدا محذوف کی اس کے معنی شبنم ہیں اور خبر بھی محذوف کی کہہ سکتے ہیں۔

## ریا کاری صدقہ کو باطل کر دیتی ہے

**تفسیر:**......پہلی آیات میں خیرات دے کر احسان جتلانے اور فقیر کو بدزبانی یا طعن و تشنیع سے ایذا دینے سے منع فرمایا تھا، یہاں اس کے اجر ضائع ہونے میں منافقوں سے مثال دیتا ہے کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے نہ ان کو اجر آخرت کا یقین ہے بلکہ محض نام آوری کے لئے مال خرچ کرتے ہیں یعنی منافق، سو تم ایسا نہ کرو ان کو کچھ بھی اجر نہیں اسی طرح تم کو بھی نہ ملے گا۔ کس لئے کہ عالم مثال میں جس طرح شجر خیرات کو احسان جتلانا اور ایذا دینا برباد کرتا ہے اسی طرح ایمان نہ لانا اور ریا کاری کرنا بھی برباد کرتا ہے پھر ان منافقوں کے حال ظاہر کرنے لئے مثال دیتا ہے کہ ایمان اور خلوص نیت بمنزلہ ربوۃ نرم اور بلند زمین کے ہے۔ جو اپنے پیڑوں اور درختوں اور جڑی بوٹیوں کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے اعنی عمدہ زمین۔ اور کفر اور ریا کاری بمنزلہ سخت پتھر کے ہے کہ جس پر کوئی چیز نہیں اُگتی اور اس پر کسی قدر مٹی پڑی ہو یعنی ظاہری اسلام۔ پس جو منکر اور ریا کار خیرات کرتے ہیں تو گویا اس پتھر پر کسی قدر مٹی دیکھ کر کچھ بونا چاہتے ہیں اور جب اس پر سخت بارش پڑ جاتی ہے تو سب کو بہا دیتی ہے کچھ بھی ان کے قبضہ میں نہیں رہتا۔ اسی طرح جب مَوت اور مرور دہر کا مینہ پڑے گا ان کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا، وہ ظاہری نیکو کاری جو غبار تھی اڑ جاوے گی اور جو مومن و مخلصین خدا کی خوشنودی اور خلوص دل سے حسنات و خیرات کرتے ہیں وہ اُس عمدہ زمین پر (عالم مثالی میں) باغ لگاتے ہیں جس پر زور کا مینہ برستا ہے تو دُگنا پھل آتا ہے اور چونکہ زمین عمدہ ہے اگر زور کا مینہ نہیں برستا تو کسی قدر ترشح اور شبنم ہی کافی ہو جاتی ہے یعنی مَوت کے بعد تو بے شمار اجر حاصل ہوگا اور دنیا میں بھی اس کا کچھ اس کو ملے گا۔

**فائدہ:**......ان دونوں مثالوں میں جو کچھ باریکیاں ہیں ان کو میں اس مختصر میں بیان نہیں کر سکتا، مفرد اور مرکب کے لحاظ سے ہر پہلو میں اعجاز ہے۔

اَیَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُۙ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ۫
فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ
لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۠ ﴿۲۶۶﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ع
وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ
وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۲۶۷﴾

ترجمہ:......کیا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اُس کے لئے کوئی کھجوروں اور انگوروں کا ایسا باغ ہو کہ جس میں نہریں بہتی ہوں اس میں اس کے لئے ہر قسم کے میوے بھی ہوں اور اس پر بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے بال بچے بھی ننھے ننھے ہوں پھر اس باغ پر ایسا لُو کا جھونکا چل جاوے کہ جس میں آگ ہو جس سے وہ جل جاوے اللہ یوں اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو﴿۲۶۶﴾ ایمان والو اپنی کمائی میں سے پاک چیزیں اور نیز

وہ چیزیں جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے اُگائی ہیں وہ دیا کرو اور ایسی بُری چیز کے دینے کا تو ارادہ بھی نہ کرنا کہ جس کو تم خود بھی بغیر چشم پوشی کے نہیں لے سکتے اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواخوبیوں والا ہے ۲۶۷۔

ترکیب:......من نخیل صفت جنة کی جیسا کہ تجری اور لہ فیھا......الخ و اصابه الکبر جملہ بحذف قد حال ہے احد سے ولہ ذریة حال ہے اصابہ کی ضمیر سے ولا تیممو ا اے لا تقصدو افعل الخبیث مفعول بہ جار مجرور متعلق تنفقون سے اور تقدیم تخصیص کے لئے پس یہ جملہ اعنی تنفقون منہ حال ہے الخبیث سے ولستم باخذیہ......الخ جملہ حال ہے فاعل تنفقون سے۔

## خلوصِ نیت سے مال خرچ کرنے کی مثال

تفسیر:...... یہ ایک اور مثال اس شخص کے لئے بیان کی گئی کہ جو خیرات وصدقہ خلوصِ نیت سے نہیں دیتا یا دے احسان جتلاتا اور سائل کو طعن اور عار کی باتوں سے ایذا دیتا ہے وہ یہ کہ کسی کے پاس ایک ایسا عمدہ باغ ہو جس میں اکثر کھجور اور انگور ہوں اور اس میں نہر بھی ہو یعنی آبِ رواں اور علاوہ اس کے اس میں ہر قسم کا میوہ ہو اور مالک باغ کا بڈھا ہو کہ علاوہ اس عمدہ باغ کی آمدنی کے اور کوئی وجہ معاش نہ رکھتا ہو، وہ نہ اور فنون کسب معاش پر قادر ہو اور اس پر طرہ یہ ہو کہ اُس بے کسی کی حالت میں اس کے ضعیف ننھے ننھے بال بچے بھی ہوں کہ جن کا خرچ اور پرورش سب اسی کے ذمہ ہو۔ پھر اس حالت میں اس باغ پر کوئی آفتِ آسمانی ایسی پڑ جائے کہ جو اس کو جلا کر نیست و نابود کردے۔ پھر دیکھیے کہ اُس شخص پر کس قدر صدمہ اور کیا بے کسی اور حیرت اور حسرت طاری ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان کا صدقہ و خیرات عالمِ غیب میں نہایت عمدہ باغ کی صورت میں کہ جس کے صفات مذکور ہوئے ظہور کرتا ہے اور عالمِ آخرت میں انسان بڈھے کی طرح حسنات اور اعمال صالحہ کرنے سے معذور و مجبور ہوتا اور اس کو اپنی اس کمائی اور انہیں اعمال صالحہ کی طرف توقع کی نظر ہوتی ہے اور اس کا احسان جتلانا اور ایذا دینا اور خلوص نیت نہ ہونا بمنزلہ بگولے کے ہے کہ جس میں لو اور آگ ہو کہ جو اس کے اُس تروتازہ باغ کو خاک سیاہ کریتی ہے۔ فرماتا ہے کہ آیا کوئی تم میں سے ایسا چاہتا ہے کہ ایسا باغ ایسی حالت میں تباہ ہو جاوے یعنی کوئی نہیں چاہتا۔ پھر تم کیوں اپنے اُس تروتازہ باغ کو خاک سیاہ کردیتے ہو۔

**صدقات وخیرات میں عمدہ و پاکیزہ چیزیں دی جائیں:**......اس کے بعد یہ بتلاتا ہے کہ کیسی چیزیں خیرات وصدقہ میں دینی چاہئیں آیا دل سے اُتری ہوئی کہ جن کو با ہم بھی کوئی بجز کراہت اور ناخوشی کے نہیں لیتا، یا عمدہ اور مرغوب چیزیں حکم دیتا ہے کہ اپنی کمائی میں سے عمدہ چیزیں دو۔ اور نیز طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو چیز تم نے حلال اور جائز طور سے حاصل کی ہے اس کو دو ، اسی کو خدا قبول بھی کرتا ہے حرام اور ناجائز کمائی کی خیرات اس کے نزدیک قبول نہیں ہوتی۔ اور جو چیزیں کہ اناج میوے وغیرہ زمین سے پیدا ہوتے ہیں ان میں سے بھی دو اور جن چیزوں کو تم خرچ کرتے ہو اُن میں اُن بُری چیزوں کے دینے کا تو قصد بھی نہ کرنا کہ جن کو تم بھی خوشی سے نہیں لیتے کس لئے کہ خدا بے پرواہ ہے بُری نذریں قبول نہیں فرماتا۔ تُغْمِضُوْا۔ اغماض آنکھ بند کرنا، اور اس کی اصل غموض یعنی چھپانا، اسی لئے کلام خفی کو غامض کہتے ہیں، مگر یہاں مراد مساہلت ہے۔ کیوں کہ آدمی جب کوئی ناپسند چیز دیکھتا ہے تو آنکھ بند کرلیتا ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۲۶۸ يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ

فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ وَمَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ
نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَإِنَّ اللهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ إِنْ
تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ ۗ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٧١﴾

ترجمہ:......شیطان تو تم کو محتاجی سے ڈراتا اور بُری باتوں کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فراخی کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ وسعت دینے والا خبر دار ہے ﴿٢٦٨﴾ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا کرتا ہے اور جس کو دانائی دی گئی تو اُس کو سب کچھ دیا گیا اور سمجھتے بھی وہی ہیں جو عقل مند ہیں ﴿٢٦٩﴾ اور جو کچھ بھی تم خیرات کرتے ہو یا کوئی نذر مانتے ہو تو بیشک اللہ اس کو جانتا ہے اور ظالموں کا تو کوئی بھی مددگار نہیں ﴿٢٧٠﴾ اگر خیرات ظاہر کر کے دو تو بھی اچھا ہے اور اگر اس کو چھپا کر فقیروں کو دو تو یہ تمہارے لئے (زیادہ) بہتر ہے اور یہ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ سب سے واقف ہے ﴿٢٧١﴾

ترکیب:......الشیطان مبتدا یعد کم......الخ جملہ خبر واللہ مبتدا یعد کم خبر منہ صفت ہے مغفرۃ کی جو مفعول ثانی ہے یعد کا یوتی الحکمۃ جملہ صفت ہے علیم کی وما انفقتم......الخ شرط فان اللہ......الخ جواب۔ ان تبدوا شرط فنعما ھی جواب۔ ''ف'' جواب کے لئے۔ نعما اصل میں نعم ماتھا، باہم ادغام کر دیا ھی مبتدا موخر نعم فعل ما نکرہ بمعنی شئے اس کا فاعل مجموعہ خبر۔ اور یوں بھی ہے کہ ھی مخصوص بالمدح خبر مبتدا محذوف کی ہو تقدیر الکلام نعم الشئی شیئاً ھی۔

## شیطان تنگدستی سے ڈراتا ہے

تفسیر:......خیرات وصدقات سے اکثر خیالات فاسدہ منع کیا کرتے ہیں کہ یہ مال جا کر پھر کہاں سے آئے گا تمہارے بال بچے ہیں۔ آئندہ کیا کیا ضرورتیں پیش آتی ہیں، جن کا منشاء انسان کا طبعی بخل ہے شیطان ان خیالات فاسدہ کو دل میں ڈالتا ہے مگر ایمانداروں کے دلوں میں خدا کی طرف سے ایک روحانی سلسلہ الہام بھی قائم ہے اس کے ذریعہ سے خدا اس صدقہ وخیرات پر مغفرت اور فضل یعنی کشائش وفراغ دستی و برکت کا وعدہ کرتا ہے۔ کس لئے کہ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ خدا بڑی کشائش دینے والا اور خبر دار ہے۔ انسان اپنے ذرائع معاش اور کوشش کو وسعت کا سبب جانتا ہے۔

حالانکہ یہ غلط ہے کس لئے کہ بارہا ایک دو نہیں تو سیکڑوں عاقلوں کی کوششیں اور باریک بینیاں بے کار ہو جاتی ہیں بجائے فائدہ اور دولت کے افلاس اور نقصان پیش آتا ہے۔ یہ اسرار اور حکمت ہر ایک کو نصیب نہیں، ہر ایک کا فہم یہاں تک نہیں پہنچتا مگر انھیں کے فہم کو رسائی ہوتی ہے کہ جن کو خدا نے حکمت یعنی دانائی دی ہے اور جس کو دانائی دی گئی اُس کو سب کچھ دیا گیا۔ کس لئے کہ انسانی سعادت خواہ دنیاوی ہو یا اخروی ہو سب علم وحکمت ہی پر مبنی ہے اس خزانہ غیبی کے آگے دولت و مال واسباب کامرانی کیا چیز ہیں۔ ممکن ہے کہ خدا کا وعدہ مغفرت وکشائش انبیاء کی معرفت ہوا ہو جو ہر ایک شریعت میں متوارث ہی شیطان صدقہ وخیرات کرنے پر تنگ دستی ہی سے نہیں ڈراتا بلکہ فحش کا بھی حکم دیتا ہے۔ سائلوں کا گالیاں دینا اور نیک کاموں کی مذمت کرنا، شہوات ولذات اور نمود کے کاموں میں روپیہ اُڑانا شراب خواری اور زنا کاری، قمار بازی اور سب بازیوں میں بے دریغ روپیہ اٹھانا، شہرت کے لئے مجامع کرنا، رقص وسرود کی مجلسیں بیاہ

شادی میں کرنا، بلا حاجت مکانات بنانا وغیرہ جملہ نخش شیطانی الہام ہے جس کا بدیہی نتیجہ افلاس اور رسوائی ہے۔ عجب ہے کہ اُن کاموں میں روپیہ خرچ کرنے سے تو افلاس سے ڈرتا ہے مگر شیطانی کاموں میں بے دریغ اُڑانے سے افلاس سے نہیں ڈرتا حالانکہ رات دن دیکھا جاتا ہے کہ شیطانی کاموں میں صرف کرنے سے افلاس آتا ہے۔ جس کی نظیر ہندوستان کے امراء زادے موجود ہیں۔ اور نیک کاموں میں صرف کرنے سے اب تک کوئی بھی محتاج دیکھا نہیں گیا بلکہ برکت اور فراغ دستی دیکھی جاتی ہے۔ مگر شیطانی الہام نے کیسا برعکس معاملہ سمجھایا ہے۔ اس کے بعد حکم دیتا ہے کہ جب تمھارے دل میں اخلاص ہے تو تم کو اختیار ہے مخفی طور سے دو یا ظاہر دو۔ پھر خلوص نیت پر آمادہ رہنے کے لئے وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ فرمایا۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ ع ۶ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ وقف منزل

ترجمہ:......(اے نبی) آپ کا ذمہ نہیں کہ ان کو راہِ راست پر لائیں لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر لاتا ہے اور تم جو کچھ بھی اچھی چیز خیرات کرتے ہو تو اپنے ہی بھلے کے لئے کرتے ہو اور تم تو صرف اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے خرچ کیا کرتے ہو اور جو کچھ تم خیرات کرو گے تو پوری پوری تم کو ملے گی (یعنی اس کا ثواب) اور تمہارا کوئی حق رکھا نہ جائے گا۔ ﴿۲۷۲﴾ (خیرات تو) اُن فقیروں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہوں ملک میں کہیں جا بھی نہیں سکتے ناواقف تو ان کو قناعت کے سبب غنی سمجھتا ہے (تو اے مخاطب) ان کی صورت (وشکل) سے اُن کو جان سکتا ہے وہ کسی سے چمٹ کر نہیں مانگتے اور تم جو کچھ بھی کام کی چیز خرچ کرو گے سو اُس کو اللہ جانتا ہے ﴿۲۷۳﴾ جو لوگ رات اور دن چھپے اور کھلے اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرتے ہیں تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس موجود ہے نہ اُن پر کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی رنجیدہ ہوں گے ﴿۲۷۴﴾۔

**ترکیب:**......للفقراء خبر ہے مبتدا محذوف کی اے الصدقات المذکورۃ للفقراء پھر فقراء کے احصروا......الخ لا یستطیعون ضربا یحسبھم الجاھل اغنیاء تعرفھم بسیماھم لا یسئلون الناس......الخ پانچ وصف بیان فرمائے اول بطور صفت اور باقی بطور حال و فیہ سر لا یسعہ المقال۔ الذین موصول وصلہ مبتدا فلھم اجرھم جملہ خبر اور ف اس لئے کہ مبتدا میں بوئے شرط تھی۔

## صدقہ دینے میں اسلام کی تخصیص نہیں

**تفسیر:**......یہ خیرات کی بابت چوتھا حکم ہے جس طرح پہلی آیتوں میں خیرات دینے کے قابل چیزوں کا بیان تھا، اس میں اُن لوگوں

کا بیان ہے کہ جن کو خیرات دینی چاہیے۔ صحابہ یا خود آنحضرت علیہ السلام مشرکین اور بت پرستوں کو دینے میں کوتاہی کیا کرتے تھے ان کی بت پرستی سے نفرت کر کے، اس پر حکم آیا کہ تم ہر ایک محتاج کو دو خواہ مومن ہو خواہ کافر بدکار۔ ہدایت پر لانا آپ کا ذمہ نہیں کہ آپ ان کو ایسی باتوں سے مجبور کر کے مسلمان کریں، ایمان اور ہدایت اُس کے قبضہ میں ہے جس کو چاہتا ہے نصیب کرتا ہے۔ تم شوق سے دو تم کو ان کی بت پرستی سے کیا تم تو خاص اللہ کی رضامندی کے لئے دیتے ہو۔ اب جو کچھ تم دو گے، پاؤ گے۔ ان کو کیا دیتے ہو اپنے لئے جمع کرتے ہو یہ سب خدا تم کو واپس دے گا کچھ نہ لے گا۔

**مستحق صدقات کون ہیں؟:**......اس کے بعد جو لوگ خیرات کے لئے زیادہ مستحق ہیں اُن کو بیان کرتا ہے کہ ان صدقات کے زیادہ مستحق وہ فقراء ہیں کہ جن میں یہ پانچ باتیں پائی جاتی ہیں۔

۱) یہ کہ وہ خدا کی راہ میں بند کئے گئے ہوں جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے تعلیم پانے اور شب و روز یادِ الٰہی میں بہت سے صحابی ❶ گھر بار چھوڑ کر حضور میں حاضر رہتے تھے۔ جن کے فیض نے آنحضرت ﷺ کے بعد تمام عالم کو منور کیا، سو اُن کا دنیا علاوہ ثواب کے تائید و تقویت اسلام بھی ہے۔ اس لئے ہر زمانے میں طلباء و علماء و خادمانِ دین کی خدمت ضروری سمجھی گئی۔

۲) یہ کہ وہ ان وجوہ سے پاشکستہ ہو کر بیٹھ گئے ہیں، کہیں تجارت یا سوال کے لئے نہیں جا سکتے۔

۳) اس فقر و فاقہ پر بھی اس کشادہ پیشانی اور خرمی سے (خوش و خرم زندگی) گزارتے ہیں کہ ناواقف ان کو اس بے اعتنائی اور بے سوالی سے غنی سمجھتا ہے۔

۴) جس سے اُن کے چہروں پر انوارِ تقدس ایسے چمکتے ہیں کہ جن کو ہر ایک صاحب بصیرت پہچان لیتا ہے کہ یہ خاصانِ خدا اور محبوبِ کبریا ہیں۔

۵) ان میں صفتِ توکل غالب ہے۔ عام سائلوں کی طرح سے در بدر بھیک مانگتے، اور رستوں میں لوگوں سے لپٹتے نہیں (جیسا کہ آج کل چرس اور بھنگ پی کر گدائی کرنا ولایت اور کمال احمقوں میں سمجھا جاتا ہے) اس کے بعد زیادہ خیرات دینے کی ترغیب دیتا ہے کہ جو اپنا مال رات دن خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں نہ ان کو اس مال خرچ کرنے سے رنج ہوگا نہ اُن کو کچھ آخرت میں خوف ہوگا۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ
مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ
وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ
اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۷۵ يَمْحَقُ اللّٰهُ
الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝۲۷۶ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ربع لازم

❶......یہ مہاجرین کے گروہ میں سے ایک خاص فرقہ تھا جن کو اصحاب الصفہ کہتے تھے ۱۲ منہ۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ترجمہ:...... جو لوگ سُود کھاتے ہیں (قیامت میں) کھڑے نہ ہوں گے مگر جس طرح کہ وہ شخص کھڑا ہوتا ہے کہ جس کو بھوت چمٹ کر دیوانہ کر دیتا ہے یہ اس لئے کہ انہوں نے کہہ دیا کہ سَودا کرنا بھی تو سود ہی جیسا ہے حالانکہ خدا نے سَودے کو تو حلال اور سُود کو حرام کر دیا ہے پھر جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچ جائے پھر وہ باز نہ آجائے تو جو کچھ لے چکا وہ اس کا ہو گیا اور اس کا معاملہ خدا کے حوالے اور جو پھر بھی سود لے تو یہ لوگ دوزخی ہیں جو اُس میں سدا رہا کریں گے ﴿۲۷۵﴾ خدا سود کو مٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کو کوئی بھی ناشکر گناہ گار پسند نہیں ﴿۲۷۶﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور (انہوں نے) اچھے کام کیے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے اُن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ اُن کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی رنجیدہ ہوں گے ﴿۲۷۷﴾۔

ترکیب:...... الذین یاکلون...... الخ مبتدا لایقومون...... الخ جملہ خبر کما کاف موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی، تقدیرہ الا قیاما مثل قیام الذی...... الخ ذلک مبتدا بانهم...... الخ خبر من المس متعلق ہے یتخبطه سے فمن جاء شرط فله ماسلف جواب وامرہ معطوف جواب پر و من عاد شرط فاولئک۔ جواب الذین اٰمنوا اسم لهم اجر خبر۔

## سُود کی مذمت و ممانعت

تفسیر:...... صدقہ و خیرات کے بعد سود کی برائیاں بیان کرنا اور اس کو حرام کر دینا گویا صدقہ و خیرات کے بیان کو پورا کر دینا ہے کس لئے کہ جس طرح صدقہ و خیرات میں رحم دلی اور مسکینوں اور غریبوں کی دست گیری ہے اسی طرح سود میں سخت دلی، اور حاجت مندوں پر سخت گیری ہے یہ اُس کی پوری ضد ہے۔ ہم پہلے الفاظِ آیت کی تفسیر پھر مسئلہ ربٰوا کی تشریح اور اس کے حرام ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں:۔

مسئلہ ربٰوا کی وضاحت:...... فرماتا ہے کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں اِس فعل بد کی سزا عذاب الٰہی کی دہشت سے بد حواس ہوں گے جیسا کہ کوئی خللِ آسیب سے بدحواس ہو جاتا ہے (چونکہ دنیا میں محتاجوں کو ان کی سخت گیری سے دہشت اور حیرانی ہوتی تھی، اُن کا یہ فعل اُس عالم میں اُن پر آسیب بن کر سوار ہوگا) اور یہ اس لئے ہوگا کہ ان سود خوروں نے یہ بات بنائی ہے کہ سود میں اور بیع میں کیا فرق ہے جس طرح ایک روپیہ کی چیز کو دس روپے میں بیچنا درست ہے اسی طرح بوقتِ حاجت کسی کو دس روپے دے کر پندرہ لینا اپنے روپیہ کا نفع حاصل کرنا ہے کہ جس سے اتنی مدت میں ہم نفع حاصل کرتے، اس کا جواب دیتا ہے یہ تمہارا قیاس غلط ہے کیونکہ بیع میں ایک چیز معاوضہ میں دی جاتی ہے اور سود میں اصل روپیہ لے کر اس پر زیادتی کون سی چیز کا معاوضہ ہے؟ رہی یہ بات کہ اس سے ہم نفع حاصل کرتے تو یہ یقینی بات نہیں۔ اس تقریر کی طرف اجمالا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا میں اشارہ کر دیا۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اس کی ممانعت سے پہلے جو کچھ کسی نے لے لیا خیر وہ اس کا ہو گیا دنیا میں اس پر کچھ مطالبہ نہیں آخرت میں خدا چاہے تو معاف کرے چاہے حساب لے وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ لیکن باوجود حکم ممانعت آنے کے پھر جو کوئی سود لے گا اور خدا کے حکم کو حقیر جانے گا۔ تو جہنمی ہوگا ہمیشہ اس میں رہے گا۔ سود خور نازاں نہ ہوں کہ ہم نفع حاصل کر رہے ہیں بلکہ نقصان کر رہے ہیں کیونکہ خدا کے نزدیک یہ روپیہ نہایت مکروہ ہے۔ اُس عالم میں اس سے کچھ نفع نہ ہوگا کیونکہ اس عالم میں خدا اس کو مٹاتا ہے گو بظاہر زیادتی معلوم ہو مگر باطن میں بربادی ہے۔ برخلاف صدقہ و خیرات کے، ظاہر میں مال گھٹتا ہے لیکن باطن میں بڑھتا ہے۔ اس لیے احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ جب کوئی خلوص نیت سے خدا کی راہ

میں کوئی تھوڑی سی چیز بھی دیتا ہے تو خدا اس کو عالمِ باطن میں بڑھاتا ہے اور زیادہ کرتا ہے یہاں تک کہ بعدِ مُردن وہ تھوڑی سی چیز اس کو پہاڑ کے برابر اجر معلوم ہوگی۔ وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ۔ چونکہ سود خود چند مدت کی مہلت کا معاوضہ لیتا ہے اور یہ خدا کی نعمت و دولت کی ناشکری ہے سو اُس کو کوئی ناشکر گنہ گار نہیں بھاتا بلکہ وہ نفرت کرتا ہے جس کی نفرت کا پرتو اس عالم میں یہ ہوتا ہے کہ سود خور کو لوگ بہ نظرِ حقارت دیکھتے اور مکروہ جانتے ہیں اور سخی کی عزت اور اس سے محبت کرتے ہیں۔

فائدہ: احکامِ ربوا:......اس وعید کے بعد ایمان داروں کو (کہ جو خیرات و زکوٰۃ دیتے ہیں) خوش خبری سناتا ہے کہ یہ اُن کا مال برباد نہیں جاتا بلکہ اس کے پاس جمع ہوتا ہے اُس عالم میں سب کا اجر ملے گا۔ کہ ان کو کوئی رنج و غم نہ ہوگا، عالمِ قدس میں شاداں رہیں گے کیونکہ انہوں نے میرے محتاج بے کسوں کے دل خوش کیے تھے وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

اقسام، ربوٰا اور ان کا حکم:......ربوٰا (یعنی سود و بیاج) لغت میں زیادتی کا نام ہے کہتے ہیں ربی لشئ یربو۔ ومنہ قولہ تعالیٰ اِهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ اے زیادت۔ ربوٰا کی دو قسمیں ہیں ربا النسیہ۔ ربا الفضل اول قسم کا ربوٰا ایامِ جاہلیت میں جاری تھا اور وہ یہ تھا کہ کوئی شخص، کسی کو کسی میعاد پر قرض دیا کرتا تھا اور اس پر کچھ ماہواری مقرر کر لیتا تھا پھر جب میعاد پر وہ روپیہ مدیون سے ادا نہ ہوتا تھا تو قرض خواہ اصل میں کچھ اور بڑھا کر مہلت دیتا تھا۔ اور کبھی سود کو اصل میں جمع کر کے پھر اس پر سود لگایا کرتا تھا جس کو اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً اور سود کہتے ہیں۔ سود خواروں کا عموماً دستور ہے۔ قسم دوم یہ ہے کہ گیہوں یا جو وغیرہ کسی چیز کو اُسی کی جنس سے ڈیوڑھے یا دُگنے پر فروخت کیا جاوے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اول میں یہ رائے تھی کہ اوّل قسم کا ربوٰا حرام ہے اور قسم ثانی درست ہے مگر انہوں نے اس مذہب سے رجوع کیا لیکن جمہور ائمہ دونوں قسم کے سود کو حرام کہتے ہیں اول کی حرمت قرآن کی انھیں آیات سے ثابت ہے اور قسم دوم کا حرام ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ من جملہ ان کے ایک حدیثِ صحیح ہے کہ جس کو حضرت عمر بن الخطاب اور عبادہ بن صامت اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے اصحاب الصحاح نے روایت کیا ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذھب بالذھب و الفضة باالفضة و البرّ بالبر و االشعیر بالشعیر و التمر بالتمر و الملح بالملح مثلا بمثلٍ سواءٍ بسواءٍ یدًا بیدٍ فاذا اختلف ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدًا بید۔ رواہ مسلم۔

اس حدیث میں جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھے ۶ چیزوں میں برابر برابر اور دست بدست فروخت کرنے کا حکم دیا اور وہ چھے چیزیں یہ ہیں سونا، چاندی، گیہوں، جو، چھوارے، نمک پس جب سونے کو سونے سے اور چاندی کو چاندی سے اور گیہوں کو گیہوں سے اور جَو کو جَو سے اور چھواروں کو چھواروں سے اور نمک کو نمک سے فروخت کریں تو کمی زیادتی نہ کریں اور اُسی وقت دیویں تو اُسی وقت لیویں اگر سیر دے کر دو سیر لے گا یا دوسرے وقت سیر بھر ہی لے گا، تو یہ ربوٰا ہوگا۔ پھر علماء ظاہر یہ کہتے ہیں کہ صرف انھیں چھے چیزوں میں ربوٰا ہے باقی اور چیزوں میں نہیں۔ سیر بھر باجرہ جوار دے کر دو سیر خواہ اُسی وقت لو خواہ پھر۔ مگر مجتہدین بالخصوص ائمہ اربعہ یہ کہتے ہیں کہ علاوہ ان کے اور چیزوں میں بھی انھیں پر قیاس کر کے حکم جاری ہوگا مگر جب کسی چیز کو کسی چیز پر قیاس کرتے ہیں تو دونوں میں ایک وصف مشترک ضرور دیکھا جاتا ہے جس کو علم اصول فقہ میں علت کہتے ہیں۔ اس علت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قدر و جنس ہے یعنی تلنے اور نپنے میں آتی ہوں ❶۔ تول اور ناپ کو قدر کہتے ہیں پس اگر یہ چیز بھی تُل کر بکتی ہے

---

❶......امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پھلوں وغیرہ اُن چیزوں میں کہ جو وزن اور پیمانہ سے فروخت نہیں ہوتیں بڑھوتری ربوٰا کا حکم نہیں رکھتی۔ اسی طرح امام شافعیؒ کے نزدیک جو چیزیں معاملہ میں سوا چاندی سونے کے دی جاتی ہیں، جیسا کہ لوہا، تانبا، پیتل اور کپڑا وغیرہ ان کی بڑھوتری میں ربوا نہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک سوا چاندی سونے کے اور جس قدر چیزیں کھانے میں نہیں آتیں نہ ذخیرہ ہوسکتی ہیں جیسا کہ سبزی ترکاری اور تانبا لوہا وغیرہ ان میں بھی ربوا نہیں۔ اور اس مسئلہ کی تعریفات کتب فقہ میں نہایت تشریح کے ساتھ مذکور ہیں ۱۲ منہ۔

اور دوسری بھی جیسا کہ چاندی سونا۔ پھر اگر دونوں ایک جنس ہیں تو بیع میں کمی زیادتی بھی منع ہوگی اور اُدھار بیچنا بھی۔ اور اگر صرف قدر میں شریک ہیں اور جنس غیر ہیں جیسا کہ گیہوں اور جَو کہ دونوں نپ کر عرب میں بکتے ہیں مگر جنس الگ الگ ہیں اس صورت میں زیادہ لینا دینا تو درست ہوگا مثلاً گیہوں سیر دے کر دو سیرے جو خرید لے مگر اُدھار کرنا درست نہ ہوگا۔ اسی طرح جنس ایک ہو مگر قدر میں شریک نہ ہوں جیسا کہ پشاور کی ایک لنگی کو دو کے ساتھ فروخت کرے تو وہاں بھی فضل جائز ہے نسیہ حرام۔ خلاصہ یہ کہ اگر قدر و جنس دونوں متحد ہوں گے تو فضل اور نسیہ دونوں حرام ہوں گے اور ایک بات میں اتحاد ہوگا تو صرف نسیہ یعنی اُدھار بیچنا حرام ہوگا فضل یعنی زیادہ لینا درست ہوگا اور جو دونوں میں اتحاد نہیں تو فضل اور نسیہ دونوں درست ہوں گے جیسا کہ روپیہ سے غلہ خرید نا بیچنا ● اب رہی یہ بات کہ امام صاحبؒ نے ان دونوں چیزوں کو علت کیوں قرار دیا؟ اس کے اَدِلّہ کتب حنفیہ میں مذکور ہیں۔

**فائدہ: سود کی حرمت کی وجہ:**......دوسرا قول امام شافعیؒ کا ہے وہ یہ کہ چار چیزوں میں علت ربوٰا کے حرام ہونے کے لئے طعم ہے یعنی کھانے میں آنا اور چاندی سونے میں نقدیت اور دوسرا وصف جنس کا متحد ہونا۔ تیسرا قول امام مالکؒ کا ہے وہ یہ ہے کہ علت قوت ہے یعنی غذا ہونا یا جو اس کی اصلاح کرے جیسا کہ نمک چوتھا قول عبدالملکؒ بن ماجشون کا ہے یعنی قابلِ نفع ہونا۔ انھیں باتوں پر نظر کر کے علماء نے فرمایا ہے کہ آیت ربوا مجمل ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کہا کہ آنحضرت ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور ربوٰا کے مسائل ہنوز ہم نے حل نہیں کیے اس مجمل کی تفسیر ائمہ نے خوب کردی ہے۔ اب جو کوئی خواہ مخواہ اس آیت کی تخصیص کر کے ''صرف غریبوں سے سود لینا حرام ہے اور دولت مندوں سے درست ہے اور گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ کی آمدنی بھی درست ہے اور رفاہِ عام کے سرمایہ کا سود لینا بھی درست ہے اور ریل وغیرہ امور تمدن میں بھی سود کے لئے روپیہ دینا درست ہے'' اس کا کیا اعتبار ہے؟ پھر اس پر دہلی کے علماء پر بہتان باندھنا کہ انہوں نے ایسا فتویٰ دیا تھا۔ صریح غلط ہے اور یہ کہنا کہ یہ مسئلہ تجارت اور ترقی ملک کے حق میں سدِّ راہ ہے سخت بے وقوفی اور ابلہ فریبی ہے (دھوکہ دہی) حق یہ ہے کہ سود کی تمام قسمیں حرام ہیں اور اس پر چار وعید نازل ہیں:۔

**معاملہ سود پر چار وعیدیں:**......اوّل: تخبط اور اس کے بعد وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ دوم: وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ کہ سود کو جائز کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ سوم: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا۔ چہارم: فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہ سود خواروں کو اللہ اور رسول سے لڑائی کرنے پر مطلع کردو۔ اسی طرح احادیث صحیحہ میں اس کے لینے والے اور دینے والے اور کاتب اور شاہد سب پر لعنت آئی ہے۔ اور سرّ اس کا یہ ہے۔

**سود کے لینے، دینے، لکھنے والے اور گواہ لعنت کے موجب ہیں:**......۱) ہر فعل روح پر رنگ کی طرح پیوست ہو جاتا ہے اور تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سود خوری سے دل پر سختی اور روپیہ کی محبت اور بزدلی اس درجہ کی طاری ہوتی ہے کہ جس کا کچھ بیان نہیں اور یہ تینوں اوصاف نہایت درجہ کے خراب ہیں۔ دیکھئے سود خور کیسے سخت دل ہوتے ہیں کہ کیسا ہی غریب و مفلس کیوں نہ ہو اس کی خانہ بربادی کر کے اپنا بھلا کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ اور بزدلی ان کی مشہور ہے اور اسی لئے آپ تاریخوں کے ورق اُلٹ جایئے کبھی کسی سود خور قوم کو آپ نہ پاویں گے کہ اس نے اولوالعزمی کی ہو یا فاتح ملک ہوئی ہو۔ بلکہ بیشتر یہ ناجائز روپیہ جمع کیا ہوا دلیروں کے ہاتھ لگا کرتا ہے۔ یہ تاثیری تو دنیا میں ظاہر ہوتی ہے اور علم باطن میں اس کے یہ اخلاقِ رذیلہ ہمیشہ اس کی روح کو صدمہ پہنچاتے ہیں جیسا کہ اس نے لوگوں کے دلوں پر صدمہ پہنچایا۔

---

● ...... یعنی معاملات بمعاوضہ قیمت ان کا جاری ہونا۔ دیکھو جو لین دین ہوتا ہے تو روپیہ اشرفی سے ہوتا ہے ۱۲ منہ۔

۲)......سود خوری سے ملک کی ترقی اور علوم وفنون کے کارخانوں اور تجارت کی طرف (جو قوم اور ملک اور سلطنت کی رونق کا باعث ہیں) توجہ نہیں رہتی اور بدنیتی آ جاتی ہے۔ آپ سود خوروں کے ملک کو کبھی سرسبز نہیں دیکھیں گے بلکہ صرف انھیں چند مُردار خوروں کو

۳)......صلہ رحمی اور ہمدردیٔ انسانی اور مروت کا دروازہ اس سے بند ہو جاتا ہے، اعاذنا اللہ منہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ

اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى

مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا

تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع ۳۸

ترجمہ:......ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود لینا باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم (سچے) مومن ہو۔ پھر اگر (یہ) نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے خبردار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرتے ہو تو تم کو تمہاری اصل رقم پہنچ سکتی ہے نہ تم ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے اور اگر قرض دار تنگ دست ہے تو اس کو فراخی تک مہلت دینی چاہیے اور اگر (مناسب) سمجھو تو معاف ہی کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اور اُس دن سے ڈرتے رہا کرو کہ جس دن تم خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جس کسی نے جو کچھ کمایا تھا اس کو پورا پورا دیا جائے گا اور کسی کا کوئی حق دبا نہ رکھا جائے گا۔

ترکیب:......ان کنتم مومنین شرط جملہ مقدم دال بر جزا فان لم تفعلوا شرط فاذنوا......الخ جواب وان شرطیہ کان تامہ ذو عسرۃ اس کا اسم فنظرۃ خبر ہے مبتدا محذوف کی ای فالحکم نظرۃ......الخ یہ تمام جملہ جواب شرط واتقوا فعل انتم فاعل یوماً مفعول بہ ترجعون......الخ جملہ اس کی صفت۔

## پچھلا سود معاف، نزولِ حکم کے بعد سُود لینے کی گنجائش نہیں

تفسیر:......پہلے فرمایا تھا ''سُود سے باز آ جاؤ اور جو کچھ ممانعت سے پیشتر لے لوا چکے ہو وہ تمہارا ہے''۔ اس پر خیال پیدا ہوتا تھا کہ ممانعت سے پہلے کا جو سود قرض دار کے ذمہ پر چڑھا ہوا ہے وہ بھی ہمارا ہے اس کو لینا چاہیے۔ اس خیال کو خدا نے رد کیا کہ جو کچھ سود قرض داروں کے ذمہ پر باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر سچا ایمان رکھتے ہو اور جو تم باز نہیں آتے تو تم کو خدا اور اس کے رسول کی طرف سے لڑائی کا اشتہار دیا جاتا ہے کس لیے کہ باوجود ممانعت شدید اور تاکید مزید کے پھر سود لینا اور غریبوں کا دل دُکھانا خدا اور اس کے رسول سے جنگ کرنا ہے۔ ہاں اگر تم اس فعلِ بد سے توبہ کرتے ہو تو تم کو تمہارا اصل مال پہنچتا ہے۔ نہ سود لے کر تم کسی پر ظلم کرو نہ اصل مال میں کمی کر کے تم پر ظلم کیا جاوے۔ جب کہ سود کی سخت ممانعت ہوگئی اور ذمہ پر چڑھا ہوا سود لینا بھی حرام ہوا تو قرض خواہ کا قرض دار کو تنگ کر کے جلدی وصول کرنا بھی ایک طبعی بات ہے کس لیے کہ جو امید نفع کی تھی جس کی وجہ سے مہلت دے رہا تھا وہ تو منقطع ہوگئی مگر جو قرضدار تنگ دست ہیں ان کے لئے اس میں بڑی دقت ہے وہ کہاں سے لا کر ان کو دیں اُدھر قرض خواہ ہے کہ تقاضوں کے مارے اس کو پیسے ڈالتا ہے بے آبرو کر رہا ہے قید میں ڈلوانے کی فکر کر رہا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے ان بے کسوں کے حال زار پر رحم کر کے اس کے ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ

اگر قرض دار تنگ دست ہے (یعنی سردی گرمی کے کپڑوں اور دو ایک دن کے کھانے اور خرچ عیال کے علاوہ نہ کوئی جائداد رکھتا ہے کہ اس کو فروخت کر کے ادا کرے نہ نقد مال ہے کہ دے کر پیچھا چھڑائے تو اس کو مہلت دینی چاہیے یہاں تک کہ اس کو قرض ادا کرنے کا مقدور حاصل ہو جائے۔ اتنے عرصے میں اس کو تنگ کرنا یا قید کرانا حرام ہے، اسلام میں سراسر رحم دلی ہے۔ ربوالفضل کو بھی اسی لیے حرام کیا گیا تھا کہ اگر مثلاً کسی غریب کو اچھے گیہوں کی ضرورت پڑے تو برابر سرابر کسی سے بدل لے اس تفاوتِ قلیل پر نظر نہ کی جائے۔ اسی طرح ربوا النسیہ کو حرام کیا، باہم احسان اور صلہ رحمی کے طور پر دوسرے بھائی کی حاجت قرض دے کر روا کر دینی چاہیے پھر فرماتا ہے اگر تم بالکل معاف کر دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ خزانہ الٰہی میں جمع ہو کر تمہیں آخرت میں نفع دے گا۔ اس کے بعد اس صلہ رحمی اور رحم دلی اور اُس سخت گیری کے لئے ایک کوڑا سا غافلوں کی پشت پر مار دیا کہ اُس دن سے ڈرو کہ جس میں تم پھر خدا کے پاس واپس جاؤ گے اور ہر شخص ، اپنے اعمال کا نتیجہ پائے گا۔

اس میں اشارہ ہے کہ تم پر بھی خدا تعالیٰ کے سیکڑوں مطالبات ہیں پھر جب تم سخت گیری کرتے ہو تو اپنے لئے اُس روز رحم کی کس بھروسہ پر امید رکھتے ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ
بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ
وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ
كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ
وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ
فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ
اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ
صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى
اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ
وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ

شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ
فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا
تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ یَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع

ترجمہ: ...... ایمان والو! جب تم اُدھار پر کسی میعادِ معین تک لین دین کیا کرو تو اُس کو لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ تم میں سے کوئی کاتب پورا پورا لکھے اور لکھنے والوں کو انکار نہ کرنا چاہیے جیسا کہ اس کو خدا نے سکھایا ہے لکھ دے اور مضمون وہ بتائے کہ جس پر مطالبہ ہو اور اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور اس میں کوئی کسر نہ رکھی جائے پھر جس پر مطالبہ ہے اگر وہ بے وقوف یا معذور ہو یا وہ مضمون نہیں بتا سکتا تب اُس کے ولی کو چاہیے کہ انصاف سے مضمون بتائے اور اپنے لوگوں میں سے دو مرد گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں کہ جن کو تم گواہوں میں پسند کرتے ہو کیونکہ اگر ان میں سے ایک بھولے گی تو دوسری اس کو یاد دلا دے گی اور گواہوں کو انکار نہ کرنا چاہیے جبکہ وہ طلب کئے جائیں اور معاملہ میعادی لکھنے میں کاہلی نہ کرو خواہ (معاملہ) چھوٹا ہو یا بڑا یہ خدا کے نزدیک منصفانہ بات ہے اور گواہی کے لئے بھی مضبوطی ہے اور زیادہ قرین عقل ہے کہ تم کو شبہ نہ پڑے مگر جب کہ وہ معاملہ دست بدست تجارت کا ہو کہ جس کو باہم لیتے دیتے ہو تب تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کچھ مضائقہ نہیں اور جب سودا کرو تو گواہ کر لیا کرو اور نہ کاتب کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو اور جو ایسا کرو گے تو یہ تمہاری بدکاری ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خدا (تو) تم کو سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے ﴿۲۸۲﴾ اور اگر تم سفر میں ہو اور تم کو کوئی لکھنے والا نہ ملے تو قرض خواہ کے ہاتھ میں کوئی چیز گروی کر دو اور جو تم میں سے کوئی کسی کے پاس امانت سپرد کرے تو اس کو چاہیے کہ اس کی امانت واپس کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور گواہی نہ چھپایا کرو اور جو اس کو چھپاتا ہے تو وہ دل کا کھوٹا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو خدا سب کو جان رہا ہے ﴿۲۸۳﴾۔

ترکیب: ...... یا حرف ندا ایھا الذین ...... الخ صلہ و موصول منادیٰ اذا کلمہ شرط تداینتم بدین الیٰ اجل متعلق ہے فعل سے یہ جملہ شرط فاکتبوہ جواب بالعدل متعلق ہے ولیکتب سے کما علمہ اللہ کاف موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی۔ ولیملل اس کی ماضی امل ہے من رجالکم صفت ہے۔ شھیدین کی۔ ممن ترضون موضع رفع میں صفت ہے رجل والمرأتان کی، من الشھداء بدل ہے من سے جو ممن میں ہے ان تضل، ان مصدر یہ ناصبہ فعل ہے اور یہ مفعول لہٗ ہے تقدیرہ لان تضل۔ فتذکر منصوب ہے معطوف ہے تضل پر۔ احدھما فاعل الاخریٰ مفعول ان تکتبوہ بتاویل مصدر مفعول ہے لا تسموا کا صغیرا او کبیرا دونوں حال ہیں تکتبوہ کی ہ سے عند اللہ ظرف ہے اقسط کا اور لام للشھادۃ میں اقوم سے متعلق ہے۔ ان لا ترتابوا موضع نصب میں ہے و تقدیرہٗ ادنیٰ لئلا ترتابوا۔ تجارۃ موصوف حاضرۃ صفت مجموعہ خبر تکون اور اسم اس کا ضمیر ہے یکون میں جو المعاملۃ کی طرف پھرتی ہے۔ تدیرونھا بینکم ای تقبضونھا جملہ صفت ثانیہ ہے تجارۃ کی رھان موصوف مقبوضۃ صفت مجموعہ خبر ہے مبتدا محذوف کی ای الشیقۃ رھان۔

## مال کی حفاظت و ترقی کی تدابیر

تفسیر: ...... پہلی آیتوں میں صدقہ و خیرات کا حکم دیا اس کے بعد سود کو منع کیا جس سے بظاہر مال میں کمی ہوتی ہے۔ اس کے بعد مال کی حفاظت اور ترقی کی تدبیر ان آیات میں بیان کی۔ لکھنے اور بیع السلم کا حکم دیا۔ یہ اس لئے کہ مال سے انسان بہت سے نیک کام کر سکتا ہے اور سوال اور ذلت سے بچتا ہے بفراغتِ دل عبادت کر سکتا ہے اور اسی لئے بے جا صرف کر کے مال برباد کرنے سے بھی بڑی تاکید سے منع

فرمایا وَلَا تُسْرِفُوْا۔ یا یوں کہو جب کہ خدا نے سود سے منع کیا تو اس کے بدلے میں ایک اور جائز آمدنی یعنی بیع السلم کو جائز کیا۔ کیونکہ بعض مفسرین نے اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى سے بیع السلم مراد لی ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوتا ہے۔ فرماتا ہے اے مسلمانو! جب تم باہم کچھ قرض کسی میعاد پر لو دو تو اس کو لکھ لیا کرو اور کوئی لکھنے والا حق لکھنے کی زیادتی نہ کرے اور قرض لینے والا خود بتاتا جاوے اور جو وہ کم سنی یا بیوقوفی کی وجہ سے خود نہیں لکھ سکتا یا مضمون تمسک نہیں بتا سکتا تو اُس کے ولی وارث بتائیں اور لکھوائیں اور پھر دو شخصوں کو کہ جو معتبر ہوں گواہ بنا لو اور جو دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی میں کافی ہیں تاکہ ایک بھولے تو دوسری یاد دلا دے اور جب وقت پڑے تو گواہوں کو لازم ہے کہ پوری گواہی دیں اس کو ہرگز نہ چھپاویں۔ ہاں اگر نقد بنقد تجارت ہو تو اس کا لکھانا کچھ ضروری نہیں اور جو باہم بیع کرو تو کسی کو اس پر گواہ بنا لیا کرو۔ اور جو سفر کی وجہ سے لکھنے والا نہ ملے تو کوئی چیز رہن کر دینی چاہیے۔ اور جو کوئی کسی کو امانت سپرد کرے تو اس کو لازم ہے کہ پھر اس کی امانت واپس کر دے خدا سے ڈرے۔ یہ آیت کا خلاصہ مطلب ہے۔ اب ہم اس میں جس قدر احکام ہیں اُن کی تفصیل کرتے ہیں اور اس میں اقوال مفسرین بھی بیان کرتے ہیں تاکہ آیت کے مطالب پر بخوبی آگاہی ہو جاوے۔

**بیع سلم کے وقت لکھنے کا حکم:**......(۱)......اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ چھواروں کی دو برس تین برس کے وعدہ پر بیع کیا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ❶ جو کوئی بیع سلم کرے تو وزن اور وقت اور پیمانہ معین کر لیا کرے اس پر خدا تعالیٰ نے اور بھی اس آیت میں اس بیع کی حفاظت کر دی کہ ان سب باتوں کو لکھ لیا کرو پس ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس آیت میں تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ سے بیع سلم مراد ہے اور اس کے لکھنے سے یہ مراد ہے کہ وزن اور پیمانہ اور وقت لکھ لیا جائے جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ بیع چار طور سے ہو سکتی ہے۔

اوّل: نقد بنقد یعنی ابھی دام دینا اور ابھی چیز لینا جس کو تجارۃ حاضرۃ سے تعبیر کیا ہے سو وہ اس جگہ مراد نہیں کیونکہ وہاں دَین نہیں اور تداین تفاعل ہے دین سے اور تداینتم تبایعتم بدین۔

**خرید و فروخت کی چار قسمیں:**......دوم: اُدھار کو اُدھار سے فروخت کرنا کہ ہم تم کو پرسوں اتنے روپے دیں گے تم ہم کو اس قدر چیز دینا، سو یہ بیع باطل ہے یہ بھی اس آیت میں داخل نہیں۔ تیسرے کسی چیز کو اُدھار سے فروخت کرنا یعنی بیع العین بالدَّین، جیسا کہ کوئی کہے ہم نے یہ شے اتنے روپیہ سے خریدی مگر روپیہ دو مہینے میں دوں گا۔ چوتھی بیع الدین بالعین یعنی روپیہ تو اُسی وقت دیدیا جائے اور مال کے لئے کوئی مہلت مقرر ہو جائے۔ مثلاً کوئی کہے کہ ہم نے تم سے سو من گیہوں اس نرخ سے خریدے اور فلاں مہینے میں ہم تم سے لے لیں گے اس کو بیع السلم ❷ اور بیع السلف کہتے ہیں، اس آیت میں تیسری اور چوتھی قسم مراد ہے اور یہی قوی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے قرض دینا مراد ہے کہ اگر کوئی کسی کو قرض دے تو اس کو لکھ لے لیکن اس میں ضعف ہے۔ کیونکہ لغت میں قرض اور چیز ہے دَین اور چیز ہے۔ قرض میں مدت مقرر کرنا درست نہیں۔ دَین میں ہے۔ قرض، روپیہ پیسہ وغیرہ کسی کو بشرط واپسی دینا۔ دَین، کسی حق کی بابت کوئی چیز اس پر لازم ہونا۔ اور کبھی دونوں ایک معنی میں بھی مستعمل ہوتے ہیں پس آیت میں دَین کا ذکر ہے نہ کہ قرض کا۔

**معاملات کو لکھنے کا حکم اباحت کے لئے ہے:**......(۲)......فَاكْتُبُوْهُ۔ جمہور محققین کے نزدیک یہ امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ

---

❶...... امام بخاری وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے ۱۲ منہ۔ ❷...... بیع السلم جمہور ائمہ کے نزدیک جائز ہے جس کو ہمارے عرف میں بدنی کہتے ہیں۔ مگر اس میں چند شرطیں ہیں۔ مال جو لیا جائے گا اس کی ناپ تول مقرر ہونی چاہیے اور یہ کہ کب لیا جائے گا، اور کہاں لیا جائے گا وغیرہ ذالک تاکہ کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو خواہ وقت مقرر پر وہ چیز ارزاں ہو خواہ گراں بائع (سستی یا مہنگی بیچنے والے) کو دینی پڑے گی۔ اور اس کا نفع مشتری کو درست نہ ہوگا ۱۲ منہ۔

اباحت کے لئے ہے۔یعنی لکھنا اس معاملہ کا فرض وواجب نہیں بلکہ بہتر ہے تا کہ باہم نزاع اور کسی شرط پر جھگڑا نہ ہو۔

(۳)......وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ۔کاتب پر بھی اس کا لکھنا بقول جمہور فرض وواجب نہیں۔

**کتابت کی اُجرت:**......(۴)......وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ۔ بلکہ اسی لئے متاخرین نے کاتب کے لئے اجرتِ کتابت لے کر لکھنا جائز قرار دیا ہے اور مستحب یہ ہے کہ کاتب بلا اجرت اس شکریہ میں کہ خدا نے اُس کو لکھنا سکھایا ثواب جان کر لکھے جیسا کہ اہلِ اسلام کے اور سب کام اجرِ آخرت پر ہوتے ہیں۔والیہ یشیر بقولہ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ۔

(۵)......وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ، املال اور ملاء دونوں کے لغت میں بتانے اور پڑھ کر سنانے کے معنے ہیں قال تعالیٰ فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا یعنی جس پر دَین ہے اور اس نے اپنے ذمہ پر لے لیا ہے کہ میں فلاں مہینے میں اس شے کو کہ جس پر بیع واقع ہوئی دوں گا وہ اقرار کرلے اور لکھوائے اور کچھ کم زیادہ نہ کرے اور جو یہ خود لکھوا نہیں سکتا یا خود لکھ نہیں سکتا تو اس کا ولی انصاف سے یہ کام کرے۔

**فائدہ: احکامِ شہادت:**......(۶)......وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ گواہ بنانا بھی امر استحبابی ہے مِنْ رِّجَالِكُمْ اور مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ سے شہادت کے متعلق چند مسائل مستفاد ہوتے ہیں۔

اول: یہ کہ سوائے شہادت زنا کے ہر امر کی شہادت کے لئے دو آدمی کافی ہیں لانہ قال شَهِيْدَيْنِ اور زناء کے معاملہ میں چار شخصوں کی گواہی معتبر ہے کما قال اللہ تعالیٰ: وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ وقال ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ کیونکہ یہ کام مرد اور عورت دونوں سے متعلق ہے ہر ایک کے لئے دو دو گواہ چاہئیں اور نیز پردہ پوشی بھی مطلوب ہے۔پھر سوائے زنا کے اگر حدود وقصاص کا معاملہ ہے تو اس میں صرف دو مرد ہوں عورتیں نہ ہوں کیونکہ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں زہری سے روایت کی ہے: مضت السنة من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و الخلیفتین من بعدہ ان لا شہادۃ للنساء فی الحدود کہ حضور ﷺ کے عہد سے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عہد تک حدود (وقصاص) میں عورتوں کی گواہی قبول نہ کی جاتی تھی۔اس کے سوائے اور سب معاملات میں خواہ مالی ہوں خواہ غیر مالی دو مردوں کی گواہی اور جو دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد ❶ اور دو عورتوں کی کافی ہے۔دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام کی گئی ہیں۔کیونکہ ان کے مزاج میں برودت ہے جس سے نسیان پیدا ہوتا ہے دو میں اگر ایک بھولے گی تو دوسری یاد دلائے گی۔امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مالی معاملات میں قبول ہوگی اور غیر مالی میں مرد کا ہونا ضروری بات ہے۔

**اہلیت شہادت کے لئے دس شرطیں:**......دوم: مِمَّنْ تَرْضَوْنَ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہر شخص گواہی کے قابل نہیں بلکہ عمدہ آدمی ہو اب اس کی تفسیر بالتفصیل علماء امت نے احادیث اور قیاس سے یوں کی ہے کہ گواہ میں دس شرطیں ہونی چاہییں اول حر ہو، یعنی کسی کا غلام نہ ہو۔دوم بالغ ہو، کم سن لڑکا نہ ہو۔سوم مسلمان ہو جیسا کہ مِنْ رِّجَالِكُمْ سے سمجھا جاتا ہے کافر نہ ہو البتہ کافر مستامن کی گواہی دوسرے کافر مستامن پر درست ہوسکتی ہے نہ کہ مسلمانوں پر۔

واضح ہو کہ یہ شرطیں اُن باتوں کی گواہی میں معتبر ہیں جو دین سے متعلق ہیں اور معاملات میں تو صرف ہر اہل عقل وتمیز کا قول معتبر ہوگا خواہ حُر خواہ غلام خواہ مسلمان ہو خواہ کافر جوان ہو یا عقل وتمیز والا لڑکا۔کس لیے کہ معاملات کثیر الوقوع ہیں اگر ان میں یہ قیدیں معتبر ہوں تو حرج ہوگا۔چنانچہ ہدایہ کی کتاب الکراہیۃ میں لکھا ہے:

**ویقبل فی المعاملات قول الفاسق ولا یقبل فی الدیانات الا قول العدل ووجہ الفرق ان المعاملات یکثر وجودھا فیما بین**

---

❶......مگر وہ معاملات جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے وہاں صرف ایک عورت کی بھی شہادت کافی ہے جیسا کہ بکارت، ولادت اور عورتوں کے خاص عیب، ہدایہ ۱۲ منہ۔

الناس فلو شرطنا شرطاً زائداً یودی الی الحرج فیقبل قول الواحد فیها عدلا کان او فاسقا کافرا کان او مسلما عبدا کان او حرا ذکرا کان او انثی دفعا للحرج۔

معاملات کی مثال شراء اور اذنِ تجارت اور وکیل بنانا وغیرہ اور دیانات کی مثال نجاستِ آب کی خبر دینا یا اور کوئی حلت وحرمت کے متعلق خبر دینا۔ چہارم عادل ہو فاسق نہ ہو پنجم جس چیز کی گواہی دیتا ہو اس کو خوب جانتا ہو۔ ششم اس گواہی سے اس کا کوئی نفع نہ ہو۔ ہفتم اس سے کوئی اس کی مضرت دفع نہ ہو۔ ہشتم غلط اور نسیان میں مشہور نہ ہو۔ نہم بے مروت اور لالچی نہ ہو۔ دہم جس پر گواہی دے رہا ہے اس میں اور اُس میں کوئی عداوت نہ ہو۔

سوم: وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا . وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ سے گواہوں پر فرض واجب ہو گیا ان کو عدالت میں طلب کیا جائے تو ایمان داری سے سچی شہادت دیویں اور اس میں سے ہرگز کوئی بات مخفی نہ کریں نہ اس کو بدل کر کہیں خواہ اپنا ہی نقصان کیوں نہ ہوتا ہو۔ اگر گواہ کا کوئی خرچ دادائے شہادت میں سفر کرنا پڑے تو جب درس تدریس وعہدہ قضا کے لئے اجرت لینا متاخرین نے جائز رکھا ہے تاکہ یہ دروازہ بند نہ ہو جائے، تو اسی طرح گواہ کو خرچ وخوراک بھی دینا جائز ہو سکتا ہے جس کی طرف وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ میں اشارہ ہے۔

**گروی رکھنے کا حکم:**...... چہارم: وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ جمہور محققین کہتے ہیں کہ قید (اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ ملے تب کوئی چیز رہن کردو) ایک امر کثیر الوقوع کے بیان کے لئے ہے کیونکہ سفر میں اکثر ایسا ہوتا ہے مگر اس سے یہ غرض نہیں کہ وطن میں باوجود کاتب ہونے کے رہن نہ کرو بلکہ خود آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی درع ❶ کو کسی قدر جو لے کر رہن کیا تھا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے۔

**ادائیگی امانت کا حکم:**...... پنجم: فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا الآیۃ چونکہ کبھی اس طرح سے بھی بیع ہوتی ہے کہ نہ مشتری سے نقد روپیہ لیا جاتا ہے نہ معتبر اور امین سمجھ کر تمسک لکھوایا جاتا ہے نہ کوئی شے زرِثمن کے عوض میں رہن کی جاتی ہے گویا اس مشتری کو امین تصور کیا جاتا ہے اس امر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی کبھی کو ایسا سمجھے تو اس کو لازم ہے کہ اس پر جو کچھ آتا ہے خدا سے ڈر کر حسب وعدہ دیدے انکار نہ کرے اور نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو چیز کسی کے پاس رہن کی گئی ہے وہ مرتہن کے پاس رہن رکھنے والے کی امانت ہے اس کو واپس دیدے جبکہ قرضہ ادا کر دیا جائے۔ اس سے بہت سے مسائل رہن کے ثابت ہوتے ہیں۔ من جملہ ان کے یہ کہ اس چیز پر جو کچھ صرف ہو اس کے مالک کے حساب میں لگے، اور جو کچھ اس کی آمدنی ہو وہ بھی مالک کی ہے۔

من جملہ ان کے یہ کہ اگر امانت کسی آسمانی زمینی حادثہ سے تلف ہو جاوے تو امانت ہے اس کا معاوضہ نہیں اور نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ یوں بھی کوئی کسی کو امانت سپرد کرے تو اس کو واپس دینا لازم ہے۔ یہ بھی حفظِ مال کا ایک عمدہ ذریعہ ہے اور حفظِ مال کے لیے یہ آیات بیان ہو رہی ہیں۔ ان آیات میں جس قدر احکام اشارۃً مذکور ہیں اور پھر جو کچھ الفاظ میں اسرار رکھے گئے ہیں اور بلاغت مرعی ہے وہ ایک بحر زخار ہے جس کے بیان کے لئے ایک دفتر چاہیے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

❶ ..... زرہ ۱۲ منہ۔

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ
بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَقَالُوْا
سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا
وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ
نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۫ وَاغْفِرْ لَنَا ۫
وَارْحَمْنَا ۫ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

ترجمہ:...... جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور جو کچھ کہ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اس کو ظاہر کر دیا چھپاؤ اللہ اس کا تم سے حساب لے گا پھر جس کو چاہے معاف کرے گا اور جس کو چاہے عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۸۴﴾ جو کچھ رسول پر اس کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر رسول اور ایمان والے یقین لے آئے ہر ایک اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آیا کہ ہم کسی ایک رسول میں بھی فرق نہیں کرتے اور کہہ دیا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا تیری مغفرت چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور تیرے پاس پھر کر جانا ہے ﴿۲۸۵﴾ اللہ بھی کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جس نے اچھے کام کیے تو اپنے لیے اور جس نے بُرے کام کیے تو اپنے لیے (اس کا وبال بھی اسی پر ہے) اے ہمارے رب اگر ہم بھول چوک جائیں تو ہم کو نہ پکڑنا۔ اے ہمارے رب اور ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال دینا جیسا کہ ہم سے پہلوں پر ڈال دیا تھا اے ہمارے رب اور ہم پر ایسا بارِ گراں نہ رکھ دینا کہ جس کی ہم کو طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر کر اور ہم کو بخش دے اور ہم پر مہربانی کر تو ہمارا کارساز ہے پس ہم کو کافروں پر فتح یاب (بھی) کر ﴿۲۸۶﴾۔

---

ترکیب:...... مافی السمٰوٰت... الخ مبتدا اللہ خبر و ان تبدو شرط یحاسبکم جزا فیغفر مرفوع جملہ مستانفہ اور جو مجزوم پڑھا جائے تو یہ یحاسب پر معطوف ہے و المؤمنون معطوف ہے الرسول پر کل مبتدا اٰمن باللہ... الخ خبر بعض کہتے ہیں المومنون مبتدا اور یہ جملہ اخیٰ مبتدا و خبر اس کی خبر۔ غفرانک اے نسئل غفرانک۔

## تنبیہ و تہدید

تفسیر:...... پہلے رکوع میں فرمایا تھا کہ ''گواہی نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا تو اس کا دل گناہ گار ہوگا''۔ اور نیز یہ بھی فرمایا تھا کہ ''کسی کو مضرت نہ پہنچاؤ'' اور یہ بھی کہ ''امانت کو گواس پر کوئی گواہ نہ ہو واپس دو''۔ اور ایسا ہوتا ہے کہ بعض ظاہر میں تو گواہی دیتے ہیں مگر اس میں ایسی گول گول باتیں کہہ جاتے ہیں کہ جس سے مضرت ہوتی ہے یا کوئی حیلہ کر کے اور شرع اور قانون کو آڑ بنا کے مضرت پہنچاتے ہیں یا بدنیتی سے کوئی ایسا کام کرتے ہیں کہ جو بظاہر اچھا ہے مگر در پردہ اس میں خیانت ہے جس پر احکام ظاہری کچھ مواخذہ نہیں کر سکتے۔ ان

سب باتوں کے لئے جب تک خوفِ خدا نہ ہو اور یہ بات دل نشین نہ ہو جائے کہ وہ ظاہر و باطن سب کچھ جانتا ہے ہر خطرہ قلبی بھی اُس کے سامنے میں موجود ہے وہ بدنیتی اور باطن کے فریبوں اور حیلوں پر عذاب دے گا وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اور کوئی علاج نہیں، اس لیے یہ آیت لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ..... الخ نازل فرمائی تا کہ خدا کا علام الغیوب اور قادر مطلق ہونا دل پر نقش ہو جائے۔ صفاتِ کمالیہ میں سب سے بڑھ کر علم وقدرت ہے اس لئے لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ میں تو اپنی قدرت کاملہ کو ظاہر کر دیا اور وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ..... الآیۃ سے کمالِ علم کو تعبیر کیا کہ اس کو ہر بات معلوم ہے۔ اس سے فرمانبرداروں کو پوری تسلی ثواب اور جزاء خیر ملنے کے لیے ہے اور سرکشوں اور نافرمانوں کو پوری پوری تہدید اور تنبیہ ہے۔ اور اسی لیے سورہ بقرہ میں نماز، زکوۃ، روزہ، حج، قصاص، جہاں نکاح طلاق، مہر، ایلا، خلع، رضاعت، بیع، ربوا، رہن وغیرہ احکام متعلقہ بحقوق العباد اور حقوق اللہ کو بیان کر کے اس آیت پر کلام کو تمام کر دیا۔

**حقوق اللہ کا بیان:**..... واضح ہو کہ انسان کے افعال کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جو خاص قلب سے متعلق ہیں جیسا کہ محبت الٰہی، رحم دلی، اللہ اور اس کے رسولوں پر اور قیامت اور فرشتوں پر ایمان لانا اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس سے ڈرنا اور معبودِ حقیقی اور مولیٰ حقیقی سمجھ کر محبت رکھنا۔ یا کینہ حسد بغض نفاق دل میں رکھنا، اور اس کی ذات وصفات اور قیامت اور فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں کا انکار کرنا۔ ان سب کو اعتقادیات اور نظریات کہتے ہیں۔ دوسرے وہ کہ جن کا ظہور ہاتھ پاؤں زبان وغیرہ اعضاء سے متعلق ہے جیسا کہ نماز زکوۃ صدقہ وخیرات وغیرہا۔ یا زنا چوری اور جھوٹ بولنا گالی دینا وغیرہ قسم اول میں بھی نیک و بد باتیں ہیں اور قسم دوم میں بھی۔ قسم دوم کو وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ سے تعبیر کیا اور قسم اول کو اور تُخْفُوْهُ سے تعبیر کیا۔ مگر نیک لوگوں سے بھی کبھی بھول چوک ہو جاتی ہے اور دل میں بھی کبھی بے اختیار خطرات بد پیدا ہوتے ہیں اگر گرفت ہو تو بڑی مشکل پیش آئے۔ اس لئے فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ بھی فرما دیا مگر بُری باتوں کے لئے وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ سے تہدید کر دی۔

اور جب کہ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ فرمایا جس میں اشارہ تھا کہ انسان کی بعض باتیں مغفرت اور رفعِ درجات کا سبب اور بعض عذاب کا سبب ہیں عام ہے کہ دنیاوی ہوں یا اُخروی یا دونوں ہوں اس لئے موجباتِ رحمت ومغفرت کو بالخصوص ان کو جو علم و معرفت سے متعلق ہیں۔ کس لیے کہ انسان کی سعادت کا زیادہ تر مدار اعتقادیات ومعارف ہی کی درستی پر ہے اس لئے فرمایا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ..... الآیۃ اس میں یہ بھی بات ظاہر ہوگئی کہ اول سورہ میں جو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ... الآیۃ آیا اور متقین کا حال بیان فرمایا اس سے یہی لوگ مراد ہیں تا کہ ابتداء کلام اور انتہائے کلام میں وہ ربط ہو جائے جو کہ دعویٰ اور دلیل کے نتیجہ میں ہوتا ہے یہ کمالِ بلاغت ہے اور نیز یہ بات بھی بتلا دی کہ وصفِ تقویٰ امتِ محمد ﷺ کو حاصل ہو گیا۔

یہ بات ہم مقدمہ کتاب میں ظاہر کر چکے ہیں کہ خدا اور بندوں میں بہت سے وسائط ہیں پاک باز بندوں یعنی رسولوں میں اور اللہ میں واسطہ فرشتہ ہے کہ تجرد زیادہ رکھتا ہے پھر اور آدمیوں کے لئے واسطہ رسول ہیں۔ کس لئے کہ ملائکہ پر تو عالمِ ملکوت خود ظاہر ہے ان کو بجز یقین کرنے کے چارہ نہیں ہاں انسانوں سے بچشمِ ظاہر مخفی ہے اس لئے ان کا ایمان لانا زیادہ تر ضروری ہے سب سے اور پیشتر اُن کے ہادی اور مرشد رسول کو اس عالم کا یقین ہونا پر ضرور ہے تا کہ اس کی صداقت اور ایمان کا پرتو امت کے دلوں پر پڑے۔ اور اسی لئے جناب نبی علیہ السلام کو شبِ معراج میں مختلف اوقات میں اُس عالم کا مشاہدہ کرا دیا اور سب کچھ دکھا دیا۔ اس لئے فرماتا ہے اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ اس کے بعد وَالْمُؤْمِنُوْنَ ذکر کیا اور اس پر سب کو جمع کر کے كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ میں علیٰ ترتیب ذکر

فرمایا اور مؤمنوں کی طرف سے یہ بھی ظاہر کر دیا لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ ❶ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کہ ہم کو اس کے کسی رسول کا بھی انکار نہیں حقیقت میں خدا کی فرمانبرداری کے یہی معنے بھی ہیں کہ اس کے کسی برگزیدہ یا رسول کا انکار نہ کیا جائے۔ سو یہ بات بھی خالص اہل اسلام کو حاصل ہے یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں عیسائی انہیں بجز وجوہ کہ جس سے یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کسر شان پر استدلال کرتے ہیں جناب محمد علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں جن کے انکار کی وجہ نہ تو توراۃ سے ثابت ہے نہ انجیل سے نہ وہ ان حضرات انبیاء کے برخلاف ہے بلکہ ان کی مصدق۔ علاوہ اس کے صدہا معجزات اور سب سے بڑھ کر معجزہ عرب جیسی جاہل اور وحشی قوم کو خدا پرست اور نیکوکار ہوتے اور کایا پلٹے بھی دیکھ چکے ہیں اور ان کی بشارت بھی کتب مقدسہ میں ہیں۔

**اہل ایمان کی سیرت اور رویہ کا بیان:**......اس کے بعد اہل ایمان کی سیرت اور روّیہ کو بیان کرتا ہے وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ یہ آپ بھی جان چکے ہیں کہ انسان کا کمال اس کی قوت نظریہ اور عملیہ کی تکمیل پر منحصر ہے۔ قوت نظریہ کی تکمیل اعتقادیات کو درست کرنا اور اس کے رسولوں پر قیامت اور فرشتوں پر ایمان لانا ہے سو اس کی طرف كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ ......الخ میں اشارہ تھا۔ اور قوت عملیہ کی تکمیل اس کی اطاعت کرنا اور اس کے احکام پر کان دھرنا ہے سو اس کو اس آیت وَقَالُوْا سَمِعْنَا......الخ میں واضح کیا۔

**انسان کی تین حالتیں اور تین علم:**......اور یہ بھی ہے کہ انسان کے تین حال ہیں اول وہ جو گزر گیا۔ گزشتہ اور پہلی باتوں کے علم کو علم المبداء کہتے ہیں۔ دوسرا حال موجود اس کے علم کو علم الحاضر ❷ کہتے ہیں کہ اس عالم میں انسان کو کیا کرنا چاہیے۔ تیسرا حال آیندہ کہ مرنے کے بعد اس پر کیا گزرے گا اور کیا پیش آئے گا، اس کو علم المعاد کہتے ہیں۔ قرآن چوں کہ کتاب الٰہی ہے اس میں ان تینوں علموں کی طرف ضرور اشارہ ہوتا ہے اور انہیں کی تعلیم کے لئے انبیاء دنیا میں آئے۔ اور کتابیں لائے ہیں اس لئے اخیر سورہ بقرہ میں ان تینوں علوم کو بیان فرمادیا، اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ تک تو علم المبداء کی طرف اشارہ ہے کہ اول سب سے وہ ذات باری ہے اور پھر ملائکہ مخلوقات میں مظہر اول ہیں پھر آسمان و زمین جن و انس ان کی ہدایت کے لئے کتابیں اور رسول آئے اور علم الوسط کی طرف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا میں اشارہ ہے۔ کیونکہ بجز طاعت و فرماں برداری کے دنیا میں انسان کے لئے فلاح و نجات کا اور کون (کونسا) ذریعہ ہوسکتا ہے اس کو دنیا میں ہی کرنا چاہیے۔ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ میں علم المعاد کی طرف اشارہ ہے کہ مر کر عالم قدس میں جانا اور خدا کے پاس حاضر ہونا ہے جہاں سوائے مغفرت کے اور کوئی عمدہ چیز نہیں۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا...... یہ تتمہ ہے کلام مؤمنین اور رسول کا اور قَالُوْا کا مقولہ ہے یعنی مؤمنوں نے جب کہ یہ کہا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا تو اس کے ساتھ خدا کی مدح میں یہ بھی کہا کہ ہم کیوں کر اس کی اطاعت نہ کریں حالانکہ وہ کسی کو طاقت سے زیادہ کوئی حکم ہی نہیں دیتا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہ جملہ خدا کی طرف سے اس بیان میں بطور جملہ معترضہ کے بیان ہوا ہے کہ وہ جو میری طاعت کرتے ہیں بجا کرتے ہیں میں بھی ایسا نہیں ہوں کہ جو کسی کو کوئی حکم طاقت سے زیادہ دوں اور طاعت میں میرا کوئی فائدہ نہیں، نافرمانی میں میرا

---

❶ ......اسی لیے مسلمان تمام انبیاء علیہم السلام کو برحق جانتے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے ان پر بالتفصیل ایمان رکھتے ہیں اور جن کا ذکر نہیں بموجب اس آیت کے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ. وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ ان کو اجمالاً برحق جانتے ہیں۔ یہاں سے یہ بات بھی پیدا ہوئی کہ ہندستان ایران چین وغیرہ بڑے آباد ملکوں میں ضرور خدا کے انبیاء اور ہادی آئے ہوں گے، بعد میں بمرور زمانہ ان کے مذہب و ملت میں تحریف ہو کر صورت بگڑ گئی۔ اس لئے ان کے مذاہب میں بعض باتیں حقانی بھی ملتی ہیں اور اسی لئے ان کے مشاہیر کی بابت سکوت بہتر ہے۔ سوء ادبی نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ رسول ہوں۔ ان کے پیرؤں کی غلط تاریخ اور غلط کاری سے وہ ملزم نہیں ہوسکتے ۱۲ منہ۔

❷ ......اور اس کو علم الوسط بھی کہتے ہیں ۱۲ منہ۔

نقصان نہیں بلکہ بندوں کا ہی نفع اور نقصان ہے۔

**ایک جامع اور موثر دُعا:**......رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا یہ ایمان داروں کی طرف سے دعا ہے کہ الٰہی ہر چند ہم تیری طاعت میں سرگرم ہیں مگر جو کچھ مقتضائے بشریت سے بھول چوک ہو جائے تو معاف کی جیو۔ یہ اس لئے ذکر کیا کہ عابدوں کو اپنی عبادت پر غرور نہ ہو جائے۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا یہ دعا کی دوسری قسم ہے اصر لغت میں سختی اور بوجھ کو کہتے ہیں اس سے مراد احکام کی سختی اور بھاری پن ہے یعنی ہم پر وہ سخت احکام فرض نہ کرنا جو باعث دقت ہوں جیسا کہ بنی اسرائیل پر تھے جو کتاب احبار وغیرہ تورات کے حصوں میں اب تک موجود ہیں۔ یا یہ مطلب کہ ہم پر دنیا میں سخت تکلیفیں اور غیر قوموں کی غلامی کا بوجھ نہ ڈالیو جیسا کہ بنی اسرائیل پر پڑا۔ وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ❶ حمل اور تحمیل میں فرق ہے۔ حمل آپ اٹھانا، تحمیل اٹھوانا۔ یہ تیسری قسم دعا کی ہے کہ ہم پر کوئی ایسی افتاد بھی نہ پڑے جس سے ہم کو وہ باتیں برداشت کرنی پڑیں جو ہماری طاقت سے باہر ہوں۔ وَاعْفُ عَنَّا عذاب اور مکافات اعمال سیئہ سے درگزر کرنا وَاغْفِرْ لَنَا پردہ پوشی بھی کر بلکہ اس سے بڑھ کر وَارْحَمْنَا اپنے کرم سے نعما دنیا و آخرت نصیب کر اور فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور ہم کو دشمنان دین پر فتح یاب بھی رکھیو۔ یہ چوتھی قسم کی دعا تھی حقیقت میں غیر ملت کی حکومت میں رہنا پوری غلامی ہے۔ مخالفوں پر فتح یابی بھی ایک عجیب نعمت ہے۔

---

❶......بعض علماء نے اس سے یہ بات پیدا کی ہے کہ خدا کو اختیار ہے کہ بندہ کو اس کی طاقت سے زیادہ کسی کام کا حکم دے۔ اس پر بہت کچھ قیل و قال ہوئی ہے۔ مگر جب طاقت وقدرت سے وہ مراد لی جائے کہ جس سے بآسانی وسہولت کام کر سکے تو جو کام مشکل اور وقت سے ہو سکے عرف عام میں اس کو طاقت وقدرت سے باہر کہتے ہیں کون سا اشکال ہو سکتا ہے اس سے ناممکن کام کا حکم دینا ثابت کر کے پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے ارتکاب عبث وظلم کا جواب دہ ہونا ایک فضول بات ہے۔ حقانی۔

اٰيَاتُهَا ۲۰۰ (۳) سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ (۸۹) رُكُوْعَاتُهَا ۲۰

سورۃ ال عمران مدنی ہے اس میں ۲۰۰ آیات اور ۲۰ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۝١ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝٢ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝٣ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝٤

ترجمہ:.....الٓمّٓ ۝ اللہ، اس کے سوا (اور) کوئی معبود نہیں وہ زندہ (اور عالم کا کارساز ہے ۝ (اے نبی) اس نے آپ پر کتاب برحق نازل کی جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اس سے پہلے تورات اور انجیل (بھی نازل کر چکا ہے ۝ لوگوں کی ہدایت کے واسطے اور اس نے حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا (قرآن) بھی اُتارا جو لوگ اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں اُن کے لئے (تو بڑا ہی) سخت عذاب ہے اور اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے ۝۔

---

ترکیب:.....الم کی ترکیب بیان ہو چکی اللہ مبتدا لا الٰہ الا ھو جملہ اس کی خبر الحی القیوم موصوف وصفت خبر ثانی نزل علیک.....الخ جملہ یا خبر ثالث ہے یا مستانفہ بالحق حال ہے مفعول سے یا فاعل سے أی نزلہ محقافی تنزیلہ او ملتبسا بالحق۔ مصدقا حال ہے کتاب سے لما بین یدیہ جملہ مفعول ہے مصدقا کا اور لام آلہ کی ہے تقویۂ عمل کے لئے ھدی للناس حیز نصب میں ہے مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے۔

## شانِ نزول

تفسیر:.....یہ سورہ مدنیہ ہے اس میں دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔ چونکہ آلِ عمران کا اس میں ذکر ہے اس لئے اس کا نام آل عمران ہوا۔

اس کے شانِ نزول میں محمد بن اسحاق نے یوں روایت کی ہے اور دیگر روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے گو وہ روایات بقاعدہ محدثین فرادیٰ فرادیٰ کم درجہ کی ہیں، وہ یہ کہ جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور دینِ حق کی روشنی کے چمکارے اطراف و جوانب میں پھیلے، اور مدینہ کے آس پاس کے یہود حجتِ حق سے ملزم ٹھیر گئے تو نجران ❶ کے عیسائیوں کی ایک جماعت مناظرہ کے لئے آئی۔ جس

❶ ..... نجران، مدینہ سے چند منزل کے فاصلہ پر ایک شہر عیسائیوں کا تھا ۱۲ منہ۔

میں تخمیناً ساٹھ آدمی تھے ان میں ان کا سردار عبدالمسیح اور اس کا وزیر و مشیر ایہم اور ان کا بڑا پادری کہ جس کو وہ حبر اور اسقف کہتے تھے ابو حارثہ بن علقمہ قبیلہ بنی بکر بن وائل کا بھی موجود تھا۔ اس پادری کی روم کے بادشاہ اس کے علم و فضل کی وجہ سے بڑی تعظیم و توقیر کرتے تھے اور اس کو انعام و اکرام اور جاگیر بھی دے رکھی تھی اور کلیساء عرب کا سردار بھی کر رکھا تھا۔ جب یہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں ابو حارثہ کے خچر نے جس پر وہ سوار تھا ٹھوکر کھائی تو اس کے بھائی کرز نے کہا کہ جہاں کے لئے جا رہے ہیں وہ بڑا کم بخت ہے۔ ابو حارثہ نے کہا تو کم بخت ہے۔ اس نے کہا بھائی صاحب یہ کیوں؟ اس نے کہا واللہ وہ شخص کہ جس کے پاس ہم جا رہے ہیں وہ نبی ہے کہ جس کا حضرت مسیح اور یوحنا کے عہد سے اب تک انتظار تھا اور جس کی خبر موسیٰ نے تورات میں دی ہے اور حضرت مسیح بھی مصلوبی کے وقت بشارت دے گئے ہیں کرز نے کہا جب آپ یہ جانتے ہیں تو پھر کیوں اُس کے دین کو قبول نہیں کر لیتے؟ ابو حارثہ نے کہا بھائی اگر میں ایسا کروں تو جو کچھ بادشاہوں نے ہمیں دے رکھا ہے سب واپس لے لیں، عزت جاتی رہے دنیا بھی رکھنی ضرور ہے۔ یہ لوگ الوہیتِ مسیح کے قائل تھے اور ان کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور تثلیث کے بھی قائل تھے۔ آخر جب یہ مدینہ آئے تو آنحضرت ﷺ سے مناظرہ شروع ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے بڑے قوی دلائل سے حضرت مسیح کا بندہ ہونا ثابت کیا کہ خدا اس بات سے پاک ہے کہ وہ کسی عورت کے رحم میں نو مہینے پرورش پائے اور پھر باہر آ کر اور بندوں کی طرح کھائے پیے اور بقول نصاریٰ صلیب پر کھینچا جائے، تڑپ تڑپ کر جان دے اور بیٹا باپ کا مماثل اور مشابہ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ سے کوئی چیز مماثل اور مشابہ نہیں، میدان وجود میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں کجا مساوی ہونا۔ جب وہ لاجواب ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اگر اب بھی تمہارے دل میں کوئی کھٹکا ہے تو آؤ ہم تم اپنی اولاد کو لے کر باہر نکلیں اور خدا سے دعا کریں کہ جھوٹے پر لعنت خدا نازل ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس کا مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ ارے بھئی یہ شخص بلاشک خدا کا سچا رسول ہے اگر ہم اس کے مقابلہ میں یوں مباہلہ کریں گے تو ہم پر خدا کا غضب ٹوٹ پڑے گا، اپنے گھر چلے چلو۔ اس اثناء میں یہ سوۃ نازل ہونے لگی۔ سو وہ واپس نجران میں آئے۔ اس سورۃ میں بیش تر نصاریٰ کے عقائدِ باطلہ کا رد ہے اور نہایت عمدہ دلائل سے اُن کی تسکین کی گئی ہے۔

**تثلیث اور الوہیت مسیح کا ردّ:**......الٓمّٓ۔ اس کی تشریح سورہ بقرہ میں ہو چکی۔ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ اُن عیسائیوں کے مقابلہ میں ان کے تینوں عقیدوں کے بطلان کے لئے یہ ایک چھوٹا سا جملہ بے شمار دلائل اور براہین کا مجموعہ ہے۔ اُن کے تین عقیدے یہ تھے۔

اول: تثلیث، کہ خدا اور عیسیٰ اور روح القدس تینوں مل کر ایک خدا۔ بعض حضرت مریم کو تیسرا اُقنوم قرار دیتے تھے۔ دوم: حضرت عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے آج کل کے عیسائی بھی بجز چند فرقوں کے یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

اس آیت میں ان تینوں عقیدوں کو باطل کر دیا۔ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ صرف اس توحیدِ حقیقی سے تینوں عقائد کا ابطال ہو گیا۔ اول کا اس لئے کہ جب خدا تثلیث اور توحیدِ حقیقی میں صریح تضاد ہے، اگر تینوں سے مرکب کو خدا کہا جائے تو وہ مرکب اعتباری واحد ہے نہ کہ حقیقی طور پر۔ علاوہ اس کے وہ حادث بھی ہوگا۔ پھر وہ قیوم نہیں ہو سکتا کیونکہ قیوم حقیقی وہی ہے جس نے سب کو قائم و موجود کیا ہوا اس کو کسی نے موجود نہ کیا ہو اور حادث کے لیے محدث قیوم ہونا ہے۔ دوسرے کا ابطال اس طور سے اگر عیسیٰ کو بھی خدا مانا جائے تو دو خدا ہو جاتے ہیں توحید نہیں رہتی، اسی طرح تیسرے عقیدے کا ابطال بھی ظاہر ہے کہ بیٹا قیوم نہیں ہو سکتا اس کے لئے باپ قیوم ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ ایک ہے اس کی کیا دلیل؟ اس کی دلیل یہ ہے اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ، حی کے معنی زندہ کے ہیں جس کو واجب الوجود کہتے ہیں اور اس کے سوا

جو کچھ ہے ممکن الوجود ہے اس کی ذات کے لحاظ سے وہ معدوم ہے نہ حی ہے، نہ قیوم ہے۔ اس جملہ میں اور جملہ مذاہب باطلہ کا بھی ابطال ہو گیا۔ کس لئے کہ جس قدر مشرک گروہ ہیں وہ جو غیر اللہ کو پُوجتے ہیں، ضرور ان کو حی و قیوم سمجھتے ہیں، خدائی کے کارخانہ میں نفع و نقصان کا مالک و مختار بھی جانتے ہیں۔ عرب کے مشرک بُتوں کو، ارواحِ غیر مرئیہ کو، جنوں کو۔ ایرانی عناصر کو اور سیارات کو، بعض فرشتوں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کو پوجتے پکارتے ان کی نذر و نیاز کرتے ہیں۔ اسی اعتقاد سے کہ وہ کارساز ہیں۔ جب آیت نے یہ ثابت کر دیا کہ وہی حی یعنی زندہ ہے تو یہ جملہ اشیاء مرتبۂ ذات میں سرے سے موجود ہی نہیں معدوم ہیں پھر جب معدوم ہیں تو کیوں کر قیوم یعنی کارساز ہیں۔

جب خدا تعالیٰ ان کے عقائدِ مذکورہ کو باطل کر چکا اور توحید خوب ثابت ہو چکی تو اب آنحضرت علیہ السلام کی نبوت اور قرآن مجید کا کتابِ الٰہی ہونا ثابت کرتا ہے نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ یہاں کتاب یعنی قرآن مجید کی نسبت فرمایا ہم نے اس کو آپ پر اے نبی نازل کیا ہے یہ کتاب برحق ہے اور اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے یہ دو گواہ کتاب الٰہی ہونے کے لیے خدا نے بیان فرمائے جیسا کہ پہلے مطالب کے لیے دو گواہ اَلْحَيُّ، الْقَيُّوْمُ بیان کیے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک شخص کہ ایسے ملک کے باشندے سے کہ جس میں علوم و فنون کا مطلق چرچا نہ ہو اور خاص اُس شخص نے نہ کبھی کچھ لکھا پڑھا ہو نہ کسی اہلِ علم یہودی یا نصرانی یا مجوسی کی صحبت پائی ہو نہ جہان کی سیر کی ہو بلکہ چالیس برس کا وہ حصہ (کہ جس میں اکتسابِ علوم کیا جاتا ہے) ایک ریگستانی ملک کے دو خشک پہاڑوں میں گزارا ہو پھر اُس پر دنیا کی تنگ دستی اور عزیز و اقارب کے روزمرہ کے جور و ظلم اور بھی مزید ہوں پھر اُس سے ایک ایسی کتاب کا ظاہر ہونا کہ جس میں یہ دو وصف ہوں بلاشک معجزہ ہے وہ کتاب آسمانی اور وہ شخص نبی ہے۔ وصفِ اول برحق ہونا اُس کی یہ صورت ہے کہ قرآن مجید کے مطالب عالیہ ذات و صفات، مبداؤ معاد، انسان کی سعادت و شقاوت، قصصِ گزشتہ اخبارِ آئندہ، قوانینِ ملت دستور العمل، سیاست ملک، میراث، بیع و شراء، حلت و حرمت طہارت و نجاست، علمِ اخلاق، رحم دلی، راست بازی، بردباری، خدا ترسی، دنیا سے دل برداشتگی وغیرہ وغیرہ کس عمدہ اور پاکیزہ عبارت میں مبالغہ شاعرانہ اور تخیلاتِ جاہلانہ سے خالی ایسے ہیں کہ جن میں سے کوئی بھی عقل سلیم کے برخلاف نہیں۔

دوسرا وصف تصدیق کرنا کتبِ الٰہیہ کا، سو یہ بھی ایک بڑی بھاری بات ہے۔ قرآن میں اور کتبِ سابقہ تورات اور انجیل و زبور کے مضامین مذکورہ بالا میں سر مو تفاوت نہیں۔ اور جو امور جزئیات و فرعیات میں کچھ فرق ہے تو بلحاظِ ملک و زمانہ ہے۔ اس لئے کہ انبیاء ہر زمانہ میں لوگوں کے مناسب احکام میں کمی زیادتی کیا کرتے ہیں یہ بات بغیر اس کے کہ سب کا مبداء الہام ربانی واحد مانا جائے ممکن نہیں بالخصوص اُس شخص کے لئے کہ جس نے وہ کتابیں آنکھ سے بھی نہیں دیکھیں چہ جائے کہ ان کو یاد کیا ہو۔

پس جب اِس قرآن میں یہ دو وصف ہیں تو اِس کے کتابِ الٰہی ہونے میں کیا شبہ ہے اور جب یہ کتاب الٰہی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں۔

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ. . . الاٰیۃ یہ دوسری دلیل ہے اس دعوے کے لئے یعنی یہ بات تو تم بھی مانتے ہو کہ اس سے پیشتر خدا نے تورات و انجیل نازل کی تھی اب بتلاؤ اُن کے کتابِ الٰہی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جو دلیل ان کے لئے ہے وہی قرآن کے لئے ہے۔ مبداء فیاض نے اپنی اسی رحمت سے اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ کو نازل فرمایا ہے۔ پھر باوجود ان آیات بینات کے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جو کوئی خدا کی آیات کا انکار کرے گا ان کو عذابِ شدید ہے وہ خدائے رحیم جس نے اپنے فضل سے کتابیں نازل فرمائی ہیں عزیز زبردست بھی ہے ذو انتقام بدلہ لینے والا بھی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ

فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ
عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا
الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ
تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ
كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞

ترجمہ:..... اللہ سے تو کوئی (بھی) پوشیدہ نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں ۞ وہی جس طرح چاہتا ہے (ماں کے) پیٹ میں تمہاری صورتیں بنایا کرتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زبردست (اور) حکمت والا ہے ۞ (اے نبی) وہی تو ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی کہ جس میں سے کچھ آیتیں تو محکم ❶ ہیں کہ جو کتاب کے اصول ہیں اور کچھ دوسری (ایسی بھی ہیں) کہ جن کے کئی کئی معنے ہیں پھر جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کتاب کی انہیں آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں کہ جن کے کئی کئی معنی ہیں کہ فتنہ برپا کریں اور ان کی تاویل کریں حالانکہ ان کی تاویل تو کوئی نہیں جانتا مگر اللہ (ہی جانتا ہے) اور وہ جو علم میں ثابت قدم ہیں (یہی) کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لائے کہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور (سمجھانے سے تو) عقل مند ہی سمجھا کرتے ہیں ۞۔

ترکیب:..... هو مبتدا الذی... الخ خبر فی الارحام متعلق ہے یصور سے کیف ظرف ہے یشاء کا یہ کل جملہ موضع حال میں ہے فاعل یشاء سے تقدیرہ یصور کم علیٰ مشیتہ اے مریدا۔ منه آیات محکمات جملہ موضع نصب میں ہے کیونکہ حال کتاب سے۔ اس جملہ میں آیات محکمات صفت و موصوف مبتدا اور منه خبر هن مبتدا ام الکتاب خبر لفظ ام اگرچہ مفرد ہے لیکن معنی جنس کے دیتا ہے اس لئے جمع کی خبر ہو گیا۔ و اخر جمع ہے اخری کی جو مونث ہے اخر افعل تفضیل کا معطوف ہے آیات پر متشابهات اس کی صفت ہے ما بمعنی الذی۔ تشابه منه صلہ مجموعہ مفعول ہے یتبعون کا ابتغا فعول لہ یتبعون کا الفتنة مضاف الیہ اور اسی طرح ابتغاء تاویله۔ والراسخون فی العلم مبتدا یقولون... خبر اور بعض کہتے ہیں والراسخون معطوف ہے لفظ اللہ پر اور یقولون حال ہے۔

## رب تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں وہی سب کا خالق ہے

تفسیر:..... پہلے خدا تعالیٰ نے عقائد باطلہ کے ابطال میں اپنے وصف میں اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ذکر فرمایا تھا اور حَيٌّ قَيُّوْمٌ وہ ہے کہ جو اپنی مخلوق کی حاجات پوری کرے اور ان کی ضروریات کا خبر گیراں رہ کر تدبیر و تصرف کرے اور یہ بات دو وصف چاہتی ہے۔ ایک یہ کہ اس کو ہر ایک بات کا علم بھی ہو انجام و آغاز پر نظر ہو بے سوال کئے بھی حاجت کو جانتا ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر چیز پر قادر بھی وہ جو چاہتا ہو وہ کر سکتا ہو اس لئے صفتِ علم کے اثبات کے لئے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ فرمایا کہ اس کو ہر چیز معلوم ہے کوئی اس سے پوشیدہ نہیں۔ دوسرے وصف کو کرنے کو هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ فرمایا کہ اس کا تصرف اشرف المخلوقات انسان پر بھی ماں کے پیٹ اور اندھیری کوٹھڑی میں کس نظم و نسق کے ساتھ ہے کہ عقل حیران ہے جس کی کسی قدر کیفیت کتب طبیہ سے معلوم ہوتی

❶..... یعنی صاف اصول دین بیان کرتی ہیں ۱۲ منہ۔

ہے اور لطف یہ ہے کہ اول وصف اِنَّ اللّٰہَ...... الخ بھی گویا ایک دعویٰ تھا اس کے ثبوت کے لئے ھُوَالَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ دلیل قاطع ہے کیونکہ جو ارحام میں ایسے تصرفات کرتا ہے اُس پر کوئی چیز کب مخفی رہ سکتی ہے؟ یا یوں کہو پہلی آیات میں نصاریٰ کے عقائدِ فاسدہ تثلیث اور الوہیتِ مسیح وغیرہ کا رد تھا اور بیش تر عیسائی ان خیالات باطلہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم وقدرت سے استدلال کیا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ خدا تھے کہ خدا انسان کی صورت میں ظاہر ہوا تھا، یا خدا کے بیٹے تھے کہ جو باپ کی طرح علم مغیبات رکھتے تھے۔ قدرت سے اس طرح پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے، کوڑھیوں، اندھوں کو تندرستی دیتے تھے، ہوا کو ڈانٹتے اور جنوں کو نکالتے تھے۔ یہ بھاری کام انسان کے نہیں، اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ خدا یا اُس کے بیٹے تھے۔ گرچہ پہلی آیتوں میں الحی القیوم فرما کر اُن شبہات کو رد کر دیا تھا لیکن یہاں تتمہ کے طور پر اور بھی اُن شبہات کا دلائل قطعیہ سے رد کر دیا۔

پہلے شبہ کا جواب اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی...... الخ میں دیا کہ خدا کی شان علام الغیوب ہونا ہے سو یہ بات سوائے ذاتِ باری اور کسی کو حاصل نہیں اور جو کسی نبی یا فرشتہ کو کوئی بات معلوم ہو تو وہ بھی اس کی طرف کا فیضان ہے اور جو عیسیٰ علیہ السلام خدا ہوتے تو ضرور اُن پر بھی کوئی بات مخفی نہ ہوتی حالانکہ اُن پر بہت سی باتیں مخفی تھیں۔ چنانچہ انجیل لوقا کے چوتھے باب میں لکھا ہے کہ یسوع روح القدس سے بھرا ہوا یردن سے پھرا اور روح کی راہنمائی سے بیابان میں گیا۔ جب غیر کی راہنمائی ہوئی تو علام الغیوب کہاں رہا؟ علاوہ اس کے اُسی کتاب کے آٹھویں باب میں ہے کہ ایک عورت نے کہ جس کا بارہ برس سے خون جاری تھا چپکے سے آ کے پیچھے سے مسیح کی پاشاک چھو لی جس سے اس کا خون بند ہو گیا مگر مسیح کو دُور نہ معلوم ہوئی لوگوں سے پوچھا آخر اس عورت نے اظہار کیا۔ اور بہت سے مقامات سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب ھُوَالَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ میں دیا کہ خدا قادرِ مطلق ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بات کب حاصل تھی؟ وہ خدا سے دعا مانگتے تھے چنانچہ اسی انجیل کے چھٹے باب، ۱۲ ورس میں ہے کہ (وہ مسیح) پہاڑ پر دعا مانگنے گیا اور خدا سے دعا مانگنے میں رات کاٹی۔ اس کے علاوہ بقولِ نصاریٰ جب اُن کو سولی دینے یہود لے چلے اور سولی پر چڑھا دیا تو انھوں نے خدا سے فریاد کرنی شروع کی کہ مجھے کہاں چھوڑ دیا اور بڑی سختی سے چیخ چیخ کر جان دی جیسا کہ انجیل متی کے ۲۷ باب میں مذکور ہے۔

اور نیز ھُوَالَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ . . . میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر عیسیٰ خدا ہوتے تو وہ عورت کے رحم میں آ کر آدمی کی شکل کیوں قبول کرتے خدا تو اوروں کی شکلیں رحم میں بناتا ہے۔ اس کے بعد پھر کلمہ توحید کا اعادہ کرتا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ اس میں بھی لفظ عزیز سے قدرتِ کاملہ کی طرف اور حکیم سے علمِ حقیقی کی طرف اشارہ ہے۔ جب نصاریٰ کو دلائل عقلیہ سے عاجز کر دیا جاتا ہے تو وہ اس مسئلہ میں یوں کہنے لگتے ہیں کہ کتابِ سماویہ میں ان کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے اور خدائی کے الفاظ بھی ان کی نسبت بولے گئے ہیں اور قرآن میں بھی ان کو روح اللہ وکلمۃ اللہ کہا ہے۔ تو ہم اس بات کو عقل وادراک کے احاطہ سے باہر جان کر صرف کلامِ الٰہی کا اتباع کر کے خدا اور اس کا بیٹا کہتے ہیں چنانچہ آنحضرت علیہ السلام سے بھی عیسائیوں نے یہی تقریر کی تھی اور اب بھی عاجز آ کر یہی کہا کرتے ہیں۔

اس کا جواب خدا تعالیٰ نے ان جملوں میں دیا ھُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ ...الخ خدا کے کلام میں وہ آیات (کہ جن پر احکام شریعت اور امور اخلاقی اور تذکیرہ آخرت کا مدار ہوتا ہے جن کو اُمّ الکتاب یعنی اس کی بنیاد کہتے ہیں) صریح اور کھلی کھلی ہوتی ہیں اور کہیں کسی رمز اور مصلحت سے ایسے جملے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے کئی معنی اور پیچیدہ مطلب ہوتا ہے اور اس کلام کا دوسرا پہلو بھی ایک پہلو کا ہمسر ہوتا ہے۔ جن عبارات سے ان کا استدلال ہے وہ از قسم متشابہات ہیں۔ ابن کا لفظ حقیقی بیٹے پر بولا جاتا ہے اور پیار میں نوکر اور غلام اور بندہ کو بھی کہہ دیتے ہیں اور اس کے برعکس لفظِ خداوند ذاتِ باری پر اور بادشاہ اور

ذی مرتبہ لوگوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔پس جو کج رو گمراہ لوگ ہوتے ہیں وہ ان کی تاویل اپنی خواہش کے موافق کر کے ایک مطلب گھڑ لیتے ہیں جیسا کہ عیسائی اور جو اہل علم اور باخدا کے سپرد کر دیتے ہیں کہ اس کو وہی جانتا ہے۔اور یہ بات کتب سابقہ ہی پر منحصر نہیں بلکہ قرآن میں جو اے نبی! آپ پر نازل ہوا ہے اس میں یہی ❶ بات ہے۔

پھر ان عقائد فاسدہ کو ان متشابہات سے ثابت کرنا اور وہ معنی لینا کہ جو دیگر آیات کے برخلاف ہیں صریح گمراہی ہے۔یا یوں کہو تفہیم کے لئے دو باتیں ضرور ہیں اول مصالح جسمانیہ کا پورا کرنا شکل وصورت بنانا اس کو هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ میں بیان کیا۔دوم مصالح روحانیہ علم والہام سے بہرہ ور کرنا، اس کو هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ میں بیان کیا۔

**فائدہ: محکم اور متشابہ کے معنی:**......لغت میں مضبوط اور ملتے جلتے کے ہیں۔عرب محکم مضبوط بنیاد کو کہتے ہیں۔اور جو دو چیزیں آپس میں ملتی جلتی ہوں ان کو متشابہ کہتے ہیں اور اسی لئے قرآن کو کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا فرمایا کہ حسن وخوبی میں باہم ہر ایک آیت دوسرے سے برابر ہے۔ان معنے کے لحاظ سے تمام قرآن پر متشابہ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔اور محکم کے معنی لغوی مضبوط اور حق ہونے کے ہیں اس لحاظ سے تمام قرآن کو محکم بھی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے: الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ۔یہ دونوں لغوی معنی باہم کچھ منافات نہیں رکھتے مگر بعض ناسمجھ پادری اس نکتہ کو نہ سمجھے انہوں نے ان میں تعارض ثابت کر کے قرآن پر اعتراض کر دیا۔البتہ اس آیت میں محکم اور متشابہ کے اصطلاحی معنی میں منافات ہے جو محکم ہے متشابہ نہیں اور جو متشابہ ہے اس کو محکم نہیں کہہ سکتے۔اور وہ معنی یہ ہیں محکم ممنوع کو کہتے ہیں کہ اس میں ایک احتمال کے سوا دوسرا احتمال منع کیا گیا ہے اس کا گزر نہیں اور اسی لئے حاکم کو حاکم کہتے ہیں کہ وہ ظالم کو منع کرتا ہے۔اور حکمت چونکہ لایعنی باتوں سے روکتی ہے اس لئے اس کو حکمت کہتے ہیں اور متشابہ وہ کلام ہے کہ جس میں چند احتمالات مساوی ہوں اور اس معنی سے جو محکم ہے وہ متشابہ نہیں۔

**کلام کی تقسیم:**......علماء اصول نے کلام کی یوں تقسیم کی ہے کہ جو کلام کسی معنی کے لیے موضوع ہو اگر اس میں دوسرا احتمال نہیں تو اس کو نص کہتے ہیں اور جو ہو تو پھر اگر وہ دونوں احتمال برابر ہیں تو اس کو مشترک کہتے ہیں اور باتعین ہر احتمال کے لیے مجمل اور جو ایک احتمال قوی ہوا اور دوسرا ضعیف احتمال قوی کے لحاظ سے اس کو ظاہر کہتے ہیں اور ضعیف کے لحاظ سے ماوّل۔ان میں سے نص اور ظاہر پر لفظ محکم بولا جائے گا اور مجمل اور ماوّل کو متشابہ کہیں گے۔بعض محققین کہتے ہیں کہ تقسیم یوں ہونی چاہیے جو کلام کہ کسی معنی پر ظاہراً دلالت کرتا ہے اور اس میں دوسرے احتمال کی گنجائش بھی ہے پس اگر یہ معنی نفسِ الفاظ سے سمجھے جاتے ہیں تو اس کو ظاہر کہیں گے اور جو سیاق بھی اسی کے لیے ہے تو اُس کو نص کہیں گے۔اور کبھی عموماً ہر آیت وحدیث کو نص کہہ دیتے ہیں۔اور جس میں دوسرے احتمال کی گنجائش نہیں اگر احتمال نسخ ہے تو اس کو مفسر کہتے ہیں اور اگر یہ بھی احتمال نہیں تو اس کو محکم کہتے ہیں۔اور جو ظاہراً دلالت نہیں کرتا اور اس میں پوشیدگی ہے اگر وہ پوشیدگی کسی عارضی وجہ سے ہے تو اس کو خفی کہتے ہیں اور اگر نفسِ الفاظ میں ہے پھر اگر وہ قرائن کی مدد سے دور ہوسکتی ہے تو اس کو مشکل کہتے ہیں اور جو قرائن سے بھی دور نہیں ہوتی مگر متکلم سے انکشاف کی امید ہے تو اس کو مجمل کہتے ہیں اور اگر امید بھی نہیں تو اس کو متشابہ کہتے ہیں وہی اس آیت میں مراد لیا گیا ہے۔

وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور حسن رضی اللہ عنہ اور مالک بن انس اور کسائی اور فرا اور امام ابوحنیفہ وغیرہم علماء

---

❶......اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ میں یہ بات بتلائی ہے کہ جس طرح قرآن میں یہ بات ہے اسی طرح پہلی کتابوں میں بھی تھی کس لئے کہ مبداء فیض ہر ایک کا واحد ہے۔اور زبان الہام ایسے اسرار ہوتے ہیں جو عقول عامہ سے مخفی ہوتے ہیں ۱۲ منہ۔

کہتے ہیں کہ اِلَّا اللّٰہُ پر کلام تمام ہو گیا اور یہاں وقف لازم ہے اور وَالرّٰسِخُوْنَ جدا کلام ہے وعطف کے لیے نہیں بلکہ ابتداء کلام کے لیے ہے اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ مُتَشَابِهَاتٌ سے جو کچھ مراد ہے اس کو بجز خدا کے اور کوئی نہیں جانتا اور یہی ٹھیک ہے کس لیے کہ اسرار غیب کو عقل جب تک جسم کے ساتھ مقید ہے اس کی تاریکی کی وجہ سے نہیں دریافت کر سکتی۔ اور مجاہد اور ربیع بن انس اور اکثر متکلمین اور جمہور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کا اللہ پر عطف ہے یہاں وقف نہیں۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ علماء ربانی بھی متشابہات کو جانتے ہیں کیونکہ بندوں سے جب کلام کیا گیا ہے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کو کوئی بھی نہ سمجھے ورنہ اس کے نازل کرنے سے کیا فائدہ تھا، والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٨﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿١٠﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١١﴾

ترجمہ:......(اور وہ یہ دعا بھی کرتے رہتے ہیں کہ) اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دیجیے گا اور خاص اپنے پاس سے ہمارے لیے رحمت عطا فرما، کیوں کہ تُو بڑا ہی دینے والا ہے ﴿٨﴾ اے ہمارے رب بے شک تُو ایک دن کہ جس کے آنے میں کوئی بھی شبہ نہیں سب کو جمع کرے گا (کیوں کہ) خدا کبھی وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا ﴿٩﴾ بے شک جن لوگوں نے انکار کر دیا ہے نہ تو اُن کے مال ہی ان کے کچھ کام آئیں گے اور نہ ان کی اولاد ہی اللہ کے مقابلہ میں (کچھ کام آئے گی) اور یہی تو ہیں جو دوزخ کا ایندھن ہوں گے ﴿١٠﴾ ان کی بھی فرعون والوں اور ان سے پہلے لوگوں جیسی حالت ہے کہ انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں جس پر خدا نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور اللہ کی مار بھی بڑی ہی سخت ہے ﴿١١﴾۔

---

ترکیب:......بعد ظرف ہے لاتزغ کا من لدنک صفت ہے رحمت کی یا حال۔ لیوم لام بمعنی فی أی فی یوم۔ لاریب فیہ جملہ موضع جر میں ہے صفت ہے یوم کی۔ الذین موصول وصلہ اسم ان۔ لن تغنی . . . الخ اس کی خبر من اللہ موضع نصب میں ہے تقدیرہ من عذاب اللہ اے لایدفع اموالھم ولا اولادھم عذاب اللہ شیئا مفعول بہ ہے لن تغنی کا اور حال بھی ہو سکتا ہے کداب کاف موضع نصب میں ہے نعت ہو کر مصدر محذوف کی أی کفر و اکفر اکعادۃ آل فرعون اور ممکن ہے کہ خبر: و مبتدا محذوف کی أی دابھم کداب آل فرعون۔

## راسخین فی العلم کا مقولہ

تفسیر:......یہ بھی راسخین فی العلم کا مقولہ ہے یعنی وہ متشابہات کو علم الٰہی کے حوالہ کر کے اس پر ایمان لا کر دعا بھی کرتے ہیں کہ اے رب تو نے ہم کو ہدایت دی اور فہم سلیم عطا کیا ہے اب ایسا نہ ہو کہ ہمارے دل کجی کی طرف میلان کر جاویں کیونکہ استقامت تیرے ہی ہاتھ میں ہے (جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ بنی آدم کے دل خدا کی دو انگلیوں میں ہیں جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ ۱۲) داعیہ

خیر اور داعیہ شر قلب میں اُس کی طرف سے پیدا ہوتا ہے اور دلی ستقامت کے بعد ہم کو اپنی رحمتِ خالصہ بھی عطا کر۔

فائدہ: رحمت کی چند قسمیں ہیں: ..... اوّل یہ کہ دل میں نورِ ایمان و توحید حاصل ہو۔ دوم یہ کہ اعضاء پر اطاعت اور خدمت کے انوار ظاہر ہوں سوم یہ کہ دنیا میں رزق اور اسبابِ معاش سہل ہو جائیں اور تندرستی اور امن و عافیت حاصل ہو۔ چہارم یہ کہ شدت موت اور اس کے بعد قبر اور حشر میں رستگاری ہو۔ پنجم یہ کہ عالم سرور میں اُس کا دیدار اور نعماء بے شمار (نعمتیں) حاصل ہوں لفظ رحمت ان سب کو شامل ہے۔ اس کے بعد کافروں کا حال ذکر کرتا ہے کہ وہ جو دنیا میں اولاد و مال کے لیے خدا سے غافل ہیں یہ آخرت میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے گا، وہ دوزخ میں جلیں گے جس طرح فرعون کے لوگ اور ان سے پہلے منکر لوگ اولاد و مال میں مستغرق ہو کر خدا کو بھول گئے اور اُس کی آیات کو جھٹلانے لگے۔ ہر چند انبیاء نے ان کو سمجھایا لیکن نہ مانا آخر الامر خدا نے انُ پر اُن کی بدکاری کی وجہ سے عذاب نازل کیا۔ داب عادت اور خصلت کو کہتے ہیں۔ وقود، بالفتح ایندھن اور بالضم آگ جلانا۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫
قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى
كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ⑬

ترجمہ: ..... (اے نبی) کافروں سے کہہ دو کہ تم بہت جلد مغلوب کیے جاؤ گے (اور مرنے کے بعد) جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے۔ اور وہ (دوزخ) کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے تمہارے لیے ⑫ اُن دو لشکروں میں جو (بدر کے دن) باہم مقابل ہوئے تھے قدرت کی بڑی نشانی تھی ایک لشکر تو خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافروں کا (گروہ) تھا جو مسلمانوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دو چند دیکھ رہا تھا۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد سے فتح دیتا ہے بے شک اس (واقعہ) میں اُن کے لیے جو آنکھ رکھتے ہیں بڑی عبرت ہے ⑬۔

ترکیب: ..... ایۃ اسم کان لکم خبر فی فئتین موصوف التقتا صفت مجموعہ صفت ہے ایۃ کی اور ممکن ہے فی فئتین خبر ہو اور لکم کان سے متعلق ہو فئۃ موصوف تقاتل فی سبیل اللہ صفت مجموعہ خبر ہے مبتدا محذوف کی اے احداھما فئۃ و اخری نعت ہے مبتدا محذوف کی اے و فئۃ اخری۔ کافرۃ خبر یرونھم اس کا فاعل المسلمون۔ وقیل الکفار مثلیھم اے مثل مسلمین او مثل عسکرھم مفعول ثانی رای العین مفعول یہ جملہ محل نصب میں ہے کیوں کہ صفت ہے فئتین کی۔

## اہلِ اسلام کے غلبہ کی پیشینگوئی

تفسیر: ..... نیک اور بد بندوں کی سیرت بیان فرما کر اس مقام سے کچھ حال بدوں (برے لوگوں) کا بیان فرماتا ہے جنھوں نے نہ صرف یہی ایک جرم کیا تھا کہ آیات اللہ کی تکذیب کی تھی بلکہ نیک بندوں کے ساتھ طرح طرح سے بدسلوکیاں بھی کی تھیں جس لیے اُن پر اس عزیز ذوانتقام کا غصہ بھڑکا اور اُن کو ذلت سے ہلاک کیا اس لیے ہلاک ہونے سے پہلے نبی کو حکم دیتا ہے کہ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ..... الخ کہ اے رسول کافروں اور آیات اللہ کی تکذیب کرنے والوں کو پہلے سے مطلع کر دو کہ تم اپنے زور و کثرت پر گھمنڈ نہ کرو عن قریب دنیا میں

مغلوب کیے جاؤ گے اور مرنے کے بعد جہنم میں جمع کیے جاؤ گے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو پیغام الٰہی پہنچا دیا مگر وہ کب باور کرنے والے تھے تمسخر میں اڑایا آخران پر اس مغلوبی کا وہ وقت آیا جس کی ابتداء اس جملہ سے ہوتی ہے قَدْ كَانَ لَكُمْ . . . الخ اٰیۃ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب مکہ سے ہجرت کر کے نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو کفارِ مکہ جب بھی اہلِ اسلام کو امن و امان نہ دیتے تھے اس لیے خدا تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا ہجرت سے اگلے سال رمضان کے مہینے میں آنحضرت ﷺ کو یہ خبر لگی کہ ابوسفیان ایک قافلہ لے کر شام سے مکہ کو آتا (آرہا) ہے جس میں تجارت کا مال ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی بشارت الٰہی کے اطمینان پر لوگوں کو آمادہ کیا اگرچہ لوگوں کی یہ خوشی تھی کہ قافلہ کو لُوٹ لیجیے کیونکہ اس میں نفع اور آسانی تھی مگر خدا کو یہ منظور تھا کہ کفر کی شوکت توڑے اس لئے یہی بات پیش آئی کہ ابوسفیان کو بھی کہیں یہ خبر مل گئی۔ وہ قافلہ کو دوسرے راستہ سے لے کر مکہ کی طرف نکلا اور کہلا بھیجا کہ جلدی میری مدد کو پہنچو ورنہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب میرے تعاقب میں آرہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اس کے تعاقب میں مکہ سے کئی منزل بدر کے قریب تک آپہنچے اور ایک میدان کہ جس کو ''بدر'' کہتے ہیں پانی دیکھ کر ڈیرا کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تقریباً تین سو تیرہ آدمی تھے جو محض بے (سرو) سامان تھے جن میں صرف دو سوار تھے اور چند زرہ پوش تھے اور اسی ۸۰ کے پاس تلواریں تھی باقی لٹھ پتھر لیے ہوئے تھے اُن کے مقابلہ میں مکہ کے لوگ نکلے ابوجہل اور ابوسفیان اور عتبہ اور عباس وغیرہ بڑے بڑے سردار تھے ان کی تعداد ہزار کے قریب تھی ان کے پاس ساز و سامان بھی خوب تھا، سوار بھی بہت تھے اُنہوں نے بھی اسی میدان میں ایک طرف ڈیرا کر دیا اور پھر باہم صف بندی ہو کر مقابلہ شروع ہوا۔ اب یہاں سے تائیداتِ غیبیہ کا ظہور ہونا شروع ہوا۔

**تائید غیبیہ اور نصرت الٰہی کا ظہور:**......اول: يَرَوْنَهُمْ کفار کو مسلمان لشکر جو بہت قلیل تھا اپنے سے دو چند نظر آنے لگا جس سے ان کے دلوں میں رعب بیٹھ گیا پھر کیا تھا جو کچھ ہے دل ہی تو ہے۔ اس بات کا ثبوت خود اس جماعت کے بہت سے لوگوں سے بھی ہوا جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ کے یہی معنی ہیں مگر بعض نے يَرَوْنَ کا فاعل مسلمانوں کو بتایا ہے کہ مسلمان ان کو دو چند دیکھ رہے تھے، اس پر خدا نے تائیدِ غیبی کا اظہار کیا آخر کفار نے بڑی شکست کھائی وہ بشارت صادق ہوئی ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے کفر کے سردار مارے گئے ستر گرفتار کیے گئے، کچھ بھاگ گئے۔

واضح ہو کہ كَفَرُوْا کا اطلاق مشرکینِ عرب پر بھی ہوتا ہے جن کے مغلوب ہونے کا حال معلوم ہو گیا اور یہود و نصاریٰ و مجوس وغیرہ فرقوں پر بھی، اس لیے عموماً اس پیشین گوئی کا روئے سخن سب ہی کی طرف ہے جو اس زمانے پر لحاظ کرنے والوں کے نزدیک ایک امرِ محال کی پیشین گوئی تھی کس لیے کہ مسلمانوں کی مدینہ میں بہت ہی تھوڑی جماعت تھی جس کا غلبہ قریشِ مکہ اور دیگر قبائلِ عرب پر بھی جو بڑے بہادر اور جنگ جُو تھے بظاہر محال تھا۔ اس کے سوا دو سلطنتیں ایسی زبردست زور آور تھیں کہ جنہوں نے دنیا پر احاطہ کر رکھا تھا ایک مجوسی سلطنت کسریٰ شاہانِ ایران کی جن کے ماتحت ہند و ترکستان وغیرہ ملک تھے۔ دوسری عیسائی قیصروں کی سلطنت جس کا اقتدار تمام یورپ اور ایشیائے کوچک اور شام اور بعض ممالک افریقہ پر مسلّم تھا۔ مگر آسمانی تائید کے بھروسے پر سب میں بآواز بلند پکار دیا گیا سَتُغْلَبُوْنَ تم جلد مغلوب کیے جاؤ گے۔

کس لیے کہ عرب کی زبان میں سین زمانہ استقبال میں قریب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک صدی تمام نہ ہونے پائی تھی کہ یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ اگر یہ من جانب اللہ کوئی علامت پیغمبر ﷺ کے برحق ہونے کی نہیں تو اور کیا تھا؟

اس لیے خدا فرماتا ہے: وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ کہ یہ تائیدِ الٰہی ہے وہ جس کو چاہے اس سے فتح یاب کرے، ظاہری سامان و اسباب اس کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہیں آتے جس کا اب بھی تجربہ و مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ بات بڑے غور و فکر کے لائق ہے اِنَّ فِیْ

ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ کہ اس میں چشمِ بصیرت والوں کے لیے خدا پر اور اس کی آیات پر ایمان لانے اور ایمان لا کر رسولوں کے رستے پر چلنے کے لیے ایک بڑی عبرت ہے اس لیے کہ یہ بات عالمِ اسباب کے مخالف ہے۔ پھر اس کا ظہور اگر خاص خدا کی طرف سے نہیں تو اور کیا ہے؟۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ
مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ
ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ
وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

ترجمہ:......لوگوں کو مرغوب چیزوں کی خواہش بھلی معلوم ہوتی ہے عورتوں کی اور اولاد کی اور سونے چاندی کے چنے ہوئے ڈھیروں کی اور پلے ہوئے گھوڑوں کی اور چار پایوں کی اور کھیتی کی یہ سب زندگی دنیا کا سامان ہے اور عمدہ ٹھکانا تو اللہ ہی کے یہاں ہے ﴿۱۴﴾ (اے نبی ان سے) کہہ دیجیے کہ (کہو تو) میں تم کو اس سے بھی بہت بہتر چیز بتاؤں (وہ یہ کہ) پرہیز گاروں کے لیے ان کے رب کے ہاں باغ ہیں کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ اُن میں ہمیشہ رہا کریں گے اور (اُن کے لیے) پاکیزہ بیویاں اور نیز ان کے لیے خدا کی خوشنودی ہے اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے ﴿۱۵﴾ (یہ اُن کے لیے ہے) جو کہ کہا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہم کو عذابِ دوزخ سے بچائیو ﴿۱۶﴾ اور وہ جو صبر کرتے اور سچ بولتے اور بندگی میں لگے رہتے اور خرچ کرتے رہتے ہیں اور صبح کے وقتوں میں استغفار کیا کرتے ہیں ﴿۱۷﴾۔

**ترکیب:**...... زین فعل مجہول للناس کے اس کے ساتھ متعلق حب الشہوات مفعول مالم یسم فاعلہ من النسا... الخ اس کا بیان ذلک مبتدا متاع الحیوٰۃ الدنیا خبر واللہ مبتدا عندہ جملہ...... الخ خبر قل فعل انت اس کا فاعل اؤنبئکم جملہ مقولہ بخیر موضع نصب میں ہے اؤنبئکم سے من ذلکم موضع نصب میں ہے بسبب خیر کے تقدیرہ بما یفضل ذلک۔ جنٰت موصوف تجری... الخ صفت مجموعہ مبتدا للذین اتقوا خبر خالدین فیہا حال محذوف سے وازواج معطوف ہے جنٰت پر الذین یقولون موضع جر میں صفت ہے للذین کی الصابرین... الخ موضع جر میں صفت ہے للذین کی۔

## لذاتِ دنیا اور مرغوبات کی محبت آزمائش ہے

**تفسیر:**...... پہلے فرمایا تھا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ کہ ان عجائبِ قدرت میں اہلِ بصیرت کو عبرت کا مقام ہے جس سے عاقل

کے نزدیک یہ دنیا اور اس کے تنزہات ایک ناچیز اور فانی معلوم ہوتے ہیں اور عالمِ باقی کے آگے خواب سا معلوم ہوتا ہے مگر اس چشمِ حقیقت بین پر لذاتِ دنیا اور اس کے سامان کی محبت کے بردے پڑے ہوئے ہیں جس سے وہ عالمِ آخرت پر دنیا کو ترجیح دے رہا ہے اور چندروزہ عیش کے لیے کفر والحاد میں آ کر آخرت اور عالمِ باقی کی خوبیوں سے بے خبر ہے۔اس مضمون کو خدا تعالیٰ نے ان آیات میں کس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ جس کا بیان نہیں۔ہاں یوں کہ خدا کی منزل کتابوں کے منکروں کا دنیا وآخرت میں جو انجام ہوگا اُس کو بیان فرما کر ان کی غفلت اور اندھے پن کا سبب ذکر کرتا ہے کہ وہ مال وزن فرزندگی کی محبت اور فریفتگی ہے جو فانی ہیں اس کے بعد اسی سلسلہ سے دارِ آخرت کے نعمتیں جو نیکوں کو ملیں گی ان کا ذکر فرماتا ہے اور نیکی کے اصول بھی ذکر کرتا ہے۔

**دنیا کی وہ لذتیں جن پر انسان فخر کرتا ہے:**......لذائذِ دنیا کہ جن پر ہر انسان تفاخر کرتا اور ان کی رغبت کا دم بھرتا ہے سات چیزیں ہیں اول عورت، اس سے جس قدر مرد کو لذت اور انس ہے وہ کس چیز سے ہے؟ اسی کی محبت انسان کو ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے مرد میں اور اس میں ایک جذبِ مقناطیسی رکھا ہوا ہے جیسا کہ فرمایا ہے: خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔ (دوم) اس کے بعد بیٹا ہے جس کو انسان اپنا نائب اور قائم مقام سمجھ کر جو بات اپنے لیے چاہتا ہے اس سے بڑھ کر اس کے لیے چاہتا ہے اور نیز اس کا ہر وقت میں قوتِ بازو اور معین و مددگار بھی ہوتا ہے اس سے بھی انسان کو بڑا فخر اور نہایت خوشی ہوتی ہے۔(سوم) اس کے بعد مال، دولت، روپیہ اشرفی بالخصوص توڑے چنے ہوئے یہ بھی ایک عجیب چیز ہے جمیع حاجات کا ذریعہ خیال کیا گیا ہے۔اس کا غرور اور سرور بھی انسان کو اندھا کر دیتا ہے خدا اور رسول ﷺ سے بغاوت پر آمادہ کر دیتا ہے خدائی دعویٰ کرانے لگتا ہے (چہارم) پھر کوتل گھوڑے۔(پنجم) پھر گائے بیل اونٹ وغیرہ مواشی۔(ششم) پھر باغ کھیتی۔ان چیزوں کے بعد خدا تعالیٰ یہ بات جتلاتا ہے کہ یہ چیزیں صرف زندگی دنیا کا سامان ہیں مگر خدا کے پاس اس سے زیادہ اور عمدہ لذائذِ روحانیہ وجسمانیہ موجود ہیں مگر بتقضائے آب وگل انہیں محسوس اور فانی چیزوں پر فریفتہ ہے اور یہ اس کی جبلی بات ہے کیونکہ آدمی جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اسی کو عمدہ عالم سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب باہر آتا ہے تو رورو کر غل مچاتا ہے پھر جب آنکھ کھلتی ہے تو اس عالم پر غش ہو جاتا ہے سدا یہیں رہنا پسند کرتا ہے، یہیں کی ان چیزوں پر دم جاتا ہے۔آخر جب اُس عالمِ باقی میں جاتا ہے تو اِس عالم کو وہاں کے نعماء وسعت کے مقابلہ ایسا تنگ و تاریک و پُرالم سمجھتا ہے کہ جس طرح دنیا میں ماں کے پیٹ کو اور وہاں کے رہنے اور واپس جانے کو یہ چیزیں دل لگانے کے قابل نہیں کیونکہ یہاں کا ہر عیش و ہر چیز فانی، وہاں کی باقی اور جاودانی ہے۔یہاں ہر عیش تلخی پر مبنی ہے اور پھر راحت کے بعد تلخی ہے جب تک کہ پیاس اور دھوپ کا رنج نہ اٹھاوے سایہ اور سرد پانی کا کبھی مزہ نہ آوے اُس عالم باقی میں یہ باتیں نہیں اس لیے خدا نے مجملاً وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ کا لفظ کہہ کر اُس عالم کا شوق دلا دیا۔اس کے بعد اور بھی کلام کو بلند کیا اور نبی ﷺ سے فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ کہو تو (کیا) میں تم کو دنیا کی ان چیزوں سے عمدہ چیزیں بتلاؤں؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے کہ پرہیزگاروں کے لیے اُس عالم میں (عِنْدَ رَبِّهِمْ) باغ ہیں کہ جن میں نہریں بہتی ہیں (جہاں تمام جگہ خوشبودار رنگ برنگ کے پھول وپھل اور طائرانِ خوش الحان (سریلی و میٹھی آواز والے پرندے) اور نہایت تکلف کے مکانات ہیں) ان میں بیویاں ہیں کہ جو صورت وسیرت کی تمام بُرائیوں سے مبرّا حسن وخوبی میں یکتا۔ اس پر دوام اور بقاء یہاں تک تو جنتِ جسمانیہ کی طرف اشارہ تھا۔اس کے بعد جنتِ روحانیہ کی طرف اشارہ فرماتا ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ یعنی خدا کی رضامندی۔آنحضرت علیہ السلام نے گویا صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس عالم کو دکھا دیا تھا جس سے اُن کی نظروں میں دنیا اور اس کے تنزہات گرد ہو گئے تھے، یہ کیا کم معجزہ ہے؟ اس کے بعد اُن نعماء (نعمتوں) کے مستحق لوگوں کا بھی عجب لطف کے ساتھ ذکر فرماتا ہے لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا یعنی پرہیزگاروں کے لیے۔یہ عام لفظ ہے۔پھر اس کے بعد اس کی اور بھی تشریح ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن میں چھ ۶ وصف پائے

جاتے ہیں:۔

## صفاتِ اہلِ تقویٰ:

۱).....یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا . . . الخ کہ وہ خدا سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم تجھ پر ایمان لائے تو ہمارے گناہ معاف کر اور عذاب النار سے بچائیو۔

۲).....صبر کرنے والے: صبر کہتے محنت کا نفس پر برداشت کرنا، خواہ عبادات قائم کرنے میں، خواہ نفس کو اس کی خواہشوں سے روکنے میں۔

۳).....صادقین: سچ بولنے والے اور ہر بات کو سچ کر دکھانے والے۔

۴).....خدا کی عبادت کرنے والے۔

۵).....مُنْفِقِیْنَ: یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے خواہ بذریعہ صدقہ نافلہ خواہ بذریعہ زکوٰۃ خواہ اپنوں کو دے خواہ بیگانوں کو۔

۶).....سحر کے وقت خدا سے استغفار کرنے والے۔

اس وقت سب کی ظلمت دور ہو کر نور پھیلتا ہے۔ رات کا مُردہ زندہ ہوتا ہے یہ وقت جُودِ عام اور فیض تام کا وقت ہے اور کچھ عجب نہیں کہ عالمِ قدس کی صبح کا پرتو اس عالم کی صبح ہو۔ دوم یہ خواب و غفلت کا وقت ہے ایسے وقت اُس طرف متوجہ ہو کر استغفار کرنا اور اس مبداء فیاض سے اپنی مغفرت کا سوال کرنا بلاشک عالمِ سرور میں پہنچنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور اسی لیے صحابہ اور صالحین امت بلکہ اگلے انبیاء اور ان کے تربیت یافتہ اس وقت عبادت و استغفار کرتے تھے اور اسی لیے اس وقت سونا نشہ میں پڑے رہنا نحوست اور بربادی کا باعث ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: .....اللہ اور فرشتے اور علم والے عدالت کے ساتھ گواہی دے چکے کہ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں کوئی بھی خدا نہیں مگر وہی (ایک) زبردست حکمت والا ﴿۱۸﴾ بے شک دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے اور اہلِ کتاب نے جو اختلاف کیا ہے تو صرف یہ معلوم ہو جانے کے بعد (محض) آپس کی ضد سے اور جو کوئی اللہ کی آیتوں کا انکار کرتا ہے تو اللہ بھی بہت جلد حساب لینے والا ہے ﴿۱۹﴾۔

**ترکیب:** .....شہد فعل اللہ فاعل انہ یہ جملہ بیان شہادت وَالْمَلٰٓئِكَةُ و اولو االعلم معطوف ہے لفظ اللہ پر قائما بالقسط حال ہے فاعل شہد سے الدین اسم ان الاسلام خبر عند اللہ ظرف و من مبتدا یکفر خبر، اور ممکن ہے کہ من شرطیہ یکفر.....الخ شرط فان اللہ جزا۔

## توحید پر ایمان لانا مدارِ نجات ہے

**تفسیر:** .....اس بیان کو تمام کر کے پھر مسئلہ توحید کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ دنیا اور اس کے نعماء فانی ہیں اور دارِ آخرت اور وہاں کی نعمتیں باقی ہیں اور وہ نعمتیں ان کے لیے ہیں کہ جو کہتے ہیں رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا . . . الخ یعنی جن کی قوت نظریہ ایمان کامل اور اس کی

صفات پر یقین ہے اور قوتِ عملیہ بھی کامل ہے جیسا کہ الصّٰبِرِيْنَ......الخ میں اشارہ ہے۔ اب یہاں اس بات کو ظاہر فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کی توحید پر ایمان لانا جو نجات کا مدار ہے کوئی خلافِ واقع اور بے اصل بات نہیں کہ جس سے عقل رُکے جیسا کہ بے عقل لوگ جو صرف محسوسات ہی کا وجود مان کر اور چیزوں کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ یہ بات بہت واضح اور کھلی ہے خدا نے خود آسمان و زمین اور ان کے اندر کی کائنات کو اپنے وجود اور توحید کے لیے شاہد بنا رکھا ہے جس طرح کوئی نقش پاؤں رکھنے والے کے وجود پر بغیر اس کے کہ کسی نے اس کو آنکھ سے دیکھا ہو بآواز بلند گواہی دے رہا ہے اسی طرح چیز مخلوقِ الٰہی بزبانِ حال اُس کے وجود و حدت کو بیان کر رہی ہے ؎

ففی کل شئ له شاهد ☆ یدل علی الله واحد

شَهِدَ اللهُ......الخ کے یہ معنی ہیں اس کے علاوہ یوں بھی خدا تعالیٰ کتب الہامیہ میں شہادت دے رہا ہے اور نیز وہ ملائکہ سے اور ملائکہ انبیاء سے کہتے ہیں وہ علماء سے فرماتے ہیں وہ عامہ خلائق کو سُناتے ہیں وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ جب عقل نورِ الہام کی روشنی سے آنکھ اٹھا کر عالمِ ہستی میں دیکھتی ہے تو اس مخلوقات کو اس کا مظہر اور ظل جان کر سوائے اس کے اور کوئی نظر نہیں پڑتا۔ ع

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مگر بسبب لطافت کے وہ عزیز حکیم حس بصری سے محسوس نہیں ہو سکتا اور جبکہ یہ عقائد اور یہ اعمالِ صالحہ وہ ہیں کہ جن کا تسلیم کرنا عقلِ سلیم کے نزدیک ضرور ٹھیرا تو یہی مذہب حقانی اور مقبول عند اللہ ہوا اور مذہب اسلام اسی کا نام ہے تمام انبیاء اور ہر بنی آدم کا فطرتی مذہب یہی ہے۔ حضرت محمد ﷺ اس کے مجدد ہیں نہ کہ موجد اور اب جو یہود اور نصاریٰ اور دیگر اہلِ مذاہب اختلاف کرتے ہیں تو یہ سب دلائل حقہ سے اعراض کر کے محض ضد اور نفسانیت سے کرتے ہیں۔

**مذہب اسلام اور اس کا معنی:**......اس کے بعد مذہب اسلام کا عجب لطف سے برحق ہونا ثابت کر کے اہلِ کتاب سے مناظرہ شروع فرماتا ہے اور ان کو ان کے عقائدِ فاسدہ اور اعمالِ کاسدہ پر اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تک الزام دیتا ہے۔ اسلام کے لغوی معنی فرماں برداری کرنا اور شرع میں ایمان اور اسلام سے ایک معنی مراد ہیں۔ ہاں کبھی لغوی معنی کے لحاظ سے دونوں میں فرق ہوتا ہے جیسا کہ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا تب ایمان سے مراد تصدیقِ قلبی اور اسلام سے انقیادِ ظاہری لی جاتی ہے۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۭ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢١﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ:......اے نبی! پس اگر وہ آپ سے محبت کریں تو کہہ دو کہ میں نے اور میرے ماننے والوں نے تو اپنا سر اللہ کے آگے جھکا دیا اور آپ اہل

کتاب اور اَن پڑھوں سے پوچھیے کہ کیا تم بھی سر جھکاتے ہو؟ پھر اگر وہ بھی سر جھکائیں تو انہوں نے بھی ہدایت پائی اور اگر نہ مانیں تو آپ پر صرف (حکم دینا ہی ہے) (اور بس) اور اللہ (تو) اپنے بندوں کو آپ دیکھ رہا ہے ۲۰ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور نبیوں کو ناحق (ناروا) مار ڈالتے ہیں اور اُن کو بھی قتل کرتے ہیں جو لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں تو (اے نبی) اُن کو عذابِ الیم کا مژدہ سنا دو ۲۱ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے عمل دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور ان کا کوئی بھی مددگار نہیں ۲۲۔

---

**ترکیب:** ...... ومن اتبعن۔ من وضع رفع میں ہے عطف ہے اسلمت کی ت پر، اتبعنی کی ی حذف ہوئی ہے رؤس الآت کی مشابہت سے اور قائم بھی کی جاتی ہے کیونکہ اصل ہے الذین موصول وصلہ مع معطوف اسم ان فبشرھم اس کی خبر اور ف اس پر اس لیے داخل ہوئی کہ الذین کا صلہ فعل تھا تا کہ یہ معلوم ہو یہ بشارت جزائے کفر ہے اور ان کو مانع نہیں۔

**تفسیر:** ...... جب کہ بدلیلِ قوی ثابت کر دیا گیا کہ دینِ برحق عند اللہ اسلام ہے اور جو کچھ اختلافات لوگوں نے پیدا کیے ہیں وہ ضد اور تعصب سے ہیں اس پر بھی ناانصاف حجت کیے چلے جاتے ہیں تو اب ان کی تمام بیہودہ گفتگو اور کل شکوک و شبہات کا عجیب لطف کے ساتھ جواب اپنے نبی کو تعلیم فرماتا ہے کہ جس کے آگے منصف مزاج کو سوائے تسلیم کے اور کچھ بن ہی نہیں آتا۔ وہ یہ کہ دنیا میں دو قسم کے اہلِ مذہب ہیں ایک وہ کہ جو کتابِ الہامی اور کسی نبی کے اتباع کا ادّعا کرتے ہیں جیسا کہ یہود اور عیسائی وغیرہ۔ دوم وہ کہ جو ایسے نہیں جن کو اَن پڑھ اور بے علم کہا جاتا ہے جیسا کہ مشرکین عرب ان سے کہہ دو کہ حقانی اور آسمانی مذہب خدا تعالیٰ کی حقیقی فرماں برداری ہے کہ جس کو تم بھی مانتے ہو سو میں نے اور میرے متبع لوگوں نے فرماں برداری کی بلکہ اس کے آگے گردن جھکا دی خواہ اعتقادیات ہو خواہ عملیات سب میں تسلیم ہے۔ خدا کو وحدہٗ لاشریک اور جمیع صفاتِ عمدہ سے متصف اور بری صفتوں سے پاک جاننا اور قیامت پر ایمان لانا اور اس کے تمام انبیاء کو بلا تفریق برحق سمجھنا ہمارا عقیدہ ہے۔

**حقیقتِ مذہبِ اسلام:** ...... پنج گانہ نماز میں طہارت ظاہری و باطنی حاصل کر کے اپنی روح کو جسم کو اس پر نثار کرنا کہ جس کو نماز کہتے ہیں۔ اپنے مال میں سے علاوہ اور خیرات کے ایک حصہ معین دینا، مخلوقِ الٰہی پر رحم کرنا، بلاوجہ کسی کی ایذا سے باز رہنا اور اس کی عزت و توحید پھیلانے میں اپنی جاں عزیز کو بھی قربان کر دینا شہوات و لذاتِ بے جا کی پیروی نہ کرنا ہمارا شیوۂ خاص ہے ؎

کارِ ما عشق است و بارِ ما عشق است ☆ حاصلِ روز گارِ ما عشق است

یہ باتیں تمام شریعتوں کا عطیر اور عقلِ سلیم کا مسلّم مسئلہ ہیں۔ پس اگر تم بھی ایسا کرتے ہو تو تم نے بھی ہدایت پائی اور یہی اسلام ہے اور جو نہیں تو اب تمہارے گمراہ ہونے میں کیا کلام ہے، اب نبی کا ذمہ خبر دینا ہے۔ اس کی سزا عالمِ آخرت میں خود پائیں گے۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے وہ خصائل بد کہ جو اُن میں پائے جاتے تھے مجملاً بیان کر کے عذابِ آخرت سے ڈراتا ہے۔ وہ خصائل بد یہ تھے عقائد میں آیاتِ الٰہی کا انکار کرنا۔ اعمال میں انبیاء کو اور دیگر کلمۃ الخیر کہنے والوں کو ناحق قتل کرنا، اس پر نجات کا امیدوار رہنا۔

---

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۲۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۲۴

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ:......(اے نبی) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جن کو کتاب میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے وہ اللہ کی طرف اس لیے بلائے جاتے ہیں کہ وہ کتاب ان کا جھگڑا فیصل کر دے (اس پر بھی) ان میں ایک فریق منہ موڑ کر پھرا جاتا ہے ﴿۲۳﴾ یہ اس لیے کہ وہ کہہ چکے ہیں کہ ہم کو ہرگز دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند روز تک اور ان کو ان کے مذہبی ڈھکوسلوں نے مغرور کر دیا ہے ﴿۲۴﴾ پھر اُس دن کہ جس کے آنے میں کچھ بھی شبہ نہیں کیا حال ہوگا اور (اُس دن) جس نے جو کچھ کیا ہے اس کو پورا (پورا) بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر (کچھ بھی) ظلم نہ کیا جائے گا ﴿۲۵﴾۔

ترکیب:...... یدعون موضع حال میں ہے الذین سے اور ھم معرضون جملہ موضع رفع میں صفت ہے فریق کی یا حال ہے ضمیر مجرور سے ذلک مبتدا بانھم خبر فکیف موضع نصب میں ہے اور عامل اس میں محذوف ہے تقدیرہٗ کیف یصنعون۔ لا ریب فیہ جملہ صفت ہے یوم کی ووفیت اس پر معطوف والعائد محذوف۔

## اہلِ کتاب کی خصلتِ بد: تحریف کرنا

تفسیر:...... یہ اُن اہلِ کتاب کی ایک خصلتِ بد بیان کی جاتی ہے اور اس کا سبب بھی بتایا جاتا ہے کہ مذہب انبیائی میں تحریف کر کے انہوں نے چند ڈھکوسلے بنا رکھے ہیں جن کے اعتماد پر وہ ایسا کرتے ہیں۔ خصلتِ بد یہ تھی کہ جب ان کو باہمی منازعات کے فیصلہ کے لیے کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا کہ جو کتاب اللہ کہہ دے اس کو مانو تو وہ روٹھ کر چلے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک بار جیسا کہ کتبِ حدیث میں مذکور ہے یہ ہوا کہ یہود میں ایک مرد و عورت شریف اور دولت مند نے زنا کیا۔ اور ان کے علماء نے بہ لحاظ دولتمندی اصل حکم جاری کرنے میں حیلہ بہانہ کیا اور باہم جھگڑا ہونے لگا تو وہ لوگ فیصلہ کے لیے آنحضرت علیہ السلام کی خدمت شریف میں حاضر ہوئے اور عبداللہ بن صوریا یہودی عالم بھی آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکم الٰہی ان کے لیے کتاب اللہ یعنی قرآن میں یہ ہے کہ ان کو پتھروں سے مارا جائے (جس کو رجم کہتے ہیں) اور یہی حکم تورات میں بھی ہے ❶ عبداللہ نے کہا نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تورات لاؤ۔ جب لائے اور اس مقام کو نکالا تو عبداللہ نے اُس جگہ انگلی رکھ کر چھپانا چاہا مگر عبداللہ ❷ بن سلام نے اُس کا ہاتھ اٹھا کر وہ آیت پڑھ دی۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم دیا جس پر یہود اور ان کے علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور بھی زیادہ ناراض ہو گئے اور اکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب اُن کا اُس کتاب کی نسبت بھی کہ جس کو یہ برحق سمجھتے ہیں یہ حال ہے تو پھر قرآن کی نسبت کیا ٹھکانا ہے؟ اور اس بے دینی اور بے باکی کا سبب یہ ہے کہ اُن کے پیروں مرشدوں نے چند ڈھکوسلے اُن کے دل میں بٹھا دیے تھے یہ کہ بجز چند روز کے یہود کو نسلِ ابراہیم ہونے کے سبب عذاب نہ ہوگا جس پر وہ مغرور تھے۔ فرماتا ہے کہ قیامت کے روز کہ جس میں کوئی شبہ نہیں جب ہم ان کو جمع کریں گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری جزا اور سزا ملے گی تو پھر ان کو ان خیالاتِ خام کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ دراصل اب بھی سیکڑوں فرقے مذہبی ڈھکوسلوں پر نازاں ہیں۔ ہندوؤں کے پنڈتوں نے ہزاروں ایسے مسئلے بنا رکھے ہیں۔ عیسائیوں نے یہ بات بنا رکھی ہے کہ مسیح جملہ گناہوں کا کفارہ ہیں۔

---

❶...... کتاب احبار کے باب ۲۰ ورس ۱۰ میں تصریح ہے ۱۲ منہ۔ ❷ عبداللہ بن سلام جلیل القدر صحابی ہیں۔ پہلے ان کا نام حصین تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ توریت کے بڑے عالم تھے۔ ۴۳ھ میں انتقال ہوا۔ حقانی۔

فائدہ: یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ کس لیے کہ جب اُن پر حجت قائم ہو چکی تب کتاب اللہ کی طرف بالخصوص اس فیصلہ کے لیے بلانا کہ جس کو وہ بھی تسلیم کرتے تھے بہت ٹھیک تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عموماً تورات وانا جیل و دیگر صحف مراد ہوں کیونکہ اپنے زعم میں وہ سب کو کتاب اللہ کہا کرتے تھے۔ پھر جب اُن کی بشارت کو طرف کہ جو آنحضرت ﷺ کی شان میں تھیں (اور کچھ اب ہیں) ہدایت کی جاتی تھی تو ہرگز نہیں مانتے تھے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸﴾

ترجمہ:......(اے نبی آپ یہ) کہیے کہ اے ملک کے مالک تو جس کو چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے تیرے ہی ہاتھ میں (سب) بہتری ہے بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۶﴾ تو رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور تو مُردوں سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا کرتا ہے۔ ■ اور جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ﴿۲۷﴾ ایمان داروں کو نہ چاہیے کہ ایمان داروں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائیں اور جو ایسا کرتا ہے تو وہ خدا کی طرف سے کسی حمایت میں بھی نہیں ہاں اگر تم ان سے کوئی بچاؤ کرنا چاہو وہ (تو کوئی مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ کے پاس پھر کر جانا ہے ﴿۲۸﴾۔

ترکیب:......اللّٰھم میم مشددہ قائم مقام یاء کے ہے مالک الملک ندا ثانی ہے اَیْ یا مالک الملک تو تی الملک اور اس کے بعد کے جملے جو اس پر معطوف ہیں خبر ہیں مبتدا محذوف کی اَیْ انت۔ بیدک الخیر جملہ مستانفہ ہے بعض کہتے ہیں اس کا حکم پہلے جملوں کا سا ہے۔ بغیر حساب صفت ہے مصدر محذوف کی اَیْ رزقا غیر قلیل۔ لایتخذ نفی ہے بمعنی نہی من دون اللہ موضع نصب میں ہے صفت ہے اولیاء کی لیس کا اسم ضمیر ہے فی شئی خبر من اللہ حال ہے فی شئ سے اے لیس عن ولایۃ اللہ فی شئ۔

## عزت وذلت، ملک وسلطنت سب رب تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

تفسیر:......من جملہ ان کے خصائل بد کے یہ بات بھی ان میں تھی کہ وہ دنیا اور اس کے اسباب پر مغرور تھے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بسبب ان کے فقر و افلاس کے بچشم حقارت دیکھتے تھے اور نیز یہود کو اپنے خاندان اسرائیلی پر بھی بڑا فخر تھا اور وہ یہ سمجھے

■......رات دن گھٹتے بڑھتے ہیں جس قدر دن گھٹتا ہے وہ رات میں شامل ہو جاتا ہے اور جس قدر رات گھٹتی ہے دن میں شامل ہو جاتی ہے کبھی وہ مردہ عورت میں سے زندہ بچہ پیدا کرتا ہے اور کبھی زندہ عورت سے مردہ بچہ پیدا کرتا ہے۔ یا یہ مراد کہ نالائقوں سے لائق اور لائقوں سے نالائق پیدا کرتا ہے یہ سب قادر مختار کی قدرت کے عیاں نمونے ہیں ۱۲ منہ

ہوئے تھے کہ نبی آخرالزماں جو مبعوث ہوگا تو اسی انبیائی خاندان میں سے ہوگا نہ کہ عرب کے جاہلوں مشرکوں میں سے۔ ان سب کا ابطال ان آیات میں کیا جاتا ہے اول اس آیت میں قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ...... عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کہ سلطنت و دولت عروج و نزول عزت و ذلت کسی کی موروثی نہیں جس کو چاہے خدائے قادر دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ اس میں اُن کے اُس طعن کا بھی جواب ہے جو وہ سُتُغْلَبُوْنَ کی بشارت پر کیا کرتے تھے کہ بایں ذلت و خواری اہلِ کتاب پر غالب ہونے کی امید رکھتے ہیں جن کے پاس یہ زور و سلطنت ہے اور نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ سلطنت و عزت عن قریب گروہ خدا پرست اہلِ اسلام کو دی جائے گی اور ان سرکشوں سے لی جائے گی جس کا ظہور بہت جلد ہوا۔

**قدرتِ الٰہی کی نشانیاں:**......اور دوسری بات کا جواب اس جملہ میں دیا جاتا ہے تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ...... الخ کہ تم رات دن اس کی قدرت کا کرشمہ دیکھ رہے ہو کہ دن میں رات داخل ہوتی ہے اور رات میں دن۔ رات جو بڑھتی ہے وہ اس قدر وقت کو لے لیتی ہے جو گرمیوں میں دن کے لیے تھا۔ اسی طرح گرمیوں میں دن جو بڑا ہوتا ہے تو رات میں داخل ہو جاتا ہے کہ جاڑے کی رات کا جو وقت تھا اب اس میں آ گیا اور نیز رات آتی ہے دن کا وقت لے لیتی ہے اسی طرح رات کے بعد دن آتا ہے۔ اسی طرح وہ مردہ سے زندہ پیدا کرتا ہے مرنے کے بعد جانداروں سے زندہ بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔

منی جو ایک جرمِ مردہ ہے اس سے زندہ حیوان پیدا ہوتا ہے، مادہ بے جان سے صدہا زندہ حیوان پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح زندہ حیوان سے مُردہ بچہ منی مردہ پیدا ہوتی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خدا زندہ اور انبیائی خاندانوں سے نالائق لوگ بھی پیدا کرتا ہے جو مُردوں سے بدتر ہیں اور جاہل خاندانوں سے جو بمنزلہ مردہ ہیں ایسے روشن آفتاب پیدا کر دیتا ہے جو روشنی اور حیات ابدی کا باعث ہوتے ہیں جیسا کہ عرب بالخصوص خاندانِ قریش خصوصاً بنی ہاشم سے کیسے زندہ لوگ پیدا کیے کہ جنھوں نے ملک عرب بلکہ روئے زمین کو دوبارہ زندگی بخشی اور زندہ خاندانوں سے یہود اور نصاریٰ پیدا ہوئے، جن میں حیاتِ ابدی کا کچھ اثر نہیں وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی عطا کرتا ہے۔

**کفار سے دوستی کی مذمت:**......اور جب کہ یہ بات خدا نے ظاہر فرما دی کہ یہ سب باتیں ہمارے قبضہ قدرت میں ہیں اور دنیا کی ظاہری طمطراق بے اصل و بے حقیقت ہے تو اب مسلمانوں کو یہ تعلیم فرماتا ہے کہ اپنے لوگوں کو ترک کر کے خدا کے دشمنوں ❶ سے ان کی شوکت ظاہری پر نظر کر کے دوستی اور محبت نہ کرنا چاہیے اور جو ایسا کرے گا تو وہ خدا کے طرف داروں اور دوستوں میں کچھ بھی شمار نہ ہوگا۔ البتہ اگر کچھ خوفِ جان و مال ہو تو ظاہر داری کا کچھ مضائقہ نہیں۔

---

❶ ......واضح ہو کہ کفار سے ایمان داروں کی محبت کے تین طریق ہیں۔ ۱)......یہ کہ ان کے ملت و مذہب کی وجہ سے خوش ہو کر ان سے محبت رکھے، سو یہ حرام قطعی ہے۔ بلکہ جو ایسا کرے گا قطعی کافر ہوگا۔ ۲)......یہ کہ ان کی ملت و مذہب کو تو برا جانتا ہے مگر معاملات دنیا میں خوش اسلوبی اور رحم دلی سے پیش آتا ہے سو یہ ممنوع نہیں۔ ۳)......ان دونوں کے درمیانی حالت، وہ یہ کہ کفار کے ملت و مذہب کو تو برا جانتا ہے مگر بمقابلہ اہلِ اسلام قرابت یا محبت یا کسی دنیاوی نوکری وغیرہ کی غرض سے ان کی مدد کرتا ہے یہ کفر نہیں لیکن سخت گناہ ہے۔ انجام اس کا کفر ہو جاتا ہے۔ قرآن کی اس آیت میں اور دیگر آیات لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ اور لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ میں اسی سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کی شان نزول میں حاطب بن ابی بلتعہ صحابی کا قصہ کتب حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ارادہ کا حال کفار مکہ کو لکھ بھیجا تھا، جس پر اُن سے سخت باز پرس ہوئی۔ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً سے یہ مراد ہے کہ اگر کفار سے مضرت کا سخت اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ظاہر داری کا کچھ مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ دین میں کوئی قباحت نہ آئے۔ اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔ یہ بات کہ کفار سے دلی دوستی نہ کرو آسمانی قانون کا قدیم مسئلہ ہے تورات میں بھی جیسا کہ پہلے گزرا اس سے بھی بڑھ کر ہے اور عقلِ سلیم بھی یہی فتویٰ دیتی ہے۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ط وَيَعْلَمُ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ
مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ
اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ط وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

ترجمہ:......(اے نبی ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر تم اپنے دل کی کوئی بات چھپاؤ گے یا اس کو ظاہر کرو گے تو اللہ اس کو جان ہی لے گا اور (وہ) جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کچھ جانتا ہے اور اللہ (تو) ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۹﴾ اُس دن کو یاد (کرو) کہ جس نے جو کچھ نیکی کی ہے اُس دن اس کو موجود پائے گا اور (نیز) جو کچھ بُرائی کی ہے (اس کو بھی پائے گا) تو چاہے گا کہ کاش بُرائی میں اور اس میں بڑی دُور کا فاصلہ ہو جائے اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا (ہی) مہربان ہے ﴿۳۰﴾۔

ترکیب:...... ان تخفوا شرط۔ یعلمه الله جزا اور اس کا ترتب باعتبار علم تفصیلی کے ہے۔ یوم ظرف منصوب اس کے ناصب میں مختلف اقوال ہیں۔ ابن انباری کہتے ہیں المصیر سے متعلق ہے۔ بعض کہتے اذکر محذوف ہے۔ بعض کہتے ہیں تو دّ سے۔ وما عملت، ما بمعنی الذی اور عملت اس کا صلہ اور یہ معطوف ہے ما اول پر لو انّ... الخ یہ ممکن ہے کہ سوء کی صفت پر تقدیرہٗ وما عملت من سوء الذی تو دان بینها و بینه اَمَدًا بعیدا (کبیرا) اور ممکن ہے کہ حال ہو۔ اَمَدًا اسم ہے ان کا۔

## رب تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے

تفسیر:...... جب کہ مومنوں کو کفار سے محبت کرنے کی ممانعت کر دی اور بشرط ضرورت ظاہر داری کی اجازت دی تو ان آیات میں اس بات پر تنبیہ کر دی کہ دیکھو دل کا حال کوئی مخفی نہیں، اُس پر زمین و آسمان کا حال منکشف ہے۔ پھر اگر کفر کی محبت کو دل میں جگہ دو گے تو وہ تم کو سزا دے گا۔ وہ ہر چیز اور ہر قسم کی سزا پر قادر ہے۔ پھر روزِ حساب کا ذکر کر کے شامتِ اعمال کے نتیجہ سے ڈراتا ہے کہ اُس روز جس نے جو کچھ کیا ہے اس کو موجود پائے گا اور بُرائی کو دیکھ کر آرزو کرے گا کہ کاش وہ مجھ سے بہت ہی دور رہے۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا تم کو اپنے سے ڈراتا ہے کہ اس میں شانِ قہر بھی ہے۔ باوجود اس کے وہ بندوں پر مہربان بھی ہے۔ اور عواقبِ امور سے متنبہ کرنا بھی اس کی بڑی مہربانی ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا
يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

ترجمہ:......(اے نبی) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (تاکہ) خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بھی معاف کردے اور اللہ تو بخش دینے والا مہربان ہے۞۔(اور) کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی فرماں برداری کیا کرو پھر اگر وہ نہ مانیں تو خدا کو بھی منکروں سے کچھ محبت نہیں۞ بے شک اللہ نے آدم اور نوح کو اور ابراہیم اور عمران کے خاندان کو تمام دنیا پر برگزیدہ کیا تھا۞ جو ایک دوسرے کی اولاد سے تھے اور اللہ سنتا جانتا ہے۞۔

---

ترکیب:......ان کنتم تحبون اللہ شرط فاتبعونی جواب شرط یحببکم اور یغفر لکم مجزوم ہیں اتبعوا امر کے جواب میں آکر ذریۃ منصوب ہے یا اس وجہ سے کہ یہ بدل ہے نوحا و ما عُطِفَ علیہ سے اور ممکن ہے کہ ان اسماء سے حال بھی ہو اور عامل اس میں اصطفی ہو بعضھا مبتدا من بعض خبر یہ جملہ موضع نصب میں ہے کیونکہ صفت ہے ذریۃ کی۔

## اللہ تعالیٰ کی محبت کا معیار، رسول اللہ ﷺ کی محبت

تفسیر:......جب توحید ثابت کردی گئی تو مشرکین کے پاس بجز اس کے اور کوئی حیلہ نہیں رہا کہ ہم ان کو اللہ کے تقرب کا ذریعہ سمجھ کر پوجتے ہیں۔ مقصود خدا اور اس کی محبت ہے تو اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو اس کے رسول کے کہنے پر چلو، اُس نادیدہ خدا کی محبت کے وہی عمدہ طریق بتا سکتا ہے کہ جس سے وہ راضی ہو اور تم سے محبت کرتے اور تمہارے گناہ بھی بخش دے، کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ تمہارے خیالاتِ فاسدہ باعثِ محبت نہیں ہوسکتے خدا کی محبت اس کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری سے وابستہ ہے کیونکہ خدا کافروں سے جو اور رسول کے نافرمان ہیں محبت نہیں کرتا۔

**حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کی خصوصیت:**......رسول کی اطاعت پر محبت کے منحصر کرنے سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ بندے بندے سب برابر ہیں ان کی اطاعت کس لیے؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ خدا نے ان کو برگزیدہ کرلیا ہے جن میں سے اوّل برگزیدہ آدم ہیں پھر نوح پھر ابراہیم اور عمران کا خاندان موسیٰ و ہارون وغیرہ یہ خدا نہ تھے نہ فرشتے تھے آدمی تھے جو ایک دوسرے کی نسل سے تھا۔ اور برگزیدگی اس کے علم و حکمت پر منحصر ہے کیونکہ وہ سمیع و علیم ہے۔ اس میں قریش کے شبہ کا بھی جواب ہے۔ وہ کہتے تھے محمد اپنی اطاعت کراتا ہے۔ حالانکہ ہم ہی میں کا ایک شخص ہے۔ جواب یہ ہوا کہ سلسلۂ نبوت قدیم سے چلا آتا ہے اور نوح ابراہیم وغیرہ بھی اسی طرح برگزیدہ قابلِ اطاعت تھے یہ کوئی نئی بات نہیں اور یہ برگزیدگی خدا کے ساتھ اس کا ارتباطِ خاص تھا جس کے سبب وہ ان امور سے مطلع کیے جاتے تھے جن سے تم نہیں کیے جاتے اس لیے ان اسرار کی تعلیم کے سبب وہ مقتداء قابلِ اطاعت تھے۔

---

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۞ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا

بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ:......جب کہ عمران کی بیوی نے (یہ) کہا کہ اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ آزاد ہے اس کو میں نے تیرے لیے نذر کیا سو تو مجھ سے قبول کر لے کیونکہ تو ہی سُنتا جانتا ہے ﴿۳۵﴾۔ پھر جب اس نے لڑکی جنی تو کہنے لگی کہ اے رب! میں نے تو (یہ) لڑکی جنی ہے اور اللہ خوب جانتا تھا کہ اُس نے کیا جنا تھا اور لڑکا لڑکی جیسا کا ہے کو ہونے لگا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ﴿۳۶﴾ پھر تو اس کو اس کے رب نے اچھی طرح قبول کر لیا اور اس کو عمدہ اُٹھان اٹھایا اور زکریا نے اس کی کفالت کی جب زکریا اس کے پاس حجرے میں جاتے تو اس کے پاس کچھ کھانا پاتے (پھر مریم سے) پوچھا کہ اے مریم! یہ کھانا تیرے پاس کہاں سے آتا ہے مریم نے (جواب میں) کہا کہ یہ خدا کے ہاں سے آتا ہے بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ﴿۳۷﴾۔

**ترکیب:**......اذ اس کا عامل اذکر ہے محررا[1] حال ہے ما سے جو بمعنی الذی ہے۔ انثی حال ہے وضعتھا کی ہاء سے یا بدل۔ نباتاً بمعنی انباتا مفعول مطلق ہے فعل مذکور سے کفل کا فاعل اللہ ھا مفعول اول زکریا مفعولِ ثانی کلما کلمہ شرط دخل علیھا اس کے متعلق زکریا فاعل المحراب مفعول دخل کا وحقہ ان یتعدی بفی او بالی لکنہ اتسع فیہ فاوصل بنفسہ الی المفعول یہ جملہ شرط۔ وجد کا فاعل زکریا۔ عندھا ظرف رزقا مفعول تمام جملہ جواب شرط قال یامریم جملہ مستانفہ۔

## خدا کے محبوب اور فرمانبرداروں کے واقعات کا اجمالی بیان

**تفسیر:**......چونکہ ابھی خدا کی محبت اور اس کی اطاعت کا ذکر تھا اس لیے مناسب ہوا کہ خدا کے محبوبوں اور حقیقی مطیعوں کے واقعات ترغیب کے لیے اجمالی طور پر بیان فرمائے جائیں جس سے روح کو اس کا ذوق اور ان پاک بازوں اور راست بازوں کے اتباع کا شوق دل میں پیدا ہو۔ سب سے اول قصہ آلِ عمران کا عبرت انگیز، حضرت مریم اور ان کے فرزند ارجمند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے پھر اس کے ضمن میں حضرت زکریا کی دعا اور التجا پر رحم فرما کر ان کے ہاں فرزند سعادت مند حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ہے پھر اس کے ضمن میں حضرت زکریا کی دعا اور التجا پر رحم فرما کر ان کے ہاں فرزند سعادت مند حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تولد کا ہے کہ جن کو یوحنا بھی کہتے ہیں۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ مریم کی والدہ کا نذر کرنا اور پھر بجائے لڑکے کے مریم کا پیدا ہونا اور ان کا حضرت زکریا کے زیرِ حفاظت محراب یعنی مسجد کے حجرے میں پرورش پانا جس کو اہلِ کتاب ہیکل کہتے ہیں اور بڑھ بطور خرقِ عادت مریم کے پاس بے موسم کے میوے دیکھ کر حضرت زکریا کا متعجب ہو کر پوچھنا اور مریم کا جواب دینا بیان فرماتا ہے۔

اگرچہ اناجیل اربعہ کے مصنفوں اور حواریوں کے خطوط مسلّمہ نصاریٰ میں عمران اور اس کے باپ اور مریم کی ماں کا نام مع التفصیل مذکور

[1]......محرر اس نذر کو یعنی لڑکے کو کہتے تھے جو دنیا کے کاروبار سے آزاد کر کے مسجد میں دینی خدمات کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ لڑکی پیدا ہونے سے وہ امید جاتی رہی۔ کس لیے کہ لڑکوں کے برابر کیا خدمات سرانجام دے سکتی ہے۔ یہ ان کی ماں کے حسرت کے کلمات ہیں۔ جو جناب باری میں مریم کی ولادت کے وقت لڑکی کو ناچیز سمجھ کر کہے تھے، خدا کو ان کا نیاز و خلوص پسند آیا اس کو قبول کیا اور لڑکوں سے عمدہ ثمرہ حضرت مسیح علیہ السلام سے ظہور پذیر ہوا ۱۲ منہ۔

نہیں مگر مورخین اسلام نے اپنی تحقیقات سے بیان کیا ہے کہ یہ عمران وہ عمران نہیں جو موسیٰ اور ہارون کے والد تھے بلکہ یہ ماثان کے بیٹے ہیں جو حضرت ہارون کی اولاد سے ہیں یہ حضرت زکریا بن اذن کے عہد میں تھے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا ہیں۔

**حضرت مریم کی والدہ کی منت اور دُعا:**......بنی اسرائیل میں دستور تھا کہ وہ اپنے لڑکے کو خدا کی نذر مانا کرتے تھے، جب اس کا دودھ بڑھ جاتا (چھوٹ جاتا) تو اس کو ہیکل یعنی اُس مسجد میں کہ جس کو حضرت سلیمان نے

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع ۱۱/۱۲

**ترجمہ:**......اُس وقت تو زکریا نے (بھی) اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو بھی اپنی جناب سے پاک اولاد عطا کر بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۳۸۔ پھر اس کو فرشتے نے آواز دی جب کہ وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تم کو خوش خبری دیتا ہے یحییٰ (کے پیدا ہونے) کی تصدیق کرے گا خدا کے ایک ❶ کلمہ کی اور سردار ہوگا اور کنوارا رہے گا اور نیک نبی ہوگا۳۹ (زکریا نے) کہا اے رب میرے کہاں سے لڑکا ہوگا اور مجھ پر تو بڑھاپا آ گیا اور میری بیوی (بھی) بانجھ ہے (فرشتہ نے) کہ اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۴۰۔ (زکریا نے) کہا اے میرے رب میرے لیے کوئی نشانی معین کر دیجیے کہا تیرے لیے یہ نشانی ہے کہ تُو تین روز تک لوگوں سے بجز اشارہ کے بات نہ کر سکے گا اور اپنے رب کو بہت یاد کر اور شام و صبح تسبیح کیا کر۴۱۔

---

**ترکیب:**......هنا در اصل ظرف مکان کے لیے ہے مگر یہاں ظرف زمان مراد ہے لک سے اس میں بُعد ہو گیا یہ دعا سے متعلق ہے من لدنک، هب لی سے متعلق ہے پس من ابتداء غایت ہبہ کے لیے ہے نادت فعل الملئکة فاعل بہ ضمیر مفعول ذی الحال وهو قائم جملہ حال یصلی ضمیر قائم سے حال ہے ان الله جملہ بیان ندا ہے مصدقًا اور سیدًا اور حصوزًا اور نبیًا یحییٰ سے حال ہیں لی خبر یکون غلام اسم و انی بمعنی کیف ایتک مبتدا ان لاتکلم... الخ جملہ خبر عشی مفرد ہے۔ بعض کہتے ہیں عشیة کی جمع اور ابکار بروزن افعال مصدر ہے اے وقت الابکار۔

شہر یروشلم میں بنایا تھا جس کو اہلِ اسلام بیت المقدس کہتے ہیں کاہن یعنی امام کے پاس لا کر چھوڑ جاتے تھے اور وہ وہاں مسجد کی

---

❶......خدا کا کلمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو ان کے کلمہ کن کے کہنے سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ حضرت یحییٰ کے پیدا ہونے کی جب خوش خبری فرشتے نے دی اُن کے اوصاف بھی بیان کر دیے کہ وہ عیسیٰ کلمۃ اللہ کی تصدیق کریں گے، (ہنوز عیسیٰ علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے) سردار ہوں گے، معصوم و محفوظ ہوں گے، نبی ہوں گے۔ یعنی فرزند بھی دیتے ہیں تو ایسا نہ کہ نالائق و ناہنجار ۱۲ منہ۔

خدمت کیا کرتا تھا جیسا کہ سموئیل کو نذر مانا تھا۔ عمران جب مر گئے تو ان کی بیوی حنہ حمل سے تھیں اس نے خلوص نیت سے بدستور بنی اسرائیل یہ نذر مانی کہ الٰہی جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں نے سب کاموں سے محرر یعنی آزاد کر کے تیرے لیے نذر مانا ہے سو جب جنی تو لڑکی پیدا ہوئی اور لڑکی ہیکل کی خدمت کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی یہ سمجھ کر نہایت حسرت سے جناب باری میں عرض کی کہ الٰہی میں نے لڑکی جنی اور لڑکی لڑکے کے برابر نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ یہ تیری نذر کے قابل چیز پیدا نہیں ہوئی کیا کروں؟ چونکہ وہاں تو خلوص اور محبت پر نظر ہے وہاں لڑکی اور لڑکے کے کچھ پروا نہیں اس لیے خدا تعالیٰ نے بطور جملہ معترضہ کے یہ فرمایا کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ اس نے جنا یعنی وہ لڑکی لڑکوں سے بھی بہتر ہے اور اسی لیے ایک جگہ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ فرمایا ہے اور اس تقدیر پر اگر وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى کو خدا کی طرف کا جملہ ہو کر یہ معنی قرار دیے جائیں کہ اس لڑکی کے برابر کوئی لڑکا نہیں تو ممکن ہے۔

**حضرت مریمؑ کی پرورش:**...... حنہ رضی اللہ عنہا نے اس کا نام مریم رکھا اور جب اس کا دودھ بڑھ چکا (چھوٹ گیا، مدت رضاعت ختم ہوگئی) تو بدستور بنی اسرائیل اس کو ہیکل میں کاہنوں کے پاس بھیج دیا ان میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے جو رشتہ میں مریم کے خالو ہوتے تھے۔ مریم کی خالہ الیساع جس کو الیسبات بھی کہتے ہیں زکریا کی بیوی تھی۔ کاہنوں میں باہم گفتگو ہوئی کہ اس لڑکی کو کون پرورش کرے؟ زکریا علیہ السلام نے فرمایا میں مستحق ہوں اس کی خالہ اس کے حال کی خوب نگراں رہے گی اوروں نے نہ مانا اس پر قلم ڈالنے یعنی چھٹی لکھ کر ڈالنے کی قرعہ کے طور پر نوبت پہنچی اور قرعہ میں بھی زکریا علیہ السلام کا نام نکلا تب زکریا علیہ السلام کے مریمؑ سپرد ہوگئیں اور انھوں نے اُن کے لیے جداگانہ جگہ ہیکل کے متعلق تجویز کر دی۔ مریمؑ کو خدا نے نذر میں خوش ہو کر قبول کر لیا تھا اور خدا غیب سے اس کے خورش کے سامان مہیا کرتا تھے۔ اس عرصہ میں مریمؑ جوان ہوگئیں۔ خدا کی قدرت حضرت زکریاں کے ہاں اس بڑھاپے تک کوئی اولاد نہ تھی ہر چند دعا کرتے تھے کہ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ۔ ان ایام میں کئی بار مریمؑ کے پاس جب ان کے حجرے میں گئے تو بے موسم کے پھل اور میوے دھرے پائے جس سے متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ تیرے پاس کہاں سے آئے؟ مریمؑ نے کہا خدا کے یہاں سے، وہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب روزی دیتا ہے۔

**حضرت زکریا علیہ السلام کو اولاد کی بشارت:**...... یہ حال دیکھ کر زکریا علیہ السلام کو تنبہ ہوا اور دل میں خیال گزرا کہ خدا تعالیٰ مجھ کو بھی بے موسم پیری (بڑھاپے) میں پھل (اولاد) دے سکتا ہے خدا سے نہایت عاجزی کے ساتھ اولاد کی دعا کی۔ وہ ہیکل میں کھڑے ہوئے عبادت میں مصروف تھے اور یہی ان کی نماز تھی کہ فرشتے نے اُن پر ظاہر ہو کر یہ بشارت دی کہ دیکھ خدا نے تیری دعا قبول کی وہ تجھ کو ایک ایسا فرزند دیا (دینا) چاہتا ہے کہ جس کا ہم نام تیرے خاندان میں کوئی نہیں۔ وہ بنی اسرائیل کا سردار ہوگا اور اس قوم کی خراب حالت کی اصلاح کرے گا اور حصور ہوگا یعنی خدا کی طرف سے نفسانی خواہشوں اور گناہوں سے روکا جاوے گا اُس کو ان چیزوں کی طرف از خود رغبت نہ ہوگی اور نبی ہوگا اور پاکباز لوگوں میں سے ہوگا اور وہ کلمۃ اللہ یعنی حضرت مسیحؑ کی تصدیق کرے گا۔ یہ مژدہ سن کر زکریا علیہ السلام نے کہا الٰہی میں بوڑھا ہوگیا اور میری بیوی بانجھ ہے یہ کیوں کر ہوگا؟ فرشتے نے کہا خدا یوں ہی کر دیتا ہے اس پر کوئی بات مشکل نہیں بغیر اسباب ظاہرہ بھی وہ اپنے افعال ظاہر کر دیتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی علامت یا نشانی دینی چاہیے جس سے مجھ کو یہ معلوم ہو فرشتے نے کہا تیرے لیے یہ علامت ہے کہ تو تین روز تک بغیر اشارے کے کسی سے کلام نہ کر سکے گا گو یہ ایک روزہ تھا بنی اسرائیل میں۔ عبادت کی عبادت، علامت کی علامت۔ اس کے بعد زکریا علیہ السلام اپنی بیوی کے پاس گئے وہ حاملہ ہوگئیں۔ یہ دوسرا قصہ ہے جو مریم کے قصہ میں ضمناً مذکور ہوا۔

**قصہ پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ السلام:**...... پھر اگلی آیات میں مریم علیہا السلام کے قصہ کو تمام فرماتا ہے وہ یہ کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پیٹ ہی میں تھے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو جب کہ وہ اپنے حجرہ میں غسل حیض سے فارغ ہو کر بیٹھیں آدمی کی شکل میں جبرائیل دکھائی دیئے اور کہا خدا تجھ کو ایک سعادت مند فرزند کی بشارت دیتا ہے۔ مریم نے کہا نہ میں کسی مرد کے پاس گئی، نہ میں بدکار ہوں، پھر لڑکا کیوں کر ہوگا؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا خدا یوں ہی کر دیتا ہے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے قریب آ کر ان کے کُرتے کے گریبان میں پھونک دیا جس سے وہ حاملہ ہو گئیں اور کچھ عجب نہیں کہ ایسی حالت میں جب چرچا پھیلا ہو مریم اپنے چچا زاد بھائی یوسف کے ساتھ بیت المقدس سے ناصرہ کو چلی گئی ہوں اور پھر اسم نویسی کو ہیرودیس کے عہد میں یروشلم میں آئی ہوں اور بیت لحم میں کسی گوشہ میں کہ جہاں کوئی کھجور کا درخت تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے ہوں۔ اور اسی لیے حضرت زکریا علیہ السلام پر یہود نے تہمت لگا کر (یہ حمل ان کا ہے) قتل کیا تھا جیسا کہ کتب تاریخ سے ثابت ہے اہل کتاب یوسف کو مریم کا شوہر کہتے ہیں کچھ عجب نہیں کہ حمل ظاہر ہونے کے بعد یا ولادت کے بعد ان سے شادی ہوئی ہو یہ بات صرف جاہلوں کے طعن دور کرنے کو اس وقت مشہور کر دی ہو۔ قرآن میں اس کا کچھ ذکر نہیں، (واللہ اعلم عند اللہ)۔

**حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شیر خوارگی میں کلام:**...... الغرض جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی برکت سے خشک کھجور میں چھوارے نمودار ہوئے تو یہود گروہ کے گروہ مریم کو ملامت کرنے آتے تھے کہ تیرے ماں اور باپ تو ایسے پاک دامن تھے تو نے یہ کیا کیا؟ حضرت مریم نے کہا اسی لڑکے سے پوچھو۔ لوگوں نے کہا شیر خوار لڑکا کیوں کر بات کر سکتا ہے۔ اس میں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ میں خدا کا برگزیدہ نبی ہوں اور میری ماں پاک دامن ہے۔ اس سے سب کو تعجب ہو گیا پھر اور بھی معجزات لڑکپن [1] میں لوگوں نے دیکھے۔ اس کے بعد حاکم وقت کے خوف سے کہ مبادا ان کو مار ڈالے۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى
نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾
ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ
اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ
قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖۗ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ
عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ
النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ
وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا

[1] ...... جیسا کہ گارے کے پرند جانور بنا کر ان میں پھونک مارنا اور پھر ان کا زندہ ہو کر اڑ جانا ۱۲ منہ۔

يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٤٧﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٤٨﴾
وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ
لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ
الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا
تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٤٩﴾
وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ
عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٥٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ
وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٥١﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ
الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا
بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٥٢﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ
فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٥٤﴾

ترجمہ:......اور (یاد کرو) جب کہ فرشتوں نے کہا اے مریم تم کو خدا نے برگزیدہ کرلیا اور پاک کر دیا اور تم کو دنیا کی عورتوں پر فضیلت دی ﴿۴۲﴾ اے مریم اپنے رب کی عبادت کرتی رہو اور نمازیوں کے ساتھ سجدہ اور رکوع کیا کرو ﴿۴۳﴾ یہ غیب کی خبریں ہیں ہم ان کو (اے نبی) آپ کی طرف الہام کرتے ہیں اور آپ کچھ ان کے پاس موجود ہی نہ تھے کہ جب وہ قرعہ ڈال رہے تھے کہ ہم میں سے کون مریم کی پرورش کرے گا اور نہ آپ اُس وقت (بھی) موجود تھے جبکہ وہ باہم جھگڑ رہے تھے ﴿۴۴﴾ جب فرشتے نے کہا اے مریم اللہ تم کو ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح ❶ عیسیٰ ابن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں بڑا وقار (اور صاحب مرتبہ) اور خدا کے مقرب لوگوں میں سے ہوگا ﴿۴۵﴾ اور لوگوں سے ماں کی گود میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کرے گا اور (وہ) نیک لوگوں میں سے ہوگا ﴿۴۶﴾ (مریم نے) کہا اے رب میرے کیوں کر لڑکا ہوسکتا ہے حالانکہ مجھ کو تو کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا فرمایا یوں ہی اللہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اس کو یہی کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے ﴿۴۷﴾ اور (اللہ) اس کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا ﴿۴۸﴾ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے جائیں گے۔ (وہ کہیں گے کہ) میں تمہارے پاس

❶ ...... یہود میں قدیم دستور تھا کہ وہ جس کو سردار یا برگزیدہ کرتے تھے تو اُس وقت کا نبی یا کاہن اس شخص پر زیتون کا تیل مسح کر دیتا یعنی مَل دیتا تھا، اس لیے اس شخص کو مسیح کہتے تھے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی مقبولیت کا تیل ملا گیا اور اسی قدیم عزت پر ان کا لقب مسیح مشہور ہوا اور یسوع عبرانی میں ان کا نام ہے جس کو عربی میں عیسیٰ کہتے تھا۔ چونکہ لقب زیادہ مشہور تھا، اس لیے اس کو نام سے پہلے ذکر کیا ۱۲ منہ۔

تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آتا ہوں میں تمہارے لیے گارے سے پرندوں کی مورتیں بنا کر اُن میں پھونکتا ہوں وہ خدا کے حکم سے اُڑنے لگتے ہیں اور میں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا بچھا کر دیتا ہوں اور میں خدا کے حکم سے مُردوں کو بھی زندہ کر دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاتے اور جو کچھ اپنے گھروں میں باقی رکھ کر آتے ہو سب کو بتا دیتا ہوں بے شک اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم میں ایمان ہے ۴۹ اور (میں اپنے سے اگلی (کتاب) توریت کی تصدیق کرتا ہوا آیا ہوں (اور میں اس لیے بھی آیا ہوں کہ) جو چیزیں تم پر حرام کر دی گئیں ہیں اُن میں سے بعض کو تمہارے لیے حلال کر دوں اور میں تمہارے پاس تمہارے خدا کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ۵۰ بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو یہ ہے سیدھا رستہ ۵۱ پھر جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار معلوم کر لیا تو کہہ اٹھے کہ کوئی ہے جو اللہ کی طرف ہو کر میری مدد کرے حواریوں نے کہا ہم ہیں خدا کے طرف دار ہم خدا پر ایمان لائے اور آپ (اس پر) گواہ رہیں کہ ہم نے اطاعت اختیار کر لی ۵۲ اے ہمارے رب جو کچھ تو نے نازل کیا ہم اس پر ایمان لائے اور رسول کی پیروی اختیار کر لی سو ہم کو بھی گواہوں میں لکھ رکھ ۵۳ اور (یہود نے) داؤ کیا اور خدا نے اُن سے داؤ کیا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے ۵۴۔

---

**ترکیب:**......ذلک مبتدا من انباء الغیب خبر نوحیہ الیک خبر ثانی۔ اذیلقون اذ ظرف ہے کان کا اور ممکن ہے کہ استقرار کا ظرف ہو کہ جس سے لدیھم متعلق ہے اقلام جمع قلم بمعنی مقلوم ایھم مبتدا یکفل مریم جملہ موضع نصب میں ہے اے یقترعون ایھم عامل اس میں وہ ہے جو یلقون سے سمجھا جاتا ہے اذیختصمون کا حال اذیلقون کا سا ہے اذقالت بدل ہے اذ سابق سے منہ صفت ہے کلمۃ کی اسمہ مبتدا المسیح خبر عیسیٰ بدل یا عطف بیان ہے اس سے ابن مریم خبر ہے مبتدا محذوف کی ای ھو ابن۔ وجیھا اور من المقربین اور یکلم احوال مقدرہ ہیں معنی کلمۃ سے جو مکوّن ہے۔ فی المھد حال ہے ضمیر یکلم سے رسولا کو اگر صفت مانا جائے تو یہ بھی حال ہے۔ پھر الی بنی...الخ اس سے متعلق ہے مصدقا حال ہے معطوف ہے بایۃ پر ای جئتکم بایۃ و مصدقا۔ من التورات بیان ہے۔ لما بین یدی کا، لاحل معطوف ہے محذوف پر ای لاخفف عنکم۔ فلما کلمہ شرط احس کا فاعل عیسیٰ۔ الکفر مفعول منھم متعلق ہے احس کے یا کفر کا حال قال من جواب انصاری انصار نصیر کی جمع ہے جیسا کہ شریف و اشراف الحواریون اس کا مفرد حواری ہے جو حور سے مشتق ہے جس کے معنی روشنی اور سفیدی یا رجوع کے ہیں چونکہ ایسے لوگ خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے دل روشن ہوتے ہیں اس لیے حواری کہلاتے ہیں۔

یوسف مریمؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملکِ مصر میں لے گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہیں ہوشیار ہوئے جوان ہو کر (جب ہیرودیس بادشاہِ یہودیہ کی موت کی خبر سنی تو) ملک شام میں آئے۔ ادھر حضرت یحییٰ علیہ السلام زکریا علیہ السلام کے بیٹے جوان سے کئی مہینے پہلے پیدا ہو چکے تھے جوان ہو گئے تھے۔ لوگوں کو تعلیم دیتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتے تھے۔ آخر بادشاہِ وقت نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا۔

**حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وعظ و نصیحت فرمانا:**......اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ملک یہود کے جلیل اور یروشلم وغیرہ شہروں میں وعظ فرماتے معجزات دکھاتے رہے لیکن یہود کو ہر روز ان سے عداوت بڑھتی گئی باوجودیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تصدیق کی اور شریعتِ موسوی کی بحسب وقت ترمیم کی، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام میں سیکڑوں برس کا فاصلہ ہے زمانہ کے مقتضیات کا ضرور اثر ظاہر ہوا جو ترمیم کی حاجت پڑی۔ چنانچہ انہوں نے وہ جو سبت کے روز بے حد قیدیں تھیں کہ یوں نہ کرے اور یوں کرے یا اور ایسے ہی مسائل تھے ان میں بحکم الٰہی تخفیف کر دی اور ان ممنوع حرام باتوں کو درست کر دیا جس کی پوری تفصیل کتاب احبار اور اناجیل اربعہ کے ملاحظہ سے معلوم ہوتی ہے اور معجزات بھی دکھائے اور بہت کچھ یہود کی بداقبالیوں اور ناشگنیوں کی اصلاح کرنی چاہی مگر اس قوم کی حس باطنی جاتی رہی تھی یوں تو مسیحا نے کئی مردے زندہ کیے مگر یہود کا اقبال مردہ زندہ نہ ہو سکا۔ آخر جب ان کی شرکشی دیکھی تو فرمایا کہ کون خدا کی

حمایت میں آتا ہے؟ بارہ شخص کہ جن کو حواری (یعنی خدا کی طرف رجوع کرنے والے یا روشن دل) کہتے ہیں اور ان کے یہ نام ہیں ،حضرت کے صدق دل سے مرید اور شاگردِ خاص ہو گئے، شمعون، جس کو پطرس بھی کہتے ہیں۔ اندریاس، شمعون کا بھائی یعقوب بن زبدی ،یوحنا، ان کا بھائی فلپوس، برتھولما۔ تھوما۔ متی یعقوب بن طفائی۔ تہدی، شمعون کنعانی۔ یہودا اسکریوتی۔ اب ایک دینداروں کی جماعت قائم ہوگئی۔ آخر کار یہود نے حضرت عیسیٰ کی حکام سے شکایتیں کر کے پلاطوس حاکم کو ان کے قتل پر آمادہ کیا۔ اور جاسوس دوڑ گئے، حضرت کو ایک جگہ سے گرفتار کر کے لائے اور طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں اور بہت کچھ مکر و داؤ ان کے قتل کے لیے کیا مگر خدا کا داؤ سب پر غالب ہے اُس نے یہ کیا کہ انھیں یہودیوں میں سے ایک کو حضرت مسیح کی صورت میں کر دیا اور مسیح علیہ السلام کو ملائکہ آسمان پر لے گئے یہود نے مسیح علیہ السلام سمجھ کر اس شخص کو سُولی دی اور بڑی اذیت سے مارا۔

**فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات:**..... فرشتوں نے مریمؑ سے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی بابت یہ تمام حال بیان کر دیا تھا کہ وہ ایسے اور ایسے ہوں گے۔ (۱) ان کا نام عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ (۲) وہ دنیا و آخرت میں معزز اور خدا کے مقربین میں سے ہوں گے۔ (۳) لڑکپن اور ادھیڑ عمر میں لوگوں سے یہ کلام کریں گے برخلاف اور لوگوں کے کہ وہ شیر خوارگی میں کلام نہیں کرتے۔ (۴) ان کو خدا کتاب اور حکمت توریت و انجیل سکھائے گا۔ (۵) وہ لوگوں سے کہیں گے کہ میں خدا کی طرف سے معجزات لے کر آیا ہوں جن کا بعد میں بیان ہے۔ (۶) میں توریت کو پورا کرنے آیا ہوں اس کا مصدق ہوں نہ کہ مکذّب۔ (۷) میں تم پر سے سخت احکام کا بوجھ بھی ہلکا کرنے آیا ہوں۔ جو چیزیں بنی اسرائیل پر ان کی سخت دلی سے حرام کی دی گئی ہیں بعض کو مباح کر دیتا ہوں ان سب باتوں کے بعد اصلی بات بھی کہی کہ خدا میرا اور تمہارا سب کا خدا ہے، اُس کی عبادت کرو، نہ میری نہ کسی اور مخلوق کی۔ یہ ہے راہِ راست، مگر بنی اسرائیل سخت دل کا ہے کو ماننے والے تھے۔ حضرت نے ان کے انکار و مخالفت کو معلوم کر کے کہا کوئی ہے کہ خدا کے لیے میرا مددگار رہے، حواری بول اٹھے کہ ہم خدا کے دین کے مددگار ہیں اور ہم خدا پر ایمان لائے۔ پھر دعا کی کہ الٰہی ہم کو گواہوں میں لکھ لے ہم رسول کے مطیع ہو گئے۔ (اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبوں کو ترغیب دلائی جاتی ہے) پھر کس خوبی سے قصہ کو تمام کرتا ہے کہ یہود نے ان سے بڑی بدسلوکی کی جس پر خدا نے بھی ان سے بدسلوکی کی رومی بادشاہ ان پر چڑھ آئے اور مار کر ستیاناس کر گئے ان کی بدسلوکی کو اور اس کے بدلہ کو بطور استعارہ مکر سے تعبیر کیا۔

اب ہم یہاں چند ابحاث بیان کرتے ہیں تا کہ ان آیات کا مطلب ناظرین کے بخوبی سمجھ میں آجائے اور پھر آئندہ سورۂ مریم وغیرہ میں اعادہ کی کچھ حاجت نہ رہے، واللہ ولی التوفیق۔

**بحث اوّل: مفردات الفاظ کی تشریح:**..... المحراب، اونچی اور عمدہ جگہ۔ اصمعی کہتے ہیں بالاخانہ۔ بعض کہتے ہیں اس جگہ مراد مسجد ہے اس لیے کہ یہ بسبب عبادت کے شیطان سے لڑائی کی جگہ ہے جو حرب سے مشتق ہے۔ حصورا حصر سے مشتق ہے جس کے معنی بند ہونے اور رُکنے کے ہیں کہتے ہیں حصر الرجل اعتقل بطنہ یہ فعول مفعول ہے بمعنی ہے یعنی شہوات سے روکا گیا جس کو محفوظ اور معصوم کہنا چاہیے۔ عاقر عقر سے مشتق ہے جس کے معنی منقطع ہونے کے ہیں۔ یعنی اولاد سے منقطع گئی جس کو بانجھ کہتے ہیں رمز کے معنی حرکت کے ہیں چونکہ دریا میں تموج ہوتا ہے اس لیے اس کو عرب راموز کہتے ہیں۔ یہاں مراد اشارہ ہے جو ہاتھ پاؤں یا آنکھ بھوؤں کی حرکت سے ہوتا ہے۔ العشی دن ڈھلے سے غروب تک کا وقت۔ والابکار نئی اور اوّل چیز اور اسی لیے باکورہ نئے پھلوں کو کہتے ہیں اور نئی ناکتخدائی کو بکر کہتے ہیں، اس سے مراد طلوع آفتاب سے دوپہر کا وقت ہے۔ بعض نے ابکار بالفتح پڑھا ہے سو یہ اشجار کی طرح جمع ہوگا

انباء۔نباء کی جمع ہے جس کے معنی خبر ہیں۔انصار اور حواری کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں۔

**دوسری بحث:......نصاریٰ کے قرآن مجید پر اعتراضات اور اُن کے جوابات:......** اس مقام پر عیسائی نکتہ چین قرآن مجید پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کہ حضرت مسیح اور مریم کے اور اسی طرح یوحنا یعنی یحییٰ کے قصہ میں چند غلطیاں قرآن میں بیان ہوئیں جو تاریخی واقعات سے علاقہ رکھتے ہیں۔

۱)...... یہ کہ مریم کی ماں کا نذر ماننا اور پھر مریم کو ہیکل میں بھیج دینا اور وہاں کاہنوں میں باہم ان کی پرورش کی بابت گفتگو ہو کر حضرت زکریا علیہ السلام کے نام قرعہ نکلنا۔اور زکریا علیہ السلام کا مریم علیہا السلام کو بے موسم پھل کھاتے دیکھ کر اپنے لیے اولاد کے واسطے دعا کرنا انجیل سے ثابت نہیں اس لیے یہ باتیں غلط ہیں۔

۲)......قرآن میں لکھا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام تین روز تک بغیر اشارہ کے کسی سے کلام نہ کریں گے حالانکہ انجیل لوقا کے اول باب ورس ۲۰ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکریا کو یوں فرشتہ نے کہا کہ تو جب یہ باتیں واقع نہ ہولیں گونگا ہو جائے گا کسی سے بول نہ سکے گا۔اور اسی باب کے ۶۴ ورس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور آٹھویں دن ان کا ختنہ ہوا اور اُن کا نام یحییٰ رکھا گیا تب اُن کی زبان کھلی جس کی مدت تخمیناً دس مہینے ہوتے ہیں قرآن نے باوجود دعوائے الہام اور تصدیق انجیل کے کتنی غلطی کی۔

۳)......لڑکپن میں مسیح کا کلام کرنا اور پھر پرندوں کا معجزہ کہ مٹی کے جانور بنا کر اُن میں پھونک مارنا اور ان کا زندہ ہو کر اُڑ جانا کہیں سے ثابت نہیں قرآن نے اس کو کہاں سے لیا ان اعتراضات کا جواب یہ ہے۔اوّل سوال کا جواب یوں ہے اگر تاریخی باتیں انجیل اربعہ کے مصنف نے اپنی مختصر تاریخوں میں نہ لکھیں تو اس سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ امور غلط ہیں۔دیکھو زکریا علیہ السلام کا فرشتہ سے بشارت پانا اور یحییٰ نام رکھنا وغیرہ باتیں صرف لوقا نے لکھی ہیں اوروں نے نہیں، پھر کیا اس وجہ سے یہ غلط ہو سکتی ہیں؟ اسی طرح مسیح کے پیدا ہونے کے دنوں میں مجوسیوں کو ایک ستارہ دکھائی دینا اور اس کا ان کے آگے آگے چلنا، سوائے متی کے اور کسی نے نہیں لکھا اسی طرح ان چاروں مورخوں کا باہم سیکڑوں باتوں میں تفاوتِ بیان پایا جاتا ہے۔یہی تیسرے اعتراض کا بھی جواب ہے اور تائید اس کی یہ ہے کہ یوحنا اپنی انا نجیل کے سب سے اخیر میں یہ لکھتا ہے کہ اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کیے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ کتابیں جو لکھی جاتیں دنیا میں نہ سماتیں۔پھر کیا مسیح نے یہی چند باتیں اور یہی چند کام کیے ہیں جو اناجیل اربعہ میں ہیں؟ ہرگز نہیں علاوہ اس کے یہودی مورخوں اور دیگر اناجیل سے بھی ان باتوں کا پتہ لگتا ہے اور ان اناجیل کے زیادہ معتبر نہ ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ ان کے سب تاریخی واقعات غلط ہوں۔دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ لوقا نے نہ حضرت زکریا علیہ السلام کو دیکھا نہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ مؤرخ سنی ہوئی باتیں لکھتا ہے جس پر گمان ہو سکتا ہے کہ یا راوی نے غلطی کی یا خود لوقا سے سہو ہو گیا یا نسخہ میں اور غلطیوں کی طرح یہ بھی واقع ہوئی اور جو تطبیق کرو تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ عدد زبانِ عرب میں انحصار کے لیے نہیں ہوتا ہمارے عرف میں کہتے ہیں دو دن کی زندگی میں آدمی کیا کرتا ہے مراد تھوڑی زندگی ہے اسی طرح تین روزے سے یہ قلیل مدت مراد ہے جو تخمیناً دس مہینے مؤرخ نے بیان کیے۔قرآن انجیل لوقا کی تصدیق کا مدعی نہیں۔

**تیسری بحث:......دہریوں وغیرہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالہ سے نظریہ اور اس کا بطلان:......** ان سے بڑھ کر دہریے اور ان کے مقلد نیچری ان آیات کے صاف اور سیدھے مطلب کو اسی قاعدہ فاسدہ پر (کہ خرقِ عادت محال ہے) عجب تاویلیں کر کے اُلٹ پلٹ کرتے ہیں چنانچہ نیچری مفسر نے اس مقام پر حضرت مریم کو غیب سے روزی پہنچنے کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ کے

پیدا ہونے کا انکار کیا اور یہ تاویل کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار سے پیدا ہوئے تھے صرف یہ بات تھی کہ رخصت کر کے لے جانے سے پہلے یوسف مریم سے ہمبستر ہو گئے تھے چونکہ یہ بات یہود میں مذموم تھی جو دونوں کو شرم و حجاب کا موجب ہوا ہو۔ اور زکریا اور بی بی مریم نے جو فرشتوں سے باتیں کیں اور ان کا خیال مجسم یا خواب تھا اور چونکہ اس مذہب کا یونانیوں میں رواج دینا منظور تھا اور ان میں ایسی باتیں ہمیشہ سے باعث بزرگی سمجھی جایا کرتی تھیں چنانچہ حکیم افلاطون کا حمل بھی بے باپ کے اُن میں مشہور تھا اس غرض سے عیسائی معلموں نے یہ بات مشہور کردی اور اسی مشہور بات کو مفسروں نے قرآن کی تفاسیر میں لکھ دیا اور اسی طرح لڑکپن میں مسیح کا کلام کرنا اور مٹی کے جانور بنا کر اُن میں پھونک مار کر زندہ کر دینا اور مردہ کو زندہ کر دینا ہے جس سے دل مردہ کو زندہ کرنا مراد ہے اور چشم باطن کے اندھے کو ہدایت دینا اور بیماری مرض قلب کو شفا دینا اندھے اور کوڑھی کے اچھا کرنے سے مراد ہے اور ایسے محاورات حضرت عیسیٰ کی تقریروں میں بیشتر پائے جاتے ہیں۔

یہ ان کی تمام تقریروں کا خلاصہ ہے۔ چونکہ اس لغو گفتگو کا مدار وہی تین چار فاسد عقیدے ہیں کہ جن کا ابطال ہم مقدمہ میں خوب کر چکے ہیں اس لیے اس بارے میں دوبارہ قلم اٹھانا فضول سمجھتے ہیں۔ افسوس یہ لوگ صرف برائے نام مسلمان کہلانے کے لیے قرآن مجید کی فضول تاویلیں کر کے اپنا مضحکہ اُڑواتے ہیں اور تاریخی واقعات کو غلط کہہ کر محققوں میں حقیر بنتے ہیں مگر ان کو سرے سے اسلام ہی کا انکار کر دینا تھا اس زمانے میں اسلام سے کیا دنیا ملتی ہے؟

## آنحضرت ﷺ کا اُمّی ہونے کے باوجود سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات وحالات کی خبر دینا

**چوتھی بحث:** ......ذلک من انباء الغیب نوحیہ الیک، ان واقعات کا اس طور پر مخالفوں کو بتانا آنحضرت ﷺ کے لیے بڑا معجزہ ہے۔ نہ آپ ﷺ نے تورات پڑھی تھی نہ انجیل نہ کوئی کتاب اور عمر کا اکثر حصہ مکہ میں گزرا جہاں کوئی بھی ذی علم نہ تھا اہلِ کتاب کا تو کیا ذکر پھر مدینہ میں آ کر باوجود مخالفت یہود و نصاریٰ کے یہ کیونکر ممکن تھا کہ آنحضرت ﷺ ان سے کچھ پڑھنے سیکھنے جاتے اور اگر ایسا ہوتا تو نصاریٰ اور دیگر اہلِ اسلام کے روبرو یہ دعوے کس طرح سے کرتے کہ میں غیب کی خبریں بطورِ الہام بیان کرتا ہوں۔ باوجود اس کے پھر ان واقعات کو صحیح صحیح بیان کرنا بالخصوص اہلِ کتاب کے علماء کے سامنے اس طرح سے کہ جن کو کوئی پڑھا ہوا بھی بیان نہ کر سکے اگر اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟ اگرچہ بعض باتیں بعض کے لیے خرقِ عادت نہیں مگر دوسرے کے لیے خرقِ عادت سمجھی جاتی ہیں البتہ شیر خوار لڑکے کا کلام کرنا تعجب ہے اسی طرح کسی گزشتہ حال کا اس کے دیکھنے والے یا تاریخ کی کتابیں پڑھنے والے کو تعجب نہیں، اور کے لیے ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ
مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَ اَمَّا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: ......(اس وقت کو یاد کرو کہ) جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تمہاری عمر پوری کروں گا اور تمہیں اپنی طرف اٹھالوں گا اور تمہیں کافروں (کے بہتان) سے پاک کردوں گا اور تمہارے ماننے والوں کو تمہارے منکروں پر قیامت تک فوقیت دوں گا پھر میرے ہی پاس تم کو پھر کر آنا ہے سو جس بات میں تم اختلاف کررہے تھے ﴿۵۵﴾ اس میں ہم تمہارا فیصلہ کردیں گے پھر جنہوں نے انکار کیا سو اُن کو تو میں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بہت سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا ﴿۵۶﴾ اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے تو اللہ ان کا اجر ان کو پورا پورا دے گا اور خدا کو ناانصاف پسند نہیں آتے ﴿۵۷﴾ یہ آیتیں ہیں کہ جنھیں ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں اور (یہ) حکمت کا تذکرہ بھی ہیں ﴿۵۸﴾۔

ترکیب: ...... اذ کا یا وہی عامل اعنی اذ کر یا وقع ذلک۔ متوفیک اور رافعک اور جاعل ...... الخ سب خبر ہیں انی کی فاما الذین کفروا مبتدا فاعذبهم خبر ذلک مبتدا نتلوہ خبر۔

## تتمہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

تفسیر: ...... یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا تتمہ ہے۔ یہود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے گرچہ وعظ و نصیحت کی وجہ سے عداوت تھی، مگر جب کہ سبت وغیرہ احکام میں تغیر کیا تو یہود کو الزام لگانے کا ذریعہ ہاتھ آ گیا۔ ملک شام میں اُس وقت یہود کی سلطنت نہ تھی بلکہ رومیوں کی سلطنت تھی اور قیصر روم کی طرف سے وہاں ایک حاکم رہتا تھا جو کو ہیرودیس کہا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حواریوں کو ساتھ لیے ملک شام کے شہروں میں معجزے دکھاتے اور وعظ فرماتے پھرتے تھے۔ ہر شہر میں سیکڑوں مرد وعورت حضرت کے دین میں آتے تھے اس پر اور بھی یہود کو حسد اور رشک ہوتا تھا۔ جب یہود کی دشمنی بڑھ گئی اور حضرت کے قتل کا موقع تلاش کرنے لگے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دن کو شہر یروشلم میں آ کر ہیکل یعنی بیت المقدس میں وعظ فرمایا کرتے تھے شام کو زیتون کی پہاڑی میں کسی درخت کے تلے بیٹھ کر دعا وعبادت الٰہی میں رات تمام کرتے تھے۔ اس عرصہ میں یہود کی عید فطیر جس کو عید فسخ کہتے ہیں قریب آئی اور سردار کاہن اور فقیہ اس فکر میں تھے کہ ان کو مار ڈالیں۔ عیسیٰ کے حواریوں میں سے ایک شخص یہودا نامی نے جا کر اُن سے کچھ روپیہ لے کر خبر دی پھر تو یہودیوں کی ایک جماعت ہتھیار باندھ کر اُس پہاڑی پر پہنچی۔ ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا سے گریہ وزاری کر کے یہ کہہ رہے تھے کہ اے خداوند! اگر تیری مرضی ہو تو یہ پیالہ مجھ سے دور کردے اور اپنے حواریوں کو آمادہ کر رکھا تھا ان کے پاس صرف دو تلواریں تھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ حال معلوم ہو گیا تھا کہ ان سے کچھ مقابلہ نہ ہوگا۔ الغرض شباشب یہود حضرت مسیح کو گرفتار کر کے ان کے منہ پر طمانچے مارتے اور ٹھٹھا کرتے ہوئے شہر میں لائے مسیح کو تمام یہود جمع ہوئے اور ان سے پوچھا کہ اگر تو وہ مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے (جس طرح اہلِ اسلام امام مہدی کے منتظر ہیں اسی طرح یہود میں مسیح کا انتظار تھا بلکہ اب بھی ہے کہ وہ ان کو پھر بادشاہت دے گا) آپ نے فرمایا اگر میں کہوں بھی تو کب یقین کرو گے۔ آخر الامر سب لوگ ان کو پلاطوس حاکم کے پاس لے گئے کہ یہ لوگوں کو قیصر کے محصول دینے سے منع کرتا اور اپنے آپ کو مسیح بادشاہ کہتا ہے حضرت نے انکار کیا۔ اس نے کہا میرے نزدیک اس کا کوئی جرم مستوجب قتل نہیں پلاطوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی حالت میں ہیرودیس کے پاس بھیج دیا اُس نے پھر اسی کے پاس بھیجا اور چھوڑنا چاہا تو یہود نے غل مچادیا کہ ایسا نہ کرنا تب اس نے کہا کہ تمہارے کہنے سے میں اس کو سولی دیتا ہوں مگر اس کا گناہ تم پر اور تمہاری اولاد پر (ہوگا)۔ یہود نے کہا منظور ہے۔

**واقعہ رَفَعَ وَاِلَی السَّمَآءِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام**......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری سب بھاگ گئے اس وقت حضرت (عیسیٰ) پر ایک عجیب حالت طاری تھی جس میں خدا نے حضرت مسیح سے خطاب کر کے یہ جملے فرمائے جو ان آیات میں مذکور ہیں کہ اے عیسیٰ کچھ غم نہ کرو میں تم کو آسمان کی طرف اٹھالیتا ہوں اور جو کچھ یہ لوگ بہتان لگاتے ہیں کہ تو نے خدائی کا دعویٰ کیا اور خدا کا بیٹا بنا (انجیل لوقا باب ۲۲ ورس ۶۹) اس سے میں نبی اخیر کی معرفت تم کو پاک کر دوں گا، جیسا کہ انجیل برناباس سے ثابت ہے اور اب جو مخالفین کی جماعت تم کو غالب دکھائی دیتی ہے میں ان کو قیامت تک تمہارے ماننے والوں کے ماتحت کر دوں گا۔ یہ دنیا کی سزا ہے اور آخر تو ہر شخص ہماری طرف رجوع کرتا ہے ہم نیکوں کو پورا بدلہ نیکی کا دیں گے اور بدوں کو سخت عذاب دیں گے۔ آخر کار خدا نے ایک شخص مفسد شمعون قرینی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں کر دیا لوگوں نے اسی کو عیسیٰ سمجھ کر اس پر صلیب دھر کر شہر کے باہر لے گئے اور سولی دی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملائکہ آسمان پر اٹھا کر لے گئے۔ عیسائی کہتے ہیں بلکہ خود حضرت مسیح کو صلیب پر کھینچا اور انہوں نے چیخ چیخ کر جان دی۔ اور پھر ایک شخص یوسف نامی پلاطوس سے حضرت کی لاش مانگ کر لے گیا اور اس نے قبر میں دفنایا اور اوپر پتھر کی چٹان دھر دی یہ جمعہ کی شام کا واقعہ تھا اتوار کو حضرت مسیح زندہ ہو کر لوگوں کو دکھائی دیے اور آسمان پر چڑھ گئے اور پھر آنے کا وعدہ کر گئے اس واقعہ کے وقت ان کی عمر ۳۳ برس کی تھی۔ احادیث صحیحہ سے بھی قربِ قیامت میں عیسیٰ ں کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی ہم ابھی تحقیق کرتے ہیں۔ کہ حق کس کی جانب ہے اور تحقیق ان چند کے ضمن میں آتی ہے۔

**حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے اور واقعہ رَفَعَ الی السماء کی تحقیق:**......(۱)......اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ ......الخ توفی کے معنی لغت میں کسی چیز کا پورا کر دینا ہے اور چونکہ مردہ اپنی حیات کا پورا حصہ پالیتا ہے اس لیے اس کو بھی متوفی کہتے ہیں۔ اور انھیں اعتبارات سے اس کے معنی قبض کرنے کے بھی آتے ہیں اور کبھی متوفی بمعنی مستوفی بھی آتا ہے۔ اگر یہاں اس سے مراد موت لی جائے تو پر اس آیات میں (وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ نہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کیا، نہ سولی دی بلکہ ان پر اشتباہ پڑ گیا) بظاہر اختلاف سا معلوم ہوتا ہے چنانچہ بعض پادریوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے (ہدایت المسلمین ص ۳۵۵) اس کا جواب بہت سہل ہے۔

① ...... یوں کہ یہاں متوفی بمعنی مستوفی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ میں تیری اجل کو پورا کروں گا کہ تجھ کو ان کے قتل سے بچا کر آسمان پر چڑھالوں گا پھر تو اپنے وقت معہود پر مرے گا (بیضاوی) اب دونوں آیتوں میں کچھ بھی اختلاف نہیں۔

② ......یوں کہ اس کے معنی قبض کے ہیں جس سے آیت کے یہ معنی ہوئے کہ میں تجھ کو زمین سے اپنے قبضہ میں لا کر آسمان پر پہنچا دیتا ہوں (بیضاوی) اب بھی کچھ اختلاف باقی نہ رہا۔

③ ......وفات سے مراد قوائے بہیمیہ اور آثارِ جسمانیہ سے ہلکا کر دینا ہے جو آسمان کی طرف عروج کو مانع ہیں۔ خلاصہ یہ کہ میں تیرے آثارِ جسمانیہ کو پست کر کے تیری روحانیت کو غلبہ دے کر تجھے آسمان پر چڑھا دیتا ہوں۔

④ ......وہبؒ کہتے ہیں کہ تین ساعت وفات رہی پھر خدا نے ان کو زندہ کر کے آسمان کی طرف اٹھالیا جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں مگر یہ وفات یہود کی سولی دینے سے واقع نہ ہوئی تھی جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ بلکہ آثارِ جسمانیہ کے ہلکا کرنے کے لیے خدا نے وفات دی ہوگی اور یہود نے جس کو قتل کیا اور سولی دی وہ شمعون قرینی یا کوئی شخص ان کا شبیہ (شکل وشباہت میں مشابہ) تھا جس سے ان کو اشتباہ واقع ہوا (تفسیر کبیر)۔

اس تقدیر پر بھی دونوں آیتوں میں کچھ تعارض باقی نہ رہا۔ خلاصہ یہ کہ آیت وَمَا قَتَلُوْهُ میں جو نفی ہے تو یہود کے قتل کرنے کی نفی ہے۔ اب رہی یہ بحث کہ آیا دراصل یہود نے مسیح کے ہم شکل کو سولی دی اور مسیح کو نہیں دی جیسا کہ آیت وَمَا قَتَلُوْهُ سے پایا جاتا ہے۔ سو اس کی

تحقیق یوں ہے کہ گو دوسری صدی بلکہ پہلی صدی ہی سے عیسائیوں، بالخصوص پولوس کے مریدوں میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی اور وہ تیسرے روز زندہ ہو کر لوگوں کو دکھائی دیے پھر آسمان پر چڑھ گئے۔اور اسی قصہ پر ان کا کفارہ جو اصولِ مذہب ہے مبنی ہے مگر تاریخی واقعات پر بہ نظر انصاف غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے لے چلے تھے اُس وقت ان کے حواری اور دیگر مرید لوگ اس خوف سے کہ مبادا ہم پکڑے جاویں سب تتر بتر ہو گئے تھے کوئی بھی ساتھ نہ تھا جیسا کہ لارڈ ولیم میور کی تاریخ کلیسا سے مستفاد ہوتا ہے۔پھر جو حواریوں نے یا اور مریدوں نے سنا ہوگا تو خاص انھیں یہود یا پلاطوس کے نوکروں سے سنا ہوگا جن کی نسبت خیال ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی ناکامیابی چھپانے کے لیے مشہور کردیا ہو کہ ہم نے عیسیٰ مسیح کو قتل کر ڈالا، سولی دیدی۔اس کے علاوہ ہم کو صحیح طور پر یہ بھی معلوم نہیں کہ ان لوگوں کا اس امر میں کیا بیان تھا۔نہ کوئی یہودی تاریخ اس کی خبر دیتی ہے اور نہ کوئی حواری اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے۔اناجیلِ اربعہ میں سے لوقا اور مرقس تو پولوس کے شاگرد ہیں جو اس واقعہ میں شریک ہی نہ تھے سو یہ ظاہر ہے کہ وہ سُنی سنائی باتیں کہتے ہیں۔رہے یوحنا اور متی وہ بھی وہاں نہ تھے صرف چند عورتیں دور سے دیکھتی تھیں (دیکھ رہی تھیں) اور کچھ عجب نہیں کہ یہودیوں کو وہاں شک پڑا ہو کہ یہ فلاں شخص ہے اور فلاں کہاں ہے؟ مگر اُن کا یہ شبہ اور تردد ہم تک کیونکر منقول ہوسکتا جس میں اُن کی سُبکی تھی۔برخلاف اس کے خود عیسائیوں میں سو دو گواہ قوی شہادت دے رہے ہیں اول برنباس حواری کی انجیل ہے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے صدہا سال پیشتر عیسائیوں میں مشہور و معروف تھی جس کی عبارت یہ ہے تب فرشتوں نے باکرہ سے کہا کیونکر یہودا عیسیٰ کی شکل میں مبدل ہوگیا تب عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا اے برنباس میری بات یقین کر کہ ہر ایک گناہ کی خدا سزا دیتا ہے چونکہ میری ماں اور میرے ایماندار شاگرد مجھے زمینی محبت کے اختلاط کے سبب پیار کرتے تھے خدائے صادق انھیں اس محبت پر سزا دینے پر راضی ہوا تاکہ بعد ازاں دوزخ کے شعلوں میں عذاب نہ پاویں اور میں اگرچہ دنیا میں بے عیب زندگی بسر کرتا رہا تاہم چونکہ لوگ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے خدا نے عدالت کے دن مجھے شیاطین کے ٹھٹھوں سے محفوظ رکھنے کے لیے چاہا کہ میں اسی دنیا میں یہودا (جس نے گرفتار کروایا تھا) کی موت سے ندامت اٹھاؤں اور سب لوگوں کو یقین ہو چکا تھا کہ میں حقیقۃً سولی دیا گیا پس یہ ملامت محمد ﷺ کے آنے تک رہے گی جو دنیا میں آکر سب کو خدا کی شریعت پر ایمان لانے میں غلطی سے بچائے گا۔انتہی (جونس) اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی نہیں دیے گئے بلکہ اور شخص چنانچہ اس غلطی سے عالم کو حضرت محمد ﷺ نے آگاہ کردیا۔عیسائی اس گواہ پر یہ جرح کرتے ہیں۔

(۱) انجیل برنباس ہمارے نزدیک الہامی کتاب نہیں بلکہ ایسی ہے جیسی کہ محمدیوں میں حدیث کی کتابیں۔

(۲) یہ عبارت اس میں کسی محمدی نے یا کسی ملحد نے محمدیوں سے لے کر ملادی ہے۔

(۳) مسیح کا مصلوب ہونا الہامی کتابوں میں چشم دید گواہوں کی معرفت قلمبند ہوا پھر اس کے برخلاف کیونکر تسلیم کیا جائے۔

(۴) یوسیفس یہودی مؤرخ جو اسی زمانہ میں ہوا ہے وہ بھی یہی کہہ رہا ہے۔

جواب: انجیل برنباس کو الہامی نہ کہنا جو حواری تھا اور بے چارے لوقا کی تاریخ کو الہامی کہنا اگر تقلیدِ قوم نہیں تو اور کیا ہے۔مانا بمنزلہ کتب حدیث ہے تو پھر کیا ان سے استدلال نہیں کرتے؟ اگر کسی محمدی نے یہ عبارت اس میں ملادی تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایک شخص نے اس کتاب میں ہر کتب خانہ میں جا کر الحاق کردیا۔ورنہ کوئی اصل دکھلاؤ کہ جس میں یہ عبارت نہ ہو۔اور وہ ملحد بھی کہاں کا کرامتی تھا کہ جس نے آنحضرت ﷺ سے پہلے آپ ﷺ کا نام لکھ دیا اور پھر روئے زمین کے نسخوں پر اس کا قابو چل گیا۔مسیح کا مصلوب ہونا چشم دید گواہوں سے کہیں بھی قلم بند نہیں ہوا ہاں سُنی سنائی بات پولوس کے مریدوں میں چلی آتی ہے۔یوسیفس نے ہرگز اس کی گواہی نہیں دی

ہے محققین نصاریٰ خود مقر ہیں کہ یہ عبارت اصل نسخہ یوسیفس میں نہیں ہے بلکہ یہ پادری صاحبان کی چالاکی ہے۔
دوسرا گواہ لوقا متی اور مرقس کی انجیل ہے اس میں لکھا ہے کہ مسیح کی صلیب شمعون قرینی پر رکھ کر صلیب دینے کے لیے چلے تھے اور یہ دستور تھا کہ جو شخص صلیب دیا جاتا تھا وہ اپنی صلیب آپ اٹھاتا تھا۔ (تفسیر سکاٹ ۲۷ متی ۳۲)۔
اگرچہ انھیں مؤرخوں نے اسی تقلید سے یہ بھی کہہ دیا کہ مسیح کو صلیب پر کھینچا مگر اُن کی یہ تحریر اصل واقعہ کی طرف صاف اشارہ کر رہی ہے انھیں وجوہ سے خود عیسائیوں کے چند فرقے جو اسلام سے پیشتر تھے مسیح علیہ السلام کے سولی دیے جانے کا انکار کرتے تھے جیسا کہ فرقہ باسلیدی، سربنتی، کارپوکراتی، دوسیٹی، گناستی، ناصری، پوئی، اُن کی تشریح جس کو منظور ہو وہ تاریخ کلیسا دیکھے۔اس پر بعض پادریوں کا یہ کہنا کہ مسیح کا مصلوب ہونا اور زندہ ہونا اُسی وقت سے عیسائیوں میں مسلّم الکُل ہو گیا تھا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

## کیا رفع الی السماء صرف روح کے ساتھ تھا

(۲)......وَرَافِعُكَ اِلَیَّ......الخ اگرچہ خدا جہت اور مکان سے پاک ہے مگر جہت علوی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔اب جس طرح آسمان کو اس کا مکان قرار دینا غلط ہے اسی طرح نیچریوں کا آسمان کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے سے انکار کرنا لغو ہے، اور تاویلاتِ رکیکہ ہیں جن کا کوئی اہلِ مذہب بھی اعتبار نہیں کر سکتا۔ یا صرف روح کی رفعت مراد لینا اور یہ کہنا کہ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ میں بھی روح مراد ہے محض بے کار تاویل ہے اس لئے کہ روح کوئی قتل نہیں کر سکتا نہ یہود کو اس کا دعویٰ تھا نہ فخر۔ پھر روحانی رفعت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے؟۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کے ہاتھوں نافرمانوں کی رسوائی

(۳)......وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ......الخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے اول تو ان کے حواری اور تلامذہ تھے پھر جملہ عیسائی اُس دن سے اب تک اور قیامت تک محمدی اور عیسائی اُن کے منکر یہود پر غالب رہے اور رہیں گے، ان شاء اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تخمیناً چالیس برس بعد طیطوس رومی بادشاہ یہود پر چڑھ آیا اور شہر یروشلم کو ڈھا کر تباہ کر دیا اور بیت المقدس کو بھی مسمار کر دیا اور لاکھوں بنی اسرائیل کو قتل کر دیا اور ہزاروں کو پکڑ کر لے گیا اور غلام بنایا۔ جو کچھ عیسیٰ نے خبر دی تھی کہ یہ کچھ پیش آئے گا وہی پیش آیا اُس دن سے اور بھی رہی سہی یہود کی عزت و شوکت خاک میں مل گئی۔ پھر اُس دن سے لے کر آج تک وہی حال ہے کہ اُن کی حکومت اور سلطنت نہیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ
فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ
بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا
وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى
الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ

لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ:......اس ❶ میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ خدا کے نزدیک عیسیٰ ایسے ہیں کہ جیسے آدم جن کو مٹی سے بنایا پھر ان کو کہا ہو جاؤ سو وہ ہو گئے ﴿۵۹﴾ حق تو وہی ہے جو آپ کے خدا کے طرف سے ہے سو آپ کہیں شک میں نہ پڑ جائیں ﴿۶۰﴾ پھر علم آ جانے کے بعد بھی اس میں جو کوئی آپ سے حجت کرے تو کہہ دیجیے کہ لو آؤ ہم اور تم اپنی اپنی اولاد کو بلائیں اور اپنی اپنی عورتوں کو بھی (بلائیں) اور خود ہم بھی ب اور تم بھی (جمع ہو جائیں) پھر بہت گڑگڑائیں۔ ب پھر جھوٹوں پر خدا کی مار ڈالیں ﴿۶۱﴾ بے شک حق بیان تو یہی ہے اور خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی زبردست حکمت والا ہے ﴿۶۲﴾ پھر (اس پر بھی) اگر نہ مانیں تو اللہ مفسدوں کو خوب ہی جانتا ہے ﴿۶۳﴾۔

ترکیب:......مثل عیسیٰ اے صفتہ۔ عیسیٰ اسم ان، کمثل آدم خبر خلقہ جملہ تفسیر ہے مثل کی۔ فیہ کی ضمیر عیسیٰ یا ان کے قصہ کی طرف راجع ہے من شرطیہ ہے ماضی بمعنی مستقبل۔

## نجرانی عیسائیوں کو دعوتِ مباہلہ

تفسیر:......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرما کر عیسیٰ علیہ السلام پرست قوم کی طرف یعنی نصاریٰ کی طرف (جو اُن کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اس لیے کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے) روئے سخن کیا جاتا ہے اور اُن کے عقیدہ ب کا ابطال فرما کر ان کو مباہلہ کے لیے بلایا جاتا ہے کہ خدا کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کا ویسا ہی حال یعنی پیدا کرنا ہے جیسا کہ آدم کا تھا اُن کو بھی بغیر باپ کے پیدا کیا اِن کو بھی بلکہ آدم کے تو ماں بھی نہ تھیں ان کو مٹی سے پیدا کر دیا تھا اور وہ پیدا کرنا کیوں کر تھا صرف کُن کہا تھا وہ ہو گئے (ثم تراخی ذکر کے لیے ہے اور جملہ قال لہٗ کن فیکون اس کا بیان ہے) بات حق یہی ہے نہ یہ کہ وہ خدا کے بیٹے تھے۔ اے مخاطب! تو اُن کے بغیر باپ کے پیدا ہو جانے سے شبہ میں نہ پڑ جانا اور یہ اس کی قدرتِ کاملہ سے کچھ بھی بعید نہیں سیکڑوں حشرات الارض بار ہا مٹی سے پیدا ہوتے اور مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں اس پر بھی اے پیغمبر! اگر آپ سے کوئی حجت کرے اور ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہے تو صرف کہہ دیجیے کہ اگر تم کو اپنی صداقت پر بھروسہ ہے تو آؤ مباہلہ کر لیں دنیا ہی میں جھوٹے پر خدا کی مار پڑ جائے گی۔ اور مباہلہ کس طرح کریں کہ تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں کو لو اِدھر ہم بھی لیں اور خود تم بھی شریک ہو اور ہم بھی، پھر ہر ایک شخص نہایت عاجزی سے دعا کرے کہ الٰہی جھوٹوں پر خدا کی مار۔ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران کے نصاریٰ تحقیق حق کے لیے حاضر ہوئے۔ جب وہ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے سے باز نہ آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ ❷ کی دعوت دی جس پر وہ بھی تیار ہو گئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام حسن و حسین اور بی بی فاطمہ اور علی رضوان اللہ علیہم کو ساتھ لے کر قسم کھانے (مباہلہ) کے لیے نکلے تو نصرانیوں پر ان کے باخدا چہروں کا ایک اثر پڑا تو مباہلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہ نورانی چہرے یہ دعا کریں کہ پہاڑ ٹل جائے تو بے شک ٹل جائے۔ پھر فرماتا ہے کہ صحیح بیان عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہی ہے جو بیان ہوا اور یہ کہ خدا ایک ہی خدا ہے اور اللہ زبردست ہے اس کو بیٹے بیوی کی کوئی حاجت نہیں اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت بالغہ سے جو

---

❶...... یہاں بھی نیچری مفسر نے بہت ہاتھ پاؤں مار کر مسیح کا یوسف نجار سے پیدا ہونا ثابت کرنا چاہا تھا مگر نہ ہو سکا ۱۲۔

ب...... جب کسی منکر پر حق ثابت کرنا ہوتا ہے تو مباہلہ کیا جاتا ہے جس میں ہر ایک اپنے عزیز اولاد اور عورتوں کو ساتھ لے کر نہایت عاجزی سے دعا کرتا ہے کہ الٰہی جو گروہ جھوٹا ہو اس پر تیری مار، وہ غارت ہو جائے ۱۲۔

ب...... کس لیے کہ اَنْفُسَنَا سے اپنے تن کے لوگ مراد ہیں نہ یہ کہ وہ خود نفس پیغمبر ہیں کیونکہ یہ محال ہے یا خود قسم میں آپ شریک ہونا مراد ہے ۱۲ منہ۔

ب...... الوہیتِ مسیح، تثلیث، کفارہ ہونا ۱۲ منہ۔ ❷...... اس قصہ کو حاکم نے بسند صحیح اور ابن مردویہ نے اور ابو نعیم نے دلائل میں جابرؓ سے نقل کیا ہے ۱۲ منہ۔

چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اگر اس پر بھی نہ مانیں تو خدا مفسدوں سے خوب واقف ہے اس جرم کی سزا دے کر رہے گا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ
وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ
تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۝۶۴ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ
اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝۶۵
هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ
بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝۶۶ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا
نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝۶۷

ترجمہ:......(اے نبی) کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب لو ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ کہ جس کو ہم اور تم برابر مانتے ہیں وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی بھی عبادت نہ کریں اور ہم کسی کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا (اپنا) مالک بنائے پھر اگر وہ اس کو بھی نہ مانیں تو تم کہہ دو کہ (اس بات پر) گواہ رہو کہ ہم نے تو گردن جھکا دی۝۶۴ اے اہلِ کتاب تم کس لیے ابراہیم کے معاملہ میں جھگڑتے ہو اور تورات و انجیل تو اُن کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟۝۶۵ دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ جس بات میں تم کو کچھ علم بھی تھا اُس میں تو تم نے جھگڑا بھی کیا پر جس میں تم کو کچھ علم بھی نہیں اس میں کیوں جھگڑتے ہو اور (اس معاملہ کو) اللہ ہی (خوب جانتا ہے اور تم (مطلق نہیں جانتے۝۶۶۔ (لو سنو) ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ ایک طرفہ فرمانبردار تھے اور نہ وہ مشرک ہی تھے۝۶۷۔

ترکیب:......الا نعبد جملہ موضع خبر میں ہے بدل ہے کلمة سے ھا تنبیہ کے لیے ہے انتم مبتدا ھو لاء اس کی خبر حاججتم جملہ مستانفہ جملہ اولیٰ کا مبیّن فیما، ما بمعنی الذی۔ علم مبتدا لکم خبر۔

## اہلِ کتاب کو مشترک کلمۂ توحید کی دعوت

تفسیر:......اہلِ کتاب کے عقیدہ فاسدہ کا ابطال فرما کر اب ایک دوسرے عنوان سے کلام شروع ہوتا ہے کہ مقابل کو اس کے تسلیم کیے بغیر چارہ ہی نہ ہو وہ یہ کہ اپنے اور اس کے مسلّمات سے دلیل لائی جائے اور اگر مقابل نہ مانے تو اس کو خود کہنا پڑے کہ میں خطا کار ہوں، وہ یہ کہ نصاریٰ بھی اس بات کو مانتے تھے کہ عبادت خالص اللہ ہی کی کرنی چاہیے اور اس کا کسی کو شریک نہ کرنا چاہیے توحید پر قائم رہنا چاہیے اور اس کے سوا کسی کو رب نہ بنانا چاہیے کہ جو کچھ وہ کہے خواہ مخواہ نا ہی جائے۔ یہ تین باتیں ہیں کہ جن کو ہم اور تم دونوں مانتے ہیں پس اگر تم بھی ان پر قائم ہو تو خیر اور جو نہیں مانتے تو تم کو گواہ کرتے ہیں کہ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ہم تسلیم کرتے ہیں جس سے صاف ثابت ہوا کہ تم بر سرِ باطل ہو۔ یہ تین باتیں اس لیے ذکر فرمائیں کہ نصاریٰ کا ان تینوں کے برخلاف عمل اور عقیدہ تھا کس لیے کہ وہ تثلیث کے قائل

تھے کہ باپ اور بیٹا اور روح القدس مل کر ایک خدا ہوا پس جب انہوں نے عیسیٰ کو خدا اور خدائی کا حصہ دار بنایا تو پہلی اور دوسری بات کا خلاف پایا گیا۔ اور آنحضرت ﷺ سے پہلے سے لے کر پیچھے تک عیسائیوں میں پوپ اور دیگر مشائخ و مولوی اس مرتبہ پر مانے جاتے تھے اور اب بھی مانے جاتے ہیں کہ اگر وہ سراسر کوئی بات خلافِ عقل و نقل بھی کہیں تو بے چوں و چرا ماننی چاہیے یہی مذہبی تقلید حرام ہے کیونکہ یہ مرتبہ تو خاص خدا اور اس کے رسول کا ہے جو ملہم ہے کہ بے چون و چرا ان کے قول کو مانا جائے ان کے بعد جو کسی کی بات واجب التسلیم ہے تو محض اس لیے کہ وہ یا خدا اور اس کے رسول سے روایت کرتے ہیں یا اس میں درایت سے حکم دیتے ہیں جیسا کہ مجتہدین۔ کیونکہ اس طرح سے ان کا قول تسلیم کرنا گویا خدا اور رسول کا قول تسلیم کرنا ہے۔ پھر جس طرح ان کی تقلید کو ارباب بنا کر حرام کہنا زیادتی ہے اسی طرح ان کی غلطی ظاہر ہو جانے پر بھی ان کے قول پر اَڑنا، اور نصوص کو چھوڑ دینا بھی زیادتی اور پھر ان کو ارباب بنالینا ہے۔ عیسائی و یہودی مذہب کی حکمرانی کا بھی باعث ہوا ہے اس سے حق پرستی زائل ہو جاتی ہے۔

**حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی و نصرانی نہیں تھے:**...... یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی مانتے تھے پھر ہر ایک شخص اپنے مذہب کے برحق ہونے کے لیے یہ کہہ دیتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہی طریق تھا گویا وہ ان کو یہودی اور نصرانی سمجھتے تھے خدا نے اس کا بھی جواب دیا کہ توریت اور اسی طرح انجیل تو اُن کے بعد نازل ہوئی ہے پھر وہ یہودی یا نصاریٰ کیوں کر ہو سکتے تھے بلکہ ان کا طریق یہی تھا کہ جس کے زندہ کرنے کو قرآن نازل ہوا وہ تثلیث کے قائل تھے نہ سبت کے نہ وہ تمہاری طرح مشرک تھے۔ اس میں عرب پر بھی تعریض ہے کس لیے کہ وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے۔

---

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ
وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ
تَشْهَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَي الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ
تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ* يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ

---

* یعنی یہود جو ایسی باتیں کرتے ہیں اس کے دو سبب ہیں اول ان کو اس بات کا حسد ہے کہ جیسا دین اور کتاب و شریعت ان کو دی گئی ہے ویسی اور کو یعنی قوم عرب اور مسلمانوں کو دی گئی۔ دوئم یہ بھی خوف ہوا کہ اگر ان کی بات کی تصدیق کریں گے تو وہ ہمارے مسلّمات سے ہم کو قائل کریں گے اس لیے کہہ دیا کہ جو تمہارے دین پر نہ چلے اس کی بات ہی نہ مانو کیونکہ اگر مانو گے تو وہ بھی صاحبِ شریعت و کتاب ماننے پڑیں گے اور تم پر الزام بھی قائم کریں گے اپنے خیال میں انہوں نے اللہ کے فضل و رحمت کے اپنے خاندان میں منحصر سمجھ لیا تھا حالانکہ خدا کی رحمت عام ہے اس نے کسی خاندان کے لیے پٹہ نہیں لکھ دیا ہے وہ سب کا خدا ہے اس غرور میں کہ ہمیشہ کے لیے فضیلت ہمارے خاندان کو ہے نیک کاموں میں کوشش نہ کرنا اور ہر قسم کی برائی کرنا اور فضیلت کا امیدوار رہنا خام خیالی ہے، زہردار درخت بونا اور عمدہ پھلوں کا امیدوار ہونا ہے ۱۲

يُحَاجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

ترجمہ:...... بے شک سب سے زیادہ ابراہیم سے انھیں کو یگانگت ہے جو اس کے پیرو ہیں اور اس نبی (محمد ﷺ) اور ایمان داروں کو بھی اور اللہ ایمان داروں کا حامی ہے ۞ اہلِ کتاب کے ایک گروہ کی تو یہی آرزو ہے کہ وہ تم کو گمراہ کر کے رہیں اور گمراہ تو وہ اپنے آپ ہی کو کر رہے ہیں اور ان کو خبر تک نہیں ۞ اے اہلِ کتاب کس لیے اللہ کی آیتوں کا انکار کر رہے ہو حالانکہ دل میں تم قائل ہو ۞ اے اہلِ کتاب کس لیے حق بات میں جھوٹی بات ملاتے ہو اور (کیوں) جان بوجھ کر حق بات کو چھپاتے ہو ۞ اور اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے یہ بھی کہا تھا کہ مسلمانوں پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے شروع دن میں تو اس پر ایمان لے آؤ اور شام کو انکار کر دو تاکہ مسلمان بھی (تمہارے ساتھ) پھر جائیں ۞۔ (اور یہ بھی کہا کہ) بجز اس کے کہ جو تمہارے دین پر چلے کسی کو نہ مانو (اے نبی) کہہ دو ہدایت تو اللہ ہی کی طرف کی (ہدایت ہے) اس لیے (حسد) سے کہ جیسا (دین) انکو دیا گیا تھا اور کسی کو (کیوں) دیا جاتا ہے یا (اس خوف سے کہ) مسلمان ان کو خدا کے روبرو ملزم (نہ) ٹھیرائیں فضل (وکرم) تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے دے اور اللہ کی رحمت فراخ ہے ۞ (وہ) سب کچھ جانتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے مختص کرتا ہے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے ۞۔

ترکیب:...... اولی اسم تفضیل ہے ولی یلی بمعنی قریب شدن سے یہ اسم ان کا بابراھیم متعلق ہے اولی سے للذین معطوف علیہ خبر ان لویضلون میں لو مصدر یہ ہے بمعنی ان۔ الالمن تبع استثناء ہے ماقبل سے اے لاتقربوا الالمن پس لام زائد نہیں اور ممکن ہے کہ زائد اور محمول علی المعنی ہو ای احجدوا کل احد لامن۔ ان یوتی میں تین احتمال ہیں (۱) یہ کہ موضع جر میں ہو تقدیرہ ولا تومنوا بان یوتی احد... الخ (۲) نصب حرف جر کو حذف مان کر۔ ان صورتوں میں یہ تتمۂ کلامِ یہود کا ہوگا کہ تم اے یہود کسی غیر سے یہ نہ کہو کہ ہماری کتاب اور ملت کے مانند کسی اور کو بھی ملا ہے (اویحاجوکم کا عطف ان یؤتی پر ہوگا اور او بمعنی و) ایسا نہ ہو کہ مسلمان تم کو عند اللہ الزام دیں اس تقدیر پر ایمان بمعنی اقرار ہے قل ان الھدیٰ...... الخ جملہ معترضہ ہوگا خدا کی طرف سے جیسا کہ کفر کی بات نقل کرتے وقت نعوذ باللہ کہتے ہیں (۳) یہ خدا کی طرف سے جملہ ہو جو بمعنی مفول لہٗ ہے یعنی اے یہود تم اس حسد سے یہ باتیں کرتے ہو کہ تمہاری طرح اوروں کو کتاب ملی یا اس خوف سے کہ مسلمان تم کو الزام دیں گے سو یہ تمہارا خیال لغو ہے ہدایت اور فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ مختار ہے جس کو چاہے دے اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔

## اُمتِ محمدیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب ہے

تفسیر:...... پہلے ذکر تھا کہ ہر فریق ابراہیم علیہ السلام کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اب فرماتا ہے کہ ابراہیم کا واسطہ نسل اور اولاد ہونے سے نہیں بلکہ اتباع سے ہے کسی بزرگ کے ساتھ محبت و اختصاص اس کے اتباع سے مربوط ہے رسمی باتوں سے کوئی ثمرہ نہیں۔ اصلی متبع ابراہیم علیہ السلام کے یہ نبی (یعنی رسول کریم ﷺ) ہیں۔

**اہلِ کتاب کی چند فریب کاریاں:**...... اس کے بعد اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے مکر ذکر فرما کر ایمانداروں کو ہوشیار کرتا ہے تاکہ اُن کے داؤں میں نہ آجاویں کیونکہ وہ دل سے چاہتے ہیں کہ دین اسلام سے برگشتہ کر کے اپنی طرف پھیر لیں من جملہ ان کے مکروں (فریب کاریوں) کے یہاں چند مکر (فریب کاریاں) ذکر کرتا ہے۔

۱)...... یہ کہ حضرت محمد ﷺ کے معجزات کو سحر کہتے تھے اور ان بشارات کو جو کتب سابقہ میں باوجود شہادت دینے کے تاویلیں کر کے انکار کرتے تھے اس کو لِمَ تَكْفُرُوْنَ میں ظاہر کیا (جان بوجھ کر احکام الٰہی میں تحریف کرتے اور اسلام سے اس کو دوسرے طور پر کچھ ملا کر دکھاتے تھے تاکہ ایک دوسرے میں تصدیق اور مطابقت نہ ہو جس سے لوگوں کو شبہ پیدا ہو لِمَ تَلْبِسُوْنَ۔

۲)...... یہ کہ چند لوگوں سے کہا جاؤ تم اول دن میں مسلمان ہو جانا، پھر شام کو انکار کر دینا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ کوئی ایسی ہی بات اسلام میں دیکھی ہوگی جو یہ اس سے پھر گئے جس سے مسلمان بھی پھر جاویں وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ۔

۳)...... کیونکہ ہماری مثل اور کون ہے کہ جس کو کتاب ملی ہے۔ اس کے جواب میں خدا فرماتا ہے یہ اس کا فضل ہے کچھ یہود ہی پر خاص نہیں۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷۶ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۷ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۸

ترجمہ:...... اور اہلِ کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر آپ اُن کے پاس خزانہ بھی امانت رکھیں تو تم کو واپس دیدیں اور بعض ان میں ایسے بھی ہیں کہ اگر آپ اُن کے پاس ایک دینار کہیں امانت رکھیں تو وہ بغیر اس کے کہ آپ اُن کے سر پر کھڑے رہیں آپ کو کبھی واپس نہ دیں یہ اس لیے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ جاہلوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی گناہ نہیں اور وہ جان بوجھ کر خدا پر جھوٹی باتیں بنایا کرتے ہیں ۝۷۵ ہاں جو کوئی اپنے عہد کو پورا کرتا ہے اور خدا سے ڈرتا ہے تو بے شک خدا بھی ڈرنے والوں سے محبت کرتا ہے ۝۷۶ جو لوگ خدا کے عہد اور اپنی قسموں سے قدرے قلیل مال حاصل کرتے ہیں اُن کے لیے آخرت میں (کوئی) حصہ نہیں اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف (نظر رحمت سے ) دیکھے گا اور نہ ان کو پاک ہی کرے گا بلکہ ان کو عذاب الیم ہوگا ۝۷۷ اور ان میں ایک ایسا فریق بھی ہے جو کتاب کو زبان مروڑ کر پڑھتا ہے تا کہ تم اس کو

بھی کتاب سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں اور کہتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور وہ ہرگز خدا کی طرف سے نہیں اور جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹی باتیں بناتے ہیں۞۔

---

ترکیب: ...من ان تامنه مبتدا من اهل الکتاب خبر اور شرط اور جواب کا مجموعہ صفت ہے مبتدا کی کیونکہ وہ نکرہ ہے بقنطار ب بمعنی فی یا علی ہے الا مادمت، ما موضوع نصب میں ہے کیونکہ ظرف ہے ای الا مدة قیامک دائما اور حال بھی ہوسکتا ہے سبیل اسم لیس فی الامیین خبر یلون صفت ہے فریقا جو اسم ہے ان کا اور منهم اس کی خبر ہے۔

## اہلِ کتاب کی خیانت و امانت کا تذکرہ

تفسیر: ...یہود کی سرزنش کے بعد یہ بتانا کہ سب یکساں نہیں کچھ ان میں ایماندار خدا ترس بھی ہیں پوری حق گوئی ہے۔ یہ بات کہ انسان کتابِ الٰہی اور احکام دینیہ میں خیانت نہ کرے حق میں باطل نہ ملائے کامل ایمان داری اور پوری دیانت پر موقوف ہے اور جس کو دنیاوی باتوں میں دیانت نہیں پھر اس قوم کا دین اور کتاب کی حفاظت اور تحریف نہ کرنے میں کیا اعتبار ہے؟ اگرچہ یہود میں خدا ترس لوگ بھی تھے جیسا کہ عبداللہ بن سلام اگر ان کے پاس کوئی بے شمار خزانہ بھی سپرد کر دے تو کبھی خیانت نہ کریں اس لیے ان لوگوں نے تورات و زبور کی بشارتوں میں سے کہ جن سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ثبوت تھا خیانت نہ کر کے اسلام قبول کیا، لیکن بیشتر تو ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار یعنی اشرفی سپرد کی جائے تو کبھی نہ دیں پھر ان کا دینی شہادتوں میں کیا اعتبار ہوسکتا ہے؟ چونکہ یہود کا ستارہ اقبال غروب کر چکا تھا اکثر ان میں ایسی ایسی خباثتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد سے پہلے ہی سے پیدا ہو چکی تھیں، حادثہ پر حادثہ پیش آتا تھا مگر وہ خوابِ خرگوش سے بیدار نہ ہوتے تھے بلکہ اپنی ذلیل حالت اور بدمعاشیوں میں مست تھے۔

اہلِ کتاب کی بدمعاشیاں اور افتراء پردازیاں: ...من جملہ بدمعاشیوں کے ایک یہ بات تھی کہ وہ کہتے تھے ہم اہلِ کتاب ہیں اور باقی تمام دنیا جاہل ہے بنی اسرائیل کو ان سے خیانت کرنے میں کچھ گناہ نہیں۔ اور اسی طرح دیدہ دانستہ بہت سی جھوٹی باتیں بنا رکھی تھیں جیسا کہ برہمنوں نے ہندوؤں کے لیے بنا رکھی ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ یہ غلط ہے بلکہ جو کوئی ہو خواہ بنی اسرائیل ہو یا نہ ہو برہمن سید پیرزادہ ہو یا نہ ہو خدا سے ڈر کر اس کے عہدِ شریعت کو پورا کرے گا خدا اس سے محبت کرے گا، اور جو اس کے برعکس کرے گا وہ قیامت میں عذابِ الیم پائے گا اس کی طرف خدا عنایت کی نظر بھی نہ کرے گا۔ ازاں جملہ ایک بدمعاشی یہ تھی کہ لوگوں کے بہکانے کے لیے زبان مروڑ کر کتاب پڑھتے اور اس میں کچھ اپنی طرف سے ملا کر کہہ دیتے تھے کہ یہ خدا کی طرف سے حکم ہے حالانکہ وہ اس کی طرف سے نہ ہوتا تھا اور ایسی جھوٹی باتیں عمل میں لایا کرتے تھے۔

---

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ

كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ

الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝٧٩ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ

---

● ...منسوب الی الرب اور ان زائدہ ہے جیسا کہ بہت بالوں والے کو شعرانی کہتے ہیں اور اسی طرح حقانی ہے اور ممکن ہے کہ اصل کلمہ عبرانی ہو کہ جس کو ربی کہتے ہیں یعنی خدا پرست ۱۲ منہ۔

وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَیَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ
مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ
مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى
ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾
فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ:......کسی بشر کا بھی یہ کام نہیں کہ اللہ اس کو کتاب اور حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے (یہ) کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ (وہ تو یہی کہے گا) تم خدا پرست ہو کر رہو (اس لیے کہ) تم کتاب پڑھاتے ﴿۷۹﴾ اور خود بھی پڑھتے رہے ہو اور نہ وہ کبھی یہ کہے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو خدا بنا لو کیا (یہ ممکن ہے کہ) تم کو اسلام لانے کے بعد کفر کا حکم دے گا ﴿۸۰﴾ اور (اس وقت کو یاد کرو کہ) جب اللہ نے (لوگوں سے) نبیوں کی بابت عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی دوں پھر جو کچھ تمہارے پاس ہو اس کی تصدیق کے لیے کوئی رسول تمہارے پاس آئے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا (اللہ نے) فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر میرا عہد قبول کر لیا۔ سب نے (بالاتفاق) کہا ہم نے اقرار کیا فرمایا پھر تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں ﴿۸۱﴾ پھر جو اس (مضبوطی اقرار) کے بعد پھر جائیں تو وہی نافرمان ❶ ہیں ﴿۸۲﴾۔

ترکیب:......بما کنتم صفت ربانیین کی اور ممکن ہے کہ ب سببیہ ہو اَی کونوا بھٰذا السبب تب یہ کان سے متعلق ہوگا اور ما مصدر یہ اَی بتعلیمکم الکتاب لما اٰتیتکم اگر بکسر لام پڑھا جائے تو یہ لام یا اخذ سے متعلق ہوگا اَی اخذ لھٰذا المعنی مگر مضاف محذوف ہوگا اَی لرعایة ما اٰتیتکم یا میثاق سے متعلق ہوگا اَی توثقنا علیھم لذلک اور ما موصولہ یا موصوفہ ہوگا اور عائد محذوف اس سے من کتاب حال ہوگا اور جو لام کو بالفتح پڑھا جائے تب ما بمعنی الذی مبتدا ہوگا اور لام تاکید قسم کے لیے ہوگا اور خبر یا من کتب وحکمة ہوگی یا لتؤمنن بہ اور یا ما شرطیہ اور لام قسم کے لیے ہے اور لتؤمنن اس کی شرط اور لام جواب قسم میں واقع ہے اور بعض نے لمّا بالتشدید پڑھا ہے جو ظرف زمان ہے۔

## انبیاء پرستی کا بطلان، خدا پرستی کی ترغیب

تفسیر:......جب عیسائی الوہیت مسیح اور تثلیث وغیرہ عقائدِ فاسدہ میں ہر طرح سے ملزم قرار دیئے جاتے ہیں تو عاجز ہو کر یہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ باتیں گو دلائلِ عقلیہ سے ثابت نہیں مگر نقل سے ثابت ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے تئیں خدا اور خدا کا بیٹا کہا ہے اور وہ کلمات بھی ذکر کیے ہیں کہ جن سے اُن کا خدا ہونا ثابت ہوتا ہے اور روح القدس کا بھی شریکِ الوہیت ہونا پایا جاتا ہے اُن کے فرمانے سے ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ وہ بشر تھے اور ان کو کتاب و نبوت سے سرفرازی ہوئی تھی پھر ایسا برگزیدہ بشر کسی کو حکم دے سکتا ہے کہ بجائے خدا کے مجھ ہی کو خدا سمجھ کے پُوجو؟ ہرگز نہیں وہ یہی حکم دیتا ہے کہ تم اپنی کتاب کی تعلیم و تدریس کے موافق ربانی یعنی رب پرست یعنی رب کو ماننے والے خدا پرست ہو رہو نہ وہ یہ حکم دے گا کہ تم ملائکہ روح

❶......نافرمان گناہ گار ۱۲ منہ۔

القدس اور انبیاء کو رب بنالو ان کی پرستش کرو کیا وہ تم کو اس کے بعد کہ تم مسلمان خدا کے فرماں بردار موحد تھے کتاب کی تعلیم و تدریس کرتے تھے کفر کا حکم دے سکتا ہے ہرگز نہیں۔

**اہلِ کتاب کی عہد شکنی پر سرزنش:**...... یہود و نصاریٰ اپنے ہادیوں کی تعلیم اور اُن کی کتابوں کے برخلاف خدا پرستی چھوڑ کر انبیاء و ملائکہ پرستی کیا کرتے تھے ان پر الزام دیا جاتا ہے کہ یہ تمہارے انبیاء نے ہرگز نہیں فرمایا تھا۔ اس کے بعد نبی آخر الزماں علیہ السلام کا جو وہ انکار کرتے تھے اس کی بابت ان پر سرزنش کی جاتی ہے کہ تم اس عہد کو بھی تو یاد کرو جو تم سے آنے والے انبیاء کی بابت لیا گیا تھا اس وقت تم کو کتاب و حکمت دی گئی تھی کہ جب تمہارے پاس کوئی رسول اصول ملت کا مصدق آئے تو تم اُس پر ایمان لانا اور اُس کی مدد بھی کرنا۔ اس پر خدا نے تم سے پوچھ بھی لیا تھا کہ تم کو اقرار ہے اور تم اس پر میرے عہد کو قبول کرتے ہو تم نے کہہ دیا تھا کہ ہم نے اقرار کرلیا۔ تب خدا نے فرمایا تھا کہ دیکھو تم بھی گواہ رہو اور میں بھی گواہ ہوں۔ باوجود اس عہد موکد کے پھر تم نے کیا کیا عیسیٰ کا انکار کیا اور ان کے بعد جب تلافی مافات کا وقت باقی تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اور اپنے عہد سے پھر گئے۔ پھر جو اپنے ایسے عہد سے پھرے تو وہ فاسق نہیں تو اور کون ہے۔ اس عہد کا پتہ توریت سفر استثناء سے بھی لگتا ہے کہ اسرائیلیوں کو جمع کر کے موسیٰ علیہ السلام نے آنے والے نبی کی بابت وصیت کی تھی۔

---

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا
وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ
مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ
غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

---

ترجمہ:...... کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کی تلاش کر رہے ہیں حالانکہ آسمان والے اور زمین والے چارو ناچار اسی کے حکم بردار ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ﴿۸۳﴾۔ (اے نبی) کہہ دو کہ ہم تو اللہ پر اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور (دیگر) انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے ملا سب پر ایمان لائے ہم ان میں کچھ بھی فرق نہیں کرتے اور ہم نے اسی (ایک خدا) کے آگے سر جھکا دیا ہے ﴿۸۴﴾ اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرے گا سو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ (شخص) آخرت میں خسارہ (اور نقصان) میں رہے گا ﴿۸۵﴾۔

---

**ترکیب:**...... غیر منصوب ہے یبغون کی وجہ سے ومن یبتغ ابتغاء سے مشتق ہے جس کے معنی تلاش کرنا یہ شرط غیر الاسلام منصوب ہے صفت ہو کر دینا کی جو مقدم ہونے سے حال ہو گیا وھو...... الخ جواب ہے۔

## اسلام ہی دینِ الٰہی ہے

**تفسیر:**...... پہلی آیتوں میں تھا کہ جو نبی تمہارے دین کی تصدیق کرنے والا آئے تو تم پر ضروری ہے کہ اس پر ایمان لاؤ۔ اس پر

یہود و نصاریٰ یہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ مسلّم لیکن یہ نبی ہمارے دین اور کتاب کا مصدق نہیں کیونکہ الوہیت مسیح اور تثلیث ہمارے دین کا اصل الاصول ہے سو یہ اُس کا رد کرتے ہیں پھر ہم کیونکر ان پر ایمان لائیں۔ (چنانچہ اب بھی پادری یہی اعتراض کیا کرتے ہیں) اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ یہ باتیں تمہارے دین کے اصول نہیں بلکہ یہ افراط و تفریط انبیاء علیہم السلام کے بعد تمہارے دین میں پیدا ہوئی ہے جس کے دور کرنے کے لیے اس اخیر نبی کی ضرورت ہوئی ورنہ انبیاء سے باوجود مرتبہ شہود کے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایسی خلاف فطرت باتیں کہیں اور کسی کو شریک خدائی ٹھیرائیں کیونکہ وہ مقامِ شہود میں دیکھ رہے ہیں کہ آسمان و زمین کی ہر چیز ملائکہ و بنی آدم اہلِ ایمان تو ازخود اور حجر و شجر و کفار جبراً اُس کے آگے سرنگوں ہیں۔ ہر انسان زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ دراصل آلہ حق وہی ہے جو مجھ کو مجبورانہ میدان وجود میں کھینچے لا رہا ہے بے اختیار جوانی پر بڑھاپا مرض تندرستی آتی ہے اسی طرح ہر چیز عالم ہستی سے پھر اُس کی طرف چلی جا رہی ہے اس سے صاف ثابت ہے کہ وہی پیدا کرتا ہے اور وہی فنا کرتا ہے اس کے سوا کسی کو حق نہیں کہ وہ معبود بنایا جائے یہی دین اصلی ہے اس کے برخلاف دین، الٰہی نہیں ہو سکتا پھر کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ غیر دین الٰہی مانا جائے؟۔ دین اللہ کے اصول میں سے یہ بھی ہیں کہ جملہ انبیاء پر ایمان لایا جاوے اس لیے آنحضرت ﷺ فرماتا ہے کہ آپ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی نسل کے انبیاء خصوصاً موسیٰ اور عیسیٰ اور جو کچھ نازل ہوا اور ہم پر جو کچھ نازل ہوا سب پر ایمان لائے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم خدا کے جملہ احکام ماننے کے لیے بھی گردن جھکائے ہوئے ہیں اور اسی کا نام مذہب اسلام ہے۔

**اسلام کے علاوہ کوئی دین قابلِ قبول نہیں:**...... پھر جو کوئی اس دین کے برخلاف جو تمام سلسلہ انبیاء کا مذہب ہے دوسرا دین اختیار کرے گا ہرگز مقبول نہ ہوگا گو دنیا میں وہ اس غلط مذہب پر اعتماد کر کے اس میں ہزار کوشش کرے مگر آخرت میں کامیاب نہ ہوگا بجائے نفع کے خسارہ اٹھائے گا۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ
وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ
اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا
يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ
ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا
وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

ترجمہ:......خدا ایسی قوم کو کیوں ہدایت دینے لگا تھا جو ایمان لا کر اور رسول کے برحق ہونے کی شہادت دے کر جو اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا منکر ہو گئے اور اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا⑧ ایسے لوگوں کی یہی سزا ہے کہ اُن پر خدا کی اور فرشتوں اور سب لوگوں کی ایسی لعنت ہو کہ جس میں ہمیشہ رہیں⑨ نہ اُن کے عذاب میں کمی ہو اور نہ اُن کو مہلت ہی ملے⑧ مگر جنہوں نے کہ اس کے بعد توبہ کر لی اور سُدھر گئے تو بے شک اللہ غفور رحیم بھی ہے⑨ البتہ جو ایمان لا کر کافر ہو گئے پھر اور بھی کفر میں بڑھ گئے اُن کی توبہ ہرگز قبول نہ ہو گی اور وہی گمراہ بھی ہیں⑩ بے شک جو کافر ہوئے اور کفر ہی میں مر گئے تو وہ اگر تاوان میں زمین بھر کر سونا دیں تو ہرگز قبول نہ ہوگا انھیں لوگوں کو عذاب الیم ہے اور ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا⑪۔

ترکیب:...... کیف حال ہے اور عامل اسی میں یھدی ہے شھدوا حال ہے ضمیر کفروا سے اولئک مبتدا جزاء ھم مبتدا ثانی ان اور اس کا اسم وخبر مجموعہ خبر پھر یہ تمام جملہ مبتدا اول کی خبر ہوا خلدین حال ہے ضمیر علیھم سے اور عامل اس میں جار یا اس کا متعلق ہے ذھباً تمیز ہے ملء[ل] سے اور بہ کی ضمیر اسی طرف پھرتی ہے۔

## منکرینِ اسلام دنیا میں لعنت اور آخرت میں عذابِ الیم کے مستحق ہیں

تفسیر:......جبکہ خدا تعالیٰ منکروں کے لیے ہر قسم کے بیان شافی ذکر فرما چکا اور پھر بھی وہ ہدایت پر نہ آئے تو جس طرح طبیب علاج کر کے جب صحت نہیں دیکھتا تو یہی کہتا ہے کہ تم کو کس طرح تندرستی ہو تم ایسی ایسی بد پرہیزی کرتے اور کر چکے ہو۔ اسی طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے تیرہ باطن اور سیاہ قلب لوگوں کو کیوں کر ہدایت ہو کہ جو قبل ظہور نبی ﷺ اُن کی کتب سابقہ میں بشارتیں دیکھ کر ان پر ایمان رکھتے تھے اور اس رسول کے برحق ہونے کی گواہیاں بھی دیا کرتے تھے (جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہم نے بیان کیا ہے) باوجود اس کے حضرت ﷺ کے بے شمار معجزات بھی دیکھ چکے ہیں لیکن پھر بھی عناد سے منکر ہو گئے سو ایسے ازلی بدبختوں کو ہدایت نہیں ہوتی ان کی سزا دنیا میں خدا کی اور فرشتوں اور سب خداشناس لوگوں کی پھٹکار اور آخرت میں عذاب الیم ہے۔

**اہلِ کفر کی تین قسمیں:**......کافروں کی تین قسم ہیں ایک وہ جو صدق دل سے توبہ کر لیتے ہیں اُن کے حق میں اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا...الخ فرمایا① کہ خدا ان کے معاف کرتا ہے۔ دوم وہ جو صدق دل سے توبہ نہیں کرتے اور باوجود اس کے ہمیشہ پیغمبر کا مقابلہ کر کے کفر میں زیادہ بڑھتے جاتے ہیں جیسا کہ یہودِ مدینہ اُن کے لیے لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ فرمایا کہ ان کی ہرگز توبہ قبول نہ ہوگی یعنی اس کی اُن کو توفیق ہی نہ ہو گی تا کہ توبہ قبول ہو۔ تیسرے وہ جو سرے سے توبہ ہی نہیں کرتے اور حالتِ کفر میں ہی مر جاتے ہیں اُن کی نسبت تین باتیں فرمائیں۔

(۱) اگر وہ بالفرض زمین بھر کر سونا بھی تاوان میں دیں، ہرگز آخرت میں قبول نہ ہوگا۔

(۲) ان کو عذاب الیم ہوگا۔

(۳) مرض روحانی کا یہی نتیجہ بد ہے۔

الحمد للہ تیسرا پارہ ختم ہوا

---

[ل] الملء بالکسر مقدار مایملأ الشئ والملء بالفتح مصدر والمعنی مقدار مایملاء الارض۔

① جیسا کہ حارث بن سوید انصاری مرتد ہو گیا تھا مگر اس نے توبہ کی اور اس کی توبہ قبول ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا یہ قصہ شانِ نزول قرار دیا ہے۔ (ک) ۱۲ منہ۔

# پارہ (۴) لَنْ تَنَالُوا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

(حاشیہ: رفع جبرئیل علیہ السلام ... الحزب الرابع (۲))

ترجمہ:......تم کو ہرگز نیکی نہ ملے گی جب [۱] تک کہ تم کچھ اپنی دلپسند چیز میں سے خرچ نہ کرو گے۔ اور جو کچھ تم خرچ کرتے سو اس کو خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿۹۲﴾۔ ہر قسم کا کھانا بنی اسرائیل کو حلال تھا۔ [۲] مگر وہ کہ جو (خود) اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے توراۃ نازل ہونے سے پہلے اپنے اُوپر حرام کر لیا تھا۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) کہہ دو کہ توراۃ لا کر پڑھو تو سہی اگر تم سچے ہو۔ ﴿۹۳﴾ [۳] پھر جو کوئی اس کے بعد بھی خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھے تو وہی بے انصاف ہیں ﴿۹۴﴾

---

ترکیب:...... مما، مابمعنی الذی یا نکرہ موصوفہ ہے اور مصدر یہ نہیں ہوسکتا۔ بہ کی ضمیر ما یا شئی کی طرف رجوع کرتی ہے الاماحرم موضع نصب میں ہے کس لیے کہ یہ استثناء خبر کان سے ہے من قبل متعلق ہے حرم سے۔ من بعد ذلک متعلق ہے افتریٰ سے۔ الطعام بمعنی المطعومات والمراد کلھا اور حل مصدر ہے اس میں جمع اور واحد، مذکر مؤنث سب یکساں ہے۔

## مرغوب ومحبوب چیزیں صدقہ کرنے کی ترغیب

تفسیر:......اگلی (سابقہ) آیت میں ذکر تھا کہ قیامت میں کفار اگر زمین بھر کر بھی سونا دیں گے تو ہرگز قبول نہ ہوگا۔ اس مناسبت سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرنے کا ذکر آ گیا کہ تم کو بر یعنی نیکی اور جزاء کامل اور ابرار (نیک) لوگوں کا مرتبہ جب ہی ملے گا کہ جب تم اپنی دل پسند چیز کو صرف کرو گے یہ ایک ایسے پاکیزہ الفاظ میں مطلب ادا کیا ہے کہ جن میں ہزاروں اسرار کی طرف اشارہ ہے مثلاً اول انسان کی محبوب اُس کی جان ہے اُس کا صَرف کرنا یہ کہ رُوح کو اُس کے مشاہدہ جمال میں محو کر دے پھر اس کا بر وصالِ حقیقی ہے یا اُس کو اللہ تعالیٰ کے دین اور اشاعت خیر میں صَرف کر کے شہید ہو جائے پھر اُس کی حُبِّ جاہ اور رنگا رنگ کی طبعی اور بیہی بیجا خواہشیں ہیں ان کا صَرف کرنا ان کو چھوڑ دینا ہے اور بعد اس کے اس کا مال ① اور اس کے عمدہ عمدہ علوم اور فائدہ بخش کام ہیں اُن کو بھی اُس کی راہ میں صرف کرے۔

---

[۱]:...... النیل ادراک الشئی ولحوقه یقال نالنی من فلان معروف ای وصل الی والنوال العطاء یقال نولته تنویلاً والنوال التناول یقال نلته انوله ۱۲۔ [۲]:...... کل الطعام سے مراد وہ کل طعام مراد ہیں کہ جن میں بحث تھی جیسا کہ اونٹ کا گوشت۔ اس سے ہر قسم کا کھانا مراد لے کر قرآن پر یہ اعتراض کرنا (کہ ہر قسم کا کھانا کب بنی اسرائیل کو حلال تھا) لغو بات ہے ۱۲۔ [۳]:...... فاتوا بالتوراۃ اُن کے ادعاء کے موافق فرمایا ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موسیٰ علیہ السلام کی اصلی توراۃ بلاتغیر موجود تھی۔ ①...... کس لئے ماسوائے اللہ کے حب ایک حجاب اکبر ہے اس کا صرف کرنا بر یعنی مقصود کا حاصل کرنا ہے ۱۲ منہ

اسی طرح غصہ میں دشمن سے انتقام لینا بھی بڑی مرغوب چیز ہے اس کو بھی صرف کرے تا کہ مجلسِ ابرار اور عالم قدس میں رُتبہ پاوے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ صحابی نے حضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا حضرت (ﷺ)! میرے پاس مرغوب مال صرف ایک باغ بیرحاء نامی ہے آپ ﷺ اس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں جیسا مناسب جانیں صرف کر دیں۔ (بخاری)

**اونٹ وغیرہ ملتِ ابراہیمیہ میں حلال تھے:**......اس وقت عرب قوم نے سب سے اوّل اس مسئلہ پر عمل کر کے دنیا اور دین کی سلطنت حاصل کی تھی اور اسی لیے خدا پرست لوگ ہمیشہ لذائذ اور قوائے بہیمیہ کو جوش میں لانے والی چیزوں کو صرف کرتے اور ان کا کھانا ترک کر دیتے تھے جیسا کہ اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت اور بعض چیزیں جو شرعاً ملتِ ابراہیمیہ میں حلال تھیں اپنے اوپر حرام کر لیں تھیں اور یہ معاملہ توراۃ سے پہلے کا ہے چنانچہ ان کی تقلید سے بنی اسرائیل میں بھی ان کی حُرمت چلی آتی تھی جس پر مدینہ کے یہود آنحضرت ﷺ پر اعتراض کرنے لگے کہ آپ ﷺ ملّتِ ابراہیمیہ کے مدعی ہو کر یہ چیزیں کیوں کھاتے ہیں؟ خدا تعالیٰ نے اس کے ضمن میں اُن کا جواب دیا کہ اُونٹ کا گوشت اور یہ بعض چیزیں ہرگز ابراہیم علیہ السلام پر حرام نہ تھیں تم جو توراۃ کا حوالہ دیتے ہو تو اچھا توراۃ لا کر اس میں دکھاؤ کہ یہ چیزیں خدا تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پر حرام کی تھیں؟

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۹۵
اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۶ فِيْهِ
اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ
الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹۷

**ترجمہ:**...... کہہ دو اللہ نے سچ فرمادیا ہے پس (اس کے فرمانے کے بموجب) ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر چلو جو یکطرفہ تھے، اور (وہ کبھی بھی) مشرکین میں سے نہ تھے ۝۹۵۔ بیشک (سب سے) اول گھر جو لوگوں کے لیے (عبادت گاہ) بنایا گیا وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے وہ مبارک اور دنیا بھر کے لیے رہنما ہے ۝۹۶۔ اس میں بہت سی نشانیاں ظاہر ہیں (منجملہ اُن کے) ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ اور جو کوئی اس میں چلا جاتا ہے تو امن پاتا ہے، اور لوگوں پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اُس گھر کا حج کریں اُن پر کہ جو وہاں پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ اور جو کوئی نافرمانی کرے ❶ تو اللہ تعالیٰ کو بھی مخلوقات میں سے کسی کی کچھ پروا نہیں ۝۹۷۔

---

**ترکیب:**...... حنیفاً حال ہے ابراھیم سے اور ممکن ہے کہ ملۃ سے بھی ہو کیونکہ ملۃ بمعنی دِین ہے پھر حال اور ذوالحال دونوں مذکر ہیں۔ وُضع موضع جر میں ہے صفت بیت کی اور للذی ببکۃ ان کی خبر بکۃ یعنی مکہ ہے م اور ب کا بدلہ ہو جاتا ہے جیسا کہ لازب اور لازم۔ بعض کہتے ہیں مکہ شہر اور بکہ مسجد الحرام ہے مبارکا اور ھدی دونوں ضمیر وُضع سے حال ہیں ایت بینات مبتدا فیہ خبر مقام ابراھیم مبتدا اور خبر محذوف اَیْ منھا۔ حج البیت بالفتح والکسر بعض کہتے ہیں بالکسر۔ اسم مصدر ہے مبتدا علی الناس خبر۔ للّٰہ علی ❷ سے متعلق ہے من استطاع، الناس سے بدل بعض ہے۔

---

❶......یعنی باوجود استطاعت کے حج بیت اللہ نہ کرے بُلانے سے اس کے دربار میں نہ آئے تو اس کو بھی کسی کی پروا نہیں ۱۲ منہ ❷ ای استقر للّٰہ علی الناس ۱۲ منہ۔

## ملّتِ ابراہیم و دینِ حنیف

**تفسیر:**...... یہ تتمہ ہے پہلی گفتگو کا اللہ تعالیٰ نے سچی بات کہہ دی اب اسی پر فیصلہ ہے کہ جو دین ابراہیم کا ہے چلو اس کو اختیار کرو اور یہ ظاہر ہے کہ ان میں دو وصف تھے ایک یہ کہ وہ حنیف تھے یعنی اِدھر اُدھر بھٹکتے نہ تھے ایک طرف کے ہو رہے تھے سب کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات پر تکیہ لگا رکھا تھا۔ حنیف ایسا عام وصف ہے کہ جس کی شاخیں خلت، توکل، رضا، قناعت، صبر، دنیا سے نفرت کر کے عالم آخرت کی طرف رغبت، سچ بولنا وغیرہ خصائل حمیدہ ہیں اور دوسرا وصف یہ تھا کہ وہ مشرک نہ تھے نہ شرکِ جلی (کہ کسی کو خدا تعالیٰ کے سوا الوہیت میں شریک کیا جائے) اُن کا شیوہ تھا نہ شرک خفی یہاں تک کہ اپنے جمیع کاروبار اور تمام عالم کا سلسلۂ احتیاج اس کے ہاتھ میں جانتے تھے۔ اب غور کرو کہ ان اصلِ اصول باتوں میں سے اے اہلِ کتاب کون سی بات ابراہیم علیہ السلام کی تمہارے پاس ہے؟ اے یہود! کیا ختنہ کرنا اور سبت کا ماننا اور بعض چیزوں کی حِلّت و حُرمت جو حسبِ مصلحت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ہوئی اصل اصول ملّتِ ابراہیمیہ ہے؟ اور عیسائیو! کیا عشائے ربانی ❶ اور بپتسمہ ❷ اور مسیح کو خدا اور خدا تعالیٰ کا بیٹا جاننا اور اس اعتماد پر کہ وہ ہمارے گناہ اُٹھا کر لے گئے۔ خداوند تعالیٰ کی تمام شریعت کو لغو سمجھنا بلکہ بقولِ پولوس شریعت پر عمل کرنے والے کو لعنتی خیال کرنا اصول ملّتِ ابراہیمیہ ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں یہ تو تمہارے مشائخ کی قلعی چڑھائی ہوئی اور نفس اور وہم کی ملونی ہے انہی ضرورتوں کے لئے تو سب سے اخیر ایک نبی عربی کے بھیجنے کی ضرورت پڑی جس کی خبر اب تک توراۃ و زبور وغیرہ کتبِ سابقہ میں پائی جاتی ہے۔ (بالخصوص یسعیاہ نبی کی کتاب ۴۲ بیالیسویں باب میں تصریح ہے) ان دونوں لفظوں سے یہود اور عیسائیوں اور مشرکین عرب کو کس لطف کے ساتھ ملّتِ ابراہیمیہ سے مخالف ہونے پر الزام دیا ہے۔

**فوائد...... عدم ضرورتِ قرآن کا جواب:**...... ایک پادری نے ایک کتاب لکھی ہے اس میں جا بجا ثابت کر کے (کہ قرآن کی فلاں بات توراۃ سے ماخوذ ہے، فلاں یہودیوں کی تاریخوں سے، فلاں طالمود سے ❸ فلاں حگدہ سے، فلاں مشناہ سے، فلاں مشرکین عرب سے، فلاں عیسائیوں کی معتبر اور غیر معتبر اناجیل سے) خیالی پتھر پھینکے ہیں پھر قرآن نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ منجملہ اعتراضات کے ایک اعتراض ملّتِ ابراہیمیہ علیہ السلام کی پابندی پر کیا ہے۔

**قولہ:**...... تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس دین (ابراہیمی) کا خیال پیشتر بھی تھا اور وہیں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس تعلیم کے مشاہدہ کرانے پر آمادہ ہوا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پیشتر حنیفہ کر کے ایک گروہ تھا وہ اپنے تئیں (اپنے آپ کو) ابراہیمی صابئین کہتے تھے اور شروع میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے تئیں ان میں سے ایک قرار دیا تھا ان کا طریق یہودی عیسویت کی صورت رکھتا تھا وہ ایک خدا کو مانتے تھے اور ان کے پاس توریت اور انجیل اور ابراہیم اور موسیٰ کی روایتیں تھیں اور یہ روایتیں یہودیوں کی کُتب بمدراس میں پائی جاتی تھیں جو پریوں اور فرشتوں کے قصہ تھے۔ اس فرقہ میں کئی مشہور آدمی تھے ان میں سے ایک عمایہ ❹ مشہور شاعر تھا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہجو کیا کرتا تھا اور چار شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رشتہ دار تھے اور ورقہ بھی اُن میں سے تھا اور زید بھی مکہ میں بُت پرستی اور دختر کشی کی ممانعت اور توحید کی تعلیم دیا کرتا تھا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی اس کا شاگرد ہو چکا تھا پھر چونکہ طالمود میں ابراہیم پر لفظ مسلم بولا گیا ہے جس کے معنے راستبازی کے ہیں وہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی قرآن میں بولا اور پھر حگدہ یعنی طالمود کی تاریخی حصّہ میں جو کچھ مذہب ابراہیم کی تشریح ہے کہ وہ ایک خدا کو مانتا تھا اور

---

❶...... ایک روز پادری لوگ بڑے اہتمام سے روٹیاں یہ تصور کر کے کھاتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گوشت ہے ۱۲۔ ❷...... عیسائی ہوتے وقت حوض میں غوطہ دینا یا رنگ ڈالنا بعض صرف چھڑکنا ہی کافی جانتے ہیں ۱۲ منہ۔ ❸...... یہود کے مذہب اور تاریخ کی کتابوں کے نام ہیں ۱۲ منہ۔ ❹...... غالباً یہ امیہ کی تحریف ہے۔ از مصح۔

رحم دل تھا اور خدا سے محبت رکھتا تھا اور نمرود نے اُن کو آگ میں ڈالا لیکن وہ صحیح سلامت نکل آئے وغیرہ باتیں تحریر ہیں وہی محمد (ﷺ) نے سیکھ کر قرآن میں لکھ دیں اور دعویٰ کیا کہ مجھ کو الہام ہوا ہے انتہی ملخصاً۔

**معترضین کے اعتراض کا جواب:**...... پادری لوگ جس طرح راستبازی اور انصاف سے بے بہرہ ہیں اسی طرح تاریخ عرب سے بھی بے بہرہ ہیں اول تو ورقہ اور زید ہرگز صابی نہ تھے بلکہ موحدین میں سے تھے اور صابی ستارہ پرست قوم تھی۔ دوم صابیوں کا کوئی فرقہ توراۃ اور انجیل اور ان کی روایتوں کو نہیں مانتا اور نہ ان کا طریق یہودیت اور عیسویت کے ساتھ تھا اور ورقہ خاص رومن کیتھولک مذہب کا عیسائی تھا جو اخیر میں حضرت نبی ﷺ پر ایمان لاتا تھا اور زید اور آنحضرت ﷺ میں زمانہ تعلیم و تعلّم پایا نہیں گیا وہ ایک موحد شخص تھا جو آپ ﷺ سے کہیں پہلے مرگیا تھا پھر شاگردی کا الزام لگانا محض دروغ بے فروغ ہے۔ اب رہی یہ بات کہ طالمود اور یہودیوں کی دیگر کتابوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصوں کا قرآن کے مطابق پایا جانا سو یہ منافی الہام نہیں۔ کیا الہامی بات کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تمام تاریخی کتابوں کے برخلاف ہو؟ پھر اگر یہی ہے تو اناجیل اربعہ میں سے جو سب سے اوّل ہے اس کے علاوہ سب غلط اور غیر الہامی ہیں کیونکہ وہ تاریخی کتاب یا لوگوں کے حوالہ سے لکھی گئیں۔ اسی طرح بائبل کی کتاب تاریخ اور کتاب سموئیل کے غلط کہنا پڑے گا۔ علاوہ اس کے حضرت محمد ﷺ کے پاس طالمود اور مدراس وغیرہ کتابوں کا جاننے والا کون تھا اور وہ کتابیں اب تو مشہور ہی نہیں جب کہاں تھیں اور اگر کوئی یہودی تھا تو اُس پر کیا مصیبت تھی کہ جو اپنے شاگرد پر ایمان لاتا اگر آپ سے پہلے کسی نے ملتِ ابراہیمیہ کا دعویٰ کیا تو آپ کے نبی مصلح دین ہونے میں کیا فرق آیا۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے دینِ موسوی کے مدعی اور مصلح نہیں گزرے ہیں بلکہ خود حضرت یحییٰ علیہ السلام اُن کے استاد موجود تھے جن سے اُنھوں نے خود تعلیم پائی اور پھر وہی لفظ بولے جو ہمیشہ بولتے آئے ہیں۔ پھر کہیئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے حواریوں اور ان کی کتابوں کی کیا ضرورت تھی قرآن خود مدعی ہے کہ (وہ) اصل اصول انبیاء علیہم السلام کا تحریفات دُور کر کے زندہ کرنے والا ہے۔ پھر اگر وہ اصول صابیوں، مجوسیوں، عربوں، یہودیوں، عیسائیوں میں بھی کچھ باقی رہ گئے تھے اور ان کی تحریف دور کر کے قرآن نے اپنے جواہر کو لے لیا تو کیا یہ سرقہ ہے (چوری و نقل) پھر کیا قرآن ان کا سرے سے انکار کرتا اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدا مسجد بناتا جیسا کہ جعلی پیشوایانِ مذہب نے کیا ہے۔

**سب سے پہلا گھر کعبہ:**......اب ہم تفسیر کلام الٰہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہود کا جس طرح اونٹ کے گوشت اور دودھ کھانے پینے کی بابت آنحضرت ﷺ پر اعتراض تھا اسی طرح وہ کعبہ کی بابت اعتراض کیا کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے تمام انبیاء کا قبلہ اور سب سے قدیم بیت المقدس ترک کر کے جاہلوں کا کعبہ اختیار کیا ہے چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا ذکر بھی آگیا تھا اس لئے کعبہ کا بھی آیا کہ اے یہود! جو گھر دنیا میں خدا کی عبادت اور رہنمائی اور برکت کے لئے بنائے گئے ہیں ان سب سے اوّل وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے یعنی کعبہ اس کو خاص آدم علیہ السلام نے پھر اُن کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے بنایا ہے اور بیت المقدس کو سلیمان علیہ السلام نے جو اُن کی ذریت میں اور اُن سے سیکڑوں برس بعد ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں ہزاروں برکتیں اور خدا کی نشانیاں اب تک موجود ہیں سوائے روحانی برکت کے یہاں ظاہری برکات بھی بہت سے ہیں منجملہ اُن کے مقامِ ابراہیم ف اور یہ کہ جو وہاں بصدقِ دل جاتا ہے دنیا اور آخرت کی بلاؤں سے نجات اور اُمن پاتا ہے ❶ اس لئے آج تک کسی بادشاہِ قاہر کی یہ مجال نہیں ہوئی وہ کعبہ پر چڑھ کر آیا اور اُس کو گرا دیا ہو اور لوگوں کو قتل کیا ہو اور جو کوئی ایسا آیا جیسا کہ ابرہہ شاہِ حبش تو اُس کو خدا تعالیٰ نے غارت کر دیا برخلاف بیت المقدس کے کہ اس کو بارہا بخت نصر وغیرہ بادشاہوں نے

---

ف: مقامِ ابراہیم کی بابت علماء کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ اس پتھر کو کہتا ہے کہ جس پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی دیواریں چُنیں تھیں وہ یادگار اب تک موجود ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ تمام حرم مقام ابراہیم ہے یہاں ابراہیم علیہ السلام نے قیام کیا تھا ۱۲ (حقانی)۔ ❶ ...... یعنی وہاں جانے سے امن عذابِ اُخروی سے ہوتا ہے ۱۲۔

ڈھایا اور وہاں کے زن و مرد کو قتل کیا اس لئے جو کوئی زادِ راہ رکھتا ہو یعنی فرض ہے اور جو کوئی اس کے دربار میں حاضر ہونے سے سرتابی کرے تو خدا تعالیٰ کو بھی کسی کی پروا نہیں ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾
قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا
وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ
تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾
وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ
يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

ترجمہ: ...... (اے نبی ﷺ) کہہ دو اے اہلِ کتاب! کس لئے اللہ کی آیتوں کا انکار کر رہے ہو؟ اور اللہ کے رُوبرو ہے جو کچھ بھی تم کر رہے ہو ﴿۹۸﴾۔ (اور) کہہ دو اے اہلِ کتاب! کیوں ایمان لانے والوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہو جان بوجھ کر۔ اس میں کجیاں پیدا کرتے ہو اور تم گواہ ہو، اور خدا تو تمہارے کام سے ہرگز غافل نہیں ﴿۹۹﴾۔ ایمان والو! اگر تم اہلِ کتاب میں سے کسی گروہ کا بھی کہا مانو گے تو وہ تم کو ایمان لانے کے بعد کافر ہی بنا کر چھوڑیں گے ﴿۱۰۰﴾۔ اور تم کیونکہ کافر ہو جاؤ گے حالانکہ تم کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سُنائی جاتی ہیں اور تم میں اُس کا رسول بھی موجود ہے اور جو کوئی خدا پر پورا بھروسہ کر لیتا ہے وہ بیشک راہِ راست کی طرف ہدایت کیا گیا ہے ﴿۱۰۱﴾۔

ترکیب: ...... بایت اللہ لم تکفرون سے متعلق ہے اسی طرح لم تصدون سے۔ عن سبیل اللہ تصدون سے متعلق ہے من اٰمن تصدون کا مفعول تبغونہا کی ضمیر سبیل کی طرف راجع ہے کیونکہ یہ مذکر اور مؤنث ہے عوجاً حال ہے۔

## اہلِ کتاب کی فتنہ انگیزی راہِ خدا سے اہلِ ایمان کو روکنا

تفسیر: ...... جب کہ اہلِ کتاب کے اعتراضوں کا جواب دیا گیا اور دلائل تمام ہو چکے تو اب بطور نتیجہ کے ان کو فرماتا ہے کہ تم خدا کی آیات معجزات اور بشارات کا کہ جو اَب تک پہلی کتابوں میں پائی جاتی ہیں کیوں انکار کرتے ہو اور ایسے لغو شبہات سے بشارات میں تاویل کر کے کس لئے ایمانداروں کو خدا تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہو؟ اور کیوں دینِ حق میں عیب لگاتے ہو؟ حالانکہ دل میں برحق جان رہے ہو تمہاری اس حیلہ بازی اور مکاری سے خدا تعالیٰ غافل نہیں تم کو ضرور سزا دے گا۔ جب یہود مدینہ ہر طرح سے عاجز آ گئے اور مسلمان اُن کے دھوکے میں نہ آئے تو ایک اور تدبیر نکالی وہ یہ کہ مدینہ میں حضرت ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے بنی اوس اور بنی خزرج دو ۲ قبیلوں میں ایک سو بیس برس سے باہم عداوت چلی آتی تھی باہم لڑائیاں اور سخت خونریزیاں ہوا کرتی تھیں۔ حضرت ﷺ کی برکت سے ان میں ملاپ اور محبت ہو گئی اور اخوتِ اسلامی قائم ہو گئی۔

بعض یہودیوں نے ایک روز ان کی مجلس میں جا کر جاہلیت کی لڑائی کا ذکر چھیڑ کر پُرانے زہر آلود وقائع یاد دلا دیئے اور ہر ایک قوم کے

دل میں پھر وہ حرارت جوش مارنے لگی قریب تھا کہ باہم تلوار چلے اتنے میں آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی آپ ﷺ نے ان کو سمجھایا اور پھر ہر ایک کو گلے ملا دیا جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ اے مسلمانو! تم ان اہلِ کتاب میں سے اگر کسی کا بھی کہنا مانو گے یا اُن کے اعتراض بیہودہ کی طرف متوجہ ہو گے تم کو وہ دین سے برگشتہ کر دیں گے اور تعجب ہے کہ تم آیاتِ الٰہی سُننے کے اور رسول کی صحبت پانے کے باوجود کُفر اختیار کرو گے، سوتم کو لازم ہے کہ یقین کامل دل میں اور عقیدتِ خاص پیدا کر کے رحمتِ الٰہی کا دامن ہاتھ میں مضبوط تھام لو تاکہ سیدھے رستہ چلے جاؤ۔

**قوی ایمان:**......ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ قوی ایمان کس کا ہے؟ کہا غریب بڑھیوں کا کہ جن کو بلا دلیل خدا تعالیٰ کی ذات پر ایمان کامل ہے سوایسے لوگ کسی کی اگر مگر میں نہیں آتے نہ شیطان کے وسوسہ توہمات میں مبتلا ہوتے ہیں ان کی شمشیر یقین تمام شبہات و شکوکِ شیاطین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔ حقیقت میں یہ خوب ایمان ہے۔

**فائدہ:** قبل از اسلام قبیلہ بنی اوس و خزرج انصارِ مدینہ کے دو گروہوں میں صدیوں سے لڑائی چلی آتی تھی طرفین کے ہزار ہا لوگ مارے گئے تھے اس کو کنایۃً وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ سے تعبیر کر کے بتایا گیا کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کے برکتِ قدوم سے ان میں بھی میل ملاپ ہو گیا اور اس میں ایسی سخت خونریز قوم بھائی بھائی بن گئی خدائے تعالیٰ اس نعمت کو یاد دلاتا ہے جس کے سبب دینی و دنیوی برکات نازل ہوئیں، اتفاق باہمی نفسانی خواہشوں سے جاتا رہتا ہے۔ نبوت نے روحانی اثر سے نفسانیت کو بالکل نیست و نابود کر دیا تھا آنحضرت ﷺ کا ایک بیّن و بدیہی معجزہ تھا کہ صدیوں کے نفاق کو رفع کر کے ان میں بھائی چارہ کر دیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ
كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ
عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

**ترجمہ:**...... ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور مسلمان ہی رہ کر مرنا ﴿۱۰۲﴾۔ اور سب مل کر خدا (کے دین) کی رسّی کو پکڑے رہو اور الگ الگ نہ ہو جاؤ اور خدا کا احسان یاد کرو جو تم پر ہے (وہ یہ کہ) جب تم میں باہم دشمنی تھی تو اُس نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی اب تم اُس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے۔ حالانکہ تم جہنم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے پھر اس نے تم کو اُس سے بچا لیا اللہ تعالیٰ تم سے اپنی آیتیں اس طرح سے بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ ﴿۱۰۳﴾۔ اور تم میں سے ایک ایسی جماعت بھی ہونی چاہئے کہ جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلایا کرے اور نیک

باتیں بتایا کرے اور بُری باتوں سے منع کیا کرے اور یہی فلاح بھی پانے والے ہیں۝

ترکیب:......اخوانا خبر ہے اصبحتم کی اور یہ جمع اخ کی ہے کنتم کا اسم ضمیر علیٰ شفا... الخ خبر۔ شفا بالفتح اس کے معنی کنارہ کے ہیں اس کا تثنیہ شفوان آتا ہے ولتکن کان تامہ۔ منکم اس کے متعلق۔ امۃ اسم یدعون... الخ اس کی صفت۔

## اسلامی اُخوت واتحاد کا درس

تفسیر:...... باہمی نقیض وعداوت کے اسباب کا قلع وقمع کر کے اتفاق اور باہمی محبت کی تاکید کرتا ہے اور اُس نااتفاقی کے زمانہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو جہنم کا گڑھا تھا اور جس کے کنارے پر لوگ پہنچ گئے تھے قریب تھا کہ گر کر ہلاک ہو جائیں لیکن خدا تعالیٰ نے اُس سے نجات دی نبی علیہ السلام کی برکت سے آپس میں ایسی محبت ہوگئی کہ بھائی بھائی ہو گئے پھر اُس کے خیر و برکات دُنیا اور دین میں بے شمار ظہور میں آئے۔ دنیا کی تمام سرسبز سلطنتیں اُن بھو کے ننگے عرب کے اُونٹ بکری چرانے والوں کے ہاتھ میں آ گئیں اور دین میں بھی تمام بنی آدم کے ہادی اور رہنما بن گئے۔ اس نعمت کی طرف اشارہ کر کے حکم دیتا ہے کہ اس کو یاد کرو کہ تمہاری کیا حالت تھی کیا ہوگئی؟ یہ اتفاق بلکہ تمام عرب بلکہ رُوئے زمین کے نیک لوگوں کا اتفاق اس لئے قائم ہوا کہ نبی علیہ السلام کی برکت سے اُن پر تجلّی ذاتی ہوئی سب کا مقصود اور مشرب وصال معبودِ حقیقی متحد ہو گیا اور جب تک کہ سب کو کوئی ایک غرض مجتمع نہیں کرتی اتفاق نہیں ہوتا سو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا معجزہ ہے کہ تمام رندوں کو بھائی بنا دیا۔

**امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے:**...... پھر آئندہ اس سلسلۂ برکت کے جاری رکھنے کے لئے تمام امت کو بطور فرض کفایہ حکم عام دیتا ہے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا بھی رہنا چاہیے کہ جو لوگوں کو نیک باتوں کی تعلیم کیا کریں بُری باتوں سے منع کیا کریں اچھی باتوں کا حکم دیا کریں یہ خاص لوگوں کا گروہ ہے جو نبی علیہ السلام کے نائب ہیں جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے بڑی محنتیں اُٹھا کر دُور دراز تک دین پھیلا دیا تھا مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس سے بھی بڑھ کر کر دکھایا جس کی تواریخ شہادت دے رہی ہیں۔ اس آیت میں چند حکم ہیں۔

**تقویٰ اور اس پر ثابت قدمی اور اتحاد کا حکم:**......(۱) یہ کہ جہاں تک اُس سے ڈرنے کا حق ہے ڈرو۔ اوّل سیڑھی یہی ہے۔ محققین کے نزدیک حق ڈرنے کا یہ ہے کہ اُس کی ذات میں اپنی ذات کو اور صفات میں اپنی صفات کو نیست کر دے۔

(۲) یہ کہ مرتے وقت تک اسلام پر قائم رہنا۔

(۳) سب مِل کر خدا تعالیٰ کی رسّی کو پکڑ لو۔ رسّی سے مفسّرین نے مختلف معنے مراد لئے ہیں کسی نے عہد ازلی، کسی نے قرآن، کسی نے دین اسلام، مدعیٰ واحد ہے۔

(۴) یہ کہ اختلاف نہ کرنا۔ اختلاف سے تائید ربی دور ہو جاتی ہے۔

(۵) تم میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا قائم رہے جو لوگوں کو دین کی رہنمائی کیا کرے، بُری باتوں سے منع کرے اس لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسلام کا شیوہ ہے۔ جب تک یہ رہا دین میں ترقی رہی۔❶

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ

❶...... ہر کام کا سلسلہ اسباب اسی کی طرف جا کر منتہی ہوتا ہے۔

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝١٠٥ يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ ۚ فَاَمَّا
الَّذِيۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ ۚ اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا
كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ۝١٠٦ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ ابۡيَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فَفِىۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمۡ
فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝١٠٧ تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَـقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا
ع لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝١٠٨ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ۝١٠٩

ترجمہ:......اور تم ان جیسے نہ ہو جانا کہ جو متفرق اور مختلف ہو گئے بعد اس کہ ان کے پاس (روشن) آیتیں آ چکی تھیں۔ اور انھیں کو عذاب عظیم بھی ہے۝ جس دن کہ کچھ منہ سفید ہوں گے اور کچھ سیاہ ہو جائیں گے۔ سو جن کے منہ سیاہ ہوں گے (ان سے) کہا جاوے گا) کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے (لو اب) کفر کرنے کے بدلہ میں عذاب کا مزا چکھو۝۔ اور جن کے منہ سفید ہوں گے سو وہ رحمتِ الٰہی میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۝۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتیں جنھیں ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تو جہان پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۝ اور (یوں تو) جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سب باتیں رجوع کرتی ہیں۝۔ ❶

ترکیب:......یوم ظرف ہے عظیم کا یا لھم کا یا اذکر محذوف کا فاما الذین جواب اما کا محذوف ای فیقال لھم اکفرتم اور اَ توبیخ کے لئے ہے یعنی تم کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔

## اتفاق واتحاد کے برکات وثمرات

تفسیر:......جب کہ اگلی (سابقہ) آیت میں باہمی اتفاق کا حکم دیا اور اس اتفاق کو قائم رکھنے کے لئے ایک جماعت ناصحین کا قائم ہونا فرض کیا تو اس جگہ اختلاف سے تاکیداً منع فرمایا جس طرح اس حکم کو اوّلاً اتَّقُوا اللّٰهَ کہہ کر محکم کیا تھا اسی طرح بعد میں لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ اور آخرت میں سیاہ روئی سے ڈرایا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ادنیٰ ادنےٰ چیزوں کے اجتماع میں خدا تعالیٰ نے برکت رکھی ہے دیکھئے جب چند بالوں کو باہم ملالیتے ہیں تو وہ کمزور بال مل کر کیا مضبوط رسا بن جاتے ہیں اور جب متفرق اینٹ پتھروں کو باہم مجتمع کرلیا جاتا ہے تو کیسی مضبوط دیوار بن جاتی ہے پھر سب سے اشرف المخلوقات انسان پھر ان میں سے اہلِ ایمان کے اتفاق کے تو کیا کہنے ہیں جن کی مجتمع روشنی عالم کو کس قدر منور کرتی ہے۔ چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پورا پورا اس حکم پر عمل کیا تھا اُن کے مقدس مذہب کی روشنی تھوڑے سے دنوں میں دنیا کے کناروں تک پھیل گئی جس سے خدا تعالیٰ کی نافرمان سلطنتیں اور سرسبز حکومتیں اُن کے ہاتھ میں آ گئیں۔

**اختلاف وانتشار کے بُرے نتائج:**......(اب اختلاف کا بدنتیجہ بھی دیکھ لیجیے، دنیا کی ذلت وخواری آخرت میں عَذَابٌ اَلِيۡمٌ) پھر اس حکم کو کس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ بیان سے باہر ہے یعنی اے ایماندارو! تم یہود و نصاریٰ کی طرح باہم مختلف نہ ہو جاؤ جن کے پاس خدا تعالیٰ کی آیتیں اور ہدایتیں آئیں باوجود اس کے اپنی خواہشِ نفسانی سے دین میں اختلاف کیا اور سینکڑوں فرقے ہو گئے۔ ایک دوسرے کی تکذیب کرنے لگا جس کا نتیجہ یہ پیدا ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تھوڑے ہی دنوں بعد انجیل جاتی رہی اور یہی حال یہود کا ہوا

❶......فائدہ: علماء محمد یہ پر فرض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نائب بن کر دنیا میں دین پھیلا دیں ۱۲۔

پھر انجام نوبت کفر تک پہنچی جس کا ثمرہ اُن کے لئے عذاب الیم ہوگا۔ جس روز کہ کچھ لوگوں کے مُنہ منوّر رہوں گے اور کچھ سیاہ ہوں گے وہ ہمیشہ رحمت یعنی جنّت میں رہیں گے اور کفار رُوسیاہ سے جہنم میں ملائکہ پوچھیں گے کہ تم کو خدا تعالیٰ نے نورِ بصیرت عطا کیا تھا پھر مطلوب حقیقی کو چھوڑ کر کیوں کفر میں پڑے اپنے اپنے مقاصدِ شہوانیہ کو کیوں مطلوب بنایا۔ لو اب اُس کا مزہ چکھو یوں تو زمین و آسمان کی سب چیزیں خدا تعالیٰ کی مملوک ہیں وہ جو چاہے کرے مگر وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اپنے کئے کا ثمرہ اُٹھانا پڑتا ہے یہ احکام الٰہی ہیں جن کو فرشتہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کو سُناتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ
وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ
الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ
الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ
حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ:...... (مسلمانو!) تم اچھی جماعت پیدا کئے گئے ہو (اس لئے کہ تم) لوگوں کو اچھی باتیں بتایا کرتے ہو اور بُری باتوں سے منع کیا کرتے ہو اور تم اللہ پر ایمان بھی رکھتے ہو، اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لاتے تو اُن کے لئے بھی بھلا ہوتا (مگر) کچھ تو اُن میں سے مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں ﴿۱۱۰﴾۔ وہ تم کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے مگر (یہی کہ) کچھ ستائیں۔ اور اگر تم سے لڑیں گے بھی تو تم کو پیٹھ ہی دیں گے پھر اُن کو فتح نصیب نہ ہوگی ﴿۱۱۱﴾۔ اُن پر ذلت ڈال دی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے تو صرف اللہ اور لوگوں کی پناہ سے پائے جائیں گے اور وہ خدا تعالیٰ کا غضب حاصل کر چکے ہیں اور اُن پر مفلسی ڈال دی گئی ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور ناحق (ناروا) نبیوں کو مار ڈالتے تھے۔ یہ اُن کی نافرمانی اور سرکشی کا بدلہ ہے ﴿۱۱۲﴾۔

**ترکیب:** ...... کنتم اس کا اسم التم امة خیر ای فی علمی و قیل صرتم۔ کان زائدہ ہے اَی التم خیر امة۔ اخرجت . . . الخ امت کی صفت۔ الا اذی کا استثناء اشیاء محذوف سے ہے۔

## ایک پیشین گوئی

**تفسیر:** ......اول فرمایا تھا کہ جن کے مُنہ روشن ہوں گے وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے یہاں اُس کی وجہ اور علت فرماتا ہے کہ یہ نورانیت تم کو اس لئے حاصل ہوئی کہ تم دنیا میں کمال اور درجہ سعادت حاصل کر چکے ہو برخلاف اہلِ کتاب کے کہ ان کو یہ سعادت نصیب

نہیں اگر چہ کسی قدر اُن میں ایماندار ہیں مگر اکثر تو فاسق و فاجر ہیں

سو اس اتفاق کی بدولت وہ تم کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے مگر کچھ زبانی طعن و تشنیع سے دل شکنی کریں تو کریں اور جو تم سے لڑیں گے بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بالخصوص یہود تو ایسے ذلیل و خوار ہوں گے کہ دنیا میں اُن کو بغیر پناہ الٰہی یعنی ذمی بننے کے اور بغیر امن لوگوں کے چارہ نہ ہوگا۔ یہ اُن کی سرکشی اور نافرمانی اور کفر اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنے کا نتیجہ ہے۔ اس پیشین گوئی کے مطابق ظہور میں آیا چنانچہ قرون، سابقہ میں ہر قوم پر اسلام نے غلبہ پایا۔

**اجماع امت دلیل شرعی ہے:**...... یا یوں کہو کہ انسان جس طرح باہم صورتوں میں مختلف ہیں اسی طرح اختلاف آراء و اختلاف خواہش اُن کی فطرت میں خمیر کیا گیا ہے جس کی اصلاح کے لئے دنیا میں انبیاء علیہم السلام آئے۔ اپنے عہد میں سب کے سربند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے بعد میں قیامت تک اپنا قائم مقام اجماع امت قائم کیا کہ جس طرف جمہور امت ہو وہ حق اور سب کا مرکز ہے، تمام اختلاف کا فیصلہ اسی پر ہے اور اسی لئے نبی علیہ السلام نے احادیث صحیحہ میں جماعت سے الگ ہونے والے کے لئے سخت وعید بیان فرمائی ہے کہ جس نے جماعت کو چھوڑا اُس نے اسلام کی رسّی اپنے گلے سے نکال ڈالی۔ (مشکوۃ)۔ اور اجماع امت کے برحق ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ امت میں کوئی خوبی اور عصمت ہو اس لئے فرمایا کہ تم اے امتِ محمد! اچھی امت ہو علاوہ اپنی تکمیل کے تم اوروں کے بھی ہادی اور معلمِ خیر ہو تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ میں قوۃ عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے اور اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور میری امت کبھی گمراہ نہ ہوگی۔ (رواہ ابن ماجہ)۔

**فائدہ:** حبل، رسی۔ خدا تعالیٰ کی رسّی سے مراد اُسی کی طرف کا امن ہے جو ماتحتِ اسلام کو حاصل ہے اور لوگوں کی رسّی وہ عہد و پیمان جو لوگ اپنے ماتحتوں سے کرتے ہیں۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ* الَّيْلِ
وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾
وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ:...... وہ سب برابر نہیں (کیونکہ) اہل کتاب میں سے ایک جماعت سیدھے رستہ پر بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیتیں رات بھر پڑھتے اور سجدہ کرتے رہتے ہیں ﴿۱۱۳﴾ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اچھی باتیں بتلاتے اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نیکیوں میں دوڑ

*...... آناء جمع انا مثل معی و امعاء بمعنے ساعت و وقت ۱۲ منہ۔

پڑتے ہیں۔اور وہی نیک بھی ہیں ﴿۱۱۴﴾۔اور وہ جو کچھ نیکی کریں گے اس کی ناقدری نہ ہوگی۔اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو (خوب) جانتا ہے ﴿۱۱۵﴾۔بیشک جنھوں نے کفر اختیار کیا ہے اُن کا مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی نہ بچا سکے گی۔اور وہ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے ﴿۱۱۶﴾۔

**ترکیب:**......لیسوا کا اسم ضمیر سواء خبر امة موصوف قائمة صفت مجموعہ مبتدا من اھل الکتاب خبر یتلون اور یؤمنون وغیرہ حال بھی ہوسکتے ہیں اور جملہ مستانفہ بھی یکفروہ اس کا تعدیہ دو ۲ مفعولوں کی طرف ہے یعنی حرمان کی وجہ سے۔

## مؤمنین اہلِ کتاب کا تذکرہ

**تفسیر:**......پہلی آیت میں اہلِ کتاب کی نسبت یہ تھا مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ یہاں اُس جملہ کی زیادہ تر تشریح فرماتا ہے تاکہ اہلِ کتاب کو بھی خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف رغبت ہو کہ سب اہل کتاب بھی برابر نہیں ان میں بھی ایک گروہ ایسا ہے جو سیدھے رستہ پر ہے وہ رات بھر آیاتِ الٰہی پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں اور ان کا اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے اور وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے اور بری باتوں سے منع بھی کیا کرتے ہیں (جیسا کہ یہود میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ اور عیسائیوں میں سے حبشہ کا بادشاہ نجاشی اور اس کے ارکان دولت اور کلیساء عرب کے عیسائی) اور وہ نیک بات میں جلد دوڑ پڑتے ہیں اس کے اختیار کرنے میں اُن کو رسم اور حبِ مال وجاہ مانع نہیں آتی۔(چنانچہ ان لوگوں نے جب اسلام کے انوار کی تجلّی دیکھی اُسی وقت بصدقِ دل اُس کو قبول کرلیا) سو یہی لوگ نیک اور دیندار ہیں آئندہ جو کچھ وہ نیک کام کریں گے یا جو کچھ کر چکے ہیں خدا تعالیٰ اُن کی ناقدری نہ کرے گا ضرور جزائے خیر دے گا۔اور جو ان میں اوصافِ حمیدہ سے خالی ہیں گو وہ برائے نام عیسائی یا موسائی یا مجاورِ خانہ کعبہ قریش ہی کیوں نہ ہوں اُن کا مال اور اُن کی اولاد بھی اُن کے کچھ کام نہ آئے گی۔اُن کو بڑا غرور اور ناز ہے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہلِ کتاب کا اصل طریق منجانب اللہ اور الہامی ہے سو تمام قوم کبھی ایسی نہیں ہوتی کہ جن کو دینداری اور پرہیزگاری کا خیال نہ ہو بالخصوص ان میں سے باخدا لوگ تو ضرور شب بیداری اور نیک کاموں میں کوشش کرنا اور خدا تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لا کر دنیا اور اُس کے تجملاتِ فانیہ پر دل نہ دھرنا اپنا شیوہ رکھتے تھے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اہلِ کتاب میں ایسے خدا ترس لوگ موجود تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں کوئی حیلہ اور حجت نہ کی اور یہی اس آیت کا شانِ نزول ہے۔بانصاف طبیعتوں اور اسلام میں ایک جذب مقناطیسی ہے اس لئے چند روز میں بے شمار قومیں اس مذہب میں آگئیں اور آتی جاتی ہیں۔آج کل کے عیسائی بالخصوص پراٹسٹنٹ تو شب بیداری اور عبادت، ریاضت اور دعاء کو جو حضرت مسیح علیہ السلام کا دستور تھا سب کو ترک کر بیٹھے۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ
حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ
خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ
صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ

اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ

قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا

بِغَيۡظِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ:...... جو کچھ کہ وہ اس زندگانی دنیا میں خرچ کرتے ہیں (اس کی) مثال اس ہوا کی سی ہے کہ جس میں بڑی ٹھر ہو وہ ان لوگوں کی کھیتی پر پڑ کر کہ جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے برباد کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں ﴿۱۱۷﴾۔ اے ایمان والو! کسی غیر کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری خرابی میں کچھ کمی نہیں کرتے۔ چاہتے ہیں کہ تم پر کوئی آفت آئے۔ اُن کے مُنہ سے عداوت ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ اُن کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ تو بہت ہی بڑھ کر ہے۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو تمہارے لئے ہم نے کُھلی کُھلی نشانیاں بیان کر دی ہیں ﴿۱۱۸﴾۔ دیکھو تم تو ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے (بالکل) محبت نہیں رکھتے اور تم ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو۔ اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے۔ اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو غصہ کے مارے تم پر انگلیاں چباتے ہیں، کہہ دو کہ اپنے غصہ میں مر رہو بے شک جو کچھ دلوں میں ہے خدا اس کو خوب جانتا ہے ﴿۱۱۹﴾۔

ترکیب:...... مثل مبتدا کمثل ریح خبر اصابت...... الخ صفت ہے ریح کی۔ بطانۃ مفعول ہے لاتتخذو اکا من دونکم فعل سے متعلق ہو کر صفت ہے بطانۃ کی اسی طرح لایألونکم خبالا تمیز ہے۔ علیکم مفعولِ عضو االانامل مفعول ثانی۔ بطانۃ کفار حرام ہے۔

## اہلِ کتاب سے دوستی کی ممانعت اور اس کی وجوہات

تفسیر:...... پہلی آیت میں تھا کہ کفار کو ان کا مال کچھ نفع آخرت میں نہ دے گا اس پر شبہ گزرتا تھا کہ کیوں نہ دے گا حالانکہ وہ غریب یتیم فقیر بے کس کو للہ دیتے ہیں۔ اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ ان کے صرف کرنے کی ایسی مثال ہے کہ جیسا کوئی کھیتی کرے یا باغ لگائے پھر اس کو ہوا اور پالا مار جاوے اور وہ خراب ہو جائے۔ اسی طرح ان کا لیا دیا بیشک کھیتی اور آخرت کے لئے باغ ہے کہ جس سے انتفاع کی امید کامل ہے مگر اُن کے کفر کی تُند ہوا برف آلود اُس کو نیست و نابود کر ڈالتی ہے اس میں کچھ ان پر خدا تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا بلکہ کفر کر کے خود اُنھوں ہی نے اپنے اوپر ستم ڈھایا۔ خیرات کا مدار ایمان و اخلاص پر ہے سو یہ ان میں نہیں۔ اس کے بعد ان سے محبت کرنے سے منع کرتا ہے کہ تم ان کو دلی دوست نہ بناؤ پھر اس کی چند وجوہ بھی ذکر فرماتا ہے کہ (۱) یہ تمہاری مضرت میں کوتاہی نہیں کرتے ہیں (۲) تم پر مصیبت پڑنے کو دل سے چاہتے ہیں (۳) ان کے مُنہ سے بغض باتیں نکلتی ہیں اور دلی بُغض اس سے کہیں زیادہ ہے (۴) تم ان سے محبت رکھتے ہو یہ تم سے نہیں رکھتے (۵) تم کل کتاب الٰہی پر ایمان رکھتے ہو یہ نہیں رکھتے۔ (۶) جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور تنہائی میں تم پر غصہ کے مارے اُنگلیاں چباتے ہیں۔ پھر ان سے دوستی کرنا خلافِ عقل ہے۔

فائدہ:...... **بطانۂ کفار حرام ہے:**...... بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں منافقینِ مدینہ مراد ہیں جو اہلِ اسلام سے دلی عداوت رکھتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ مدینہ کے یہود مراد ہیں۔ محققین کے نزدیک اس کا حکم عام ہے۔ بطانۃ بطن سے مشتق ہے یہ مصدر ہے اس کا اطلاق ایک پر ہے۔ جماعت پر جب ہوتا جو نہایت راز دار ہوتے ہیں گویا پیٹ میں گھسے ہوئے ہیں سو ایسی دوستی کفار سے مطلقاً حرام ہے۔ خبال بمعنے فساد و نقصان۔

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ
تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾ ع
وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ
عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾ إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢٣﴾

ترجمہ:.....اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو رنج ہوتا ہے، اور اگر کوئی تم پر سختی آتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں، اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو اُن کا مکر تم کو کچھ بھی ضرر نہ دے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اُن کے سب کام (اپنے) بس میں کر رکھے ہیں﴿١٢٠﴾۔ اور (یاد کرو) جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو لڑائی کے موقعوں پر بٹھلانے لگے تھے۔ اور اللہ (سب کچھ) سُن رہا اور سب کچھ جان رہا تھا﴿١٢١﴾۔ جب کہ تم میں سے دو گروہوں نے ہمت ہار دینی چاہی تھی (مگر سنبھل گئے کیونکہ) اللہ ان کا مددگار تھا، اور ایمانداروں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے﴿١٢٢﴾ اور اللہ بدر (کی لڑائی) میں تمہاری مدد کر چکا ہے حالانکہ تم اُس وقت بہت ہی کمزور تھے۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو (نافرمانی نہ کرو) (ان احسانوں کو یاد کرکے) عجب نہیں کہ شکر کرو﴿١٢٣﴾۔

ترکیب:..... واذ اس کا عامل اذکر محذوف ہے من اھلک میں من ابتداء غایۃ کے لئے تبوّی حال ہے یہ مفعول ثانی کی طرف بلا واسطہ حرف جر متعدی ہے اوّل مفعول اس کا المومنین اور ثانی مقاعد۔ ان تفشلا ای بِاَنْ تفشلا ف۔

## اہلِ کتاب کا مسلمانوں کو خوش دیکھ کر ناخوش ہونا

تفسیر:.....اس جگہ ایک اور وجہ بھی بیان فرماتا ہے کہ اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ ناخوش ہوتے ہیں اور تمہاری تکلیف و مصیبت سے خوش ہوتے ہیں۔ پھر حکم دیتا ہے کہ اگر تم کو کوئی سختی پیش آوے تو خدا تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کرو ان کا مکر تم کو کچھ نقصان نہ دے گا۔

قصۂ جنگِ اُحد:.....اس کے بعد جنگ اُحد کا وہ قصہ یاد دلاتا ہے جس میں اشارہ ہے کہ دیکھو تم نے اُس روز صبر اور تقویٰ نہ کیا تو تم پر مصیبت آئی۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے پھر اس سے وہ لوگ (اہلِ کتاب) دیکھو کس قدر خوش ہوئے اس ناصبری کا نتیجہ یہ مصیبت پیش آئی یہاں تک کہ دو گروہ نے تم سے بھاگنے کا قصد ہی کر لیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ثابت قدم رکھا ورنہ اللہ تعالیٰ تم کو باوجود قلت و ذلت کے بدر کی لڑائی میں فتحیاب کر چکا ہے اب تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ اُس کی شکر گزاری کرنے لگو جو باعثِ سعادت و مزید نعمت ہے۔
بدر کی لڑائی میں کفارِ مکہ ہزیمت اٹھا چکے تھے مگر دل میں جوش تھا کہ پھر اہل اسلام سے بدلہ لیجئے (لیا جائے)۔ اس لئے شوّال کی

ف:.....الفشل: الجبن۔ (تبوئ) التبولة اتخاذ المنزل یقال بؤ اله منزلا۔ اذلة: جمع ذلیل والمراد به القلة ٢ ا

ساتویں تاریخ ہجرت کے تیسرے سال ابوسفیان ایک لشکرِ کثیر لے کر مدینہ طیبہ پر چڑھ آیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بعض کی یہ رائے ہوئی کہ باہر نکل کر ان سے مقابلہ کرو۔ بعض نے کہا شہر ہی میں رہو اور تیر اندازی کرو۔ آخر اوّل فریق کے کہنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع انصار و مہاجرین صبح کو باہر نکلے اور اُحد پہاڑ جو مدینہ سے دو میل شمال کی طرف ہے اُس کے نیچے جمع ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کی گھاٹیوں پر تیر اندازوں کو بٹھانا شروع کیا کہ تم یہاں سے نہ ہلنا تا کہ اس طرف سے کفار ہماری پشت کی طرف نہ آ جائیں اور اُن کا سردار عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو کیا، وَاِذْ غَدَوْتَ کے یہی معنی ہیں پھر جب لڑائی شروع ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُحد کی طرف پیٹھ کر کے مقابلہ شروع کیا تو کفار بھاگ نکلے جب تیر اندازوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی مورچہ چھوڑ کر کفار کے پیچھے پڑ گئے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو بلاتے اور منع کرتے جاتے تھے مگر وہ کب سُنتے تھے۔ اس نافرمانی اور بے صبری کی شامت سے یہ ہوا کہ گھاٹی خالی دیکھ کر کفار پیچھے سے آ گئے اور تیر برسانے لگے اور کفار آگے سے بھی ٹوٹ پڑے عبداللہ بن اُبی منافق تو تین سو آدمیوں کے ساتھ بھاگ نکلا اور مسلمانوں کے بھی پیر اُکھڑ گئے اور قبیلہ بنو سلمہ خزرجی اور بنو حارثہ اوسی نے بھی بھاگ نکلنے کا قصد کر لیا اور خوب تلوار چلی جس سے بہت سے صحابہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ وغیرہ شہید ہو گئے مگر معہ چند شخصوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمے رہے یہاں تک کہ ایک پتھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک پر لگا اور دانت ٹوٹ گیا اور سر مبارک میں زخم آیا اور بچانے میں طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ لنجا ہو گیا لیکن پھر جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پاؤں جمایا تو کفار بھاگ اُٹھے۔ اس ہزیمت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل سے ہی خبر دی تھی۔

فشل: (بمعنی بزدلی) نامردی، بھاگنا۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ
الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا
يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا
بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ
الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا
خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ
ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ
مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

ترجمہ: ب کہ مسلمانوں سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ رہے تھے کہ کیا تم کو یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا خدا تین ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کرے؟ کیوں نہیں اگر تم جمے رہو اور (خدا سے) ڈرو اور دشمن بھی دفعۃً تم پر چڑھ آئیں تو تمہارا خدا تمہاری پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کرے گا جو پلے ہوئے

گھوڑوں پر (سوار ہوکر) آموجود ہوں گے۞۔ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ نے تمہاری خوشی اور تمہارے دل کے اطمینان کے لئے کیا ہے۔ ورنہ فتح تو اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے کی طرف سے ہے۞۔ اور (یہ اس لئے کہ) خدا تعالیٰ کافروں کی ایک جماعت کو کاٹ ڈالے یا اُن کو ذلیل کرے کہ وہ نامراد ہوکر واپس جائیں۞۔ (اے نبی ﷺ) آپ کا کچھ بھی اختیار نہیں (اختیار تو اللہ ہی کو ہے) چاہے ان کو توبہ نصیب کرے یا اُن کو عذاب دے کہ وہ ناحق پر ہیں۔۞ [1] اور جو کچھ کہ آسانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے عذاب دے، اور اللہ (بڑا) بخشنے والا مہربان ہے۞۔

**ترکیب:**......اذتقول ممکن ہے کہ اذھمت سے بدل ہو اور ممکن ہے کہ نصر کم کا ظرف ہو۔ لیس لک خبر۔ شئی اسم۔ اویتوب اویعذبھم معطوف ہیں۔ یکبتھم پر یا الامر پر یا شئی پر باضمار اَن۔ او، اِلّا، اَن کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔

## غزوۂ بدر میں غیبی امداد

**تفسیر:**......پہلی آیت میں ذکر تھا کہ باوجودیکہ تمہاری حالت نہایت خراب تھی مگر خدا تعالیٰ نے بدر کی جنگ میں اسبابِ ظاہر کے برخلاف تمہاری مدد کی تھی۔ اب یہاں اُس مددِ غیبی کو یاد دلاتا ہے یعنی مددِ غیبی کا وہ دن تھا کہ جس دن اے نبی (ﷺ)! تم مسلمانوں کو تسلی دے رہے اور یہ کہہ رہے تھے کہ تم اپنے قلت اور بے سروسامانی اور کفار کی کثرت اور اسبابِ حرب پر خیال کر کے ہراساں نہ ہو۔ کیا تم کو کافی نہیں کہ خدا تعالیٰ تمہاری تین ہزار فرشتے بھیج کر مدد کرے، کیوں نہیں اگر تم صبر کرو گے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو گے اور کفار تم پر گوجوش میں آ کر یا فوراً حملہ کریں گے تو وہ پانچ ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کرے گا اور یہ ملائکہ کا بھیجنا بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ تم اُسی پر اعتماد کر بیٹھو بلکہ فتح تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے جو زبردست ہے اور حکمت مدنظر رکھ کر کام کرتا ہے یہ تو صرف تمہاری دلجمعی کے لئے ہے اور فتح اس لئے دی کہ کفار کی شوکت ٹوٹ جائے۔

**مسلمانوں کی امداد کے لئے فرشتوں کے نزول کا وعدہ:**......واضح ہو کہ جب نبی ﷺ ابوسفیان کو مع قافلہ گرفتار کرنے کے لئے مع تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم مہاجرین و انصار باہر نکلے اور ابوسفیان کو خبر ہوگئی تو اس نے مکہ میں کہلا بھیجا وہاں جوش پیدا ہوگیا تخمیناً ہزار آدمی پیغمبر علیہ السلام کے مقابلہ میں نکلے اور ابوسفیان قافلہ لیکر نکل گیا اور دونوں لشکروں کا مقابلہ بدر کے میدان میں ہوگیا۔ مگر صحابہ رضی اللہ عنہم ڈرے کہ ہم کو یہ کیا معلوم تھا کہ اتنی فوج جرار سے مقابلہ آپڑے گا نہ ہمارے پاس کوئی سامان ہے نہ ہتھیار ہیں، کیا کریں۔ جب اُن کی یہ حالت آنحضرت ﷺ نے دیکھی تب یہ فرمایا۔

خدا تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق ہزار فرشتے بھیجے جیسا کہ سورۂ انفال میں آیا ہے فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ الآیہ کہ خدا تعالیٰ نے تم کو جواب دیا کہ میں تمہاری ہزار فرشتوں سے مدد کرتا ہوں۔ اور اسی طرح صحیح بخاری اور مسلم اور دیگر کتب حدیث میں آیا ہے کہ بدر کے روز ملائکہ گھوڑوں پر سوار ہر کر کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے نظر آئے۔ اور روایتیں بقدرِ مشترک حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں کہ جن کا مفصلاً بیان کرنا متعذر ہے اور نیز اُسی زمانہ میں جب کہ کفار ہزیمت کھا کر مکہ میں واپس گئے تھے تو خود باہم اس بات کے قائل تھے اور اس کو اپنی محفلوں میں نہایت تعجب اور حیرت انگیز قصہ تصور کر کے بیان کیا کرتے تھے جیسا کہ کتب تاریخیہ سے بخوبی ثابت ہے۔

---

[1] ......اُحد کے روز جبکہ عتبہ بن ابی وقاص کے ہاتھ سے آنحضرت علیہ السلام کے سر مبارک پر زخم شدید پہنچا اور حمزہ رضی اللہ عنہ وغیرہ بڑے غازیان اسلام شہید ہوگئے تو حضرت ﷺ نے چاہا کہ کفار پر بددعا کریں تاکہ وہ ہلاک ہو جاوے اس امر سے خدا نے منع کیا اور لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ یہ آیت نازل ہوئی کیونکہ خدا کو مسلمان کرکے، اس قوم سے بڑا کام لینا تھا سو لیا ۱۲ منہ۔

پھر جب جنگ میں یہ مشہور ہوا کہ مکہ سے اور بڑی مدد آتی ہے تو حکم آیا کہ اگر وہ فوراً یا غصہ میں بھر کر آئیں گے تو ہم تین ہزار بلکہ پانچ ہزار فرشتہ بھیج دیں گے چونکہ اُن کی مدد نہ آئی تو فرشتے بھی نہ آئے۔ (تفسیر کبیر)

**غزوۂ بدر میں نزولِ ملائکہ سے متعلق بحث:** ...... بعض لوگ جیسا کہ ابو بکر اصم اور پھر معتزلہ اور ان کے مرید نیچریہ وغیرہم اس مقام پر یہ کہتے ہیں کہ جنگ بدر میں کیا کسی لڑائی میں بھی فرشتے نہیں آئے تھے۔ دلائلِ عقلیہ یہ ہیں (۱) ایک فرشتہ تمام ملک کو برباد کرنے کو کافی ہے پھر ہزاروں کی کیا ضرورت تھے؟ (۲) اگر خدا کو فرشتوں ہی سے کام لینا تھا تو صرف ملک الموت کافی تھا یعنی وہ آپ ہی سب جہاں کے کافروں کی روح قبض کر لیتا بلکہ اگر ایسا ہی ہے تو اُس نے کافر پیدا ہی کیوں کئے؟ (۳) ملائکہ اگر اجسامِ کثیفہ تھے تو ضرور سب کو نظر آتے اور مسلمانوں کی جماعت کے تین سو آدمیوں کو دکھائی دیتے حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ اور اگر اجسامِ لطیفہ تھے تو ان میں طاقت ہی کیا تھی جو کسی کو قتل کرتے۔ دلائلِ نقلیہ ان آیات میں جو اس مقام پر وارد ہیں کہیں یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے فرشتے بھیجے بلکہ رسول کا قول نقل کیا ہے کہ جو بوقت جنگ آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے خدا تعالیٰ پر توکل کرنے کے لئے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا بھی کر سکتا ہے (۴) کفار نے بارہا استدعاء کی کہ فرشتہ ہی کیوں نہ خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا مگر ان کی استدعاء قبول نہ ہوئی اور نہ ایسا کسی جگہ پہلے معاملہ گذرا ہے نہ یہ باتیں ممکن ہیں بلکہ نیچر کے برخلاف ہیں۔

ان دلائل کا یہ جواب ہے (۱) اگرچہ ایک فرشتہ کافی تھا بلکہ اُس کی بھی کیا ضرورت صرف خدا تعالیٰ کا کُن کہنا ہی کافی تھا مگر ہزاروں فرشتوں کا بھیجنا صرف اہلِ اسلام کی تقویتِ قلبی اور تقویتِ ایمان و اعتقاد کے لئے تھا تا کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ اپنے مخلصین کی یوں بھی مدد کر دیا کرتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ، اور لفظ جعل جو ماضی ہے اپنے حقیقی معنے کے اعتبار سے اس امر کے وقوع پر دلالت کر رہا ہے (۲) اس کا بھی یہی جواب ہے کہ کافروں کے پیدا کرنے اور ملائکہ کے بھیجنے میں مباینت ثابت کرنا رسالت کا انکار کرنا ہے کیونکہ منکر کہہ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ نے رسول ﷺ بھیجے تھے تو سرے سے کافر ہی کیوں پیدا کئے تھے (۳) ملائکہ اگرچہ اجسامِ لطیفہ ہیں مگر جب چاہتے ہیں اجسامِ کثیفہ میں یعنی انسان کی صورت میں ظاہر ہو سکتے ہیں چنانچہ بدر میں ایسا ہوا اور بیشک وہ لوگوں کو نظر آئے یہ بات کہ سب کو یکساں کیوں نظر نہ آئے کچھ بات نہیں۔ دیکھئے بائبل میں سینکڑوں مقامات پر ہے کہ فرشتہ ایک شخص کو نظر آیا اوروں کو نہیں دکھائی دیا اور اس کا سِرّ ہم مقدمہ کتاب میں بیان کر آئے ہیں۔

**دلائل، نقلیہ کا جواب:** ...... یہ ہے، یہ کہنا (فرشتوں کا بھیجنا ثابت نہیں بلکہ صرف وعدہ یا تسلّی ہے) بڑی تعجب کی بات ہے کیونکہ اوّل تو سورۂ انفال میں صاف تصریح ہے فَاسْتَجَابَ لَكُمْ ...... الآیہ کہ خدا تعالیٰ نے ایسا کر دیا پھر اس سے بڑھ کر اور کیا تصریح ہوگی؟ دوم خود انھیں آیات میں لفظ جعل وارد ہے اور ضمیر متصل ارسالِ ملائکہ کی طرف پھرتی ہے ورنہ صرف زبانی جمع خرچ ایسی حالت میں کیا اطمینان قلب اور بشریٰ ہو سکتا تھا؟ (۲) کفار کی استدعاء پر ملائکہ نہ بھیجنے کی وجہ خود قرآن مجید میں مذکور ہے وہ یہ کہ اگر ہم بجائے رسولوں کے تمہارے پاس فرشتے بھیجتے تو ضرور وہ انسان کی شکل میں ظاہر ہو ہو کر آتے پھر جن کو رسولوں پر یہ شبہ ہے اُن کی نسبت بھی وہی شبہ باقی رہتا ہے کیا معلوم یہ فرشتہ ہے یا آدمی ہے یا کوئی جن و شیطان ہے۔ علاوہ اس کے اِس کی نفی ثابت کی جائے۔ اور یہ کہنا کہ پہلے کبھی فرشتوں سے کام لینا ثابت نہیں سخت بیجا کی ہے۔ دیکھئے توراہ سفر پیدائش کے اُنیسویں باب میں صاف صریح ہے کہ سدوم اور عمورہ میں جہاں کہ لوط علیہ السلام رہتے تھے فرشتے آدمیوں کی شکل میں آئے اور جب وہاں کے غلامی لوگوں نے لوط علیہ السلام پر حملہ کرنا چاہا تو ان فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو دروازے کے اندر کھینچ لیا اور صبح کو ان بستیوں پر آگ اور گندھک برسایا اور ان کو نیست کر دیا۔ اسی طرح توراۃ و انجیل و دیگر صحف

انبیاء سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ فرشتے مخلصین کی اعانت اور خدا تعالیٰ کے دشمنوں کی سرکوبی کے لئے آئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ بدر کے روز آنحضرت ﷺ نے فرمایا دیکھو یہ جبرئیل علیہ السلام ہے جو گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے مسلح ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ بدر کے روز ایک انصاری نے ایک مشرک پر حملہ کیا اور اس کے پیچھے دوڑا ہنوز اُس کے پاس نہ پہنچا تھا کہ اس پر ایک کوڑا غیب سے پڑا اور یہ آواز آئی کہ اقدم خیزوم کہ گھوڑی حیزوم آگے بڑھ۔ جب جا کر دیکھا تو وہ شخص مرا ہوا تھا اور اُس پر کوڑے کا نشان تھا اُس کا منہ پھٹ گیا تھا۔ اسی طرح صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اُس روز میں نے رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں دو سوار سفید پوش دیکھے جو بڑی تیزی سے جنگ کر رہے تھے نہ ان کو میں نے پہلے دیکھا تھا نہ پھر وہ مجھے نظر آئے یعنی جبرئیل، و میکائیل علیہما السلام اور ممکن ہونا ان باتوں کا ہم نے مقدمہ میں ثابت کر دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۳۰ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝۱۳۱ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۳۲ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۳ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳۴ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۵ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۱۳۶

ترجمہ:...... مسلمانوں! دُگنا چگنا کر کے سُود نہ کھایا کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ ۝۔ اور اُس آگ سے بھی ڈرتے رہو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ ۝ اور اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کا حکم مانا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ۝ اور خدا تعالیٰ کی۔ بخشش اور جنت کی طرف دوڑو کہ جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے (اور وہ) پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۝۔ جو فراخی اور تنگی میں (اللہ کی راہ) دیا کرتے ہیں اور جو غصہ کو دباتے اور لوگوں سے درگزر کیا کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے ۝۔ اور وہ جو کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھتے یا اپنی جان پر ظلم کر لیتے ہیں تو اسی وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں، اور خدا کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے؟ اور جو کچھ وہ کر بھی لیتے ہیں تو جان کر اصرار نہیں کرتے ۝۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا بدلہ ان کے خدا کی طرف سے بخشش ہے اور (نیز) ایسے باغ ہیں کہ جن کے تلے پڑی نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے، اور عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے ۝۔

**ترکیب:**...... اضعافاً حال ہے الربوا سے عرضھا جملہ موضع جر میں ہے تقدیر الکلام عرضھا مثل عرض السمٰوٰت والارض اعدت صفت جنت کی ہے اور حال بھی ہوسکتا ہے۔ الذین ینفقون اور اسی طرح والذین اذا فعلوا اور الکاظمین اور العافین سب متقین کی صفت میں واقع ہیں کہ ذکروا اللہ جواب ہے اذا کا و من مبتدا یغفر خبر و ھم یعلمون حال ہے ضمیر لم یصرّوا سے۔

## سُود کی ممانعت

**تفسیر:**...... پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے اپنی مغفرت اور رحمت کو ذکر کیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ زمین و آسمان ہمارے قبضہ میں ہے ہم جس کو چاہتے ہیں معاف کرتے ہیں جس کو چاہتے ہیں عذاب دیتے ہیں۔ اس لئے یہاں پیشتر سُود خوری سے منع کیا کیونکہ جب خدا تعالیٰ تمہیں بخشتا اور تم پر رحم کرتا ہے تو تم بھی اپنے زیردستوں پر رحم کر کے ان کو سُود معاف کر دو ظلم نہ کرو۔ دوم جو کچھ ہے خدا کا ہے پھر تم کیوں اُس کے دیئے ہوئے مال کا شکریہ ادا نہیں کرتے؟ کیوں ناحق معاوضہ لیتے ہو۔ یا یوں کہو دُنیا دار سُود خوری وغیرہ مکاسب میں ایسے مستغرق رہتے ہیں کہ گویا اُن کو سدا یہیں رہنا ہے حالانکہ یہ مسافر خانہ ہے جہاں پھر کبھی آنا ہی نہیں۔ اور پیشتر جہاد اور نزول ملائکہ وغیرہ ان باتوں کا ذکر تھا جو دارِ آخرت کا وسیلہ ہیں اس لئے یہاں فرمایا کس واہیات کمائی میں پڑے ہو اس کو چھوڑ و اور خدا تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دنیا کی ترقی کیا سود میں ڈھونڈتے ہو اس کو چھوڑو اور خدا کے لشکر میں داخل ہو کر جہاد کرو جس سے دنیا کی سلطنتیں تمہارے پاؤں پر آ پڑیں اور آخرت میں بھی بادشاہت ملے۔ اور چونکہ پہلے جہاد کا ذکر تھا اور سود خوری بزدلی پیدا کرتی ہے اس لئے اس کے ذکر میں اس کی ممانعت کرنا بھی عین حکمت ہوا۔

عرب میں دستور تھا کہ جب مدتِ معین پر قرضدار روپیہ ادا نہیں کرتا تھا تو قرض خواہ سُود کو اصل میں شامل کر کے مہلت دیتا تھا پھر اگلی قسط پر سُود اور بڑھاتا تھا جس طرح یہاں سُود خور سُود کو اصل میں جمع کر کے سود لگا کر دُگنے تگنے کر لیتے ہیں ایسا ہی وہ بھی کرتے تھے اس لئے اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً ❶ سے منع کیا اور فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو پھر فرمایا اُس آگ سے ڈرو کہ جو کافروں کے لئے تیار ہوئی ہے یعنی جہنم اس میں اشارہ ہے کہ انجام کار سودخوری اور اس پر بے پروائی کا کفر ہے سو جو سزا کافروں کے ملے گی وہی سُود خواروں کو۔

**اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی مغفرت کا سبب ہے:**...... پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اس کے بعد کنایہ کے طور پر اپنی اطاعت کے ثمرہ کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنّت کی طرف دوڑو یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنا گویا مغفرت اور جنت کی طرف دوڑنا ہے۔

**مذکورہ آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال:**...... مفسّرین کہتے ہیں مغفرت سے مراد وہ امور ہیں کہ جن سے مغفرت حاصل ہو پھر اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں مراد اسلام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ادائے فرائض اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اخلاص ابو العالیہؒ کے نزدیک ہجرت کرنا۔ سعید بن جبیرؒ کے نزدیک تکبیر اُولیٰ مراد ہے۔ فرض ترک منکرات و ادائے واجبات بھی اس میں سب کچھ آجاتا ہے۔

**جنت کی صفت میں دو باتیں:**...... ذکر فرمائیں۔ اوّل یہ کہ اُس کا چوڑان آسمان و زمین کے برابر ہے۔ ابو مسلم کہتے ہیں کہ عرض سے

---

❶ اس سے کم سود کھانے کی اجازت نہیں نکلتی ہے کیونکہ قید ایک امر واقعی کے لئے ہے ۱۲ منہ۔ ف: اضعافاً جمع ضعف ولما کان جمع قلۃ والمقصود الکثرۃ اتبعہ بما یدل علی ذٰلک وھو الوصف بمضاعفۃ۔ عرضھا للمراد وسعتھا بطریق الاستعارۃ ۱۲ منہ

مراد قیمت ہے عرب بولتے ہیں اذا بعت الشئی بالشئی الاٰخر، عرضۃ علیہ و عارضتہ بہ یعنی جنت کی قیمت آسمانوں اور زمین کی عمدہ چیزوں سے بھی زائد ہے۔ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز۔ دراصل یہ ایک سِرّ روحانی کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ جنت عالمِ قدس ہے اس عالمِ حسی سے کچھ علاقہ ہی نہیں۔ نہ وہ شہر عدن میں ہے، نہ ملکِ شام میں ہے، نہ آسمان میں ہے، نہ کسی کوہِ ہمالیہ کی چوٹی پر ہے بلکہ یہ تمام آسمان و زمین اس کی وسعت کے آگے کچھ بھی نہیں اس لئے کہ اس کا چوڑان اتنا ہے پھر طول کا کیا ٹھکانا ہے پھر وہ آسمان یا زمین میں کیونکر سما سکے۔ ہاں سماوات اور عرش چونکہ لطافت میں عالمِ قدس کے مشابہ ہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ جنت آسمانوں پر دوزخ زمین کے نیچے ہے۔

پھر سَارِعُوْا کے لفظ میں اشارہ ہے کہ وہ عالم ارواحِ طیبات کا حیّزِ اصلی ہے جو جسمانی عوائق ہیں اُن کو توڑ اور چھوڑ کر اس طرح دوڑو کہ جس طرح قفس سے طائرِ خوش الحان اُڑ کر اپنے باغ میں جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے فیضِ صحبت سے یہ بات ہر صحابی کو میسر آ گئی تھی۔ چنانچہ بدر کے روز آنحضرت ﷺ مشرکین سے مقابل ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا قُوْمُوْا اِلٰی جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کہ اُس جنت کے لئے اُٹھو جس کا چوڑان زمین و آسمان کے برابر ہے۔ یہ سُنتے ہی عمیر ابن حمام رضی اللہ عنہ صحابی نے کہا! ہا! ہا۔ اُس کے بعد وہ اپنے توشہ دان سے چھوارے کھانے لگا پھر کہا اتنی دیر میں چھوارے کھاؤں یہ تو بڑا عرصہ ہے لو جنت ہی میں چل کر کھائیں گے۔ پھر یہاں تک لڑا کہ شہید ہو گیا۔ (رواہ مسلم)

اسی طرح جنگِ احد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو حالتِ وجد پیش آئی۔ جہاد کے موقع پر سَارِعُوْا کہنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جہاد میں تلوار سے طائرِ روح کے بند کٹ جاتے ہیں پھر جس کے بعد روحانی سلطنت اور بڑی سیر گاہ اور وسعت اور عالمِ سُور اور نُور ہے اور شمشیرِ محبتِ الٰہی بھی یہی کام کرتی ہے۔ دوسرا وصف اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ کہ وہ پہلے ہی سے تیار کی گئی ہے۔ وہاں کے لوگ اور احباب منتظر ہیں پھر لِلْمُتَّقِيْنَ میں اشارہ ہے کہ وہ پرہیزگاروں کا گھر ہے جو دولت اور حسب اور نسب سے حاصل نہیں ہوا۔

**متقین کے چند اوصاف:** ..... اس کے بعد متقین کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے تاکہ حقیقی متقی اور ادعائی متقیوں (تقویٰ کا دعویٰ کرنے والوں) میں فرق ہو جائے متقین کی دو قسم ہیں ایک محسنین دوسرے تابعین اور احسان کبھی تو دوسرے کو نفع پہنچانے سے ہوتا ہے اور کبھی ضرر نہ دینے سے ہوتا ہے اس لئے:

(۱) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ فرمایا جس میں نہ مال کی قید ہے نہ جس کو دیا جاوے اُس کا ذکر ہے بلکہ عام رکھا ہے خواہ اپنے کو خواہ بیگانے کو خواہ زکوٰۃ خواہ صدقہ نافلہ خواہ ہدیہ دیتے ہیں تنگی میں تھوڑا اور فراخ دستی میں بہت خواہ علم و حکمت صرف کرتے ہیں۔

(۲) وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ فرمایا کہ اپنے غصہ کو مارتے ہیں کسی سے بدلہ لینا نہیں چاہتے خواہ اپنا ہو خواہ بیگانہ۔ اس لئے آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اقتدار پا کر بھی اپنے دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک کیا ہے۔

(۳) وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ یعنی اپنے حقوق کا بھی کسی سے مطالبہ نہیں رکھتے بلکہ درگزر کرتے ہیں۔ اس لئے ان تینوں وصفوں کے بعد وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ فرمایا۔ اس کے بعد (۴) وصف توبہ ہے یعنی اگر ان سے کوئی گناہ از قسم زنا یا اور کوئی کبیرہ صغیرہ بشریت سے ہو جاتا ہے تو وہ تین باتیں کرتے ہیں (۱) خدا تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اُس کی تجلی سے جو کچھ کثافت روح پر آ گئی ہے دور ہو جاتی ہے (۲) اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہیں خدا تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں۔ (۳) جو کچھ ہو گیا ہے اُس پر اڑتے نہیں بلکہ ندامت کرتے ہیں اور آئندہ کو باز آتے ہیں۔ آگے ان کی جزا جنت فرما کر کلام کو اوّل اسلوب پر لایا گیا۔

**قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ**

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا
وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ
مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا
يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ
الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع ۱۴ ۵

ترجمہ: ...... تم سے پہلے (بہت سے) واقعات گزر چکے ہیں زمین میں پھر کر تو دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ ﴿۱۳۷﴾ یہ لوگوں کے لئے بیان ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے ﴿۱۳۸﴾۔ اور (اس شکست سے) ہمت نہ ہارو اور نہ غم کھاؤ ❶ اگر تم سچے مسلمان ہو تو تم ہی غالب ہو کر رہو گے ﴿۱۳۹﴾ گر تم کو کوئی زخم پہنچ گیا ہے تو دوسروں کو بھی ویسا ہی زخم پہنچ چکا ہے۔ اور اِن دنوں کو تو ہم لوگوں میں ہراتے پھراتے رہتے ہیں۔ اور (یہ زخم اس لئے پہنچا) کہ خدا کو (خالص) ایمانداروں کو جانچنا اور تم میں سے بعض کو شہید بنانا تھا۔ اور اللہ کو ستمگاروں سے محبت (ہی) نہیں ﴿۱۴۰﴾ اور (یہ اس لئے بھی کیا) تاکہ ایمانداروں کو پاک کرے اور کافروں کو مٹائے ﴿۱۴۱﴾۔ ❷ کیا تم یہ سمجھے ہوئے ہو کہ (یوں ہی) جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تک تو خدا تعالیٰ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جانچا بھی نہیں ﴿۱۴۲﴾۔ اور تم تو موت کے آنے سے پہلے (خدا کی راہ میں) مرنے کی آرزو کیا کرتے تھے سو اب تو تم نے اس کو آنکھوں سے دیکھ لیا (تو اب کیوں جی چُراتے ہو؟) ﴿۱۴۳﴾

ترکیب: ...... من قبلکم خلت سے متعلق ہے۔ ولا تھنوا ماضی وھن سے ہے وحذف ہے کیونکہ وہ کسرہ اور ی کے بیچ میں آگیا تھا الاعلون، اس کا مفرد اعلیٰ ہے التقائے ساکنین کی وجہ سے الف حذف کر کے اس کا یادگار فتحہ چھوڑ دیا گیا ہے قرح مصدر قرحۃ بمعنے زخم ہے اور قُرح بالضم زخم۔ تلک مبتدا الایام خبر نداولھا جملہ حال ہے ولیعلم معطوف ہے محذوف پر ای نداولھا لیکون کیت و کیت ولیعلم اللہ تاکہ معلوم ہو کہ اس گردشِ ایّام کی چند علتیں ہیں منجملہ اُن کے یہ اور یہ ہے ولیمحص معطوف ہے ولیعلم پر ام منقطعہ بمعنے بل۔

٭ ...... سنن جمع سنۃ بمعنی طریقہ مستقیمہ جس سے مراد واقعہ ہے جو طریقہ طبیعہ پر گزرتا ہے ۱۲ منہ۔ ❶ ...... اُحد کی لڑائی میں بعض مسلمانوں کی سوء تدبیری اور خدا اور رسول کی نافرمانی سے شکست ہوگئی تھی جس میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ وغیرہ ستر صحابہ کے قریب شہید ہو گئے تھے۔ اس پر منافق لوگ طعنہ دے کر مسلمانوں کو رنج دلاتے اور ہمت ہراتے تھے۔ ان آیات میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور مسلمانوں کو نصرت و فتح کا وعدہ دے کر مضبوط کیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ آئندہ خدا اور اُس کے رسول کی نافرمانی نہ کرنا ورنہ دنیا میں اور آخرت میں بھی فلاح نہ پاؤ گے۔ مسلمانوں پر جب کوئی آفت آتی ہے تو اُن کی نافرمانی سے آتی ہے۔ ❷ ...... محص: لغت میں پاک کرنا محق مٹانا ۱۲ منہ۔ ف: التمحیص الابتلاء و قیل التطہیر و قیل التخلیص و قیل التصفیۃ ۱۲ منہ۔ التمحیق محو الآثار و المحق نقصھا قلیلاً ۱۲ منہ

## ماضی کے حالات وواقعات سے سبق حاصل کیا جائے

**تفسیر:**...... جب کہ خدا تعالیٰ نے عالمِ آخرت کی رغبت اور جنت کا شوق دلایا اور جہاں پر جو اصلاحِ عالم کا باعث ہے آمادہ کیا تو یہاں پیشتر دنیا اور اہلِ دنیا کی بے ثباتی بیان فرمائی کہ تم سے پہلے کیا کچھ دنیا پر گزر چکا ہے۔ دنیا میں پھر کر دیکھو کہ فرعون وغیرہ سرکش لوگ کہاں گئے ان کے نعیم وناز خاک میں مل گئے انجام کار پرہیزگاروں نے فلاح پائی انبیاء علیہم السلام اور ان کی جماعت ہمیشہ کافروں سے لڑتے آئے ہیں۔ اس کے بعد اُس واقعہ کی طرف توجہ کرتا ہے جو جنگِ اُحد میں گزرا ہے (یعنی وہ جو کچھ مسلمانوں کو ہزیمت اور مصیبت پہنچی تھی اُس پر منافق ہنستے اور ایماندار دل میں آزردہ ہوتے تھے) کہ اگر تم کو کچھ زخم پہنچا ہے تو اس پر کچھ غم نہ کھاؤ نہ سستی اختیار کرو کیونکہ اس سے پیشتر جنگِ بدر میں تم اُن کو ہزیمت اور زخم دے چکے ہو دنیا میں زمانہ یکساں نہیں رہتا۔ کبھی رنج ہے، کبھی راحت۔ ہم لوگوں میں زمانہ کو یوں ہی اُلٹتے پلٹتے رہتے ہیں مگر انجام کار تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ ایمان پر قائم رہو۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے مطابق ظہور میں آیا۔ عرب کیا مشرق سے مغرب تک بڑے بڑے ملک صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ میں آگئے ایمان کی بدولت۔

**غزوۂ اُحد میں شکست کی حکمتیں:**...... پھر اس اُحد کی شکست میں کچھ حکمتیں ہیں اُن کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ اس میں ایک تو ایمانداروں کا امتحان مقصود تھا۔ دوم یہ کہ تم میں سے بہت لوگ عالمِ آخرت اور شہادت کے مشتاق تھے ان کو شہادت دینی تھی۔ سوم یہ کہ جو خالص مسلمان ہیں وہ اس معرکہ میں پڑ کر پاک ہو جائیں اور کفار مخالفین مٹ جائیں۔ کیونکہ ہمیشہ سے حق کی یہ تاثیر ہے کہ جہاں کہیں اُس کی جماعت کا خون بہا ہے وہ ایک نیا رنگ لایا۔ غیرتِ الٰہی جوش میں آئی۔ پھر جو لوگ کفار میں قابلِ اصلاح ہوتے ہیں ایمانداروں کی جماعت میں داخل ہو جاتے ہیں اور باقی لوگوں پر غیب سے وہ مار پڑتی ہے کہ نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔

**فوائد: غزوۂ اُحد میں شکست پر تسلی:**......(۱) جنگِ اُحد میں جو کچھ اہلِ اسلام پر مصیبت پہنچی تو خدائے تعالیٰ نے اُس کے لئے کئی طرح سے تسلی دی۔ اولاً تو یوں کہ انجام کار تم ہی غالب رہو گے۔ ثانیاً یہ کہ لَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا ثالثاً یہ کہ اگر تم کو زخم پہنچا ہے تو تم نے بھی ایسا ہی زخم ان کو بدر میں دیا تھا۔ رابعاً تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ کہ زمانہ یوں ہی ادلتا بدلتا رہتا ہے اگر کوئی مصیبت پیش آئے تو رنج نہ کرنا چاہیے ہمیشہ دن یکساں نہیں رہتے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

رنج وراحتِ گیتی مرنجاں دل مشو خرم
کہ آئین جہاں گاہے چناں، گاہے چنیں باشد

اس کے بعد مقتول ومجروح ہونے کے اسرار ودرجات بیان کئے کہ ہم کو تو بعض کا امتحان اور مومنین کا پاک کرنا اور کچھ لوگوں کو درجہ شہادت دینا اور کافروں کو مٹانا منظور تھا ان سب باتوں کے بعد پھر ایک نہایت تاکید اور تہدید کا حکم بھیجا کہ جس سے تمام اہلِ ایمان کانپ گئے اور طالبانِ عقبیٰ پر ایک کوڑا سا پڑ گیا وہ یہ کہ تمام ایمانداروں کو یہ سنا دو کہ تم یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ ہم یوں ہی اُس جنت میں کہ جو عالمِ سرور کی بادشاہت ہے چلے جائیں گے بغیر اس کے کہ جہاد نہ کرو اور صبر اور مشقت کی کسوٹی پر نہ کسے جاؤ اسی طرح ایک اور جگہ بھی فرمایا ہے الٓمّٓ ۞ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۞ کہ لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ بس اٰمَنَّا کہنا اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا اسلام اور آسمانی بادشاہت کے لئے کافی ہے اس پر کوئی آزمائش نہ ہوگی۔ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ سے تکیہ لگائے کعبہ کے سایہ میں بیٹھے تھے اور کفار قریش کا زور تھا ہر روز ایمانداروں پر ظلم اور ستم ہوا کرتا تھا۔ اس میں ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کونسا وقت آئے گا کہ جس میں ہم اس سے نجات پائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا ظہور ہوگا؟ یہ سنتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصہ

کے مارے سُرخ ہوگیا اور فرمایا کہ بس اتنی ہی تکلیف پر یہ نوبت آ گئی۔ واللہ تم سے پہلے انبیاء علیہم السلام اور اُن کے مخلصین آرے سے چیرے گئے ہیں اور وہ اُف بھی نہ کرتے تھے (اس کا مضمون کتب صحاح میں ہے) درحقیقت دنیا میں بادشاہ پانچ سات روپے ماہوار پر سپاہی نوکر رکھتا ہے کہ جس کو سر کٹانے میں کوئی دریغ نہیں ہوتا پھر جس بادشاہ حقیقی نے جان دی اور جسم کو ہزاروں خوبیاں عطا کیں، تندرستی دی لاکھوں نعمتیں پُشت در پُشت عطا کرتا چلا آیا ہے اس پر وہ عالم روحانی میں سلطنت کا وعدہ فرمائے اور یہی تنخواہ اس کے رسول ﷺ کی معرفت مقرر ہو جائے اور وہاں جانا بھی ضروری ہو پھر جو کوئی صرف زبانی اسلام اور ایمان پر بھروسہ کرے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں جان اور مال اور عزت و آبرو دینے کو دریغ رکھے، سو اُس کو قطعی جان لیجئے کہ طمعِ خام رکھتا ہے اور کچھ نہیں۔ یا دنیا میں جب کوئی کسی سے عشقِ مجازی رکھتا ہے تو دیکھئے اپنی آبرو اور مال اور جان کو اُس کے لئے دریغ نہیں کرتا۔ سینکڑوں لوگ برائے نام مسلمان ہیں یا مسلمانوں کی اولاد ہیں زبانی جمع خرچ بہت کچھ گاؤ تکیوں پر پُشت لگائے ہمدردی اسلام اور حُصولِ درجات آخرت کے لئے باتیں بناتے ہیں اگر اسلام کے لئے جان اور آبرو تو درکنار مال یا کسی مطلب میں کچھ بھی نقصان عائد ہوتا معلوم ہو تو پھر کہاں تھے ایسے سگِ دنیا انہی منافقین کی ذریّت ہیں کہ جن کا ذکر قرآنِ مجید میں بے شمار جگہ آیا ہے۔ انسان جنت اور اسکی خوشنودی کی امید جب رکھے کہ پہلے اپنے دل میں اپنے مال اور اولاد اور عزت و آبرو بلکہ جان عزیز اور ہر قسم کے عیش و راحت کو اُس معبود حقیقی پر نثار کرنے کو تیار ہو جائے ایسے ہی لوگوں کے لئے دارِ آخرت کی بادشاہی اور جنت میں دیدار الٰہی اور نعمائے غیر متناہی ہیں۔

---

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ
انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ
وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا
مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ
مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا
وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا
فِىْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ
ع الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ: ...... اور محمد (ﷺ) بجز اس کے کہ رسول ہیں (اور) کیا ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں، پھر اگر وہ (خود) مر گئے یا (کسی اور طرح) مارے گئے (تو) کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اُلٹے پاؤ پھر بھی جائے گا تو وہ خدا کا تو کچھ بھی نہیں بگاڑے گا۔ اور قدر دانوں کو اللہ تعالیٰ بہت جلد جزا دے گا۔ اور خدا تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی مر بھی تو نہیں سکتا (مرنے کا) وقت معین لکھا ہوا ہے۔ اور جو دنیا ہی کا بدلہ چاہتے ہیں تو ہم اُن کو (دنیا ہی میں) کچھ دیدیتے ہیں، اور قدر دانوں کو تو ہم بہت جلد جزائے (خیر) دیں گے۔ اور بہت سے نبی ہو گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ (راہ خدا میں) وہ کر بہت سے باخدا لوگ لڑے ہیں، پھر جو کچھ ان کو راہ خدا میں مصیبت پہنچی تھی اس سے نہ تو وہ (ہمت ہی) ہار گئے تھے اور نہ وہ سست ہی ہو گئے تھے اور نہ وہ دب گئے تھے۔ اور اللہ ثابت قدم لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔ اور وہ یہی کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ اور جو کچھ ہم سے اپنے کام میں قصور ہو گئے ہیں ان کو بخش دے اور (آئندہ) ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہم کو فتح دیجیو۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بھی بدلہ دیا اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ دے گا۔ اور خدا تعالیٰ کو نیکی کرنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان والو! اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تم کو (تمہارے دین سے ضرور) برگشتہ کر کے چھوڑیں گے۔ پھر تم نقصان میں جا پڑو گے۔ بلکہ تمہارا کارساز (تو) اللہ ہی ہے۔ اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔ (اطمینان رکھو) ہم ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیتے ہیں اس سبب سے کہ انھوں نے خدا کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک بنایا کہ جن کے لئے اس نے کوئی سند بھی نہیں اُتاری۔ (یہ تو دنیا کی سزا ہے اور آخرت میں) ان کا ٹھکانا آگ ہے، اور ظالموں کا بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

ترکیب: ...... ان تموت اسم کان۔ الا باذن اللہ خبر کتابا مفعول مطلق ہے ای کتب ذلک کتابا۔ موجلا اس کی صفت ہے۔ کاین اصل میں ای تھا کاف اس پر داخل ہو گیا اور نون خلاف قیاس تنوین کا لکھ دیا اب یہ بمعنی کم ہے۔ من نبی اُس کا بیان قتل نبی کی صفت سو یہ کاین مبتدا اور خبر محذوف ای فی الدنیا۔ قولھم اسم کان۔ الا ان قالو خبر وقیل العکس۔ ان شرطیہ تطیعوا شرط یردو کم جو اب اللہ مبداء مولاکم خبر بما اشرکوا اب سنلقی سے متعلق ہے اور ما مصدریہ مثوی مفعل ہے ثویت سے اس کا لام کلمہ ہے۔

## نبی کریم ﷺ کی خبر شہادت پر اہل سے خطاب

تفسیر: ...... جنگِ اُحد میں جب کہ وہ جماعت تیر اندازوں کی کہ جس کو نبی ﷺ نے گھاٹی پر بٹھایا تھا مشرکین کے پیچھے لوٹ (حصولِ مالِ غنیمت) کے لئے دوڑ پڑے ادھر سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو اُس وقت مشرف باسلام نہ ہوئے تھے ایک جماعت کو لے کر مسلمانوں پر آ پڑے اور باہم معرکہ کشت وخون بڑا گرم ہوا یہاں تک کہ عبداللہ بن قمہ حارثی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا تو مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ لواء بردار (علم بردار) لشکرِ اسلام نے اس کو ڈانٹا۔ اُس نے مصعب کو قتل کیا اور یہ شور مچا دیا کہ میں نے محمد (ﷺ) کو قتل کر ڈالا۔ اس آواز سے صحابہ رضی اللہ عنہم میں بڑی تشویش پھیل گئی یہاں تک کہ بعض لوگوں نے یہ چاہا کہ عبداللہ بن اُبی منافق سے یہ کہیں کہ وہ ابوسفیان سے امان مانگے۔ اس میں کچھ منافق بولے کہ اگر محمد (ﷺ) نبی ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ اپنے بھائیوں سے مل جاؤ اور

اپنے دین قدیم میں جاملو۔ انس بن النضر عم انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا اے قوم! اگر محمد ﷺ قتل ہو گئے تو محمد ﷺ کا خدا تو زندہ ہے پھر نبی ﷺ کے بعد تم جی کر کیا کرو گے؟

کیا۔ جی کر کروں کہ جی نہیں ہے

جی کو بر زندگی نہیں ہے

جس پر وہ شہید ہوئے تم بھی اس بات پر شہید ہو جاؤ۔ تھوڑے سے عرصہ کے بعد جب کہ طلحہ رضی اللہ عنہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ وغیرہ مردانِ اسلام آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور حملہ کر کے مشرکین کا منہ پھیر دیا تو آنحضرت ﷺ کی آواز سُن کر مسلمان دوڑ پڑے اور مشرکین کو بھگا دیا۔ اس واقعہ میں یہ آیتیں اہلِ اسلام کی تسلی کے لئے نازل ہوئیں کہ محمد ﷺ رسول اللہ ہیں جیسے کہ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں خدا نہیں جو ہمیشہ جیتے رہیں۔ پھر اگر وہ کسی لڑائی میں مارے جائیں یا خود مر گئے تو کیا تم پھر اُلٹے جاؤ گے اور کفر میں جا پڑو گے اور جو کوئی ایسا کرے گا تو خدا کو کچھ مضرت نہیں دے گا۔ ہاں جو کوئی دین پر قائم رہے گا تو اُس کو جزائے خیر دیں گے اور یہ سمجھو کہ اگر لڑائی سے موت آتی ہے تو تمہارا خیال غلط ہے اجل کا وقت مقرر ہے اُس سے پیشتر کوئی نہیں مرتا۔ اب رہا جہاد میں شریک ہونا اگر اس سے کسی کو لوٹ اور غنیمت مقصود ہے تو اس سے اُس کو دنیا ہی دیدیتے ہیں اور جو آخرت اور شہادت مدِ نظر رکھتے ہیں تو ہم ابھی بدلہ دیں گے آنکھ بند ہونے کی دیر ہے پھر تو وہاں سلطنتِ آسمانی اور عیشِ جاودانی موجود ہے۔ پھر اس کے بعد اہلِ اسلام سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ بہت سے ایسے نبی ہو گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ میں ہو کر باخدا لوگ مخالفانِ حق سے لڑے ہیں جیسا کہ موسیٰ اور یوشع بن نون وغیرہما پھر جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف پہنچی ہے (زخمی ہوئے مارے گئے گرمی اور بھوک اور پیاس اُٹھائی یا پیادہ سفر کئے ہیں) اس سے ان کا جوشِ ایمانی ٹھنڈا نہیں ہو گیا تھا اور نہ اُس کے بعد وہ جہاد سے ضعیف ہو گئے تھے نہ دشمنوں کی شوکت سے ان کے حوصلے پست ہوئے تھے دیکھو خدا تعالیٰ سے دعاء کر کے یہی کہا کرتے تھے کہ ہمارے گناہ اور جو کچھ ہم سے خدمتِ دین میں قصور ہوئے ہیں اُن کو معاف کر دے اور ہم کو آئندہ ثابت قدمی عطا کر اور کافروں پر فتحیاب کر (اس امت کو سنایا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی کرو) اور اعانتِ اسلام کر کے دل میں غرہ نہ ہو کہ ہم ہی نے ایسا کیا ہے۔ پھر ان کی اس سعی اور کوشش کا نتیجہ ذکر کر کے رغبت دلاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو دنیا میں بھی عمدہ بدلہ دیا۔

مخالفوں کی حکومت اور ملک اور عمدہ باغ اور مکان سب اہلِ حق کو دیئے۔ چنانچہ یوشع بن نون کے عہد میں بنی اسرائیل نے ملکِ شام لیا اور خدا تعالیٰ ان کو آخرت میں بھی اچھا بدلہ دے گا بلکہ دے دیا۔ وہاں اُن کے لئے وہ کچھ ہے جس کا بیان نہیں۔

**کفار و منافقین کی باتوں پر عمل کی ممانعت:**......اس کے بعد خدا تعالیٰ کفار اور منافقین کی باتوں پر عمل کرنے سے منع کرتا ہے جیسا کہ اُنھوں نے جنگِ اُحد میں کہا تھا (پیغمبر مارے گئے اپنے دین کی طرف پھر جاؤ) کہ اگر تم اُن کا کہنا مانو گے تو وہ تم کو کافر بنا کر چھوڑیں گے جس سے تم دنیا و آخرت کے خسارہ میں پڑ جاؤ گے۔ تم ایسے لوگوں کی بات کی (کہ جو اسلام کی توہین بیان کریں اور کہیں کہ اب اسلام دب گیا یہ پھر سبز نہیں ہوگا، مسلمان ایسے ہو گئے، یوں مغلوب ہو گئے) کچھ پروا نہ کرو تمہارا خدا حافظ و ناصر ہے، ہم کفار کے دل میں اُن کے کفر کی شامت سے رُعب ڈال دیں گے، اُن کا کر و فرِ ظاہری کچھ کام نہ آئے گا۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے مطابق واقع ہوا۔ روم اور ایران کے جرار سپاہ کے دل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا رعب ڈال دیا گیا جو کملی پوش اور بے سروسامان تھے۔ وہ دم بھر میں کچھ سے کچھ کر دیتا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ
فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا
وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا
عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۵۲ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ
وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا
فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۵۳ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ
اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ
مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ
يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ
بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ
مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۵۴
اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ
بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۵۵ ع ۱۶

ترجمہ:......اور بیشک اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب کہ تم اُن (کافروں) کو اُس کے حکم سے قتل کرنے لگے۔ یہاں تک کہ تم خود اُکھڑ گئے اور حکم میں جھگڑنے لگے اور نافرمان ہو گئے بعد اس کے کہ جو تم چاہتے تھے وہ تم کو خدا نے دکھا بھی دیا تھا۔ کچھ تو تم میں دنیا چاہتے تھے اور کچھ لوگ تم میں سے آخرت کے طالب تھے۔ پھر تم کو اُن سے (کافروں کے قتل کرنے سے) باز رکھا کہ تم کو آزمائے۔ اور خدا تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ایمانداروں پر بڑا (ہی) فضل ہے ۝۔ جب کہ تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مُڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے اور تم کو پیچھے سے رسول پکار رہا تھا سو اس لئے تم کو (خدا نے) غم پر غم دیا تا کہ تم جو چیز ہاتھ سے جاتی رہے اور جو پیش آئے اُس پر غم نہ کھایا کرو اور اللہ کو تمہارے (سب) کام معلوم

ہیں۔ پھر اللہ نے غم کے بعد تم پر امن نازل کیا وہ ایک اونگھ تھی جو تم میں سے ایک جماعت پر چھا رہی تھی اور ایک جماعت نے اپنی جان کو فکر میں ڈال رکھا تھا جو اللہ سے بدگمانی کر رہے تھے جاہلوں کی طرح سے کہہ رہے تھے کہ آیا کچھ ہمارے لئے بھی اختیار باقی ہے؟ (سوان سے) کہہ دیجئے کہ سب اختیار اللہ ہی کو ہیں، وہ اپنے دل میں وہ باتیں پوشیدہ رکھتے ہیں جو آپ سے ظاہر نہیں کرتے۔ کہہ رہے تھے کہ اگر کوئی بات ہمارے اختیار میں ہوتی تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے۔ کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں قتل ہونا لکھا گیا ہے وہ ضرور اپنے قتل ہونے کی جگہ نکل کر آجاتے (یہ اس لئے ہوا) تاکہ خدا تمہارے دلوں کے خیال آزمائے اور تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اس کو پرکھے۔ اور اللہ تو دلوں کی باتوں کو (خوب ہی) جانتا ہے۔ جو لوگ تم میں سے دونوں فوجوں کے مقابلہ کے روز پیٹھ پھیر گئے تھے ان کو تو صرف شیطان نے ڈگمگا دیا تھا ان کے بعض اعمال کی شامت سے۔ اور بیشک خدا تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ تو بڑا معاف کرنے والا بردبار ہے۔

ترکیب:...... صدق فعل اللہ فاعل کم مفعول اول وعدہ مفعول ثانی حتی متعلق ہے فعل محذوف سے ای دام ذلک الی وقت فشلکم والرسول جملہ موضع حال میں ہے بغم موضعِ نصب میں ہے صفت غم کی و قیل المعنی بسبب الغم۔ امنۃ اسم ہے امن کا ویقرء بالسکون فھو مصدر نعاساً بدل ہے امنۃ سے اور عطف بیان بھی ہوسکتا ہے۔ یغشی صفت نعاساً کی و طائفۃ مبتدا قداھمتھم خبر شئی اسم کان والخبر لنا ماقتلنا جواب لو کان الی مضاجعھم متعلق ہے لبرز سے ولیبتلی معطوف ہے محذوف پر ای فعل مافعل لیمیز ولیبتلی ولیمحص معطوف ہے ولیبتلی پر۔

## غزوۂ اُحد میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا نافرمانی کے سبب ہزیمت اٹھانا بعد ازاں ان پر اُونگھ کا طاری ہونا

تفسیر:...... پہلی آیت میں تھا کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے۔ اور فتح دینے والا ہے اور نیز عموماً اسلام کی فتح مندی اور ظہور کا وعدہ کیا گیا تھا اس پر اُحد میں شکست سی واقع ہوئی تو مدینہ میں آکر بعض منافق مسلمانوں سے کہنے لگے لو صاحب اچھا وعدہ خدا تعالیٰ نے پورا کیا ارے میاں ایسے وعدوں کا کیا اعتبار ہے؟ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ نے جواب دیا کہ اُس نے تو تم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا کہ تم نے اوّل ہی حملہ میں کفار کی جماعت کو تہ تیغ کر کے بھگا دیا مگر تم نے خود نافرمانی کر کے یہ مصیبت سر پر لی باوجودیکہ تمہارے سردار نے تیراندازوں کو کہا کہ یہاں سے نہ ہٹو مگر جب تم نے جھگڑا کیا اور اپنی مرغوب چیز یعنی فتح دیکھ لی اور کچھ تم میں سے دُنیا یعنی غنیمت کے طالب بھی تھے کافروں کو بھاگتا دیکھ کے اُن کے پیچھے پڑ گئے ان پر چڑھے چلے جاتے تھے، پیچھے سے رسول اللہ ﷺ پکار رہے تھے کہ پھر آؤ گھاٹی نہ چھوڑو مگر تم نے کسی کو مُڑ کر بھی نہ دیکھا اس نافرمانی اور رسول کو غم رسانی کے بدلہ میں خدا تعالیٰ نے تم کو کافروں کے قتل سے روکا یعنی اُن کے دل سے رعب اُٹھا کر تمہارے دلوں میں ڈال دیا تھا پیچھے سے کافروں نے گھاٹی پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو مارنا شروع کیا اسی لئے غم کے عوض ❶ میں تم کو خدا تعالیٰ نے غم دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے اور تم کو اس بات کی بھی عادت پڑے کہ جو کچھ فوت ہو جائے اُس پر اور جو کچھ مصیبت آجائے اُس پر رنج نہ کھایا کرو بلکہ مشیت اور قضائے الٰہی پر راضی ہو جایا کرو مگر اس کے بعد بھی خدا تعالیٰ نے تمہاری اس خطا کو معاف کیا اور مسلمانوں پر غیب سے اثنائے معرکہ میں ایک ایسی نیند ڈالی ❷ کہ جس میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ سے سیف (تلوار) گر گر پڑتی تھی اُس نیند کے بعد وہ رُعب جو اہلِ اسلام کے دل پر تھا جس طرح تکان دور ہو جاتی ہے اسی طرح دُور ہو گیا اور پھر جو حملہ کیا تو مشرکین بھاگ اُٹھے مگر جو لوگ منافق تھے اُن کو جان کی پڑی ہوئی تھی اُن کو نیند نہ آئی وہ خدا تعالیٰ سے جاہلوں کی طرح یہ

❶...... تم نے رسول کو نافرمانی کر کے مغموم کیا اُس کے بدلہ میں ہزیمت سے تم پر غم پڑا ۱۲ منہ۔ ❷...... ایسی حالت میں نیند کا آنا بھی ایک معجزہ تھا۔ ۱۲

بدگمانیاں کر رہے تھے کہ کیا اللہ کیا روز جزا سب بناوٹی باتیں ہیں۔ اور یہ بھی کہہ رہے تھے کہ کاش ہمیں کچھ قدرت واختیار ہوتا اور دل میں اور لغو باتیں بھی پوشیدہ رکھتے تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ اگر ہم کو کچھ اختیار ہوتا اور ہمارے کہنے کو پیغمبر مان کر مدینہ سے باہر نہ نکلتے تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔ (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے کہ یہ خیال لغو ہے کیونکہ جن کی تقدیر میں موت لکھی تھی تو خواہ مخواہ گھر بیٹھے بھی موت آ جاتی مگر ان باتوں سے خدا تعالیٰ تمہارے دل کی آزمائش کرتا اور مومنین کے دلوں کو پاک کرتا تھا اور اس امتحان کی خدا تعالیٰ کو کچھ ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ ہر ایک دل کی بات جانتا ہے بلکہ یہ امتحان صرف باہم بندوں کو دکھانے کے لئے ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے وعدہ اور مدد میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ چنانچہ اس کو تم نے دیکھ لیا۔ مگر خود تم نے نافرمانی کر کے ہزیمت اُٹھائی اور جو لوگ اُس روز بھاگے تھے تو اُن کو شیطان نے اُن کے بعض گناہوں کی شامت سے ڈگمگایا تھا جو اُنھوں نے رسول (ﷺ) کا کہنا نہیں مانا گھاٹی کو چھوڑ دیا۔ اور خیر اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ اس آیت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) یہ کہ تقدیر الٰہی کا لکھا ضرور پیش آتا ہے یہ صحیح ہے کہ عالم تدبیر میں جو کچھ سو تدبیری ہوتی ہے یہ نتیجہ بد اُس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور یہ عالم، عالمِ اسباب ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جب تقدیر کا لکھا پورا ہونے کو ہوتا ہے ویسے ہی اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے جو کچھ ہو گیا اُس پر زیادہ ملال کرنا بے فائدہ ہے آخر جب تمام عالم نے کسی شخص کو خالق اور مسبب الاسباب مان رکھا ہے تو پھر اُس کے بھی اختیارات ہیں کہ نہیں۔

(۲) دنیا میں جو کچھ انسان پر مصیبت آتی ہے وہ اُس کے اعمال بد کا ثمرہ ہوتا ہے۔ رہا اہلِ حق کا مخالفانِ حق کے ہاتھ سے شہید ہونا وہ مصیبت نہیں بلکہ وہ عین راحت ہے ایسی موت کے کیا کہنے ؎

سو زیست کو نثار کرو ایسی موت پر

(۳) یہ کہ ابتداء سے لے کے آخر تک جس قدر اہلِ اسلام مخالفوں کے ہاتھ سے شکست پاتے یا ذلت اُٹھاتے آئے ہیں سو یہ خدا تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا ثمرہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَىِٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ:..... ایمان والو! تم ان کافروں جیسے نہ ہو جاؤ جو اپنے بھائیوں کے حق میں جب کہ وہ سفر میں یا جہاد میں ہوتے ہیں یہ کہا کرتے ہیں (کہ) اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے (یہ باتیں اس لئے ان سے سرزد ہوتی ہیں) کہ خدا اس بات کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دے اور جلاتا اور مارتا تو اللہ ہی ہے۔ اور جو کچھ بھی تم کر رہے ہو خدا اُس کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿۱۵۶﴾ اور (اچھا) اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ

یا مرجاؤ بھی تو (کیا غم ہے) خدا کی مغفرت اور رحمت (جو ایسے مقتولوں کے لئے موجود ہے) ان کی تمام کمائی سے بہتر ہے۔ (مسلمانو!) اور اگر تم مرجاؤ گے یا مارے بھی جاؤ گے تو اللہ ہی کے پاس لائے جاؤ گے۔

**ترکیب:**......غزّٰی مشدد جمع غاز والقیاس غزاۃ کقاض و قضاۃ لیکن فعل کے وزن پر محمول ہو کر آیا ہے لو کانوا شرط ماماتوا جواب جملہ مقولہ ہے قالوا لاخوانھم کا لیجعل کا لام محذوف سے متعلق ہے أی اوقع ذلک فی قلوبھم لیجعله حسرۃ اور جعل بمعنی صیر۔ ممکن ہے کہ لامِ عاقبت ہو۔ ولئن شرط متم جمہور بضم میم پڑھتے ہیں وھو القیاس لان الفعل منه یموت اور بعض نے بالکسر پڑھا ہے۔ لمغفرۃ جواب۔

## منافقین کی حسرت کا بطلان

**تفسیر:**...... پہلے ذکر تھا کہ منافق کہتے ہیں کہ اگر جنگ میں ہم کو کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے۔ اُس کا جواب دے کر یہاں مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ تم ایسے سست اعتقاد اور عالمِ اسباب پر توکل کرنے والے نہ بنو جیسا کہ خدا کی قدرت کے منکرین ہیں جو اپنے بھائیوں سے یعنی برادری کے اُن لوگوں کے لئے کہ جو دُور دراز سفر میں یا جہاد میں جاتے اور وہاں قضاءِ الٰہی سے مرجاتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے۔ کیونکہ ان باتوں سے صرف دل میں حسرت اور افسوس پیدا ہوتا ہے جو ایک عذابِ روحانی اور بے فائدہ چیز ہے اور قضا تو کہیں ٹل نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ مارتا جلاتا ہے وہ ہر جگہ اسبابِ موت پیدا کر سکتا ہے اور مواقعِ قتل میں بچا سکتا ہے اور بالفرض اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے بھی گئے تو اس سے کیا بہتر؟ کس لئے کہ اگر شہید مرے یا یوں ہی مر گئے تو جبکہ خدا تعالیٰ خوش ہے تو کیا باک ہے اس کی مغفرت اور پھر رحمت تمہاری کمائی سے بہتر ہے کیونکہ جو کچھ مال و زر جمع کر رہے ہو اور اس کے لئے مارے مارے پڑے پھرتے ہو سب یہیں رہ جاتا ہے مگر اس کی مغفرت اور رحمت ساتھ رہتی ہے پھر اسی جملہ کو دوسرے پہلو سے تاکید کے لئے اعادہ فرمایا جاتا ہے وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ کہ اگر تم سفر یا جہاد میں مر گئے یا مارے گئے مر کر نیست و نابود نہیں ہو جاؤ گے بلکہ ایک دوسرے پیکر میں حیاتِ جاودانی پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے پاس جمع ہو گے۔ یہ نجات حقیقی ہے کس لئے کہ وہ نورِ اصل جملہ روحانیات نورانیہ کا ماویٰ و ملجا ہے۔ تمام ذرات آفتاب کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں مگر جب کوئی حائل ہو جاتا ہے تو مطلوبِ حقیقی تک نہ پہنچنے کے سبب جو اضطراب ہوتا ہے وہی بڑا عذاب ہے۔ اس جملہ میں مرجانے کو مارے جانے پر مقدم کر کے یہ ثابت کر دیا کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی میں مرجانا بھی فلاح کا باعث ہے۔

**شہادت ذریعۂ نجات ہے:**...... انسان کی تین حالت ہیں اوّل غفلت و گناہ اس کے لئے تو شہادت و مغفرت ہے دوم صلاح و طاعت ایسی حالت میں شہادت رحمت باعثِ ترقی درجات ہے۔ سوم خدا تعالیٰ کا شوق ایسی حالت میں شہادت باعثِ تقرب ہے جس کو اِلَی اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ سے تعبیر کیا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ

ف: یعنی ایسی باتیں جو سست اعتقاد کرتے ہیں ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا اس لئے کہ مرنا جینا خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے سفر اور جنگ میں بھی سب مر نہیں جاتے نہ وطن میں سب زندہ رہتے ہیں صرف دل کی حسرت اور افسوس ہے جو ایک قسم کا قلبی عذاب ہے ۱۲

حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾ إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾

ترجمہ:......پس کچھ اللہ کی رحمت ہی ہے جو آپ (اے نبی ﷺ) ان کے لئے نرم دل ملے۔ اور اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو (یہ لوگ کبھی کے) آپ کے پاس سے جُدا ہو گئے ہوتے۔ سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور اُن کے لئے (خدا سے) معافی مانگئے اور ان سے کام (کاج) میں مشورہ بھی لے لیا کرو۔ پھر جب کسی کام کا ارادہ ہی کر لیا کرو تو خدا ہی پر بھروسہ کیا کرو۔ ضرور خدا تعالیٰ کو توکل کرنے والوں سے محبت ہے ﴿١٥٩﴾ اگر اللہ تعالیٰ تم کو فتح دے گا تو کوئی بھی تم پر غالب نہ آئے گا۔ اور اگر وہ تم کو رسوا کرے گا (تو) پھر اس کے بعد کون تم کو فتح مند کر سکتا ہے؟ اور ایمانداروں کو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیئے ﴿١٦٠﴾۔

ترکیب:......فبما[ف] رحمة ما زائدہ ہے اخفش کہتا ہے جائز ہے کہ ما نکرہ ہو بمعنی شئی اور رحمة بدل ہو اُس سے اور ب لنت سے متعلق ہو۔ فاذا عزمت شرط فتوکل جواب ان ینصر شرط فلا غالب جواب۔

## آنحضرت ﷺ جیسا نرم خو نبی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملا

تفسیر:......اُحد کی لڑائی میں جو کچھ لوگ بھاگے اور بعض نے بھاگنے کا ارادہ کیا، اس پر اہلِ اسلام میں انگشت نمائی ہونے لگی اور خاص لوگ اُن کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے اور مشوروں میں بھی اُن کو شریک نہ کیا جاتا تھا، نہ کسی بات میں اُن سے صلاح لی جاتی تھی۔ یہ بات ان کی دل شکنی کا باعث تھی۔ اور چونکہ یہ بات بمقتضائے بشریت اُن سے سرزد ہو گئی تھی اُس کو خدا تعالیٰ نے معاف کر دیا تھا۔ اس لئے یہاں اپنے رسول ﷺ کو (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے کہ تم فضلِ الٰہی سے رحم دل ہو۔ اگر سخت دل اور کج خلق ہوتے تو لوگ آپ (ﷺ) کے پاس جمع نہ ہوتے۔ سو تم بھی ان کو معاف کر دو اور خدا تعالیٰ سے اُن کے لئے معافی مانگو اور امورِ دنیا میں بھی ان سے مشورہ کر لیا کرو۔ ہاں جب تم بعد مشورہ کے کسی کام کا پکا ارادہ کر لو تو خدا تعالیٰ پر توکل کرو اسبابِ ظاہریہ پر اعتماد نہ کرو۔ خدا تعالیٰ کو اہلِ توکل پسند ہیں کس لئے کہ اگر خدا تعالیٰ تم کو فتح دینا چاہے گا گو ظاہر میں تمہارے اسباب ضعیف ہوں تو تم پر کوئی غالب نہ ہو سکے گا اور جو تمہاری معصیت اور بدکاری کی وجہ سے تمہیں ذلیل کرنا چاہے گا تو کیسا ہی تمہارے پاس ہو تو کوئی تم کو مدد نہ دے سکے گا۔

فوائد: (۱) لِنتَ لَهُم... الخ حسن خلق کا باعث یہ ہوتا ہے کہ جب روح پر انوارِ قدس فائض ہوتے ہیں تو اُس کی قوتِ نظریہ اور عملیہ دونوں مکمل ہو جاتی ہیں پھر جو کچھ صدمہ اُس کو پہنچتا ہے اُس کو خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے جانتا ہے، نہ کسی پر اُس کو غصہ آتا ہے، نہ انتقام لیتا ہے یا جو راحت غیر کو پہنچتی ہے حسد نہیں کرتا۔ علیٰ ہذا القیاس جس قدر باتیں بدخلقی کی خام خیالی کے متعلق ہیں سب دُور ہو جاتی ہیں اور جب

[ف]......فبما عند سیبویہ وغیرہ زائدۃ مزیدۃ للتاکید وعند الاخفش وابن کیسان نکرۃ مجرورۃ بالباء ورحمة بدل منہا والفاء لترتب مضمون الجملة واللفظ الکریہ الخلق ماخوذ من ماء الکرش لکریہ الخلق وغلیظ القلب قساوتہ الانفضاض التفرق ۱۲ منہ۔

اس کو روحانیت کا مشاہدہ ہوتا ہے تو جسمانیات اور یہاں کے لذائذ اُس کی آنکھوں میں حقیر ہو جاتے ہیں نہ شہوتِ ناجائز رہتی ہے نہ حُب جاہ و مال جو تمام خرابیوں کی سرچشمہ ہے اور اسی لئے بزرگوں کے اخلاق حمیدہ ہوتے ہیں۔ آنحضرت علیہ السلام کے اخلاق اس درجہ حمیدہ تھے کہ قرآن مجید میں متعدد جگہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مدح کی ہے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔

**مشاورت کی ترغیب وفضیلت:**...... (۲) جو باتیں وحی اور الہام سے متعلق نہیں ان میں کسی سے مشورہ کی حاجت نہ تھی ہاں امور دنیا میں کہ کسی دن مخالفوں پر چڑھائی کرنی چاہیے اور کہاں قیام کرنا چاہیے وغیرہ ذٰلک ایسی باتوں میں آنحضرت ﷺ مشورہ کرتے تھے۔ اس لئے اُمت پر مشورہ مسنون ہوا۔ اور بیشک مشورہ میں چند رایوں کے ملنے سے قوت ہو جاتی ہے اور اس پر برکت بھی نازل ہوتی ہے اس لئے خلفائے اربعہ تک قیام امامت شوریٰ پر رہا تو عمدہ نتائج بھی برآمد ہوتے رہے اور جب سے شخصی سلطنت ہوئی اور تمام اختیارات ایک شخص کے ہاتھ میں آئے تو برکت جاتی رہی۔ اس لئے مشورہ نہایت عمدہ چیز ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ ؕ وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

ترجمہ: ...... اور کسی نبی کا (بھی) یہ کام نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ اور جو کوئی خیانت کرے گا تو جس چیز کی اُس نے خیانت کی ہے اُس کو قیامت میں لائے گا۔ پھر ہر شخص اپنے کئے کو پورا بدلہ پاوے گا اور کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا ﴿۱۶۱﴾۔ کیا وہ شخص جو مرضی الٰہی کے تابع ہو گیا ہو اُس کے برابر ہو سکتا ہے کہ جس نے خدا تعالیٰ کا غصہ حاصل کیا ہوا اور اس کا ٹھکانا (بھی) جہنم ہو ﴿۱۶۲﴾۔ اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں کے (مختلف) درجے ہیں۔ اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿۱۶۳﴾۔

**ترکیب:** ...... لنبی خبر ما کان ان یغل اسم۔ و من شرطیہ۔ یأتِ جواب افمن من بمعنی الذی مرفوع ہے بسبب مبتدا ہونے کے کمن باء خبر ھم مبتدا در۔ جات اَیْ ذو درجات خبر۔

## خیانت شانِ نزول کے خلاف ہے

**تفسیر:** پہلے (حکم) تھا کہ مشورہ میں (صحابہ کرامؓ وغیرہ کو) شریک کر لیا کرو مگر اُس کے ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا کہ اگر نبی ﷺ ایسے امور میں مشورہ نہ کرے اور مصالح اور اسرار سلطنتِ آسمانی تم پر ظاہر نہ کرے کہ جو تمہارے فہم سے بالا ہیں تو تم کو یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ پیغمبر ﷺ نے خیانت کر لی کس لئے کہ نبی ﷺ کس لئے کہ نبی ﷺ خدا تعالیٰ کا امین ہے اس کی شان خیانت نہیں کیونکہ نبی ﷺ کو حق الیقین ہے کہ جو کوئی دنیا میں خیانت کرے گا قیامت کو اُس کی خیانت ظاہر کی جائے گی اور پھر ہر شخص کو اُس کے اعمال کی پوری سزا دی جائے گی۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ غنائم کے تقسیم کرنے میں کوئی مصلحت ملحوظ رکھیں یا قوم اور رفاہِ عام کے لئے اس میں سے کوئی حصہ بیت المال میں جمع کریں یا کسی وجہ سے تقسیم غنائم میں دیر ہو تو تم منافقوں کے کہنے سے

اپنے نبی (ﷺ) کی طرف ایسی بدگمانی ہرگز جائز نہ رکھو۔ منافق عبداللہ بن اُبی وغیرہ ایسے ایسے شبہات مسلمانوں کے دل میں ڈالا کرتے تھے۔ اور یہ ضروری ہے کہ جب سردار کی نسبت ناجائز بدگمانیوں کا دروازہ کھلتا ہے تو انجام کار بغاوت اور پھوٹ پڑ کر قوم اور ملت کی شوکت اور برکت جاتی رہتی ہے یہ اہلِ اسلام کو اپنے سرداروں اور پیشواؤں کی نسبت ادب ملحوظ رکھنا تعلیم فرمایا۔

**ہر قسم کی خیانت کی ممانعت:** ..... یَاْتِ بِمَا غَلَّ اس میں عموماً ہر قسم کی خیانت کی بُرائی ہے اور عام امت کو تعلیم ہے کہ نہ مال میں خیانت کریں، نہ راز داری میں، نہ احکام الٰہی میں نہ اس بارِ امانت میں جو روزِ ازل بنی آدم کے سر پر دھرا گیا ہے، نہ اپنے حاکم اور سردار کی اطاعت میں، نہ بیوی میاں کے مال و آبرو اور عصمت میں خیانت کرے۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ قیامت کو انسان کے اعمال متشکل ہو کر آویں گے جیسا کہ ہم نے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔

**خیانت شانِ نبوت کے خلاف ہے عصمت محمد رسول اللہ ﷺ:** ..... اس کے بعد خدا تعالیٰ اس بات کی کہ نبی ﷺ کی شان خیانت نہیں تاکید کرتا ہے کہ نبی ﷺ ہمیشہ رضائے مندی الٰہی کے تابع ہوتا ہے اور خیانت کرنے والا ناراضی حاصل کر کے جہنم میں ٹھکانا بناتا ہے سو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ؟ یعنی برابر نہیں ہیں۔ جب انسان کی روح پر تجلی ذاتی ہوتی ہے اور کدوراتِ بشریہ کو آبِ عصمت سے دھویا جاتا ہے تو اُس سے ہرگز معصیت سرزد نہیں ہو سکتی یہاں سے آنحضرت علیہ السلام کا معصوم ہونا پایا گیا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اہلِ اصلاح خدا تعالیٰ کے نزدیک باعتبار استعداد نفوس کے سعادت اور کمال کے مختلف درجوں پر ہیں۔ پھر تنبیہ کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ بندوں کے اعمال دیکھ رہا ہے اُس سے ہر شخص کو ہر وقت ڈرنا چاہئے امانت ملحوظ رکھنے کے لئے یہ جملہ کہا ہے تاکید اور مضمون کی لہر ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ: ..... بیشک اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں پر بڑا ہی احسان کیا جب ان میں انہی میں کا رسول ﷺ بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور بے شک اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

ترکیب: ..... اذ ظرف ہے من کا۔ انفسھم صفت ہے رسولاً کی یتلوا اور یزکیھم اور یعلمھم الکتاب جملہ حال ہیں رسولاً سے وان مخففہ ہے مثقلہ سے۔

## بعثتِ رسول کے بنیادی اُصول

**تفسیر:** ..... فرمایا تھا کہ نبی ﷺ کی شان غلول و خیانت نہیں۔ یہاں اس بات کو اور بھی ثابت کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تو تم پر رسول بھیج کر (جو تم میں پیدا ہوا ہے جس کے وقائع عمر یہ سے تم خوب واقف ہو کہ اُس نے کبھی کوئی خیانت نہیں کی نہ کبھی جھوٹ بولا نہ دنیا کی محبت اُس کی طرف آئی اور وہ اہل ایمان کو کتاب الٰہی بھی پڑھ کر سناتا ہے اور اُن کو پاک کرتا ہے اور حکمت سکھاتا ہے اور اس سے پہلے جو کچھ عرب کی حالتِ خراب تھی ظاہر ہے) احسان کیا ہے پھر یہ احسان اور اصلاح ملک جو تم نے دیکھی کبھی خائن کے بھیجنے سے بھی حاصل ہو سکتی ہے؟۔

**الہام اور نبوت کی ضرورت:......** واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو عقل عطا کی ہے کہ جو اس کو نیک و بد تمیز کر کے دکھاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس عقل وادراک کا محل جسمِ خاکی بنایا جس کا اثرِ طبعی تاریکی اور توہمات ہیں جیسا کہ ہم ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں اس لئے عقل کا رہنما الہام قرار پایا جس طرح کہ آنکھ میں بصارت رکھی ہے مگر وہ بغیر مدد آفتاب یا اور کسی روشنی کے نکمی ہے۔ یہی حال عقل اور الہام کا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے دنیا میں رسولوں کی جماعت بھیجی تا کہ کسی کو کچھ عذر باقی نہ رہے لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ اور جب شریعت میں کچھ فرق آیا یا زمانہ کی مصلحت کے موافق کچھ تبدل و تغیر مقصود ہوا تو ایک رسول کے بعد دوسرا رسول آیا کیا یہاں تک کہ اخیر زمانہ میں جب کہ حضرت مسیح علیہ السلام آچکے اور اُن کی شریعت اور کتاب میں لوگوں نے سخت تبدل و تغیر کر دیا (جیسا کہ پولوس اپنے زمانہ میں کہتا ہے) اور عرب میں بت پرستی اور زنا کاری اور قزاقی کا بازار گرم ہوا اور ادھر ایران اور ہند وغیرہ ملکوں میں بت پرستی اور توہمات باطلہ کے اتباع نے سخت رواج پایا تو تمام عالم کی اصلاح کے لئے عالی جناب حضرت محمد ﷺ کو ملکِ عرب سے مبعوث کیا اور پھر سب سے اوّل عرب کو مِنْ اَنْفُسِهِمْ ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی نبوت پر یقینِ کامل آگیا چند وجہ سے

**دلائل نبوت محمد رسول اللہ ﷺ:......** (۱) یوں کہ آنحضرت ﷺ انہی کے شہر میں پیدا ہوئے وہ لوگ ابتدائے عمر سے لے کر اخیر تک آپ کے چال چلن سے خوب واقف تھے کبھی سوائے پاکدامنی اور راستبازی اور ترک حُبِّ دنیا اور گوشہ نشینی اور خدا پرستی اور راست گوئی کے اور کچھ نہیں دیکھا پھر جب ایسا شخص ایک ایسا دعویٰ کرے کہ جس میں نہ کوئی دنیا کا مطلب تھا نہ آرامِ نفس تھا بلکہ سینکڑوں بلاؤں کا مقابلہ تھا سوائے سچ کے اور کیا گمان کیا جائے؟۔

(۲) بعد نبوت کے کفار نے آنحضرت ﷺ کو مال دینا چاہا، حسین و جمیل عورتیں دینے کا وعدہ کیا کہ آپ ﷺ اس دعوائے نبوت سے باز آئیں مگر آپ ﷺ نے بجائے اس کے فقر و فاقہ پر قناعت کی، برادری اور اہلِ شہر کے لیے ہزاروں تکلیفیں اُٹھائیں، ظلم پر ظلم برداشت کئے اگر خدانخواستہ آپ اپنے دعوے میں جھوٹے ہوتے اور دنیا کا کوئی لالچ یا کسی شہوانی خواہش میں کامیابی مقصود ہوتی تو کبھی اُس پر قائم نہ رہتے۔

(۳) مدینہ طیبہ میں جانے کے بعد اور ہر قسم کا غلبہ اور اقتدار پانے کے بعد بھی آپ ﷺ کی وہی حالت رہی جو پہلے تھی وہی عبادت وہی ترکِ دنیا، وہی فروتنی، مساکین کو تقسیم کر کے آپ فقر و فاقہ سے گزران کرنا وہی راتوں کو محبتِ الٰہی میں جوش و درد سے رونا۔

(۴) ابتدائے عمر سے لے کر اخیر تک سینکڑوں کرامتیں اور معجزات دیکھے یہ سب باتیں مِنْ اَنْفُسِهِمْ سے علاقہ رکھتی ہیں جس پر خدا تعالیٰ عرب کو اپنا احسان یاد دلاتا ہے اور مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے معنے اگر نوعِ انسان لئے جائیں تو کل بنی آدم اور بنی اسمٰعیل و ابراہیم کا فخر ہیں۔ اس کے بعد سب سے بڑا معجزہ جو تمام بنی آدم نے دیکھا اور جس کا اب بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا ذکر فرماتا ہے وہ یہ کہ عرب کی جو اس وقت حالت ذلیل و خراب تھی کسی کی نہ ہوگی وہ لوگ محض وحشی جاہل شہوت پرست درندہ تھے آنحضرت ﷺ نے ان کو آیات الٰہی سنا کر مزکّی کر دیا ہر وحشی جاہل علم اور اخلاقِ حمیدہ کا سرچشمہ ہو گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تاریخ سے اس کا بخوبی ثبوت ہو سکتا ہے اور پھر اُن کو کتاب اور حکمت سکھا کر تمام بنی آدم کے لئے حکیم اور معلّم کر دیا۔ چنانچہ جہاں جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم گئے توحید اور خدا پرستی اور راستبازی کے آفتاب نے اُن ملکوں کو منور کر دیا۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ

مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ یَوْمَ الْتَقَى

الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ۖۚ وَقِیْلَ

لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا

لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ یَوْمَىٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ ۚ یَقُوْلُوْنَ

بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

ترجمہ:......کیا جب تم پر کوئی مصیبت آ پڑی، حالانکہ اس سے دو چند [ف] مصیبت تم (بھی) اُن کو پہنچا چکے ہو، تو یہ کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آ گئی ؟ (اے نبی ﷺ) کہہ دو یہ (مصیبت) تمہارے اپنے ہی کرتوتوں سے آئی ہے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۶۵﴾۔ اور جو کچھ مصیبت تم کو دونوں لشکروں کے مقابلہ کے دن پہنچی تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے پہنچی اور اس لئے بھی کہ خدا تعالیٰ کو ایمانداروں اور منافقوں کو معلوم کرنا تھا ﴿۱۶۶﴾۔ اور اُن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو یا (دشمنوں کو) دفع کرو۔ (تو) کہہ دیا کہ اگر ہم لڑنا جانتے تو تمہارے پیچھے ہی نہ ہو لیتے۔ اور اُس روز بہ نسبت ایمان کے کفر سے نزدیک تر تھے۔ اپنے مُنہ سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ کہ وہ (دل میں) چھپا رہے ہیں ﴿۱۶۷﴾۔

---

ترکیب:...... لما کلمۂ تقیید بمعنی شرط۔ اصبتم موضع رفع میں صفت ہے مصیبۃ کی۔ قلتم... الخ جملہ شرطیہ اور تمام جملہ محل استفہام یا محض جواب۔ وما بمعنی الذی جملہ مبتدا فباذن اللہ خبر و لیعلم معطوف ہے محذوف پر۔ للکفر اور للایمان کا لام اقرب سے متعلق ہے یقولون جملہ مستانفہ ہے اور حال بھی ہوسکتا ہے ضمیر اقرب سے اَی قربوا الی الکفر قائلین۔

## غزوۂ اُحد میں ہزیمت کے حوالہ سے شہادت کا جواب

تفسیر:...... پہلے منافقین کے اوّل شبہ کا جواب دیا کہ نبی کی شان خیانت نہیں یہاں منافقین کے دوسرے شبہ کا جواب دیتا ہے جو کہ وہ ضعفاء اہلِ اسلام کے دل میں اُحد کی ہزیمت سے ڈالتے تھے وہ یہ کہ اگر یہ رسول ﷺ برحق ہیں تو اُن کو اُحد کے روز ہزیمت کیوں ہوئی ؟ اور باوجود وعدہ غلبہ اسلام کے یہ مصیبت کہاں سے آئی ؟ چونکہ خدا تعالیٰ کو اپنے اس لشکرِ اصحاب رضی اللہ عنہم سے آئندہ بہت کچھ کام لینا تھا اور جنگوں میں ہر چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو خارقِ عادت فتوحات بھی نصیب ہوئیں مگر کبھی شکست بھی ہونا عالمِ اسباب کے مقتضیات سے ہے اس لئے منافقوں کے اقوال نقل کر کے آئندہ کے لئے مسلمانوں کو پکا کر دیا کہ اگر پھر کبھی ایسی صورت پیش آئے تو مذبذب اور بودے دل کے نہ ہو جائیں۔ کامل عزیمت کے یہ معنے ہیں کہ اگر کسی کام میں سو بار بھی ناکامی ہو پھر بھی وہ ہمت بندھی رہے اور ہمت کا قائم رہنا فتح مندی اور کامیابی کی دلیل ہے۔ عبداللہ بن اُبی وغیرہ کہتے تھے کہ یہ مصیبت کیوں آئی ؟ اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے کہ تم تو اس سے دو چند ہزیمت خاص بدر اور اُحد کے روز مخالفوں کو دے چکے ہو پھر یہ کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آئی ؟ اے نبی ﷺ! کہہ دو کہ یہ تمہاری شامتِ اعمال اور

---

[ف]...... یعنی بدر میں تم کفار پر دو چند مصیبت ڈال چکے ہو اب اُحد کی لڑائی میں جو کچھ تم پر مصیبت آ گئی تو کہتے ہو کہ یہ کیوں آئی اور کہاں سے آئی حالانکہ یہ تمہاری نافرمانی سے آئی ہے اور نافرمانی کا یہ حال تھا کہ جب منافقوں کو جنگ میں شریک ہونے کو کہا گیا کہ چلو لڑیں اور یہ نہیں تو اپنے شہر سے ہٹا ہی دیں تو حیلہ کرنے لگے کہ ہمیں لڑنا نہیں آتا ۱۲ منہ

نافرمانی سے آئی۔ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر توضیح کرتا ہے کہ مقابلہ کے روز جو کچھ پیش آیا وہ مقدر تھا اُس میں مخلصین اور منافقین کا امتحان مقصود تھا۔ پھر اُس روز کی کیفیت جو منافقوں سے ظہور میں آئی بیان فرما کر اُن پر کوڑا سا مارتا ہے وہ یہ کہ جب مقابلہ کو آنحضرت ﷺ نکلے تو عبداللہ بن اُبی کی رائے یہ تھی کہ شہر سے باہر نہ نکلو۔ اگرچہ وہ بھی لشکرِ اسلام میں شامل ہو کر نکلا مگر عین مقابلہ کے وقت مع تین سو آدمیوں کے بھاگ پڑا جب اُس سے عبداللہ ابن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے بھلے مانس! تو ہمیشہ سے دعویٰ اسلام کیا کرتا تھا اب خدا تعالیٰ کی راہ میں لڑ اور اگر اسلام پر تیرا عقیدہ نہیں تو پاسِ شہر اور برادری سے ہی مخالفوں کو ہٹا۔ اُس نے کہا صاحب ہم کو لڑنا نہیں آتا اگر آتا تو ہم تمہارے تابع رہتے۔ یہ بات اس نے بطورِ طعن کے کہی تھی کہ میرا کہنا کیوں نہ مانا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اُس روز بہ نسبت ایمان کے کُفر کے زیادہ قریب تھے۔ کیونکہ ان کے بھاگنے سے کُفر کو مدد ملی اور یہ باتیں صرف زبان سے کہتے ہیں دل میں کفر پوشیدہ ہے اللہ تعالیٰ اُس سے خوب واقف ہے۔

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِہِمۡ وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ
اَنۡفُسِکُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ
سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰہُمُ
اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۙ وَیَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ مِّنۡ خَلۡفِہِمۡ ۙ اَلَّا
خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضۡلٍ ۙ
وَّاَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷۱﴾

وقف لازم ع

ترجمہ:...... (یہ وہی لوگ ہیں) جنہوں نے (گھروں میں) بیٹھ کر اپنے بھائیوں کی نسبت (یہ) کہا تھا کہ اگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ (اے نبی ﷺ! ان سے کہہ دو) تم اپنے اُوپر سے (ہی) موت کو ٹال دینا اگر تم (اپنی بات کے) سچے ہو﴿۱۶۸﴾۔ (اے مخاطب!) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں آپ اُن کو مُردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے روزی پاتے ہیں﴿۱۶۹﴾ (اور) جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اُس پر خوش ہیں اور وہ ان لوگوں کی طرف سے بھی کہ جو اُن کے پیچھے (دنیا میں زندہ) ہیں (اور) ابھی ان میں (جا کر شامل نہیں ہوئے ہیں خوشیاں مناتے ہیں) کہ ان پر کچھ بھی خوف نہیں نہ ان کو کوئی غم ہوگا﴿۱۷۰﴾۔ خدا تعالیٰ کی نعمت سے اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ کسی ایماندار کا اجر ضائع نہیں کرتا خوشیاں مناتے ہیں﴿۱۷۱﴾۔

ترکیب: الذین ... الخ صفت ہے الذین نافقوا کی لو اطاعونا شرط ماقتلوا جواب جملہ مقولہ قالوا کا الذین قتلوا مفعول اول لاتحسبن کا امواتا مفعول ثانی یرزقون صفت احیا۔ ویستبشرون معطوف ہے فرحین پر کیونکہ اسم فاعل اس جگہ مشابہ فعل مضارع ہے من خلفھم متعلق ہے یلحقوا سے الا خوف ای بان لا خوف علیھم ان مصدریہ ہے اور موضع جملہ کا بدل ہے الذین سے بدل الاشتمال۔

## موت ہر ایک کو آنی ہے

**تفسیر:**...... یہ بھی منافقوں کا ایک شبہ مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے روکنے کے لئے تھا کہ وہ اپنے اپنے بھائیوں کی نسبت جو کہ جنگ میں شہید ہو گئے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو مارے نہ جاتے چونکہ حیات ایک مرغوب چیز اور مرنے سے ڈرنا ایک طبعی بات ہے پھو جب اُس کو اس شبہ سے قوت دی جائے تو خواہ مخواہ گھر میں چھپ کر بیٹھنے کو دل چاہے گا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ان سے یہ کہہ دو کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بھلا گھر بیٹھے تم موت سے بچ جاؤ۔ تمام امور جو عالم حسی میں سرزد ہوتے ہیں اور ظہور کرتے ہیں وہ عالم مثالی میں ثابت ہو چکتے ہیں وہ ظاہر ہو کر ہی رہیں گے۔ اسی طرح موت کا بھی وقت معین ہے خواہ اس وقت گھر میں ہو یا جنگ میں ضرور مرے گا خواہ مُفت نامردی اور بدنصیبی کا دھبہ لگا لے یا جوانمردی اور سعادت کا مرتبہ حاصل کر لے۔

**شہداء کے درجات:**...... اس کے بعد یہ بتلایا جاتا ہے کہ اچھا اگر وہ مر گئے تو کیا خسارہ میں رہے۔ آخر چند روز کا پیش پس ہے ورنہ سب کو مرنا ہے پھر اسے کون خوش نصیب زیادہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جائے اس لئے اب خدا تعالیٰ شہیدوں کے درجات بیان فرماتا ہے کہ اے مخاطب! تو ان لوگوں کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں یہ نہ سمجھو کہ وہ مر گئے بلکہ وہ اپنے خدا تعالیٰ کے پاس زندہ ہیں اور یہ زندگی کچھ فرضی نہیں جیسا کہ نیک نام کو لوگ مجازاً زندہ کہہ دیا کرتے ہیں اس معنی سے کہ لوگوں میں اس کا نام زندہ ہے بلکہ ان کو حیاتِ جاودانی اور حقیقی زندگی ہے وہ یُرْزَقُوْنَ روزی دیئے جاتے ہیں اور وہ روزی، مشاہدۂ انوار اور خدا تعالیٰ کی تجلی اور جنت کی بیشمار نعمتیں ہیں اور اس کے سوا اُن کو وہاں ہر وقت خدا تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں سے فرحت اور سرور بھی ہے اور جو لوگ اُن کے اقارب اور دوستوں میں سے ابھی زندہ ہیں اور اُن کو اُن کی طرف سے فکر ہے کہ دیکھئے وہ کیسے اعمال کرتے ہیں اور مر کر کہاں جاتے ہیں جیسا کوئی مسافر منزل سخت اور ہولناک طے کر کے اپنے مقام پر جہاں ہر قسم کا آرام ہے پہنچ جائے اور اس کے متعلق لوگ پیچھے ہوں اور اُس کو فکر ہو کہ دیکھئے منزل کیونکر طے کرتے ہیں۔ سو ان کو وہاں خوشی سنائی جاتی ہے کہ تمہاری برکت سے اُن پر بھی کچھ خوف و غم نہیں وہ بھی تمہارے ہی پاس آتے ہیں (عالم روحانی میں ان احیاء کو دنیا کا علم اور اشتیاق بھی رہتا ہے) اور یہ بھی مُژدہ سنایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے اجر اور دینی خدمت کو ضائع نہیں کرتا ہے تم اپنی نوکری پوری کر چکے ہو اب تم پر رحمت ہے۔

**فائدہ: شہداء مُردہ نہیں زندہ ہیں:**...... (۱) شہیدوں کے زندہ ہونے سے ابوالقاسم وغیرہ معتزلہ نے یہ مُراد لی ہے کہ وہ قیامت کو زندہ کئے جاویں گے کیونکہ منافق بعث و حشر کے قائل نہ تھے سو وہ اس موت کو رائیگاں سمجھتے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے اُن کے قول کو رد کر دیا اہلِ سنت کے نزدیک یہ قول غلط ہے کس لئے کہ خدا تعالیٰ ان کو احیاء (یعنی بالفعل زندہ ہیں) فرمارہا ہے اور اسی طرح کبھی بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ شہید تو جنت میں پہلے جاویں گے مگر جو لوگ ہنوز جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اُن کی طرف سے اُن کو فکر ہو گی سو اس لئے اُن کو بشارت دی جائے گی کہ وہ بھی تمہارے پاس آتے ہیں۔ یہ توجیہ بھی بناء الفاسد علی الفاسد ہے وہ احادیث جو شہیدوں کے بالفعل زندہ ہونے پر دلالت کر رہی ہیں حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں صحاح و دیگر کُتبِ حدیث اُن سے مالا مال ہیں۔

(۲) بعض حمقاء نے اس سے مجازی معنے مراد لئے ہیں کہ اُن کا نام زندہ رہتا ہے کیونکہ قوم اور ملت پر قربان ہوئے ہیں مگر یہ بھی لغو ہے۔ کیونکہ سیاق اور سباق کلام اور احادیث اور اجماع امت کے برخلاف اور تاویلِ باطل ہے۔ پھر جو ان کو بالفعل زندہ مانتے ہیں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اُن کے اسی جسم میں حیات دی جاتی ہے شاید اس سے یہ مُراد ہو کہ شہیدوں کی روحانیت اور بقاء باللہ کا اثر بعض اوقات اُن کے اجسام تک بھی پہنچتا ہے اس لئے سینکڑوں برسوں کے بعد جو کبھی شہیدوں کی لاشیں برآمد ہوئی ہیں تو اُن کا جسم بھی تر و تازہ پایا گیا

ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطاء میں لکھا ہے کہ اُحد کے پہاڑ کے نیچے جو برساتی نالہ بہتا ہے ایک بار جو اُس نے زور کیا تو جنگ اُحد کے بعض شہیدوں کی لاش نکلی جس سے بدستور خون جاری تھا اور یہ معاملہ بنی امیہ کے عہدِ سلطنت میں ہوا۔ اور یہی سرّ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی لاشوں میں بھی وہ اثر ہو جاتا ہے کیوں نہ ہو پھول کا اثر مٹی میں ہو جاتا ہے روح تو بڑی چیز ہے۔

**اللہ تعالیٰ مؤمنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا بلکہ شہداء کو تو حیاتِ ابدی نصیب ہوتی ہے:**.....جمہور اہلِ سنت و الجماعت کا یہ قول ہے کہ ان کو حیاتِ روحانی نصیب ہوتی ہے یوں تو ہر شخص کافر و مومن کی روح نہیں مرتی کس لئے کہ اصل انسان روح کا نام ہے کہ جو ایک جوہر لطیف ہے اور روح کا علاقہ جسم سے وہ ہے جو آگ کا لکڑی دہکتی سے یا خوشبو کا پھول سے یا علاقہ تدبیر و تصرّف اور مرکّب کا ہے جس کو موت کہتے ہیں اُس سے وہ علاقہ جسمی منقطع ہو جاتا ہے اور روح قائم و سالم، دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتی ہے ہاں جو کافر و منافق یا گنہگار ہیں وہاں اُن کی روح اپنے اعمال کے اُس رنگ سے جو دنیا میں اُس پر چڑھا تھا عذاب پاتی ہے جہنم کی آگ میں جلتی ہے اور جو ابرار اور نفوسِ قدسیہ ہیں وہ انوارِ الٰہیہ اور عالمِ نورانی میں مسرور ہوتے ہیں اور مشاہدہ جمال سے لذّت اُٹھاتے ہیں اور اُن کی روح اپنے جسم لطیف کے ساتھ جنت اور عالمِ قدس کے باغوں میں جہاں چاہتی ہے عیش مناتی پھرتی ہے۔ چنانچہ وہ جو احادیث میں آشیانہ عرش میں رہتی ہے اور جنت میں جہاں سے چاہتی ہے کھاتی پیتی ہے) اُس سے یہی مراد ہے بلکہ کبھی اس عالم میں بھی صورتِ جسدانیہ میں سیرایت کر جاتی ہیں جیسا کہ ثقات کو بارہا مشاہدہ ہوا ہے چونکہ جسم سے علاقہ منقطع ہو جاتا ہے اس لئے اُن کے مال میں میراث جاری ہوتی ہے اور ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح درست ہو جاتا ہے سو ابرار کا اُس عالمِ سرور میں جانا اصل زندگی ہے اس لئے ان کو بالتخصیص زندہ کہہ سکتے ہیں خصوصاً شہید فی سبیل اللہ کو جو اپنی حیات کو اللہ تعالیٰ کی نذر کر دیتا ہے اس لئے اس کو حیاتِ ابدی اُس کو بدلہ نصیب ہوتی ہے کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زمان از غیب جانے دیگر است

(۳) خدا تعالیٰ نے یسعیاہ نبی کی معرفت جیسا کہ کتاب یسعیاہ کے بیالیسویں باب میں ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی نسبت یہ خبر دی ہے (۱) دیکھو میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا۔ (۲) وہ بازاروں میں نہ چلّائے گا ملخصاً (۴) اُس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مَسلا جائے گا جب تک کہ راستی کو زمین پر قائم نہ کرے الخ (۵) خداوند الخ یوں فرماتا ہے۔ (۶) کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور قیدیوں کو قید سے نکالے۔ کہہ یہود میرا نام ہے اپنی شوکت غیر کو نہ دونگا جو ستائش مرے لئے ہوتی ہے میں وہ کھُدی ہوئی مورتوں کے لئے نہ دوں گا۔ (۱۱) بیابان ❶ اور اُس کی بستیاں قیدار ❷ کے آباد دیہات اپنی آواز ❸ بلند کریں گے پہاڑوں ❹ کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت کو جوش میں لائے گا وہ چلّائے گا ہاں وہ جنگ کے لئے بُلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا، آلخ اس بشارت میں آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک کی صاف تصریح ہے اور اُس حکمتِ نوامیسیہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو جہاد سے مقصود ہے وہ یہ کہ جس طرح مالک باغ اپنے باغ کو باغبان سے چھنٹواتا ہے اور جو کانٹے اور ناقص گھانس اُگ آتی ہے بے ساختہ ان کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتا ہے اسی طرح

---

❶.....ملکِ عرب ۱۲۔ ❷.....قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا بڑا بیٹا آنحضرت ﷺ جدِ اعلیٰ ہے یہ صاف تصریح آنحضرت ﷺ کی ہے کیونکہ بنی قیدار میں سے آپ ﷺ کے علاوہ اور کوئی اس کا مصداق نہیں گزرا ہے ۱۲ منہ۔ ❸.....یعنی حج اور جہاد میں تکبیر کہیں گے ۱۲ منہ۔ ❹.....حج میں صفا و مروہ پر للکار کر تکبیر پڑھتے ہیں ۱۲ منہ۔

مخلوق الٰہی میں جب وعظ و پند انبیاء سے کام نہیں نکلتا تھا تب اخیر میں ایک آسمانی سلطنت قائم کرتا ہے اور اپنے پیغمبر ﷺ کو اس کام کے لئے مبعوث کر کے بت پرستی کے خس و خاشاک کو اُکھڑوا دیتا ہے سو اس لئے قرآن میں جا بجا جہاد کی تاکید ہوئی اور وہ اس لشکر کی تنخواہ اجر آخرت اور درجہ شہادت اور کبھی کچھ غنیمت اور ملک و قوم کی شوکت قرار پائی۔

عند المتقدمین ۱۱

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ مع ۲
اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ* وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ
قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ
الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا
رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

ترجمہ:......جن لوگوں نے زخم پہنچنے کے بعد (بھی) اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کا حکم مانا۔ اُن میں سے جنہوں نے نیکی اور پرہیزگاری کی (اُن کے لئے) اجرِ عظیم ہے۞۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو لوگوں نے (آکر) کہا تمہارے لئے لوگ جمع ہو رہے ہیں سو اُن کو ڈرایا (اس سے) اُن کا (اور بھی) ایمان بڑھ گیا اور انھوں نے (یہ) کہا کہ اللہ ہم کو کافی ہے اور (وہی) اچھا کارساز ہے۞۔ سو یہ (ایمان والے) خدا تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے (اور ان کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر چلے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والا ہے۞۔

ترکیب:......الذین استجابوا موضعِ جر میں صفت ہے المؤمنین کی۔ اجر عظیم مبتدا موخر للذین احسنوا منھم خبر الذین قال لھم بدل ہے الذین استجابوا سے حسبنا ای فحسبنا مبتدا اللہ خبر او العکس بنعمۃ من اللہ اور لم یمسسھم بھی حال ہے ضمیر انقلبوا سے واتبعوا معطوف ہے انقلبوا پر۔

## کامل ایمان والوں کی مدح

تفسیر:......پہلی آیت میں شہیدوں کی مدح کے بعد یہ تھا کہ خدا تعالیٰ مومنوں کے اجر ضائع نہیں کرتا۔ یہاں اُن مومنوں کی تشریح کرتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں یہ نہیں کہ برائے نام اسلام اختیار کر کے ان درجوں کا اپنے تئیں مستحق سمجھ بیٹھے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو لوگ شہید ہو گئے ہیں وہ تو منزلِ مقصود کو پہنچ ہی گئے مگر جو اس جماعت کے لوگ زندہ ہیں وہ بھی انہی میں شمار ہیں۔ فرماتا ہے کہ مومنِ کامل وہ لوگ ہیں کہ جو ہزیمت کھا کر زخم اُٹھا کر بھی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت کو موجود ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اُن کے لئے اجرِ عظیم ہے کیونکہ انہوں نے اوامر پر عمل کیا اَحْسَنُوْا، اور منہیات سے بچے اتَّقَوْا، اس مدح میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ جب جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ستر آدمی شہید ہو گئے اور سینکڑوں زخمی ہوئے اور مشرکین چڑھے چلے آتے تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی لاشوں کی بے حرمتی کریں چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کی بے ادبی کی، کان ناک کاٹ کر شکل بگاڑی۔ اس

*......من للبیان لا للتبعیض ۱۲ منہ

میں آنحضرت ﷺ نے سنبھل کر پھر اہلِ اسلام کو پکارا تو باوجود اس شدت کے پھر دوڑے چلے آئے اور مشرکین کو ہٹا دیا۔

**شانِ نزول:**......واقدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اہلِ سیر یہ کہتے ہیں کہ اس کا سبب نزول یہ ہے کہ اُحد کی جنگ سے جب ابوسفیان مشرکین کا لشکر لے کر واپس چلا اور بمقام روحاء پہنچا تو اُس کے دل میں آیا کہ ہم نے بہت سے مسلمان قتل کئے اور بہت کو زخمی کیا افسوس کہ اُن کو بالکل نیست و نابود ہی کیوں نہ کیا پھر چلو اور کام تمام کر آؤ کیونکہ اب ان میں دَم نہیں ہے۔ اُس کے اس ارادہ کی خبر نبی ﷺ کو بھی پہنچ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے کہا ابوسفیان کے مقابلہ کے لئے چلو۔ منافقوں نے کہا کیا خوب یہ تو حال ہوا ہے پھر اُن سے لڑنے چلو۔ مگر مخلصین اہلِ اسلام باوجود زخموں کے کمرِ ہمت باندھ کر آمادہ ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر حمراء اسد تک کہ جو مدینہ طیبہ سے تین میل ہے پہنچے ابوسفیان ڈر کر بھاگ گیا۔ یہ اُن مسلمانوں کی مدح ہے جو ساتھ گئے تھے۔

**صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اللہ تعالیٰ پر بے مثال بھروسہ:**......پھر اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ میں ایمانداروں کی دوسری مدح ہے اس میں بدرِ صغریٰ ❶ کے غزوہ ❷ کی طرف اشارہ ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اُحد کے روز جب ابوسفیان مکہ معظمہ کو واپس چلنے لگا تو پکار کر کہا اے محمد (ﷺ) ہمارا تمہارا مقابلہ اب سے بدرِ صغریٰ کے موسم پر ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہہ دو منظور جب وہ دن آئے اور ابوسفیان لوگوں کو مکہ سے اکٹھا کر کے مر الظہران ❸ تک آیا تو اُس کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے رُعب آ گیا اور وہ واپس پھر گیا اور نعیم بن مسعود اشجعی کو کچھ دینار دے کر کے مدینہ طیبہ میں اس لئے بھیجا کہ مسلمانوں کو کہہ کر ڈرا دے کہ تمہارے مقابلہ کے لئے بڑی فوجیں جمع ہو رہی ہیں یہ عقل کی بات نہیں کہ تم وہاں لڑنے کو جاؤ جب یہاں آ کر تم کو قتل کیا وہاں جا کر کوئی زندہ واپس نہ آئے گا۔ منافق تو سُن کر کانپنے لگے مگر مخلصین مسلمان بالکل آمادہ ہو گئے اور یہ کہا کچھ پروا نہیں ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی ہمارا مددگار ہے۔ آخر ستر ۷۰ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آنحضرت ﷺ حسب وعدہ پہنچے۔ یہاں مخالفین میں سے کوئی بھی نہ ملا۔

**صحابہ کرام کو بدرِ صغریٰ میں مالی منافع:**......اس مقام پر ایامِ جاہلیت میں ہر سال کئی روز تک خرید و فروخت کا میلہ لگا کرتا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے وہاں جو کچھ زادِ راہ لے گئے تھے اس کو فروخت کر کے دو چند نفع اُٹھایا اور ثوابِ آخرت لے کر یہ لوگ صحیح سلامت گھر آئے قَالَ لَهُمُ النَّاسُ سے مراد نعیم ہے ان الناس سے مراد مشرکین مکہ ہیں بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ الْعَافِيَةُ۔ اور فضل سے مراد نفع تجارت ہے لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ یعنی قتل و ضرب کی کوئی بُرائی پیش نہ آئی وَاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی۔ اس سے منافقین کے دل میں حسرت پیدا کرتا ہے۔

---

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ

---

❶ ...... یعنی دوسری مرتبہ لڑنے کے لئے تیار ہو گئے اُحد کی لڑائی کے بعد جاتے وقت ابوسفیان سردار قریش یہ کہہ گیا تھا کہ اب ہم بدرِ صغریٰ پر پھر تم سے لڑنے کو فلاں فلاں وقت آئیں گے اس پر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو تیار کیا خدا پرست تیار ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ وہاں پہنچے وہاں کفار میں سے کسی کو بھی نہ پایا ابوسفیان کی خالی شیخی تھی۔ ان حکم برداروں کی ان آیات میں مدح کی جاتی ہے کہ وہ صحیح سلامت بھی آئے اور ان کو اجر بھی ملا ۱۲۔

❷ ...... غزوہ اس لشکر کشی کو کہتے ہیں جس میں خود آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے اور سریہ وہ کہ جس میں خود شریک نہ تھے۔ ❸ ...... یہ بنی کنانہ کا تالاب یا کنواں تھا یہاں پر ہر سال خرید و فروخت کے لئے میلہ لگا کرتا تھا اور یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے ۱۲ منہ۔

شَیْـًٔا ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

اَلِیْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا

نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾

ترجمہ:......(یہ خبر دینے والا) تو صرف (ایک) شیطان تھا جو اپنے دوستوں کو ڈرایا کرتا ہے سو تم اُن سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو اگر تم ایماندار ہو ۞ اور (اے نبی ﷺ!) ان لوگوں سے کچھ غم نہ کرو کہ جو کفر میں دَوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آخرت میں اُن کا کوئی حصہ بھی نہ رکھے۔ اور ان کو بڑا عذاب ہو ۞۔ جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر خریدا وہ اللہ تعالیٰ کو تو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے۔ اور اُن کے لئے عذابِ الیم ہے ۞۔ اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ یہ جو ہم ان کو ڈھیل [ف] دے رہے ہیں کچھ ان کے حق میں بہتر ہے۔ ہم صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ وہ اور بھی گناہ کمائیں، اور اُن کے لئے ذلّت کا عذاب ہے ۞۔

**ترکیب:**......ذٰلکم مبتدا الشیطان خبر یخوّف جملہ حال ہے الشیطان سے والعامل الاشارۃ ای یخوفکم باولیائہ او یخوفکم اولیاؤہ۔ الذین کفروا فاعل لایحسبنّ الذین۔ انما نملی لھم...الخ جملہ قائم مقام دو مفعولوں کے۔

## شیطان کا دلوں میں وسوسہ ڈالنا

**تفسیر:**...... پہلے ذکر تھا کہ کفار اہلِ ایمان کو ڈراتے ہیں تمہارے لئے فوجیں جمع ہو رہی ہیں۔ یہاں فرماتا ہے کہ یہ ڈرانے والا (یعنی نعیم بن مسعود ❶ یا جماعتِ کفر ابوسفیان وغیرہ) شیطان ہے کہ جو اپنے دوستوں یعنی مشرکین و کفار کی شوکت سے خدا تعالیٰ کے دوستوں کو ڈرایا کرتا ہے اور دل میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے۔ یا یہ معنی کہ شیطان اپنے یاروں کو ڈرایا کرتا ہے یعنی اس کا گزر زیادہ انہی کے دل میں ہے وہیں زیادہ وسوسہ ڈالا کرتا ہے سو تم اُس کے دوست نہیں ہو تو کیوں ڈرتے ہو تم مجھ سے ڈرو اگر سچے مومن ہو۔ اس کے بعد مشرکین کے کرّ و فر اور منافقوں اور یہود کے خداع و مکر کی بے ثباتی (اللہ تبارک وتعالیٰ) بیان فرماتا ہے کہ اے نبی (ﷺ) یا اے ہر مخاطب اہلِ ایمان تم کو اُن کے اس کفر کی تیاری اور کوشش سے ہراساں نہ ہونا چاہئے یہ سب ہیچ ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ کو کرنا ہے وہی کر کے رہے گا یہ اُس کے ارادے اور اس کے جاری کئے ہوئے دین میں کچھ بھی خلل اندازی نہ کر سکیں گے، نہ خدا تعالیٰ کا کچھ بگاڑ سکیں گے، یہ صرف اپنا ہی بگاڑ کر رہے ہیں کیونکہ ان کی اس شرارت سے خدا تعالیٰ یہ چاہ رہا ہے کہ اُن کے لئے آخرت میں سعادت کا کوئی حصہ بھی نہ رہے بدبخت۔

[ف]:......بعض معترض اعتراض کیا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا لوگوں کے حق میں بُرائی پہنچانے کا ارادہ کرنا اس لئے ڈھیل دینا کہ وہ اور بھی گناہ کر کے زیادہ عذاب میں مبتلا ہوں اور نیز بار بار یہ فرمانا کہ ہم کو امتحان مقصود تھا یا ہم کو نیک اور بدوں کی آزمائش کرنی تھی اس کی شانِ تقدس اور علمِ ازلی کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب مجازات و استعارات ہیں۔ بندہ جب اپنے اُس اختیار و ارادے وقدرتِ خداداد کو برائی میں صرف کرتا ہے اور کسی ناصح کی بات نہیں مانتا جس سے اُس پر برے نتائج پیش آتے ہیں تو ان نتائج کو کہیں بطور سرزنش علم، ازلی کے سبب جو اَزل میں خدا تعالیٰ کو ان باتوں کا علم تھا اور وہ دفترِ علمِ الٰہی میں ثبت ہو چکے تھے اپنی طرف اسناد کر دیا جاتا ہے اور اس اسناد میں کوئی بات خلاف تقدس نہیں۔ اسی طرح گو اس کو ازل میں ہر چیز کا علم تھا مگر اس عالمِ شہود میں وہ علم جس کو بندے بھی حاصل کرتے ہیں بعد وقوعِ معاملات ہی ہوتا ہے۔ اس لئے آزمانا وغیرہ علم کے لحاظ سے فرمایا گیا ۱۲ منہ۔ ❶...... یہ لوگ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ ان کی یہ مذمت اُس حال پر ہے ۱۲ منہ۔

م

ازلی رہیں ان کو عذاب عظیم ہوگا۔ور وہ لوگ جو فطری ہدایت چھوڑ کر کفر اُس کے بدلے میں اختیار کرتے ہیں یعنی ایمان دے کر کفر خریدتے ہیں، منافقین وغیرہ وہ بھی کیا خدا تعالیٰ کو مضرت دے سکتے ہیں ان کو عذاب الیم ہوگا۔ بعد مُردن اُن کے یہ افعالِ شنیعہ جہنم کی آگ بن کر اُن کو جلادیں گے۔

**دولتِ دنیا کفار کے لئے ڈھیل:**......اُحد کی لڑائی کے بعد مشرکین اپنی فتح یابی پر نازاں ہو کر یہ کہا کرتے تھے کہ جس دین پر ہم ہیں وہ حق ہے کہ ہم کامیاب ہیں اور دنیا اور دولت ہم کو نصیب ہے۔ مسلمان اسلام کی بدولت کس پست حالت میں ہیں نہ مال ہے نہ اسباب ہے گھر بار چھوڑے مدینہ میں فاقہ کشی کر رہے ہیں، قتل کئے جاتے ہیں۔اس کا جواب دیتا ہے کہ ہم نے جوان کو ڈھیل دے رکھی ہے اور یہ سامان مہیا کر دیئے ہیں اس کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں ان کو یہ سامان اس لئے ملے ہیں کہ نافرمانی اور گناہ میں کامل ترقی کر کے مرنے کے بعد اس کی پوری سزا پائیں جس طرح کوئی جرم کرے اور بادشاہ باوجود علم وقدرت کے اُس کو فوراً گرفتار نہ کرے اور اس کو اتنی مہلت دے کہ وہ خوب بغاوت اور فتنہ پھیلا دے سو یہ بادشاہ کے کامل غضب کی علامت ہے کہ پھر اس کو گرفتار کر کے اس بڑے بھاری جُرم کے معاوضہ میں سخت سزا دے گا۔ بادشاہ کا یہ ڈھیل دینا کچھ اس کے حق میں مہربانی نہیں بلکہ زہر اور قہر ہے۔اسی طرح بے دینوں کا دنیا میں کامیاب ہونا اور عمر و دولت میں ترقی کرنا باوجود خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے ان کے حق میں زہر ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع

ترجمہ:......اللہ ایسا نہیں تھا کہ مسلمانوں کو اُسی حال پر چھوڑ دیتا کہ جس پر تم ہو تاوقتیکہ ناپاک کو پاک سے ممتاز نہ کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا (بھی) نہیں تھا کہ تم کو غیب پر مطلع کر دیتا بلکہ اللہ تو اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے برگزیدہ کر لیتا ہے۔ سو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری کرو گے تو تم کو بڑا اجر ملے گا۔ اور جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل (وکرم) سے کچھ دے رکھا ہے اُس پر وہ بخل کرتے ہیں اس (بخل کرنے) کو اپنے لئے بہتر نہ سمجھیں بلکہ یہ بات اُن کے حق میں بہت (ہی) بری ہے۔ بہت جلد ان کو اُس چیز کا جس پر وہ بخل کرتے ہیں قیامت کے دن طوق بنا کر پہنایا جاوے گا اور اللہ تعالیٰ ہی آسمان وزمین کا وارث ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ (اس سے خوب) واقف ہے۔

**ترکیب:**......ماکان اللہ خبر کان کی محذوف تقدیرہٗ ماکان اللہ مریدا لان یذر المومنین۔ لیذر خبر نہیں ہوسکتی یذر کی اصل یوذر

تھی یدع کی مشابہت سے وحذف ہوا۔ ورنہ یہاں کوئی علتِ حذف نہ تھی اور یذر کی ماضی نہیں آتی کیونکہ ترک اس کا کام دیتا ہے الذین یبخلون . . . الخ فاعلِ لایحسبن۔ خیر امفعول ثانی ھو ضمیر فصل مفعولِ اوّل البخل محذوف یا ھو۔

## ہزیمت غزوۂ اُحد میں حکمت و آزمائشیں

تفسیر:......یہ تتمہ ہے اُحد کے معرکہ کا منافق بھی یہ کہتے تھے کہ اگر نبی برحق آنحضرت ﷺ ہوتے تو یہ حوادث پیش نہ آتے نہ یہ مصائب اُٹھانے پڑتے۔ خدا تعالیٰ اس آیت میں تسلّی کرتا ہے کہ اُحد کے روز شکست کھانا بہت سے لوگوں کا قتل ہونا اور بہت کا زخمی ہونا اور پھر اس حالت میں ابوسفیان کے مقابلہ کو نکلنا اور بدرِ صغریٰ میں وعدہ پر جانا، ادھر کھانے پینے اور افلاس کی سخت تکلیفات پیش آنی یہ سب باتیں کسوٹی ہیں کھرے اور کھوٹے کے لئے۔ خدا تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ اے مسلمانو! تم بغیر امتیاز کئے تمہارے اُسی حال پر تم کو چھوڑ دیتا اور اس دنیا دار تکلیف میں کھرے کھوٹے کا ایسے حوادث سے امتحان نہ کرتا۔ اس پر خیال ہوتا تھا کہ اس امتحان میں خدا تعالیٰ کیا حکمت ہے یوں ہی لوگوں کو مطلع کیوں نہیں کر دیتا کہ فلاں جہنمی ہے، فلاں امتحان میں کامل نکلے گا، فلاں ناقص۔ اس کے دفعیہ میں فرماتا ہے کہ اُس کی حکمت کا یہ بھی مقتضی نہیں کہ وہ تم کو غیب پر مطلع کرے جو باعثِ فسادِ انتظام، عالم ہو جائے لیکن وہ اپنے رسولوں کو مخصوص کرتا ہے یعنی ان کو جس قدر چاہتا ہے اسرارِ غیب پر مطلع کر دیتا ہے سو تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا چاہئے اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ کرو گے تو تم کو اجرِ عظیم عنایت ہوگا۔ حقیقت میں جو شخص دنیا میں ایمان کا دعویٰ کرے یا اس کی محبت کا دَم مارے اور پھر امتحان کی کسوٹی پر کھینچے جانے سے حذر کرے اور چند مصائبِ فانیہ سے اُس کا نشہ ہرن ہو جائے وہ جھوٹا ہے۔

جہاد میں مال خرچ کرنے کی تاکید:......اس کے بعد جہاد کی تقویت کے لئے اس میں مال صرف کرنے کی تاکید فرماتا ہے اور جو لوگ ہاتھ روکتے اور بخل کر کے خوش ہوتے ہیں کہ ہماری جمع بنی رہی ان کو خبر دیتا ہے کہ وہ اپنے اس بخل پر نازاں نہ ہوں یہ اُن کے حق میں اچھا نہیں ہے بلکہ بُرا ہے۔ قیامت کے روز اس حبِ مال اور بخل کو متشکل کیا جائے گا اور جس طرح یہ محبتِ مال اور بخل اُن کے گلے میں پڑا ہوا ہے کہ کسی وقت دُور نہیں ہوتا اسی طرح وہاں اس کا طوق بنا کر گلے میں ڈالا جائے گا جس طرح خواب میں معانی جزئیہ اپنی مناسب صورت میں نظر آتے ہیں اسی طرح اعمال بھی قیامت کو بلکہ مرنے کے بعد اپنے مناسب صورتوں میں ظہور کریں گے۔

بخل کی مذمت:......پھر فرماتا ہے کہ اے بنی آدم! تم مال پر کیوں بخل کرتے ہو آخر ایک روز فنا ہے سب تم مر جاؤ گے سب کا وارث اللہ ہی رہے گا یعنی اُس کے سوا اور کوئی لینے والا باقی نہ رہے گا یا میراث سے مراد یہ ہے کہ سب کچھ اسی کا ہے پھر تم بیگانی چیز میں کیوں بخل کرتے ہو؟ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ سے مراد مال یا عام علم و حکمت وغیرہ ہے کیوں ان چیزوں میں بھی بخل کرنا ناجائز ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا
قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ
بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ
عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ

جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ
بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

ترجمہ:...... بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی (یہ) بکواس (بھی) سُن لی جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی، ہم اُن کی (یہ) بکواس اور نبیوں کا ناحق قتل کرنا اب لکھے لیتے ہیں۔ اور (اس کے جواب میں) ہم ان سے (قیامت کے دن) کہیں گے کہ لو عذاب دوزخ کا مزہ چکھو ﴿۱۸۱﴾ یہ انہی اعمال کا بدلہ تو ہے کہ جن کو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا تھا اور اللہ تعالیٰ تو کسی بندہ پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا ﴿۱۸۲﴾۔ وہ یہ بھی تو کہہ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد کرلیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ہرگز ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے کہ جس کو آگ کھا جائے۔ کہہ دو کہ مجھ سے پہلے (بھی) بہت سے رسول تمہارے پاس نشانیاں لے کر اور جو کچھ تم کہتے وہ وہ (بھی) لے کر آچکے ہیں پھر تم نے ان کو کیوں قتل کر دیا اگر تم سچے ہو ﴿۱۸۳﴾۔ (اے نبی ﷺ) پھر اگر انھوں نے آپ کو بھی جھٹلایا تو (کوئی بات نہیں کیونکہ) آپ سے پہلے بھی (بہت سے) رسول جھٹلائے گئے ہیں حالانکہ وہ معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب (بھی) لائے تھے ﴿۱۸۴﴾۔

ترکیب:...... و قتلھم معطوف ہے ما قالوا پر قتل مصدر مضاف ہے فاعل کی طرف الانبیاء مفعول ذٰلک مبتدا بما قدمت خبر ای مستحق بما قدمت الذین قالوا بدل ہے پہلے الذین سے۔

## یہودیوں کے گستاخانہ اعتراض کے جوابات

تفسیر:...... پہلی آیت میں اس بات کی تاکید تھی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال صرف کرنا چاہیے بخل اچھا نہیں۔ اس کے موافق جو آنحضرت علیہ السلام نے ترغیب دی اور فرمایا کہ جو کوئی دیتا ہے اللہ تعالیٰ کو دیتا ہے۔ اُس پر مدینہ طیبہ کے یہود نے مضحکہ کیا اور کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ فقیر ہے جو بندوں ❶ سے مانگتا ہے۔ دوسرا شبہ تھا کہ اگر محمد (ﷺ) سچے نبی ہیں تو ایسی قربانی کریں کہ جس کو آگ آسمان سے اُتر کر کھا جائے۔ خدا تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ اس وقت تک ہم کسی نبی کی تصدیق نہ کریں جب تک کہ وہ ایک قربانی نہ ذبح کرے اور اُس کو آسمان سے آگ آکر نہ کھا جاوے جیسا کہ ہمارے انبیاء علیہم السلام کے عہد میں ہوا کرتا تھا یہاں ان دونوں باتوں کا جواب دیتا ہے کہ جو لوگ یہ گستاخی کرتے ہیں ہم اس کو سُن رہے ہیں، ہم اس کو ان کے اعمال میں لکھتے جاتے ہیں اور وہ جو اِن کے بزرگوں نے انبیاء علیہم السلام ناحق قتل کئے ہیں اور یہ بھی اُس کے پسند کرنے کے سبب اُس میں شریک ہیں اُس کو بھی ہم لکھ رہے ہیں یعنی یہ گستاخی کچھ نئی بات نہیں یہ لوگ پشتینی بدمعاش اور خدا تعالیٰ کے نافرمان ہیں (اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جن کا معجزہ آتشی قربانی انھوں نے دیکھا تھا اُن کے ساتھ بجز قتل کے اور کیا سلوک کیا تھا) بعد موت کے ہم ان کو کہیں گے کہ عذاب حریق جلا دینے والے عذاب کا مزہ چکھو اور یہ تمہارے اعمال بد کا نتیجہ ہے ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے۔

**اہل یہود کا آگ والی قربانی کا مطالبہ اور اس کا بطلان:**...... اور دوسرے شبہ کی نسبت فرماتا ہے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس

❶...... آج کل بھی جاہل لوگ قرآنی محاورات وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وغیرہ پر یہی اعتراض کیا کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کو دینے اور قرض دینے سے مراد نیک کاموں میں دینا مراد ہوتا ہے جس کا بدلہ خدا تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کو قرض سے بطور استعارہ کے تعبیر کرنا کمال بلاغت ہے مگر کوڑ مغز کے نزدیک عیب ہے ۱۲ منہ۔

رسول اور بہت سے معجزات اور خاص یہ معجزہ کہ جس کے تم خواستگار ہو لے کر آئے ہیں اور صحیفے بھی ان کے پاس کھلے کھلے تھے پھر اُن پر ایمان لانا تو درکنار اُن کو قتل کر ڈالا۔ پس اگر اے نبی ﷺ! وہ آپ کی تصدیق نہ کریں تو کچھ آپ کا قصور نہیں بلکہ یہ اُن کی مستمرہ عادت ہے۔ واضح ہو کہ انبیائے بنی اسرائیل میں کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ بیل یا اور جانور انھوں نے قربانی کیا تو اُس کو غیب سے ایک آگ نمودار ہو کر کھا گئی اور یہ بات اس کے مقبول ہونے کی عمدہ علامت تصور ہوتی تھی جیسا کہ عہد عتیق کے متعدد مقامات سے پایا جاتا ہے۔ لیکن اُن کا یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ بغیر اس معجزہ کے دیکھے کسی پر ایمان نہ لائیں محض غلط بات تھی کبھی اُن سے یہ عہد نہیں ہوا بلکہ مسیح علیہ السلام وغیرہ کو اس کی نوبت بھی نہیں آئی۔ چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے بہت سے معجزات دیکھ چکے تھے ان کا انکار نہ کر سکے اور ایک نئی بات طلب کی اور یہ طلب عناد سے تھی تو اس لئے سنت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ ایسی حالت میں معجزہ نہ دکھایا جاوے جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر چڑھتے وقت معجزہ دکھانے سے انکار کیا تھا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ط وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ قف وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ط وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ:...... ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ اور تم کو قیامت کے روز (تمہارے اعمال کے) پورے (پورے) بدلے ملیں گے۔ پس جو شخص آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہ (دلی) مراد کو پہنچ گیا۔ اور دنیا کی زندگی ہے کیا؟ محض دھوکے کی پونجی ۞۔ ضرور مالی اور جانوں کے (نقصان میں) تمہاری آزمائش کی جاوے گی۔ اور البتہ تم کو اُن لوگوں سے کہ جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور مشرکوں سے (بھی) بہت سی رنج کی باتیں سُننی پڑیں گی۔ اور (اس پر) اگر تم صبر اور پرہیزگاری اختیار کرو تو البتہ یہ (بڑی) ہمت کی بات ہے ۞۔

ترکیب:...... کلّ نفس اگرچہ نکرہ ہے مگر اس مقام پر مبتدا اور ذائقہ الموت خبر انما کافہ ہے اور اس لئے اجور کم کو فعل کی وجہ سے نصب ہوا اور اگر بمعنے الذی ہوتا تو اجور کم کو رفع ہوتا فمن زحزح... الخ شرط، فقد فاز جواب و من الذین اشر کو معطوف ہے من الذین اوتوا الکتاب پر اذی موصوف کثیرا صفت مفعول ہیں لتسمعن کا۔

## ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے

تفسیر:...... پہلے (ذکر) تھا کہ اگر یہود نے آپ ﷺ کی تکذیب کی تو کچھ نئی بات نہیں ہمیشہ ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ یہاں جو کچھ کرتے ہیں کرلیں آخر ہر شخص کو مرنا ہے (کس لئے کہ جسم کی رطوبتِ غریزیہ (اصلیہ) کو اُس کی حرارت غریزیہ فنا کرتے کرتے خود بھی فنا ہو جاتی ہے جس طرح چراغ کا تیل حرارت سے جلتے جلتے اس درجہ پر پہنچتا ہے خود چراغ کی لو گل ہو جاتی ہے یہ چار مخالف عناصر کب تک جمع رہیں گے انفکاک ترکیب ہوگا اگلے کہاں رہے ہیں جو یہ رہ جائیں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ روح باقی

رہے گی کیونکہ نفس کو موت کا مزہ چکھنے والا فرمایا سو موت کے وقت اس کو باقی رہنا چاہیے) پھر روح جب اس عالم سے وہاں جائے گی تو اپنے اعمال کا پورا بدلہ پائے گی مگر قیامت میں کہ جب اس عالمِ عنصری کا وجود نہ رہے گا جو عذاب سے بچا اور جنت میں گیا اُس نے اپنے اس دنیا میں آنے کی مراد پائی اور نہ اُس کا یہ سفر اکارت گیا۔ اور جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کے عیش و آرام اور مال و دولت زن و فرزند ہی کو اصلی مراد سمجھتے ہیں وہ دھوکے میں ہیں۔ یہ سب چیزیں عالمِ خواب کے عیش و آرام کی طرح چند روز کے بعد خواب و خیال ہو جائیں گی پھر اس بے بنیاد چیز کے نشہ میں اس عالم کے ہادیوں کا انکار کرنا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے حقیقت میں یہاں کے عیش و آرام کچھ بھی نہیں۔ ہر مزہ میں تلخی ملی ہوئی ہے اول تو ہر دم فنا جسم کا تغیر آوازِ جرس بن رہا ہے پھر اگر مال ہے تو تندرستی نہیں اور یہ ہے تو وہ نہیں سب مرادیں کسی کو بھی حاصل نہیں ہوتیں سو اس تمام عیش و خوبی کا گھر عالمِ روحانی ہے اس لئے کاملین موت کے مشتاق رہتے ہیں

قرآن کریم میں مخالفوں کے ایذا پر صبر کرنا جابجا ہے:...... اس تسلی کے بعد فرماتا ہے کہ اے ایماندارو! یہ عالم دارِ امتحان ہے تم کو جانی اور مالی تکلیفیں یہاں اٹھانی پڑیں گی اہلِ کتاب اور مشرکین کے طعن اور کلماتِ جاں سوز بھی سننے پڑیں گے ثابت قدم رہنا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آج تک ہو رہا ہے پادری اور متعصب ہنود وغیرہ ہم سینکڑوں برچھیاں مسلمانوں کے دلوں پر مارتے تھے اور مارتے ہیں۔ ہزاروں جھوٹی باتیں لکھ کر اسلام پر دھبہ لگاتے ہیں عجب عجب پہلو سے آنحضرت ﷺ اور اسلام اور قرآن مجید کی ہجو کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تم ان باتوں پر صبر کرو اور علم اور پرہیزگاری سے کام لو تو یہ بڑی عمدہ اولوالعزمی کی بات ہے۔ جہاد کے موقع پر جنگ کرنا اور بات ہے عموماً برتاوے میں حلم اور تواضع کرنا اور بات ہے اس کی بھی جابجا قرآن میں تعلیم ہے ❶۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ؗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع

ترجمہ:...... اور (اے نبی ﷺ! اہلِ کتاب کو وہ وقت یاد دلاؤ) جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ (اس کتاب کو) لوگوں سے ضرور بیان کرنا اور چھپانا مت، سو (اہل کتاب نے) اُس عہد کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلہ میں (قدرے) قلیل دام وصول کئے۔ سو کیا ہی بُرا سودا کر رہے ہیں ﴿۱۸۷﴾۔ اور (کہہ دیجئے) ان لوگوں کو جو اپنے کرتوت پر اتراتے ہیں اور کیا (کچھ بھی) نہیں اور (اس پر) خواہشیں کرتے ہیں کہ ہماری تعریف ہو سو اُن کی نسبت یہ نہ سمجھنا کہ انھوں نے عذاب (دوزخ) سے رستگاری حاصل کر لی ہے (بلکہ) ان کے لئے (تو) عذاب دردناک (تیار) ہے ﴿۱۸۸﴾۔ اور آسمان اور زمین کی بادشاہت تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۸۹﴾۔

❶...... قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ۔ مسلمانوں سے کہہ دو کہ کافروں کو معاف کیا کریں و قال اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ کہ بدی کے مقابلہ میں نیکی کرو۔ وغیرہا من الآیات ۱۲۔

ترکیب:...... لتبیننه کا مرجع عند البعض کتاب ہے بعض کے نزدیک نبی علیہ السلام ہیں۔ وراء ظرف ہے نبذوا کا لا تحسبن بالتاء خطاب للنبی او لکل من یصلح للخطاب۔ انت ضمیر اس کی فاعل اور الذین صلہ و موصول مع معطوف مفعول اوّل خبر مفعول ثانی محذوف یا لا تحسبن ثانی اُسی کا اعادہ ہے ھم مفعولِ اوّل، بمفازة ❶ مفعول ثانی۔ مفازة مفعلة ہے یعنی ظرف مکان من العذاب متعلق محذوف کے ہو کر مفازة کی صفت اور اگر مفازة کو مصدر میمی مانا جائے تب اسی کے ساتھ متعلق ہے۔

## اہلِ کتاب کا عہد اللہ کو توڑنا

تفسیر:...... صبر اور پرہیز گاری جس کا حکم دیا تھا اور اُس کو ہمت کے کاموں میں سے بتایا تھا یہود میں سے جاتی رہی تھی جس کا ذکر آیات میں کیا جاتا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ کہ خدا تعالیٰ نے اہلِ کتاب سے عہد لے لیا تھا کہ کتاب کو لوگوں سے چھپانا نہیں بیان کر دینا مگر دنیاوی فوائد کے لحاظ سے اس عہد کو پس پشت پھینک دیا عہد کے بدلے جو دنیا خریدی کیا ہی بُرا سودا کیا۔ پھر ان میں صبر اور پرہیز گاری کہاں رہی دنیا کے لالچ میں ایمان بھی برباد کر بیٹھے۔

علمائے اہلِ کتاب پر ہوا پرستی اور دنیا طلبی:...... یہاں تک غالب آ گئی تھی کہ وہ جیسا کہ موقع دیکھتے ایسا ہی فتویٰ دیدیا کرتے تھے حق گوئی بالکل جاتی رہی تھی اور لطف یہ تھا کہ اپنے اس کرتوت پر خوش بھی ہوتے تھے بلکہ اس بات پر مدح وستائش کے مستحق بنتے تھے کہ دیکھو ہم کیسے ہوشیار ہیں دین کی آڑ میں دنیا حاصل کرتے ہیں۔ (اللہ تبارک وتعالیٰ) فرماتا ہے کہ وہ اس چالاکی اور دین فروشی سے چاہیں کہ خدا کی مار اور اس کی سزا سے بچ جائیں ہرگز نہ بچیں گے اُن کو اس فعل کی سزا ملنی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کیونکہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اس کی عدالت کا تقاضا یہی ہے۔ اس کے اقتدار وقدرت سے بھی کوئی باہر نہیں جو کسی تدبیر و حیلہ سے اس کی سزا سے بچنا چاہے تو بچ نہیں سکتا۔ اس بات سے ڈرنا ہی تو اصل پرہیز گاری ہے جو کہ وہ کھو بیٹھے۔

اے مسلمانو! تم نہ کھو دینا اَتَوْا اے بِمَآ اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا۔ اور اصل ستائش وحمد تو عمدہ باتوں پر ہوتی ہے سو وہ انھوں نے کیں نہیں، اور کیا تو بُرا کام کیا جب پھر اس پر وہ ستائش کرانا چاہتے تھے سو یہ نہایت بدبات تھی گویا عیب کو ہنر سمجھ کر مدح کا مستحق بنتا ہے۔ معاذ اللہ جس میں یہ لاعلاج مرض پیدا ہو جائے کہ وہ عیب کو ہنر سمجھ کر اپنے آپ کو تعریف کا مستحق سمجھے ایسے لوگوں سے صلاحیت کی کیا اُمید۔ اس بیان میں صبر و پرہیز گاری کی عدمی جانب بھی بیان کر دی جو یہود میں تھی کس عمدہ پیرایہ سے کہ جس کا یہود بھی انکار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ خود ایسا کرتے تھے اور بھی ظاہر کر دیا کہ اصل تقویٰ خدا تعالیٰ کو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ اور ہر چیز پر قادر سمجھ کر اعمالِ بد کی سزا سے ڈرنا ہے اور اس میں انسان کو ہلاک کرنے والی خصلت سے بھی آگاہ کر دیا وہ یہ کہ عیب کو ہنر اور قابلِ مدح سمجھنا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ

❶...... المفازة مفعلة من فاز یفوز اذا النجاۃ وقیل معناہ مکان بعید ۱۲۔

النَّارِ ۝١٩١ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝١٩٢

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝١٩٣ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا

وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝١٩٤

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ

سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝١٩٥

ترجمہ:......البتہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور رات دن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں ۝۔ (بالخصوص) اُن کے لئے جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر (لیٹے ہوئے) اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش (بناوٹ) میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں اے ہمارے رب! تو نے یہ عبث نہیں بنائے۔ جس کو تو نے دوزخ میں داخل کیا سو اُس کو رُسوا کیا، اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ۝ اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو جو ایمان کے لئے منادی کر رہا تھا (یہ پکارتے) سنا کہ (لوگو!) اپنے رب پر ایمان لے آؤ سو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہماری بُرائیاں مٹا دے اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دینا ۝ اے ہمارے رب! جن جن نعمتوں کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کی معرفت ہم سے کیا ہے ان کو ہمیں عنایت کیجئے گا اور قیامت کے دن ہم کو رسوا نہ کرنا، (کیونکہ) تو وعدہ کے خلاف (کبھی) نہیں کیا کرتا ۝۔ پس انکے رب نے بھی ان کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) میں بھی تم میں سے (اچھے) عمل کرنے والے کی محنت کو رائگاں نہیں کیا کرتا (خواہ وہ) مرد ہو یا عورت (کیونکہ تم آپس میں ایک ہو۔ پھر جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے تو میں (بھی) اُن کی برائیاں ان سے مٹادوں گا۔ اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں (لے جاکر) رکھوں گا کہ جن کے تلے نہریں بہتی ہوں گی (یہ) خدا تعالیٰ کی طرف (اُنکے اعمال کا) بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس (بہت ہی) اچھا بدلہ ہے ۝۔

---

**ترکیب:......** في خلق السمٰوٰت... الخ خبر ان لاٰیٰت اس کا اسم الذین... الخ صفت یا بیان ہے اولی الالباب کا۔ قیاما اور قعودا حال ہیں فاعل یذکرون سے اور علی جنوبھم بھی محذوف سے متعلق ہو کر حال ہے، ای کائنین علی جنوبھم و یتفکرون معطوف ہے یذکرون پر باطلا اسم فاعل بمعنے مصدر کالعاقبۃ یہ مفعول لہٗ یا حال ہے ھٰذا کا مشار الیہ خلق ہے۔ تدخل النار شرط فقد اخزیۃ جواب مجموعہ خبر من ینادی صفت ہے منادیا کی۔ من ذکر او انثی بدل ہے منکم سے۔ بعضکم من بعض مستانف ہے یا حال ثوابا تمیز یا حال۔

## اہل عاقل کے لئے تخلیق آسمان وزمین میں خدا تعالیٰ کے نشانات قدرت ہیں

**تفسیر:**......اور جانب وجودی کو ان آیات میں اپنے صفات جلیلہ اور پرہیزگاروں کے رویہ کو عبادت و ذکر و دعاء سے ثابت فرمایا جاتا ہے کہ پرہیزگار خدا پرست ایسے ہوتے ہیں اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بیشک جو کچھ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں خدا تعالیٰ کے نشانِ قدرت ہیں کہ ایک مادہ سے مختلف اشیاء کس حکمت سے بنائی ہیں وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ اور جو کچھ رات اور دن کے بدلنے میں نشانِ قدرت ہیں کہ نیرّات عظام کو کس عمدگی اور فوائد بشریہ سے لئے ہوئے کس قادر مطلق نے حرکات وسکنات پر کس طرح سے مامور کر دیا ہے کبھی دن اور رات، بڑی کبھی چھوٹی، کبھی سرد کبھی گرم ہوتے ہیں اور یہ تغیر بتارہا ہے کہ دنیا کی کسی حالت کو بھی بقاء و دوام نہیں چہ جائیکہ انسان کو ان سب میں غور و فکر کرنے سے اس کی قدرت مگر کس کے لئے لِّاُولِی الْاَلْبَابِ عقلمندوں کے لئے نہ کہ حمقاء و جہلاء کے لئے جو حیوانوں جیسی آزاد زندگی پر فریفتہ ہیں لذائذ حسیہ ہی ان کا مقصود اصلی ہے۔ وہ عقلمند جو اصلی خدا ترس اور پرہیزگار ہیں کون ہیں اور ان کے کیا صفات ہیں؟

**اہل خرد و عقل اور ان کی صفات:**......اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ وہ جو ان آیاتِ قدرت میں غور کرنے کے بعد ان سب سے خدائے قادر کا وجود برحق مان کر اس کو یاد کرتے ہیں پھر نہ صرف عمر بھر میں ایک دو بار یا برسوں اور مہینوں اور ہفتوں میں بلکہ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا ہر حال میں کھڑے اور بیٹھے، (اسلامی نماز اس قسم کے ذکر کو حاوی ہے) بلکہ وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ لیٹے ہوئے بھی اس سے غافل نہیں اور نہ صرف ذکر ہی کرتے ہیں بلکہ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لیٹے ہوئے جب آسمانوں اور نیرات عظام کو دیکھتے ہیں پھر زمین کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو ان کی پیدائش میں غور و فکر کر کے یہ کہتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کہ اے ہمارے رب! تو نے اس عالم کو بیکار اور غلط کاری سے پیدا نہیں کیا ہے۔ ہر ہر چیز میں صدہا مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں یہ کسی بے شعور طبیعت یا کسی لایعقل مادہ یا کسی مجہول الحال نیچر کا کام نہیں۔ سُبْحٰنَكَ تو اس لغو اور باطل آفرینش کی تہمت سے پاک ہے۔ اور جو لوگ باوجود عقل خداداد کے ان نشانِ قدرت میں غور نہیں کرتے اور عالم کو از خود پیدا شدہ جانتے ہیں۔ یا خدا تعالیٰ کے سوا اُن کی پیدائش اور کسی کی طرف منسوب کرتے ہیں یا وہ کچھ فکر بھی نہیں کرتے یہ کام جہنم میں جانے کا ہے۔

**نارِ جہنم سے پناہ:**......پھر اے ہمارے رب! فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہم کو جہنم کی آگ سے بچانا ہم آپ ہی کو خالق و مالک مانتے ہیں۔ کیونکہ جس کو تو نے جہنم میں داخل کیا تو اس کو بڑا ہی رُسوا کیا جس سے زیادہ اور کوئی رسوائی اور ذلت نہیں اور ایسے ظالموں کا جو ایک کا حق دوسرے کو دیتے ہیں خدا تعالیٰ کے صفات مخلوق میں ثابت کرتے ہیں وہاں ان کا کوئی بھی مددگار اور بچانے والا نہیں جن کو وہ مددگار سمجھ کر پوجتے تھے کسی کی بھی مجال نہ ہوگی کہ اس کے سامنے دَم بھی مارے۔ اور صرف ہماری ہدایت کا یہی سبب لیا اور اسی کو کافی سمجھ بیٹھے ہوں بلکہ سَمِعْنَا مُنَادِیًا کہ ہم نے ایک منادی کو سنا یُّنَادِیْ جو آواز دیتا تھا کہ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ اپنے رب پر ایمان لاؤ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا سو اے رب! ہم ایمان لے آئے اس کی مخالفت نہ کی۔

**منادی خدا کون ہے؟:**......منادی خدا سے مراد نبی ﷺ یا اس کے نائب اور قرآن مجید ہے اور دل میں بھی خدا کا منادی فرشتہ خیر کی طرف آنے کی آواز دیا کرتا ہے اس کی آواز کو بھی وہی سنتے ہیں کہ جن کے دل میں ادراک باقی ہے۔ یہاں سے کس لطف کے ساتھ نبوت کی ضرورت بھی ثابت کر دی۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عالم غیب کے حالاتِ صحیح بغیر نبی ﷺ کے معلوم نہیں ہو سکتے کیونکہ قوتِ وہمیہ

حق بات پر بھی دوسرا رنگ چڑھا کر دکھایا کرتی ہے۔اب اے خدا! ہمارے گناہ جو بتقاضائے بشریت ہم سے ہو گئے ہیں معاف کر دیجئے۔اور ہماری برائیاں اور سیہ کاریاں سرے سے مٹا ہی ڈالئے اور ہم کو آئندہ بھی اس رستہ پر قائم رکھ کہ موت بھی آئے تو نیک لوگوں کے زمرہ میں ہو کر آئے۔

**اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتے:**۔۔۔۔۔اور اے ہمارے رب! جو کچھ تُو نے ہمارے لئے اپنے رسول ﷺ کی معرفت عالم جاودانی کی بابت وعدہ فرمایا ہے وہ ہم کو دینا ہمارے گناہوں کے سبب محروم نہ کر دینا۔خوف تو یہی ہے کہ تیرے وعدہ کی بابت ذرہ شبہ نہیں کس لئے کہ تو ہرگز وعدہ کے خلاف نہیں کیا کرتا۔

**رب تعالیٰ کسی کی محنت وعمل ضائع نہیں کرتے:**۔۔۔۔۔اس کے جواب میں خدا تعالیٰ بھی ان کو ان کی دُعاء مستجاب ہونے کا مژدہ دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہم بھی کسی کی محنت رائیگاں نہیں کیا کرتے، ان کی دُعاء قبول فرماتے ہیں۔اس میں کسی کی خصوصیت نہیں خواہ مرد ہو خواہ عورت، خواہ غریب وخواہ امیر شریف وہ خواہ رذیل کس لئے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ سب انسان ایک نسل کے ہیں اور بلحاظِ انسانیت یکساں ہیں مراتب میں عند اللہ فرق ہے تو ان کے اعمال وایمان ہی کے سبب سے ہے فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا ہے پھر جس نے ہجرت کی خدا تعالیٰ کے لئے وہ وطن کہ جہاں خدا پرستی نہیں کر سکتے تھے چھوڑ دیا اور خدا تعالیٰ کے ممنوع کام بھی چھوڑ دیئے اور وہ اپنے گھروں سے بجرمِ خدا پرستی نکالے گئے اور اسی لئے ستائے گئے اور مقابلہ کی اجازت کے بعد پھر وہ بھی خدا پرستی کو رواج دینے کے لئے لڑے یا اس لڑائی میں مارے گئے اور شہید ہو گئے تو میں بھی اُن کے گناہ دفتر سے مٹا ہی ڈالوں گا اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کو مرنے کے بعد ایسے عمدہ باغوں میں لے جا کر رکھوں گا کہ جن کے تلے (نیچے) نہریں پڑی بہہ رہی ہوں گی یہ بدلہ ہوگا خدا تعالیٰ کی طرف سے، اور خدا تعالیٰ کے پاس بہت عمدہ بدلہ حیات جاودانی، جس کی ادنیٰ چیز کی بھی دنیا بھر قیمت نہیں ہو سکتی، کیسا بڑا بدلہ ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾

ترجمہ:۔۔۔۔(اے نبی ﷺ) آپ ملک میں کافروں کے (اکڑ کر) چلنے پھرنے سے دھوکے میں نہ آجانا ۔ (یہ تو) تھوڑا سا اسباب ہے، پھر تو اُن کا ٹھکانا جہنم ہے۔اور وہ بُرا ٹھکانا ہے لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اُن کے لئے (وہ) باغ ہیں کہ جن کے تلے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (یہ) مہمانی ہے خدا یہاں کی۔اور جو چیز اللہ کے پاس نیک لوگوں کے لئے ہے وہ تو (بہت ہی) بہتر ہے۔اور بیشک اہل

کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ اُن کی طرف نازل کیا گیا تھا اللہ سے ڈر کر ان (سب) پر ایمان لاتے ہیں، خدا تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑے سے داموں سے بھی نہیں بیچتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ ایمان والو! صبر و(تکالیف کی) برداشت کرتے رہو، اور آپس میں دل بستگی رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم مراد کو پہنچو۔

ترکیب:...... متاع قلیل خبر ہے مبتدا محذوف کی ای تقلبھم متاع قلیل۔ لکن مخفف اور مثقل دونوں طرح سے آیا ہے۔ خالدین حال ہے لھم سے اور عامل معنی استقرار ہیں۔ جنّت موصوف وصفت مبتدا الھم خبر من اھل الکتاب خبر۔ ان لم یو من اسم خاشعین حال ہے ضمیر یؤمن سے اور جمع بلحاظ معنی لفظ من ہے۔

## اہل کفر کی موجودہ حالت سے دھوکہ نہ کھایا جائے

تفسیر:...... ان پرہیزگاروں کے مقابلہ میں ان لوگوں کو دکھایا جاتا ہے کہ جو صرف دنیاوی جاہ وحشمت پر مغرور ہو کر ملک میں اکڑتے پھرتے ہیں جو ایک بہت ہی قلیل پونجی ہے اور نیز مشرکین اپنے دنیاوی عیش و آرام پر نازاں ہو کر فقراء مہاجرین وانصار سے جن پر تنگدستی بے امنی محیط تھی طعن کے طور سے (بطور طعن و تشنیع) کہا کرتے تھے کہ تمہاری خدا پرستی اور پرہیزگاری دیکھی تم سے ہر حال میں ہم بہتر ہیں، عیش و آرام میں بلا قید حلال وحرام ہر طرح کے مزے اُڑاتے ہیں نہ روزہ نماز کی تکلیف، نہ راتوں کو جاگنے، دعاء مانگنے کا جھگڑا۔ جب تم کو یہاں کچھ نہیں ملا تو وہاں کیا ملے گا۔ صرف توہمات اور خیالی باتوں پر شادمان ہونا اور مصائب اُٹھانا ان ہی احمقوں کا کام ہے کہ جن کو محمد (ﷺ) نے اپنے جادو سے دیوانہ کر دیا ہے۔ ان کے خیالِ باطل کا رد کیا جاتا ہے کہ لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ۔ اے مخاطب! تم ان کو ملک میں اس اکڑنے پھرنے سے اور اس قدر قلیل جاہ وعیش سے جو آخرت اور نعیم باقیہ کے مقابلہ میں ہیچ ہے، دھوکہ میں نہ پڑ جانا کہ پرہیزگاری اور خدا پرستی کا کوئی عمدہ نتیجہ نہیں۔ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ یہ ایک تھوڑا سامان ہے اور بہت ہی بے ثبات بھی ہے خدا تعالیٰ نے اپنی کسی مصلحت سے ان کو دے رکھا ہے اس پر نظر بھی نہ ڈالنا ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت ہی بُری جگہ ہے۔ یہ چندروزہ کامرانی ہے۔ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لیکن کامرانی اور حیاتِ جاودانی تو ان کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور اسی کے لئے خدا پرستی اور پرہیزگاری کرتے ہیں لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اُن کے لئے ایسے باغ تیار ہیں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے وہ اس دنیا میں مسافرانہ بسر کرتے ہیں مسافر کو اصلی مقام کی راحت کا خیال ہونا چاہیے۔ یہ لوگ جب اس سفرِ دنیا سے اپنے مقام پر آئیں گے تو یہ سامان اُن کو نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خدا تعالیٰ کی طرف سے مہمانی میں ملیں گے اور ان چیزوں کے اور جو کچھ چیزیں خدا تعالیٰ کے پاس ہیں ابرار یعنی نیکوکاروں کے لئے موجود ہیں وہ کہیں بہتر ہیں۔

**اہل کتاب متقین کا تذکرہ وصفات:......** اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس عالم میں کسی کو بھی بقا نہیں لاکھوں کو مرتے دیکھتے ہیں پھر رہی یہ بات کہ یہاں کے بعد کوئی اور عالم بھی ہے کہ جہاں ہم کو جانا اور جا کر اپنے اعمال کا نتیجہ پانا ہے جس کی اُس کے رسولوں نے خبر دی ہے تو پھر ان نعمتوں کے مقابلہ میں اس چندروزہ سامان پر بس کرنا سخت نادانی ہے۔ اس بات پر سوائے دلائلِ عقلیہ کے تمام سلسلہ انبیائی کی بھی شہادت بس ہے کہ جس کو بعض اہلِ کتاب ادا کر رہے ہیں اور وہ کون ہیں لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ... الخ کہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ مسلمانوں کی طرف بھیجا گیا ہے یعنی قرآن اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور اس میں اس بات کی صاف تصریح کی ہے وہ اللہ تعالیٰ سے

بھی ڈرتے رہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی آیات کو تھوڑے داموں سے بھی نہیں بیچتے۔ اجر خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔ یہاں خدا ترس اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے نبی خاتم الزماں ﷺ کی تصدیق کی تھی جیسا کہ یہود میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور عیسائیوں میں سے حبشہ کا بادشاہ نجاشی وغیرہم اور ممکن ہے کہ اہلِ کتاب کے نقص بیان کرنے کے بعد اُن میں سے خدا پرستوں کو مستثنیٰ کیا جو انصاف کا مقتضیٰ ہے۔

**اہل اسلام کو ایک جامع نصیحت:**......اس کے بعد پھر مسلمانوں کی طرف رُوئے سخن کر کے ان کو صبر اور خدا پرستی پر قائم رہنے اور پرہیز گاری پر ثابت رہنے کی طرف متوجہ فرما کر کلام کو کس خوبی سے تمام کر دیا۔ بقولہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا . . . الخ۔ کہ اُن کو بڑا بکنے دو تمہارا جو کام ہے وہ کئے چلے جاؤ۔ واضح ہو کہ انسان کے دو حال ہیں ایک دنیا کا معاملہ دوسرا خدا تعالیٰ کا معاملہ۔ پھر دنیا کے معاملہ کی دو قسم ہیں ایک اپنے اُوپر مشقت گوارا کرنا دوسرے کو تکلیف نہ دینا ایک یہ کہ اُس کے علاوہ کچھ اور بھی سلوک و احسان کرنا۔ پھر اس کی بھی دو قسم ہیں اول یہ کہ خاص اپنی ذات سے علاقہ رکھے سو اُس کو تو اصْبِرُوْا میں ذکر کیا۔

**فوائد: صبر کے اقسام:**......صبر نفس کو روکنا اور برداشت کرنا ہے۔ پھر اس صبر کے بہت سے اقسام ہیں۔

۱)......یہ کہ توحید اور عالمِ آخرت کے پہچاننے میں جو کچھ غور اور فکر کرنے میں مشقت ہو اُس پر صبر کرے۔

۲)......واجبات کے ادا کرنے میں جو کچھ مشقتیں پیش آئیں روزہ میں بھوک پیاس، جہاد میں گرمی میں چلنا، دشمن سے لڑنا، تبلیغِ احکام میں وعظ و پند اور دین کی منادی میں جاہلوں کی بدکلامی سُننا، سب پر برداشت کرے۔

۳)......نفس کی خواہش روکنے میں جو کچھ مشقت پیش آئے اُس پر صبر کرے، حسین عورت کی طرف حرام کرنے کے لئے دل مائل ہو اُس کو روکے۔ الغرض منہیات سے بچنے میں کوشش کرے۔

۴)......مصائبِ دنیا، مرض موت، قحط تنگدستی، خوف وغیرہ سب پر برداشت کرے یہ سب باتیں اصْبِرُوْا میں شامل ہیں۔ جو اوروں سے علاقہ رکھتی ہیں اُس میں یہ ہے کہ گھر کے لوگوں اور ہمسایہ اور اہلِ شہر اور قوم کے اخلاقِ رذیلہ پر برداشت کرے۔ انتقام لینے میں اور غصہ کے فرد کرنے میں دل کو روکے رکھے یہ سب باتیں وَصَابِرُوْا میں آگئیں۔ رہا دوسروں پر احسان کرنا، صلہ رحمی وغیرہ سو وہ وَرَابِطُوْا میں آگئیں۔ ربط: کہتے ہیں باندھنے اور لگانے کو خواہ دل کو محبت الٰہی سے باندھے یا جہاد میں گھوڑے باندھے یا شب کو مخالفوں کے لئے پہرہ دینے پر دل کو باندھے یا انتظار صلوٰۃ میں دل لگائے یا عزیز قریبوں سے واسطے قائم رکھے اس لفظ میں سب معنوں کی گنجائش ہے اور اسی لئے ہر ایک مفسر نے ان میں سے ایک معنے اختیار کئے ہیں اور احادیث میں بھی ہر معنی کی طرف اشارہ ہے۔ رہا خدا تعالیٰ کا معاملہ سو وہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ میں آگیا۔ ایک جملہ میں حکمتِ نظریہ اور حکمتِ عملیہ اور اُن کی جمیع اقسام تہذیبِ اخلاق، سیاست مدن، تدبیر منزل وغیرہ سب کو جمع کر دیا اور پھر حکمت کے ثمرہ فلاح کی طرف بھی کس مجمل لفظ میں اشارہ کیا جو ہر قسم کی فلاح کو شامل فلاح دنیا اور فلاح آخرت سب آگئیں۔

اس سورہ میں مبداء اور معاد، دارِ آخرت کے حالات خدا تعالیٰ کی صفات، نیکی کے نتائج اور نیکوں کا رویہ اَور بدلوگوں کا انجام اشاعتِ دین میں استقلال انبیاء علیہم السلام اور اُن کے پیروں کے مختصر واقعات بیان کر کے سعادت کے عمدہ نتیجہ فلاح پر کس خوبی سے کلام تمام کیا ہے اور ہر ایک مضمون کو دوسرے سے عجب مربوط کیا۔

## الحمدللہ سورۂ ال عمران مکمل ہوئی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۂ اللہ متخلص بہ حقانی مایہ ناز عالم دین اور محدث تھے۔ حدیث کی ترویج و اشاعت میں آپ کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ آپ کی شخصیت ہندو پاک کی مستند اور نہایت قابل احترام تسلیم کی جاتی ہے اور آپ کی دینی، مذہبی، تجدیدی اور تصنیفی کارنامے مشہور و معروف ہیں، آپ کی تصانیف لائبریریوں کی زینت ہیں۔ اور ہر دور میں ارباب تحقیق آپ کی بصیرت، علمی کمال، تحقیقی ذہانت، اور روحانی کمالات کا اعتراف کرتے آئے ہیں۔ ان ہی علمی خدمات میں سے ایک تفسیر فتح المنان بھی ہے جو کہ تفسیر حقانی کے نام سے معروف و مشہور اور آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

## تفسیر کی نمایاں خصوصیات

اس تفسیر میں روایت کو کتاب حدیث سے اور درایت کو اس فن کے علماء محققین سے جمع کیا گیا ہے، اُردو میں اصل مطلب قرآن کو واضح کیا گیا ہے، شانِ نزول میں روایتِ صحیحہ نقل کی گئی ہیں، آیات احکام میں اول مسئلہ منصوصہ کو ذکر کر کے پھر اختلاف مجتہدین اور ان کے دلائل کی وضاحت کی ہے، اعراب کی مختلف وجوہ میں سے جو مصنف کی نگاہ میں قوی تھی اس کا ذکر کیا گیا ہے، معانی اور بلاغت کے متعلق نکات قرآنیہ بھی تفصیلاً ذکر کیے ہیں، کوئی حدیث بغیر سند کتب صحاح ستہ وغیرہ کے نہیں لائی گئی، قصص میں جو کچھ روایت صحیحہ یا کتب سابقہ سے ثابت ہے یا خود قرآن میں جو کچھ وارد ہے اس کو بیان کر دیا ہے، آیات میں ربط پر خاص توجہ ہے، مخالفین کے شکوک و شبہات جس قدر تاریخی واقعات یا مبداء و معاد کی بابت کئے جاتے ہیں، سب کا جواب الزامی اور تحقیقی دیا گیا ہے اور نفس ترجمہ میں تفسیر کو قوسین کے درمیان لایا گیا ہے، تکرار، رطب و یابس اور کسی خاص مذہب کی تائید میں غلو سے اجتناب ہے اور مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد قرآن مجید کی حقانیت کو واضح کیا گیا ہے، بائبل اور دوسری مذہبی کتابوں سے تقابلی مطالعہ اس تفسیر کا خاص موضوع ہے اور یہ تفسیر سلف کی عمدہ تفاسیر کا لب لباب اور عطر ہے۔

نیز ہر ایک آیت کے مشکل الفاظ کے معانی صوفیائے کرام کے فیوضات و ملفوظات اور تصوف کے اسرار و نکات کی باریکیاں آیات کی تفسیر کے ضمن میں بیان کی ہیں۔ اس تفسیر کے ساتھ ہی مقدمۃ القرآن میں علامہ حقانی رحمۂ اللہ نے تفسیر کی وہ تمام خوبیاں اور فوائد لکھ دیئے ہیں جن کا جاننا ہر مفسرِ قرآن کے لیے ضروری اور ہر تفسیر پڑھنے والے کے لیے لابدی ہے اور آخر میں جغرافیۃ العرب ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں تاریخی مقامات کے نقشے اور قرآن شریف میں ذکر کیے ہوئے شہروں کے حالات درج ہیں۔ جن کے پڑھنے سے مطالب قرآن کے سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے

دارالاشاعت کراچی اپنے روایتی معیار کے مطابق اس تفسیر کو آج کل کی ضرورت کے تحت تفصیلی عنوانات سے آراستہ کر کے اور کچھ الفاظ کی تسہیل وغیرہ کے اضافہ کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول و منظور فرما کر ذخیرۂ آخرت و نجات کا سبب بنائے۔ آمین

E-mail : sales@darulishaat.com.pk
ishaat@cyber.net.pk
ishaat@pk.netsolir.com

DIU-00974